عدد ۱
جلد ۱

سید وقار احمد ام۔ اے

محبوب سید رشدی ام۔ اے

مضمون خاص

پیام اتحاد

دو دل یک شود بشکند کوہ را

از مہاراجہ صدر اعظم بہادر

قیمت فی پرچہ (۱۲ر ۶ سہ)

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چار مینار حیدرآباد دکن

چندہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک۔

سالانہ	لے
ششماہی	۸ر ہے
سہ ماہی	للعہ
فی پرچہ	۲ر ۶ر

ہندوستان سے باہر کے لئے۔

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائے

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط وکتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائے

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائے

(۵) نظام گزٹ تقریبًا ۱۶ کے حجم پر شائع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شائع

منیجر

شمارہ ۱۱ حیدرآباد دکن : دوشنبہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء م ۹ آذر ۱۳۳۷ف جلد

شذرات

حساس جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو منافرت آجاتی ہے۔ تحریک خلافت کے وقت ہندو مسلمانوں کی وہ گاڑھی چھنتی کہ شاید اسکی مثال بھارت ورش نے کبھی نہ دیکھی ہو۔ اس حساس کا لطف جلد ختم ہوگیا۔ اب تلخی کی باری ہے۔

کوشش ہو رہی ہے کہ یہ تلخی دور ہوجائے "مجالس اتحاد" منعقد ہو رہی ہیں۔ اور چند دور اندیش سیاسی دیوتا اپنی اپنی طبیعت سے متنافرین کو ملانے میں سخت کوشاں ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ باہمی نفرت کے ابھی کچھ درجے باقی ہیں جو طے کرنا ہے۔ کیا واقعی ہم لوگ فطرتاً انتہا پسند واقع ہوئے ہیں؟

بمبئی میں حال ہی میں مسٹر لکشم زلا نے ایک مجلس اتحاد منعقد کی، اور کلکتہ میں مسٹر سری نواس اینگر صدر کانگرس نے خود دوسرے اس معاملہ میں دلچسپی لے رہے ہیں اور اپنے فرائض کی حدود سے باہر آکر انھوں نے قائم طور پر ہندوستان کے اکابر سیاسی کو دعوت دی ہے۔ دیکھیں یہ مجلس اتحاد کیا گل کھلاتی ہے۔ ہمیں اس مجلس سے بہت کچھ توقعات ہیں۔

کچھ برسوں سے عید میلاد کا زمانہ حیدرآباد دکن کیلئے دینی برکات کے علاوہ دنیوی فیوض کا بھی ذریعہ بن گیا ہے۔ جگہ جگہ عید میلاد کے جلسے، مشہور علماء و مقررین کی تقریریں، لکچر یا وعظ، خواہ اکو پیدا نہ کرسکیں جسکا چرچا کیا جاتا ہے لیکن کم از کم ولولے تازہ ضرور کر دیتے ہیں یہ کیا کم ہے!

اس سال بھی عید میلاد آئی اور نئے نئے ولولوں کیساتھ نئے نئے مقرروں کو بھی ساتھ لائی۔ رات میں تمام شہر روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ مولوی میر مصاحب علی صاحب کی سرگرم کوشش کا نتیجہ تھا کہ تقریباً ہر مسلمان نے اپنے اپنے مکان پر روشنی کی تھی۔ غرض اس سال عید میلاد کی کامیابی کا سہرا مولوی صاحب موصوف کے سر ہے۔ کیا ہم مولوی صاحب موصوف سے اس سے بہتر فرض کو کامیاب بنانے کی امید رکھ سکتے ہیں؟ فرض بھی وہ جو خدا کا حکم ہے اور رسول کا فرمان! یعنی "نماز"۔

اب کی دفعہ مسز سروجنی نائڈو کو پھر اپنا وطن یاد آیا۔ یا یہ کہ تفریح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دکن اس معاملہ میں بڑا بدقسمت ہے کہ جب کوئی ہستی اس کی گود میں پرورش پاکر کوئی اہمیت حاصل کرلیتی ہے، اسکو فوراً بھول جاتی ہے۔ لیکن اتفاقاً مسز سروجنی نائڈو ایسی حق ناشناس نہیں ہیں۔ انکو اپنا وطن یاد ہے۔ حیدرآباد یاد ہے۔ اسلئے ہر تقریر میں اپنے حیدرآبادی ہونے کا ذکر غزل میں مقطع کی طرح التزاماً کرتی ہیں۔

لیکن دکن کہتا ہے "میری پیاری بیٹی! تو میری ضعیفی کا سہارا ہے، تو میری آنکھوں کا تارا ہے، آ۔ اس اندھیری رات میں میری رہنمائی کر!"

سروجنی کہتی ہیں "اے میرے پیارے وطن! میں تیری بیٹی ہوں۔ تیرے ہی گودوں میں میں نے پرورش پائی۔ تو نے ہی مجھے پروان چڑھایا۔ اے میرے عظیم الشان وطن تو کتنا پیارا ہے! تجھ میں کتنی شاعری ہے! تجھ میں کیسا خلوص ہے! تو محبت کا گہوارہ ہے! دیکھ میں دنیا کے نشیب و فراز میں تجھے کبھی نہیں بھولتی، ہمیشہ تجھے یاد رکھتی ہوں۔ اور جب دنیا کے بکھیڑوں سے کچھ راحت پانا چاہتی ہوں، تیری گود میں آجاتی ہوں۔ جب آتی ہوں تیرے خون کو جوش میں لاتی ہوں اور پھر چلی جاتی ہوں تاکہ تیرا جوش ٹھنڈا ہوجائے اور تو پھر اپنی قدیم حالت پر قائم ہوجائے۔ پیارے وطن دیکھ میں تیرے ساتھ کتنا عمدہ سلوک کرتی ہوں۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۴ کالم ۳)

اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ریاست حیدرآباد تعلیمی امور میں برطانوی ہند سے بہت آگے ہے اس دعویٰ کی دلیل کیلئے صرف عثمانیہ یونیورسٹی کافی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی ہندوستان میں قومی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے نہیں معلوم دیسی زبان میں تعلیم دینے کا ارادہ کرنے کیلئے حکومت برطانی کو کتنے برس لگینگے۔ اور کب ہندوستان کو سچی تعلیم اور تربیت نصیب ہوگی۔

عام تعلیم اور سچی تعلیم یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے قومی منافرت اور تعصب کافور ہوجائینگے اور ہندوستان کو رواداری سکھلائینگے یہی وہ چیز ہے کہ جسکے نہونے سے آج ہندوستان کی قومیت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ کروڑوں ہندوں کا اتحاد اور اتفاق ایک قوت ہے اور یہ قوت وہ ہے کہ ذمہ دارانہ حکومت اسکا فطری بدل ہے۔

موجودہ ہندوستانی زندگی کے مذکورہ بالا مختصر سے تبصرہ

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ

ضروریاتِ زمانہ اور ہم

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
کاش کہ اُدھر ہوتا عرش سے مکاں اپنا

زندگی کے ہر شعبہ میں دنیا جس رفتار سے ترقی کر رہی ہے وہ کسی طویل بحث کی محتاج نہیں۔ تہذیب یافتہ لوگوں نے سخت جد و جہد سے وہ تمام چیزیں حاصل کر لیں جو قوم کو زندہ رکھنے کیلئے ضروری ہیں اور اب ایسی اشیاء کے حصول کی کوشش میں ہیں جو نور کا کام دیتی ہیں۔

زندگی کے دوڑ میں ہمارا کیا شمار ہے؟ اس کا جواب اسوقت بن پڑیگا کہ ہم اوروں کو بھی دیکھیں کہ وہ کہاں ہیں اور ہم کہاں۔ حالی مرحوم کو شاید ہندوستان ہی کی زبانِ حال نے کہا تھا۔ ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

"ترقی" یا "قومی ترقی" کا راگ اتنا پرانا ہو گیا ہے کہ اب سننے یا ادا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ نتائج کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہم نے اس دیوی کی پوجا اب تک زبان ہی سے کی۔ اکبر مرحوم طنزاً ہنس کر فرماتے ہیں ؎

قومی ترقی کی رادھا پیاری
بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
بھاری جوڑا پہنے بیٹھی تو ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ "رادھا پیاری" ہی ہیں یا کوئی اور؟

"قوم" اور "قومی ترقی" وغیرہ یہ تمام اصطلاحیں نئے زمانہ کی پیداوار ہیں۔ انگریزی حکومت کے پہلے کوئی ان الفاظ کو ان معنی میں جانتا بھی نہ تھا۔ تاجروں کی قوم نے اور سامان تجارت کے ساتھ کچھ لفظوں کی بھی تجارت کی۔ تبادلہ میں خواہ کچھ ہی لیا ہو مگر ہمیں بہت اچھے اچھے اور کار آمد لفظ سے ہم کو ضرور روشناس کیا۔ ہم پرانے الفاظ سے بھی ہٹ گئے اور پرانے خیالات سے بھی ہم کو ہٹا دیا گیا۔ یہ شاید قدرتی بات ہے۔ مگر ہم نے ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں ایسی غلطی کی جس سے ہم آج تک نقصان اٹھا رہے ہیں۔

قومی یا ملکی ترقی کے چند پہلو ہیں: ملک کی آزادی، معاشی حالات کی سرسبزی، اور قومی دماغ کی بلندی۔

قومی ترقی اور ملکی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے آج سے تقریباً پچاس برس پہلے کانگریس کی بنا ڈالی گئی۔ کانگریس سے ملک کو بے حساب فائدہ پہنچا مگر ہندوستان کا نام اب تک آزاد ملکوں کی فہرست میں نہ آیا۔ البتہ اتنی تبدیلی کانگریس نے ہندوستان میں ضرور دیکھی کہ اسکے ابتدائی زمانہ میں ہندو مسلمانوں میں گئوں اور لٹھوں کا تبادلہ اتنا نہیں ہوتا تھا جتنا کہ آج ہو رہا ہے۔ اس بیان سے ہمارا مقصد کانگریس پر حملہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ خود اپنے آپ پر محاسبہ کرنا ہے کہ اس طویل مدت میں ہم نے کسطرح صدیوں کے حق ہمسائیگی کو ادا کرنا سیکھ لیا۔

جب ہندو مسلمانوں میں منافرت اور عصبیت کا یہ عالم رہا تو اتحاد کی توقع کب کیجا سکتی ہے اور بغیر اتحاد کے کبھی کسی ملک یا قوم نے ترقی کی؟

ملک کی معاشی حالت الگ ہی اپنا دکھڑا سناتی ہے۔ ہندوستان کی مفلسی ضرب المثل بن گئی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان زرعی ملک ہے مگر ہماری زراعت کی کیا حالت ہے۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ فن زراعت میں بھی بہت ترقی ہو گئی۔ اس پیشہ میں انسانی محنت کو کم کرنے کے لئے صدہا قسم کے آلات ایجاد ہو چکے ہیں پھر بھی مسٹر فورڈ کا خیال ہے کہ "زراعت میں انسانی محنت کے مساوی آمدنی نہیں ہوتی ہمیں اور کوشش کر کے زرعی آلات میں اضافہ کرنا چاہئیے"۔ خیر یہ باہر والوں کے خیالات ہیں عمومی حیثیت سے ہمارے کسان کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ زراعت کیلئے اس قدیم طریقے کے سوا اور بھی کوئی طریقہ ہو سکتا ہے یا ان قدیم آلات کے سوا اور بھی کوئی نئے آلات کام دے سکتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ کہ ہمارا کسان وہی کسان ہے جو ہزار ہا سال پہلے تھا۔

جب زراعت ہی کا یہ حال رہا تو صنعت و حرفت یا تجارت کا کیا پوچھنا۔ ہندوستان میں معدنیات کی کمی نہیں مگر ان سے کام کون لیتا ہے۔ اب کچھ توجہ اسطرف بھی کیجاری ہے مگر یہ کوششیں ہندوستان جیسے وسیع ملک کیلئے ہرگز کافی نہیں۔ تجارت کا یہ حال ہے کہ اول تو صرف چند شہروں تک محدود ہے۔ اور اس میں بھی چند طبقے اس کے لئے مخصوص ہو گئے۔ سرمایہ کی عام طور پر کمی ہے پھر اس پر لطف یہ ہے کہ ملک کا اعلیٰ طبقہ اس سے بالکل بے پروا ہے۔

قومی ترقی کے میدان میں کوئی شخص ہتھیلی میں سرسوں نہیں جما سکتا۔ قومی عظمت کی ارتقاء برسوں اور صدیوں کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہے جس میں پہلی کوشش تعلیم اور معلومات کے میدان میں ہونی چاہئیے۔

قومی زندگی میں تعلیم کے شعبہ کی اہمیت سے کس کو انکار ہے۔ مگر ہندوستان کی تعلیمی حالت کیا ہے؟ وہ زمانہ گیا کہ ہندوستان کی تعلیمی رفعت کے مقابلہ میں دنیا پست نظر آتی تھی۔ اب ہندوستان کے باہر کی دنیا کا دماغی معیار اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ اسکا اندازہ کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ ہم اپنے ادنیٰ طبقہ سے کسی ترقی یافتہ قوم کے ادنیٰ طبقہ کا مقابلہ کریں۔

یورپ کی موجودہ بیداری زمانہ نشاۃ ثانیہ Renaissance یعنی تقریباً پندرھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے جبکہ ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور قسطنطنیہ کے عیسائی علماء و فضلا نے اٹالیہ میں پناہ لی تھی۔ وہاں انھوں نے علم و فنون کا چرچا کیا اور یورپ کی ہر ہر سرزمین میں ان کے جانشین پھیل گئے۔ علم کی ترقی آہستہ مگر دیرپا ہوتی گئی جسکا نتیجہ موجودہ یورپ ہے۔

مگر ہندوستان کی تعلیمی حالت کیا ہے؟ کیا موجودہ طرز تعلیم ہمارے لئے کافی ہے؟ کیا موجودہ تعلیم ہمیں سچا ہندوستانی بناتی ہے؟ کیا ہندوستان کی تعلیم اس صداقت کی حامل ہے جو تعلیم کا اصل منشا ہے؟ ان سوالات کے جوابات مدت ہوئی دئیے جا چکے ہیں۔ مگر وائے بر حال ما کہ ابھی تک اسی ڈگر پر چلے جا رہے ہیں ع سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا نہیں پر کھائے جاتے ہیں۔

ہمارا موجودہ نظام تعلیم ایسا ہے کہ اس سے قوم کی نوجوان پود کی صحیح تربیت صحیح طور پر نہیں ہو سکتی۔ غیر زبان کے سیکھنے اور اس کو حاصل کرنے میں کثیر محنت ضائع ہوتی ہے۔ ہماری درسگاہیں درس تعلیم کے کارخانے ہیں جہاں سے ہر سال سیکڑوں دفتری منشی نکلتے ہیں۔ اگر کچھ طلباء نے منشی گری سے بچنا چاہا تو کچھ دن اور برباد کر کے ہمہ تن وکالت یا طبابت کیطرف چلے گئے مگر یہ آزاد پیشے بھی قومی عظمت یا قومی دولت کو بڑھانے والے نہیں۔

اس نظام تعلیم کا ایک اور نقص یہ ہے کہ اسکی وسعت ہر ہر فرد قوم تک نہیں اس سے صرف ایک محدود طبقہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ہماری آبادی کی ایک کثیر تعداد ابتدائی تعلیم سے محروم ہے ہندوستان کو فی الحال مختصر اعلیٰ تعلیم سے زیادہ، وسیع ابتدائی تعلیم کی ضرورت ہے۔

موجودہ تعلیم کے نصاب پر ذرا نظر ڈالئے۔ تاریخ کی کتابوں کا انتخاب اس بے پروائی سے کیا گیا ہے کہ ملک کے دو فرقوں میں مدرسہ کی تعلیم ہی سے نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ قومی تعصب کی لعنت بڑی حد تک ہمارے موجودہ تعلیم یافتہ افراد ہی میں پائی جاتی ہے۔

نتیجہ اسکا یہ ہے کہ آپس کی تفرقوں نے ہمیں ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا۔ جب کسی قوم میں آپس ہی میں پھوٹ ہو تو اس میں ذرہ برابر اتحاد کیسے قایم ہو سکتی ہے۔ اگر قایم بھی ہو جائے تو اسکی بقا کی کیا امید؟

تعلیم کا مسئلہ صرف سیاست ہی پر اثر نہیں ڈالتا بلکہ ملک کی معاشی حالت بھی اس سے بہت متاثر ہوتی ہے ہماری زراعت میں جمود اور صنعت و حرفت اور تجارت سے بے پروائی اسی تعلیم کی کمی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہندوستان میں تعلیم عام ہو جائے ہر ہر فرد قوم ابتدائی تعلیم کی نعمت سے محروم نہ رہے تو ملک کی معاشی حالت میں انقلاب عظیم رونما ہوگا۔

ہندوستانی زندگی کی جو کیفیت اوپر بیان کیگئی وہ برطانوی ہند کو پیش نظر رکھکر بیان کیگئی۔ دیسی ریاستوں میں اس حالت سے بہت تھوڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اول تو یہ کہ سیاسی حیثیت سے دیسی ریاستوں میں حکومت اہل ملک ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اکثر حکمران رعایا کے حق میں مہربان اور فیض رساں ہیں جسکی وجہ رعایا کو اپنا حق مانگنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور اگر حکومت کے دوسرے افسروں سے رعایا کو کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو تقریباً تمام دیسی تاجداروں کا دروازہ رعایا کیلئے کھلا ہوا ہے۔ جہاں سیاسی نقطۂ نظر سے دیسی ریاستوں میں یہ خوبی ہے وہاں کچھ برائیاں بھی برطانوی ہند سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اول تو عام انتظام کے متعلق بہت شکایت سنی جاتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ بعض دیسی تاجداروں کی شخصیت رعایا کیلئے مشکلات کا باعث بن جاتی ہے اور دونوں برائیوں سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر ہے کہ دیسی ریاستوں میں تعلیمی حالت برطانوی ہند کی نسبت بہت خراب ہے۔ اس خصوص میں ہم صرف اپنی ریاست کی متعلق

پیام اتحاد

دو دل یک شود بشکند کوہ را

از ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ صدر اعظم باب حکومت

جس شاعر نے یہ مصرعہ کہا ہے، اس نے ایک مصرعہ میں حیات انسانی کا بہت بڑا فلسفہ ظاہر کر دیا ہے۔ آج کل ہندوستان میں جو مایوس کن حالات اور واقعات رونما ہو رہے ہیں، ان تمام مشکلوں کا حل اسی چھوٹے سے مصرعہ پر عمل کرنے سے بآسانی ممکن ہے۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کے سرانجام کرنے کے واسطے اس زرین مقولے پر عملدرآمد کی ضرورت نہو۔

قدرت بھی عجیب عجیب رموز ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس نے ہمیں اتفاق کا درس دینے کے لئے بیشمار مثالیں سبق آموز مہیا کی ہیں۔ پہلے بسم اللہ شہد کی مکھیوں کو دیکھئے کہ وہ کس طرح مل جل کر ایک نعمت تیار کرتی ہیں۔

زاتفاق مگس شہد میشود پیدا
خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

مور ہائے ناتواں پر نظر ڈالئے کہ کس طرح قطار اندر قطار ما یحتاج کے لئے متفقہ طور پر غذا فراہم کرتی ہیں۔

عاقل ہو تیری سعی میں پوشیدہ راز شاد
ہو جائنگی سبھی تیری آسان مشکلیں

چھوٹے چھوٹے دیہات اور قصبات مل کر ایک شہر بن جاتے ہیں۔ اور پھر چند شہروں کے اتحاد سے مملکت کی بنا پڑتی ہے۔ اسی طرح انسانی تمدن کی ہر شئے اتحاد عمل کا نتیجہ ہے۔ خواہ وہ مکان ہو یا ریل۔ تاریقی ہو یا موٹر کار لباس ہو یا غذا کسی باغ میں جائیے گوناگوں درختوں، رنگ رنگ کے پھولوں اور طرح طرح کے پھلوں سے آراستہ نظر آئیگا۔ اگر یہ درخت، پھول پھل الگ الگ ہو جائیں تو وہ باغ کا ہے کو ہوگا؟ وہ ایک ویران زمین کا اجڑا ہوا قطعہ ہوگا۔ اسی طرح خود ہمارے وجود کی ترتیب پر غور کیجئے۔ اعضا، گوشت و پوست، سر و استخوان مل کر ایک شکل بنی۔ اور یہی کثرت وحدت خالق کے وجود کی شاہد ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ شانہٗ، کائنات عالم کی جب آفرنیش ہوئی نسل آدم ایک ہی تھی۔ ایک ہی سرچشمہ تھا جس سے مختلف نسلیں پیدا ہوئیں۔ قدیم زمانہ میں زندگی سادہ تھی جوش عصبیت نام کو نہ تھا۔ بادشاہوں کی یہ حالت تھی کہ امن و امان نیک و پاکیزہ زندگی کی خاطر تخت و تاج تک کو یکسر ترک کرتے تھے۔ شاہانہ سطوت و شوکت کو ان کی آن پر خیرباد کہتے تھے۔ دنیا کو یکجہتی اور اتفاق کا سبق دینے کے لئے مثالیں قائم کرتے تھے اور محبت و الفت کے گیت گاتے تھے۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو انسان فطرتاً اتفاق و اتحاد کا محتاج بنایا گیا ہے۔ حکیم علی الاطلاق نے اس اتفاق و اتحاد کا سبق دینے کے لئے ابتدا ہی سے انسان کو ایسے انداز پر پیدا کیا کہ وہ ہمیشہ اپنے ہم جنسوں سے مانوس رہے۔ ولادت کے بعد دو ڈیڑھ برس تک مرضعہ (دودھ پینے کا زمانہ) رہا۔ اسکے بعد شباب کی جنوں خیز سرحد پر پہنچنے تک لڑکپن کے زمانہ میں اپنے دوسرے محبت جتانے والوں سے محبت رکھنا پڑتا ہے۔

سن تمیزی کو پہنچکر ان پیچیدہ اور نازک مسئلہ کو حل کر سکتا ہے کہ انسانیت کا شیوہ اختیار کر کے تن تنہا دنیا میں ہرگز نہیں رہ سکتا مگر آج ہندوستان میں وہ دردناک نظارہ دیکھا جا رہا ہے کہ لوگ سبق ازلی کو بھول گئے۔ اتفاق کی ہوا مسموم ہے۔ اتحاد کی فضا زہریلی ہوگئی ہے۔ ایک شخص دوسرے کے خون کا پیاسا اور ایک قوم دوسرے قوم کی دشمن ہے۔

کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ ہم تقریباً ایک صدی سے مغربی تہذیب کا مطالعہ کر رہے ہیں ان کی بہت سی چیزیں اختیار کرلیں مگر ان کی بہترین چیز اتفاق اتحاد اور یکجہتی کو حاصل نہیں کیا ہونا تو یہی چاہیئے کہ جب کوئی مغربی گلستان کی سیر کو نکلے تو وہاں پھول چننے کی جگہ کانٹے نہ توڑے۔

آج سے تقریباً ساٹھ برس پہلے جرمنی تین سو سے زائد چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر مشتمل تھا۔ ان ریاستوں کی عظمت عدم میں تھی لیکن ان میں جب اتفاق اور اتحاد کی روح سرایت کرگئی تو یہی متحدہ ملک دنیا کی عظیم الشان طاقتوں میں شمار ہونے لگا اور گذشتہ جنگ عظیم میں معلوم ہو گیا کہ جرمنی کس طاقت کا ملک ہے۔

انگریزی میں ایک مثل مشہور ہے۔ "روما ایک دن میں نہیں تیار ہوا تھا" مگر میں کہوں گا کہ روما کو ایک شخص نے نہیں تعمیر کیا تھا۔ بڑے بڑے مدبر جنگجو، علما، فضلا اور شعرا نے اپنے ملک کے آفتاب عظمت کو اپنی متفقہ سرگرمیوں کی بدولت چمکا دیا تھا۔ لیکن جب انھیں روما والوں میں نفاق، تعصب، بغض و حسد رونما ہوا، خانہ جنگیاں شروع ہوئیں، کاہلی و عیش پرستی بے پروائی اور خود غرضی کی بدولت کوہ سے کاہ ہو کر رہ گئے ان کی وہ اگلی سی وقعت و عزت، شان اور شوکت باقی نہیں رہی۔ آخر جن قوموں اور ملکوں کو انھوں نے تعلیم و تعلم، تہذیب و شائستگی جہاں بانی اور حکمرانی کے آئین سکھائے تھے انھیں کے آگے ان کو زانوئے ادب تہ کرنا پڑا۔ لیکن یہ قومیں مشرقی قوموں کی طرح ناداں نہیں انھوں نے اپنی پستی اور نقائص کو معلوم کیا اور اتحاد وطن کی تحریک سے پھر زندہ ہوگئے۔ اس اتفاق نے رومائی کو فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ اس سے یونان، روس، فرانس وغیرہ تمام سربرآوردہ قوموں کو عظمت اور شوکت نصیب ہوئی۔

غرض دول یورپ نے اپنی منتشر قوتوں کو یکجا کر کے ایسی ترقی کی کہ آج ایشیا اور افریقہ ایسے زبردست براعظموں پر تابع ہیں اور چار دانگ عالم میں اپنی جبروت و ہیبت کا سکہ

Photo Printed by Chandrakanth Press, Hyd. Dn.

بٹھا رہے ہیں۔ طرح طرح کے اقتصادی اور ملکی فائدے اٹھا رہے ہیں۔ برخلاف اسکے ایشیا اور افریقہ کی غریب قومیں فقر و فاقہ کرتی ہیں ایذائیں جھیلتی ہیں مصیبتیں اٹھاتی ہیں اور اپنی محنت و مشقت کی گاڑھی کمائی بلاد یورپ کی نذر کرتی ہیں۔ مگر اس پر کسی کی نظر نہیں۔ نظر ہے تو گائے کی قربانی پر یا مذہبی جلوس میں باجے پر۔

تعلیم یافتہ حضرات غور فرمائیں کہ یہ فساد و مناقشے کہاں تک مناسب ہیں۔ دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ روز بروز ہمارا ملک شاہراہ ترقی پر گامزن ہے تہذیب و شائستگی عروج پذیر ہے۔ لیکن دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں جاننے والے جانتے ہیں کہ اس دعوے میں کہاں تک صداقت ہے اس سے زیادہ کیا جہالت اور بربریت ہوگی کہ آج کل ہندوستان کے ہر شہر ہر قصبے میں آئے دن ذرا ذرا سی بات پر ہنگامے مچتے ہیں۔ لاٹھیوں اور پتھروں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اور بے سبب عزیز جانیں تلف ہوتی ہیں۔ کیا زمانہ جہالت پھر پلٹ آیا؟ کیا لوگوں سے دور اندیشی معدوم اور یکجہتی مفقود ہوگئی کہ ایسے تہذیب کے دور دورہ میں بھی یہ باہمی خانہ جنگیاں وسعت پذیر ہو رہی ہیں۔ بڑی بدبختی تو یہ ہے کہ تقریباً ہر بڑے شہر میں بڑے بڑے عالم، فاضل، ادیب، صوفی، پنڈت گرو عاقل و دانا جمع ہیں لیکن عوام الناس امن امان سے کوسوں دور ہیں۔

خوب ہوئی اصلاح ملی   قوم نے کی معکوس ترقی

نوبت یہاں تک پہونچی ہے کہ ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر نے ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے پر غور کرنے کی غرض سے لیڈروں کو مشورہ کے لئے جمع کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اب بھی دو دل ایک نہوں تو ملک کی بدقسمتی ہے۔ ابھی کوئی ایک صدی پہلے:-

ہندو مسلم ایک تھے پہلے   بیر نہ تھا کچھ نیک تھے پہلے
پہلے تھے اک جان دو قالب   باہم تھا ایک ایک کا طالب
قوم پرستی اپنی روش تھی   مذہب و ملت ہی کی کشش تھی
بغض و حسد سے پاک تھا سینہ   دل سب کا تھا صاف آئینہ
دونوں باہم شیر و شکر تھے   صاف دل تھے اہل نظر تھے
خلق و کرم پر اپنا عمل تھا   آج نہیں وہ لطف جو کل تھا

ہندو مسلم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ ہندو فارسی و عربی سیکھتے تھے مسلمان سنسکرت پڑھتے تھے ملک محمد جائسی کی تصنیف پدماوت۔ ابو ریحان بیرونی۔ ابو معشر بلخی محمد بن اسمٰعیل تنوخی کے سنسکرت کے عربی ترجمے مشہور ہیں۔ مسعود بن سعد۔ دانشمند۔ میر عبدالجلیل بلگرامی کی ہندی تصنیفات کو بہت سے اہل ہنود نہایت عزیز رکھتے ہیں امیر خسرو کی ہندی نظم شہرۂ آفاق ہے۔ علاوہ ازیں دونوں قوموں کے بعض سلاطین و امرا نے جنکو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی تدبر اور جذبہ محبت عطا فرمایا تھا ہمیشہ اتحاد و یگانگی کی کوشش بلا لحاظ مذہب و ملت کی ہے چنانچہ دارا شکوہ کی ایک تصنیف میں آغاز کے مقام پر بجائے بسم اللہ کے گنیش جی کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور نے اپنے دفاتر کی زبان بجائے فارسی کے ہندی قرار دی تھی اور یہی سبب ہے کہ بیجاپور کی جو قدیم تصنیفات ہندی اور دکھنی زبان میں ملی جلی دستیاب ہو رہی ہیں ان کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اگلے زمانہ میں ہندوستان کے باشندوں کو قومیت کے ایک رشتہ میں منسلک کرنیکی کیسی کیسی تدبیریں کی جا چکی ہیں شہنشاہ اکبر نے ابو الفضل اور فیضی جیسے ارکان نورتن سے سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے ہیں اور ان کی جو قدر و منزلت کی اوس سے ارباب علم آگاہ ہیں۔ خود اورنگ زیب عالمگیر نے جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ متعصب بادشاہ تھا جب دکن میں خیمہ زن ہوا ہے تو اپنی فوج کی کمان ایک ہندو سردار کے تفویض کی اور سریر آرائے دہلی ہونے کے بعد جسطرح مساجد و مقبرہ جات کو اوقاف عطا فرمائے اسی طرح بذریعہ فرمان بہت سی معاشیں ہندوؤں کو عطا فرمائیں جسکا ثبوت حالیہ تحقیقات میں مل چکا ہے تفصیل کے لئے مشہور مورخ جادو ناتھ سرکار کی کتاب اورنگ زیب قابل مطالعہ ہے۔

اب ذرا دوسرے رخ کو دیکھئے نانک کے نام سے کون واقف نہیں اس برگزیدہ عارف نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنے قدم بہت مضبوط جما لئے ہیں اور اسکو اپنا وطن بنا لیا ہے یہاں کی زر و دولت حاصل کر کے بھی ان مقامات کو جانے کا ارادہ نہیں کرتے جہاں سے کہ وہ آئے تھے بلکہ ہندوستان کے آب و گل سے اُن کو ایسا اُنس ہوگیا ہے کہ وہ عراق و عجم کو بھول گئے اب یہ خیال خام ہے کہ اُن کو یہاں سے نکلنے کی کوشش کیجائے۔ ان کی بیخ کنی کے ارادے تار عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اس سبب سے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ جس سے دونوں قوموں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جائے اور اپنی دوربین نظروں سے تاک نے یہ تاڑ لیا کہ دونوں قومیں مشرقی ہیں اور دونوں میں روحانیت کیطرف رجحان زیادہ ہے اس لئے وحدانیت کے راگ اور روحانیت کے گیت سے دونوں کو آشنا کرنا دونوں کی یکجہتی کو تقویت پہنچائیگا۔ چنانچہ خود انہوں نے قرآن کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور ویدوں میں سے اُن چیزوں کو چن لیا جو اصول اسلام سے ملتی جلتی ہیں۔ علیٰ ہذا کبیر نے بھی روحانیت و وحدانیت کے نغموں سے دونوں میں ایسا اتفاق پیدا کیا کہ اس کے انتقال کے بعد مسلمان چاہتے تھے کہ اس کو دفن کریں اور ہندوؤں کی خواہش تھی کہ انکی میت کیساتھ اپنے مذہبی رواج کو کام میں لائیں ان دونوں بزرگوں کے اثرات ایسے زبردست تھے کہ اگر ان کے جانشین بھی ویسے اثرات قائم رکھتے تو آج شاید باہمی نفاق کے شعلے اسقدر بلند نہ ہوتے۔ دکن میں میرے جد بزرگوار مہاراجہ نرندر بہادر عربی کے فقیہ تھے اور اسقدر شستہ عربی بولتے تھے کہ اہل عرب دنگ رہ جاتے تھے قرآن شریف پڑھتے تھے چنانچہ اس فقیر نے بھی اپنے جد بزرگوار کی تقلید میں عربی پڑھی۔ قرآن شریف پڑھا۔ تصوف کا دلدادہ ہوں اور میرا ایمان ہے ہمہ اوست۔ یازدہم اور دوازدہم شریف کے فاتحہ اور چھٹی حضرت خواجہ اجمیری کی اور عشرہ شریف میں استادہ علم اور سبیل وغیرہ قدیم سے یعنی میرے جد بزرگوار کے زمانے سے جاری ہیں۔

یہ تو ایک مذہبی رخ تھا جو دکھلایا گیا۔ اسلامی ادبیات کا مطالعہ اہل ہنود جس ذوق و شوق سے کرتے تھے قابل غور ہے سلطنت مغلیہ کے زمانہ کا تو کیا ذکر ہمارے زمانہ میں بھی بعض ہندو ایسے گذرے ہیں جنکی اسلامی معلومات پر خود مسلمانوں کو تعجب ہوتا تھا۔ کائستھوں کی فارسی دانی آجتک مشہور چلی آتی ہے۔ ایک قوم کا دوسری قوم کی ادبیات کا مطالعہ کرنا اور ایک کی خوشی میں دوسرے کا حصہ لینا اور ایک کے رنج و غم میں دوسرے کا شریک ہونا اصول زندگی تھا۔ ہندو محرم میں تعزیہ داری کرتے تھے اور اب تک ہزارہا ہندو بصدق دل حضرت امام علیہ السلام کے عزاداری کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اور مسلمان ہولی اور رام نومی میں شرکت کرتے تھے چنانچہ محبوب دکن کے دربار میں ہر سال دیوالی اور پیشکاری سے بسنت داخل ہوا کرتے تھے۔ یہ عادت قدیمی تھی۔ یہ فقیر جب پیشکار رہا اور وزیر فوج کی عزت سے بھی ممتاز تھا، ہولی کا رنگ کئی سال تک داخل کرتا رہا۔ چنانچہ ہمارے حال اعلیٰحضرت آصف سابع کے دربار میں بھی شروع سنہ جلوس اورنگ آباد میں ہولی کا رنگ میں نے اپنے ہم قوم لوگوں کے ہمراہ داخل کرایا۔ بمراحم خسروانہ قبول فرماکر فقیر کی برادری کی نذریں لیکر عزت افزائی فرمائی۔ اہل ہنود اپنے مکان میں رمضان کے مقدس مہینے میں صائمین کے افطار کا اہتمام کرتے تھے اور بعض مسلمان دسہرہ اور دیوالی میں اپنے ہندو بھائیوں کی تواضع عطر پان سے کرتے تھے۔ ظہور اسلام کا حال معلوم کرنا بھی اس سلسلہ میں خالی از دلچسپی نہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے قبل ریگ زار عرب کا عجیب منظر تھا جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی عرب کے مختلف قبیلے منتشر و پراگندہ تھے ان میں تہذیب و شائستگی نام کو نہ تھی اُن کے وحشی پن کا یہ عالم تھا کہ کسی مکان میں اِدھر دختر تولد ہوئی اُدھر اوس کے والدین نے اُس کو زندہ دفن کر دیا۔ ایک قبیلے کے کسی دوسرے فرد نے دوسرے قبیلے کے کسی اونٹ یا گھوڑے کو چھیڑ دیا تو قیامت برپا ہوگئی۔ چشم زدن میں جانبین کی تلواریں بے نیام ہوگئیں اور آن کی آن میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ نفاق و منافقت اس درجہ تھی کہ کسی کو اعتماد نہ تھا۔ ایسی تاریک فضا میں ایک شمع حقیقت روشن ہوئی جسکو بجھانے کی انھیں وحشی عربوں نے کوشش کی مگر وہ نہ بجھی بلکہ اسکے سراپا نور پر ابتدا میں چند پروانے جمع ہوئے اور جیسی جیسی روشنی پھیلنے لگی پروانوں کا ہجوم ہونے لگا۔ جب توحید و رسالت کی تبلیغ شروع ہوئی تو انہیں وحشی عربوں نے بڑی زبردست مخالفت کی۔ بالآخر انہیں کی ہستی سے پیام رسول پر لبیک کہا گیا۔ تبلیغ کو فروغ ہونے لگا حیرت ہوتی ہے کہ جن مٹھی بھر لوگوں نے اول اول اسلام قبول کیا ان لوگوں کے دلوں کے تار کیسے ایک دوسرے میں پیوست تھے کہ کسی نے ایک بات کہی دوسرا فوراً ہم زبان ہوا ان کی ہمخیالی کے نتائج سے تمام دنیا واقف ہے۔ ایک چھوٹے جزیرہ نما سے محض اپنے اتفاق و اتحاد کی بدولت ایک براعظم کیا کئی براعظموں پر قبضہ کر لیا ایک طرف اندلس میں اپنے جھنڈے گاڑ دئے دوسری طرف چین و جاپان تک اپنی حکومت کا پرچم اُڑایا۔ ادھر جنوبی افریقہ میں اپنے سکے چلائے۔ اُدھر اسٹریا اور جرمنی کے حدود تک بے غل و غش پہنچ گئے۔ اُن کی اذانیں مغرب کی وادیوں میں گونجنے لگیں۔ اور وہ کہہ اٹھے۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اس کی ابتدا پر اگر نظر ڈالی جائے تو عنوان ہی کے مصرعہ

دو دل یک شود بشکند کوہ را

کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی ضمن میں حالیہ تاریخ کے ایک باب کا مطالعہ بھی لطف

سے خالی نہیں۔ جنگ عظیم کے ختم پر جب فتحمند حکومتوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تو محبّ وطن کی چنگاری جو ایک نوجوان ترک کے سینہ میں آہستہ آہستہ فروزاں تھی دفعۃً بھڑک اٹھی اور اپنے صرف چند ساتھیوں کے ساتھ یونان سے نبرد آزمائی کرکے سمرنا کو حاصل کیا اور اسکے بعد ایک عظیم الشان سلطنت کو جو پارہ پارہ ہوگئی تھی اس طرح بال بال بچایا کہ دول یورپ کے بڑے بڑے مدبر بھی دنگ رہ گئے اور مصطفیٰ کمال کی شخصیت اور اہمیت کو محسوس کرکے حکومت ترکی کو یورپ کی ایک آزاد حکومت مان لیا۔ ایران برسوں سے روس اور برطانیہ کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ جو سرزمین اس نغمہ

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنارِ آب رکنا باد و گلگشت مصلّیٰ را

سے معمور تھی اس کو مغربی حکومتوں میں سے ہر حکومت للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی تھی لیکن رضا شاہ پہلوی نے اپنے جرار ندیموں اور جانباز رفیقوں کی مجتمعہ قوت سے اس حسن آباد یوسفستان کو رقیبوں کی زد سے بچالیا۔ اور جس مدبرانہ ہمت اور اقبال مندانہ جرات کے ساتھ بگڑی ہوئی سلطنت کو سنبھالا وہ آج دنیا سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہمارے قریب ترہمسایہ پر بھی ایک نظر ڈالنی ضرور ہے آج سے پچاس برس پہلے قوم افغان ایسی منتشر تھی کہ کبھی ادھر سے روس قبضے کی دھمکیاں دیتا تھا کبھی برطانیہ دخیل کار رہتا تھا مگر جب اس قوم کے افراد میں یکجہتی کی روح سرایت کر گئی تو ایک علحدہ حکومت افغانستان کے نام سے موسوم ہوئی جس کو امیر عبدالرحمن خان دوست خداداد افغانستان کے نام سے یاد کرتے تھے۔ موجودہ امیر ہز مجسٹی امان اللہ خان افغانی قبیلوں کے اتحاد سے ایسے سرشار ہوئے کہ برطانیہ ہی کے مقابلہ میں تلوار کھینچ لی۔ اپنی آزادی حاصل کی۔ اور خودمختار بادشاہ ہوگئے۔ اپنے سفیر مختلف ممالک میں بھیجے اور اب دنیا میں ہر جگہ افغانستان کا احترام کیا جاتا ہے۔

آخر میں فقیر شاد اپنے ہندو مسلم بھائیوں سے التجا کرتا ہے کہ ہندوستان کی فلاح و بہبود کا دارو مدار آپ ہی کے دونوں گروہوں کے اتحاد پر منحصر ہے۔ آپ ہی دونوں ہندوستان کی آبادی کے زبردست عنصر ہیں۔ آپکی باہمی خانہ جنگیوں نے آپ کی رفتار کو روک دیا ہے زمانہ نے ایک صدی پہلے ہندو مسلم کی پیشانی پر اتحاد و یگانگی کا جو نقش قائم کر دیا تھا اس کا بگاڑنا دراصل بہت بڑا کام اخلاقی جرم ہے اگر آپ دونوں اپنی مجموعی قوت اتفاق و اتحاد سے کوئی کام کرینگے تو یقیناً آپکا اجتماع غیر منصفانہ اولوالعزمیوں کا مزاحم ہوگا۔ آپ جس ترقی کے طالب ہیں آسانی کے ساتھ اس میں کامیابی حاصل کریں گے۔

غرض دنیوی ترقیوں کا راز اس مصرعہ میں پوشیدہ ہے

دو دل یک شود بشکند کوہ را

فقیر شاد عفی عنہ

عراق میں تعلیم جدید کا دور

گذشتہ ماہ کے آخری دنوں سے عراق کے مدارس کے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے اور تمام مدرسے یکے بعد دیگرے کھل گئے ہیں اس موقع پر بہتر ہوگا کہ عراق تعلیم کے دور جدید پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔ اس لئے کہ تعلیم ہی ایک ہی ایسا پیمانہ ہے۔ جس کے ذریعہ کسی قوم کی رفتار ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مسٹر جیمز ڈلگ نے دو سال قبل عراق کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام ہے "وسط ایشیا کا قلب" اس میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ "عراق میں تعلیمی ترقی درحقیقت اس جدید ترقی کا راز ہے جو عراق نے حاصل کی ہے۔ عثمانی دور حکومت میں یعنی ابتدائی جنگ عظمیٰ (۱۹۱۴ء) تک عراق میں تعلیم جدید بالکل ہی محدود تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خود اس وسیع شہنشاہی کا مرکز زیور تعلیم سے عاری تھا۔ اور وہاں پر تعلیم کی بہت کمی تھی۔ عراق میں کمی تعلیم کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی وہ متمدن ممالک سے بہت دور واقع ہوا ہے۔ ترکی سلطنت کو دستور ملنے کے بعد وہاں جس قومی اور علمی تحریک کا طوفان اٹھا اسکی ایک ہلکی سی موج عراق تک پہونچ گئی۔ اسکا صرف اسیقدر اثر ہوا کہ اس سرزمین بابل میں چند مدرسوں کی بنا پڑی۔ جن کی زیادہ تر تعداد بغداد میں تھی"

حکومت عثمانی کی وزارت تعلیمات کی وہ رپورٹ جو ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی تھی مندرجہ ذیل اعداد و شمار پیش کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ عراق میں اسوقت کل ایک سو ساٹھ سرکاری مدرسے تھے یعنی بغداد میں (۷۸) موصل میں (۵۱) اور بصرہ میں (۳۱) ان تمام مدرسوں میں (۶۴۰۷) طلبہ زیر تعلیم تھے جن میں سے بغداد کے مدارس میں (۲۱۳۴) اور بصرہ کے مدرسوں میں (۹۵۰) تھے۔ ان تمام مدرسوں میں جنکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے لڑکیوں کی تعلیم کیلئے صرف (۱۳) مدرسے تھے، موصل میں (۳) اور بصرہ میں (۲) ان سب مدرسوں میں (۳۴) معلمات متعین اور (۴۵۶) طالبات

اب ان اعداد و شمار کا جدید عراقی تعلیم کے متعلق مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے مقابلہ کرنے کے بعد اس تعلیمی تیز گامی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو گذشتہ چند سالوں میں عراق کو نصیب ہو سکی۔

عراق میں جدید تعلیم کے تین درجے ہیں ابتدائی، ثانوی، اور اعلیٰ اور زیادہ اہم ابتدائی اور ثانوی مدارس ہی ہیں کہ ان ہی سے درخشاں مستقبل کی توقعات وابستہ ہیں۔ اسلئے کہ کامیاب تعلیم کی داغ بیل ان ہی مدارس میں ڈالی جاتی ہے سنہ ۲۰ و ۱۹۲۱ء میں عراق کے سرکاری ابتدائی مدرسوں کی تعداد صرف (۸۸) تھی جنمیں (۴۸۶) مدرسین تھے اور (۸۰۰۱) طلبہ اسکے مقابلہ میں سال گذشتہ یعنی سنہ ۲۶ و ۱۹۲۷ء کے تعلیمی سال میں ابتدائی مدارس کی تعداد (۲۴۹) تک پہنچ گئی جنمیں (۹۵۹) اساتذہ درس دیتے ہیں اور (۲۴۱۷۶) طالب علم پڑھتے ہیں اس شمع علم کی کرنیں سب سے زیادہ موصل کے شہر کو اجاگر کرتی ہیں یہ سب سے زیادہ مدرسے اب اسی جگہ ہیں جنکی تعداد (۷۲) ہے۔ بغداد میں (جو اصل دار الحکومت ہے) (۴۶) مدرسے ہیں۔ سب سے کم مدرسے یعنی صرف (۴) سلیمانیہ میں جو کردیوں کا ایک شہر ہے۔ ہر مدرسہ کے طلبا کی اوسط تعداد (۹۷) ہے اور اساتذہ کی تعداد تقریباً (۴٫۲۵) ہے۔

ابتدائی تعلیم کی مدت چھ سال رکھی گئی ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ ان تمام مدرسوں میں اس شش سالہ تعلیم کا انتظام ہے۔ بلکہ صرف (۵۲) مدرسے ایسے ہیں جنمیں پورے چھ سال تک تعلیم ہوتی ہے (۱۲) مدرسوں میں پانچ سال کی تعلیم کا بندوبست ہے (۵۶) مدرسے ایسے ہیں جنمیں چار ہی سال میں تعلیم ختم ہو جاتی ہے۔ (۹۲) مدرسوں میں تین سال تک (۴۴) مدرسوں میں دو سال اور (۳۰) میں ایکسال تک تعلیم ہوتی ہے جن مدرسوں میں ابھی پورے چھ سال کی تعلیم کا انتظام نہیں امید ہے کہ وہ اپنی سالانہ تعلیمی ترقی کے لحاظ سے بہت جلد شش سالہ تعلیم پر مشتمل ہو جائینگے۔

اس سال ابتدائی امتحان میں (۶۴) مدرسوں سے (۹۱۴) طلبہ داخل ہوئے تھے جنمیں سے (۵۳) سرکاری مدرسے تھے اور (۱۱) ملکی اور غیر ملکی تھے۔ ان طلبہ میں (۴) طالبعلم کسی مدرسے کیجانب سے نہیں بلکہ خانگی تعلیم پاکر شریک امتحان ہوئے تھے ان تمام طلبہ میں سے (۶۹۷) کامیاب ہوئے (۴۲) طلبہ چند گروپ میں کامیاب ہوئے اور باقی ناکام رہے۔ اسکے مقابلہ میں سنہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء کے تعلیمی سالوں میں (۲۱) مدرسوں سے صرف (۱۵۵) طالبعلم شریک امتحان ہوئے تھے جنمیں سے کل (۴۰) کامیاب ہوئے (۴۵) چند گروپ میں کامیاب ہوئے اور بقیہ ناکام رہے۔

باعتبار تعلیم کے عام طور پر ابتدائی مدرسوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو پہلے چار سالوں پر مشتمل ہیں اور دوسرے آخری دو سالوں پر۔ اور ان ہی آخری دو سالوں پر ابتدائی تعلیم ختم ہو جاتی ہے۔

عراق میں مدارس اطفال (Kindergarten) بھی قائم ہوئے ہیں۔ ان میں سے (۲) بغداد میں ہیں اور (۱) موصل میں۔ ان مدرسوں میں بالکل نئے اصول پر تعلیم دی جاتی ہے۔ بغداد کے ایک مدرسۂ اطفال کی نگرانی ایک امریکن خاتون کرتی ہے۔ جو فن تربیت اطفال میں اختصاصی ہے۔

عراق کی وزارت تعلیمات نے اس مدرسے کے لئے ہر قسم کی ضروریات فراہم کر دی ہیں۔ اس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شریک ہو سکتی ہیں۔ توقع کیجاتی ہے کہ بہت جلد تدریجی طور پر ملک کے عرض و طول میں اس قسم کے جدید مدارس پھیل جائینگے۔ بشرطیکہ ان کے لئے ضروری سامان مہیا ہو جائے اور تعلیم کے لئے کافی تعداد معلمات کی فراہم ہو جائے۔

عراق کی ابتدائی تعلیم ابتدائی نصاب اور نظام الاوقات کے لحاظ سے مصر اور شام کی سے مختلف نہیں ہے۔ نظری اسباق کا حصۂ نصاب بھی زیادہ رکھا گیا ہے۔ اور ذریعۂ تعلیم عربی زبان قرار دی گئی ہے۔

انگریزی پانچویں اور چھٹے سالوں میں زبان اختیاری کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ یہ تو سرکاری مدرسوں کی حالت تھی۔ اور بغداد میں جو چند غیر ملکی مدارس ہیں۔ ان میں سے بعض میں ذریعہ تعلیم فرانسیسی زبان ہے اور بعض میں زبان انگریزی۔ سرکاری ابتدائی مدارس میں حسب ذیل مضامین میں تعلیم دی جاتی ہے

دینیات، ادب عربی، حساب، ہندسہ، جغرافیہ، تاریخ، اصول حفظان صحت،

انگریزی (بطور زبان اختیاری آخری دو سالوں کیلئے)۔

عربی، خطاطی، ڈرائنگ، دستکاری، ڈرل، اخلاقی اور تمدنی معلومات، اور قومی ترانہ۔

ابتدائی تعلیم کی جو غرض و غایت ہے کہ طلبہ کی قابلیت بڑھے اور ان کی ایسے ضروری معلومات سے مدد کیجائے جسکے بغیر چارہ کار نہیں۔

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ بہت سے طالب علم ابتدائی مدارس میں چھ سال تک متواتر تعلیم نہیں پاتے۔ بلکہ اپنی تعلیم ختم کرنے سے پیشتر ہی اجتماعی اور معاشی رکاوٹوں کے باعث مدرسہ کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ اسوجہ سے نصاب کی تیاری میں ان سالوں کی تنظیم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسطرح کہ پہلے چار سال بذات خود ایک تعلیمی دور شمار ہوتے ہیں تاکہ اگر بعض طالب علم ان ہی چار سالوں کو ختم کر کے مدرسہ سے نکل بھی جائیں تب بھی مذکورہ بالا مضامین میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ اجمالی طور پر ہی سیکھ کر اپنی عام زندگی کے لئے کارآمد بنا سکیں۔

حالیہ تعلیمی سال کے آغاز میں اکیس نئے مدارس کا افتتاح ہوا اور سابقہ پچیس مدرسوں میں مزید ایک سال کی خواندگی کا انتظام ہو گیا ہے

ایک غیر متعصب شخص جسکو عراق سے کچھ بھی ہمدردی ہو وہ ضرور محسوس کرے گا کہ اگرچہ وہاں کی ابتدائی تعلیم ترقی کر رہی ہے تاہم اہل عراق کی تمدنی اور علمی امنگوں پر نظر کرتے وہاں کی تعلیمی حالت ہنوز بہت پستی میں ہے جسکی وجہ زیادہ تر اس ملک کے اقتصادی اور معاشی حالات ہیں۔ بحالت موجودہ حکومت عراق اپنے موازنہ کا بڑا حصہ تعلیم کیلئے وقف نہیں کر سکتی اور آج کل اسکی توجہ ملک کی دیگر ضروریات اور ایک قومی فوج تیار کرنے کیطرف ہے اسلئے خوف ہے کہ آئندہ چند سالوں تک تعلیمی رفتار دھیمی رہے گی۔ تعلیمی پستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ملک میں تعلیمی امور سے کماحقہ واقف اشخاص کی بہت کمی ہے۔ اور موجودہ حالات کے لحاظ سے یہ امر عراق کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ جبری تعلیم جاری کر سکے۔ اسکے لئے نہ صرف معاشی و اقتصادی کمزوریاں مانع ہیں بلکہ لائق و قابل اساتذہ کا فقدان بھی رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ اس وقت مدارس میں جو اساتذہ ہیں وہ بھی صحیح معنی میں مدرس کہلانے کے لائق نہیں لیکن مجبوری کے باعث انھیں سے کام لیا جا رہا ہے۔ مگر یہ نقص بہت جلد رفع ہو جائیگا۔ بعض تجربہ کار اقتصادی حضرات نے عراق کی وزارت تعلیمات کو اس نقص کیطرف متوجہ کرایا ہے اور اسکو آگاہ کیا ہے کہ حالیہ تعلیمی اصلاحات کے باوجود بھی ملک کی تعلیمی حالت مزید اصلاح و توجہ کی محتاج ہے ان لوگوں کا اعتراض خاص طور پر نظری تعلیم کے اس پائمال طریقہ پر ہے جو ہر ایک گرد و پیش کے مناسب نہیں ہوتی۔ اسیطرح مدارس اطفال کی زیادتی کیلئے توجہ دلائی ہے۔ اور اسکی ضرورت کو تو عراق کے لوگ بہت شدت سے محسوس کر رہے ہیں جسکی وجہ ان مدرسوں کا دو نمایاں اوگیرا

چارمینار
کی تعمیر اور تکمیل

از مولوی محمد عبدالمنعم صاحب سعیدی
بی۔ اے، ال، بی

حیدرآباد کوئی بہت قدیم شہر نہیں ہے ۱۵۹۱ء میں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے اسکو آباد کیا۔ اس لحاظ سے اس شہر کو آباد ہوئے سوا تین سو ۳۲۵ برس ہوئے اس سے پہلے سلاطین قطب شاہیہ کا پایہ تخت گولکنڈہ تھا۔ ابتداء میں گولکنڈہ ایک مختصر سا قلعہ تھا جسے ورنگل کے ایک راجہ نے تعمیر کرایا تھا اور جس نے کچھ عرصہ کے بعد اس قلعہ کو معہ توابعات سلطان محمود شاہ بہمنی کی سرکار میں ۱۳۶۴ء میں پیش کیا۔ اسکے بعد یہ قلعہ سلاطین بہمنیہ کے قبضہ میں رہا۔ سلطان محمد شاہ بہمنی کے زمانہ میں قطب الملک محمد قلی اس کا گورنر تھا۔ جب اسنے دیکھا کہ سلطنت کی حالت متزلزل ہو گئی ہے اور ملک میں بدامنی و انتشار پھیل گیا ہے تو اس نے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ گولکنڈہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اور خاندان قطب شاہیہ کی بنیاد ڈالی۔[1]

مشرق میں عموماً ہر حکمران اور ہر فرمان روا کو فن تعمیر سے دلچسپی رہی ہے اور اُسنے اپنے عہد میں کچھ نہ کچھ عمارتیں تعمیر کرائیں۔ لیکن بعض حکمران خاص طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے نمایاں کام کیا۔ مسلمان بادشاہوں میں کے ہر خاندان میں ایک بادشاہ ایسا گذرا ہے جس نے فن تعمیر میں اپنے پیشروں سے زیادہ دلچسپی لی۔ اور اس کی طرف خاص طور پر توجہ کی جس کی وجہ سے اسکا عہد نمایاں رہا۔

خاندان مغلیہ میں شاہ جہان اور خاندان عادل شاہیہ میں سلطان محمد عادل شاہ اور خاندان قطب شاہیہ میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا عہد دیگر امور سے قطع نظر بلحاظ فن تعمیر بھی نمایاں رہا ہے۔ چنانچہ فرمانروایان خاندان آصفیہ میں اعلیحضرت ہز اگزالٹڈ ہائی نس نواب میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ نے سب سے زیادہ توجہ اسطرف مبذول کی جسکا ثبوت ہائی کورٹ کی عالیشان عمارت، سٹی کالج، افضلگنج ہاسپٹل، باغ عامہ کی لکش(؟) مسجد، عثمان ساگر، حمایت ساگر، اور نظام ساگر، کی شکل میں ملتا ہے

چارمینار حیدرآباد

پانچویں قطب شاہی سلطان محمد قلی قطب شاہ نے ۱۵۸۹ء سے ۱۶۲۵ء تک حکومت کی۔ یوں تو گولکنڈہ کی آبادی ابراہیم قطب شاہ ہی کے عہد میں بڑھ گئی تھی لیکن اسکی وفات کے بعد جبکہ شہنشاہ اکبر نے دکن پر فوج کشی کی، اور خاندیس کی حکومت اجڑ گئی۔ اور نظام شاہی سلطنت تباہی کے کنارے لگ گئی تو اکثر لوگ آوارہ و بے خانماں ہو کر ادھر ادھر چلے گئے اور کچھ گولکنڈہ میں آبسے۔ محمد قلی قطب شاہ عیش دوست اور خوش مزاج آدمی تھا اس کی عیش پرستی کے باعث گولکنڈہ کی آبادی اور بھی بڑھ گئی اور ایسا گمان ہو گیا کہ اکثر بیماری پھیلنے لگی، علاوہ ازیں ... قلت

---

[1] جریدہ آثار قدیمہ بابتہ ۱۹۱۷ء صفحہ (۲۳)

بھی محسوس ہونے لگی۔ محمد قلی کو فکر ہوئی کہ کہیں دوسری جگہ ایک شہر بسا کر اوسے ایباد الحکومت بنائے چنانچہ سنہ ۱۵۹۱ء میں موجودہ شہر حیدرآباد کا مقام منتخب ہوا[۱]۔

اس خاص جگہ کو منتخب کرنے کے کیا اسباب ہوے اسکا بیان کرنا مشکل ہے۔ خصوصاً جب کہ اس مقام اور گولکنڈہ کے درمیان ندی بہتی تھی۔ اور کوئی پل بنا ہوا نہ تھا جس کی وجہ سے ایک طرف

(۳۰) لاکھ پونڈ عمارات کی تعمیر اور ذرائع آب رسانی و آب پاشی کی فراہمی میں صرف کئے[۳]۔

سب سے پہلے اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ گولکنڈہ اور مقام منتخبہ کے درمیان ایک سڑک بنوائی جائے جو مچھلی بندر کی سڑک سے جا ملے، اور دوسرے یہ کہ اس سڑک پر زاویہ قائمہ بناتی ہوئی ایک سڑک وسط شہر سے گذرے، چنانچہ ان دونوں

FIRST FLOOR PLAN OF CARNINAR

15 ft = 1 inch

چارمینار

پہلی منزل کا نقشہ

۱۵ فیٹ = ایک انچ

تو طغیانی کا خدشہ تھا اور دوسری طرف آنے جانے والوں کو پل کے نہ ہونے کی وجہ سے بے حد دقتوں اور مشکلوں کا سامنا تھا۔ خواہ پانی کی کثرت، یا عمدہ آب و ہوا یا ارتفاع یا مدافعت کی آسانی یا ایک ہند و نازنین کی نگاہ ناز کا کشتہ ہونا اس کے انتخاب کا باعث ہوا۔ لیکن مورخین اسکے متعلق خاموش ہیں[۲]۔

تاہم فکر بلند رکھنے والوں نے ایک معقول وجہ تراش لی ہے۔ وہ یہ کہ جب گولکنڈہ کی آبادی بڑھ گئی تو محمد قلی کو فکر لاحق ہوئی سنہ ۹۹۹ھ میں حسن اتفاق سے وہ سیر و شکار کیلئے نکلا اور تین چار کوس نکلکر اس مقام پر آیا جہاں کہ شہر حیدرآباد واقع ہے۔ اسکو یہ میدان موسیٰ ندی کے کنارے سرسبز دکھائی دیا اور شہر بسانے کے لئے بے حد پسند آیا، بس پھر کیا تھا نجموں کو بلا کر

ساعت مسعود نکالی، اور اس شہر کی نبیاد ڈالی، اور اپنی محبوبہ بھاگ وتی کے نام پر اس شہر کا نام بھاگ نگر رکھا[۴]۔

دور قطب شاہیہ میں محمد قلی قطب شاہ کا عہد عمارات کے سلسلہ میں بہت نمایاں ہے، اس کو عمارتوں کے بنانے کا بہت شوق تھا۔ جب کبھی اسکو تفکرات ملکی اور جشن و سرور شاہی سے فرصت ملتی تو ایک نہ ایک عمارت بنوا تا رہتا تھا۔ خصوصاً نیا شہر آباد کرتے ہی جسکو اوس نے نہایت منضبط نقشہ پر تعمیر کرایا تھا اس کی ضرورت اور زیادہ لاحق ہوئی، چنانچہ بہت سی مساجد، مدارس شفاخانے، کاروان سرائے، تالاب، پل اور مختلف محلات تعمیر کرائے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ چندن محل، ہیرا محل، ندی محل، لکھن محل، بیان کیا جاتا ہے کہ اس بادشاہ نے

سڑکوں کے تقاطع (Crossroads) پر چارمینار تعمیر کرایا گیا جو شہر کی خوبصورت عمارتوں میں سے ہے، یہ ایک عجیب بات ہے کہ اہل روما کا بھی یہ قاعدہ تھا کہ جب کبھی وہ شہر بناتے تو دو بڑی خاص سڑکوں کے ملنے کی جگہ (تقاطع) ہر ایک چار کمانوں والی عمارت تیار کراتے تھے۔ موجودہ صورت میں نقشہ بنانے والے عمارت تیار کراتے تھے۔ موجودہ صورت میں نقشہ بنانے والوں کو ایک بڑی وقت پیش آئی وہ یہ کہ بڑی سڑک جو مچھلی بندر کو جاتی تھی وہ منتخبہ جگہ سے کچھ فاصلہ پر مڑتی تھی اس جگہ ایک چوراہہ بنایا گیا جہاں گلزار حوض تعمیر کی ہوئی اور چار کمانیں بھی بنائی گئیں ان چار راستوں سے جو گلزار حوض سے نکلتی ہیں واقع ہیں[۵]۔

[۱] جریدہ آثار قدیمہ بابتہ سنہ ۱۹۱۷ء صفحہ (۲۵) اور تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ جلد چہارم حصہ دوم صفحہ (۲۲۰) اور تزک گلمپس آف دی نظامس ڈومینینس مصنفہ کیابل صفحہ (۱۶۸) [۲] جریدہ آثار قدیمہ بابتہ سنہ ۱۹۱۷ء صفحہ (۲۵)، تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ جلد

شمالی رخ کی کمان مچھلی کمان ہے ۔ گلزار حوض تمام پتھر کا بنا ہوا ہے اور ان چاروں کمانوں کے بیچ میں واقع ہے ۔ کچھ عرصہ ہوا کہ اس حوض کو مرمت کر کے اس میں پانی لایا گیا ہے ۔ اسکے بیچ میں ایک منقش کھمبا ہے جس پر ایک چرخ اور فوارہ نصب ہے ۔ اس سے کسیقدر فاصلہ پر چار مینار ہے ۔ جو تمام حیدرآباد میں ایک تعجب انگیز عمارت ہے [۱] Glimpses of the Nizam's Dominions: Campbell.

GROUND PLAN OF CHARMINAR.

Scale 15 feet = 1 inch

چارمینار کا سطحی نقشہ

۱۰ فیٹ = ایک انچ

یہ ایک مربع جو منزلہ عمارت ہے اسکے چاروں رخ شمال، جنوب، مشرق، مغرب ٹھیک ٹھیک قائم کئے گئے ہیں ۔ اس کی عمارت ۶۰ فٹ چوڑی اور ۱۸۰ فٹ اونچی ہے ۔ چاروں طرف چار محرابی دروازے ہیں جو زمین سے ۱۰ فیٹ اونچے اور ۳۰ فیٹ چوڑے ہیں ۔ ان چاروں رخ کے مقابل چار بڑی بڑی سڑکیں نکلی ہیں ۔ اسکی سب سے پہلی چھت گنبد کی طرح بنائی گئی ہے اندرونی جگہ ایسی ہی کھلی ہوئی ہے جیسے کہ باہر کی جانب برآمدے کھلے ہوئے ہیں ۔ دیوار میں آمد و رفت کے لئے متعدد دروازے بنے ہوئے ہیں اور اسکے چاروں گوشوں پر زینہ دار مینار ہیں جسکا ارتفاع (۱۸۰) فیٹ ہے اور ہر مینار میں چار بالا خانے ہیں، جن میں باہر کی طرف کو محرابدار کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں، تمام عمارت پر بیل بوٹے اور گلکاری کی ہوئی ہے ۔ اس گنبددار چھت کے اوپر دو بالا خانے ہیں [۲]

یہ عمارت شہر کے باہر دور دور سے نظر آتی ہے ۔ اور شہر کی تمام عمارتوں میں بہت عمدہ اور خوبصورت ہے چنانچہ موسیو تھیونو مشہور فرانسیسی سیاح جو عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۰۶۶ھ میں حیدرآباد آیا تھا ۔ چارمینار کے بارے میں لکھتا ہے "شہر میں کوئی ایسی خوشنما عمارت نہیں جیسی کہ چارمینار ہے [۳] اسکے میناروں پر چڑھنے سے شہر کے اطراف کا آٹھ آٹھ دس دس کوس تک کا منظر دکھائی دیتا ہے ۔ چنانچہ مورخ خافی خان اپنی مشہور تاریخ منتخب اللباب میں اسکی بلندی کی نسبت لکھتا ہے ۔

"منار ہائے آن باسمان دعوی ہمسری دارند" [۴]

چارمینار کی تعمیر بنائے حیدرآباد کے دو سال بعد ۱۰۰۰ھ میں شروع ہوئی چنانچہ اسکی تاریخ "یا حافظ" سے نکلتی ہے [۵] ۔ وجہ تعمیر میں مورخین مختلف البیان ہیں ۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان قلی کو منظور تھا کہ شہر کی آبادی مشہد مقدس کی طرز پر ہو اسلئے اسنے حضرت امام ضامن علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کے روضہ کے عوض چارمینار تعمیر کرایا [۶] بعض کا بیان ہے ایک مرتبہ جبکہ یہ شہر آباد ہوا تھا اس مقام پر اور گولکنڈہ میں وبا پھیلی تھی اور بہت لوگ اس سے مرے تھے [۷] اسوقت لوگوں نے خدا سے دعا مانگی اور اظہار اعتقاد کے طور پر تابوت اور پنجہ کا جلوس نکالا حسن اتفاق سے بیماری کا زور کم ہو گیا، بادشاہ نے اس یادگار میں تابوت کی شکل پر چارمینار بنایا [۸] ۔ اب تک یہ قاعدہ

[۱] جریدہ آثار قدیمہ بابتہ ۱۹۱۷ء صفحہ (۳۸) [۲] جریدہ آثار قدیمہ بابتہ ۱۹۱۷ء صفحہ (۷۹) اور دی گلمپس آف دی نظام ڈومینینس مصنفہ کیامبل صفحہ (۱۶۷) [۳] دی گلمپس آف دی نظامس ڈومینینس مصنفہ کیامبل صفحہ (۱۶۷) [۴] دی گلمپس آف دی نظامس ڈومینینس مصنفہ کیامبل صفحہ (۱۶۸) اور تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ جلد چہارم حصہ دوم صفحہ (۳۱۷) اور ہسٹاریکل اینڈ دسکرپٹو اسکیچ آف نظامس ڈومینینس مصنفہ سید حسین صفحہ ۴۴ [۵] سیاحت نامہ موسیو تھیونو صفحہ (۸۶) [۶] دی گلمپس آف نظامس ڈومینینس مصنفہ کیامبل صفحہ (۱۶۸) اور ہسٹاریکل اینڈ دسکرپٹو اسکیچ آف نظامس ڈومینینس مصنفہ سید حسین صفحہ (۴۴) [۷] منتخب اللباب جلد سوم صفحہ (۳۶۵) [۸] صولت عثمانی صفحہ (۵۳) اور آثار حیدرآباد ۔۔۔ صفحہ (۱۸) اور جریدہ آثار قدیمہ حیدرآباد بابتہ ۱۹۱۷ء [۹] گلزار آصفیہ صفحہ (۲۱) [۱۰] تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ صفحہ (۳۲۷) اور جریدہ آثار قدیمہ بابتہ ۱۹۱۷ء صفحہ (۲۹) [۱۱] جریدہ آثار قدیمہ حیدرآباد بابتہ ۱۹۱۷ء صفحہ (۳۰) اور صولت عثمانی صفحہ (۵۳) [۱۲] تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ صفحہ (۳۲۷)

چلا آتا ہے کہ عاشورہ محرم میں یہ تحفہ بٹھایا جاتا ہے اگر اس کو پیش نظر رکھکر اور یہ بات کہ قطب شاہ کے مذہبی اعتقاد کا خیال کرتے ہوئے جو امامیہ مذہب رکھتا تھا اس روایت کو مان لیا جائے تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ چارمینار کی صورت ایک بڑے عظیم الشان تعزیہ کی سی معلوم ہوتی ہے۔

عہد قطب شاہیہ میں گنبد کے اوپر کے دونوں منزلوں میں جو منزلہ بالاخانوں کے ہیں پہلی منزل پر مدرسہ تھا اور دوسری منزل مسجد کا کام دیتی تھی۔ اس عمارت کے بالاخانہ کے حوض میں جو فوارہ آبکا کام دیتا تھا جل پلی سے یا بعض کے بیان کے مطابق کوہ پلی سے نہر کے ذریعہ پانی آتا تھا اور یہاں سے محلات شاہی کو جاتا تھا۔ اتنی بلندی پر خزانہ آب کے بنانے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سے پانی محلات کے تمام حصوں میں جا سکے اور وہاں جو اونچے سے اونچا کمرہ ہو اس میں بھی پہنچ سکے۔

چارمینار کی تعمیر میں بعض کے قول کے مطابق تین لاکھ ہون اور بعض کے قول کے مطابق دو لاکھ ہون صرف ہوئے۔ اس زمانہ میں ایک ہون ساڑھے چار روپیہ مغلیہ کے برابر تھا لیکن آج کل کے حساب سے ایک ہون سات روپیہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ سلطنت قطب شاہیہ کو فتح کرنے اور اوسکو مغلیہ علاقہ میں شامل کر لینے کے بعد خواجہ بہادر (عالم جواد رنگ زیب کی طرف سے یہاں کا صوبیدار تھا) اسکے زمانہ میں چارمینار کے جنوب مغربی مینار پر بجلی گری جسکے صدمہ سے مینار ٹوٹ گیا اور سات ہزار روپیہ کے صرفہ سے اس شکستہ مینار کی مرمت کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رقم ایک تاجر نے مرنے کے وقت اس کام کیلئے دیدی تھی۔

۱۱۸۵ھ میں چارمینار اور اس کے اطراف کے باغات میں بسے (Bussy) فرانسیسی جنرل اور اوسکی فوج سکونت پذیر تھی۔ نواب ناصر الدولہ بہادر غفران مکان کے عہد میں ۱۲۵۸ھ / ۱۸۲۴ء میں پہلی دفعہ ایک لاکھ روپیہ کے صرفہ سے اسکی درستی اور استرکاری کی گئی۔ اسکے بعد پھر ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں بعہد وزارت مختار الملک سرسالار جنگ اول جبکہ اسکی حالت خستہ ہو رہی تھی سید علیخاں حیدر نواز جنگ مہتمم صفائی کے اہتمام سے قریب دو لاکھ روپیہ کے صرف سے اسکی دوبارہ استرکاری کرائی گئی۔ ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء لارڈ ڈفرن وسیرائے ہند کی آمد کے موقع پر اسکے اطراف لوہے کا کٹہر الگایا گیا۔ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء چاروں طرف گھڑیال لگائی گئی یہاں ہمیشہ افغان سٹی پولیس کا پہرا رہتا ہے۔ اور جب کبھی ذی اقتدار امیر یہاں سے گذرتا ہے تو اوسکو سلامی دیجاتی ہے۔

مولف مولت عثمانی راوی ہے کہ راجہ چندو لعل کے عہد وزارت میں چارمینار کے اطراف و باعیلی ہنود اس عمارت کے سامنے بکرے کو لاکر مروا کیا کرتے تھے بعض لوگوں کو یہ امر ناگوار گذرا چنانچہ حافظ محمد علی خیرآبادی کے مریدوں نے کوشش کرکے اہل ہنود کو اس امر سے روکا اور وہاں حضرت عبدالقادر جیلانی کا چلہ قائم کرایا چنانچہ اب تک وہ چلہ قائم ہے اور ماہ ربیع الثانی کی گیارہ کو عرس ہوتا ہے۔ یہ چلہ چارمینار کے مشرقی جنوبی کونے میں ہے۔

موسیو تھیونو فرانسیسی سیاح (جسکا اوپر ذکر آچکا ہے) چارمینار کے متعلق اپنے سیاحت نامہ میں اسکی لمبائی و چوڑائی کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھتا ہے کہ "شہر میں کوئی ایسی خوشنما عمارت نہیں ہے جیسی کہ چارمینار لیکن اوسکے اطراف جو بدوضع لکڑی کی بنی ہوئی چھپر پوش میوہ کی دوکانیں ہیں ان سے خوبصورتی میں فرق آرہا ہے" اب بھی چونے اور اینٹ کی بنی معمولی دوکانیں جو خوشنما نہیں ہیں قائم ہیں۔ چارمینار سے گلزار حوض کیطرف جو راستہ جاتا ہے اوسکے دو رویہ عمارت اب بیشتر ہی اور کتب فروشوں کی دوکانیں ہیں۔

مشرق قریب

ترکی سلطنت کی مختصر سیاسی تاریخ

از جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب، مولوی فاضل، پی ایچ۔ ڈی (کیمبرج)
پروفیسر ادبیات فارسی عثمانیہ یونیورسٹی کالج

مشرق قریب کی اصطلاح کوئی جغرافی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ ایک جدید سیاسی نام ہے جو یورپ اور ایشیا کے درمیانی علاقہ کو (جس میں زمین اور سمندر دونوں شامل ہیں) دیا گیا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جو گلاڈسٹن (Gladstone) کے زمانے سے اب تک یورپی مصالح سیاسی کی جولانگاہ رہا ہے۔ یہ علاقہ جس کو اب "مشرق قریب" کہا جاتا ہے کسی زمانہ میں مشرقی روما کی حکومت میں شامل تھا جس پر جسٹینین اعظم اور ہرقل جیسے زبردست بادشاہ حکمراں رہے۔ اس کے بعد یہ اشوریون (Assyrians) اور مشرقین کی حکومت میں آگیا اس وقت اس کا نام بیزنطین رکھا گیا۔ اور پھر اس پر یونانی قابض ہوگئے ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے اس پر حملہ کیا اور قسطنطنیہ کو فتح کر لیا۔ ترکوں کے قبضہ کے بعد اس کا نام یورپ میں "ترکی" مشہور رہا۔

تاریخ کی نظر سے اس کی تاریخی تفصیلات دلچسپ ضرور ہیں مگر دنیا کو اس سے دلچسپی ابھی حال میں پیدا ہوگی۔ گویا گزشتہ جنگ عظیم سے کچھ ہی زمانہ پہلے تمام دنیا میں اس کا چرچا شروع ہوا اور جنگ کے بعد بھی اس کے تغیرات اور حالات بہت اہم بنتے گئے

یورپ میں اس کی اہمیت ۱۹۰۸ء سے پیدا ہوئی جب کہ سلطان عبدالحمید خان دوم کو معزول کیا گیا اور "جوان ترک" کے انقلابات ظہور پذیر ہوئے ۱۹۰۸ء میں یورپ میں تھریس (رومیلیہ) مقدونیہ البانیہ سلطنت عثمانیہ میں داخل تھے اور بلقانی حکومتیں اس سلطنت کی باجگزار تھیں۔ اس زمانہ میں سلطان عبدالحمید خاں دولت عثمانیہ کے نہ صرف بادشاہ تھے بلکہ اسلامی خلیفہ بھی تھے اس طرح ان کی روحانی حکومت ملایا اور ہندوستان سے کر افریقہ تک تمام اسلامی دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسی زمانہ میں بلقانی حکومتوں میں بیداری اور انقلاب کے آثار شروع ہوئے اور وہ یورپ کی مغربی سلطنتوں کی تہذیب اور تمدن کی طرف کھینچنے لگیں۔ سلطان عبدالحمید خاں کی قوت اگرچہ "جوان ترک" کی تحریک سے کسی قدر کمزور ہوگئی تھی مگر وہ کسی طرح مایوس کن نہ تھی۔ یہ یاد رہے کہ اس زمانہ میں ترکی میں انگلستان اور فرانس کا اثر باقی نہ تھا کیوں کہ اس زمانہ سے پہلے جرمنی کا فرمانروا ولہلم دوم نے مشرق میں اپنی حکومت کو قائم اور وسیع کرنے کے خیال سے ترکی کی دوستی کو بہترین ذریعہ سمجھا اور ۱۸۹۸ء میں اس نے سلطان سے ملاقات کی۔ اس ذاتی ملاقات نے ترکی سے جرمنی کے سیاسی تعلقات مستحکم کرد ئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی فوج کی رہنمائی اور تربیت جرمن افسروں کے ہاتھوں میں دیگئی برلن کے صرافے ترکی مالیات کا انتظام کرنے لگے اور کرپ کے کارخانہ کی توپیں درہ دانیال کی حفاظت کرنے لگیں۔

یہاں تک کہ ۱۹۰۲ء میں برطانیہ کی بے اثر مخالفت کے باوجود "بغداد ریلوے" کی اسکیم منظور ہوگئی۔ اس اسکیم میں بغداد ریلوے برلن، ویانا، بلگریڈ اور قسطنطنیہ کو ملاتی تھی اور پھر دریائے دجلہ میں اس مقام تک پہنچاتی تھی جہاں سے دجلہ میں جہازرانی کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس ریل سے درمیانی یورپ کی سلطنتوں یعنے جرمنی آسٹریا وغیرہ کو مشرق بعید یعنی ہندوستان افغانستان وغیرہ تک رسائی کے لئے قدیم آسان راستہ نکل گیا۔ اگرچہ جرمنی سے اس قسم کے مضبوط دوستانہ تعلقات قائم ہو رہے تھے اور اتحاد اسلامی کے اعلیٰ مقاصد ہمتوں کو بڑھا رہے تھے لیکن سلطان عبدالحمید خاں کے مظالم رعایا اور خاصکر ارمنی رعایا پر ایسے تھے جو اُن کی قوت کو کمزور بنا رہے تھے۔ ۱۸۹۴ء ۱۸۹۵ء میں ارمنیوں کے قتل عام نے یورپ کو بہت پریشان کردیا۔ اس واقعہ کی وجہ گلاڈسٹن نے سلطان عبدالحمید خاں کو "قاتل اعظم" سے موسوم کیا۔

۱۸۹۸ء میں ولہلم دوم نے پھر "اپنے بھائی" سے ملاقات کی اور دمشق میں اس نے وہ مشہور تقریر کی جس سے اس نے تمام اسلامی دنیا کو اپنا ہمدرد بنالیا۔ اپنی تقریر میں ولہلم نے کہا۔

"ان تمام تیس کروڑ مسلمانوں کو جو تمام مشرق"
"میں پھیلے ہوے ہیں..... یہ یقین کرنا چاہئے"
"جرمن شہنشاہ ہر وقت ان کا دوست رہیگا"

سلطان عبدالحمید خاں نے انگلستان کو کلیتہً نظر انداز کیا اور جرمنی کی دوستی کو مستحکم کیا۔ دولت عثمانیہ کی عظمت بڑھ رہی تھی لیکن سلطان عبدالحمید خاں کی حکمرانی بہت خراب رہی نتیجہ یہ کہ ان کو زوال نصیب ہوا۔ بلقانی حکومتوں یعنی (بلغاریا سرویہ رومانیا وغیرہ) کی حمایت میں انگلستان اور روس نے دخل دینے کا ارادہ کیا اس وقت "جوان ترک" نے اپنا موقع دیکھ ۱۹۰۸ء میں مقدونیہ میں انقلاب کی تحریک پھوٹ نکلی سالونیکا کی فوج نے بغاوت کرکے ۱۸۷۶ء والے دستور کا مطالبہ کیا سلطان نے

دستوری حکومت دینے کے وعدے سے ان کو منانا چاہا۔ اسی زمانہ میں "مشرق قریب" کے زمرہ میں مصر بھی داخل ہوگیا یعنی مصر کے خدیو محمد علی پاشا اور اسمٰعیل پاشا کی خراب حکومت کی وجہ انگلستان کے وزیر اعظم ڈسرلی (ارل آف بیکنس فیلڈ) کو موقع ملا کہ نہر سویز تعمیر کرنے والی کمپنی کے حصے خریدے اس سے مصر پر گویا انگلستان کا اقتصادی قبضہ ہوگیا اور پھر رفتہ رفتہ وہ انگلستان کی باجگزار سلطنت بن گئی۔ انگلستان کی دخل اندازی سے پہلے مصریوں ہی برائے نام ترکی کا ماتحت تھا۔ لیکن انگلستان نے اپنے تعلق کے بعد مصر سے ترکی کے تعلقات کو منقطع کردیا اور مصر ترکی سے بالکل آزاد ہوگیا۔ ۱۹۱۴ء میں جب ترکی نے جنگ کا اعلان کیا انگلستان نے اعلان کردیا کہ اب مصر اور باب عالی میں کوئی تعلق باقی نہیں ہے۔

پھر ۱۹۲۲ء میں انگلستان نے کچھ قیود کے ساتھ مصر کی آزادی کا اعلان کیا۔ اور "خدیو" کا لقب "سلطان" سے بدلا گیا مصر کے قوم پرستوں اور زغلول پاشا نے دستوری اور آئینی حکومت قائم کرکے مصر کی حیثیت بہت بڑھادی لیکن اس ترقی کو سرلی اسٹاک کے قتل سے بہت صدمہ پہنچا۔ اور مصر پھر انگلستان کا پورا ماتحت ملک بن گیا۔

انور پاشا کی صدارت میں جماعت "جوان ترک" نے مختلف قوموں اور مذہبوں کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ اور ان سب کے اتحاد نے سلطان کی قوت توڑ دی لیکن "جوان ترک" کی یہ کوشش عیسائی مسلمان یہودی یونانی ارمنی وغیرہ سب قوموں کو ترک بنانے کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکی اسی زمانہ میں ترکی سے باہر طرابلس معرض خطر میں تھا۔ طرابلس پر بالراست قسطنطنیہ کی حکومت تھی ایطالیہ اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کررہا تھا۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں اس نے ترکی سے جنگ کا اعلان کیا اور ترکوں کے تعلقات طرابلس سے منقطع کردئے۔ طرابلس کا ہاتھ سے نکل جانا جماعت "جوان ترک" کی قوت پر ایک کاری ضرب تھا۔ البانیا اور مقدونیہ کی شورشوں نے اس کو اور پریشان کردیا۔ غرض ۱۹۱۲ء میں ترکی کے خلاف "بلقانی اتحاد" قائم ہوا جس نے دو بلقانی لڑائیاں برپا کیں۔ ان دو لڑائیوں نے ترکی کو یورپی مقبوضات میں تھریس کے ایک چھوٹے سے قطعہ کے سوا کچھ نہ چھوڑا ۱۹۱۴ء بلقانی ریاستوں کو بالراست یورپی سیاست سے سابقہ پڑا۔ بخارسٹ کے صلح نامہ کو طے پائے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ آسٹریا ہنگری کی سلطنت کا ولی عہد آرچ ڈیوک فرڈیننڈ سرویا میں مارا گیا۔ ولی عہد کے قتل کے تمام یورپ میں آگ لگ گئی۔ آسٹریا نے سرویا سے جنگ کا اعلان جرمنی نے روس سے اور برطانیہ نے جرمنی سے "جوان ترک" نے جرمنی کا ساتھ دینے میں مصلحت دیکھی اگرچہ اس جماعت کے مقاصد وہ نہیں تھے جو سلطان عبدالحمید خاں کے تھے۔ جنگ کا جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے۔ ۹ نومبر ۱۹۱۸ء کو برطانیہ کی سلح گاڑیاں قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں اور اُن کے ساتھ ہی آہستہ آہستہ برطانی، ایطالی۔ اور یونانی جنگی جہازوں کا بیڑہ بھی قسطنطنیہ کے بندرگاہ میں پہنچ گیا۔ اب سمرنا، مامورہ، شاخ زرین، کرا وغیرہ تمام ان کے ہاتھوں میں تھے اور اس طرح ترکی کی ترکی تمام ہوئی ۱۹۲۰ء میں ترکی اور متحدین کے درمیان وہ عزت سوز "صلح نامہ سیورے" طے پایا۔ لیکن ابتداء ہی سے وہ صلح نامہ ناقابل عمل نظر آتا تھا کیونکہ ترکی کے ایک طرف کو بالشویک زور پکڑ رہے تھے اور دوسری طرف ترکی قوم پرستوں نے سلطان محمد خامس کے مقابلہ میں انگورہ میں ایک نئی حکومت قائم کی تھی اور ہندوستان کے مسلمانوں نے سلطان کی خلافت کے لئے ایک طوفان مچا دیا تھا۔ عراق میں مٹی کے تیل کے چشموں کی خاطر مشرق میں اقتدار پیدا کرنے کے لئے برطانیہ، فرانس اور اطالیہ میں رقابتیں پیدا ہوگئیں ان تینوں سلطنتوں میں سے ہر سلطنت کی یہ خواہش کہ عراق اس کے حصہ میں آجائے۔ اس سے آپس کے تعلقات میں خوشگواری باقی نہیں رہی

ان اسباب کے علاوہ یونان میں (۱۹۲۰ء) وینیزلاس کی معزولی اور کانس ٹنٹائین کی واپسی نے ایجیس علاقہ (یعنی یونان اور اس کے اطراف کے سرزمین) میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں اس لئے کہ کانس ٹنٹائین جرمنوں کا طرفدار تھا ان تمام اسباب کا نتیجہ یہی نکلا کہ صلح نامہ سیورے پر عملدرآمد نہ ہوسکا۔

۱۹۱۹ء میں مصطفےٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھی قسطنطنیہ سے بڑی مشکل سے جان بچاکر انگورہ پہنچے اور وہاں ایک مجلس قومی ترتیب دی اس مجلس کی قوت نے یونانیوں کو شکست دے کر ترکی مقبوضات واپس لے لئے سلطان کو ترکی سے نکال باہر کیا اور ترکی جمہوریت کا اعلان کردیا۔

جنگ عظیم کے نتائج کچھ ہی ہوں مگر مشرق قریب میں اس سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ ترکوں کی آزادی میں "مراعات" کا سوال ایک سنگ راہ تھا یعنی ترکی سلطنت میں بعض قوموں کو خاص رعایتیں حاصل تھیں۔ جمہوریہ ترکیہ نے ان "مراعات" کو منسوخ کردینے کا فیصلہ کیا اور بڑی جوانمردی سے ان کو منسوخ کرکے چھوڑا اس کے بعد سے اب تک وہ اپنے داخلی اصلاحات میں مصروف ہیں۔

بقیہ کالم ۳

اس پر ہیں سوا راج کے طالب	تخت کے طالب تاج کے طالب

پھر کہتے ہیں۔

شاہی قوت سے بے پروا	شان حکومت سے بے پروا
اپنے ہم خود آپ ہیں دشمن	اپنے لئے ہم آپ ہیں رہزن
برگشتہ تھی اپنی قسمت	دے بیٹھے غیروں کو حکومت
مایۂ عبرت ہم ہیں جہاں میں	ننگ شرافت ہم ہیں جہاں میں

پھر نا اتفاقی پر اپنی دلی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں۔

شاد جو ہو دل شاد تو کیونکر	ہو پابند آزاد تو کیونکر

عدد ۱ جلد

نقد و تبصرہ

پریم درپن (آئینہ محبت)

مصنفہ مہاراجہ صدر اعظم بہادر

گیٹے کی تصویر پر کارلائل لکھتا ہے:-

"کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کا سر شاہانہ ہو، بلکہ ایک شاہانہ قصر ہو کیونکہ اس لئے کہ اس سر میں اعلیٰ ترین شاہانہ خیال تھے۔"

اسی رائے کے تحت جس امیرانہ سر میں فقیرانہ خیالات ہیں اس کے سچا صوفی ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے۔

صوفی کا اعتقاد کیا ہے؟ وحدت الوجود۔ صوفی کا کیا ہے؟ عشق و محبت کا متوالا محبت ہی کی باتیں سنائیگا خواہ درویش خانماں خراب ہو یا ایوان وزارت کا چشم و چراغ۔

ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کا سلسلہ نسب راجہ ٹوڈرمل سے ملتا ہے جو اکبر کے نورتن کے ایک بیش بہا جوہر تھے۔ مگر ان کو جاننے والا کوئی مسلمان یہ کہنے کی ذمہ داری لے سکتا ہے کہ وہ اسلامی عقائد سے کچھ بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی ابتدا ہی سے ہندو مسلم اتحاد و رواداری کا ایک نمونہ رہی۔ مگر آج وہ ضرور دیکھ رہا دنیا پر ظاہر ہورہی ہے جس شخص نے اپنی تمام عمر ہندو اور مسلمان میں بیگانگی نہ دیکھی ہو، جس نے تمام عمر دلوں سے ایک سا برتاؤ کیا ہو کیا اسکا دل ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا دیکھکر نہ کراہیگا؟

تعصب کی ہوا نے مہاراجہ بہادر کے دل کو افسردہ کردیا مگر یہ افسردگی انفعالی حد تک محدود نہیں رہی۔ انھوں نے متعدد دفعہ اس کی کوشش کی ہے کہ قومی نفاق سے اپنی بیزاری ظاہر کریں اتحاد و اتفاق کے زمانہ کو یاد دلائیں۔ چنانچہ ہمارے اسی نمبر میں مہاراجہ بہادر کا ایک مضمون اس موضوع پر موجود ہے۔

"پریم درپن" ایک اسی قسم کی پہلی کوشش ہے یہ ایک چھوٹی سی مثنوی ہے جو قدیم مثنوی کی طرز پر لکھی ہے مثنوی میں شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ کا ایک تاریخی قصہ بیان کیا ہے کہ اس بادشاہ نے کس طرح ایک برہمن کی لڑکی کو اپنی منہ بولی بیٹی بنایا اور اس کی شادی ایک امیر ہندو گھرانہ میں کرکے اس کو جاگیریں عطا کیں اس قصہ کے بعد ہندو مسلم نفاق کی برائی کو موثر انداز میں بیان کیا ہے۔

مثنوی رواں ہے ایک شعر دوسرے شعر سے مربوط ہے اصل مقصد سے قطع نظر مثنوی میں ادبی لطف آتا ہے کہ پڑھنے والا داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

نفاق کے متعلق چند شعر ملاحظہ ہوں۔

آئے دن کے جنگ و جدل ہے	آپس ہی میں رد و بدل ہے
گائے کی قربانی پہ جھگڑا	آگ پہ جھگڑا پانی پہ جھگڑا
مسجد کی دیوار پہ جھگڑا	باجوں کی جھنکار پہ جھگڑا
جھنڈے اور نشانوں پہ جھگڑا	مذہب اور ایمانوں پہ جھگڑا
سنگھٹن پر تنظیم پہ جھگڑا	کونسل کی اسکیم پہ جھگڑا

ملاحظہ ہو کالم ۲

شعر و سخن

غزل

نتیجۂ فکر ہز اکسلنسی مہاراجہ یمین السلطنت شاؔد مدظلہ

وہ جوانی ہائے اب کیا ہو گئی۔ زندگی اپنی تماشا ہو گئی
عشق میں میں مر کے زندہ ہو گیا۔ موت بھی مجھ کو مسیحا ہو گئی
کب مرے سر سے ٹلیگی دیکھئے کیا بلا زلفِ چلیپا ہو گئی
تیر تھی جب تک جگر میں تھی نظر دل میں جب ڈوبی تمنا ہو گئی
میکدے میں ہمت ساقی کی موج اس قدر پھیلی کہ دریا ہو گئی
آگئی پیری گیا عہد شباب زندگی کیا چیز تھی کیا ہو گئی
مجھ پہ آخر ان کو رحم آ ہی گیا۔ بیکسی ہی کارفرما ہو گئی
عاشقی اک درد درماں خیز ہے حد سے جب گذری مسیحا ہو گئی
بال سر کے، رخ نظر آنے لگا۔ رات گذری، صبح پیدا ہو گئی
اے مری بزم طرب بزم نشاط اب کہاں پاؤں تجھے کیا ہو گئی
دل میں لاکھوں حسرتیں معمور ہیں۔ ذرّے میں آباد دنیا ہو گئی
دل پہ اس کے غمزۂ بیگانہ سے۔ اک قیامت تھی کہ برپا ہو گئی
پھر دیا ہے اس نے آنے کا فریب پھر امید زیست پیدا ہو گئی
کردیا پھر شاہ نے مجھ کو وزیر آبرو میری دوبالا ہو گئی
تجھ سے میں نے تجھ کو مانگا مل گیا پوری اب دل کی تمنا ہو گئی

پیاری صورت جو مرے نظروں میں تھی
شاؔد پردے سے ہویدا ہو گئی

اے ہمّت!

از مولوی سید وحید الدین سلیم۔ پروفیسر ادبیات اردو عثمانیہ یونیورسٹی۔

زور پہلا سا وہ پیری میں کہاں اے ہمّت تیری برکت سے مگر دل ہے جواں اے ہمّت
ہوتی ہے دم سے ترے خون میں جنبش پیدا پھرتی رگ رگ میں ہے تو برق تپاں اے ہمّت
صبح اقبال کی پڑتی ہیں شعاعیں اس جا جلوہ تو اپنا دکھاتی ہے جہاں اے ہمّت
پھوٹ بہتا ہے جہاں تیرے کرم کا چشمہ، ہوتا ہے سیل تمدن کا رواں اے ہمّت
جی چراتے نہیں زحمت سے جو سایہ میں ترے دیکھتے ہیں وہی رحمت کا سماں اے ہمّت
زندگی کی ہے ترے دم سے جہاں میں ہل چل کہتے ہیں تجھ کو جہاں کی رگ جاں اے ہمّت
اپنی غفلت سے جنھوں نے تجھے سمجھا ہے خفیف زندگی بھی ہے انھیں بارگراں اے ہمّت
حل مشکل میں دکھاتی ہے جہاں معجزہ تو کشتیاں ریگ میں ہوتی ہیں رواں اے ہمّت
تیرے تیور کے اشاروں سے رہے جو غافل اُن کا دنیا سے مٹا، نام و نشاں اے ہمّت
ہیں کرشمے ترے سب مشرق و مغرب پہ عیاں تیری تعریف سے قاصر ہے زباں اے ہمّت

قاضی (جج)

جاپانی زندگی کا ایک افسانہ

نوشتہ ای، اے، اسپیٹ صاحب بی۔اے۔ لندن
پروفیسر ادبیات انگریزی
کلیہ جامعہ عثمانیہ

جفاکش اور صداقت شعار لوگوں کی سرزمین میں وہ اپنی صداقت پرستی اور جفاکشی میں مشہور تھا۔

اس کی زندگی کی موسیقی ایک مقدس نغمہ تھا۔ جیسے ایک ڈوبی ہوئی آواز کی بانسری کا راگ ہوتا ہے جس سے کوئی اکتاتا نہیں۔ اس کی زندگی کے اہم موقع ایسے ہی آئے جیسے گہرے سکوت میں نقارے کی آواز۔ نقارے کی آوازیں جو عجیب بدشگونیوں اور خطرناک گھنٹوں کو ظاہر کئے ہوئے گذر جاتی تھیں۔

اُس کو اُس کے ہم پیشہ لوگوں کی نسبت کم عمری میں قاضی عدالت العالیہ (جج) بنا دیا گیا تھا۔

اس رات اُس کی بیوی جو پچیس سال کی اطاعت گذار پردہ نشینی سے کمزور اور خاموش طبیعت بن گئی تھی، تباہی کے مبہم احساسات کی تکلیف سے جاگتی پڑی تھی۔

اس نے اپنے شوہر کو فرش پر بستر سے اُٹھتے ہوئے اور غیر معمولی طور پر خاموشی سے طاقتوں کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جہاں وہ ٹوکونوما (بنجی محراب جس میں اس کی تلوار کی کھونٹی، ایک گلدان میں اس کا چھوٹا صنوبر، اور اس کا آویزاں طومار جیسے بامعنی ساتھی نہیں بلکہ اسکی اپنی زندگی کے اجزا رکھے ہوئے تھے) کے سامنے گھٹنوں جھکا ہوا بحر تفکر میں ڈوبا رہا۔

اس طومار میں صرف دو چینی حروف تھے جو بظاہر خیال اور احساس کے نشان تھے۔ لیکن اس کی قوم سے زیادہ پرانے تھے۔ ان کی نمایاں اور تیز پیچیدگیوں میں ایک بہادر کا جوشمند میں گم ہو گیا تھا خون زندگی دوڑ رہا تھا۔

چھوٹا صنوبر کا درخت اسی طرح گندمی رنگ، مضبوط، باریک گرہ دار تھا جیسا کہ وہ خود تھا۔

کھونٹی ایک چھوٹی اور ایک بڑی دو تلواروں کی ایک جوڑی تھامے ہوئے تھی، جو کسی ایسے نایاب صناع کی بناہوئی تھیں جسکا نام جاپان کی تاریخوں میں درج نہ تھا ان کا بنانے والا اندرونی سمندر کے دھوپ دار برق زدہ ساحل کا رہنے والا تھا۔ جس کی قبر دریافت کرنے اور اس کی زیارت کرنے کیلئے قاضی گیا تھا۔ اس قبر کو قاضی عدالت نے چٹانوں، ریت، اور اوگھے ہوئے پودوں کی (جو سب سے مصفا ننگوں سبزپانی کی ایک خلیج کیلئے قرنا کا کام دے رہے تھے) ویرانی میں پایا۔

وہاں اس نے پرستش کی۔ جو اس کی زندگی کے عظیم رواجی افعال میں سے ایک فعل تھا۔

وہ تلواریں تمام ضلع میں مشہور تھیں جو کتاب مقدس سے زیادہ بااثر تھیں۔ اور جو اس کے اجداد کی بہادری۔ انصاف اور عالی ہمتی کی نشانیاں تھیں۔

پتلی تلواریں تھیں جو طولانی صدیوں کے گذر جانے کے بعد بھی بغیر ماند پڑے چمک رہی تھیں۔

لیکن ان کی بھی داستانیں تھیں جن کی اگر اس کے درشت وجود کے روبرو تفصیل کیجائے تو ان سے ایسے امر کی اطلاع ملیگی جسکو نوع انسان کا ایک بڑا حصہ عرصہ دراز سے بھول چکا تھا۔

ان داستانوں میں سے ایک داستان صرف اسی کے دماغ میں محفوظ تھی۔ اس کی شادی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد جبکہ وہ اتنا ہی متلون مزاج اور سنگدل تھا جتنا کہ بعد میں سنجیدہ مزاج ہو گیا۔ ایک رات وہ دیر سے گھر آیا اور شراب کی نشہ کی سرشاری اور بیخودی میں سبھی تلوار کو بغیر کسی سبب کے کھینچ لیا اور بہت بھیانک طور پر چہرہ کو بدرو بنا کر وہ ایک نہ دکھائی دینے والے دشمن پر وار کرنے لگا اور اوسکو اپنے ارادے کے مطابق مارڈالا۔ لیکن جب وہ طنزیہ انداز میں فتح مندی کی نشانی کے طور پر تلوار اُٹھایا ہوا تھا کسی چیز سے ٹکا یک ہوش میں آگیا جس کا پھر کسی کے سامنے ذکر کرنے کی اوس نے جرأت نہ کی۔

اس وقت سے اس کی زندگی متغیر ہو گئی اس نے اپنے تمام زندہ دل ساتھیوں سے قطع تعلق کر لیا اور اُن سے ملاقات بند کر دی اور "بغیر آنسو والا آدمی" کہلانے لگا۔

جو لوگ اس سے مشورہ لینے کیلئے آتے وہ واپسی پر کم اختلاطی کی ایسی خوشبو کے ساتھ جیسی کہ اونچے پہاڑوں کے جنگلی پھولوں کی ہوتی ہے، ایک اعلیٰ معیار لیکر واپس جاتے۔ اور جاتے ہوئے اپنے پریشان حال سائل سے ایک شدید محبت کا احساس لیکر جاتے۔

غرض کہ وہ رفتہ رفتہ خلق کے دلوں سے گذر کر ارواح کی دنیا میں پہنچ گیا۔ اور روحیں بھی وہ جو قضا و قدر کے مالکوں سے قرابت قریبہ رکھتی ہیں۔

صبح اوسکی بیوی کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ تمام رات جاگتا رہا اور عبادت کرتا رہا۔ وہ رات میں جلد سو گئی تھی۔ کیونکہ اسے خوف تھا کہ زیادہ رات تک جاگنے سے صبح اس کے روزمرہ کے خانگی فرائض ادھورے رہ جائینگے یعنی گھر کی صفائی کرنی، چٹائی کے فرش کو صاف کرنا۔ چاول کا ابالنا اور علی الصباح مکان کے دروازے کھولدینا کہ نسیم صبح کا ایک مہمان کیطرح جو پاک سرزمینوں سے تحائف لایا ہو خیر مقدم ہو۔ وہ سنہری چائے کی ایک پیالی لیکر اپنے شوہر کے پاس گئی۔ قاضی نے وہ چائے اُن عجیب مخلوقات کیساتھ بیٹھکر پی جنکے متعلق کبھی اس نے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسکی بیوی کا دل یہ دیکھکر اچھلنے لگا کہ قاضی کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی جو کبھی اون آنکھوں میں اس نے نہیں دیکھی تھی وہ پھر جوان اور زندہ دل نظر آتا تھا اور یہ زندہ دلی سالہاسال کے بعد اسکے چہرہ پر نظر آئی تھی۔ اس چہرہ پر جس پر اتنی مدت تک ایک بے رحمی کا نقاب پڑا ہوا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ اوسکی بیوی کے رسمی سلام کا جواب دبے ہوئے تند لہجہ میں دیتا لیکن آج معمولی جواب کی جگہ کہا۔

"فشی گی نی مشکو نر ماستا مجھ پر ایک عجیب خوشی کا عالم طاری ہے"۔

بیوی نے تعجب سے اسکو دیکھا، ایک ایسے تبسم کیساتھ جس کو شوہر نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

"تو پھر میں بھی بہت خوش ہوں"، بیوی کا جواب تھا۔

بیوی اسکا صاف ستھرا سیاہ سوٹ لے آئی۔ مغربی معاشرت کی صرف چند چیزوں کو قاضی کے ہاں دخل تھا ان میں یہ مغربی لباس بھی تھا۔ حالانکہ اسکا کتب خانہ انگریزی فرانسیسی اور جرمن زبانوں کی اعلیٰ قانونی تصنیفات سے بھرا ہوا تھا جنکا اس نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔

اس نے مغربی سوٹ کو ہٹا دیا۔

"ائی، کیموفو کو دیسو: نہیں، آج میرا جاپانی لباس"

"نانیکا الکائی گا اریمسو کا؟ کیا کسی جلسہ میں جانا ہے"

"آج مجھے اس نوجوان کے مقدمہ کا فیصلہ سنانا ہے"، شوہر نے جواب دیا۔

"اُرا، کسو سے سوناکاش! او، کیا افسوسناک بات ہے"۔

"مجھے خواب دکھائی دیا کہ موت سے کیا بات حاصل ہوتی ہے۔ مجھے مطلق علم نہ تھا کہ موت ایسی تعجب خیز چیز ہے" شوہر نے پرخلوص نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن بیوی ان سادہ الفاظ کا مطلب نہ سمجھ سکی اُسے صرف ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ کسی روح کے سامنے ہے اور وہ روح ان دونوں کی زندگیوں کو بغیر ان کے علم کے مقدس بنا رہی ہے۔

ناشتہ کے بعد وہ دونوں باغ میں گئے جو ان کے مکان کے پیچھے واقع تھا۔ اس باغ کی وسعت کسی انگریزی کوٹھی کے بڑے کمرے سے زیادہ نہ تھی لیکن اس میں چٹانوں، درختوں، پرانی تعمیر کی قندیلوں، چشموں اور پیچدار رستوں کی ایسی عمدہ ترتیب تھی کہ جگہ کے محدود ہونے کا خیال زائل

ہو جاتا تھا۔ یہ باغ حسن میں گویا پرستان کا ٹکڑا تھا اور اسکے ٹھنڈے سایہ میں گویا شراب کی نشہ بھری ہوئی تھی۔ اور بلکورے لیتے ہوئے چشموں پر مکڑیوں نے ہوائی پل بنائے تھے۔

اوسکی بیوی نے سفید ازالی پھولوں کی ڈالیاں توڑنی شروع کیں۔ شوہر نے چند نقشی شاخوں کا گٹھا لیا اور روشوں پر ایسے شاندار انداز میں جھاڑو دینی شروع کی جیسے کہ وہ کسی قدیم درباری رقص میں مصروف ہے۔ اس کے جسم کی ہر حرکت ہر سرح کی خوشگوار روشنی، پانی کی ہلکی ہلکی موجوں اور ابر کے آنے جانے والے سایہ کے ساتھ ایک مترنم مناسبت رکھتی تھی۔ اور اس تمام خوبصورتی تیل خود اسکی روح کا نقش پنہاں تھا۔

جب وہ مکان کے سامنے کمان کے پاس اپنی رکشا میں سوار ہونے کیلئے بیوی سے جدا ہوا تو اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھا دیا۔ بیوی کے سامنے کبھی اس نے ایسی حرکت نہیں کی تھی اس لئے پہلے اس نے خیال کیا کہ اسکا شوہر کوئی بھولی ہوئی چیز طلب کر رہا ہے۔ مگر بعد میں بیوی نے شوق سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اسطرح پکڑی رہی کہ گویا وہ ہاتھ کو نہ چھوڑے گی۔

"ممکن ہے مجھے دیر ہو جائے، میرا انتظار نہ کرو" اس نے پھر آہستگی سے اپنا ہاتھ بیوی کے ہاتھ میں سے نکال لیا۔ جب رکشا کی گھنٹی کی آواز سنائی نہ دینے لگی وہ مکان میں گئی۔ اور خاندان کے دیوتاؤں کے سامنے جھک کر رونے لگی۔ گویا اوسکو تمام تکلیفوں اور خطروں سے آزادی مل چکی ہے۔

وہ صبح مغربی جاپان کے موسم بہار کی بہت خوشنما صبح تھی۔ ہوا میں شراب کی تاثیر تھی قدیم شہر کی خاکی گلیوں کے اوپر چمکدار نیلے آسمان کا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اور باغ کی دیواروں پر ہر جگہ وِلو ([illegible]) پھول کی ڈالیاں ایک ادائے مستانہ سے جھوم رہی تھیں جن کی سبزی اسپاتی اور بادام کے پھولوں میں عجب بہار دکھاتی تھی۔ عدالت العالیہ میں قاضی ایک تکلیف دہ خاموشی کے درمیان اپنے اجلاس پر بیٹھ گیا اور سامنے کے کاغذوں کو ترتیب دینا شروع کیا۔

اس کے بعد اس نے آنکھیں اٹھائیں اور اپنے سامنے کے لوگوں پر نظر ڈالی۔ لوگوں کے چہرے فکر سے بدشکل اور بے رونق ہو گئے تھے۔ ان زرد چہروں پر ایک التجا تھی۔ اس چیز کی جسکو قاضی عطا کر سکتا تھا۔

کاش وہ اتنی عنایت کر دے! اوسکی عنایت سے زندگی کے ایک تاریک اور غمناک کمرہ میں روح واپس آ جائے گی۔ اسی طرح جسطرح کہ دیوتاؤں نے اسکی زندگی کے تاریک گھنٹوں میں خوشی کو بھیجدیا!

کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فیصلہ سنانے سے پہلے جب اس نے کاغذ میں سے ایک دوا نکالی اور اس کو پانی کے ایک گھونٹ کے ساتھ نگل گیا تو حاضرین کو قاضی میں ایک غیر معمولی قلبی طاقت کیوں محسوس ہونے لگی۔ گویا کہ دنیا ان کے لئے از سر نو بنائی گئی ہے۔ جس کا شعور ان کو اور اس خوشنما صبح کو ابھی ابھی ہوا ہے۔

اطمینان اور ترتیب کے ساتھ اس کے الفاظ ادا ہونے لگے۔ ان الفاظ میں ایسے جذبات پنہاں تھے کہ عدالت کا کمرہ ایک مندر بن گیا۔ جس میں عود کے دھوئیں کا کام وہ خوشگوار نسیم دے رہی تھی جو پانی پر سیکڑوں میل سے چل کر آ رہی تھی۔

سوائے قاضی کے سب کھڑے ہوئے تھے۔ ہر ایک نگاہ اس پر جمی ہوئی تھی۔ اور کمرہ میں کسی آواز کا پتہ نہ تھا۔

"تمہاری قانونی تحقیقات کے مطابق نوجوان سب سے سنگین جرم یعنی بے گناہ شخص کو بالارادہ قتل کرنے کا مجرم ہے۔ اور میرا یہ فرض ہے کہ اس پر قانون کی رو سے سخت سزا کا فیصلہ سناؤں" وہ یہاں ٹھہر گیا۔ اور غم کا ایک تیر سامعین کے دلوں کو چھیدتا ہوا نکل گیا۔

وہ پھر اٹھا۔ لوگ نہ سمجھ سکے کہ کیوں۔

"یہ میرا فرض ہے" اس نے کہا اور اوس کی آنکھوں میں ایک پرخلوص تبسم نظر آنے لگا "لیکن میں تم سب سے یہ کہتے ہوئے خوش ہوں کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ میں تم کو اس کا سبب بتاؤں گا۔ تم یاد رکھو اور میرے الفاظ کو غور سے سنو کیونکہ یہ آزادی کے الفاظ ہیں"

آہستہ لیکن بالکل صاف آواز میں اوس نے ایک تحریر پڑھنی شروع کی جس کے درمیان وہ کبھی کبھی حاضرین پر ایک بے خوف لیکن مہربانی کی نظر ڈالتا تھا جس سے بہت سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے" میں اس نوجوان کو سزائے موت نہیں دیتا جس کا قانون مطالبہ کرتا ہے۔ کیونکہ میں خود بھی اس جرم کا مجرم ہوں جو اس جوان سے سرزد ہوا پچیس برس پہلے میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اور ان میں سے بہتوں کی طرح میں بھی کئی کئی طرح کے قرضوں میں مقروض تھا۔ اس زمانہ میں اس شہر میں ایک شخص تھا جس نے چاول کے کاروبار میں تخمین سے بہت روپیہ جمع کیا تھا۔ اس روپیہ کا اس کے نزدیک اس سے بہتر اور کوئی مصرف نہ تھا کہ اس کو تباہ کن سود کے نرخ پر قرض دے۔ میرا ایک زندہ دل ساتھی مجھے اس کے ہاں لے گیا۔ اس نے مجھے میری طلب کردہ رقم کا نصف حصہ قرض دیا۔ میں وعدہ پر وہ رقم ادا نکر سکا۔ اس نے اپنے شدید تقاضوں سے مجھے غضبناک کر دیا۔ اور میں نے اسکا تصفیہ کر دینے کا ارادہ کر لیا"

"وہ ایک سخت لالچی اور جفاکش انسان تھا اور یہاں پیدل چل سکتا تھا۔ وہاں کبھی سواری نہ لی۔ تم سب ورزش کے میدان کو جانتے ہو۔ اسکا مکان اس میدان کے کنارے تھا۔ ایک دن سخت موسم سرما میں میں نے رقم ادا کرنے کے وعدہ پر اس کو اپنے مکان پر بلوایا۔ میں جانتا تھا کہ باغ کے پاس اسکو ایک سنسان موڑ پر سے گذرنا پڑیگا۔ وہاں میں نے اس پر حملہ کیا اور ایک ڈنڈے سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ میں نے اس کی لاش کو ایک پرانے کوئیں میں جو بڈھے فوجی کے مکان کے پیچھے باغ میں ہے ڈالدیا۔ اور برف کے نیچے سے چن چن کر بڑے پتھر اس کی لاش پر ڈالدئے۔ اس موسم میں کئی دن تک برفباری ہوتی رہی۔ اور بعد میں دو مہینے تک برف جمی رہی۔

"اسکی جیبی کتاب میں مجھے رقم اور میری دستاویز ملی۔ ایک گھنٹہ کے بعد میں اس کے گھر گیا اور اس کی گنوار بیوی کو اپنے قرضہ کی رقم ادا کر دی۔ اس کی بیوی نوٹوں کو تمیز نہ کر سکی۔ اس نے مجھے اس رقم کی رسید دی اور وعدہ کیا کہ دوسرے دن میری دستاویز دے دیگی۔

اس بات کی پرواہ کئے بغیر اس نے وہ تلوار کھینچ لی جو ہمارے خاندان کی سب سے قیمتی میراث ہے اور جب میں اپنی آزادی پر اس فتحمندانہ انداز میں کھنچا ہوا کھڑا تھا میری حیرت کی انتہا نہ رہی جبکہ میں نے اس تلوار کی نوک سے خون کی بوندیں گرتی ہوئی دیکھیں۔

اس تلوار سے لہو کی بوندیں اور کوئیں میں ان پتھروں کی آوازیں جو میں نے اس کی لاش پر ڈالے تھے اس وقت سے اب تک بند نہیں ہوئیں۔

"وہ شخص اس مجرم نوجوان کا باپ تھا"

تعجب کی سانسوں سے عدالت کے کمرہ میں سرسراہٹ پھیل گئی۔ حاضرین میں سے کئی ایک کو یہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔ قاضی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے پھر شروع کیا۔

"ایک گناہ سے کئی افسوسناک نتیجے نکلتے ہیں میں نے اس نوجوان کے باپ کی اس وقت جان لی جبکہ یہ بہت چھوٹا بچہ تھا۔ اور باپ کی حفاظت اور خبرگیری کی اس کو ضرورت تھی۔ بڑا ہو کر یہ اوس دولت کا مالک بن گیا۔ جو اس کی کمائی ہوئی نہیں تھی اور اسکے ساتھ یہ بدکردار ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ کی تمام دولت اڑا دی اور اپنی ماں کو اس لئے قتل کر ڈالا کہ اس نے اس دولت کا تہ بڑا سا بچا ہوا حصہ اس کو اڑانے کے لئے نہیں دیا۔

"یہ سب میری غلطی کا نتیجہ ہے، میرے جرم کا پھل ہے اور یہ میری آخری خواہش کہ اس کی زندگی کو بچا دوں تاکہ یہ اپنی روح کو تباہی سے بچا سکے"

یہاں قاضی رک گیا اور اوپر سیاہ کھپریل والی چھت کو دیکھنے لگا اور پھر خوبصورت درختوں کے جھنڈ پر نظر ڈالی۔ اس کے بعد مشرق میں برفانی پہاڑوں کے سلسلے کو دیکھنے لگا۔ حاضرین نے دیکھا کہ اس کے چہرے کی جھاپ درد کے احساس سے کچھ کچھ زائل ہو رہی ہے۔

اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"میں نے اپنا راستہ تلاش کر لیا صرف نوجوان (خدا اسکو اچھا رکھے) ہی نہیں بلکہ میرا دل بھی امتحان میں ہے۔

"تم لوگوں کے روبرو میں نے اپنے جرم کا اقبال کیا۔ اب تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں بہت آزادی اور خوشی سے جان دے رہا ہوں اس امید اور یقین کے ساتھ کہ میری جان اس نوجوان کی جگہ قبول کی جائیگی۔ ان کاغذوں میں یہ سب باتیں موجود ہیں دیکھنا یہ کاغذ جائز شخص کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں"

اب وہ بہت مشکل سے بول رہا تھا۔

"میں تم سب کو الوداع کہتا ہوں اور تم سب سے معافی اور اس نوجوان کی دستگیری چاہتا ہوں کہ یہ اسوقت کی تکلیف سے بچ جائے اور آخرکار اپنا اقربا کیلئے خوشی کا باعث بنے۔

وہ اپنی کرسی پر گر پڑا اسکا سر اوسکے کاغذوں پر تھا۔ عدالت میں اسوقت کے اس گہرے سکوت میں جو ایک ازلی سکوت کا نمونہ معلوم ہوتا تھا ایک فوارے کے ترنم کیطرح ایک چھوٹی لڑکی کا گیت سنائی دیا جو اپنی بہنوں کیساتھ عدالت کی پھاٹک میں کھیل

مختلف خبریں

مجلس شاورۂ تعلیمی حیدرآباد

(حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس)

گذشتہ مہینہ مجلس شاورۂ تعلیمی (ایجوکیشنل کانفرنس) کا آٹھواں سالانہ اجلاس ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا۔ شرکا کی خاصی کثرت تھی اجلاس کا افتتاح بچوں کے ترانے کے ساتھ ہوا جس کے بعد حسب دستور تحریک و تائید صدارت پیش ہوئی۔ اور نواب ذوالقدر جنگ بہادر رام۔ اے (کیمبرج)، بیرسٹر ایٹ لا معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی نے کرسی صدارت کو زینت دی اور اپنے دلچسپ خطبہ سے سامعین کو بہرہ اندوز کیا۔ خطبہ صدارت کے اختتام پر صاحب صدر نے مولوی محمد مرتضیٰ صاحب راے بالمکند صاحب مولوی علی الدین حسین صاحب اور نواب عماد الملک بہادر مرحومین کی وفات پر اظہار افسوس و ہمدردی کی تحریک پیش کی جو منظور ہوئی۔ اس کے بعد معتمد صاحب نے کیفیت سنائی اور زراعتی نمایش کی افتتاح پر جلسہ ختم ہوا۔

دو بجے اجلاس دوم شروع ہوا۔ حسام الدین صاحب نے تحریک ... صدر نشین صاحب نے اس کی تائید فرمائی۔ مولوی عبدالعزیز خان صاحب نے اس موقع پر اس تحریک اور ترمیم سے مخالفت فرمائی اور فرمایا کہ طب انگریزی اور طب یونانی علیحدہ نہیں ہیں۔ اہل یورپ نے طب یونانی ہی کو ترقی دیکر طب انگریزی کی موجودہ شکل قائم کی ہے۔ طب انگریزی کا الحاق ہو چکا ہے لہذا مدرسہ طبیہ کے الحاق کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی بھی کسی نے تائید نہیں کی۔ اور اصل تحریک پر رائے لیگئی جو بغلبہ آرا سے منظور ہوئی۔

اسکے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب نے بلدالجامعہ پر ایک بہت دلچسپ اور پر لطف مضمون پڑھا اسکے اختتام پر مولوی سید علی اکبر صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ نے مسئلہ بے علمی پر مضمون پڑھا جو مفید معلومات کا آئینہ تجاویز سے مملو تھا۔ اس مضمون کے بعد مسز سروجنی نائیڈو نے ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی جس میں مختلف اہم مسائل پر اپنی معجز بیانی کا ثبوت دیا۔ اور خاص طور پر حدیث شریف "الطالب العلم من المھد الی اللحد" کی جانب توجہ دلائی اس پاکیزہ تقریر پر اس روز کی کارروائی ختم ہوئی۔

دوسرے روز آٹھ بجے جلسہ شروع ہوا پیش نامہ میں سب سے پہلے سررشتہ اعداد و شمار کی جانب سے ایک تقریر مقرر تھی لیکن سررشتہ کی جانب سے کوئی صاحب تشریف لائے اور نہ کوئی مضمون وصول ہوا اس بیری انتظار میں مولوی اعجاز علی صاحب شہرت کو نظم پڑھنے کی اجازت دیگئی۔ اس کے بعد سابقہ تحریکات پر توجہ دہانی کی تحریک پیش ہوئی مولوی حسین عبدالمنعم صاحب بی اے مددگار معتمد فینانس نے یہ تحریک پیش کرتے ہوے ایک مفصل تقریر میں سابقہ تحریکات اور انکی ضرورتوں کو واضح کیا۔ مولوی حافظ محمد مظہر صاحب نے انکی تائید فرمائی اور جناب صدر سے بحیثیت معتمد تعلیمات ہونے کے اہم تحریکات پر خاص توجہ فرمانے کی استدعا کی تحریک منظور ہوئی اسکے بعد مولوی سید فضل اللہ صاحب مددگار ناظم سررشتہ امداد باہمی کا مضمون ان کے تشریف نہ لانے کی وجہ سے معتمد صاحب کانفرنس نے سنایا۔ اس کے بعد مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات نے ڈنمارک کے زراعتی حالات کے متعلق ایک پر از معلومات دلچسپ مضمون سنایا۔ آخر میں نواب مرزا یار جنگ بہادر میر مجلس عدالت العالیہ نے "تصور خدا" کے موضوع پر عالمانہ تقریر فرمائی جس میں مولانا روم کے نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ آخر میں بہت دلچسپ پیرایہ میں یہ ثابت کیا کہ خدا کا صحیح تصور کسطرح مذہبی مناقشات کی بیخ کنی کر سکتا ہے اس تقریر پر بارہ بجے جلسہ برخواست ہوا۔ ۳ بجے چوتھا اجلاس شروع ہوا۔ اولاً مولوی عاقل خان صاحب مہتمم زراعت نے بجانب سررشتہ ایک بہت مفصل مضمون پڑھا جس میں زراعت کی اہمیت کسانوں کی حالت، زراعتی تعلیم کی ضرورت، اور اسی قسم کے دوسرے امور کے متعلق دلچسپ معلومات درج تھیں۔

اس مضمون کے بعد مولوی غلام احمد خان صاحب اول تعلقدار ضلع کریم نگر نے یہ تحریک پیش کی کہ ملک میں زراعت کو ترقی دینے کیلئے یہ مجلس تحریک کرتی ہے کہ بعجلت ممکنہ جامعہ عثمانیہ کے تحت زراعتی تعلیم گاہیں قائم ہوں اور علاقہ مرہٹواڑی و تلنگانہ و کرناٹک میں ایک ایک زراعتی ہائی اسکول جلد کھولا جائے۔

اسکی تائید مولوی عبدالسلام صاحب معتمد انجمن اساتذہ نے اور مزید تائید محمد برہان الدین صاحب طالب العلم زراعتی کالج پونہ نے کی باتفاق آرا و تحریک منظور ہوئی۔ اسکے بعد ڈاکٹر عبداللطیف سعید نے طلباے مدارس کے طبی معائنہ کی ضرورت پر ایک دلنشین تقریر کی پونے پانچ بجے نماز عصر کیلئے جلسہ برخواست ہوا۔

نماز کے بعد کرنل عظمت اللہ صاحب نے جنگ کے مناظر اور جزیرہ نماے سینا و فلسطین و شام کے متعلق نماز مغرب تک ایک دلچسپ تقریر کی۔ نقشوں سے بیانات کو واضح فرماتے رہے۔ اور ان مسائل کو بیان فرمایا جو فتوحات کا موجب ہوتی ہیں۔

نماز مغرب کے بعد صدر نشین صاحب نے اختتامی تقریر فرمائی جس میں کانفرنس کے کامیابی کے ساتھ ختم ہونے پر اظہار مسرت کیا۔ اس کے بعد نواب فخر یار جنگ بہادر نے اعلحضرت بندگان عالی۔ صدر نشین صاحب۔ مقررین رضاکاران اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوے ایک جامع و بسیط تقریر فرمائی۔

اسکے بعد مولوی عبدالرحیم صاحب نیر نے مغربی افریقہ میں تعلیمی و تمدنی تحریک پر سجاب لنٹرن کی مدد سے لکچر دیا۔ اور تقریباً سوا آٹھ بجے بہ خیر و خوبی اجلاس ہشتم ختم ہوا۔

مجلس خواتین

گذشتہ مہینے میں مجلس خواتین کا بھی اجلاس ہوا۔ جس میں حیدرآباد کی تقریباً تین سو تعلیم یافتہ خواتین شریک تھیں بیگم صاحبہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے جلسہ کی صدارت فرمائی۔ مسز رستم جی نے حیدرآباد میں تعلیم نسوان کو ترقی دینے کی ضرورت بتلائی اور مسز سروجنی نائیڈو نے ہندوستان میں عورتوں کی حالت پر تقریر کی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ مجلس تعلیم نسوان کے مسئلہ میں عملی دلچسپی لے گی۔

مجلس وکلاء

گذشتہ مہینہ ہی میں مجلس وکلا کا بھی سالانہ اجلاس عالیجناب پنڈت کیشو راؤ صاحب سابق رکن مجلس عدالت عالیہ کی صدارت میں ہوا ریاست حیدرآباد کے مختلف حصوں سے تین سو سے زاید نمائندے شریک تھے۔ ملکی قانون کے متعلق مفید اور اہم تحریکیں منظور ہوئیں۔ غالباً اس مجلس کا دوسرا قدم حیدرآباد کے "بار" اور "بنچ" کی درمیانی خلیج کو کم کرنا ہوگا؟

کرکٹ

چند سال سے حیدرآباد میں کرکٹ کا کھیل خاص دلچسپی کا مرکز بن گیا ہے۔ بمبئی کی تقلید میں چار مختلف قوموں یعنی انگریزوں، مسلمانوں، پارسیوں اور ہندوؤں کی چار ٹیمیں بنائی جاتی ہیں۔ سکندرآباد کے قومی مرکز کی وجہ انگریزوں میں اچھے اچھے کھلاڑی نکل آتے ہیں اس وجہ سے اکثر انگریزوں ہی کی ٹیم زیادہ طاقتور رہتی ہے۔ اس سال عجیب اتفاق ہے کہ پارسیوں سے انگریز ہار گئے اور ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ آخری مقابلہ مسلمان اور پارسیوں کے درمیان ہوا۔ جس میں مسلمان کامیاب رہے۔

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر بکسیلر و تاجر کتب متصل مطبع اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

قرآن لفظی و تفسیر اس میں پانچ ترجمہ ہیں دو فارسی تین اردو اور برحاشیہ تفسیر احسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی سے رعایتی صہ سکہ عثمانیہ حنا شدہ

فتاوی عثمانیہ مسائل فقہ کی دہ بہترین کتاب جو امتحان وکلاء درجہ اول میں شریک ہے سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلاء کے لئے معلومات فقہیہ بہم پہونچانے کے لئے بیحد مفید ہے کاغذ چکنا چھپائی نفیس ہے مولفہ جناب مولانا مولوی مظہر الحق صاحب نصاری وکیل عدالت درجہ اول ممالک محروسہ سرکار عالی قیمت اصلی (سے) رعایتی (عہ) علاوہ محصول ڈاک بہت کم نسخے رہ گئے ہیں جلد طلب فرمالیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا

صنمخانہ عشق یعنے دیوان امیر مینائی قیمت ہے رعایتی عہ

عبرتکدہ سندھ یعنے تاریخ حیدرآباد سندہ۔ انتزاع دولت سندہ کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا اور وہاں کی شاہی شان و شوکت کے بچشم خود دیکھنے والے اب تک زندہ موجود ہیں۔ سندہ کے عروج و زوال تاریخی پیرایہ میں مولانا سید اسد اللہ صاحب عرف میر نواب کی قابل دید کتاب صفحہ ۳۵۲ قیمت (عہ) رعایتی عہ

تعلیم الاخلاق بہترین اخلاقی مضامین کا ذخیرہ بزبان اردو جو نظم و نثر مولفہ ناظم الاخلاق مولانا ذہن قیمت رعایتی ۱۲

خلاصہ جغرافیہ عالم سوالات و جوابات میٹرکیولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت (عہ) رعایتی (عہ)

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت ۴ مرتبہ مولوی سید شرف الدین صاحب قادری

جدید تاریخ ہند برائے مڈل و عثمانیہ میٹرک قیمت عہ — بی اے بی ٹی صدر مدرس

جدید جغرافیہ دنیا برائے ،، قیمت عہ — مدرسہ سلطانیہ عادل آباد

اردو اٹلس رنگین ملک سرکار عالی۔ جس میں ضلعواری نقشہ جات مع تاریخی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جید اٹلس قیمت (ہے) رعایتی (ہے)

مطبوعہ رجسٹر او فارمس ہر دفتر کے کارآمد خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ وغیرہ تیار ہیں جنکی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کرکے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے

سیرۃ النعمان حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سوانح عمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل قابل دید کتاب ہے قیمت (عہ) و (عہ)

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومیؒ کی مفصل سوانح عمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ قیمت (عہ)

المامون خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقہ سے فروخت ہوتے تھے اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے قیمت (سے) و (صہ)

الغزالی امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ کتابت اور کاغذ نہایت عمدہ قیمت (عہ)

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ نہایت دلچسپ اور قابل دید ہے۔ قیمت (عہ)

مقالات شبلی مولانا کے مختلف مضامین کا دلکش مجموعہ ضخامت (۱۲۰) صفحہ کاغذ دبیز قیمت (عہ)

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علماء متکلمین کے نظریات اور مسائل طبع چہارم قابل دید ہیں قیمت (عہ)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چارمینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	یک اشاعت
ایک صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
نصف صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ربع ،،	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	یک اشاعت
ایک کالم	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
نصف کالم	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ربع کالم	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائے گا۔

کتب خانہ تجارتی سید عبد الرزاق بکسیلر اینڈ پبلشر و مالک رزاقی مشین پریس چارمینار حیدرآباد دکن

تمدن ہند ڈاکٹر لی بان کی فرنچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ مع اضافہ توضیحات و حواشی مفید مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم جو آج سے چند سال پہلے (صـ) میں فروخت ہوتے رہی اس میں (۱۴۹) تصاویر اور (۲) دلفریب نقشہ اور تختی کلاں ہے اور یہ مرحوم مترجم کے زمانہ کی طبع شدہ ہے مژدہ باد کہ اب یہ لایق قدر اور قابل دید کتاب مجلد (مـ) میں علاوہ محصول ڈاک ملتی ہے۔ ناظرین کرام اس زرین موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

سیرۃ النبی صلعم یعنے سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از پیدایش تا وفات شریف جس میں اقامت امن تاسیس خلافت۔ اشاعت اسلام۔ انتظامات مذہبی و تکمیل شریعت۔ شمائل۔ اخلاق و عادات تمدن۔ معاشرت وغیرہ وغیرہ کی تفصیل ازواج و اولاد مطہرہ کا تذکرہ ہے جس کو مولانا مولوی شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے نہایت عام فہم اردو زبان میں تین جلدوں میں لکھا ہے۔ کاغذ اور طباعت نہایت بہترین ہے۔ کاغذ قسم اول ہر سہ حصہ بلا جلد کی قیمت (عـ) کاغذ قسم دوم ہر سہ حصہ بلا جلد کی قیمت (مـ) علاوہ محصول ڈاک ہے۔

سفر حرمین الشریفین یہ ایک لاجواب کتاب ہے جس میں مدینہ منورہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور کثیر نقشہ شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک فوٹو شامل کتاب ہیں مشاہیر علماء و فضلا نے اس کی خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں۔ کاغذ چکنا عمدہ لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں قیمت بجائے (عـ) روپیہ کے (لـ) سکہ عثمانیہ ہے۔

اسوۂ صحابہ جس میں صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے عقاید اور عبادت اور اخلاق وحسن معاشرت اور سیاسی و مذہبی و علمی و عملی خدمات کی تفصیل دو جلدوں میں منقسم کیگئی ہے کاغذ نہایت دبیز اور طباعت اعلی پیمانہ کی ہے۔ قیمت علاوہ خرچ ڈاک ہر دو جلد (لعہ) سکہ عثمانیہ ہے۔

براؤننگ از مولوی سید وقار احمد صاحب ام اے بمشاہیر علم و ادب کی چند رائیں ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

براؤننگ کے اشعار کا ترجمہ جس خوبی سے کیا اس کی مقبولیت خود اس کے اچھے ہونے کی دلیل ہے (ہز اکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر)

اس کو میں دیکھکر بہت محظوظ ہوا۔ کیونکہ انہوں نے ایک ایسا کام انجام دیا جو نہایت دشوار بلکہ بادی النظر میں تقریباً محال معلوم ہوتا تھا اور ترجمہ اس خوبی سے کیا ہے جس سے اصل نظم کی لطافت اور اس کے فلسفے کی باریکیاں بخوبی ظاہر ہوجاتی ہیں۔۔۔ بجائے خود اردو نثر کا ایک اچھا نمونہ ہے (نواب مہدی یار جنگ بہادر)

نہایت سلیس اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کی فصاحت اور طباعت و اسلوب بیان کی خوبی اس کے علاوہ ہے (حیدر یار جنگ بہادر) ۔ قیمت (مـ)

ارمغان سلطانی المعروف سیر گلبرگہ شریف۔ تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک سچا فوٹو ہے جو تین حصوں میں منقسم ہے پہلے حصہ میں شہر گلبرگہ شریف کے موجودہ حالت درج ہیں دوسرے میں زبدۃ العرفان حضرت مخدوم شہباز بلند پرواز گیسو دراز سید محمد حسینی المشہور خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز۔ نیز دیگر اولیاء کرام کی فیاض زندگی اور انکی سوانح عمر جو مختلف مستند و معتبر کتب سے اخذ کرکے مسلسل طور پر لکھے گئے ہیں تیسرے حصہ میں سلاطین بہمنیہ کے مفصل حالات درج ہیں مولوی محمد سلطان صاحب نے نہایت سلیس اردو میں لکھا ہے کاغذ اور چھپائی عمدہ قیمت (عـ) سکہ عثمانیہ علاوہ خرچہ ڈاک ہے۔

الکلام مولانا کے مشہور تصنیف جدید علم الکلام جسمیں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے۔ طبع سوم ہے ضخامت (۲۷۵) صفحہ قیمت (عـ)

سیرۃ عائشہ رض ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب اور فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق انکی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ضخامت (۳۵۰) صفحہ قیمت (عـ)

گل رعنا اردو زبان کی ابتدائے تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار ضخامت (۵۴۸) صفحہ قیمت (عـ)

عروس ادب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی۔ تاریخی۔ اور سیاسی مضامین کا مجموعہ ان مضامین کی تعریف تقاریظ مندرجہ کتاب میں مولوی عبد الحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اور مولوی عبد الماجد صاحب بی اے (دریابادی) نے از حد فرمائی ہے۔ فی الواقع مضامین نہایت دلچسپ اور قابل دید ہیں خصوصاً مضامین ادبی لکھائی چھپائی کاغذ بھی نہایت عمدہ ہے عروس ادب زیور علوم سے آراستہ ہونے کے علاوہ مصنف کی تصویر سے بھی مزین ہے جتنی خوبیاں ہیں اُن کے مقابلہ میں قیمت بہت کم ہے یعنے فی نسخہ (عـ)

انجام غفلت مولوی ابو ظفر موید الدین حسن صاحب فاروقی والاجاہی کا قابل قدر دلچسپ ناول ہے اسکو آغاز کیجئے تو انجام کے معلوم ہونے تک آپ ختم کئے بغیر نہ چھوڑیں گے قابل دید ہے لکھائی چھپائی کاغذ بہت عمدہ ہے قیمت (۵)

الفاروق حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسوں اڈیشن مختلف ممالک میں طبع اور فروخت ہو رہے ہیں مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش و جستجو تھی اب مطبع معارف اعظم گڈھ کا نیا اڈیشن جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے نہایت عمدہ کتابت اور دبیز کاغذ پر طبع ہوا ہے جس کی ضخامت (۳۱۲) صفحہ پر ہے قیمت ملاوہ خرچہ ڈاک (مـ)

عدد ۲
جلد ۱

مدیرین
سید وقار احمد ام - اے
محمد حبیب اللہ رشدی ام - اے

مضمون خاص

فاسسمو

ایطالیہ کی تحریک فاشزم کے حالات

از پروفیسر حسین علی مرزا

قیمت فی پرچہ ۲ /۱۲

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چارمینار حیدرآباد دکن

چندہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک۔

سالانہ	لے
ششماہی	بےر
سہ ماہی	عال
فی پرچہ	۲ر٦ہر

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائے۔

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحے کے حجم پر شائع ہوگا اور کبھی کبھی تصویرین بھی شائع ہونگی

منیجر

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات   تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

ہفتہ وار

عدد ۲ حیدرآباد دکن : دوشنبہ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ م ۲۱ نومبر ۱۹۲۷ء م ۱۶ امردے ۱۳۳۷ف جلد ۱

شذرات

حکومت ہند نے جسکو ہماری تمام ضرورتوں کا خیال رہتا ہے، اب سینما پر توجہ کی ہے۔ اور ایک کمیشن مرتب کیا ہے۔ کہ وہ سینما کے کاروبار کی تحقیقات کرے۔ کمیشن نے بمبئی میں اپنا کام شروع کر دیا ہے اور ہندوستانی فلموں کی عمدگی یا بُرائی کی تفتیش کر رہی ہے یہ دریافت کرنے کے لئے ہندوستانی فلموں کی کیا نقائص ہیں اور ان کو کسطرح دور کیا جائے۔ اسی طرح امریکن فلموں کی کامیابی اور نقائص کا حال بھی معلوم کرے۔ اس کا کیا علاج کہ ہندوستان کے متعلق اس مہربانی کو بھی شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

ہاں ہندوستان کو شک ہے، اسلئے انگلستان میں فلموں کے متعلق قانون بن رہا ہے۔ اس قانون کا منشا کیا ہے؟ یہ کہ سوائے انگلستان کے بنے ہوئے فلموں کے اور کوئی فلم انگلستان میں نہ دکھایا جائے پھر اس کمیشن کے بعد ہندوستان کے لئے کیا حکم ہوگا کسی نجومی سے پوچھنا چاہیئے!

انگلستان میں بہت سی صنعتیں سر سبز ہیں۔ سوائے سینما فلم کی صنعت کے فلم وہاں بھی تیار ہوتے ہیں۔ مگر انہیں مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ ایک سینما کے ماہر کی رائے ہے کہ انگریز قوم نے اپنے جذبات کے چھپانے میں اتنی مشق کر لی ہے کہ اب جذبات کا چہرے پر ظاہر ہونا ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لئے انگریزی فلموں کے ممثل (ایکٹر) لکڑی کے تپلے معلوم ہوتے ہیں۔

نائب زیر نو آبادیات سے کرنل ویج وڈ نے دریافت کیا تھا کہ کیوں شمالی افریقہ کے کمیشن میں کوئی مزدور جماعت کا رکن نہیں ہے۔ نائب وزیر نے تیزی سے جواب دیا کہ یہ کمیشن ماہرین کا ہے۔ اخبار انڈین نیشنل ہیرلڈ کہتا ہے "دیکھئے ہمارے اصلاحات کے کمیشن میں مزدور جماعت کے ارکان موجود ہیں!

ہمارے ایک دیرینہ سال معاصر نے نظام گزٹ کا بہت کشادہ دلی سے خیر مقدم کیا جس کے ہم بہت شکر گذار ہیں۔ اسی معاصر نے دوسری ہی اشاعت میں ڈاکٹر نظام الدین صاحب کے مضمون مشرق قریب پر تنقید کی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ترکوں کے مفروضہ مظالم کے بیان کرنے میں "عیسائیوں" کی "ہاں میں ہاں ملائی ہے" اس تنقید کا اختتام ہوتا ہے:-

"اے کاش ڈاکٹر صاحب نے متعصب عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملانے اور مسلمانوں کی کدوکاوش کو نظر انداز فرمانے کے موقع پر۔

نادان دوست سے دانا دشمن بہتر

کے مقولہ کو پیش نظر رکھا ہوتا"

اس مقولہ کو یہاں پیش کرنے کی کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آئی۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا مضمون نہ تو دوستی کے ثبوت میں ہے نہ دشمنی کے۔

اصل واقعہ کے قطع نظر ہم یہ کہیں گے۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

کیا تنقید نگاری کیلئے یہی ایک لہجہ ہے؟

اس تنقید کے ساتھ اسی قسم کی اور دو تنقیدیں ملکہ آرا ہیں، ان تینوں کی سرخی "پھلجھڑیاں" ہے۔ داغ مرحوم کا ایک شعر ہے!-

واہ کیا منہ سے پھول جھڑتے ہیں
خوبرو ہو کے یہ کلام خراب

تنقید کی اس خاص صنعت کیلئے یہ بہت اچھی اصطلاح ؛ قد آئی۔

چار مینار کی ایک خبر ہے کہ حیدرآباد کے محکمۂ صفائی کی طرف سے سیکلوں پر ٹکس لگانے کے بعد راہروؤں پر بھی ٹکس لگایا جائیگا اور شہر کو کچھ گہرا کھود کر ان کو نہر بنا دیا جائیگا تاکہ حیدرآباد کے باشندے بارش کے موسم میں شہر وینس کا لطف اٹھائیں اس خبر کو بعض لوگ چار مینار کی گپ سمجھتے ہیں مگر ہمیں خوف ہے کہ کہیں سچ نہ ہو۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ

کیفیت موازنہ حیدرآباد

حیدرآباد کی وزارت مالیہ نے اس سال کے موازنہ کی کیفیت اردو نستعلیق ٹائپ میں بہت خوبصورت شائع کی ہے۔ اس دفعہ تمام اخراجات کے بعد ریاست حیدرآباد نے خالص بچت (۴۴) لاکھ کی نکالی ہے۔ ہم اس کامیاب موازنہ پر نواب حیدر نواز جنگ بہادر کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کہ یہ انھیں کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

کسی سلطنت کیلئے موازنہ کا سوال گویا اس کی غذا اور خون کا سوال ہے۔ موازنہ کی مہم پر اکثر اوقات وزارتیں ٹوٹ جاتی ہیں حیدرآباد میں اگرچہ موازنہ کا سوال اتنا خطرناک نہیں پھر بھی یہ اتنا آسان نہیں جتنا کہ خیال کیا جاتا ہے۔

تاریخی حیثیت سے حیدرآباد کے محکمہ مالیات کی عمر بہت بڑی نہیں۔ تقریباً ہر جدید ادارہ کی طرح محکمہ مالیات (فینانس) کی بنا بھی سر سالار جنگ اول کے زمانہ میں پڑی۔ اسکے پہلے نہ تو خزانہ کا وجود تھا اور نہ حسابات کا دفتر۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ آمدنی گھٹنے لگی اور خرچ بڑھتا گیا۔ ریاست کو بار بار قرض لینا پڑتا تھا۔ جو بہت بڑھی ہوئی شرح سود پر ملتا تھا۔ آمدنی کا بڑا ذریعہ مالگذاری ہی تھا اور کل آمدنی تقریباً ایک کروڑ روپیہ کی تھی اور اس آمدنی کو وصول کرنے میں تقریباً دس فیصدی اخراجات ہوتے تھے۔ آبکاری کی آمدنی ایک لاکھ سے بھی کم تھی چنگی کا محصول ملک بھر میں جگہ جگہ وصول کیا جاتا تھا اس سے تجارت پر بہت برا اثر پڑتا تھا۔ محصول کے وصول کرنے اور معین کرنے کا باضابطہ قاعدہ مقرر نہ تھا اسی طرح مالگزاری کا لگان مقرر کرنیکا بھی کوئی اصول نہ تھا۔

اخراجات میں سب سے زیادہ حصہ فوج کے اخراجات کا تھا۔ اس کی ادائی سرکار سے نہیں ہوتی تھی بلکہ امرا کو جاگیریں دی جاتی تھیں۔ تعلیمات محکمہ ڈاک شفاخانوں، تعمیرات اور پولیس پر بہت قلیل رقم صرف کیجاتی تھی۔ غرض ان بے انتظامیوں کیوجہ سرکار کو قرض لینا پڑتا تھا اور قرض میں اضلاع مکفول کرائے جاتے تھے سرمایہ داروں کے پیچیدہ حسابات وہ وہ الجھنیں ڈال دیتے تھے کہ مکفولہ اضلاع کے چھوٹنے کی کوئی صورت نہ پیدا ہوتی تھی۔

سالار جنگ اول نے جب وزارت عظمی کا جائزہ لیا اس وقت سرکاری کاروبار کی عجیب ابتر حالت تھی۔ انھوں نے سب سے پہلے ملک کی آمدنی اور خرچ کو برابر کرنا چاہا اور قابل آدمیوں کو حسابات کے جانچ کیلئے مقرر کیا اور بڑی کوشش سے انھوں نے کم شرح سود پر قرض لیکر قدیم قرضے جو بڑی شرح سود پر لئے گئے تھے ادا کردیے اور آہستہ آہستہ مکفولہ اضلاع کو واپس لینا شروع کیا۔

اس طرح انھوں نے ملک میں محکمہ مالیات کی بنیاد ڈالی۔ جو آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی۔ فینانس

نواب حیدر نواز جنگ بہادر (محمد اکبر حیدری)
وزیر مالیات حیدرآباد

کی حالت کو برطانوی ہند کے نمونہ پر لے آنے کیلئے اس بات کی ضرورت تھی کہ پہلے برطانوی ہند کے حسابات کو سمجھا جائے اس کام کیلئے چار عہدہ دار منتخب کرکے برار اور احاطہ بمبئی میں کام سیکھنے کے لئے بھیجے گئے۔

غرض سالار جنگ اول کے اصلاحی کارنامے کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اون کی وزارت عظمی کے پہلے سال ۱۸۶۳ء کی ششماہی اول میں خزانہ میں صرف آٹھ لاکھ کی رقم وصول ہوئی تھی اور اس ششماہی کے ختم پر تیرہ ہزار کی رقم باقی تھی۔ اس کے مقابلہ میں انکی وزارت کے آخری سال ۱۸۸۳ء میں ریاست کی آمدنی تین کروڑ گیارہ لاکھ تھی اور اس سال ان کی وفات کے روز گیارہ لاکھ کی رقم سلک میں تھی۔ سالار جنگ اول کے بعد حیدرآباد کی مالی حالت قابل اطمینان تھی۔ حالانکہ اس عرصہ میں سخت قحط پڑا جس میں ریاست کو تین کروڑ چالیس لاکھ کی رقم سرکار ہند سے قرض لینی پڑی، لیکن ریاست نے وہ رقم ادا کردی اور مالیہ برابر ترقی کرتا رہا۔

حیدرآباد کے مالیہ میں نمایاں تبدیلی سر جارج کیسن واکر کے تقرر سے ہوئی۔ واکر کے تقرر سے پہلے ریاست قرضہ کے بار سے دبی ہوئی تھی واکر صاحب نے اپنے حسن انتظام سے ریاست کو بہت فائدہ پہنچایا ان کے بعد مسٹر گلانسی اس محکمہ کے صدر ہوئے انھوں نے اس کی اصلاح اور ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔

اب نواب حیدر نواز جنگ بہادر اس کے کارفرما ہیں۔ نواب حیدر نواز جنگ بہادر اپنی مالیاتی قابلیت میں مشہور ہیں۔ برطانوی ہند میں وہ صدر محاسب کا درجہ رکھتے تھے حیدرآباد میں معتمد اور وزیر مالیات ہوئے مالیات کی گذشتہ حالت کے مقابلہ میں اب اس محکمہ کی کارگذاری کو دیکھئے کہ اس قدیم ذرائع آمدنی و خرچ کے علاوہ اب معدنیات، دارالضرب، سکہ قرطاس، ہنڈوی وشاہ ون۔ بیمہ، سیاسی اغراض انجمن ہائے اتحادی، آرائش بلدہ، ریلوے، طباعت۔ صنعت وحرفت وغیرہ نئے نئے اداروں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ان تمام کی آمدنی اور خرچ کا توازن قائم رکھکر موجودہ بجٹ کا نکالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اب ہم اس بات کے منتظر ہیں کہ دیکھیں نواب حیدر نواز جنگ بہادر اس کو کس مفید ملکی کام میں صرف کرتے ہیں۔ بعض نہایت اہم تجویزوں کی تکمیل باقی ہے ان میں ہمیں سب سے پہلے عثمانیہ یونیورسٹی کی عمارات کا خیال آتا ہے

دوسری اہم بات جس پر ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے وہ حیدرآباد کی سڑکیں ہیں۔ حیدرآباد کی سڑکوں کی جو ردی حالت ہے وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ سڑکوں کے خراب ہونے سے تمام شہر کی عملیت (Efficiency) پر اس کا برا اثر پڑ رہا ہے۔

عملیت کے علاوہ گرد وغبار میں سانس لینے سے صحت پر بھی اس کا مضر اثر ہوتا ہے۔

اسلئے ہم اس خاص موقع پر اس امر کو بھی یاد دلائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

فاسسو

ایطالیہ کی تحریک فاشزم کے مجمل حالات

از حسین علی مرزا صاحب بی ایس سی بیرسٹر ایٹ لا
(پروفیسر قانون کلیہ جامعہ عثمانیہ)

بیسویں صدی کا ابتدائی حصہ دور تعجبات رہا ہے۔ ہم اس دور سے بہت قریب ہیں، اس لئے ہم اس دور میں معاشرہ (سوسائٹی) کی اس تعجب خیز ترقی کے اثرات کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اس دور میں بڑی بڑی سلطنتیں ٹوٹیں اور بنیں؛ نئی نئی سرزمینوں میں نئی نئی قومیں آباد ہوئیں؛ زمین کی سطح خون سے رنگین ہوئی اور معاشرے کی تمام بنیادیں ہل گئیں۔ ایک سطحی نظر والے کو جنگ عظیم ان تمام چیزوں کا سبب نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں جنگ اس اندرونی طاقتوں کی آتش فشاں جدوجہد کا نتیجہ تھی نہ کہ سبب۔ ہمیں یہاں معاشری بے اطمینانی کے عام اسباب سے بحث نہیں۔ ہمیں اس موقع پر صرف اتنا خیال رکھنا چاہیئے کہ ایجادوں کی وجہ سے صنعتی نظامات میں جو انقلابی تغیر ہوا اس نے دنیا کے نظام ہی کو بدل دیا۔ دنیا کو اس جدید زندگی کیلئے وہ قدیم بنیاد ڈھا دینی پڑی۔ ایک بالکل نئے انداز سے اپنے کو ظاہر کرنا پڑا۔ یعنی موجودہ زمانہ میں (۱) ازدیاد آبادی (۲) فراہمی غذا (۳) سرمایہ اور محنت کا جھگڑا یہ ایسے مسائل ہیں جن پر جدید معاشرے کی بنیادیں قائم ہیں۔

زندگی کا عجیب لطیفہ ہے کہ اگر کوئی عظیم ترقی کا ایک ظہور پذیر ہوتی ہے تو وہ نظام معاشری کے بند بند علیحدہ کر دیتی ہے۔ اس صورت میں توازن قائم کرنے کے لئے معاشری نظریوں کو وسعت دی جاتی ہے یا سخت تدابیر عمل میں لائی جاتی ہیں۔ غرض ان دونوں میں کامل یگانگت یا ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ اُفق ہمیشہ پیچھے ہٹتا جاتا ہے لیکن انھیں معاشری مسائل کے حل کرنے کی کوشش میں ترقی کا دارومدار ہے۔ یہ زمانہ اسی قسم کی تنظیم یا تنظیم کی جدوجہد کا ہے۔ جس کیلئے مختلف علاج آزمائے جا رہے ہیں، انھیں علاجوں میں کے چند معاشریت (سوشلزم)، اجتماعیت (سنڈکالزم)، اشتراکیت (کمیونزم) اور بالشوزم وغیرہ ہیں۔ اس باب میں ایطالیہ کا جو خاص عقیدہ ہے وہ فاسسو (فاشزم) کہلاتا ہے۔

جنگ کے پہلے ایطالیہ کچھ اچھی حالت میں نہ تھا۔ جنگ کی نے ایک انتشار کا باعث ہوئی۔ اور جنگ کے بعد امن کا زمانہ بھی اس کی حالت کو سنبھال نہ سکا۔ روس ایک انقلاب سے گذر چکا تھا اور بالشوزم کا علمبردار بن گیا تھا۔ ایطالیہ میں بھی بالشوزم کے پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ جنگ سے واپس آئے ہوئے سپاہی، جو تباہ اور پریشان تھے، ہر چیز کو خوش آمدید، کہنے کیلئے تیار تھے۔ ایسے جان پر سے اُکتے ہوئے لوگوں کیلئے بالشوزم جنت کا راستہ دکھاتی تھی۔ ایطالیہ کے سکہ کا انتظام بگڑا ہوا تھا اور گرانی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور سیاسی جماعتوں میں قوت حاصل کرنے میں رقابت بڑھتی جاتی تھی، اس گرد کے اندر سے ایک شخص نمودار ہوا جو ملک پر حکومت کرنے لگا یہ وہ مختصر حالات تھے جن میں سینیر بنیٹو مسولینی میدان میں دکھائی دیتا ہے۔ فاسسو کے اصول بیان کرنے سے پہلے ہمیں اس شخص کے حالات کا مطالعہ کر لینا چاہئیے۔ جو ایک گاؤں کے لوہار کے گھر میں پیدا ہو کر ملک کا کارفرما اور ایطالیہ کی طاقت بن گیا

صداقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ اسی طرح اس بیسویں صدی کی نثر قسمت اور اقتدار کی شاعری سے خالی نہیں۔

مسولینی ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء میں ایطالیہ کے ایک قصبہ ڈویا میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ گاؤں کا لوہار تھا اور اس کی ماں اس چھوٹے سے شاداب گاؤں کے مدرسہ کی معلمہ تھی۔ میکسیکو میں آسٹریا کے شہنشاہ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی مسولینی کا باپ ناانصافی کا دشمن تھا۔ اسلئے اوس کو اس بغاوت سے بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے اس بغاوت کے فتحمند سردار بنیٹو کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا یہ چھوٹا بنیٹو بڑا ہو کر ایک وحشی لڑکا ثابت ہوا۔ وہ اپنے ساتھیوں کیلئے ایک ہوّا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے لڑکپن کی چالبازیوں سے اپنے تمام ساتھیوں سے لڑ سکتا تھا۔ اور ان تمام کو دق کر سکتا تھا۔ وہ بھتہ چلا کر باپ کے کام میں مدد دیتا تھا۔ اس کی ماں کو جو کچھ تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ اُس کو اس نے اپنے بیٹے سے دریغ نہ کیا۔ ماں نے بیٹے کی تعلیم کیلئے حکومت سے مدد چاہی؛ مگر غالباً اس کو اس میں ناکامی ہوئی۔

بنیٹو آرام کے گھر نہیں پیدا ہوا تھا۔ اس کو مصیبت، فلاکت اور فاقہ کشی سے بھی سامنا کرنا پڑا۔ مصیبت کی درس گاہ میں اُس نے بڑے بڑوں سے مقابلہ کرنا سیکھا مگر کبھی مایوس نہیں ہوا کئی دفعہ اُس نے اپنے بے درد ہم وطنوں کو جواب دیا "اچھا یہ یاد رکھو" یعنی تمسے اس سخت سلوک کا بدلہ لیا جائیگا۔ آج اسے انتقام لینے کیلئے جتنی قوت حاصل ہے۔ دنیا اچھی طرح جانتی ہے۔

اسکا چہرہ درشت اور فولاد کا سا نظر آتا ہے وہ بہت مضبوط نکلے جبڑے کا آدمی ہے۔ اور قوی ارادہ اور استقلال والا انسان نظر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایکدفعہ اسکو دیکھ لے تو پھر عمر بھر اسکے ناک نقشے کو نہیں بھول سکتا۔ نپولین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھیں انسان کو اطاعت کرنے پر مسحور کر دیتی تھیں۔ لیکن مسولینی کا چہرہ اسکے ہم وطنوں کو واقعی خوف زدہ کر دیتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کی رائے سے متفق نہ ہو۔ بلکہ اس سے نفرت بھی کرے مگر کوئی اس سے یہ اثر لئے بغیر نہیں جا سکتا کہ وہ ایک انسانی لباس (کوہ آتش فشاں) ہے یا یہ کہ وہ ڈرنا کا بھڑکتا ہوا کوہ آتش فشاں ہے جس میں سے آگ، قوت اور "کرنے یا مرنے" کا غیر متزلزل ارادہ نکل رہا ہے۔ ایسے لوگوں کا مقولہ یہ نہیں ہے کہ گرم لوہا ہی پیٹا جا سکتا ہے بلکہ ان کا مقولہ ہے کہ "لوہے کے گرم ہونے کا انتظار نہ کرو بلکہ اسکو اتنا پیٹو کہ گرم ہو جائے" یعنی ایسے لوگ موقع کا انتظار نہیں کرتے بلکہ اپنی قوت اور ارادہ سے موقع پیدا کرتے ہیں۔

تقریباً ۱۹ سال کی عمر میں اسکی تعلیم ختم ہو گئی کیونکہ مالی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ تعلیم کو جاری رکھ سکے اور اس غرض کیلئے باہر سے کوئی امداد نہیں ملتی تھی۔ اسنے محکمہ بلدیہ کی کسی چھوٹی سی خدمت کیلئے درخواست دی لیکن وہ منظور نہیں ہوئی اسلئے اسکو ایک مدرسہ میں مدرس کی خدمت قبول کرنی پڑی جسکی تنخواہ پچیس یا تیس روپیہ کے قریب تھی۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد اس نے انتہائی افلاس اور سخت سرما کے موسم میں سوئٹزرلینڈ کا ارادہ کیا۔ اس وقت اس کے جیب میں صرف دو لیرہ (ایک لیرہ تقریباً دس آنہ) تھے۔ بے یار و مددگار اس غریب الوطنی کے عالم میں وہ غذا سہارے اور اطمینان کے لئے مارا مارا پھرتا رہا۔ اور اتفاقاً ایک ہوٹل کے سامنے پہنچا۔ وہ ہوٹل کے اندر نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس کے ہاں اتنی رقم نہ تھی۔ کہ وہ وہاں کے اخراجات ادا کر سکتا اسلئے وہ باہر ہی کھڑا رہا اور ہوٹل کے رقص و سرود کی موسیقی پر کان لگا دئے۔ اس سے اسکو بہت راحت اور اطمینان حاصل ہوا اسلئے کہ وہ بچپن سے موسیقی کا دلدادہ تھا۔

وہاں بہت جلد (یعنی ۱۴ جولائی ۱۹۰۹ء کو) اسکو آوارہ گردی کے الزام میں پولیس نے گرفتار کیا اور قید خانہ بھیجدیا۔ گو اس کی وجہ نہیں تھی لیکن قسمت نے اس کے لئے بہت سی چیزیں محفوظ رکھی تھیں یا سکا ایطالیہ کا رہبر بننا تھا اور ایک مرتبہ مسٹر یونیکار ادر للارڈ کرزن

سے مساوی درجہ پر ملاقات کرتی تھی۔ جب وہ قید سے رہا ہوا تو ایک معمولی زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن سوئزرلینڈ سے وہ بہت جلد ایک خطرناک انقلاب پسند کی حیثیت سے نکالا گیا۔ جہاں سے وہ آسٹریا گیا۔ اپنی تحریروں کی بنا پر اس نے ایک معاشرتی (سوشلسٹ) اخبار کے نائب مدیر کی خدمت دیکھی۔ اس نے اس پرچے میں "ایطالیہ کے حقوق" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا۔ اس مقالہ نے حکومت کو ناراض کردیا اور وہ آسٹریا سے بھی نکالا گیا۔ اب وہ اتنا بدنام ہوچکا تھا کہ فرانس اور جرمنی کا رخ نہیں کرسکتا تھا۔ اسلئے وہ ایطالیہ واپس آگیا اور اخبار "اونتی" کے مدیر کی حیثیت سے نئی زندگی شروع کی۔ وہ بھی ایک معاشرتی (سوشلسٹ) اخبار تھا۔ لیکن اوس کی کوششوں سے اخبار کی اشاعت ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس کی مزاج نے معاشرتی جماعت (سوشلسٹ پارٹی) میں بھی ناراضی پیدا کردی اور وہ اس جماعت سے خارج کردیا گیا۔ اوس نے روپیہ قرض لیا اور ایک اپنا ذاتی پرچہ "ایطالی قوم" کے نام سے جاری کیا۔ وہ جنگ کا طرفدار تھا۔ اور دوسرے مخالف تھے۔

"جنگ یا انقلاب" اس کی تحریک کا نعرہ بن گیا۔ وہ سنہ ۱۹۱۵ء میں دوبارہ گرفتار ہوا۔ لیکن آخرکار وہی کامیاب رہا۔ کیونکہ ایطالیہ کو جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ جنگ کے اختتام پر ایطالیہ کی معاشی حالت خطرناک تھی۔ فضا میں بالشوزم بھری ہوئی تھی اور ایطالیہ کو بالشویک بننے میں صرف ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ اس وقت مسولینی میدان میں آیا اور اس تحریک کی مخالفت کرکے ایطالیہ کو بالشوزم سے بچالیا۔ ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء کو وہ ایک کثیر جماعت کے ساتھ روم گیا، اس وقت کی وزارت کو توڑ دیا۔ اور بالشوزم کے خلاف ایک بغاوت برپا کی۔ سنہ ۱۹۲۳ء تک اس کے متبعین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ پچاس لاکھ آدمیوں نے اسے اپنا صدر منتخب کیا اور اب وہ ایطالیہ کا بے تاج بادشاہ ہے۔ ایطالیہ کے بادشاہ نے وقت کا ساتھ دیا اور عقلمندی سے مسولینی کا خیرمقدم کیا۔ اسکی جان پر بہت سے حملے کئے گئے مگر مسولینی کو تقدیر پر ایسا بھروسہ ہے کہ کبھی ہمت نہیں ہارتا۔

فاسسمو کے متعلق جتنی تحریریں ہیں اون کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں (۱) ان لوگوں کی تحریریں جو مسولینی کو پسند کرتے ہیں اور اوس کی پیروی کرتے ہیں (۲) اور ان لوگوں کی تحریریں جو اس کی تحریک سے نفرت کرتے ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔ ایس پن جعارتی اسکا طرفدار نظر آتا ہے۔ اور نیو لیڈر سنہ ۱۹۲۲ء میں بیج سے جلس پی کا مضمون فاسسمو کے خلاف کسی قدر سخت ہے۔ فرانس ہیکیٹ نے ۱۹۲۰ء کے اخبار "دی پیپل" میں مسولینی سے اپنی ملاقات کے حالات بہت عمدگی سے لکھے ہیں۔ لیکن وہ اس اشاعت میں مسولینی کی تحریک کی عملی حالت کی نسبت نظری حالت سے بہت بحث کرتا ہے۔ فاسسمو پر ایک تنقیدی نظر ڈالنے سے ہم اسکے متعلق کسی بدگمانی میں نہیں رہ سکتے۔

ملک کے بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں نے فاسستی تحریک کی امداد کی۔ اس کی اصلی کوشش بالشوزم کی مخالفت ہے۔ اسی لئے اسکو بالشوزم کا ردعمل کہتے ہیں۔ ہماری رائے میں دونوں تحریکیں قابل تعریف نہیں نظری حد تک بالشوزم بہت عمدہ تحریک نظر آتی ہے مگر عملی حیثیت سے یہ شاید فرشتوں کے ملک میں کامیاب ہوسکے۔ جبر سے ہر تحریک چلائی جاسکتی ہے مگر اصل کامیابی کا دارو مدار قوم کی خوشحالی پر ہے۔ فاسسمو کی بنیاد ایک "شدید قومیت" پر ہے۔ فاسسمو کے حامی ایطالیہ کی کامیابی عظمت اور طاقت کیلئے دلدادہ ہو رہے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ایک فاسستی کی نظر میں مجلس اقوام ایک مکتب اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں مسولینی نے "سبیابری" کے عنوان سے ایک قصہ لکھا تھا۔ اگر ہم اب کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ ایطالیہ کی عظمت کیلئے ایک پرجوش فاسستی کے نزدیک حقیقت میں سب جائز ہے۔ مسولینی پر اس "مخالف مسیح" فلسفی نیتشے کا بہت اثر پڑا ہے اور جلس پی کے الفاظ میں وہ "ایک خطرناک آجڈ انسان" نظر آتا ہے۔

فاسسمو کا مقصد قومی ہوسکتا ہے لیکن مسولینی اپنی قوم سے یہ چاہتا ہے کہ اسکے ارادہ کی پیروی اور اطاعت کی جائے۔ جدید اطالیہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے ایک نیا نظام تعلیم ارتقا پا رہا ہے۔ مسولینی اپنی زندگی کو بقول اس کے ایک شاہ کار بنانا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر تمام مخالفتیں فنا کردی جاتی ہیں۔ پولیس ہمیشہ چوکنی رہتی ہے اور پروفیسر سالوینی جیسے شخص کو بھی اس لئے ملک سے نکالدیا گیا کہ وہ سیاست میں آزاد خیال تھا۔

اس تحریک کے متعلق اور بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ مگر یہاں ایک بات سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ انقلاب خواہ کیسا ہی بے ضرر ہو۔ وہ نافع نتیجہ نہیں دیتا اور نہ کوئی انقلاب ہر ممکن امداد سے کامیاب ہوسکتا ہے فرانس نے آزادی اور مساوات حاصل کرنے کی غرض سے انقلاب برپا کیا۔ اور اسکا انجام نپولین کی فرمانروائی پر ہوا۔ ایطالیہ کی حالت اس سے مختلف نہیں ہے۔ معاشرتی تنظیم کے لئے انقلاب کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مگر انقلاب کی موافقت اور تائید میں بہت کم کہا جاسکتا ہے۔ اس طریقہ سے ترقی کا قدم بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹتا ہے۔

ظلم اور جبر کی حکومت کے مٹانے کے لئے انقلاب برپا کیا جاتا ہے۔ مگر انجام پر ایک بدترین جبر و ظلم کی حکومت قائم ہوجاتی ہے۔ دستور حکومت کی طرح زندگی میں بھی ترقی کیلئے تدریجی ارتقا کا طریقہ ہی عمدہ طریقہ ہے اور انقلاب ایک قابل ملامت کوشش ہے۔

ترجمہ

ارکان شاہی کمیشن

کے مختصر سیاسی حالات

صدر۔ سر جان سائمن انکا تعلق حریت پسند جماعت سے ہے۔ یہ انگلستان کے بہت بڑے قانون داں ہیں سنہ ۱۹۱۵ء سے سنہ ۱۹۱۶ء میں وزیر داخلہ تھے

لارڈ برن ہم۔ قدامت پسند جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے کئے ایک ملکی خدمات انجام دے۔ ملک میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ڈیلی ٹیلی گراف کے مالک ہیں۔ بعض اہم کانفرنسوں کی صدارت کرچکے ہیں۔

لارڈ سٹریتھ کونا سنہ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے چارسال تک یونینسٹ ممبر کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں کام کرچکے ہیں جنگ میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا۔ قدامت پسند جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

کرنل جارج لین فاکس۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے۔ قدامت پسند جماعت سے ہیں۔ مسٹر بونر لا اور مسٹر بالڈون کے ماتحت وہ معدنیات کے معتمد کی حیثیت سے کام کرچکے ہیں۔

آنریبل ایڈورڈ کیڈوگن جماعت مزدور کے رکن ہیں۔ ذہن ہر کمیشن کے معتمد رہ چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء سے پارلیمنٹ کے رکن ہیں۔

میجر اٹیلی۔ جماعت مزدور سے تعلق رکھتے ہیں سنہ ۱۹۱۴ء میں وزارت مزدور میں نائب وزیر جنگ تھے اور انھوں نے جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔

مسٹر اسیفن والش۔ مزدور جماعت کے رکن ہیں۔ مزدور جماعت کی وزارت کے زمانہ میں وزیر جنگ رہے۔

اس کمیشن میں تین قدامت پسند تین جماعت مزدور سے اور ایک صاحب حریت پسند ہیں۔ اس طرح جماعت مزدور اور قدامت پسند حضرات میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کیگئی ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر اناطولیہ

تاریخ انقلاب ترکی کا دیباچہ

مترجمہ۔ محمد مظہر اللہ صاحب صدیقی (متعلم عثمانیہ کالج)

——— ۱۹۱۹ء میں جبکہ قسطنطنیہ پر اتحادیوں کے قدم جم چکے تھے۔ اور اُن کے سخت مظالم اور ستم تراشیوں کی ابتدا ہو چکی تھی، ہر اس شخص کی زندگی دوبھر ہو گئی تھی جس سے انھیں ذرا سا بھی خوف ہوتا کہ وہ ان کے دائمی بقا کی راہ میں حائل ہوگا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اتحادیوں کے ظالمانہ سیاست کی اصلاح میں "قسطنطنیہ جائز طور پر ان کے قبضہ و تصرف میں آچکا تھا"، ان دنوں محب وطن اور مخلص قوم ترک کیلئے خود اسکا عزیز وطن زندان فرنگ بنا ہوا تھا۔ اس وقت ہر وطن پرست کیلئے بجز اس کے کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ وہ دشمن کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کیلئے اناطولیہ کی داخلی فضا میں کوئی مناسب موقع تلاش کرے تاکہ وہاں چھپ کر وہ کسی ایسی نئی جنگ کا سامان کر سکے جسکی بدولت ان کے وطن مقدس کی سرزمین دشمن کے نجس قدموں سے پاک ہو جائے

——— چنانچہ یہی ہوا کہ عین اس زمانہ میں جبکہ جنگ عظمی نے قومی جذبات اور اُمنگوں کو ملیا میٹ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی اناطولیہ کے اندرونی حصوں میں ایک نئی روح پھونک گئی۔ اور ایک جدید قومی حرکت کی نمود ہوئی۔ دشمن کی خون آشام تلواریں ابھی بے نیام ہی تھیں لیکن ان ہی تلواروں کی چھاؤں میں وہ لوگ بھی نشہ آزادی کے متوالے نکل آئے جنھیں اپنے مستقبل کی طرف سے بالکل مایوسی ہو چکی تھی۔ اور اس قومی بیداری کے علمبردار وہ لوگ تھے جو آزادی وطن کی راہ میں مر مٹنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان جذبات قوم پرستی کے تحت صامسون میں ترکوں کی ایک نئی جماعت ان غدار ہمیوں سے لڑنے اور ان کا صفایا کرنے کو اُٹھ کھڑی ہوئی جو دشمنوں کے دام فریب میں آکر اپنے ہی برادران وطن کو تباہ و برباد کرنے پر آمادہ تھے۔ اسوقت باب عالی کو فکر ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح جلد سے جلد اس قومی تحریک کو دبا دیا جائے۔ داماد فرید پاشا کی نظریں ہر طرف ایک ایسی قوی اور مضبوط ہستی کی تلاش میں مصروف ہو گئیں جس سے ان (مجاہدین) کی سرکوبی ہو سکے جو ان نازک گھڑیوں میں بھی ارمنیوں کے خلاف (جو اتحادیوں کے پٹھو تھے) تلوار اُٹھانے سے نہیں چوکتے تھے

مصطفےٰ کمال ہی وہ پیکر ہمت اور مجسمہ استقلال تھا جس پر داماد فرید کی نگاہیں جا کر اٹک گئیں چنانچہ (اتحادیوں کے عقیدے میں) باغی (یعنی مجاہدین) ترکوں کو کچلنے اور ان کو تہس نہس کر دینے کیلئے اسی نادر المثال ہستی کا انتخاب کیا گیا۔ اس قومی تحریک کو دبانے کی کیا ضرورت تھی؟

——— یہی کہ اس قسم کی تحریک اتحادیوں کیلئے موجب خوف و ناراضگی تھی اور ملت فروش ارکان حکومت نہیں چاہتے تھے کہ اتحادی ناخوش ہو کر ان پر اپنا غصہ اتاریں۔

——— صدر اعظم نے جب اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا تو وزیر جنگ سے اس امر کا سمجھوتہ کیا کہ مصطفےٰ کمال کو شرقی صوبہ جات کی تمام جنگی قوتوں کا سپہ سالار مقرر کر دیا جائے۔ تاکہ اس کو ان صوبوں کے حکام کے نام حکمنامے جاری کرنے کا حق و اختیار حاصل ہو جائے۔ اور وہ ان کو اپنے حسب منشا جس کام پر چاہے مامور کر سکے۔

——— اسطرح گویا غازی کمال کیلئے ممکن ہو گیا تھا کہ وہ پورے اناطولیہ کو (جو مجاہدین کی تحریک آزادی کا مرکز عمل بنا ہوا تھا) سلطان وحید الدین کا مطیع و منقاد بنا دیں۔

——— صدر اعظم کے دل میں مصطفےٰ کمال کیجانب سے کچھ کھٹکا ضرور تھا۔ اسلئے کہ اس نے باوجود اسکے کہ وزیر جنگ سے کیا تھا سمجھوتہ کر کے ان کو سپہ سالاری کی خدمت پر مامور کر دیا تھا پھر بھی آخری وقت میں ان کی تعیناتی کے حکم پر دستخط کرنے میں اس کو پس و پیش ہوا۔ بالآخر وزیر جنگ بھی اس قسم کے تردد میں مبتلا ہو گیا۔ اور ارادہ کر لیا کہ حکمنامہ پر دستخط کے بغیر ہی اس پر مہر ثبت کر دیجائے۔ تاکہ اگر کسی وقت اتحادی اس تقرر پر اعتراض کریں اور ان سے اس کے متعلق بازپرس ہو تو اس عذر کی گنجایش رہے کہ مہر چڑا کر ایک ایسے حکمنامہ پر ثبت کر دی گئی ہے جس پر کسی کے دستخط نہیں۔ لیکن یہ تمام تردد بے معنی ثابت ہوا۔ اور غازی نے نویں پلٹن کی سپہ سالاری کیلئے حکم حاصل کر ہی لیا۔ اس کے بعد حکومت نے جہاز باندیرمہ کے نام حکم بھیجا کہ اس نئے سپہ سالار کو صامسون تک پہنچانے کیلئے کیل کانٹے سے درست ہو کر ہر وقت اس کے حکم کا منتظر رہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۱۹ء۔ ان کے روانگی کی تاریخ قرار پائی۔

——— پھر غازی نے جنگی کمیٹی کے صدر اور اس کے دوسرے اراکین کے ساتھ گفتگو کی اور ان سے بیسویں پلٹن کی مذکورہ کو فوراً روانگی کے حکم کا مطالبہ کیا۔ ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد غازی نے اصطلاحی رمزی (خفیہ) مراسلت کی کتاب حاصل کی اور وزرا کو الوداع کہنے کیلئے نکلے۔

اس وقت تمام وزرا باب عالی میں جمع تھے۔ اور غازی کے آنے کی خبر سنتے ہی وہ سب کے سب پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں ان سے ملنے کیلئے باہر نکل آئے سب سے پہلے وزیر داخلیہ نے ان سے گفتگو کا آغاز کیا۔

——— "کیا آپ کو سمرنا پر یونانیوں کے قبضہ و تسلط کی دہشت ناک خبر کی اطلاع ملی ہے؟"

——— یہی الفاظ وزیر جنگ نے بھی پریشانی کے انداز میں دہرا دیئے۔ لیکن غازی نے قطع کلام کرتے ہوئے بے پروائی کے لہجہ میں دریافت کیا۔

——— "کیا جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں درحقیقت صحیح ہے؟"

——— متفقہ آواز میں سبھوں نے کہا:-

——— "ہاں، یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔"

——— غازی نے پوچھا:-

——— "تو پھر آپ حضرات نے اسکا کیا علاج سوچا ہے؟"

——— دولت عثمانیہ کے وزرا اس سوال پر گہری سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر کے سکوت کے بعد جواب ملا:-

——— "ہم یونانیوں کے اس فعل پر صدائے احتجاج بلند کرینگے۔"

——— غازی نے کہا:-

——— "یہ تو ایک بالکل واجبی بات ہے، لیکن کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ احتجاج یونانیوں کو سمرنا سے نکال باہر کرنے کیلئے کافی ہوگا؟"

——— وزرا کے پاس اسکا جواب خاموشی تھا۔ آخر کار ان سب نے اس معاملہ میں غازی کی رائے دریافت کی۔

——— مصطفےٰ کمال نے کسی قدر کرخت لہجہ میں کہا کہ:-

——— "نہایت ہی وسیع پیمانہ پر ایک زبردست قومی ہلچل کے سوا اس کا کوئی اور علاج نہیں۔"

——— اسپر وزیر داخلیہ نے کہا:-

——— "آپ کو یہ بھی خیال ہے کہ اس کے بعد ہمارا کیا حشر ہوگا؟"

———

——— اس سوال کا سیدھا سادا جواب مصطفےٰ کمال نے یہ دیا:-

——— "وہاں آؤ جہاں میں جا رہا ہوں۔"

——— اُس کے بعد غازی نے وزیر بحریہ کی طرف بڑھ کر اس جہاز کی نسبت دریافت کیا جو اس کو اناطولیہ پہونچائیگا۔

——— وزیر بحریہ نے جواب دیا کہ:-

——— "جہاز باندیرمہ آپ کے احکامات کا منتظر ہے۔"

——— اس کے بعد غازی نے قصر یلدیز کا رخ کیا کہ سلطان وحید الدین کو خدا حافظ کہہ آئے۔

——— سلطان وحید الدین سے ایک ایسے چھوٹے کمرے میں ملاقات ہوئی جو باسفورس کے عین اس حصہ پر واقع تھا جہاں شمنوں کے بیڑے لنگر انداز تھے۔ اور جن کی توپ و تفنگ کے دہانے شہر اور خود اس قصر کیجانب آتشباری کیلئے منہ کھولے ہوئے تھے۔ اس کمرہ میں صرف یہی دو آدمی تھے جو ایک دوسرے کے مقابل ان [illegible]

[illegible] کا مشاہدہ کرتے ہوئے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اسوقت سلطان وحید الدین نے غازی کے چہرہ پر ایک معنی خیز نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

—— "کمال پاشا! تمھارے ہاتھوں جو شاندار خدمات ظہور میں آئی ہیں وہ اس کتاب کا جزو لاینفک ہیں"

—— یہ کہتے ہوئے سلطان نے ایک کتاب پر جو اس کے پاس تھی زور سے ہاتھ مارا اور سلسلۂ سخن جاری رکھتے ہوئے کہا۔

—— "ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ تمھارے کارنامے جنگ کی تاریخ کیلئے مایۂ فخر ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسوقت تم اس قصۂ پارینہ کو بھلا کر اس نئے مہم کو کامیاب بنانے کی فکر کرو جس کیلئے تم یہاں کھڑے ہوئے ہو۔ کہ سلطنت اس موجودہ خطرہ (یعنی تحریک آزادی) سے بچ سکے"۔

—— سلطان وحید الدین کی غرض و غایت اس گفتگو سے یہ تھی کہ ان تمام قومی حرکات کو دبا دیا جائے جو اناطولیہ میں پھیلی ہوئی اور اتحادیوں کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھیں۔

—— اسکا جواب غازی نے یہ دیا کہ:۔

—— "اعلیٰحضرت اب ا[illegible] خیال نہ فرمائیں۔ [illegible] شاذی [illegible] کی [illegible] جو [illegible] ہوا جس سے اس کی [illegible] کا [illegible] تھا۔ [illegible] کی [illegible] ضرورت نہیں کہ [illegible] کی [illegible] فرق [illegible] دونوں کی تمنائیں اور امیدیں [illegible] تھا۔

[illegible] سے نکلکر غازی شیشلی میں سید ھے اپنے [illegible] جہاں ان کے ایک ہمدرد دوست نے انھیں یہ [illegible] کہ جہاز باندرمہ کے سفر میں تاخیر پیدا کرنے کیلئے [illegible] لیجا رہی ہیں۔ اور اگر جہاز روانہ بھی ہو جائے تو خالی از [illegible] نہیں اس لئے کہ اتحادیوں کے تارپیڈو اس کو غرق کرنے کیلئے اس کا تعاقب کریں گے۔

—— اور یہ کوئی تعجب خیز بات بھی نہیں اسلئے کہ دردانیال کے مرد میدان (یعنے مصطفےٰ کمال) کی خداداد قابلیتوں کا رمز شناس اتحادیوں سے زیادہ کون ہو سکتا ہے؟ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ جانباز اناطولیہ پہنچ جائے اور ملک کے پراگندہ شیرازہ کو مجتمع کر کے اس کی کمان خود اپنے ہاتھوں میں لے لے تو یقیناً یہ بات ان کی پریشانی اور تردد کا باعث بن سکتی ہے۔

—— غازی نے جوں ہی یہ خبر سنی فوراً موٹر کے ذریعہ ساحل پہونچ گئے۔ اور اسی وقت جہاز باندرمہ میں بیٹھکر ناخدا کو فوراً کوچ کا حکم دیا۔ لیکن جہاز نے حرکت نہ کی۔ اسلئے کہ جہاز کی تفتیش اور بعض دیگر سرکاری فرائض ادا کرنے کیلئے چند ملازمین جہاز پر آئے ہوئے تھے۔ غازی کو اس تاخیر کی تاب نہ تھی انھوں نے ناخدا سے دوش بدوش کھڑے ہو کر دوبارہ کوچ کا حکم دیا۔ ناخدا اس حکم کی تعمیل میں کسی قدر پس و پیش ہوا کیونکہ سرکاری ملازمین جہاز کے اندر تھے۔ لیکن مصطفےٰ کمال نے ان کے نکالنے کا اور نہ نکلنے کی صورت میں جہاز کی روانگی کا حکم دیا۔ اس حکم کو ٹالنا اب ناخدا کی قدرت سے باہر تھا۔ جہاز کو حرکت ہوئی اور باسفورس سے نکلکر خراماں خراماں وہ بحر اسود کو عبور کرنے لگا۔ اثناء راہ میں غازی نے ناخدا کو نزاکت حال سے مطلع کیا۔ اسپر اس نے کہا:۔

—— "اتحادیوں کے تارپیڈو کے مقابلہ کا یہ جہاز کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتا"۔

—— اس بناء پر غازی نے حکم دیا کہ:۔

—— "حتی الامکان ساحل کے کنارے کنارے چلنے کی کوشش کیجائے۔ مقصود تو صرف یہی ہے کہ کسی طرح اناطولیہ تک ہماری پہونچ ہو جائے۔ اگر وہاں تک رسائی ہو گئی تو بقیہ مشکلات کا حل بھی نہایت آسان ہو جائیگا"۔

—— چنانچہ اس پروگرام کے مطابق جہاز نے سفر کیا۔ اور دشمنوں کی دسترس سے بچتے ہوئے سینوب تک پہونچ گیا۔ غازی کی تمنا تھی کہ وہ صامسون پہونچ گیا۔ غازی کی تمنا تھی کہ وہ صامسون پہونچ جائے۔ اگرچہ سینوب اور صامسون کے درمیان کوئی اچھا راستہ نہیں تھا۔ تاہم اس نے ایک مرتبہ [illegible] جان جوکھوں میں ڈالکر جہاز کو صامسون کی طرف بڑھا دیا جو بالآخر [illegible] کے ساتھ ساحل صامسون سے جا لگا۔

—— مصطفےٰ کمال کے تعاقب میں ایک زبردست انگریزی بیڑا روانہ ہوا لیکن [illegible] اس کو ایک ایسی سخت طوفانی ہوا سے دوچار ہونا پڑا کہ وہ کنارہ سے بہت دور جا پڑا۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جہاز باندرمہ کو نہ پا سکے جو کبھی کا اناطولیہ پہونچ چکا تھا۔

—— آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ فتح و ظفر نے مصطفےٰ کمال کے قدم چومے اور اتحادیوں اور ان کے دوسرے رفقاء کو شکست و ناکامی کی بھیانک صورت دیکھنی پڑی۔

—— یہ ہیں تفصیلات اس تاریخی سفر کے جو دیباچہ تھا ترکوں کی ان قومی تحریکات اور سچی قربانیوں کا جن کی بدولت آخرکار ترکی کامل حیرت و آزادی کی منزل تک پہونچ گیا۔

(ترجمہ از السیاستہ الاسبوعیۃ مصر)

سابق سلطان ترکی کی یاد

جنیوا کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد المجید خاں سابق سلطان ترکی عنقریب پیرس کی ایک حسین لڑکی سے شادی کرنے والے ہیں۔ سلطان کی عمر اس وقت پچاس سال سے زیادہ اور اس لڑکی کا سن جس کا نام مدموازیل جو سیت لیبوں ہے) بائیس سال کا ہے یہ فرانس کے ایک کاروباری شخص کی لڑکی ہے۔ جو سوئٹزرلینڈ میں رہتا ہے۔

سلطان نے پہلے بھی چار سے زیادہ بیویاں نہیں [illegible] اسلامی شریعت بھی اجازت دیتی ہے ان میں سے دو تخت سے اتارے جانے سے قبل ہی [illegible] تھیں۔ ایک ترکی سے جلاوطن کردی گئی اور [illegible] اور ایک نے [illegible] میں ریل کے حادثہ سے وفات پائی۔

[illegible] عرصہ سے سلطان نواح جنیوا میں ایک [illegible] (Villa) میں بالکل شریک حیات کے تنہا زندگی بسر کر رہے ہیں ان کے اسٹاف میں صرف گیارہ آدمی ہیں جن میں سے ایک تو انکا خاص خزانچی، دو سکریٹری، ایک موٹر ران ایک باغبان اور چند خادم ہیں۔ ان کو [illegible] ہر سال اٹھارہ ہزار پونڈ کا وظیفہ دیا کرتی تھی جس کی مقدار میں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا گیا۔ اس معقول آمدنی سے سلطان کو اپنی جلاوطنی کے عالم میں بھی قدر اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ مدموازیل لیبون نے اس اخبار کے نامہ نگار کو جس سے یہ خبر نقل کی گئی ہے حسب ذیل بیان دیا ہے:۔

"میری اور سلطان دونوں کی یہی کوشش تھی کہ ہماری شادی کا معاملہ پردۂ اخفا میں رہے لیکن یہ خبر چھپ نہ سکی اور پھیل گئی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ ہم دونوں خوشگوار اور بہترین زندگی گذاریں گے اگرچہ وہ اتنے معمر ہیں کہ میں اُن کو بجائے جد امجد کے سمجھوں تو مبالغہ نہ ہوگا لیکن یہ بات چنداں قابل لحاظ نہیں۔ سلطان نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے کہ دریائے لوما کے کنارے شہر العسل

(باقی بر کالم ۲)

باقی کالم ۳

(Honey moon) گذارنے کے بعد وہ پیرس میں سکونت اختیار کر لیں گے۔

ترجمہ از السیاستہ الاسبوعیۃ

مظہر صدیقی

برطانیہ اور دیسی ریاستیں

محمد میر خان صاحب
بی۔ اے۔ ایچ۔ سی۔ ایس۔

چند روز پہلے روزنامۂ ٹائمز آف انڈیا کے شعبۂ مراسلات میں ایک لطیف واقعہ درج تھا۔ جرمنی کے ایک شہر میں ایک ہندوستانی طالب علم مقیم تھا۔ وہاں کی ایک معزز خاتون سے اس کی شناسائی تھی۔ ایک روز اس خاتون نے اس طالب علم کو چائے کی دعوت دی اور اسے مطلع کیا کہ اس دعوت میں ہندوستان کے ایک رئیس بھی ہوں گے۔ اور ان سے اس طالب علم کو شرف تعارف بھی حاصل ہو سکیگا۔

طالب علم اس دعوت کے وقت بڑی توقعات کے ساتھ حاضر ہوا لیکن جب اس زریں لباس عالی وقار رئیس ہند سے اسکا تعارف کرایا گیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے شہر کا ایک متمول حجام بھی سیاحت یورپ میں رئیس ہند کہلا سکتا ہے۔

غرض سوال یہ ہے کہ "دیسی رئیس" حقیقتاً کون کہلا سکتا ہے اور "دیسی ریاست" کی کیا تعریف ہے؟

آسٹن کے نظریہ کی رو سے مملکت ریاست (سٹیٹ) کا اقتدار اعلیٰ (ساورنٹی) غیر منقسم ہے، یعنی یہ ممکن نہیں کہ کسی ریاست کے متعلق چند اختیارات تو اسکے رئیس یا مقتدر اعلیٰ کو حاصل ہوں اور چند اختیارات کسی بیرونی قوت کے سپرد ہوں۔ اس قسم کی ریاست اصولاً ریاست نہیں کہلائی جا سکتی اور اس کا رئیس مقتدر اعلیٰ (ساورن) نہیں ہو سکتا۔ لیکن سر ہنری مین کا یہ نظریہ واقعات عمل کے زیادہ مطابق ہے۔ اس کا قول ہے کہ معاملات بین قومی میں اقتدار اعلیٰ (ساورنٹی) کے اجزاء ہو سکتے ہیں اور عموماً ہوتے بھی ہیں، یعنی ایک ایسی ریاست کا تصور ممکن ہے جس میں قانون سازی اور عدل گستری تو ریاست کی حکومت کے اختیار میں ہو لیکن جنگ و صلح کے تعلقات پیدا کرنا اس کے اختیار میں نہ ہو۔ بلکہ وہ ایک ایسی مجلس متفقہ کی رائے پر منحصر ہو جس میں وہ ریاست دوسری ریاستوں کے ساتھ شریک ہو۔

اگرچہ دیسی ریاستوں نے سیاسی تعلقات پیدا کرنے کے اختیارات کو مفاد مجموعی کی غرض سے حکومت برطانیہ کے سپرد کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی وہ سر ہنری مین کے نظریے کے مطابق صاحب اقتدار (ساورن) ہیں۔ نہ صرف خارجی تعلقات ہی بلکہ بعض ریاستوں میں داخلی انتظام (انٹرنل ساورنٹی) کے بعض اختیارات بھی اسی مفاد مجموعی کی غرض سے برطانوی حکومت کے تفویض ہیں۔ اس سے بھی ان کے اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسلئے کہ اصولاً وہ خود برطانوی اقلیم کی حکومت کے ایک فرد ہیں۔ [illegible] ایک دوسرا سوال ہے کہ واقعتاً انہیں اس حکومت کا کسقدر حصہ دیا جاتا ہے۔ غرض ہر ایسی [illegible] کی ریاست "دیسی ریاست" [illegible]

[illegible]

(۱) شہنشاہ [illegible]

(۲) قانون فطرت

(۳) عہدنامہ جات

(۴) رواج

ان میں سے ہر ایک پر ہم ایک سرسری نظر ڈالیں گے۔

(۱) حکومت برطانیہ ان ریاستوں کو مقتدر (ساورن) یا نیم مقتدر (سیمی ساورن) تسلیم کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ شہنشاہ برطانیہ اپنا اختیار شاہی (پریروگیٹو) یا پارلیمنٹ اپنا قانون ان ریاستوں پر اسی طرح نافذ کر سکتی ہے جسطرح مقبوضات برطانوی پر تو یہ ایک صریح تضاد ہے۔

برطانیہ کے تعلقات اکثر ریاستوں کے ساتھ عہدناموں سے شروع ہوئے ہیں۔ اور ان دیسی ریاستوں پر برطانیہ نے خاص خاص خاندانوں کو تخت نشین کرایا ہے۔ اُن سے بھی سیاسی تعلقات کی نسبت عہدنامہ کر لیا ہے۔ اس صورت میں یہ سمجھنا کہ ان عہدناموں کو پس پشت ڈالکر اور رؤسا سے مشورت کے بغیر پارلیمنٹ قانون وضع کر سکتی ہے، ایک منطقی اور قانونی غلطی ہے۔

(۲) بقول انگریزی سیاسیین کے برطانیہ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ دیسی ریاستوں میں ایسے رسوم و رواجات کی ممانعت کرے جو قانون فطرت کے خلاف ہوں۔ ان خلاف قانون فطرت افعال کی مثال کے طور پر دختر کشی، ستی ہونا، قطع و برید اعضاء، سولی دینا وغیرہ پیش کئے جاتے ہیں۔ اس دعوے کے خلاف دو دلیلیں ہو سکتی ہیں پہلے یہ کہ اس دور تمدن و تہذیب میں اس قسم کے افعال کا وقوع ناممکن ہے اور اس لئے ان افعال کے دفعیہ کا اختیار اپنے تفویض کر لینا غیر ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ قانون فطرت ایک نہایت غیر معین اصطلاح ہے۔ اسکا تصور ارتقاء تمدن کی رفتار کے ساتھ بدلتا رہا ہے۔ اور چونکہ دنیا کی تمام قوموں میں ارتقاء تمدن کی رفتار ایک سی نہیں ہے اسلئے یہ ممکن ہے کہ کسی خاص وقت میں کوئی فعل جو ایک قوم کے نزدیک خلاف قانون فطرت قرار پا گیا ہو، دوسری قوم کے نقطۂ نظر سے اسقدر معیوب نہ ہو۔

علاوہ اس کے اس اصطلاح کو خطرناک حد تک وسعت بھی دی جا سکتی ہے۔ اور قانون فطرت کے نفاذ کے اختیار کے تحت ریاست کے ہر قسم کے انتظام میں مداخلت کی جا سکتی ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مقدمات میں رئیسوں کی عدالت عالیہ سے پریوی کونسل میں اپیل کرنے کی اجازت ہونا چاہئے۔ یعنی یہ قانون فطرت [illegible] مروّجہ قانون و عدالت [illegible] دنیا کے مہذب [illegible] ہے۔ اسلئے جسطرح [illegible] اپیل نہیں کیا جا سکتا [illegible] اصول معدلت کے [illegible] عدل گستری میں غیر ضروری تعویق پیدا کرنا ہے۔

(۳ و ۴) دیسی ریاستوں کے ساتھ برطانوی تعلقات کلیتہً ان عہدناموں پر مبنی ہونے چاہئیں۔ جو ریاستوں اور برطانیہ کے مابین مرتب ہوئے ہیں، اور اگر ان عہدناموں کے انعقاد کے بعد کوئی تصفیہ طلب امور پیدا ہو گئے ہوں تو ان کا تصفیہ ان عہدناموں ہی کے ذریعہ سے ہونا چاہئے۔ انگریزی سیاسیین کا قول ہے کہ ریاستوں کے ساتھ سیاسی تعلقات، عہدناموں کے علاوہ رواج پر بھی مبنی ہو سکتے ہیں، یعنی اگر کوئی خاص طریق عمل چند ریاستوں کے متعلق طے شدہ ہے تو اسی قسم کے حالات میں دوسری کسی ریاست کے ساتھ بھی وہی طریق عمل استعمال ہوگا، لیکن چونکہ یہ سیاسی رواجات بعض چھوٹی ریاستوں کے ساتھ حاکمانہ تعلقات سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کا بڑی ریاستوں پر اطلاق کرنا قرین انصاف نہیں ہے، بات دراصل یہ ہے کہ ہندوستان میں [illegible] برطانیہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ، انگریزی سیاسیین نے ان عہدناموں سے بالکل علیحدہ چند سیاسی [illegible] قائم کر لئے ہیں اور اگر آج حکومت ہند اور کسی ریاست کے مابین کوئی جدید امر تصفیہ طلب پیدا ہو جائے اور اسکے لئے ان قدیم عہدناموں کی روشنی میں وہ کوئی جدید عہدنامہ ترتیب دینا چاہیں تو انہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی اختراع کردہ سیاسی پالیسی اور عہدناموں میں کامل موافقت نہیں ہے، عہدناموں کی اس کمی کو رواج سیاسی کے نظریے

پورا کیا جاتا ہے۔

یہاں مختصراً چند مسائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں حکومت ہند بالواسطہ یا بلاواسطہ ریاستوں کے انتظام میں مداخلت کرتی ہے۔

(۱) کسی ریاست میں بدامنی پیدا ہو جانے پر مداخلت کیجاتی ہے، انگریزی سیاستین اس مداخلت کو برطانیہ کا فرض قرار دیتے ہیں اور تمام ہندوستان کے امن کی حفاظت کرنا اس مداخلت کی غرض بیان کرتے ہیں، لیکن جس طرح فسادات کا کسی ریاست سے شروع ہو کر برطانوی ہند میں پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے، اسی طرح یہ تصور بھی بالکل قرین واقعات ہے کہ برطانوی ہند کے فسادات کا اثر ریاستوں میں پہونچے، اکثر عہدناموں کی رو سے ریاستوں اور حکومت برطانیہ کے مابین یہ قرار داد ہے کہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کی امداد کیجائے گی، ایسے زمانہ بدامنی کی مداخلت حاکمانہ اختیار سمجھنے کے بجائے دوستانہ فرض امداد تصور کرنا زیادہ خوشگوار و مفید ہے۔

(۲) ریاستوں کی قلعہ بندی اور ان کی فوجوں کی تعداد و نوعیت پر حدود و قیود عائد کیجاتی ہیں، یہ پالیسی دراصل انیسویں صدی کے پرشکوک اور اندیشناک زمانہ کی باقیات سے ہے، ورنہ اقلیم برطانوی میں شرکت کے برکات اب اس قدر مسلّم ہیں کہ اس اقلیم کا ہر جزو اپنی جملہ قوت کو اس اقلیم کی بقا اور اس میں اپنی شرکت کے قیام کی غرض سے صرف کرنے کے لئے تیار ہے، گذشتہ جنگ عظیم میں رؤسائے ہند نے حکومت برطانیہ کی جو امداد کی ہے وہ یادگار زمانہ ہے ان کی فوجی قوت جس قدر ترقی یافتہ رہے گی اسی قدر حکومت برطانیہ کو جارحانہ اور مدافعانہ کارروائیوں میں امداد ملے گی، اعتماد کا نتیجہ اعتماد ہے۔"

(۳) حکومت ہند کے وہ افعال جو تمام ہندوستان سے متعلق ہیں ریاستوں میں بھی مداخلت کرتے ہیں، مثلاً نمک اور افیون کی پیدائش کے مالیاتی اجارے اس قسم کی پیدائش کو ریاستوں میں بھی ممنوع کرتے ہیں، حالانکہ اس قسم کی ممانعت کے بدلے انھیں محاصل کا کوئی حصہ یا معاوضہ نہیں ملتا، اسی طرح ریاست سے باہر جانے والی ریلوں کی جملہ حدود پر عدالتی اختیارات حکومت ہند کے سپرد کرنا پڑتے ہیں۔ کرنسی، صنائع اور زراعت وغیرہ کے متعلق جو کمیشن مقرر کئے جاتے ہیں ان میں ریاستوں کی نمائندگی کا خیال نہیں کیا جاتا، لیکن ان کمیشنوں کی سفارشات پر جو پالیسی اختیار کیجاتی ہے وہ تمام ہندوستان پر موثر ہوتی ہے، مثلاً ساحلی محاصل جو درآمد و برآمد اشیاء پر وصول کئے جاتے ہیں، ریاستوں میں جانے والی اشیاء سے بھی وصول کئے جاتے ہیں، ریاست میں جانے والی ہر موٹر کار پر ۳۳ ۱/۳ فیصدی محصول حکومت ہند وصول کر لیتی ہے، اس محصول سے ریاست کسی طرح مستفید نہیں ہوتی، یہ محصول بغیر نمایندگی، کی مثال ہے، اسی طرح امپیریل کانفرنس اور انجمن اقوام کی سفارشات تمام ہندوستان پر موثر ہوتی ہیں، اگرچہ ان میں ریاستوں کی نمائندگی کا التزام نہیں کیا جاتا،

اس موقعہ پر یہ بتا دینا مفید ہوگا کہ ہندوستان کے ۱۸ لاکھ مربع میل رقبہ میں ۸ لاکھ مربع میل رقبہ دیسی ریاستوں کا ہے ۱۹۱۹ء کے قانون اصلاحات کی رو سے "ایوان رؤسا" کے نام سے دیسی رئیسوں کی ایک مجلس قائم کیگئی اسکے قیام کی غرض یہی تھی کہ اس قسم کے مشترکہ مسائل پر رؤسا اظہار رائے زنی کر سکیں، لیکن یہ مجلس اسلئے کامیاب نہیں ہوئی کہ مقتدر والیان ریاست نے اس میں ذاتی شرکت کو جائز طور پر اپنے شایان شان نہ سمجھا۔ اس مجلس کو مشترکہ مسائل کے تصفیہ کے متعلق ایسے یقینی اختیارات نہیں دیئے گئے تھے جو رؤسا کو اشتیاق سے شریک ہونے پر مائل کرتے۔

اب چونکہ برطانوی ہند کے ذمہ دارانہ حکومت کے اختیارات میں توسیع و اضافہ کرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے بعض والیان ریاست نے حکومت ہند سے آیندہ تعلقات کی نوعیت کے متعلق تشویش ظاہر کی ہے پارلیمنٹ کے کمیشن دریافت اصلاحات کے مجوزہ صدر نشین سرجان سیمن ہیں۔ ان سے بعض رؤسا نے اپنی موجودہ و آیندہ قانونی اور سیاسی حیثیت کے متعلق استفسار کیا تھا، اور نہایت امید افزا جواب پایا تھا۔

حکومت ہند کے ساتھ آیندہ عملی اور مفید تعلقات رکھنے کیلئے بہترین تجویز یہ ہوگی کہ ایوان رؤسا کو موقوف کر دیا جائے، اور اوس کی بجائے ایک ایسی مجلس قائم کیجائے جس میں رؤسا کو اپنے نمایندے (ڈیلیگیٹ یا کونسلر) بھیجنے کا اختیار ہو، اس مجلس کو ہندوستانی پارلیمنٹ کی تیسری مجلس تصور کیا جائے اور جب کوئی ایسا قانون وضع کرنا ہو جو تمام ہندوستان پر موثر ہو تو اس مجلس سے منظور یا ترمیم ہونے کے بغیر نافذ نہ ہو سکے، اس طرح ہندوستان کے ساحلی محاصل کی پالیسی اور مبادلات خارجہ اور کرنسی اور تعلقات خارجہ اور مصارف جنگ اور مالیاتی اجاروں کے متعلق مسائل نہایت عمدگی اور مصالحت سے طے ہو جائیں گے۔

اسی مجلس کے بعض اراکین وضع قوانین میں امداد دینے کے علاوہ ہندوستان کی صنعتی، زراعتی اور تجارتی دریافت کے کمیشنوں میں کام کر سکیں گے اور ان مسائل میں ریاستوں کا نقطہ نظر پیش کر سکیں گے، اسکے علاوہ ایک اور نہایت مفید کام ان اراکین سے یہ لیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی اپنی ریاستوں کے قونصل سمجھے جائیں۔ اس طرح سیاسی تعلقات کے متعلق وائسرائے کو نہایت مفید مشورہ دے سکیں گے۔ اور ریاست کے نقطہ نظر سے آگاہ کر سکیں گے۔ مکالمت، تفصیل اور توجہ سے عموماً وہ معاملات جلد اور بطریق احسن طے ہو جاتے ہیں، جو مقامی حالات سے ناواقفیت رکھکر محتاط قانونی مراسلت کرنے میں طے نہیں ہوتے

مذاق

مس بڈلبی نے جب سے یہ سنا کہ اس کے سابق عاشق سے مس جنکنس کی منگنی ہو گئی ہے اس وقت سے اس کے دل میں رشک کی آگ بھڑی ہوئی تھی۔ اور جب اس کو مس جنکنس سے ملنے کا اتفاق ہوا تو وہ یہ کہکر چٹکی لئے بغیر نہ رہ سکی۔

میں نے سنا ہے کہ "ام سے تمھاری منگنی ہو گئی ہے میرے خیال میں اس نے تم سے یہ نہیں کہا کہ ایک مرتبہ اس نے مجھ سے بھی خواستگاری کی تھی۔ جوان عورت نے جواب دیا۔

"نہیں، اس نے مجھ سے صرف اتنا کہا کہ وہ بہت سی احمقانہ حرکتیں کر چکا ہے۔ مگر میں نے اس سے دریافت نہیں کیا کہ وہ کیا حرکتیں تھیں"

خریدار ۔ میں ایک ایسی "ٹائی" چاہتا ہوں جس میں نیلا رنگ زیادہ ہو۔

فروشندہ ۔ یہ لیجئے اس "ٹائی" میں نیلا رنگ زیادہ ہے۔ لیکن میرے خیال میں قرمزی رنگ اس سے کسی قدر زیادہ موجود ہے۔

ایک شخص کے سامنے کے دانت ٹوٹے ہوئے دیکھکر اسکے دوست نے کہا۔

— "تمھارے یہ دانت کیسے جاتے رہے"

مصیبت زدہ انسان نے آہ بھر کر کہا۔

"گذشتہ ہفتہ میری منگیتر نے مجھ سے کہا کہ میں ایسے شخص سے ہرگز شادی نہ کرونگی جو سچا بہادر نہ ہو"

— "پھر کیا ہوا"

— "میں نے یہ انتظام کیا کہ میرے دو دوست پھٹے پرانے کپڑے پہنکر رات میں مجھ پر حملہ کریں جبکہ میری منگیتر بھی میرے ہمراہ ساتھ رہے"

"تم نے بڑی چالاکی کی پھر کیا ہوا؟"

"وہ بہت اندھیری رات تھی اسلئے دکھائی نہ دیتا تھا۔ اندھیرے میں مجھے ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا میں نے اپنے منصوبے کے مطابق اس پر حملہ کیا۔ مگر وہ شخص میرا دوست نہیں تھا بلکہ وہ شہر کا مشہور پہلوان تھا۔

مکالمہ سیاسیۂ فلاطونیہ

جمہوریہ

مترجمہ سید محمد حسن صاحب رضوی بی، اے (جامعہ عثمانیہ)

افلاطون کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ یہ یونان کا شہرہ آفاق فلسفی ہے اس کے مکالمات دنیائے علم و ادب کے لئے بمنزلہ صحائف آسمانی ہیں اس کے خیالات عالیہ کا دنیا پر ایک احسان عظیم ہے۔ فلاطون نے سیاسیات پر تین مکالمات تصنیف کئے ہیں (۱) جمہوریت (Republic) (۲) مدبر (۳) اور نوامیس خاکسار نے ان تینوں کا ترجمہ کیا ہے جو اب تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔

ان میں جمہوریہ اس کی سب سے ضخیم تصنیف ہے اور باستثنائ نوامیس اس کتاب کی نثر میں نظم کا لطف آتا ہے اسلوب بیان دلچسپ۔ طرز ادا خوش آیند۔ معنی آفرینی۔ حلاوت کلام۔ چاشنی ظرافت۔ یہ تمام خوبیاں اس مکالمہ میں موجود ہیں۔ وسعت نظری اس کا خاص حصہ ہے۔ واقفیت عالم اور اس کے متعلق زرین خیالات فلاطون کی اصلی فطرت کا آئینہ ہیں یہ مکالمہ سیاسیات کے بابت ہے لیکن اس میں نفسیات، اخلاقیات، تعلیمات، ادب، موسیقی، علم ورزش، غرض بہت سی معلومات و معارف جمع ہیں۔

تصنیف کا اصل مقصد عدالت یعنی عدل و انصاف کی تشریح و توضیح کرنی ہے اسی سلسلہ میں سیاسیات کا ذکر چھڑ جاتا ہے اس کا سیاسی نقطہ نظر یہ ہے کہ مملکت اول و بعدہٗ فرد یعنی اہمیت کے لحاظ سے پہلے مملکت پر نظر رکھنی چاہئیے اور پھر افراد پر۔ اسی بنا پر اس نے مملکت کے اوصاف و خوبیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور پھر اس کا اطلاق فرد پر کیا ہے سیاسیات کو وہ نہایت وسیع مفہوم میں لیتا ہے جس میں علم عمرانی و علم اجتماع کا پہلو غالب ہے فلاطون کے نزدیک بمقابلہ مملکت کسی فرد یا خاندان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر یہ مملکت کی ترقی و خوشحالی کا باعث ہیں تو وہ ان کے وجود کو باقی رکھنے کا حامی ہے ورنہ یہ فنا ہو جائیں گے اسی بنا پر اس مکالمہ میں تصوریت زیادہ ہے جو عملی حیات سے بہت دور ہے۔

یہ مکالمہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ سقراط فلاطون کا استاد اپنے ایک دوست کے ہاں مہمان ہے اور اپنے دوست کے باپ سے گفت و شنید کرتا ہے۔ اولاً بات چیت پیری و کبر سنی کے متعلق اور بعدہٗ دولت و ثروت کی خیر و برکت کی بابت ہوتی ہے۔ دوست کے باپ کا نام سیفلوس ہے سقراط اور سیفلوس میں اجنبیت نہیں ہے۔ مترجم۔

سیفلوس (سقراط سے) سنو بھائی میرا یہ حال ہے کہ جتنی مادی لذتیں گم ہوتی جاتی ہیں اتنا ہی بات چیت میں زیادہ لطف آتا ہے پس تم میری استدعا قبول کرو اور غریب خانہ کو اپنا دولت کدہ تصور کرو۔

سقراط جناب والا! خود مجھے یہ خواہش رہتی ہے کہ آپ جیسے کبر سن حضرات سے گفتگو کیا کروں۔ میرا خیال ہے کہ آپ حضرات مسافر ہیں اور وہ سفر طے کر چکے ہیں جو مجھے درپیش ہے۔ اس وجہ سے دریافت کرتا ہوں آیا یہ راہ ہموار ہے اور بآسانی طے ہو جاتی ہے یا ناہموار اور دشوار گذار ہے۔ آپ خود اس حصہ عمر کو پہنچ گئے ہیں جس کو شعرا آغاز پیری کہتے ہیں۔ کیا عمر کا آخری حصہ دشوار اور دقت طلب ہے؟ اس بارہ میں کیا ارشاد عالی ہے؟

سیفلوس سقراط! میں خود اپنے احساس کو ضرور تم سے بیان کروں گا۔ لیکن جب میرے ہم سن لوگ ایک جگہ اکھٹا ہوتے ہیں تو میرے اکثر احباب اس طرح شاکی ہوا کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کھانے پینے سے معذور ہوں۔ کوئی کہتا ہے ہائے جوانی۔ افسوس عشق و عاشقی کی سیر تیں اب کہاں۔ کوئی کہتا ہے اچھا زمانہ تھا گذر گیا اب کہاں رہی زندگی تو نہ رہی۔ بعض اپنے عزیز و اقارب کی لاپروائی بے مہری نا اتفاقی کا رونا روتے ہیں اس قسم کے لوگ بیحد افسردہ خاطر ہو کر کہتے ہیں ساری خرابیوں کا سبب پیری و کہولت ہے۔ سقراط! لیکن سچ تو یہ ہے کہ لوگ ناحق پیری کے سر الزام رکھتے ہیں۔ یہ قابل ملامت نہیں ہے آخر میں بھی تو بوڑھا ہوں اور ہر ایک بوڑھا آدمی وہی احساس رکھتا ہے جو ان لوگوں کا ہے۔ لیکن نہ تو یہ میرا اپنا تجربہ ہے نہ میرے خاص دوست احباب کا مجھے خوب یاد ہے۔ جب سوفوکلس شاعر سے دریافت کیا گیا کہ کیا عشق و عاشقی پیری میں زیبا ہے یا نہیں۔ کیا تم میں وہی امنگیں ہیں جو عالم شباب میں تھیں۔ اس نے جواب دیا۔ بھائی خاموش رہو میں اس سے بخوشی نکل بھاگا جس کا تم ذکر کرتے ہو مجھے محسوس ہوتا ہے گویا میں دیوانہ مجنوں اور غضب آلود آقا سے صحیح سلامت نکل بھاگا۔ بے شک پیری میں طمانیت اور آزادی حاصل ہوتی ہے۔ جب جذبات کمزور پڑ جاتی ہے تب بقول شاعر ہم نہ صرف ایک مجنوں آقا کی حلقہ بگوشی سے بلکہ بہت سے آقاؤں کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں

بھائی سقراط! سچ تو یہ ہے کہ یہ آہ و بکا، غم و افسوس، اعزا کی شکایات، ان سب باتوں کا باعث پیری نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں کے عادات و خصائل و مزاجوں کے اختلاف کا سبب ہے۔ وہ شخص جو متین، خوش طبع، حلیم ہے۔ پیری اس کے لئے کوئی بار نہیں۔ جب معاملہ برعکس ہو تو پیری و جوانی، شباب و کہولت وبال جان و باعث کلفت ہیں۔

سقراط کہتا ہے میں نے سیفلوس کی بیحد تعریف کی۔ اور کہا کہ جناب والا مجھے شبہ ہے کہ آپ کے ہم عمر اشخاص ان باتوں سے قائل ہو سکینگے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ پر جو بڑھاپے کا اثر نہیں۔ خوش طبعی اس کا باعث نہیں بلکہ دولت مندی و امیری ہے۔ عام طور پر مشہور ہے دولت بڑا سکون و اطمینان بخشتی ہے۔

سیفلوس تم سچ کہتے ہو وہ میری باتوں سے قائل نہ ہونگے میں ان کو جواب دونگا جس طرح تھمسٹوکلس نے سریفین کو دیا تھا اس شخص نے اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور کہنے لگا۔ تمہاری شہرت کا باعث تمہاری خوبیاں نہیں ہیں۔ بلکہ اس لئے مشہور ہو کہ تم ایتھنز کے باشندہ ہو۔ تھمسٹوکلس نے جواب دیا تھا۔ اگر تم میرے ملک کے باشندہ ہوتے یا میں تمہارے ملک کا ہم میں سے کوئی بھی مشہور نہ ہوتا۔ یہی جواب میں اُن اصحاب کو دیتا ہوں جو مالدار نہیں اور پیری سے بیزار ہیں۔ اس لئے نیک غریب آدمی کو پیری بار نہ ہو سکیگی۔ اور بدچلن امیر خود کبھی مطمئن نہ ہوگا۔

سقراط۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ زر و دولت کی طرف سے مستغنی ہیں لیکن اس قسم کی بے اعتنائی انہیں حضرات کا شعار ہے جنکو دولت ورثہ میں حاصل ہوتی ہے حالانکہ وہ لوگ جو خود دولت اور روپیہ پیسہ کماتے ہیں اوس سے دوہری محبت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ان کی محنت کی کمائی ہوتی ہے۔ یہ اُن اشخاص کے مشابہ ہیں جو دوسروں کی چیزوں سے محبت کیا کرتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کیطرح جو اپنی چیزوں سے الفت رکھتے ہیں۔ مثلاً شعرا اپنی غزلوں سے ایک گونہ عشق رکھتے ہیں۔ ماں باپ کو بچوں سے محبت ہوتی ہے گو قدرتی طور پر زر و دولت کی محبت ہر شخص کو ہوتی ہے بلکہ یہ تعلق افادہ و استعمال کی خاطر ہوتا ہے۔ دولت کے عاشق تو بس فنا فی الدولت ہوتے ہیں۔ ان کی ہم جلیسی اچھی نہیں۔ دولت کی تعریف کرتے کرتے انکی زبان سوکھی جاتی ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ کونسی خیر و برکت ہے جو آپ نے زر و دولت کی بنا پر حاصل کی ہے۔

سیفلوس۔ سقراط! تم سے کہتا ہوں ایک خیر و برکت ہے لیکن دوسرے لوگ قائل نہیں ہو سکتے۔ خیر میرا تو روئے سخن تم سے ہے۔ سنو بھائی! جب انسان یہ خیال کرتا ہے کہ موت کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ خوف و خطر دل میں امنڈ امنڈ کر آتے ہیں۔ اس کو اس سے پہلے ان خیالات سے سروکار نہ تھا۔ دنیائے زرین کے قصے، عقبیٰ، اور سزا کی باتیں اور یہ کہ سزا و جزا اعمال پر ہوگی۔ جوانی میں تو یہ امور مضحکہ خیز معلوم ہوتے تھے لیکن اب پیری میں ان کا خیال کرنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ذہن سے صحیح نکلیں۔ کیونکہ کبر سنی ضعف و اغفال کا زمانہ ہے دوسرے عالم میں جانے کا وقت قریب آن لگا ہے اس شخص کے پیش نظر ان سب باتوں کا منظر صاف و واضح ہو جاتا ہے

کبھی شک و شبہ میں مبتلا ہوتا ہے کبھی طرح طرح کے خطرے دل پر یورش کرتے ہیں اب وہ سوچتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اب حساب کرلینا چاہئے برائیاں ان سے دوسرے آدمیوں کے ساتھ کی ہیں اور جب اس کو پتہ چلتا ہے کہ اس کی خطائیں لغزشیں اور عدول حکمیاں بے حد ہیں تو وہ بچوں کی طرح جو بارے خوف کے خواب میں چونک پڑتے ہیں۔ حشر نشر کے خوف سے کانپ کانپ جاتا ہے۔ اور تیرہ و تار خیالات سے گھر جاتا ہے۔ اس خوف سے صرف وہ شخص آزاد رہتا ہے جسکا دامن معصیت سے آلودہ نہیں اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ پس بقول شاعر۔

پنڈر پیاری امید پیری کی مہربان رفیق ہے،

شاعر کا قول ہے امید اوس شخص کی روح کو تسکین دیتی ہے۔ جس نے اپنی زندگی عدل و انصاف اور پاکبازی اور تقدس کے ساتھ گذاری ہو۔ یہ امید کبر سنی کی رفیق ہے اور یہ انسان کی بے چین مضطرب روح کیلئے سب سے زیادہ موثر اور توانائی و طاقت پیدا کرنے والی ہے۔ دولت مندی و امیری کی بڑی برکت اس شخص کیلئے ہے۔ جو نکوکار ہے نہ کہ ہر شخص کیلئے۔ ایسے نکوکار اشخاص لوگوں کو فریب نہیں دیتے حق تلفی کرنے سے بچتے ہیں جب وہ لوگ عالم زیریں کیجانب رحلت کرتے ہیں تو اُن کو کوئی فکر و اندیشہ نہیں ہوتا یعنی یہ کہ دیوتاؤں کی نذر و نیاز گو یا اون کے حساب میں جمع ہے اور مخلوق میں دوسرے اشخاص ان کے دین دار ہیں۔ اس قسم کے لوگ مطمئن ہوتے ہیں۔ دولت و ثروت کی موجودگی اُن کو غایت درجہ طمانیت و سکون عطا کرتی ہے۔ عقلمند شخص کیلئے اوس سے بے حد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور میری ناچیز رائے میں بہت ہی بڑا فائدہ و منفعت ہے۔

نقد و تبصرہ

مجلہ عثمانیہ عدد۔۱ جلد۔۱۔

عثمانیہ یونیورسٹی کی تحریک محتاج تعارف نہیں۔ اس کے قیام کے بعد اس قلیل عرصہ میں یہاں کی تربیت یافتہ پود نے جو کام شروع کیا اس سے اردو ادب کی دنیا آگاہ ہے۔ یونیورسٹی کے قیام کے بعد ہی سے اس کے ہمدردوں اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیوں یہاں سے ایک رسالہ نہیں نکالا جاتا جو عثمانیہ کالج کی نئی پود کے خیالات اور آدبی حاصلات کا آئینہ ہو۔ خود طالب علموں کو اس بات کا شوق تھا کہ ان کے جامعہ سے ایک اعلیٰ درجہ کا رسالہ نکالا جائے۔ مگر کچھ اداوے کی مشکلوں اور کارفرماؤں کی آپس کی مخالفتوں کی وجہ یہ شوق پورا نہ ہوسکا۔

اب عثمانیہ کالج ان مشکلوں سے گذر گیا ہے۔ اور "مجلہ عثمانیہ" دلدادگان علم و ادب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجلہ عثمانیہ کی اشاعت پر مولوی محمد عبدالرحمن خان صاحب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ خاص طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ صاحب موصوف ہی کی دلچسپی اور کوشش سے بہت سی سدراہیں دور ہوئیں۔

یونیورسٹی کے رسالوں میں ایک خاص بات یہ ہوتی ہے۔ کہ کام کرنے والے طالب علم ہمیشہ ایک سے نہیں ہوتے۔

جب کبھی کوئی شوقین طلبا کا گروہ آجاتا ہے تو رسالہ خوب چمک اٹھتا ہے اور بعد میں وہ بات باقی نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر ہمارے سامنے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا رسالہ موجود ہے۔ کہ یہاں کا رسالہ اتار چڑھاو کی بہت سی منزلیں طے کرچکا ہے۔ جامعہ عثمانیہ اس تجربہ سے بہت اچھے نتیجہ پر پہونچا چنانچہ یہاں رسالہ کیلئے ایک مجلس نگرانی قائم ہے۔ جس میں صدر کلیہ صدر مجلس ہیں۔ اور دو قابل اساتذہ پروفیسر محمد نظام الدین صاحب مولوی فاضل پی ایچ۔ ڈی۔ (کیمبرج) اور پروفیسر آئی۔ ای اسپیٹ صاحب بی۔ اے (لندن) رکن مجلس ہیں۔ ادارہ پر سید غلام محی الدین صاحب زور اور معین الدین صاحب قریشی اردو کیلئے اور حصہ انگریزی کیلئے سید فضل حق صاحب منتخب ہوے۔

حصہ اردو میں افتتاحیہ معین الدین صاحب قریشی نے لکھا ہے۔ جو رسالہ کیلئے ایک عمدہ مقدمہ ہے۔

حصہ اردو میں "نورتن رنگین" "اردو زبان اور افسانے" "فارسی نثر اور ابوعلی بلعمی" خاص ادبی مضامین ہیں اور اردو زبان میں نئے معلومات کا اضافہ کرتے ہیں۔

"نورتن رنگین" میں ڈاکٹر ہنیرنگ نے سعادت یار خاں رنگین کے تصانیف کا مفصل حال لکھا ہے جسمیں موجودہ تذکروں کی نسبت رنگین پر زیادہ روشنی ڈالی ہے۔

"اردو زبان اور افسانے" یہ مضمون اردو زبان میں بالکل نیا ہے۔ اردو میں اتبک کسی نے اس موضوع پر اس تفصیل سے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ زور صاحب کا مضمون "فارسی نثر کا آغاز" بہت مفید اور ضروری مضمون ہے۔ ہندوستان میں ایک زمانے سے فارسی کی تعلیم جاری ہے۔ مگر فارسی زبان کی ابتدا پر یہاں غور نہیں کیا گیا۔ یہ مضمون اس قسم کی ادبی تنقید کا بہت عمدہ نمونہ ہے۔

باقی اور مضامین بھی مفید اور معلومات سے ہیں۔ البتہ مضمون "ڈاک کے ٹکٹ" کے متعلق ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ مضمون مجلہ عثمانیہ کے شایان شان نہیں ڈاک کے ٹکٹوں کا جمع کرنا کوئی سنجیدہ شوق نہیں۔ اسکے متعلق اس تفصیلی بحث ادا ایک یونیورسٹی کے اعلیٰ پایہ رسالہ میں جگہ دینا غیر موزوں نظر آتا ہے۔ اس مضمون کے دلچسپ ہونے میں شبہ نہیں مگر ہر دلچسپ چیز کا

(باقی کالم (۱) ملاحظہ ہو)

باقی کالم (۳)

قابل وقعت ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس پرچہ میں دو مضمون "کتاب کے کیڑے" اور "شکل کا گھوڑا" خاص نوعیت کے ہیں پہلا مضمون مولوی عظمت اللہ خاں صاحب مرحوم کے خاص رنگ کا نمونہ ہے اور دوسرا مرزا الم نشرح صاحب کا۔ مرزا صاحب بہت اچھا لکھتے ہیں اور اردو نثر میں ایک خاص طرز رکھتے ہیں اس مضمون میں جو ایک قصہ کا ترجمہ ہے انکا طرز خالص نہیں رہا تاہم نقصہ بہت پر لطف ہے۔

حصہ انگریزی میں دو چیزیں توجہ کے قابل ہیں ایک ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کا مضمون۔ "غالب تک رسائی" اور پروفیسر اسپیٹ کی نظم "امتحان گاہ میں" غالب کے مطالعہ میں جو خامیاں اب تک رہی ہیں ان کو ڈاکٹر عبداللطیف نے اس مضمون میں ظاہر کیا ہے۔ وہ خود ایک کتاب اس موضوع پر لکھ رہے ہیں کہ غالب کا مطالعہ کس طرح کیا جائے۔ یہ مضمون اس کتاب کا مقدمہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ہمیں اس مضمون سے جسطرح تعجب میں ڈالدیا اسی طرح اس کا علاج بھی تجویز فرمائیں گے۔

شعر و سخن

نظم نظام گزٹ

نتیجۂ فکر ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی شاد مدظلہ

سید وقار احمد اڈیٹر
حبیب اللہ رشدی

شہر کا مدعا نظام گزٹ — ملک کا رہنما نظام گزٹ
اہلِ جوہر کرینگے اسکی قدر — ہے دُرِ بے بہا نظام گزٹ
اس نے پایا وقار اڈیٹر سے — ہے سزائے ثنا نظام گزٹ
ہے احبا کا ملک کے یہ حبیب — شہر کا دلربا نظام گزٹ
زینتِ ملک کا سبب ہے یہ — گوہرِ پرضیا نظام گزٹ
رکھیں گے سب قدم پر اسکے قدم — کہ ہے صاحب لوا نظام گزٹ
ملک میں پیش اب ہوا ہے یہ — ہے یہی پیشوا نظام گزٹ
ایک مدت سے [illegible] سنتے تھے — اب ہوا رونما نظام گزٹ
کہتے ہیں ہوگا حامیٔ پردہ — پردہ دار نسا نظام گزٹ
دشمنانِ دکن کے واسطے ہے — ایک تیغِ قضا نظام گزٹ
اس کی پھیلیگی ہر طرف خوشبو — بسکہ ہے مشکسا نظام گزٹ

شاد دیتا ہے یہ دعا دل سے
خوش رہے اے خدا نظام گزٹ

غزل

نواب حیدر یار جنگ بہادر مولوی سید علی حیدر نظم طباطبائی (لکھنوی)

عشق میں جب تک جنوں کی کارفرمائی نہ تھی — گرمیٔ ہنگامۂ بازارِ رسوائی نہ تھی
شغل خود بینی تھا شانِ بزم آرائی نہ تھی — جلوہ گر تھا یار اور چشم تماشائی نہ تھی
ترکِ لذت میں بھی کچھ دل کو مزا ملنے لگا — ورنہ کیا مجھ کو ہوائے بادہ پیمائی نہ تھی
کیوں نکل کر تو ہوا خلوت سے زیبِ انجمن — حسن بے پروا نہ تھا جب تک یہ رسوائی نہ تھی
ترکِ الفت کر کے نکھرا اور بھی ساغر کا رنگ — دل کو حسرت ہو کہ پہلے تو یہ رعنائی نہ تھی
کام مشکل آ پڑا تھا اور نہ تھا عزم درست — عقدہ تھا دشوار اور ناخن میں گیرائی نہ تھی
زندگی گذری ہے کیونکر سچ بتانا اے اجل! — لاکھ اب آئی تھی تو کچھ اب کے بار آئی نہ تھی
ہم تھے، ساقی تھا، ہمارا میکدہ تھا، جام تھا — جب زمانہ میں بنائے چرخِ مینائی نہ تھی
مہرباں ہوتے غریبوں پر تو گھٹ جاتی نہ شان — کیا تم آجاتے تو میری قدر افزائی نہ تھی
ہم نے عالم میں کہیں دو دل ملے دیکھے نہیں — ان میں یکرنگی نہ تھی تو ان میں یکجائی نہ تھی
پست ہو جانے سے اپنے ہوگیا تیرا عروج — ورنہ کچھ تیری بساط اے چرخِ مینائی نہ تھی

پوچھتا ہے نظم مجھ کو نرگسِ بیمار سے
کیوں چلی آئی چمن میں گر توانائی نہ تھی

محصّلِ دُیون

(قرض وصول کرنے والا)

ایک فرانسیسی افسانہ

از مارس پول

ریونیٹ ایک ہی بنک میں دس برس تک قرض وصول کنندہ منشی کی حیثیت سے ایک عمدہ ملازم کی خدمات انجام دیتا رہا اس سے کوئی معمولی غلطی بھی سرزد نہیں ہوئی۔ اور نہ کبھی اسکے کتابچہ میں کوئی لغزش نظر آئی۔ وہ اپنے نئے پُرانے دوستوں سے الگ تھلگ تنہائی میں بسر اوقات کیا کرتا۔ اس کی زندگی قہوہ خانوں کی دلچسپیوں اور عشق و محبت کی الجھنوں سے بالکل پاک تھی۔ وہ اپنی قسمت پر شاکر رہکر خوشی اور اطمینان کی گھڑیاں گذار رہا تھا۔ لیکن کبھی کبھی اسے ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی شخص اسکے کان میں کہہ رہا ہے "اتنی کثیر رقم کو ہتھیا لینا کس قدر مرغوب بات ہے!" وہ سکوت کے ساتھ جواب دیتا "کیوں؟ جو رقم تمھاری نہیں وہ کبھی رقم نہیں کہلائی جاسکتی۔"

جس محلہ میں وہ رہتا تھا، اس کی ہستی بہت مغتنم سمجھی جاتی تھی اور وہاں کے رہنے والے اس کی رائے مشورے کو بڑے شوق سے حاصل کرتے تھے۔

ایک دن جب وہ رقم وصول کرنے کیلئے گیا تو شام کو گھر نہیں لوٹا۔ اس کے جاننے والوں کے دلوں میں بے ایمانی کا گمان بھی اسکے متعلق پیدا نہیں ہوا شاید وہ کسی جرم کا شکار رہا ہو۔ پولیس نے دن میں اپنی کوشش سے یہ پتہ چلا یا کہ بڑی پابندی سے اسنے لوگوں سے تقاضے کئے اور سات بجے انٹروگ گیٹ کے قریب دو لاکھ فرانک جمع کر کے اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اور اسکے آگے وہ بالکل بے پتہ تھا۔ پولیس نے قلعہ کے افتادہ میدان میں اور قوجی علاقہ کی تمام جھونپڑیوں میں اسے تلاش کیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ حسب قاعدہ اس نے چاروں سمت مرکزی اسٹیشنوں پر تار دئیے۔ پولیس کے ساتھ بنک کے ڈائرکٹروں کو بھی کسی قدر شبہ تھا کہ چوروں نے اسکو لوٹ کر دریا میں پھینکدیا ہے۔ تحقیقات اور قرائن کی بنا پر انھیں یقین ہوچلا تھا کہ ایک عرصہ سے پیشہ ور لٹیروں نے اسکو اپنا نشانہ بنانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

اس واقعہ کو اخبارات میں دیکھنے کے بعد پیرس میں ہر ایک آدمی نے سنسنی محسوس کی اور وہ ریونیٹ ...

ٹھیک اسی وقت جبکہ پولیس اپنی تحقیقات میں مصروف تھی، وہ دریائے سین پر پہنچ چکا تھا، دو لاکھ فرانک چُرانے سے پیشتر اس نے اپنے روزانہ پہننے کے کپڑے ایک پل کی کمان میں چھپا رکھے تھے۔ یہاں آکر اسنے اپنے کپڑے بدلے، یونیفارم اور کاغذات کے بستہ کی ایک گٹھڑی بنائی اور اسکو ایک وزنی پتھر سے باندھکر دریا میں ڈالدیا۔ اب وہ اطمینان کا سانس لیتا ہوا پیرس کیطرف روانہ ہوا۔ اور ایک ہوٹل میں پہنچ کر آرام کی نیند سوگیا۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر باہر اسکی حیثیت ایک کامل چور کی ہوگئی۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاکر سرحد کے پار کسی گاڑی میں سوار ہو جاسکتا تھا لیکن یہ بات اسکی سمجھ میں نہ آسکی کہ چند سو کیلومیٹر کا پل اس کو پولیس کے دسترس سے باہر کرد یگا اپنی بدنصیبی کی پرچھائیاں بھی اسکی نظر سے اوجھل تھیں اب اس کی گرفتاری یقینی تھی۔ لیکن اس کا خیال اور ہی تھا۔

جب صبح نمودار ہوئی تو اس نے دو لاکھ فرانک کو ایک لفافہ میں بند کیا اور اس پر پانچ مہریں ثبت کر کے ایک وکیل کے پاس گیا۔

اس نے کہا "جناب! میں آپ کی خدمت میں اسلئے حاضر ہوا ہوں کہ میرے پاس کچھ دستاویزات اس لفافہ میں ہیں جنھیں میں اماناً رکھنا چاہتا ہوں۔ میں ایک طول طویل سفر پر جارہا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں کب لوٹونگا میں چاہتا ہوں کہ یہ امانت آپ کے پاس چھوڑ جاؤں آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں آپ کو ایک رسید لکھدونگا۔"

ریونیٹ امانت رکھوانے کیلئے تیار تو ہوگیا لیکن سوچنے لگا کہ رسید لیکر کہاں رکھوں اور کس پر بھروسہ کروں اور اگر اپنے ہی نام پر اس امانت کو رکھواؤں تو یقیناً یہ ضائع جائے گی۔ اس گتھی کو سلجھائے بغیر اس نے بڑی عجلت سے کام لیا اور بڑے اطمینان کیساتھ وکیل سے مخاطب ہوا "میں اس دنیا میں بالکل تنہا ہوں اور میرا کوئی دوست اور عزیز نہیں ہے اس وقت جس سفر پر آمادہ ہوں وہ خطرہ سے بھی خالی نہیں۔ مجھے رسید کے ضائع ہو جانیکا خوف لگا رہیگا، یا وہ قطعی طور پر ضائع ہو جائے گی۔

کیا آپ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اسکو آپ اپنے قبضہ میں اپنی دوسری دستاویزات کے ساتھ محفوظ رکھیں اور جب میں واپس آکر آپ کو یا آپ کے ورثا کو اپنا نام بتاؤں تو مجھے وہ واپس مل سکے؟"

"لیکن ... اگر میں ایسا کروں ....."

"رسید پر لکھدو کہ وہ صرف اسیطریقہ پر حاصل کیجا سکتی ہے۔ اور اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو یہ چیز میری ہو جائیگی"

"تو پھر راضی ہوگئے۔ آپکا اسم شریف؟"

وہ اس سے بغیر کسی تامل کے جوابدیا۔

"ڈورگر سنری - ڈورگر"

جب وہ یہ حوالے کر کے سڑک پر واپس آیا تو اسنے آپ کو اس بوجھ سے آزاد دیکھکر اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے نظام العمل کا بیشتر حصہ ہوچکا اب پولیس اسکے ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈال سکتی ہے، اس کی چرائی ہوئی چیز گرفت سے بہت باہر ہے اس تمام نظام العمل پر اس نے ٹھنڈے دل سے غور کیا تھا کہ سزا کے ختم ہو جانے پر وہ اپنی امانت کا دعویدار ہوگا۔ اُسے اپنے حق کے حاصل کرنے میں کوئی جھگڑا یا رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ چار یا پانچ ناخوشگوار سال گذارنے کے بعد وہ ایک دولت مند آدمی بن جائیگا وہ قرض وصول کرنے کیلئے در بدر جوتے چٹخاتے پھرنے کے بجائے اس طرح کی زندگی کو قابل ترجیح سمجھتا تھا۔ وہ کسی دیہات میں اپنی زندگی کے دن گذاریگا۔ ہر ایک کی نظر میں وہ ایک صاحب اعزاز آدمی ہوگا۔ وہ ایک نیک اور مخیر آدمی کی حیثیت سے مشہور ہو کر اطمینان اور قناعت کی آغوش میں بوڑھا ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نے اپنے خیال میں اپنے سرمایہ کا کچھ روپیہ رفاہ عام کے کاموں کیلئے رکھ چھوڑا تھا۔

کوئی چوبیس گھنٹے تک وہ غور کرتا رہا کہ نوٹوں کے نمبر تو کسی کو معلوم نہیں ہیں اسکا اطمینان کر لینے کے بعد وہ سگریٹ پینے لگا۔

ریونیٹ کی بجائے کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس بارہ میں ایک آدھ قصہ گھڑ لیتا۔ لیکن اس نے سچ کہنے اور چوری کا اقرار کرنے کو ترجیح دی لیکن دوران مقدمہ میں جب اس پر جرم عائد کیا گیا تو دو لاکھ فرانک کے متعلق اس سے ایک لفظ بھی معلوم نہ کیا جاسکا۔ سوائے اسکے کہ اسنے اپنا یہ بیان دیا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں معلوم، میں ایک بنچ پر سو رہا تھا، جب نیند سے جاگا تو معلوم ہوا کہ چوروں نے صفایا کر دیا۔"

اس کی گذشتہ بیداغ زندگی کی بدولت اس کو صرف پانچ سال کی سزا ہوئی۔ سزا کا حکم سنتے وقت اوسکو ذرہ برابر بھی رنج کا احساس نہوا۔ اس کی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ چالیس پر وہ آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ مالدار بھی ہو جائیگا ایک روشن مستقبل کی امید میں یہ قید کو یا ایک چھوٹی سی

اسم قربانی تھی۔

قیدخانہ میں جہاں اس نے اپنی سزا بھگتی۔ وہ دوسروں کیلئے اسیطرح ایک عمدہ مثال تھا۔ جسطرح اپنی نوکری کے زمانہ میں ملازمت کیلئے۔ بغیر کسی قسم کی بے صبری اور اشتیاق رہائی کے اس نے اپنی قید کے سست رفتار ایام کو جسمانی صحت کی حفاظت میں گزار دئے۔

بالآخر اسکی رہائی کا دن آگیا۔ جیتے وقت اسکوا پنا مختصر سا ذاتی سازو سامان واپس ملگیا۔ جب وہ قیدخانے سے چلا ہے تو صرف ایک ہی خیال قانون داں کے پاس جانے کا اس کے دماغ میں جاگزین تھا۔ اگرچہ وہ راستہ ہی چل رہا ہے۔ لیکن پیش آنے والے نظارہ کو تصور کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

"میں جاؤنگا اور اس کے دفتر کے شاندار کمرہ میں گھس جاؤنگا۔ کیا وہ مجھے پہچانیگا؟ میں آئینہ میں اپنی صورت دیکھوں گا قطعی طور پر میں اب کسی قدر بوڑھا ہوگیا ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تجربہ کاری کے نقوش اب میرے چہرہ سے نمایاں ہیں۔ نہیں نہیں۔ وکیل اب مجھے بالکل نہیں پہچانے گا۔ بڑا مزا آئیگا۔

"جناب! کیا میں آپ کی کوئی خدمت بجا لا سکتا ہوں؟"

"میں اپنی ایک امانت لینے آیا ہوں جسے پانچ برس پیشتر آپ کے پاس رکھوایا تھا"

"کونسی امانت؟ کس کے نام پر؟"

"امانت نام پر جناب ...."

ریونیٹ یکایک رک گیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

"کیسی عجیب بات ہے میں اپنے دئیے ہوئے نام کو یاد بھی نہ رکھ سکا۔ اسنے اپنے حافظہ پر زور دیا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ ایک بنچ پر بیٹھکر آپ ہی آپ حجت کرنے لگا۔ لیکن اسکا جسم سرتاپا کپکپا رہا تھا۔

"آئیے۔ آئیے! باطمینان سے! جناب وہ شروع ہوتا ہے ...... کس حرف سے ...... وہ اپنی یاد کو تازہ کرنے کیلئے کوئی ایک گھنٹہ تک اپنے خیال میں کھویا سا رہا۔ گویا وہ کسی ایسے پتے یا اشارے کی تلاش میں ہے۔ جو اصل حقیقت کیطرف رہنمائی کرے۔ فضول کوشش میں وہ اپنا وقت خراب کر رہا تھا اوسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نام اس کے آگے پیچھے اور ادھر ادھر ناچ رہا ہے اور نام کے حروف سامنے اچھلتے کودتے نظر آرہے ہیں لیکن اوسکا تلفظ بالکل غائب تھا ہر سکنڈ پر وہ محسوس کرتا تھا کہ اس نے پالیا۔ وہ اسکی آنکھوں کے روبرو ہے اور اسکی زبان پر ہے۔ پہلے پہل اس غور و فکر نے تو اسے تھکا دیا لیکن بعد میں بڑھتے بڑھتے یہی چیز سخت جسمانی اذیت کی شکل میں پھوٹ پڑی گرم خون کی موجیں اس کے جسم میں نیچے اوپر دوڑنے لگیں، تمام رگ پٹھے اینٹھنے لگے۔ سکون کے ساتھ بیٹھنا اسکے لئے ناممکن ہوگیا۔ اگر ایک طرف اسکے ہاتھ سکڑ رہے تھے تو دوسری طرف اپنے ہونٹوں کو اپنے ہی دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ وہ اس ہیجان میں مبتلا تھا جو رونے اور لڑنے کے بیچ میں عموماً پیدا ہوجایا کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنی توجہ جسقدر زیادہ مبذول کرتا جاتا تھا اسی قدر بعید الحصول نظر آتا تھا۔ اس نے اپنے پاؤں کو زمین پر زور سے مارا اور اٹھکر بلند آواز سے کہنے لگا۔

"پریشانی سے کیا نتیجہ؟ یہ تو اور خرابی پیدا کرتی ہے۔ اگر میں غور و خوض چھوڑ دوں تو شاید نام خود بخود یاد آجائے لیکن ایک الجھن اسطریقہ پر نہیں سمجھائی جا سکتی۔ بے سود اس نے اپنی توجہ کو راہ روؤں کی طرف منعطف کردیا۔ کبھی وہ کانوں کے دریچوں کے پاس ٹھیر گیا۔ تو کبھی باہر پر شاہراہ پر کے شور و غوغا کو سنتا رہا اور وہ سب کچھ اسنے سنا جسے کبھی نہیں سننا چاہئے۔ اور وہ سب کچھ دیکھا جسے کچھ بھی نہیں دیکھنا چاہئے لیکن پھر بھی لاینحل معما جیسا تھا ویسا ہی باقی رہا۔

رات ہوئی تو تمام سڑک سنسان تھی وہ تھکا کر ایک ہوٹل میں آیا۔ اور ایک کمرہ کرایہ سے لیا۔ اوراسی طرح کپڑے پہنے بستر پر پڑا رہا۔ لیکن مسلسل کئی گھنٹوں تک اس کا دماغ اسی خیال میں مصروف رہا۔ علی الصباح اسکی آنکھ لگ گئی جب اٹھا تو خاصا دن چڑھ گیا تھا۔ چونکہ آرام کی نیند سو چکا تھا اس لئے دماغ اچھی طرح ہلکا ہوگیا تھا۔ لیکن یکایک اسی الجھن نے اسے پھر آدبایا۔

اب اسکے دماغی کرب اور بیچینی پر ایک اور نیا جذبہ غالب آنے لگا۔ اور وہ ایکطرح کا خوف اور ہیبت تھی نام کو کبھی نہ یاد کر سکنے کی۔ وہ اٹھا اور ادہر ادہر وکیل کے دفتر کے اطراف کئی گھنٹوں تک چکر لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ رات پھر آن موجود ہوئی اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور آہ و زاری کی آوازیں کہنے لگا "میں پاگل ہوجاؤنگا" اب یہ خوفناک خیال اسکے دل میں چھانے لگا۔ کہیں دو لاکھ فرانک کا مالک ہوں جسے میں نے بے ایمانی سے حاصل کیا ہے۔ لیکن وہ میری دسترس سے باہر ہے۔ محض اسی کے حاصل کرنے کیلئے میں نے پانچسال کی قید سخت کی مصیبت کو برداشت کیا ہے آہ! اس کے باوجود بھی وہ روپیہ میرا نہیں۔

اپنی جگہ پر پڑے ہوئے اوسکا انتظار کر رہے ہیں لیکن ایک لفظ اور صرف ایک لفظ ان دونوں کے درمیان حائل ہوکر رکاوٹ بن گیا ہے۔ حسین غالب آنا اب قطعی ناممکن بن گیا ہے۔ چنانچہ اپنی محبت کو متزلزل دیکھکر اوس نے اپنے سر پر خوب گھونسے جڑے اور ایک شرابی کیطرح جھکولے کھاتا ہوا قندیل کے کھمبے کے اطراف چکر لگاکر ایک پتھر سے ٹکرایا جو عمارت کے کونے پر اس کی حفاظت کیلئے نصب کیا گیا تھا۔ یہ الجھن کیا تھی اس کے لئے ایک بڑی مصیبت تھی جس نے ریونیٹ کو جنون مجسم بنادیا۔ اب اس کو یقین ہوچلا تھا کہ یہ نام اسکو کبھی یاد نہ آئیگا۔ اس کے تخیل نے ایک زہر فتنہ پیدا کیا جو اوسکے کانوں میں گونجنے لگا۔ اور سڑک پر لوگوں نے اوسکو غور سے دیکھا۔ وہ دوڑنے کی غرض سے جلد جلد قدم اٹھانے لگا، راہ روؤں سے ٹکراتا ہوا آمد و رفت سے بالکل بے خبر۔ اب اس کی عین آرزو تھی خود کو کسی طرح مار نے اور مرکھپ جانے کی .... ؟ .... ؟

اس کے سامنے دریائے سین اپنے ٹھہرے اور گدلے پانی میں روشن تاروں کو منعکس کرتا ہوا بہ رہا تھا۔ اس نے آہ بھرتے ہوئے ایک سسکی لی اور کہا ..... آہ وہ نام! وہ نام وہ ان سیڑھیوں سے اترا جو دریا میں جاتی تھیں۔ ہاتھ اور منہ کو دھونے کی غرض سے پانی پینے کیلئے ہانپتے کانپتے اپنے چہرے کو نیچے کی طرف جھکایا ہی تھا کہ پانی نے اسے کھینچنا شروع کیا ...... اس کی شعلہ وار آنکھوں کو ...... اس کے کانوں کو ...... اوسکے پورے جسم کو۔ دریا میں اس بری طرح پھسل کر گرا کہ اونچے کنارے کو پکڑنے کے قابل نہ تھا۔ یکایک ٹھنڈے پانی کے صدمہ نے اوسکے تمام رگ پٹھوں کو سنسنا دیا

وہ بہت پھڑپھڑایا اپنے اعضا کو پانی کے باہر دھکیلنے کی کوشش کی .... اپنا سر اوپر نکالا .... پانی کے اندر گیا .... اور پھر ایکبار سطح آب پر ابھر آیا۔ اور اپنی آنکھیں پھاڑکر گھورتے ہوئے بڑی کوشش کے ساتھ اس نے چلاکر کہا۔

"میں نے اسے پالیا .... مجھے بچاؤ! ڈورگر! ڈو ...."

دریا کا گھاٹ سنسان تھا۔ پانی کی موجیں پل کے تھموں سے آ آکر ٹکرا رہی تھیں۔ پانی آبشار بنکر گرتا تھا۔ پل کی تاریک کمان میں گونج پیدا ہوئی اور خاموش فضا میں نام دہرا دیا گیا۔ دریا چڑھ کر اتر گیا لیکن روشنیاں او سپر رقص کرتی تھیں، سنہری۔ اور روپہلی۔ اور جہازوں کے لنگر خانہ کے پاس موجیں کرارے کو آشنان کرا رہی تھیں۔

عالم تمام حلقہ دام سعادت تھا۔

ترجمہ
(از احمد عارف صاحب حیدرآبادی)

کوائف ہند

شاہی کمیشن

ہندوستان کی سیاسیات حاضرہ میں شاہی کمیشن (یا قانونی کمیشن) کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی موجودہ پیچیدگی کے مطالعہ میں اس کے ابتدائی حالات پر نظر ڈالنا لطف سے خالی نہ ہوگا۔

۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ یعنی قانون حکومت ہند (جو مانٹیگو چیمس فورڈ اسکیم یا مانٹ فورڈ اسکیم کے نام سے مشہور ہوا) کی رو سے ہندوستان کی حکومت میں ہندوستانیوں کو پہلے سے زیادہ موقع دیا گیا چنانچہ اسی بناء پر مجالس وزرا اور مجالس مقننہ کی تشکیل اور اہمیت پیدا ہوئی۔ یہ قانون بالفاظ حکومت برطانیہ، ہندوستان میں ایک ذمہ دار حکومت کے دیے جانے کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی قانون میں غور مکرر کیلئے یہ قرار دیا گیا تھا کہ دس سال کے بعد ہندوستان کی حکومت کے مسئلہ پر پھر غور کیا جائیگا۔ اگر مناسب سمجھا گیا تو اصلاحات میں اضافہ کیا جائیگا ورنہ یہی نافذ رکھا جائیگا۔

اس طرح قانون حکومت ہند کی میعاد ۱۹۲۹ء میں ختم ہوگی۔ یہ ضروری خیال کیا گیا کہ اس میعاد کے ختم سے پہلے اس قانون کی توسیع کے متعلق تصفیہ کیا جائے۔ چنانچہ وزارت ہند اور حکومت ہند میں گفت و شنید شروع ہوئی اور یہ طے پایا کہ ہندوستان کے حالات اور ضروریات پر غور کرنے کے لئے ملک معظم کی منظوری سے ایک کمیشن بنایا جائے جو ہندوستان میں تحقیقات کرے اور اپنی رائے حکومت کے سامنے پیش کرے۔

ہندوستان میں اس تصفیہ پر بہت چہ میگوئیاں ہوئیں کہ آیا اس شاہی کمیشن میں ہندوستانی ممبر بھی شریک رہیں گے یا نہیں غرض ایک سخت انتظار کے بعد معلوم ہوا کہ اس کمیشن میں کوئی ہندوستانی ممبر نہ ہوگا۔ حال ہی میں کمیشن کے ممبروں کے نام جو شائع ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) سر جان سائمن۔ صدر۔
(۲) کرنل جی۔ آر۔ لین فاکس۔
(۳) مسٹر اسٹیفن والش۔
(۴) لارڈ اسٹراتھ کونا۔
(۵) وائیکونٹ برن ہام۔ وغیرہ۔

کمیشن کے ارکان کے نام شائع ہونے سے پہلے ہندوستان کے اکابر اور زعماء میں اختلاف پیدا ہوا۔ کوئی کہتا تھا کہ کمیشن سے کامل مقاطعہ کیا جائے اور کوئی کہتا ہے کہ اس سے تعاون کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں غرض تمام اکابر کی رائے ایک نہ تھی لیکن جوں ہی کمیشن کے ارکان کا اعلان ہوگیا ملک میں آگ سی لگ گئی تقریباً تمام سیاسی فرقے اس رائے پر متحد ہیں کہ کمیشن ہندوستان کے لئے ایک ذلت ہے اس سے کامل مقاطعہ کرنا چاہیئے۔

مسز اینی بسنٹ اپنے طویل سفر سے واپس آئیں اور آتے ہی ہندوستان کی سیاست میں حصہ لینے کا ارادہ کرلیا۔ انہوں نے کانگرس سے اتحاد عمل کا اعلان کیا اور اب قانونی کمیشن کی مخالفت پر کمر بندھی ہے۔ ملک نے بہ یک زبان اس کمیشن کے کامل مقاطعہ کا تصفیہ کرلیا ہے اس مقاطعہ کو کامیاب بنانے کے لئے مسز اینی بسنٹ نے ایک دورہ کرنے کا تہیہ کیا ہے۔

ملک کے ہر ہر صوبہ میں کمیشن کے خلاف جلسے ہو رہے ہیں اور کمیشن سے مقاطعہ کرنے کی تحریکیں منظور ہو رہی ہیں۔ شکر ہے کہ ہمارے اس شور و غوغا کی آواز سات سمندر پار بھی پہنچ رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکومت انگلستان اس پر کان دھرتی بھی ہے یا حسب سابق کانوں میں روئی رکھے (روئی بھی ہندوستان ہی کی!) بیٹھی رہتی ہے۔

شاہی کمیشن کے متعلق مسز بسنٹ کے خیالات

مسز بسنٹ نے ٹیا بجور میں ۱۸ نومبر کو سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا "ایرلینڈ نے آزادی حاصل کرلی ہے اگرچہ وہ چھوٹا سا ملک ہے۔ ہندوستان کو حصول آزادی میں بحیثیت ایک بڑا ملک ہونے کے اس سے آسانی ہے۔ مگر یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ فرقہ وارانہ منافرت نہ مٹادی جائے۔ اس کے بعد انہوں نے برکن ہیڈ کے متعلق کہا کہ ان کے ماضی سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ وہ کسی اصول کے پابند نہیں۔ اس جلسہ نے مدراس کی تحریک بائیکاٹ سے اتفاق کیا۔

سر فضل حسین کے خیالات

سر فضل حسین کا خیال ہے کہ اگر مہاسبھا کمیشن کا بائیکاٹ کرے تو مسلمان بھی کرسکتے ہیں مگر ان کی رائے ہے کہ باوجود بائیکاٹ کے کمیشن اپنا کام کریگی۔

ضلع گوداوری میں خواتین کی کانفرنس

ضلع گوداوری میں خواتین کی تعلیمی کانفرنس ہوئی اس کی صدر بیگم صاحبہ امین تھیں۔ انہوں نے کہا خواتین کو عام تعلیم دیکر ان کے خیالات کو وسیع کرنا چاہیئے اس کیساتھ ہی لڑکیوں کو ورزش جسمانی کی تعلیم دینے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

شاہی کمیشن اور پٹنہ

بائیکاٹ کی تحریک کے متعلق پٹنہ میں ایک صوبہ کی کنونشن ڈسمبر کے پہلے ہفتہ میں منعقد ہوگی اس کے صدر غالباً سر علی امام ہوں گے۔ اس کنونشن میں ہر خیال اور عقیدہ کے لوگ شامل ہوں گے۔

سر عبدالرحیم اور شاہی کمیشن

کلکتہ ۱۵ نومبر کو سر عبدالرحیم نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا ہمیں ایسے کمیشن سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیئے جس میں مساوی درجہ اشتراک عمل کا ہمیں موقع نہیں دیا گیا ہے بلکہ ہمیں اور شیروں کی حیثیت سے ادنیٰ درجہ پر رکھا گیا ہے۔ اگر ہم کامیابی کے ساتھ اس کمیشن کا مقابلہ کرینگے تو میں کہونگا کہ ہم نے آزادی کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔

بمبئی اور شاہی کمیشن

بمبئی میں، کاوس جی، جہانگیر جی ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں ہر جماعت کے نمائندے شریک تھے جناح مسز نائیڈو وغیرہ نے تقریریں کیں شاہی کمیشن کے بائیکاٹ پر سب متفق ہوئے اس میں ہر فرقہ اور ملت کے لوگ ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے متفق تھے۔

ہز مجسٹی امیر امان اللہ خان کا استقبال

میونسپلٹی بمبئی اور کراچی میں ہز مجسٹی امیر امان اللہ خان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

سر اقبال کے خیالات

کمیشن میں ہندوستانی اراکین کی عدم شرکت کے متعلق علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ بہر حال کمیشن میں ہندوستانی اراکین نہ ہونیکے ایک بڑی حد تک ہم خود بھی ذمہ دار ہیں میرے خیال میں اگر ہندوستانی ان تمام واقعات پر ایک منصفانہ نظر ڈالیں جو گذشتہ دو چار سال میں پیش آئے تو انہیں کمیشن کی رکنیت سے محرومی کا خود راز معلوم ہوجائیگا۔

مجلس مشاورت تعلیمی ہند

(آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس)

مجلس مشاورت تعلیمی ہند کی مجلس استقبالیہ کے معتمد صاحب نے مجلس مشاورت کے اجلاس مدراس کے متعلق ضروری امور کا ایک اعلان روانہ کیا ہے جو حضرات اس میں شرکت فرمانا چاہتے ہوں ان کو ضرور اس سے آگاہ رہنا چاہیئے

از جانب استقبالیہ کمیٹی اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۲۷ء

(مقام مدراس)

(۱) جیسا کہ پیشتر اعلان ہو چکا ہے آیندہ اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ڈسمبر ۱۹۲۷ء کو بمقام مدراس منعقد ہوگا۔ اجلاس کے صدر آنریبل سر شیخ محمد عبد القادر صاحب ممبر اکزیکیوٹو کونسل صوبہ پنجاب منتخب ہوئے ہیں۔

(۲) علاوہ عام اجلاس کانفرنس اوس کے حسب ذیل شعبہ جات کے بھی اجلاس ہوں گے۔

(الف) شعبہ اردو کا اجلاس زیر صدارت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔

(ب) شعبہ تعلیم نسوان کا اجلاس زیر صدارت امین الملک میر حمزہ حسین صاحب سابق دیوان ریاست میسور۔

(ج) شعبہ اصلاح تمدن کا اجلاس زیر صدارت آنریبل ڈاکٹر سید شاہ سلیمان صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد۔

(۳) مقام اجلاس ویلنگٹن تھیٹر واقع ماونٹ روڈ تجویز کیا گیا ہے۔ یہ مرکزی مقام ہے۔ یہاں برقی ٹرام، موٹر بس، اور ٹیکسی ہر قسم کی سواریاں دستیاب ہوتی ہیں۔ انگریزی ہوٹل بھی اس کے قریب ہیں۔

(۴) جو صاحب کسی ہوٹل میں قیام فرمانا چاہیں وہ اپنے ارادہ سے خاکسار آنریری سکرٹری کو ۱۵ ڈسمبر آیندہ سے قبل اطلاع دیں۔ ورنہ اون کے واسطے انتظام قیام ہوٹل ناممکن ہوگا۔ ہوٹل میں قیام کی فیس معہ طعام بارہ روپیہ سے پندرہ روپیہ تک یومیہ ہوگی

(۵) دیگر ممبران و زیٹران سے قیام کے متعلق کوئی فیس نہیں لی جاویگی۔ مگر طعام کی فیس بارہ آنے فی وقت ہوگی

(۶) جو حضرات صوبہ مدراس کے علاوہ شمالی ہندوستان یا ریاست حیدرآباد سے تشریف لاویں گے اون کو اونکے مذاق کے موافق کہانا دیا جاوے گا۔ یعنی اونکے کہانے میں بریانی، زردہ، قورمہ اور نان شامل ہوگی۔ جو صاحب صوبہ مدراس سے تشریف لاوینگے اون کو اون کے مذاق کے موافق بریانی اور بورانی یا چٹنی اور دالچہ یعنی گوشت جس میں دال و ترکاری پڑی ہو معہ ایک میٹھی چیز مثل زردہ وغیرہ کے دیا جائیگا۔ مقام مدراس کے اعتبار سے یہ نرخ گران نہیں ہے۔

(۷) توقع کیجاتی ہے کہ جناب صدر آنریبل سر شیخ محمد عبد القادر صاحب کے ہمراہ ایک بڑی تعداد زندہ دلان پنجاب کی اور مسٹر جسٹس ڈاکٹر سید شاہ سلیمان صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے ہمراہ ایک جماعت کثیر بزرگان صوبہ متحدہ اور بہار کی اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ہمراہ ایک بڑی جماعت بزرگان ریاست حیدرآباد کی تشریف لاویگی، اور آئندہ اجلاس کانفرنس ہر لحاظ سے نہایت کامیاب اور مسلمانوں کے واسطے مفید ثابت ہوگا۔

(۸) اجلاس کانفرنس کے متعلق دیگر اطلاعات آنریری سکرٹری استقبالیہ کمیٹی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

خادم
عبد الحمید حسن۔ آنریری سکرٹری استقبالیہ کمیٹی
اجلاس کانفرنس نمبر ۲ رانیارا اسٹریٹ مدراس

بیرونی خبریں

لیبر پارٹی اور شاہی کمیشن کا بائکاٹ

فری پریس کے نمایندے سے کسی ایک لیبر پارٹی کے لیڈر رون نے کہا کہ ہم ہندوستان کی موجودہ تحریک کو دلچسپی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی آیندہ دستور ہند میں مساوی حیثیت سے حصہ لینا چاہتے ہیں برطانوی مزدور جماعت، کو اس سے ہمدردی ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ محض کمیشن کے بائکاٹ میں مفید ہونا کوئی بات نہیں۔ البتہ اگر دونوں قومیں ملکر کوئی تعمیری کام کریں تو انہیں سوراج ملنے میں آسانی ہوسکتی ہے۔

ڈاکٹر انصاری اور ایوان عام

ایوان عام میں ارل آف ونٹرٹن نے مسٹر جانسن کا جواب دیتے ہوئے کہا، ڈاکٹر انصاری نے ہندوستان کے آئندہ دستور کے متعلق جو تجویز پیش کی ہے وہ تین سال کے عرصہ میں ایک سے زیادہ دفعہ پیش ہو چکی ہیں۔ یہ تجویز جیسا کہ لارڈ برکن ہیڈ کا خیال ہے۔ ہندوستان کے اکٹ کے خلاف ہے۔ ارل آف ونٹرٹن نے کہا اس کے متعلق اس وقت تحریک پیش کی جائے جب اس کا رزولیوشن پیش ہو۔

کمانڈر کن ورتھی کے خیالات

کمانڈر کن ورتھی نے فری پریس کے نمایندے سے کہا کہ کمیشن میں نہ صرف ہندوستان کے نمایندوں کو شریک کرنا چاہیئے بلکہ دیسی ریاستوں سے بھی نمایندوں کو شرکت کی دعوت دینی چاہیئے کیوں کہ انہیں بھی ہندوستان کے مستقبل اور اس کے سرسبزی سے گہری دلچسپی ہے ان کے خیال میں لیبر اراکین کا انتخاب کمیشن کیلئے بہت اچھا ہے مگر وہ بائیکاٹ کو پسند نہیں کرتے۔ وہ ہندوستان کے لیڈروں کو اس پر خاص طور سے غور کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں

عدم اعتماد کی تحریک

دار العلوم کے اجلاس میں " مزدوروں کی جماعت

(بقیہ بر کالم ۲)

(بقیہ از کالم ۳)

نے حکومت پر عدم اعتماد کی تحریک پیش کی کیونکہ تجارتی اور خاصکر کان کنوں کے معاملہ میں لاپروائی کی گئی تھی۔ جلسہ میں اس قدر ہنگامہ ہوا کہ وہ ملتوی کر دیا گیا۔

مراکو کا جدید سلطان

مولائے یوسف شاہ مراکو کی وفات کی وجہ ان کا تیسرا لڑکا سدی عمر تخت نشین ہوا ہے۔

ترکی پبلک بنک

پبلک بنک نے ترکی کے ان زراعت پیشہ لوگوں کو جو انگوروں اور روئی کی کاشت کرتے ہیں زیادہ عرصہ کے لئے قلیل شرح سود پر قرضے دئے جانے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ انہیں مہاجنوں کے پنجہ سے نجات ملے۔

(الاتحاد قاہرہ)

روئداد انجمن صفۃ الاسلام بابتہ سنہ ۱۳۳۶ف کا

ایک جزئیہ یتیم خانہ غربا

انجمن صفۃ الاسلام میں منجملہ دیگر علمی شعبوں کے ایک سراپا خیر مجسم شعبہ یعنی یتیم خانہ بھی عملاً موجود ہے جس میں یتامی اور غربائے متوسلین صفۃ الاسلام کے ذی عمر بچے مذہبی و صنعتی تعلیم کے لئے مناسب مدت تک نہایت شفقت کے ساتھ زیر تربیت رکھے جاتے ہیں اس یتیم خانہ کے ہر طالب علم کی حسب ذیل سامان کے ساتھ سالتمام میں سربراہی کیجاتی ہے

ملبوس کلاہ پارچہ (۴) کرتے (۴) پائجامہ (۴) کمربند (۴) نیم آستین (۲) دستی (۲) لونگی (۱)

فل ڈریس ہر طالب علم کے لئے فوجی بیجکانی فل ڈریس بھی ہے۔ فوجی بگل باجہ اور عربی دستی وغیرہ بھی موجود ہیں۔ طلبہ اس کو ڈرل کے مظاہرہ یا کسی تقریب کے وقت تماشہ و تفریح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

فرش و پوشش سفر و پوشش چٹائی۔ شطرنجی۔ چادر۔ بلاکٹ۔ تکیہ۔

اسباب تعلیم کتب نصاب۔ دوات و قلم سلیٹ۔ کاغذ تختی چوبی۔ روشنائی پنسل وغیرہ

اثاثہ

صندوق چوبی۔ قفل۔ رکابی۔ کٹوڑہ۔ چمچہ۔ تشتری۔ گلاس۔ مسواک۔

تزئینات

منجن و سرمہ (صبح و شام یومیہ) صابون و عطر (جمعہ واری)

خوراک

کھانا دو وقت طلبہ کو کھلایا جاتا ہے۔ موسم سرما میں ناشتہ بھی کرایا جاتا ہے۔ دعوتیں کثرت سے آتی ہیں۔ موسمی میوہ جات اور اقسام کی اعلیٰ طعامی نعمتیں ارباب کرم سے طلبہ کو مرحمت ہوا کرتی ہیں۔!

نوٹ

(۱) اس یتیم خانہ میں مذہبی و صنعتی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ دینیہ اور ایک دار الصنعت تعلیمی بھی قائم کیا گیا ہے۔

نوٹ۔ (۲) تفصیلی روئداد دفتر صفۃ الاسلام متصل مغلپورہ سے طلب فرمائیے!

دعا گو عبد المجید ناظم صفۃ الاسلام

العذر عند کرام الناس مقبول

۲۲ سہ جمادی الاول ۱۳۴۲ کو میر عالم کے تالاب میں جو پیراکی کی نمائش ہونے والی تھی وہ حسب الحکم سرکار حسین ساگر کو منتقل ہوگئی

اسلئے پبلک سے استدعا ہے کہ

زحمت سابقہ کا قصور جو اتفاقاً ہوا معاف فرمائیں

اور

۲۹ ماہ حال روز جمعہ کو (۱۲) بجے تالاب میر عالم پر تشریف لاکر خادم اور تلامذہ کی شناوری ملاحظہ فرمائیں گے۔

خاکسار

سید محمد یوسف حسن

میر پیراک

حیدرآباد دکن

ست پچن

السلام علیکم!

اپنی نوعیت میں سب سے پہلی اور نرالی کتاب ہے جسکا مقصد اولین صلح کل ہے اس میں وید اور شاستروں سے اسلامی اصول صوم و صلوٰۃ حج و زکوٰۃ وضو تیمم جملہ امور شرعیہ ثابت کئے ہیں نیز ہر بانئے مذہب کی سوانح عمری بھی تحریر کیگئی ہے جس سے عجیب عجیب انکشافات کا انکشاف ہوتا ہے۔ احکام کی مماثلت صاف بتاری ہے کہ ہر مذہب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ نود دو نام باری تعالیٰ شانہٗ ویدوں سے اخذ کرکے اسمار عربی کے محاذی موثر حرف لکھے گئے ہیں سیکھ برکہ تحسن وبدوہ ربیت شکر وغیرہ کو ازروئے لغت عربی ثابت کیاگیا ہے ہر باب حیرت انگیز معلومات سے مملو ہے فی الحال حصہ اول کتاب لندیا آدم سٹیک طبع ہوئی ہے عالیجناب ہز ایکسلنسی اپرہ اجایان مہاراجہ صدر اعظم بہادر دام اقبالہ کے اسم گرامی سے معنون ہے یقین ہے کہ جسطرح صاحب معز نالس نا چیز تصنیف کو پسند فرمایا ہے۔ جناب بھی اسکے مطالعہ سے محظوظ ہونگے۔ یہ تقریباً چھ جز مجلد قیمت فی جلد ایک روپیہ رعایت۔ درصاحت [illegible] طلب فرمانیکے [illegible] محصول ڈاک معاف۔ اور پانچ جلد کے خریدار کو ایک نسخہ مفت نذر ہوگی۔ قرۃ العین یہ سرمہ کوتا ہمیوں کے حملوں کو دفع کرتا ہے اسکے لگاتے ہی آنکھوں میں برف کھلنے کی خنکی محسوس ہوتی ہے قیمت فی تولہ (عہ) جو برسوں کیلئے کافی ہوگا۔

پتہ جانان سید محمد علی محلہ مفتی علم کوچہ نقشبندی حیدرآباد دکن۔

مجلہ عثمانیہ

کلیہ جامعہ عثمانیہ کا

سہ ماہی علمی و ادبی رسالہ

مجلہ عثمانیہ جس پایہ کا رسالہ ہے اس سے ملک اچھی طرح آگاہ ہے۔ اگر آپ نے نہ دیکھا ہو تو موجودہ نمبر سے فوراً خریدار بن جائیے۔

چندہ سالانہ (للعہ) طلبائے قدیم سے (صہ)

محمد عبد الجلیل بی۔ اے منتظم مجلہ عثمانیہ حیدرآباد

اخبار شوکت الاسلام

ہفتہ وار حیدرآباد دکن کا

معراج نمبر مورخہ ۲۶ ماہ رجب ۱۳۴۲ کو حضور نظام دکن کا سالگرہ نمبر مورخہ یکم رجب ۱۳۴۲ کو تعداد پانچ پانچ ہزار میں چکنے زرد کاغذ پر شائع ہوگا۔

علم دوست حضرات سے امید کی جاتی ہے کہ اپنے اپنے مضامین نظم و نثر جلد روانہ فرماوے نمونہ کا پرچہ (ار) سالانہ چندہ اخبار (عہ)

تجارت کی

ترقی و شہرت کے لئے اچھا موقع ہے۔

رعایتی نرخنامہ

تجارتی فی صفحہ ایک بار کے لئے مبلغ (للعہ)

نصف صفحہ (۱۲) پاؤ صفحہ (عہ) فی سطر کالم (۸/)

ضمیمہ تقسیم کرانی فی صدی (عہ) مخفی نہ رہے کہ ہر دو نمبروں میں اگر اشتہار طبع کروانا ہو تو مندرجہ نرخنامہ کے حساب سے ذیل اجرت اشتہارات آنی چاہیئے

حاجی کرتان محمد بشیر الدین احمد قادری آزاد

ایڈیٹر اخبار شوکت الاسلام بمقام حاجی کرتان منزل حیدرآباد دکن

کتب خانہ تجارتی سید عبدالقادر کبسلر و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

مطبوعہ رجسٹرات و فارمس ہر دفتر کے کارآمد خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت کوتوالی وغیرہ وغیرہ کے تیار ہیں جسکی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کر کے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے۔

ارژنگ خیال یعنی کلیات حضرت ضامن صاحب کنتوری۔ یہ اردو بہترین دیوان ہے۔ قسم اول اصلی (سے) رعایتی (عہ) قسم دوم اصلی (عماں) رعایتی (عہ)

مآثر دکن متضمن برحالات عمارات و آثار بلدہ حیدرآباد و مقامات بلدہ مولفہ سید علی صاحب اصغر بلگرامی آصفجاہی ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی۔ کاغذ چھپائی دیدہ زیب مجموعی صفحات (۱۵۱) تصاویر (۵۷) قیمت مجلد (ے) علاوہ محصولڈاک

جواہر التفسیر عربی قلمی از ملا حسین بن علی (الواعظہ کاشفی حسب ایما شاہ نظام الدین) محررہ سنہ سبع و ستین و ثمانیہ ہجری نبویہ مجلد (۵۵)

نوٹس آن اسلام بزبان انگریزی۔ اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات عربی کی شرح انگریزی میں کیگئی ہے۔ مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب خلف عالیجناب مولانا احمد حسین صاحب کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ (نواب امین جنگ بہادر) نے مختصر نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے قیمت (عہ)

البیان کا ترجمہ نہایت سلیس اور بامحاورہ انگریزی میں کیا گیا ہے۔ مصنفہ عالیجناب مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی دہلوی۔ قیمت عـہ

کتبخانہ قدیم یہ کتب خانہ قدیم میں، اکثر و بیشتر کتب عربی و قلمی موجود ہیں۔ بہت سی فہرست چار آنہ کے ٹکٹ آنے پر وصول ہونے پر بلاقیمت روانہ کیجائیگی۔

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت (۱۲/۶)

جدید تاریخ ہند برائے مڈل و عثمانیہ میٹرک قیمت (عہ)

جدید جغرافیہ دنیا برائے " " قیمت (عہ)

مولفہ مولوی سید شرف الدین صاحب قادری بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ عادل آباد

رعایتی فہرست

قرآن شریف پانچ ترجمہ والے ہیں (خط واضح اور صاف ہے چھپائی اچھی ہے) ان میں سے دو فارسی ہیں جن میں سے ایک فارسی شیخ سعدی رح دوسرا ترجمہ فارسی خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا ہے۔ اور تین اردو کے ترجموں میں ایک ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ دوسرا مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی تیسرا حضرت حکیم الامت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تہانوی کا ہے اس کے ساتھ حاشیہ پر کامل اردو تفسیر مسمی بہ احسن التفاسیر چڑہا دی گئی ہے یہ تفسیر حضرت مولانا احمد حسین صاحب دہلوی مرحوم کی تالیف ہے مختصر جامع ہے کاغذ بھی اچھا ہے شناد یدہ زیب ہے۔ مطبوعہ دہلی کتب خانہ ہذا میں اس قرآن شریف کے زیادہ تعداد میں نسخہ رکھے گئے ہیں۔ اصلی ہدیہ (سـہ) کلدار تھا (عـہ) حالی۔ عمدہ جلد کے ہے اس کا ہدیہ

فتاوی عثمانیہ سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلا کے لئے معلومات فقہ بہم پہونچانے کے لئے بیحد مفید ہے۔ (یہ کتاب امتحان وکالت درجہ اول میں منظورہ ہے) کاغذ چکنا چھپائی نفیس ہے مولفہ مولانا مظہر الحق صاحب انصاری وکیل درجہ اول ملک سرکار عالی قیمت اصلی (سے) رعایتی (عہ) روپیہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک بہت کم نسخہ رہ گئے ہیں جلد طلب فرمائیں ورنہ دوسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

(ان سب کی تعداد بہت کم ہے اور) کئی وجہ سے جلد ختم ہو جائینگے امید کہ شائقین حضرات اس موقع کو غنیمت اور آرڈر میں عجلت فرمادیں گے۔

صنمخانہ عشق یہ نعتیہ کلام حضرت امیر مینائی صاحب مغفور کا بہترین دیوان ہے۔ قیمت (عماں) رعایتی (عماں) سکہ عثمانیہ یا انگلشیہ

عبرتکدہ سندھ یہ وہ تاریخ حیدرآباد سندھ کی ہے (حسب الارشاد مولوی اسداللہ صاحب عرف میر تراب وظیفہ یاب اول تعلقدار سرکار عالی) جس کو مولوی سید محمد ضامن صاحب کنتوری مصنف ارمغان فرنگ و طریق سعادت اول و دوم نے اصل انگریزی کتاب ڈری یو زفرم سنگ کینٹ سے ترجمہ کیا قیمت (للعہ) رعایتی (عماں)

تعلیم الاخلاق بہترین اخلاقی مضامین کا ذخیرہ بزبان اردو نظم و نثر مولفہ ناظم الاخلاق مولانا ذہین قیمت رعایتی (۱۲/)

خلاصہ جغرافیہ عالم سوالات و جوابات میٹرکیولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت (عہ) رعایتی (عہ)

اردو اٹلس رنگین ملک سرکار عالی جس میں ضلعواری نقشہ جات مع تاریخی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس قیمت (عماں) رعایتی (عہ)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	ما/عـہ	ما/سـہ	قـعـہ	سـہ	عـہ
نصف صفحہ	ما/سـہ	ـعـہ	للعـہ	ـعـہ	لـے
ربع صفحہ	ـعـہ	للعـہ	ـعـہ	عـہ	للعہ
ایک کالم	لعـہ	صـہ	سـہ	ـعـہ	صـ
نصف کالم	صـہ	سـہ	عـہ	ـے	ـے
ربع کالم	سـہ	عـہ	ـعـہ	مـہ	عماں

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائے گا۔

کتبخانہ تجارتی سید عبد الرزاق کبلا اینڈ پبلشر و مالک رزاقی مشین پریس چارمینار حیدرآباد دکن

معجز نما متوسط قرآن شریف مترجم بدو ترجمہ

ترجمہ اول رئیس الفقہاء والمحدثین مولانا مولوی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا ہے۔

ترجمہ دوم حکیم الامۃ مولانا مولوی حضرت شاہ اشرف علی صاحب تہانوی قادری چشتی کا جو تحت لفظاً ہونے کے باوجود با محاورہ سلیس اردو میں ہے ہدیہ مجلد (عـ)

معجز نما حمائل شریف مترجم ترجمہ حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی شاہ اشرف علی صاحب تہانوی حاشیہ پر تفسیر کبیر ہے مجلد ہدیہ (صہ)

معجز نما پنجسورہ مترجم شاہ رفیع الدین صاحب تختی متوسط مجلد حنا شدہ ہدیہ (۱۲/)

نسخہ صحیحہ دلائل الخیرات مع حزب البحر و قصیدہ بردہ ترجمہ اردو از مولانا مولوی ابوالحسن صاحب نقشبندی کا مجلد تختی متوسط حاشیہ پر تفسیر کاغذ اور طباعت عمدہ ہدیہ (ـہ)

قرآن شریف اکتالیس خوبیاں والا مترجم مولوی اشرف علی صاحب تہانوی کا جدید نمونہ پر نہایت صحت کیساتھ نئی طرز پر جو اتنیک کسی مطابع میں اس خوبی کیساتھ طبع نہیں ہوا ہے ہر ختم پارہ پر علحدہ علحدہ نقشہ جات مقدس دیدہ زیب ہیں۔ تختی متوسط ہے۔ کاغذ چکنا دبیز مجلد (صہ)

قرآن شریف مترجم متوسط ترجمہ اردو بین السطور مولانا نذیر احمد صاحب کاغذ اور طباعت نہایت عمدہ ہے ہدیہ (ـ)

ترجمہ مقابل صفحہ پر مثل اردو کتاب کے مطالعہ فرما سکتے ہیں کاغذ اور طباعت نہایت صاف ہے۔ ہدیہ (ـ)

حمائل شریف چھوٹی تختی پر واضح خط میں دبیز کاغذ پر نہایت عمدہ مطبوعہ ہے ہدیہ (ـ)

قرآن مجید مترجم کلاں ترجمہ نذیر احمد صاحب خط نہایت جلی کاغذ دبیز (ـ)

قرآن شریف مترجم ہر سہ زبان پارہ علحدہ بخط گلزار نہایت جلی قلم بہت ہی قدیم ہے۔ جو فی زمانہ نایاب ہے۔ عام ہدیہ (ـ) روپیہ ہدیہ رعایتی (ـ) سکہ عثمانیہ۔

قرآن شریف مترجم انگریزی جو فی زمانہ نایاب ہی نہیں بلکہ قابل دید ہے اس مختصر فہرست میں اسکی تعریف کرنا ناممکن ہے۔ کاغذ اور خط نہایت مضبوط اور واضح ہے۔ جلد مطلع ہے ہدیہ (ـ)

سیرۃ النبی

حصہ اول جس میں از ولادت تا ختم سلسلہ غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ تاریخ عرب قبل بعثت ضخامت (۵۵۹) کاغذ قسم دوم مجلد تقطیع خورد قیمت (ـ)

حصہ دوم - از سنہ ہجری تا سنہ ہجری۔ اقامت امن۔ تاسیس خلافت اشاعت اسلام۔ انتظامات مذہبی تکمیل شریعت۔ حجۃ الوداع۔ وفات شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد مطہرہ کا مختصر تذکرہ ہے تقطیع خورد صفحے (۴۳۸) کاغذ قسم دوم قیمت مجلد (ـ)

حصہ سوم جس کے مقدمہ میں معجزہ کی حقیقت، اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیم۔ علم کلام۔ فلسفہ جدید اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے بسوط بحث و تبصرہ ہیں۔ اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمہ الٰہی وحی، نزول، ملائکہ۔ عالم رویا۔ معراج اور شرح صدر کا بیان ہے پھر وہ آیات معجزات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے۔ اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں اور جن کے حوالے قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے۔ تقطیع کلاں کاغذ قسم دوم مجلد (ـ)

لغات جدیدہ - چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری قیمت (ـ)

سیر الانصار

حصہ اول انصار کرام کی مستند سوانح عمریاں اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے اور ان کے فضائل اور کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہیں حجم (۳۶۰) صفحے قیمت (ـ)

حصہ دوم انصار کرام کے بقیہ حالات زندگی اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے ضخامت (۱۸۰) صفحے قیمت (ـ)

دیوان غالب اردو مطبوعہ۔ آفتاب برلن۔ پاکٹ تقطیع نہایت خوبصورت۔ ٹائپ بہترین کاغذ مضبوط جلد ولن سرخ قیمت (ـ)

حکمت عملی فن اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب قیمت (ـ)

تصوف اسلام اسلامی تصوف کا "عطر" اور عہد بعہد کے ایک ایک امام تصوف کی سوانح عمری اور ان کی تصانیف کے حقائق کا بیان ضخامت (۱۲۸) صفحے قیمت (ـ)

مخزن حکمت یا گھر کا ڈاکٹر طبع پنجم مولفہ شمس الاطبا ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب نے یہ جدید اڈیشن تقریباً از سر نو لکھی ہے اور طبع چہارم کی نسبت اس میں سب سے مفید اضافات کئے گئے ہیں یعنی اس میں ۱۹۳۵ء تک کی تمام جدید معلومات کا اور کئی ایک جدید امراض کا اور اکثر امراض کے نئے نئے مفید اور مجرب معالجات اور مجرب نسخہ جات اضافہ کیا ہے جس سے یہ کتاب پہلے کی نسبت بدرجہا مفید بن گئی ہے جلد اول و دوم مجلد قیمت (ـ)

مخزن العلاج مولفہ ڈاکٹر غلام جیلانی خانصاحب۔ یہ اپنی طرز کی نئی کتاب ہے جس میں تمام امراض کے طبی و ڈاکٹری مترادف نام اور ہر مرض کے اسباب و علامات اور تشخیص نہایت تحقیق و صحت کے ساتھ درج کئے ہیں علاوہ اس کے مشہور حاذق اطبا کے مجربات بھی لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب موجود ہو تو پھر کسی اور طبی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قیمت مجلد (ـ)

سید عبد القادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چارمینار حیدرآباد دکن میں طبع کر کے شائع کیا

عدد ۳
جلد ۱

سید وقار احمد ایم۔ اے

مدیران

محمد حبیب اللہ رشدی ایم۔ اے

مضمون خاص

ڈنمارک کے زراعتی حالات

(ازمولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن)

نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی

قیمت فی پرچہ ۲/۶ ۸ر

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چارمینار حیدرآباد دکن

چندہ

ہندوستان کے لئے مع محصولڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	۸ے
سہ ماہی	عاں
فی پرچہ	۲ر۶ر

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائے

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحے کے حجم پر شائع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شائع ہونگی

منیجر

سعیِ پیہم ترازوئے کم و کیفِ حیات　　تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

عدد ۳　حیدرآباد دکن : دوشنبہ ۳ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ م ۲۸ نومبر ۱۹۲۷ء م ۲۲ دی ۱۳۳۷ف　جلد ۱

شذرات

"غریب کی مدد غریب ہی کرتا ہے"
اس ضرب المثل کی صداقت دنیا
میں لا تعداد مرتبہ آزمائی گئی ہوگی ۔ مگر خود
انگلستان نے اس کو ایک سے زیادہ مرتبہ
غلط ثابت کیا

اب سے کچھ سال پہلے جب انگلستان
میں مزدور جماعت کو سیاسی قوت حاصل ہوئی تو
ہندوستان میں بڑی خوشی منائی ۔ مسٹر
رامزے میکڈونلڈ کے وزیر ہونے کی تمنائیں
کی گئیں ۔ خدا نے وہ تمنائیں پوری کیں ۔
مزدوروں کے لیڈر برسر اقتدار آئے ۔
اس وقت ہندوستان کی سیاسی زبان پر مذکورہ
بالا ضرب المثل کا کلمہ جاری تھا ۔ خود مہاتما گاندھی
نے بھی ان سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ رکھی
تھیں ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انگلستان میں یہ
ضرب المثل رائج تو ہے مگر لائق عملدرآمد نہیں ۔
مسٹر میکڈونلڈ ہندستان کے ساتھ کیا
احساں کرتے جب خود اپنے ملک اور اپنی
پارٹی کے دعدوں کو وہ ڈاوننگ اسٹریٹ
کی بھول بھلیاں میں بھلا چکے تھے ۔ اسطرح
انگلستان میں یہ غلط ہے کہ ۔
"غریب کی مدد غریب ہی کرتا ہے"
بلکہ وہاں کے لئے یہ ضرب المثل ٹھیک پڑے گی ۔
کہ غریب کی مدد کوئی نہیں کرتا ہے "

انگلستان کی موجودہ قدامت پرست
وزارت جب قانونی کمیشن بنانے لگی تو معلوم تھا کہ
ہندوستان کے نالوں کا شور وغوغا "زمزمۂ عیش کیلئے
اعتبار نغمہ" رکھیگا ۔ مگر ساتھ ہی اتنا خیال ضرور تھا
پارلیمنٹ میں جب یہ سوال پیش ہوگا تو مزدور جماعت
ہندوستان کے مفاد کے خاطر نہ سہی بلکہ اپنے
مخالفوں کی مخالفت ہی کی خاطر، نمکی کی دوستی کیلئے نہیں،
زید کی دشمنی ہی کیلئے قانونی کمیشن کی مخالفت کرے گی
مگر دارالعلوم میں کمشن بل کی "تیسری قرأت بھی ہوگئی اور
غریبوں کے غریب آقا مونچھوں پر تاو دیتے بیٹھے ہی
رہے ۔

ہمارے ایک دوست انگلستان سے
خط میں لکھتے ہیں ۔
" پنڈت موتی لال نہرو کا یہاں بہت
اچھا اثر قائم ہوا ہے مسٹر سکلتوالا بھی کمیشن بل
کے خلاف کوشش کر رہے ہیں ....
...... غرض ہندوستان کا طوطی بول رہا ہے
امید ہے کہ عنقریب بہت اچھے نتائج ظہور پذیر
ہونگے .... " بے شک پارلیمنٹ میں مسٹر
سکلتوالا نے کمیشن کے خلاف صدا بلند کی اسطرح
ہندوستان کا طوطی ضرور بول رہا ہے ۔ مگر
نقار خانہ میں !

نظام گزٹ

ہفت وار

دوشنبہ ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ ہجری

قانونی کمیشن

قانونی کمیشن کے اعلان پر ہندوستان کے اتنے رنج اور غصہ کے اظہار پر امید تھی کہ کچھ اثر پارلیمنٹ کی چار دیواری تک پہنچے گا اور ہم بڑے شوق سے اس کے منتظر تھے کہ دیکھیں کمیشن بل پر دار العوام میں کیا دقتیں پیدا ہوتی ہیں بڑی امید ہمیں مزدور جماعت سے تھی کہ اس کے صدر مسٹر میکڈونلڈ ضرور اس بے انصافی پر اعتراض کریں گے اور اپنے نمایندوں کو کمیشن کی شرکت سے باز رکھیں گے۔

مگر ہوا وہی جو پہلے سے بعض دور بیں مدیروں نے خیال کیا تھا کمیشن بل کو ارل ونٹرٹن نے دار العوام میں پیش کرتے ہوئے ایک طویل تقریر کی جس میں آپ نے کہا جس وقت ابتدا میں ہم انگریزوں نے ہندوستان کی حکومت قبول کی اور خاص کر قلیل التعداد جماعتوں کے حکمران بن گئے اس کے متعلق بہت غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کو مصر یا آئرلینڈ سے مثال دینی کسی طرح مناسب نہیں۔ کیوں کہ جنوبی آئرلینڈ اور مصر میں زیادہ تر لوگ ایک قوم و مذہب سے تعلق رکھتے ہیں برخلاف اس کے ہندوستان ایک چھوٹا سا براعظم ہے اگر تم مصر کا مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ مصر میں ہندوستان کے اچھوتوں کی طرح برہمنوں کے پاؤں پر نہیں گرتے مصر کا ملکی مذہب اسلام ہے جس میں سب قانوناً مساوی درجہ رکھتے ہیں اب جنوبی آئرلینڈ کی مثال لیجئے۔ شمالی ہند میں جو مسلم اور غیر مسلم میں لڑائیاں ہوتی ہیں ان کا نام و نشان بھی پراٹسٹنٹ اور کیتھولک میں سننے میں نہیں آتا میں ہندوستان کی توہین کرنا نہیں چاہتا مگر اس قسم کے مباحثوں میں واقعات کا اظہار ضروری ہے۔

رائل کمیشن کے ممبروں کا انتخاب اس کے متعلق ایکٹ سنہ ۱۹۱۹ء کے تحت ہے اور کل دار العلوم میں مخالف جماعت کے امراء نے بھی بکر لارڈ ہنسبورڈ بھی اسے تسلیم کر چکے ہیں کہ ایکٹ سنہ ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ کے ممبروں کے تقرر کی ہدایت ہے جن کا نام لارڈ برکن ہیڈ نے تجویز کیا ہے۔

ایک ایسا شخص جو ہندوستان سے ذرا بھی واقف ہے یہ بات خیال میں بھی نہیں لا سکتا کہ صرف دو ہندوستانی خواہ ان کی قابلیت کتنی ہی مسلمہ کیوں نہ ہو، ہندوستان کے اہم سیاسی، قومی اور اقتصادی مسائل کی نمایندگی کریں گے وہ سوائے اس کے کچھ نہ کر سکیں گے کہ اپنے مطالبات پیش کر دیں جو ان کے ہم وطن بھی آسانی پیش کر سکتے ہیں۔ ہندوستانی مجالس قانون ساز کے نمایندے کمیشن پر جتنا اثر ڈال سکیں گے اس سے زیادہ اثر ڈالنا ان نمایندوں کے لئے ممکن نہ ہوگا۔

مجالس قانون ساز کے نمایندوں کو اس کا موقع حاصل ہوگا کہ وہ اپنے مطالبات پوری قوت کے ساتھ پیش کر سکیں۔ ہندوستانی مجلس قانون ساز کے نمایندے یا عام ہندوستانی ایک یا دو نمایندوں سے مطمئن نہ ہوں گے۔"

اسی طرح ارل ونٹرٹن اور پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ممکن ہے کہ پبلک زندگی میں ایک شخص صرف حقائق و واقعات پر اپنی رائے قائم کیا کرے اور اسی کے ساتھ اس کے دل سے ہندوستان کا خیال ایک لمحے کے لئے بھی دور نہ ہو۔ اور نہ ہندوستانی مقاصد کے ساتھ اس کی ہمدردی ہو"

انہوں نے کہا کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ پارلیمنٹ اپنے منتخب نمایندوں کے ذریعہ سے جو کمیشن میں شریک ہوں گے ان لاکھوں ہندوستانیوں کے خیالات سے براہ راست واقفیت حاصل کرے اور کیا مسٹر اسٹیفن داش اور میجر اٹلی کا رد یہ قلیل التعداد مسلمانوں اور لاکھوں اچھوتوں کے ساتھ اس سے کم ہمدردانہ ہوگا جتنا کہ کثیر التعداد ہندوؤں یا برہمنوں کا ہو سکتا ہے روز بروز اس امر کی شہادت ملتی جا رہی ہے کہ کمیشن کے خلاف بعض ایسے ہندوستانیوں نے جو ہمیشہ حکومت کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں اور جن کا انہیں حق حاصل ہے بڑی شد و مد کے ساتھ جو پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہے وہ ہندوستانیوں کی اس کثیر جماعت کے اصلی خیالات کی نمایندگی نہیں کرتا جو ان معاملات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

ارل ونٹرٹن کی ساری تقریر کا ماحصل یہی ہے کہ ہندوستان میں چونکہ اتحاد نہیں ہے اور مذاہب مختلف ہیں اس لئے ان لوگوں کے لئے وہ اصول نہیں استعمال کئے جا سکتے جو مصر اور آئرلینڈ میں کئے گئے ظاہر ہے کہ جو کچھ تقریر ارل ونٹرٹن نے کی وہ ہندوستان کی موجودہ حالات کے لحاظ سے تمام اراکین پارلیمنٹ نے منظور کر لی۔ جیسا کہ سر اقبال نے کمیشن کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ اس ساری خرابی کے باعث ہم ہی ہیں اگر ہم اپنے آپس کے مناقشوں کو دور کر دیتے اور ایک ہی مقصد کو پیش نظر رکھتے تو آج ہم پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ارل ونٹرٹن کی تقریر اس طرح کامیاب رہتی۔ اب بھی موقع ہے کہ ہندو مسلمان ایک دل ہو جائیں تو ہندوستان کو آزادی حاصل کرنے میں کوئی سد راہ باقی نہیں رہے گی۔ اور آئے دن کے جنگ و جدل سے جو ملک میں بے اطمینانی اور بے اعتمادی پھیلی ہوئی ہے وہ آرام و سکون سے متبدل ہو جائے گی۔

لیکن ساتھ ہی ہم ان انصاف کے بندوں سے کچھ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا انصاف اسی کا نام ہے کہ کسی قوم کی قسمت کا آپ فیصلہ کرنا چاہیں اور اس کی کثیر جماعت سے کچھ مشورہ نہ کریں؟ مانا کہ ہم میں فرقہ وارانہ منافرت ہے مگر جس زمانہ میں ہم میں کامل اتحاد تھا آپ نے کتنی مہربانی کی کہ ڈائر اور اوڈوائر جیسے فرشتوں کو ہندوستان پر رحمت اور برکت کے پھول برسانے کے لئے بھیجا۔

تو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے

نواب عماد الملک بہادر اور دیسی شہزادوں کی تعلیم

نواب عماد الملک بہادر مرحوم نے اپنے خطبات میں دیسی شہزادوں کی تعلیم کے متعلق نہایت مفید مشورے دئے ہیں۔ ہم اس کا اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں

ہندوستان کے دیسی شہزادے جو آیندہ اپنے ملک کے ہزاروں لوگوں پر حکمران ہوں گے! ان کی تعلیم ہندوستانیوں کی سی ہونی چاہئے نہ کہ یوروپین طرز تعلیم۔ ابتدا ہی میں انہیں اپنے مذہب، قصص اور روایات سے واقف کرا دینا چاہئے یہی چیزیں ان کے کردار کے بنانے میں بڑی ممد و معاون ہوتی ہیں۔

شہزادوں کو آغاز ہی میں مادری زبان میں مذہبی کتب وغیرہ پڑھانا چاہئے۔ ان کو گھوڑے کی سواری اور کھیلوں کا شوق دلانا چاہئے۔ ان کے کمروں کو نہایت صاف رکھنا چاہئے۔

انگریزی تعلیم بارہ سال کے سن سے شروع کرنی چاہئے۔ جب ان میں انگریزی سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو جائے تو ان کی توجہ تاریخ وغیرہ کی طرف منعطف کرانی چاہیے جب شہزادوں کی عمر سن تمیز کو پہنچ جائے انہیں بری صحبتوں اور مشتبہ عورتوں سے بچانا چاہئے ان کی شادی ۱۸ یا ۲۰ سال کی عمر میں اپنے ہی خاندان یا اپنی حیثیت کے موافق کسی اعلیٰ خاندان سے کرنی چاہئے انہیں شراب اور بدکردار عورتوں سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ ان میں سے اگر کسی کی جانب لاپروائی کی جائے تو ان کے کردار کو خراب کرنے کے لئے کافی ہے۔

ان تمام باتوں کا ہونا کوئی مشکل امر نہیں ہے صرف انتخاب اعلیٰ لوگوں کا ہونا چاہئے۔ . . . . . .

(خطبات (انگریزی) مرتبہ ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ)

ڈنمارک کے زراعتی حالات

از

مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن)

(نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی)

سلطنت ڈنمارک جو کسی زمانے میں عظیم الشان اور وسیع سلطنت تھی اور جس میں ملک ناروے اور سویڈن بھی شامل تھے اب ایک چھوٹی سی زراعتی ریاست رہ گئی ہے جس کا مجموعی رقبہ ۱۶ ہزار ۵ سو مربع میل ہے۔ یعنی ہمارے صوبہ اورنگ آباد سے بھی کم ہے اگر براعظم یورپ کے آپ نقشے پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جزیرہ نمائے یولینڈ اور متعدد جزائر کا مجموعہ ڈنمارک ہے۔ اس چھوٹے سے ملک کی مردم شماری صرف ½ ۳ ملیون ہے جو ہماری ریاست کی مردم شماری کی چوتھائی ہے جو ۱۲ ملیون ہے۔

اس کی سالانہ آمدنی (تقریباً ۴۴ کروڑ کرونز ہے جو ہماری ریاست سے کئی گونہ زیادہ ہے (کرونز تقریباً ایک روپیہ دو آنہ حالی کے برابر ہوتا ہے)

میں نے ابھی اوپر عرض کیا ہے کہ۔ ڈنمارک ایک زراعتی ملک ہے۔ اس میں صنعت و حرفت برائے نام ہے اور جو کچھ دولت ملک میں پیدا کی گئی اور پیدا کی جاتی ہے اس کا ذریعہ صرف زراعت ہے۔ آج سے پچاس یا ساٹھ سال قبل ڈنمارک ایک مفلس ترین ملک تھا۔ پیداوار اور آمدنی بالکل قلیل تھی لیکن آج وہی ملک تمام یورپ خصوصاً انگلستان کے مایحتاج کا مخزن ہے انگلستان میں سالانہ جتنا مکھن۔ سور کا گوشت اور انڈے وغیرہ صرف ہوتے ہیں اس کا دو ثلث حصہ ڈنمارک مہیا کرتا ہے۔

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک چھوٹا ملک جس کا اس قدر کم رقبہ اور کم مردم شماری ہو محض زراعت کے ذریعے کس طرح اس قدر متمول ہوگیا اور کثیر دولت پیدا کر سکا۔

یہ خیال نہ کیجئے کہ اہل ڈنمارک نے پھولوں کی سیج پر آرام عیش و عشرت کی زندگی بسر کرکے یہ ترقی۔ یہ دولت اور فراغت حاصل کی۔ نہیں ایسا نہیں۔ انہوں نے ڈنمارک کی مٹی میں اپنا پسینہ بلکہ اپنا خون ملادیا تب کہیں آج انہیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

اس ملک پر قدرت کے برکات اس فیاضی سے نازل نہیں ہوئے جیسے کہ اس کے اطراف و اکناف کے ممالک پر ہوئے۔ اس ملک کی زراعتی ترقی کی تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے فطری موانعات اور مشکلات اس ملک میں ہمیشہ قائم رہے اور ہیں اور باوجود ان مشکلات کے اہل ڈنمارک نے ذہنی قابلیت اور محنت سے تمام مشکلات کو حل کیا اور بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ لیس الانسان الا ماسعی کے حقیقی معنے مجھے ڈنمارک کے حالات دیکھنے کے بعد سمجھ میں آئے۔ اس ملک کی زراعتی تاریخ گویا ایک ایسی جنگ کی تاریخ ہے۔ جس میں فطرت اور انسان میں لڑائی ہوئی اور انسان نے عقل کی بدولت دو تین نسلوں میں فطرت پر فتح پائی اور اسی زمین سے جو آج سے ایک صدی قبل ایک لق و دق جنگل سمجھی جاتی تھی چاندی اور سونا اگایا۔

اب میں ان چند مشکلات کا ذکر کرتا ہوں جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے۔

(۱) یہ ملک اکثر و بیشتر مسطح اور سمندر کے لیول سے صرف ۹۵ فٹ بلند ہے اور چونکہ چاروں طرف سمندر سے گھرا ہوا ہے اس لئے ہمیشہ سمندر کی موجیں آ آکر زمین کو میلوں برباد کیا کرتی ہیں۔

(۲) سطحی زمین کمزور اور اکثر حصص میں تو بالکل بیکار تھی جو ایک قسم کی چکنی مٹی اور پتھروں پر مشتمل تھی اس کے علاوہ سینکڑوں میل ریتلی زمین ہے۔ مثلاً یولینڈ کا وہ وسیع رقبہ جس پر سوائے ایک قسم کی معمولی گھاس کے جس کو (Heather) کہا جاتا ہے اور کچھ اگ نہ سکتا تھا

ان ریتلے حصوں کو (Sanddunes) کہا جاتا ہے۔

(۳) اور چند سال قبل یولینڈ میں سمندر کے کنارے سے اندرون ۰ میل تک (Sanddunes) پھیلے ہوئے تھے اور جن کا طول تقریباً ۲۰۰ میل تھا یہ حصے ایسے ریگستانی اور خشک تھے کہ ان میں بود و باش ممکن نہ تھی اگرچہ اس وقت بہت کچھ حصہ کاشت اور چراگاہ کے قابل بنا لیا گیا ہے تاہم ابھی میلون ریت کے میدان ہیں۔ مثلاً بلادن ہوک سے سکاگن تک یہ حالت ہے کہ ریت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

(۴) اکثر جزائر دلدلوں پر شامل تھے جس پر نہ انسان آباد ہو سکتے تھے۔ اور نہ زراعت ہو سکتی تھی۔

(۵) زمین خراب ہونے سے جنگلوں کا وجود نہ تھا ملک کی حالت ایک چٹیل میدان کی سی تھی جس میں سوائے (Heather) گھانس کے کچھ اور درخت نہ تھے۔

(۶) جنگلوں کے نہ ہونے سے ملک ہر طرف سے سمندر کی ہواؤں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ تیز و تند۔ سرد و مرطوب ہوائیں سمندر سے آتیں اور کاشت کو تباہ و برباد کردیتی تھیں۔

(۷) ملک میں کوئی ایسا دریا نہیں جو آبپاشی کیلئے مفید ہو۔ سب سے بڑا دریا ڈنمارک میں گودینا ہے جو یولینڈ میں واقع ہے اور جس کا طول ۸۰ میل ہے۔

(۸) ان سب مشکلات پر طرہ یہ ہے کہ موسم بھی ناموافق ہے۔ جو بہت ٹھنڈا تو نہیں لیکن سمندر کی ہواؤں کی وجہ کسی قدر سرد اور مرطوب ہے۔ سال میں ۹۹ روز فاگ موجود رہتی ہے اور سال تمام میں ۵۰ دن سے زائد دھوپ نہیں نکلتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر کاشت کی دروں میں مشکلات واقع ہوتی ہیں اور سال میں ۹ مہینے مویشیوں کو چرنے کے لئے باہر نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ گھروں ہی میں رکھکر انہیں چارا ڈالنا پڑتا ہے۔

ان قدرتی مشکلات کے علاوہ ملک کا سیاسی اور سماجی مطلع بھی ابر آلود تھا۔ ۱۸ صدی کے وسط تک سیاسی قوت بادشاہ۔ امراء زمینداران اور جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی اور ان لوگوں نے اپنے ذاتی منفعت کے لئے کسانوں کی حالت ناقابل بیان کر رکھی تھی۔ تقریباً تمام قابل زراعت اراضی بادشاہ اور امراء اور جاگیرداروں کے قبضے میں آچکے تھے۔ کسانوں کی حیثیت مثل غلاموں اور مزدوروں کے ہوگئی تھی کہ یہ بیچارے جس علاقے میں پیدا ہوتے وہیں ۴ سال کی عمر سے ۳۵ سال تک رہتے اور بادشاہ یا جاگیرداروں کے لئے کاشت اور دوسرے محنت کے کام کرتے اور جب یہ غلامی کا زمانہ ختم ہوجاتا یعنی ۳۵ سال ختم ہوجاتے تو پھر ان کو امیر زمینداروں سے چھوٹے چھوٹے قطعات نہایت کٹھن اور سخت شرائط پر لینا پڑتا۔ منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہوا کرتی کہ سال میں کئی روز یہ لوگ اپنے متعلقات کام چھوڑ کر جاگیردار کی خاص مقبوضہ زمینات پر بلا اجرت

کام کریں۔ اس کے علاوہ انہیں بہت سارے رسوم جاگیرانہ ادا کرنے پڑتے تھے۔

۱۸۴۹ء تک ڈنمارک میں غیر محدود شاہی تھی۔

سیاسی حکومت چونکہ بادشاہ اور جاگیرداروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں تھی۔ عوام یا کاشتکاروں کو اس میں مطلق دخل نہیں تھا۔ اس لئے ان کی نجات کی کوئی صورت نہ بنتی تھی۔ پارلیمنٹ کچھ اس طرح بادشاہ اور جاگیرداران اور عہدہ داران کے زیر اثر تھی کہ اگر کوئی زراعتی اصلاح عمل میں لاتی بھی تو وہ کاشتکاروں کی فلاح اور بہبود کا باعث نہ ہوتی بلکہ زمینداروں اور جاگیرداروں ہی کے مفید مطلب ثابت ہوتی الغرض انیسویں صدی کے اوائل تک کاشتکاروں کی جماعت کی حالت مشکل شودر کے رہی کہ یہ غریب انسان حیوانوں کی طرح جاگیرداروں اور عہدہ داروں کے مظالم صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے ان شبینہ کے لئے ان کے محتاج اور دست نگر تھے۔ چونکہ یہ تعلیم یافتہ نہ تھے اس لئے ان میں نہ تو کسی قسم کی بیداری آسکتی تھی اور نہ سائنٹفک زراعتی طریقوں سے واقف ہو سکتے تھے۔ جو کچھ زراعت کرتے وہ قدیم طریقوں سے کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آمدنی بہت قلیل اور محدود ہوتی اور بمشکل ان کی اور ان کے متعلقین کی زندگی بسر ہو سکتی تھی۔

ان اندرونی سیاسی مصائب کے علاوہ ملک پر بیرونی آفات بھی جنگ کی شکل میں نازل ہوئے پہلی ڈینو جرمن جنگ سنہ ۱۸۴۸ء میں چھڑی اور سنہ ۱۸۵۰ء تک جاری رہی اس کے بعد پھر سنہ ۱۸۶۴ء میں جرمنی سے دوسری جنگ ہوئی جس میں ڈنمارک کو شکست ہوئی اور سلیوگ ہانس ٹامینی کا قبضہ جاتا رہا اور تمام قوم پر ایک عام پستی اور مایوسی کا عالم چھا گیا اور قوم مردہ اور بے جان ہو گئی۔

سماجی مشکل ڈنمارک میں یہ ظاہر ہوئی کہ ۱۸۰۰ء میں جب کہ شاہی فرمان کے ذریعہ کاشتکاروں کو امراء و جاگیرداران کی غلامی سے نجات ملی تو انہوں نے زراعت کے خلاف ایک زبردست نفرت کا مظاہرہ کیا۔ ان میں ایک خاص تنفر اور ضد (Reaction) پیدا ہوئی اور یہ لوگ زمین چھوڑ کر دوسرے ذرائع محنت و مزدوری کی تلاش میں شہروں کا رخ کرنے لگے چنانچہ ۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان پائے تخت کوپن ہاگن کی آبادی میں بحساب فی دس ہزار ۳۲۵ جانوں کا اضافہ ہونے لگا اور یہی حال دوسرے بڑے شہروں کا ہوا۔ شہروں کی جانب کاشتکاروں کے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو زراعت کی حالت ابتر اور زمینیں بیکار ہو گئیں دوسری طرف ان شہروں میں نو وارد کاشتکاروں کے لئے کوئی کام نہ نکلنے سے بیکاروں (Unemployed) کی تعداد میں خطرناک اضافہ ہوا جس کی تعداد ایک زمانے میں ۸۰ ہزار تک پہنچ گئی جو ایک ایسے ملک کے لئے جس کی مجموعی مردم شماری ۳½ ملین ہو بہت ہی زیادہ تھی۔ زراعت کی خرابی اور کثیر نفوس کی بیکاری سے ملک میں جو اقتصادی اور سماجی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ تمام نمایاں ہو گئیں تعلیم کے فقدان کی وجہ سے کاشتکاروں پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور جہالت اور افلاس کے سبب سے ان کا طرز معاشرت اور طریقہ زندگی نہایت گرا ہوا تھا ایک عجائب خانہ میں میں نے دیکھا کہ منجملہ اور چیزوں کے ایک صد سالہ قبل کے کسان کے گھر کا اصلی نمونہ بھی بنایا گیا ہے۔ یہ ایک کمرے پر مشتمل ہے جس کا طول تقریباً ۱۲ فٹ اور عرض ۱۰ یا ۱۱ فٹ ہے۔ مٹی کی دیوار اور سفال پوش چھت ہے۔ زمین پر پتھر کا فرش مدار دہ۔ اس مکان کی عام وضع قطع ہمارے یہاں کے موجودہ کسانوں کی جھونپڑیوں سے بہت ملتی جلتی ہے۔ کوئی زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کمرے کے ایک حصہ میں کسان اور اس کے متعلقین سویا کرتے اور اسی میں پکاتے کھاتے اصول حفظان صحت اور صفائی سے ان کو مطلق واقفیت نہ تھی۔

الغرض آج سے ایک صدی قبل تک ڈنمارک کی یہ حالت تھی کہ تمام ملک سیاسی۔ اقتصادی اور سماجی خرابیوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہر قسم کی امیدیں منقطع ہو گئیں تھیں اور سوائے بربادی کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن ایسے وقت میں جب کہ ظاہری حالات و اسباب بتلا رہے تھے کہ قوم مردہ ہو گئی اور ہمیشہ کیلئے فنا ہونے کو ہے۔ یکایک کایا پلٹ ہو گئی اور بمصداق اذا اراد اللہ شیئاً ھیّا اسبابہ مردہ قوم میں چند محبان قوم اور فدائیان وطن کمر ہمت باندھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی قم باذن اللہ کی صدائیں فضائے ملک میں ایسی گونجیں کہ چند ہی روز میں سسکتی ہوئی اور نیم جاں بلکہ مردہ قوم میں یہ روح پھونکی کہ پھر یہ قوم از سر نو زندہ ہو گئی اور اپنے پیروں آپ کھڑی ہو گئی اور ایسی کھڑی ہوئی کہ آج باوجود بیسیوں سیاسی اور اقتصادی انقلابات کے جو یورپ میں نمایاں ہوئے اس کو کوئی چیز ہلا نہ سکی اور آج وہی ڈنمارک ہمیں ایک نہایت مہذب۔ تعلیم یافتہ۔ دولتمند ملک نظر آ رہا ہے۔ ان بزرگان قوم نے یہ کوشش شروع کی کہ قوم میں تعلیم عام ہونی چاہئے اور پھر یہ تعلیم ایسی ہو کہ قوم کو آزاد خیال اور عالم باعمل بنا سکے اور یہ کہ آئندہ قوم کی حفاظت اور استحکام کے لئے اہل قوم میں خدا، گھر اور وطن کی محبت پیدا کی جائے اور یہ کہ اصلاح کی بنیاد چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں ڈالی جائے نہ کہ بڑے شہروں میں ہی۔

اب میں ان اصطلاحات اور ان کوششوں کو بیان کرتا ہوں جن سے ڈنمارک قعر ہلاکت و تباہی سے نکل کر شاہراہ ترقی پر لگا اور بالآخر ترقی کی معراج پر پہونچ گیا۔

جب کسی ملک و قوم کی بہتری اور بھلائی کا وقت آتا ہے تو متعدد اصلاحات شروع ہوتی ہیں اور وقت واحد میں سب کام کرنا اور اپنا اثر دکھانا شروع کرتی ہیں مثلاً سیاسی۔ اقتصادی۔ تعلیمی۔ سماجی وغیرہ ایسا ہی ڈنمارک میں ہوا کہ جب اس کی ترقی کا وقت آیا تو ان تمام اصلاحات کا آغاز ہوا اور وقت واحد میں یہ پہلو بہ پہلو کام کرنے لگے۔

سب سے پہلے میں سیاسی اصلاحات کا ذکر کرونگا اس کے بعد زراعتی۔ پھر تعلیمی و سماجی انقلابات بیان کروں گا۔

(۱) ۱۷۸۴ء میں ڈنمارک میں جو پہلی سیاسی اصلاح عمل میں آئی وہ یہ تھی کہ بادشاہ نے اپنی خوشی سے شاہی وسیع زمینات کے ٹکڑے کرکے ملک کو دے دئے تاکہ یہ رعایا میں تقسیم کر دئے جائیں اور یہ لق و دق میدان جو بیکار پڑے ہوئے تھے زیر کاشت آ جائیں۔

(۲) دوسری عظیم الشان اصلاح ۱۷۸۸ء میں واقع ہوئی وہ یہ کہ حکومت نے قانون کے ذریعہ طریقہ زراعتی غلامی (Villinage) کو یک لخت بند کر دیا اور (ملکیت مطلقہ) (Freehold) کا طریقہ جاری کیا اگر آپ ڈنمارک جائیں تو وسط کوپن ہیگن میں ایک شاہراہ پر ایک ستون کھڑا ہوا آپ کو نظر آئے گا جو اس واقعہ کی یادگار میں نصب کیا گیا ہے اور جس پر یہ الفاظ کندہ ہیں "بادشاہ نے محسوس کیا کہ سیاسی آزادی افراد ملک کے دلوں میں ملک کی محبت۔ اس کی حفاظت کا جوش۔ تعلیم کا شوق۔ محنت سے دلچسپی اور ترقی اور آسایش کی امیدیں پیدا کرتی ہے اس لئے بادشاہ حکم دیتا ہے کہ "زراعتی غلامی" موقوف ہو اور قوانین حصول اراضی کی تنظیم کی جائے تاکہ آزاد کاشتکاروں کے حوصلے بڑھیں اور وہ بیدار مغز محنتی۔ شریف اور خوش حال باشندے ہو جائیں"

اگرچہ نپولین کی لڑائیوں اور ڈینو جرمن جنگ کی وجہ سے ملک میں بہت سے سیاسی اور اقتصادی زلزلے آئے لیکن یہ اصلاحات کو روکنے کے بدلے قوت اور تیزی کے ساتھ ان کے آگے بڑھنے کا سبب ہوتے گئے اگرچہ اٹھارویں صدی کے اختتام تک بہت سی ایسی اصلاحیں عمل میں آ چکی تھیں کہ جن سے کاشتکاروں کی حالت بہت کچھ درست ہو گئی اور وہ حالت باقی نہ رہی جو سو سال قبل تھی۔ مثلاً "زراعتی غلامی" کا طریقہ مفقود ہو گیا۔ کسان جو ایک "زراعتی غلام" تھا "مالک مطلق" ہو گیا۔ تاہم کسانوں کو پوری آزادی اور سیاسی حقوق بیسویں صدی میں حاصل ہوئے۔

۱۸۳۰ء تک سیاسی قوت قدیم (Conservative Party) خیال کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی اس سال سے آزاد خیال (Liberal party) پارٹی قائم ہوئی اور اپنے سیاسیات کی اشاعت ملک میں شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۴۹ء میں بادشاہ نے "نیا دستور (Constitution) منظور کیا۔ اور غیر محدود شاہی ختم ہوئی۔

اس کے بعد دوسرا سیاسی انقلاب واقع ہوا۔ یعنی

سنہ ۱۸۶۴ء میں ڈینو جرمن جنگ واقع ہوئی جس میں ڈنمارک کو
شکست ہوئی اور قوم کو اخلاقی، مالی اور سیاسی عظیم صدمہ
پہونچا۔ لیکن اس صدمے نے قوم کو پست ہمت کرنے کے عوض
قوم میں ایک تازہ جان ڈالدی اور بہت بڑے سیاسی اور
اخلاقی انقلابات کا باعث ہوا۔ اخلاقی انقلاب یہ ہوا کہ بہت
سارے قدیم رسوم توہمات اور خیالات یک لخت ترک کر دئے
گئے۔ سیاسی انقلاب یہ عمل میں آیا کہ سیاسی قوت اب تک جو
آزاد خیال ملک کے خوش حال اور ذی اثر اشخاص کے ہاتھ میں تھی
ان سے لے لی گئی اور تاریخ ڈنمارک میں پہلی دفعہ کاشتکار سیاسی
میدان میں آکھڑے ہوئے اور اپنے حقوق اور سیاسی قوت اور
پارلیمنٹ کے داخلہ کے لئے باضابطہ اور منظم جنگ شروع کی۔
انہوں نے کہا کہ اس وقت تک سیاسی قوت تمہارے پاس رہی لیکن
افسوس کہ تم اس کو عمدگی اور کامیابی سے کام میں نہ لاسکے۔ تمہاری
پالیسی خصوصاً خارجی (foreign policy) پالیسی ناکامیاب رہی
ملک پر جنگ کی مصیبت آپڑی اور ملک کا ایک حصہ ہاتھ سے
گیا۔ ہم اس وقت تک بے دخل رہے۔ ہماری حیثیت تماشہ بین
کی رہی۔ لاؤ اب وہ سیاسی قوت ہمیں دو اور دیکھو کہ کیا کر
دکھاتے ہیں۔ ذرا ہماری قابلیت کو بھی دیکھو اور اگر تم یوں نہ
مانوگے تو ہم تمہیں منوائیں گے اور سیاسی قوت تم سے لے کر
رہیں گے۔

یہ سیاسی جد و جہد اس وقت سے سنہ ۱۹۱۵ء تک برابر جاری
رہی اور بالآخر اس سال مساوی حقوق قوم کو ملے اور اس طرح
کاشتکاروں کو بھی حکومت یعنی پارلیمنٹ میں داخل ہونے کا موقع
ملا اور اب ڈنمارک میں سیاسی قوت بالکلیہ کاشتکاروں کے
ہاتھ میں ہے اور پارلیمنٹ میں ان کی تعداد کثرت سے ہے۔

اس سیاسی جنگ کا حال جو سنہ ۱۸۶۴ء سے سنہ ۱۹۱۵ء تک
مختلف پارٹیوں کے درمیان ڈنمارک میں جاری رہی اور جس میں
کاشتکاروں نے بھی حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی نہایت دلچسپ ہے
لیکن طوالت کے خیال سے میں اس کو ترک کرتا ہوں۔

جس وقت ملک میں سیاسی ہیجان جاری تھا اور سیاسی
اصلاحات انقلابات عمل میں آرہے تھے تو اس کے ساتھ ساتھ
ہی کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوگئے تھے جو زراعتی اصلاحات کی
جانب متوجہ ہوگئے تھے اور اپنا کام کر رہے تھے۔ میں نے اس
مضمون کے ابتدائی حصوں میں تفصیل سے فطری اور قدرتی موانع
کا ذکر کیا ہے جو آج سے تقریباً ایک صدی قبل ڈنمارک میں موجود
تھے یعنی ملک کا دریا کے لیول کے تقریباً برابر ہونا۔ زمین کا کمزور
ہونا ملک میں ریتیلے چٹیل میدانوں اور دلدلوں کا کثرت سے وجود
سمندر کی برباد کن تند ہوائیں۔ ذرائع آبپاشی کا فقدان۔ موسم کی
خرابی وغیرہ۔ اب میں بیان کرتا ہوں کہ ان مشکلات کا مقابلہ
ایک ایک کرکے اہل ڈنمارک نے کس طرح کیا اور کیوں کر کامیابی
حاصل کی اور ۵۰ یا ۶۰ سال کی مدت میں ڈنمارک کو یورپ کا بہترین
زراعتی ملک قرار دیا۔ جب محبان قوم اور بہی خواہان ملک نے
ملک کے ان قدرتی مشکلات اور اس خسارے پر غور کیا جو سلیسوگ
اور ہالسٹن کے جرمنی کے قبضے میں چلے جانے سے عاید ہوا تھا
تو انہوں نے فوراً یہ رائے قائم کر لی کہ ملک کو ایسے آڑے وقت
تباہی سے بچانے کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے وہ
یہ ہے کہ موجودہ زمین کو قابل کاشت کیا جائے اور ممکنہ ایکر
اس کام میں لگائے جائیں۔ اور اہل وہ خصوصاً طبقہ مزارعین
کو جو شہروں کی طرف پریشان حال بھاگے جا رہے ہیں پھر
کاشت میں مشغول کیا جائے اور ان میں اور ان کی آنے والی
نسلوں میں زمین کی محبت اور زمین کی قدر و قیمت پیدا کیجائے
چنانچہ ان ہستیوں نے ایسا ہی کیا اور کامیاب ہوے۔

جہاں آج سے ۵۰ یا ۶۰ سال قبل چٹیل میدان تھے
وہاں آج لہلہاتے ہوئے کھیت اور بڑے بڑے درختوں کے
گھنے جنگل نظر آتے ہیں اور ان میں جا بجا ان بزرگ ہستیوں کی
مورتیں دکھائی دیتی ہیں جنہوں نے اپنی عمریں اس کام کے لئے
وقف کر دی تھیں اور بلا کسی قسم کے اجر و صلے کے محض قومی
نجات کے لئے اس مشکل کام کا بیڑا اٹھایا تھا۔

(۱) سب سے پہلے جو کام شروع کیا گیا وہ پریری زمین
اور دلدلوں اور ریتیلے میدانوں کو قابل کاشت بنانے کا تھا

اٹھارویں صدی کے وسط میں اس کام کا آغاز ہوا اور
کئی آزمائشیں کی گئیں لیکن ناکامیاب رہیں۔ مثلاً ان میں ایک
آزمائش یہ تھی کہ حکومت کی مدد اور منظوری سے سنہ ۱۷۵۹ء
میں ایک ہزار جرمن اس کام کے لئے بلوائے گئے اور یولینڈ
میں ایک بہت بڑا رقبہ انہیں دیا گیا۔ ان کے لئے سرکاری
طور پر مکانات بنائے گئے اور انہیں کہا گیا کہ یہاں آباد
ہوں اور افتادہ زمین کو قابل کاشت بنائیں۔

اہل ڈنمارک کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ موسم
اور آب و ہوا اور دوسرے پست کن خیالات سے جرمن
بہت جلد گھبرا گئے اور رو بفرار ہوئے۔ میں نے اپنے دورے
میں ان مکانات کا معائنہ کیا جن کے اطراف و اکناف کی
زمینات اب خود اہل ڈنمارک کی بعد کی کوششوں سے سبزہ زار
بنے ہوئے ہیں اور ایک بہت بڑے تاریخی واقعے کو یاد
دلاتے ہیں۔

اس کے بعد اور بہت سی کوششیں حکومت نے کیں لیکن
سب رائیگاں گئیں یہاں تک کہ ایک نیا طبقہ پیدا ہوا
جس کا رہنما اور لیڈر کرنل ای۔ ایم ڈیلیگاس تھا۔ اس
گروہ کے لوگ تقریباً موجودہ سائنس سے واقف اور ماہر تھے
اور انہوں نے از سر نو ایک باضابطہ جنگ شروع کی۔

کرنل ڈیلیگاس کو جو سرکاری فوج کا ایک انجنیر تھا
حکومت نے حکم دیا کہ وہ یولینڈ میں ایک بڑی شاہراہ کی
تعمیر کرے جو یولینڈ کے بعض مشہور مقامات کو ملا سکے۔
ڈیلیگاس جب اس سڑک کی تعمیر میں مشغول تھا تو اس کے
ذہن میں خیالات پیدا ہوئے کہ پھر گزشتہ کوششوں کے
سلسلے کو شروع کرنا چاہئے اور اس کام کے لئے ایک سوسائٹی
قائم کرنی چاہئے جس کے اراکین اہل ملک ہوں اور بقدر
ضرورت حکومت سے امداد لی جائے۔ چنانچہ اس ارادے کو
اس نے عملی جامہ پہنایا اور سنہ ۱۸۶۶ء میں اس نے اور اس کے
ساتھیوں نے جن میں قابل الذکر موریز پیسرسن، ڈاوسن
اور ساروں ہیں ایک سوسائٹی قائم کی اور اس کا نام
Danish Health cultivation
society رکھا۔ اس سوسائٹی کے مقاصد
حسب ذیل قرار دئے گئے۔

(۱) ویران زمینات کو آباد کرنا اور چٹیل میدانوں میں
درخت لگانا۔

(۲) افتادہ اور کمزور زمینوں کو مختلف طریقوں سے
قابل کاشت بنانا۔

(۳) دلدلوں کو خشک کرنا اور پیٹ* کی صنعت کو فروغ
دینا۔

(۴) آبپاشی کے ذرائع پیدا کرنا اور دریاؤں کے
پانی کی سطح کو زمینات متصلہ سے نیچے کرنا۔

ابتداً اس سوسائٹی کی مخالفت کی گئی۔ چونکہ پچھلے
تجربے تلخ ہو چکے تھے اس لئے اس سوسائٹی کے اغراض و
مقاصد کو لوگوں نے بدگمانی سے دیکھا اور مضحکہ اڑایا لیکن
ڈیلیگاس کی شخصیت اور ہمت نے ملک کی مخالفت کو
بہت جلد موافقت سے بدل دیا اور کسانوں کی ہمدردی
حاصل کی اور ایک قلیل عرصے میں مزارعین اور دوسرے
لوگ جوق جوق اس سوسائٹی کے رکن ہونے لگے۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں اراکین کی تعداد ۶۵۰۰ تھی اس وقت کما
سوسائٹی کے ۱۶۰۰۰ اراکین ہیں اور ایک حصے کی قیمت (۵)
کرونر ہے۔ ہر ایک ممبر جتنے چاہے حصص خرید سکتا ہے۔ چنانچہ
بعض اراکین ایسے ہیں جنہوں نے ہزار ہزار حصص خریدے
ہیں۔ اس وقت سوسائٹی کی سالانہ آمد دو ملیون کرونر ہے

سوسائٹی کے قائم ہوتے ہی درختوں کے لگانے
کی کارروائی شروع ہوئی تھی اور سوسائٹی نے دو لاکھ دس ہزار
ایکر کے رقبے پر جنگل لگانے کے کام کا ذمہ لیا تھا جس میں سے
اس وقت تک ایک لاکھ ۶۵ ہزار ایکر پر درخت لگائے
گئے ہیں سنہ ۱۸۸۰ء میں حکومت نے جب دیکھا کہ اسکیم کامیاب
ہوا تو امداد دی۔ نئے درخت لگانے کے علاوہ سوسائٹی
نے کم قیمت پر کسانوں اور خوش باش لوگوں کو درخت
فروخت کئے تاکہ کسان اپنے کھیتوں کے اطراف خصوصاً
اس جانب جدھر سے سمندر کی ہوائیں آکر کاشت کو برباد
کرتی تھیں ان درختوں کو لگائیں اور اس طرح ہواؤں اور
کھیتوں کے درمیان ایک دیوار قائم کریں۔ خوش باش
افراد کو درخت اس لئے دئے گئے کہ وہ اپنے امکنہ کے
ساتھ باغ لگائیں۔ ان اغراض کے لئے کئی سال تک سالانہ
۱۰ یا ۱۲ ملیون درخت سوسائٹی نے تقسیم کئے۔ سنہ ۱۸۶۰ء
میں صرف یولینڈ میں افتادہ زمینات ۲۰ فیصد تھیں اور
اب ۸ فیصد رہ گئی ہیں۔

باقی آئندہ

* Peat

جدید ترکی

ترکی مشرق کا ساتھ دیگی یا مغرب کا؟

ترکی سیاست بمقابلہ یورپ

(مترجمہ۔ محمد مظہر اللہ صدیقی)

آخری خبریں مظہر ہیں کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشاہ نے اپنا وہ تفصیلی خطبہ سنا دیا جس کی قوم منتظر تھی اور جس کے سنانے میں چھتیس گھنٹے صرف ہو گئے دوران خطبہ میں وہ تمام امور اور واقعات بیان کر دئے گئے جو حکومت کی سیاسیات، اقتصادیات اور اجتماعیات سے متعلق ہیں۔ اور جو جنگ عظمیٰ کے زمانہ سے اب تک پیش آچکے ہیں۔ یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں کہ ترکی سے یورپ پہلے بھی خوف زدہ تھا اور اب بھی ہے اور اس کو اس بات کا یقین ہے کہ مشرق و مغرب کے مابین اگر کوئی عالمگیر جنگ چھڑ جائے تو ترکی طبعاً مشرق کا ساتھ دیگی۔ باوجودیکہ وہ ارباب سیاست جو تمام امور پر عقل مندی اور خبرداری سے نگاہ رکھتے ہیں مشرق و مغرب کے مابین اس قسم کی جنگ چھڑنے کا احتمال نہیں رکھتے۔ لیکن اگر جنگ چھڑ بھی جائے تو وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ترکی مشرق کے ساتھ سمجھوتہ کریگی۔ کیونکہ اس وقت ترکوں کی سب سے زیادہ جدوجہد یہی ہے کہ ملک کی اندرونی اور بیرونی فضا امن و امان سے اجاگر ہو جائے جمہوریت ترقی پائے اور اس کے مدارج بلند ہوں۔ ترکی اور دیگر دول مغرب کے درمیان اگر کوئی چیز متنازع فیہ تھی تو ترکی نے غیر ملکی مراعات کو مٹا کر اس کا حساب چکتا کر دیا ہے۔ اور اس طرح مغربی ممالک کے دوش بدوش کھڑے ہونے کا اس نے بھی حق حاصل کر لیا ہے۔

ترکی کے موجودہ ارباب بست و کشاد نے سلطنت عثمانیہ کی پرانی عمارت ڈھا کر اس کی جگہ اپنی جمہوریت کی بنیاد رکھی ہے ان کی تمام تر کوشش یہی رہتی ہے کہ اس عمارت کا پایہ مستحکم ہو اور اس کے منارے آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ اس جمہوریت نے آزادی کی ہوا کھانے اور غیروں کے مراعات کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے ساتھ ہی اپنے داخلی اور خارجی حالات کی اصلاح اور درستی کی طرف توجہ شروع کر دی۔ اور یہ اس گر کو سمجھتی ہے کہ جب تک کہ وہ عزت وطن کے لئے دماغ کے ساتھ ساتھ تمام حکومتوں کیساتھ مسالمت سے پیش نہ آئے اس وقت تک اس کی زیست کی توقع نہیں۔ اور اس کے ذمہ دار قومی رہنما کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں گذرا کہ مغرب سے لڑائی مول لینے کے ارادہ سے مشرقی اقوام سے دوستانہ معاہدہ کرے۔ اور اسی لئے وہ اس بات سے انکار کرتے اور اس سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس پر زور دے رہے ہیں کہ یورپ کے دلوں میں اس قسم کے جو کچھ خطرات گذر رہے ہیں وہ محض خرافات اور بعید از حقیقت ہیں جو لوگ آج کل ترکی اخبارات دیکھتے ہیں وہ ان میں یہی لکھا ہوا پائینگے کہ ترکوں کی سچی خواہش یہی ہے کہ وہ امن دوست بنے رہیں اور امن ہی کے لئے لڑائی جھگڑے کریں۔ چنانچہ اخبار "ملت" نے معاہدہ لوزان پر چار سال گذر جانے کے بعد ایک مقالہ شائع کیا ہے جس میں ان واقعات کی تفصیل پیش کی ہے جو منحوس عہدنامہ مدروس کے طے پانے اور معاہدہ سیورے پر دستخط ہو جانے کے بعد ترکی میں پیش آئے ہیں۔ اس کے بعد اخبار مذکور نے ترکی کی ان مساعی اور ایثار کا ذکر کیا ہے جو اس نے امن و امان اور امن پسندانہ مطالبات کے حفاظت کی خاطر کیا۔ یہ کوئی مخفی بات نہیں کہ معاہدہ لوزان کی گفت و شنید کا آغاز نومبر ۱۹۲۲ء میں ہوا اور فبروری ۱۹۲۳ء میں اس کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اور ترکی نمائندے جن کے صدر عصمت پاشا تھے ترکی حقوق کے ثابت کرنے اور ان کو منوانے کے لئے رات دن ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ عثمانی قرضہ جات اس معاہدہ کی راہ میں روڑا اٹکا رہے تھے لیکن ترکی نمائندوں نے محض اپنے اخلاص کی بدولت اس دشواری پر بھی قابو پا لیا۔ چنانچہ اس سال ۲۴ جولائی کو اس معاہدہ پر دستخط بھی ہو گئے۔

اخبار جمہوریت معاہدہ مذکور کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ جدید ترکی کے حدود اب بالکل واضح ہو چکے ہیں۔ جسطرح اس کے ان حقوق کا جو پیروں تلے روندے گئے تھے اب کامل طور پر تصفیہ ہو گیا ہے"

حقیقت تو یہ ہے کہ ترک زمانہ دراز سے اجانب و اغیار کے قبضہ میں قیدیوں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے رہے اور اس کی وجہ وہی مراعات و حقوق تھے جو اجانب کو ترکی میں حاصل تھے اس کے بعد اخبار مذکور لکھتا ہے کہ جس طرح طلومکی بونار کا وہ جنگی معرکہ جسنے یونان پر ترکی کی فتح کا فیصلہ کر دیا تھا اسی طرح یہ دوسرا معرکہ طلوملی بونار کا تھا جو سوئٹزرلینڈ میں درپیش ہوا اور جس پر ترکوں کو سیاسی فتح حاصل ہوئی اور اس وقت سے انہوں نے اجنبی ممالک کے مراعات و حقوق کا قلع قمع کر دیا"

ترکی اخبارات کے مجمل بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت انگورہ نے جب خود کو دیگر دول یورپ کے ساتھ ایک ہی سیاسی مساوات کی صف میں لا کھڑا کیا تو اس کے بعد کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ خواہ مخواہ ان حکومتوں کے خلاف کوئی تدبیر کرے۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ ان کیساتھ تقریر و تحریر کے ذریعہ خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ترکی رہنماؤں نے اپنے لئے جو ضابطہ تیار کیا ہے یہی ہے کہ مغربی حکومتوں کے ساتھ اپنے صلح و اخلاص اور دوستی کے تعلقات ہمیشہ برقرار رکھیں۔ اخبار بتی باریزیاں کے نامہ نگار مقیم انگورہ نے لکھا ہے کہ توفیق رشدی بک وزیر خارجیہ ترکی نے اس کے سامنے حسب ذیل تصریحات کی ہیں۔

وہ تمام باتیں اور قصے جو مغرب کے مقابلہ میں ایشائی اقوام کے اتحاد و اتفاق کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں لکھے سب کے سب بے سرو پا اور اصلیت سے دور ہیں ہم اس طرح کے اتحاد سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔ کیا اب ہمارا ایشائی اقوام سے کوئی تعلق رہا ہے؟...... کیا زبان کا تعلق ہے؟ نہیں کیونکہ اقوام ایشا کی زبانیں تو چھیالیس سے زیادہ ہیں۔ جنسیت کا تعلق ہے! یہ بھی نہیں، بلکہ ہنگری اور فنلینڈ ہی ہمارے جنسی بھائی ہیں۔ کیا دوستانہ تعلقات قائم ہیں؟ نہیں ایسا بھی نہیں۔ چنانچہ اہل ایران ہمیشہ ہمارے خلاف رہے اور ان کے ساتھ جو ہماری لڑائیاں ہوئی ہیں ان سے اس بات کی تصدیق ہو سکتی ہے اب رہیں دوسری ایشائی قومیں۔ وہ ہم سے اس قدر دور ہیں کہ اگر ہم پر کوئی آفت آجائے تو نہ تو چین ہماری مدد کر سکتا ہے نہ ہندوستان یا افغانستان یا کوئی اور ایشائی قوم۔ کیا یہ تمام اسباب اس امر پر دلالت نہیں کرتے کہ ہماری تمام مصالح یورپ کے

ساتھ صلح و آشتی ہی پر منحصر ہیں؟"

توفیق رشدی بک نے اخبار "وقت" کو جو آستانہ میں چھپتا ہے حسب ذیل بیان دیا ہے:-

ہر وہ معاہدہ جو بلقانی اقوام میں طے پائے اور ہم اس سے مستثنیٰ کر دئے جائیں۔ ہمارے نزدیک ہماری کھلی ہوئی دشمنی کے مرادف ہوگا۔ اور ایسی صورت میں ہم اپنی حفاظت کا پوری طرح سے بندوبست کرینگے تاکہ ہم کو کسی غیر متوقع جنگ سے دوچار ہونا پڑے اگر بلقانی اقوام ترکی کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کرنا چاہتی ہیں تو اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں کہ:-

(۱) یہ معاہدہ کسی مغربی حکومت کے خلاف بطور آلۂ کار کے نہ ہو۔

(۲) کسی اور حکومت کا بھی آلۂ کار نہ ہو۔

(۳) یہ معاہدہ بلقان کی کسی حکومت کی اس طرح سامد نہ کرے جس سے کسی دوسری بلقانی حکومت کا نقصان ہو۔

یہ خلاصہ ہے اس سرکاری بیان کا جو ترکوں کے وزیر خارجیہ نے اخبار "وقت" کو دیا۔ اور فی الحقیقت یونانی اخبار جن کو ترکی کے حالات سے بہ نسبت دیگر اقوام کے حالات سے زیادہ دلچسپی ہے ان کا بیان ہے کہ حکومت ترکی درپردہ اس کوشش میں ہے کہ وہ اٹلی یوگوسلیویا یا کم از کم بلغاریہ کے ساتھ کوئی دوستانہ معاہدہ کرلے۔ اور اس طرح گفتگو ہو رہی ہے کہ اس (یعنی ترکی) نے اٹلی کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کر لیا ہے لیکن اس صورت میں جبکہ یہ تمام افواہیں مبہم ہیں ان کی طرف توجہ و التفات بھی نہیں کرنا چاہئے احتمال تو زیادہ تر اس بات کا ہے کہ یوگوسلیویا کے ساتھ ترکی دوستانہ معاہدہ کریگا۔ کیونکہ خطرہ ہی ایسی چیز ہے جو دلوں میں محبت اور جماعتوں میں ملاپ پیدا کر دیتا ہے۔ اور ترکی اور یوگوسلیویا دونوں جانتے ہیں کہ اطالوی فاشزم ہی وہ سب سے بڑا خطرہ ہے جو اڈریاٹک اور ایشائے کوچک کے علاقوں کو معرض خطر میں کر رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ترکی اور یوگوسلیویا کے مابین قریبی تعلقات قائم ہو جائیں تو دونوں کے حق میں بہت مفید اثر مترتب ہوگا تاہم یہ امر بہت بعید ہے کہ اگر ترکی اور اٹلی میں کوئی جنگ چھڑ جائے تو یوگوسلیویا جانبین میں سے کس کا ساتھ دیگا۔ اور اگر ترکی بلقانی حکومت کے ساتھ ہو جائے تو اس میں اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اس گوشۂ عزلت سے نکل جائیگی جس میں وہ اب تک پڑی ہوئی ہے۔ اور بحر متوسط کی سیاست کے متعلق انگلستان اور اٹلی کے جتھے کے مقابلہ میں فرانسیسی اور یوگوسلیوی جتھا مضبوط اور قوی ہو جائے گا۔

جو شخص انگورہ اور آستانہ کے اخباروں کا مطالعہ کرے وہ اُن کے ذریعہ حکومت ہائے بلقان میں دوستی و مسالمت کی روح پائیگا۔ جس میں بلغاریہ بھی شریک ہے۔ اخبار "حاکمیت ملیت" نے جو انگورہ سے شائع ہوتا ہے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اخبار مذکور لکھتا ہے کہ ہم نے وہ پرانا حساب بے باق کر دیا جو ہمارے اور بلغاریہ کے مابین تصفیہ طلب تھا۔ اور آج جو ہماری کیفیت ہے وہ اس کیفیت کے برعکس ہے جبکہ زمانۂ جنگ بلقان ایک دوسرے سے لڑائی کے وقت تھی۔ یا اسوقت جبکہ ہم دوران جنگ عظمیٰ اپنے مشترک دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی جانب سے برسر پیکار رہتے تھے۔ آج ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ ترکی اور بلغاریہ کا تجارتی معاہدہ ہمارے آپس کے تعلقات کو اور بھی خوشگوار بنائیگا اور ترکی کی رائے عامہ بلغاریہ کے ساتھ دوستی و معاونت کے مظاہرہ کا خیر مقدم کریگی اس لئے کہ جانبین کی دوستی کا دارومدار حسن نیت پر ہے۔"

آستانہ کے اخبارات نے اس بارے میں بہت کچھ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس میں ترکوں اور بلغاریہ کے ہر دوستانہ مظاہرہ کو خوش آمدید کہی گئی ہے۔ اور یہ کھلی ہوئی دلیل ہے اس بات کی کہ ترکوں پر یہ جو الزام دھرا جا رہا ہے کہ وہ مغرب سے مقابلہ کے لئے ایشیائی اقوام کا ایک جتھا قائم کرنا چاہتے ہیں سراسر غلط ہے ترکوں کا تو سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے بین الاقوامی امن و امان کیلئے دفاع کریں اور دول مغرب کے ساتھ بہترین تعلقات پیدا کریں۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشاہ نے آٹھ سال کے بعد جو آستانہ کا سفر کیا تھا اس کی ضمن میں اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" نے لکھا تھا کہ:-

"وہی آستانہ جو گذشتہ چھ صدی تک آل عثمان کا عظیم الشان دارالحکومت رہ چکا ہے آج اس پر ویرانی اور اداسی چھائی ہوئی ہے۔ کیونکہ مصطفےٰ پاشاہ کی سیاست نے جو اس اصول پر قائم ہے کہ "ترکی ترکوں کے لئے ہے" فیصلہ کر دیا کہ دارالحکومت قلب اناطولیہ میں منتقل کر دیا جائے تاکہ جمہوریت اس سیاست سے متاثر نہ ہو جو ہمیشہ سے اجنبی نفوذ و اثر کے تحت تھی اور رہے جبسے کہ دارالحکومت بدل گیا ہے آستانہ کی حیثیت ایک درجہ دوم کے شہر کی ہو گئی ہے۔ اس کی شان و شوکت کم ہو گئی ہے اور اس کے مستقبل سے جو جو توقعات وابستہ تھیں وہ سب پامال ہو چکی ہیں۔ اور باوجود اس کے یہ شہر اپنی ظاہری ٹیم ٹام میں مغربی زندگی کی پوری طرح تقلید کرتا تھا لیکن ایک مجسس نگاہ ان مصنوعی نظاروں کے اندر افلاس بدامنی اور پستی کا صاف طور پر پتہ لگا سکتی تھی۔ اور یہ ایک تکلیف دہ بات ہے کہ اس خوبصورت شہر کی امیدوں پر اس بری طرح پانی پھیر دیا جائے۔ اکثر سمجھدار لوگ ڈرتے ہیں کہ مصطفےٰ کمال پاشاہ نے آستانہ کے متعلق اس طرح بے رخی برتی تو وہ دن دور نہیں جبکہ اس پر دوسروں کا قبضہ ہو جائے اور یہ بھی غیر ملکی شہروں میں شمار کیا جانے لگے۔"

ہمارے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشاہ نے جنہوں نے جدید ترکی کی بنا ڈالی اور اس کے مرتبہ کو بلند کیا ہے۔ اپنے بے شمار کارناموں سے ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ ایک دوربین تاریخی انسان اور وہ سیاست جس پر وہ ابتک کاربند ہیں ایک قابل قدر تاریخی اور عمرانی تجربہ ہے اور جسکی کامیابی کی پوری طرح توقع ہے۔ ہاں۔ یہ ضرور ہے کہ غازی نے اپنی سیاست میں نہایت ہی حزم و احتیاط اور سختی سے کام لیا جو استبداد کے لگ بھگ ہو گئی تھی لیکن درحقیقت یہ استبداد حکمت آمیز اور مخلصانہ حب وطن پر مبنی تھا۔ وہ جانتے ہیں کہ اس نئی حکومت (جس کی داغ بیل انہوں نے ڈالی ہے) کی بقا کی اس وقت تک کوئی امید نہیں ہو سکتی جب تک کہ امن عامہ کو لبیک نہ کہی جائے اور اس کو ہر چیز سے دور نہ رکھا جائے جو موجب فساد ہو۔ اور یہی ایک بات غازی کو ہر قوم کے ساتھ تعلقات امن قائم رکھنے پر مجبور کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ استنبول کی یاد نئے ترکوں کے لئے دل خوش کن نہیں ہے اسلئے کہ یہ قائم پایہ تخت ناپاک ریشہ دوانیوں کا مرکز اور ان بے انتہا مصائب کا باعث تھا جو ترکوں پر نازل ہوئی تھیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے بے پرواہی برت کر انتظام لینے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کو بھی یورپ کے آغوش میں دیدیا جائے۔

جو لوگ تاریخی واقعات سے باخبر ہیں کہتے ہیں کہ ترکوں نے نومبر ۱۹۲۲ء میں سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا مارچ ۱۹۲۴ء میں خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی اور خلیفہ کو آستانہ سے نکال باہر کیا حالانکہ چھ سو سال سے خلفاء کی حکومت قائم تھی۔ اور باوجود اس کے کہ ترکی آج اپنے سویدائے قلب میں متمکن ہے اور جغرافی اعتبار سے بہ نسبت زمانہ سابق کے یہ دول مغرب سے بہت دور ہو گئی ہے وہ سچے دل متمنی ہے کہ تمام مغربی حکومتوں کے ساتھ اس کے بہت اچھے تعلقات پیدا ہو جائیں۔ اور اس کے اندرونی اور بیرونی علاقہ میں امن قائم رہے تاکہ وہ اپنے معاملات کی طرف توجہ اپنے کاروبار میں تنظیم اور اپنے حالات میں ترقی کر سکے۔ یہ حکومت جنگ کے ارادہ یا مغرب کے مقابلہ میں مشرق کا ساتھ دینے کے خیال سے کوسوں دور ہے۔ بلکہ برعکس اس کے وہ یہ سمجھتی ہے کہ اقوام مشرق کے بجائے مغرب سے تقرب حاصل کرنے میں اس کا بہت بڑا فائدہ ہے اور خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ خود ان ہی (یعنی ایشائی) اقوام میں آپس میں حقیقی مصالح پر مبنی تعلق یا باہمی دوستی کا رابطہ نہیں ہے۔ ایران ہندوستان، چین، اور افغانستان یا کوئی اور ایشائی قوم حکومت انگورہ کو اسا فائدہ نہیں پہنچا سکتی جس قدر کہ دول مغرب اور بلقان کے ساتھ تعاون و اتحاد اس کو پہنچا سکتا ہے۔ اور اس لئے ترکی کو ان ہی سے دوستی کی زیادہ تر فکر ہے۔

گذشتہ چند سالوں کے مشاہدات کی بنا پر اگر ہم جمہوریت ترکی کے مستقبل پر کوئی رائے قائم کریں تو ہمارا فرض ہوگا کہ ہم مصطفےٰ کمال پاشاہ کے ان عظیم الشان کارناموں کا بھی اعتراف کریں جن کو وہ اسوقت سے انجام دے رہے ہیں جبسے کہ انہوں نے اس نئی جمہوریت کی داغ بیل ڈالی اور قدیم سلطنت کو ڈھا کر اسکی جگہ اسکی نئی عمارت کھڑی کر دی ہے۔ اور یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس میں دانشمندی، بلند ہمتی اور وسیع النظری کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

(ترجمہ از السیاسۃ الاسبوعیۃ مصر)

مکالمہ سیاسیہ فلاطونیہ

جمہوریت (آٹھویں کتاب)

مترجمہ سید محمد حسن صاحب رضوی بی اے (عثمانیہ)

افلاطون ایک ایسی مملکت کا خاکہ کھینچتا ہے جو کامل و اتم ہے لیکن عملی طور پر ایسی سلطنت کا امکان نہیں ہے۔ اس کے نزدیک بہترین حکومت اعیانی ہے اور حکومت بھی ایسی جس پر مذہبی رنگ چڑھا ہوا ہو۔ اس حکومت کی خصوصیت یہ ہونی چاہیئے کہ اس کے تحت املاک اور جائداد، اطفال اور بیویاں مشترک ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی سلطنت بہت ہی قلیل عرصہ تک اس عالم میں رہ سکتی ہے چونکہ ایسی آسمانی مملکت کا وجود اس دنیا میں ممکن نہیں ہے اس بنا پر کراہت سے دوسری اقسام حکومت کے اسباب و علل اور ماخذوں کو بیان کرتا ہے ایک ہیئت حکومت کے انحطاط پر دوسری ہیئت حکومت وجود پذیر ہوتی ہے۔ شلاً امرار اور فضلاء کی حکومت کے بعد فوجی اور عزت پسند لوگوں کی حکومت شروع ہوجاتی ہے اس کے بعد عدیدیت جمہوریت اور جبریت یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ افلاطون آٹھویں کتاب میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ مترجم۔

سقراط۔ اے گلاکن! ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کامل و اتم مملکت میں بیویاں اور اطفال، مشترک تعلیم و تربیت یکساں۔ مشاغل جنگ و جدل بالاشتراک، حتیٰ کہ امن و امان کے تخیل میں بھی اشتراک ہونا چاہیئے۔ سب سے زیادہ نیکوکار فلاسفہ اور شجاع ترین جنگ آزما اشخاص اس مملکت کے بادشاہ اور سلطان ہوں۔ صرف یہی ایک شکل مملکت کی صحیح ہے۔ باقی باطل ہیں۔

اور جب باطل ہیں تو غیر حقیقی اقسام مملکت ہیں مجھے یاد ہیں کہ یہ تعداد میں چار ہیں ان کے نقائص بعید ہیں اور وہ جو ان کے مشابہ ہیں عیوب سے معمور ہیں۔ ہم پہلے غور کر چکے ہیں کہ سب سے زیادہ نیکوکار مرد ہے اور بدکار سب سے زیادہ محزون و غمگین۔

گلاکن۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ ان چاروں نظامات سلطنت کی قسموں کو بیان کر دیں۔

سقراط۔ میں جواب دیتا ہوں کہ وہ چار قسم کی حکومتیں ہیں ان کے نام بھی واضح و صاف ہیں، فوجی قسم کی حکومت تو کریٹ اور اسپارٹا میں ہے ان دونوں مملکتوں کی تعریف و توصیف عام طور پر کیجاتی ہے۔ اس کے بعد عدیدیت آتی ہے (یہ خودغرض امرار کی حکومت ہوتی ہے) اس کو اس درجہ مقبولیت حاصل نہیں ہے۔ یہ وہ حکومت کی شکل ہے جو برائیوں اور خرابیوں سے پُر ہے، تیسری جمہوریت ہے جو بالطبع عدیدیت کے بعد آتی ہے، اگرچہ بہت ہی مختلف ہے اور بالآخر جبریت یعنی حکومت جابرانہ وجود پذیر ہوتی ہے یہ عظیم الشان و شہرۂ آفاق ہوتی ہے اور سب سے بری ہیئت حکومت ہے۔ بدانتظامی و بدنظمی اور ابتری و خرابی اس مملکت کا خاص حصہ ہے۔

دیکھو حکومتیں اتنی ہی اقسام کی ہوتی ہیں جتنی کہ انسانوں کے عادات و خصائل مختلف ہوتے ہیں بہت سی تو ایک قسم کی ہوتی ہیں اور بہت سی دوسری قسم کی۔ ہم تو یہ فرض نہیں کر سکتے ہیں کہ مملکتیں لکڑی اور اینٹ کی بنی ہوتی ہیں۔ یہ طبع انسانی کے باہر نہیں ہوتی ہیں۔ جو انہیں مملکتوں میں آباد ہیں۔

گلاکن۔ ہاں مملکتیں ایسی ہی ہوتی ہیں جتنے کہ انسانی طبائع ہوتے ہیں۔ یہ انسانی سیرتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

سقراط۔ لہذا اگر مملکتوں کے نظامات سلطنت پانچ قسم کے ہیں تو انفرادی نفوس کے مزاج بھی پانچ طرح کے ہونگے

گلاکن۔ یقیناً۔

سقراط۔ وہ جو اعیانیت کے مشابہ ہے اور جس کو ہم بجا طور پر عادل و نکوکار کہتے ہیں۔ ابھی ابھی ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

گلاکن۔ ہاں ہم نے کیا ہے۔

سقراط۔ لہذا ہم کو چاہیئے کہ ادنیٰ قسم کی فطرتوں کا بھی بیان شروع کریں جو جنگ و جدل کی طرف مائل اور پرغضب طبیعت رکھتی ہیں۔ جو اسپارٹا کے نظم سلطنت کے مشابہ ہیں۔ اور اسی طرح عدیدی، جمہوری و جبری کا ذکر کریں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ ایسی حکومت کے لئے سوائے حکومتِ عزت پسند کے کوئی دوسرا نام رکھوں۔ اس لئے کہ مجھے تو یہ غور کرنا ہے کہ فوجی حکومت (حکومت عزت پسند) اعیانیت سے کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو تمام سیاسی تغیرات حکمرانی و سلطنت چلانیکی اصلی قوت کے شکست و ریخت ہوجانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک وہ حکومت جو متحد ہوتی ہے خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو اُس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

گلاکن۔ بہت صحیح۔

سقراط۔ جو شہر اس طرح نظم و تنظیم پاتا ہے اس کی شکست و ریخت بمشکل ہوتی ہے۔ لیکن غور کرو کہ ہر وہ چیز جس کا آغاز ہوا ہے اُس کا انجام بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ نظام سلطنت جو تمہارا ہے ہمیشہ ابدالآباد تک باقی نہ رہے گا۔ بلکہ وقت آتے ہی فنا و برباد ہو جائیگا۔ دیکھو وہ نباتات جو زمین سے اُگتے ہیں۔ اور وہ حیوانات جو سطح ارض پر چلتے پھرتے ہیں ان میں سرسبزی و شادابی اور بربادی جسم اور روح کی واقع ہوتی ہے جب ہر ایک شے اپنے دائرہ کے محیط کو مکمل کر لیتی ہے تو وہ موجودات جو تھوڑی زندگی رکھتے ہیں تھوڑے زمانہ میں مرجاتے ہیں۔ اور جنکی حیات طویل ہوتی ہے وہ زمانہ دراز تک زندہ رہ کر فنا ہوجاتے ہیں۔ لیکن انسانی ترقی و فلاح اور فنائیت کے علم کو تمہارے حکمرانوں کی ساری عقل اور تعلیم و تربیت نہ حاصل کر سکیگی۔ وہ قوانین جو ان ملکوں میں نظم و انضباط رکھتے ہیں کوئی فہم و سمجھ جس میں رسا و مادہ کی آمیزش ہے یہ امر نہ پاسکیگی کہ یہ لوگ ایسے قوانین بنائیں گے جبکہ اُن کو نہ بنانا چاہیئے تھا۔

اب وہ شخص جو ربانی نسب کا ہے ایک قرن تک رہتا ہے اور اس کی پیدائش میں الہٰی اسرار شامل ہے اس لئے کہ ایسا شخص جو اطفالِ نومولود کے اچھے بُرے ہونے پر نگرانی و تصرف رکھتا ہے اس لئے جب تمہارے محافظین قانونِ پیدائش اطفال سے ناواقف ہیں اور انہوں نے نامناسب اور غیر موزون دولہا دولہن میں اتحاد کرادیا تو اطفال نیک اور خوش قسمت نہ ہوں گے اگرچہ اُن میں کے بہترین افراد کو اُن کے پیشرو اشخاص نے معزز کیا ہے۔ تاہم یہ اطفال اپنے آبا و اجداد کی جگہ لینے کے قابل نہ ہوں گے اور جب وہ اطفال سب سے زیادہ ذمہ داری کے مناصب پر فائز ہوں گے اور بطور محافظین قانون کے برسر اقتدار آئینگے وہ ہماری حفاظت و خبرگیری کرنے سے عاجز و قاصر رہیں گے۔

پہلا کام تو یہ لوگ یہ کرینگے کہ موسیقی کی قدر و منزلت و اہمیت گھٹا دینگے اور ورزش و ریاضت سے غفلت

اس طرح تمہاری مملکت کے نوجوان افراد بہت کم تربیت یافتہ ہوں گے اور آئندہ چل کر وہ حکمراں مقرر کئے جائینگے جن میں محافظت کی قوت مفقود ہے (Hesiod) ہیسیڈ کا قول ہے کہ انسانی نسلیں چار قسم کی ہیں ایک سونے کی دوسری چاندی کی، تیسری تانبے کی اور چوتھی لوہے کی"

اس طور پر وہ نسل جو لوہے کی قسم سے ہے چاندی کے ساتھ ترکیب پائیگی اور وہ نسل جو بمنزلہ سونے کے ہے اس نسل کے ساتھ وہ نسل جو تانبے کے مثل ہے مرکب ہو جائینگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اختلاف و افتراق عدم مساوات بے قاعدگی و بے ترتیبی پیدا ہوں گے یہ سب باتیں ہمیشہ تمام مقامات پر نفرت وحقارت و لڑائی جھگڑے کے اسباب ہوا کرتی ہیں۔ ہم کو معلوم ہے جب اختلاف پیدا ہوتا ہے اس وقت دونوں قومیں مختلف راہیں اختیار کرتی ہیں۔ وہ قومیں جو بمنزلہ لوہے و تانبے کے ہیں دھن دولت، روپیہ پیسہ، اراضی، مکانات سونے چاندی کے حاصل کرنے پر ٹوٹ پڑتی ہیں لیکن وہ نسلیں جو سونے چاندی کے مشابہ ہیں جن کو روپیہ پیسہ کی تو حاجت ہے نہیں بلکہ حقیقی غنا و دولت خود اپنی فطرت میں رکھتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ مائل بہ نیکوکاری ہیں اور اشیاء کی قدیم ترتیب و نظم کی جانب ان کا میلان ہوتا ہے۔

ان دونوں میں کشمکش ہوتی ہے۔ اور آخرالامر وہ نیک لوگ راضی ہو جاتے ہیں کہ اپنے اراضی و مکانات کو انفرادی مالکوں کے درمیان میں تقسیم کرلیں اور اس طرح ان لوگوں نے اپنے دوستوں اور معاونین کو غلام بنالیا ہے جنکی انہوں نے بحالت آزادگی حفاظت کی تھی اب وہ رعایا و ملازمین بن گئے۔ اور وہ خود جنگ میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنے دشمنوں کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں۔

گلاکن۔ میرا خیال ہے کہ تم نے صحیح طور پر تغیر و تبدل کے ماخذ کا تصور بیان کیا ہے۔

سقراط۔ جدید حکومت جو اسطور پر پیدا ہوئی ہے، کیا یہ اعیانیت و عدیدیت کی درمیانی صورت ہوگی؟

گلاکن۔ صحیح۔

سقراط۔ جدید مملکت ایک حد تک تو مشابہت اعیانیت سے رکھیگی اور کسی حد تک عدیدیت کی پیروی کریگی۔ اور چند خصوصیات سے متصف ہوگی۔

گلاکن۔ صحیح۔

سقراط۔ وہ عزت و وقار جو حکمران اشخاص کو جدید حکومت دیگی وہ اعیانیت کے مشابہ ہوگا۔ زراعت دستکاریوں کے پیشے اور تجارت عام طور پر سپاہیوں کے لئے ممنوع رہیں گے اور کھانے پینے کا انتظام بھی مشترک رہیگا۔ اور وہ حکومت ورزش و ریاضت اور فوجی تربیت پر توجہ کریگی۔ ان تمام صورتوں میں یہ مملکت اعیانی سے مشابہت رکھیگی۔

گلاکن۔ صحیح۔

سقراط۔ لیکن اس حکومت کو یہ خوف دامنگیر ہوگا کہ کہیں فلاسفہ برسر اقتدار نہ آجائیں اس لئے کہ یہ تو سیدھے سادے متین و سنجیدہ نہیں رہے ہیں۔ بلکہ مرکب عناصر سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اُن سے توجہ ہٹا کر ان لوگوں پر توجہ ہوگی جو پُرغضب اور پُرجوش سیرتیں رکھتے ہیں۔ جو بالطبع لڑائی جھگڑے کے لئے موزون ہیں اور امن و امان پسند نہیں کرتے ہیں اور وہ لوگ فوجی مکرو دغا کرتے اور چالاکیوں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اور اس طرح ہمیشہ لامتناہی جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ یہ مملکت بہت ہی عجیب و مخصوص حیثیت رکھتی ہے۔

(باقی آئندہ)

مضمون کب لکھنا چاہیئے؟

کسی انگریزی اخبار نے مشہور انشاء پردازوں اور مصنفین سے مضمون نویسی کے لئے مناسب اور بہترین وقت دریافت کیا تھا جس کے جواب میں کئی ایک انشاء پردازوں نے اپنی رائے لکھ بھیجی جن میں سے چند کی حسب ذیل آراء و تجربات ہیں:۔

سر سینرو لکھتے ہیں کہ:۔

مضمون نگاری کے لئے بہترین وقت میری رائے میں رات کا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ہر ایک کو رات کے وقت لکھنے کا مشورہ دے رہا ہوں بلکہ اپنی نسبت یہ کہہ سکتا ہوں کہ گذشتہ پچاس سال سے میری یہی عادت رہی ہے۔ اور اب اس عادت کو بدلنا مشکل ہو گیا ہے:۔

مسٹر ولیم لوکو رقمطراز ہیں کہ:۔

میرے خیال میں انشاء پردازی کے لئے مناسب ترین وقت موسم سرما میں شب کے گیارہ بجے سے سحر تک کا ہے میں شب کا کھانا ساڑھے آٹھ بجے کھا لیتا ہوں اور دس بجے سو جاتا ہوں پھر ایک گھنٹہ کے بعد اُٹھکر صبح کے چار بجے تک لکھنے میں مصروف ہو جاتا ہوں اسکے بعد چار بجے سے آٹھ بجے تک سو رہتا ہوں پھر ناشتہ سے فراغت کے بعد اپنے دوسرے کاروبار میں مشغول ہو جاتا ہوں لیکن موسم گرما میں صبح کے چار بجے سے دن کے گیارہ بجے تک لکھتا پڑھتا رہتا ہوں پھر اسکے بعد شام کے چار بجے سے چھ بجے تک۔

ماکس پمبرٹن کا بیان ہے کہ:۔

"میری دانست میں تصنیف و تالیف کا اچھا وقت رات کے گیارہ بجے سے ایک بجے تک ہے۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ ان اوقات میں ذہن تیز رہتا ہے تجربہ شاہد ہے کہ رات کے وقت انسان بہ نسبت دن کے زیادہ تیز لکھ سکتا ہے میں رات کے وقت جسقدر زود نویس رہتا ہوں اتنا

طویل عمر کی علامتیں

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ طویل عمر اور کم عمر لوگوں میں کوئی ما بہ الامتیاز نظر نہیں آتا حالانکہ یہ غلط ہے طویل عمر والوں کی علامتیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آلات تنفس، قلب، اعضاء ہضم اور دماغ طویل ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو کمر لانبی اور ہاتھ پاؤں چھوٹے ہوں گے۔

(۲) ہتھیلیاں لانبی، انگلیاں چھوٹی اور پتلی ہوں۔

(۳) آنکھوں کی پتلیاں نیلگوں، بھوری یا سیاہ ہوں۔

(۴) پھیپھڑے بڑے ہوں کیوں کہ اگر یہ بڑے ہوں گے تو تنفس اچھا رہیگا۔

(۵) پیٹ لانبا ہو اس کے لانبے ہونے کی نشانی یہ ہے کہ آدمی بیٹھنے کے وقت لانبا اور کھڑے رہنے کے وقت پست قد معلوم ہو۔

(۶) دماغ بہت عمیق ہو اور اس کے عمیق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کان کشادہ ہوں۔

کہتے ہیں کہ عورت کی عمر مرد کی عمر سے زیادہ ہوتی ہے اور اعداد و شمار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

(اللطائف المصورہ) م۔ص

شاہ انگلستان کے آداب طعام

شاہ انگلستان کے مطعم خانہ میں ملازمین کھانے کے وقت سرخ و سفید رنگ کے ایک خاص یونیفارم میں نظر آتے ہیں۔ جب شاہ جارج ولی عہد تھے اس زمانہ میں ڈنر کے وقت صرف تین لیکن آجکل آٹھ خادم حاضر رہتے ہیں شاہ موصوف ۸½ بجے ڈنر پر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے آنے کے چند منٹ قبل ان لوگوں کو اطلاع دیدی جاتی ہے جو شاہ کی ہم طعامی کی عزت حاصل کرنیوالے ہوں۔ وسط میں شاہ انگلستان ان کے مقابل ملکہ بیگم اور ان کے اطراف خاندان شاہی کے اعلیٰ ارکان اور اسٹاف کے لوگ بیٹھتے ہیں شاہ پون گھنٹہ سے زیادہ دیر تک میز پر نہیں بیٹھتے بجز ان موقعوں کے جبکہ دوسرے مہمانوں کے ساتھ تناول طعام کریں میز پر بالعموم صرف چھ رنگ کے کھانے ہوتے ہیں۔ تمام سامان متعلقہ طعام نقرئی ہوتا ہے کھانے کے وقت موسیقی نہیں ہوتی لیکن جب کسی مہمان کیا تھ کھانے کا اتفاق ہو تو اسوقت موسیقی سے حاضرین کی سامعہ نوازی کیجاتی ہے۔ پہلے شاہ اس کے بعد ملکہ بیگم اور پھر دوسرے لوگ میز سے اُٹھتے ہیں اور کمرہ استقبال میں گیارہ بجے تک ٹہلتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اسٹاف کے لوگ اور اراکین خاندان رخصت

شعر و سخن

جذبات

از مولوی وحید الدین سلیم
پروفیسر ادبیات اردو عثمانیہ یونیورسٹی

تو کبھی فکر میں گر سر بگریباں ہوگا
دل کے ہنگامۂ خاموش سے حیراں ہوگا

کر لیا جب بت پندار کو سجدہ دل نے
پھر سمجھ لے کہ یہ کافر نہ مسلماں ہوگا

اپنے دل کو تو ذرا چیر کے دیکھ اے غافل!
اس صدف میں بھی کوئی گوہر غلطاں ہوگا

دیکھ اے یاس! نہ کر تیغ سیہ تاب علم
خون جذبات سے رنگیں ترا داماں ہوگا

پڑ گئی ایک کرن بھی ترے جلوہ کی اگر
دل کی دنیا میں بپا نور کا طوفاں ہوگا

آشیاں میرا تجھے مشت خس آتا ہے نظر
ایک دن برق سے یہ دست و گریباں ہوگا

قافلے روز ازل سے ہیں ستاروں کے رواں
کب نشان منزل مقصد کا نمایاں ہوگا۔

تو نہیں جوہر قابل کا شناسا۔ ورنہ
ابر نیساں ترے ہر قطرہ میں پنہاں ہوگا

صاعقہ تو جسے سمجھا ہے فلک پر غافل!
میرے افسانۂ دل کا کوئی عنواں ہوگا

موت کا لمحہ ترے عشق میں گزرا جس پر
وہ حیات ابدی سے بھی پشیماں ہوگا

ہم تڑپتی سی کرن مہر کی سمجھیں ہیں اُسے
کوئی ہوگا جو ترے قہر سے لرزاں ہوگا

دو آنسو

از محمد اکبر وفاقانی صاحب۔ بی۔ اے

(شیلی کی یک نظم A Lament کو دیکھکر)

۱

"دنیا" "زندگی" "زمانہ"
جب رہ میں ڈگیگا پاؤں میرا
کس کس کے قدم پہ میں چلونگا
کس طرح قضا کا ساتھ دونگا

۲

اے نور ازل ترا تبسم
کس طرح میں رؤں اپنے دل کو
کب ظلمت غم میں عام ہوگا
کب قصہ مرا تمام ہوگا

۳

اے رونق روزگار بتلا
کیوں اُڑ گیا طائر مسرت
کالی اجلی چمک سے تیرے
ٹیڑھی ترچھی جھمک سے تیرے

۴

آتی ہے بہار کی پری جب
جاتی ہے بہار کی پری جب
ہوتی ہے خزاں کو بیقراری
ہوتی ہے غضب کی برفباری

۵

دل میرا غریب ٹُھمکا کر،
اور حسن خیال شل شانہ"
ہے شمع سحر جو بجھ رہا ہے
زلفوں میں ترے اُلجھ رہا ہے

غزل

شیخ صالح بن عمر صاحب صلحی
(وفا) اورنگ آبادی

تو جو دل میں ہے تو آجہ بہ شناسائی کر
اب تو آہوں سے نکل انجمن آرائی کر

اپنی تخیل کے ہر خواب کو تعبیر سمجھ
خود کو تعبیر کے انداز کا جویائی کر

چشم خونبار کو حسرت کدۂ حسن بنا
اپنی نظروں کی طرح یار کو ہرجائی کر

ہوس دید نہیں شرط محبت اے قیس
دل میں پیدا سبب عزم زلیخائی کر

اے اجل پھر مجھے زندۂ جاوید بنا
میرے حق میں بھی کسی روز مسیحائی کر

منظر دل ہونگے تماشے تری ہستی منزل
شوق نظارہ کو آپ اپنا تماشائی کر

تیرا اخلاص ہے خود تیری عبادت صلحی
کعبہ و دیر پہ اب تو نہ جبیں سائی کر

وجدانیات

محمد عباس صاحب اقدس حیدرآبادی

ٹپکتی جا رہی ہیں خون کی بوندیں جو مژگاں سے
گلستاں بن گیا دامن بہار زخم پنہاں سے

نکلنے کو بہت بیتاب نکلی قلب سوزاں سے
مری فریاد بھی ہمدوش تھی دود گریزاں سے

تم اُٹھے شمع اٹھی اور گرد بیکسی اٹھی
مگر عبرت لگی بیٹھی رہی گور غریباں سے

دلوں کی کشتیاں الٹی ہوئیں گرداب میں آئیں
پڑی ہے کھلبلی کیا کیا ترے جلوے کے طوفاں سے

کسی کے حسن رنگیں کے تصور میں مری نظریں
لگی سرگوشیاں کرنے سحر کے حسن عریاں سے

مرے اشک تپاں تا آسمان غم کے تارے ہیں
بکھرتی ہیں جو دامن پر اٹھا لیتا ہوں مژگاں سے

تعجب ہے یہ کس نے ڈالدی ہل چل مزاروں میں
ہوا کس کا گذر یارب یہ دنیائے خموشاں سے

یہ کیا تھا عشق کی بیتابیوں کا اک کرشمہ تھا
دلوں میں پڑ گئی ہل چل مذاق درد پنہاں سے

کسی کو دیکھ کر اب تک لہو روتا ہوں الفت میں
سبق لو اے ہوا تو تم مری چشم پشیماں سے

یہ کیا ہے قید ہستی میں بھی میرا جی دھڑکتا ہے
مصیبتہائے پیدا سے مصیبتہائے پنہاں سے

زباں خاموش دل حیراں غبار بیکسی رخ پر
تماشا بنکے آیا تھا جو اُٹھا بزم جاناں سے

خدا جانے یہ کس شوریدہ سر کی یادگاریں ہیں
بہار گل نمایاں ہے در و دیوار زنداں سے

قفس پرور وہ صیاد کیا جانیں نشیمن کو
خدا معلوم ہم کس وقت نکلے تھے گلستاں سے

خدا جانے جبیں شوق کو کیا ہو گیا اقدس
مچلتی ہی نہیں اٹھتی زمین کوئے جاناں سے

عفریت بحری

بحری زندگی کا ایک تخئیلی افسانہ

(ماخوذ از انگریزی)

میں اسی زمانہ میں امریکہ گیا ہوا تھا۔ کیونکہ وہاں سے مختلف سائنس دانوں کی ایک تحقیقاتی مہم نبراسکہ کے دشوار گذار کوہستانی سلسلوں میں جانے والی تھی۔ میرے ہمراہ کلا کرسن نامی ایک قدیم ملازم بھی تھا۔ میں نے یہاں بہت سے نوادرات عجائب خانہ پیرس کیلئے جمع کئے تھے۔ اور ان کے ترتیب دینے میں مشغول تھا۔ میری کتاب ”اسرار تہ آب“ کیوجہ سے علمی دنیا میں میری شہرت بڑھتی جارہی تھی۔

ممالک متحدہ امریکہ کی حکومت کے جانب سے ایک بحری خطرہ کا پتہ لگانے کیلئے نہایت سرعت اور سرگرمی کے ساتھ کارروائیاں کیجارہی تھیں۔ کیونکہ امریکہ اور یورپ دونوں کی بحری دنیا میں ایک سمندری پراسرار واقعہ کیوجہ سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ تمام ملاح اور سائنس داں محو حیرت تھے۔ کئی جہازوں نے مختلف سمندروں میں ایک عجیب الخلقت شے کو نہایت خوفناک تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہوے مشاہدہ کیا تھا۔ اس کی رفتار اور حرکتیں اسقدر تیز تھیں کہ تجربہ کار اور ماہر ملاحوں کے لئے بھی اسکو اپنی اصلی ہیئت میں دیکھنا ناممکن معلوم ہوتا تھا اکثر جہازوں کے ملاحوں نے اندھیری راتوں میں دیکھا کہ ایک جسیم اور روشن چیز سطح سمندر سے کسی قدر نیچے نہایت سرعت کیساتھ جہاز کے کسی سمت کبھی روشن اور کبھی بغیر روشنی کے حرکت کررہی ہے۔

اس سمندری خطرہ کا یقین کرنے میں کسی شخص کو پس و پیش نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اسی زمانہ میں کئی جہاز اسی خطرناک شے سے برباد ہو چکے تھے۔ اور جہاز کیونارڈ اسکوشیہ بھی جو لیورپول کو جارہا تھا۔ اسکے حملہ کا نشانہ بنا تھا۔ اگر یہ جہاز ساتھ آب بند کمروں سے محفوظ نہ ہوتا۔ تو اسکی بھی تباہی یقینی تھی۔ لیورپول پہنچنے پر اسکا معائنہ کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جہاز کے سامنے کے حصہ میں مثلث نما ایک بڑا سوراخ پیدا ہو گیا ہے۔ راس کلیر سے تین سو میل کے فاصلہ پر اس پوشیدہ اور ہیبت ناک چیز سے اسکوشیا کا سامنا ہوا تھا۔ لیورپول میں اس جہاز کو بندرگاہ پر لایا گیا اور غیر معلوم حملہ آور کے ضرب کی تحقیقات پوری گرمی اور دلچسپی سے کیجانے لگی۔ اسوقت یورپ اور امریکہ کے لوگوں کی توجہ اسطرف منعطف ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح اس سمندری راز کا پتہ لگائیں۔ چنانچہ پبلک میں عام خیال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایک بحری مہم روانہ کیجائے۔ جو اس ہیبت ناک عفریت کا مقابلہ کرے۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو اسکو تباہ بھی کردے۔ اکثر سائنس دانوں کا یہ خیال تھا کہ یہ وھیل مچھلی کی قسم کا کوئی سمندری جانور ہے۔

اسی دوران میں وہ خطرناک اور عجیب الخلقت جانور ایک دخانی جہاز کو سان فرنسیسکو کیطرف آرہا تھا۔ بحرالکاہل شمالی میں دکھائی دیا۔ مشہور ملاح کپتان فراگٹ کی کمان میں ایک جنگی جہاز ”ابرہم لنکن“ جو امریکہ کے بیڑے میں سب سے زیادہ تیز رفتار جہاز تھا۔ اس مہم کے لئے منتخب کیا گیا۔ مجھکو بھی اس مہم میں فرانس کا نمایندہ ہونے کی حیثیت سے شرکت کی دعوت دیگئی۔ اور میں دیگر کاروبار کو ملتوی کر کے اس میں شریک ہونے کے لئے فوراً تیار ہو گیا۔ وفادار کلا کرسن نے اصرار کے ساتھ میری ہمراہی کا خیال ظاہر کیا۔ پچھلے دس سال کے دوران میں وہ ہر مہم پر میرے ساتھ رہا تھا۔ غرض اس مہم میں بھی وہ میرے ہمراہ ہو گیا۔ اور ہم بروکلن کی بندرگاہ سے بحرالکاہل کیلئے اس نامعلوم چیز کی تلاش میں روانہ ہوے۔

جہاز کے ملاح اور مختلف سائنس داں اس عظیم الشان جانور کو دیکھنے کیلئے ہمہ تن آرزو تھے میری ذاتی رائے یہ تھی کہ وہ کوئی سمندری خلقت غیر معمولی جسامت کی ہوگی۔ کیونکہ اس قسم کے جانور اکثر ہاتھی دانت کے مانند تیز اور فولاد کے سے سخت سینگ یا دانت سے مسلح ہوتے ہیں۔ یہ دانت یا سینگ بعض مرتبہ سات فٹ لمبے اور جڑ کیطرف پندرہ انچ موٹے بھی پائے گئے ہیں ممکن ہے کہ یہ جانور ان جانوروں سے جو ابتک معلوم کئے گئے ہیں جسامت میں کئی گنا بڑا ہو۔ اور اسی نسبت سے اسکا دانت زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہو۔ اس طرح یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ اس قسم کی خطرناک اور عظیم الشان خلقت غیر معمولی تیزی کے ساتھ سمندر میں تیر سکتی ہے۔ اور یہ نقصانات جو بیان کئے جاتے ہیں اسی کے حملوں کا نتیجہ ہوسکتے ہیں جہاز کے ملاحوں میں ایک شخص نڈلینڈ نامی مست کنا ڈا کا رہنے والا تھا یہ ایک چالیس سالہ غیر معمولی جسامت کا طویل القامت نہایت مضبوط اور تجربہ کار ملاح تھا۔ وہیل مچھلی کو نیزہ سے مار کر شکار کرنے میں اس کی شہرت عام تھی۔ اور اس کے دوست اسکو ”شہزادہ نیزہ بازاں“ کے لقب سے پکارتے تھے۔ بیشمار وھیل مچھلیاں اسکے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتر چکی تھیں۔ اب یہ بے حد اشتیاق کے ساتھ تیار تھا کہ اپنے نیزہ سے پوری قوت کے ساتھ اس جسیم اور ہیبت ناک عفریت کا مقابلہ کرے جس نے بحری دنیا میں ایک تلاطم پیدا کر دیا ہے۔ کئی ہفتے گذر گئے باوجود اشتیاق اور تجسس تمام کے ہمیں اسکا کوئی پتہ نہ ملا آخر کار اسی تلاش میں چار ماہ کا عرصہ ہو گیا جاپانی اور چینی ساحل تک ہم نے تمام سمندر چھان مارے لیکن تلاش بے سود ثابت ہوئی کپتان نے تنگ آکر واپسی کا تہیہ کر لیا تھا کہ ایک رات نڈلینڈ کی آواز یہ پکارتے ہوئے سنائی دی۔ وہ دیکھو جس چیز کی ہم کو تلاش تھی .... ہمارا شکار آواز کا سننا تھا کہ جہاز کے تمام لوگ کپتان افسر ملاح اور خلاصی تک جہاز کے عرشہ پر جمع ہو گئے۔ انجینیروں جہاز رانوں نے انجن تک کو چھوڑ دیا۔ جہاز صرف موجوں کے تھپیڑوں اور اپنی پہلی حرکت سے آہستہ آہستہ بہا جاتا تھا۔ کیونکہ انجن بالکل روک دیا گیا تھا۔ اب میرا دل سینہ میں نہایت زوروں سے دھڑک رہا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ نڈلینڈ کی آنکھوں نے اسے ہرگز دھوکہ نہیں دیا ہے۔ ساتھ ہی ہم لوگوں نے دو فرلانگ کے فاصلہ پر سطح سمندر سے چند گز نیچے ایک عجیب روشن چیز کو دیکھا۔ ایک افسر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ چیز فاسفورس کے ذرات کا ایک غیر معمولی مجموعہ ہے۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ یہ روشنی تو برقی نظر آتی ہے۔ اور ابھی میں

کپتان سے یہ کہہ ہی رہا تھا کہ وہ عجیب چیز ہماری جانب حرکت کرنے لگی۔

کپتان نے فوراً انجن کو چلانے کا حکم دیا اور ہمارا جہاز اپنی پوری قوت اور تیزی سے چلنے لگا لیکن اس روشن اور دیو ہیکل جانور نے فوراً ہی جہاز کو آلیا اور نہایت ہی خوفناک اور غیر معمولی تیز رفتاری کیساتھ ہمارے جہاز کے گرد چکر لگانے لگا۔ اسکی روشنی جگنو کے مانند کبھی نظر آتی کبھی غائب ہو جاتی تھی اسلئے کبھی وہ جہاز کے اس جانب نظر آتا تو فوراً ہی دوسری جانب دکھائی دیتا۔ اس قدر اندھیرے میں اتنی تیز رفتار چیز پر حملہ کرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ آدھی رات گذرنے کے بعد وہ ہیبت ناک چیز سمندر کی گہرائی میں کبھی نمایاں ہوتے ہوئے غائب ہو گئی لیکن دو گھنٹے کے وقفہ کے بعد ہوا کے رخ سمندر کی سطح پر پھر نمودار ہوئی۔ گویا سانس لینے کیلئے۔ ہوا اس کے گل پھڑوں میں اس تیزی اور شور کیساتھ داخل ہو رہی تھی جیسے دو ہزار گھوڑوں کی طاقت والے انجن کے استوانوں میں بھاپ۔ میں نے کہا کہ ایک پوری رجمنٹ کی طاقت والی مچھلی تو شکار کے لئے بہت اچھی ہے۔

پو پھٹنے کے قبل ہی سے حملہ کرنے کی تمام چیزیں بالکل تیار تھیں۔ نڈ لینڈ اپنے نیزہ کو خاموشی کے ساتھ تیز کر رہا تھا۔ لیکن صبح چھ بجے کے قریب وہ چیز پھر غائب ہو گئی اور سمندری کہرنے ہمیں دوسری حرکات کے مشاہدے سے باز رکھا۔ آخر کار آٹھ بجے تک فضا صاف ہو گئی۔ اور یکایک میز نڈ لینڈ کی آواز آئی۔

"وہ دیکھو!! بالکل قریب......"

یقیناً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک بڑا سیاہ جسم سمندر کی موجوں پر اپنا اگلا حصہ باہر نکالے ہوئے نظر آیا۔ اور اس کے پیچھے پانی سپید جھاگ کی صورت میں ایسا نظر آتا تھا۔ جیسے کوئی بڑی مچھلی اپنے دم کے تھپیڑوں سے سطح سمندر پر جھاگ پیدا کر رہی ہو۔

یکایک وہ جانور ہمارے جہاز کی طرف حرکت کرنے لگا۔ اور ایک لمحہ میں وہ ہم سے بیس فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ نڈ لینڈ اپنے نیزہ سے حملہ کرنے کیلئے تیار ہی تھا کہ وہ دیو ہیکل جانور آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والی روشنی سے چمکنے لگا۔ فوراً ہی نڈ لینڈ نے اپنا نیزہ پوری قوت کے ساتھ اس پر پھینکا۔ ایسا معلوم ہوا کہ نیزہ ایک سخت جسم کے ساتھ ٹکرایا۔ اسکا ٹکرانا تھا کہ فوراً ہی روشنی خاموش ہو گئی۔ اور پانی کی دو زبردست دھاریں فوارہ کے مانند جہاز کے عرشہ پر پڑنے لگیں۔ اور دوسرے لمحہ میں میں سمندر کی موجوں میں تھا۔ اگرچہ میں اچھا پیراک تھا تاہم بڑی مشکل سے سطح آب پر اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے وفادار کلارکسن کو میرے بچانے کیلئے سمندر میں کودتے دیکھا۔ کلارکسن مجھ سے بہت زیادہ مضبوط اور طاقتور تھا۔ اس نے مجھے اپنے چند کپڑوں کو فوراً علحدہ کر دینے کے لئے کہا اور ان کے اتارنے میں مجھے مدد بھی دی۔

سمندر کی موجیں نہایت تند اور تیز تھیں میری طاقت نے جواب دیدیا اور میں بیہوش ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک تیرتے ہوئے جزیرہ پر تھا۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوا کہ ہم اسی دیو ہیکل مخلوق کی پشت پر تھے۔ جو لوہے کے مانند سخت معلوم ہوتی تھی۔ ابھی ہم سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ چیز حرکت کرنے لگی۔ اور خوف ہوا کہ یہ پھر کہیں سطح سمندر کے نیچے نہ چلی جائے۔ اور حقیقت میں جب وہ غوطہ لگانے والی ہی تھی کہ نڈ لینڈ نے اس آہنی پشت کو اپنی پوری قوت سے پیٹنا شروع کیا فوراً اس پر ایک کھڑکی نمودار ہوئی آٹھ نقاب پوش آدمی اس راستہ سے نکلے اور ہم تینوں کو زبردستی اندر کھینچ لیا۔ ہمارے اندر داخل ہو جانے کے بعد دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے نصف ساعت بعد تک ایک نہایت ہی تاریک کمرہ میں بند تھے تب ایک برقی روشنی سے کمرہ منور ہو گیا۔ اسکا طول تقریباً ۲۰ فٹ اور عرض ۱۰ فٹ تھا۔ دو آدمی کمرہ میں داخل ہوئے۔ جن میں سے ایک دراز قد زرد رنگ اور سیاہ آنکھوں والا تھا لیکن اعضا کے تناسب سے وہ مضبوط اور قوی معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ کہ ان سے ہم نے ہر زبان میں مثلاً فرانسیسی، جرمنی، انگریزی، اور لاطینی میں گفتگو کی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہماری زبان بالکل نہیں سمجھتے اور ان کی آپس کی گفتگو ہماری سمجھ کے باہر تھی۔ لیکن انھوں نے ہمارے لئے غذا اور لباس مہیا کیا۔ غذا ہمارے لئے بالکل عجیب تو ضرور تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ لذیذ بھی تھی۔ کھانے کے بعد ہم چونکہ تکان کے مارے چور ہو رہے تھے گہری نیند نے ہم پر غلبہ حاصل کر لیا۔

دوسرے دن وہی دراز قد شخص اس کمرہ میں داخل ہوا۔ یہ شخص جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کپتان نیمو نامی اس عظیم الشان آب دوز کشتی کا مالک تھا۔ مجھ سے فرانسیسی زبان میں کہنے لگا۔

"میں تمہارے معاملہ پر غور کرتا رہا۔ اور اسوقت تک تم سے گفتگو مناسب نہیں سمجھی جب تک کہ میں کسی تصفیہ تک نہ پہنچ لوں تم نے میرا تعاقب اسلئے کیا ہے کہ مجھے برباد کر دو میں نے سوسائٹی سے قطع تعلق اپنے خانگی وجوہ کی بنا پر کیا ہے۔ اور اسکے متعلق میں نے بالکل تصفیہ کر لیا ہے۔

تمھیں موت یا زندگی دونوں مواقع کا حق انتخاب دیتا ہوں اگر تم بغیر چون و چرا میری اطاعت قبول کر لو اور چند گھنٹے یا چند دن جیسا موقع ہو میری حراست میں رہنا چاہو تو تم محفوظ ہو۔

"مسٹر سیرو! تمھیں شکایت کا بہت کم موقع ہے کیونکہ تم نے سمندر کی زندگی کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی ہے اور تمھاری وہ کتاب اسوقت میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور تمھیں بیحد مسرت ہوگی۔ جب میں اس زندگی کے معجزوں سے تمھیں روشناس کر دوں گا۔ مجھے ان سے پیدائش ہے......... یہ ہرگز کسی مطلق العنان ظالم کی ملکیت نہیں ہو سکتے۔

درحقیقت یہ آب دوز کشتی معجزات اور نوادرات کا ایک مجموعہ تھی۔ کھانے کے کمرہ کے علاوہ اس میں ایک بہت بڑی لائبریری تھی جس میں مختلف علوم کی بارہ ہزار کتابیں موجود تھیں اس کے علاوہ ایک بڑا ملاقاتی کمرہ تقریباً تیس فٹ طول۔ اٹھارہ فٹ عریض اور پندرہ فٹ اونچا تھا۔ کمرہ کی دیواریں بہترین نقاشوں اور مصوروں کی تصویروں اور خوبصورت سنگ مرمر اور برنجی مجسموں سے مزین تھیں، ایک گوشہ میں ایک بڑا پیانو رکھا ہوا تھا، شفاف شیشے کے برتنوں میں بہت سی سمندری عجائبات سلیقے سے سجائی ہوئی تھیں۔ جو ایک ماہر طبعیات کی توجہ کا خاص باعث تھیں۔ ایک خوبصورت اور بڑے صندوق میں بے شمار نہایت آبدار موتی رکھے ہوئے تھے۔ جن کی قیمت کروڑں روپیوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ کپتان نیمو نے مجھ سے کہا کہ اس نے ان موتیوں کی تلاش میں تقریباً تمام سمندروں کو چھان مارا ہے۔

جو کمرہ میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ وہ تمام سامان راحت اور تعیش سے سجا ہوا تھا۔ لیکن خود کپتان کا کمرہ ایک خانقاہ کی کوٹھری سے بھی زیادہ سادہ اور معمولی تھا۔ لیکن اس میں بے شمار عجیب و غریب آلات جڑے ہوئے تھے۔ جن سے ناٹیلس (اس آبدوز کشتی کا نام) کی حرکات اور رفتار کو قابو میں رکھا جاتا تھا۔ برقی قوت اور روشنی ایک بہت بڑے ڈینمو کے ذریعہ حاصل کیجاتی تھی۔ تازہ ہوا حاصل کرنیکا یہ طریقہ تھا کہ سطح سمندر پر پہنچنے کے بعد تازہ ہوا کی بڑی مقدار کو ایک آلہ کے ذریعہ داب کر منقبض کر لیا جاتا تھا۔ اور یہ ہوا کئی گھنٹوں کیلئے کافی ہوتی تھی۔ انجن کا کمرہ تقریباً ۶۵ فٹ طویل تھا۔ اسی میں برق حاصل کرنیکا ڈینمو لگا ہوا تھا۔ اور یہی برقی قوت اس آبدوز کشتی کے چلانے میں استعمال کیجاتی تھی۔ کپتان نیمو کہتا تھا کہ یہ کشتی سطح سمندر سے چند گز نیچے ۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتی ہے۔ کشتی کے اوپر کیجانب ایک پانی کا حوض تھا جسکو بھرنے سے کشتی نیچے جا سکتی تھی اور خالی کرنے سے سطح آب پر پہنچ سکتی تھی۔ لیکن یہ عمل کپتان نیمو ایک معمولی کل اسی کے گھمانے سے بہ آسانی کر سکتا تھا۔ کشتی کے اوپر سامنے کے جانب ایک بڑا صندوق تھا جسکے سامنے (۱۰) انچ موٹا محدب آئینہ لگا ہوا تھا۔ اور اسی کے سامنے کشتی چلانے والے کی نشست بنی ہوئی تھی۔ اوپر کیجانب سے ایک تیز برقی روشنی اس شیشے میں سے گذرتی تھی۔ جس کی وجہ سے کشتی کے سامنے نصف میل تک ہر ایک چیز بخوبی نظر آتی تھی۔ اس کشتی میں تارپیڈو کے مانند چند کشتیاں چھت کی نالیوں میں لگی ہوئی تھیں۔ ایک بڑی نلکی کے ذریعہ ان میں جانیکا راستہ تھا۔ اور جب اس میں پہنچ کر نلکی کے دروازہ کو بند کر لیا جاتا تو فوراً یہ چھوٹی کشتی کارک کے مانند سطح آب پر پہنچ جاتی۔

کپتان نیمو نے اس کشتی کی تعمیر ایک ویران

جزیرہ میں کی تھی اور راز افشا ہو جانیکے خوف سے شنری اور کشتی کے مختلف سامان کو مختلف ممالک میں تیار کروایا تھا

علم طبعیات کا ماہر ہونے کی وجہ سے میں سمندر کے نیچے کے عجائبات اور نوادرات کے دیکھنے کا بیحد شائق تھا۔ ان عظیم الشان اور تڑپتی ہوئی موجوں کے نیچے کی دنیا نے یقیناً میرے لیئے اس زندگی میں ایک کشش اور دلچسپی پیدا کردی تھی تاہم اسپر بھی میں اپنے آپ کو اس قیدی کیطرح محسوس کرتا تھا جسے رہائی کی امید نے بالکل جواب دیدیا۔ لیکن جب سمندر کے نیچے اس آبدوز کشتی کے دونوں جانب شیشے کے دریچوں کے فولادی دروازے اٹھادئے جاتے اور ہماری تیز برقی روشنی سے مسحور سمندر کی عجیب و غریب بیشمار مخلوق اپنے مختلف رنگوں میں کشتی کے اطراف ایک ہنگامہ بپا کرتیں تو میرے تعجب اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ کئی دن گذرتے گئے نہ کپتان نیمو نے صورت دکھا اور نہ کشتی کا کوئی دوسرا ملاح نظر آیا لیکن ناٹیلس کا سفر جاری تھا۔ پہلے تو وہ ہمیں انہائے ٹارس اور ساحل پاپونیا تک لیگئی۔ پھر بحر قلزم سے ہوتے ہوئے بحر ہند کے نہایت ہی جنوبی حصہ میں داخل ہوئی۔ اور اسٹریلیا کے ایک ویران جزیرہ میں چند دن تک قیام رہا۔ اس تعجب خیز اور حیرت انگیز سفر کے دوران میں میری زندگی اسطرح گذری جو جو مواقع اور حوادث پیش آئے جن میں عجیب اور دلچسپ نوادر کا مشاہدہ ہوا۔ اسکا عشر عشیر بھی کسی ماہر طبعیات کے خواب و خیال میں نہ گزرا ہوگا۔ میں اس وقت اس کی تفصیلات میں نہیں جاؤنگا لیکن یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم لوگ قید میں ہونے کیوجہ سے ناٹیلس کے اندرونی حصوں سے کبھی باہر ہی نہ نکلے۔

میری حیرت اور تعجب کی کوئی انتہا ہی نہ رہی جب ایکدن کپتان نیمو نے مجھے سمندر کے تہہ آب جنگلات میں شکار کرنے کی دعوت دی یہ جنگل جزیرہ کریسپو کے مشرقی سمندری گہرائیوں میں بہت دور پھیلا ہوا تھا۔ یہ جزیرہ بحر الکاہل شمالی میں واقع تھا۔ ہم سے کہا گیا کہ ناشتہ خوب سیر ہو کر کرلیں۔ کیونکہ شکار سے واپس ہونے میں ممکن ہے کہ بہت دیر ہو جائے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم کو اس عجیب غذا کے کھانے کی عادت بھی ہوگئی تھی۔ اس کی تمام چیزیں سمندر سے حاصل کیجاتی تھیں۔ ہماری اس بحری تفریح کیلئے کپتان نیمو نے ہم کو ایک خاص قسم کا لباس دیا۔ جو ہندوستانی ربر کا بنا ہوا تھا۔ اسے سر سے پاؤں تک پہن لیا جاتا تھا۔ لباس سے ملحق پشت کیجانب ایک چھوٹا فولادی صندوق تھا جس میں منقبض ہوا بھری ہوئی تھی۔ اور اس کی نلکیاں ایک تانبے کی ٹوپی سے جو چہرہ پر پہن لیجاتی تھی ملی ہوئی تھیں۔ ہمارے ساتھ طاقتور [illegible] اور برقی پستول تھے۔

جب ہم نے اس لباس کو زیب تن کرلیا تو ہم کپتان نیمو کے ساتھ ناٹیلس کے سب سے نیچے کے ایک چھوٹے اور تاریک کمرہ میں بدقت تمام داخل ہوئے کیونکہ اسوقت ہمارے جوتوں کے تلے سیسہ کے بنے ہوئے تھے۔ اس تاریک کمرہ میں داخل ہونیکے بعد آہنی دروازہ بند کرلیا گیا۔ اور کمرہ میں پمپ کے ذریعہ پانی داخل کیا گیا۔ جسے ہم نے اپنے اطراف بڑھتے ہوئے بخوبی محسوس کیا۔ جب کمرہ پوری طرح پانی سے بھر گیا۔ تو باہر کا دروازہ کھلا۔ باہر نکلتے ہی ہم سمندر کی زمین پر تھے۔ تھوڑی دور تک تو ہم نہایت نرم ریت پر چلتے رہے۔ اسکے بعد ہمارے راستہ میں ناہموار چٹانیں اور سمندری گھنا جنگل تھا۔ مجھے ''رفتہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں خود پریوں کے ملک میں،، کے عجائبات دیکھ رہا ہوں۔ یہاں کے درخت بالکل ہموار اور اونچے تھے۔

میرے لیئے جس نے ایک ضخیم کتاب ''اسرار تہ آب'' پر لکھی ہو اور جس نے ان واقعات کا دیکھنا تو کیا کبھی انکا خیال و گمان بھی نہ کیا ہو۔ سمندر کے نیچے کی زندگی کا خود اسطرح مشاہدہ اور تجربہ کرنا۔ حقیقت میں معجزہ سے کم نہ تھا۔ ہم نے بہت سے عجیب جانوروں کا شکار کیا۔ جس میں ایک نفیس سمندری اودبلاؤ قابل ذکر ہے۔ جو صرف شمالی بحر الکاہل کی چٹانی گہرائیوں میں ملتا ہے۔ یہ اودبلاؤ پانچ فٹ لمبا تھا جس کی کھال پانچسو ڈالر سے کم قیمت کی نہیں تھی۔

اس سفر کے عجائبات نے مجھے اسطرح مسحور کر رکھا تھا کہ دن پر دن گزرتے جارہے تھے۔ اور مجھے اسکا کچھ احساس نہ تھا۔ کپتان نیمو باوجود اسقدر ہمدردی اور محبت کے میرے لیئے عنقا سے کم پراسرار نہیں تھا۔ ایکدن اس کے لفٹننٹ نے اس محدب شیشہ میں سے کسی چیز کیطرف خاص طور سے اشارہ کیا۔ جسکے دیکھتے ہی کپتان بیحد مغلوب الغضب ہوگیا۔ اور ہم لوگ فوراً اسی تاریک کمرہ میں بند کردئے گئے جس میں کہ ہم پہلے دن قید کئے گئے تھے۔ دوسری صبح جب میں بیدار ہوا تو کپتان میرے کمرے میں داخل ہوا اور مجھے ایک زخمی انگریز کو دیکھنے کے لئے لیگیا۔ جسکا سر کئی جگہ سے چوٹ کھایا ہوا تھا۔ اسکے دیکھنے کے بعد جب میں نے کپتان سے کہا کہ یہ شخص دو گھنٹے سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو کپتان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس بعد میں اپنے کمرے میں چلا گیا گیا۔ اور مجھے خیال پڑتا ہے کہ اسی روز میں نے جہاز سے کے ماتمی مرثیہ کی آواز بھی سنی تھی۔ دوسرے دن میں ان کے ساتھ سمندر کی تہہ میں ایک مونگے کے مقام پر گیا۔ وہاں ان لوگوں نے اس انگریز کو دفنا دیا حقیقت میں سمندر کے نیچے یہ ایک چھوٹا سا قبرستان تھا۔ میرے اس خیال کی بنا یہ تھی کہ میں نے وہاں پر چند مونگے کی صلیبوں کو جابجا نصب کئے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے برخلاف نڈلینڈ اس قسم کی بحری زندگی سے بیحد گھبرا گیا تھا۔ اور اس کے لئے اب کوئی دلچسپی کا سامان یہاں نہیں تھا۔ اب ہم جنوبی امریکہ کے مشرقی جانب ساحل کے متوازی سفر کر رہے تھے۔ اسی کو ہم جزیرہ ہارٹ کنٹنٹ سے تقریباً پانچسو میل کے فاصلہ پر ہوں گے۔ کہ وہاں میں نے تقریباً پندرہ سو گز کی گہرائی میں برقی کیبل کو سمندر کی تہہ پر دیکھا۔ نڈلینڈ کی بے چینی اور بے قراری کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب ساحل امریکہ کی جھلملاتی ہوئی تصویر اسکے نظروں کے سامنے نمودار ہوئی کپتان نیمو نے اپنا راستہ بدل کر آئرلینڈ کے جانب کردیا۔ لیکن بعد اور جنوب کے جانب رخ کیا۔ اور ہم ۳۰ مئی کو لینڈ اینڈ کے نزدیک سے گذر رہے تھے۔

دوسرے روز تمام دن ہمیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ناٹیلس نہایت سرعت کے ساتھ متواتر دائروں کی صورت میں ہے۔ جیسے کسی خاص مقام کے اطراف تیزی سے گردش کررہی ہو۔ کپتان بے حد غمگین نظر آتا تھا۔ میں اس سے ملا لیکن اس نے مجھ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔ اسکے دوسرے دن فضا بالکل صاف تھی مشرق کیجانب آٹھ میل کے فاصلہ پر صرف ایک دودخانی جہاز نظر آیا جسپر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ لیکن یکایک کپتان اپنے آلہ کو دیکھکر چلایا :-

''وہ یہاں ہے ......'' اور فوراً ہی ناٹیلس سمندر کی تہہ پر پہنچ گئی۔ پہنچتے ہی ناٹیلس کے باہر روشنی کردی گئی۔ اور بازو کے آہنی دروازے گرادئے گئے۔

اس روشنی میں ہم نے بالکل قریب ہی ایک تباہ شدہ جہاز کو بیشمار سمندری گھونگوں اور سیپیوں سے ڈھکا ہوا دیکھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس جہاز کو غرق و تباہ ہوکر ایک زمانہ دراز گذر چکا ہے۔ چنانچہ میں اسی جہاز کے دیکھنے میں محو حیرت تھا کہ کپتان کو اپنی کشتی یہاں لانے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ کہ کپتان میرے نزدیک آکر آہستہ سے کہنے لگا :-

''وہ جہاز جسکے تباہ شدہ سامان کو تم دیکھ رہے ہو۔ اسکا نام ''مارسیلز'' تھا۔ یہ ۱۷۶۲ء میں سمندر میں ڈالا گیا۔ اسپر ۷۴ توپیں قائم کیگئی تھیں۔ جہاز ''پرسٹن'' کے مقابلہ میں نہایت بہادری اور شجاعت کیساتھ لڑا۔ محاصرہ ''ناگراڈا'' اور خلیج ''چیساپیک'' کی جنگ تک سرگرم کار رہا۔ تب ۱۷۹۲ء میں حکومت فرانس نے اسکا نام تبدیل کردیا۔ اسکے بعد یہ ''برسٹ'' کے بیڑے میں شریک کیا گیا تاکہ سامان رسد لانے والے جہازوں کی حفاظت کرے۔ اسی موقع پر اس مخالف جہاز کا انگریزی بیڑے سے مقابلہ ہوگیا۔ آج سے بہتر سال قبل ٹھیک اسی مقام پر ایک عظیم الشان جنگ ہوئی۔ نہایت ہی بہادری سے لڑنے کے بعد اسکا مستول ایک توپ کے گولے سے بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اور جہاز کو آگ لگ گئی۔ اسپر بھی بہادر سپاہی مقابلہ میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ نصف سے زیادہ آدمی اس جنگ میں کام آئے۔ اسپر بھی انھوں نے اطاعت قبول کرنے کے بجائے اپنے ۳۵۶ ملاحوں کے ساتھ سمندر میں

غرقاب ہو جانے کو ترجیح دی۔ اپنے نشان کو ٹوٹے ہوئے مستول سے باندھ کر بہادر ملاح سمندر کی موجوں میں یہ نعرہ لگاتے ہوئے ڈوب گئے کہ:۔

"جمہوریت فرانس ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے"

معاً میں نے پوچھا "آونگر تو نہیں؟"

کپتان نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا

"ہاں۔ آونگر ہی!

کیا اچھا نام تھا!!"

کپتان کے اس بیان سے میں بیحد متاثر ہوا اور مجھے صاف محسوس ہوا کہ انسانی معاشرے کیساتھ کپتان کی مخالفت کوئی معمولی مخالفت نہیں ہے اس لئے اس نے کپتان اور اسکے ساتھیوں کو آبدوز کشتی میں بند کر رکھا ہے

آخر کار ہم آونگر کے مدفن کو چھوڑ کر نہایت سرعت کیساتھ سطح سمندر پر آنے لگے۔ اور جب سطح آب پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہی جنگی جہاز ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ جونہی ناٹیلس کے اوپر کا حصہ سطح آب پر نمودار ہوا۔ ایک دھیمی سی توپ کی آواز سنائی دی۔ یہ دیکھکر نڈلینڈ کے دل میں اس تائید سے رہائی کی امید پھر عود کر آئی۔ اس جنگی جہاز پر کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک لمحہ کیلئے میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اب فوراً ہی ہمیں رہائی کا موقع مل جائیگا کہ اتنے میں دوسری توپ کی آواز سنائی دی۔ اب وہ جہاز ہم پر گولہ باری کر رہا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ جس وقت ہم لوگ جہاز "ابرہم لنکن" پر تھے۔ اور نڈلینڈ کے نیزہ لے جب کسی فلزی سخت چیز سے ٹکرایا تھا تو یقیناً جہاز کے لوگوں کو یہ خیال گزرا ہوگا کہ جس چیز کو وہ ایک دریائی مخلوق سمجھ رہے تھے وہ درحقیقت ایک انسانی دانائی اور چالاکی کا نتیجہ ہے۔ اسلئے ممکن ہے تمام دنیا کے جنگی جہازوں نے اسکے برباد کرنیکا بیڑا اٹھایا ہو۔ اور اب ہم کو بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اسوقت ہم لوگ ناٹیلس کے سب سے اوپر کے حصہ پر کھڑے تھے۔ نڈلینڈ رہائی کی امید میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ اور اسی جذبہ کے عمل بغیر سمجھے بوجھے دشمن کیطرف اپنے رومال سے اشارہ کرنا چاہا۔ ابھی اشارہ کیلئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ کپتان نیمو کے زبردست فولادی پنجہ میں تھا۔ کپتان نے اسوقت نہایت خوفناک چہرے کے ساتھ بڑھتے ہوئے جنگی جہاز کیطرف متوجہ ہو کر غضب آلود لہجہ میں کہا:۔

"اے ملعون قوم کے جہاز جانتا ہے کہ میں کون ہوں .... مجھے تیرے نشان کے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ لے ..... میرا نشان دیکھ"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سیاہ جھنڈی ہلائی۔ اور نہایت ہی سخت لہجہ میں ہم کو نیچے چلے جانے کیلئے کہا۔ ہم اندر داخل ہو ہی رہے تھے کہ ایک گولہ ناٹیلس کے بالکل قریب آکر بیٹھا۔ کپتان نے نہایت آہستہ اور سنجیدہ آواز میں کہا:۔

"ہاں تم نے حملہ شروع کر دیا ہے .... میں اس جہاز کو غرق کئے بغیر ہرگز نہ چھوڑونگا لیکن یہاں نہیں ..... نہیں ...... یہاں نہیں ...... اسکا تباہ شدہ سامان آونگر سے ہرگز نہیں ملیگا"

سوائے اطاعت کے ہمارے لئے کوئی دوسری صورت ہی نہیں تھی۔ ہم سب نیچے چلے گئے ناٹیلس کی مشنری میں غیر معمولی حرکت ہوئی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ہم گولوں کی زد سے باہر تھے۔ اندر پہنچنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے مجھے اطمینان قلب نصیب ہوا۔ کچھ خوف کچھ امید کی حالتوں میں نے کپتان سے پھر ملنے کی جرات کی تاکہ اسکو اس جہاز کے تباہ کرنے سے باز رکھ سکوں۔ اس کی کشتی اب اسی جہاز کے اطراف اسطرح چکر کاٹ رہی تھی جیسے کوئی درندہ اپنے شکار پر حملہ کرنے کیلئے داؤں لگا رہا ہو۔ میں ابھی کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ کپتان نے میری طرف پلٹ کر نہایت غضبناک آواز میں مجھے نیچے چلے جانیکا حکم دیا۔ اور نہایت ہی کرخت آواز میں کہنے لگا:۔

"یہاں پر قانون اور منصف میں خود ہی ہوں.. .... وہ ظالم ہیں۔ انھیں نے میری محبت کے مجسموں کو برباد کیا ہے .... جن سے مجھے عشق تھا .... (پردرد لہجہ میں) جو میری آنکھوں کا تارا تھا .... جسکا تقدس میرے سینہ میں موج زن ہے .... میرے والدین .... میری بیوی .... میرے بچے .... میں نے ان کو ظلم کے ہاتھوں فنا ہوتے ہوئے دیکھا ......

دنیا میں جن چیزوں سے مجھے نفرت ہے۔ وہ سب اس جہاز میں موجود ہیں۔ اب کسی رواداری کی ضرورت نہیں ...."

ایسی غضبناکی اور نفرت کے موقع پر مزید اصرار کی کوشش بالکل فضول تھی۔ میں اور میرے ساتھیوں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ جب ناٹیلس اس جہاز پر حملہ کرے۔ تو یہاں سے رہائی کی ہر ممکنہ کوشش کیجائے۔ دوسرے دن ۲ جون کو صبح چھ بجے جب ہم بیدار ہوئے تو معلوم ہوا کہ ناٹیلس اسی جہاز کے قریب ہے۔ ہم تینوں فرار ہونے کیلئے بالکل مستعد ہو کر جب اوپر کے دروازے پر پہنچے تو ہم نے اس دروازے کو مضبوطی سے بند پایا۔ اب ہماری رہائی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ فوراً ہی اوپر کے حوض میں پانی کے داخل ہونے کی آواز سنائی دی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اب ہم نیچے کی جانب جا رہے ہیں۔ ناٹیلس کی مشنری اپنی پوری قوت سے کام کر رہی تھی۔ اور مشنری کی اس زبردست حرکت سے ہماری پوری کشتی لرزنے لگی۔ اس کے بعد ایک زبردست جھٹکا محسوس ہوا اور ناٹیلس کے ایک طاقتور تارپیڈو نے اس نامعلوم جنگی جہاز کے پچھلے حصہ کو بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دہشت سے بدحواس ہو کر میں بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ کپتان نہایت مغموم صورت بنائے اس شیشہ کے دریچوں کے نزدیک کھڑا ہوا تھا۔ جسکے بیرونی فولادی دروازے نیچے کیجانب ڈھکیل دئے گئے تھے۔ نہایت خطرناک اور تسکین آمیز آنکھوں سے کپتان اس تباہ شدہ جہاز کو مع اسکے آدمیوں کے سمندر کی موجوں کے نیچے دفن ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ناٹیلس بھی اسکے ساتھ ساتھ سمندر کے نیچے جا رہا تھا۔ تاکہ اس کا کپتان اس ڈوبتے ہوئے جہاز کو اپنی سمندری قبرستان تک پہنچنے کا تماشا دیکھ سکے۔ جب اس نے یہ تمام نظر سوز نظارہ دیکھ لیا تو آہستہ آہستہ اپنے کمرہ میں داخل ہوا۔ میں بھی خاموشی سے اس کے پیچھے تھا۔ کمرہ کی دیوار پر ایک خوبصورت نوجوان عورت اور دو چھوٹے بچوں کی تصویر لٹک رہی تھی۔ کپتان نے جونہی کہ اس تصویر کو دیکھا اپنے دونوں بازو اسکیطرف پھیلا دئیے۔ اور اب اس کے چہرہ پر اس پہلی خطرناک نفرت کا ایک شائبہ بھی نہیں تھا۔ ایسی حالت میں وہ گھٹنوں کے بل گر پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے مجھے اس شخص سے ایک عجیب قسم کا خوف محسوس ہونے لگا۔ اور اس شخص پر اگرچہ بیحد ظلم ہوا تھا لیکن اس کو اس قسم کا سخت انتقام لینے کا کوئی حق نہیں تھا

ناٹیلس اسوقت اپنی پوری تیز رفتاری پر تھی۔ اور قطب نما کی مدد سے ہم یہ سمجھ سکتے تھے کہ اب اسکا رخ شمال کی جانب ہے۔ وہ کہاں جا رہی تھی ہ؟ یہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ تاہم اس رات ہم نے بحر قلزم میں چھ سو میل کا فاصلہ طے کیا۔ رفتار کو کم کئے بغیر ناٹیلس کا سفر پوری طرح جاری تھا۔ پندرہ یا سولہ روز تک ہم قیدیوں میں سے کسی نے بھی نہ کپتان کو دیکھا اور نہ اسکے لفٹنٹ کو۔ بیچارہ نڈلینڈ حد درجہ کی یاس و ناامیدی حالت میں تھا۔ مجھ کو اور کلاکسن کو نہایت ہوشیاری کیساتھ اس کی نگرانی اور خبر گیری کرنی پڑی کیونکہ ہمیں اس کی خودکشی کا بیحد اندیشہ تھا۔ ایک دن صبح اس نے مجھ سے کہا کہ:۔

"آج رات کو ہم یہاں سے فرار ہونے والے ہیں مجھے معلوم ہوا کہ مشرق کیجانب یہاں سے تقریباً بیس میل پر ایک ساحل ہے میرے پاس تھوڑی سی غذا اور پانی موجود ہے۔ کلاکسن اور میں ٹھیک دس بجے شب کے اس حفاظتی کشتی کے دروازے پر آپکا انتظار کرینگے آپ ہم سے ٹھیک وقت پر ملئے۔ اگر اب کے مجھے رہائی حاصل نہ ہوئی تو آپ مجھ کو ہرگز زندہ نہ دیکھ سکینگے۔

میں نے کہا کہ "میں ضرور تمھارے ساتھ چلونگا۔ میں اس خیال سے کہ کم از کم ناٹیلس کی سمت معلوم ہو جائے۔ بڑے کمرہ میں داخل ہوا ہم لوگ شمال مشرق کیجانب سمندر کی سطح سے ۱۵ فٹ

نیچے نہایت سرعت کے ساتھ سفر کر رہے تھے میں نے اِن سمندری عجائبات اور نوادرات پر جو اس حیرت انگیز عجائب خانہ میں جمع کئے گئے تھے۔ ایک آخری نگاہ ڈالی۔ یہ ایک ایسا ذخیرہ تھا۔ جو سمندر کی گھرائیوں میں اپنے فراہم کرنے والے کے ساتھ ایک روز فنا ہو جانے والا تھا۔

اپنے کمرہ میں داخل ہو نیکے بعد۔ میں نے فوراً سمندری لباس اُتار پھینکا۔ اور اپنی نوٹ بک کو نہایت حفاظت کے ساتھ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ میرا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ میری گھبراہٹ کو دیکھکر کپتان کے دل میں کہیں شک نہ گزرے چنانچہ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اپنی گھبراہٹ کو دور کر نیکے لئے اپنے بستر پر خاموش پڑا رہوں جبتک کہ مقررہ وقت قریب نہ آجائے۔ دس بجنے ہی کو تھے کہ میں نے ملحقہ کمرہ میں کپتان نیمو کو پیانو پر ایک نہایت درد انگیز نغمہ بجاتے ہوئے سنا۔ مجھ پر یکایک یہ خوف طاری ہوا کہ جب تک کپتان ہوشیار ہے۔ میرا اس بڑے کمرہ سے گذرنا ناممکن ہے۔ میرے لئے اپنی رہائی کی یہ کوشش کرنی لازمی تھی چنانچہ میں نہایت ہی آہستگی کے ساتھ بڑے کمرہ کے دروازہ تک گیا۔ اور اسکو نہایت احتیاط سے کھولا۔ ابتک بھی کپتان اپنا درد انگیز نغمہ نہایت محویت کے عالم میں بجا رہا تھا۔ لیکن کمرہ میں تاریکی ہوئی تھی میں نہایت احتیاط کے ساتھ اس کمرہ سے کتب خانہ کے دروازہ تک پہنچا کتب خانہ کا دروازہ ابھی کھولا بھی نہیں تھا کہ کپتان کی ایک جگر دوز آہ نے مجھے ساکت کر دیا۔ وہ پیانو پر سے اُٹھ گیا تھا۔ لائبریری کے نیم وا دروازہ سے روشنی کی شعاعیں کمرہ میں گزر رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ کپتان اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے خراماں خراماں میرے طرف بڑھ رہا ہے۔ رونے سے اسکے سینے پر غیر معمولی اُبھار معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بڑبڑانے کی بھی کچھ آواز آرہی تھی جس کے آخری الفاظ جو میں سمجھ سکا یہ تھے:

"بس............ ایخدا .... بس..."

کیا وہ اپنی اس پُر اسرار زندگی پر تاسف کر رہا تھا؟ کیا میں نے سمندر کے نیچے مونگے کی قبرستان میں ایک انگریز کو جو یقیناً اسکے پُر اسرار مہلک طرز عمل کا شکار تھا دفن کرتے ہوئے اس کی آنکھوں کو پُر اشک نہیں دیکھا تھا؟

اب میں نے اپنے میں ایک نئی طاقت محسوس کی۔ کتب خانہ کا دروازہ کھولکر بے تحاشا اندر گھس گیا، اور وہاں سے مرکزی زینے کے ذریعہ اس مقام پر پہنچگیا جہاں میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے تھے۔ نڈلینڈ نے فوراً ہی اس راستہ کو جس کے ذریعہ ہم وہاں داخل ہوئے تھے۔ ایک آلہ کی مدد سے مقفل کر دیا۔ ہم حفاظتی کشتی میں داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔ نڈلینڈ جلد جلد ان بندھنوں کے کھولنے میں مصروف ہوگیا۔ جو ناٹیلس اور اس حفاظتی کشتی کو جوڑے ہوئے تھیں۔ یکایک آبدوز کے اندر ایک شور سنائی دیا۔ ہم نے سمجھا کہ اب ہم پکڑے گئے۔

تاہم اب ہم اپنی رہائی کی کوشش میں جان تک قربان کرنیکے لئے تیار تھے۔ نڈلینڈ ایک لمحہ کیلئے ساکت ہوگیا۔ اور شور بڑھتا جاتا تھا۔ وہ ایک خوفناک لفظ تھا جسکو ہم نے بیسیوں مرتبہ دھراتے ہوئے سنا:

"میلسٹارم! میلسٹارم!!"

کیا اسی مقام پر اسقدر سرعت کیساتھ ان کو ناٹیلس لیجانا منظور تھا؟ یا اتفاقاً وہ یہاں پہنچگئے تھے؟...... اسکے بعد ہمنے ایک گرجتی ہوئی آواز سنی اور ہمیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی چیز کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ فولادی مشنری کی آوازیں کڑکتی پیدا ہو رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ناٹیلس بالکل عمودوار گھڑی ہوگئی ہے۔ نڈلینڈ چلا رہا تھا کہ:

"اگر ہم کو اپنی جان سلامت رکھنا ہے تو ناٹیلس کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہئے" اب وہ اپنی پوری قوت اسپر صرف کر رہا تھا کہ کسطرح ان پیچوں کو جن سے حفاظتی کشتی اور ناٹیلس بندھے ہوئے تھے اور مضبوط کس دے ابھی وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک زبردست جھٹکا محسوس ہوا۔ حفاظتی کشتی بڑی کشتی سے علحدہ ہوگئی اب وہ کشتی جس میں ہم تھے اس بھنور سے سطح آب کی جانب تیر کی سی تیزی کیساتھ جا رہی تھی۔ ایک جھٹکہ کے ساتھ میرا سر کشتی کی آہنی چوکھٹ سے ٹکرایا۔ اور میں بیہوش ہوگیا۔

اس زبردست بھنور میں سے جہاں پر نہایت طاقتور مچھلیاں بھی موت کے گھاٹ اتر سکتی ہیں ہم کس طرح بچ کر نکلے۔ یہ حقیقت میں ایک معجزہ سے کم نہیں ہے جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو جزائر کے ایک مچھوے کی جھونپڑی میں پایا۔ میرے دونوں ساتھی بھی میرے نزدیک تھے۔ اور انھوں نے بیحد مسرت اور گرمجوشی کیساتھ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور مجھے تبلایا کہ کس طرح ہم لوگ اس چھوٹی حفاظتی کشتی میں بڑی بڑی موجوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے ایک تنکے کے مانند سطح آب پر تھے اور کس طرح مچھلی پکڑنے والوں کی ایک کشتی ہمارے قریب سے گزری اور انھوں نے ہمکو موت کے منہ سے بچاکر اپنے یہاں پناہ دی ..... وہاں پر ایک عرصہ تک مجھے اسٹیمر کا انتظار کرنا پڑا۔ جو ایک ماہ میں دو مرتبہ راس شمالی کو جاتا آتا تھا۔ اس عرصہ میں مجھکو اپنی پچھلی عجیب اور خطرناک مہم پر نظر ثانی کرنیکا موقع ملا جسکا اس کے قبل کسیکے دماغ میں خیال بھی نہ گزرا ہوگا لیکن انسانی ترقی نے سب کچھ ممکن کر دیا ہے۔ مجھے اسکا یقین ہو یا نہ ہو اتنا تو میں جانتا ہوں کہ اس دوران میں میں نے سمندر کے نیچے ساٹھ ہزار میل سفر کیا ہے۔

کیا اب بھی ناٹیلس کا کوئی وجود ہے؟ آیا کپتان نیمو ابھی تک زندہ ہے؟ کیا وہ میلسٹارم کی شب اس کی آخری شب تھی؟ کیا وہ اب بھی اپنے خطرناک انتقام کی کوشش میں سرگرداں ہے؟

ایکمرتبہ اس نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے وہ پُر اسرار واقعات قلمبند کئے ہیں۔ اسکا ارادہ تھا

ذخیرہ

صرف شہر نیویارک میں ساڑھے سات سو ایسے اشخاص ہیں جو بیس لاکھ پونڈ سے زیادہ کے مالک ہیں۔

سوئی ۱۳۷۰ء میں ایجاد ہوئی اور ۱۵۴۳ء میں، انگلستان میں اسکا استعمال عام ہوا۔

نہر سویز کی افتتاحی تقریب میں حکومت مصر کے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔

اسکندریہ نام کے دنیا میں پانچ شہر ہیں۔ ایک مصر میں دوسرا مملکت سویز پانا میں تیسرا ورجینیا میں چوتھا امریکہ میں [illegible] پانچواں اٹلی میں۔

پاناما میں بعض ایسے درخت ہیں جن میں جارنیٹ کے پھل لگے ہوتے ہیں اور یہ ہمیشہ کیطرح روشن نظر آتے ہیں۔

جزائر محیط الہادی میں ایک قسم کا پھل ہوتا ہے جس کی بو اور مزہ بالکل روٹی کا سا ہوتا ہے۔

قدیم زمانہ میں جرمنی کے لوگ جوئے میں اپنی اولاد اپنی عورتیں اور اپنی لونڈیوں کو بھی ہار دیتے تھے

ہندوستان میں (۲۲۰) زبانیں رائج ہیں۔

بیطاری کا سب سے پہلا مدرسہ مصر میں محمد علی پاشا کے حکم سے قائم کیا گیا۔

ایک گھوڑے کی طاقت ساڑھے سات آدمیوں کی قوت کے مساوی ہوتی ہے۔

اٹلی سب سے پہلی حکومت ہے جس نے بنک نوٹ جاری کئے۔

چڑیا دو دن تک کبوتر دس دن تک خرگوش چودہ دن تک کتا بیس دن تک بھوکا رہ سکتا ہے۔

امریکی سیاح ہر سال بیس لاکھ ڈالر غیر ممالک میں خرچ کرتے ہیں جن میں سے صرف فرانس میں ڈھائی لاکھ ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔

۱۹۱۰ء کی بہ نسبت آجکل مرد کی عمر کا اوسط ۸ سال اور عورت کی عمر کا اوسط (۱۲) سال بڑھ گیا ہے

جنوری ۱۹۲۳ء سے جولائی ۱۹۲۳ء تک انگلستان نے سات کروڑ اڑتیس لاکھ پانچ ہزار ساتھ سو آٹھ پونڈ صرف تمباکو میں صرف کر دئے تھے لیکن جنوری ۱۹۲۷ء سے جولائی ۱۹۲۷ء تک سات کروڑ ستالیس لاکھ اکتیس ہزار ایک سو باون پونڈ خرچ ہوئے۔

کوائف ہند

جام نگر ۱۸ نومبر ۔ ہز اکسلنسی لارڈ اروِن نے ریاست جامنگر کے فرمانروا کی تقریر کے جواب میں جسکا اکثر حصہ پبلک کے پولٹیکل حالات سے متعلق تھا ۔ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی موجودہ فرقہ وارانہ کشمکش ، خانہ جنگی ملک کی سیاسی ترقی کی راہ میں نہایت نقصان دہ ہے ۔ انھوں نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ ہندو اور مسلمان محبان وطن حتی الامکان اس روزافزوں خطرناک حالت کے خاتمہ کیلئے کوئی بات اٹھا نہ رکھیں گے ۔

شاہ افغانستان کی سیاحت یورپ کا مقصد

لاہور ۱۶ نومبر ۔ گورنر جلال آباد کو ہز مجسٹی شاہ افغانستان کا ایک فرمان موصول ہوا ہے جس میں وہ تقریر بھی ہے ۔ جو اپنے اعیان حکومت کو مخاطب کر کے ہز مجسٹی نے کی تھی ۔

"بفضل خداوندتعالی ۔۔ قوی حوصلوں اور مسلسل خادم ملت و مذہب دولت افغانستان کی کوششوں کے باعث افغانستان میں اب پہلا سا جمود باقی نہ رہا ۔ اور اب اسکا شمار بھی دنیا کی زندہ اور قابل ذکر اقوام میں ہے ۔ یہ زندگی جو آزادی کے قیام کے لیے بہت ضروری ہے اسی وقت قائم و برقرار رکھی جاسکتی ہے جبکہ زمانہ حاضرہ کی معاشرتی اصلاحوں اور موجودہ دور ترقی میں حصہ لیا جائے گذشتہ آٹھ برسوں کی آزادی کے اندر بہت سے ضروری قوانین نافذ کئے گئے اور میں نے خود ذاتی طور پر اسکی نگرانی رکھی کہ ملک کے ہر حصہ میں اس پر عملدرآمد ہو ۔ نیز میں نے ملک کی اندرونی حالت سے بھی واقفیت حاصل کی اور رعایا کے حالات معلوم کئے اور ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ میں نے اسکا بھی خیال رکھا کہ یورپ میں جو طریق معاشرت اسوقت ہے اس سے واقفیت حاصل کیجائے اور ان میں سے بہت سے طریقے اختیار بھی کر لیے گئے ہیں ۔ اور وہ طریقے اور بھی اختیار کئے جائینگے جو ہمارے ملک کیلئے ضروری ہیں ۔ اسی بنا پر میں نے یورپ کی سیاحت کا ارادہ کیا ہے تاکہ جن دول یورپ نے مجھے مدعو کیا ہے ان کے حالات سے واقفیت حاصل کروں ۔ اب میں عنقریب یورپ جانے والا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم نہایت ہوشیاری سے حکومت کروگے ۔ میری واپسی تک میری نیابت سردار محمد ولی خاں بحیثیت وزیر جنگ کرینگے اور اس خدمت کو وہ اپنی خدمات وزارت خارجہ کے ساتھ انجام دینگے ۔ جن کاغذات پر میری منظوری کی ضرورت ہوگی وہ ان کے سامنے پیش ہونگے ۔ ابھی روانگی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے ۔ انشاءاللہ وسط قوس میں کابل سے روانہ

بیرونی خبریں

زاغلول مرحوم اور مصطفے نحاس پاشا

لندن ۱۷ نومبر ۔ مصطفے نحاس پاشا کثیر تعداد آراء سے صدر جمہوریہ منتخب ہوگئے ہیں ۔ انھوں نے اسکا اعلان کیا کہ " میں زاغلول مرحوم کے نقش قدم پر چلونگا " ۔ انھوں نے کابینہ سے خواہش کی ہے کہ وہ ایک مسودہ قانون کو پیش کر کے اپنے وعدہ کا ایفا کریں جس سے وزارت کو زمانہ تعطیل میں قوانین کے نفاذ سے ممنوع کیا جائے ۔

لارڈ برکن ہیڈ کی تقریر

لندن ۱۸ نومبر ۔ لارڈ برکن ہیڈ نے مانچسٹر کانسٹی ٹیوشنل کلب میں تقریر کی جس میں آپ نے کہا اگر میں ہندوستان کے ان ذمہ دار رہنماؤں کو یہ مشورہ دوں کہ وہ کمیشن کا بائیکاٹ کرنیکا اس سے قبل عہد نہ کرلیں ۔ جب تک کہ وہ پارلیمنٹ کے تقریرات کو نہ سن لیں جو حکومت کے اس طریق کار پر عمل کرنے کیلئے پیش ہونگی ہیں جس کے طے کرنے کی پارلیمنٹ سے سفارش کیگئی ہے ،، اس کے بعد انھوں نے کہا . . . . . ان تمام حضرات سے جو اس راستہ پر چلنے کے متلاشی ہیں جس پر ہم اور وہ یکساں طور پر خواہش مند ہیں ۔ کہ ہندوستان کی قابل عمل اور ممکن الحصول خواہشات اور ان کے ہمدردانہ غور و خوص کیلئے عمل پیرا ہوں ۔ میں نہایت تمنا کے ساتھ ۔ کہونگا کہ وہ ایسے اعلانات اور عہد و پیمان کرنے میں بہت محتاط رہیں ،،

کردستان میں ترکی انتظامات

دیاربکر (سمرنا) سے جو اطلاعات وصول ہوتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کے فوجی حکام کی ترکی کردستان میں غیرمعمولی انتظامات کرر کھے ہیں ۔ تاکہ کردوں بغاوت کی آگ اطراف و اکناف میں نہ پھیل سکے ۔ تمام سرحدی علاقہ کامل طور سے محاصرہ کی حالت میں ہے ۔

غازی مصطفے کمال پاشا اور شاہ افغانستان

انگورہ ۔ ایک برقی پیام سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ افغانستان کا یورپ کی سیاحت کے بعد واپسی میں اعلحضرت غازی مصطفے کمال پاشا صدر جمہوریہ ترکی سے ملاقات کرنے کا ارادہ ہے ۔ (الاتحاد)

جرمنی اور السنہ مشرقیہ

جرمن اخبارات میں السنہ مشرقیہ کی اکاڈیمی کی چالیسویں سالگرہ کے موقع پر مسرت کا اظہار کیا ہے ۔ اس کا

مقامی خبریں

۲۶ رجب بروز پنجشنبہ ٹون ہال میں تقسیم اسناد کا جلسہ ہوگا جس میں ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر " امیر جامعہ " کامیاب طلبہ کو اسناد عطا فرمائینگے ۔ اور نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس کو ۔ ال ۔ ال ۔ ڈی کی ڈگری جامعہ کی جانب سے پیش کیجائیگی

——— خبر ہے کہ اعلحضرت سلطان العلوم خسرو دکن ۸ دسمبر کو بمبئی تشریف لیجائینگے ۔

——— خیرالدین آفندی افغانستان اور دہلی ہوتے ہوئے حیدرآباد آئے ہیں ۔ آپ کا خیال اپنی بیوی کیساتھ دنیا کا سفر کرنے کا ہے ۔

——— اطلاع ہے کہ ۲۷ رجب ۱۳۴۶ کو ٹون ہال میں زیر صدارت ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر صدر اعظم سرکار عالی تقسیم انعامات کا جلسہ ہوگا ۔

——— اطلاع موصول ہوئی ہے کہ عثمانیہ دواخانہ افضلگنج میں ۔ فرنیچر کی سخت قلت ہے ۔ جس کی وجہ اکثر بیمار کو جو دواخانہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں واپس ہونا پڑتا ہے جس سے انھیں سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے ۔ ہمیں امید ہے کہ ذمہ دار عہدہ دار اس کی جانب فوراً توجہ کرینگے ۔

——— ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم بہادر تبدیل آب و ہوا کی غرض سے الوال تشریف لیگئے ۔

——— ۲۱ رجب ۱۳۴۶ بروز شنبہ آنریبل ڈبلیو پی ۔ بارٹن مستقل رزیڈنٹ بلدہ تشریف لائے ۔

——— ہز اکسلنسی کمانڈر انچیف سر ولیم برڈوڈ اس ہفتہ میں الور تشریف لانے والے ہیں ۔

——— بذریعہ فرمان مبارک مورخہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۵ بعد غور واقعات حکم دیا گیا ہے جو معافیات عہدہ داران امرا و جاگیرداران علاقہ سرکار عالی بہ تعمیل فرمان مبارک صادر شدہ ۲۱ و ۲۴ جمادی الاول ۱۳۴۳ برخواست ہوچکی ہیں ۔ اور ان میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں بدون خاص حکم سرکار عالی عملدرآمد سابقہ میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کیجائے کہ جس سے افواج اور اس کے سررشتہ حساب علاقہ قیصری کی معافی متاثر ہو ۔ نیز سررشتہ حساب کے ملازمین متعلق ملازمین افواج سرکار عظمت مدار متصور ہونگے اور عہدہ داران ملازمین رزیڈنسی کے متعلق حسب انتظام سابق یعنی عمل تصفیہ ۱۹۰۱ء ہوا کرے ۔ جملہ دفاتر سرکار عالی کا درآمد سامان کا محصول کروڑگیری ذریعہ عمل مجوزہ خرچ کیلئے جانے کی منظوری دیجاتی ہے ۔

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر گلبرگہ پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد دکن

رعایتی فہرست

قرآن شریف پانچ ترجمہ والے ہیں (خط واضح اور صاف ہے چھپائی اچھی ہے) ان میں سے دو فارسی ہیں جن میں سے ایک ترجمہ فارسی شیخ سعدیؒ دوسرا ترجمہ فارسی خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا ہے اور تین اردو کے ترجموں میں ایک ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ دوسرا مولانا شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی تیسرا حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ہے اس کے ساتھ حاشیہ پر کامل اردو تفسیر مسمی بہ احسن التفاسیر لکھی گئی ہے یہ تفسیر حضرت مولانا احمد حسین صاحب دہلوی مرحوم کی تالیف ہے مختصر عام فہم ہے کاغذ بھی اچھا خوشنما دیدہ زیب ہے مطبوعہ دہلی ہدیہ عـہ سکہ عثمانیہ مجلد علاوہ خرچ ڈاک۔

مطبوعہ جسٹرات و فارمس ہر دفتر کے کار آمد۔ خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت کوتوالی وغیرہ وغیرہ کے تیار ہیں جس کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کرکے ارجنٹ تعمیل کی جاتی ہے۔

ارژنگ خیال یعنی کلیات حضرت ضامن صاحب کنتوری۔ یہ اردو بہترین دیوان ہے۔ قسم اول اصلی (سے) رعایتی (عہ) قسم دوم اصلی (عاں) رعایتی (عہ) ایضاً حصہ دوم فارسی (عہ)

ماثر دکن متضمن برحالات عمارات و آثار بلدہ حیدر آباد و مقامات بلدہ مؤلفہ سید علی صاحب صغر بلگرامی آصفجاہی ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی کاغذ چھپائی دیدہ زیب مجموعی صفحات (۱۵۱) تصاویر (۵۷) قیمت مجلد (لے) علاوہ محصول ڈاک

قاموس الاغلاط اعلیٰ انتقادِ ادبی کی پہلی کتاب جو السنۂ عربی، فارسی و اردو میں تصنیف ہوئی ہے۔

اس میں تخمیناً دس ہزار ادبی اغلاط کی تصحیح و تنقیح اور الفاظ کی تحقیق و تدقیق اور تراکیب کی توضیح و تصحیح بہ اسالیبِ انتقادیہ استناداً و استشہاداً کی گئی ہے مشاہیر ادباء و شعراء کے کلامِ نظم و نثر پر عالمانہ نقد کرکے صدہا لغزشیں بتائی گئی ہیں سالہا سال کے وسیع و غائر مطالعہ و تخطیطِ لسانی کے بعد جدید فلالوجی (فلسفۂ لغویہ) کے اصول کے موافق علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد و مولانا سید ہاشمی و مولانا ذہین نے مدون کیا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کے بیسیوں لغات تو ملیں گے لیکن ایک جگہ اصول و قواعد و شواہد سے تصحیح کیا ہوا اغلاط کا وافر علمی ذخیرہ اور نکاتِ ادبیہ کا بے بہا خزینہ آپ حضرات اسی کو پائیں گے۔

یہ لغت عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

قدیم کتب علمیہ و ادبیہ کا نادر و نایاب ذخیرہ جس میں مصر و شام و عراق و ایران و ہند وغیرہ کے قدیم مطبوعات باہرہ و مخطوطاتِ نادرہ نہایت سعی و کوشش سے بصرفِ زرِ کثیر بہم پہنچائے گئے ہیں۔ قدردانِ علم و ادب کو اس دولتِ علمیہ سے مالا مال ہونے کا یہ زرین موقع ہے کیوں کہ عام طور پر یہ کتابیں ہر جگہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں اور بعض کتابیں مل بھی سکتی ہیں تو گراں قیمت پر۔ ہم نے نشرِ معارف کے خیال سے قیمتیں معتدل کر دی ہیں۔ ناظرینِ کرام کی فوری اعتنا کی ضرورت ہے کہ فرصت ہو جائے تو باعثِ تاسف و تحسر نہ ہو۔ ان کتب کی مکمل فہرست مطبوعہ تیار ہو رہی ہے۔

کتب درسیہ نصابی کے خلاصہ جات و تراجم

کی ہی ہند مصر یعنی ترجمہ فرید پاری شریک امتحان میٹرک مترجمہ از مولوی عبد الطاہر صاحب مدرس ہائی اسکول قیمت ۱۲ر رعایتی ۸ر

شرح بزم اردو مؤلفہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب مدرس فوقانیہ گلبرگہ قیمت ۴ر رعایتی (عہ)

ہدیہ عمادیہ ترجمہ عربی منظومہ اشعار شریک امتحان میٹرک مؤلفہ مولانا سید عبد الغنی صاحب وارثی قیمت مجلد (عہ)

ترجمہ دیوان صائب آج تک صائب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا بہترین ترجمہ مؤلفہ منشی فاضل مولوی مظفر الدین صاحب کامل قیمت (عہ) رعایتی (۱۰ر)

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت (۲ر ۶ر)

جدید تاریخ ہند برائے مڈل و عثمانیہ میٹرک قیمت (۸ر)

جدید جغرافیہ دنیا برائے ؍؍ (قیمت ۱۲ر)

مؤلفہ مولوی سید شرف الدین صاحب قادری بی اے۔ بی۔ ٹی۔ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ عادل آباد

تحفہ سبحانیہ یعنی شرح قصص ہند دوم حصہ جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور عربی الفاظ کی تجنیس مرکب الفاظ کی تشریح تاریخی اشعار کی با اصول ابجد تحلیل مشکل عبارات کا مطلب محاورات کی معانی ضرب الامثال کا موقع استعمال اور بہت سی مفید باتیں درج ہیں مؤلفہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب منشی فاضل مدرس فوقانیہ گلبرگہ قیمت (۸ر)

خلاصہ مفتاح القواعد برائے افادہ طلبائے مڈل و سکنڈ فارم ملخصہ منشی عالم مولوی محمد عبد الحی صاحب مدرس مدرسہ فوقانیہ گلبرگہ قیمت (۴ر)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدر آباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	ماعہ	مامہ	صہ	سہ	عہ
نصف صفحہ	مامہ	صہ	للعہ	صہ	لے
ربع صفحہ	صہ	للعہ	صہ	عہ	للعہ
ایک کالم	للعہ	صہ	سہ	صہ	عہ
نصف کالم	صہ	سہ	عہ	عہ	سے
ربع کالم	سہ	عہ	صہ	عہ	[illegible]

کتب خانہ تجارتی عبدالرزاق بکسلر اینڈ پبلشر و مالک رزاقی مشین پریس چار مینار حیدرآباد دکن

حکومت آصفی و برکات عثمانی تصانیف مولانا محمد شمس الدین صاحب مصنف جس میں حکومت آصفی کے عدیم النظیر واقعات اور دور عثمانی کے جملہ ترقیات کو نثر و نظم میں بڑی خوبی سے جمع کیا گیا ہے۔ قیمت (۸ر) ....

شمس کا ترانہ قوم کے اقبال کی سوہنی مورت، اور اس کے ادبار کی بڑی بھونڈی صورت غرض حالت قوم کا اصلی فوٹو ہے قیمت (۲ر)

بیوی کی کہانی بیوی کی زبانی ایک پر تاثیر۔ دلگداز۔ قابل دید نظم ہے بیوہ کے حقیقی حالات اور فطری جذبات کا آئینہ ہے۔ درد و غم۔ رنج و مصیبت کا گنجینہ ہے ممکن نہیں کہ اسکو پڑھنے کے بعد کوئی آنسو نہ بھائے قیمت (۴ر) ....

تصانیف مولانا ذہین

سیرۃ خیر البشر منظوم .... (۱ر)

تعلیم الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا مفید مجموعہ ..... (۱۲ر)

حدائق الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا دلچسپ مفید ذخیرہ ۔ (عہ)

تہذیب الاطفال نتیجہ خیز دلچسپ منظوم حکایتوں کا باتصویر مجموعہ (۱۲ر)

بالک باغ بچوں کے مذاق کی مشرقی و مغربی طرز ادب طفولیت کی دلکش اور نصیحت آموز نظمیں صرف حصہ دل ۵ر اول و دوم (عہ) ....

سوغات صالحات عورتوں اور بچیوں کے لئے اخلاقی نظموں کا نادر تحفہ قیمت (۸ر) ....

ہملن کا چیکبر بانسری والا انگلستان کے مشہور شاعر براؤننگ کی دلکش نظم کا منظوم ترجمہ (۱۰ر) ......

بی لڑاکا ایک زبان دراز قیل پائی چھل پائی کلہ نتیجہ خیز عبرت آموز منظوم قصہ (۳ر) ....

نیک بی بی اس نظم کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ایک نیک خو بی بی نے اپنے بدخو شوہر کو خوش خو بنا دیا۔ قیمت (۲ر) ....

چھوٹا شیطان علم کی خوبی جہل کی برائی کو قصے کے پیرایہ میں ظاہر کیا گیا ہے قیمت (۱ر) ....

ایک ہنسانیوالی داستان کاؤپر کی ظریفانہ نظم کا ترجمہ منظوم قیمت (۱ر) ....

نیک بیٹی اس نظم میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیک بیٹی میں کیا کیا اوصاف چاہیں ....

تمدن ہند مترجمہ علامہ سید علی بلگرامی۔ یہ وہ کتاب ہے جو چند سال پہلے (صہ) روپیہ میں فروخت ہوتی رہی اور اب (صہ) روپیہ میں مجلد کونہ پشتیہ چرمی کام سنہری نہایت خوبصورت مل سکتی ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں ....

سیرۃ النبی صلعم مجلد چرمی سنہری کام حصہ اول (للعہ) حصہ دوم مجلد کام سنہری (۱۲ر)۔ حصہ سوم مجلد سنہری کام تقطیع کلاں (للعہ) ....

دیوان غالب اردو مطبوعہ برلن۔ پاکٹ تقطیع نہایت خوبصورت ٹائپ قیمت (عہ) ....

مثنوی مشعل اسلام اس میں توحید باری تعالی و اثبات رسالت کے ایسے زبردست دلائل بیان کئے گئے ہیں جو بڑے بڑے مستند کتابوں میں بھی نہیں مل سکتے قیمت (۸ر) ....

تذکرہ شعراء دکن اس میں ۱۳۲۹ھ تک قدیم و جدید باکمال شعراء کا ذکر ان کی شاعری کا نمونہ درج ہے پہلے اسکی قیمت (صہ) روپیہ تھی رعایتی (صہ) ....

سفر حرمین الشریفین یہ ایک لاجواب کتاب ہے جس میں مدینہ منورہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور کثیر نقشہ شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک فوٹو شامل کتاب ہیں مشاہیر علماء و فضلا نے اس کی خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں۔ کاغذ چکنا عمدہ لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں قیمت بجائے (عہ) روپیہ کے (للعہ) ....

سیرۃ عائشہ رض ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب اور فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامہ اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ضخامت (۳۵۰) صفحہ قیمت (للعہ) ....

گل رعنا اردو زبان کی ابتدائے تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار ضخامت (۵۴۸) صفحہ قیمت (للعہ) ....

عروس ادب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی۔ تاریخی۔ اور سیاسی مضامین کا مجموعہ ان مضامین کی تعریف تقاریظ مندرجہ کتاب میں مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اور مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے (دریابادی) نے از حد فرمائی ہے۔ فی الواقع مضامین نہایت دلچسپ اور قابل دید ہیں خصوصاً مضامین ادبی لکھائی چھپائی کاغذ بھی نہایت عمدہ ہے عروس ادب زیور علوم سے آراستہ ہونے کے علاوہ مصنف کی تصویر سے بھی مزین ہے جتنی خوبیاں ہیں ان کے مقابلہ میں قیمت بہت کم ہے یعنی فی نسخہ (عہ) ....

مخزن حکمت یا گھر کا ڈاکٹر طبع پنجم مولفہ شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب نے یہ جدید اڈیشن تقریباً از سر نو لکھی ہے اور طبع چہارم کی نسبت اس میں سب سے مفید اضافات کئے گئے ہیں یعنی اس میں ۱۹۲۵ء تک کی تمام جدید معلومات کا اور کئی ایک جدید امراض کا اور اکثر امراض کے نئے نئے مفید اور مجرب معالجات اور مجرب نسخہ جات کا اضافہ کیا ہے جس سے یہ کتاب پہلے کی نسبت بدرجہا مفید بن گئی ہے جلد اول و دوم مجلد قیمت (صہ) روپیہ

سید عبدالقادر تاجر کتب و پروپرائٹر نظام گزٹ نے اعظم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شائع کیا

عدد ۴
جلد ۱

مدیرین
سید وقار احمد ام۔ اے
محمد حبیب اللہ رشدی ام۔ اے

مضمون خاص

خطبہ

تقریب جلسہ تقسیم اسناد سنہ ۱۳۴۷ فصلی
از مہاراجہ صدر اعظم بہادر امیر جامعہ

قیمت فی پرچہ ۲/۶ سر

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چارمینار حیدرآباد دکن

چندہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	ہرے
سہ ماہی	عاں
فی پرچہ	۲/۶ر

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائے

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحے کے حجم پر شائع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شائع ہونگی

منیجر

سعیِ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات   تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

عدد ۴ حیدرآباد دکن : دوشنبہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ ۵ دسمبر ۱۹۲۷ء ۱ بہمن ۱۳۳۷ فصلی جلد ۱

شذرات

انگریزی کے ایک مشہور ادیب کا قول ہے کہ فن ادب جھوٹ بولنے کا فن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ادب میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ صداقت سے علاقہ نہیں رکھتے مگر لکھنے والے کا کمال یہ ہے کہ وہ اس خوبی سے لکھتا ہے کہ پڑھنے والے کو مزا آئے اور مفید ہو سکے۔ ہمارے زمانہ میں اس مقولے کی یہی مثال سر ہیؤ نے قائم کی ہے اس طرح مس صاحبہ کو بڑی شاعرہ ماننا پڑیگا۔ اور انکا کلام "مادر ہند" وہ نفیس ہجو ہے جو سودا کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔

سودا کی ہجو مفت کی درد سری تھی مگر اب دنیا نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ گالی دینے کا بھی کافی صلہ مل سکتا ہے۔

ڈاکٹر سر ہری سنگھ گور ہندوستان کی قانونی دنیا میں بہت اہم شخصیت رکھتے ہیں۔ کمیشن کے مقاطعہ کی نسبت ان کی رائے ہے کہ ہندوستان عام مقاطعہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اکبر مرحوم نے سچ کہا

قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر
لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو۔

کچھ عرصے سے حیدرآباد کے ہائیکورٹ میں ایک دلچسپ مقدمہ چل رہا ہے۔ گلبرگہ کے چند وکلا نے وہاں کے چند طالب علموں اور تعلیمات کے عہدہ داروں پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کیا ہے۔ قانون اور تعلیمات کے ایسے مقابلہ کی مثالیں ہندوستان میں بہت کم ملینگی۔

ہندوستان کے ایک مدبر کے متعلق نعبا انڈین نیشنل ہیرلڈ نے ظریفانہ طرز میں ایک نوٹ لکھا ہے قارئین کی تفریح طبع کیلئے ہم اسکا ترجمہ پیش کرتے ہیں: سر اپکے دستے سکرٹ والا ہمیں اطلاع دیتے ہیں کہ وہ (کمیشن کے مقاطعہ کے خلاف) کمیشن کے سامنے شہادت دلوانے کا ذمہ لیتے ہیں۔ ان کی شرائط یہ ہیں:

۱ - ہر صوبہ میں بارہ ہندوستانی وزرا۔
۲ - ذمہ داریوں میں عدم شراکت۔
۳ - ارکان مجلس ناظمہ حسب سہولت۔
۴ - ہر سال ہر وزیر کیلئے بارہ سرکاری خدمتیں اس کے بیٹوں بھتیجوں اور داماددوں کیلئے۔
۵ - فیصدی پچاس موقعے جینوا جیسے مسیر تفریحوں کے۔
۶ - ہر شنشاہ پریس راؤ بہادریاں اور پیس

خان بہادریاں سر اپکے دستے کے اور بھی مطالبے ہیں لیکن گنجایش اور تہذیب ان کو ملتوی رکھنے پر —— سر جان سائمن کے آنے تک —— مجبور کرتی ہے۔ اس کاروبار میں سر اپکے دستے کا حق خدمت صرف ایک بڑے خطاب کے سوا کچھ نہیں۔ وہ توپوں کی سلامی نہیں چاہتے حالانکہ وہ اس کے مستحق ہیں۔

گذشتہ عدد میں بعض بہت اہم فرو گذاشتیں ہو گئی ہیں۔ قارئین سے ان کی معافی چاہتے ہوئے ہم یہاں اس کی تصحیح ضروری سمجھتے ہیں۔

۱ - پہلے صفحہ پر عنوان میں ڈاکٹر اقبال کے شعر کے پہلے مصرعہ میں لفظ "ہے" نہیں لکھا گیا۔ مصرعہ یوں ہے: سعی پیہم ہے ترازوے کم و کیف حیات۔

۲ - شذرات کے پہلے کالم سطر ۸ میں "ہندوستان میں" کی جگہ "ہندوستان نے" چاہیے۔

۳ - شذرات کے پہلے کالم سطر ۱۴ میں "امیدیں وابستہ رکھی" کی جگہ "امیدیں وابستہ کر رکھی" چاہیئے۔

شذرات کے دوسرے کالم سطر ۵ میں "بلا چکے تھے" کی جگہ "بھلا چکے تھے" چاہیئے۔

۵ - صفحہ ۱ کالم ۲ شعر (۱۰) کا دوسرا مصرعہ یوں چاہیئے: زلفوں میں تری الجھ گیا ہے۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۱۰ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ ہجری

جلسہ تقسیم اسناد

حیدرآباد کی شہری زندگی میں یونیورسٹی کا افتتاح ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حیدرآباد میں یونیورسٹی قائم کرنے کی گن سن سر سالار جنگ اول کے زمانہ سے شروع ہوگئی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملک اسوقت یونیورسٹی کے لئے تیار نہ تھا۔ حیدرآباد کے اس دور کے دیکھنے والے بزرگ اب بھی موجود ہیں۔ جبکہ تعلیم کے کیلئے معلمین کو متعلمین کی خوشامد کرنی اور طرح طرح سے ان کو ترغیب دینی پڑتی تھی۔ ہر طالب علم کو سرکار سے وظیفہ دئے جاتے رہے تھے، کیل کالج اور نظام کالج جیل پیل سے خالی نظر آتے تھے۔

یہ ایک بہت بحث طلب مسئلہ مانا گیا ہے کہ قومی عروج کے لئے تعلیم کی منزل پہلی ہے یا احساس بیداری کی۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ تعلیم کو قومی عروج کی بنیاد قرار دینا تاریخ کے متعدد تجربوں کو جھٹلانا ہے اس لئے اب تک کسی قوم نے پہلے تعلیم کو حاصل کر کے بعد میں اس کے ذریعہ عروج نہیں حاصل کیا۔ مثال کے طور پر وہ یونانیوں۔ رومیوں۔ مسلمانوں اور موجودہ یورپ کو پیش کرتے ہیں۔ یونان اگرچہ علم و فن کا استاد مانا گیا ہے مگر اس کی علمی ترقی عام قومی ترقی کے ساتھ رہی سکندر اعظم کے حملے ایران اور ہندوستان کی، دور دراز سلطنتوں کے طبقے الٹ رہے تھے اور اسی زمانہ میں سقراط افلاطون اور ارسطو جیسے اساتذہ کا سلسلہ انسانی دماغ کی انتہائی بلندیاں طے کر رہا تھا۔ رومیوں میں علم کا باقاعدہ خیر مقدم اسوقت ہوا جبکہ قوم ملکی فتوحات سے سرشار تھی اور یونان جیسے علمی سرچشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسلام کی بنا ایک امی نے ڈالی۔ ابتدائے اسلام میں لکھنے پڑھنے والے گنتی کے مسلمان تھے اور یہ عجیب بات ہے کہ اسلام کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب مسلمان علم و فن میں ساری دنیا کو سبق پڑھا رہے تھے۔ یعنی بغداد اور قرطبہ کی درسگاہیں اور عیسائی اور تاتاری حملے۔

اس استدلال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قومی ترقی کی بنیاد تعلیم قرار نہیں دیجا سکتی بلکہ تعلیمی ترقی قومی ترقی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس لئے قومی ترقی کا دارومدار بالکل تعلیمی ترقی پر رکھنا ایک اصولی غلطی ہے لیکن اس بظاہر معقول استدلال میں جبکہ اس کو موجودہ زمانہ پر منطبق کیا جاتا ہے ایک مغالطہ ہے۔ وہ مغالطہ اس تاریخی تجربہ کو غلط نہیں ثابت کرتا بلکہ اسکو مستحکم بناتا ہے۔

قوموں کا احساس بیداری واقعی فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔ اور اب تک تاریخی تجربے بھی یہی رہے ہیں مگر اس احساس بیداری کو تحلیل کیجئے تو وہ ایک قومی تربیت کے سوا اور کچھ نہیں کسی قوم میں ملک گیری اور طاقت کا خیال پیدا ہوا۔ قومی پود کو اسی مقصد کی طرف جھکایا گیا یعنی قومی فضا ایسی پیدا ہوئی کہ اس میں آنکھیں کھولنے والا بچہ اسی رنگ میں رنگ گیا۔ اس قومی تربیت کی ایک نہایت نمایاں مثال اسلام نے قائم کی وہ یہ کہ حضرت محمدؐ سے پہلے عربوں کی تربیت بالکل جداگانہ تھی۔ وہ ظالم تھے قاتل تھے منافق تھے اور منتشر تھے۔ اسلام کی تعلیم نے انھیں اخوت پر مجبور کیا۔ اتحاد پر مجبور کیا۔ اور ان کے لئے زندگی کا ایک نیا قاعدہ مقرر کیا غرض اسلامی فضا جو بنائی گئی اس کی تربیت ایسی تھی جس میں، فاتح ہونے، با اخلاق ہونے اور زندگی کو بہتر بنانے والی چیزیں موجود تھیں۔ اس نئی فضا یا نئی زندگی کو پیدا کرنے کے لئے حضرت محمدؐ کو سال سالہا کی محنت برداشت کرنی پڑی۔ اسطرح کی نئی فضا یا نئی زندگی کو پیدا کرنے کا کام جسکو حضرت محمدؐ نے تن تنہا سرانجام فرمایا۔ دوسرے ملکوں میں کئی کئی انسانوں نے ملکر انجام دیا۔ پھر بھی یہ مسئلہ رہجاتا ہے کہ کیا دوسرے متعدد انسانوں کی بنائی ہوئی نئی فضا حضرت محمدؐ کی بنائی ہوئی فضا کے برابر ہے؟ کیا کسی قوم کو اتنی سرعت سے اتنا عروج حاصل ہوا۔ جتنا کہ مسلمانوں کو؟

اس بحث میں تربیت کا لفظ ذہنی اور دماغی تربیت کے معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ ذہنی اور دماغی، تربیت ہی کے تحت جسمانی تربیت ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم میں شجاعت اور بہادری موجود ہے تو اس قوم کی جسمانی قوی کا مضبوط اور جفاکش ہونا لازمی ہوگا — اسی طرح تربیت قوم میں خاص ضمیر بھی داخل ہے۔ جو فضائی تربیت کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ چنانچہ کسی قوم کو شراب کے پینے سے ضمیر روکتا ہے اور کسی قوم کو شراب پینے پر بالکل پس و پیش نہیں ہوتا۔

متذکرہ بالا اختلاف آرا کو پیش نظر رکھکر اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کسی گری ہوئی قوم یا صوبہ میں بیداری اور ترقی پیدا کرنے کے کیا وسائل ہو سکتے ہیں۔ اسکے لئے ایک یا چند ایسے بڑے اخلاقی مصلحین کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی شخصیت کی عظمت سے تمام قوم کو متاثر کریں اور اس میں وہ بیداری پیدا کردیں جو ترقی کی بنیاد ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے مصلحین انسانی خواہش پر نہیں پیدا ہوتے اور اگر پیدا ہوا بھی تو ہندوستان جیسے خوابیدہ ملک کو یکدم جگانا اور پھر اسکو سرگرم رفتار کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔ اس ملک میں مہاتما گاندھی کی جیسی ہستی بھی صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ پس اس موجودہ دور ذلت سے نکلنے کیلئے ہمارے لئے کیا سبیل ہے؟

اگر مصلح کا قوم کو بیدار کرنا ایک فطری طریقہ مانا جائے تو کسی قوم کو تعلیمی فضا پیدا کر کے بیدار کرنا ایک طرح کا مصنوعی طریقہ ہوگا۔ تعلیم سے قومی تربیت، گویا چھوٹے چھوٹے لاتعداد مصلحین کی کوشش ہے اس سے ہم گویا مصنوعی طور پر وہ فضا پیدا کر سکتے ہیں۔ جو کوئی مصلح فطرتاً پیدا کرتا ہے۔

اس مصنوعی طریقہ کا ایک نقص، برائی ہے کہ اس سے نتائج بہت جلد نہیں حاصل ہوتے، اسکے لئے کئی نسلوں کے گذر جانے کا انتظار کرنا پڑتا ہے تاکہ بیداری کی فضا آہستہ آہستہ عام ہوتی جائے۔ اس لحاظ سے چاہئے تو یہ تھا کہ حیدرآباد جلد سے جلد اپنے تعلیمی نظام کو متشکل اور رائج کرتا مگر اس نے باوجود قومی حکومت کے برطانوی ہند کے بہت بعد اس جانب قدم اٹھایا اور خدا کا شکر ہے کہ یہ قدم برطانوی ہند کیطرح غلط راستہ پر نہیں ہے بلکہ صحیح راستے پر ہے اب یہ سوال کہ منزل مقصود تک کب رسائی ہوگی بہت بعد کا سوال ہے فی الحال اس رفتار میں ثابت قدمی استقلال کی ضرورت ہے۔ اس راہ میں بہت سی دقتیں پیش آئیں گی۔ راستہ خس و خاشاک سے پُر نظر آئیگا۔ مگر ان پر کامیابی سے گذر جانا ہی داد کے قابل ہے۔

تقسیم اسناد کا جلسہ جامعوں کیلئے گویا سالانہ یوم محاسبہ ہے۔ یہ وہ روز ہے کہ تمام جامعہ معناً اپنے اچھے برے ہر فعل پر ایک تنقیدی نظر ڈالتا ہے۔ اور آئندہ کیلئے نظام مقرر کرتا ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کا موجودہ جلسہ تقسیم اسناد اپنی قسم کا تیسرا جلسہ ہے اس سال کے محاسبہ میں چند باتیں خاص توجہ کے لائق ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ جامعہ عثمانیہ میں مغربی طب کی تعلیم جاری ہوگئی اور جناب امیر جامعہ نے اسبات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں زراعت۔ انجنیرنگ صنعت و حرفت تعلیم امداد باہمی اور جرمن۔ فرنسیسی زبانوں کی تعلیم اور علمی تحقیقات کے کام کی بھی ابتدا ہونی چاہئے۔ امیر جامعہ کا یہ اشارہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مسائل جامعہ کے پیش نظر ہیں۔ دیکھیں یونیورسٹی کتنی جلد اس خیال کو واقعہ ثابت کرتی ہے

خطبہ

از ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۂ صدر اعظم باب حکومت

امیر جامعہ عثمانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب نائب امیر، رفقا و طلبائے جامعہ! و معزز حاضرین!

بلحاظ اوس ولی تعلق کے جو مجھکو اس جامعہ سے ہے اس تقریب تقسیم اسناد میں آپ سب کا خیر مقدم میرا اولین فریضہ ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی تقسیم اسناد کا جلسہ صرف ادائے رسم کی ایک تقریب نہیں ہے جو اور یونیورسٹیوں میں بھی ہر سال ہوا کرتی ہے بلکہ یہ وہ تقریب ہے جس میں ہر سال اہل ملک کی نگاہیں جامعہ کے اُن ابنائے وطن طلبائین کی طرف اٹھتی ہیں جنہوں نے اپنے ملک اور اپنی زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے جن کی ذہنی، اخلاقی اور عملی جد و جہد پر آئندہ اس ملک کے ذہنی اخلاقی اور اقتصادی ارتقا کا دار و مدار ہے۔

اس موقع پر ان طلبائین کے دلوں میں اگر وہ اعلیٰ جذبات موجزن ہیں جو ان کی علمی اور عملی زندگی کے محرک ہو سکتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ دن قریب ہے جبکہ ابنائے ملک جامعہ کے مقاصد کو پورا ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔

ہمارے موجودہ فرمانروا خلد اللہ ملکہٗ کے عہد میمنت مہد کی ایک امتیازی شان یہ بھی ہے کہ اس دور حکومت سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جو اوس اہم باآثان خصوصیت کے لحاظ کرتے جو تمام ہندوستان میں صرف جامعہ عثمانیہ کو حاصل ہے، دکن کا عہد زرین کہلا سکتا ہے۔

تعلیم کے مقاصد کو پورا کرنے والے عاملین دو ہیں ایک "فطرت"، دوسرے "تربیت"۔ فطرت سے مراد طالب علم کا وہ جوہر قابل ہے جو قدرتی اسباب کی بنا پر اس میں موجود ہو اُس کے اُبھارنے یا سنوارنے کا نام تربیت ہے۔ کسی قوم و ملت کی ذہنی اور اخلاقی تربیت اوس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ ارباب تعلیم طلبا کی قومی خصوصیات و روایات اور انفرادی مذاق و رجحان اور دوسری فطری قابلیتوں کو مدنظر رکھکر اُن کی زبان میں تعلیم دیں۔ ماہرین تعلیم کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ بجائے غیر زبان کے وطنی زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دینا قومی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس لحاظ سے جامعہ عثمانیہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے مگر یا ہم صرف اردو زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دیکر یہ سمجھ لیں کہ اب ترقی کی شاہ راہ کھلی ہوئی ہے اور ہم اُن منازل کو آسانی طے کرتے ہوئے چلے جائیں گے جو اس راہ پر ہیں ہرگز نہیں۔ اس راستہ میں صعوبتیں ہیں جن کے برداشت کرنے پر ایک طرف ارباب تعلیم کو اور دوسری طرف تمام اہل ملک اور خصوصاً جامعہ کے فارغ التحصیل نوجوانوں کو بھی آمادہ رہنا چاہیئے کیونکہ تعلیمی مقاصد کی تکمیل کا اخلاقی فریضہ ان پر بھی ہے۔ نصاب تعلیم کی ایک مناسب تنظیم ضروری ہے جب تک اس کے لئے عملی تدابیر اختیار نہ کی جائیں ایک مقررہ اور محدود نصاب کی تکمیل اور اسناد کی تحصیل تک طلبائے جامعہ کی علمی جد و جہد محدود رہے گی۔

یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ یونیورسٹیوں کی موجودہ طرز تعلیم ملک میں طلبائین کی صرف ایسی تعداد کو بڑھا رہا ہے جن کے لئے ملازمت ہی حصول معاش کا ذریعہ ہے اس سے سند یافتہ نوجوانوں کی تعداد کے ساتھ معاشی مسائل کی پیچیدگیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔

اس پر اس اعتراض کا امکان ہے کہ اعلیٰ تعلیم کو جس سے ذہن کی نشو و نما اور علمی شرافت مقصود ہے معاشی سود مندی کے معیار پر نہیں جانچنا چاہیئے۔ مگر صرف ادبیات اور تاریخ وغیرہ کے ایک مقررہ نصاب کی تکمیل کس طرح اعلیٰ تعلیم کے مقاصد کو پورا کر سکتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے مقاصد صرف اوسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب ادبی ماحول اور عالی مذاقی کی ایک ایسی فضا پیدا کیجائے جو علمی جد و جہد تحقیق تصنیف و تالیف کے حق میں روح پرور ہو۔ بیشک جہاں ایسی فضا رہے وہاں اعلیٰ تعلیم کے مقاصد صرف معاشی سود مندی کے معیار پر نہیں جانچے جاتے۔ مگر ہمارے ملک میں موجودہ اقتصادی حالات کے نظر کرتے ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو ذہنی نشو و نما کلچر کے ساتھ معاشی اور اقتصادی پہلو کو بھی نظر انداز نہ کرے۔

انسان کو جو فوقیت موجودات ارضی پر حاصل ہے اور اشرف المخلوقات کی عزت سے معزز اور ممتاز ہے جو نص قرآن سے ثابت ہے، وہ صرف اوس جوہر فکر و تجسس کا نتیجہ ہے جسکی بدولت اوس نے کتاب فطرت کا مطالعہ کیا بغیر اس قابلیت کے وہ تمدنی ارتقا کے منازل کو ہرگز طے نہ کر سکتا۔ کتاب فطرت کی دلچسپیاں اوس کے گوناگوں مضامین اون کا باہمی ربط و تعلق یہ سب ملکر انسان کے قلب و دماغ پر ایسے پُراسرار تاثیرات پیدا کرتے ہیں جو ایک طرف حق شناسی اور دوسری طرف عالم شناسی کی محرک ہیں۔ انسانی قلب و دماغ کے انہیں دو محرکات یعنے خدا پرستی اور علم دوستی یا "مذہب" اور "حکمت" پر اُس تمام جد و جہد کا دار و مدار ہے جس کے مجمل تذکرہ کا نام تاریخ تمدن ہے۔

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسی مقدس ہستی عارف باللہ و محقق کا عارفانہ قول ہے کہ "علم تین چیز سکھاتا ہے۔ یعنے حق شناسی عالم شناسی اور خود شناسی" حق شناسی اور عالم شناسی کے ساتھ خود شناسی پیدا ہوتی ہے۔

عالم شناسی سے انسان کو کائنات کی لامتناہی وسعت اور نظام قدرت کی لاتعداد طاقتوں سے متعلق ایسے مفید دیگر محدود معلومات حاصل ہوتے ہیں جن کے ذریعے انسان قدرت کی طاقتوں کو اپنا محکوم بناتا ہے اور اپنی ہستی اور امکان کو بھی سمجھنے کا شعور پیدا کرنے لگتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک پُراسرار عظمت بھی اُس کے دل پر طاری ہوتی ہے جو مذہب کی محرک ہے۔ یہیں وہ اپنی پستی کو سمجھنے لگتا ہے اور اُس رشتۂ باطنی کو محسوس کرتا ہے جو عبد اور معبود کے درمیان ہے۔ یہی حس باطنی مذہب کی مختلف ارتقائی شکلوں میں رہی اور اسی کی وجہ سے دنیا میں باوجود مادی ترغیبوں کے عقل فریبیوں کے حامیان الحاد و تشکیک کو فروغ نصیب نہ ہوا۔ مذہب قلب انسان کو تسکین دیتا ہے ہمدردی کے شریفانہ جوہر کو جلا دیتا ہے۔ مذہب ہی کے زیر اثر انسانی اخلاق معاشرت علوم نظری اور فنون لطیفہ کی نشو و نما ہوئی۔ خود شناسی اور حق شناسی درحقیقت ایک دوسرے کی لازم و ملزوم ہیں۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ خصلت انسانی کے عرفان کے خزانے کی کلید ہے بشرطیکہ مذہب کی تصویر افراط و تفریط کے خط و خال سے پاک ہو۔ مگر بغیر علم و حکمت کے نہ تو خدا شناسی صحیح معنوں میں خدا شناسی ہو سکتی ہے اور نہ خود شناسی ہی ممکن ہے۔

فروبل کے نزدیک تعلیم کا مقصد اس کے الفاظ میں یہ ہے: "تعلیم انسان کو اپنی ہستی کے سمجھنے اوس کے اور موجودات کے ربط باہمی کو معلوم کرنے اور خدا کے ساتھ یگانگت کو محسوس کرنے میں مدد دیتی ہے۔" بالفاظ دیگر علم انسان کو اوس رفعت تک پہونچاتا ہے جہاں وہ خدا شناسی عالم شناسی، مردم شناسی اور خود شناسی کے قابل بنتا ہے اور ایک مقدس و پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے۔ غرض کہ حصول علم کا ایک مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی

فضیلت اور شرافت کو سمجھے۔

انسانی ہستی کے اعلیٰ جوہر کو جلا دینے کے لئے ایک حد تک ایسی تعلیم کی بھی ضرورت ہے جس سے مذہبی وجدان اور اخلاق کی تربیت ہو۔ ہمارے روشن دل فرمانروا نے اسی ضرورت کو پیش نظر رکھکر جامعۂ عثمانیہ میں مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا انتظام بھی مناسب سمجھا۔ مذہبی تعلیم سے انسان کو خدا شناسی کے ادائے فرائض میں مدد ملتی ہے اگر مذہبی تعلیم قومی خصوصیات اور اُن آبائی روایات کے برقرار رکھنے کی محرک ہو جو کسی مذہب و ملت کی روحانی اور مادی ترقی میں کارآمد ہو سکتے ہیں تو اس تحریک کا ہرگز یہ منشا نہیں ہو سکتا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا حریف و عنید بنے۔ ہندوستان کی اقتصادی اور سیاسی ترقی اوسی وقت ممکن ہے جب مذہبی اور فرقہ واری تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہو جائے۔ مذہبی تعصب اور اس کے ناعاقبت اندیش نتائج سے ہندوستان جیسے پُرامن ملک میں آئے دن جو فسادات پیدا ہو رہے ہیں، ہندوستانی قومی زندگی کے حق میں خطرناک بلکہ مہلک ہیں۔ افسوس ہے کہ تنگ نظر اور ناعاقبت اندیش حامئین مذہب کو اپنی ذاتی دلچسپیوں کا آلہ بناکر قوم کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان کو یہ بھی گوارا نہیں کہ قوم کے وسیع مفہوم کا اطلاق بھی اپنے مذہب کے دائرہ سے باہر غیر مذہب ہم وطنوں پر ہو سکے جس ملک میں قومیت کے یہ معنے ہوں اوسکی فلاح و بہبود کی تدابیر کا کارگر ہونا مشکل ہے۔ عناد اور تعصب کی کجروی کو مذہب کا مسلک حقیقی سمجھنے والے لوگ ہمارے اخلاق، ذہنیت اور قومیت کے ارتقا کے دشمن ہیں۔ یہ وہ جراثیم ہیں جن کے مہلک اثرات کا استیصال ہر روشن خیال پاک مشرب تعلیم یافتہ شخص کا فرض ہے ورنہ اگر اس مہلک وبا کے اثرات خدانخواستہ بڑھ جائیں تو تنازع البقا میں ہماری کوئی جد و جہد کارگر نہ ہو سکے گی۔

حضرات! اس وقت چند گندم نما جو فروشوں کے جذبات ایک طرف اور ہندوستان کی قومی زندگی کے فنا و بقا کا سوال دوسری طرف ہے۔ ہر تعلیم یافتہ محب وطن کا فرض ہے کہ توازن اور تقابل میں دوراندیشی سے کام لیکر قوم اور ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرے۔ اس کے لئے اخلاقی جرأت اور کیرکٹر کی ضرورت ہے کیرکٹر کی تربیت صرف کردار و افعال اور خیر و شر سے متعلق چند قدیم و جدید خیالات کے معلوم کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ کیرکٹر کی تربیت کے لئے ایک ایسے ماحول کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس میں اعلےٰ تعلیم کی بدولت ذہنی اخلاقی اور اقتصادی حسن عمل کے نتائج رونما ہوں۔ ان نتائج کے پیدا کرنے کی ذمہ داری بہت سے اُن اصحاب پر ہے جو جامعہ کی علمی جمہوریت کے ارکان عنصر ہیں۔ جامعہ کے نظام تعلیم کی تقسیم تین حصوں میں ہو سکتی ہے۔

(۱) **کلچرل تعلیم** جس سے طلبا کی ذہنی قابلیت کی اعلیٰ نشو و نما ہو، علمی تحقیق، تنقید اور تجسس کی اہلیت طلبا میں پیدا ہو۔

(۲) **صنعتی اور پیشہ وری تعلیم**۔ اس کے لئے طلبا کی اہلیت اور مذاق کے جانچنے کا بھی ایک معیار ہونا چاہیئے۔

(۳) **مروجہ مضامین کی تعلیم**۔ اُن طلبا کے لئے جو صرف امتحانات کامیاب کرنے کا شوق رکھتے ہوں۔

جامعہ کے نصاب تعلیم کی تنظیم ایک ایسے نہج پر ہونی چاہیئے جو طلبا میں علمی اور عملی قابلیتوں کے پیدا کرنے میں مدد دے۔ میری دانست میں یہ مقصد نہ صرف اس مقولہ کے تحت آسکتا ہے کہ "تعلیم کا مقصد حصول معلومات ہے" اور نہ یہ صرف معاشی ترقی کا پیش خیمہ سمجھا جاسکتا ہے بلکہ اس کو ایک ایسے نصب العین کے تحت ہونا چاہیئے جو جامع طور پر طلبا کے علمی اور عملی نشو و نما کا محرک ہو۔ صورت حال یہ ہے کہ جو ثانوی تعلیم کو ختم کرتا ہے جامعہ کی اعلیٰ تعلیم پانا اپنے لئے اس لئے لازمی خیال کرتا ہے کہ بغیر اس کے معاشی اور معاشیاتی نقطۂ نظر سے اُس کا مستقبل اوس کو تاریک نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں اعلیٰ تعلیم کے حقیقی مقصد کے فوت ہو جانے کا امکان اور ایک ایسے ماحول کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے جو بعوض اس کے کہ روح علمی کے حق میں حیات بخش ثابت ہو سم قاتل بنجائے۔

کسی ملک کے افراد صرف ادبیاتی تعلیم پانے اور ادبیات کے پیدا کرنے سے معاشرت و تہذیب کے مدارج طے نہیں کر سکتے ایک جامعہ پر جامعیت کا اطلاق اوسی وقت ہو سکتا ہے جب اوس کے مختلف شعبوں سے ایسے افراد نکلیں جو اپنی علمی اور عملی کوششوں سے ملک کے حقیقی خدمت گزار ثابت ہوں۔

زرعی اور صنعتی تعلیم | ہمارے ملک میں زرعی و صنعتی ترقی کے قدرتی اسباب موجود ہیں اون سے فائدہ اٹھانے کے لئے زرعی و صنعتی تعلیم کا رائج ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے جامعہ میں شعبہ زراعت کا قیام بھی مناسب ہوگا۔ شعبہ زراعت کے ساتھ ایک ایسے معمل کی بھی ضرورت ہوگی جہاں ملک کی زرعی پیداوار کے کثیر پیمانہ پر حاصل کر سکنے کے اسباب معلوم ہوں۔ اسکی سخت ضرورت ہے کہ جامعہ کے طلبا کثیر کافی تعداد میں یورپ یا امریکہ جاکر زرعی کیمیا کی عملی تعلیم حاصل کریں۔ سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے ان کو اس کی ترغیب دیجائے مگر ایسے تعلیم یافتہ افراد کے وجود سے اوسی صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ سرکاری ملازمتوں اور ترقیوں کی آرزوؤں پر علمی اور ملکی خدمات کی انجام دہی کو ترجیح دیں۔ ایک حد تک اونکو شخصی منافع کا ایثار کرنا ہوگا۔ چنانچہ ملک میں ارشیدوں کا مسلک کوئی چھپی ہوئی حقیقت نہیں ہے دنیا کی علمی تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں بکثرت ہیں جنہوں نے کسی خاص شعبہ علم میں دلچسپی پیدا کرنے کے بعد علمی خدمات کی خاطر ذاتی اغراض کو پیش نظر نہیں رکھا اور ان میں کتنے ایسے ہوں گے جنکی زندگی میں ملک و قوم کی طرف سے ان کے خدمات کا اعتراف تک نہ ہو سکا وہ نہ دبھی کسی ذاتی شہرت یا حصول سود مندی کے خواہش مند نہ تھے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے نام کو بقائے دوام حاصل ہے اپنی قوم و ملت کے سچے خدمت گذار یہی ہیں۔

شعبۂ تعلیم امداد باہمی - شعبۂ زراعت کے ساتھ شعبۂ امداد باہمی کا قیام بھی مناسب ہے جس طرح یورپ کے بعض ممالک جیسے فرانس اور جرمنی میں تعلیم امداد باہمی کے شعبے قائم ہیں اوسی طرح زرعی معاشیات، امداد باہمی اور عام معاشیات امداد باہمی کی تعلیم کے لئے ایک مستقل شعبہ امداد باہمی کی اس جامعہ میں بھی ضرورت ہے۔ اس شعبہ کے قیام سے قبل جامعہ کے کسی اہل لکچرار کا یا کسی معاشیات کے ممتاز طلبا میں کا امداد باہمی میں اعلیٰ سند حاصل کرنے کے لئے یورپ بھیجنا بھی مناسب ہوگا۔

شعبۂ تعلیمات | جامعہ کی مجوزہ توسیع کا لحاظ کرتے ہوئے ایک شعبۂ تعلیمات کے بھی قیام کی ضرورت ہے۔ تعلیم کے اغراض اُسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب تحتانی وسطانی و فوقانی جماعتوں کی تعلیم مناسب اصول پر دیجائے ایسی تعلیم دینے کے وہی لوگ اہل ہو سکتے ہیں جو اصول و طریقۂ تعلیم سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہوں، مدرس کا صرف تعلیم یافتہ اور شائستہ ہونا اغراض تعلیم کے لئے کافی نہیں ہے، اوس کے لئے فن تعلیم سے واقف ہونا بھی لازمات سے ہے ہمارے پاس میٹرک اور ایف اے پاس شدہ مدرسین کی تعلیم کا انتظام ہے۔ مگر موجودہ ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اُن دشواریوں کا لحاظ کرتے ہوئے جو ہمارے مدرسین کو بیرون ممالک محروسہ بھیجنے میں پیش آتی ہیں، ایک ایسے شعبۂ تعلیم کے قیام کی ضرورت ہے جو بی۔ ٹی اور ایم۔ ٹی کے مدارج تک تعلیم دے سکے۔

انتظام السنۂ مغربی | علوم مغربی کے حصول کے لئے صرف انگریزی ہی کی تعلیم کافی نہیں ہے۔ ضرورت اسکی ہے کہ کچھ فرنچ و جرمن زبان کی تعلیم کا انتظام جیسا کہ دنیا کی اور یونیورسٹیوں میں ہے جامعہ عثمانیہ میں بھی کیا جائے۔

تحقیقات | اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمارے طلبا نہ صرف سائنس کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سائنٹیفک تحقیقات میں حصہ لیں سائنس کے مختلف شعبوں میں تحقیقات کی سہولت پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر معملوں کی ضرورت ہے جن کے لئے اُن کثیر مصارف کے لحاظ سے جو درکار ہیں جامعہ کو ایک مستقل فنڈ کا اضافہ کرنا ہوگا۔ ایک مناسب اسٹاف کے علاوہ اس کے لئے ایک مخصوص عمارت بھی چاہیئے جس میں ہر شعبۂ تحقیق کی ضروریات کے لحاظ سے اعلیٰ پیمانہ پر آلات اور اسباب مہیا ثابت ہوں بحالت موجودہ جبکہ جامعہ کے لئے مناسب امکنہ و عمارات کا انتظام نہیں ہے یہ خیال کسی قدر قبل از وقت ہے مگر اس کی توقع ہے کہ عنقریب جامعہ کے لئے مناسب مقام کا تعین اور تعمیر امکنہ کا کام شروع ہو جائیگا اوس وقت ایسے ایک مکمل دار التجارب کے قیام کا مسئلہ بھی پیش نظر رہیگا۔ سرکار کی طرف سے تعلیمی مصارف کے لئے کافی طور پر موجودہ ضرورتوں کے لحاظ سے گنجایش رکھی گئی ہے آئندہ بھی ایسے مصارف میں جن سے ہمارے علمی اور عملی مستقبل کے شاندار ہونے کی توقع ہو سکتی ہے سرکار مزید مصارف کا بار اٹھانے میں بحد امکان دریغ نہ کریگی مگر کسی ملک میں علم

عمل کا احیا صرف حکومت کی یکطرفہ کوشش سے نہیں ہوا۔ یورپ کے جامعات کا تو کیا ذکر برطانوی ہند کے سرکاری جامعات میں بھی ایسے سینکڑوں عطیات و اوقاف ہیں جو علم دوست اور ذی مقدرت اصحاب کی عالی مذاقی کی مستقل یادگاریں ہیں۔ میں آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے بعید الوقوع مقامات تک لیجا کر وہاں کے عطیات سے واقف نہیں کرانا چاہتا، قریب تر کلکتہ ہی کو لیجئے کہ جہاں کی یونیورسٹی میں عطایا کے دین کی گونج آپ کے کانوں میں پہنچے بغیر نہیں رہ سکتی جن میں خاص طور پر کلکتہ یونیورسٹی میں صنعتی تعلیم کے لئے سر راش بہاری گھوش آنجہانی کا شاندار عطیہ قابل اشارہ ہے۔ ان اچھی مثالوں کی تقلید حیدرآباد میں بھی ممکن ہے جس کے لئے مجالس جامعہ کو بھی توجہ کرنی ہوگی۔ اس کے ساتھ میں یہ بھی کہونگا کہ سائینس کے فارغ التحصیل طلبا اپنی علمی دلچسپی کا مواد خود بھی بقدر امکان فراہم کریں۔ دنیا کی علمی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اکتشافات اور اختراعات کی دنیا میں عظیم ترین کارہائے نمایاں اکثر وبیشتر ایسے ہی علم دوست اشخاص نے کئے ہیں جن کو اپنی مقدرتوں کے لحاظ سے سامان وافر مہیا کرنے کا امکان نہ تھا مگر انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ حقیقی علم دوستی اور تحقیقاتی جد وجہد کے شوق کا خواہ کیسے ہی حقیر پیمانہ پر آغاز ہوا اعلیٰ انجام ہوتا ہے۔

تصنیف و تالیف | سائنٹیفک روح تحقیق کے دوش بدوش ادبی روح تنقید اور تصانیف و تراجم کی سرگرمی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اردو زبان میں ایک جامعہ کیلئے علمی مواد فراہم کرنیکی ایک چھوٹے سے دار الترجمہ سے توقع رکھنا بیجا ہے۔ دار الترجمہ سے نصابی کتب کے ترجمہ کا جو کچھ بھی کام ہوا اور ہو رہا ہے وہ بھی موجودہ حالات کے اعتبار سے قابل تحسین ہے۔ صرف درسی کتب کے چند ترجموں سے زبان اردو کی علمی دولت نہیں بڑھ سکتی۔ مگر ہم کو اس قلیل سرمایہ سے کثیر منافع کی توقع ہے وہ طیلسانیین جن کی ذہنی اور ادبی قابلیتوں کی نشوونما جامعہ عثمانیہ کی تعلیم سے ہوئی ہے، اپنے مذاق اور رجحان کی مناسبت سے تصنیف و تالیف میں دلچسپی ظاہر کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ ہماری زبان کو وہ دولت حاصل ہوگی جس کی اب وہ تقریباً محتاج ہے۔ مجھکو یہ معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی کہ جامعہ کے بعض طیلسانیین اور طلبا تصنیف و تالیف کے کام میں بذات خود دلچسپی لے رہے ہیں۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ ان کی سعی و دلچسپی کے نتائج بارآور ہوں گے اور یہ ملک میں علمی مذاق کے نشر و اشاعت کرنے والوں میں شمار ہونے کا امتیاز حاصل کریں گے۔ جامعہ ایک علمی اور روحانی جمہوریت ہے جس میں ہر طیلسانی اور طالب علم اپنے حقوق و فرائض رکھتا ہے۔ ان فرائض کی ادائی بھی خاص دلچسپی اور اہمیت رکھتی ہے۔ یہ دلچسپی وہی پیدا کرسکتے ہیں جو علمی دنیا میں رہتے اور اسکی دلفریب فضا سے لذت اندوز ہونے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اعلیٰ تعلیم کا سب سے پہلا لازمہ یہ ہے کہ علمی مذاق کی وسعت کے ساتھ تحقیق و تنقید کی روح پیدا ہو اور اس علمی مواد میں اضافہ ہو جو بطور ارث ہم کو اسلاف سے ملا ہے۔ صرف دوسروں کی ادبی نازک خیالیوں اور علمی اکتشافات کی داد دینے کی قابلیت پر اکتفا کرنا اوس نصب العین سے دور ہے جس سے ایک جامعہ پر جامعیت کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ ادبی تنقید اور علمی تحقیق کی روح اوسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب اوس کے لئے ایسا ماحول موجود ہو جس میں علمی بلند خیالی اور آزادی کی گنجائش ہو، ذہنی تعصبات اور پارینہ توہمات مفقود ہوں ایسے صحت بخش اثرات ہوں جو طلبا کے ذہنی نشوونما کے لئے لازمی ہیں اور علمی خیالات کے باہمی تبادلہ کے ذرائع موجود ہوں طلبا یہ محسوس کریں کہ اس علمی ماحول میں علم و تحقیق کی ایک روح اجتماعی ان کے انفرادی مسائل کی محرک ہے۔

علمی رسالے | ایسے علمی رسالوں اور مجلوں کی اشاعت بھی ضروری ہے جو علمی زندگی کے حق میں مُمِدّ حیات ہوں اس موقع پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان متعدد ماہواری اور سہ ماہی رسالوں اور مجلوں میں جو ملک میں ادبی سرگرمی اور بیداری پیدا کرنے میں کوشاں ہیں، بجز دو ایک رسائل کے کوئی اور علمی رسالہ اس معیار پر نظر نہیں آتا۔ اس کی سخت ضرورت ہے کہ سائینس اور علوم و فنون کے دیگر شعبوں میں بھی اس قسم کے رسالے نکلیں جو علمی مذاق کے وسیع کرنے میں کامیاب ثابت ہوں معاشیات نفسیات فلسفہ طب جدید و تشریح زراعت و فلاحت کے شعبوں میں بھی خاصکر انکی ضرورت ہے۔

لکچرز | جامعہ کے پروفیسروں کی علمی خدمات [illegible] معلمین کی [illegible] تک محدود رہنے سے پبلک کو جامعہ کی علم پروری سے مستفید ہونے کا کم موقع ملتا ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جامعہ کی طرف سے بشرط فرصت ہر ہفتہ ایک یا ایک لکچر پبلک کے لئے ترتیب دیا جائے جس کے ذریعہ علمی ادبی اور دیگر مفید مباحث پر روشنی ڈالی جائے اور پبلک کے مذاق علمی کو استوار کرنے کی کوشش کیجائے جیسا کہ فارسی زبان کے لئے ہمارے علم دوست داعی الاسلام آقا محمد علی پروفیسر نے ابتدا کی ہے اور برابر کام جاری ہے، ایسا انتظام یقیناً پبلک کی نظروں میں جامعہ کی وقعت اور سود مندی کو بہت بڑھادیگا۔

معلمین اور متعلمین کے تعلقات | معلمین و متعلمین کے تعلقات باہمی بھی کیرکٹر کے بنانے اور استوار کرنے میں بہت بڑا حصہ لے سکتے ہیں۔ معلمین کے خیالات اور برتاؤ کا غیر محسوس اثر، نوخیز متعلمین پر بہت جلد ہوتا ہے۔ قدیم مشرقی تعلیم میں متعلم و معلم کا تعلق تقریباً خادم و مخدوم کا سا تھا۔ درحقیقت معلم اپنے شاگردوں کا مقتدا و مکرم و محسن ہے مگر دور جدید کی ضرورتوں نے اس تعلق میں ایک ایسی ہمواری پیدا کی ہے جو آزادانہ تبادلہ خیالات کے لئے اور طلبا کے کیرکٹر کے بنانے میں زیادہ موزوں سمجھی جاتی ہے۔ کلیات جامعہ کے اعلیٰ مدارج میں معلم و متعلم کا تعلق زیادہ ہموار ہونا چاہیے۔ نوعمر طبائع فطرتاً زیادہ تقلید پسند ہوا کرتے ہیں۔ طلبا کی تقلیدی قابلیت کو مفید مطلب ڈھب پر لگانا اور ان کے طبائع کو مناسب سانچہ میں ڈھالنا دانشمند معلمین کا فرض ہے۔ اگر معلمین بے تعصبی اور ذہنی آزادی کے ساتھ قومی جذبات، ملکی خصوصیات اور روایات کے برقرار رکھنے میں اچھی مثالیں قائم کریں گے تو ان کے مفید اثرات بھی طلبا پر مترتب ہوں گے۔ اس مقصد کے پورا ہونے میں بحالت موجودہ جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ غالباً جامعہ کے لئے مناسب عمارتیں اور دار الاقامہ کا نہ ہونا ہے جس کی وجہ سے جامعہ کی علمی زندگی کے عناصر کچھ تو مفقود اور کچھ پراگندہ حالت میں ہیں۔

دار الاقامہ اقامتی نظام تعلیم | اس نقص کے رفع کرنیکی تدابیر کو بعجلت تمام عملی جامہ پہنانا چاہیے۔ درس دینے والے جامعات اور اقامتی جامعات میں یہی فرق ہے کہ اول الذکر جامعات میں معلمین اور متعلمین ایک دوسرے سے سرسری طور پر واقف ہوتے ہیں معلمین کی صحبت کے صحت بخش اثرات سے متعلمین زیادہ مستفید نہیں ہوتے۔ اقامتی جامعات کا مطمح نظر ہی جداگانہ ہے۔ جدید جامعات کی تنظیم آجکل اقامتی اصول پر ہو رہی ہے۔ یہ بات آجکل تعلیم یافتہ طبقوں میں عام طور پر محسوس ہو رہی ہے کہ امتحان دینا اور اسناد حاصل کرنا موجودہ تعلیمی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہے یہ تو اوس عہد گزشتہ کے لئے سزاوار تھا جبکہ تحصیل علم اور حصول اسناد کا منتہائے مقصد حصول ملازمت سمجھا جاتا تھا۔ موجودہ تعلیم کا مقصد ایسی جماعتوں کا پیدا کرنا ہے جن میں ایثار نفسی کے مادہ کے ساتھ زیادہ تر آزاد پیشے اختیار کرنے والے علمی خدمات انجام دینے والے ہوں اور کچھ سرکاری خدمات کے ذمہ دارانہ فرائض کو انجام دینے والے افراد بھی ہوں۔ دور حاضر کے جامعات کو وہ تمام اسباب فراہم کرنا چاہیے جو طلبا کو اس قابل بنائیں کہ وہ تہذیب نفس اور اصلاح معاشرت کے قابل بنیں اور سیاسی دنیا میں خود کو آزادانہ ملک اور قوم کے عالی حوصلہ خادم ثابت کریں۔ اور ان پر انسان کامل کا وصف صادق آسکے۔ عرصہ سے دکن میں تصوف کا اسکول قائم ہے جو کسر نفس ایثار اور مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور یہاں کی فضا میں ایسی تعلیم جامعہ کے ذریعہ باشندگان ملک کی ذاتی آمادگی کے لحاظ سے یقیناً کامیاب بھی ثابت ہوگی۔

تعلیم نسواں | ہماری معاشرتی اصلاح کے اہم فرائض کی ادائی میں طبقہ نسواں کو بہت بڑا حصہ لینا ہے۔ آجکل دنیا کے ہر حصہ میں نسوانی تعلیم کی ایسی سہولتیں پیدا کی جارہی ہیں کہ جامعات کی اعلیٰ تعلیم کے تقریباً ہر شعبہ میں عورتیں مردوں کے مساوی حقوق لے رہی ہیں۔ یورپ کے جامعات میں بھی ایک زمانہ دراز تک عورتوں کو کبھی برابر شرکت کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ انگلستان موجودہ

۱۸۸۸ء یعنے گذشتہ صدی کے اواخر تک عورتوں کیلئے اعلیٰ تعلیم کا سدباب تھا ہمارے ہاں ابتدائی اور وسطانی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوکر شاید تیس سال سے زائد عرصہ نہیں ہوا فوقانی تعلیم کا بھی آغاز ہوکر گو ایک عرصہ ہوا مگر میں جہاں تک خیال کرتا ہوں وہ برسوں تک برائے نام رہی۔ مگر گذشتہ دس سال کے نتائج کے لحاظ کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترقی کی رفتار امید افزا ہے۔ حال ہی میں نام پلی زنانہ کالج میں بی۔ اے تک تعلیم کا انتظام بھی ہوچکا ہے تعلیم نسواں کی سست رفتاری کے میری دانست میں دو وجوہ ہیں۔

(۱) ملک میں تعلیم نسواں کی ضرورت کے احساس کا فقدان اور رائے عامہ کی ناواجبی مخالفت۔

(۲) ایک ایسے نصاب تعلیم اور قومی تربیت کا نہ ہونا جس میں ہمارے ملک اور قوم کی ذہنی اور معاشرتی خصوصیات کا کافی طور پر لحاظ ہو۔

نسوانی تعلیم میں تعلیم انتظام خانہ داری اور فنون لطیفہ کو وسعت دینا چاہیئے اور اس کے ساتھ مذہبی تعلیم کا بھی سلسلہ رہے۔ خانگی زندگی معاشرت اور تمدن کی پہلی منزل ہے اس میں عورت اور مرد کے حق اور اختیارات یکساں نہیں ہیں۔ عورت کو ہر اعتبار سے اس میں فوقیت حاصل ہے کیونکہ تہذیب معاشرت اور تدبیر منزل میں عورت کی ذمہ داری نسبتاً مرد سے زیادہ ہے۔ ہماری معاشرت کی بعض خامیاں اور خرابیاں جو تاریکی اور توہمات سے پیدا ہوئی ہیں قابل استیصال ہیں اس کے لئے عورتوں کی ذہنیت کی تربیت اور ترقی لازمی ہے۔ مگر طبقۂ نسواں کی ذہنیت کی تربیت یا ان سے علمی جمود وسکون کو مٹانے میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ ذہنی تربیت کیساتھ ان اعلیٰ حیات، خصوصیات اور روایات کا برقرار رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ جن سے ہندوستانی نسوانیت کی روح زندہ ہے۔ ہندی خواتین اعلیٰ تعلیم پائیں، ہر شعبہ علم و ہنر میں مردوں کے برابر رہیں مگر ساتھ ہی اس کے ہندی نسوانیت کی خصوصیات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں۔ غیر اقوام کی کورانہ تقلید ہندیوں کی مفلس مشرقی قوم کے حق میں خودکشی ہے۔ عورتیں مردوں سے زیادہ ذکی الحس ہیں اس مناسبت سے ان کی اعلیٰ قابلیتوں کو سنوارنے کا بہترین ذریعہ فنون لطیفہ کی تعلیم ہے۔

میں نے اپنے خیالات اور مشوروں کے اظہار میں آپ سب کا بہت وقت لیا۔ اب مجھکو ایک خوشگوار فریضہ کی طرف جو آج کی اس صحبت سے مخصوص ہے، متوجہ ہونا ہے۔ تقسیم اسناد کے سلسلہ میں سال حال جو نام سب سے اول پیش نظر رہا ہے وہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کا ہے، حیدر نواز جنگ بہادر سرکار آصفی کے ایک مقتدر اور دیرینہ عہدہ دار ہونے کے علاوہ، جامعہ عثمانیہ کی مجلس اعلیٰ کے رکن رکین اور جامعہ کے روح رواں ہیں حیدرآباد میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ مختلف مقاصد کے تحت تقریباً نصف صدی سے سرکار عالی کے پیش نظر رہا ہے ۱۸۸۸ء میں مسٹر بلنٹ نے حضرت غفران مکان کے نام ایک مکتوب میں ایک محمڈن یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ پیش کیا تھا جو ایک تصویر خیالی کی طرح طاق نسیان میں رہ گیا۔ بعد ازاں نیر سے زمانہ مدارالمہامی میں جبکہ پنجاب یونیورسٹی سے دارالعلوم کے عدم الحاق کی وجہ سے امیدواران امتحان کے لیے گوناگوں مشکلیں پیدا ہوگئی تھیں جنکو رفع کرنے میں بعض علما جیسے ڈاکٹر آگھور ناتھ اور علی حیدر صاحب طباطبائی نے اپنے طور پر عملی حصہ بھی لیا تھا، مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم نے دارالعلوم کی ترقی کے سلسلہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کی اسکیم بڑی محنت سے تیار کی تھی اور میں نے عبدالحلیم صاحب شرر اور مولوی شبلی نعمانی کو اس کام کیلئے طلب بھی کیا تھا۔ مگر تحریک جامعہ عثمانیہ کا وجود میں آنا دور عثمانی کے لئے مشیت نے مخصوص رکھا تھا۔ ان اہتمام بالشان کام کے انجام دینے میں نواب حیدر نواز جنگ بہادر اور اُن کے معاونین نے قابل قدرسعی کی۔

نواب حیدر نواز جنگ بہادر ایک علم دوست علم پرور، فاضل ہیں ہندوستان کے مختلف علمی حلقوں میں آپ عملی حصہ بھی لیتے رہے ہیں جسکی وجہ سے دور حاضر کے سربرآوردہ مسلمین تعلیم میں آپ کا شمار ہوتا ہے ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری عطا کر کے جامعہ عثمانیہ آپ کی علمی شفقت کا اعتراف کرتی ہے۔ مگر آپ نے جامعہ کی خدمت جس دلسوزی اور انہماک سے کی ہے اس کا اعتراف صرف وہ شہرت کریگی جس کی بدولت آپ کا نام جامعہ عثمانیہ کی تاریخ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہے گا۔ میں نہایت مسرت کے ساتھ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی سند اور مبارکباد دیتا ہوں۔

اس خطبے کے اختتام سے پہلے مجھے چند باتیں طیلسانیین کو مخاطب کر کے کہنی ہیں۔

اے طیلسانیین و فرزندان جامعہ! میں آپ کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں جس سے آج آپ کو علمی امتیازات حاصل ہوئے۔ میری دلی تمنا ہے کہ زندگی کے ہر جد و جہد میں آپ کو کامیابی کے اعلیٰ مراتب نصیب ہوں۔ مراحل زندگی کو وہی لوگ کامیابی کے ساتھ طے کر سکتے ہیں جو میدانِ عمل کے تنازع للبقا میں اطمینان قلب اور اخلاقی جرات سے مزاحم کا مقابلہ کریں جامعہ کی تعلیم نے آپ کے ذہنی اور اخلاقی قویٰ کی تربیت کی ہے۔ اب آپ کا کام ہے کہ ان تربیت یافتہ قابلیتوں کی مدد سے زندگی کے ہر دائرۂ عمل میں کامیابی حاصل کریں۔

تحصیل علم کے بعد سب سے پہلی فکر جو نوجوانوں کو دامنگیر ہوتی ہے وہ تلاش ذریعۂ معاش ہے افسوس ہے کہ اب بھی اکثر تعلیم یافتہ نوجوان حصول ملازمت ہی کو بہترین معاشی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جب اپنی کوششوں سے ناکامیاب ہوکر ہمت ہار دیتے ہیں تو ان کو خیال ہوتا ہے کہ ان کی ساری علمی محنت رائیگاں ہوئی۔ میری دانست میں وہ سراسر غلطی پر ہیں تعلیم انسان کو اُن تمام قوتوں سے جن کی تربیت ہوئی ہے کام لینے کا طریقہ سکھاتی ہے اگر کوئی یہ سمجھے کہ تمام قوتوں کا مصرف ایک ہی طرف ہو سکتا ہے تو اوس کی عملی قابلیت محدود اور مطمح نظر پست ہے پیدائش دولت کا سب سے بڑا ذریعہ محنت ہے۔ جو شخص اپنی محنت کو کسی راستے اور ٹھکانے لگانے کا سلیقہ رکھتا ہے اوس کو دنیا کبھی تنگ و تاریک نظر نہیں آسکتی اور نہ وہ پست ہمت ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں پیدائش دولت کے قدرتی اسباب وافر ہیں۔ صرف صنعتی و زراعتی تعلیم کے نہ ہونے اور سرمایہ دار اہل ملک کی عدم توجہی اور کم ہمتی سے افلاس زیادہ نمایاں ہیں۔ دنیا میں بعض چھوٹے ممالک ایسے ہیں جہاں پیدائش دولت کے قدرتی اسباب محدود یا تقریباً مفقود ہیں۔ مگر اہل ملک کی محنت سلیقہ اور کاروباری تنظیم کی بدولت وہ ممالک متمول ہیں یورپ میں ڈنمارک اور ہالینڈ ہی کی مثال لیجئے کہتے ہیں وہاں معدنی پیداوار تقریباً مفقود ہے۔ مگر دانشمند اہل ملک نے زراعتی ترقیوں کی بدولت اُن کو ایسا بنایا کہ ڈنمارک اور ہالینڈ دوسرے مساوی رقبہ کے یورپین ممالک سے زیادہ متمول ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ کسی کام یا پیشے کو باعث ننگ و عار نہ سمجھیں۔ ہر ایک پیشہ بلحاظ اس کے کہ وہ تمدنی ضروریات کو پورا کرتا ہے باوقعت و قابل احترام ہے۔ قدیم ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم سے پیشوں کی تخصیص بھی ہوگئی تھی۔ تمدنی مصالح کی بنا پر کسی زمانے میں یہ تقسیم شاید اچھی تھی۔ مگر موجودہ زمانے میں کوئی تعلیم یافتہ شخص کسی پیشے کو ذلیل نہیں سمجھتا۔ ناخواندہ جاہل اشخاص کوئی پیشہ اختیار کرتے ہیں تو اپنی اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے اس پیشے کو بھی دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل کرتے ہیں۔ ہر پیشہ ور کو چاہیئے کہ وہ فنی معلومات رکھے کام سے دلچسپی اور اوسکو کامیابی کے ساتھ چلانیکا سلیقہ رکھے، دغا، فریب، وعدہ خلافی کی اخلاقی کمزوریوں کو اپنے میں پیدا نہ ہونے دے۔ ایک تعلیم یافتہ پیشہ ور میں یہ سب خصائل باحسن وجوہ جمع ہو سکتے ہیں۔

اے نوجوانو! آپ سے ملک کی توقعات وابستہ ہیں ملک قوم کی مدد آپ اسیوقت کرینگے جب اپنی آپ مدد کریں۔ وہ نوجوان نہیں ہیں جو اپنے پیروں پر آپ کھڑے نہیں رہ سکتے اور دوسروں کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اس علمی مذاق اور دلچسپی کو جو جامعہ کی تعلیم نے آپ میں پیدا کی ہے کسی حال اور کسی مجبوری میں ترک نہ کریں۔ علم ہی وہ چراغ ہدایت ہے جسکے بغیر شاہراہ عمل میں عقل و تدبیر کی رہبری بھی بیکار ہے۔ یہی وہ خزینہ ہے جو لاتعداد دلچسپیوں کے سامان آپ کے لئے فراہم کریگا۔

آخر میں خاص طور پر آپ سے میری یہ بھی توقع ہے کہ آپ قوائے جسمانی کی ترقی کو بھی ہمیشہ اپنی مساعی میں داخل رکھیں کہ اچھے قوائے جسمانی پر علمی ادبی اور ملکی خدمات کا پورا انحصار ہے کہ بقول کسی کے تندرست جسم مانند ایک معبد کے ہے جس میں پاک روح اور پاک خیالات رہتے ہیں۔

اب میں اپنے آقائے ولی نعمت کے حق میں بدست بدعا ہوتا ہوں جس کے شاہانہ التفات سے جامعہ عثمانیہ کی علمی زندگی برقرار ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ ہمارا مالک حقیقی اپنا ظلِ رحمت ہمارے مالک مجازی کی صورت میں ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے۔

ڈنمارک کے زراعتی حالات (سلسلہ)

اس کے ساتھ ہی سوسائٹی نے افتادہ اور بیکار زمینات کو قابل کاشت بنانے کی فکر شروع کی۔ اس کیلئے ضروری تھا کہ زمین میں مختلف قسم کے کھاد ڈالے جائیں تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی زمینات کیلئے جو کسی قدر بلند اور خشک ہیں زیادہ کھاد کی ضرورت ہے اور وہ زمینات جو پست ہیں ان میں (Nitrogen) زیادہ ہے لیکن پوٹاش اور فاسفورس کی کمی ہے۔ پس اسکے لئے جرمنی کے معدن سے جو کالی کہلاتا ہے حاصل کیا گیا اور فاسفورس نلارڈا کے معادن سے منگوایا گیا اسکے علاوہ مقامی طور پر ایک چیز معلوم کیگئی جیکو مارل کہتے ہیں جو ڈنمارک میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ یہ ایک قسم کی چکنی مٹی ہے۔ جو ۶۰ یا ۷۰ فٹ کھودنے پر برآمد ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس میں ۵۵ فیصدی چونا شریک ہے۔ اس مٹی کو افتادہ اور خراب زمینات پر پھیلادیا جاتا ہے۔ اور ایک یا دو سال اس زمین کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ مارل زمین کا ایک جزو ہوجاتی ہے اسکے بعد پہلے سال معمولی کوئی چیز بوئی جاتی ہے جس سے زمین میں پوری قوت پیدا ہوکر اعلیٰ درجہ کی قابل کاشت زمین ہوجاتی ہے۔ اس وقت سوسائٹی نے دو ہزار سے زائد ایسے مقامات معلوم کرلئے ہیں جہاں سے مارل نکالی جاتی ہے۔ اس ناچیز نے مقام رندم میں ایک معدن کا معائنہ کیا جہاں سے مارل نکالی جارہی تھی اور ریل کے ذریعہ سے مختلف مقامات پر بھیجی جارہی تھی میں نے اس مقام اور مشین وغیرہ کا فوٹو لیا ہے۔ ایک مقام سے سالانہ کئی ملیون ٹن مارل نکالی جاتی ہے اور ارزاں قیمت پر کاشتکاروں کو جو سوسائٹی کے رکن ہیں تقسیم کیجاتی ہے۔ صرف ایک پولینڈ میں تقریباً ۸ ہزار انجمنہائے امداد باہمی محض مارل کھودنے کیلئے قائم ہوگئی ہیں جن کے اراکین بکثرت کاشتکار ہیں۔ مارل کے نقل و حمل کیلئے ۷۶ خاص ریلوے لینوں کی تعمیر ہوئی ہے جس کا مجموعی طول ۳۸۱،۷ میل ہے جو سوسائٹی اور گتہ داروں کا مال سمجھی جاتی ہیں۔ سنہ ۱۹۰۷ء سے سنہ ۱۹۲۳ء تک تقریباً پانچ ملیون کیوبک میٹر مارل ان ریلوں کے ذریعہ سے مختلف مقامات پر پہنچائی گئی ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ مارل بہترین اور ارزاں ترین کھاد ثابت ہوئی ہے۔

تیسرا کام جو اس سوسائٹی نے شروع کیا وہ آبپاشی اور ڈرینج کا تھا۔ آبپاشی کے ذریعہ سے صدہا میل تک پانی پہنچایا گیا اور اسطرح ہزارہا ایکر زمین جو خشک اور افتادہ پڑی ہوئی تھی زیر کاشت آگئی، اور جہاں جہاں دلدل تھے وہاں کا پانی یا تو مختلف راستے نکال کر کاشت کی اغراض کیلئے بہادیا گیا یا جہاں یہ ممکن نہ تھا وہاں پانی کو پمپ کرکے دلدلوں کو خشک کردیا گیا اور زمین قابل کاشت کردیگئی۔

زمین کا لیول سمندر سے چند ہی فٹ اونچا ہونے کی وجہ سے ڈنمارک کے دریا تیز نہیں بہتے بلکہ ان کی حرکت کمزور اور آہستہ ہوتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا دریاؤں کے بہاؤ کے راستے میں متعدد جھیلیں اور دلدل بن جاتی اور سیلون بن کر آب ہوکر برباد ہوجاتی۔ پس ان دریاؤں کے بہاؤ کو سائنٹیفک طریقوں سے سیدھے راستہ پر لگانا اور جہاں ضرورت ہو دریاؤں کے لیول کو زمینات سے نیچے کرنا بھی سوسائٹی نے اپنے پروگرام میں شریک کرلیا سنہ ۱۹۱۲ء تک دو لاکھ پچاس ہزار کرونز کے صرف سے ۴۰ ہزار ۵۰۰ سو ایکر رقبہ ان کاموں کے ذریعہ قابل کاشت کیا گیا جس سے ملک کی مالگذاری میں ۴۵ لاکھ کرونز کا فائدہ ہوا سنہ ۱۹۱۲ء تک اس رقبہ میں اور اضافہ ہوا جملہ ایک لاکھ دو ہزار چھ سو نود ایکر زمین قابل کاشت کیگئی۔

اس کے علاوہ سوسائٹی نے متعدد مراکز قائم کئے جہاں کے کاشتکاروں کو سائنٹیفک طریقوں سے کاشت کرنیکے طریقے بتلانا مقصود تھا۔ اسوقت تقریباً ایسے ۷ سو مرکز قائم ہیں۔

ان چیزوں کے علاوہ سوسائٹی نے بہت سے ذیلی امور بھی انجام دے جسکا ذکر باعث طول ہوگا۔ البتہ ایک بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ سوسائٹی کو اگرچہ حکومت سے مدد ملتی ہے لیکن یہ بہت قلیل ہے اور اسوقت تک یہ ایک پبلک سوسائٹی ہے جسکا سب سرمایہ تقریباً پبلک فراہم کرتی ہے اور اس سوسائٹی کی تمام نگرانی اور کاروبار فی الوقت چھوٹے ڈیلگاس کے ذمہ ہے جو کرنل ڈیلگاس سوسائٹی کے موجد کے بیٹے ہیں۔ اثنائے دورہ میں مجھے موجودہ ڈیلگاس کی ملاقات کا اور ان کے ساتھ چاہ نوشی کا فخر حاصل ہوا۔ یہ ایک معمر شخص ہیں جنکی عمر تقریباً ۷۰ سال کی ہے۔ جنگل کے آباد کرنے اور اس کے متعلقہ کاموں سے انکو جو شوق و شغف اور دلچسپی ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ شہر سے کئی میل دور ایک جنگل کے وسط میں جہاں بمشکل رسائی ہوتی ہے رہتے ہیں۔ مکان معمولی ہے لیکن نہایت آراستہ۔ اور تمام ضروریات زندگی سے مکمل ہے۔ باوجود اس پیرانہ سالی کے قویٰ اسقدر مضبوط ہیں کہ روزانہ کئی میل جنگل میں گشت لگانا ان کیلئے ایک معمولی بات ہے۔ چنانچہ جب حقیر ان سے ملنے گیا تو باتیں کرتے اور مختلف درختوں وغیرہ کو بتاتے ہوئے حقیر کے ساتھ تقریباً تین چار میل کا چکر انھوں نے لگایا اور کوئی تکان کے آثار ان پر نمودار نہیں ہوئے۔ حالانکہ اسوقت دھوپ خاصی تھی اور دوپہر کا وقت تھا اور صبح کو اپنا معمولی گشت لگا چکے تھے۔

اہل ڈنمارک اپنے ملک کے مشاہیر کی بڑی قدر و عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ کرنل ڈیلگاس کی خدمات کی کماحقہ انھوں نے داد دی ہے۔ جس شہر میں جائیے شاہراہوں اور شہر کے پبلک عمارات میں ان کے مجسمے اور تصویریں نظر آتی ہیں اور ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ کرنل ڈیلگاس کون تھے اور انھوں نے کیا کیا قومی کام کئے۔

جب قانون کے ذریعہ زراعتی غلامی کا طریقہ مسدود ہوا اور حکومت کاشتکار طبقے میں منتقل ہوئی تو انھوں نے ایک اور اصلاح کی وہ یہ کہ بڑی بڑی زمینات کے چھوٹے قطعات کئے اور انکو بطور ملکیت مطلقہ کے تقسیم کردیا۔

جب ملک میں بیکاروں کی تعداد بڑھ گئی تو ایک انجمن قائم ہوئی جسکا نام سوسمانڈ سوسائٹی رکھا گیا جو ابتک موجود ہے۔ اس سوسائٹی نے ملک کے بڑے زمینداروں سے یعنی جن کے قبضہ میں صدہا ایکر زمینات تھے کہا کہ تم بطور خود اتنے بڑے رقبہ جات پر عمدگی سے کاشت نہیں کرسکتے۔ اگر کرتے بھی ہو تو مزدوروں کے ذریعہ کرتے ہو جو دلچسپی اور محنت سے کام نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نسبتاً آمدنی بہت قلیل ہوتی ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم ان زمینات کو معقول قیمت پر ہمیں فروخت کردو تاکہ ہم ان کے چھوٹے ٹکڑے کرکے ملک کے بیکاروں میں تقسیم کردیں اور ان کو کام پر لگائیں۔ چونکہ ملک کے بڑے زمینداروں کا طبقہ اسوقت تعلیم یافتہ ہوگیا تھا۔ اور قومی ہمدردی ان میں پیدا ہوگئی تھی انھوں نے ایثار سے کام لیا اور اس بات کو مان گئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۹۰۲ء سے سنہ ۱۹۲۶ء تک کئی ہزار ایکر زمین مل گئی اور بحساب ایکنزاہفی سال کے اسوقت تک ۲۷ ہزار بیکار کاشت کے کام میں لگادئے گئے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی رقبہ بڑے زمیندار سے حاصل ہوتا ہے تو اس کو چھوٹے ٹکڑوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک ٹکڑا ملک کے ایک بیکار کو فروخت کیا جاتا ہے اور یہ زمین اب اس کی ملک ہوجاتی اور وہ اس پر کاشت شروع کرتا اور کسان بن جاتا ہے۔

آپ سوال کرینگے کہ زمین خریدنے اور آلات کاشت اور جانور وغیرہ لینے کیلئے ان بیکاروں کے پاس روپیہ کہاں سے آتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ سوسمانڈ سوسائٹی قائم ہوئی ہے تو اسکے ساتھ ہی ملک میں ایک سوسائٹی قرضہ دینے کی بھی قائم ہوئی جس نے کثیر سرمایہ جمع کیا۔ اور ان بیکاروں کو آسان شرائط پر روپیہ قرض دینا شروع کیا۔ جو زمین کسی بیکار کو دیجاتی ہے اس کو وہ رہن کرکے روپیہ حاصل کرتا اور اس روپیہ سے زمین کی قیمت ادا کرتا اور آلات زراعت اور جانور خریدتا مکان بناتا ہے۔

اس وقت ملک میں اس قسم کی کئی سوسائٹیاں قائم ہیں۔ ان میں سے ایک سوسائٹی کا ناچیز نے بھی معائنہ کیا ہے۔ ان سوسائٹیوں کا طریقہ عمل اور قواعد بہت سبق آموز اور دلچسپ ہیں لیکن طول کے خیال سے میں اس وقت تفصیل سے عرض کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اسکے علاوہ حکومت بھی قرض دیتی ہے۔ جو کسان حکومت کی مدد لیتے ہیں وہ (State Small-holders) کہلاتے ہیں اور جو سوسائٹی سے مدد لیتے ہیں وہ (Natural holders) کہے جاتے ہیں۔ اس وقت ڈنمارک میں تین قسم کے کسان موجود

ہیں جن کے پاس کئی سو ایکڑ سے زائد زمین ہو وہ بڑے کسان کہے جاتے ہیں۔ سو سے بیس ایکڑ تک زمین جن کے قبضے میں ہو متوسط کسان۔ ۲۰ سے ۱۳ ایکڑ تک زمین رکھنے والے چھوٹے کسان یعنی (
) کہلاتے ہیں۔ بڑے کسانوں کی تعداد اب بہت کم رہ گئی ہے اور روز بروز کم ہوتی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے زمینات فروخت کر رہے ہیں۔ متوسط اور چھوٹے کسانوں کی تعداد بکثرت ہے۔ ڈنمارک میں تیس ایکڑ تک زمین دیجاتی ہے اس سے چھوٹا ٹکڑا بالعموم نہیں ہوتا۔

زمینداری کا طریقہ مسدود کردینے اور چھوٹے فارم قائم کرنیکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک کاشت کار کو حق ملکیت مطلقہ پیدا ہوا اور اسکو آزادی اور دلچسپی سے کام کرنیکا موقع ملا۔ اور دولت کی تقسیم اچھی ہوئی۔

جو شخص زمین خریدتا ہے اس پر لازم ہوتا ہے کہ زمین لینتے ہی تین قطعات امکنہ کے تعمیر کرے۔ ایک تو چھوٹا مکان اسکے رہنے کا ہو۔ دوسرا اسٹور اور تیسرا جانور رکھنے کا شڈ ہو۔ محکمہ زراعت کی جانب سے اسٹانڈرڈ پلان تیار کئے گئے ہیں اور ہر کسان کو امکنہ ان اسٹانڈرڈ پلان کے موافق بنانے پڑتے ہیں کسان من مانے مکان نہیں بنا سکتے۔ اثنائے دورہ میں حقیر نے کئی چھوٹے کسانوں کے کھیتوں اور امکنہ کا معائنہ کیا۔ اور دو تین متوسط کسانوں سے بھی ملاقات کی مثال کے طور پر ایک چھوٹے کسان کی کیفیت جو پارس سے قریب رہتا ہے عرض کرتا ہوں۔ اس شخص کے پاس ۵ ایکڑ زمین ہے۔ اور اس نے ابتداً سوسائٹی سے ۱۸ ہزار کرونر بطور قرض حاصل کئے اور زندگی شروع کی جس سے ۸ ہزار ۵ سو کرونر کے امکنہ تعمیر کئے۔ ۷ ہزار ۵ سو کرونر زمین کی قیمت ادا کی اور دو ہزار کرونر کے آلات اور مویشی خریدے۔ اس کے پاس اسوقت ۷ گائیں ۳ گھوڑے ۳۰ سور اور ۲۰ مرغیاں ہیں۔ سب کام میاں بیوی کرتے ہیں البتہ خاص موقع پر ایک مزدور مدد کیلئے رکھ لیتے ہیں۔ ان کی سالانہ آمدنی تقریباً ڈھائی ہزار کرونر ہے۔ ان کے رہنے کا مکان اگرچہ چھوٹا ہے لیکن نہایت آراستہ اور صاف پاک ہے۔ ڈرائنگ روم۔ کھانے کا کمرہ۔ سونے کا کمرہ سب جدا ہیں اور نہایت سلیقے اور قرینے سے سجائے ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹی سی لائبریری بھی ہے۔ جس میں ایک طرف ٹیلیفون اور دوسری طرف براڈ کاسٹنگ مشین رکھا ہوا ہے۔

ناچیز نے تقریباً ۲۵۔ ایسے چھوٹے کسانوں کے امکنہ دیکھے اور سب میں ٹیلیفون اور براڈ کاسٹنگ مشین پائے۔ اسی مقام پارس کے قریب ایک متوسط کسان کے مکان اور کھیت کا حقیر نے معائنہ کیا ایک شخص کے پاس ۸۰۔ ایکڑ زمین ہے۔ ۲۵ گائیں اور تقریباً ۱۰۰ سور اور ۶ گھوڑے ہیں اس کی سالانہ آمدنی دس ہزار کرونر ہے اور کہا گیا کہ بعض سال ۱۵ ہزار کرونر بھی ہوتی ہے۔ مکان اس قدر اعلیٰ درجہ کا اور اتنا آراستہ ہے کہ شاید ہمارے یہاں کے بڑے بڑے امراء کو بھی نصیب نہ ہو۔

اب میں چند باتیں ڈنمارک کے کواپریٹو سسٹم کے متعلق بھی عرض کرونگا ورنہ میرا مضمون تشنہ رہجائیگا۔ ڈنمارک کے کواپریشن کے حالات اسقدر طولانی ہیں کہ وہ بجائے خود ایک مضمون ہوسکتے ہیں۔ لیکن میں ایک مختصر خاکہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ دنیا میں جب کواپریشن کی تحریک شروع ہوئی تو ڈنمارک پہلا ملک تھا جس نے اس تحریک کا بڑے جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اہل ڈنمارک خوب سمجھ گئے کہ ملک کی پیداوار بڑھانے اور پھر اسکو آسانی سے فروخت کرنیکا بہترین طریقہ تحریک کواپریشن (امداد باہمی) ہے۔ پس انہوں نے اس چھوٹے سے ملک میں کواپریشن کا جال بچھادیا۔ اس وقت ڈنمارک میں کئی ہزار انجمنہائے امداد باہمی ہیں جن کے اراکین کی تعداد لاکھوں تک پہونچ گئی ہے اور جو زیادہ تر کسان ہیں۔ ان سوسائٹیوں کا سرمایہ کروڑوں کرونر تک پہونچتا ہے اور اسیطرح کروڑوں کرونر کی خرید و فروخت جاری ہے۔ مختصر اسوقت کواپریشن کیحالت اس ملک میں یہ ہے کہ تقریباً ہر ایک کسان کسی نہ کسی انجمن کا رکن ہے اور اپنے تمام ضروریات زندگی انجمن امداد باہمی کے اسٹور سے خریدتا ہے۔ روپیہ قرض لینا ہو تو (Credit Co-operative Society) سے لیتا ہے۔ تخم انجمن تقسیم تخم (Co-operative Seed Supply) سے اور کھاد (Cooperative Manure Association) (اور چارا) (Cooperative fodder) (Cooperative سمنٹ Association) (Cement Association) اپنے گھر کی بجلی انجمن امداد باہمی برقی سے حاصل کرتا ہے۔

اسی طرح جب وہ اپنی پیداوار فروخت کرنا چاہتا تو وہ اپنا دودھ کواپریٹو ڈیری کو۔ اپنے سور امداد باہمی کے سلاٹر کو انڈے ڈینش کواپریٹو ایک اسٹور کو اور اپنے مویشی کواپریٹو ایجنسی آف کیٹل ایکسپورٹ کو بھیجتا ہے۔

اپنی سالانہ بچت کواپریٹو سیونگ بنک میں جمع کرتا ہے۔

اگرچہ ڈنمارک میں امداد باہمی کی تحریک ایک یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ شخص نے ڈالی لیکن اسوقت سے آجتک اس کی اشاعت اور تعلیم و تلقین کسانوں نے اور خصوصاً چھوٹے کسانوں نے اور ابتدائی مدارس کے مدرسین اور صناعوں نے کی اور ملک میں اس تحریک کی کامیابی کا سہرا انھیں کے سر رہا۔ چاہیئے تھا کہ اور تفصیل کے ساتھ تحریک امداد باہمی کے متعلق میں عرض کرتا لیکن قلت وقت مجھے مجبور کرتی ہے کہ اس مختصر اور ناکمل بیان پر میں اس مضمون کو چھوڑوں اور اب تعلیمی اصلاح کا ذکر کروں۔

متذکرۂ بالا سیاسی اور زرعی اصلاحات کی سماعت کے بعد یقیناً آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ ایک جاہلوں کے ملک میں اس قسم کی اصلاحات ممکن نہیں ضرور ملک تعلیم یافتہ ہوگا۔ اگر آپ نے یہ خیال فرمالیا ہے تو آپکا یہ خیال صحیح و درست ہے۔ جس وقت کہ ملک میں سیاسی اور زراعتی اور اقتصادی اصلاحات کی ابتداء ہوئی تو تعلیم میں اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ دوسرے تمام تحریکات اور اصلاحات تعلیم کے آغوش میں پلے اور پھولے پھلے۔

ڈنمارک کے تعلیمی اصلاحات کا بیان اس قدر طولانی ہے کہ اوس پر ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس ناچیز نے اب اس کام کا آغاز کیا ہے اگر خدا صحت۔ قوت اور مدد دے تو بہت جلد اس کتاب کو اہل ملک کی خدمت میں پیش کرونگا۔ یہاں مضمون کی تکمیل کیلئے ایک نہایت ہی مختصر خلاصہ پیش کرتا ہے۔

میں نے ابھی اوپر عرض کیا ہے کہ ڈینو جرمن جنگ کے بعد قوم پر ایک عام سستی طاری ہوگئی۔ اور قوم مردہ ہوگئی تھی اور ایسے وقت میں چند خیر خواہان ملک نے قوم کی نجات کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ ان لوگوں میں چند ایسے بھی نکلے جنھوں نے قومی تعلیم کا ذمہ لیا اور اپنی عمریں محض اس کام کیلئے وقف کردیں۔ اس گروہ کا لیڈر اور ہادی وہ شہرہ ہستی تھی جسکا نام آج ڈنمارک کے ہر مرد و عورت اور بچہ کے ورد زبان ہے۔ اور جس کی تصاویر اور مورتیں ڈنمارک کے ہر مقام پر نظر آتی ہیں یعنی بشپ گرانڈوگ اس نے ڈنمارک کیلئے وہی کام کیا جو ایک ہادی کسی گمراہ قوم کیلئے کرسکتا ہے۔

بہرحال اس گروہ نے سمجھ لیا کہ ملک میں سیاسی اقتصادی زراعتی اور سماجی اصلاحات اسی وقت کامیاب ہوسکتے ہیں جبکہ اہل ملک ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے قابل ہوجائیں اور اہل ملک میں یہ صلاحیت پیدا کرنیکا صرف ایک ذریعہ ہے وہ یہ کہ ملک کا ہر مرد عورت اور ہر بچہ تعلیم یافتہ ہو اب ملک میں تعلیم کی اشاعت کیلئے جو کوششیں انھوں نے کیں اوسکا حال میں ترک کرتا ہوں۔ صرف یہ بتاتا ہوں کہ ان کوششوں کا نتیجہ کیا برآمد ہوا اور ملک کی تعلیمی حالت کیا ہے۔

وہ مدارس جنھوں نے ملک کو اس حالت ترقی پر پہونچایا اور مزارعین کی نجات کا باعث ہوئے حسب ذیل ہیں۔

(۱) مدارس ابتدائی دیہی۔
(۲) فوک ہائی اسکول۔
(۳) زراعتی مدارس۔
(۴) دیہی مدارس خانہ داری۔
(۵) چھوٹے کسانوں کے مدارس

(۱) مدارس ابتدائی دیہی یہ مثل ہمارے ابتدائی مدارس کے ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ مضامین

فضاب کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینے کے علاوہ ابتدائی زراعتی مسائل ایسی عمدگی سے طلبہ کو سمجھاتے ہیں کہ طلبہ کے قلوب میں زراعت کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ مثل ہمارے طلبہ کے ختم تعلیم پر اپنے آباد اجداد کے پیشہ زراعت کو خیرباد کر کے سرکاری ملازمت کی حرص و ہوس میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ابتدائی تعلیم ختم کرتے ہی زراعت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

ڈنمارک میں ابتدائی تعلیم جبری ہے۔ ۷ سے ۱۴ سال تک ہر بچہ کو مدرسہ جانا لازم ہے۔

(۲) فوک ہائی اسکولس خاص ڈنمارک کی ایجاد ہیں۔ ان کا موجد بشپ گرونڈوگ تھا۔ یہ مدارس تعلیم بالغان کیلئے ہیں۔ گرونڈوگ نے یہ دیکھا کہ جبری تعلیم کا زمانہ ختم کر کے جو بچے ۱۴ سال کی عمر میں چلے جاتے اور دنیا کے دھندوں میں لگ جاتے اور سب پڑھا پڑھایا چند سال میں بھول جاتے ہیں تو پھر ان میں کسی بات کو سمجھنے کا مادہ باقی نہیں رہتا اس لئے ضروری ہے کہ پھر ایک دفعہ کچھ مدت تک انھیں مدارس میں لایا جائے اور چند مفید اور عملی مضامین کی تعلیم انھیں دیجائے پس اس غرض کی تکمیل کیلئے وہ مدارس قائم کئے گئے۔

اب طریقہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد کسانوں کے بچے ۱۴ سال کی عمر میں واپس جاتے اپنے اولیا اور والدین کے ساتھ ۱۸ سال کی عمر تک زراعت کرتے ہیں اور پھر اٹھارویں سال فوک ہائی اسکول میں شریک ہو کر تقریباً ایک سال تعلیم پاتے ہیں۔ یہ تمام مدارس خانگی ہیں اور سب بورڈنگ اسکولس ہیں جہاں کے طلبہ اور اساتذہ مع اپنی بیبیوں کے مثل ایک خاندان کے رہتے ہیں سب مضامین کی تعلیم تقریباً زبانی ہوتی ہے کتب مقرر نہیں۔ زیادہ تر لکچرز اور مکالمے کے ذریعہ تعلیم ہوتی ہے۔ مضامین حسب ذیل ہوا کرتے ہیں۔

(۱) تاریخ
(۲) سائنس
(۳) ڈینش
(۴) جغرافیہ
(۵) حفظان صحت
(۶) زراعت و فلاحت
(۷) پولیٹیکل سائنس
(۸) موسیقی
(۹) ورزش جسمانی

ان مدارس میں عملی زراعت نہیں سکھائی جاتی چونکہ ۴ سال تک طلبہ عملی زراعت کرآتے ہیں اسلئے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ طلبہ عملی زراعت سے بخوبی واقف ہیں۔ صرف زراعت کے سائنٹفک طریقے بتائے جاتے ہیں۔

تعلیم ورزش جسمانی پر بیحد زور دیا جاتا ہے اور ہر ایک مدرسہ میں جمنازیم ہال موجود ہے۔ اس کے علاوہ عام دلچسپ مضامین پر روزانہ بحث ہوتی ہے مثلاً اثنائے دورہ میں جب ایک فوک ہائی اسکول پر پہنچا تو دیکھا کہ مہاتما گاندھی پر لکچر ہو رہا ہے دوسرے مدرسہ میں لیگ آف نیشن پر بحث ہو رہی تھی

یہ مدارس زراعت کیلئے مخصوص ہیں۔

(۳) ۴ زراعتی مدارس اور مدارس خانہ داری محض اس غرض کی تکمیل کیلئے ہیں کہ نوجوان کسانوں کو سائنٹفک اصول زراعت سے واقف کیا جائے یہاں بھی کم و بیش وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں اور تعلیم کا وہی طریقہ ہے جو فوک ہائی اسکول میں ہے۔

(۵) اسمال ہولڈر اسکولس۔ یہ مدارس چھوٹے کسانوں کیلئے ہیں ان کا کورس مختصر ۶ مہینے کا ہوتا ہے۔ عمر کی قید نہیں ۱۸ سے ۴۰ سال تک کا کسان ان میں شریک ہو سکتا اور تعلیم پا سکتا ہے۔ ان مدارس کی غرض و غایت یہ ہے کہ چھوٹے کسانوں کو سائنٹفک اصول زراعت سے واقف کر دیا جائے اور بعض ایسی چیزیں سکھائی جائیں کہ ان کیلئے مزید آمدنی کا ذریعہ ہو سکے۔ چنانچہ سوائے ڈینش تاریخ۔ حفظان صحت۔ ورزش جسمانی وغیرہ کے شہد کی مکھیوں کو پالنا۔ خرگوش کی پیدائش مرغی کے انڈے سینا سکھایا جاتا ہے۔

یہ ہیں مختصر حالات مزارعین کی تعلیم کے جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آج ڈنمارک کا کسان ایک نہایت جفاکش روشن خیال محنتی۔ دیانتدار۔ مہذب خوش حال باشندہ نظر آتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آج دنیا میں سوائے ڈنمارک کے کوئی ملک ایسا نہیں جو فخر کر سکے کہ اس نے تعلیم کے ذریعہ ملک میں شائستہ اور قابل طریقہ مزارعین کا پیدا کیا ہو جیسا ڈنمارک نے کیا۔

اس بارے میں ڈنمارک کو جو خاص امتیاز حاصل ہے اور جو خوب یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں تعلیم نے اہل دہ کو دیہات کی زندگی اور کاشتکاری سے متنفر نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس انہیں زراعت کی محبت پیدا کی اور ان کو تعلیم یافتہ اور روشن خیال کسان بنایا۔ ان میں صلاحیت پیدا کی کہ کاشت کے قدیم طریقوں کو ترک کریں اور جدید طریقے اختیار کریں اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے موافق اپنی طرز روش اور طرز معاشرت میں تبدیلی کرتے رہیں۔

اب مختصراً سماجی حالات بیان کرتا ہوں اور اسی پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

مزارعین کو دیہات میں ان کی زمینات پر مشغول رکھنے کے صرف دو ذریعے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان کو وہ تمام راستے بتلا دئے جائیں جس سے کہ وہ بآسانی سرمایہ کی مناسبت سے کافی آمدنی پیدا کر سکیں تاکہ پیشہ زراعت ان کیلئے نفع بخش ثابت ہو دوسرے یہ کہ سوائے کام کے کچھ ایسے اسباب دلچسپی ان کیلئے پیدا کئے جائیں کہ جن کے ذریعہ سے فرصت کے وقت یہ لوگ اپنا دل بہلا سکیں۔ اور کھیل تماشوں کی خاطر انھیں شہر کا رخ نہ کرنا پڑے۔ ڈنمارک کے رہنمایان قوم نے اس بات کو خوب سمجھا اور ایسے سماجی اصلاحات جاری کئے کہ ڈنمارک کے طبقہ مزارعین کیلئے دیہات ہی میں اسباب دلچسپی فراہم ہو گئے۔ اور یہ لوگ شہروں کے محتاج نہ رہے۔

ڈنمارک کے اسوقت ہر گاؤں میں ادبی سوسائٹیاں قائم ہیں جو فوک ہائی اسکول کے تعلیم یافتہ کسانوں نے قائم کی ہیں۔ ہر کاشتکار جو فوک ہائی اسکول یا زراعتی مدرسہ کی تعلیم ختم کر کے اپنے گاؤں کو واپس ہوتا ہے تو وہ اس سوسائٹی کا رکن ہو جاتا ہے۔ ہر ہفتہ جلسے ہوتے ہیں تمام گاؤں کے سب کسان اور ان کی عورتیں ان میں حصہ لیتی اور مختلف ادبی سیاسی اور اقتصادی مسائل پر تقریریں اور مباحثے کرتی ہیں

اسکے علاوہ میوزکی سوسائٹیاں بھی قائم ہیں جہاں مہینے میں چند روز گانا بجانا اور مختلف تماشے ہوتے ہیں جس میں سب گاؤں کے ذکور و اناث شریک ہوتے ہیں۔ ڈنمارک کے مدارس میں علم موسیقی پر بہت زور دیا جاتا ہے اور اس کی تعلیم مکمل طور پر دیجاتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس ملک کا تقریباً ہر باشندہ علم موسیقی سے ایک حد تک واقف ہو جاتا ہے۔

ان چیزوں کے علاوہ سال میں کئی ایسی تقاریب منائی جاتی ہیں جو اہل پیشہ سے دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں مثلاً ہاروسٹ فیسٹیول وغیرہ کی تقریب یعنی درو ختم ہونے کے بعد جب کسان اپنا غلہ گوداموں میں بھر لیتے ہیں تو آپس میں دعوتیں کیجاتی ہیں اور اس موقع پر ہر میزبان اپنے مکان کو حیثیت اور سلیقے کے موافق سجاتا ہے۔ مہمان مرد و عورتیں گاتے بجاتے میزبان کے مکان پر پہنچتے ہیں اور میزبان کی بی بی فراخ دلی سے ان کی ضیافت کرتا ہے۔ اور کھانے پینے کے بعد دیر تک ناچنا اور گانا بجانا جاری رہتا ہے۔ اسیطرح مہینے میں ایک دن جو بازار کا دن کہلاتا ہے بڑی گرمجوشی سے منایا جاتا ہے۔ اشیار اور مویشی کی فروخت کے علاوہ کثرت سے اسپورٹس اور تماشے ہوتے ہیں۔

مہمان نوازی میں ڈنمارک کے کاشتکار اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ہر شخص کیلئے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ مثلاً ایک روز کا واقعہ ہے کہ صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک حقیر نے چار کسانوں کے امکنہ اور کھیتوں کا معائنہ کیا ہر جگہ حقیر کی تواضع قہوہ اور

کیک بسکٹ سے کیگی۔ چونکہ یہ لوگ خلوص اور محبت سے تواضع کرتے ہیں اسلئے انکار ممکن نہیں۔ انکار کرنا گویا میزبان کی تذلیل کرنا ہے اسلئے مجبوراً حقیر کو ہر جگہ قہوہ نوشی میں شریک ہونا پڑا۔ جسکا خمیازہ بعد میں حقیر نے بری طرح بھگتا۔

علمی مشاغل کی سربراہی کے ساتھ ورزش جسمانی کا بھی دیہاتوں میں معقول انتظام کیا گیا ہے۔ ہر دو تین قصبوں کے درمیان جمنازیم بنا دئیے گئے ہیں۔ ہفتہ میں دو تین دفعہ کسان یہاں جاتے اور ورزش کرتے ہیں۔ ان جمنازیمس میں یہ نظارہ معمولی ہے کہ نوجوان کسانوں کے ساتھ معمر چالیس یا پچاس سال کے ڈارھی والے کسان ورزش کرتے کھیلتے کودتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ چند سال قبل ضرورتاً ملک میں شارپ شوٹرس اسیوسی ایشن قائم کئے گئے یہ خاص ڈنمارک کی ایجاد ہیں یورپ کے کسی اور شہر میں ان کا وجود نہیں کسان ان اسیوسی ایشن کے انجمن ہوتے اور یہاں سب جمع ہو کر نشانہ اندازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ اب ان کی غرض و غایت کسی قدر بدل گئی ہے۔ اور اب یہ زیادہ تر ایک قسم کے کلب اور سماجی مرکز سمجھے جاتے ہیں۔ نشانہ اندازی ضمناً رہگئی ہے۔

کسانوں کے لئے جو ورزش جسمانی اور نشانہ اندازی وغیرہ کے انتظامات کئے گئے اس میں علاوہ اسکے کہ ان کیلئے مشغلہ پیدا کیا جائے یہ راز بھی مضمر ہے کہ ڈنمارک بوجہ قلت آمدنی ایک بڑی فوج کے کثیر اخراجات کا بار نہیں اٹھا سکتا اس کی فوج اسوقت صرف دس ہزار ہے۔ خطرے کے وقت یہ قلیل فوج کافی نہیں ہو سکتی اس لئے اہل ملک کو ہمیشہ ورزش اور فوجی کرتب کے ذریعہ سے تیار رکھا جاتا ہے چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم کے زمانہ میں اگرچہ ڈنمارک نے عملی طور پر حصہ نہیں لیا لیکن احتیاطاً کئی لاکھ فوج تیار کر لی تھی۔

اب آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان تمام اصلاحات نے جنکا ذکر ابھی اپنے سماعت فرمایا۔ اہل ڈنمارک کو بعض ایسے صفات سے متصف کر دیا ہے جو اسلامی کہی جا سکتی ہیں۔ اور جو ایکزمانہ میں مسلمانوں میں موجود تھیں ان میں سے صرف دو کا ذکر کرتا ہوں۔

پہلی صفت مساوات ہے اس ملک میں امیر و غریب سب برابر سمجھے جاتے ہیں اور وہ نخوت و تکبر جو یورپ کے دوسرے بعض ممالک میں نظر آتا ہے یہاں اسکی بو باس تک نہیں پائی جاتی۔ اگر کوئی مالدار یا ذی مرتبت کسی معمولی مزدور سے بھی ملتا ہے تو نہایت تپاک اور خوش خلقی کا اظہار کرتا ہے۔ ایک دوسرے کیلئے ٹوپی اٹھا کر تعظیماً جھکا جاتا ہے۔ اگر آپ ڈنمارک تشریف لیجائیں اور ریل سے اسٹیشن پر اترتے ہی کسی قلی سے بغیر ٹوپی اتارے سامان اٹھانے کی خواہش کریں تو وہ مطلق اعتناء نہ کریگا اور غور سے آپ کی صورت دیکھیگا۔ اور بغیر کچھ کہے سنے سے چلا جائیگا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ باوجود اس مساوات کے آداب افسری و ماتحتی اور سن و سال کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ چونکہ ہر شخص تعلیم یافتہ اور ذی فہم ہے اس لئے وہ مساوات اور سہو و گستاخی اور بے ادبی میں امتیاز کرتا ہے۔ اور نظم حکومت یا سوسائٹی کو بگڑنے نہیں دیتا۔

دوسری صفت ہمہ گیر آپس کی ہمدردی ہے۔ ہمدردی کا مادہ اس قوم میں اسقدر حد کمال کو پہنچا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کیلئے زندہ ہیں ڈنمارک کی کامیابی کا یہی بڑا راز رہا اور ہے کہ ساری قوم کے اغراض و مقاصد ایک ہیں شخصی نقصان۔ قومی نقصان۔ شخصی نفع قومی نفع سمجھا جاتا ہے۔

یہ مختصر کہانی ایک چھوٹے سے ملک کی جس نے اپنی ذاتی محنت۔ مشقت۔ مستعدی۔ ایثار سے ایک دو نسلوں میں گمنامی سے نام پیدا کیا اور ایسی شہرت حاصل کی کہ آج اہل یورپ اور امریکہ کی آنکھیں اسپر لگی ہوئی ہیں اور یہ ملک ان کیلئے مشعل ہدایت بنا ہوا ہے۔ ان ممالک کے لاکھوں باشندے ہر سال اس ملک میں آتے اور اس سے سبق سیکھتے ہیں۔

ایک امریکن لڑکی کی بہادری

امریکہ میں اسوقت تمدن حاضرہ ہی کے شہر نہیں بلکہ ایسے شہر بھی ہیں جنمیں تمدن جدید آئندہ ہی آنا میں قتیا انگن ہوگا۔ اور جو غالباً موجودہ قدیم دور وحشت و بربریت کی یادگاریں بھیڑیے جنکا اصلی مسکن جنگل و جھاڑیوں میں ہوتا ہے گاہے ماہے ان مقامات کے طرف بھی آنکلتے اور ہر مانے شرارتیں کرتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ مسٹر تھامسن نام ایک امریکی نے شہر سے بہت دور اسی قسم کے ایک قصبہ میں ایک دوکان کھولی ہے۔

ان کی لڑکی ہیلن نے جو جرأت میں اپنے باپ سے کچھ کم نہیں وائٹ فیلڈ کے قریب ہی کے جنگل میں جاکر معمول میں لانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ جنگل کی طرف گئی اور غروب آفتاب کے وقت اپنے باپ کی دوکان کی جانب لوٹ رہی تھی۔ کہ ناگہاں اس نے ایک کتے کی آواز کے مانند ایک آواز سنی جس سے یہ کچھ خوف زدہ نہیں ہوئی۔ اس نے خیال کیا کہ کتا مہیب آواز میں چیخ رہا ہے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ تو بھیڑیے ہیں یہ کسی قدر پریشان ہوئی لیکن اس نے اپنی حفاظت میں سستی نہ کی بلکہ ادھر ادھر نظر دوڑا کر پھرتی کیساتھ پاس کے درخت پر چڑھ گئی اور ابھی درخت کی اونچی ڈالی پر پہونچنے بھی نہ پائی تھی کہ پانچ بھیڑیے درخت کے پاس پہونچ گئے اور پھر جب یہ پکارنے لگے تو اور بھیڑیے بھی درخت کے نیچے آگئے۔

بیچاری اس نے تو خیال کیا تھا کہ وحشی ایک آدھ گھنٹہ میں اسکا پیچھا چھوڑ کر چلے جائینگے لیکن بھیڑیا اپنے شکار کا زیادہ صبر کے ساتھ انتظار کرنے والا جانور ہے یہ تمام رات وہیں کھڑے اور صبح تک چیختے چلاتے رہے اور ہیلن غریب اسی حالت میں درخت پر کھڑی رہی ان کی مسلسل

ملاحظہ ہو کالم (۲)

بقیہ کالم (۳)

چیخ پکار سے اس کی آنکھ تک نہیں جھپکی غرض اسی طرح اس نے رات کاٹ دی صبح ہوئی تو اسوقت بھی اسی جگہ کھڑے اوپر کیطرف گھور رہے تھے جب مسٹر تھامسن شب میں دوکان کو لوٹے تو اپنی بیٹی کو موجود نہ پاکر رات بھر دوکان کے ادھر ادھر اس کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اور اسی میں صبح ہوگئی وہ پریشان تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ پھر ان کو خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ وہ جنگل کیطرف چلی گئی ہو۔ چنانچہ انھوں نے بندوق ہاتھ میں لیکر جنگل کا راستہ لیا اور وہاں بھیڑیوں کی آواز سنکر ان کیطرف متوجہ ہوئے۔ غرض آدھ گھنٹے کے اندر ہی اس درخت کے قریب پہونچکر پانچ بھیڑیوں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا۔ اس کے بعد وہ درخت سے اتر پڑی۔ باپ نے بیٹی کو سینہ سے لگا لیا۔ اور اس کے آغوش میں ہیلن پر غنودگی طاری ہوگئی۔

شعر و سخن

غزل

از ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ صدر اعظم باب حکومت

میں سمجھتا ہوں کہ یہ تیری جفا کچھ بھی نہیں
اور ترے نزدیک یہ میری وفا کچھ بھی نہیں

منحصر ہے تیری رحمت پہ فلاح آرزو
ورنہ جذب آہ و تاثیر دعا کچھ بھی نہیں

عشق سے البتہ ملتی ہے حیات جاوداں
ورنہ انجام جہاں غیر از فنا کچھ بھی نہیں

چارہ گر بے فائدہ کرتے ہیں کیوں میرا علاج
عشق ایسا درد ہے جسکی دوا کچھ بھی نہیں

ہائے رعب حسن سے کہنے نہ پایا حالِ دل
اس نے پوچھا مجھ سے میں نے کہدیا کچھ بھی نہیں

میری قسمت نے تغافل کیش تجھکو کر دیا
بے مروت تیری چتون کا گلا کچھ بھی نہیں

مہر وحدت کی تجلی ہے مہ و خورشید میں
ورنہ ان ناچیز ذروں کی ضیا کچھ بھی نہیں

آرزو یہ تھی کہ جز تیرے نہ ہو کچھ آرزو
مدعا یہ تھا کہ اپنا مدعا کچھ بھی نہیں

دیر ہو یا کعبہ ہو یا ہو کلیسا ہر جگہ،
تو ہی تو ہے جلوہ گر تیرے سوا کچھ بھی نہیں۔

محفلِ رنداں ہے جی بھر کر اڑا جام شراب
سب روا ہے زاہدا یاں ناروا کچھ بھی نہیں۔

منکر ذات احد جو لوگ ہیں گمراہ ہیں،
ان کی غفلت ہے جو کہتے ہیں خدا کچھ بھی نہیں

ذرے ذرے میں تجلی ہے عیاں اس مہر کی،
گر نہیں ذات احد تو پھر ہے کیا کچھ بھی نہیں

منحصر اے **شاد** ہے اسکے کرم پر ہر عطا،
ورنہ کیا ہے دیکھ تاثیر دعا کچھ بھی نہیں۔

قصیدہ میلاد مبارک

ذیل کا قصیدہ شیخ عمر بن عبد المحسن کردی کورانی صاحب کا کہا ہوا ہے شیخ صاحب اس مؤتمر اسلامیہ کے صدر تھے جو شریف حسین کی حکومت کے زمانہ میں منعقد ہوئی تھی شیخ صاحب مدینہ منورہ کے مفتی اور قاضی اور مسجد نبوی کے امام اور خطیب ہیں آپ آجکل حیدرآباد میں مقیم ہیں

لمولد طه كلما عاد عيده　　أعاد على الإسلام سعدا مجددا

عید میلاد النبی جتنی مرتبہ آتی ہے اوسی قدر اسلام کے لیے نئی نئی سعادتوں کا باعث ہوتی ہے۔

فلله ذاك اليوم فيه وليلة　　نزلا لها من مظهر لن يحددا

اے خدا وہ برکتیں جو یوم ولادت اور اوس کی شب پر نازل ہوتی ہیں، وہ غیر محدود ہیں۔

تجلى بذاك اليوم نور محمد　　فيا لك يوم قد أضاء به الهدى

وہ بھی کیا اچھا دن ہے جبکہ نور محمد کی ضیا باری ہدایت اور روشنی پھیلاتی ہے۔

ولله شهر شرف الله قدره　　على غيره فيما به الله أسعدا

یا اللہ یہ تیری شان ہے کہ صرف سعادت میلاد کی وجہ سے یہ مہینہ سب مہینوں سے افضل ہوگیا

فبشرى لمن قد قام فيه مرتلا　　لسيرة طه أشرف الرسل سؤددا

بشارت ہو اوس شخص کو جس نے رسول پاک کی عظمت میں جو تمام رسولوں سے بالاتر ہے کھڑے ہوکر ثنا کہی

رسول براه الله للخلق رحمة　　وأولاه ما أولاه ذكرا مؤبدا

یہ وہ رسول ہے جسکو خدا نے مخلوق پر نزول رحمت کیلئے پیدا کیا اور اسکا ذکر عطا کر کے ہمیشہ کیلئے بالا کر دیا

شفيع الورى خير الخلائق محتدا　　وأشرفهم نفسا وقدرا ومولدا

وہی بحیثیت قدر و منزلت اور ذات و ولادت کے سب سے افضل ہے اور یہی ہے وہ پاک ہستی جو شافع روز جزا ہے

هو السيد المحمود أحمد من سما　　وسماه رب العالمين محمدا

وہ سردار محمود اور احمد ہیں جو بلندی پر پہنچے ہیں۔ اور خدا نے انھیں محمد کا نام بخشا ہے۔

جزاه الله المؤمنين أسنى جزائه　　بما قام فيه من مقام وأرشدا

خدا انھیں [illegible] جزا دے جنھوں نے مقام نبوت پر کھڑے ہوکر ہدایت بخشی۔

فيا أمة الإسلام دام فخاركم　　بمظهر ميلاد يعود مؤبدا

اے گروہ اسلام! تیرا افتخار ہمیشہ برقرار رہے اس میلاد نبی کی برکتوں پر جو ہمیشہ پلٹ پلٹ کر آتی ہیں۔

يجدد فينا ما نسيها الكون نوره　　بذكرى ليوم جل ذكرا ومعهدا

اوس روز سعید کے ذکر سے "جسکا تذکرہ اور عہد سب سے اچھا ہے" زمانہ ہم میں اوس کے نور کی تجلی کو تازہ کرتا ہو

لحيدر آباد الفخم والبشر والهنا　　بأبهى احتفال ساد قدرا بأحمدا

امید ہو کہ ایسی گرانقدر مجلسیں "جنکی قدر احمد مجتبیٰ کی وجہ سے بڑھی" حیدرآباد کیلئے ناز و برکت ہیں

جملت به عن غيرها فكأنها　　عروس جمال حازت الحسن والحلا

وہ عید، وہ حسن کی دلہن، جسکے اندر دنیا بھر کی خوبیاں سمٹ کر آگئی ہیں، دوسری عیدوں سے بہت ممتاز ہے

بها ابتسام قصر النظام مكانة　　فجاء بعالي القصد ذكرا مخلدا

نظام کے حوصلوں میں اس عید کی وجہ سے ایک عظمت پیدا ہوگئی، اسکے اس مبارک عمل کے باعث اسکا ذکر ہمیشہ قائم رہیگا

لقد شهدت بالخير آثار فعله　　وما الخير إلا ما له الفعل شيدا

اسکے افعال کے (حضور نظام کے) آثار اسکی نیکی پر دلالت کرتے ہیں اور نیکی بھی ایسی جو عمل کی مدد سے مستحکم ہوچکی ہے

فسعد له بهذا الاحتفال وحبذا　　ليالي احتفال سعدها دام مشعلا

کیا ہی اچھی ہے یہ محفل میلاد کہ اسکے اندر ہمیشہ برکت و سعادت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں

لها كل عام في الوجود مظاهر　　تجدد في الإسلام نورا مؤبدا

اس کی آمد کا ہر سال دنیا میں نہ صرف رحمت نازل کرتا ہے بلکہ اسلام کیلئے ایک تازہ و ابدی زندگی بخشتا ہے

فقولوا جميعا يا إله محمد　　أنلنا به فوزا يدوم ومقصدا

سب یہ دعا مانگو کہ اے محمد کے خدا ہمکو اپنے مقصد و مراد میں کامیابی عطا فرما اور ہماری نجات کا باعث ہیں۔

وعم بلاد المسلمين برحمة　　وأنقذهم مما الزمان الردى

اپنی رحمت کو ممالک اسلامیہ پر مسلط کر دے اور بچالے سکو مصائب و ہلاکت سے

وأيد بعالي النصر سلطاننا الذي　　أشاد مشيد الدين حتى تصعدا

اے خدا اس سلطان وقت نے تیرے دین کی عظمت کو بلند مقام پر پہونچا دیا اسکی مدد ایسی فتح کیساتھ کر جو بہت بلند ہو۔

سنا الملك ذو النورين عثمان آصف　　علي العلى والجاه من طاب محتدا

(اس) ملک میں **عثمان آصف** کے وجود سے جو بلند مرتبہ عالی نسب اور صاحب نور ہیں روشنی برستی ہے۔

بجاه أبي الزهراء أفضل مرسل　　حبيبك أسماهم مقاما وأمجدا

تیرے اوس حبیب کے تصدق میں ہمکو بخش دے جسکا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے جو باپ ہے فاطمۃ الزہرا کا اور سرتاج تمام رسولوں کا۔

وشفعه فينا يوم عرض ومحشر　　على رغم أنف الجاحدين من العدا

(اے خدا) ان دشمنوں کا سر نیچا کر جو تیرے رسول کی شفاعت کے منکر ہیں اور ہم کو بخشدے (اپنے کرم سے)

فإنك أنت الله لا رب غيره　　وما غيرك المسئول يا رب فانجدا

اے خدا ہماری دستگیری فرما، کیونکہ تیرے سوا ہمارا کوئی حاجت روا نہیں

وصل على المختار طه محمد　　صلاة بها الرحمات تهطل سرمدا

درود بھیجو رسول مختار صلعم پر۔ اسپر درود پہنچے جسپر ہمیشہ رحمت برستی ہے

وآل وصحب ما تلى الذكر ذاكر　　وما شهر ميلاد النبي تجددا

اور ان کے آل و اصحاب پر اور ان پر جو ان کے ذکر کی تجدید کرتے ہیں میلاد کے مہینے میں۔

"جی حضوری"

از سید وزیر حسن صاحب

رات کے دس بجا چاہتے ہیں سنگم تھیٹر کٹورے کی طرح بھرپور ہے۔ نئی تو تھیٹر بالکل کمپنی تھی ولی کا بالکل اچھوتا اور دقیقہ تماشا "آپ بیتی" دکھایا جائے گا جس میں سنا ہے کسی منچلے نے ہندی سماج کو نمونۂ عبرت بنا کر نذرِ ناظرین کیا ہے۔

مسٹر نشتر آئی سی ایس ناظم عدالت کو ہندی باتوں سے بلا کی دلچسپی ہے۔ اس لئے وہ بھی بطور خاص مدعو ہیں چنانچہ تین روپے والے درجے میں مسٹر موصوف اور ان کے پیچھے ہی دو روپئے والے درجے میں ایک "جی حضوری" تشریف فرما ہیں۔ یہ مسٹر نشتر کو آتا دیکھکر از حد خوش ہوے۔ لیکن کرتے کیا کرسیاں رزرو تھیں۔ ناچار سلام کر کے باادب بیٹھ جانا پڑا۔

فطرت بھی بلا کی ستم ظریف ہے۔ ذرا دیکھیے گا دونوں کو کس موقع سے جمع کیا ہے۔ پھر ہی نہیں، دیکھتے دیکھتے میاں "جی حضوری" کی ناک ذرا اوپر چڑھی، آنکھیں چندھیا کر قریب قریب غائب ہوگئیں منہ پھاڑ سا کھلا اور ساتھ ہی آچھیں ..... آ ..... آچھیں ایک اور دو تراخ تراخ بے ادب چھینکیں بھی آگئیں۔

سنا ہے سائنس آشنا دنیا میں چھینک اب خوف کی نظروں سے دیکھی جانے لگی ہے۔ کیونکہ خیال ہے چھینک سے ہزارہا ایسے جراثیم خارج ہوجاتے ہیں جس سے طرح طرح کی بیماریوں کے پھیلنے کا قوی گمان ہے مسٹر نشتر کا چونکہ ہندوستان میں زیادہ زمانہ گذرا تھا اس لئے جان بوجھکر نہیں تو انجان طور سے ہی ان کا اس بات سے متاثر ہونا ضروری تھا۔ مگر خیر! انھیں اس سائنٹفک خلش نے بے چین کیا یا نہ کیا، ہمیں اس سے سر دست سروکار نہیں۔ ہاں، اتنا ضرور دیکھا گیا۔ باوجودیکہ جی حضوری نے رومال منہ کو لگاکر چھینکیں لی تھیں تاہم موصوف نے جلدی سے اپنی دستی نکالکر پہلے منہ اور پھر گردن ساچکیلا تا مڑا صاف کیا۔ "جی حضوری" نے یہ کیفیت دیکھی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، ہوش فاختہ ہوگئے اور یہ سمجھ لیا کہ میں نے چھینک کر موصوف کی جناب میں زبردست گستاخی کردی۔ چنانچہ اسی وقت کھڑے ہوکر انھوں نے نہایت ادب سے معافی چاہی۔

"دِل نہیں ہم نے اس وجہ سے سر نہیں جھاڑا"

"جی نہیں حضرت میں اس گستاخی سے سخت نادم ہوں"

"نہیں، نہیں، ہم بُرا نہیں مانا۔ خوب تماشا کھیو"

یہ سنکر جی حضوری بیٹھ تو گئے۔ لیکن کہاں کا کھیل کدھر کا تماشہ سب نفود ہوگیا۔ ایک دو تین یونہی پردہ پر پردہ ہوتا چلا گیا۔ لوگوں کی یہ حالت کہ تیر ز دیتے دیتے تھک گئے۔ مگر یہ کالا آدمی، توبہ! جی حضوری بچارا چھینک کے سنگین جرم سے مرا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ دفعتہ ہوگیا۔ ادھر جی حضوری لپک لگاکر پھر صاحب بہادر کے پاس ہاتھ جوڑے جوڑے پہنچے۔

"حضور معاف فرمائیں! بخدا میں سخت شرمندہ ہوں!"

"ہا ہا! وِل، یَن! ہم اسے بھول گیا تم کیسا آدمی ہے؟!"

جی حضوری نے ہانپتے کانپتے باادب سلام کیا اور واپس ہوگئے لیکن اطمینان اب بھی نہوا سمجھے کہ صاحب بہادر بنا رہے ہیں! ختم تماشہ پر گھر گئے تو رات کے ڈھائی بجے بدنصیب بیوی کو کان کھائے۔ اور صاف کہدیا کہ ایک رزق رسان کی جناب میں آج نامراد چھینک نے یہ یہ آفت ڈھائی بس ہمارا تو اب اللہ حافظ ہے! یہ سنکر پہلے تو وہ بچاری بھی بہت ڈری لیکن باتوں باتوں میں اد سے جب یہ معلوم ہوا کہ صاحب بہادر کسی دوپہر سے دفتر میں ہیں تو گھبراہٹ کم ہوگئی۔ رہے میاں جی حضوری تو یہ بچارے عقل کے پورے انگاروں پر لوٹتے رہے۔ غرض یوں ہی تڑپ تڑپ کر انھوں نے صبح کردی

صبح ہوتے ہی غریب نے اوندھا سیدھا بھر بھرا لیا اور تڑکے سے صاحب بہادر کے بنگلے پر جا حاضر ہوے۔ صاحب بہادر مع بیوی بچوں کے پائیں باغ میں محو خرام تھے۔ صبح ہی صبح اس عقل کے پتلے کی جو شکل دیکھی تو بے ساختہ ہنس پڑے۔ اور قبل اسکے کہ یہ بوڑھا بچہ عتبہ پر اترے انھوں نے دور ہی سے اشارہ کیا کہ دفع دفعان!

جی حضوری کا یقین اس واقعہ سے اور پختہ ہوگیا۔ اور خیال کیا کہ "صاحب" بھی عجیب منافق اور بے حمیت آدمی ہیں۔ دل میں کپٹ بھری پڑی ہے مگر منہ سے "نہیں نہیں" کہے جاتے ہیں۔ ورنہ کیا وجہ جو اسوقت انھوں نے مجھے یوں دھتکار دیا۔ اچھا، سمجھ گیا، صاحب بہادر سے یوں کام چلتا نظر نہیں آتا ایک مفصل خط لکھنا چاہیئے تاکہ ان پر پوری پوری کیفیت کھل جائے۔

چنانچہ دوسرے دن ایک طول طویل خط دھر گھسیٹا۔ اور پہلے دو ایک دن تو منتظر جواب رہے لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ "صاحب بہادر" بڑے آدمی ہیں کیوں جواب دینگے۔ لاؤ خود ہی چلوں اور کیفیت معلوم کروں۔ غرض اتوار کو صبح گئے تو صاحب بہادر موجود نہ تھے۔ شام میں چار بجے گئے تو اسوقت بھی وہ باہر گئے ہوے تھے۔ آپ ٹھیر گئے۔ اور اتنے ٹھیرے کہ رات کے آٹھ بج گئے۔ سردی کا زمانہ، جنگل، خوب سردی کھائی۔ کوئی ساڑھے آٹھ بجے صاحب بہادر لوٹے تو جی حضوری نے بصد تکریم سلام کیا۔ صاحب بہادر سمجھ گئے۔ کہ اسے پھر حماقت کا دورہ پڑا ہوگا۔ سے اتر کر پیر زمین پر مارتے ہوے فرمایا۔

"ڈیم فول، چلا جاؤ"......

جی حضوری قریب تھا کہ [illegible] تے لیکن سنبھلے اور ساتھ ہی یہ معلوم ہوا کہ [illegible]ٹ سے معدہ میں کوئی چیز داخل ہوئی۔ ادھر دل بھی مرنے لگا۔ افتاں خیزاں گھر پہنچے۔ راستہ کی سردی نے موت کے وار کو اور کاری کیا میاں جی گھر میں گھسے ہی تھے۔ کہ دھڑام سے گرنے اور ڈھیر ہوگئے۔

قدیم ترین ظروف

پروفیسر اندرسن نے جو چین میں معدنیات کی تحقیقات کر رہے ہیں اثنائے تحقیقات میں چند قدیم برتن

مراسلات

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے

سالانہ اجلاس ۱۹۲۷ء بمقام مدراس کیواسطے رزولیوشن

آئندہ اجلاس کانفرنس میں جو ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ ڈسمبر ۱۹۲۷ء کو بمقام مدراس منعقد ہوگا۔ اگر کوئی صاحب مسلمانوں کی اور بالخصوص مدراس کے مسلمانونکے تعلیم کے متعلق کوئی تجویز پیش کرنا چاہیں۔ تو وہ اس کو ۱۵ ڈسمبر ۱۹۲۷ء تک آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمت میں بمقام علی گڈھ بھیجدیں۔ اور اس کی نقل آنریری سکریری استقبالیہ کمیٹی مدراس کو روانہ فرمائیں۔

علاوہ عام اجلاس کانفرنس اوس کے شعبجات کے بھی اجلاس ہوں گے۔ مثلاً شعبہ تعلیم نسوان کا اجلاس زیر صدارت میر حمزہ حسین صاحب اور شعبہ اصلاح تمدن کا اجلاس زیر صدارت آنریبل مسٹر جسٹس ڈاکٹر سید شاہ سلیمان صاحب جج ہائیکورٹ الہ باد اور شعبہ ترقی اردو کا اجلاس زیر صدارت مولانا سید سلیمان صاحب ہونا قرار پایا ہے۔ ان شعبجات کے اجلاسوں میں بھی اگر کوئی صاحب کوئی رزولیوشن پیش کرنا چاہیں۔ تو اس کو بھی ۱۵ ڈسمبر آئندہ تک آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمت میں بمقام علی گڈھ روانہ کردیا جائے۔ اور اس کی نقل آنریری سکر[illegible] مدراس کو روانہ کردی جائے۔

عبدالحمید حسن آنریری سکرٹری استقبالیہ کمیٹی

نمبر ۲۔ وانیار اشٹریٹ مدراس

دکھنی ادبیات میں تحقیقات اور اسکا انتظام

از

ابوالعلا محمد مجاہد صاحب

یہ بالکل مسلم ہے۔ اور اس میں کسی گروہ کو اختلاف نہیں۔ کہ اردو لٹریچر کی پیدائش اور ابتدائی ترقی دکن ہی میں ہوئی۔ میر تقی میر سے لیکر شمس العلما محمد حسین آزاد تک ولی دکھنی کو اردو نظم کا آدم سمجھا گیا۔ مگر حالیہ تحقیقات نے روز روشن کی طرح ثابت کردیا ہے۔ کہ ولی سے سیکڑوں برس پہلے دکن اور بالخصوص حیدرآباد میں اردو نثر و نظم دونوں نے بڑا عروج حاصل کرلیا تھا۔ خود حیدرآباد میں سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) کا دیوان تمام د کمال نہایت ہی مذہب و مطلا اسی زمانہ کا لکھا ہوا دستیاب ہوا اور اب یہ ہمارے اعلحضرت حضور پر نور خلد اللہ ملکہ کے ملاحظہ میں موجود ہے۔ اس سے بہت ہی قبل کی نثر کا نمونہ حضرت خواجہ بندہ نواز (۷۲۰ھ تا ۸۲۵ھ) کی کتاب معراج العاشقین کی صورت میں دکن ہی سے شائع ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی کے اکثر و بیشتر نظم و نثر کی کتابیں دریافت ہوئی ہیں۔ اور اس طرح بہمنی، قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کی معارف پروری سے انکے زمانہ میں جو کتابیں لکھی جاچکی تھیں اور جو مصنف اور شاعر موجود تھے۔ ان میں سے اکثر لوگوں کے حالات پردہ خفا سے نکلکر منظر عام پر آچکے ہیں۔

ہر زبان کے ابتدائی ادب کا سراغ لگانا اور اس کی تحقیق و تنقیح کرکے منظم صورت میں لانا، اس زبان اور اس کے ادب کی آئندہ ترقیوں کیلئے لازمی ہے یورپ کی تقریباً تمام زبانوں کے ابتدائی ادب میں وہاں کے محققین نے تحقیق و تنقیح کے یہ مدارج طے کرکے اپنی زبانوں کو شاہراہ ترقی پر لگادیا ہے۔ اور اب یہ تنقیح اپنا دائرہ اثر وسیع کرتی جارہی ہیں۔ السنہ شرقیہ میں فارسی کو بھی خوش قسمتی سے ایسے محققین مل گئے ہیں۔ اور ایران و یورپ میں اس کے قدیم ادب کی تحقیق اور اشاعت میں مبصرین کی مساعی جمیلہ شروع ہوچکی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب فارسی کی نہایت مستند و قدیم ترین کتابیں عام طور پر شائع اور فارسی ادبیات کے مقدار میں مدد و معاون ثابت ہورہی ہیں۔

اردو زبان میں شمالی ہند میں جو ابتدائی تصانیف تراجم ہوے تھے۔ ان کی تعداد نہایت ہی کم ہے البتہ دکن نے اس خصوص میں بہت زیادہ کام انجام دیا تھا مگر بدقسمتی سے ان آبائے اردو کے کارنامے گوشہ خمول میں پڑے ہوے ہیں۔ اور ان کی تحقیق و اشاعت کی طرف بہت ہی کم بلکہ یوں کہئے کہ کچھ بھی توجہ نہیں کی گئی۔ انفرادی طور پر مولوی سید شمس اللہ صاحب نے اردوے قدیم لکھکر تھوڑی بہت خدمت ضرور کی ہے۔ اور مولوی عبدالحق صاحب بھی کبھی کبھی اپنے رسالہ اردو میں اپنے ذخیرہ دکھنیات کی ایک آدھ کتاب پر کچھ تحقیقی مواد پیش کردیتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ میں اردو کی خوش قسمتی سے السنہ کی اعلیٰ جماعتوں میں دکھنی ادب کا مطالعہ بھی شریک نصاب ہے۔ اور نہایت خوشی کی بات ہے۔ کہ ان کے جماعت کے طالب علم اپنے درسی مطالعہ کے علاوہ ذاتی تحقیق و تنقید کا بھی بہت کچھ کام انجام دیرہے ہیں۔ جس کا ثبوت ان مضامین سے ملتا ہے۔ جو اس جامعہ کے طلبا نے مختلف رسائل وغیرہ میں شائع کئے ہیں۔

دکھنی ادبیات پر اس وقت تک اردوے قدیم سے بہتر کوئی کتاب شائع نہیں ہوی۔ بعض اور لوگوں نے اس خصوص میں قلم آزمائی کی ہے۔ مگر ان کا عدم وجود برابر ہے۔ بلکہ ان سے اضافہ معلومات کی بجائے بعض طبقوں میں گمراہ کن بیانات کی وجہ سے الجھن پیدا ہوتی ہے۔ دکن میں اردو اور داستان اردو کو اس سلسلہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ کتابیں ایسی ہیں کہ ان پر حقیقی معنوں میں تاریخ ادبیات کے سنجیدہ نام کا اطلاق پورے طور پر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ محض تفریحی اور بہت بڑی حد تک غیر فنی کتابیں کہلائی جاسکتی ہیں۔

دکھنی ادبیات قدیم کی اہمیت کے مدنظر اس کی سخت ضرورت ہے کہ سرکار اور پبلک دونوں اسمیں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کریں۔ اگر سرکار عالی اپنی شہرۂ آفاق معارف پروری سے کام لیکر جامعہ عثمانیہ کے طیلسانین (ادبیات) میں سے کسی کو اس کی تحقیقی مطالعہ پر مقرر فرمائے اور حیدرآباد کی پبلک بھی اپنے اسلاف کے بیش قیمت ترکہ کو اشاعت کا موقع دے تو۔ بہت جلد ہمارا یہ افتخار قومی کا ذخیرۂ ادب جو ہماری معاشرت، تاریخ اور اسلاف کی عظمت و بزرگی کا بہترین مظہر ہے، ضائع ہونے یا یورپ کے علم دوست مگر ہندوستان کے حق میں اغیار طبقہ کے ہاتھوں پہنچ جانے سے بچ جائیگا۔ خود ہمارے کتب خانہ آصفیہ میں دکھنی ادب کا کافی ذخیرہ ہے مگر کسی مغربی اصول پر تعلیم یافتہ طیلسانی کی ضرورت ہے۔ جو انکو مہذب و منظم صورت میں لاکر انکی حقیقی معنی میں حفاظت و بقائے دوام کا اہتمام کرے۔

باقی بر کالم (۱)

باقی از کالم (۳)

اگر ہم ایسا اہم کام کو کسی غیر موزوں شخص کے حوالہ کردیں تو کوئی تعجب نہیں کہ ہم اس اصلی ذخیرہ سے مستفید اور بہرہ مند ہونے سے ہمیشہ کے لیئے ناامید ہوجائیں۔ اور دوسرے امور کی طرح اس کے لیئے بھی اہل یورپ کے دست نگر اور خوشہ چین بننے پر مجبور ہوں۔ اگر منصفانہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کام کو جامعہ عثمانیہ کے طیلسانی ہی عمدگی سے انجام دے سکتے ہیں۔ اور جہانتک ہم سمجھتے ہیں جامعہ عثمانیہ کے قیام سے ملک کی یہی امیدیں وابستہ ہیں

مختلف خبریں

محمد علی جناح اور کمیشن

محمد علی جناح نے اخبارات میں یہ اعلان شائع کرایا ہے کہ صوبہ بمبئی کے مسلم لیگ کے جلسے کے متعلق ٹائمس آف انڈیا نے جو حالات شائع کئے ہیں وہ بہت غیر صحیح ہیں کمیشن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے مباحثوں کے بعد میں کمیشن کے مقاطعہ پر اور زیادہ ثابت قدم ہوگیا ہوں۔

سکلت والا کا پاسپورٹ

سکلت والا ہندوستان کو آنا چاہتے تھے۔ لیکن انگلستان کی حکومت نے ان کا پروانہ راہداری منسوخ کر دیا۔ مسٹر ٹرل نے اس منسوخی کی متعلق پارلیمنٹ میں سوال کیا اس کا جواب ارل ونٹرٹن نے یہ دیا کہ مسٹر سکلت والا نے گزشتہ مرتبہ ہندوستان میں ایسی تقریریں کیں جس سے ہندوستان کے امن میں خلل واقع ہوتا تھا اس کا اور ثبوت اس واقعہ سے ہوا کہ انہوں نے انگلستان واپس آکر ایک ایسی گمنام کتاب کا دیباچہ لکھا جس میں ہندوستانیوں کو چین کی طرح آزادی کے لئے قوت کے استعمال کی ترغیب دی گئی تھی۔

صوبہ بمبئی کے مسلم لیگ کے نئے عہدہ دار

۲۷ نومبر کے جلسہ عام میں صوبہ بمبئی کے مسلم لیگ کیلئے حسب ذیل عہدہ دار منتخب ہوئے:-

صدر . . مسٹر محمد علی جناح

نائب صدر　مسٹر مرزا۔ اے۔ ام۔ خاں

معتمدین:-

مسٹر سی۔ ام۔ چگلا۔

مسٹر ام۔ وائی۔ پانڈے۔

مسٹر ای۔ اس۔ حاجی

خزانہ دار:-

خاں صاحب قمر علی ابراہیم۔

مسٹر نور محمد چینائی۔

اجلاس کانگرس

کانگرس کے اجلاس کی تاریخ ۲۶ دسمبر مقرر ہوگئی۔ ۲۴ دسمبر کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس ہوگا جس کے صدر موجودہ صدر کانگرس رہینگے۔ اس کے بعد ہی کمیٹی مجلس کمیٹی بن جائیگی جس کے صدر آئندہ صدر کانگرس ہوں گے مجلس کمیٹی کا اجلاس ۲۴ اور ۲۵ کو ہوگا۔

۲۶ کو کانگرس کا پہلا جلسہ ہوگا دو تین دن رزولیوشنوں میں صرف ہو جائیں گے۔

مجلس استقبالیہ نے تین ہزار ڈیلیگیٹوں کے جمع ہونے کا انتظام کیا ہے۔

فیس فی کس پانچ روپیہ ہے

وزیٹروں کے ٹکٹ بیس اور پچیس روپیہ پر جاری کئے جائینگے طبقہ نسوان کے لئے خاص ٹکٹ رعایت کے ساتھ جاری کئے جائیں گے۔

پنڈال میں کبیر الصوت کا انتظام کیا جارہا ہے۔

سر اسٹفن والش کا استعفیٰ

قانونی کمیشن کی ممبری سے سر اسٹفن والش نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ استعفیٰ کی وجہ صحت کی نادرستی بتائی گئی ہے مگر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بیان کیا جاتا ہے والش کی جگہ مسٹر ورنن ہارٹ شارن کمیشن کے ممبر مقرر ہوگئے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

صوبہ جات متحدہ کے گورنر نے علی گڑھ میں اقامت خانہ فارس اور اقامت خانہ منزل کا افتتاح کیا۔

خواتین پونا کا انتخاب صدارت

مسٹر سارہ بائی نائک ام۔ اے کی صدارت میں خواتین پونا کا ایک جلسہ ہوا جس میں کمسنی کی شادی وغیرہ تحریکیں منظور ہوئیں۔ اور مجلس خواتین ہند کی صدارت کے لئے بالاتفاق آرا بیگم صاحبہ بھوپال کا نام منظور کیا گیا۔

بمبئی میں کرکیٹ

بمبئی میں کواڈرینگلر کرکیٹ کے مقابلے شروع ہوگئے ہیں۔ پہلا مقابلہ یورپینوں اور ہندوؤں کے درمیان ہوا جس میں یورپین (۵۴) دوڑ (رن) سے کامیاب رہے۔ دوڑ رن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

پہلا کھیل یورپین	(۲۲۸)
" ہندو	(۲۱۹)
دوسرا کھیل یورپین	(۱۰۱)
" ہندو	(۹۶)

ترکی کی نئی وزارت

ترکی میں نئی وزارت حسب ذیل مقرر ہوئی ہے:-

وزیر اعظم . . . . عصمت پاشا

وزیر داخلہ . . . . شکری کایا بے

وزیر مالیہ . . . . شکری بے سراجو غلو

وزیر عدلیہ . . . . توفیق رشدی بے

وزیر دفاع قومیہ . . . . عبد الخالق بے

وزیر کارہائے عامہ . . . . بہیج بے

وزیر تعلیمات . . . . [illegible] نجاتی بے

وزیر حفظان صحت . . . . [illegible] بے

وزیر تجارت و زراعت . . . . [illegible] بے

دو نئے وزرا شکری کایا بے اور [illegible] بے آزمودہ اصحاب ہیں۔ اول الذکر فتحی بے کی وزارت میں وزیر خارجہ تھے اور ثانی الذکر مشترکہ ترکی یونانی کمیشن میں جو تبادلے آبادی کے متعلق قائم کیا گیا تھا ترکی کے مندوب تھے۔ وزیر دفاع قومیہ جمیل بے وزیر داخلہ احسان بے وزیر بحریہ صبری بے وزیر زراعت اس مرتبہ وزارت میں نہیں ہیں اس مرتبہ دو وزارتوں کی تخفیف عمل میں آئی ہے کیونکہ تجارت و زراعت کی وزارتیں ختم کر دی گئی ہیں اور اسی طرح وزارت بحریہ کو وزارت دفاع قومیہ [illegible] کر دیا گیا ہے حکمت بے جو بلغریڈ میں ترکی وزیر تھے۔ مصطفےٰ کمال پاشا کے سکرٹری جنرل مقرر کئے گئے ہیں۔

کوائف حیدرآباد دکن

جلسہ تقسیم اسناد جامعہ عثمانیہ

جامعہ عثمانیہ کا تقسیم اسناد کا جلسہ پہلی دسمبر ۱۹[illegible]ء کو منعقد تھا۔ ڈھائی بجے دار البلد حیدرآباد میں اہل علم طبقے کی چل پہل نظر آتی تھی۔ امیر جامعہ مہاراجہ صدر اعظم بہادر مع نائب امیر جامعہ نواب ولی الدولہ بہادر جلوس کے ساتھ تشریف لائے جلوس کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

مسجل

حمید احمد صاحب انصاری

رفقا

میجر محمد اشرف صاحب نائب ناظم طبابت	سید محمد حسین صاحب بی۔ اے نائب ناظم تعلیمات
[illegible] صاحب معتمد مجلس قانون	نواب صمد یار جنگ بہادر معتمد افواج
سید محمد اعظم صاحب پرنسپل سٹی کالج	ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر رکن عدالت العالیہ
نواب کرامت جنگ معتمد صیغہ ڈرینج	محمد عنایت اللہ صاحب ناظم دار الترجمہ
محمد اظہر حسین صاحب بی۔ اے مددگار معتمد تعلیمات	غلام یزدانی صاحب ایم اے ناظم آثار قدیمہ
سید غلام نبی صاحب پروفیسر کلیہ عثمانیہ	
نواب [illegible] رکن عدالت عالیہ	نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی
مسٹر [illegible]	نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فینانس
ڈاکٹر نواب سراج یار جنگ بہادر رکن عدالت	نواب [illegible] یار جنگ بہادر سابق معتمد فوج
مولوی محمد الیاس برنی صاحب پروفیسر کلیہ عثمانیہ	مولوی وحید الرحمن صاحب پروفیسر
ڈاکٹر نظام الدین صاحب پروفیسر	ڈاکٹر عبد الحق صاحب پروفیسر
حسین علی مرزا صاحب پروفیسر	وحید الدین صاحب سلیم پروفیسر
مولوی محمد عبد القدیر صاحب صدیقی پروفیسر	ڈاکٹر مظفر الدین صاحب قریشی پروفیسر
ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم صاحب پروفیسر	کشن چند صاحب پروفیسر
ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب پروفیسر	مسٹر ای۔ ای ایسٹ پروفیسر
ہارون خاں صاحب شروانی	مرزا حسین علی خاں صاحب
قاضی محمد حسین صاحب پروفیسر	

امیران شعبہ جات

نواب نظامت جنگ بہادر صدر المہام سیاسیات	میجر میم۔ جی نائیڈو ڈاکٹر وظیفہ یاب
نواب [illegible] یار جنگ بہادر امیر مجلس عدالت	

ارکان مجلس اعلیٰ

میجر فرحت علی صاحب ایم۔ بی پرنسپل عثمانیہ میڈیکل کالج	محمد عبد الرحمن خاں صاحب پرنسپل عثمانیہ کالج
نواب ضیا یار جنگ بہادر	نواب مہدی یار جنگ بہادر معتمد سیاسیات
نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس	نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام عدالت و مذہبی

ناظم تعلیمات

نواب مسعود جنگ بہادر

معتمد تعلیمات

نواب ذو القدر جنگ بہادر

نائب امیر جامعہ

نواب ولی الدولہ بہادر

امیر جامعہ

عالیجناب راجہ راجایان راجہ سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔

جب جلوس داخل ہوا تمام حاضرین کھڑے ہو گئے اور جلوس کے بیٹھنے کے بعد بیٹھ گئے امیر جامعہ نے کارروائی کا افتتاح فرمایا۔ امیدواران طیلسان سے حسب رواج وعدہ لیا اور پھر سلسلہ سے امیران شعبہ جات نے اپنے اپنے طلبہ کو پیش کیا۔ امیر جامعہ نے ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے سند دی امیر شعبہ دینیات نواب صدر یار جنگ بہادر کی جگہ نواب ضیا یار جنگ بہادر نے اور امیر شعبہ قانون نواب [illegible] یار جنگ بہادر نے اور امیر شعبہ فنون نواب نظامت جنگ بہادر نے اپنے اپنے شعبوں کے طلبہ کو پیش فرمایا۔

جب سب طلبہ جامعہ ختم ہو گئے تو نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس کو ال ال ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی گئی جس کو صاحب موصوف نے مودب ہو کر قبول فرمایا۔ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے ڈگری لینے پر حاضرین نے زور شور سے تالیاں بجائیں۔

نواب حیدر نواز جنگ بہادر کو ڈگری دینے کے بعد امیر جامعہ نے رجسٹر طیلسانیین پر دستخط فرمائے اور اپنا خطبہ پڑھا جو اس پرچہ میں صفحہ (۳) پر درج ہے خطبہ کے بعد امیر جامعہ نے جلسے کے اختتام کا اعلان فرمایا اور جلوس معکوس صورت میں واپس ہوا یعنی اس دفعہ سب سے پہلے امیر جامعہ تھے پھر نائب امیر جامعہ اور اس طرح تمام رفقا وغیرہ جلسہ کے ختم کے بعد عصرانہ اور تصویر کشی ہوئی۔

جلسہ تقسیم انعامات کلیہ جامعہ عثمانیہ

کلیہ جامعہ عثمانیہ کا جلسہ تقسیم انعامات دوسری دسمبر کو دار البلد میں منعقد ہوا جلسے کی صدارت عالیجناب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت و امیر جامعہ نے کی۔ جلسہ کا آغاز قاری کلیم اللہ صاحب ام اے ال ال بی مددگار پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ کی قرأت سے ہوا۔ قرأت کے بعد مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم نے ایک نظم سنائی جس میں نوجوانان دکن کو مخاطب کر کے بہت سی بیش بہا نصیحتیں کی تھیں مولوی سلیم کے بعد ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم صاحب ام اے۔ ال ال بی۔ پی ایچ۔ ڈی پروفیسر فلسفہ نے ایک نہایت پاکیزہ نظم سنائی خلیفہ صاحب نے اس نظم میں ہلال کو مخاطب کر کے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ ہلال کے موضوع پر ڈاکٹر اقبال نے اور خود خلیفہ صاحب نے کئی ایک نظمیں لکھی تھیں مگر اس نظم میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو بالکل اچھوتے اور بہت لطیف تھے حاضرین نے اور صاحب صدر نشین نے اس کی بہت داد دی محمد عبد الرحمن خاں صاحب صدر کلیہ نے اپنی رپورٹ سنائی جس میں جامعہ کے فرزندوں کی علمی و ادبی کارناموں اور جد و جہد کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اس کے بعد کلیہ جامعہ عثمانیہ کے طالب علموں کو صاحب صدر نشین نے انعام تقسیم کئے۔

جلسہ کے اختتام پر عصرانہ اور تصویر کشی ہوئی۔ جلسہ بہت کامیاب رہا جس کے لئے مولوی عبد الرحمن خاں صاحب صدر کلیہ پروفیسر کشن چند صاحب پروفیسر نظام الدین صاحب اور پروفیسر عبد اللطیف صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اطلاع

نظام گزٹ

اکثر قدردانان نظام گزٹ پہلے نمبر کو طلب فرماتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ پہلا نمبر صرف ایک ہزار کی تعداد میں چھاپا گیا تھا جو کبھی کا ختم ہو چکا اس لئے دفتر اب اس کی فرمایش پوری کرنے سے عاجز ہے اگر فرمایشین کافی تعداد میں آجائیں تو اس کا دوسرا اڈیشن نکالا جائے گا اس کی اطلاع نظام گزٹ کے ذریعہ کر دی جائیگی۔

منیجر نظام گزٹ

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر کمبلہ و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

رعایتی فہرست

قرآن شریف پانچ ترجمہ والے ہیں (خط واضح اور صاف ہے چھپائی اچھی ہے) ان میں سے دو فارسی ہیں جن میں سے ایک ترجمہ فارسی شیخ سعدی کا دوسرا ترجمہ فارسی خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا ہے اور تین اردو کے ترجموں میں ایک ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ دوسرا مولانا شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی تیسرا حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ہے اس کے ساتھ حاشیہ پر کامل اردو تفسیر مسمی بہ احسن التفاسیر لکھی گئی ہے یہ تفسیر حضرت مولانا احمد حسین صاحب دہلوی مرحوم کی تالیف ہے مختصر عام فہم ہے کاغذ بھی اچھا خوشنما دیدہ زیب ہے مطبوعہ دہلی ہدیہ صعہ سکہ عثمانیہ مجلد علاوہ خرچ ڈاک۔

مطبوعہ جنسرات و فارمس ہر دفتر کے کارآمد۔ خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت کوتوالی وغیرہ وغیرہ کے تیار ہیں جس کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کر کے آرڈر کی تعمیل کی جاتی ہے۔

ارتنگ خیال یعنی کلیات حضرت ضامن صاحب کنتوری۔ یہ اردو بہترین دیوان ہے۔ قسم اول اصلی (سے) رعایتی (عہ) قسم دوم اصلی (عاں) رعایتی (عہ) ایضاً حصہ دوم فارسی (عہ)

مآثر دکن متضمن برحالات عمارات و آثار بلدہ حیدرآباد و مقامات بلدہ مولفہ سید علی صاحب صغر بلگرامی آصفجاہی ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی کاغذ چھپائی دیدہ زیب مجموعی صفحات (۱۵۱) تصاویر (۵۷) قیمت مجلد (لے) علاوہ محصول ڈاک

قاموس الاغلاط اعلیٰ انتقادِ ادبی کی پہلی کتاب جو السنۂ عربی و فارسی و اردو میں تصنیف ہوئی ہے۔

اس میں تخمیناً دس ہزار ادبی اغلاط کی تصحیح و تنقیح اور الفاظ کی تحقیق و تدقیق اور تراکیب کی توضیح و تصحیح بہ اسالیبِ انتقادیہ استناداً و استشہاداً کی گئی ہے مشاہیر ادبا و شعرا کے کلامِ نظم و نثر پر عالمانہ نقد کر کے صدہا لغزشیں بتائی گئی ہیں سالہا سال کے وسیع و غائر مطالعہ و تخطیطِ لسانی کے بعد جدید فلالوجی (فلسفۂ لغویہ) کے اصول کے موافق علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد و مولانا سید ہاشمی و مولانا [illegible] نے مدون کیا ہے۔ عربی فارسی اور اردو کے بیسیوں لغات تو ملیں گے لیکن ایک جگہ اصول و قواعد و شواہد سے تصحیح کیا ہوا اغلاط کا وافر علمی ذخیرہ اور نکاتِ ادبیہ کا بے بہا خزینہ آپ حضرات اسی کو پائیں گے۔

یہ لغت عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

قدیم کتبِ علمیہ و ادبیہ کا نادر و نایاب ذخیرہ جس میں مصر و شام و عراق و ایران و ہند وغیرہ کے قدیم مطبوعات نادرہ و مخطوطاتِ نادرہ نہایت سعی و کوشش سے بصرفِ زرِ کثیر بہم پہونچائے گئے ہیں۔ قدردانِ علم و ادب کو اس دولتِ علمیہ سے مالامال ہونے کا یہ زرین موقع ہے کیوں کہ عام طور پر یہ کتابیں ہر جگہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں اور بعض کتابیں مل بھی سکتی ہیں تو گراں قیمت پر ہم نے نشرِ معارف کے خیال سے قیمتیں معتدل کر دی ہیں۔ ناظرین کرام کی فوری اعتنا کی ضرورت ہے کہ فروخت ہو جانے پر تاسف و تحسر نہ ہو۔ ان کتب کی مکمل فہرست مطبوعہ ہمارے پاس موجود ہے [illegible] کے وصول ہونے پر بلا قیمت ارسال کی جائے گی۔

کتب درسیہ نصابی خلاصہ جات و تراجم

کی ہند مصری یعنی ترجمہ قند پارسی شریک امتحان میٹرک مترجمہ از مولوی عبد الطاہر صاحب مدرس ہائی اسکول قیمت ۱۲ار رعایتی ۸ر۔

شرح بزم اردو مولفہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب مدرس فوقانیہ گلبرگہ قیمت آٹھ آنے رعایتی (عہ)

ہدیہ عمادیہ ترجمہ عربی منظومہ اشعار شریک امتحان میٹرک مولفہ مولانا سید عبد الغنی صاحب وارثی قیمت مجلد (عہ)

ترجمہ دیوان صائب آج تک صائب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا بہترین ترجمہ مولفہ منشی فاضل مولوی مظفر الدین صاحب کامل قیمت (عہ) رعایتی (۱۰ار)

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت (۳ر۶ر) — مولفہ مولوی سید شرف الدین صاحب قادری بی اے۔ بی۔ ٹی۔ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ عادل آباد

جدید تاریخ ہند برائے مڈل و عثمانیہ میٹرک قیمت (عہ ۸ر)

جدید جغرافیہ دنیا برائے رر (قیمت ۱۲)

تحفہ سبحانیہ یعنی شرح قصص ہند حصہ دوم جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور عربی الفاظ کی جمعیں مرکب الفاظ کی تشریح تاریخی اشعار کی با اصول ابجد تحلیل مشکل عبارات کا مطلب محاورات کی معانی ضرب الامثال کا موقع استعمال اور بہت سی مفید باتیں درج ہیں مولفہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب منشی فاضل مدرس فوقانیہ گلبرگہ قیمت (۸ر)

خلاصہ مفتاح القواعد برائے افادہ طلبائے مڈل و سکنڈ فارم ملخصہ منشی عالم مولوی محمد عبد الحی صاحب مدرس مدرسہ فوقانیہ گلبرگہ قیمت (۴ر)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چارمینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	ماعہ	ماصہ	صعہ	سہ	صہ
نصف صفحہ	ماصہ	صعہ	للعہ	صعہ	سے
ربع صفحہ	صعہ	للعہ	صصہ	عہ	للعہ
ایک کالم	لعہ	صہ	سہ	صہ	عہ
نصف کالم	صہ	سہ	عہ	عہ	سے
ربع کالم	سہ	عہ	صہ	عہ	پیسہ

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائے گا۔

کتب خانہ تجارتی عبدالرزاق بکسلر اینڈ پبلشر و مالک رزاقی مشین پریس چار مینار حیدرآباد دکن

حکومت آصفی و برکات عثمانی تصانیف مولانا محمد شمس الدین صاحب منصف جس میں حکومت آصفی کے عدیم النظیر واقعات اور دور عثمانی کے جملہ ترقیات کو نثر و نظم میں بڑی خوبی سے جمع کیا گیا ہے۔ قیمت (۸/) ....

شمس کا ترانہ قوم کے اقبال کی سوہنی مورت، اور اس کے ادبار کی بھونڈی صورت غرض حالت قوم کا اصلی فوٹو ہے قیمت (۲/)

بیوکی کہانی بیوکی زبانی ایک پر تاثیر۔ دلگداز۔ قابل دید نظم ہے بیوہ کے حقیقی حالات اور فطری جذبات کا آئینہ ہے۔ درد و غم۔ رنج و مصیبت کا گنجینہ ہے ممکن نہیں کہ اسکو پڑھنے کے بعد کوئی آنسو نہ بہائے قیمت (۴/) ....

تصانیف مولانا وہبین

سیرۃ خیر البشر منظوم .... (۱/)

تعلیم الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا مفید مجموعہ ..... (۱۲/)

حدایق الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا دلچسپ مفید ذخیرہ ۔ (۵)

تہذیب الاطفال نتیجہ خیز دلچسپ منظوم حکایتوں کا با تصویر مجموعہ (۱۲/)

بالک باغ بچوں کے مذاق کی مشرقی و مغربی طرز ادب طفولیت کی دلکش اور نصیحت آموز نظمیں صرف حصہ دل ۵ر اول و دوم (۵) ....

سوغات صالحات عورتوں اور بچیوں کے لئے اخلاقی نظموں کا نادر تحفہ قیمت (۸/) ....

ہملن کا چیکدار بانسری والا انگلستان کے مشہور شاعر براؤننگ کی دلکش نظم کا منظوم ترجمہ (۱۰/) ....

بی لراکا ایک زبان دراز قبیل یا کچھل پائی کلہ نتیجہ خیز عبرت آموز منظوم قصہ (۳/) ....

نیک بی بی اس نظم کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ایک نیک خو بی بی نے اپنے بدخو شوہر کو خوشخو بنا دیا۔ قیمت (۲/) ....

چھوٹا شیطان علم کی خوبی جہل کی برائی کو قصے کے پیرایہ میں ظاہر کیا گیا ہے قیمت (۱/) ....

ایک ہنسانیوالی داستان کاؤپر کی ظریفانہ نظم کا ترجمہ منظوم قیمت (۱/) ....

نیک بیٹی اس نظم میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیک بیٹی میں کیا کیا اوصاف چاہیں ....

تمدن ہند مترجمہ علامہ سید علی بلگرامی۔ یہ وہ کتاب ہے جو چند سال پہلے (صہ) روپیہ میں فروخت ہوتی رہی اور اب (صہ) روپیہ میں مجلد کونہ پشتہ چرمی کام سنہری نہایت خوبصورت مل سکتی ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں ....

سیرۃ النبی صلعم مجلد چرمی سنہری کام حصہ اول (لے) حصہ دوم مجلد کام سنہری (عہ)۔ حصہ سوم مجلد سنہری کام تقطیع کلاں (لعہ) ....

دیوان غالب اردو مطبوعہ برلن۔ پاکٹ تقطیع نہایت خوبصورت ٹائپ قیمت (عہ) ....

مثنوی مشعل اسلام اس میں توحید باری تعالیٰ و اثبات رسالت کے ایسے زبردست دلائل بیان کئے گئے ہیں جو بڑے بڑے مستند کتابوں میں بھی نہیں مل سکتے قیمت (۸/) ....

تذکرہ شعراء دکن اس میں ۱۳۲۹ھ تک قدیم و جدید باکمال شعراء کا ذکر ان کی شاعری کا نمونہ درج ہے پہلے اسکی قیمت (صہ) روپیہ تھی رعایتی (صہ) ....

سفر حرمین الشریفین یہ ایک لاجواب کتاب ہے جس میں مدینہ منورہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور کثیر نقشہ شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک فوٹو شامل کتاب ہیں مشاہیر علماء و فضلا نے اس کی خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں۔ کاغذ چکنا عمدہ لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں قیمت بجائے (عہ) روپیہ کے (لے) ....

سیرۃ عائشہ رضہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب اور فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامہ اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ضخامت (۳۵۰) صفحہ قیمت (ﷲ) ....

گل رعنا اردو زبان کی ابتدائے تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار ضخامت (۵۴۸) صفحہ قیمت (لے) ....

عروس ادب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی۔ تاریخی۔ اور سیاسی مضامین کا مجموعہ ان مضامین کی تعریف تقاریظ مندرجہ کتاب میں مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اور مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے (دریابادی) نے ازحد فرمائے ہے۔ فی الواقع مضامین نہایت دلچسپ اور قابل دید ہیں خصوصاً مضامین ادبی لکھائی چھپائی کا غذ بھی نہایت عمدہ ہے عروس ادب زیور علوم سے آراستہ ہونے کے علاوہ مصنف کی تصویر سے بھی مزین ہے جتنی خوبیاں ہیں اُن کے مقابلہ میں قیمت بہت کم ہے یعنی فی نسخہ (عہ) ....

مخزن حکمت یا گھر کا ڈاکٹر طبع پنجم مولفہ شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب نے یہ جدید اڈیشن تقریباً از سر نو لکھی ہے اور طبع چہارم کی نسبت اس میں سب سے مفید اضافات کئے گئے ہیں یعنی اس میں ۱۹۲۵ء تک کی تمام جدید معلومات کا اور کئی ایک جدید امراض کا اور اکثر امراض کے نئے نئے مفید اور مجرب معالجات اور مجرب نسخہ جات کا اضافہ کیا ہے جس سے یہ کتاب پہلے کی نسبت بدرجہا مفید بن گئی ہے جلد اول و دوم مجلد قیمت (صہ)

سید عبدالقادر ... نے اعظم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شائع کیا

عدد ۵

جلد ۱

مضمون خاص

رامائن

از

سید وقار احمد

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چارمینار حیدرآباد دکن

چندہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	۸ے
سہ ماہی	عال
فی پرچہ	۲ر۶ر

ہندوستان سے باہر کیلئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائیے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائیے

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحہ کے حجم پر شایع ہوگا۔ اور کبھی کبھی تصویریں بھی شائع ہونگی

منیجر

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات — تیری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

عدد ۵ حیدرآباد: دوشنبہ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ م ۱۲ ڈسمبر ۱۹۲۷ء م ۸ بہمن ۱۳۳۷ف جلد ۱

شذرات

جو لوگ ہندو مسلم اتحاد کے صحیح معنوں میں طرفدار نہ تھے اور ہمیشہ افغانی ہوا کا خوف دلاتے تھے اب یہ آلہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

شاہ افغانستان نہ صرف قول کی حد تک اخوت عامہ کے خواہاں ہیں۔ بلکہ ان کا دور و دراز کا سفر خود اس کا عملی ثبوت ہے۔

امیر افغانستان نے ایک نامہ نگار سے صاف کہدیا کہ ان کے ملک میں کامل امن ہے۔ اور نہ انھیں کسی ہمسایہ حکومت سے حملہ کا خوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ممدوح اطمینان سے یورپ جا رہے ہیں۔

ہز مجسٹی امیر افغانستان اپنے ہی ملک میں بیٹھکر اپنے آپ کو سب سے زیادہ ترقی یافتہ نہیں تصور کرتے بلکہ آپ کی تقریروں سے ظاہر ہے کہ وہ یورپ کی ترقی یافتہ آزاد قوموں سے ملکر اپنے ملک کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

نظام گزٹ کا ملک نے جس گرم جوشی سے خیر مقدم کیا، ہم اس کے ممنون ہیں۔ ہز ایکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ نے اس کی نظم میں تعریف فرمائی۔ اس کے علاوہ ملک کے دیگر علم دوست حضرات نے اسے دکن کے بہترین اخبارں میں شمار کیا۔

ہمدرد دہلی نے اس کو بلحاظ ظاہری و معنوی خوبیوں کے دکن کا "الہلال" لکھا ہے۔

الکلام نے لکھا ہے کہ نظام گزٹ … زیر ادارت مولوی سید وقار احمد صاحب ام۔ اے و مولوی محمد حبیب اللہ صاحب رشدی۔ ام اے بلدہ حیدرآباد دکن سے ہر ہفتہ اشاعت پاتا ہے۔

قابل مدیرین کے نام اسکے خصوصیت کے ضامن و ذمہ دار ہیں۔ اس کی لکھائی و چھپائی دیدہ زیب ہے مضامین انوکھے۔ بہترین کاغذ پر اشاعت ہوتی ہے۔ اکثر دفتری کے مضامین حسن سے طبیعت پھڑک جانے درج ہوتے ہیں۔ اصحاب مدیرین میں اول الذکر صاحب سے ہم شناسا ہیں۔ آپ کی حاضر طبیعت، یقین ہے کہ اس گزٹ کو لاجواب ثابت کر دے گی۔

---

۱۵ رجب میں حضرت اقدس اعلیٰ کی سالگرہ مبارک کی خوشی میں نظام گزٹ کا خاص نمبر نکلیگا۔ اس میں کوشش کیجا رہی ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ ہز ایکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ کے وہ فوٹو شائع کئے جائیں جو اب تک کسی اخبار یا رسالہ میں شائع نہیں ہوے۔

بعض مضامین کے ساتھ، مضمون نگاروں کے فوٹو بھی شائع ہونگے۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۱۷ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ ہجری

شاہ افغانستان کا سفر

افغانستان اور ہندوستان میں جو تعلق تاریخی حیثیت سے رہا ہے وہ نہایت ہی اہم ہے اسلامی کئی ایک نامور بادشاہ یہاں پیدا ہوئے جس کی یادگار اس ملک میں ابتک باقی ہے۔

سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں اس وسیع سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ برطانوی حکومت کے زمانہ میں افغانستان سے رفتہ رفتہ دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم نے ہندوستان میں تشریف لاکر اپنی محبت و خلوص کا ثبوت دیا تھا۔ اس موقع پر بھی برطانیہ نے اعلیحضرت غفران مکاں کی مہمان نوازی میں کچھ کمی نہیں کی تھی۔

جب سے تاجدار افغانستان امیر امان اللہ خان کا عہد شروع ہوا ہے حضور ممدوح نے سب سے پہلے کامل آزادی حاصل کرلی۔ اس کے بعد اپنے ملک کے ہونہار فرزندوں کو غیر ممالک میں تعلیم کے لئے روانہ فرمایا تاکہ ملک کی اصلاح ہو۔ چنانچہ اب تک کثیر التعداد طلبہ جرمن امریکہ وغیرہ میں زیر تعلیم ہیں۔ ملک میں صنعت و حرفت کیطرف خاص توجہ کی اور جرمن روس ترکی برطانوی ماہرین کو ملازم رکھکر اپنے ملک میں صنعت و حرفت کی شاندار مثال قائم کی ہے۔

شاہ افغانستان ایک نہایت بلند پایہ اعلیٰ حکمراں ہیں۔ ہندو سکھ مسلم امن و امان سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

تاجدار افغانستان کو اب ترقی یافتہ ممالک کو دیکھکر اپنے ملک کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا ہے اور یہی ملکی فلاح و بہبودی کی آرزو ہے کہ وہ سیاحت یورپ کیلئے نکلے ہیں تاکہ وہاں کے حالات بچشم خود معائنہ کریں۔

ہندوستان میں آپ کی تشریف آوری کی خوشی نہایت بہت سے انتظامات ہو رہے ہیں کراچی اور بمبئی کے مسلمان ہندو اور پارسی آپ کے خیر مقدم کے سرگرمی سے مشتاق ہیں۔ آپ کو ایڈریس دینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

حقیقت میں ہز مجسٹی امان اللہ خاں کی تشریف آوری سے تمام ہندوستان کی ملتوں کو فخر کرنا چاہئے

اور ان خیالات کو جو انگریزی تاریخ کے ذریعہ ان کے ذہن نشین کرائے گئے ہیں موجودہ حکمران شاہ افغانستان کی بے تعصبی وسیع النظری کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کیا ہی اچھا ہوگا، اگر اس موقع پر ہندوستان کی تمام ملتیں آپس کے جنگ و جدال، اور فرقہ وارانہ منافرت کو دور کرکے آئندہ اتحاد و محبت کے شاندار مقصد کیطرف قدم بڑھائیں گے۔

ڈاکٹر محمد اقبال کا پیام

(بنگال و پنجاب کے مسلمانوں کے نام)

مجھے اسکا افسوس ہے کہ موجودہ زمانہ اسلام کی تاریخ میں ہندوستان اور بیرون ہند میں نازک سیاسی امور مسلمانوں کو ایک طرف لے جا رہے ہیں برخلاف اس کے اسلام کی اندرونی اسپرٹ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں غیر شعوری پر مسلمانوں کو دوسری جانب لے جاتی ہے۔

اسلامی ممالک نے جو زیادہ ترقی یافتہ ہیں یعنی ترکی اور مصر، یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مغربی اثرات کے حوالہ کردیں۔

تاہم اس فیصلہ کو یورپ اور اسلام کی تاریخی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ یہ اسلامی درسگاہوں کا فرض ہے کہ وہ اس تعلق کو تاریخی تحقیق و تدقیق سے دریافت کریں اور متوسط درجہ کے مسلمانوں کو اس سے آگاہ کریں کہ کسطرح یورپ کی تربیت کی عمارت اسلام کے مدبرین کے خیالات پر مبنی ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوجائیگا کہ کس طرح یورپ کی تربیت کی عمارت اسلام کے مدبرین کے خیالات پر مبنی ہے اور کس حد تک ہم تربیت کے دائرہ

ہندوستان کے مسلمان ابھی اس مسئلہ سے ٹھیک طور پر واقف نہیں ہیں جسکا مقابلہ اسلام سے ہے، یہاں کے تنگ نظر سیاست دانوں نے جن کو ماحول اور روایات نے تیرہ و تاریک بنا دیا ہے، اس مسئلہ کو بالکل نظرانداز کردیا۔ اب اسکا خوف ہو چلا ہے کہ کہیں ہندوستان کے مسلمان اس مسئلہ کے وجود کو بھی محسوس نہ کریں جب تک کہ انھیں ہندوستان کے آئندہ سیاسی دستور میں جگہ نہ دی جائے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جو انھیں اس کا حل بتا سکتی ہے۔

ہندوستان کے آئندہ دستور میں جگہ حاصل کرنا صرف بنگال اور پنجاب کے مسلمانوں کی متحدہ کوششوں پر منحصر ہے۔

اس لئے ان دونوں صوبوں کے باشندوں ... نام میرا یہ پیام ہے۔ اپنی حقیقت کو دریافت کرنے میں غرق ہو جاؤ منتشر شدہ قوتوں کو ایک جا کرلو جس سے ایک نئی شخصیت بنے۔ جو گذشتہ زمانہ کی سرگرمی کا احساس کرے اور عہد حاضرہ میں قدم رکھکر مستقبل کو پیدا کرے"۔

ماخوذ "دی مسلمان"

جنرل سیف یا سلیمان پاشاہ

(فرانسیسی)

جنرل سیف آج سے ایکسو گیارہ سال پیشتر فرانس سے مصر اس غرض سے آیا تھا کہ محمد علی پاشا کی ملازمت اختیار کرے۔ فرانس محمد علی پاشاہ کی حکومت کو دوستی کی نگاہوں سے دیکھتا اور اس کی تقویت کی کوشش کرتا تھا۔ اور مصر میں انگلستان کا اثر پیدا ہونے تک وہ اپنے آدمیوں کے ذریعہ نظم نسق حکومت اور فوج کی تنظیم میں، محمد علی پاشا کا ہاتھ بٹاتا رہا اور جو لوگ محمد علی کے زمانہ میں مصر کی بیداری کو تسلیم کرتے ہیں وہ درحقیقت فرانس کی بیداری ہے۔

جب جنرل سیف مصر آیا اور مصری فوج میں ملازمت اختیار کرلی تو چار سال کے بعد ہی حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ اور ایک یونانی عیسائی عورت سے شادی کرلی۔ اسی کی ایک لڑکی سے شریف پاشاہ نے شادی کی تھی جو موجودہ ملکہ مصر کے دادا تھے یہ سلیمان پاشا کی بیوی ان یونانی اسیروں میں سے تھی جنکو ابراہیم پاشا نے لڑائی کے زمانہ میں گرفتار کیا تھا۔ یہ اسوقت کی بات ہے جبکہ مصری فوجیں ترکوں کیطرف سے یونان سے برسرپیکار تھیں، اس عورت کا روشن چہرہ، سیاہ بال اور صاف نیلگوں آنکھیں تھیں جسکو سلیمان پاشا نے گھر میں کنیز بنانے کے خیال سے خرید لیا تھا۔ مگر اسکو اس سے محبت ہوگئی اور اس نے شادی کرلی۔ اس کے بعد اس نے اس عورت سے مسلمان ہوجانے کیلئے کہا لیکن اوس نے انکار کردیا اور مرتے دم تک عیسائی رہی

اسکی پہلی اولاد کا نام اسکندر بک تھا اور اسی یونانی عورت کے بطن سے دو لڑکیاں بھی تھیں۔ اسکا لڑکا اسکندر تعلیم کے لئے فرانس چلا گیا لیکن پھر اس نے اپنے آبائی پیشہ کو ترک کرکے مصر میں سعید پاشا کے ماتحت محکمہ خزانہ میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس کی بہنوں میں سے ایک تو شریف پاشا (جو آستانہ میں چرکسی ماں باپ سے پیدا ہوا تھا) بیاہی گئی۔ اور دوسری مراد بک سے جو بعد میں مراد پاشا مشہور ہوا۔ اول الذکر یعنے شریف پاشا خدیو اسمٰعیل کے عہد میں وزیر مقرر ہوے اور موخر الذکر خدیو کے مصاحب بنے۔ اس لحاظ سے موجودہ ملکہ مصر نازلی خانم جو شریف پاشا کی پوتی ہیں ان میں فرانسیسی یونانی اور چرکسی تینوں خون شامل ہیں۔

قلعہ گلبرگہ اور مسجد

سید تمکین صاحب کاظمی

گلبرگہ شریف نہایت قدیم شہر ہے سکندر اعظم کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے پہلے "راجہ گلی چند" نے اسکو آباد کرکے اپنے نام کی مناسبت سے "گل برگی" نام رکھا، کنڑی زبان میں "گل" پتھر کو بھی کہتے ہیں، بعض مورخین کا خیال ہے کہ پتھریلا مقام ہونے کیوجہ سے "گل برگی" (زمین سنگلاخ) نام رکھا گیا، جو کثرت استعمال سے "گلبرگہ" ہو گیا۔

گلبرگہ پر راجہ گلی چند کے بعد ایک عرصہ تک راجگان ورنگل قابض رہے، چودھویں صدی کی ابتدا میں ورنگل اور بیدر کے ساتھ گلبرگہ پر بھی سلطان محمد تغلق نے قبضہ کرلیا، ۱۳۴۷ء میں امیران صدہ یا امرا کبن نے بغاوت کی اور "ظفر خان" کو شاہی لقب دیکر صوبجات دکن (دولت آباد، گلبرگہ، بیدر) کا بادشاہ بنا دیا، اور گلبرگہ پایہ تخت بنا، ۱۳۴۷ء سے ۱۴۳۰ء تک پایہ تخت رہا، مگر احمد شاہ بہمنی نے بیدر کو پسند کیا اور وہی پایہ تخت قرار پایا ۱۵۰۴ء میں شاہان عادل شاہیہ (بیجاپور) نے اس پر قبضہ کرلیا، ۱۵۱۲ء میں امیر برید کے قبضہ میں آیا مگر پھر جلد ہی عادل شاہوں کے قبضہ میں چلا گیا، ۱۶۵۷ء میں میر جملہ نے اس کو فتح کیا اور سلطنت مغلیہ کا پرچم قلعہ پر لہرانے لگا، جب حیدرآباد پر نواب نظام الملک آصفجاہ بہادر مغفور نے قبضہ کیا تو گلبرگہ بھی زیر تسلط تھا اور اب تک سلاطین آصفیہ خلد اللہ ملکہ کے زیر فرمان ہے۔

۱۹۰۵ء میں مستقر صوبہ قرار دیا گیا اور اب تک ہے۔

گلبرگہ کی پرانی جامع مسجد

اسکا محل وقوع درمیان خطوط عرض بلد شمالی ۱۶ - ۴۰ و ۱۷ - ۴۴ اور مابین طول بلد شرقی ۷۶ - ۲۲ و ۷۷ - ۴۰ پر واقع ہے۔

آثار قدیمہ کے لحاظ سے گلبرگہ ایک خاص قیمت رکھتا ہے، قلعہ گلبرگہ، اور مسجد قلعہ، دو خاص چیزیں ہیں۔

قلعہ۔۔ اس کی تعمیر ولادت مسیح سے چار سو سال قبل راجہ گلی چند نے کی اور راجایان ورنگل و بیجانگر ضروری ترمیم وغیرہ کرتے رہے مگر موجودہ حالت عہد بہمنیہ (۱۳۴۷ء تا ۹۳۴ھ / ۱۵۲۷ء) کی بدولت نظر آرہی ہے۔ اس کی شکل بعض اور قلعوں کے (مدور، مربع، مستطیل ہونے کے بجائے) بیضوی ہے، شمالی دیوار شرقی اور غربی سیدھی ہے، اور جنوبی گولائی لئے ہوئے گھومتی ہوئی گئی ہے اور مغربی دیوار بھی ایسی ہی ہے۔ مگر شرقی فصیل سیدھی ہے اور اس کے اطراف پچاس گز عمیق خندق ہے فصیل کا دور کم و بیش میل بھر ہے، دو دروازے شرقی اور غربی ہیں۔

مشرقی دروازہ سادہ تھا جو اب بالکل از کار رفتہ ہو گیا ہے، مغربی دروازے کے اندرونی حصہ میں تین کمانیں ہیں اور ایک پھاٹک ہو اچھی حالت میں ہے، اسکے دو جانب مرتفع برج ہیں، جن پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں، قلعہ میں پندرہ عظیم الشان برج ہیں، جن پر (۲۶) توپیں چڑھی ہوئی ہیں، ان میں ایک توپ (۱۲) گز کی ہے۔

دولت برج یا رن منڈل یہ مستطیل برج شرقی دروازے کے سامنے واقع ہے، اسکو دولت برج، رن منڈل، فتح برج، بالاحصار بھی کہتے ہیں، اسکا طول شرقاً (۲۴۰) فٹ اور شمالاً (۱۲۰) فٹ ہے اور بلندی (۱۲۰) فٹ، چاروں کونوں پر مدور، مضبوط اور خوبصورت حلقے بنائے گئے ہیں، یہ برج قلعہ کے سب برجوں سے بڑا ہے سوائے ایری دالی، برج بیجاپور کے اور کہیں ایسا برج ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا، اس پر ۳ توپیں ہیں جن میں سے دو چودہ چودہ فٹ لمبی ہیں اور سوا فٹ قطر ہے، تیسری مسمی "بہار منی عادل شاہی" ہے اس برج کو سلطان ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں ۹۶۵ھ / ۱۵۵۸ء محمد حیدر نے بنوایا تھا، دیوار پر کتبہ ہے۔

"الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ و آلہ اجمعین در عہد سلطنت بادشاہ عالیجاہ نام پناہ سپہر سرافرازی تاج الدنیا والدین ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ واحسانہ بندہ درگاہ محمد حیدر این برج دولت تمام نمود۔"

ہفت منت برج۔ یہ برج دروازہ غربی کے شمال میں کالے پہاڑ پر واقع ہے اس پر ایک کتبہ سنگ سیاہ پر بخط نسخ لعب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ کے زمانہ ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۶ء میں تعمیر ہوا!

کتبہ

بامر محمد شہ بحر و بر	کز و یافت ملک دکن زیب و فر
بحسن نخ نور اللہ سرخیل ملک	کہ بست او زراولاد خیر البشر
دگر احسن آباد را زیب داد	بتعمیر برج و دیوار و در
چوں تعمیر شد گشت تاریخ و سال	شد احسن گلبرگہ محکم دگر

۱۰۶۶ھ

حسن بہمنی نے

گلبرگہ کو پایۂ تخت بنانے کے بعد حسن آباد نام رکھنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا، گلبرگہ کچھ ایسا زبانوں پر چڑھ گیا تھا کہ حسن آباد کو فروغ نہ ہو سکا۔ مذکورہ کتبہ کے تیسرے شعر میں اسی "حسن آباد" کا ذکر ہے، اس برج پر نواب علیخاں بہادر کے زمانہ کی ایک توپ ہے، جس پر یہ عبارت کندہ ہے،

رفیق سادات برحق نواب رکن الدولہ بہادر
ظفر الدولہ بہادر سنہ ۱۱۸۴ ہجری

حال میں سررشتۂ آثار قدیمہ سرکار عالی نے اس برج کی ضروری تعمیر و ترمیم کی ہے اور اب یہ برج اچھی حالت میں ہے۔

گھڑیال جی برج۔ غربی دروازے کے شمالی جانب ایک بلند مقام پر یہ برج واقع ہے، چونکہ ایک زمانہ میں اس پر گھڑیال بجتی تھی، اسلئے گھڑیال جی برج نام مشہور ہوگیا، اسکی (۱۲۵) سیڑھیاں ہیں، یہ برج ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۸ء میں تعمیر ہوا ہے، سنگ سیاہ پر بخط نسخ یہ کتبہ ہے۔

کشادہ باد بدولت ہمیشہ این درگاہ
بہ القصر نذر کردہ پیران دستگیر اولاد حسین و حسن
پشت پناہ اہل دکن بندہ نواز مخدوم دین سید
محمد حسینی گیسو درازنی عہد سلطان محمد عادل
شاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابداً دبانیہ کمترین غلامان
درگاہ علی رضا بن محمد آقا سنہ ثمان و خمسین و الف ۱۰۵۸
بحق اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

اس برج کے پہلو میں قدیم شاہی جیل خانہ کا خرابہ ہے، بہمنی اور عادل شاہی اور اس کے بعد سے اور سلاطین کے قیدی یہیں رکھے جاتے تھے، چنانچہ سنٹرل جیل گلبرگہ کی تعمیر سے قبل سرکار عالی کے قیدی بھی یہیں رہتے تھے، کتبہ میں اس "قصر" کیطرف اشارہ ہے،

دالان۔ دولت برج کے پاس دروازے کے قریب ایک مسقف دالان ہے، جس کی بیرونی دیوار پر کتبہ نصب ہے۔ کتبہ ۱

بنا نمود این عمارت در عہد علی عادل شاہ
سلطان بموجب امر خدمتگاری کرد
العبد ضابط خان

کتبہ ۲

بنا نمود این عمارت در عہد علی عادل شاہ
سلطان بموجب امر خدمتگاری کرد باباجی
المخاطب ضابط خان نائب غیبت شہر حسن آباد"

تیلی برج۔ غربی فصیل کی دیوار کے محاذی واقع دیوار پر ایک کتبہ نصب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۶۵ھ ۱۵۵۷ء میں تعمیر ہوا۔ کتبہ ۳

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ
علی رسولہ محمد و آلہ اجمعین
بعہد سلطنت شہنشاہ جہاں پناہ ظل اللہ

مہر سپہر سرفرازی ابو المظفر شاہ علی عادل شاہ
غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین
برہ احسانہ کمترین بندگان درگاہ عزت خان
این برج دولت عمارت نمود سنہ ۹۶۵

نورس برج۔ غربی دروازہ کے اندر جنوب کیطرف یہ برج واقع ہے، اس پر ایک بارہ گزی توپ رکھی ہوئی ہے سنگ سرخ کے چار کتبے نصب ہیں، کتبہ ۱

این برج توپ دوازدہ گزی در عہد ابو المظفر
ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ملکہ ابداً عمارت
بندہ ملک ملک صندل سنہ ۱۰۳۲ء

(۲) یا فتوح (۳) یا فتوح (۴) ھو الجلیل

برج نورس۔

سکندر برج۔ یہ کوہ پیکر برج غربی دروازے کے جنوبی سمت واقع ہے اسکو "نیل برج" بھی کہتے ہیں، برج کے نیچے دو چھجروں پر توپ چڑھی ہوئی ہے، اور اسکی دیوار پر ایک کتبہ نصب ہے یہ برج سلطنت بیجاپور کے آخری ایام میں سکندر عادل شاہ کے صدر اعظم خواص خاں کے حکم سے شیدی سنبل ملک عنبر نے ۱۰۸۴ھ ۱۶۷۲ء میں تعمیر کیا ہے۔

یا حافظ بسم اللہ الرحمن الرحیم یا حافظ
الملک اللہ

در اوائل جلوس سلطان سکندر عادل شاہ
قادری الغازی بن علی عادل شاہ بحکم آصف
زماں خواص خاں وزیر۔ حکومت در سنہ
ثلاث سبعین الف بندہ کمترین درگاہ شیدی
سنبل ملک عنبر صوبہ دار و حوالدار عمارات
این برج فلک شکوہ کہ مسمی سکندر برجست نمود،
سنہ ۱۰۸۴ء کتبہ کے حاشیہ پر یہ شعر کندہ ہے،

کسے نیک بیند بہر دو سرائے · کہ نیکی رساند بخلق خدائے

ان کے علاوہ اور نو برج ہیں جن پر توپیں بھی چڑھی ہوئی ہیں۔ مگر کتبے نصب نہ ہونے سے انکا سنہ تعمیر معلوم نہیں ہوتا اسلئے نظر انداز کئے گئے۔

زنجیری دروازہ۔ قلعہ کے مغربی دروازہ کو زنجیری دروازہ کہتے ہیں۔ اس پر ایک کتبہ عہد بہمنیہ کا نصب ہے

کتبہ

عجب قلعہ دیدم کہ شلش نبود · چنیں کہ در اقلاع عالم پیست
تحصنت بذی الملک والملکوت واعتصمت
بذی العزۃ والعظمۃ والہیبۃ والقدرۃ
والکبریاء والجبروت دخلۃ فی حرز اللہ
وفی امان اللہ من شرور الفتن اجمعین
کہٰیٰعٓصٓ حٰمٓ عٓسٓقٓ ولا حول ولا
قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسکے علاوہ قلعہ میں چند محلات کے کھنڈر، باولیاں، مسجد وغیرہ بھی ہیں جو چنداں قابل ذکر نہیں،

مسجد قلعہ۔ قلعہ کی اس عالیشان مسجد کی نسبت لوگوں کو بہت اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ یہاں مندر تھا جو "خراب ہو کر خانہ خدا (مسجد) بن گیا"، بعض کہتے ہیں کہ دربار ہال تھا جسے توڑ کر علاؤ الدین حسن نے مسجد کی بنا ڈالی، بعض کہتے ہیں کہ علاو الدین نے قرطبہ کی مسجد کے نقشہ پر یہ مسجد بھی تعمیر کی، مگر ہماری رائے میں یہ تینوں واقعیاً درست نہیں پہلی روایت اور دوسرے قصے کے ثبوت میں ان پتھروں کو پیش کیا جاتا ہے، جو ایک زمانہ میں استر کاری کے وقت مسجد میں نظر آئے تھے ان پر بعض تصاویر تھیں، ان چند پتھروں سے یہ نتیجہ زیادہ صحیح نہیں نکلتا ممکن ہے کہ دوران تعمیر میں کسی دیول سے پتھر استعمال میں لائے گئے ہوں جو اس مقام پر واقع نہ تھی یا تھی، تو بہت ہی مختصر تھی، اس میں ہندو طرز عمارت کی کوئی بات نہیں ہے۔

قرطبہ کے طرز تعمیر کو جو شہرت دیجاتی ہے وہ بھی ایک حد تک ایسی ہی ہے، علاو الدین حسن نے ایک نئے نقشہ پر اس کی تعمیر شروع کی تھی جو اتفاق سے قرطبہ کی مساجد کے نقشہ سے مل گیا، غالباً یہ مسجد اسلئے بنائی گئی تھی کہ وقت ضرورت ٹاؤن ہال کا کام بھی دے چنانچہ اس کا مسقف ہونا یہی ظاہر کرتا ہے ۱۳۱۴ھ میں اس کا پلاستر جھڑ گیا تھا جس کی درستی پر تیئیس ہزار روپے صرف ہوئے۔

اسکا چبوترہ ۳۰ ہزار مربع فٹ ہے، اس میں چھ ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں، اسکا بڑا برج جس کے نیچے محراب و منبر ہیں (۷۵) فٹ بلند ہے۔ اس کے دونوں جانب مسجد کا اندرونی حصہ ہے جس پر ایکسو گیارہ چھوٹے گنبد ہیں اور حسین ترین محرابیں۔ ساری مسجد لداؤ ہے، لکڑی استعمال ہی نہیں کیگئی۔ طرز تعمیر بالکل اقلیدسی ہے مسقف حصہ طول میں شرقاً غرباً (۲۲۵) فیٹ اور عرض میں شمالاً جنوباً (۱۶۸) فٹ ہے شمال و جنوب دونوں رخوں پر دروازے ہیں، مشرق کیطرف کوئی دروازہ نہیں ہے۔ صحن کے پائیں میں ایک مختصر سی خوشنما کمان کے اندر چند خوش وضع قبور ہیں۔

ممالک محروسہ میں کیا بلکہ پورے ہندوستان میں کوئی مسقف مسجد اس سے بڑی نہیں ہے، اوپر چڑھنے کیلئے پختہ زینہ بنا ہوا ہے، جہاں سے گلبرگہ کا منظر صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ مسجد سررشتۂ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

"مسٹر فرگوسن" ایسٹرن آرکیٹکچر میں لکھتے ہیں کہ "یہ مسجد ہندوستان کی تمام شیبانی مسجدوں میں نہایت خوبصورت اور قدیم ہے۔"

ہز اکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر بالقابہ "روزنامچۂ گلبرگہ" میں فرماتے ہیں،

"یہ مسجد میں ہندی طرز تعمیر کی شان نظر ہی نہیں آتی اس میں دونوں طرف ادھر ادھر وسیع بازو ہیں جن کی چھت

یونانی وضع کی ہے، اور ستون اور گنبد دار چھت ہونے سے "اسلامی تعمیر کی جھلک پائی جاتی ہے"

مولوی مرزا مہدی خاں اپنے گزیٹیر ممالک محروسہ میں لکھتے ہیں "ایک بہت بڑی مسجد (۲۱۶) طول اور (۱۷۶) فٹ عرض بمقامات اندلس کے قرطبہ کی مسجد کے نمونہ پر بنائی گئی ہے۔ اور ہندوستان میں اپنی آپ نظیر ہے"

مولوی سید علی بلگرامی نے بھی سلسلۂ آصفیہ کے جلد سوم میں لکھا ہے کہ "یہ مسجد قرطبہ کے نمونہ پر بنائی گئی ہے"

مسٹر سی، پی، برزنے "گلمز آف دی نظامس ڈومینینس" میں مسجد کی کیفیت نہایت تفصیل سے لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ "اس مسجد کو غالباً سلطنت بہمنیہ کے دوسرے بادشاہ نے ۷۶۵ھ میں بنوایا ہے" .... جتنے سیاح اور عالمان آثار قدیمہ نے اس کو دیکھا ہے، وہ اس عظیم الشان مسجد کی "بڑی تعریف کرتے ہیں، اور ان کا بیان ہے کہ یہ مسجد تمام ہندوستان میں لاثانی ہے"

ماخذ

(۱) ایشرن آرکیٹکچر، مرتبہ مسٹر فرگوسن۔

(۲) گلمز آف دی نظامس ڈومینینس، مرتبہ سی، پی بروز۔

(۳) سلسلۂ آصفیہ جلد سوم مرتبہ مولوی سید علی بلگرامی مرحوم۔

(۴) روزنامچۂ گلبرگہ، مرتبہ ہز ایکسلنسی مہاراجہ یمین السلطنۃ بہادر باالقابہ۔

(۵) گزیٹیر ممالک محروسہ سرکار عالی، مرتبہ مولوی مہدی خانصاحب۔

(۶) ضمیمہ رپورٹ آثار قدیمہ ۳۲، ۱۳۳۱ف، مرتبہ مولوی علی اصغر بلگرامی۔

(۷) رسالۂ معارف اعظم گڈھ بابتہ فروری ۱۹۲۷ء۔

ٹوپی کیوں اُٹھاتے ہیں

اسکی کیا وجہ ہے کہ عیسائی سلام کے وقت ٹوپی اٹھاتے ہیں؟ یہ سوال کسی علمی رسالہ سے کیا گیا تھا جس کا جواب رسالہ مذکور نے یہ دیا کہ قدیم زمانہ میں آزاد آدمی ہی ٹوپی پہنا کرتے تھے اور غلام مجبور تھے کہ وہ برہنہ سر رہا کریں تاکہ عام طور پر معلوم ہو سکے کہ یہ دوسروں کے غلام ہیں۔ اگر کوئی غلام یا ادنی درجہ کا آدمی ٹوپی پہنتا تھا تو اپنے مالک یا بالادست کے سامنے تعظیم کے خیال سے فوراً اتار دیتا تھا۔ اور یہی قدیم رسم تعظیم کیلئے اس دور تہذیب و تمدن میں بھی جاری ہو گئی ہے۔

(المصور)

مکالمہ سیاسیہ فلاطونیہ

جمہوریہ (آٹھویں کتاب)

مترجمہ سید محمد خورشید حسین رضوی بی، اے (جامعہ عثمانیہ)

سقراط۔ ہاں! اس طبیعت کے لوگ روپیہ کیا لالچ کرینگے، مثل اُن آدمیوں کے جو عدیدی حکومتوں میں رہا کرتے ہیں، وہ اشخاص ایک خوفناک پوشیدہ تمنا سونے چاندی کے لئے رکھتے ہیں۔ جسکو وہ تیرہ و تاریکیوں میں ڈھیر لگا دینگے۔ اور ان کے پاس گودام و خزانہیں جو خود ان کی ملکیت ہیں تاکہ سونے چاندی کو محفوظ و پوشیدہ رکھیں۔ اور محلات بھی رکھتے ہیں جو انڈے سینے کے ڈربے ہیں۔ اور جن میں رہکر وہ لوگ اپنی بیویوں پر روپیہ خرچ کریں گے یا دوسروں پر جن کو وہ پسند کرتے ہیں۔

گلاکن۔ یہ بہت صحیح بات ہے۔

سقراط۔ ایسے آدمی بیحد پرنشیان ہیں کہ روپیہ کمانے کے علانیہ ذرائع اُن کے پاس نہیں ہیں جس کی وہ قدر کرتے ہیں۔ وہ تو دوسرے شخص کی دولت کو لٹا دینگے تاکہ ان کی خواہشات آسودہ ہوں۔ چھپے، چوری، اپنی مسرتوں کو پورا کرتے ہیں اور قانون سے جو انکا باپ ہے مثل بچوں کے فرار ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم اچھے اثرات کے تحت نہیں ہوئی ہے۔ انھوں نے جبر و تشدد کے مدرسہ میں درس پایا ہے۔ اس بنا پر یہ اشخاص حقیقی راگ دیوی (Muses) کو فراموش کر چکے ہیں۔ یہی تو عقل و فلسفہ کی رفیق ہے۔ موسیقی کو ترک کر دیا اور ورزش کیطرف باعزت قدم بڑھایا۔

گلاکن۔ بلاشک جس ہئیت حکومت کو تم بیان کرتے ہو۔ برائی بھلائی کی آمیزش رکھتی ہے۔

سقراط۔ کیوں آمیزش ہے۔ لیکن ایک چیز اور صرف ایک چیز نمایاں طور پر ظاہر ہے۔ جذبہ تنازع اور تمنایات جذبی و غضبی عنصر کے غلبہ کیوجہ سے ہے۔

گلاکن۔ بے شک۔

سقراط۔ یہ اصل اور حالت اس حکمت کی ہے جسکا ذکر صرف بطور خاکہ ہوا ہے اور اس کی مکمل صورت بیان کرنے کی احتیاج نہیں ہے، اس لئے کہ خاکہ ہی کافی ہے کہ کامل ترین عادلانہ اور غیر عادلانہ مملکت کی ہئیت کا اظہار کر دے۔ لیکن تمام مملکتوں اور زمانوں کی سیرتوں کا ذکر کرنا کہ کوئی بھی ان میں سے نہ چھوٹ جائے بیحد محنت کا کام ہوگا۔

گلاکن۔ بہت صحیح

سقراط۔ بتاؤ کون شخص اُس حکومت کے مشابہ ہے اور کس طرح وجود میں آیا اور کس کے مثل ہے۔

اڈی منٹس۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جذبہ تنازعہ جو اس شخص کی خصوصیت ہے وہ ہمارے دوست گلاکن کے مثل ہے۔

سقراط۔ شاید ایک بات میں اُس کی مثل ہو سکے لیکن بہت سی صورتیں ہیں جن میں وہ بیحد مختلف ہے۔

اڈی منٹس۔ وہ کونسی صورتیں ہیں؟

سقراط۔ وہ بیحد خود نما اور کم تعلیم و تربیت یافتہ ہے گو تعلیم و تربیت کا حامی ہوگا۔ اچھا سامع ہوگا نہ کہ متکلم۔ ایسا شخص غلاموں پر سختی کرنے کی جانب مائل ہوتا ہے اور ایسا کرنے پر فخر کرتا ہے۔ تعلیم یافتہ تو ایسا نکریگا وہ شخص آزاد لوگوں کے ساتھ اخلاق برتیگا۔ اور نمایاں طور پر حاکم مقتدر کا اطاعت شعار ہوگا۔ گو وہ خود طالب عز و جاہ اور خواہاں قوت و اقتدار ہے حکمران ہونیکا ادعا کریگا۔ اسلئے نہیں کہ وہ فصیح البیان ہے اور نہ ایسی قبیل کی کسی وجہ سے بلکہ صرف اس بنا پر کہ وہ تو سپاہی ہے۔ اور فوجی کمالات رکھتا ہے۔ اور اس کے کارنامے شہرۂ آفاق ہیں۔ ورزش و شکار کا شوقین ہے۔

اڈی منٹس۔ ہاں یہی تو وہ سیرت ہے جو عزت طلب جاہ پسند حکومت کے مشابہ ہے۔

رامائن

از مدیر

ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمان ہندوؤں کے ادب کے دلدادہ تھے، اور ہندو بھی مسلمانوں کے ادب کو پڑھنا قابل فخر سمجھتے تھے، اکبر کا سب سے بڑا کارنامہ ہندو مسلم اتحاد تھا۔ اس نے نہ صرف زبانی اتحاد کیطرف توجہ کی بلکہ عملی طور پر ایک قوم کو دوسری قوم سے متحد کر دیا، سنسکرت ادب کی اعلیٰ پایہ کتابیں اسی عہد میں فارسی میں ترجمہ ہوئیں، چنانچہ رامائن کا فارسی ترجمہ اسی عہد کا یادگار ہے۔ ہم ذیل میں فارسی رامائن کے کچھ حصہ کو اجودھیا کانڈ سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد رامائن کے چند اشعار کو نقل کر کے اسکا ترجمہ بھی لکھہ دیتے ہیں۔ تاکہ اردو دان حضرات رامائن کی عظمت کے راز کو سمجھ سکیں اور اس کی شاعری سے لطف اندوز ہوں۔

اجودھیا کانڈ رامائن کی جان ہے۔ یہ وہ موقع ہے کہ دسرتھ رام چندر جی کو ولیعہد کرنا چاہتے ہیں جس سے گھر گھر خوشیاں منائی جاتی ہیں اور سارے شہر میں اسی کی دھوم دھام رہتی ہے۔ مگر کیکئی کی وجہ دسرتھ مجبور ہو جاتے ہیں، کہ رام چندر جی کو جلا وطن کریں، جب رام چندر جی کو اس کا علم ہوتا ہے تو وہ خود بخود شہر چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، شاعر نے اس وقت ماں باپ بھائی بہن بیوی اور تمام شہر کی جو حالت ہوئی اُس کی صحیح تصویر کھینچی ہے۔

اجودھیا کانڈ

(فارسی)

بعد مرور روزے چند بھرت بہ راجہ جسرت گفت کیکئی راجہ قندہار کہ جد منست آدم بطلب من فرستادہ اگر اجازت فرمائی بروم، راجہ جسرتھ رخصت ارزانی داشت، و سترگھن را ہمراہ کرد، ہر دو برادر با حشم و خدم بہ قندہار رسیدہ در آنجا می ماندند۔ راجہ جسرتھ روزے در آئینہ علامت پیری در خود بسیار دید از آن بخاطر راجہ آمد کہ حالا بہتر آنست کہ خلافت ملک بہ سری رام چند بدہم۔ این مصلحت از وسشٹ و وزرا پرسید ہمہ بر حسن تدبیراؤ آفرین کردند۔ برائے این کار در ماہ چیت ساعت نیک اختیار کردند۔ روز یکہ صباح آن قرار جلوس سلطنت بود۔ راجہ جسرتھ فرمود تمام شہر را آراستہ کنند۔ ازین نوید نقارہ شادیانہ نواختند ما در آن سری رام چند انتظار صبح دولت داشتند۔

اجودھیا کانڈ

(ہندی)

دوہا۔ شری گرو چرن سروج رج، نج من مکر سدھار
برنوں رگھوبر بمل جس، جو دایک پھل چار

ترجمہ اپنے دل کے آئینہ کو مقدس مرشد کے کنول جیسے قدموں کی خاک سے صاف کر کے رام چندر جی کی صاف (عمدہ) شہرت کا بیان کرتا ہوں، جو چار پھل دینے والی ہے۔

جب تیں رام بیاہ گھر آئے
نت نو منگل مود بدھائے

ترجمہ جب سے رام شادی کر کے گھر آئے (تب سے) نت نئی مسرتیں اور خوشیاں اور مبارکبادیاں ہوتی تھیں۔

بھون چار دس بھودھر بھاری
سکرت میگھ برکھہیں سکھ واری

ترجمہ چودہ دنیا کے بڑے پہاڑ جیسے نیک فعال کے ابروں سے آرام کا پانی برساتے ہیں۔

ردھ سدھ سمپت ندی سہائی
امگ اودھ امبدھ کہں آئی

ترجمہ سمپت نعمتوں کی ندی، امنڈ امنڈ اودھ کے سمندر میں بہتی آئی۔

منی گن پر نر نار سجاتی
سچ امول سندر سب بھانتی

ترجمہ شہر کے مرد عورتیں گویا تمام قسم کے اچھی ذات کے صاف بیش قیمت جواہر کا انبار ہیں۔

کہہ نہ جائی کچھ نگر وبھوتی
جنو اتنی برنچ کرتوتی

ترجمہ شہر کی شان و شوکت کچھ بھی نہیں جا سکتی۔ گویا برہما جی کے کرتوت (دنیا بنانے کی قوت) اتنی ہی ہے (اور زیادہ کچھ نہیں کر سکتے)

سب ودھ سب پر لوگ سکھاری
رامچندر مکھ چندر نہاری

ترجمہ رامچندر جی کا چاند (سا) چہرہ دیکھکر تمام شہر کے لوگ پوری طرح خوش تھے۔

مدت مات سب سکھی سہیلی
پھلت بلوک منورتھ بیلی

ترجمہ اُن کی والدہ اپنی ہمجولیوں اور سہیلیوں کے ساتھ اپنے مقصد کی بیل کو پھلتی ہوئی دیکھکر مسرور تھیں۔

رام روپ گن سیل سبھاؤ
پرمدت ہوں دیکھ سنی راؤ

ترجمہ رامچندر جی کی شکل صفات کردار (عمدہ طرز عمل) کو سنکر اور (خود) دیکھکر راجہ دسرتھ بہت خوش تھے۔

دوہا۔ سب کے اُر ابھلاش اس، کہہ منائی مہیش
آپ اچھت یو راج پد، رامہں دیے نریش

ترجمہ سب لوگوں کے دلوں میں ایک خواہش پیدا ہوئی

عہ یعنی (۱) دھرم (مذہب) (۲) ارتھ (دولت) (۳) کام خواہشات (۴) موکش (نجات)

دنیا کا عظیم ترین صحافی مرکز

(مترجمہ محمد مظہر اللہ صدیقی (حیدرآبادی))

آج برلن ان اختلافات کے مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ جو چند سال سے وہاں کی عام سیاسی اور تمدنی حالت میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ وہاں کی ادبی، صنعتی، اور تجارتی دنیا کے ہر شعبہ زندگی میں ترقی و نشوونما کی روح کام کر رہی ہے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ جس کو ہر شخص اس شہر پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالتے ہی سے معلوم کر سکتا ہے۔ راستوں کی آمد و رفت، بازاروں کی چہل پہل، تفریحی مقامات پر عمدہ اور قیمتی لباس پہنے ہوئے لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہاں پر ایک نئی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ اور در اصل یہ جرمنی کی خوش حالی کے دور جدید کا پیش خیمہ ہے جس کا اہل جرمنی نہایت مستقل ارادوں اور گہری امیدوں کے ساتھ خیر مقدم کر رہے ہیں۔ کیا ہی بہتر ہوتا اگر میں قارئین کے سامنے جرمنی کے اس دور ترقی کے متعلق ہر وہ چیز پیش کرتا جس کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ تمام باتیں ضرور قابل ذکر ہیں تاہم آج میں صرف وہاں کے ایک دار صحافت کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ جو نہ صرف جرمنی میں بلکہ سارے یورپ میں عظمت و بزرگی کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ اور جس کے معائنہ کا مجھے شرف حاصل ہو چکا ہے۔

جرمنی میں صحافت کے تین مرکز ہیں۔ اُلشتائن (Ullstein) مُسّے (Mosse) اور شرلے (Scherl) وہاں کی دار الاشاعت عامہ پر ان تینوں کا اثر ہے۔ لیکن اثر و نفوذ کے اعتبار سے اول الذکر دوسروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ جرمنی کے اخبار خاص وضع کے ہوتے ہیں۔ اور یہی وضع ان کو دوسرے ممالک کے اخبارات سے ممتاز کرتی ہے ان کا سائز ہمارے ہاں کے (یعنی مصر کے) اخبارات کی بہ نسبت چھوٹا اور ضخامت میں ہمارے ہاں کے ہفتہ وار اخباروں سے کسی قدر زیادہ ہوتی ہیں۔ جس کے باعث لوگوں کو ان کے پڑھنے اور الٹ پلٹ کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ جرمنی کے تمام اخبارات جماعتی ہیں۔ انگلستان اور فرانس کی طرح وہاں کوئی ایسا مستقل اخبار نہیں جو کسی خاص جماعت سے منسوب نہ ہو۔ وہاں کے قومی اخبارات بالکل آزاد ہیں۔ یہ اپنی اپنی خاص سیاست کے ترجمان ہوتے ہیں۔ جس کے سامنے بڑی بڑی وطنی جماعتیں سر تسلیم خم کرتی ہیں۔ اس قسم کے اخباروں کی روزانہ اشاعت بالعموم پندرہ لاکھ اور بعض وقت میں لاکھ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور وہاں کے عام اخبارات روزانہ پچاس ہزار سے کم نہیں چھپتے۔ ہفتہ وار اخباروں کی اشاعت تو روزانہ اخبارات سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ وہاں کی پبلک ایسے اخباروں کا بڑے شوق اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتی ہے۔

جب مجھے معلوم ہوا کہ "اولشتائن برادران" نے نواحی برلن میں عظیم الشان دار صحافت کے لئے ایک نئی عمارت بنائی ہے۔ تو میں نے وہاں جانے کی خواہش ظاہر کی جس کی مجھے اجازت بھی مل گئی۔

یہ ایک نہایت ہی اعلیٰ و ارفع اور بے نظیر عمارت ہے جس میں بہتر سے بہتر اور نفیس سے نفیس طباعت کا سامان موجود ہے۔ میرے خیال میں نہ صرف جرمنی بلکہ یورپ و امریکہ میں بھی اتنا بڑا دار صحافت موجود نہیں۔ اس کے مالک چار بھائی ہیں۔ یہ بہترین صحافی مرکز انہیں اپنے باپ کے ورثہ میں ملا تھا۔ ان لوگوں نے اس موروثی دولت سے انتہائی محنت حسن نظام اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ کام کر کے اچھا فائدہ اٹھانے کا گر معلوم تھا چنانچہ کاروبار کو بآسانی اور باقاعدہ طور پر چلانے کے لئے ان لوگوں نے آپس میں تقسیم عمل کر دیا ہے۔ ایک کا تعلق تو ادارہ تحریر سے ہے دوسرا مجلس صحافی کا نگران ہے۔ تمام انتظامی امور تیسرے کے سپرد ہیں۔ اور چوتھا ان عالمی واقعات و حوادث کے متعلق ان خبروں کی نگرانی کرتا ہے جو ان کے ہاں آتی رہتی ہیں

اپنی ان تھک کوششوں کی بدولت ان لوگوں نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے۔ اتفاق اور صفائی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ لیکن ان سماجی باتوں کے متعلق میرا جو کچھ تخیل تھا۔ جرمنی کے لوگ اس کے انتہائی درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو اس عمارت میں جہاں ہزاروں ملازم کام کرنے کے لئے مجتمع نظر آتے ہیں، جائیں تو خیال ہوتا ہے کہ گویا آپ کسی ایسے نہایت ہی خوبصورت اور شاندار محل میں کھڑے ہوئے ہیں جو حسن نظام کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس جگہ آپ کو کہیں بھی سیاہی کا دھبہ یا کاغذ کا ذرا سا پرزہ بھی دکھائی نہ دے گا اور وہاں کے عمال کو دیکھ کر ان کی نسبت آپ یہ رائے قائم کریں گے۔ کہ یہ لوگ اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں گے اس کی عظمت کا صرف اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ مجھے اس پریس میں ادھر ادھر صرف گھومنے ہی میں دو گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف کرنا پڑا۔ اور پوری طرح سے اسکو دیکھ بھی نہ سکا۔ کہ میں تھک گیا۔ اس وقت مجبوراً میں نے اس شخص سے جو میری رہنمائی کر رہا تھا۔ الوداع کہتے ہوئے پھر دوبارہ اس کے معائنہ کی اجازت چاہی۔ اس پریس کے متعلق سب سے زیادہ قابل ذکر چیز وہ اخبارات و رسائل ہیں۔ جو یہاں سے شائع ہوتے ہیں۔ جن کے متعلق اعداد و شمار آئندہ سطور میں پیش کئے جائیں گے۔

(۱) برلن اور اس کے نواح میں اُلشتائن کے دفاتر جن عمارتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا رقبہ ستر ہزار میٹر مربع ہے۔

(۲) اُلشتائن پریس میں روزانہ آٹھ ہزار دو سو ترپن آدمی کام کرتے ہیں۔ جن میں سے دو ہزار بارہ منشی مضمون نگار اور مصور ہیں۔ دو ہزار چار سو تنتالیس ماہر فن اور پریس میں کام کرنے والے، اور تین ہزار سات سو اٹھانوے اخبار فروش اور ایجنٹ ہیں۔ جو صرف دار الحکومت اور مضافات میں اخبار فروخت کرتے ہیں

(۳) اُلشتائن کے دو سو بیس مخصوص نامہ نگار ہیں جن میں سے ایک سو چھیاسی تو مملکت جرمنی میں اور باقی چونتیس دنیا بھر کی بڑی بڑی حکومتوں کے پایہ تختوں میں متعین ہیں

(۴) اُلشتائن کے دفاتر میں اٹھارہ مختلف زبانوں میں گفتگو اور خط و کتابت کی جاتی ہے

(۵) اُلشتائن کے ماہوار مصارف ڈاک پانچ ہزار پونڈ ہیں۔

(۶) اس کے دفاتر متعلقہ میں بیانوے (۹۲) خاص ٹیلیفون صرف شہر برلن کے مختلف مقامات سے متصل ہیں۔ اور انکی پانچ سو اکتالیس شاخیں دفتر کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔

(۷) یہاں سال بھر میں تیس لاکھ پونڈ کاغذ اور چھ سو پچیس ٹن سیاہی خرچ ہوتی ہے۔

(۸) مطبع اُلشتائن میں روزناموں کی طباعت کیلئے اکہتر روٹا ایف مشینیں، مصور رسائل کی طباعت کے لئے اکسٹھ روٹا ایف مشینیں، اور سطح طباعت کے لیے اٹھاون مشینیں گیارہ مشینیں سیسے کے حروف کی طباعت کے لئے

اور چار بڑی بڑی روتو نمبرا فیر شینیں (Botany) Machines ہیں۔

(۹) اُلنشٹائن کے مشین پریسوں کے ذریعہ روزنامہ کے تین لاکھ ساٹھ ہزار نسخہ ایک گھنٹہ میں چھپ سکتے ہیں

(۱۰) اُلنشٹائن برادران کے ہاں اخبارات اور ضروری مراسلات و اسباب متعلقہ پریس کے حمل و نقل کیلئے ایک سو تیس موٹر لاریاں، دو جہاز اور تین طیارے ہیں

اس دار صحافت سے حسب ذیل اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں۔

روزنامے	تعداد اشاعت
فوسیش زیتونغ	۵۴۲۸۰
" " سنڈے ایڈیشن	۶۱۵۶۰
زائت بیلڈر	۶۴۲۲۰
برلینر مارننگ پوسٹ	۵۶۴۰۲۰
" " سنڈے ایڈیشن	۶۲۶۷۲۰
برلینر مونٹاج پوسٹ	۱۲۹۷۳۰
"جریدۃ الظہر"	۱۷۸۷۰۰
برلینر اطمائن زیتونغ	۵۵۵۷۰
دی پورسٹ اوس دوتسلاند	۵۸۳۰
تونیج نادش انرایجر	۵۷۱۰
ہفتہ وار رسائل و اخبارات	
برلینر السٹریٹی زائتونغ	۱۷۱۳۲۰۰
دی دامی (طبقہ نسوان کا رسالہ)	۴۵۰۵۰
مودنفلت	۷۲۱۶۰
بلابت ور ہاد سقراد (متعلق بہ تدبیر منزل)	۱۴۶۴
ماہوار رسائل	
اوہو	۱۶۷۱۷۰
دی کورانی	۳۱۹۳۰
درکو رشینت	۱۳۰۰۰
نرکیر ٹکنیک	۲۶۴۰
بادتلٹ	۱۱۴۰۰

بایں ہمہ "اولنشٹائن برادران" کو اور بھی اخبارات و رسائل اپنے ہاں سے شائع کرنیکی فکر ہو رہی ہے +

(ترجمہ از الہلال مصر)

ایک ننھی فاضلہ

ڈاکٹر جیمس بوکٹن اسٹونر امریکی کی دختر وینی فورڈ سائنیل اسٹونر صرف آٹھ سال کی ہے۔ لیکن وہاں نسوانی دنیا میں اس کی لیاقت و قابلیت کا بڑا غلغلہ ہے۔ باوجود اس قدر کمسنی کے یہ آٹھ زبانیں انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، جاپانی، روسی، لاطینی، افریقی اور اسپرانٹو (جدید مخلوط زبان) جانتی ہے۔ اس کم عمر لڑکی نے اب تک تین کتابیں تالیف کی ہے۔ اور مقامی اخبارات و رسائل میں اس کے مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں (مجلہ المحیط)

کرۂ چاند کی تحقیقات

ایک بچے کا عزم سفر

(مترجمہ۔ محمد مظہر اللہ صدیقی)

قدیم زمانہ سے لوگوں کی عادت رہی ہے۔ کہ اپنے بچوں کو دین کی خدمت کے لئے راہب بنانے کی نذر مانتے ہیں۔ لیکن بیسویں صدی ایک نئی قسم کی بہادری پیش کرتی ہے اور یہ علم کی بہادری ہے۔ مثلاً اگر آج کوئی علمی جماعت لوگوں کے سامنے ہوائی طیاروں کے ذریعہ چاند کے سفر کی تجویز پیش کرے توا گر ہزاروں نہیں تو کم از کم سیکڑوں ایسے بہادر نوجوان اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جو اس خدمت علم کے لئے اپنی جانیں پیش کردیں۔

میڈم گرانفو ایک فرانسیسی خاتون نے بھی زمانہ جدید کی بہادری میں حصہ لیا ہے۔ اس کا شوہر جو ایک طیار (ہوا باز) تھا۔ جنگ عظمیٰ کے زمانہ میں اپنے ملک کی خدمتگزاری کرتا رہا۔ اور فن ہوابازی میں اپنی ہمت و دانشمندی سے کام لیکر تمام دنیا کی خدمت انجام دی۔ اس کے جرأت کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ تو حکومت فرانس مجبور ہوگئی کہ اسکو اپنی ذات، اپنی بیوی اور اپنے کمسن بچے پر جس کی عمر چھ سال سے بھی کم تھی۔ کسی قسم کا تجربہ کرنے ممانعت کردی۔ وہ تجربہ یہ تھا کہ اس نے ایک چھتری ایجاد کی تھی۔ جو سرعت کے ساتھ گرنے سے بچاتی ہے۔ اور اس کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنی بیوی اور بچے سمیت طیارہ میں چھ میل کی بلندی پر جائے۔ اور وہاں سے اس چھتری کے ذریعہ نیچے اترے۔ لیکن حکومت نے اس کی ممانعت کردی۔ اور وہاں کی انجمن حمایت اطفال نے بھی اس معاملہ میں مداخلت کرکے اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔ اس لئے کہ اس قسم کا تجربہ بچوں کے حق میں بہت سخت ظلم ہے۔

لیکن مقدمہ عدالت تک پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ بہادر گرانفو اسی تجربہ کے خیال سے اپنے طیارہ میں بیٹھکر بہت بلندی پر جا پہنچا۔ مگر طیارہ کو آگ لگ جانے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگیا۔ اور اب تک اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ اس کے طیارے کو کس طرح آگ لگی تھی۔

تاہم اس کی بیوی میڈم گرانفو اس کو بھولی نہیں وہ اپنے شوہر کو دنیا کے بہادروں میں شمار کرتی ہے۔ اور اس لئے اس نے اپنے لخت جگر کو فن طیاری (ہوابازی) کے لئے وقف کردیا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ یہ پرواز زمین ہی تک محدود ہو بلکہ یہ بچہ چاند تک پرواز کرے چنانچہ وہ اب اس بچہ کو پرواز کی مشق کرا رہی ہے۔ اور کرۂ چاند کے پہاڑوں اس کے میدانوں اور اس کی مقدار کشش کے متعلق جو کچھ معلوم ہوسکا ہے۔ ان سب سے اسکو واقف کرا رہی ہے تاکہ وہ جوان ہوکر اس چھوٹے کرہ (چاند) کا سفر کرکے بنی نوع انسان کی خدمت ادا کرے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس مہم میں اس کے مرنے کا احتمال ہی نہیں بلکہ گمان غالب ہے۔ لیکن اس مہم کے کامیاب ہونے کا امکان پایا جاتا ہے۔ اور یہی امکان ہے۔ جو اسکو اپنی جان جوکھم میں ڈالنے کی ہمت دلا رہا ہے۔

بہت سے لوگوں نے چاند کے سفر پر غور کیا ہے لیکن جول وران پہلا شخص تھا۔ جس نے چاند کا سفر اس طرح ممکن سمجھا کہ ایک بہت بڑے بم کے ذریعہ جس کا درمیانی حصہ کھلا ہوا ہو۔ مکتشف اس میں بٹھا کر بھیجا جائے۔ لیکن آج کل کے علماء کی رائے میں یہ خیال بعید از حقیقت ہے کیونکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کرۂ ارض کو چھوڑنے سے پیشتر ہی یہ بم پھٹ جائیگا۔

پروفیسر گوڈرڈ نے اس سفر کا دوسرا طریقہ سوچا ہے اور وہ یہ کہ ایک ایسی بڑی ہوائی کرہ زمین سے چھوڑی جائے جس کے اندر آدمی بیٹھے ہوئے ہوں۔ جب اسکی پہلی قوت باقی نہ رہے تو جو لوگ اس کے اندر بیٹھے ہوں۔ وہ اسکا بٹن دباویں۔ اسی وقت اس کے پچھلے جانب سے آگے کی طرف زور پڑیگا۔ اور یہی قوت دافعہ اس کو اور بھی بلندی پر پہونچا دیگی۔ اسی طرح جب اس کا زور کم ہونے لگے اسکی قوت بڑھا دیجائے۔ اور بالآخر یہی عمل اس کو زمین کے

منطقہ جاذبہ سے پار کرکے اس مقام تک پہونچادیگا۔ جہاں سے چاند کی کشش اسکو اپنی طرف کھینچنے لگے گی۔ یہاں تک کہ وہ چاند میں آہستہ سے اتر پڑیگا۔ اس کے بعد لوگ بھی باہر نکل کر اتر جائیں گے۔ اور وہاں سے بڑی بڑی ہوائیاں چھوڑینگے جس کی وجہ سے چاند پر سخت غبار چھا جائیگا۔ اس لئے کہ ایک معمولی ہوائی جو اس دنیا میں ہمارے بچوں کی دلچسپی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ چاند کے بڑے سے بڑے مکان کو ڈھادینے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے کہ چاند میں قوت جاذبہ بہت کم ہے۔ اور اس طرح ہم آسانی کے ساتھ زمین سے اس غبار کا مشاہدہ کرسکیں گے۔

لیکن فرانس کے لوگ چاند تک پہنچنے کی ایک اور سبیل نکال رہے ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ ایک بہت بڑا پہیہ تیار کرکے کھڑا کردیں۔ جس کی بلندی یعنی دور چھ میل کا ہو اور اسکا محور دو پہاڑوں کے درمیان ہو پھر اس پہیہ کو بہت تیزی کے ساتھ گھمایا جائے۔ اس پر ایک گولا رکھا جائے جس کے نیچے چاند کا سفر کرنے والا بیٹھا ہوا ہو۔ جب اس گولا کا رخ چاند کی طرف ہوگا۔ تو وہ اس پہیئے سے چھوڑ دیا جائے اور اس طرح وہ نہایت سرعت کے ساتھ سیدھا چاند کی طرف چلا جائیگا۔ بالفاظ دیگر گولا پہیئے کے نیچے سے اسی طرح نکلیگا۔ جس طرح کہ کیچڑ موٹر کے پہیئے سے اڑتی ہے۔

ممکن ہے کہ یہ طریقہ کارگر نہ ہو۔ لیکن انگریزی مقولہ ہے۔ کہ ارادہ ہی پر کاموں کا دارومدار ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسٹر گرانفو کے پاس اس قسم کا ارادہ موجود ہے۔ اور خوش قسمتی سے لڑکے میں وہ تمام صفات موجود ہیں۔ جو اس کے بہادر باپ میں تھیں۔ جس نے زمین سے چھ میل کی بلندی پر اتنی زندگی سے وفات پائی تھی۔ اسی وجہ سے ایک نہ ایک دن چاند تک پہونچ جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ لڑکا مر بھی جائے تو کیا مضائقہ کہ اس سے قبل اس کے باپ نے بھی تو خدمت خلق کی راہ میں جان کھودی ہے۔ اور خدمت خلق سے بہتر اور اعلیٰ تر شرف اور کیا ہوسکتا ہے۔؟ اور اس کے بعد بھی بہت سے بندگان خدا اس خدمت انسانی پر سے اپنی جانیں نثار کردیں گے۔ اور اس طرح کم از کم وہ ایک مجہول چیز کو معلوم کرسکیں گے۔ اور یہی ان کے لئے کافی ہے اور اگر وہ پہونچ جائیں تو پھر کیا کہنا۔ کہ اس طرح سے وہ ایک نئی دنیا جیت لیں گے۔ جس کو انسان آباد کرسکے گا اور اس کے معلومات میں پختگی اور اضافہ کے علاوہ اس نئی دنیا کی پیداوار سے بہرہ اندوز ہونیکا موقع حاصل کریگا۔

(ترجمہ۔ محمد مظہر اللہ صاحب صدیقی حیدرآبادی)

(از الہلال مصر)

جلاوطن ہندوستانی

بدنصیب ہندوستان کے جلاوطن فرزندوں کی تعداد اب پچاس کے قریب ہے۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کو جلاوطن ہوئے سالہا سال گزر چکے ہیں۔ اور اب ان کی یاد برادران وطن کے دلوں سے محو ہوتی جارہی ہے۔ اور بہت سے ایسے بھی ہیں۔ جن کے ناموں تک سے نئی پود واقف نہیں۔ ذیل میں ایک فہرست ان جلاوطن بھائیوں کی دیجاتی ہے۔ جو پرانے اور نئے طبقوں کے لئے مفید اور دلچسپی کا باعث ہوگی۔

نام	سکونت حالیہ
(۱) عبدالحفیظ	جرمنی
(۲) امین فخر فرخی	جرمنی
(۳) منصور احمد	جرمنی
(۴) عبدالشکور خیری	جرمنی
(۵) عبدالجبار	جرمنی
(۶) شری رنیدر ناتھ سرکار	جرمنی
(۷) ویرندر ناتھ چٹوپادھیا	جرمنی
(۸) چمپک رمن پلائی	جرمنی
(۹) رہتکیش دت	جرمنی
(۱۰) ایس چند چودھری	جرمنی
(۱۱) کرنا رام سنہا	جرمنی
(۱۲) ناتھ پرساد وسا	جرمنی
(۱۳) پانڈورنگ انکوجی	جرمنی
(۱۴) ویرندر ناتھ گرد	جرمنی
(۱۵) رانا	فرانس
(۱۶) دیوی۔ پی۔ آر۔ کاما (خاتون)	فرانس
(۱۷) لالہ ہردیال	سویڈن
(۱۸) پرمتھ ناتھ دت	روس
(۱۹) سوامی کرشن ورما	سوئزرلینڈ
(۲۰) راس بہاری	جاپان
(۲۱) راجہ مہندر پرتاپ سنہا	[illegible]
(۲۲) ابو سید	ترکی
(۲۳) عبدالرب	ترکی
(۲۴) شیل اندر ناتھ گھوش	امریکہ
(۲۵) ہیرسٹ لال گپتا	امریکہ
(۲۶) دیانندر ناتھ سیٹال	امریکہ
(۲۷) پربھو ل کرجی	امریکہ
(۲۸) دہیرندر ناتھ سین	امریکہ
(۲۹) بھگوان سنہا	امریکہ
(۳۰) گوپال سنہا	امریکہ
(۳۱) سودا رام	امریکہ
(۳۲) دیاری لال	امریکہ
(۳۳) نند یکر	امریکہ
(۳۴) ہرتو دار سنہا	
(۳۵) اقبال سودائی	
(۳۶) وحید اللہ	
(۳۷) شری نریندر ناتھ بھٹا چاریہ	
(۳۸) تارک ناتھ داس	
(۳۹) کے۔ کے۔ نایک	
(۳۰) شری مورتی اچاریہ	جرمنی
(۴۱) میٹھا سنہا	
(۴۲) محمد برکت اللہ	
(۴۳) سید عبدالشاہد	
(۴۴) پروفیسر خاں خوجہ	

مرسلہ گوبندراؤ صاحب ولیشپانڈے۔ بی اے

منقول از اخبار شرد ہانند (مرہٹی)

شعر و سخن

غزل

از ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ صدر اعظم باب حکومت

بے وفا تو ہے تو پھر ناز و ادا کچھ بھی نہیں
ڈرتی ہے میری بلا زلف دوتا کچھ بھی نہیں

ساری رونق ہے جوانی سے وگرنہ ہے کیا
اے بتو عشوہ و انداز و ادا کچھ بھی نہیں

میں تو عاشق ہوں مرا شیوہ وفاداری ہے
تجھ سے اُمید مجھے غیر جفا کچھ بھی نہیں

جو ارادہ ہے ترا بس ہے یہی حکم قضا
ورنہ مرگ و اجل و دام بلا کچھ بھی نہیں

آپ اپنے کو جو پہچانے مقدم ہے یہی
ورنہ واعظ یہ بقا اور فنا کچھ بھی نہیں

مرض عشق فقط درد جدائی ہے ترا
وصل ہے اس کا علاج اور دوا کچھ بھی نہیں

تجھ کو جو بات پسند آئے وہی ہوتی ہے
ورنہ سچ ہے کہ یہ تاثیر دعا کچھ بھی نہیں

تیرے ادنیٰ سے ہیں جلوں کے ہزاروں نام
مہر و مہ کچھ بھی نہیں ارض و سما کچھ بھی نہیں

سال ہا سال سے امید میں رکھا مجھ کو
بوسے کا وعدہ کیا اور دیا کچھ بھی نہیں

کیسی سفاکی ہے چالاکی ہے اس ظالم کی
دل مرا لے کے مجھے اُس نے دیا کچھ بھی نہیں

دہریے جو ہیں انہیں حق سے ہے بالکل انکار
ہے عقیدہ یہی ان کا کہ خدا کچھ بھی نہیں

کوئی بھی ان سے کرے جا کے یہی اک سوال
بندہ آیا ہے کہاں سے جو خدا کچھ بھی نہیں

ذات معبود سے انکار نہیں ہے لازم
آتش و آب ہے کیا خاک و ہوا کچھ بھی نہیں

دو جہاں ایک ہی جلوے سے ہوئے ہیں روشن
ہے وہی ایک خدا اس کے سوا کچھ بھی نہیں

روح کہتے ہیں جسے اس کی حقیقت کیا ہے
مجھ سے سُن لے کہ بجز حکم خدا کچھ بھی نہیں

رمز یہ واعظ بیچارہ بھلا کیا جانے
زلف و رُخ ہیں یہ ترے صبح و مسا کچھ بھی نہیں

گالیاں دیتا ہے عاشق کو بہت شوق سے وہ
مانگا ایک بوسہ جو اس سے تو دیا کچھ بھی نہیں

ارنی کہہ کے ہوئے حضرت موسیٰ بیہوش
لن ترانی کی تو آئی تھی صدا کچھ بھی نہیں

شاد ہے تیرے عنایات و کرم کا محتاج
ورنہ وہ کچھ بھی نہیں اس کی دعا کچھ بھی نہیں

غزل

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

ہم دیکھنے والے تری مستانہ ادا کے
ساقی نہیں محتاج مئے ہوشربا کے

پلکیں ہیں بلا آنکھ بلا زلف بلا ہے
کیوں کر نہ کہیں سب کہ حسین تم ہو بلا کے

کس گل نے چڑھائے ہیں کہ بو دیتے ہیں اب تک
مرجھائے ہوئے پھول مزار شہدا کے

ہم تو اسی مے نوش کے قائل ہیں جو پی لے
دو گھونٹ شراب نگہ ہوشربا کے

دیکھا تو وہ دل بلبل ناشاد کا نکلا
جو غنچہ کھلائے نہ کھلا باد صبا کے

پس جائے نہ کیوں رشک سے میرا دل پرخون
جب دولت پابوس لگے ہاتھ حنا کے

جام و مے و مینا کی حقیقت نہیں کچھ بھی
سب ہیں یہ کرشمے نگہ ہوشربا کے

سوجھی بھی تو کب چارہ گری کی تمہیں سوجھی
قابل نہ رہے جب ترے بیمار دوا کے

قائل یہ جلیل آ نہیں سکتا کوئی الزام
کام اس کی ادا کرتی ہے پردے میں قضا کے

بہزاد کی روح

(از سید وزیر حسن صاحب)

میں اسکے ذوق طلب کے صدقے میں اسکی گہری نظر کے قرباں
تری تجلی جو دیکھتا ہی دھوئیں میں اس تیرہ خاکداں سے

بہزاد کی خداداد طبیعت اور نفاست ذوق
نے بالآخر اسے امام فن بنا دیا جس سے اس کا ہر
سانس سندر چیزوں کی یاد میں گزرتا تھا۔ کبھی اسکی
بھومی کی موہنی سندریاں اس کی مصوری کا مواد
بنتیں تو کبھی دلربا منظر، نکلتا ڈوبتا سورج اور اور
بہت ساری حسین چیزیں اسے اپنا پرستار کر لیتیں۔
یہ ان سب چیزوں کے نفیس تصورات ہنر کے
رنگوں سے سنوارتا تو دنیا انھیں سر آنکھوں پر لیتی اور
اُسے موتیوں میں تولتی جاتی تھی۔

غرض بہزاد کی مسرت کی پینگیں یوں ہی
روز بروز بڑھ رہی تھیں کہ اتنے میں اوس کی عمر کا سورج
شباب کی دوپہر سے ڈھل گیا۔

مجھے یقیناً یہ کمال اسلئے نہیں ملا کہ صرف
انسانوں کی خوشی کے لئے ہی اچھی اچھی تصویریں کھینچتا
رہوں۔ افسوس! میں نے اتنی عمریوں ہی گنوا دی۔ ایک
تصویر بھی تو ایسی نہ کھینچی جو باعث نجات بن جاتی! لیکن
نہیں، اب بھی موقع ہے یعنی یہی کہ اپنے گناہوں سے توبہ
کروں اور اپنی بقیہ عمر مقدس چیزوں کی تصویریں کھینچنے میں
گزار دوں۔

توبہ! خدایا! گناہوں کی توبہ!!؟

اس ارادے کے خیال کا آنا تھا کہ بہزاد نے مقدس
چیزوں کی تصویر کشی تک اپنے لطیف فن کو محدود کر دیا۔ مگر
ان تصویروں کو گنتی کے لوگ ہی خریدتے اور وہ بھی صرف
تبرکاً! اسلئے تین چار سال کی عرصہ مدت میں یہ بیچارہ اپنا
سارا کمایا رکھا کھایا ٹھک ہو گیا۔ ہر چند مقدس تصاویر
کو فن کاری کا نمونہ بناتا لیکن ایسی چیزوں میں ظاہر ہے کہ
اظہار فن کے نسبتاً کم مواقع ہوتے ہیں اسلئے فنی نقطۂ نظر
سے بھی اس میں زوال کا گھن لگنے لگا۔ ان سب مصیبتوں
پر طرہ یہ ہوا کہ یہ پریشان ایک دن نہ معلوم کس کام سے باہر گیا
ہوا تھا۔ حجرہ کی کھڑکی بولاہٹ میں کھلی رہگئی۔ اتفاق کی بات
کہ اسی دن شام میں دیکھتے دیکھتے مطلع ابر آلود ہوا اور وہ
زور کی بارش ہوئی کہ جل تھل بھر گئے۔ بہزاد جو شور بور گھر
پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہوا سے کھڑکی چوپٹ ہے اور ساری
مقدس تصویریں مینہ سے چور ہوئی پڑی ہیں۔ کلیجہ دھک
سے ہو کر رہ گیا کہ الٰہی! اب تو کوئی ایسی چیز بھی پاس نہیں جسے
بیچکر صبح حلق تر کر لونگا۔ یہاں دیکھو تو سارے کئے دھرے
پر یوں پانی پھر گیا۔ اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کسکے آگے ہاتھ پھیلاؤں؟!
غرض انھیں مایوس خیالات میں رات کے کوئی گیارہ بارہ
کا عمل ہو گیا۔ یہ غریب باہر سے تھکا ماندا آیا بھی تھا۔ اسلئے
ذرا کی ذرا کمر سیدھی کی تو نیند نے غلبہ کیا اور ابھی اسکی
پوری طرح آنکھ بھی نہ لگی تھی کہ کیا دیکھتا ہے ایکدم سے
کمرے کی چھت شق ہو گئی۔ اور بجلی کی سی تیز روشنی سے بات
کی بات میں سارا کمرہ جگمگا اٹھا۔ بہزاد سہم گیا۔ اور یونہی لیٹے
لیٹے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسی روشنی میں دھانی لباس
پہنے سامنے ایک کافر ادا جلوہ افروز ہے۔ لیکن خط و خال
اور ناکت کے علاوہ لباس کی وضع قطع سے بھی یہ صورت
کسی دوسری دنیا کی ہی سندری معلوم دی۔ اس واقعہ سے
بہزاد پر خوف و تعجب اور یاس و آس کی ایک عجیب کیفیت طاری
تھی کہ اس نور مجسم نے لجائی نظریں اونچی کیں۔ اور تبسم کی
نقرئی جھلک پھول سے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔ ساتھ ہی
آواز کی دھیمی موسیقی میں اس نے یوں گلفشانی شروع کی۔

"بہزاد! ناداں بہزاد! پہچانتے ہو میں کون ہوں؟ میں
تمہاری ستائی جلائی اور دکھیاری روح! مجھے یوں بنا ٹھنا
کر تمہارے پاس صرف اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تمھیں کچھ باتیں بتا
اور سمجھا دوں۔ مبارک ہو! تمہاری بات ہمیشہ مقبول رہی کہ
مصوری کے فن لطیف کو تم نے لالچ کی ناپاکی سے کبھی گندا
نہیں ہونے دیا یعنی تم نے فن کو ہمیشہ فن کی حیثیت سے
برتا۔ اسکے بعد رہی قدر دانوں کی نوازش تو اسصورت میں
یہ بڑی اضافی چیز رہجاتی ہے جبکا تم سے گذ تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہو
تمہاری گمراہی میں بھی یہ اسطرح تم تک آسکی۔ البتہ تم نے
اس فن کو وسیلۂ شہرت ضرور بنایا لیکن خیر یہ اچھی بات نہیں تو
اتنی بری بھی نہیں۔"

مگر اے بہزاد! تم نے نئے اعتقاد کی آڑ میں یہ کیسا
ناپاک گناہ کیا! توبہ، توبہ! خدا کا مقابلہ کرنے لگے! اسکی حسین
صنعت۔ روح۔ یعنی مجھ میں: نیا رسکے حسن و فریفتگی کی
جو عزیز اور اٹل خواہش ہے۔ اُسے برائے نام تقوے
کے زعم باطل سے ٹھکرانا چاہتے ہو؟! اسپر طرہ یہ کہ
میری بہار مجھ سے چھین لو؟! مجھے یوں ننگا بچا کر کے میرا
دل دکھاؤ؟! مگر یاد رکھو، یہ اچھا نہیں، مجھے دکھ دیا تو
گویا خدا کو دکھ دیا! اور مجھ سے پھرے تو گویا خدا سے
پھرے!"

خداوند برتر نے کب اور کسکے سامنے تم سے
کہدیا ہے کہ میری حسن پرستی کو یوں ملیا میٹ کر دینا؟ یہ تم
نے کیونکر جان لیا کہ خالق بدحسن! خدائے قوی و اعلیٰ
کی بخشش و نوازش حسین چیزوں کے ٹھکرانے ہی میں چھپی
ہوئی ہے یا یہ کہ تمہاری تصویر کشی نوع انسانی کی بھلائی کا ضامن
ہے؟ بہزاد! غور کرو، اور اچھی طرح سمجھ لو، دنیا کی کوئی شے
بری نہیں اور اس لئے بری نہیں کہ اُسکا پیدا کرنیوالا بُرا
نہیں۔ اچھوں سے اچھی ہی باتیں ظہور میں آتی ہیں
یہ انسان کی ہی بدبختی اور جہالت ہے جسکا دوسرا نام برائی
ہے۔ اور جسمیں وہ اپنی محدود عقل کے بیجا گھمنڈ کی وجہ
مبتلا ہے۔ اسلئے نیت بخیر رہے تو تمہاری بیڑا پار ہے۔ بہزاد!
تمہاری ہنرمندی اور فن لطیف کی بھی یہی صورت ہے
اسمیں حاشا کوئی برائی نہیں۔ یہ تو وہ عطیۂ الٰہی ہے جسکی
پیاری یاد سے روح کا سنگھار رہتا ہے اور جسکی محبت سے
وہ نکھرتی جاتی ہے۔ اور پھر یقین مانو جوں جوں اس سے
محبت بڑھتی جاتی ہے۔ ووں ووں انسان خدائے
جمیل و جلیل سے قریب تر ہو جاتا ہے!"

"بے وفا بہزاد! خیر، جو کچھ ہوا سو ہوا، اب تو اللہ
بے وفائی نکرنا۔ اچھا، آؤ اب سے پکا عہد وفا باندھ
لیں یہ کہکر روح آگے بڑھی تو دیکھا کہ بہزاد کی آنکھوں سے
آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہیں۔ روح نے مسکرا کر تسلی
دی اور کہا تمہارے اسوقت کے پچھتاوے سے مجھ
بڑی خوشی ہوئی کیونکہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا شوق مصوری
اسبات سے آیندہ اور بھی منجھ جائیگا!

"لو اب زیادہ گھبراؤ نہیں، خدا تعالیٰ ہماری زیادتی
اور خامیوں کا معاف کرنے والا ہے۔ ہماری محبت کا
ایک آسمانی تحفہ قبول کر کے اجازت دو تو پھر ہم جائیں"
یہ کہکر اس فطرت کی لاڈلی نے اپنا جوڑا کھول کر بال
بکھیر دیئے اور پلک جھپکاتے اپنی سبز پوش تصویر کی
سندر جوگن کا غذ پر اتار دی! اور ساتھ ہی یہ بھی کہا
"دیکھنا، بہزاد! یہ وہ چیز ہے کہ اسے جہاں لے جاؤگے
منھ مانگے دام پاؤ گے" بہزاد کی حیرت اس آسمانی تصویر

بیرونی خبریں

سلطان ابن سعود کا فرمان

احکام شریعت کا نفاذ

قسطنطنیہ۔ سلطان ابن سعود نے حال ہی میں ایک فرمان جاری کیا ہے جس کی رو سے ہر قسم کا ساز اور مشین جن سے موسیقی یا نغمہ پیدا ہوتا ہے ملک حجاز میں ممنوع قرار دیے گئے ہیں۔

اس فرمان میں خاص طور پر گراموفون ہارمونیم پیانو وایولن، سیکوفون وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے ہر قسم کے ایسے کھیل بھی ممنوع قرار دئے گئے ہیں جن کے ذریعہ جوا کھیلا جا سکتا ہے مثلاً گنجفہ، شطرنج، بیگ گیمس ومنو سیٹس وغیرہ وغیرہ شراب کی تجارت قطعاً ممنوع قرار دیدی گئی ہے۔ نہ کوئی شخص اندرون ملک میں تیار کر سکتا ہے نہ بیرون ملک سے منگا سکتا ہے لیکن یہ خیال جاتا ہے کہ یورومپیوں کو اس بات کی اجازت مل جائے گی کہ وہ صرف اپنے استعمال کے لئے کچھ شراب منگا سکیں۔ (رشدے کرانیکل)

غازی مصطفے کمال پاشا کے قتل کی سازش

محکمہ خبایات نے ان افراد کو جو غازی انگورہ کی سازش قتل کی جماعت سے متعلق تھے پھانسی کا حکم دیدیا یہ سازشی جماعت حاجی سامی بک کے ماتحت تھی جو پہلے یونانی بلاد میں مقیم ہوا اور یونانی جزائر کی راہ سے اناطولیہ میں داخل ہوا۔ اس کے اناطولیہ میں آنے کا اثر بہت برا ہوا اور ترکی حکومت نے یونانی حکومت کے سامنے اپنا احتجاج پیش کیا۔

حاجی سامی ان ۱۵۰ خارج البلد افراد میں سے ہے جو ترکی رعایا ہونے سے محروم کر دیا گیا ہے، اس قسم کے افراد کی ایک جماعت ایتھنز اور رسامم میں پیدا ہوئی اور اس کی صدارت حاجی سامی نے اپنے ہاتھ میں لی اسی جماعت نے یہ طے کیا کہ چند افراد انگورہ سے قریب کسی مقام پر پوشیدہ رہیں اور غازی انگورہ کے آستانہ سے واپسی کا انتظار کریں اور جب وقت آجائے تو ڈائنامیٹ کے ذریعہ اس ٹرین پر حملہ کریں جس پر غازی موصوف سوار ہوں اور اس حملہ کے بعد ایکدم انگورہ پر حملہ کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر کے سابق خلیفہ کے نام کے اعلانات شائع کریں۔

اس سازشی جماعت نے یہ طے کیا اور اناطولیہ کی سرزمین میں داخل ہوئی مگر سمت مادراق کے باشندوں نے کچھ تاڑ لیا اور بالآخر ایک مختصر معرکہ قائم ہو گیا جس میں حاجی سامی اور اس کا بھائی احمد حان سے مارا گیا اور مجید صغیر اور مجید کبیر اور حقی نامی تین آدمی گرفتار ہوئے عدالت میں یہ ثابت ہو چکا کہ ان افراد نے طے کر لیا تھا

ملاحظہ ہو کالم ۳

کوائف ہند

لارڈ برکن ہیڈ کے اخباری معلومات

لندن ۳ر دسمبر۔ لارڈ برکن ہیڈ اور سر جان سائمن گہرے دوست ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دوست کی مدح سرائی کرتے ہو کہا "سر جان! یہ عرض کرنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اب یہ دو سال حکومت کی درخواست پر اس عظیم الشان خدمت عامہ کے لئے صرف کر رہے ہیں" انہوں نے یہ بھی کہا اگرچہ اس کمیشن پر برطانیہ اور ہندوستان دونوں ممالک کے اندر اعتراضات کی بھرمار رہی ہے لیکن میں نے کسی اخبار میں بھی خواہ وہ ہندوستانی یا انگلستان کا ہو میں کی تقریر کے متعلق ایک اعتراض بھی نہیں دیکھا۔ (نعرہائے تحسین) (روٹر)

ہز مجسٹی شاہ افغانستان کا بمبئی کا پروگرام

۱۴ر دسمبر بدھ ساڑھے چار بجے شام کو اعلحضرت شاہ افغانستان باب الہند بمبئی پر جلوہ افروز ہوں گے جہاں وائسرائے اور گورنر بمبئی پبلک طریقہ پر استقبال کریں گے ساڑھے آٹھ شب کو گورنمنٹ ہاوس میں ہز مجسٹی کے اعزاز میں شاہانہ دعوت ہوگی۔

۱۵ر دسمبر جمعرات۔ ۵ بجے شام کو ولنگڈن اسپورٹس کلب میں ہز مجسٹی کو وائسرائے ایک گارڈن پارٹی دیں گے۔

۱۶ر دسمبر جمعہ۔ ساڑھے آٹھ بجے شام کو گورنمنٹ ہاوس میں شاہ افغانستان کے اعزاز میں ڈنر پارٹی دیجائے گی خیال ہے کہ اسی دن بمبئی کے مسلمانوں کی طرف خیر مقدم کیا جائے گا۔

۱۷ر دسمبر سنیچر۔ شاہ افغانستان ریس میں شریک ہوں گے پانچ بجے شام کو یورپ کے سفر پر روانہ ہو جائیں گے

سر علی امام اور کمیشن کا بائیکاٹ

پٹنہ ۴ر دسمبر۔ سر علی امام نے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو آئینی کمیشن کے متعلق منعقد ہوا تھا اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ آئینی کمیشن سے تعلق رہنے کا سوال صرف جذبات ہی کا نہیں ہے بلکہ اصول کا بھی ہے اس کمیشن میں کسی ہندوستانی کو شامل نہیں کیا گیا۔

مجالس قانون سازی کی جو کمیٹیاں بنیں گی وہ بالکل "سائل" کی حیثیت رکھیں گی۔ یہ کہنا کہ ممبران کو ارکان کمیٹی کا مساوی درجہ دیا گیا محض بیوقوف بنانا ہے۔ یہ دلیل محض لغو ہے۔ یہ لغویت یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ دوسری منزل یہ رکھی گئی ہے کہ چند ہندوستانیوں کو قواعد پر ہدکرا کے انگلستان کی مشترک کمیٹی کے سامنے بطور سائلان پیش کرا کے پہونچایا جائے گا کیا ملک کو ایک سائل کی حیثیت قبول کر لینی چاہیے؟ کیا ہندوستان کو حکومت برطانیہ کا مساوی درجہ نہیں حاصل کرنا چاہیے!

اگر ہم میں ذرا بھی احساس خودداری ہے تو اس کمیشن سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے"

سرسپرو کی تقریر کے بعد کمیشن کے بائیکاٹ کی تجویز بالاتفاق منظور کی گئی۔

مراسلات

گلبرگہ شریف

(۱) شہنشاہ افغانستان کے بمبئی کی آمد کی وجہ سے گلبرگہ شریف کے معزز حضرات بمبئی روانہ ہو رہے ہیں۔

(۲) سجادہ صاحب روضہ منورہ خسرو بھی ۳ بہمن ۱۳۳۷ف کو بذریعہ میل بمبئی تشریف لے گئے۔

(۳) ۲۹ مردے ۱۳۳۷ف کو سڑک ہمنا باد متصل گلبرگہ ایک ہندی بان موٹر کی زد سے مر گیا جس کی وجہ سے دکان آڑھت بازار ایک روز کے لئے بند کر دئے گئے تھے۔

(۴) یکم بہمن ۱۳۳۷ف کو شمس الزمان صاحب تحصیلدار گلبرگہ شریف کی گھوڑا گاڑی جس کو خود چلاتے ہوئے ایوان شاہی میں چھوڑ کر انتظام میں مصروف تھے گھوڑا گاڑی کو لے کر دوڑتا ہوا اسٹیشن پر چلا آیا اتنے فراز کی ٹکر سے تمام گاڑی ٹوٹ گئی لیکن کسی راہ رو کو کوئی نقصان نہیں پہونچا۔ اب کرایہ کی گاڑی میں دفتر جایا کرتے ہیں گلبرگہ شریف میں سگنت ناٹک سرکس وغیرہ آتے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے لوگ تماشا دیکھنے میں مشغول ہیں خدا خدا کر کے باشندوں کا روزگار ایک زمانہ کے بعد کھلا ہے۔ اگر اسی طرح لہو و لعب میں اپنی کمائی کا حصہ صرف کریں تو انہیں تکلیف اٹھانا پڑے گا۔

(۶) سنا جاتا ہے کہ یتیم خانہ انصار الصفہ گلبرگہ اور انجمن وکلا گلبرگہ سے ماہانہ اور ہفتہ واری اخبار بہت جلد نکلنے والا ہے۔

(۷) بہت گرم افواہ ہے کہ برقی روشنی ایک مہینہ کے اندر اندر شہر میں پہونچائی جائے گی۔

(۸) اول تعلقدار صاحب گلبرگہ شورا پور اور یادگیر کے دورہ سے واپس آگئے۔

بقیہ کالم ۱۔ جمہوریہ کے قانون اساسی پر زیادتی کی جائے اور حکومت پر قبضہ کر کے سابق خلیفہ کے نام اعلانات شائع کر دے جائیں گے اس لئے ان کو پھانسی کا حکم دیدیا گیا اور محکمہ نقض و ابرام میں بھیجدیا گیا۔ (خلافت)

مقامی خبریں

نقل جریدۂ غیر معمولی

جلد (۵۹) نمبر (۱)

حیدرآباد دکن یکم بہمن ۱۳۳۶ف م ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ روز دوشنبہ

بحکم عالیجناب یمین السلطنت مہاراجہ مہا بہادر صدراعظم باب حکومت

اعلیحضرت

بیشگاہ اقدس اعلیحضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی سے فرمان مبارک مترشحہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ جس میں بیرونی ممالک کے اشخاص کو امداد دینے میں گورنمنٹ کی ذمہ داری اور صوابدید کو بالکل واضح فرما دیا گیا ہے اطلاع عام کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

سید محمد مہدی
معتمد پیشی صدراعظم و کونسل

فرمان

آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ باہر کے اشخاص بکثرت بغرض امداد وارد حیدرآباد ہو رہے ہیں اور چند خاص اشخاص کے ساتھ خاص وجوہ کی بنا پر جو مراعات کئے گئے ہیں وہ دوسروں کی ترغیب کا باعث ہوئے ہیں۔ مگر اس امر کا بھی گورنمنٹ کو خیال رکھنا ہے کہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہیگا تو خزانہ پر بیجا بار پڑیگا۔ پس بغرض اطلاع عوام یہ فرمان جریدۂ غیر معمولی میں طبع کر دیا جائے کہ اس سلسلہ کو گورنمنٹ نے مسدود کر دیا ہے۔ اور کوئی شخص بیرون ممالک سے بطور خود کسی امداد کی غرض سے وارد حیدرآباد ہوگا۔ تو اس کی ذمہ داری گورنمنٹ پر نہ ہوگی یعنے وہ خواہ مخواہ اوس کے ساتھ رعایت کرنے پر مجبور نہ ہوگی۔ البتہ کسی کے خاص حالات ایسے ہوں گے جو گورنمنٹ کی توجہ کے قابل ہونگے تو وہ خاص بات ہوگی جو کہ شاذ و نادر وقوع میں آئے گی۔ ورنہ اگر کوئی شخص بطور خود وارد بلدہ ہوگا (نہ کہ کسی منفعت کی غرض سے) تو اوس کے متعلق سرکار کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا بشرطیکہ وہ امن عامہ میں خلل نہ ڈالے اور اپنے قیام کے دوران میں خاموشی سے زندگی بسر کرے ورنہ گورنمنٹ اوس کے افعال و حرکات پر نوٹ لے گی وبس۔

شرح دستخط مبارک

اعلیحضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی

۹ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ

ریاست حیدرآباد کی مجلس مقننہ کا اجلاس

تفصیلی کارروائی

حیدرآباد دکن - ۱۵ دسمبر - ریاست حیدرآباد کی مجلس مقننہ کا اجلاس زیر صدارت سر امین جنگ بہادر وزیر قانون گورنمنٹ نظام منعقد ہوا مختصر اجلاس کی کارروائی کے دوران میں ایک غیر سرکاری رکن نے جو انجمن وکلا کے نمائندے ہیں ایک ترمیم پیش کی جسکا منشاء یہ تھا کہ درجہ دوم کے وکلاء کو عدالت العالیہ کے پلیڈروں کے درجہ میں اسوقت تک داخل نہ کیا جائے کہ وہ سات سال تک عدالت ہائے ماتحت میں پریکٹس کر نیکے علاوہ جبتک ان تمام اوصاف کو پورا کریں جو درجہ اول کے وکلاء کیلئے ضروری ہیں۔ یہ ترمیم ۱۹ آرا بمقابلہ ایک رائے کے مسترد ہوگئی۔ قانون عدالت العالیہ جیسا کہ حضور نظام کے شاہی فرمان میں بیان کیا گیا اس کے بعد منظور ہو گیا۔ اور دوسری کارروائی کرنے کے بعد مجلس مقننہ کا اجلاس ختم ہوا (ہمدرد)

پیشۂ وکالت پر قیود عائد کرنے سے پہلے مقامی حالات کا بطور خاص لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ خصوصاً جامعہ عثمانیہ کے ال ال بی پر کسی قسم کی قید لگانا قبل از وقت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مجلس مقننہ ان ملکی قابل افراد کے حقوق کا تحفظ کرنے میں کامل احتیاط و غور سے کام لیگی (نظام گزٹ)

—— چہارشنبہ کی شب کو دو سو بوائے اسکوٹس کی ایک پارٹی جمبوری میں شریک ہونے کے لئے بمبئی روانہ ہوئی تقریباً ایکسو سکندرآباد بوائے اسکوٹس کی ایک جماعت پنجشنبہ کی شب کو بذریعہ مناڈ پاسنجر اسی غرض کے لئے بمبئی روانہ ہوئی۔

—— پریس نوٹ محکمہ صدارت العالیہ سرکار عالی سے واضح ہے کہ خدمات شرعیہ پر اناث کا تقرر شرعاً درست نہیں ہے اس لئے بارگاہ خسروی جہاں پناہی میں اس کی ممانعت کے لئے صدارت العالیہ سے عرضداشت گزرانی گئی تھی جسپر فرمان واجب الاذعان [illegible] ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ [illegible] صادر فرمایا گیا ہے کہ

"جب اہل خدمات شرعیہ کے اولاد ذکور نہ ہو تو آیندہ خدمات شرعیہ پر اناث کا تقرر نہ کیا جائے۔ بلکہ مرحوم کی برادری میں سے ایسے وارث ذکور کا تقرر کیا جائے۔ جو بلحاظ قرابت اقرب اور عمر میں کلان تر ہو۔ اور اناث کو گذارہ دلایا جائے۔"

—— پریس نوٹ محکمہ نظامت امور مذہبی سرکار عالی مظہر ہے کہ۔

مکہ مسجد میں امیر المومنین خلیفہ اول حضرت سیدنا ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فاتحہ سالانہ تاریخ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ روز یکشنبہ بموجب نظام العمل ذیل زیر نگرانی محکمہ ہذا قرار پایا ہے جسمیں مولوی قاری ابراہیم رشید صاحب کا وعظ ہوگا۔ بعد نماز ظہر ختم کلام مجید ایک بجے سے دو بجے تک و قصیدہ بردہ طلباء مدرسہ حفاظ ڈہائی تک اس کے بعد نماز عصر تک وعظ ہوگا۔

اشتہار طلبی مدعی علیہ مرتبہ عدالت دیوانی منصفی تعلقات رائچور

[illegible] ۱۳۳۶ف

نشان مقدمہ (۳۳۱) ۱۳۳۶ف

باجلاس مولوی محمد زین العابدین منصف عدالت دیوانی تعلقہ رائچور

کوراچمیا مدعی بنام مانگندی بسپا مدعی علیہ

دعوی زر نقد

بنام مانگندی بسپا ولد ناگیا عمر ۳۶ سال قوم لنگایت پیشہ بیوپار ساکن کوپر تعلقہ دیودرگ۔

ہرگاہ تعمیل کنندہ کے حلف نامہ سے معلوم ہوا کہ طلبنامہ کی تعمیل مدعی علیہ مذکور پر حسب طریقہ مقررۂ قانون نہ ہوسکی اور ہرگاہ معلوم ہوتا ہے کہ مدعی علیہ مذکور کی حاضری ضروری ہے اور وہ تعمیل طلب نامہ سے بچنے کے لئے فرار اور روپوش رہتا ہے۔ لہذا یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے۔ کہ مدعی علیہ مذکور اس عدالت میں بوقت ۱۱ بجے تاریخ ۴ ماہ اسفندار ۱۳۳۶ف حاضر ہوکر جوابدہی کرے۔ اور بصورت غیر حاضری اوس کے حسب ضابطہ کارروائی عمل میں آئیگی۔

آج تاریخ ۴ ماہ بہمن ۱۳۳۶ف میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

شرح دستخط صیغہ دار — شرح دستخط سررشتہ دار

اشتہار طلبی مدعی علیہ مرتبہ عدالت دیوانی منصفی تعلقات رائچور

[illegible] ۱۳۳۶ف

نشان مقدمہ (۳۴۴)

باجلاس مولوی زین العابدین بی اے ایل ایل بی منصف عدالت دیوانی تعلقات رائچور

پانڈی ایرنا ساکن رائچور مدعی بنام انڈے والے عبدالستار مدعی علیہ

دعوی ۱۳۶ روپے ۵ سکہ عثمانیہ

بنام رجب علی ولد شیخ علی عمر ۴۵ سال قوم مسلمان پیشہ بیوپار ساکن رائچور۔

ہرگاہ تعمیل کنندہ کے حلفنامہ سے معلوم ہوا کہ طلبنامہ کی تعمیل مدعی علیہ مذکور پر حسب طریقہ مقررۂ قانون نہو سکی اور ہرگاہ معلوم ہوتا ہے کہ مدعی علیہ مذکور کی حاضری ضروری ہے اور وہ تعمیل طلبنامہ سے بچنے کیلئے فرار اور روپوش رہتا ہے۔ لہذا یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے کہ مدعی علیہ مذکور اس عدالت میں بوقت ۱۱ بجے تاریخ ۱۵ ماہ بہمن ۱۳۳۶ف حاضر ہوکر جوابدہی کرے بصورت غیر حاضری اوس کے حسب ضابطہ کارروائی عمل میں آئیگی۔

آج تاریخ ۱ بہمن ۱۳۳۶ف میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

شرح دستخط صیغہ دار — شرح دستخط سررشتہ دار

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر تاجر کتب و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد دکن

رعایتی فہرست

قرآن شریف پانچ ترجمہ والے ہیں (خط واضح اور صاف ہے چھپائی اچھی ہے) ان میں سے دو فارسی ہیں جن میں سے ایک ترجمہ فارسی شیخ سعدیؒ دوسرا ترجمہ فارسی خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا ہے اور تین اردو کے ترجموں میں ایک ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ دوسرا مولانا شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی تیسرا حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ہے اس کے ساتھ حاشیہ پر کامل اردو تفسیر مسمیٰ بہ احسن التفاسیر لکھی گئی ہے یہ تفسیر حضرت مولانا احمد حسین صاحب دہلوی مرحوم کی تالیف ہے مختصر عام فہم ہے کاغذ بھی اچھا خوشنما دیدہ زیب ہے مطبوعہ دہلی ہدیہ ۱۴ سکہ عثمانیہ مجلد علاوہ خرچ ڈاک۔

مطبوعہ جسٹرات و فارمس ہر دفتر کے کار آمد۔ خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت کوتوالی وغیرہ وغیرہ کے تیار ہیں جن کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کرکے ارجنٹ تعمیل کی جاتی ہے۔

ارتنگ خیال یعنی کلیات حضرت ضامن صاحب کنتوری۔ یہ اردو بہترین دیوان ہے قسم اول اصلی (صے) رعایتی (۱عہ) قسم دوم اصلی (عار) رعایتی (عہ ایضاً حصہ دوم فارسی (عہ)

مآثر دکن متضمن بحالات عمارات و آثار بلدہ حیدر آباد و مقامات بلدہ مولفہ سید علی صاحب اصغر بلگرامی آصفجاہی ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی کا عمدہ چھپا ہوا دیدہ زیب مجموعی صفحات (۱۵۱) تصاویر (۵۰) قیمت مجلد (لے) علاوہ محصول ڈاک۔

قاموس الاغلاط اعلیٰ انتقاد ادبی کی پہلی کتاب جو السنۂ عربی، فارسی و اردو میں تصنیف ہوئی ہے

اس میں تخمیناً دس ہزار ادبی اغلاط کی تصحیح تنقیح اور الفاظ کی تحقیق و تدقیق اور تراکیب کی توضیح و تصحیح بہ اسالیب انتقادیہ استناداً و استشہاداً کی گئی ہے مشاہیر ادبا و شعرا کے کلام نظم و نثر پر عالمانہ نقد کرکے صدہا لغزشیں بتائی گئی ہیں سالہا سال کے وسیع و غائر مطالعہ و تخطیط لسانی کے بعد جدید فلالوجی (فلسفۂ لغویہ) کے اصول کے موافق علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد و مولانا سید ہاشمی و مولانا زین نے مدون کیا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کے بیسیوں لغات گو ملیں گے لیکن ایک جگہ اصول و قواعد و شواہد سے تصحیح کیا ہوا اغلاط کا وافر علمی ذخیرہ اور نکات ادبیہ کا بیش بہا خزینہ آپ حضرات اسی کو پائیں گے۔

یہ لغت عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

قدیم کتب علمیہ و ادبیہ کا نادر و نایاب ذخیرہ جس میں مصر و شام و عراق و ایران و ہندوستان وغیرہ کے قدیم مطبوعات نادرہ و مخطوطات نادرہ نہایت سعی و کوشش سے بصرف زر کثیر بہم پہونچائے گئے ہیں۔ قدر دان علم و ادب کو اس دولت علمیہ سے مالا مال ہونیکا زرین موقع ہے کیونکہ عام طور پر یہ کتابیں ہر جگہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں اور بعض کتابیں مل بھی سکتی ہیں تو گراں قیمت پر۔ ہم نے نشر معارف کے خیال سے قیمتیں معتدل رکھی ہیں تا ناظرین کرام کی فوری اعتنا کی

پاس موجود ہے یہ فہرست چار آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر بلا قیمت ارسال کی جاتی

کتب درسیہ نصابی کے خلاصجات و تراجم

کی سی ہند مصر یعنی ترجمہ فارسی شریک امتحان میٹرک مترجم از مولوی عبد الظاہر صاحب مدرس ہائی اسکول قیمت ۱۱ر رعایتی ۸ر

شرح بزم اردو مولفہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب مدرس فوقانیہ گلبرگہ قیمت عہ رعایتی (عہ)

ہدیہ عمادیہ ترجمہ عربی منظومہ اشعار شریک امتحان میٹرک مولفہ مولانا سید عبد الغنی صاحب وارثی قیمت مجلد (۱۴ر)

ترجمہ دیوان صائب آج تک صائب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا بہترین ترجمہ مولفہ منشی فاضل مولوی مظفر الدین صاحب کامل قیمت (عہ) رعایتی (۱۰ر)

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت (۴ر ۶ر)

جدید تاریخ ہند برائے مڈل و عثمانیہ میٹرک قیمت (۸ر)

جدید جغرافیہ دنیا برائے ،، (قیمت ۱۲ر)

مولفہ مولوی سید شرف الدین صاحب قادری بی اے۔ بی۔ ٹی۔ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ عادل آباد

تحفہ سبحانیہ یعنی شرح قصص ہند حصہ دوم جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور عربی الفاظ کی جمعیں مرکب الفاظ کی شرح تاریخی اشعار کی با اصول ابجد تحلیل مشکل عبارات کا مطلب محاورات کی معانی ضرب الامثال کا موقع استعمال اور بہت سی مفید باتیں درج ہیں مولفہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب منشی فاضل مدرس فوقانیہ گلبرگہ قیمت (۸ر)

خلاصہ مفتاح القواعد برائے افادہ طلبائے مڈل و سکنڈ فارم مولفہ منشی عالم مولوی محمد عبد الحی صاحب مدرس مدرسہ فوقانیہ گلبرگہ قیمت (۴ر)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدر آباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	۱۱ صہ	ما سہ	مچہ	سہ	عہ
نصف صفحہ	ما سہ	مچہ	للعہ	مٹہ	لے
ربع صفحہ	مچہ	للعہ	معہ	عہ	لعہ
ایک کالم	لعہ	صہ	سہ	معہ	صہ
نصف کالم	صہ	سہ	عہ	سے	ے
ربع کالم	سہ	عہ	معہ	اعہ	ار

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائیگا۔

کتب خانہ تجارتی سید عبدالرزاق تاجر کتب اینڈ پبلشر مالک رزاقی مشین پریس چار مینار حیدرآباد دکن

حکومت آصفی و برکات عثمانی تصانیف مولانا محمد شمس الدین صاحب مصنف جس میں حکومت آصفی کے عدیم النظیر واقعات اور دور عثمانی کے جملہ ترقیات کو نثر و نظم میں بڑی خوبی سے جمع کیا گیا ہے۔ قیمت (۸ر)

شمس کا ترانہ قوم کے اقبال کی موہنی مورت' اور اس کے ادبار کی بھونڈی صورت غرض حالت قوم کا اصلی فوٹو ہے قیمت (۲ر)

بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی ایک پرتاثیر۔ دلگداز۔ قابل دید نظم ہے بیوہ کے حقیقی حالات اور فطری جذبات کا آئینہ ہے۔ درد و غم۔ رنج و مصیبت کا گنجینہ ہے ممکن نہیں کہ اسکو پڑھنے کے بعد کوئی آنسو نہ بہائے قیمت (۴ر)

تصانیف مولانا ذہین

سیرۃ خیر البشر منظوم (۱ر)

تعلیم الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا مفید مجموعہ (۱۲ر)

حدائق الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا دلچسپ مفید ذخیرہ (عہ)

تہذیب الاطفال نتیجہ خیز دلچسپ منظوم حکایتوں کا باتصویر مجموعہ (۱۲ر)

بالک باغ بچوں کے مذاق کی مشرقی و مغربی طرز ادب طفولیت کی دلکش اور نصیحت آموز نظمیں صرف حصہ اول ۵ر اول دوم (عہ)

سوغات صالحات عورتوں اور بچوں کے لئے اخلاقی نظموں کا نادر تحفہ قیمت (۸ر)

ہملن کا چیلہ ابانسری والا انگلستان کے مشہور شاعر براؤننگ کی دلکش نظم کا منظوم ترجمہ (۱۰ر)

بی لڑاکا ایک زبان دراز فسیل پائی بچپل پائی کا نتیجہ خیز عبرت آموز منظوم قصہ (۳ر)

نیک بی بی اس نظم کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ایک نیک خو بی بی نے اپنے بدخو شوہر کو خوشخو بنا دیا قیمت (۲ر)

چھوٹا شیطان علم کی خوبی جہل کی برائی کو قصے کے پیرایہ میں ظاہر کیا گیا ہے قیمت (۱ر)

ایک ہنسانیوالی داستان کاؤپر کی ظریفانہ نظم کا ترجمہ منظوم قیمت (۱ر)

نیک بیٹی اس نظم میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیک بیٹی میں کیا کیا اوصاف چاہییں۔ قیمت

تمدن ہند مترجمہ علامہ سید علی بلگرامی۔ یہ وہ کتاب ہے جو چند سال پہلے (صہ) روپیہ میں فروخت ہوتی رہی اور اب (صہ) روپیہ میں مجلد کو نہ پشتہ چرمی کام سنہری نہایت خوبصورت مل سکتی ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں

سیرۃ النبی صلعم مجلد چرمی سنہری کام حصہ اول (۴ہے) حصہ دوم مجلد کام سنہری (عہ) حصہ سوم مجلد سنہری کام تقطیع کلاں (للعہ)

دیوان غالب اردو مطبوعہ برلن، پاکٹ تقطیع نہایت خوبصورت ٹائپ قیمت (عال)

مثنوی مشعل اسلام اس میں توحید باری تعالیٰ و اثبات رسالت کے ایسے زبردست دلائل بیان کئے گئے ہیں جو بڑے بڑے مستند کتابوں میں بھی نہیں مل سکتے قیمت (۸ر)

تذکرہ شعراء دکن اس میں ۱۳۲۹ھ تک قدیم و جدید باکمال شعراء کا ذکر ان کی شاعری کا نمونہ درج ہے پہلے اسکی قیمت (عہ) روپیہ تھی رعایتی (صہ)

سفر حرمین الشریفین ایک لاجواب کتاب ہے جس میں مدینہ منورہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور کثیر نقشہ شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک فوٹو شامل کتاب ہیں مشاہیر علماء و فضلا نے اس کی خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں۔ کاغذ چکنا عمدہ لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں قیمت بجائے (عہ) روپیہ کے (ہے)

سیرۃ عائشہ رضہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب اور فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامہ اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ضخامت (۳۵۰) صفحہ قیمت (للعہ)

گل رعنا اردو زبان کی ابتدا سے تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار ضخامت (۵۴۸) صفحہ قیمت (۴ہے)

عروس ادب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی۔ تاریخی۔ اور سیاسی مضامین کا مجموعہ ان مضامین کی تعریف تقاریظ مندرجہ کتاب میں مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اور مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے دریابادی) نے از حد فرمائے ہے۔ فی الواقع مضامین نہایت دلچسپ اور قابل دید ہیں خصوصاً مضامین ادبی لکھائی چھپائی کاغذ بھی نہایت عمدہ ہے عروس ادب زیور علوم سے آراستہ ہونے کے علاوہ مصنف کی تصویر سے بھی مزین ہے حقیقی خوبیاں ہیں ان کے مقابلہ میں قیمت بہت کم ہے یعنے فی نسخہ (عاں)

مخزن حکمت یا گھر کا ڈاکٹر طبع پنجم مولفہ شمس الاطبا ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب جدید اڈیشن تقریباً از سر نو لکھی ہے اور طبع چہارم کی نسبت اس میں سب سے مفید اضافات کئے گئے ہیں یعنی اس میں ۱۹۲۵ء تک کی تمام جدید معلومات کا اور کئی ایک جدید امراض کا اور اکثر امراض کے نئے نئے مفید اور مجرب معالجات اور مجرب نسخہ جات کا اضافہ کیا ہے جس سے یہ کتاب پہلے کی نسبت بدرجہا مفید بن گئی ہے جلد اول و دوم مجلد قیمت (عہ) روپیہ

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چارمینار حیدرآباد دکن میں طبع کر کے شائع کیا

عدد (۶)
جلد (۱)

مضمون خاص

فِنِیقِیَہ

از

مولوی سید مختار احمد صاحب (مخطط اسلامی)

نظام گزٹ

ہفتہ وارتہ

چار مینار حیدرآباد دکن

چندہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک۔

سالانہ	لے
ششماہی	۸ر ے
سہ ماہی	عمال
فی پرچہ	۲ر۶ئلہ

ہندوستان سے باہر کے لئے۔

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط وکتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائے۔

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحہ کے حجم پر شائع ہوگا۔ اور کبھی کبھی تصویریں بھی شائع ہونگی۔

۷۸۶

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

عدد حیدرآباد دکن: دوشنبہ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ م ۱۹ ڈسمبر ۱۹۲۷ء م ۵ ابہمن ۱۳۳۷ ف جلد

شذرات

ینگ انڈیا میں مہاتما گاندھی لکھتے ہیں کہ ہندوستان کو افغانیوں سے کسی قسم کی منافرت نہ رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ افغانی قوم خدا سے ڈرنے والی ہے۔ میں ناظرین سوالات کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ بمبئی یا کلکتہ کے چند جاہل افغانیوں کو دیکھکر اس پوری افغانی قوم سے متعلق فیصلہ نہ کریں۔ یہ خیال کرنا کہ سرحد سے برطانوی توجہ ہٹائی جائے تو افغانی ہندوستان پر حملہ کر بیٹھیں گے محض وہم ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر افغانی آج بھی ہندوستان پر حملہ کرنا چاہیں تو ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن بعض اپنے ملک سے اتنی ہی محبت ہے جتنی ہمیں اپنے ملک سے

مہاتما گاندھی فرماتے ہیں: پان اسلامزم یا اتحاد اسلامی جس سے چند سال اس قدر خائف ہیں اسکے اگر یہی معنی ہیں کہ مسلمان تمام اسلامی حکومتوں کے اتحاد کے خواہاں ہیں تو یقیناً قابل تعریف چیز ہے۔ البتہ اگر اسکے معنی یہ ہوں کہ اسلامی حکومتوں کے اتحاد سے دنیا کو مغلوب کر لیا جائے یا قوت کا استعمال کرکے اسلام کی تبلیغ کی جائے تب یقیناً قابل اعتراض چیز ہوگی۔ میں جن مسلمان ہندوستانیوں کو جانتا ہوں ان میں سے ایک بھی شخص ایسا نہیں ہے جو تنگ نظر خیال کا حامی ہو۔ دنیا قوت ہمیشہ سے تنگ ہی ہے۔

بمبئی میں پٹھانوں نے ہز مجسٹی امان اللہ خاں کے قیام گاہ کو گھیر لیا اور اڈریس دینے کی درخواست کی شاہ نے اپنی عزیز رعایا کی اس درخواست کو بھی قبول کر لیا۔ پٹھانوں کے اڈریس کا جواب دیتے ہوئے ہز مجسٹی نے فرمایا افغانیوں کو چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی

(بقیہ صفحہ (۲) کالم (۳))

میونسپل کارپوریشن کا جواب دیتے ہوئے ہز مجسٹی نے فرمایا کہ انسانی زندگی کا مقصد ذات خدا کی معرفت ہے۔ ہر مذہب اپنے پیروؤں سے اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خدا کی پرستش کریں اور اپنے بھائیوں سے مل جل کر رہیں۔ ہندو اگر مندر میں جاتے ہیں تو انکا مقصد بھی خدا کی پرستش ہوتا ہے۔ اور مسلمان اگر مسجد میں جاتے ہیں انکا بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔

ہمیں اپنے دیس کی چیزوں کو پسند کرنا چاہیئے

دوران تقریر میں آپنے فرمایا تعلیم کے تمام رواج کیساتھ ہی ساتھ اپنی ملک کی صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی ضرورت ہے اس معاملہ میں سودیشی کپڑے کی صنعت خاص طور پر قابل ذکر ہے ہمیں اپنی دیس کی چیزوں کو پسند کرنا چاہیئے۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا بری۔ میں نے افغانستان میں اپنی رعایا کو حکم دیا ہے کہ وہ حتی الامکان افغانستان ہی کی تیار شدہ اشیاء کا استعمال کریں۔

ہز مجسٹی امیر امان اللہ خان کی بمبئی کی تمام تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی زندگی کا مقصد معرفت خدا سمجھتے ہیں یعنے مذہب کو مقدم رکھتے ہیں۔ برخلاف اس کے آپ اب جن ممالک میں سفر کریں گے ان کے ہاں مذہب کا انسانی حیات میں کوئی درجہ نہیں۔ مذہب سے تنفر اور اسکے مٹانے کے درپے ہیں۔ دوسری بات تعلیم ہے۔ آپ تعلیم اس قسم کی چاہتے ہیں جس سے انسان انسان بنے۔ یعنی ملک کا سچا خادم اور مذہب کا پروانہ ظاہر ہے کہ آجکل کی تعلیم میں مذہب کی طرف توجہ نہیں کی جاتی بلکہ تعلیم حصول معاش کا ایک ذریعہ ہے۔ آپکی دلی تمنا یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان اور ہندو

سکھ اور پارسی سب ملکر آپس میں امن امان کی زندگی بسر کریں اسلئے اپنے ہی ایلبار لوگوں کو کابل آکر وہاں امن و سکون کی زندگی کا چشم دید مشاہدہ کرنیکی دعوت دی ہے۔ اسکے ساتھ ہی آپ ہندوستان کے مسلمانوں کو خاص طور پر تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ ہندوؤں سے ہرگز نہ لڑیں۔ کیونکہ اسمیں ساری قوم کی بدنامی ہے ہز مجسٹی اس سے بخوبی واقف ہیں کہ جبتک کوئی قوم اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہتی اسوقت تک ترقی نہیں کرسکتی۔ اسلئے آپ نے اپنی تقریروں میں بار بار دیسی مصنوعات کے استعمال کیطرف ہندوستان کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی بھائی اس ہمدردی نوع کی مخلصانہ نصیحت پر کس حدتک عمل کرتے ہیں ہز مجسٹی کی نصیحت نہ صرف زبانی حدتک محدود ہے بلکہ اعنوں نے صرف وہی باتیں کہیں جو آجکل ان کے ملک میں رائج ہیں۔ اور یہی باتیں افغانستان کی ترقی کا راز ہیں۔ ورنہ کسکو امید تھی کہ ۱۹۲۷ء تک افغانستان کو یہ ترقی نصیب ہوگی مسٹر جی۔ کے لبرمان خیموں نے افغانستان سے جاکر وہاں کے حالات کا چشم دید مشاہدہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں "ماضی و حال کا مقابلہ کرنے سے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ وہ سرزمین جسکے متعلق تمام لوگوں کا خیال تھا کہ وحشیوں کی جگہ ہے۔ قانون برائے نام اور مظالم کی کثرت ہے تہذیب و تمدن کا نام نہیں۔ خونخواری اور سفاکی کا وطن ہے آج اعلحضرت شاہ امان اللہ خان کی تعمیری سعی کوششوں پر وہاں ایک ایسی مہذب حکومت قائم ہے جو دور حاضرہ کی تمام ترقیوں اور قابلیتوں سے مالا مال ہے اور یہی کے ساتھ اسے اپنی قدیم روایتوں کا احترام بھی پیش نظر ہے۔ آج جس علمی معیار ترقی پر افغانستان پہونچ گیا ہے۔ اسکی ساٹھ سال قبل کے افغانستان

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ ہجری

ہز مجسٹی امیر امان اللہ خان اور بمبئی

شہر بمبئی میں شاہ امان اللہ خاں کے استقبال کی تیاریاں عرصہ سے ہو رہی تھیں۔ مسلمان، ہندو، پارسی اور سکھ سب آپ کے خیر مقدم کے مشتاق تھے، آخر ہز مجسٹی کی تشریف آوری ۱۴ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ہوئی۔

بمبئی میں آپ کا جو پرجوش خیر مقدم ہوا وہ تاریخی حیثیت سے بھی ایک یادگار رہیگا۔ چہارشنبہ کو جو جلوس نکلا اس میں خاص بات یہ تھی کہ ہر طرف اللہ اکبر کے نعروں سے ہر شخص مست ہو جاتا تھا اور اعلیحضرت جس انداز سے اس کا جواب دیتے تھے وہ دلوں کو لبھاتا تھا۔ مولانا شوکت علی رضا کاران خلافت کے ایک دستہ کو لئے ہوئے پانچسو مسلمانوں کے ساتھ حیرنی روڈ اور چوپاٹی کے درمیان ایک جگہ پر موجود تھے جس وقت اعلیحضرت کی سواری مولانا کے سامنے آئی، اللہ اکبر کے نعروں نے دلوں کو ہلا دیا۔ اعلیحضرت اٹھے اور سر سے تاج ہاتھ میں لیکر خیر مقدم کا بار بار اعتراف فرماتے رہے۔ اس موقع پر جو پر لطف منظر پیش نگاہ تھا اس نے ہر شخص کو بیحد متاثر کیا۔ آگے بڑھکر اسلام کلب چوپاٹی پر حکیم اجمل خاں صاحب، مولانا محمد علی، ممبران کلب کے ساتھ ملے جلے بیٹھے تھے۔ جس وقت شاہانہ سواری سامنے آئی حکیم صاحب اور مولانا محمد علی نے اسلام علیکم کے نعروں سے خیر مقدم کیا۔ اور اسکے بعد زندہ باد بادشاہ اسلام کے نعرے لگائے گئے۔ مولانا محمد علی نے اس موقع پر انگریزی میں زندہ باد کا نعرہ لگایا جسپر شاہ تو شاہ ہز مجسٹی کو بھی ہنسی آگئی ہوگی۔"

بمبئی کے مختصر قیام میں ہز مجسٹی امان اللہ خان بہت مصروف رہے، اور مختلف جلسوں میں شریک ہوئے خطبات سنے اور جواب دئیے۔ خود ہنسے اور لوگوں کو ہنسائے اور خود روئے اور لوگوں کو رلائے۔ غرض عجیب و غریب سین تھا عجیب غریب منظر تھا، جن لوگوں نے دیکھا، وہ خوش نصیب تھے کیونکہ یہ تاریخی نادر موقع بار بار نہیں آسکتا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ ایک خود مختار آزاد بادشاہ یورپ کے سفر کے لئے نکلا ہے۔

ہز مجسٹی کی تقریر سننے کیلئے ڈونگری میدان بمبئی پر دو لاکھ سے زیادہ آدمی جمع ہوئے، یہ منظر دیکھنے کے قابل تھا اس میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے، مسز گاندھی مولانا محمد علی کی بازو بیٹھی ہوئی تھیں، ہز مجسٹی کی نظر ان پر پڑی، آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون ہیں۔ جب آپ سے کہا گیا کہ "مسز مہاتما گاندھی" تو آپنے کہا "زوجہ محترم گاندھی"، اور فوراً اٹھکر وہاں گئے اور نہایت ادب سے جھک گئے اور انھیں اپنے بازو بیٹھنے کیلئے کہا۔"

اس موقع پر مسز سروجنی نائیڈو، مس پرین دادا بھائی نوروزجی (آنجہانی کی پوتی) کا تعارف کیا گیا۔ اور اعلیحضرت نے ان سب کا مصافحہ کیا۔

ہز مجسٹی امیر امان اللہ خاں کی خدمت میں سب سے پہلے زردوزبھائی کیطرف سے ایک طلائی ہار پیش کیا گیا۔ مسٹر ابراہیم رحمت اللہ نے پہلے سپاسنامہ منجانب مسلم استقبالیہ کمیٹی بمبئی پڑھا۔ اور اسے خوبصورت نقرائی کاسکٹ میں اعلیحضرت کی خدمت میں پیش کرایا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے دوسرا سپاسنامہ منجانب جمعیۃ خلافت ہند پڑھا۔ جسے ڈاکٹر انصاری صاحب نے نقرائی خوبصورت کاسکٹ میں پیش کیا۔ ہز مجسٹی نے دوران تقریر میں فرمایا میں ایسا آدمی ہوں کہ مجھ پر بڑی سی بڑی چیز کا جو رسمی طور پر کیجاتی ہے اثر نہیں ہوتا۔ مگر آپ کی دلی محبت نے مجھے آپکا گرویدہ بنا دیا ہے۔ پھر آپ نے کہا میری قوم کا افغانستان میں ایک وجود ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تفریق اور امتیاز نہیں۔ ہندو مسلمان سکھ سب ایک قوم ہے۔

تعلیم کے متعلق فرمایا افغانی مکتبوں میں تعلیم اور ترقی کا بہترین پروگرام جاری ہے اگر میرے ہندوستانی بھائی افغانستان کے ان مکاتب عالیہ میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو افغانستان کے یہ مکاتب انھیں خوشی سے قبول کرینگے۔ جہاں قوانین مقررہ کے مطابق اُن کو تعلیم دیجائیگی۔ جناب حکیم صاحب کے اڈریس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے غربا اور فقراء کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا ہے۔ میں نے بھی افغانستان میں ایک مکتب قائم کیا ہے جس میں میں خود درس دیتا ہوں۔"

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ ہز مجسٹی کی توجہ کس قدر تعلیم کیطرف ہے۔ باوجود امور سلطنت کے اہم فرائض کے اپنی قوم کو تعلیم کیطرف راغب کرنے کیلئے آپ خود درس دیتے ہیں۔

انجمن اسلام میں جمعہ کے دن سوا پانچ بجے اعلیحضرت کو منجانب انجمن اسلام اڈریس اور گارڈن پارٹی دیگئی جس میں مرزا علی اکبر خان صاحب نے انجمن کا اڈریس جو فارسی میں تھا۔ سنایا۔ اعلیحضرت نے دوران تقریر میں غریبوں کی تعلیم کے متعلق فرمایا آپ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی اس وجہ سے ہے کہ وہ تعلیم کیطرف توجہ نہیں کرتے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اگر امراء غریبوں سے ملکر کام کریں اور انھیں سمجھائیں تو ناممکن ہے کہ وہ تعلیم کیطرف توجہ نہ کریں۔"

تعلیم کا مقصد کیا ہونا چاہئیے

مدارا تعلیم کے متعلق فرمایا "تعلیم بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تعلیم تو وہ ہوتی ہے جس سے انسان اپنے مذہب اپنی ملت اور وطن کو بھول جاتا ہے۔ اور دوسری تعلیم وہ ہے جس سے انسان اپنے مذہب ملت اور وطن کی محبت میں سرشار ہوتا ہے۔ اگر آپ اس صحیح تعلیم کیطرف توجہ کریں تو مجھے یقین ہے کہ تمام ایسی تعلیم حاصل کرلینگے جس سے وہ اپنے مذہب اور ملک کو بھی نہ بھولیں گے۔"

اپنے ملک کے لباس سے آپ کو شرمانا نہ چاہئیے۔

لباس کے متعلق فرمایا کہ تعلیم سے زیادہ اسکی جانب توجہ کرنی چاہئیے کہ لباس آرائش اور زیبائش کیلئے نہیں بلکہ تن پوشی کیلئے ہوتا ہے۔ انسان کا اصلی جوہر لباس نہیں بلکہ اسکے دلکا جوش ہے میں نے آج صبح کے جلسہ میں اپنے ہندوستانی بھائیوں کو دیکھا ان کے لباس آپ سے خوشنما نہ تھے بلکہ وہ سادے اور معمولی لباس میں تھے۔ مگر ان کے دلی جوش اور اسلامی خلوص نے اُن کی غریبی اور لباس کی خرابی کو بھی خوشنما بنا دیا تھا۔ آپکو چاہئیے کہ اپنے ملک کا بنا ہوا لباس استعمال کریں۔ خواہ وہ کتنا ہی موٹا اور خراب ہو اپنے ملک کے لباس سے آپکو شرمانا نہ چاہئیے۔

میں غریب ترین شخص اور افغانستان کا خادم ہوں

میں افغانستان کا ایک خادم اور میں غریب ترین شخص ہوں رعایا نے مجھے بادشاہ بنایا ہے اور میں ان کی بھلائی کی کوشش کرتا ہوں اور ان کی بھلائی اور مفاد کا خواہاں ہوں میرے دل میں وہی جذبات ہندوستانیوں کے متعلق بھی ہیں اور میں ان کی بھلائی کا خواہاں ہوں۔ آپ نے جو خوشنما کاسکٹ پیش کیا ہے وہ میں اپنے سفر میں رکھوں گا اور وطن واپس جاکر اپنی رعایا کے نذر کر دونگا۔ **کیونکہ میری تمام چیزیں ان کی ہیں۔**

نماز جمعہ

جامع مسجد بمبئی میں اعلیحضرت نے نماز جمعہ پڑھائی اور نہایت موثر اور نصیحت آمیز خطبہ پڑھا جسمیں آپنے کہا ضرورت اسکی ہے کہ مسلمان عالمگیر اخوت پر مضبوطی سے کاربند رہیں اور اسلامی ممالک سے اپنے برادرانہ تعلقات قائم رکھیں۔ آپکو یہ خیال رکھنا چاہئیے کہ آپ کے تعلقات ہندوستان اور اسکے باہر کے ممالک سے بھی ہیں مگر ہندوؤں کا اس ملک سے باہر کوئی رشتہ نہیں اسلئے تم لوگوں کی آپس کی لڑائی سے ہندوؤں کا تو صرف ایک نقصان ہے یعنی وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے تین نقصان ہیں یعنی وہ تمام مسلمانوں کا نقصان کر رہے ہیں اپنے ملک کا نقصان کر رہے ہیں۔ اور خود اپنا نقصان کر رہے ہیں میں جانتا ہوں کہ لوگ اپنی خود غرضی اور مطلب آشنائی سے لوگوں کو لڑانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچنا چاہئیے۔ اور آپس میں محبت اور ثبات رکھنا چاہئیے۔ آپ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے ملک کا بنا ہوا کپڑا خواہ وہ خراب اور بدصورت ہی کیوں نہ ہو استعمال کریں۔

دوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہنا چاہئیے

اسی خطبہ میں آپ نے اس آیہ (ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم) ترجمہ کی تلاوت کرتے ہوئے بتایا کہ اگر آپ لوگ دوسروں کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں گے تو کسی کی ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ ہمارے خدا اور رسول کی شان میں گستاخی کریں۔

انسانی زندگی کا مقصد معرفت خدا ہے

(ملاحظہ ہو صفحہ ایک کالم ۲)

فینیقیہ
PHOENICIA

از

(مولوی سید مختار احمد صاحب (مُختلِطِ اسلامی))

(قدیم تاریخ شرقی و غربی اقوام پر منقسم ہے (۱) مَشَارِقَہ (دُوَلِ شرقی) جن سے مصری بابلی (کلدانی) اثوری (اسیرین) عرب۔ عبرانی (یہود) فینیقی (کنعانی) قرطاجنی۔ حبشی۔ مادی۔ ایرانی ۔۔۔ مراد ہیں (۲) مَغَارِبَہ (دُوَلِ غربی) جن سے یونان۔ رومان اور اہلِ اقریطش (کریٹ) و جزائرِ ایجی مقصود ہیں۔ غربی اقوام پر بیسیوں کتب لکھی گئی ہیں لیکن اکثر شرقی اقوام کی صحیح تاریخ سے نہ صرف مورخینِ ہند بلکہ مستشرقینِ یورپ بھی زیادہ واقف نہیں لہذا یہ مقالہ جو اہم سامیّہ اور تمدنِ قدیم کی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتا ہے)

ساحلِ شام (سوریہ) کا وہ پہاڑی قطعہ جس کے حدودِ اربعہ یہ تھے (۱) شمال۔ النہرالکبیر (۲) مشرق۔ جبلِ لبنان (۳) جنوب۔ جبلِ کرمل اور (۴) مغرب بحرِ متوسط لیکن یہ حدود اکثر وسیع ہو جاتی تھیں اسطرح کہ شمالی سرحدیں انترَدُوس (طرطوس) اور جنوبی میں دور (دوره) بلکہ یافا بھی داخل ہو جاتا تھا۔ اسٹرابو نے تو اس کی جنوبی سرحد پیلوزیوم (تل فرما) کو لکھا ہے۔ بہرحال حقیقی فینیقیہ کا اوسط طول اسی میل اور اوسط عرض (۸) میل ہوگا۔ یہاں ایک قدیم سامی قوم سکونت پذیر تھی جسکا عہد ۲۵۰۰ ق م سے (۶۴) ق م تک رہا۔ یونانی زبان میں باشندوں کو فینیشن (Phoenicians) اور ملک کو فینیشہ (Phoenicia) کہتے تھے جدید عربی میں ان الفاظ کی تعریب فینیقیین اور فینیقیّہ ہے۔ فینیقیین بحارت (جہاز رانی)، تجارت اور کتابت کے موسس تسلیم کئے گئے ہیں۔ میکسمولر نے لکھا ہے کہ آیونیون (یونانیوں) نے ابجد فینیقیین ہی سے سیکھی۔ ایونی اپنے حروف تہجی کو فینیقی حروف کہتے تھے۔ ان کی ابجد کا نام الفابیت بھی فینیقی لفظ ہے اس قوم کا مقرِ حکومت اولا صیدا پھر صور رہا۔

راس:۔ راس النقورہ۔ (Scala Tyriorum) راس بیروت۔ راس الناقورہ۔ (Promontorium Album) راس ابیض۔ (Promuntorium Album) یہ دونوں صور اور عکا کے مابین واقع ہیں۔ راس الکرم جبل کرمل کا سرا ہے۔ انہار (دریا) تمام خطہ میں عمیق وادیاں اور ندیاں رواں دواں ہیں جو پہاڑوں کو شکستہ کئے ہوئے ہیں۔ الوتیروس (Eleutherus) یعنی النہرالکبیر۔ نہر اللیطانی (Leontes) جس کی تحتانی گزرگاہ کو نہر قاسمیّہ کہتے ہیں نہر الاوّلی (Bostrenus) نہر دامور (Tamyras) نہر ابراہیم (Adonis) نہر زہراتی وغیرہ۔ ان سب کا حال شام اور فلسطین کے بیان میں ہو چکا ہے۔

خلیج:۔ صرف دو ہیں۔ خلیج بیروت و خلیج عکا۔

فینیقیہ کے تقریباً تمام شہر ساحل پر واقع ہیں لیکن آج کل کنارِ دریا ریت کے جمع بکثرت بن گئے ہیں۔ اسلئے یہ شہر بیروت کے سوا عمدہ بندرگاہوں کا کام نہیں دے سکتے۔ فینیقی عہد میں صور صیدا و ارواد یہ سب ٹاپوؤں پر آباد کئے گئے تھے۔ تا حملوں کا دفاع اور جہازوں کی لنگراندازی عمدگی و آسانی سے ہو سکے۔ فینیقی سامی قوم کا ایک قدیم شعبہ ہے۔ فینیقی دعوے و اعتقاد کے موافق انکا اصلی وطن (Chaldaea) بحرین ہے جو خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہے۔ یونانی و رومی مورخ ان کو بابلی النسل بتاتے ہیں۔ سفرِ تکوین اصحاح (۱۰) میں جو تقسیم اقوام کی ہے اس میں صیدونیون (صیدا) کو کنعان کا بیٹا لکھا ہے اس سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ فینیقی حامی النسل ہیں نہ سامی۔ توراۃ کے یورپی مفسرین اسکی یہ تاویل کرتے ہیں کہ توراۃ کی تقسیمِ اقوام نسلی و قومی نہیں ہے بلکہ جغرافی۔ ثانیاً یہ کہ سفرِ تکوین کے یہودی مولفین نے مذہبی عصبیت سے فینیقیین کو بنی حام میں داخل کر دیا۔ اس کے متعلق ہمیں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ فینیقیہ کو ابتداءً کنعان بن حام ہی کی اولاد نے آباد کیا اس کا نام کنعان ہوا اور باشندے کنعانی کہلائے۔ اثری و تاریخی تحقیقات سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ موجودہ تمام سامی ممالک (اسیریا۔ بابل۔ مابین النہرین۔ شام وغیرہ) کو عرب کے انتشارات و انتقالات نے جو نہایت قدیم الایام میں وقتاً فوقتاً ہوئے معمور و آباد کیا۔ انہی مہاجرات میں بعض عربی قبائل جو بحرین یا قطیف کے باشندے تھے نقل مکان کر کے فینیقیہ پر متصرف ہو گئے۔ اور اصلی باشندوں کو خارج کر دیا جو جزائر قبرص، اقریطس (کریٹ)، وغیرہ میں جا بسے۔ اب یہ نئے زمین گیر جو نسلاً سامی (عرب) تھے لیکن ارضِ کنعان کی نسبت سے کنعانی کہلانے لگے حتیٰ کہ خود فینیقی اپنے آپ کو بعض اوقات کنعانی اور اپنے ملک کو کنعان کہنے لگے تل العمارنہ کے مکاتیب میں ان کا نام کنحی و کنخی لکھا ہے۔ توراۃ۔ اشوری مسماری کتابات اور ہومر کی نظم میں فینیقین کو عموماً صیدونیین (اہلِ صیدا) لکھا ہے۔ صیدا کے انقراضِ حکومت کے بعد شہر صور کے منتہائے عروج کے زمانے میں بھی یہ صوریین نہیں بلکہ صیدنیین کہلاتے تھے۔ چنانچہ سفر ملوک اول (اصحاح $\frac{16}{31}$) میں صور کے بادشاہ اثبعل ملک الصیدونیین ہی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے مختصر یہ کہ فینیقیین کا وہ نام اور قومی نام جس سے وہ خود بھی اپنے کو ہمیشہ موسوم کرتے تھے صیدونیین (صیدونین یا اہلِ صیدا) تھا لیکن ایونی (یونانی) انکو ان کے رنگ کی وجہ فینیقی کہتے تھے کیونکہ فنیکس کے معنے ہیں سرخی مائل گندم گوں بعض کا قول ہے کہ یونانی میں اس لفظ کے معنی ہیں ارغوانی چادر چونکہ فینیقیین اس رنگ کی چادریں زیادہ اوڑھتے تھے اسلئے یونانیوں نے یہ نام رکھا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس لفظ کے معنی نخل (کھجور) ہیں لیکن اس درخت کو فینیقیہ سے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

ملاحت (جہاز رانی) بعض اسباب نے فینیقیین کو اور اقوامِ سامی کے خلاف بحارت (جہاز رانی) کیطرف مائل کیا اولاً ان کی بود و باش ساحلی و بحری تھی ان کے تمام معظم شہر جزیروں اور ساحل پر واقع تھے لہذا ملاحی و ماہی گیری ایک فطرتی تقاضا تھا۔ ثانیاً فینیقیہ قلیل الوسعت اور محدود الرقبہ ملک کی پیداوار اس کی گنجان آبادی کیلئے کافی نہ تھی ثالثاً فینیقیین کے ناقابلِ تسخیر ساحلی و جزیری شہر ان کیلئے بسم اللہ کے گنبد تھے یہی وجہ ہے کہ وہ شام و فلسطین کی طرح دشمنانِ ملک سے زیادہ متاثر و متضرر نہ ہونے پائے علاوہ ازیں فینیقیہ کی شرقی حد جبل لبنان اس کیلئے مستحکم اور مائل سد تھا۔ لہذا وہ اسطرف سے مصون و مامون ہو کر غربی جانب متوجہ ہوئے تو ان کی حوصلہ افزائی اور علو ہمتی کیلئے بحرِ متوسط جیسا وسیع سمندر موجیں مار رہا تھا غربی ممالک میں دولت و ثروت کی ندیاں چھلک رہی تھیں رابعاً خوش قسمتی سے فینیقیہ میں دیودار درختوں کے گھن گھنیرے جنگل تھے جن کے عمدہ تختوں کے بغیر جہازوں کے اساطیل (بیڑے) طیار نہیں ہو سکتے تھے قبرص جس میں تانبے اور جستیر کی افراط تھی پاس ہی تھا جزائرِ ایجی میں موتی و صدف نکالنے میں مصروف ہوئے۔ صدف (سیپی) سے ارغوانی رنگ بنایا جاتا تھا جس سے امرا و شاہانہ ملبوس رنگے جاتے تھے۔ کیونکہ اس عہد کی وضع امارت و شعارِ ریاست یہی تھا فینیقی قوم نے بتدریج فنِ تجارت میں اسقدر ترقی کر لی کہ ان کے آدمیوں سے بھرے ہوئے اور مال سے لدے ہوئے جہازی بیڑے ذخار سمندروں کے متلاطم موجوں اور ہولناک قعروں میں سے صحیح و سالم گزرنے لگے۔ بحرِ متوسط۔ بحرِ اسود۔ بحرِ ظلمات۔ بحرِ احمر۔

عہ موجودہ طنطورہ عہ Yaians عہ حروف تہجی الف ب ۱۲

عہ مرزبوم عہ ترجمہ سبعینیہ

عہ ہورتہ

بحر عرب، خلیج فارس و بحر ہند وغیرہ سات سمندر انہی کے منطقۂ نفوذ (Sphere of influence) میں تھے بحر متوسط پر تو انہی کی کامل حکومت و سیادت تھی کیونکہ یہ ان کے انتساب سے بحر فینیقی (فنیقیاوی) کہلاتا تھا

فنیقی قوم قدیم عالم معاصر کی قاضی الحاجات تھی ۔ ان کا وجود تمام عالم قدیم میں نہایت ضروری اور لازم و لابد تھا کیونکہ مشرق (چین ۔ ہند ۔ عرب ۔ بابل وغیرہ) کی حاصلات طبیعی (قدرتی پیداوار) اور مصنوعات مقامی ۔ (یورپ و افریقیہ) اور اس کے برعکس مغرب کی اشیا مشرق میں سات سمندر پار ہو کے یہی قوم پہنچاتی تھی مختصر یہ کہ یہی قوم عالم قدیم کے صنائع و حرف کی محتکر اور تجارت و تعایفہ کے ملتزم تھی افریقہ کا طواف بحری (Circumnavigation of Africa) ۶۱۰ ق م نیخاؤ فرعون نے ایک فنیقی اصطول (بیڑے) کو حدود افریقیہ کے اکتشاف کیلئے مقرر کیا ہیرودوتوس ابو التاریخ لکھتا ہے کہ نیخاو نے فنیقی ملاحوں کے لئے جہاز بہم پہنچا کر ان کو حکم دیا کہ لوبیا (Lybia.) کے پرے لنگر اٹھانا پھر اعمدۂ ہرقل میں سے گذر کر بحر شمالی میں داخل ہونا پھر مصر پہنچنا ۔ چنانچہ فنیقیین نے تین سال کے عرصے میں افریقہ کا طواف بحری کیا اور یہ بیان کیا کہ سورج ان کی دہنی جانب تھا ۔ ماورا لوبیا سے بخوبی ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا انھوں نے دریائے نیل کے دہانے سے آغاز سفر کیا اور اس نہر کے ذریعے (جو ان دنوں بحر احمر اور دریائے نیل کے مابین جاری تھی) بحر احمر میں داخل ہوے یا یہ کہ ان کی جہاز رانی بحر احمر ہی سے شروع ہوئی ۔ بہر حال یہ (فنیقی ملاح) خلیج عدن بحر الزنج (بحر ہند کا نہایت غربی حصہ) خلیج موزمبیق کو عبور کرکے افریقیہ کے نہایت جنوبی نقطہ (راس الرجاء الصالح) پر پہنچے جہاں سے بحر ظلمات کا آغاز ہوتا ہے ۔ پھر اس بحر محیط کو طے کرنا شروع کیا اور خلیج غانہ (Gulf of Guinea.) اور جزائر خالدات (کناریا) کو عبور کرتے ہوے جبل طارق ۔ (اعمدۂ ہرقل) میں سے گزر کر بحر متوسط میں داخل ہوئے جس کو ختم کرکے دریائے نیل کے دہانہ سے مصر کے دار الحکومت طیبہ میں پہنچ گئے ۔

ابجدیہ و کتابت کا اختراع ۔

پہلے پہل فنیقیین ہی نے توجہ کی کہ مصر کی ہیروغلیفی تصویری کتابت کا استعمال موجب اشکال و تعقید ہے ۔ اور اس زبان میں ہر قسم کے ذہنی و عقلی مفاہیم و مطالب بخوبی ادا نہیں کئے جا سکتے ۔ لہذا انھوں نے نہایت آسان و مختصر یعنی صرف بائیس حروف ہجا اختراع کئے جن کے سہل الاستعمالی نے اقوام عالم سے قبول عام حاصل کر لیا ۔ تمام تجارتی معاملات و سیاسی مخاطبات اسی ابجد میں ہونے لگے ۔ دوسری اقوام نے بھی اسی ابجد کو اختیار کر لیا ۔ چنانچہ یہودی (عبرانی یا عبری) جسکو فنیقی کا ایک لہجہ سمجھنا چاہئے لیبی ۔ یونانی ۔ اِتیالیکی ۔ و رومی ۔ اِتروسکی ۔ ایبیرسکی ۔ نرونجی وغیرہ زبانوں کے حروف تہجیہ کا ماخذ فنیقی ابجد ہی ہے ۔ یونانی و رومی حروف ہجا کو اقوام افرنجیہ نے اخذ کیا اس طرح موجودہ تمام السنۂ افرنجیہ کے حروف تہجی بھی بالواسطہ فنیقی الاصل ہیں ۔ ہیرودوتوس بیان کرتا ہے کہ فنیقیین اپنے ساتھ یونان میں انواع و اقسام کے صنائع لائے منجملہ ان کے کتابت بھی انہی نے سکھائی ۔ یونانیوں کو اعتراف ہے کہ ہم نے فنیقیین سے سولہ حروف قدموس کے ذریعہ حاصل کئے ۔ سینی بوس اپنی کتاب تمدن قدیم میں لکھتا ہے کہ "یہی فنیقیین ہیں جنھوں نے تمام عالم کو کتابت سکھائی" ہمارے خیال میں (تمام عالم) کی بجائے (عالم غربی) کہنا چاہئے کیونکہ مشرقی آریائی زبانوں پہلوی سنسکرت وغیرہ کی تحریر و کتابت آثوری زبان سے جسے مسماری یا اسفینی (Cuneiform) کہتے ہیں اور آرامی حروف ہجا سے ماخوذ ہے ۔

فنیقی استعمار ۔

فنیقیین کو طول طویل اسفار میں اپنے جہازوں کے قیام اور تجارتی کوٹھیوں کی وسعت و حفاظت کے لئے استعماری ضرورت کا احساس ہوا لہذا انھوں نے اشیا، یوروپ اور افریقہ کے ممالک میں مستعمرات (Colonies) قائم کئے جن کی تصریح حسب ذیل ہے ۔

(الف) اِفرنج (یوروپ) بحر متوسط کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے جزائر قبرص (Cyprus) اقریطش (کریٹ) سیوراده ۔ سکلادس ۔ سیقلاده (Cyclades.) صقلیہ ۔ مالطہ ۔ سردانیہ ۔ کرسیکا بالیاره وغیرہ فونی (فنیقی) مستعمرات (آبادیاں) تھے جن کی ابنیہ و عمارات تجارتی اموال سے گودام بنے ہوئے تھے ۔ ایطالیہ فرانسہ و ایبریا (اسپانیا) کے سواحل پر اور داخل ملک میں ان کے کثیر شہر مارسیل ۔ (Massalia) مالقہ (Malaga) قادس (Gades.) ترشیش وغیرہ آباد تھے ۔ جہاں مال و اسباب سے بار کئے ہوے فنیقی عمائر (بیڑے) لنگر انداز ہوتے تھے ۔ ثراقیہ (Thrace) سے سونا ۔ ایبریا (اسپانیا) سے لوہا سیسا، چاندی، جزائر قصدیر (Cassiterides or Tin Islands) سے رانگ نکال لے جاتے تھے ۔ کیونکہ فن استخراج معادن سے خوب واقف تھے ۔ یونان کے دو صوبے پیلوپونیہ (موریہ) اور اٹیکہ (جو دراصل فونی نام عتیقہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے) میں انہی کی تجارت کی گرم بازاری تھی ۔ فی زماننا تنقیبات (Explorations) اور اکتشافات (Discoveries) سے ثابت ہوا ہے کہ فنیقیین کی بحری تجارت دائرک ترویج سوتج تک ممتد تھی ۔

(ب) افریقیہ ۔ بلاد بربر (Barbary states) مخصوصاً اس کے تمام ساحلی شہروں (قیروان ۔ قرطاجنہ (Carthago) عتیقہ (Utica) قابس (Cabes.) طنجہ (Tingis)) .... سوسہ یا حمامہ (ہید ر و متیا) پر فنیقی استیلال و اقتدار تھا ۔ قرطاجنہ گو آخری لیکن سب سے بڑی فونی نو آبادی تھا ۔ دولت قرطاجنہ نے عالمگیر تجارت و تجارت کے علاوہ ملکی فتوح و انتصارات اس قدر کئے کہ اس کے مقابل مادر فینیقیہ کی بھی کوئی حقیقت نہ رہی ۔ تمام افریقی، اسپانی و افرنجی ممالک جو بحر متوسط کے ارد گرد واقع ہیں اس کے منطقۂ احتلال و انتصار میں آگئے تھے ۔ تصریح کے لئے دیکھو ہمارے مستقبل مضامین قرطاجنہ و حروب فونیہ ۔

ج ۔ آسیا ۔ (اشیا)

اس میں مادر وطن فینیقیہ کے علاوہ ایشیائے کوچک کے شمال و غرب میں ان کی بہت سی بستیاں تھیں مثلاً کینیوم جو بحر بنطش (اسود) کے ساحل پر تھا ۔ بحر قلزم ۔ بحر اریتره (عرب) و بحر ہند کے ساحلی ممالک سے ان کی تجارت ہوتی تھی ۔ اسلئے ان میں فنیقی مستعمرات کا ہونا لازم تھا اس مختصر مضمون میں تفصیل موجب تطویل ہوگی لہذا صرف دو مقام کا کچھ حال لکھا جاتا ہے ۔

عصیون جابر اور اوفیر ۔

توراۃ سے مستنبط ہوتا ہے کہ صوریون (باشندگان صور) کا جہازی بیڑا عصیون جابر بندرگاہ خلیج عقبہ سے ہر تیسرے سال اوفیر کو روانہ ہوتا تھا ۔ جہاں سے حضرت سلیمان کے لئے خالص سونا، نفیس و قیمتی پتھر صندل کی لکڑی اور عطریات لائے جاتے تھے ۔۔ عبرانی میں عصیون جابر (بفتح و کسر عین اور بفتح و کسر با) کے معنی ہیں تیرپشت دیو (دیو کی ریڑھ کی ہڈی) یہ ایک قدیم بندرگاہ تھا جو ارض ادوم میں خلیج ایلانہ یا ایلہ (عقبہ) کے سرے سے پندرہ میل جانب شمال واقع تھا ۔ اب یہ موقع عین الغضیان کہلاتا ہے اوفیر عبرانی میں کثرت و افراط کو کہتے ہیں یہ ایک سرزمین کا نام تھا جس کے جغرافی موقع کی نسبت مختلف رائیں ہیں ۔ کوئی جنوبی عرب کوئی غربی ہندوستان کوئی شرقی افریقیہ (سفالہ) کوئی جزائر ملوک اور کوئی ظفار

عہ توراۃ عہ عزلی عہ عربی کتب میں اعمدۂ ہرقل کو اصنام زہرہ لکھا ہے (Hercules Pillars) تصریح کیلئے دیکھو ہماری کتاب القاموس الجغرافی ۔

(Cape of Good Hope) عہ

عہ موجودہ ادرنہ (Adrianople) کا قدیم نام

عہ جزائر سلی یا کارنوال کا قدیم نام جو برطانیا عظمی کے جنوب کو واقع ہے ۔

د صُحار کو بتاتا ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ اوفیر جنوب غربی یمن میں عَدَن کے قریب واقع تھا
اصل ملک فینیقیہ کے معظم شہر یہ تھے جو قدیم سامی تمدن کے مرکز تھے:۔
صیدون (صَیدا ۔موجودہ) صُور ۔ صَرَفَنْد ۔موجودہ) بیروتہ (بیروت ۔موجودہ) بیبلوس (جِبَیل ۔موجودہ) عَزَّہ ۔ صَمرا ۔ عکّا اُکزِیب ۔ مراثوس (عَمرِیت ۔ اُمرِیت) اَرْوَاد (رُوّاد ۔موجودہ) دورا (طَنطُورہ ۔موجودہ) قلمون اَنتَرادوس (طرطوس ۔موجودہ) بَتَرِیس (بَتَرُون موجودہ) طرابلس الشام وغیرہ ہر شہر کا حال شرح و بسط کے ساتھ آیندہ نمبروں میں آتا ہے ۔

بنی اسرائیل اور فینیقیین ۔

بنی اسرائیل اور فینیقیہ تجارت میں بالکل متحد تھے فِلِسطین سے فینیقیہ کو ضروریاتِ زندگی (اشیائے اَکل و شُرب) روانہ کی جاتی تھیں اور موخرالذکر سے تکلف و تزئین کی چیزیں واپس آتی تھیں مثلاً سونا چاندی عاج (ہاتھی دانت) لنگور اور مور ان کو حیرام شاہ فینیقیہ نے حضرت سلیمان کو ہیکل بَیتُ المَقدِس کی آرایش کے لئے بھیجا تھا ۔ ہمیں صُحُفِ انبیا سے فینیقیہ کے اَوج و عُروجِ تجارت و ملاحت کا حال بہت کچھ مستنبط ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ توراۃ اشعیا اِصحاح (۲۳) میں صور کے متعلق لکھا ہے کہ "جسکے تجار رؤسا ہیں جسکے سوداگر افتخارِ و احترامِ عالم ہیں" حزقیال (حزقیل) اصحاح (۲۷) میں صور کی عالمگیر تجارت، سمندروں پر کامل اقتدار، وسیع تجارت (جہاز رانی) صنائع و حرف، ملکی عظمت و جبروت اور جِدّ و جُہد کا نہایت دلچسپ و خوش آیند حال جو اس کے عہدِ شباب میں تھا، لکھا ہے جو حسب ذیل ہے ۔
(۳) صور سے کہہ کہ اے وہ جو سمندر کے مَدخَل پر واقع ہے اور جسکے (ہاتھ میں) بہت سے جزائر (بحری ممالک) کی تجارت ہے (۴) خداوند یہوہ یوں فرماتا ہے کہ اے صُور (دُخترِ صَیدا) تو کہتی ہے کہ میرا حُسن کامل ہے، تیری سرحدیں سمندروں کے وسط میں ہیں، تیرے بنّاؤں و صنّاعوں نے تیری زیبائی و خوش نمائی کو کامل کیا ہے (۵) وہ سَنِیر[عہ] کے صنوبر تیرے جہازوں کے تختے اور لبنان کے دیودار سے تیرے لئے مستول اور (۶) باشان کے بَلّوط سے تیرے دانڈوں کو بناتے تھے وہ جزائر کتیم[عہ] کے عاج (ہاتھی دانت) سے تیرے مُنَبَّت نشیمن تیار کرتے تھے (۷) مصر کے مہین اور مُطَرّز (بوٹے دار) کتان سے بنائے ہوئے تیرے بادبان لہراتے تھے (آسمانی اور ارغوانی (پارچے

سے جو اَلِیشَہ[عہ] کے جزائر سے لایا جاتا تھا تیرا شامیانہ بنتا تھا (۸) صَیدا اور اَرْوَاد کے باشندے تیرے ڈانڈی تھے اور اے صور تیرے حکما جو تجھ میں تھے وہ تیرے ناخدا تھے (۹) جُبَیل کے مشائخ و عقلا جو تجھ میں تھے تیرے قلاف تھے ۔ سمندر کے سارے جہاز اور ان کے ملاح تجھ میں حاضر تھے کہ تیرے لئے تجارت کریں ۔ (۱۰) فارس (ایران) لُود[عہ] و فُوط کے لوگ تیرے لشکر میں تیرے نبرد آزما تھے وہ سپریں اور خودیں تجھ میں آویزاں کر کے تجھے رونق بخشتے تھے (۱۱) اَرْوَاد کے فرزند تیری فوج کے ساتھ چاروں طرف تیری شہر پناہ پر موجود تھے اور جمّادی (لوگ) تیرے برجوں پر حاضر تھے انھوں نے اپنی سپریں تیرے حصاروں پر ہر جانب لٹکا کر تیرے حُسن و جمال کو کامل کیا (۱۲) تَرشیش[عہ] کی سب طرح کے مال کی کثرت و فراوانی کے سبب تیرے ساتھ تجارت تھی ۔ وہ چاندی لوہا ۔ رانگ اور سیسا لا کے تیرے بازاروں میں تیرے سامان سے تبادلہ کرتے تھے (۱۳) یاوان[عہ] توبال و ماشک تیرے تجار تھے وہ آدمی اور پیتل کے برتن تیرے مال و متاع کے عوض دیتے تھے (۱۴) اہلِ توجرمہ[عہ] نے تیری منڈیوں میں گھوڑوں سواروں اور خچروں کی تجارت کی (۱۵) اہل دَدَان[عہ] تیرے سوداگر تھے ۔ بہت سے بحری ممالک (جزائر) تجارت کے لئے تیرے اختیار میں تھے وہ اس کے عوض ہاتھی کے خمدار دانت اور آبنوس کے ہدایا لاتے تھے (۱۶) اَرام تیرے صنائع کی کثرت کے سبب تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے، وہ بہرمان (گوہر شب چراغ) ارغوانی چکن دوزی اور نفیس و نازک مرجان و یاقوت لا کے تیرے بازار میں لین دین کرتے تھے ۔ (۱۷) یہوداہ اور اسرائیل کے ممالک تیرے سوداگر تھے ۔ وہ منّیت کے گیہوں، پَنّاگ (حلوا) شہد روغن اور بلسان کا تبادلہ تیری متاع سے کرتے تھے (۱۸) اہل دمشق تیرے مصنوعات کی کثرت کے سبب اور قسم قسم کے مال کی بہتات کے باعث حَلبُون کی شراب اور سفید اون کی سوداگری کرتے تھے ۔ (۱۹) دان و یاوان تیرے بازار میں سوت لاتے اور آبدار فولاد تیجات اوبج (قَصَبُ الذَّرِیرَہ) بیچتے تھے ۔ (۲۰) دَدَان تیرا سوداگر تھا کہ سواری کے نفیس چارجامے (زین پوش) تیرے ہاتھ بیچتا تھا ۔ (۲۱) عرب اور قیدار کے تمام رؤسا کا تجھ سے تاجرانہ علاقہ تھا ۔ وہ تجھ سے برّوں مینڈھوں اور بکریوں کی داد و ستد کرتے تھے (۲۲) شبا اور رَعمَہ کے سوداگر تیرے ساتھ بیوپار کرتے تھے وہ سب نفیس و خوشبودار مصالح ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا تیرے بازار میں لا کر لین دین کرتے تھے ۔ (۲۳) حَرّان کِنّہ عَدَن اور شبا اشور اور کِلمَد کے سوداگروں کا تجھ سے معاملہ تھا ۔ (۲۴) یہی تیرے تجار تھے ۔ جو فاخرہ کمخاب

چوغے منقش ارغوانی پوشاکیں اور سب طرح کے بوٹے دار نفیس کپڑے تیری تجارت گاہ میں فروخت کے لئے لاتے تھے (۲۵) ترشیش کے جہاز تیری تجارت کے گیت گاتے تھے ۔ تو سیراب و شاداب تھی اور سمندروں کی ناف میں تجھے مہابت شان و شوکت حاصل تھی (لیکن اب) تیرے ناخدا تجھے بڑے پانیوں میں لے آئے ہیں اور بادِ شرقی (پُروا) نے تجھے سمندروں کے بیچوں بیچ شکستہ کر دیا ہے۔
مذکورۂ بالا مقامات میں سے اکثر کا حال ان کے متعلق ابواب میں لکھا گیا ہے ۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ۔ یہاں باقی ناموں کی تصریح و تطبیق کی جاتی ہے ۔

عہ سَنِیر (Sanir) جبل حَرمُون Hermon کا نام ہے جسکو عربی میں جبل الشیخ کہتے ہیں ۔ ابوالفدا نے لکھا ہے کہ جبل سنیر جبل شرقی (Anti-Lebanon) کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو دمشق کے شمال ہے ۔
عہ کتیم (Chittim) جزیرہ قُبرص یا قبرس (Cyprus) کا نام ہے ۔
عہ الیشہ (Elishah) سے جزیرہ مُورہ (Peloponnese) مراد لیتے ہیں میرے خیال میں الیشہ اور یونانی لفظ ہیلا (Hellas) دونوں ایک ہیں اور ہیلا یونان کا قدیم نام ہے ۔ بعض اصحاب الیشہ کو جزیرہ صقلیہ بتاتے ہیں ۔
عہ لود (Lud) سے لُوبی (اہل لیبیہ) (Libyans.) اور فوط (Phut) سے حَبَشہ (Ethiopians) یعنی حبشی قوم مراد ہے ۔
عہ ترشیش (Tarshish) کا یونانی نام ترتسوس (Tartessus) ہے ابن عاد کی رائے میں ترشیش کے موقع پر اب شہر اشبیلیہ (Seville) آباد ہے ۔ جو الوادی الکبیر (Guadalquivir) پر واقع اور جنوبی اسپین (اندلس) کا مشہور شہر ہے ۔ بعض محققوں کے خیال میں ترتسوس دراصل طرطوشہ ہے ۔
عہ یاوان عبرانی میں اغریق (Greeks) کو کہتے ہیں اسکا نام سنسکرت میں (یَوَن) پالی میں جونہ فارسی میں یونان اور اغریقی میں آیونیہ (Ionia) لکھا ہے ۔ توراۃ میں یاوان یافث کے چوتھے بیٹے کا نام ہے ۔ ماشک (Meshech) اور توبال (Tubal) ایشیائے کوچک میں بحر اسود (Black sea) کے جنوب کو کود بود و باش کرتے تھے ۔
عہ توجرمہ (Togarmah) ارمینیہ (Armenia) کا نام ہے ۔
عہ دَدَان Dadan جزیرہ رودس

… تھے اور جن میں سکونت پذیر تھے ۔ ۱۲

عہ جہاز کے درز بند کرنے والا ۔

بیداری افغانستان

از

(محمد مظہر اللہ صاحب صدیقی)

میرے خیال میں مشرقی ترقیات کی سب سے نمایاں مثال وہ خاموش ترقی ہے جو ملک افغانستان میں نہایت سرعت، باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ اپنے مراحل طے کر رہی ہے۔ بلاد مشرق میں کہیں اور اس بیداری کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

بطور مثال کے ترکی ہی کو لیجیے کہ جو یورپ سے قریب اور ایک مرکز میں واقع ہونے کی وجہ سے اجنبی ممالک کی بوالہوسیوں کا جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ اور یہی چیز اس کی موجودہ ترقی کی باعث ہے۔ تاہم اگر یہ بات پیش نظر ہے کہ اس کو اپنی حالت کے بدلنے میں کامل ایک صدی گذارنی پڑی ہے اور اس نے اپنا جس قدر مال و زر اور انسانی قربانیاں اسکے بھینٹ چڑھائی ہیں اگر اسکا تخمینہ لگایا جائے تو اسکے مقابلہ میں یہ ترقیات کچھ زیادہ نہیں حالانکہ چاہیئے تھا کہ آج سے کم از کم نصف صدی پیشتر وہ بیدار ہو چکا اور اپنی حالت کو درست کر لیا ہوتا۔

یہی حالت مصر کی بھی ہے۔ اس میں شک نہیں اس نے ترقی کے سفر کا طویل حصہ طے کر لیا ہے لیکن اگر ہم اس ترقی کا مقابلہ ان سخت اور مسلسل تجربوں سے جو اس کو حاصل ہوئے ہیں کریں تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ بھی کچھ زیادہ نہیں حالانکہ مصریوں کی ذہانت قابل مدح و ستائش ہے۔

بایں ہمہ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس وقت مشرقی ممالک میں مبارک فال بیداری، اضطرابی حرکت اور متعدد تحریک آزادی رونما ہے۔ لیکن افغانی بیداری اور ترقی کا ذکر کرتے اسکی رفتار بہت دھیمی ہے۔ حالانکہ افغانستان اور ممالک مشرق قریبہ و وسطیٰ کے باشندوں میں بعد المشرقین ہے۔

اگر ہم افغانستان کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائیگا کہ نہ تو اسکا ساحل ہے اور نہ اسکو کوئی ممتاز جغرافی موقع اور حیثیت حاصل نہیں ہے اور نہ اسکو اچھی تجارتی شاہراہیں نصیب ہیں۔ بلکہ ملک کا بیشتر حصہ فلک بوس پہاڑوں سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن یہی ملک ایک کروڑ بارہ لاکھ نفوس کی پرورش کر رہا ہے۔ جو معلومات اہل افغانستان کے متعلق حاصل ہوئے ہیں۔ ان کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں یہ جنگجو اور سخت متعصب مسلمان قبائل تھے جو تخت و تاج کے دعویداروں کی اندرونی خانہ جنگیوں کا شکار بنا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اس ملک پر جنوب کیطرف سے تو شیر برطانیہ منہ کھولے ہوئے تھا، اور شمال کی جانب سے سفید ریچھ (روس) دندان آز تیز کر رہا تھا۔ ان دونوں پڑوسیوں کی طمع بڑھتی جا رہی تھی لیکن وہی تعصب جو اپنے بے موقع استعمال کے باعث مذموم تھا اس لحاظ سے ضرور قابل تحسین تھا کہ اس کے ڈر سے تقریباً ایک صدی تک اجنبی اس ملک کی سرحد کے پاس بھی جانے نہ پاتے اور نہ اس ملک کے کوہستان یا نخلستان پر حملہ آور ہو سکے۔

ایسی صورت میں ان دونوں پڑوسیوں (یعنی روس و انگلستان) کے لیے بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ متفقہ طور پر کوہستانی علاقہ میں اس قوم کا گلا گھونٹیں اور جنوب کیطرف سے اسکا پوری طرح استیصال کریں لیکن اس قسم کی دشواریاں اور رکاوٹیں ترکی، مصر، اور ایران کے لیے نہ تھیں۔ غرضکہ ان دونوں سلطنتوں نے اس ملک میں ترقی یافتہ زندگی کی ہوا تک آنے نہ دی اور دنیا کے دوسرے حصوں میں ترقی اور بیداری کی جو کچھ تحریکات پیدا ہو رہی تھیں اور بیرونی دنیا میں جو کچھ انقلابات رونما تھے ان سب سے اس ملک کو نا آشنا رکھا یہاں تک کہ جس زمانہ میں جنگ عظیم اپنی انتہائی تیزی پر تھی افغانستان میں بجز خاندان شاہی کے چند افراد کے کسی اور کو اس عظیم الشان واقعہ کا علم ہی نہ تھا۔

غرضکہ جنگ عمومی ختم ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کی زندگی کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ یہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے تھے جو انھیں اپنے اور اپنے ملک کے دامن سے ایک بہت بدنما داغ کے دور کرنے کا مل گیا تھا۔

اور وہ داغ یہی بیرونی حکومتوں کی حمایت و مداخلت کا تھا۔ یہ اس وادی میں جو ان کی شکارگاہ تھی اپنے خاندان اور دوستوں کے ساتھ ٹھیرے ہوئے تھے اور اسی جگہ خیمے میں ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔ مشیت خداوندی یہی تھی کہ افغانستان خواب غفلت سے چونکے اور اپنے اور مشرق وسطیٰ کے حالات کو سنبھالے تاج شاہی سے امیر نصر اللہ خاں جو بزرگ خاندان تھے محروم رہے۔ حالانکہ اکثر افغانیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی لیکن یہ اپنی تخت نشینی کے نویں دن ہی معزول کر دیئے گئے۔ اسی طرح امیر عنایت اللہ خاں بھی جن کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ یہ اپنے باپ کے جانشین ہوں گے۔ تاج شاہی سے محروم کر دیئے گئے۔ کیونکہ مقدر میں تو یہ لکھا تھا کہ افغانی تاج امیر مرحوم کے تیسرے فرزند امیر امان اللہ خاں کے زیب سر کیا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اور اسی وقت سے بیداری کی ابتدا ہوئی ہے۔

آج سے دس سال پیشتر یعنی جس دن رعایا نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی امیر امان اللہ خاں نے شیخ الاسلام کے ہاتھ سے تاج لے لیا جبکہ وہ ان کے سر پر رکھنا چاہتے تھے۔ اور اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:—

"برادران من، و ابنائے قوم!
تم مجھے ایک ایسا تاج پہنانا چاہتے ہو جس کی ایک ادنیٰ خصوصیت ذلت و عار ہے
کیونکہ تم جانتے ہو کہ تاج کے اوپر ایک ایسی علامت بنی ہوئی ہے جو افغانستان کی محکومی پر دلالت کرتی ہے لیکن میں اس کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ لہٰذا اگر تم ایک ایسے تاج کیلئے میری اطاعت قبول کرتے ہو جس کی حمایت تم اپنے خون اور خود میرے خون کے ذریعہ کر سکتے ہو تب تو میں ملک و ملت کا وفادار خادم بن سکتا ہوں ورنہ تمہارا تخت و تاج حاضر ہے جس کسی کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو"

اور اسطرح کسی سے گفت و شنید شروع کرنے اور وزراء افغانستان کے لندن میں مارے مارے پھرنے سے قبل ہی اور پیشتر اس کے کہ جانبین میں سے کوئی کسی کے خلاف جنگ آزمائی کرے اسی دن سارے ملک افغانستان کی کامل خود مختاری کا اعلان کر دیا گیا۔ اور یہ ایک ایسی خود مختاری تھی جو غیر ملکی مراعات کی

* مضمون بالا دراصل جناب الف الکندعما کے مضمون "النہضۃ الشرقیۃ الحدیثۃ فی بلاد الافغان" کا جو مصر کے مشہور مجلہ "المقتطف" میں شائع ہوا ہے ضروری اقتباس ہے۔

آلودگیوں سے پاک تھی فوراً ہی ہر قسم کی بیرونی بندشیں ٹوٹ گئیں اور اسی وقت ملک اپنے تاجدار اور اپنے رہنما کے زیر ہدایت جدید اصلاحات کو خوش آمدید کہنے کیلئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور منجملہ ان اصلاحات کے چند حسب ذیل ہیں:-

(۱) **پارلیمنٹ** ۔ دوسرے ہی سال سرکاری طور پر افغانی پارلیمنٹ موسوم بہ دارالشوریٰ کی افتتاح ہوئی۔ جو (۱۱۱) اراکین پر مشتمل تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی پہلی میعاد اراکین کو ان کے عدم تجربہ کے باعث گراں معلوم ہوئی اس لئے کہ اس سے پیشتر ان کو کبھی قومی دفاع کا موقع ملا ہی نہ تھا لیکن شاہ معظم بہ نفس نفیس اسکے جلسوں میں آتے رہے اور ایک بہترین معلم کی طرح ممبران پارلیمنٹ کو استقلال فکر اور آزادی خیال کی تعلیم صبر و بردباری کے ساتھ دیتے رہے اور بادشاہوں میں شاید یہ پہلی مثال ہوگی کہ کسی نے اپنی قوم کی فلاح و بہبودی کیلئے اسقدر جانفشانی سے کام لیا ہو جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانی قوم جو انتخابی اصول اور خود حکومت کرنے کے طریقوں سے بالکل نابلد تھی، ان باتوں سے بہت اچھی طرح واقف ہوگئی۔

(۲) **تعلیم** ۔ علم کا افغانستان میں نام و نشان بھی نہ تھا بجز اس کے کہ وہاں کل صرف ایک مدرسہ تھا جس سے وہاں کے امراء کے لڑکے ہندوستانی اساتذہ سے پڑھ کر نکلتے تھے اور قوم کا بہت بڑا حصہ جاہل محض تھا۔ میں یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتا کہ شاہ معظم نے بطور خود اپنی قوم کو کس قدر توجہ کے ساتھ تعلیم کیطرف رات واہمیت جتلائی۔ خصوصاً جس روز کہ پارلیمنٹ میں جبری تعلیم کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ متعدد مرتبہ آپ نے ایک مقرر کی طرح کھڑے ہو کر ابنائے وطن کے سامنے تعلیم کی اہمیت اور ضرورت بیان کی اور یہ بات ان کے ذہن نشین کردی کہ تعلیم کا بوجھ بار حکومت برداشت کرنے کو تیار ہے۔ علاوہ ازیں لڑکیوں کی تعلیم کی ضرورت پر جس کا معیوب ہونا افغانستان کے ہر کس و ناکس کے نزدیک ایک مسلّم چیز تھی اپنی قوم سے متعدد مرتبہ مناقشہ کر کے ان کو ساکت کر دیا۔ اور بالآخر لوگوں کو اس مسئلہ میں اپنا ہم خیال اگر دل سے نہیں تو جبراً کر ہی لیا۔ غرض اسوقت یعنی سریر آرائی کے دسویں سال ہی یہ دیکھکر تم متعجب ہو گے کہ ابتدائی مدارس کی تعداد افغانستان میں بارہ سو تک پہنچ گئی ہے۔ جنکے پورے اخراجات کی کفیل خود حکومت ہے یہاں تک کہ طلبہ کیلئے درسی کتابیں، کاغذ قلم، دوات وغیرہ تک حکومت بہم پہونچاتی ہے۔ ان مدرسوں کے علاوہ کابل میں سات اور صوبہ جات میں سات کالج ہیں۔ جن کو قائم ہوئے بھی اب نو سال ہو چکے ہیں۔ ان کالجوں میں افغانی، جرمنی، فرانسیسی، ترکی اور مصری، پروفیسر تعلیم دیتے ہیں کسی غیر ملکی پروفیسر کو ملکی پروفیسر پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہر شخص ملک کے مروجہ قوانین کا پابند ہے۔ ان مدارس میں تعلیم کیلئے بخارا اور خیوا سے سیکڑوں طلبہ آچکے ہیں اور یہاں تک کہ خود ہندوستان کے طلبہ ان میں جا کر شریک ہو رہے ہیں

(۳) **مالیہ** ۔ افغانستان میں مالیات ایک بے معنی لفظ تھا۔ اور اسی سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جدید میزانیہ تیار کرنے کا خیال کسقدر دشوار طلب ہوگا کہ جس کو کبھی اس سے سابقہ ہی نہ پڑا ہو، اور جو اس سے واقف ہونا تو درکنار اس کا نام بھی نہ جانتا ہو، لیکن اب معاملہ اس کے برعکس ہے۔ افغانیوں نے اپنی آزادی کے تیسرے ہی سال تک میزانیہ تیار کرنے میں بقدر تجربہ اور مشق حاصل کر لی ہے کہ افغانی وزارت کو بے جا طور پر ایک پیسہ بھی خرچ کرتے ہوئے رعایا کی مخالفت کا خوف ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ انگلستان "جنگی خراج" کے نام سے جو رقم افغانستان کو دیا کرتا تھا اس ملک کی آزادی کے بعد رقم مذکور کی ادائگی سے انکار کرنے کے باعث افغانی خزانہ میں بہت بڑی کمی ہوگی لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اس لئے کہ انگلستان اسطرح کا خراج دیکر افغانستان کی تجارتی درآمد و برآمد پر سخت چنگی قائم کرکے اسکا بدل کر لیا کرتا تھا۔ اب یہی چنگی دوگنی بلکہ چوگنی ہو کر افغانیوں ہی کی جیب میں پہونچتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ حکومت کی آمدنی جو تیس لاکھ پونڈ (یعنی ساڑھے چار کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ نہ تھی آزادی کے نویں سال تک اسّی لاکھ پونڈ (یا بالفاظ دیگر بارہ کروڑ روپیہ) تک پہنچ چکی ہے جس میں سے پندرہ لاکھ پونڈ (یعنی سوا دو کروڑ روپیہ) سالانہ سے زیادہ رقم صرف سررشتۂ تعلیمات کیلئے مخصوص کر دی گئی ہے۔

(۴) **دفتر خارجیہ** ۔ گذشتہ زمانہ میں افغانستان کا محکمۂ خارجیہ بالکل مختصر سا تھا جس پر ایک مہتمم سرکاری کاغذات کی حفاظت کیلئے مقرر تھا۔ لیکن اس مختصر سے محکمہ نے اب بہت بڑی وزارت کی شکل اختیار کر لی ہے جس کی ایک عظیم الشان عمارت بھی ہے۔ اور اسکے سولہ شعبے اور گیارہ دفاتر ہیں۔ سب سے پہلا کام جو اس وزارت نے کیا وہ یورپ، مشرق قریب اور مشرق بعید کیطرف سفراء کا بھیجنا تھا۔ چنانچہ آج بیرونی ممالک میں افغانستان کی نو سفارتیں اکیس قونصلخانے مصروف کار ہیں۔ افغانی اگرچہ بین الاقوامی معاملات کے متعلق کماحقہ تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ تاہم خارجی حکومتوں کی پر فریب سیاست کا جادو افغانیوں پر کارگر نہ ہو سکا۔ سال حال کے موازنہ میں مصر میں ایک افغانی سفارت کے قیام کے لئے بھی گنجائش نکالی گئی ہے اور توقع کیجاتی ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان اس سفارت کے قیام کے متعلق گفت و شنید جلد ختم ہو جائیگی۔

(۵) **صنعت و حرفت** ۔ افغانیوں کی خاموش جد و جہد ہی ان کی ترقی کا اصلی راز ہے۔ ان کو آزاد ہوئے آٹھ سال بھی نہ ہوئے کہ ملک میں آہنی اشیاء بنانے والی فیکٹریاں، سامان جنگ اور طیارے بنانے والے، سوتی اور اونی کپڑے کے کارخانے۔ تار برقی و ٹیلیفون اور دیا سلائی کے کارخانے، اعلیٰ پیمانہ پر مکمل صورت میں قائم ہو چکے ہیں۔ اور اسطرح افغانیوں کو ان چیزوں کو باہر سے خرید نے کی ضرورت نہیں رہی ہے اور کروڑوں پونڈ جو دوسروں کی جیبوں میں پہنچ جاتے تھے اب افغانستان ہی کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں۔ معدنیات کا حال بھی سنئے کہ پہلے تو یہ کل کی دولت کیطرح زمین کی گہرائیوں میں پوشیدہ تھیں۔ لیکن اب حکومت نے امریکی اور جرمنی ماہرین فن کی نگرانی میں ان معدنیات کو برآمد کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ سال گذشتہ امریکہ کی تجارتی منڈیوں میں تین سو من لاجورد فروخت کیا گیا اور اب نہایت کوشش کے ساتھ پٹرول کی تلاش ہو رہی ہے۔ اسی طرح کوئلے کی کانوں کا بھی پتہ لگ چکا ہے جس سے سالہا سال تک فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یہی حال تیل اور یاقوت کا ہے۔ جو افغانستان کے بہترین قدرتی دولت و ثروت میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ برآمد میں زیادہ اہم چیز آستراخانی فر ہے۔ جس کو افغانستان میں قرہ قولی کہتے ہیں۔ جو سالانہ دس لاکھ کھالوں سے کم حاصل نہیں ہوتا اور ہر ایک کھال کی قیمت دو تین پونڈ کے قریب ہوتی ہے۔ یہ کھالیں براہ راست نیویارک اور لندن کے بازاروں میں فروخت ہوتی ہیں۔ یورپ میں افغانستان کے طلباء کے مختلف گروہ ہیں۔ جن کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے ان میں سے صرف پانچ طالب علم طب کی تعلیم پا رہے ہیں۔ تین انجینئری کی اور باقی سب کے سب علمی اور عملی صنعتی تعلیم میں منہمک ہیں۔ برخلاف اس کے دیگر مشرقی ممالک کے طلباء کی حالت یہ ہے کہ ہزاروں میں سے معدودے چند ہی ایسے ہوں گے جن کو صنعتی تعلیم سے دلچسپی ہو۔

فوجی قوت ۔ افغانستان میں اسوقت، جاپان، ترکی کے بعد مشرقی دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور منظم اور آراستہ فوج ہے۔ زیادہ تر ترک افسر جنگی تربیت دیتے ہیں۔ بری قوت کے علاوہ ہوائی بیڑہ بھی افغانستان کے پاس بہت اچھا ہے۔ یہ جہاز اکثر روس سے خریدے گئے ہیں جو سب سے بہتر مانے جاتے ہیں۔ افغانستان کی فوجی قوت کا بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ سرکاری اعداد و شماری ہمیں معلوم نہیں مگر یہ یقین ہے کہ ملک کی حفاظت کے لئے وہ بالکل کافی ہے نظامی فوج کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو مگر جنگ کے وقت زیادہ ہو جاتی ہے۔ افغانستان کی آبادی ایک کروڑ بارہ لاکھ خیال کیجاتی ہے۔ اس میں سولہ برس سے (۶۵) برس تک کے تمام مردوں کو سپاہی سمجھنا چاہئے۔ جنگجوئی اس قوم کے خمیر میں ہے۔ خودداری اور آزادی پر وہ ہمیشہ جان دیتی رہی ہے جب انگریزی فوجوں نے کابل فتح کیا تھا تو اسوقت کوئی منتظم فوج موجود نہ تھی۔ لیکن معمولی باشندے ہی فوج بن گئے۔ اور اپنی ملک کی آزادی کو غیروں کے ہاتھ سے بچا لیا۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ افغانی عورتیں بھی ایسی بہادر ہیں کہ اگر ضرورت پڑے تو ہتھیار اٹھا سکتی ہیں۔

اب رہی افغانستان کی سیاست تو یہ اسقدر صاف ہے کہ اس میں کسی قسم کے خوف، مکر اور ریاکی۔

آمیزش نہیں بلکہ افغانی قوم ہر وقت اپنے بادشاہ کی زبانی اعلان کرتے رہتی ہے کہ وہ ایک مشرقی قوم ہے جسکو دوسری مشرقی اقوام کا پاس لحاظ ضروری ہے۔ یہاں تک کہ افغانستان نے جب روس کے ساتھ معاہدہ کیا تو اس میں اس نے ایک شرط یہ بھی لگا دی تھی کہ بخارا اور خیوا پوری طرح سے آزاد رہینگے۔ اس شرط کو تسلیم کرنے پر روس مجبور بھی ہوگیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے بخاریوں کی جہالت سے فائدہ اٹھایا۔ اور خود بخاریوں سے ایک دستاویز اس مضمون کی لکھوائی کہ وہ روس کی حکومت سے راضی ہیں۔

افغانیوں کے عادات و اخلاق میں بھی بڑا انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔ اور فرزانگی، سکون اور صبر و استقلال کے ساتھ ترقی کیلئے جد و جہد کرنا ان کا شعار ہوچکا ہے۔ اکثر افغانیوں نے یورپی ٹوپیاں پہننا شروع کردی ہیں۔ اور کسی مولوی نے یہ نہ کہا کہ یہ دین کے خلاف ہے۔ اسی طرح آج کل عورتوں کو بے نقاب ہونے کی بھی وہاں ممانعت نہیں۔

اس طرح کا انقلاب درحقیقت کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ بغاوتوں اور شورشوں کو روکنے کے لیے بعض مرتبہ سختی سے کام لیا گیا۔ اور یہ سب کچھ کارنامے اس بے نظیر مصلح بادشاہ کے ہیں جس نے ایک مردہ قوم میں بیداری کی روح پھونکدی ہے۔ جو شاہی رسم و رواج کو بالا طاق رکھکر اپنی قوم کی خدمت گذاری کیلئے تیار ہوگیا اور تخت شاہی سے ایک درجہ نیچے اتر کر بذات خود رئیس وزراء کی خدمت بھی انجام دینے لگا۔ میں نے بچشم خود اس ذی عظمت بادشاہ کو رعایائے کابل کے ایک مجمع میں تقریر کرتے دیکھا ہے جس میں آپ نے اپنے جنوبی دورہ کے واقعات اور حالات بیان کئے تھے۔ اسوقت آپ بالکل معمولی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اور بلا مبالغہ کامل دو گھنٹے پانچ منٹ تک اپنی زبردست آواز میں تقریر کرتے رہے اور دوران تقریر میں آپنے سمہ برابر بھی تھکن و بیزاری کا اظہار نہ کیا۔ یہ تقریر بظاہر تو سفر کے حالات اور واقعات سے متعلق تھی۔ لیکن درحقیقت یہ ایک درس تھا۔ جو ابنائے وطن کو ان کے ذاتی حقوق اور وطنی فرائض سے پوری طرح واقف کرنے لئے دیا گیا تھا۔ یہ مصلح بادشاہ ہمیشہ اپنے قوم کی فلاح و بہبودی کی دھن میں لگا رہتا۔ اور روزانہ کسی نہ کسی طرح قوم تک اپنے اصلاحی خیالات پہونچاتا رہتا ہے۔ اگر ہم اس بادشاہ کی عظیم ترین شخصیت پر تنقیدی نظر ڈالو تو تمھیں یہ دیکھکر کس قدر تعجب ہوگا کہ نہ تو اس میں انانیت کی بو باس ہے۔ اور نہ تکبر و غرور کا شائبہ اسکا کسقدر اندازہ ان الفاظ سے ہوسکتا ہے۔ جو آپ بہت اپنی تقریر و تحریر میں فرماتے رہتے ہیں کہ:- میں بہ ادب یہ عرض کردونگا کہ میں اور میری اولاد تمہارے عروج و ترقی کی راہ میں اپنی جانیں فدا کرنے کو ہر وقت تیار ہے۔

میرے نزدیک تو مشرقی ممالک میں موجودہ ترقیات کی بہترین مثل درحقیقت افغانستان ہی ہے۔ اور اسطرح سے قومیں زندہ ہوتی ہیں۔

اقوام کی فہرست میں ہندوستان کا درجہ ہندوستانی ذہنیت کے مہتم بالشان کارنامے

فلسفی مذہب کی ابتداء

سیاست، فن اور ادب میں اس کا حصہ

از

ابو المکارم فیض محمد صاحب صدیقی

برطانیہ اور ہندوستان میں (۱۷۰) سال سے تعلق قائم ہے۔ سنہ ۱۸ء کے بعد سے ماہرین علوم مشرقیہ نے ہندوستانیوں کے طرز زندگی اور تاریخ کے متعلق کافی مواد جمع کرلیا ہے۔ جو کسی زمانہ اور کسی حالت میں بھلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن چونکہ یہ سب حالات انگریزی زبان میں نہیں بلکہ مشرقی زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے سوائے چند انگریز محققین کے یہ حالات کسی پر واضح نہیں ہیں۔

مغربی اقوام فلسفہ، سائنس، حسن کاری اور دیگر شعبات میں یونانیوں کے خوشہ چین ہیں۔ اسکے بیشمار ثبوت دیئے گئے ہیں لیکن نکتہ رس محققین نے اس بات کو بھی پایہ ثبوت تک پہونچا دیا ہے کہ علاوہ یونان کے دو اور ایشیائی ممالک ایسے بھی ہیں جنھیں مبداء علم و عمل بننے کا فخر حاصل ہوچکا ہے۔ یہ چین اور ہندوستان ہیں۔ اب ہم ان تینوں ممالک کو سامنے رکھکر اندازہ لگائینگے کہ تاریخ تمدن میں ہندوستان کا کیا درجہ ہے۔

یونانی ذہنیت

(۱) ہومر کے مشہور رزمیہ نظموں الیڈ اور اڈیسی سے یونانی دماغوں کی پیداوار کی ابتدائی فصل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دنیا کی تمام قابل ہستیاں اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ یہ نظمیں وضاحت، دلچسپی اور قوت تخیل کا بہترین مرقعہ ہیں اور ادب میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔

نویں صدی قبل مسیح میں جبکہ ہومر کی نظموں کا آوازہ گونج رہا تھا ہندوستان نے بھی ایک ایسا زبردست کارنامہ پیش کیا جس میں اگرچہ نسبتاً کسیقدر کم آنچ پائی جاتی ہے تاہم اسکو یونانی رزمیہ نظموں کا ہم پلہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا اشارہ "رگ وید" کیطرف ہے۔ یہ بڑی نظم ہزاروں دعائیہ اور مذہبی نظموں کا مجموعہ ہے جنکو پجاری قربانی چڑھاتے وقت دیوتاؤں کی یادگار میں گایا کرتے تھے۔ یہ ابتدائی زمانہ بہت جامعیت رکھتا ہے۔ اور جو اپنے زمانہ کی آپ تاریخ ہے۔ اور حقیقت میں دنیا کے ادب لطیف میں ممتاز جگہ پانیکا مستحق ہے۔ بنابریں ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر رگ وید کو ہومر کی مشہور رزمیہ نظموں کا ہم پلہ تصور کیا جائے تو کوئی غلطی نہیں ہوگی۔

(۲) تمدن کے ابتدائی دور میں موسیقی کی تعلیم ہندوستان میں عام ہوگئی تھی اور لوگ اس میں کافی مہارت حاصل کرنا اپنا فرض تصور کرنے لگے تھے۔ رگ وید کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آٹھ سو سال قبل مسیح ہندوستان میں مختلف قسم کے آلات موسیقی موجود تھے۔ قربانی چڑھانے والوں کے تین طبقہ ہوتے تھے جن میں سے ایک گانے والوں کا طبقہ ہوتا تھا۔ جس کو "اُدگاترس" کہتے ہیں۔ دوسری وید یعنی سام وید میں وہ تمام گانے درج ہیں جنکو اُدگاترس گایا کرتے تھے۔ اس سے متعلق ہم کو کئی ایک سال بھی دستیاب ہوئے ہیں جو نوجوان اور بتدی اُدگاترس کیلئے تیار کئے گئے تھے۔ اس ابتدائی زمانہ سے ہندوستان میں موسیقی کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

سائنٹفک قواعد

(۳) اس زمانہ میں یعنی آٹھویں صدی میں [illegible] نے ایک سامی حرف کو بابلونیا سے ہندوستان لایا۔ ہندوستانی پجاری جنھوں نے اپنے مدارس میں زبان سنسکرت کی کافی تعلیم پائی تھی غیر زبان کے اس حرف کو فوراً اپنا لیا۔ اس زمانہ سے یعنی ارسطو سے پہلے جو مغربی قواعد کا علمبردار تھا ہندوستان

India's Place among Nation. بمبئی کرانیکل - ۱۱ دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

میں سائنٹفک قواعد کا رواج پڑا۔ اسطرح سے فن لسانیات میں ہندوستان کا خاص درجہ ہے۔

تاہم دیگر علوم و فنون میں ہم یونانیوں کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ ناطق علوم کا سرچشمہ یونان ہی ہے جس سے بیشمار نہریں اُبل اُبل کر سارے عالم کی علمی فضاء کو سرسبز و شاداب بنا رہی ہیں۔

(۴) جب ہم یونان، ہندوستان اور چین کو سامنے رکھکر ان کے مدارج کا اندازہ لگاتے ہیں تو ایک اور بات ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان تینوں ممالک میں علحدہ علحدہ طور پر سکے ڈھالے گئے چینیوں نے سنہ ۔۔ ق م میں، یونانیوں نے سنہ ۔۔ ق م میں اور ہندوستانیوں نے سنہ ۔۔ ق م میں سکے ڈھالے۔ دوسرے سکہ جات انہی سکوں کے نمونہ اور وضع کی ارتقائی صورت ہیں۔ سکوں کی ایجاد کسی معمولی ذہنیت کا کام نہ تھا۔ ہر سمجھدار شخص یہ پکار اُٹھے گا کہ تاریخ تمدن میں ان تینوں ممالک کی برتری قابل تسلیم ہے۔

(۵) ہندوستان کے حکمران بالعموم طاقتور مالدار اور صاحبدل گذرے ہیں۔ چنانچہ فلنٹن لکھتا ہے:-
"شاندار مشرق اپنے مالدار ہاتھوں سے اپنے حکمرانوں پر موتی اور سونے کے پھول نچھاور کرتا ہے"

ہندوستانی جمہوریت

واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ پانچویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں شمالی ہند میں بہت ساری جمہوری سلطنتیں قائم ہوگئی تھیں۔ کیا ہم اس سے ہندوستانی ذہنیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟ بدھ کی جوانی کے زمانہ میں اسکا باپ سدھودنا ساکیہ قوم کی جمہوریت کا سردار تھا جس کا دارالخلافہ کپلاوستو، گورکھپور کے شمال میں واقع تھا۔ جو اب نیپالی سرحد میں داخل ہے۔

+ اور دوامی جمہوریت کی طرح وہ حکومت امراء کی [illegible] قابل نہیں۔

(۶) ساتویں صدی قبل مسیح کا یہ خیال کہ نیکی اور بدی کا بدلہ اسی زندگی میں ملیگا نا قابل اعتبار ٹھہرایا گیا کیونکہ غور و فکر کرنے والی ہستیوں نے اسکی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

اسکے لئے ضرورت ہوئی کہ آرام اور تکلیف کے متعلق کوئی نظریہ قائم کیا جائے چنانچہ غور و فکر کرنیوالا ایک ہندوستانی جو وحشی اور ناشائستہ اقوام کی ہمسائیگی میں رہتا تھا ان کے اعتقاد سے یعنی یہ کہ انسان کے مرنے کے بعد اسکی روح، جانور، پہاڑ یا درخت کی صورت میں معمورۂ عالم پر نمودار ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کو حل کر لیا۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال کا بدلہ اسے اسی زندگی میں نہیں مل سکتا جس میں کہ وہ اعمال اس سے سرزد ہوئے ہوں لیکن اگر روح ایسی زندگیوں کے ایک سلسلہ کو پورا کرے تو کیا یہ اپنے ماقبل کی زندگی کا بدلہ نہیں دے سکتی؟ اس سوال نے مسئلہ تناسخ کی بنا ڈالی اور یہ خیال بہت جلد ترقی یافتہ صورت اختیار کر کے ہندوستانی ادیان کا ایک جز خاص بن گیا۔

بدھ مت کے پیرؤں اور ہندوؤں کی تعلیمات نے اس بھڑکتے ہوئے شعلہ کے لئے چنگاریوں کا کام کیا اور وسطی اور مغربی اشیاء کی فضاء اس کی لَو سے متاثر ہوگئی۔ لیکن افغانستان، پرشیا اور بابلونیا کے سرد ممالک نے اس گرمی کو قبول نہ کیا۔

چھٹی صدی عیسوی قبل مسیح میں یونان کی سرزمین میں اسی قسم کے ایک اعتقاد کی نشو نما ہوئی لیکن صرف فیثا غورث، افلاطون اور چند لوگوں نے اس اعتقاد کی پیروی کی لیکن یہ اعتقاد بہت جلد دور ہوگیا۔ اندلس کے مغربی حصہ کے ممالک نے تناسخ کے اعتقاد کو بہت کم قبول کیا البتہ اکاڈ کا آدمی اسکا حامی تھا۔

فلسفیانہ مذاہب

(۷) یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ یونان، ہندوستان اور چین میں فلسفہ کی نہریں ایک ساتھ اُبلنا شروع ہوئیں لیکن نازک خیالی کا بیج سب سے پہلے ہندوستان کی زرخیز زمین میں بویا گیا۔ تاہم ان تینوں ممالک میں فلسفہ کی فصلیں ایک ساتھ کاٹی گئیں، چین میں کنفیوشس ہندوستان میں بدھ اور یونان میں فیثاغورث نے اپنے خیالات کی نشو نما میں کافی حصہ لیا ہے۔

یونان نے فلسفہ کی دنیا میں جو کام کیا ہے وہ واقعی قابل قدر ہے۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تمدن پر اسکا بڑا احسان ہے۔ لیکن اس غیر معمولی کام کے علاوہ ہندوستان کے فلسفی مذہب کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے جو نہ صرف ہندوستان کی چار دیواری میں ہی محدود رہا ہے۔ بلکہ وسطی اور مغربی ایشیاء کو بھی فائدہ پہونچاتا رہا ہے۔ چینی فلسفہ نے بھی کوریہ اور جاپان کو لاثانی جھلک دکھلائی ہے۔

(۸) یہ تناسخ کے خلاف ردعمل ہے جس نے ہندوستان میں فلسفی مذہب کی بنا ڈالی ہندوستان میں کسی نے اس کے خلاف کچھ نہ کہا تھا۔ بلکہ سبھوں نے دوسری زندگی کے شوق میں قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس لامتناہی پیدائشی سلسلے اور گناہوں کے عذاب کے تخیل نے غور و فکر کرنے والی ہستیوں کو سوچ بچار میں ڈالدیا اس کے بچاؤ کا کوئی راستہ ہونا چاہئیے؟ اگر ہم بار بار پیدا ہونگے تو پھر اس سے چھٹکارا کیسے مل سکتا ہے؟ یہ حقیقت میں ایک اعلیٰ تحریک تھی جس کا تعلق بالراست روحانیت سے ہے اس سے ہندوستانی اعلیٰ ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔

بچاؤ نجات کے طریقے

معافی کے بہت سے طریقے تبلائے گئے ہیں جن کو ہم یہاں بیان کرنے سے مجبور ہیں۔

ہندو مذہب نے معافی کے اچھے طریقے تبلائے ہیں وہ دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ دلچسپ ہیں۔

صدیوں قبل سے لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ دیوتاؤں کے دائرہ سے باہر بھی کوئی ذات ہے جو واحد ہے کل ہے اور مبدا ہے سارے عالم کا۔ تمام انسانوں سے اسکا تعلق ہے۔ اور وہ کسی خاص طبقہ کیلئے مخصوص نہیں اس کے بعد اس ہستی کو آتمان نام دیا گیا یعنی سارے عالم کا مالک کہا گیا۔ اور جو بعد میں ہندو مذہب کے لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا قرار دیا گیا، ان کا مسلک یہ ہے "تو وہ ہی یعنی تیری ہستی سب سے بالاتر ہے" اور جو شخص اس ہستی پر ایمان لائیگا دوسری زندگی سے اس کو نجات ملیگی۔

اپانی شادس میں نجات کے بیشمار طریقے تبلائے گئے ہیں اور عالموں کا یہ خیال ہے کہ یہ بہت زبردست ادبی کارنامہ ہے۔ اس میں کہیں کہیں ہیرو عقائد کی جھلک بھی نظر آتی ہے اور بعض جگہ یونانی فلسفیوں کا رنگ بھی عریاں نظر آتا ہے۔ اور اکثر جگہ فلاطون کے خیالات کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس مہتم بالشان ہستی کے اثر نے صدیوں تک ہندوستان کے دل دماغ پر حکومت کی ہے اگرچہ اسوقت ہندوستان میں اسکا کوئی خاص اثر باقی نہیں ہے تاہم ہندوستان کے باہر یعنی سیلون، برما، سیام، چین، کوریا، جاپان، اور تبت، منگولیا، اور منچوریا میں اب بھی اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ بدھ کی ہستی واقعی ہندوستان کی برگزیدہ ہستیوں سے ہے۔

(۹) ایک دوسرا تعلق جو یونان، ہندوستان اور چین میں پایا جاتا ہے وہ منطق کی تحقیق ہے منطق جو آج تمام دنیا کی جامعات میں منطقی تعلیم کا جزو لاینفک ہے ارسطو کی عالمانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے۔

دیوا اور دیوی کی پرستش

تیسری صدی قبل مسیح میں منطق کی تعلیم کیلئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا جس کی تاریخ آجتک چلی آتی ہے سنہ ۔۔ ق م ڈگ ناگا نے جو بدھ مت کا پیرو اور علم منطق کا زبردست ماہر تھا۔ بحث کے مختلف طریقوں کو پیش کیا ہے۔ ایک ہندوستانی عالم کا خیال ہے کہ ڈگ ناگا نے اس علم کے حاصل کرنے میں یونانیوں کی خوشہ چینی کی ہے۔ لیکن اس کا کوئی مستند ثبوت موجود نہیں ہے۔

چین میں بھی لوگوں نے منطق میں کافی جدوجہد کی ہے اور انھوں نے بہت سے منطقی مسائل بھی تیار کرنے تھے لیکن فیصلہ و تجزیہ تک ان کی پہنچ نہیں ہوئی۔

(۱۰) ہندوؤں کے آریائی آبا و اجداد کے پاس دیول اور بت نہ تھے۔ جیسا کہ رگ وید سے ظاہر ہوتا ہے لیکن ۲۰۰ ق م میں دیوا اور دیول کی پرستش کو ہندومت نے لازمی قرار دیا اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں ہندوستان کا ایک بڑا حصہ اسکا حامی بن گیا۔

ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں بلکہ ہم صرف یہ تبلانا چاہتے ہیں کہ قدیم زمانہ کے شہروں کیطرح ہندوستان میں بھی دیوا اور دیول کی پرستش عام تھی جسکی وجہ سے فن معماری، بت تراشی اور مصوری میں خاص ترقی ہوگئی۔ ہندوستان میں تمام علوم و فنون کی ابتدائی چوتھی صدی۔

قبل مسیح سے ہوئی ہے۔ معماری اور بت تراشی نے ہندومت جین مت اور بدھ مت کے دیولوں اور یادگاروں میں جنم لیا ہے۔

باوجود اس قدر جنگ وجدل کے جو گذشتہ صدیوں میں ہوئے ہندوستان میں اب تک بھی اس زمانہ کی حکاری کے اعلیٰ ترین نمونے اپنے حسن اور قدر وقیمت کے ساتھ باقی ہیں۔ حال ہی میں یورپ اور امریکہ کو ان پوشیدہ خزانوں کا علم ہوا ہے جو ان کے واقعات سے اپنے صیفۂ ادبیات کو مالا مال کر رہے ہیں۔

رزمیہ شاعری

مزید برآں مشرق کا ہر ایک قطعہ جو ازمنۂ وسطیٰ میں بدھ مت اور ہندومت کے اثرات سے متاثر ہوا ہے اپنے زمانہ کے مذہب اور آرٹ کو معماری اور بت تراشی کے بیش بہا نمونوں کے ذریعہ گذرنے والے مسافر کی عقل کو حیران کر دیتا ہے اس سلسلہ میں چین اور جاپان قابل ذکر ہیں اب ہم دوسروں کا ذکر کرینگے۔ کمبوڈیا حسن کاری کے اعلیٰ ترین نمونوں سے مزین ہے۔ اور ہر لحاظ سے مشرقی جامہ پہنے ہوئے ہے۔ جاوا کے بت اپنے بنانے والوں کی جودت طبع کی پوری پوری داد دیتے ہیں۔ ایشیا کے اکثر ممالک نے مصوری کے بھی اعلیٰ ترین نمونے پیش کئے ہیں۔

(۱۱) ہومر کی نظموں کے پانچ صدی بعد یعنی چوتھی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں رزمیہ شاعری کی بنا پڑی۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان کی رزمیہ نظمیں کسی طرح یونان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتیں لیکن ایک اعتبار سے دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔ مثلاً مہابھارت میں ایلیڈ کیطرح جنگ کا ذکر ہے۔ اور رامائن میں اوڈیسی کیطرح آوارہ وطنی کا قصہ درج ہے۔ اگرچہ فنی اعتبار سے یونان کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم ان میں ایک عجیب وغریب خصوصیت پنہاں ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستانی مذہب کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور ہر ایک رزمیہ نظم اپنا رنگ جدا رکھتی ہے۔ مثلاً مہابھارت میں کرشن اور رامائن میں رام۔ نہ صرف یہی بلکہ ان میں جو ڈرامائی خصوصیت ہے۔ وہ شاعروں سے لیکر کسانوں پر یکساں واضح ہے

قدیم جامعات

(۱۲) ابتداً ہندوستان میں جو مکتب قائم تھے ان کا مقصد نوجوان برہمنوں کو تعلیم دینا تھا۔ تاکہ قربانی کی رسومات سے وہ اچھے واقف ہو جائیں۔ کھتری، برہمن اور ویش تینوں مذہب کے نوجوانوں کو ان مدارس میں تعلیم دیجاتی تھی تاکہ کوئی لڑکا ادبی اور مذہبی تعلیمات سے ناآشنا نہ رہ جائے لیکن بعد میں جبکہ قانون حکومت، جنگ، طبابت، عروض، شاعری، ریاضی اور دیگر علوم کی تعلیم ضروری محسوس ہونے لگی تو ہر مضمون کیلئے خاص خاص مدارس کا افتتاح ہوا۔

بالآخر چوتھی صدی قبل مسیح کے اختتام پر ٹکسلہ میں ایک بڑی جامعہ قائم ہوئی جہاں ہندوستان کے ہر ایک گوشہ سے نوجوان طالب علم حصول علم کے شوق میں کشاں کشاں چلے آتے تھے سن عیسوی کی ابتداء کے بعد ہندوستان میں وہ اور جامعات قائم کیگئیں ایک بہار میں مقام نالندا پر اور دوسری دریائے گنگا کے کنارے وکرما سیلا پر ان جامعات سے نہ صرف ہندوستان کے نوجوان ہی مستفید ہوتے رہے بلکہ مشرق کا ہر ایک حصہ جہاں بدھ مت کا چرچا عام تھا ان مبدءِ علم وفضل سے ہمیشہ فیضیاب ہوا ہے۔ سنہ ۱۱۰۰ء میں ان جامعات کو ایشیا اسطرح قدر کی نگاہوں سے دیکھتا تھا جسطرح ازمنۂ وسطیٰ میں یورپ، بالگونا، پارس اور آکسفورڈ یونیورسٹی کی قدر کرتا تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان واقعی ایشیا کی آنکھ کا تارا تھا۔

سنہ ۲۰۰ء کے بعد بدھ مذہب کے زائرین مختلف مقامات سے بدھ مت کے مقدس مقامات کی زیارت کو بیشمار تعداد میں آئے۔ دس سال قبل جب میں بدھ گیا کو دیکھنے گیا تھا تو اسوقت ایسے لوگوں سے بھی وہاں ملاقات ہوئی جو سات سمندر پار کر کے بدھ گیا کی زیارت کو آئے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بدھ کی نیکی کا نور عالم کی آنکھوں میں اب تک سمایا رہا ہے۔

(۱۳) ہندوستان کی قدیم جامعات کا ذکر کرتے وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی تعلیم گاہوں پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ افلاطون نے مقام ایتھنز پر ایک تعلیم گاہ قائم کی تھی جسکے اصول وفروع نے یورپین جامعات کیلئے مشعل ہدایت کا کام دیا ہے۔ اسکا خاص مقصد اپنے ملک والوں کو تربیت دینا اور ان تمام مذہبی اور سیاسی سوالات کو حل کرنا تھا جو چوتھی صدی قبل مسیح یونان اور ایتھنز میں مشکل تصور کئے جاتے تھے اسی قسم کی ایک مشابہ تعلیم گاہ اسوقت مشرقی بنگال میں ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹاگور کے زیر سرپرستی قائم ہے۔ اسکا اصلی مقصد ہندوستان کے نوجوان دماغوں کو تعلیم وتربیت دینا ہے اور ان تمام مذہبی سیاسی اور تعلیمی مسائل کو حل کرنا ہے۔ جو آج ہندوستان کی بڑی بڑی شخصیتوں پر اپنا بوجھ ڈال رہے ہیں۔

ڈرامائی آرٹ (تمثیلی فن)

(۱۴) انگلستان اور یونان کیطرح ہندوستان میں بھی ڈرامائی آرٹ موجود ہے لیکن اسکا اسلوب دونوں سے مختلف ہے یونان اور انگلستان کیطرح ہندوستانی ڈراموں میں ٹراجیڈیکا عنصر نہیں پایا جاتا برخلاف اسکے ہر ایک ہندوستانی ڈرامے کا اختتام پر لطف ہوتا ہے۔ کالیداس کا ڈراما شکنتلا ڈرامائی اور شاعری اعتبار سے ایک شہ کار ہے۔ انگریزی زبان میں اسکا ترجمہ ہو گیا ہے۔

(۱۵) یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کسی شہر کی صنعت وہاں کے لوگوں کی عملی ذہنیت اور جمالی حسن کا پتہ دیتی ہے اسی نقطۂ نظر سے ہم ہندوستان کی صنعت وحرفت کو دیکھیں گے عیسیٰ کی پیدائش کے قبل یہ لوگ جب یونانیوں سے پہلی دفع ملے ہیں اونی کپڑے زیب تن کیا کرتے تھے اسی زمانہ میں یہ لوگ مہین ریشمی اور رنگین پوشاک مصر کی عورتوں کیلئے روانہ کرتے تھے اور بعد سلطنت رومانیہ کی بھی اس سے سربراہی کیگئی کیونکہ وہاں اسکی مانگ زیادہ تھی اس سے معلوم ہوا کہ مشرق اس زمانہ میں صنعت وحرفت میں ید طولیٰ رکھتا تھا جسکے کہیں دو ہزار سال بعد مغرب نے کپڑا بننا سیکھا۔

ہندوستان کی مہتم بالشان ہستیاں

(۱۶) ہندوستان میں نمائندگی کی جماعت بالعموم ۵ آدمیوں پر مشتمل ہوا کرتی ہے جسکو پنچایت کہتے ہیں اس موقع پر کیا یہ بہتر ہوگا کہ ہندوستان کے کارناموں کی فہرست تیار کرتے وقت اسکے پیدا کردہ بڑے آدمیوں کی پنچایت بھی مقرر کر لیجائے؟

۱۔ بدھ جی (۵۶۰۔۔۔۴۸۰ ق۔م۔) ہندوستان کی زبردست شخصیت ہے۔ بدھ نیک، رحمدل اور محبت بھرے دلکا انسان تھا۔ بلاشبہ اسکے کارنامے ہندوستان میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

۲۔ اشوک ۲۷۳۔۔۔۲۳۲ ق۔م۔ ہندوستان کے بڑے حصہ پر حکومت کرتا تھا۔ سنہ ۲۶۱ ق۔م میں وہ بدھ مت کا پیرو بن گیا اور اسکی بقیہ زندگی تبلیغ مذہب کی کوششوں میں گذری ہے۔ اس نے اپنے ماتحتین سے اس مذہب کی قدر وقیمت کا لوہا منوالیا۔ اور ہندوستان سے باہر دور دراز مقامات پر تبلیغ مذہب کیلئے لوگوں کو روانہ کیا۔ نہ صرف یہی بلکہ اسنے یونانی چار حکمرانوں کے پاس تبلیغی خطوط بھی روانہ کئے وہ حکمراں یہ ہیں مصر کا بطلمیوس فلاڈلفس۔ مقدونیہ کا انٹی گونس گوناٹاس بسیرین کا ماگس ایپرس کا الگزنڈر چٹانوں اور ستونوں پر جابجا اسکے کتبے ہیں۔ تمام پیروان بدھ مت میں اشوک کو خاص امتیاز حاصل ہے۔

(۳) اکبر (سنہ ۱۵۴۲ء تا سنہ ۱۶۰۷ء) ہندوستان کا مغل بادشاہ جو کلائیو کے زمانہ میں ہندوستان پر حکومت کرتا بحیثیت سپہ سالار اور منتظم مزاج بادشاہ کے اپنی نظیر آپ ہی ہے بطرز نظم بھی اسکے عمدہ اصولوں پر کاربند ہے اگرچہ وہ مسلمان تھا تاہم اسکے ہندو ماتحتین اسکی حکومت سے خوش تھے اسنے اپنے دور خلافت میں ایک بار مقرر کیا اور ہمیں مذہب کے مقابلہ کے بعد ایک نئے مذہب کے پیش کرنے کی تحریک کی۔ ادب، موسیقی، مصوری، اور فن عمارت سے اسے خاص شغف تھا جنگی اور سیاسی قابلیت جو اسے ورثہ میں ملی تھی واقعی قابل داد ہے۔

مصلح اعظم

۴۔ شنکر چاریہ ۷۸۸۔۔۔۸۵۰ء ہندوں کے بہترین فلسفی تھے انکو بدھ مت کا اگر تھامس اکوینس کہا جائے تو بیجا نہوگا۔ یہ خدا کی وحدت کا سبق سکھلاتے ہیں۔ اور بتلاتے ہیں کہ ساری دنیا میں ہے۔ انسانی روح خدا کی روح کے بالکل مشابہ ہے ہندوں پر ان کے خیالات کا اثر پڑا وہ بیان سے باہر ہے۔ اور ایک زبردست مصلح تھے۔

(۵) رامانجا بھی شنکر کیطرح وحدت الوجود کا قائل تھا اسنے شنکر چاریہ کے خیالات کی ترجمانی میں بڑا حصہ لیا ہے۔

بڑے آدمیوں کی اس پنچایت میں ایک تو ایک مذہب کا بانی ہے۔ دو بادشاہ اور دو مذہب پرست ہیں مذہب کے لحاظ سے یہ پنچایت بدھ مت کے دو پیروؤں، دو ہندو اور ایک مسلمان پر مشتمل ہے۔

شعر و سخن

غزل

از مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت

دل لگا کر عجب مزا دیکھا — دوست دشمن کو آشنا دیکھا
دیر میں کعبے میں کلیسا میں — جلوۂ یار جا بجا دیکھا
اس کے جلوہ کا حال کیا کہئے — جو سنا اس سے بھی سوا دیکھا
دیر میں ہم نے دیکھی قدرت حق — شیخ مسجد میں تونے کیا دیکھا
تھی اسے اپنے دید کی خواہش — اپنا جلوہ ہر ایک جا دیکھا
کس نے دعویٰ کیا انا الحق کا — بر سر دار تونے کیا دیکھا
دی صدائے انا لیسا کس نے — اور پھر کس کو جا بجا دیکھا
حق نہ اور کوئی اس کے سوا — کس کو پردے میں پھر چھپا دیکھا
کیوں بلی کہہ کے تو بلا میں پھنسا
شاد کیا سمجھا اور کیا دیکھا

غزل

مولوی سید شاہ ابراہیم صاحب عفوؔ

آپ کو مجھ سے کچھ گلہ تو نہیں — بندہ پرور میرے خدا تو نہیں
کیوں ہیں وہ آج شکل گل خنداں — ٹھنڈی سانسیں میری صبا تو نہیں
خاک ہو میری کس طرح پامال — یار اپنا برہنہ پا تو نہیں
یوں جو ہے دامن صبا خوشبو — ان کے جامے میں موتیا تو نہیں
چارہ گر وہ کھنچے ہیں کیوں مجھ سے — ان سے دشمن نے کچھ کہا تو نہیں
ہے غلامی کا فخر مجھ کو مگر — آپ کے ہاتھ میں بکا تو نہیں
ہوشیت میں دخل کیا واعظ — اس میں میری کوئی خطا تو نہیں
کیوں ہے رندوں کو شیخ سے نفرت — آدمی ایسا کچھ برا تو نہیں
الٹی چلتی ہے میری سانس اے عفوؔ
آتے آتے سے پھر گیا تو نہیں

غزل

از راجہ محبوب راج بہادر

اے خوشا ساعت کہ ہے موجود مسند سامنے — شاد ہیں اوال ہیں دلکش ہے منظر سامنے
لذت دیدار بھی حاصل ہے لطف وصل بھی — دلبر اپنے دل میں ہے تصویر دلبر سامنے
بت بنے بیٹھے ہیں وہ ہنسنا نہ منہ سے بولنا — جس طرح رکھا ہوا ہو کوئی پتھر سامنے
جس سے رغبت ہے کہیں لگتے ہیں وہ ملتی نہیں — جس سے نفرت ہے وہ تو آتی ہے اکثر سامنے
سینکڑوں تیری جفائیں سینکڑوں تیرے ستم — یہ بھی سوچا ہے کبھی ہے روز محشر سامنے
اس سے پوچھوں گا کہ ہے رحمت تری کتنی وسیع — پیش ہوگا جب مرے عصیاں کا دفتر سامنے
خواب میں آتے ہو پھرتے ہو نگاہ شوق میں — کیسا پردہ ہے کہ چھپتے ہو نکل کر سامنے
نیم جاں کب تک رہوں کب تک غم دوری سہوں — مار ڈالو یا جلاؤ بندہ پرور سامنے
میکدہ کو میکشو جنت بنانا چاہئے — حور پہلو میں رہے چلتا ہو ساغر سامنے
کوششیں اور ساری تدبیریں عبث ہیں وصل کی — بس نہیں چلتا کہ حائل ہے مقدر سامنے
نوک مژگاں اور ہے چبھتی نظر کچھ اور ہے — ایک نشتر آڑ میں ہے ایک نشتر سامنے
ہاں سنبھالو تیغ و خنجر ہاں لگاؤ تیر ناز — ہے کلیجا سامنے دل سامنے سر سامنے
نکتہ چینی میرے پیچھے کوئی کرتا ہو کرے — کہہ نہیں سکتے ہیں کچھ مجھ سے سخنور سامنے
وہ مری وحشت سے حیراں میں فروغ حسن سے — دونوں بت کی طرح بیٹھے تھے برابر سامنے
آج کا دن کیا مبارک دن ہے اے محبوب راج
شاد سنتے ہیں غزل پڑھتا ہے احقر سامنے

غزل

از محمد عباس اقدسؔ صاحب حیدرآبادی

ٹھوکریں کھا کھا کے مصیبت کی سنبھلنا ہے مجھے — زندگانی کے تھپیڑوں سے نکلنا ہی مجھے
محو نظارہ نیرنگی تقدیر ہوں میں — انقلابات جہاں بن کے بدلنا ہے مجھے
صورت اشک چکیدہ ہے مری نشو نما — گر کے اس دامن ہستی پہ مچلنا ہے مجھے
محفل عیش کا اک نغمہ رنگیں ہوں میں — ساز خاموش کے پردوں سے نکلنا ہے مجھے
اشک خونیں مرے گلزار بداماں ہوگئے — باغ ہستی میں ابھی پھولنا پھلنا ہے مجھے
دل کی شریانوں سے اک خون کا دریا لیکر — زخم پنہاں کے شگافوں سے نکلنا ہے مجھے
زندگی سبزۂ نوخیز کی لے کر اقدسؔ

زخم پنہاں کے شگافوں سے نکلنا ہے مجھے

کوائف ہند

جامع مسجد بمبئی میں ہز مجسٹی امیر امان اللہ خان

ہندوستان کی فلاح و بہبودی کی دعا

بمبئی میں جمعہ کو ہز مجسٹی امیر امان اللہ خاں نے نماز جمعہ ادا کی۔ نماز کی شرکت کے لئے لوگ کثرت سے جمع ہوئے تھے۔

خطبہ پڑھتے شاہ افغانستان نے مسلمانوں سے کہا اسلام کی اسپرٹ خدا ئے واحد کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی اسلام کا خدا، تمام مخلوق اور تمام فرقوں کا خدا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو تمام بنی نوع سے برادرانہ برتاؤ کرنا چاہیئے جہاں تک محبت، ہمدردی، برادری اور معاشرتی تعلقات ہیں، انھیں ایک انسان اور دوسرے انسان میں فرق نہیں کرنا چاہیئے

افغانستان میں کیوں امن ہے

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ہندوؤں سے اپنی بھائیوں سا برتاؤ کریں یہ بات خاص طور پر اپنے ہندوستانی دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں یہی چیز افغانستان میں ہے جس کی وجہ سے وہاں امن قائم ہے۔

وہ لوگ۔ جو میرے اس بیان کی تصدیق چاہتے ہیں، وہ افغانستان آکر دیکھ سکتے ہیں۔ تمام اہل مذہب کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں اور خود اچھے رہیں۔ ان امور کو انجام دینے میں انھیں ہمیشہ خدا کا خوف دل میں رکھنا چاہیئے۔ پھر آپ نے فرمایا: "کسی شخص کے دل کو مت دکھاؤ اور کسی شخص کے احسانات کو انھیں نہ لگاؤ۔ نماز کو کبھی نہ چھوڑو کیوں کہ اس سے قلب پاک رہتا ہے۔ مکۂ معظمہ کو محض رسمی طور سے نہ جاؤ۔ اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے۔ جب کہ معظمہ میں تمام دنیا کے مسلمان ایک جا جمع ہوتے ہیں تو اس وقت مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ آپ لوگ اس موقع سے بہترین فائدہ اٹھائیں۔ حج کا مقصد برادری ہونا چاہیئے جو انسانی ترقی میں ممد و معاون ہو۔

ہر شخص کو پہلے اپنی اصلاح کا خیال ہونا چاہیئے اور جب تم نے اپنی اصلاح کر لی اور اپنی حالت کو درست کر لیا اس صورت میں آپ اپنے بھائیوں کی شکستہ حالت کو درست کر سکو گے۔ اس لئے خدا سے دعا کرو اور اس کے حکم پر عمل کرو۔

نماز ختم ہونے کے بعد ہز مجسٹی امیر امان اللہ خاں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور کہا اے قادر مطلق! ہم سب کو سچا مسلمان بنا ہماری رہنمائی اسطرح کر کہ ہم اپنی مادی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح کر سکیں۔ اور دوسرے لوگوں کی امداد کر سکیں۔

اے قادر مطلق! ہمیں اس راستے پر چلا جس سے ہماری روح تمام آلائشوں سے پاک رہے۔

اے خدا ہندوستانیوں کو جو تیرے بندے ہیں، تمام دنیاوی سر سبزی اور ہر وہ چیز جس کے وہ مستحق ہیں عطا فرما۔

اے خدا! اس گنہگار کو جو تیرا بندہ ہے اپنی رعایا اور ملک کا سچا خادم بنا۔

جب اس مقام پر ہز مجسٹی پہنچے اسوقت آپ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے اور تمام لوگوں پر اسکا اسقدر اثر ہوا کہ سب کے سب رونے لگے۔ اور خدا سے دعا کی کہ مسلمانوں کی حالت درست ہو اور وہ اپنی تمام کھوئی ہوئی شان و شوکت کو پھر حاصل کر لیں۔

ہز مجسٹی کا میونسپل کارپوریشن بمبئی کے خطبہ کا جواب

میونسپل کارپوریشن بمبئی کے جواب میں ہز مجسٹی امیر امان اللہ خاں نے کہا "میں آپ کے پر شان و شوکت خیر مقدم کا دل سے ممنون ہوں"۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کا بھی میں شکر گزار ہوں جو میرے خیر مقدم کی تکلیف گوارا کر کے راستوں، کھڑکیوں، برآمدوں وغیرہ میں میرے منتظر رہے۔ اس کے سوا انھوں نے خواتین کا بھی ان کے پرجوش خیر مقدم پر شکریہ ادا کیا۔ جو بات اس جواب میں خاص طور پر قابل عمل ہے وہ ہز مجسٹی کی نصیحت ہے۔

انھوں نے کہا مختلف مذاہب کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ آپس میں خلوص و محبت کا برتاؤ کریں کیونکہ وہ سب ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ ہندو مندر میں جاکر خدا کی یاد میں مصروف ہوتے ہیں اور مسلمان مسجد میں اسی خدا کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں۔ "[illegible] کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی [illegible] ایمان لاکر انسانی برادری میں شریک ہونا چاہیے۔

خصوصاً انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ دوسرے مذاہب کے ساتھ اسی رواداری کا برتاؤ کریں جیسا کہ انھوں نے کابل میں کیا ہے۔

اس کے بعد آپ نے تعلیم کے متعلق خاص طور پر توجہ دلائی اور فرمایا بغیر تعلیم کے کوئی ملک ترقی کی راہ میں گامزن نہیں ہو سکتا تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر ملک کی ترقی اور سر سبزی کا انحصار ہے۔

آپ نے ہندوستانی اشیاء کے استعمال کے متعلق فرمایا کہ ہر انسان اپنے ملک کی صنعت کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا بری۔

ہر حقیقی محب وطن، اپنے ملک کی بنائی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنا چاہتا ہے، اس لئے ہندوستانیوں کو بھی اپنے مصنوعات سے محبت کرنی چاہیئے۔

ڈونگری میدان میں عظیم الشان جلسہ

ڈونگری میدان پر ہز مجسٹی امیر امان اللہ خان کی تشریف آوری کی خوشی میں دو لاکھ سے زیادہ آدمی جمع ہوئے تھے۔ جہاں کئی ایک اڈریس پڑھے گئے۔

یہ جلسہ نہایت ہی عظیم الشان تھا۔ شاید ہی اس قدر اعلیٰ پیمانہ پر کبھی جلسہ ہوا ہو یا آئندہ ہوگا۔ مسز نیسٹ اور مسز نائیڈو کا بھی ہز مجسٹی امیر امان اللہ خاں سے تعارف کرایا گیا، آپ نے انھیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ ایک اہم بات اس موقع پر پیش آئی۔ جب مولانا شوکت علی صاحب نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں ایک غریب آدمی کے پھولوں کے ہار پیش کئے اور کہا۔

"ما مسلمانان ہند، غریب ہستیم بجز خدائے برتر ہیچ وسیلہ نداریم"

جوں ہی یہ الفاظ زبان سے نکلے اُن کی آواز میں تبدیلی ہوئی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

شاہ بھی اس سے متاثر ہوئے۔ اور فرمایا۔

"لا تقنطوا من رحمت اللہ" اور مولانا شوکت علی کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور بوسہ دیا۔ اس موقع پر ہز مجسٹی کی خدمت میں خطابات پیش کئے گئے۔

"ہز مجسٹی نے جواب دیا کہ وہ بمبئی کے پرجوش سرگرم خیر مقدم سے مسرور و محظوظ ہوئے اور وہ اسکو کبھی فراموش نہ کرینگے" اس کے بعد آپ نے کہا آپ لوگوں نے سفر سے خیر و عافیت سے واپس آنے کی دعا کی ہے۔ سفر کو خیر و عافیت سے جانا اور خیر و عافیت سے واپس آنا میرا مقصد نہیں ہے میں سفر کو اسلئے جا رہا ہوں کہ میں اپنے ملک اور اپنی قوم کی خدمت اچھی طرح کر سکوں۔

اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس مقصد میں کامیابی کی دعا کریں۔ پھر آپ نے فرمایا۔

افغانستان ہر وقت آپکی مہمان نوازی کیلئے تیار ہے

افغانستان میں ہندوستانیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ جیسا افغانیوں کے ساتھ۔ اور ہندؤں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے جیسا مسلمانوں کے ساتھ۔ افغانستان میں مذہب و ملت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں امن قایم ہے آپ لوگوں سے جو میرے اس بیان کی تصدیق چاہتے ہیں۔ افغانستان آئیں اور بچشم خود حالات کا معائنہ کریں افغانستان ہر شخص کی مہمانداری کیلئے تیار ہے۔

سپاسنامہ جامعہ ملیہ دہلی

بعرض

اعلیحضرت امیر المومنین جلالۃ الملک سلطان امان اللہ خاں غازی بادشاہ مختار دولت خداداد افغانستان۔

ان امیر اللہ تعالی ظلہ علی مفارق المسلمین

یا حضرت سلطان! ہمیں ہندوستان کی تاریخ کا کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں کہ ممالک مستقلہ اسلامیہ کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے خاک پاک ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف و مفتخر کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیحضرت کی مایہ نازش اسلامیاں ذات بابرکات نے جب اس دیار میں قدم رنجہ فرمایا تو اسکو اپنی سعادت و خوش بختی کی معراج سمجھتے ہیں اور یقیناً یہ روز سعید ہندوستان کی تاریخ میں ایک ناقابل فراموش ساعت ہمایوں شمار کیا جائے گا۔ اعلیحضرت نے جس التفات کے ساتھ اس ملک میں قدم رنجہ فرمایا ہے اوس سے جس درجہ شادمانی و مسرت ہمیں حاصل ہوئی ہے اوس کی تشریح سے ہم قاصر ہیں البتہ اتنا تو ممکن ہے کہ نیاز و عقیدت کے پھولوں کی اعلیحضرت کے فرق مبارک پر بارش کردیں اور صمیم قلب سے کہیں کہ ع

اے آمدنت باعث آبادی ما

محی الملۃ! آج افغانستان جو اسلام و شرق کا ایک اہم نقطہ و مرکز ہے۔ اعلیحضرت کی توجہ شاہانہ سے ترقی کی ہر شاہراہ پر گامزن ہے۔

اعلیحضرت اگرچہ اپنی حکومت مستقلہ کیلئے مصلح اعظم ہیں مگر جو اصلاح افغانستان میں رائج ہو رہی ہیں انکا اثر صرف وہیں تک محدود نہیں رہیگا بلکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان کا اثر عالم اسلامی میں افغانستان کا تمدن حقیقت میں تمام عالم کیلئے ایک برکت ثابت ہوگا جس پر بنی نوع انسان بجا طور پر فخر کریں گے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نشر و اشاعت علوم میں جو ترقی کی بنیاد اولیں ہے اعلیحضرت کیسی کچھ کوشش فرما رہے ہیں اور اسی وجہ سے ہم عقیدت مندوں پر لازم آگیا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کیجانب سے جسکی بنیاد ہم مسلمانان ہند نے رکھی تھی ایک تہنیت نامہ پیش کرکے بارگاہ خسروی میں عرض کریں کہ اسکا مقصد اولیں قوم کو زیور علوم سے آراستہ کرنا ہے۔

[illegible] بنیاد رکھی تھی۔ جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ ہندوستان میں جو تعلیم آج رائج ہے۔ اسے حتےالوسع اصلاح کرکے قوم کے سامنے ایسی چیز پیش کرنے جس سے اس کو منزل مقصود کی رہنمائی کرنے میں آسانی ہو۔ اعلیحضرت سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ دور حاضرہ کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف تو زمانہ موجودہ کی تعلیم حاصل کریں اور دوسری طرف مذہبی تعلیم سے بہرہ مند ہوں۔ تاکہ ہمارے نوجوان جب بعد تکمیل و فراغت مدرسوں سے باہر آئیں۔ تو فلاح دین و دنیا دونوں حاصل کریں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے نوجوانوں کا مقصد تعلیم سوائے نوکری کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ چاکریوں میں بھی معدودے چند لئے جا سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ جو لوگ نوکریوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے .... وہ پھر کسی کام کے لائق نہیں رہتے۔ کیونکہ مدارس میں انہیں اور کچھ سکھلایا ہی نہیں جاتا یہی سبب ہے کہ ان کی بقیہ عمر بیکار ضائع جاتی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہم مسلمان کہیں کے ہیں۔ ان کی مالی حالت ابتر و نا گفتہ بہ ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان جب تک تعلیم گاہ میں رہیں۔ ایسی تعلیم حاصل کریں کہ کفایت شعاری اور میانہ روی کسی صورت سے بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ غیر مادری زبان میں علوم کی تحصیل کسی صورت میں بھی آسان کام نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ذریعہ تعلیم اردو زبان کو قرار دیا جائے۔ انہیں وجوہ کی بنا پر ہم مسلمانوں نے ایک جامعہ ملیہ قائم کیا ہے۔ کہ جس کا نصب العین یہ ہے کہ ایک طرف موجودہ تعلیم اور دوسرے طرف مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔ نیز اس میں ہر شخص کے لئے صنعتی تعلیم بھی لازمی کردی گئی۔ تاکہ جب مدرسہ چھوڑیں تو کسی صنعت سے بھی آشنا ہیں۔ اور اپنے بال بچوں کے لئے معاش پیدا کرسکیں۔ اس جامعہ کے نصب العین میں یہ بھی داخل ہے کہ جفاکش ہوں۔ اور محنتی اور سادگی کی زندگی بسر کریں۔ علاوہ ازیں جو علوم و فنون بھی جامعہ میں سکھلائے جاتے ہیں۔ وہ سب کے سب زبان اردو میں ہیں تاکہ طلبا کے دماغ پر سمجھنے سمجھانے میں غیر متحمل بار نہ پڑے جامعہ سے مندرجہ ذیل شعبے متعلق ہیں

(۱) ایک کالج جس میں زبان اردو میں اعلی تعلیم دیجاتی ہے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے۔

(۲) چند مدرسے جن میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم دیجاتی ہے۔

(۳) ایک مدرسہ جن میں تین چار قسم کی صنعتیں سکھائی جاتی ہیں۔

(۴) ایک شعبۂ تالیف و تصنیف جس میں علمی تحقیقات بھی ہوتی ہے۔

(۵) ایک کتب خانہ جو تصانیف و تالیفات کے نشر و اشاعت کا انتظام کرتا ہے۔

(۶) دو تین شبینہ مدارس جن میں مزدور پیشہ افراد کی۔ اس میں تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔

(۷) ایک مطبع جس میں مطبوعات جامعہ اور دوسری مفید کتابیں طبع کی جاتی ہیں۔

(۸) دو رسالے جن کے ذریعہ قوم میں مقاصد جامعہ کی اشاعت کی جاتی ہے۔

اس جامعہ کی خوش قسمتی ہے کہ اس کو متعدد ماہران فن کی خدمات حاصل ہیں۔ جامعہ میں چند ایسے ماہر استاد بھی موجود ہیں۔ جو یورپ سے سند تکمیل لے کر آئے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بارگاہ خسروی میں پیش کیا ہے مشتے نمونہ کے مصداق ہے۔ کیونکہ اس وقت تفصیل کا موقع نہیں۔

اب ہماری درخواست ہے کہ ہم نیازمندوں کی عرض داشت کو چشم عنایت سے ملاحظہ فرمائیں۔ اور ہم پر لطف فرماکر اس درسگاہ کو اوج افتخار پر پہونچائیں۔ اپنے اس سپاسنامے کے اختتام سے قبل ہم صدق دل سے رسم وداع بجالاتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

بسفر رفتنت مبارک باد * بسلامت روی و باز آئی

تابندہ باد نیر اقبال امان اللہ خاں

پائندہ باد دولت خداداد افغانستان

سپاسنامہ مسلم استقبال کمیٹی بمبئی

بحضور اقدس اعلیحضرت قوی شوکت شاہ امان اللہ خان بادشاہ ممالک مستقلۂ افغانستان

خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔

اعلیحضرت یور مجسٹی!

ہم مسلمانان بمبئی نہایت مسرت اور جذبات خلوص عقیدت و مودت کے ساتھ یور مجسٹی اعلیحضرت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہمیں اس امر پر بے حد اطمینان ہے کہ یور مجسٹی اعلیحضرت کی مملکت اور ہندوستان میں نہایت دوستانہ اور قلبی تعلقات قائم ہیں۔ اور ہمارے سرحد پر افغانستان ایک ایسا زبردست ہمسایہ ہے۔ جسے ہندوستان اپنا حلیف سمجھتا اور جس کی دوستی کی بے حد قدر کرتا ہے۔ ہمیں اس امر پر بھی بے حد مسرت و اطمینان ہے کہ یور مجسٹی اعلیحضرت کی بیدار مغزی کے باعث دربار دولت کابل نے جملہ ہمسایہ ممالک سے ایسے اچھے تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ جو پر امن ترقی اور اصلاح کے کفیل ہیں۔ ہم اس موقع پر اعلیحضرت کی خدمت عالی میں یہ امر بھی ظاہر کرنے کی جرات کرتے ہیں۔ کہ دولت افغانستان میں جو کچھ ترقیاں رونما ہیں ان سے ہمیں بلحاظ تعلقات دوگونہ یعنی تعلقات مذہبی و مراسم ہمسائگی گہری دلچسپی ہے۔ اور ہم کو ان کا بے حد اعتراف ہے۔

یور مجسٹی اعلیحضرت نے اپنے دانشمندانہ و [illegible]

وزراء کی امداد سے اصول جدیدہ پر تعلیم جدیدہ کا رواج دیا ہے۔ اور سالانہ نوجوانوں کی ایک معقول تعداد یورپ کی متعدد دار الحکومتوں میں تعلیم وتربیت کی غرض سے بھیجی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے دار الحکومتوں اور افغانستان کے دوسرے شہروں میں ابتدائی ثانوی اور ہائی اسکول اور متعدد درسگاہوں کا اجراء فرمایا ہے۔ جہاں جدید طرز پر تعلیم دی جارہی ہے۔ ہم ہندوستان والوں کو اس امر پر بحد دلچسپی اور کامل اعتراف ہے کہ اعلیٰحضرت نے تعلیم نسواں کا اپنی حدود مملکت میں خاص خیال فرمایا ہے۔ جن لوگوں کو یوم استقلال کے جشن میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ نوجوان افغانستان نے علم، فن زراعت اور باغبانی میں کس درجہ ترقی کی ہے۔ ہم اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ یور مجسٹی اعلیٰ حضرت نے اپنی رعایا کے ساتھ جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ دنیا کے لئے ایک مثال ہے۔ اعلیٰ حضرت کے حدود مملکت میں مختلف مذاہب اور جماعت کے پیرؤں کو مساوات کامل وحقوق یکساں حاصل ہیں۔ اور سب کو حکومت کی طرف سے حصول تعلیم کے مواقع حاصل ہیں۔ اور تعلیم سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور ہر ایک شخص خواہ وہ کسی مذہب پر ہو۔ باصول غیر متعصبانہ مساویانہ اسلام اس کی توقع رکھتا ہے۔ کہ اعلیٰ ترین مناصب اور عہدوں سے فائز المرام ہو۔

جس حفاظت اور اہتمام سے یور مجسٹی اعلیٰ حضرت کی حکومت نے سارے افغانستان کے مسلم اور غیر مسلم آثار قدیمہ کی نگہداشت کا انتظام کیا ہے وہ افغانستان کی تاریخ کے زریں صفحات پر یور مجسٹی اعلیٰ حضرت کے عہد کا بہترین کارنامہ متصور ہوگا کیونکہ اس کی ابتدا اور در اصل یور مجسٹی اعلیٰ حضرت کو جو تہذیب مہد سے ہوئی ہے۔

ہم صمیم قلب سے یور مجسٹی اعلیٰ حضرت کو اس بحری سفر پر الوداع کہتے ہیں۔ اور ہماری دعا ہے کہ قدرت کاملہ اس غیر ممالک کے سفر میں آپ کی محافظ رہے اور یور مجسٹی اعلیٰ حضرت بہ صحت وکامرانی سفر وحضر میں خوش رہ کر اپنے ملک کو محفوظ وکامیاب واپس آئیں۔ ہم ہمیشہ برادران قوم افغان کی مضبوطی اور روز افزوں ترقی کے لئے دست بدعا ہیں۔ خدا کرے انکی رہنمائی کے لئے یور مجسٹی اعلیٰ حضرت سا بیدار مغز بادشاہ بہت طویل مدت تک سلامت رہے۔ جس کی دلی خواہش یہ ہے کہ رعایا کی ترقی وتربیت مسلم ہو جائے اور سیاسی دنیا اور بالخصوص ہندوستان سے بہتر تعلقات ہیں۔ ہم اس موقع پر اس کی بھی جرأت کرتے ہیں۔ کہ ہر مجسٹی [illegible] شوکت کا دلی خیر مقدم کریں اور ہر مجسٹی کے لئے یہ عبارت دل سے مانگیں کہ آپ کا قیام غیر ممالک خوش خوش گزرے۔ اور بہنسی خوشی وطن واپس تشریف لائیں۔ اور اللہ پاک ہر مجسٹی کو ایک مدت دراز تک بامراد و دلشاد آباد رکھے۔

سپاسنامہ مجلس خلافت ہند

بگرامیخدمت جم قربت بندگان اعلیحضرت حامی دین مبین سلطان امان اللہ خان غازی تاجدار دولت خود مختاری افغانستان ادام اللہ ملکہم وسلطانکم اعلیحضرت تاجدار افغانستان

یہ اہل ہند کی خوش نصیبی ہے کہ ہم اپنے محبوب بادشاہ کو جس کی خوشبو سے ہر شرقی کا دماغ معطر اور جس کے چہرہ پر ہر مسلمان کی نظر ہے۔ اپنی مجلس میں دیکھتے ہیں اور انتہائی خوشی سے ہم وجد میں ہیں۔

اعلیحضرت کا پاک قدم ہندوستان میں شرف اور بزرگی کا باعث اور اس دیار اور جگہ کے رہنے والوں کے لئے سرمایۂ عزو افتخار ہے۔ اور ہم سب پر واجب ہے کہ اس طرح پر "خوش آمدید" کہیں کہ دلوں سے نکل کر دلوں پر اثر کرے۔

بیا کہ چشم و دلما بجاست فرش راہ تو

اعلیحضرت! انجمن خلافت کی بنیاد مسلمانوں نے ہندوستان میں جنگ عمومی کے زمانہ میں رکھی اور خلافت کی تائید اور جزیرۃ العرب کی حفاظت اس کے مقاصد میں تھیں اور اس نے وہ کار ہائے نمایاں انجام دئے کہ ساری دنیا میں اسکا آوازہ بلند ہوا۔ اب جو مسئلہ خلافت تاریکی میں پڑ گیا ہے ہم نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر خرابیوں کی اصلاح میں کوشش کریں۔ مگر چونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گہوارہ ہے۔ اس لئے یہ انجمن اس کی نگاہ داری سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتی۔ دوسری اہم خدمت اس انجمن نے اپنے ذمہ لی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو سیاست سے آگاہ کرے اور دوسری اقوام ہند سے متحد کرے نیز مسلمانان عالم اور اقوام مشرق سے بھائی چارہ کا مضبوط رشتہ قائم کر دے۔ چنانچہ اس خدمت کو بھی یہ انجمن ہاتھ سے نہیں دے سکتی۔

اسوقت اس انجمن کے ساتھ تمام مسلمانوں کی اصلاح میں منہمک ہیں۔ خود اس بمبئی میں جہاں خلافت کا مرکز ہے بائیس (۲۲) مدارس شبینہ قایم ہیں جن میں وہ مزدور جو دن کو محنت مزدوری کرتے ہیں۔ رات کے وقت تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور معمولی حساب وکتاب لکھنا پڑھنا سیکھتے ہیں اور تعلیم اسلامی سے بھی ان کے کان آشنا ہوتے ہیں۔

اس انجمن کی پوری کوشش یہ ہے کہ مسلمان متحد ہو کر اپنے بچوں کو تعلیم سے بہرہ اندوز کریں۔ چنانچہ اس بارہ میں ہماری انجمن پوری کوشش کر رہی ہے اور اپنے کام کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہتی ہے۔

اعلیحضرت! ہم مسلمان جانتے ہیں کہ دولت افغانستان ہندوستان کی ہمسایہ ہے اور اس تعلق سے ہندوستان کا بھلائی اور ترقی ہے۔ چونکہ ہم اسے عزیز رکھتے ہیں اسی لئے ہم نے اب تک قوم وملک کی کے لئے جو کام کیا ہے اسے مختصراً عرض کر دیا۔ اور اسطرح ہماری آرزو یہ ہے کہ ہمارے باہمی تعلقات محبت ودوستی میں فرق نہ آئے۔ اسوقت ہم نہیں چاہتے کہ بندگان والا کو زیادہ تکلیف دیں۔ ہماری دعا ہے کہ خدائے برتر وتوانا اس سفر کو ذات والا صفات اور دولت افغانستان کیلئے جس کے ہم سب خیر خواہ ہیں مبارک ومسعود کرے

زندہ باد امان اللہ خان غازی

پائندہ باد دولت مستقلہ افغانستان

بمبئی کے ایک پارسی محب وطن کا پرجوش خیر مقدم

(برجورجی فرامجی بھروچہ بمبئی)

مرحبا! بادشاہ امان اللہ خاں مرحبا!

آج سارا ہندوستان اعلیحضرت کے خیر مقدم کے چشم براہ ہے۔ اور گرم جوشی سے استقبال کیلئے تیار ہے۔ اس لئے کہ:-

(۱) بادشاہ! آپکا افغانستان زرتشتیوں آریوں ہندوؤں بدھ مت والوں اور مسلمانوں کا قدیم وطن ہے۔

(۲) آپ کے ملک میں ابتک گوتم بدھ کے زمانہ کی اعلیٰ ترین یادگاریں موجود ہیں۔ اور بہت سی عہد زرتشت کی ایسی نشانیاں ہیں جنہیں زمانہ بھول چلا ہے۔ مگر یہ وہ چیزیں ہیں جنکے لئے۔ ہمیں اعلیٰ حضرت کا ملک بیحد محبوب ہے۔

(۳) اعلیٰ حضرت آپ ہمارے ممتاز ہمسایہ اور بزرگ رفیق ہیں۔

(۴) آپ کی ذات شاہانہ مساوات انسانی اعزاز خواتین اور شرافت نسل کی زبردست حامی ہے۔

(۵) آپ کی ذات فلک مرتبت سے افغانستان میں دور جدید رونما ہوا۔ جہاں ہندو مسلمان سکھ اور دوسری جماعتیں رواداری اور ہم آہنگی سے زندگی بسر کرتی ہیں اور جہاں منصب اور اعزاز کیلئے قابلیت بہترین معیار ہے۔

(۶) اپنے حدود مملکت اور سرحد پر امن امان قائم کر کے دنیا کے سامنے ایک مثال قائم کر دی ہے

(۷) اپنے وطن مالوف اور رعایا میں بہت سی اصلاحات جاری کر دی ہیں۔

(۸) آپ کی ذات سنٹرل ایشیا کی امن وامان کی کفیل ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو تبریک خیر مقدم دوبارہ سہ بارہ پیش کرتے ہیں۔ (خلافت)

مقامی خبریں

حضرت اقدس و اعلیٰ کی سالگرہ مبارک کی خوشی میں

منہ جہ ذیل عہدہ داروں کو خطابات سے سرفراز ہوئے۔

(۱) آغا محمد علی خان الصاحب شریک معتمد مال۔ آغا یار جنگ

(۲) مرزا بشیر بیگ صاحب ناظم جسٹریشن

بشیر یار جنگ

(۳) معشوق حسین صاحب اول تعلقدار ضلع

گلبرگہ شریف معشوق یار جنگ

(۴) نثار احمد صاحب اول تعلقدار رائچور۔

نثار یار جنگ۔

۹ بہمن کو عدالت فوجداری بلدہ میں نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام عدالت تشریف لائے تھے ۱۱ بجے سے ۲ ½ بجے تک مختلف اجلاسوں پر مقامات کی سماعت فرماتے رہے۔ منجانب اہل عملہ اضافہ گریڈ کے متعلق ایک درخواست پیش کی گئی۔ بوقت رخصت نظاماصاحبین نے نوابصاحب کو پھولوں کے ہار پہنائے۔

کرنل ٹرنچ صدر المہام پولیس و مالگذاری نے بہ معیت کوتوال صاحب بلدہ میجر امیر سلطان و مسٹر رسل مین ریڈی مددگار بلدہ کے ناکوں کا معائنہ کیا۔

جامعہ عثمانیہ کے سابق فاضل پروفیسر مسٹر بن جی ڈنکر، جو علالت کیوجہ سے انعام لیکر خدمت سے سبکدوش ہو گئے تھے، ان کے خاص حقوق کے لحاظ سے تین لڑکیوں کے نام دو سو روپیہ ماہانہ بطور وظیفہ تعلیمی حسب الحکم مہاراجہ منظور ہوا ہے تاکہ انھوں نے اپنی لڑکیوں کی تعلیم جس اعلیٰ اصول پر قائم کی ہے، جاری رکھی جا سکے۔

مسٹر سید حسین صاحب سابق طالب علم کلیہ جامعہ عثمانیہ کو مجلس اعلیٰ کلیہ جامعہ عثمانیہ نے ان کے مقالے پی ایچ ڈی شائع کرنے اور ان جدید کیمیائی مرکبات کا حق ایجاد محفوظ کرانے کے لئے جو انھوں نے دریافت کیا ہے ایکسو پونڈ منظوری صادر کی ہے۔

اضلاع کے اسپیشل مجسٹریٹ نے ایک مقدمہ بابت میں ملازم ریلوے کو بذریعہ سمن طلب کیا اور اس پر راست سمن کی تعمیل کرائی جب وہ حاضر آیا تو وارنٹ گرفتاری جاری کیا پولیس نے اسکو گرفتار کیا اور بعد ادائی شہادت چھوڑ دیا اس کی اطلاع افسر بالا کو نہیں دی جو ضرور تھا۔ لہذا حسب منظوری سرمہاراجہ صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی مندرجہ مراسلہ محکمہ سرکار (۱۵۰) مورخہ ۲۷ آذر ۱۳۳۶ف اجلاس انتظامی عدالت العالیہ سے حکم دیا جاتا ہے کہ ملازمین ریلوے پر تعمیل سمن مطلوب ہو تو ایسی تعمیل بواسطہ افسر بالا ہونی چاہیئے۔ اور بصورت گرفتاری یہ ملحوظ رہے کہ کسی ایسے فرض منصبی کی ادائی بیجا طور تو نہیں ہوئی جسکی فوری گرفتاری شدید خطرہ یا ہرج کار کا قوی احتمال ہے۔ اگر ایسی صورت ہو تو پولیس کو ہدایت دیجائے کہ وہ اس امر کا کافی انتظام کرے کہ شخص گرفتاری طلب فرار نہ ہونے پائے تا آنکہ اوس کی گرفتاری باجازت افسر بالا عمل میں نہ آئے اور جب شخص گرفتار شدہ کی جواب دہی و تصفیہ میں عرصہ درکار ہو تو اس کی اطلاع بھی اوس کے افسر کو دینی چاہیئے۔

فرمان واجب الاذعان مرقومہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۴۶ اجلاس انتظامی کے اختیارات کے متعلق شرف صدور لایا ہے اور سررشتہ عدالت العالیہ کے عہدہ داروں کی حاضری و برخاست اور روزانہ کارگذاری پر نگرانی رکھنا بھی مجلس عالیہ عدالت کے تفویض فرما دیا گیا ہے لہذا بامتثال فرمان قضا شیم حکم دیا جاتا ہے۔ کہ منصفین کے تختجات حاضری عدالت ہائے اضلاع میں۔ عدالتہائے اضلاع کے صدر عدالتوں میں اور صدر عدالتوں اور بلدہ کی عدالتوں اور اسپیشل مجسٹریٹ صاحب کے تختہ جات عدالت العالیہ میں ماہانہ آیا کریں۔ عدالتہائے ماتحت کو اس نگرانی میں اگر معلوم ہو کہ عہدہ دار وقت کی پابندی نہیں کرتے تو مناسب ہدایت دیکر عدالت العالیہ کو مطلع کیا کریں اور تختجات کے صحیح اندراجات کے متعلق حکام بالا تر کو باخبر رہنا چاہیئے۔ اور سخت نگرانی رکھنی چاہیئے۔ نیز اچانک معائنہ کر کے بھی دیکھا جائے اور عام طور سے ہر متوسل عہدہ دار کو اطلاع دینی چاہیئے کہ اگر اوقات کی پابندی نہ کی گئی یا تختہ جات میں غلط اندراج کیا گیا تو ان سے سخت مواخذہ کیا جائے گا لہذا قبل از قبل عہدہ داران عدالت کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ کہ یہ عذر کافی نہ ہوگا کہ کام کم ہے اگر کسی عدالت میں کام کم ہو تو اسکا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ دوران گھٹ جائے مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعض عہدہ داران باوجود کام ہونے کے بھی وقت کی پوری پابندی نہیں کرتے۔

اشتہار

طلبی مدعی علیہ مرتبہ عدالت دیوانی منصفی تعلقات رائچور وغیرہ واقع ۱۰ بہمن ۱۳۳۶ف

نشان مقدمہ (۱۸۶) ۱۳۳۶ف

باجلاس مولوی محمد زین العابدین منصف عدالت دیوانی تعلقہ رائچور
جنت خاتون مدعی بنام دنیکٹ راؤ وغیرہ مدعی علیہ
دعویٰ استقرار حق

بنام سید قاسم ولد سید عبدالغنی عمر (۳۸) سال قوم مسلمان پیشہ اشور کیپر ریتی ساکن محکمہ دار الضرب سرکار عالی سیف آباد بلدہ حیدرآباد دکن۔

بر گاہ تعمیل کنندہ کے حلفنامہ سے معلوم ہوا کہ طلبنامہ کی تعمیل مدعی علیہ کو رو برحسب طریقہ مقررہ قانون نہ ہو سکی اور بر گاہ معلوم ہوتا ہے کہ مدعی علیہ مذکور کی حاضری ضروری ہے۔ اور وہ تعمیل طلبنامہ سے بچنے کیلئے فرار اور روپوش رہتا ہے لہذا یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے کہ مدعی علیہ مذکور اس عدالت میں بوقت گیارہ بجے بتاریخ ۲۵ ماہ بہمن ۱۳۳۶ف حاضر ہو کر جوابدہی کرے اور بصورت غیر حاضری اوسکے حسب ضابطہ کارروائی عمل میں آئیگی۔ آج بتاریخ ۱۰ ماہ بہمن ۱۳۳۶ف میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط

شرح دستخط سررشتہ دار

نظام گزٹ
کا
سالگرہ نمبر

حضرت اقدس و اعلیٰ کی سالگرہ مبارک کی خوشی میں

نظام گزٹ کا خاص نمبر ماہ رجب میں نہایت آب و تاب سے کثیر تعداد میں شایع ہوگا جس میں خسرو دکن سلطان العلوم اور ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے وہ فوٹو شائع کئے جائینگے جو اب تک کسی اخبار یا رسالہ میں شائع نہیں ہوے اسکے سوا دکن کے بعض ماہرین فن کے اعلیٰ درجہ کے مضامین کیساتھ انکے بھی فوٹو دئیے جائینگے۔ جو حضرات اشتہار دینا چاہتے ہیں وہ اپنا اشتہار معہ اجرت کے جلد سے جلد دفتر نظام گزٹ پر ۲۰ بہمن ۱۳۳۶ف تک روانہ کردیں۔ منیجر نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد

THE TAQAT DELHI
تار کا پتہ
طاقت دہلی
اخبارِ طاقت دہلی
کا
خاص نمبر
یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو شایع ہو کر دنیائے صحافت میں اپنی پہلی مثال قایم کریگا
خاص نمبر کی چند خصوصیات
خاص نمبر کے مضامین کتابی ڈھائی سو صفحوں کی برابر مضامین ہونگے۔ بہترین اہل قلم حضرات کی تحریروں سے اس نمبر کو آراستہ کیا جائیگا۔ اس میں لا تعداد سیاسی مضامین۔ علمی مضامین۔ ادبی مضامین اور افسانے ہوں گے۔ ان کے علاوہ علم نجوم۔ علم ہپناٹزم۔ علم الارواح۔ علم قیافہ اور دوسرے اسی قسم کے علوم پر لاجواب مضامین حاصل کیے گئے ہیں۔ انتہا درجہ کے دلچسپ اور ظرافت آمیز مضامین بھی ہوں گے۔ طاقت کے خاص نمبر میں اتنے مضامین ہوں گے کہ اگر اسے علم و ادب کی انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو کچھ بیجا نہیں۔
خاص نمبر میں تصاویر بیس بائیس بلوک فوٹو کی رنگین و سادہ تصاویر ہوں گی۔ اس کے علاوہ مختلف رنگوں میں ایک خاص تصویر تیار کرائی جا رہی ہے کہ جس کا موضوع "مستِ شباب" ہے۔ یہ تصویر مصور کی رنگ آمیزیوں کا بہترین نمونہ ہوگی۔ اس نمبر کی تصاویر کے لیئے خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔
خاص نمبر کا رنگین ٹائٹل۔ خاص نمبر کے ٹائٹل کے لیئے متعدد بلاک بنوائے گئے ہیں۔ یہ ٹائٹل کئی رنگ میں بہترین کاغذ پر تیار ہو رہا ہے۔ صرف ٹائٹل کی لاگت کا اندازہ ایک ہزار روپیہ کیا جاتا ہے۔
کارٹون وغیرہ۔ لاتعداد بہترین کارٹونوں سے بھی اس پرچہ کو آراستہ کیا جائے گا۔
غرضکہ۔ طاقت کے خاص نمبر میں وہ ہوگا جو اس وقت تک ہندوستان کا کوئی اخبار نہیں کر سکا
خاص نمبر حاصل کرنا ہو تو پرچہ کی قیمت آٹھ آنے اور ایک آنہ محصولڈاک بھیجکر نام رجسٹر کرا لیجیئے۔ مستقل خریداروں کو پرچہ مفت دیا جائیگا
طاقت کے خاص نمبر میں اشتہارات
کو بہتر سے بہتر بنا کر شائع کیا جائیگا۔ مشتہرین کو جلد سے جلد توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ نصف سے زیادہ اشتہاری صفحات اس وقت تک پر ہو چکے ہیں۔ پیشگی اُجرت لیئے بغیر کوئی اشتہار شائع نہیں ہوگا۔ اُجرت میں کمی کیلیئے جو خطوط آئینگے اُن کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ ریڈنگ میٹر کے نیچے جو اشتہارات درج ہونگے اُن کی اُجرت نرخنامہ سے ۲۵ فیصدی زائد ہوگی۔
نرخنامہ اشتہارات | ایک صفحہ | نصف صفحہ | چوتھائی صفحہ | ایک کالم | نصف کالم | چوتھائی کالم
| پچاس روپے | چھبیس روپے | چودہ روپے | اٹھارہ روپے | دس روپے | چھ روپے
اخبارات کے ایجنٹ جتنے پرچے خریدنا چاہیں فوراً اطلاع دیں۔
ایجنٹ اخبارات کو پیشگی رقم وصول ہوئے بغیر ہرگز پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔
مینیجر اخبار طاقت جامع مسجد دہلی
قیمت فی پرچہ خاص نمبر آٹھ آنے

بیشن نمبر

گلبرگی

امتحان مڈل و عثمانیہ میٹرک

کے امیدواران مندرجہ ذیل کتابوں کو پڑھکر پرچہ جات تاریخ و جغرافیہ بآسانی حل کر سکتے ہیں:۔

جدید جغرافیہ دنیا یہ اپنے طرز کا بے نظیر اور مکمل جغرافیہ ہے اور خاص طور پر لاہور میں طبع کرایا گیا ہے اس میں (۵۶) رنگین اور سادہ نقشے چھپائے ہیں قیمت .... (۱۲ آنہ)

جدید تاریخ ہند یہ مکمل اور انوکھی تاریخ نہایت آب و تاب سے لاہور سے طبع ہو کر آئی ہے۔ کئی تاریخی نقشے اور خاکے دئے گئے ہیں۔ قیمت .... (۸ آنہ)

سلیس جغرافیہ دکن یہ عجیب و غریب جغرافیہ دکن متعدد رنگین و سادہ نقشہ جات و تصاویر سے مزین ہے اور بہت فروخت ہو رہا ہے قیمت .... (۴ آنہ)

ان کتابوں کی قیمتیں خوبیوں کے لحاظ سے بہت کم رکھی گئی ہیں تاکہ ہر ایک طالب علم ان کو خرید کر پڑھ سکے۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ ہر ایک طالب علم ان کتابوں کو پڑھ کر تمام امتحانی سوالات بآسانی حل کر سکتا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی وغیرہ کا اندازہ کرنا ہو تو نمونہ کے صفحے اور اشتہار مفت منگا کر آزمالو۔ **المشتہر** سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر چارمینار حیدرآباد دکن

کتب خانہ تجارتی سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

رعایتی فہرست

قرآن شریف پانچ ترجمہ والے ہیں (خط واضح اور صاف ہے چھپائی اچھی ہے) ان میں سے دو فارسی ہیں جن میں سے ایک ترجمہ فارسی شیخ سعدیؒ دوسرا ترجمہ فارسی خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا ہے اور تین اردو کے ترجموں میں ایک ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ دوسرا مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی تیسرا حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ہے۔ اس کے ساتھ حاشیہ پر کامل اردو تفسیر مسمیٰ بہ احسن التفاسیر لکھی گئی ہے یہ تفسیر حضرت مولانا احمد حسین صاحب دہلوی مرحوم کی تالیف ہے مختصر عام فہم ہے کاغذ بھی اچھا خوشنما دیدہ زیب ہے۔ مطبوعہ دہلی ہدیہ (۵ روپے) سکہ عثمانیہ مجلد علاوہ خرچ ڈاک۔

مطبوعہ جنتریات و فارمس ہر دفتر کے کارآمد خصوصاً سررشتۂ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت کوتوالی وغیرہ وغیرہ کے تیار ہیں جنکی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کر کے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے۔

کتب درسیہ نصابی کے خلاصہ جات و تراجم

ہند کی مصری یعنی ترجمہ قندپارسی شریک امتحان میٹرک مترجمہ از مولوی عبدالظاہر صاحب مدرس ہائی اسکول قیمت ۱۲ آنے رعایتی ۸ آنے

شرح بزم اردو مؤلفہ مولوی محمد عبداللطیف صاحب مدرس فوقانیہ گلبرگہ شریف قیمت (۱۲ آنہ) رعایتی (۸ آنہ)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چارمینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	ما صہ	ما سہ	معہ	سہ	عہ
نصف صفحہ	ما سہ	صعہ	للعہ	دعہ	سے
ربع صفحہ	صکہ	للعہ	دعہ	عہ	للعہ
ایک کالم	لعہ	صہ	سہ	دعہ	صہ
نصف کالم	صہ	سہ	عہ	ہے	سے
ربع کالم	سہ	عہ	دعہ	اسہ	عالہ ۸

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا ہے

نوٹس آن اسلام انگریزی یہ ایک نہایت معتبر و مستند کتاب ہے جس کو عالیجناب سر احمد حسین کے. سی. آئی. ای. سی. ایس. آئی المخاطب نواب امین جنگ بہادر نے نہایت قابلیت اور تحقیق سے تالیف فرمایا ہے۔ اس میں اسلام اور اس کے عقائد کی حقانیت کو فلسفیانہ و منطقیانہ ثابت کیا ہے۔ استدلال نہایت قوی اور اسلوب بیان فاضلانہ ہے۔ انتخاب طبیعی و بقائے اصلح سے بھی بحث کی گئی ہے۔ جو علم ارتقاء کے اہم مسائل ہیں۔ اس موضوع پر یہ پہلی اور بہترین کتاب ہے۔ جو انگریزی میں لکھی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ ہے۔ اور مجلد بھی ہے۔ قیمت (عہ)

ماثر دکن بلدہ حیدرآباد و مضافات بلدہ کی عمارات و آثار پر نہایت بہترین کتاب ہے۔ جس میں (۵۷) تصاویر اور کتبے درج ہیں۔ اور حالات نہایت دلچسپ ہیں۔ مولانا سید علی اصغر بلگرامی آصفجاہی جیسے فاضل نے تالیف کی ہے۔ قابل دید ہے۔ قیمت لے

کلیات وفا حکیم عبدالہادی خاں صاحب وفا رامپوری کا کلیات ہے پہلے غزلیات اردو نہایت دلکش ہیں۔ اس کے بعد مسدس اور قصائد ہیں۔ اخیر میں چند فارسی غزلیں بھی ہیں۔ اس کلیات کے مطالعہ میں دلچسپی ہوتی ہے طبیعت نہیں اکتاتی۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی عمدہ ہے۔ قیمت عہ

تمدن ہند ڈاکٹر لی بان کی فرینچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ مع اضافہ توضیحات و حواشی شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم جو آج سے چند سال پہلے (صہ) میں یہ کتاب فروخت ہوتی رہی۔ اس میں (۳۴۹) تصاویر اور (۲) دلفریب نقشہ اور تقطیع کلاں ہے۔ اور یہ مرحوم مترجم کے زمانہ کی طبع شدہ ہے۔ مژدہ باد کہ اب یہ لائق قدر و قابل دید کتاب مجلد (صہ) میں علاوہ محصول ڈاک ملتی ہے۔ ناظرین کرام اس زرین موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں

سیرۃ النبی یعنی سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از پیدائش تا وفات شریف جس میں اقامت اسلام تاسیس خلافت اشاعت اسلام انتظامات مذہبی۔ وتکمیل شریعت۔ شمائل۔ اخلاق و عادات۔ تمدن معاشرت۔ وغیرہ وغیرہ کی تفصیل ازواج و اولاد مطہرہ کا تذکرہ ہے۔ جس کو مولانا مولوی شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے نہایت عام فہم اردو زبان میں تین جلدوں میں لکھا ہے۔ کاغذ اور طباعت نہایت بہترین ہے کاغذ قسم اول ہر یہ حصہ بلا جلد کی قیمت (صہ) کاغذ قسم دوم ہر یہ حصہ بلا جلد کی قیمت (صہ) علاوہ محصول ڈاک ہے۔

سفر حرمین الشریفین یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔ جس میں مدینہ منورہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور کثیر نقشے شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک فوٹو شامل کتاب ہیں بہت علماء و فضلاء نے اس کی خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں۔ کاغذ چکنا لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے۔ اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ قیمت بجائے (صہ) روپیہ کے (لے) روپیہ

تشریح السیاسی اس میں تاریخی واقعات کے ساتھ سیاسی معاملات کی تشریح کی گئی ہے۔ سابق فرمانروایان ممالک مختلفہ تصریح قومیت۔ وطن۔ تغلب سیاسی۔ اصول فرمانروائی کے تحت وہ وہ امور درج ہیں جو قابل دید و لایق داد ہیں۔ سیاسی نظر سے گورنمنٹ حضور نظام کی تنظیم کے متعلق جو مواد اس میں ہے۔ اس سے واقفیت از بس ضروری ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب مفید معلومات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت (عہ)

دیوان غالب اردو مطبوعہ ایران پاکٹ تقطیع نہایت خوبصورت ٹیپ قیمت (عہ)......

عقد بیوگان پر منشی فاضل مولوی محمد شمس الدین صاحب بی۔ ڈی ایچ۔ منصف و مجسٹریٹ تعلقہ پالونچہ کی تصنیف موسومہ بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی وہ پر جوش و موثر نظم ہے۔ جس کے سننے کے بعد عقد ثانی کو عیب جاننے والے حضرات راہ راست پر آجائیں گے۔ بلحاظ طبعات و کاغذ و ٹیٹل رنگین بھی نہایت دیدہ زیب دلفریب ہے۔ ہر گھر ہر کتب خانہ میں ایک جلد رہنا چاہیئے۔ قیمت صرف ۴ر

تقلید کا گھونسا آج تک رسوم قبیحہ کی تردید میں صدہا رسالے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن کتاب "حقیقۃ الرسوم" میں رسوم کے تمام پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ طبقہ علماء و امراء و غرباء میں سے ہر ایک فرد کو انتخاب کر کے مکالمہ کی صورت میں ان کے خیالات کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ مکالمہ اس قدر دلچسپ ہے کہ ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنے کے لئے جی نہیں چاہتا۔ اس کے مصنف کلیہ جامعہ عثمانیہ کے ایک ہونہار اور ممتاز طالب علم مولوی عبدالشکور صاحب ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ نصیحت آمیز ہے۔ ایک دفعہ خرید کر ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت ۸ر

بچے کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں؟ آداب مرشد نہ پڑھانے کی وجہ سے اگر آپ ایک دفعہ خرید کر اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور بچوں کو پڑھائیں۔ یا پڑھ کر سنائیں۔ تو یقیناً وہ شائستہ اور مہذب ہو جائیں گے۔ قیمت ۸ر

مطبوعہ دار الاشاعت پنجاب (۱) خواب ہستی مصنفہ مرزا محمد سعید ایم اے قیمت عا (۲) بدنصیب۔ مترجمہ پروفیسر رام سروپ کوشل۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس قیمت عا (۳) چار درویش۔ نیا ایڈیشن لکھا ہوا امیر امن دہلی والے کا قیمت عا (۴) گل بکاولی۔ نیا ایڈیشن عہ (۵) اندر سبھا امانت نیا ایڈیشن ۱۲ر (۶) عمر عیار حصہ اول و دوم مصنفہ ابوالاثر حفیظ جالندھری قیمت دو جلد عا

(۷) **سلسلہ آجکل کی الف لیلہ** نیا چاند ۱۰ر راجہ کا ہیرا عہ۔ خودکشی کی انجمن عہ۔ قصر ساحل......

موتیوں کا جزیرہ ایک نہایت ہی دلچسپ نتیجہ خیز (۱۳۱) صفحہ کا ناول ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ بدوں کو بدی کی اور نیکوں کو نیکی کی جزا کس عبرت آموز طریقہ سے ملی۔ قیمت عہ

نجم الامثال اس میں اردو کی چار ہزار کہاوتیں۔ اس کے معنی اور شرح اور قصے جو ان کے متعلق ہیں بیان کئے گئے ہیں پنجاب یونیورسٹی نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ قابل دید ہے قیمت (عا)

محبوب الاخلاق اسمیں ہر مذہب کے بزرگوں اور حکیموں کے ناصحانہ اقوال درج ہیں جن پر عمل کرنے سے فلاح دین و دنیا مقصور ہے قیمت ۱۰ر

عدد ۷-۸-۹
جلد ۱

رجسٹرڈ سرکار آصفیہ نشان ۶۱

مضامین خاص

نظام گزٹ

سالگرہ نمبر

اعلیحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ سابع

مدیرین
سید وقار احمد ام۔ اے
محمد حبیب اللہ رشدی ام۔ اے

قیمت سالگرہ نمبر آٹھ آنے

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	بارہ روپیہ
امرا و روسا سے سالانہ	دس روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصولڈاک

سالانہ	سے
ششماہی	۱ر ے
سہ ماہی	عال
فی پرچہ	۲ر ۶

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائے ۔

(۲) صرف مضامین ایڈیٹر کے نام روانہ فرمائے جائیں ۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائے ۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائے ۔

(۵) نظام گزٹ تقریباً ۔۔۔ کے حجم پر شائع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شائع ہونگی ۔

منیجر

سعیِ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات — تیری میزان ہے شمارِ سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

سالگرہ نمبر

عدد ۹۰۸ — حیدرآباد دکن: دوشنبہ ۱۵ رجب سنہ ۱۳۴۶ھ م ۹ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء م ۶ اسفندار سنہ ۱۳۳۷ف — جلد ۱

ای مقامت برتر از چرخ برین — از تو باقی سطوت دین مبین

جلوۂ صدیق از سیمائے تو — حافظ ما تیغ جوشن فشائے تو

از تو مارا صبح خندان شام ہند — استعانت مرکز اسلام ہند

دوش ملت زندہ از امروز تو — تاب این برق کہن از سوز تو

بندگانستیم ما، تو خواجۂ — از پے فردائے او دیباچۂ

پیش سلطان دین گہر آوردہ ام — قطرۂ خون جگر آوردہ ام

سر اقبال (از رموز بیخودی)

نظام گزٹ

سالگرہ نمبر

کلام الملک ملک الکلام

کلامِ نعتیہ

حضور پرنور اعلیٰحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علیخان بہادر آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ

در مدینہ تو بیا مسکن ایمان اینجاست — رحمت ہر دو جہاں مظہر رحمان اینجاست

دیدۂ دل بکشا - نور ازل را بنگر — کز فروغ نبوی جلوۂ یزدان اینجاست

مسند آرائے وفا - صدر نشینِ طٰہٰ — مہبط روح امیں حاملِ قرآن اینجاست

گو بدا این گنبد خضرا - کہ بطور سینا — آنچہ تو میطلبی موسیٰ عمران اینجاست

تیرگی گر شدہ کا خور چہ جائے عجب است — کہ ضیا بخشِ جہاں مہر درخشاں اینجاست

تو گدائے ختم رسل مہر نبوت داری — ہیچ صد خاتمِ انگشتِ سلیمان اینجاست

مژدہ اے باد صبا تشنہ لبان را مژدہ — جامِ توحید بکف ساقی دوران اینجاست

رفعت روضۂ پرنور چہ پرسی از من — بر افق کنگرہ اش نیّر رخشان اینجاست

ہمچو جبریلِ امیں خادم و جاروب کش است

بر در پاک تو عثمان علیخان اینجاست

مرسلہ نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مدظلہ

شذرات

انگریزی نیا سال شروع ہو گیا - اور بقول شخصے مرحوم "نیا سال نئے دھڑکے" ساتھ لایا - سال کے اختتام پر قومی مجلسیں ہوتی ہیں اپنی قسمت کا دکھڑا رو دیا جاتا ہے اور قومی قربانگاہ کے سامنے صوبوں کے نائب اپنے اپنے صوبہ کی جانب سے "اعتراف گناہ" کرکے "نیکی کے راستہ" پر چلنے کا تہیہ کرکے آتے ہیں - یہ ہنگامہ آرائی کیا کچھ کم تھی کہ اس سال ایک نیا شگوفہ کھلنے والا ہے - یعنی سائمن کمیشن آنے والا ہے۔

* * *

سائمن کمیشن پر غور کرنے کیلئے بمبئی میں کانگرس ہوس میں ایک جلسہ ہوا - جلسہ کی صدر زمانۂ حال کی چاند سلطانہ مسز سروجنی نائیڈو کے سوا کون ہو سکتا تھا - (مسز سروجنی نائیڈو کو ہم ژان دارک نہیں کہہ سکتے کیونکہ وجہ تشبیہ میں اختلاف اتفاق سے بڑھا ہوا ہے - البتہ چاند سلطانہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ چاند سلطانہ بھی دکن ہی کی بیٹی تھی اور مسز نائیڈو بھی دکن ہی کی دختر ہیں ؛ چاند سلطانہ نے دہلی کے بادشاہ سے مردانہ مقابلہ کیا تھا، مسز نائیڈو اس بادشاہ کے جانشینوں سے مردانہ مقابلہ کر رہی ہیں اور چاند سلطانہ اگر ایک صوبہ کی حکمران تھیں تو مسز نائیڈو بھی کانگرس کی صدر رہ چکی ہیں) جلسہ میں دو انگلستان کے فرزند اور ہندوستان کے دوست بھی موجود تھے - یعنی مسٹر فنر براک وے اور مسٹر ہارڈی جونس -

* * *

یہ دونوں حضرات حزب العمال (لیبر پارٹی) کے رکن ہیں - مسٹر فنر براک وے نے اپنی تقریر میں سائمن کمیشن کے تقرر پر ہندوستان کے حقوق اور عزت کی پامالی کی پوری تفصیل کی اور کہا کہ مقاطعہ کے ساتھ کوئی تعمیری اسکیم بھی تیار کرنی چاہیئے۔

اس جلسہ میں بہت سے بچھڑے ہوئے لیڈر جمع ہو گئے - مسٹر محمد علی (جناح) بھی تھے - اور مولانا محمد علی بھی۔

* * *

مسٹر ہارڈی جونس نے کمیشن کے مقاطعہ میں ہندوستان کو متحدہ ہو جانے پر زور دیا - اس سلسلہ میں انھوں نے ایک قصہ سنایا - کہ ایک شخص کسی پاگل خانہ کو دیکھنے گیا - وہاں بہت سے پاگل علی برادران کی طرح بہت جوشی اور خوفناک دکھائی دیئے - اس نے پاگل خانہ کے داروغہ سے کہا کہ "رات میں آپ ان کا انتظام کس طرح کرتے ہیں ؟" داروغہ نے جواب دیا "ہمارا ایک آدمی رات بھر نگرانی کرتا ہے" "ایک آدمی ؟" اس شخص نے تعجب سے دریافت کیا "کیا یہ تمام پاگل متحد ہو کر اسے مار نہ ڈالینگے ؟" "نہیں" داروغہ نے جواب دیا۔ "پاگل متحد نہیں ہوا کرتے" مسٹر ہارڈی جونس نے کہا کہ اس سے سبق لینا آپ کا کام ہے - پھر انھوں نے کہا کہ "ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے اب تک تقریباً ڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں کمیشن کا مسئلہ سب سے اہم مسئلہ ہے - ہر ہندوستانی کا یہ فرض ہے کہ اپنے ملک کی آئندہ قسمت کے فیصلہ کے لئے تیار رہے - آئندہ ہفتہ میں کانگرس کے اجلاس میں ہندوستان کو معلوم ہو جائیگا کہ اس کی قومی عزت معرض خطر میں ہے اور کانگرس کا جو کچھ تصفیہ ہوگا اس کا اثر بہت زمانہ تک اور بہت دور تک پہنچیگا - اگر میں ہندوستانی ہوتا تو اس کمیشن سے بالکل مقاطعہ کرتا" پھر انھوں نے کہا "آپ اپنے ہی اوپر اعتماد کیجئے - کسی بیرونی پارٹی یا جماعت پر بھروسہ نہ کیجئے" اور لیبر پارٹی کے اس رویہ پر اعتراضات کے متعلق کہا کہ "آپ لیبر پارٹی کو ٹوری پارٹی (حزب المحافظین) کے مساوی نہ سمجھئے - ٹوری پارٹی سرمایہ داروں کی جماعت ہے اور لیبر پارٹی مزدور پیشہ اور غرباکی جماعت ہے - کمیشن کا کچھ ہی حشر کیوں نہ ہو مگر لیبر پارٹی ہندوستان کو حکومت خود اختیاری حاصل کرنے میں ضرور مدد دے گی - ہندوستان کو اس وقت مقاطعہ کے لیئے متحد ہو جانا چاہیئے - اور انگلستان کو یہ ثابت کر دکھانا چاہیئے کہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنا خود ہندوستان ہی کا حق ہے نہ کہ کسی اور قوم کا"

* * *

مولانا محمد علی نے اپنی تقریر میں مسٹر محمد علی جناح کے اس رویہ کی طرف اشارہ کیا کہ جس وقت قوم کی رائے انگریزی حکومت سے ترک موالات کی تھی مسٹر جناح نے اس سے اختلاف کیا - غالباً اس مدت میں مسٹر جناح کو انگریزی حکومت کا تجربہ ہو گیا ہوگا کہ وہ ایک زمانہ کے بعد پھر اس اسٹیج پر ہمارے ساتھ نظر آتے ہیں - انھوں نے کہا "مجھے بھی اس موقع پر ایک پاگل خانہ کا قصہ یاد آیا - ایک پاگل شام کے وقت پاگل خانہ کی دیوار سے اوپر سر نکال کر باہر جھانکنے لگا - پاگل خانہ کے پاس سے ایک ندی بہتی تھی - وہاں ایک شخص مچھلیاں پکڑتا ہوا بیٹھا تھا - پاگل نے اس سے پوچھا -

"کیا مچھلیاں پکڑتے ہو"

"ہاں"

"کب سے یہاں بیٹھے ہو"

"صبح سے"

"کتنی مچھلیاں ملیں"

"ایک بھی نہیں"

"صبح سے بیٹھے ہو ایک مچھلی بھی نہیں ملی ؟ تو پھر اندر آجاؤ"

مطلب اسکا یہ تھا کہ جو شخص صبح سے شام تک وقت ضائع کرے ایک مچھلی بھی نہ پکڑ سکے تو پاگل نہیں تو پھر کیا ہے"

مولانا نے مسٹر جناح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انگریزی حکومت سے موالات کرکے نتیجہ دیکھ لیا - اب ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ تم اندر آجاؤ -

* * *

مولانا نے پھر مسٹر جونس سے کہا کہ آپ لیبر پارٹی کو میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ لیبر پارٹی اپنے آپ کو بھائی رامجی میکڈونلڈ، اور مسٹر ٹھامس جیسے حضرات سے بچا لیے۔

* * *

اور بھی کئی لوگوں نے تقریر کی جس میں مسٹر جھابوالا نے بہت جوش و خروش دکھایا - آپ نے کہا کہ جس دن سائمن کمیشن یہاں آئیگا اس دن میں عام ہڑتال کرا دونگا تاکہ سائمن کمیشن کم از کم ایک دن جہاز ہی میں رہے اور ساحل پر اتر نے نہ پائے - اخیر پر صدر صاحبہ نے بہت فصاحت آمیز تقریر کی آپ نے مسٹر جونس کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "مسٹر جونس ہماری ان تقریروں سے ڈرانا نہیں جو لیبر پارٹی کے خلاف کی گئی ہیں"

اس وقت حکومت برطانیہ کے اس رویہ سے ہمارے دل دکھے ہیں"

اس کے بعد جلسہ ختم ہوا کہ آئندہ ہفتہ کانگرس میں جمع ہونگے۔

* * *

اس دفعہ دیسی ریاستوں کے باشندوں کی کانفرنس کا سالانہ جلسہ بمبئی میں ہوا - صدارت کا قرعہ فال دیوان بہادر ام۔ رامچندر راو کے نام نکلا - حیرت ہے کہ اس کام کے لئے سکھوں کے سنت اور عیسائیوں کے سینٹ، نہال سنگھ صاحب کو کیوں بھلا دیا گیا۔

* * *

سنت صاحب بھی تو دیسی ریاستوں کے بڑے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں - اور خصوصاً حیدرآباد کے ساتھ آپ کو جو خاص ہمدردی ہے کسی تعارف کی محتاج نہیں -

* * *

ہمیں معلوم ہوا تھا سنت صاحب کو غالباً حیدرآباد کی تاریخ لکھنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا - مواد کے فراہم کرنے میں ہر قسم کی سرکاری مدد دی گئی تھی - غالباً سرکاری طور پر مہمان رکھا گیا تھا - اور ایلورا اجنٹا وغیرہ تاریخی مقامات پر ان کے دورے کا سرکاری طور پر اہتمام ہوا تھا - سنت صاحب نے غالباً عیسائی دیانت داری سے کام لیکر ایک رسالہ تو جی - ای - پی ریلوے کو لکھدیا اور اخبار "ہندو" مدراس میں حیدرآباد کی سلطنت کے متعلق تعجب خیز غلط بیانیوں سے بھرے ہوئے مضامین لکھے ریاست کے اعلیٰ افسروں کو جن کے بنگلوں پر وہ تملق آمیز تبسم کے ساتھ حاضری دیا کرتے تھے ایسے رنگ میں پیش کیا کہ گویا وہ الف لیلےٰ کے افراد تھے (جیسے یہ خود سنت صاحب کی شخصیت الہ الدین سے کم نہیں)

* * *

قلم کا سحر واقعی الہ دین کے طلسمی چراغ سے زیادہ پر اثر ہے - اس کا اثر سے خود سنت صاحب خوب واقف ہیں - چنانچہ حیدرآباد کے افسروں کے تصویروں کے بعد ان کا وہ مضمون دیکھنے کے لائق ہے جسکی سرخی "ہمارے کلرک اپنے گھر میں" ہے -

* * *

اس مضمون میں سنت جی نے انگلستان کے قلیوں بھنگیوں - اور ادنیٰ طبقے کے افراد کی تصویر کھینچی ہے - اور اس میں ایسی ساحری دکھائی ہے کہ یہ لوگ واقعی حکمران معلوم ہوتے ہیں خواہ ان کے ہاں توپ اور بندوق کی جگہ آلہ حکمرانی بنپ اور جھاڑو ہی کیوں نہو - دونوں مضمونوں سنت جی کا مضمون واحد ہے -

* * *

غرض اس کانفرنس کے صدر سنت جی نہیں تھے - کانفرنس ہوئی اور کامیاب رہی -

صدر استقبالیہ کا خطبہ بھی ہوا اور صدر کانفرنس کی تقریر دلپذیر بھی ہوئی - تحریکیں پیش ہوئیں - دیسی ریاستوں کے رعایا کے سچے جان نثاروں نے دیسی ریاستوں کے باشندوں کے لئے خون پانی ایک کر دکھایا -

* * *

مقاطعہ کا راگ تاریخ کی تاریک صدیوں کیلئے شاید پرانا ہو گیا ہو مگر مختصر عمر والے ہندوستانیوں کیلئے ضرور پرانا ہے - ہندوستان کو مقاطعہ کا سبق پڑھانیوالے سب سے بڑے استاد مہاتما تلک آنجہانی تھے مگر یہ نادان ومتعالی بچہ (ہندوستان) اس سبق کو اپنی موٹی عقل کی وجہ سے سمجھ سکا سمجھا تو یاد نہ رکھ سکا - دن گزرتے گئے - مہینے گزرتے گئے اور برسوں کے بعد مہاتما گاندھی نے اسی آواز کو ایک نئی قوت سے دھرایا - اب کی دفعہ اس سبق کا بہت اچھا اثر پڑا - ترک موالات تو خیر مگر ترک لباس بہتوں نے کیا - سفید سفید کھادی کی بہار جنبیلی کے پھولوں کی طرح کچھ ہی دن رہی پھر ہم ہیں اور بدیسی پوشاک! ہندوستان ہے اور ماتمی لباس!

* * *

سائمن کمیشن کا تقرر ہندوستان کی عزت پر ایک گونہ ہے - مگر اس گھونسہ کا علاج؟ وہی اپنا پرانا حربہ "مقاطعہ"! بے شک مقاطعہ مگر اس پر اتحاد کہاں - اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے اژدہوں نے جنبش کی - بہت سے لکیر کے فقیروں نے راہ بدلی - بہت سے بدمستوں نے ہوش کی لی اور بہت سے جی حضوریوں نے سسکتے سسکتے آہ کی - مگر پھر بھی اتحاد کامل نہیں - زندہ دلان پنجاب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی کی مسجد علحدہ بنانا چاہتے ہیں اور بہار، بنگال اور ناگپور سے بھی ایک آدھ دبی ہوئی آواز مقاطعہ کے خلاف سنائی دیے جاتی ہے - بااین ہمہ مقاطعہ کرنے والوں کی کثرت ہے اور مقاطعہ کا جوش ہے -

* * *

گذشتہ زمانے میں ہر ہر قوم اور ہر ہر فرقے کے مختلف جنگی نعرے ہوا کرتے تھے - سائمن کمیشن سے ہماری جو جنگ چھڑنے والی ہے اس کے لئے جنگی نعرہ "بائیکاٹ" "مقاطعہ" قرار پایا ہے اور جوش غضب میں ہر ہر وقت یہ نعرہ ہماری زبان سے نکل پڑتا ہے -

* * *

حال میں اخبار انڈین نیشنل ہیرلڈ (ہندوستانی قومی نقیب) کے ایک نامہ نگار مسمی بہ "گولکنڈہ" (ع کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی - غالب) نے ہمدردی سے ایک مضمون میں (جسکا اقتباس آئندہ نمبر میں درج کیا جائیگا) اعلحضرت حضور پر نور کو بٹلر کمیشن سے "مقاطعہ" کی استدعا کی ہے - کیا یہ سائمن کمیشن کے مقاطعہ کی گونج نہیں ہے - جو گولکنڈہ میں پیدا ہوئی ہے یا ہونا چاہتی ہے -؟

* * *

ہمیں نامہ نگار موصوف کی اس رائے سے کچھ بحث نہیں کہ اچھی ہے یا بری - مگر ہم نامہ نگار موصوف کے حافظہ کو تازہ کرنا چاہتے کہ وہ ذرا حال ہی کے اس واقعہ کو یاد کرلے کہ ہمارے اعلحضرت حضور پر نور نے مسئلہ برار کے سلسلہ میں حکومت برطانیہ کو کیا مراسلہ لکھا تھا؟ (بہتر ہوگا کہ وہ اس مراسلہ کو اس مرتبہ پھر پڑھ لے) ہم نامہ نگار موصوف سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہندوستان کی تاریخ اس واقعہ کی نظیر پیش کر سکتی ہے کہ کوئی والی ریاست اب تک حکومت برطانیہ کے مقابلہ میں اپنے حقوق کی حفاظت میں ایسی مستقل مزاجی سے ثابت قدم رہا - جیسا کہ حضور نظام؟

* * *

آج مہاراجہ بھرت پور کے کمیشن کو قبول کرنے کا افسوس ناک واقعہ ملک کے پیش نظر ہے - یہ وہ چیز ہے جس سے ہندوستانی حکمرانوں کی عزت اور حیثیت معرض خطر میں ہے - کیا ہمارے ہندوستانی قومی نقیب کو اس طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے یا آنے والے بٹلر کمیشن کی طرف اعلحضرت حضور پر نور لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند سے معاملت کر چکے ہیں وہ ان آنے والے تین بٹلروں (BUTLER Trio) سے سمجھ لینگے - مگر ہندوستانی قومی نقیب کا یہ فرض ہے کہ "گولکنڈہ" کی گونج کو صرف حیدرآباد کی فصیل تک ہی نہ ٹکرائے بلکہ اس کو بند صیانت اور بستہ پڑا کے باہر بھی پہنچائے -

* * *

صدر (کانگریس) نے زور و شور کی تالیوں میں اعلان کیا کہ ذیلی مجلس نے ہندو مسلم اتحاد کی تحریک منظور کرلی"

خدا کا شکر ہے کہ کانگریس کی ذیلی مجلس نے ہندو مسلم اتحاد کو ضروری سمجھا اور اتحاد کی تحریک منظور کرلی واقعی کہ سوال کہ ہندؤں اور مسلمانوں کو متحد ہونا چاہئے یا نہیں - بہت گہرے غور و فکر کا محتاج تھا - کیونکہ جس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف ہوا اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے اس وقت بھی ہندو مسلم نفاق کی تحریک بہت غور و فکر کے بعد کانگریس کی ذیلی مجلس میں منظور ہوئی تھی!

* * *

کلکتہ میں یوروپین اسوسیئشن کا جو سالانہ جلسہ ہوا اسکے متعلق اخبار انڈین نیشنل ہیرلڈ نے بہت دلچسپ نوٹ لکھا ہے اس کا اقتباس حسب ذیل ہے -

یوروپین اسوسی ایشن کے سالانہ جلسہ میں مسٹر ای دلیرس نے بہت سے بیانات میں یہ دلچسپ بات کہی -

"حضرات! موجودہ ہندوستانی فوج ہندوستان کیلئے انگلستان کا ایک تحفہ ہے"۔

یہ انگلستان کی بڑی نیاضی ہے مگر مسٹر دلیرس کو چاہئے کہ تاریخ کا کوئی ابتدائی رسالہ دیکھیں اور اپنے دل پر ہاتھ رکھکر اس بات کا انکار کریں کہ آیا ہندوستان خود اپنے سپاہیوں کی وجہ انگلستان کو ایک تحفہ نہیں ہے - اور وہ پھر اپنے آپ سے دریافت کریں کہ ہندوستانی سپاہیوں کا خرچ کون ادا کرتا ہے - اور ہندوستان کی گورا فوج کے مصارف کس کے سر پڑتے تھے - خدا جانے کتنی محفوظ فوجوں کے تربیت یافتہ سپاہیوں

نظام گزٹ
سالگرہ نمبر
دوشنبہ ۱۵ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ

سالگرہ ہمایونی

اگرچہ موجودہ زمانہ میں بادشاہ پرستی کا دور باقی نہیں رہا - اور دنیا کے اکثر ممالک میں بادشاہت کی جگہ جمہوریت نے لے لی ہے - مگر بعض ملک اب بھی ایسے ہیں جہاں بادشاہت بہت کچھ قوت رکھتی ہے - موجودہ زمانہ میں بادشاہت کی انتہائی صورت جاپان میں ہے - جاپانی اپنے بادشاہ کو راست دیوتاؤں کی نسل سے مانتے ہیں اور اس کی تعظیم اس طرح کرتے ہیں کہ جس پر سجدہ اور رکوع کا شبہ ہوتا ہے -

بادشاہ کو دیوتا ماننا جاپانیوں ہی کا مخصوص عقیدہ نہیں بلکہ یہ عقیدہ قدیم مصریوں کا تھا جو جبراً فرعون مصر کو سجدہ کیا کرتے تھے - قدیم ایران میں بادشاہ کے ساتھ "فر کیانی" کا عقیدہ وابستہ کیا گیا تھا - اور قدیم ایران کے باشندے شاہی نسل کو آسمانی حق کے اس اعتقاد کے ساتھ مانتے تھے کہ وہ عقیدہ تقریباً مذہبی عقیدہ بن گیا تھا - ایرانیوں کے عقیدہ کی دلچسپ مثال سکندر اعظم کے قصے میں ملتی ہے -

سکندر نے جب ایران کو فتح کر لیا تو قدیم ایرانیوں کو یہ تسلیم کرنا گوارا نہ ہوا کہ ان کے ملک پر قدیم بادشاہ کی جگہ ایک یونانی فاتح حکمرانی کرے - اسلئے یہ قصہ تراشا گیا کہ دارا کے باپ نے یونانی بادشاہ فلپ کی بیٹی سے شادی کی تھی لیکن اس شہزادی سے ناخوش ہو کر دارا نے اسے اپنے باپ کے ہاں یونان روانہ کر دیا شہزادی حمل سے تھی اس سے سکندر اعظم پیدا ہوا اسطرح سکندر اعظم دارا کا بڑا بھائی اور تخت ایران کا صحیح جانشین ہوا تاریخ کے محققین کو یہ قصہ کیسا ہی مضحکہ انگیز نظر آئے مگر قدیم ایران کا ایک طبقہ اس قصہ کو سچا مانتا تھا -

بادشاہ کے متعلق جدید علماء سیاسیات کے مختلف نظریئے ہیں بعض بادشاہ کو قومی عزت کا مجسمہ مانتے ہیں اور اسکو تمام معمولی بندشوں سے بالا و برتر رکھتے ہیں - چنانچہ انگریزی کا ایک مشہور فقرہ ہے "بادشاہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا" اس اصول کے تحت بادشاہ کو قانون ملک سے بھی ممتاز کر دیا ہے - اس لئے اس کی ہر خطا کا ذمہ دار وہ خود نہیں ہوتا بلکہ اس کے مشیر اور حکومت کے عہدہ دار ذمہ دار ٹھیرتے ہیں - آج کل انگلستان میں اگرچہ بادشاہ کی قوت عملی حیثیت سے کچھ نہیں یعنی انگلستان کا بادشاہ انتظام مملکت میں قطعی دخل نہیں دیتا مگر نظری حیثیت سے اسکو قوم نے بہت بڑا درجہ دیا ہے - اور بادشاہ کی قدیم عزت و توقیر میں ذرہ برابر کمی نہیں ہونے پائی -

ہندوستان قدیم سے بادشاہ پرست رہا ہے - اس نے اپنے بادشاہوں کی عزت اور عظمت کی بڑی حمایت کی ہے - چنانچہ شاستروں میں بادشاہ کی اطاعت کے احکام موجود ہیں جس پر تمام راسخ العقیدہ ہندو حضرات کاربند ہیں - اسلام میں اگرچہ ابتدائی زمانہ میں بادشاہ کا تخیل نہیں پیدا ہوا مگر خلافت عباسیہ نے آہستہ آہستہ "خلافت" کو "ایرانی بادشاہت" میں بدل دیا - اسلام میں بادشاہت کے بانیوں میں فلفائے بنو امیہ کا کوئی معمولی حصہ نہیں مگر اس کی تکمیل بنی عباس ہی نے کی -

ہندوستان میں مغلیہ دور تک بادشاہ پرستی کا عروج اتنا نہیں ہوا جتنا کہ بعد میں اسکا ظہور ہوا - مغلیہ دور میں شہنشاہ بابر ایک خالص مستقل بادشاہ تھا جیسے شاہی آداب و رسوم کا اتنا خیال نہ تھا اسکی زندگی ایک سپاہی کی زندگی رہی جس میں جنگ اور بہادری کے کارنامے ہی قابل داد اور قابل وقعت تھے - بابر کے بعد ہمایوں کا زمانہ پریشانیوں اور بے اطمینانیوں میں کٹا - شہنشاہ اکبر کے دور سے مستقل حکومت شروع ہوتی ہے - اکبر کے سپاہی کارنامے کچھ پوشیدہ نہیں - اکبر نے ایک سخت مسلمان ایک کٹر ملا کی حیثیت سے زندگی شروع کی اور اپنی نبوت کے اعلان پر خاتمہ کیا - حکومت کے زور میں پیغمبر بن بیٹھا اور ایک نئے دین کی بنا ڈالی - مغلیہ دور میں یہاں سے بادشاہت ایک نئے قالب میں ڈھل گئی اور درباری آداب و رسوم کا ایک بڑا سلسلہ ارتقا پایا - بادشاہ کے سامنے تسلیم کی صورت جاپان کی موجودہ رسم سے کچھ کم نہ تھی - اسکا اثر امرا اور عوام پر پڑا - اسکا نتیجہ آج تک ہم دیکھ رہے ہیں کہ سلام کرنے میں ایک انسان کا سر دوسرے انسان کے سامنے رکوع کے برابر جھک جاتا ہے -

سلطنت آصفیہ مغلیہ دور کے آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہوئی اور حقیقی معنی میں مغلیہ تہذیب کی علمبردار تھی - درباری رسوم و آداب بھی قائم تھے جو دربار دہلی میں جاری تھے - چنانچہ بادشاہ کی سالگرہ کی رسم بھی انھیں رسموں میں کی ایک خوشگوار رسم ہے -

اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ دکن کے اس دور عثمانی میں ان مغلیہ رسوم کی شکل کیا بن گئی - سلام کا وہ طریقہ جسکو ہم نے رکوع کے مشابہ بیان کیا ہے ہمارے روشن خیال بادشاہ کے ساتھ اختیار کیا گیا تو حضور نے اس طریقہ کو ناپسند فرمایا اور تاکید فرمائی کہ "مجھے اسلامی طریقہ پر سلام کیا کرو"

مغلیہ دور میں سالگرہ کے موقع پر وہ عیش و نشاط کا جشن جمشیدی منعقد ہوا کرتا تھا کہ اسکی مثال قدیم ایرانیوں کے ہاں بھی غالباً نہ ملتی - سلطنت آصفیہ میں بھی ابتدا ہی رواج رہا مگر دور عثمانی میں وہ بات جاری نہ رہ سکی - حضور نے عیش و نشاط کو قطعاً بند فرما دیا اور اسکی جگہ افواج کا چھاتہ سلامی، اور ڈنر کا مہذب طریقہ جاری ہوا - سالگرہ کی خوشی میں راگ رنگ کا طریقہ شہر حیدرآباد ہی میں رائج نہ تھا بلکہ اضلاع میں بھی یہ چیز بہت مرغوب تھی حضور نے اضلاع کے عہدہ داروں کو بھی اسکے انسداد کے فرمان صادر کئے - سالگرہ کی خوشی میں ہمارے فرمانروا نے ملک کے فائدہ کو ملحوظ رکھکر ملکی مصنوعات کی نمائش کی ابتدا فرمائی - اس سے سال بھر میں ایک دفعہ ملک کی تمام مصنوعات ایک جگہ جمع ہونے لگیں اور عوام کو جنھیں ان مصنوعات کا دیکھنا برسوں نصیب نہ ہوتا تھا ہر سال دیکھنے کا موقع مل گیا - اسطرح ملک کی صنعتی ترقی کا حال سال بسال اس نمائش سے معلوم ہونے لگا - اعلیحضرت نے صرف نمائش ہی جاری نہیں فرمائی بلکہ نمائش کے لئے کثیر مصارف سے ایک مستقل عمارت بنوا دی -

بادشاہ کی سالگرہ بادشاہ کی ذاتی خوشی ہی کی تقریب نہیں ہے بلکہ وہ تمام قوم اور ملک کی خوشی کی تقریب ہے یہ وہ موقع ہے کہ ملک کو تمام سال کی جد و جہد پر نظر انتقاد کے ڈالنے کا موقع ملتا ہے - ملک کی نمایاں خدمات انجام دینے والے افراد کو خطابات کی عزت سے سرفراز کیا جاتا ہے - اسی زمانہ میں ملک کی صنعتی حالت پر نظر انتقاد ڈالنے کا خیال کتنا پاکیزہ اور لاجواب خیال ہے -

اب دور عثمانی کی تیسری برکت پر نظر ڈالئے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اس وقت دنیا میں شخصی عظمت کا دور نہیں رہا بلکہ جمہوریت کا دور ہے ہمارے بادشاہ نے باوجود پورا اقتدار اپنی رکھنے کے اپنی ہی رضامندی اور خوشی سے جمہوریت کی بنا ڈالی یعنی حکومت کے فرائض کو اپنے ذمہ سے کم کر کے ایک جماعت کے تفویض فرمایا ممکن تھا کہ حیدرآباد میں دیوان کے تقرر کا طریقہ پھر جاری کیا جاتا اسطرح قدیم شخصی حکومت کی طرز پھر جاری ہو جاتی مگر حضور کی دور اندیشی اور ملک کی محبت نے یہ گوارا نہ کیا اور حضور نے یہ فرائض بابِ حکومت کے تفویض کر دئے کیا ایسے جمہوریت پسند بادشاہ کی سالگرہ کی خوشی رعایا کو نہ ہوگی -

حقیقت یہ ہے کہ اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر سلطان العلوم کے دور سے اس قدیم ریاست میں ایک نئے عہد کی ابتدا ہوئی ہے - ایک اخبار نویس نے سچ کہا کہ دکن کی سلطنت کے اس نئے دور سے اس سلطنت کو "دولت آصفیہ" کی جگہ "دولت عثمانیہ" کہیں تو بجا ہوگا کیونکہ اصولاً اب دولت آصفیہ اور دولت عثمانیہ میں بین فرق ہو گیا ہے -

اخیر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اے خدا جسطرح تیرے فضل سے اس سلطنت کے تمام ادوار پر دور عثمانی سبقت لے گیا ہے اسی طرح دور عثمانی کی عمر اور دوروں پر سبقت لے جائے اور خسرو دکن سلطان العلوم شاہ عثمان صدہا سال سلامت رہیں -

اعلیحضرت سلطان العلوم

نواب میر عثمان علیخان بہادر آصف سابع خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

حضرت اقدس و اعلیٰ کا خاندان تاریخ ہند میں ایک یت مشہور اور نامور خاندان ہے - باپ کی جانب سے اس ذان کا سلسلہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ی ہوتا ہے اور ماں کی جانب سے خود حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر۔

تیرہویں صدی عیسوی میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بڑے مشہور بزرگ گزرے ہیں جو اس خاندان کے اجداد میں سے تھے - آپ کے تین سو سال بعد آپ کی اولاد میں سے نواب عابد علی خان جو بخارا کی قضات اور شیخ الاسلام کے منصب پر سرفراز تھے، ترک وطن کر کے شاہجہاں بادشاہ کے آغاز زمانہ میں ۱۶۵۵ء میں ہندوستان آئے - یہاں ان کے فرزند شہاب الدین ملقب بہ غازی الدین اورنگ زیب کی اس فوج کے سپہ سالار تھے جس نے قلعہ گولکنڈہ کا محاصرہ کیا تھا -

شہاب الدین نے سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں بادشاہ کی لڑکی سے شادی کی - ان کے بطن سے ایک فرزند میر قمر الدین پیدا ہوئے جو بعد میں نظام الملک کے خطاب سے مشہور ہوئے -

ابھی آپ کی بیس سال کی عمر تھی کہ شاہنشاہ اورنگ زیب نے آپ کو چین قلیچ خاں کا خطاب دیا جس کے بعد آپ صوبہ دار بیجاپور مقرر ہوئے - بہادر شاہ نے آپ کو حکومت اودھ اور خدمت فوجداری لکھنؤ سے سرفراز کیا لیکن آپ نے اسکو قبول نہیں کیا اور پانچ سال تک علما اور اہل تقویٰ کی صحبت میں بسر کی اور تمام ظاہری نمائش سے کنارہ کشی کر لی - جہاندار شاہ نے آپ کو خانہ نشینی ترک کر کے شاہی خدمت قبول کرنے کے لئے بیحد مجبور کیا مگر آپ اس پر راضی نہ ہوئے - آخرکار فرخ سیر نے آپ کو نظام الملک فتح جنگ کے خطاب سے سرفراز کر کے حکومت دکن و کرناٹک عنایت کی - نظام الملک نے اس اعلیٰ عہدہ پر پہونچ کر بہت سے نمایاں خدمات انجام دیئے - اس کے بعد محمد شاہ نے آپ کو اپنا وزیر اعظم بنایا - آپ نے سلطنت مغلیہ کو تباہی و بربادی سے بچانے کی بے انتہا کوشش کی نادرشاہ کے قتل عام دہلی کے وقت خود بادشاہ دہلی بھی اس کے موقوف کرانے کی نادرشاہ سے استدعا نہیں کر سکتے تھے مگر آپ نے نادرشاہ سے کہکر اس قتل عام کو موقوف کروا دیا - جیسا کہ نظام الملک کے وصیت نامہ سے ظاہر ہے انھیں نادرشاہ نے ہندوستان کی سلطنت دینی چاہی تھی مگر آپ نے انکار کیا - چنانچہ فرماتے ہیں "نادرشاہ والی ایران کہ از غلبہ بدہلی رسید و بفرط عنایت ما را بعطائی سلطنت ہندوستان اشعار کرد - فی الفور عرض کردم کہ ما مردم نوکر پیشہ مشہور بنمک حرامی خواہیم شد بحضرت را بہ بد عہدی شہرت خواہند داد محفوظ شد و آفریں گفت"۔

اس خاندان عالیشان کے ساتویں حکمران ہمارے آقائے ولی نعمت، سلطان العلوم خسرو دکن ہیں آپ کی ولادت باسعادت ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۳ ہجری م ۵ اپریل سنہ ۱۸۸۶ء میں ہوئی جس سے ملک بھر بڑی خوشی منائی گئی - پانچ سال کی عمر میں آپ کی "بسم اللہ" بڑے اہتمام کے ساتھ ہوئی جنت مکان غفران مکان کو ابتدا ہی سے آپ کی تعلیم کا بہت خیال تھا اس لئے بسم اللہ کے بعد مولوی انوار اللہ خان صاحب معتمد مدرسہ نظامیہ (معتمد صدر المہام امور مذہبی) مذہبی تعلیم مسٹر ایجرٹن انگریزی تعلیم اور آغا سید علی شوستری اور نواب عماد الملک بہادر جیسے وحید العصر قابل افراد فارسی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے - اس کے علاوہ جرمن فرنچ، مرہٹی، تلنگی وغیرہ کیلئے علحدہ انتظام ہوا چنانچہ حضور اقدس و اعلیٰ انگریزی، فارسی، عربی، جرمن، فرانسیسی، مرہٹی، تلنگی وغیرہ زبانوں میں خاص مہارت رکھتے ہیں -

حضرت اقدس و اعلیٰ کو ڈرائنگ، فوٹوگرافی اور انجینئرنگ میں کافی دخل ہے - کرنل افسر الملک بہادر کمانڈر انچیف افواج آصفیہ نے آپ کو فوجی تعلیم دی اور آپ کو نشانہ بازی گھوڑے کی سواری اور دوسرے فوجی کاموں کی خوب مشق کرائی چنانچہ ان شاہانہ فنون میں بھی آپ مہارت تامہ رکھتے ہیں -

حضرت غفران مکان نے آپ کو امور سلطنت کا عملی تجربہ حاصل کرانے کیلئے خاص انتظامات فرمائے تھے اور اکثر سیر و سفر میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے تھے چنانچہ (۱۴) سال کی عمر میں سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ نے اپنے والد مرحوم کے ساتھ کلکتہ میں وائسرائے ہند سے ملاقات کی - اسکے بعد سنہ ۱۹۰۲ء میں دربار تاجپوشی حضور ایڈورڈ ہفتم میں بھی آپ ساتھ تھے -

سنہ ۱۳۲۴ھ میں آپکا عقد نواب جہانگیر جنگ بہادر کی دختر نیک اختر سے ہوا - ۸ محرم سنہ ۱۳۲۵ھ کو بڑے شاہزادہ اور ۱۵ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۲۶ھ کو دوسرے شہزادہ تولد ہوئے -

۸ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۹ھ م ۲۹ اگست سنہ ۱۹۱۱ء م ۲۲ مہر سنہ ۱۳۲۲ف کو ستائیس سال کی عمر میں آپ تخت نشین ہوئے ارکین سلطنت کے علاوہ رزیڈنٹ بہادر نے اپنی اور برطانوی حکومت کیطرف سے مبارکباد پیش کی - یکم ستمبر کو اعلیحضرت کا پہلا دربار مسند نشینی منعقد ہوا جس میں رزیڈنٹ بہادر کی تقریر کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا

"میری بہترین کوشش ہوگی کہ اپنے پیارے باپ
اور محسن کی حلیفانہ روایات کو نہ صرف برقرار
رکھوں بلکہ مستحکم کروں کیونکہ یہ استحکام درحقیقت
رعایائے دکن اور سلطنت ہند کی فلاح کیلئے
از بس ضروری ہے"

اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند حیدرآباد آئے اور اعلیحضرت میر محبوب علیخان بہادر سابق کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کیا -

سنہ ۱۹۱۳ء میں لارڈ ہارڈنگ دوبارہ حیدرآباد آئے اور اعلیحضرت کو کاروبار سلطنت کی بذات خود نگرانی کرتے اور حکومت کے ہر کام میں گہری دلچسپی رکھتے دیکھکر آپ کی معدلت گستری اور بے تعصبی کا اعتراف کیا -

سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی، حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے خاندانی روایات کو جاری رکھکر حیدرآباد امپیریل سروس ٹروپس رجمنٹ کو مصر روانہ کیا - اور قرضہ جنگ میں ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ عطا فرمایا اسکے علاوہ پندرہ لاکھ روپیہ محکمہ بحری آبدوزی کے استحکامات کیلئے نذر کئے -

حضرت اقدس و اعلیٰ کا سب سے بڑا کارنامہ حکیمانہ یادگار ہے

آنے والی نسلوں کے دلوں میں تازہ رہیگی، جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے چنانچہ ۲۶ رجب ۱۳۳۶ھ کو فرمان مبارک اس تعلیمی سرچشمہ کیلئے شرف صدور لایا۔ سلطان العلوم خسرو دکن نے جامعہ عثمانیہ کے مقاصد کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

"اس سے مقصد اول یہ ہے کہ مملکت میں تعلیم پھیلائی جائے اسکے علاوہ اسکا مطمح نظر یہ بھی ہونا چاہئے کہ طلبا کی اخلاقی تربیت بھی کیجائے اور ان میں تمام سائنٹفک مضامین کا شوق دلایا جائے"

چنانچہ اس فرمان کی تعمیل میں ۱۳۲۶ھ میں دارالترجمہ قائم ہوا اور ۱۳۳۱ھ تک ضروری کتابوں کا ترجمہ بھی ہوگیا۔ حضور ممدوح کی اس تحریک نے ملک میں علمی روشنی پھیلادی اور ہر طرف علمی انجمن کتب خانے قایم ہوے۔ ملک میں علمی رسائل و اخبار جاری ہوئے غرض یہ تمام ترقی حضرت جہاں پناہی ہی کی روشن ضمیری کی وجہ سے ظہور میں آئی۔

مجلس رفقاء جامعہ عثمانیہ نے حضرت جہاں پناہی کی اس علمی سرپرستی کا شکریہ ادا کرتے ہوے ۱۹۲۳ء میں "سلطان العلوم" کی اعزازی ڈگری پیش کی۔ اور آپ کی معارف نوازی کا ان الفاظ میں اعتراف کیا

الحمدللہ کہ آج وہ مبارک دن ہے جو نہ صرف جامعہ عثمانیہ بلکہ تمام جامعات عالم کی تاریخ میں یادگار رہیگا کہ خود فرمانروائے سلطنت نے جو اسکے بانی اور سرپرست اعلیٰ ہیں اسکی اعزازی ڈگری قبول فرمانے کیلئے مجلس رفقا کو عزت بخشی ہے۔

تاریخ عالم سے واضح ہوتا ہے کہ سلاطین اسلام نے ہمیشہ علم کی سرپرستی میں خاص حصہ لیا ہے اور بندگان حضرت پناہی کو جو انہماک و دلچسپی ترویج علم سے ہے اور بندگان حضرت نے اپنی علم پروری اور ہنر گستری کو حصول علم کیلئے جو مناسب اور مفید طریقہ اس جامعہ کے قیام سے جاری فرمایا ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی"

تعلیمی ترقی کے علاوہ سلطان العلوم خسرو دکن نے اپنی شخصی حکومت کو جمہوریت میں تبدیل فرمایا حضور پر نور کے ایثار اور بیدار مغزی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔

۲۱ نومبر ۱۹۱۹ء کو قصر شاہی میں دربار منعقد کر کے حضرت جہاں پناہی نے اگزیکیٹو کونسل کی رسم ادا کی اور ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

"جب میں تخت نشین ہوا اور میں نے اپنی حکومت کے نظم و نسق کی جانچ پڑتال کی تو مجھے یقین ہوگیا کہ جب تک گورنمنٹ میں سراسر تغیر نہ کیا جائے سیسے خامیاں رفع نہیں ہوسکتیں۔ میں نے نہایت محنت اور دماغ سوزی سے غور اور فکر کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ تمام نظم و نسق کا انتظام بلاشرکت اپنے ہاتھ میں لے لوں۔ وزیر اعظم کی اعانت کا محتاج نہ رہوں پانچ سال تک میں محنت شاقہ کرتا رہا۔ اور ان تدابیر و قواعد کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا جس میں میری عزیز رعایا کی فلاح وبہبود کا یقین تھا کیونکہ رعایا کی خوشنودی و ترقی کا مجھے اس حد تک خیال ہے جتنا کسی باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ انتظام حکومت پر جب میں نے بذات خود غائر نظر ڈالی تو مجھے تجربہ ہوا کہ موجودہ طریقہ کو بدل دینے کی ضرورت ہے .... لہذا میں نے بعد غور و فکر طے کرلیا کہ اپنی گورنمنٹ کی ایک نئی صورت قائم کروں۔ ... اس مقصد پر نظر رکھکر میں نے ایک اگزیکیٹو کونسل قائم کی جسکا ایک صدر ہوگا اور سات ممبر ہوں گے"

غرض سالہاسال سے جو آئین حکومت تھے وہ اس بیدار مغز روشن ضمیر بادشاہ کے فرمان سے بدل دئے گئے اور اب خدا کے فضل سے یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا۔

۲۲ صفر المظفر ۱۳۴۵ھ کو اعلیحضرت سلطان العلوم نے مجلس وضع قوانین کی توسیع منظور فرمائی۔

ان عظیم الشان کاموں کے علاوہ حضرت جہاں پناہی نے اپنے دور حکومت میں کئی ایک اصلاحیں کیں پہلے تحصیلداروں کو عدالتی اختیارات بھی تھے اس سے تحصیلدار خود ہی مقدمہ چلاتے اور خود ہی مقدمہ کا فیصلہ کردیتے تھے۔ قانون نصفت کے لحاظ سے یہ دو عملی مبنی برانصاف نہ تھی اس روشن ضمیر حکمران نے اس خرابی کو بھی دور کیا۔ اور ملک میں نئی ایک منصفیاں قائم کردیں۔

۱۹۰۸ء میں موسی ندی میں طغیانی آئی تھی جس سے لاکھوں آدمی تباہ و برباد ہوگئے۔ حضرت جہاں پناہی نے اپنی رعایا کی فلاح وبہبود کے مدنظر "عثمان ساگر" اور "حمایت ساگر" لاکھوں روپیہ صرف کرکے تعمیر کروائے۔ اسکے سوائے نظام آباد میں ایک بڑا بند تیار ہورہا ہے جسکا شمار دنیا کے بڑے سے بڑے تالابوں میں ہوگا۔ ہزاروں ایکڑ زمین میں کھیتی ہوگی۔ اور اس سے بجلی کی قوت بھی پیدا کیجائیگی۔ اسکی تعمیر میں سرکار کا کئی کروڑ روپیہ خرچ ہوگا۔

حضرت اقدس و اعلیٰ کی تخت نشینی کے دو سال بعد محکمہ آرائش بلدہ قائم ہوا۔ حیدرآباد کے پہلے کے مکان بہت تنگ اور بدوضع تھے اس لئے حکم ہوا کہ ان مکانوں کو توڑکر نئے مکان تعمیر کرائے جائیں۔ چنانچہ جدید نامپلی میں یہ تجربہ کامیاب رہا۔ اور یہ محلہ تمام بیماریوں سے پاک ہے۔

اسکے پہلے سڑکیں بہت تنگ تھیں۔ محکمہ آرائش بلدہ کی زیر نگرانی ان کی توسیع ہورہی ہے۔

اس دور عثمانی میں کئی ایک عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوئیں باغ عامہ میں نمایش، کتب خانہ اور ایک چھوٹی سی مگر خوبصورت مسجد بنوائی گئی۔ موسیٰ ندی کے کنارے عدالت العالیہ اور عثمانیہ ہائی اسکول کی شاندار عمارتیں ہیں، ان دونوں پر تقریباً (۳۶) لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ ان کے مقابل موسیٰ ندی کے دوسرے کنارے ایک عالیشان شفاخانہ بنایا گیا ہے جس میں سینکڑوں مریضوں کیلئے رہنے کی جگہ اور علاج کا انتظام ہے۔ حضور ہی کے عہد میں محکمہ آثار قدیمہ قائم ہوا جس سے ملک کی قدیم یادگاروں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ کسانوں کو ساہوکاروں کے پنجے سے نجات دلانے کیلئے "انجمن ہائے امداد باہمی" کیلئے ایک محکمہ قائم ہوا رعایا کے آرام کیلئے ملک میں نئی ریلیں جاری کی گئیں۔ چنانچہ ایک ریل حیدرآباد سے گدوال جانے لگی ہے۔ اور اسے کرنول تک لے جانے کی کوشش جاری ہے۔ ایک نئی لین ورنگل سے بلہارشاہ تک بنائی جارہی ہے۔

حضرت جہاں پناہی رفاہ عام کے کاموں میں بھی بہت دلچسپی لیتے ہیں، کئی ایک مدارس، یتیم خانے، شفاخانے آپ کے رہین منت ہیں۔ سر آرسی داس کی جدید اسکیم تعلیم کی تکمیل کیلئے "سلطان العلوم" نے دو لاکھ روپیہ اور ڈاکٹر ٹگور کی مدرسہ وشوا بھارتی کیلئے ایک لاکھ روپیہ عطا فرمایا۔

اعلیحضرت باوجود جلیل القدر حکمران ہونے کے سادہ زندگی بسر کرتے ہیں جس سے قرون اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ لباس بالکل سادہ زیب تن فرماتے ہیں ہر جمعہ کو باغ عامہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ اور اس کے سختی سے پابند ہیں۔ کہ مسجد میں سال میں جو جو تاریخیں آپ کے آنے کی مقرر ہیں، برابر آیا کرتے ہیں۔

حیدرآباد کے ایک صوفی منش شاعر ہز ہائی نس ملک الشعراء ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر نے حضرت جہاں پناہی کے کردار کی تصویر ان اشعار میں نہایت خوبی سے کھینچی ہے۔

اسلاف کے ہیں جانشین　　سب کے لئے ہے افتخار
علم و عمل عدل و کرم　　جود و سخا ہیں آشکار
کرتے ہیں محنت روز و شب　　یہ آصف جم اقتدار
عقل و فراست میں فرید　　عدل و کرم میں نامدار
حاصل کیا وہ تجربہ　　واقف ہے جس سے ملک کا
خلق و مروت میں ہیں شاہ　　بے شک فرید روزگار
صبر و تحمل کیا کہوں　　کیسے ہیں شاہ ذی وقار
محنت سے شاہ تھکتے نہیں　　دن رات ہیں مشغول کار
ہر کام میں ہیں مستعد　　ہر بات میں ہیں ہوشیار
وعدہ وفا کرتے ہیں خوب　　ملک دکن کے تاجدار
آئینۂ دل صاف ہے　　کچھ بھی نہیں گرد و غبار
کرتے ہدایت ہیں مگر　　رکھتے نہیں کچھ دل میں خار
دل میں تعصب کچھ نہیں　　یہ ہے یقین و آشکار
ہر ایک سے ہے التفات　　مومن ہو، یا زنار دار
یہ بھی ہے اک نعمت عجیب　　ہے خاص لطف کردگار
عیسائی ہو موسائی ہو　　اس دور کے ہیں سب ریزہ خوار
دل سے فدا ہیں ہمہ سے　　ہیں شاہ کا ہر جان نثار
تعریف ہو کیا خلق کی　　دشمن ہوں شاہ کا دوستدار
عہد ہمایوں میں ہیں جمع　　اہل کمال و ذی وقار
ممنون منت ہیں سبھی　　باشندگان ہر دیار
بغداد و مصر و قرطبہ　　کی ہے دکن میں اب بہار
اولاد کو اور آل کو　　دل شاد رکھ پروردگار

غرض ستر۱۷ سال کی حکومت میں حضرت جہاں پناہی کی بیدار مغزی نے حیدرآباد کو کہاں سے کہاں پہنچادیا حضور ممدوح کے عہد ہمایوں کے پہلے اگر کسی سیاح نے حیدرآباد کا سفر کیا ہو تو اب اسکو حیدرآباد بالکل نیا معلوم ہوگا۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اعلیٰحضرت سلطان العلوم خسرو دکن کو عمر دراز عطا کرے (زندہ باد)

ہندوستان میں سائنس کی تعلیم اور ریسرچ

از

جناب مولوی محمد عبد الرحمن خان صاحب

بی اے، ار سی اس - بی اس سی (لندن) فیلو آف دی فزیکل سوسائٹی (لندن)

صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ

صرف چند ہی سال سے ہندوستان میں سائنس کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام ہوا ہے۔ اس سے قبل اگرچہ تقریباً تمام جامعات کے مضامین امتحان میں سائنس کے مختلف شعبوں کو شریک تو کر لیا جاتا تھا۔ اور ایک حد تک اسکے نظری پہلو پر بھی تعلیم میں توجہ کیجاتی تھی لیکن عملی پہلو بالکل ہوا رہتا تھا۔ بعض ہی کالج ایسے تھے جن میں طلبا کو عملی کام کا موقع دیا جاتا تھا۔ اگر کسی پروفیسر کو عملی کام میں خاص مہارت بھی ہوتی تو طلباء کو تو بلحاظ نصاب تعلیم عملی کام کرنے کی ضرورت ہی پڑتی اور نہ تجربہ خانوں میں اتنا سامان ہوتا کہ شوقین طلباء کو کام کرنے کی اجازت مل سکتی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ عملی کام کی اہمیت سے بہت کم لوگ واقف تھے اور جو تھے بھی تو ان کو آلات سائنس کی خریدی اور تجربہ خانوں کی تعمیر و ترتیب کیلئے کافی روپیہ مل نہیں سکتا تھا۔ لارڈ کرزن کے زمانہ میں جب یونیورسٹیز ایکٹ پاس ہوا عملی کام کی اہمیت خاص طور پر محسوس کیگئی اور عملی امتحان پر شدت کے ساتھ اصرار کیا گیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ان کالجوں کو سائنس کی تعلیم کی اجازت مل سکی جہاں طلباء کے عملی کام کیلئے روپیہ اور آلات کا خاطر خواہ انتظام مہیا ہو سکا۔

باقاعدہ عملی تعلیم سے ہونہار طلباء جب مستفید ہونے لگے تو ان کو پوسٹ گریجویٹ تعلیم میں ریسرچ کی بھی موقع نصیب ہوا اس اثنا میں سرکار اور قوم پرست دولتمند دل کھول کر سائنس کی تعلیم پر روپیہ بھی صرف کرنے لگے۔ کلکتہ، مدراس، بنگلور، بمبئی، لاہور، الہ آباد وغیرہ میں اسوقت اکثر سائنس کی درسگاہوں میں لوگ ریسرچ میں مصروف ہیں پھر بھی جس پایہ پر یہ کام ہونا چاہیئے ہو نہیں رہا ہے۔

یورپ میں سائنس کی ریسرچ پہلے تو محض علم کے شوق میں شروع کیگئی اور بعد کو صنعت و حرفت کی ضروریات نے قابل افراد کو اسکی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ کر دیا۔

جنگ عظیم میں دول یورپ کو اسکی طرف خاص توجہ کرنی پڑی جرمنی نے آلات حرب و دیگر اشیاء وغیرہ کی تلاش پر کروڑہا روپیہ خرچ کر دیا۔ اور اسکے بہترین دماغ انہی تحقیقات میں مصروف تھے۔

ہندوستان میں ریسرچ ابتداءً محض شوق علم کی خاطر رائج ہوئی ہے۔ اور امید کیجاتی ہے کہ اہل ہند جب اپنی صنعت و حرفت کیطرف زیادہ توجہ کرینگے اور انھیں اپنی وقتوں کا احساس ہوگا تو انکے ارتفاع کی کوشش میں سائنس سے مدد طلب کرینگے۔ اور اسطرح مفید اور براہ راست کارآمد ریسرچ شروع ہو جائے گی۔ صنعت و حرفت کو سائنس کے ساتھ جو خاص ربط ہے اسکے اظہار کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں باہم لازم ملزوم کا تعلق رکھتے ہیں۔ زراعت کی ترقی کیلئے بھی سائنٹفک ریسرچ بہت مفید ہے۔ ہندوستان جیسے زراعت پیشہ ملک کیلئے زراعت میں جسقدر بھی ریسرچ کی جائے کم ہے نیشکر اور روئی کی کاشت پر جو سائنٹفک تجربے کیئے جا رہے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ریسرچ کسقدر مفید اور بارآور ہے۔

سائنس کی ریسرچ پر انڈین سائنس کانگریس کا بھی بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ اگرچہ اس کانگریس میں ابتک جو سائنٹفک مضامین پڑھے گئے۔ ان میں سے صرف چند ہی بلند پایہ کے ہیں لیکن ان میں ترقی کے آثار نمایاں ہیں۔ اور توقع کیجاتی ہے کہ تھوڑی ہی مدت میں بہت اچھے نتائج مترتب ہونگے۔ ریسرچ کے لئے یونیورسٹی تعلیم کا نصاب بہت اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ جدید طرز کے تجربہ خانے تیار ہوں۔ اور بہترین سامان مہیا ہو محض یہی کافی نہیں ہے بلکہ ان تجربہ خانوں پر ایسے اشخاص کی نگرانی ہونی چاہیئے جنھوں نے سائنس کی تعلیم اور تحقیق میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا ہو۔ اور جنکی قابلیت علمی دنیا میں شہرت پا چکی ہو۔ افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر اوقات ریسرچ کے نام سے رقم کثیر صرف کیجاتی ہے اور بعد کو جو چیز حاصل ہوتی ہے یا تو ہیچ ہوتی ہے یا اگر کچھ ہوتی بھی ہے تو وہی جو مدتوں پہلے نسبتاً آسان طریقوں سے دریافت ہو چکی تھی یہ تو توقع نہیں کیجاسکتی کہ ہر وقت کوئی نئی ہی بات دریافت ہو۔ ایک ہی چیز کا متعدد اور مختلف طریقوں سے اخذ کرنا بذات خود مفید ہے۔ اگر اس سے براہ راست کسی صنعت و حرفت کو یا محض علمی تحقیق کے نقطہ نظر سے کوئی بڑا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ تو مضائقہ نہیں۔ بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ بالواسطہ اس سے انتہا درجہ فائدہ حاصل ہوا ہے یونیورسٹی تعلیم وسطانی تعلیم کے تابع ہے۔ اسلئے وسطانیہ مدارس میں بھی سائنس کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیئے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں نظام کالج کا تجربہ خانہ بلحاظ خوبی عمارت و افراط آلات جنوبی ہند کے بہترین تجربہ خانوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے تجربہ خانے بھی بحمد اللہ غیر معمولی ترقی کر رہے ہیں۔ اور اگر عمارت سے بحث نہ ہو تو انتخاب آلات و طرز تعلیم کے لحاظ سے بلا مبالغہ انکو بھی جنوبی ہند کے بہترین درسگاہوں میں شریک کر سکتے ہیں۔ ریسرچ کا ہنوز آغاز نہیں ہوا ہے۔ ایم ایس سی کی تعلیم کے ساتھ اسکو بھی شروع کر دیا جائیگا۔ اگرچہ باقاعدہ عمارت نہ ہونے سے کام میں بہت رکاوٹیں حائل ہونگی۔

ریسرچ پر لازماً کثیر روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ انگلستان، فرانس، جرمن اور امریکہ نے جو روپیہ صرف کیا ہے اسکا تو حساب ہی نہیں ہو سکتا۔ دور کیوں جائیں کلکتہ کے بوز انسٹیٹیوٹ اور یونیورسٹی کالج آف سائنس اور ٹاٹا سائنس انسٹیٹیوٹ بنگلور وغیرہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے بانیوں نے عمارت کی تعمیر سامان کی فراہمی اساتذہ کے تقرر اور طلبا کی تعلیم پر کیسی وافر رقمیں صرف کی ہیں۔ انکے مقابلہ میں جو نئی تحقیقات اور ایجادات ان تجربہ خانوں سے برآمد ہوئی ہیں اگر ایک جگہ رکھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ اول اول سب جگہ یہی ہوتا ہے۔ ایک ابتدائی حالت گذر جانے کے بعد فائدہ حاصل ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور اگر نگرانی اچھی رہی لائق افراد کو کام کا موقع دیا گیا اور محنت کرنے والوں کی کافی قدر کیگئی تو کچھ عجب نہیں کہ چند ہی سال میں بعض ایسے نئے انکشافات ہو سکینگے جن کی اہمیت ان تمام اخراجات کی تلافی کر دیگی جو ابتک وقوع میں آتے رہے۔ اس کے لئے صرف صبر و استقلال کی ضرورت ہے۔

اہل ہند نے گذشتہ چند سال میں اس جدید ریسرچ کا جو ثمرہ پایا ہے وہ کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیا یہ کچھ کم کامیابی ہے کہ ہندوستان کے محققین کی تحقیقات کو یورپ اور امریکہ کی علمی دنیا نے تسلیم کر لیا ہے؟ اب تک چار ہندوستانی فیلو آف دی رائل سوسائٹی آف لنڈن

ملاحظہ ہو صفحہ (۴۸) کالم (۲)

یادِ رفتگاں

ہز ایکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

ہمارے اسلاف کے وہ معزز و مقدس افراد جو ملک و ملت کے حامی و مددگار رہتے سخت سے سخت منزل میں بھی ہمت نہ ہارے۔ آج اگر ہم ان کے تاریخی کارناموں کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں تو کیا کچھ نہیں کر سکتے ہمارے لیئے وہ اپنی ایسی دیرپا اور روح پرور یادگاریں چھوڑ گئے ہیں جن کی تصریح انسانی امکان سے بے نیاز ہے۔ شریعت کے قانون۔ حکومت کے آئین۔ ترقی کے ذرائع۔ علم و ہنر کے خزانے۔ بہادری کے کارنامے ہمکو دے گئے ہیں مگر افسوس کہ ہم نے ان کے کمالات کو قدر کی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا ورنہ آج ہم اپنے اوپر اسقدر نازاں ہوتے کہ خدا کی تمام مخلوق ہمیں اپنے سے ادنیٰ اور پست معلوم ہوتی ہم خدا کی قدرت کے مظہر ہیں۔ عالم علوی اور ملکوت سے غرض نہیں مگر عالم عناصر پر غور کیجیے تو پھر کا سارا کارخانہ ہمارے ہی ہاتھوں سے چل رہا ہے۔ اگر ہم نہوں تو قدرت کا کھیل جو ہزاروں سال سے اس انتظام اور ان خوبیوں سے چل رہا ہے ایک گھڑی بھر میں بگڑ جائے۔ ہم انھیں اسلاف کے اخلاف ہیں جن کو خدا نے اپنے کارخانہ قدرت کا مہتمم کیا تھا۔ انھوں نے کیا کیا ترقیاں کیں اور کہاں کہاں پہونچے۔ حضرت آدم کو ملائکہ نے سجدہ کیا۔ باغ عدن ان کا مولد و مسکن ہوا اونچی کیلئے حوا کی ایسی جلیس ملیں۔ نوح کے ایسے جلیل القدر اولو العزم پیغمبر کو یاد کرو جس نے ہزار برس تک کسی مخالفت اور کسی آفت کی پروا نہ کی اور آخر اس تمام عالم کو درہم برہم کر دینے والے طوفان میں ایک کشتی کے ذریعہ سے نجات پائی۔ آگ کو گلزار بنا دینے والے پیغمبر ابراہیم کی یاد کو تازہ کرو جس نے بڑے بڑے مصائب کے بعد آخر کامیابی حاصل کی۔ موسیٰ کے ایسے اولو العزم شخص پر نظر ڈالو جس نے فرعون والوں کے ایسے زبردست ظالموں کے پنجے سے بنی اسرائیل کو نجات دلائی۔ جن و انس پر حکومت کرنیوالے مشہور پیغمبر سلیمان کو یاد کرو جس کے موکل بلقیس ملکہ سبا کا تخت چشم زدن میں اُڑا لائے تھے۔

جس نے مردوں کو زندہ کیا اور مریضوں کو شفا دی یعنی یہودیوں کے ہاتھ کے بیکس مظلوم مسیح کو یاد کرو۔ اُس بندہ خدا کو یاد کرو جس نے آسمان کا سفر کیا اور اہل عرب کی ایسی وحشی قوم کو ایسا شائستہ بنایا کہ دنیا کی مہذب اور تعلیم یافتہ قومیں اس کی شاگردی کو اپنا فخر سمجھنے لگیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی پاک ہستی کو دیکھو کہ خون کے دریا میں پیر کر دین اسلام کی کشتی کو منجھدھار سے نکال کر کنارہ پر پہونچا یا اپنی ہمت، راستی اور استقلال کے آب حیات سے سیراب ہوے۔ آج دین اسلام کو اگر دین حسین کہا جائے تو بیجا نہیں۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

راجہ دسرتھ کے بیٹے رامچندر کی پر زور شخصیت پر نظر ڈالو جس نے باوجود اختیار کے صبر اختیار کر کے بارہ برس بن باس کرنے کے بعد راون جیسے ظالم و جابر بادشاہ کو اپنی قوت بازو سے خاک کا پیوند کر دیا۔ کرشن کو یاد کرو جس نے گوالوں میں پرورش پا کر قوم کو ہدایت کی اور حق پرستی کے طریقے سکھائے گیتا کا وہ قانون بنایا جس پر کار بند ہونے سے آسانی کیساتھ خدا تک رسائی ہو سکتی ہے۔ گرو نانک کی شخصیت کو یاد کرو جس نے ہندو مسلم اتحاد کی عمارت کو مضبوط ستونوں پر قائم کر دیا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ماضی کو لوگ ہمیشہ بھول جاتے ہیں لیکن ماضی کو مردہ نہیں کہا جا سکتا اس لیئے کہ ماضی کا ہمیشہ مستقبل اور حال پر ہوا کرتا ہے یہاں تک کہ اہل ہنود کا طبقہ یہ مشہور عقیدہ رکھتا ہے اسلاف کے اعمال و افعال اولاد میں ظاہر ہوتے ہیں اسلئے حال کو ماضی سے کبھی جدا نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی توضیح کے لیئے مختلف اقوام اور مختلف ممالک کی تاریخی مثالیں دیکھنی ضروری ہیں۔ ابھی ابھی اپنے پیغمبروں کے حالات سنے ہر قوم کے پیغمبر سے دنیا کو اعمال صالحہ اور صفات حسنہ کا ایک قابل تقلید نمونہ ملا ہے پیغمبروں کی یہ مقدس ہستیاں اگر منصہ ظہور پر نہ آتیں تو آج طلسم سرائے فانی کی وہ رونق نہ ہوتی جو بزرگان دین۔ صوفیائے کرام اولیائے عظام ائمہ اطہار مجتہدین اور غوث و اوتار کے باعث ظہور پذیر ہے ایسلئے کہ خدا کا پیام پہنچانے والے جو نبی گذرے ہیں اور جو تعلیم انھوں نے دی ہے وہ تعلیم انھیں کی زندگیوں تک محدود رہتی۔ اگر بعد کے اولیا و علما وغیرہ اس تعلیم کی اشاعت وقتاً فوقتاً نکرتے رہتے۔ دین اسلام پر نظر ڈالیے کہ کیونکر پھیلا ملک عرب کی جہالت، بد امنی، غارتگری، لوٹ، جنگ و جدل مشہور ہے۔ لیل و نہار تاریک کروٹیں بدل رہا تھا کہ یکایک پرتو قدس کی چمک نے صبح صدق کا نور عالم میں ہر طرف پھیلا دیا۔ لیکن اس روشنی کو باقی رکھنے کیلئے خلفائے راشدین اور ائمہ معصومین کی بھی ضرورت تھی ان کے سلسلے میں علمائے شریعت اور صوفیائے طریقت کا پیدا ہونا بھی لازمی تھا اور علم و فضل اور حق و صداقت کی یہی سلسل ہدایتیں اعمال اور اچھے افعال امن و امان حق شناسی، علم شناسی اور خود شناسی کی تولید و بقا کا باعث رہی ہے۔

ذرا ہندوستان کی محسود عالم سرزمین کو بھی دیکھئے کیسے بڑے بڑے رشی، اوتار، سادھو، مہنت، گرو، بچاری، گزرے ہیں انھیں کی زندگیوں کا اثر ہے کہ باوجود اسکے کہ ہندوستان پر سکندر اعظم سے لیکر رابرٹ کلائیو تک مختلف قوموں کے حملے ہوتے رہے ہیں اور اہل ہنود محکوم رہے ہیں۔ بایں ہمہ ملک پر ہند و تہذیب کا پرچم اسی شان سے

اُڑ رہا ہے جیسے ان حملوں سے پہلے اڑتا رہتا تھا۔

ادیت نے آج کل اسقدر ترقی کرلی ہے کہ مذہب کے آبگینہ کو پاش پاش کردیا ہے اور مغربی قوم کی حکمرانی نے باشندگان ملک کے اوضاع و اطوار رسم و رواج وضع و مزاج کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ تاہم کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہندوؤں نے دھوتی پہننا چھوڑ دیا۔ یا قشقہ لگانا ترک کردیا یا دیوتوں کو پوجنے سے اعراض کیا ہے؟ اسکا اصلی سبب کیا ہے؟ وہی اثر رفتگاں، وہی ماضی کے شاندار سبق اور زندہ روایتیں جو فضائے حال کو بلیغتے ہوئے ہیں۔

موضوع کی وسعت مانع ہے کہ ہم تفصیل سے مختلف جماعتوں کا تذکرہ کریں اسلئے اجمالاً دو چار گروہ کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں سب سے پہلے صوفیائے کرام کو لیجئے۔

ایک خواجۂ خواجگان چشت کی مقدس ہستی ایسی گذری ہے کہ اجمیر کعبۂ ہندوستان بنا ہوا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے شمال و جنوب مشرق و مغرب کے ہر گوشہ سے لکھو کھا زائرین حسن عقیدت اور فرت ارادت سے اجمیر میں جمع ہوتے ہیں۔ اور روحانیت کے دلکش اور روان بخش فوائد حاصل کرتے ہیں۔ باوجود اسکے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کے وصال پُر ملال پر کہیں موسم آچکے مگر آپ کی یاد ہندوستان کے دل میں زندہ ہے اور اور تا ابد زندہ رہیگی۔ کون فرد بشر ایسا ہے جسکا جی نہیں چاہتا کہ اس مقدس مزار کے سامنے چشم دل کھولے ہوئے نہ بیٹھا رہے۔ سلطان الاولیا حضرت محبوب الٰہی دوسرے زبردست معلم روحانی ہیں جنکی درگاہ آسمان مرتبت مرجع خاص و عام ہے۔ ڈاکٹر اقبال ایسے فلسفی طبیعت شاعر نے اس درگاہ پر عقیدت کے پھول چڑھائے ہیں ان کی خوشبو سے آپ بھی اپنا مشام جان معطر کریں

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
ترے وجود سے روشن ہے راہ منزل شوق
دیار عشق کا مصحف کلام ہے تیرا۔
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

عالم معرفت کے اس شہنشاہ کی زندگی کے ساتھ ہندوستان کا طوطی مقال شکر ریز سخن سنج امیر خسرو کو بھی ہمیں نہیں بھولنا چاہیئے جس کا لوہا دہلی سے طہران تک مانا جاتا ہے اور جس کے قلم کی گلکاریاں فارسی زبان کے ادیبوں کو آجتک محو حیرت بنائی ہوئی ہیں۔ مرزا نوشہ ایسے مجدد اور فخر شاعرین نے بھی ان کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے۔

ان کی زندگیوں کا بھی کیا مبارک زمانہ ہوگا کہ بڑے بڑے تاجداران کے اطراف حلقہ بنائے بیٹھنا اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتے تھے اسی لئے حضرت غالب فرما گئے ہیں۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

اس سلسلے میں دکن کے قطب اعظم کا ذکر بھی سیکڑوں دلوں میں جذب و اثر کی لہر پھیلائے بغیر نہیں رہیگا۔ ذیقعدہ کے مہینے میں جس کسی نے گلبرگہ میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے عرس میں شرکت کی برکت حاصل کی ہے وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ اس مقبرہ کے اندر کیسی زبردست شخصیت مدفون ہوگی کہ زندگی تو زندگی موت کے بعد بھی اس ہستی سے اب تک خلق اللہ کے دلوں کے تار ملے ہوئے ہیں۔ ہمارے بادشاہ ظل اللہ کی حسن عقیدت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ خود بدولت بنفس نفیس ایک سے زائد مرتبہ یہاں تشریف لا چکے ہیں۔

کئی ہزار سال قبل ہندوستان میں یہ باشندے نہیں تھے جو آج کل آپ کو یہاں تہذیب شائستگی نظر آتے ہیں۔ بلکہ کچھ جنگلی قومیں آباد تھیں جو خانہ بدوشی کے ساتھ شکار وغیرہ سے اپنے پیٹ پالتی تھیں۔ آج ان کا وجود بھی نہیں ہے۔ وسط ایشیا سے ایک حد درجہ تہذیب یافتہ قوم جمنا گنگا کے اطراف پہنچکر خیمہ زن ہوئی جس کو تاریخ میں آریا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس قوم کے افراد نے ہندوستان کے جھاڑ توڑ کے جنگل کاٹے زمینیں ہموار کیں بستیاں بسائیں کاشت کی ابتدا کی بکلات بنائے لباس تیار کیا اور ریاضی فلسفہ طب اور معرفت جیسے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی اور اپنی تہذیب شائستگی کو دنیا کی دوسری غیر متمدن قوموں میں پھیلایا۔ اس قوم میں ایسے ایسے فلسفی نجومی ہندسی اور گیانی پیدا ہوئے کہ جن کے دم سے ویران کدہ ہند عشرت کدہ بنگیا ہے۔ ہندوستان کو جنت نشان کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ انھیں آریوں سے ہندوؤں کے مختلف فرقوں نے جنم لیا اور ہندوستان کو بجائے خود تمام دنیا سے الگ بر اعظم بنادیا۔ بودھ نے ادیت کے ابطال کی غرض سے اپنا تاج شاہی زمین پر پٹخ دیا اور روحانیت کے ایسے گیت گائے کہ آن کی گونج تاحال چین و جاپان کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہے۔

شنکر اچاریہ کے نام کو کون نہیں جانتا انکے فلسفے کو کون نہیں مانتا اہل مغرب بھی ان کی فلسفیانہ موشگافیوں پر انگشت بدنداں ہیں کبالیداس وتلسی داس کے صوفیانہ راگوں اور توحید کے نغموں سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے ان کے نقوش کمال ہندوستانی تمدن کے صفحات پر ثبت ہیں۔

آریوں کی حکومت کے خاتمے پر خدائے حی القیوم کو یہ منظور تھا کہ ایک ایسی قوم کو ہندوستان پر مسلط کرے جو بہت سی خصوصیتوں میں اس سے مشترک ہو۔ چنانچہ علمائے جغرافیہ کی تحقیق سے ثابت ہے کہ جزیرہ نمائے عرب جزیرہ نمائے ہندوستان سے قدیم زمانہ میں علحدہ نہیں تھا ابھی چند سال پہلے انگریزی اخباروں میں اس کا ذکر آیا تھا کہ دمشق میں جو آثار عتیق بر آمد ہوئے ہیں بعض گائے کے بت اور قدیم تانبے کے سکے تھے۔

اہل اسلام نے عرب کے باہر فتحمندی کیساتھ قدم رکھے تو انکو سب سے زیادہ جو مقام پسند آیا وہ ہمارا یہی ملک ہند تھا۔ محمود غزنوی سے لیکر ابو ظفر بہادر شاہ تک جن مسلمان بادشاہوں نے ہند پر حکومت کی ان میں سے ایک دو کا تذکرہ خصوصیت چاہتا ہے۔

اکبر اعظم کی کیا تعریف کی جائے تاریخیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ ہندو مسلمان سکھ پارسی عیسائی غرض کوئی قوم ایسی نہیں جو اس کی مداح نہو۔ انکی محبوب شخصیت اور ہر دلعزیز حکومت کا اثر صدیوں بعد تک رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ موجودہ حکمران قوم نے بھی آئین اکبری کی بہت بڑی حد تک پابندی کی ہے۔ ان کے بعد شاہجہاں کے زمانہ میں عیش و نشاط امن و امان خوشدلی و بیفکری راحت و آرام کی جو فراوانی تھی اس کو تاریخ نے محفوظ کرلیا ہے۔ حضرت عالمگیر جو دودمان مغلیہ کے سب سے زبردست اور پرہیبت بادشاہ تھے ان کی سادگی نفس کشی خدا ترسی منصف مزاجی کو مورخین حیرت سے دیکھتے ہیں ایسا باجبروت بادشاہ ہند ایسے گنج شائیگان کا مالک اپنی بسر اوقات کیلئے ٹوپیاں سیتا تھا۔ قرآن مجید لکھتا تھا۔ اللہ اللہ ان کی کیا مبارک ہستی ہوگی کہ تخت حکومت پر جلوہ گر ہونے کے بعد بھی ہیرے اور جواہرات کو زیب بدن کرنے سے پرہیز کرتی تھی۔ انکی شجاعت کا یہ عالم کہ شیر ان سے دست و گریبان ہوگئے اور ہاتھی ایسے قوی ہیکل جانور ان سے بھڑ گئے۔

رانا پرتاب کی بہادری کا حال اب تک راجپوتوں کے دلوں کو گرمائے ہوئے اور ان کو شیر دل بنائے ہوئے ہے جسکا امتحان حالیہ جنگ یورپ میں ہوچکا ہے۔

سلاطین مغلیہ کے درباروں کو یاد کیجئے کیسے کیسے فضلا علما وزرا شعرا جمع تھے۔ ابو الفضل فیضی راجہ ٹوڈرمل کے کارناموں سے حکومت وقت کی تاریخ روشن ہے۔ علم و فضل کے علاوہ ان بزرگوں کی مہارت فن سلطنت کی جڑوں کو مضبوط کئے ہوئے تھی۔ ابو الفضل اور فیضی ایک طرف تاریخ و فلسفہ و ادب میں اپنے جوہر دکھاتے تھے۔ دوسری جانب آئین جہانبانی کی نگہداشت کرتے تھے۔ راجہ ٹوڈرمل کی تنانشن قابلیت سلطنت کے خزانے کو ہمیشہ معمور رکھتی تھی۔

حکومت مغلیہ کے عہد کی صناعی اور معماری کی قیامت تک نہ مٹنے والی یادگاریں روضۂ تاجگنج۔ قطب مینار۔ متعدد سڑکوں۔ پلوں۔ سراؤں۔ مسجدوں۔ مندروں اور شاہی مقبروں۔ کی شکل میں آجتک موجود ہیں۔

دکن میں بھی بہمنیوں بریدیوں اور قطب شاہیوں کے گنبد۔ ایلورا اور اجنٹا کے غار۔ ورنگل اور ناندیڑ کی دیول باقی ہیں اور باقی رہینگے۔ ہمارے قریب تر زمانہ ہی کو دیکھئے کہ واجد شاہی عہد میں اگرچہ حکومت کا چراغ ٹمٹا رہا تھا لیکن کیسے باکمال افراد ہمہ داں موجود تھے۔ واجد شاہی دربار کے سیہ سپارہ متقدمین سے کسیطرح کم نہ تھے۔ پھر اس کے بعد میر و سودا۔ درد و اثر۔ مصحفی و انشا۔ سوز و جرات۔ ناسخ و آتش۔ غالب و ذوق امیر و داغ وہ باکمال شخصیتیں تھیں کہ جنکے دم سے ہندوستان کی مشترکہ زبان اردو کی تعمیر ہوئی اور اسکا استحکام ہوگیا۔ دکن میں جن لوگوں نے داغ و امیر کو دیکھا ہے آجتک ان کے دلوں

(ملاحظہ ہو صفحہ (۱۱)، کالم (۳))

ایامِ گذشتہ کی یاد

ارتسامات مصر

از ڈاکٹر عبدالحق صاحب بی، لٹ، پی، ایچ، ڈی،

(پروفیسر عربی کلیہ جامعہ عثمانیہ)

انسان کی جیسی دماغی حالت ہوتی ہے، اس لحاظ سے اسی پر مختلف چیزوں کے مختلف اثرات مترتب ہوتے ہیں، اگر یہ بات مان لی جائے، کہ جیسے جیسے انسان کی عمر زیادہ ہوتی ہے، ویسے ویسے اس کی دماغی قوت ترقی پذیر ہوتی ہے، تو یہ امر بھی ماننا پڑیگا کہ جسمانی قوت کے عروج و زوال کا بھی اس پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ آج کل بہت سے ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، جن کو ہم اگر قوت شباب، اور قوت دماغی کے باہمی ملاپ کا نتیجہ کہیں تو بیجا ہوگا، وہ تجربے اور مشاہدے جو شباب میں واقع ہوتے ہیں، اگر ان پر عہد پیری میں نظر ڈالی جائے، تو عموماً ان کے متعلق جو رائے جوانی میں قائم کیگئی تھی، اس میں کچھ تغیر و تبدیلی کرنی پڑے گی، بوڑھے لوگوں کا کہنا ہے، کہ جوانی کے جوش سے مغلوب ہوکر، انسان ان نتائج کو پہونچ نہیں سکتا جن پر ایک بوڑھا اپنے تجربے اور عمر کی بنا پر پہونچ سکتا ہے۔

الغرض جب میں برسوں کے بعد ان واقعات پر نظر ڈالتا ہوں، جو کئی سال پہلے میرے قیام مصر و یوروپ میں واقع ہوئے تھے، تو ہر واقعہ کو ایک نئی روشنی میں دیکھتا ہوں وہ اثرات جو میرے ذہن میں پہلے مترتب ہوئے تھے، دھندلے پڑ گئے ہیں، بہت ممکن ہے کہ وہ اثرات کسی نہ کسی شکل میں اب بھی اپنا کام کر رہے ہوں، مگر بعد کے واقعات نے میرے قلب و دماغ پر اتنا زبردست سکہ جما دیا ہے۔

جب میں ان حالات پر غور کرتا ہوں، جو جنگ عظیم سے مصر و یورپ میں تھے، بعد ان کا بعد جنگ کے حالات سے مقابلہ کرتا ہوں (یاد رہے، کہ میں نے مصر و یورپ کا سفر لڑائی کے قبل اور لڑائی کے بعد بھی کیا ہے) تو مجھے زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ جن نتیجوں پر قبل از جنگ میں پہونچا تھا، وہ لڑائی کے بعد غلط ثابت ہوئے، اس مضمون میں میں اس امر کی کوشش کر ڈالتا، کہ جہاں تک ممکن ہو ہر ایک زمانے کے مشاہدات، اور ان کے اثرات قلمبند کروں اس میں زیادہ تر شخصی تجربات، اور آپ بیتی سے بحث ہوگی، دوسری بحثیں ضمنی ہونگی۔

وہ چیز جس نے مجھ پر ایک گہرا اثر کیا، اور جس نے میری زندگی کو ایک نئے قالب میں ڈھالا، وہ علیگڈھ کالج تھا، حیدرآباد میں ختم درس نظامیہ کے بعد مولوی عزیز مرزا مرحوم (جنھوں نے میری تعلیم میں بڑی دلچسپی لینی شروع کردی تھی) کے کہنے پر کہ "تم انگریزی سیکھو" میں سنہ ۱۹۱۱ء کی ابتدا میں علیگڈھ بغیر کسی کو کہے، روانہ ہوگیا، یہاں مجھ سے نواب وقار الملک بہادر مرحوم سے ملنے کے بہت موقع ملتے رہے۔ یہ ایک دیندار آدمی، منصف مزاج، اور مجموعہ سختی و نرمی تھے، مجھ پر ان کی شخصیت کا بہت بڑا اثر پڑا، کالج و اسکول کے لڑکے جو مجھے جانتے تھے اکثر اوقات مجھ سے اس امر کی درخواست کرتے، کہ میں ان کی شکایتوں کو نواب صاحب تک پہونچا دوں، جن کو نواب صاحب بغور سنتے اور مجھ سے ارشاد کرتے، کہ "تم لڑکوں کو دلاسا دو" کہ اگر ان کی شکایتیں درست ہوں، تو ان کا ازالہ کیا جائیگا،

علیگڈھ پہونچنے کے بعد ہی مجھے مولوی حالی مرحوم سے، مولوی وحید الدین سلیم کے توسط سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ مولوی حالی مرحوم مجھ سے بڑی شفقت سے پیش آئے، اور جب میں نے جرأت کرکے یہ سوال کیا، کہ کیا میں آپ کو اپنے شعر سنا سکتا ہوں، تو انھوں مولوی سلیم کی طرف مخاطب ہوکر کہا، "دیکھو لڑکوں کو شاعری کا کتنا شوق ہے، میں فوراً تاڑ گیا، کہ مولوی حالی نے میرے سوال کا یہ نتیجہ نکالا، کہ میں اردو اشعار سنانا چاہتا ہوں، میں نے عرض کی کہ، میں نے کچھ اشعار عربی میں کہے ہیں، اس پر مجھ مولوی صاحب نے پڑھنے کیلئے ارشاد کیا، اور بہت صبر سے قصیدہ کو بالتمام سننے کے بعد مجھے نصیحت کی کہ جب تک تم اپنی تعلیم ختم نہ کرلو، شعر و شاعری کی طرف توجہ نہ کرنا، میں نے اس نصیحت پر عمل کیا، اور میں امید کرتا ہوں، کہ اسی زمانے کے بہت سے شاعر، جو حقیقت میں ناظم ہیں، اور وہ طالب علم جو تعلیم کی پابندیوں سے تنگ آکر، چاہتے ہیں کہ خیالی پرواز میں مقید ہوکر نام پیدا کریں، اس نصیحت پر عمل کرینگے۔

میرے زمانہ میں علیگڈھ کالج میں ابھی وہ روح پائی جاتی تھی جس نے اور کالجوں سے ممتاز کیا ہے، مثلاً مادر کلیہ کی وفاداری، بانی کلیہ کی مثال پیش نظر رکھنا لڑکوں میں اخوت، اور ایک خاص دلولہ ایک طالب علم کے سینہ میں جوش زن ہوتا تھا، جن کا وہی شخص بخوبی اندازہ کر سکتا ہے، جس نے علیگڈھ کالج میں زندگی بسر کی ہو، جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، علیگڈھ کالج نے میرے مستقبل کو ایک خاص سانچے میں ڈھالا میرے قیام ایک سال میں، میں نے انگریزی حروف تہجی کے سیکھنے میں اتنی کوشش نہیں کی جتنی اس روح کے جذب کرنے میں جو اسکی فضا میں پھیلی ہوئی تھیں۔

علیگڈھ سے میں نے دوسرا قدم سنہ ۱۹۱۱ء میں قاہرہ میں رکھا اسی وقت تک میرا مطمع نظر صرف قاہرہ ہی تھا، میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا، کہ مجھے ایک اور منزل بھی طے کرنی ہے، مصر میں جو جو واقعات گزرے ہیں، ان تمام کی تحریر یا تفصیلی مشکل ہے۔ البتہ وہاں کی علمی فضا و ادبی ترقی اور قومی اخلاق کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

جب میں مصر پہونچا، تو میرے شوق و خوشی کی انتہا نہ تھی۔ اسی ملک نے جس کے متعلق بہت سے اہل الرائے کا خیال تھا، کہ وہ مشرقی ممالک سے تہذیب و تمدن میں بڑھا ہوا ہے، اور ترقی کے میدان میں گامزن ہے (مصر پہونچنے کے بعد مجھے اس خیال میں

بقیہ صفحہ ۱۰ کالم (۳)

میں ان زبردست شاعروں کی پر لطف زندگیوں کی یاد تازہ ہوگی حاصل یہ کہ صدیوں تک زمانہ نے ہندوستان میں جس امن و امان اور محبت و آشتی کے ساتھ لیل و نہار بدلے ہیں ان کی یاد ایسی نہیں ہے کہ ہمارے دلوں سے بھلائے بلکہ علاوہ اس کے کہ ہندو مسلمانوں کی مشترک خصوصیتوں کو تازہ کرنے کیلئے ایک مستقل درس دیتی ہے ہماری روحانی مسرتوں میں غیر معمولی اضافہ کرتی ہے اور غالب کے اس تخیل کے داد دینے پر مجبور کرتی ہے۔

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوے۔

بہت کچھ ترمیم کرنی پڑی) اور جہاں تقریر و تحریر عربی زبان میں کی جاتی ہے، میرے دل میں خاص ولولہ پیدا کیا تھا مصریوں کو اس بات سے تعجب ہوتا تھا، کہ میں کیوں بخوبی عربی میں گفتگو کر سکتا ہوں جب جامعہ آکسفورڈ میں مجھکو ایک مصری طالب علم امرؤ القیس کا معلقہ پڑھکر سنا رہا تھا تو میں نے اس کی توجہ چند اعرابی غلطیوں کی طرف منعطف کرائی، تو وہ غضب آلود ہوا، اور مجھ سے کہنے لگا، کہ عربی تمہاری زبان نہیں ہے، بلکہ میری زبان ہے۔

مصری عالم جسکو وہاں شیخ یا استاذ کے نام سے پکارا جاتا ہے، قدیم عربوں میں ماہر ہوتا ہے، اور بلا تکلف عربی زبان میں فصیح خطبہ (لکچر) دیسکتا ہے یہی حال ان افندیوں کا بھی ہے، جن کی عربی تعلیم سطحی طور پر نہ ہوئی ہو۔ سچ پوچھئے تو عربی زبان میں جو نئی نئی ترکیبیں اور نئے نئے محاورے مروج ہیں، اکثر انھیں افندیوں یا ان علما کی، جنھوں نے کسی ایک یوروپین زبان سے واقفیت پیدا کی ہو، کوشش کے نتیجے ہیں۔ انھوں نے یوروپین، خاص کر فرانسیسی زبان کے محاوروں اور بول چال کا ترجمہ عربی زبان میں کر دیا ہے، جن کی مثالیں کثرت سے عربی جرائد (اخباروں) اور مجلات (مخزنوں) میں پائی جاتی ہیں۔ آفندی جسقدر ادب عربی سے واقف ہوگا، اسی قدر یوروپین افکار و خیالات کو عمدگی سے عربی میں ظاہر کریگا میرے زمانہ میں مصر میں ایک خاص طبقہ علما کا پایا جاتا تھا، جسکا وجود اب بھی ہے، جو جامعہ ازہر میں تعلیم سے فراغت پانے کے بعد، زبان فرانسیسی یا کسی اور یوروپین زبان کیطرف توجہ کرتا تھا۔ اسی طبقہ نے جدید عربوں میں چار چاند لگا دئیے ہیں ان علما کی تحریریں کیسی نہیں معلوم ہوتا کہ انھوں نے یوروپین خیالات عاریتاً لئے ہیں بلکہ محض عربی معلوم ہوتے ہیں انکی مثالیں شیخ محمد عبدہ، سعد زغلول، عبدالعزیز شاویش، لطفی منفلوطی، اور طہ حسین ہیں، محمد علی، بانی خاندان خدیوی نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا، کہ جامعہ ازہر کے طلبا کو وہ مختلف علوم کی تحصیل کیلئے یورپ روانہ کرتا تھا، جنھوں نے واپسی کے بعد علم و ملک کی بہترین خدمتیں انجام دیں اگر ہمیں عربی احیا کی کچھ امید ہو سکتی ہے، تو اس قدیم جامعہ ازہر، یا اس کے مماثل جامعات میں سے ہو سکتی ہے، بشرطیکہ ان کے طریقہ تعلیم میں اصلاح کیجائے اور طالب علم ان اصول و اسالیب سے واقف کرائے جائیں، جو کسی زمانہ میں خاص اسلامی تھے، اور جن کو اب یورپ کے جامعات نے اپنا خضر راہ بنالیا ہے۔ مصری تلامیذ کو، جو سرکاری مدارس میں تعلیم پاتے ہیں، بالعموم میں نے دیکھا ہے کہ ان کی تعلیم کچھ سطحی سی ہوتی ہے۔ عربی میں یہ کمزور ہوتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بڑی حد تک مصر کے سیاسی زعماء اور اخبار اس کے ذمہ دار ہیں یہاں اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنا چاہتا، کہ آیا طالب علموں کو سیاسی امور میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں، صرف میں اس امر کو بیان کرونگا، کہ اس کا اثر مصری تلامیذ پر کیا پڑا۔

جو لوگ مصری احوال کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں ان کو یہ امر بخوبی معلوم ہے، کہ مصر میں تقریباً ہر ایک طالب علم چاہے وہ ابتدائی، ثانوی، یا عالیہ مدرسہ میں تعلیم پاتا ہو سیاسی معاملات میں حصہ لیتا ہے۔ صرف خیالات کے ظاہر کرنے میں نہیں، بلکہ عملاً۔ وہاں کے سیاسی زعماء نے بھی طالب علموں کو اپنا ہدف بنا رکھا ہے۔ ہر ایک امر میں وہ طالب علموں سے استمداد کرتے ہیں، کہ وہ ان کا ہاتھ بٹائیں، ان کے مقاصد و اغراض کے پھیلانے میں حصہ لیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم مدرسہ میں ہڑتال کر بیٹھتے ہیں۔ مظاہرات میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیتے ہیں اور اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے۔

جس فضا میں وہ رہتے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ ان کی تعلیم ناقص رہ جاتی ہے، وہ زیادہ وقت اپنے سبقوں میں اور کتابوں کے مطالعہ میں صرف نہیں کر سکتے، اور اسی طرح مدرسوں، اور کلیوں سے غیر مکمل تعلیم حاصل کر کے نکلتے ہیں۔ جن لوگوں کو یورپ میں مصری طالب علموں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ اس امر سے انکار نہیں کر سکینگے کہ اکثر مصری طالب علموں کے خیالات و افکار معمولی اور سطحی ہوتے ہیں، ان میں چند ایسے نکلینگے، کہ جن کو طالب علم کے نام سے پکارا جا سکتا ہے، اگر مصری نظارت معارف (وزارت تعلیمات) نے اسطرف توجہ نہ کی اور اس زہریلے مادہ کے استیصال کی کوشش نہ کی، تو ڈر ہے، کہ مصر علمی اور فنی دوڑ میں اور ترقی یافتہ قوموں سے پیچھے رہجائیگا۔

اہل دولت نے اقوام یورپ کو بہت فائدہ پہونچایا ہے، اور وہاں کے سمجھدار باشندوں نے اسکا جائز استعمال کیا ہے، اور کرتے ہیں، درسگاہیں، شفاخانے، اور علمی، اور اختراعی کوشش دولت کے چشموں سے سیراب ہوتی رہتی ہیں۔ باوجود حکومت کے متمدن ہونے، اور اپنی رعایا، کی ہر طرح کی مدد دینے کے یورپ کے متمول اشخاص ہموطنوں کی رفاہ میں بڑا حصہ لیتے ہیں، اور حکومت کا ہاتھ بٹاتے ہیں، اگر ہم میں سے کسی ایک معمولی سے معمولی تعلیم یافتہ شخص سے کہا جائے، کہ وہ ان محسنوں میں سے چند کے نام لے، تو وہ فوراً کئی نام گن دیگا۔

ایشیا میں اول تو دولت مقابلۃً بہت کم ہے اور جس ملک میں ہے وہاں دولت کا مصرف بالکل جداگانہ ہے۔ اور وہ زیادہ تر عیش، لہو و طرب میں صرف کیا جاتا ہے۔ یہاں کے اہل دولت و ملک اس میں اپنی شان سمجھتے ہیں کہ دکھاوے میں روپیہ صرف کیا جائے، تاکہ یہ بھی اسپلنڈر آف دی ایسٹ، یعنے شان و شکوہ مشرق کا مصداق بنیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ نمائش میں تو روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے گر وہ چیزیں جو زندگی کی ضروریات میں سے ہیں، موجود نہیں ہوتیں۔ یہ عدم توازن افکار کا نتیجہ ہے مشرق میں بہت سے ایسے متمول اصحاب ملینگے جن کے مکان نہایت عمدہ سجے ہوے ہوتے ہیں، مگر چشم بینا فوراً دیکھ لیگی، کہ ان کے پاس بہت ساری چیزیں معدوم ہیں، جو زندگی کیلئے ضروری ہیں بہت سے قصر آپ کی نظر سے گذرینگے، کہ جن کی آرایش و زیبایش میں بہت سا روپیہ خرچ کیا گیا ہے، مگر وہاں ذوق لطیف غائب ہے۔

مصر کی زمین سونا اگاتی ہے، یہاں کے زمیندار نہایت متمول ہوتے ہیں، مگر افسوس ہے، کہ دولت عیش و لہو کی نذر ہوتی ہے۔ میں نے قاہرہ میں بہت سے مصری فلاحوں (کسانوں) کو دیکھا ہے، کہ وہ نیلگوں جبہ جس کی جیبوں میں اشرفیاں کھنک رہی تھیں، پہنے ہوے ان سڑکوں پر چلتے دکھائی دیتے تھے، جو سیدھا ہلاکت و تباہی کے غاروں کیطرف لی جاتی ہیں۔

آپ کو بہت سے مصری متمول ایسے ملینگے، جنھوں نے قومی کاموں میں معتدبہ رقم دی ہو۔ ہاں قاہرہ کے ملاہی اور عشرت گاہیں ان سے معمور رہتی ہیں، جہاں ایک شخص دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے میں مانتا ہوں، کہ یوروپ میں عیاشی کے بہت سے مناظر دکھائی دیتے ہیں، مگر وہاں کے باشندوں میں، وہ توازن فکر موجود ہے، جو ان کو ہلاکت سے بچا لیتا ہے۔

جیسا کہ ہندوستان کے شریف زادے (جنکے پاس کچھ دولت ہو) یہ زیادہ پسند کرتے ہیں، کہ بیٹھ کر عیاشی کریں، روپیہ اڑائیں، مگر تجارت، یا کسی اور حرفہ سے پرہیز کریں، یہی حال مصری خوشحال لوگوں کا ہے۔ جو روپیہ زمین سے حاصل ہوتا ہے، اس کو عیش میں صرف کرتے ہیں صرف مصر میں نہیں، بلکہ یوروپ کی بازیگاہیں، اور عشرتگاہیں، ہر سال ان سے معمور رہتی ہیں۔

ہندوستان کے متمول لوگ، مصریوں سے بہتر نہیں ہیں، مگر گلہ اس امر کا ہے کہ یوروپ اتنے قریب ہونے پر بھی مصریوں نے بہت جلد یوروپ کی بری باتیں، جن کو یورپ باعث ننگ سمجھتا ہے، سیکھ لیں۔ مگر اس کی خوبیوں کے سیکھنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

محمد علی جد خاندان خدیوی نے، اس امر کو محسوس کر کے، کہ جب تک علوم و فنون جدیدہ کی تعلیم نہ دی جائے ملک کی ترقی ناممکن ہے، مدارس اور کلیئے قایم کئے۔ بہت سے مصری طلبہ کو علوم کی تحصیل کی غرض سے یوروپ بھیجا، اور ان کی واپسی کے بعد انھیں پھر خدمتیں دیں، تاکہ اوروں کیلئے مثال بنیں اسی طبقہ کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ بہت سارے علوم و فنون یوروپین زبانوں سے عربی میں ترجمے کئے گئے۔ اور تعلیم عربی میں دی جانے لگی۔ یہ تحریک محمد علی کے بعد مدھم پڑگئی، مگر پھر خدیو اسمٰعیل پاشا کے زمانے میں چمک اٹھی۔ جب اسمٰعیل پاشا نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، تو اس وقت مصر میں صرف مدرسہ حربیہ، مدرسہ طبیہ اور ایک مدرسہ ابتدائیہ تھا۔ اس نے اپنے جد امجد کی پیروی شروع کی، اور نئے مدارس قائم کئے، طالب علموں کو یوروپ بھیجنا شروع کیا۔ اسکے زمانہ میں تعلیم بہت پھیلی، مگر اسکے بعد تعلیمی حالت میں پستی نمودار ہوئی اور عربی زبان کی جگہ یوروپین زبانوں نے لے لی اب چند سالوں سے مصر میں اس امر کی کوشش کیجارہی ہے کہ ہر قسم کی تعلیم عربی میں دیجاتے جامعہ مصریہ میں علوم اداب عالیہ، کی تعلیم عربی زبان کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں اس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری

ہے، کہ ہماری جامعہ عثمانیہ جہاں ہر علم و فن کی تعلیم اردو زبان میں دیجاتی ہے، جامعہ مصریہ کی موجودہ حالت سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔

۱۹۰۸ء میں جامعہ مصر کا افتتاح ہوا، وہاں کی تعلیم صرف چند لکچروں پر منحصر تھی، جن کو کچھ دیسی اور کچھ یورپین پروفیسر دیا کرتے تھے۔ جامعہ مصریہ کے کارپردازوں نے کئی طالب علموں کو تعلیم کیلئے یوروپ بھیجا، کہ وہ واپسی کے بعد جامعہ میں تعلیم دیں ۱۹۱۲ء میں، یوروپ سے لوٹتے ہوئے جب میں مصر گیا، تو اس وقت جامعہ کو تعطیل تھی، مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ابھی جامعہ کی تنظیم و تنسیخ ابتدائی حالت میں ہے۔

جامعہ ازہر جو دنیا کے قدیم ترین جامعوں میں سے ہے، اسکا حال ہر حیثیت سے برا ہے، اس کی اصلاح کی بہت سے لوگوں نے کوشش کی، مگر ابتک کامیابی ہوئی۔ مفتی شیخ محمد عبدہ مرحوم نے اسکی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، مگر قدامت پسندوں نے ان کی سخت مخالفت کی۔ یہ شیخ کی۔ سائی کا نتیجہ تھا، کہ نصاب تعلیم میں مبادی ہندسہ جغرافیہ، اور علوم عقلیہ زیادہ کیئے گئے شیخ کی روح ازہر میں ابتک بھی زندہ ہے مجھے ازہر کے بہت سے طالب علموں سے ملنے کا اتفاق ہوا، ان میں سے چند ایسے تھے، جنھوں نے ازہر میں تعلیم پانیکے بعد دوسرے مدارس میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ یا اور طریقوں سے اپنے خیالات کو جلا دی تھی یہ ازہر کے طلبہ کا بہترین نمونہ تھے، جن پر اگر مصر فخر کرے تو بجا ہے، اور چند ایسے تھے جنھوں نے صرف ازہر میں تعلیم پائی تھی، یا پا رہے تھے، اور خارجی اثرات سے بالکل پاک تھے، ان سے ملکر کوئی شخص بھی ان کے علم و فضل سے متاثر نہیں ہو سکتا کوشش کیجا رہی ہے، کہ اس کی اصلاح کیجائے، مگر جب تک مصری حکومت اس کی اصلاح میں حصہ نہ لے گی، اور جدید کو قدیم کے ساتھ وابستہ نہ رکھے گی، ازہر پورا پورا فائدہ دنیائے اسلام کو نہیں پہونچا سکتا۔

تمام مصریوں کی زبان، خواہ وہ مسلمان ہوں، خواہ قبطی، عربی ہے۔ مصری جب عربی زبان میں گفتگو کرتا ہے وہ بالکل بگڑی ہوئی اور غلط عربی ہوتی ہے۔ مگر تعلیم یافتہ مصری جب لکچر دیتا ہے، تو اس کی عربی فصیح ہوتی ہے۔ گفتگو میں مصری 'ج' کا تلفظ 'گ'، اور 'ق' کا تلفظ 'ا' سے کرتے ہیں مثلاً 'جمعہ' کا تلفظ 'گمعہ' اور 'قلہ' کا 'الہ' ہوگا فعل مضارع کی ابتداء میں 'ب'، اور اس کے آخر 'ش' داخل کرتے ہیں، مثلاً ما معرفتش بہ جانے ما العرفت کے بولتے ہیں ایک مصری شیخ میرے دوست تھے، اگر ان سے کہا جاتا کہ 'گاڈ' (خدا) کا تلفظ ادا کرو تو وہ کہتے 'جاڈ' اور جوان سے کہا جاتا کہ 'جاڈ' تو کہتے ہیں 'گاڈ'، بہت سے فرنگی کلمات بھی ان کی بول چال میں داخل ہو گئے ہیں مثلاً 'براوو' شاباشی، اُوروار (خدا حافظ) وغیرہ

اخبار، و مجلات (مخزن) یہاں کثرت سے نکلتے ہیں اور بڑی آب و تاب سے جو مضامین اور چھپائی کے اعتبار سے ... [illegible] سے کم نہیں ہوتے، اکثر علمی مجلات کے مدیر وہ لوگ ہیں، جو مصر میں آکر بس گئے ہیں المقتطف اور الہلال، جو مشہور علمی مجلے ہیں، ان کے مدیر شامی مسیحی ہیں، المنار، جو ایک دینی پرچہ ہے، اسکا مدیر بھی طرابلس شام کا رہنے والا ہے۔ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ مصریوں کی علمی اور ادبی ترقی میں شامیوں نے بہت کچھ ہاتھ بٹایا ہے، اور اب بھی وہ اس میں حصہ لیتے ہیں جرائد کے مدیر اکثر مصری ہیں 'المؤید' جسکا مدیر ایک شیخ تھا، اور جو کسی ایک یوروپین زبان سے واقف نہیں تھا، مصر کا قدیم اخبار تھا، اس شیخ کا رجحان فطرتاً اخبار نویسی کیطرف تھا، مگر مصر میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کے معلومات بہت محدود تھے۔ کہا جاتا ہے، کہ ایک مرتبہ اس نے کسی مضمون میں لکھا تھا، شرف اللہ افریقیۃ فلکۃ (خدا نے افریقہ کو مکہ معظمہ سے شرف بخشا ہے) دوسرا مشہور اخبار اللوا تھا، جسکا مدیر مصطفےٰ کامل پاشا تھا، جو مصریوں کا زعیم عظیم گذرا ہے، اور جس نے فن اخبار نویسی میں ایک نئی روح پھونکدی تھی

جنگ عظیم سے پہلے مسلمانوں اور قبطیوں میں اتفاق نہ تھا، مگر لڑائی کے بعد ان دونوں میں بہت مضبوط اتحاد ہو گیا ہے۔ قومی اور سیاسی امور میں ان دونوں گروہ میں کچھ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ چونکہ باشندوں کی تعداد بہ مقابلہ اور بڑی بڑی ایشیائی قوموں کے کم ہے، اور تمام کی زبان ایک ہے، اسی لئے اتحاد کی راہ میں رکاوٹیں نہیں پیدا ہوئیں۔ اتحاد کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے، کہ یوروپ کے قرب نے ان کو قومیت کا سبق سکھایا ہے۔

مصری مہمان نواز ہوتے ہیں، خاص کر اجنبیوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آتے ہیں مصری بڑے سے بڑا عہدہ دار کیوں نہو، اپنے ملاقاتیوں سے خندہ پیشانی کیساتھ پیش آئیگا۔ اسلام کا ایک بڑا جزو جو اخوت ہے انہیں پایا جاتا ہے جتنے مصریوں سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ تقریباً ہر ایک نے میرے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا، مگر افسوس اس امر کا ہے کہ مذہب کا وہ زور نہیں ہے، جو ایک اسلامی ملک میں ہونا چاہیئے افندی، دین کی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں، مگر خدا سے امید ہے، کہ وہ دن یہاں نہ آئیگا، جب کہ دین نام کے لئے رہجائیگا

مصر میں دو تعلیم یافتہ طبقے پائے جاتے ہیں ایک طبقہ افندیوں کا، اور دوسرا طبقہ شیوخ کا افندیوں کا لباس بالکل یوروپین ہوتا ہے، بجز اس کے کہ مصری کلاہ ان کے زیب سر ہوتی ہے۔ شیوخ و فلاحین جبہ، قفطان و عمامہ پہنتے ہیں جبہ و قفطان قیمت میں، اگر افندی لباس سے بڑھ کر نہیں تو اس کے مساوی ضرور ہوتے ہیں یہاں ایک اور خاص بات دیکھنے میں آئی ہے۔ آفندی تو داڑھی منڈواتے ہی ہیں، مگر شیوخ کے طبقہ میں بھی ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں جو ریش سے بیزار ہیں، یا صرف نائشی داڑھی رکھتے ہیں

مصری خواتین ایک حد تک تعلیم یافتہ ہوتی ہیں، ان میں تعلیم ابھی، جیسے چاہیے، عام نہیں ہوئی ہے۔ جنگ عظیم سے پہلے مصری خواتین کا پردہ دو قسم کا تھا ایک تو ترکی 'اپشک' جس سے سارا چہرہ ڈھنک جاتا تھا، اور دوسرا وہ جس میں آنکھیں کھلی رہتی تھیں، اور ناک کے سرے سے ایک مہین سفید کپڑا لٹکتا تھا، جس میں سے اکثر بشرہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ اب بھی ان دونوں پردوں کا رواج ہے، مگر مصری زنانیوں نے ترکی خاتونوں کا اتباع شروع کر دیا ہے، اگر یہی حالت جاری رہی تو وہ دن بہت نزدیک ہے، جب کہ عورتیں قاہرہ و اسکندریہ کے سڑکوں پر بے نقاب، و بے حجاب پھرتی نظر آئیں گی، اور مصر کے ناچ گھر ان سے بھر جائینگے جہاں وہ اجنبی مردوں کے ساتھ حیا کا پردہ اتار کر رقص کرینگی قدرت نے دنیا کے ہر حصہ کے جنس لطیف میں ایک خاص شوخی مضمر رکھی ہے، مگر قاہرہ کی جنس لطیف میں اوروں سے زیادہ پائی جاتی ہے، نہ معلوم جب پردہ بالکل اٹھ جائیگا، اور رسوم وقیود سے انھیں کامل رہائی ہوگی، تو یہ کیا غضب ڈھائینگی اور سوسائٹی کو ذلت کی کس گہرائی میں گرائینگی۔ یوروپ کی عورتیں آزاد ہیں، بے پردہ ہیں، رقص کرتی ہیں، مگر چونکہ ان کی تعلیم اور ان کے قدیم روایات و رسوم ان کے محافظ ہیں، اسلئے ان میں اتنی برائیاں نہیں پائی جاتیں، جو مشرقی عورتوں میں یوروپ کی بری باتوں کے اختیار کرنے سے پائی جاتی ہیں یوروپ کے اہل نظر اور اہل رائے خود بہت سی باتوں کو جو وہاں کی جنس لطیف میں رائج ہیں ۔ پسند نہیں کرتے، بھلا اگر ہم ان باتوں کو مشرقی عورتوں کیلئے اس فضا میں روا رکھیں جو یوروپ کی نہیں ہے۔ تو ہم مجنوں نہ کہلائیں گے تو اور کیا کہلائینگے۔

لینن کے دماغ کا امتحان

ماسکو پراوڈا اطلاع دیتا ہے کہ ایک ذمہ دار کامرنیلی جماعت کے سامنے برلن کے پروفیسر فاشت (FOGHT) نے لینن کے دماغ پر ایک مضمون پڑھا جسکا اس نے امتحان کیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً دو سال قبل پروفیسر فاشت نے ماسکو میں ایک خاص علمی انجمن قایم کی تھی جسکا مقصد صرف لینن کے دماغ کا امتحان ہے اسکام کا انجام دینے کیلئے جرمنی کارخانوں سے خاص قسم کے مشین اور آلات تیار کرائے گئے اور جرمنی کے کئی ایک سائنس داں اس کام کیلئے بلائے گئے۔ اس طرح لینن کے دماغ کے متعلق تحقیق و تفتیش جاری ہوئی۔ اب تک تحقیق کے متعلق جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لینن کی ذہنی زندگی معمولی آدمی سے بہت بلند ہے۔ اور اس کے دماغ کے خانے (CELLS) اوسط درجے کے انسان سے پختہ اور مکمل ہیں اور اسکی مجموعی قابلیت بہت اعلیٰ ہے۔ اسکا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ لینن کے دماغ کے مخزوطی خانوں کے جوڑوں کی نشو نما اچھی ہوتی ہے کسی چیز کی حقیقت کو پہونچنے اور تاثرات کو روک تھام کرنے کی قوت اس میں بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔

لینن کے دماغ میں تاثیرات اور خیالات جو ایک

ملاحظہ ہو باقی برصفحہ (۱۴۳) کالم (۱)

دستور حکومت

محمد میر خان بی ۔اے۔ ایچ ۔سی ۔ اس ۔

مغربی ممالک میں مذہب کی قوت باقی نہیں رہی ہے اورمعاشی وسیاسی مسائل ان کی تہذیب پر حکمران ہیں ۔ انکے یہاں فرقوں اور جماعتوں میں مابہ الامتیاز معاشی اورسیاسی معتقدات کا اختلاف ہے، نہ کہ مذہبی اختلاف ۔ اسکے برخلاف مشرق مذہب کا گہوارہ ہے اور ابتک یہاں مذہبی احساسات اسقدر شدید ہیں کہ یہاں مغربی قسم کی جمہوریت کا رواج محال نظر آتا ہے کیونکہ مغربی جمہوریت کا بنیادی مفروضہ یہی ہے کہ ملک کی مختلف جماعتوں میں صرف معاشی اور سیاسی اختلاف ہے اور خالص معاشی اور سیاسی جماعتوں کے جوڑ توڑ سے نظام جمہوریت مغربی قایم رہتا ہے۔

غرض کہ ہندوستان میں انگلستان کی سی مکمل جمہوریت کے قیام کا امکان اسی وقت ہوگا جب ممالک مغربی کیطرح رفتہ رفتہ یہاں کے معاشی اور سیاسی مسائل افراد قوم کیلئے اسقدر اہم ہوجائیں کہ وہ اپنے مذہب کو صرف ایک ذاتی اور معاشرتی شعار سمجھنے لگیں اور ملک کی معاشی بہبود کو اپنی غرض واحد سمجھکر سیاسیات میں منہمک ہوجائیں مغربی جمہوریت کیطرف قدم بڑھایا جاچکا ہے اور اس کے نامکمل تجربات کیوجہ سے کامل جمہوریت حاصل کرنے کیلئے تمام ملک کوشاں ہے اور اسی کے حصول میں تمام ملک کی بہبود پوشیدہ سمجھی جارہی ہے اسلئے بہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ فرقہ داری تنازعات کے باوجود ہندوستان کا آیندہ دستور (۱۹۱۹ء) کے قائم کردہ نظام سے پیچھے کیطرف نہیں بلکہ آگے کیطرف ایک قدم ہوگا ۔ یہاں مختصراً چند ایسے مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے جنکا لحاظ کرنا ہندوستان کے آیندہ دستور پر غور کرنیوالوں کیلئے ضروری ہے۔

ہندوستان کی آبادی کا اکثر حصہ زراعت پیشہ لوگوں کا ہے، جو غیر تعلیم یافتہ ہیں ۔ گذشتہ چند سال کے تجربہ سے ظاہر ہے کہ ملکی سیاسیات کو وہ سمجھ نہیں سکتے اور نہ ان میں حصہ لینا چاہتے ہیں، ۱۹۱۹ء کے دستور کی رو سے یہ ملک کے ووٹر تھے آیندہ کیلئے بطور تجربہ کم ازکم مرکزی مجلس وضع قوانین کیلئے ان کے ووٹ سے راست نائبین طلب کئے جائیں بلکہ ان کے ووٹ سے صرف مجالس انتخاب (الکٹورل کالج) قایم کی جائیں اور ان مجالس کے ذریعہ سے مرکزی مجلس وضع قوانین کیلئے نمایندے منتخب کئے جائیں ۔ ملک کی موجودہ تعلیمی حالت کا لحاظ کرتے ہوے بلا واسطہ انتخاب کی بہ نسبت اس قسم کا بالواسطہ انتخاب بہتر ہے ۔ البتہ صوبہ واری مجالس وضع قوانین کی لئے راست نائبین کا طریقہ برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

موجودہ فرقہ واری احساسات کیوجہ سے کونسلوں میں فرقہ داری نیابت کو قایم رکھنا لازم ہے انکے علاوہ ہر جماعت کی حفاظت کیلئے ایک طریقہ یہ مقرر کیا جاسکتا ہے کہ کوئی مسودہ کونسل میں منظور نہ ہو، جسکی مخالفت کسی ایک فرقہ کے دو ثلث نائبین کریں۔

صوبہ جات میں ذمہ دار وزیروں ہی کے ذریعہ سے حکومت کیجائے اور کوئی محکمہ گورنر کے نامزدہ شخص کیلئے "محفوظ" نہ رہے ۔ دستور حکومت میں اس امر کی کافی گنجایش رکھی جائے کہ ہر صوبہ کا دستور ایک کافی حد تک اس صوبہ کے تعلیمی اور معاشرتی حالات کے تحت ارتقا پائے ۔ دستور حکومت دراصل وہی سب سے زیادہ مفید ہوتا ہے جو بیک وقت کیسیکا بنایا ہوا نہو بلکہ رفتہ رفتہ خود بنا ہوا ہو اسکے علاوہ ہر صوبہ کے گورنر کے انتخاب و تقرر کے وقت (اسٹریلیا، کینیڈا وغیرہ کیطرح) وہاں کی سیاسی جماعتوں سے استصواب کیا جائے۔

ہندوستان کیلئے ایک اعلیٰ ترین عدالت قایم کیجائے جہاں صوبجات کے ہائیکورٹوں سے اپیل رجوع ہوا کریں ۔ اس اعلیٰ ترین عدالت کے قیام کے بعد پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی میں ہندوستانی اپیل رجوع نہوا کریں دیہات میں پنچایتوں اور اعزازی عدالتوں کو بکثرت رائج کیا جائے جو مقامی حالات و رواجات کا کافی لحاظ کرتے ہوے فیصلہ کریں ۔ اسطرح رعایا کو اپنے ہی مماثل واکابر کے ہاتھوں انصاف حاصل ہوگا اور مقدمہ بازی کم ہوگی ۔ مرکزی حکومت کی بہ نسبت صوبہ واری حکومت میں اور صوبہ واری حکومت کی بہ نسبت بلدی (میونسپل) حکومت میں جمہوریت کا عنصر زیادہ رکھا جائے ۔ میونسپل انجمنوں اور دیہاتی بورڈوں میں انتخاب کی عام آزادی ہو اور انھیں اپنے فنڈ کو اختیار وتمیز سے خرچ کرنیکا حق حاصل ہو۔

ہندوستان ایک نہایت وسیع ملک ہے ۔ اسمیں ایک شدید مرکزی (CENTRALISED) حکومت قایم رکھنا دشوار ہے اور اس قسم کی حکومت میں صوبہ جات کیلئے ایک حد تک ناانصافی بھی ہے ۔ اکثر صوبہ جات نہایت وسیع ہیں اور علحدہ علحدہ اپنے مخصوص مسائل رکھتے ہیں، جنکو مرکزی حکومت کامل طور پر سمجھ نہیں سکتی ۔ اسلئے ہندوستان کے لئے اتحادی دستور FEDERAL مناسب ہے ۔ ہر صوبہ کو اپنے داخلی انتظام کیلئے کافی آزادی حاصل رہے اور ملک کے مشترکہ امور کے سرانجام کیلئے دہلی کی متحدہ FEDERAL حکومت جملہ صوبہ جات کی ہدایت کرے۔

دیسی ریاستیں ملک ہندوستان کے جغرافیائی حدود میں اسطرح محصور ہیں کہ برطانوی ہند سے قطع تعلق کر سکتی ہے نہ وہ برطانوی ہند سے ۔ ہندوستان ایک جغرافیائی جامد ملک ہے ۔ اس کی تجارت خارجہ اور مدافعت ملکی اور تعلقات بین قومی میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستیں برابر کے شریک ہیں اور کسی طرح ان کا علحدہ رہنا ممکن نہیں ہے ۔ اسلئے یہ جانبین کے لئے مفید ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کر کے ان معاملات میں تعاون کیلئے ایک نظام قائم کیا جائے

ملاحظہ ہو صفحہ (۱۷) کالم (۲)

باقی صفحہ (۱۲) کالم (۳)

مقام پر آئے تھے دوسرے مقام پر ان کی روک تھام کیگئی اور ان خیالات میں مجھ دملی خانوں نے اضافہ کیا۔

لینن کے دماغ کو کئی ایک معمولی انسانوں کے دماغوں سے مقابلہ کرنے کے لئے (۳۴۰۰۰) مقاموں پر چیرنے کی ضرورت ہوئی ہے۔

اصول انقلاب

حسین علی مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا۔

پروفیسر قانون کلیہ جامعہ عثمانیہ

قومی رہنماؤں کا عموماً یہ خیال ہوتا ہے کہ عنان حکومت اگر ان کے ہاتھ آجائے تو وہ قوم کی حالت کو درست کردیں۔ سیاسی تمدنی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لئے بہت سے قیاسات اور نظریے قائم کئے جاتے ہیں اور خاکے مرتب کئے جاتے ہیں۔ بالعموم اصلاح کا مقصد رفاہ عام ہوتا ہے مثلاً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر حکومت بدل دیجائے، بجائے بادشاہت کے جمہوریت قایم کردیجائے تو ملک کا سارا ادبار دور ہو جائیگا۔ نظریہ کی حد تک لیڈروں کے تمام دعوے بہت معقول اور مدلل نظر آتے ہیں۔ مگر ان تمام چیزوں کو ہم اگر بسیط تنقیدی نظر سے دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اصل راز یہ ہے کہ انسان کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ انسانی نفسیات کا یہ بالکل معمولی کرشمہ ہے کہ ایک ہی انسان دو مختلف حالتوں میں یکساں نہیں پایا جاتا۔ اگر کوئی قومی لیڈر کامیاب ہو جائے اور حکومت کا صدر بنا دیا جائے تو ایسے نئے ماحول میں اسکی ایک جداگانہ حالت ہو جاتی ہے۔ وہ قدیم نقطہ نظر رفاہ عام کا قومی بہبودی، غربا پرستی کا باقی نہیں رہتا بحیثیت حاکم اسی لیڈر کا ایک نیا مطمح نظر قایم ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جن اسباب کیلئے انقلاب عمل میں آیا تھا اور جو مقاصد پیش رکھے گئے تھے وہ سب مفقود ہو جاتے ہیں۔ ایک نیا افق اور ایک نیا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ تبدیلی ہمیشہ قدیم طریقہ سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے اس اصول کے ہم کئی تاریخی نظیریں پیش کر سکتے ہیں اور موجودہ زمانہ میں اس کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔ بادشاہوں کے جبر و تعدی سے روس کی رعایا تنگ آگئی تھیں۔ دوران جنگ میں روس میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔ بادشاہت کا تخت الٹ دیا گیا اور سلطنت روس کے چند افراد ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔ انقلاب کا علم مساوات اور حریت کے نام سے بلند کیا گیا تھا لیکن بولشوزم کے زمانہ میں وہ مظالم وقوع میں آئے جس سے لوگ قدیم بادشاہی مظالم بھول گئے لینن ٹراٹسکی وغیرہ جو روس کے عقل کل سمجھے جاتے تھے اور فی الحقیقت یہ روس کے بے تاج بادشاہ تھے۔ ان کا بیان تھا کہ انقلاب کے بعد نئی حکومت کو مستحکم ہونا چاہیئے۔ اسکے لئے اخباروں کا گلا گھونٹنا۔ آزادی میں تخفیف کرنا۔ فوج اور پولیس کا باضابطہ انتظام رکھنا ضروری ہے کیونکہ اندیشہ اس امر کا ہے کہ قدیم زار روس کی معزول شدہ حکومت زندہ ہونے کی یا اور کوئی نئی حکومت الٹ دینے کی کوشش کرے گی اس کا سد باب اس طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ بیحد سختی سے ہر چیز کی نگرانی کیجائے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ درمیانی زمانہ ہے، حکومت مستحکم ہونیکے بعد ہر قسم کی آزادی عطا کیجائے گی۔ یہی بیان اور یہی نہاد اس زمانہ کے مطابق بھی ہے، جو انقلاب فرانس کے نام سے مشہور ہے اور یہی حالات اسوقت اطالیہ میں بھی درپیش ہیں۔ ہر انسان کی خاص کمزوریاں ہوا کرتی ہیں۔ کوئی لیڈر جاہ و حشمت کا دلدادہ ہوتا ہے۔ کوئی حکومت کرنے پر مرتا ہے مالی فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے، غرض خواہ کچھ بھی ہو نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یعنی انقلاب سے جدید طرز حکومت قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہونچاتی۔

انھیں اصول کے تحت ہم اگر اطالیہ کے حالات کا مطالعہ کریں تو آسانی سے ہر ایک عمل کا پتہ چل سکتا ہے، شاید یہ کہنا غلط ہوگا کہ سنیور مسولینی کی شخصیت تو ایک ہے مگر دو جداگانہ واقعات میں اسکی دو متضاد حالتیں ہیں۔ ایک حالت میں مسولینی اخبار کا ایڈیٹر قوم کا دلدادہ حریت و مساوات کا طلبگار اور رفاہ عام کی کوششوں میں عمر صرف کرنے والا انسان ہے، جسکے لئے قید ہونا، مالی نقصان اٹھانا سب جائز بلکہ قابل فخر تھا۔ دوسری حالت میں یہی مسولینی اطالیہ کا جابر بادشاہ نظر آتا ہے۔ اسی مسولینی کی پہلی اور دوسری تصویر میں کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی سوائے اسکے کہ ایک ہی انسان کی دو مختلف حالتیں ہیں۔

اس قسم سے اقوام کے متعلق بھی یہ اصول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ایک قوم دو مختلف حالتوں میں ایک ہی طبیعت فطری پر قائم نہیں رہ سکتی۔ ابھی چند سال کا ذکر ہے کہ چین کے متعلق تمام عالم کا یہ خیال تھا کہ وہ آثار قدیمہ کی جیسی ایک چیز تساہل اور کاہلی ان پر غالب ہے۔ اور اس قوم سے جنگ و شورش کی توقع کرنا خلاف عقل ہے۔ آج وہی چین ہے کہ انقلاب نے شورش اور خانہ جنگی میں دیوانہ وار مصروف نظر آتا ہے اسی طرح کسی ملک کے پرامن باشندوں کے متعلق یہ خیال کرنا خلاف فطرت ہوگا کہ شورش کے زمانہ میں بھی وہ قوم خوش اسلوبی سے کام کرے گی اور امن و صلح کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرے گی عموماً ہوتا یہ ہے کہ شورش میں یہی امن پسند قوم انتہا درجہ کے بے رحمانہ افعال کر بیٹھتی ہے۔ شورش میں نام تو آزادی کا رہتا ہے، لیکن اس میں فرضی نصب العین کو حاصل کرنے کی غرض سے ہزار ہا جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ صحیح آزادی وہی ہے جو از روے قانون حاصل ہو۔

آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی شخص کے افعال پر کسی قسم سے قیود عائد نہ کئے جائیں کیونکہ اس میں صرف قوی اور ذی اقتدار افراد کچھ آزاد رہینگے اور باقی اشخاص جو کمزور ہیں

ان کو کسی قسم کی آزادی یا کسی قسم کے حقوق حاصل نہونگے۔ قانونی آزادی میں مساوی حقوق عطا کئے جاتے ہیں اور ان حقوق کی پامالی پر حکومت کی جانب سے چارہ کار عطا کئے جاتے ہیں یہاں یہ بحث غیر متعلق ہے۔ اسکا پورا فلسفہ بیان کرنے کیلئے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔

۱۰ ار فروری سنہ ۱۹۱۹ء میں چار مہینے بعد ایطالیہ میں بولشوزم کا ظہور ہونے لگا۔ بولشوزم کے مقصد اور اصل اصول کا بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں آیندہ کسی اشاعت میں اس پر بھی روشنی ڈالی جائیگی۔ بولشوزم کی مضر اثرات اور بولشوزم کیلئے جو خونریزی ہوئی تھی ابھی یورپ کے پیش نظر تھی لیکن اطالوی پریشانی کے عالم میں بولشوزم کو ہر مرض کی دوا سمجھنے لگے مسٹر مولینی جو قوم کا ایک لیڈر مانا جا رہا تھا اور اخباری دنیا میں بے حد ممتاز تھا، اس نے بولشوزم کو ایطالیہ میں روکنے کیلئے ایک کثیر گروہ کو آمادہ کیا اور سینیر مسولینی کے اس جدید سیاسی مذہب کا نام فاشزم (Fascism) تھا یہ لفظ مشتق ہے فیسیا (Fascea) سے اسکے معنی اس رشتہ کے ہیں جو منتشر اجزا کو ایک شیرازہ میں باندھتا ہے۔ ابتداً اس کی جماعت میں پینتالیس (۴۵) افراد تھے لیکن بعد میں ملک کی آبادی کا کثیر حصہ اس دائرہ میں داخل ہوگیا۔ چند ہی دنوں میں وہ زمانہ آگیا کہ مسولینی ایطالیہ کا حقیقی معنوں میں حاکم بن بیٹھا۔ اس نے کاروبار وزارت کے علاوہ ممالک خارجیہ سے تعلقات اور ان کے مراسلت کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں لیلیا۔ پھر نئے سرے سے پولس کی تنظیم ہوئی۔ ایک عام حکم شائع کر دیا کہ ایطالیہ میں اب وہ قدیم حکومت نہیں رہی اب مولینی (بانی فاشزم)، حاکم ہے۔ فوج اور پولس کو حکم ہوا کہ فاشزم کے خلاف کسی قسم کی تحریک نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی اخبار نئے عام پر کوئی تنقید کرتا تو وہ بند کر دیا جاتا۔ کسی مقام پر آزادی کے متعلق اگر کوئی تقریر ایطالیہ میں ہوتی تو مقرر سے سخت باز پرس کیجاتی کبھی تو مقرر گرفتار کیا جاتا اور کبھی جلاوطنی کا حکم صادر ہوتا۔ حکومت کے خلاف جن اشخاص پر سازش وغیرہ کی تہمت لگائی گئی وہ یا تو جلا وطن کر دئے گئے یا دار پر کھینچے گئے۔ غرض کسی قسم کی آزادی باقی نہ رہی۔

سینر مسولینی کا بیان ہے کہ فاشزم سے مراد محض بولشوزم کا سد باب نہیں کیونکہ یہ مقصد تو محض منفی ہوگا۔ بلکہ اسکے دوسرے اور بھی تعمیری مقاصد ہیں۔ مثلاً ایطالیہ کی نوآبادیات و فتوحات میں اضافہ کیا جائے۔ ایطالیہ کا وقار تمام دنیا میں قائم رکھا جائے۔ قوم کی عزت اس کی قوت و ثروت سے ہو سکتی ہے اسلئے ایطالی باشندوں کو اس میدان میں جد و جہد کرنا چاہیئے۔

بولشوزم سے تمام اشخاص مساوی طور پر سرمایہ دار بن جاتے ہیں، پوری ملکیت ہر قسم کی ملک کے نام ہوتی ہے امیر غریب میں جو اسوقت بین فرق ہے وہ قایم نہیں رہتا۔ لیکن یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ اس تنظیم کے تحت بین الاقوامی تجارت ملک کو بحیثیت ملک ہونے کے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ غرض یہ ایک جداگانہ بحث ہے۔ سینر مولینی کا اصل مقصد یہ تھا کہ ملک کے سرمایہ دار قایم رہیں اور ملک کی تجارت میں اضافہ ہو۔ لیکن یہ معلوم رہے کہ انسان پر حکومت کا اسقدر شوق غالب آجاتا ہے

کہ اس کی خاطر ہر ناجایز فعل کو وہ تقریباً جایز سمجھتا ہے۔ اس امر کا مشکل سے پتہ چل سکیگا کہ مسولینی کی جد و جہد اور اس سیاسی اصول کا اختراع آیا خود اسکے اقتدار میں اضافہ کرنے کے لئے ہے یا صحیح مضمون میں ملک کو فائدہ پہونچانے کے لئے۔

موجودہ زمانہ میں سیاسی یا مدبر کا ساحت نظر صرف ملک کی حد تک محدود رہنا۔ اس کی کوتاہ نظری پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ اقوام کی مثال ایک شطرنج کے بساط کی ہے، جہاں ایک مہرے کا اثر دوسرے پر برابر پڑتا رہتا ہے اور ہر ہر نئے قدم پر اور ہر ہر چال میں مختلف متضاد چالوں کا خیال رکھنا لازمی ہے بہ الفاظ دیگر سیاسی اور تمدنی ترقی کیوجہ سے دنیا ایک شیرازہ میں جکڑی ہوئی ہے۔ کوئی قوم یہ دعوی نہیں کر سکتی کہ وہ دوسری اقوام کا لحاظ رکھے بغیر انفرادی حیثیت سے کسی قسم کی جد و جہد کر سکتی ہے۔

ایطالیہ میں جو یہ شورش ہوئی اور مسولینی کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس پر عالم سیاسیات میں بڑے بڑے باریک بین سیاسی قسم قسم کے تخیلات میں سرگرداں ہیں۔ کہ زمانہ کے قبل یہ پیشین گوئی ہوئی تھی کہ مولینی کی مثال دنیا کیلئے موزوں نہیں ہے۔ کیا عجب کہ دنیا میں اور بھی لیڈر اسی اصول پر کاربند ہوں اور رفتہ رفتہ جب چند ممالک اس قسم سے مطلق العنان شخصی حکومت کے زیر اثر آجائیں تو جمہوریت کی بنیاد کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت میں بہت سے نقائص ہیں، یوروپ کی ہر ایک سربرآوردہ سلطنت میں بھی بحث رہتی ہے کہ جمہوریت کا طریقہ کامیاب رہا یا ناکام جمہوریت میں بڑا عیب یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ترقی سرعت کے ساتھ عمل میں نہیں آتی۔ جس ملک میں تھوڑے ہی زمانہ میں عظیم الشان ترقی ہوئی وہاں بادشاہ کا اچھا اثر نمایاں ہوتا ہے سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد جرمنی میں جو ترقی ہوئی وہ ظاہر ہے۔ برائے نام تو وہاں بھی پارلیمنٹری حکومت تھی لیکن بادشاہ چند مدبروں کی رائے سے نظم و نسق کیا کرتا تھا۔ جاپان کی ترقی میں میکاڈو کا بہت حصہ رہا ہے اور بادشاہ کے سایہ عاطفت میں حیرت انگیز ترقی ہوئی

جنگ کے بعد صلح نامہ جو مرتب ہوا اس میں اساسی اصول یہ رکھا گیا کہ آیندہ ممالک میں اگر اختلاف آرا ہو تو یہ مسئلہ مجلس اقوام (لیگ آف نیشن) کے روبرو پیش کیا جائے گا اور اس انجمن کے تصفیہ پر فریقین کو راضی ہونا پڑیگا۔ چند اصولی نقائص انجمن اقوام کے دستور میں ضرور پائے جاتے ہیں لیکن ضرور ہوا کہ جنگ کو کم کرنے یا بغیر جنگ کے کام چلانے کیلئے ایک طریقہ ہاتھ آگیا۔ لیکن مسولینی جیسے فاشزم کے دلدادہ جو ایطالیہ کے اقتدار اعلی پر سر دھنتے تھے انھیں غالباً یہ طریقہ ناگوار معلوم ہوا اور اسی باعث جزیرہ کارفیو (Carfu) کے سامنے میں گولہ باری کا حکم دیا گیا اور لیگ آف نیشن سے کچھ مدد نہیں لیگئی۔

یہ رفتار ایسی نہیں جو دنیا میں امن قائم رکھے۔ آج فریق مقابل ساکت ہے ممکن ہے کہ آیندہ ایسے حالات پیدا ہوں جن سے وہ قوی ہو جائے اور انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ایسا ہوتا آیا ہے سنہ ۱۸۷۰ء میں فرانس کو شکست ہوئی جرمنی غالب رہا سنہ ۱۹۱۴ء میں کایا پلٹ ہوگئی۔ اور جرمنی کو نیچا دیکھنا پڑا۔ یہی حالات نہایت خوبی سے دو تصویروں میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ دو بڑی تصویریں ورسیل (Versail) کے مشہور تصویر خانہ میں پہلو بہ پہلو رکھی گئی ہیں۔ پہلی تصویر وہ ہے جس میں فرانس کی شکست کے بعد شہنشاہ جرمنی تخت نشین کیا جاتا ہے۔ دوسری تصویر جرمن کے زوال کی ہے۔ فرانس کی فتحمندی دوسری تصویر کے ہر خط سے نمایاں ہے۔ یہ کہنا بالکل آسان ہے کہ ترقی اور تنزل ہر شخص کیلئے لازمی ہے لیکن اگر ساتھ ہی ساتھ سیاسی جد و جہد کے بنیاد انتقام پر ہو تو امن کی ایک شکل نکل آتی ہے۔

اوپر اس امر کا ذکر ہو چکا ہے کہ فاشیزم کا ظاہری منشا تو یہ ہے کہ ایطالیہ کے حدود میں اضافہ ہو۔ سرمایہ داروں کو حکومت کی جانب سے امن و پناہ ملے کیونکہ سرمایہ دار تجارت کی جان ہیں اور تجارت سے ملک کی قوت ہے۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ بولشوزم کی روک تھام کیجائے کیونکہ یہ سرمایہ داروں کا دشمن ہے۔ چوتھے ملک میں وہ انتظام ہو جو جدید حکومت فاشیزم کو قایم رکھے۔ اس قسم سے اور بھی مقاصد کی فہرست دیجاسکتی ہے مگر یہ امر قابل غور ہے کہ عوام کی بہبودی اور حریت کا کہیں بھی ذکر نہیں۔

اصل راز یہ ہے کہ مسولینی کی نمود دو بڑے اثرات کے تحت ہوئی ہے پہلا اور زبردست اثر میکیولی کا رہا ہے۔ آج سے چار سو سال پہلے میکیولی کی کتاب "دی پرنس" (The Prince) کے نام سے لکھی گئی۔ میکیولی کے مقاصد اس زمانہ کے لحاظ سے چنداں برے نہ تھے مگر میکیولی کے خیالات کو عمومیت کا جامہ پہنانا اور یہ کہنا کہ وہ ہی زمانہ کیلئے صادق آسکتے ہیں غلطی پر مبنی ہوگا۔ میکیولی اپنے کتاب کے باب (۱۷) میں انسانی فطرت کی متعلق یہ لکھتا ہے "افراد یعنی ملک کے تمام باشندوں سے حکومت کو بہتری کی توقع رکھنا بیکار ہے عوام کے خمیر کا جز لازمی دھوکا۔ دغا۔ احسان فراموشی ہے۔ اگر بادشاہ کو ان سے ادنی کام پڑے تو وقت ضرورت یہ بے وفا ثابت ہوں گے۔ اکثر شہنشاہ جو رعایا کے ساتھ محبت برتتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ہر کسی کے گرویدہ ہو کر کوئی کام ہرگز نہیں کرتے۔ بجائے اس کے اگر ان پر بادشاہ کا ڈر اور خوف ہی رہے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ بادشاہ میں جو رعایا محل ہو وہ قابل سزا ہے" غرض میکیولی کے رعایا کے متعلق اس قسم کے خیالات ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر زمانہ و ہر ملک کے لئے یہ خیالات صحیح نہیں ہو سکتے۔ لیکن مسولینی اس کتاب کو بچپن ہی سے نہایت شوق سے پڑھتا تھا۔ اور اب بھی اسکا خیال ہے کہ میکیولی کے خیالات صحیح ہیں۔ دوسرا اثر مسولینی پر فلسفی نیٹشے کی تحریرات کا پڑا اثر بھی ایسا نہیں جسکی تعریف ہو سکے معزول قیصر جرمنی بھی نیٹشے کا بہت دلدادہ تھا۔

اس طول بحث سے اس امر کا پتہ چلیگا کہ جس بہانہ سے انقلاب کیا گیا اس میں کوئی کامیابی حاصل نہوئی

نظریات اور خیالات جو ظاہر کئے جاتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی اچھے ہوں لیکن عملاً واقعات اسکے خلاف پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ہمارے خیال میں ایطالوی قوم کو قدیم زمانے میں بدرجہا زیادہ آزادی حاصل تھی۔ حکومت کا اور سیاسیات کا جدید مقصد اعلیٰ تو یہ سمجھا جا رہا ہے کہ حکومت عوام کی بہبودی کیلئے ہو۔ دوسرے حکومت ایسا ماحول پیدا کرے جس سے نیک زندگی حاصل ہو تیسرے تعلیمی حالات ایسے ہوں جس سے ملک صلح کی جانب رجوع ہو۔ یہ فہرست نامکمل ہے۔ ضمنی طور پر چند چیزوں کا ذکر کرنا اور ساتھ ہی ساتھ یہ تبلانا منظور تھا کہ کس حد تک انقلاب کے ذریعہ ایطالیہ کو ان مقاصد میں کامیابی ہوئی۔

ایک اور اہم مسئلہ اصول قانون سے متعلق پیدا ہوتا ہے جن میں انقلاب سیاسی صریحاً خلاف قانون تصور کیا جاتا ہے۔ وہ دستور (CONSTITUTION) جو انقلاب کے ذریعہ قائم ہو جائے کس حد تک دستور قانونی سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ دستور میں تو شرط یہ ہے کہ قانون ملک کے مطابق ہو یہی وجہ تھی کہ جب اوس میں انقلاب ہوا تو برطانوی ریاستوں نے اپنے سیاسی تعلقات اوس سے منقطع کر لئے اسی مسئلہ پر ایطالیہ کے متعلق بھی حال میں انگلستان کے مشہور اخبار" دی نیشن" (THENATION) نومبر ۱۹۲۷ء میں مراسلت ہوئی ہے۔ برنرڈ شاہ کی تحریرات قابل دید ہیں مختصراً اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالی جا سکتی ہے کہ لفظ دستور دو مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنی تو ایسے دستور کے ہیں جو قانون ملک کے تابع ہو اور اسی کے قواعد رسم و رواج کے تحت مرتب کیا جائے دوسرے معنی میں وہ دستور جسکا ماخذ قانون کے بجائے عوام کی رائے سیاسی نقطہ نظر سے اقتدار اعلیٰ کے اختیارات رکھتی ہو اگر غلبہ آراء سے قوم کسی امر پر متفق ہو جائے تو یہ بھی قانون کا اثر رکھیگی۔ مثلاً شمالی امریکہ کا دستور خلاف قانون انگلستان مرتب کیا گیا چونکہ قوم نے غلبہ آرا سے اس امر پر تصفیہ کیا تھا اسلئے وہ بے ضابطہ دستور ابتدائی وہاں کیلئے بمنزلہ قانون دستور کے ہو گیا۔ یہ ایک پیچیدہ بحث ہے جسکا تعلق قانون کے اساسی اصول سے ہے۔ یہاں اس بحث کا چھیڑنا دلچسپ نہ ہوگا۔ عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کامیاب ترین انقلاب، انقلاب امریکہ سمجھا گیا ہے۔ اس انقلاب کا منشاء یہ تھا کہ آزادی حاصل ہو لیکن امریکہ میں اس وقت بھی وہ آزادی حاصل نہیں ہے۔ جو انگلستان کے باشندوں کو حاصل ہے جب ایک کامیاب شورش کا یہ نتیجہ نکلا تو دوسرے انقلابات کا ذکر ہی کیا۔

صحیح معنوں میں ترقی وہ ہے جو بتدریج ارتقائی طور پر ہوتی رہی۔ انقلاب سے عموماً منشاء یہ ہوتا ہے کہ جلد ترین تمام مقاصد پورے ہوں اور تمام تکالیف دور ہو جائیں۔ مگر اس قسم کا کوئی نسخہ ابھی تک تجویز نہیں ہوا۔ آج سے دو سو سال پہلے سائنس کے متعلق بھی یہی کوشش تھی کہ ایک عالمگیر مفروضہ کے تحت بے شمار معموں کو حل کیا جائے برخلاف اس کے جدید سائنس کی ترقی کا راز یہ ہے کہ محض کسی ایک شعبہ پر یا کسی ایک دھات کے تحقیق میں عمر صرف کردیں تاکہ اس دھات کے حقیقی خواص معلوم ہو سکیں۔ غرض صحیح ترقی درجہ بدرجہ اور مدتوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اور یہی طریقہ اقوام کی بھی نشو و نما یا ارتقاء کا ہے۔

انقلاب کی مخالفت میں ہم اس کے قبل بھی ایک مضمون میں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر اس سے یہ منشا نہیں ہے کہ تمدن غیر تبدیل پذیر ہو۔ کیونکہ تبدیل بھی عین حیات ہے۔ اور ارتقاء تبدیلی اسکو کہتے ہیں جو ضرورت زمانہ کے لحاظ سے تدریجاً ہو۔ انقلاب میں ایسی کوئی شکل نہیں پائی جاتی۔

انقلاب مثل ایک آندھی کے ہوتا ہے جس میں اچھا اور برا تمیز ہی نہیں پائی جاتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ انقلاب سے تمدن میں ترقی کی بجائے تنزل واقع ہوتا ہے۔

اصول انقلاب کے نام سے کئی کتابیں چھپی ہیں لیکن انقلابات کے زیر اثر یہ تصانیف شائع کی گئیں۔ اگر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو صریحاً خام بنیاد پر ان کا انحصار معلوم ہو جائیگا مختصر طور پر ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں جسکا ذکر ہم پہلے مضمون میں کر چکے ہیں۔ یعنی

انقلاب ایک قابل ملامت تحریک ہے۔ اور ارتقاء پائیدار مستقل اور ترقی بخش اصول ہے۔

بقیہ دستور حکومت

صفحہ (۱۴)، کالم (۳)

اس قسم کے تعاون و مشاورت کے لئے بہترین تجویز، جیسا راقم بعض مرتبہ کہتا رہا ہے، ایک مجلس نائبین روساء کا قیام ہے اس مجلس میں ریاستوں کی حکومت کے نمائندہ بھیجے جائیں، اور اس مجلس کی حیثیت متحدہ مرکزی حکومت کے لئے ایک تیسری مجلس وضع قوانین کی ہو مشترکہ مسائل کے متعلق کوئی ایسا مسودہ قانون متصور نہ ہو، جب تک وہ دونوں مجالس کے علاوہ اس تیسری مجلس میں بھی منظور نہ ہو جائے، اس طرح دیسی ریاستیں دیگر صوبہ جات کی طرح ملک کی معاشی بہبودگی اور تعلقات خارجہ اور مدافعانہ فوجی انتظامات میں مشورہ دے سکیگی اس کے علاوہ ہر ریاست کا نمائندہ دہلی میں مرکزی حکومت سے اپنی ریاست کے سیاسی تعلقات کی نسبت بحیثیت سفیر بحث کر سکے گا۔

بقیہ محمد علی پاشا

صفحہ (۲۰)، کالم (۳)

جائز طور پر اپنے ہم عصروں اور آنے والی نسلوں سے مصر جدید کے نجات دہندہ اور جد اعلیٰ کا خطاب حاصل کیا، قوم و ملک کی بہبودی کیلئے مسلسل خدمات اور انہماک و اشتغال نے محمد علی کی صحت کو ناقابل بیان نقصان پہونچایا تھا اور اس کی آخری عمر اس قابل نہ رہی تھی کہ وہ ملک کی ذمہ دارانہ خدمات انجام دے سکے۔ اسی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں اس نے اپنے فرزند ابراہیم پاشا کو اپنا قائم مقام کر دیا اور خود اطبار کے مشورہ سے تبدیل آب و ہوا کیلئے اسکندریہ چلا گیا۔

انیسویں صدی کے اس شہرۂ آفاق مجدد اور بے مثال مصلح و مدبر نے اپنے دوسرے درجہ کے پایہ تخت اسکندریہ میں ۲ر اگست ۱۸۴۹ء کو اس دنیائے ناپائیدار سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ اور قاہرہ کے قلعہ الجبل کی مرمری مسجد میں اس تاریخی انسان کو سپرد خاک کیا۔

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ سلطان عبد العزیز نے اس کے مزار پر کھڑے ہوئے اس نادر روزگار ہستی کو مخاطب کرتے ہوئے جو کلمات ادا کئے تھے ہم بھی اسی کے ہم زبان ہو کر کہیں کہ:-

"اے نسل انسانی کے نادر الوجود
تاریخی فرزند آرام سے محو خواب
رہ کہ تیرا ذکر غیر فانی ہے"

ایچ - جی - ویلس کا ایک لطیفہ

انگریزی زبان کے مشہور مصنف ایچ - جی ویلس کو اخبار والوں کی ملاقات سے سخت نفرت ہے۔ اس نفرت کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے۔

حال میں ایک دن وہ ایک قصبہ میں اپنے مکان کے قریب ہی ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک چالاک سا تیز نظر شخص اس کی طرف قدم اٹھائے چلا آ رہا ہے اجنبی شخص قطعاً اخبار نویس نظر آتا ہے۔ ایچ - جی - ویلس کو یقین ہو گیا کہ اب اس سے ملاقات اور گفتگو کرنی پڑیگی اس لئے اس نے ایک پیچیدہ گلی میں اجنبی کو چکر دیکر نکل بھاگنا چاہا۔ مگر اجنبی نے پیچھا نہ چھوڑا اور برابر ویلس کے ساتھ لگا رہا۔ ویلس نے پھر کوشش کی اور ایک خراب راستہ اختیار کیا۔ اور کھیتوں اور کیاریوں میں سے جلد جلد گذرنے لگا۔ تاکہ اجنبی اس کا تعاقب نہ کر سکے۔ اس کوشش میں ایک کھیت میں ویلس صاحب کا پاؤں پھسلا اور دھم سے زمین پر آ رہے۔ تقدیر کے فیصلہ کو تسلیم کر کے - ایچ - جی ویلس نے زمین پر سے اٹھتے ہوئے اس بار خاطر انسان پر نظر ڈالی اس مدت میں اجنبی قریب آ گیا تھا، اس نے مسرور ہو کر مصنف سے کہا -

" بڑی خوشی کی بات ہے دوست کہ تم آخر کار لنگر انداز ہوے۔ مہربانی کر کے مجھے یہ بتا دو کہ اس گاؤں میں ہوٹل کہاں ہے۔ میں سردی سے اکڑا جا رہا ہوں مجھے اس وقت تھوڑی سی بیر کی سخت ضرورت ہے -

کا بانی مبانی اسکا یہی تخیل تھا جو کبھی اس کے ذہن سے اوجھل نہ ہونے پاتا تھا۔

ابھی یہ عالم شباب ہی میں تھا کہ سلطانِ ترکی تک اس کی جوانمردی اور بہادری کے افسانے پہونچنے لگے۔ اور سلطان نے اسکو آزمانے کی خاطر پہاڑی ڈاکوؤں اور بحری قزاقوں کے تعاقب کا حکم دیا۔ چنانچہ محمد علی نے چند ہی روز میں ان کو تہس نہس کر دیا اور جزیرہ ماسورہ میں تو بحری قزاقوں کا نام و نشان تک نہ چھوڑا۔ اس واقعہ نے سلطان کی نگاہوں میں محمد علی کو اور بھی موقر کر دیا اور سلطان نے اس کو اپنے اشتاف میں ایک معزز رکن کی حیثیت سے شریک ہونے کی دعوت دی لیکن محمد علی کو اپنا وطن محبوب تھا اس نے قبول کرنے سے معذرت چاہی۔

تاریخ سے محمد علی کی زندگی کے ایک ایسے واقعہ پر روشنی پڑتی ہے جس نے اس کی شہرت و عظمت میں چار چاند لگا دیئے۔ پراوستا، تولہ سے متعلق ایک گاؤں تھا جسکے باشندوں نے ایک نئے مقررہ ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ شوربجی حاکم تولہ کو سخت پریشانی کے عالم میں دیکھکر محمد علی نے اہل پراوستا کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے حاکم سے کہا کہ وہ اکیلا ان لوگوں کو اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور چونکہ شوربجی کے پاس فوج کی قلت تھی اسلئے اس نے صرف دس مسلح آدمیوں پر اکتفا کی۔ اس مختصر سی فوج کو لیکر محمد علی نے پراوستا کی طرف کوچ کیا۔ اور ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد گاؤں کے چار سر برآوردہ لوگوں کو اس حیلہ سے بلوایا کہ انھیں ایک نہایت ہی اہم خبر سنانی ہے۔ یہ لوگ خالی الذہن مسجد میں پہونچے اور جوں ہی یہ وہاں پہونچے ان دس آدمیوں نے ان کی مشکیں کس دیں۔ ان لوگوں کی چیخ پکار پر سارے گاؤں والوں نے محمد علی کو آن گھیرا۔ جس کے جواب میں محمد علی نے نہایت مستقل مزاجی سے انھیں للکار کر کہا کہ اگر ان کو چھڑانے کی معمولی سے معمولی بھی کوشش کیگئی تو یہ ابھی ذبح کر دئے جائینگے۔ اس وقت محمد علی کی مستقل مزاجی اور ہمت و دلیری نے ان باغیوں کو کچھ اس طرح مرعوب کر دیا کہ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ وہ مقابلہ کی ہمت کرتا۔ اور محمد علی نہایت اطمینان سے قیدیوں کو لئے ہوئے تولہ پہونچا اور ان کو شوربجی کے حوالہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن پراوستا کے باشندوں نے مطلوبہ رقم ادا کر کے قیدیوں کو چھڑا لیا۔

اس واقعہ سے محمد علی کی اعلیٰ شخصیت کا اصلی خاکہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اور ایک مدبر کو اس شخص کی نفسیت کی تحلیل کے وقت صاف طور پر دکھائی دیگا کہ محمد علی مجسمہ تھا تیزئ فکر، سرعت ادراک، فوری عزمیت، دلیرانہ اقدام اور عدیم المثال شجاعت کا۔

اسی شجاعت و جوانمردی کے باعث باب عالی نے محمد علی کو فرانسیسی قوت کے مقابلہ کیلئے جبکہ اس کے عام فتوحات کے ڈنکے بج رہے تھے مصر روانہ کیا۔ ترکی فوج کے دیگر سپہ سالاروں کے دوش بدوش محمد علی نے بھی فرانسیسی افواج کا نہایت ہی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔

محمد علی کی طبیعت کچھ اس طرح واقع ہوئی تھی کہ اس کے لئے کسی کا محکوم بنکر رہنا ناممکنات سے تھا اور اسی سے ہم تاریخ کے اس راز کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ کسطرح محمد علی مصر کی مختلف جماعتوں کو باہم برسر پیکار کر کے ایک ایسی واحد بااقتدار قوت بن بیٹھا کہ تمام جماعتوں اور مصری رعایا کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھنے لگیں۔ بالآخر اس کھلی ہوئی حقیقت کے آگے باب عالی کو بھی سر جھکاتے بن پڑی اور ۹ر جون ۱۸۰۵ء کو باب عالی کا وہ تاریخی فرمان صادر ہوا جس کی رو سے محمد علی والی مصر قرار پائے۔

مصر کی اجتماعی اور سیاسی تاریخ سے جن لوگوں کو دلچسپی رہی ہے وہ اس حقیقت سے بے بہرہ نہیں رہ سکتے۔ کہ اس محیر العقول مجدد مصر کی وفات پر پورے (۸۰) سال گزر چکے ہیں لیکن مصر نے اپنے اس دستور العمل میں ابتک کوئی نقص نہیں پایا۔ جو محمد علی نے آج سے اتنی مدت پہلے اسکے لئے بنا دیا تھا۔

محمد علی نے ان مشکلات کا جوانمردی سے مقابلہ کیا جو اس کی حکومت کو مستحکم اور باعظمت بنانے کی راہ میں حائل تھیں اور اپنے اعلیٰ نصب العین تک پہونچنے کیلئے مسلسل سعی و کوشش صبر و استقلال اور قوت ایمان کے ساتھ اس نے وہ سب کچھ کر دکھایا جو کسی تاریخی آدمی کے شایان شان ہونا چاہئے۔

سب سے پہلے تو اس نے مصر کو اپنا وطن عزیز قرار دیا اور اس کی آزادی کی بنا ان اصولوں پر رکھنی چاہی جن کو گردش زمانہ اور حوادث دہر کبھی متزلزل نہ کر سکیں۔ یوں تو اور بیسیوں گورنر مصر پر آئے اور چلے گئے لیکن ایک خاص امتیاز جو محمد علی کو حاصل تھا وہ صرف یہی تھا کہ تخت مصر پر اس نے جو قدم جمائے تھے تو قوم اور ملک کے ارادے اور اس دلی رغبت و منشار کی بنا پر جس کا اظہار پورے مصر کی نمائندہ جماعتوں نے مئی ۱۸۰۵ء میں کیا تھا۔ اور اسی کی تصدیق باب عالی نے اپنے متذکرہ بالا فرمان کے ذریعہ کی تھی۔

محمد علی کی دوربیں نگاہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ آزادی کی پہلی منزل قومی وحدت کا پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے مصر کے ہر ایک طبقہ اور جماعت کو قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنے کیلئے بلا کسی امتیاز کے ایک صف میں لا کھڑا کیا ٹیکس وصول کرنے میں ایک کو دوسرے پر کسی طرح کی ترجیح نہ دی، فوجی اور سیول ملازمتوں کا ہر ایک کو حقدار ٹھیرایا، مذہبی آزادی میں حکومت کے ہر طرح کے تدخل کو ممنوع قرار دیا۔

جب یہ مراحل طے کر لئے تو اس نے خاص مصریوں کی ایک نئی فوج تیار کرنے کی فکر کی تاکہ اسطرح سے داخلی اور خارجی اقتدار و قوت حاصل ہو سکے، اور دیگر سلطنتوں کو مصر کی قومی عظمت اور اتحاد و یکجہتی کا کھلا ہوا ثبوت مل سکے۔

اس میں شک نہیں کہ ان تعمیری منازل کے طے کرنے میں محمد علی کو بعض ایسی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا جن کو بعض متعصب مورخوں نے محمد علی کے شاندار کارنامہ پر ایک بدنما دھبہ سمجھا ہے۔ اور سب سے زیادہ اہمیت مالیک کے واقعہ قتل کو دیگئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ محمد علی نے جب سرزمین مصر میں قدم رکھے تو مالیک کے جور و ستم شہرۂ آفاق مظالم ان کی آپس کی ناچاقی اور ہر وقت برسر پیکار رہنے اور کسی واحد مرکزی قوت کی اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے ملک میں ایک عجیب ابتر حالت رونما تھی، جس کی تفصیلات سے تاریخ کے اوراق مملو ہیں،

محمد علی کیلئے سخت مشکل تھا کہ وہ مصر کی کوئی مفید خدمت انجام دے سکے تاوقتیکہ سب سے پہلے مالیک سے نہ نپٹ لے، اس نے ان سے مصالحت و مفاہمت اور اتحاد و اتفاق کی ہر چند کوشش کی، لیکن اس کو اس معاملہ میں کامیابی نہیں ہوئی آخر کار تنگ آ کر اور صرف اس وجہ سے کہ مصر کی فلاح و بہبودی اور ترقی و آزادی کا راز اسی میں مضمر تھا کہ ان کی مطلق العنانی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ان سب کا قلع و قمع کر دیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ اس نے ۱۸۱۱ء میں مالیک کے سرغنوں کو شاہی ضیافت کے بہانے سے قلعہ میں مدعو کیا اور جب یہ سب یہاں جمع ہو گئے تو اپنی فوجوں کو مالیک کے قتل عام کا حکم دیدیا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایک دھوکہ تھا، اور اس طرح سے بعض ایسے لوگ بھی مارے گئے ہونگے جو شاید بے قصور ہوں لیکن بانیان ملک و حکومت اور مدبرین سیاست و اجتماع کو جہاں تعمیری کام کرنے پڑتے ہیں وہاں کچھ نہ کچھ ایسے تخریبی اعمال کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے، جن کے بغیر تعمیر ناممکن ہو، فرانس کے مشہور تاریخی انقلاب ہی کو لیجئے کہ جمہوریت کی تعمیر کے وقت ملک کو کن کن ہولناک تخریبی معاملات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

محمد علی کو جب مالیک کے شر و فساد اور دیگر مشکلات سے نجات ملی تو اس نے ملک کی اقتصادی آزادی اور ترقی کی فکر شروع کی، چنانچہ مزارعین پر زمینوں کی منصفانہ تقسیم ہوئی اور زراعت و مالگذاری کے متعلق نئے نئے اصول و قوانین نافذ کئے گئے اور اسطرح جب ملک کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوا تو اس نے تجارت کیطرف توجہ کی اور اس غرض سے اس نے بحری تجارت کیلئے ایسے شاندار بیڑے تیار کئے جو یورپ کی دول عظمیٰ کا مقابلہ کر سکتے تھے، اور اپنی جوان ہمت فوجوں کے ذریعہ مشرق سے لیکر مغرب تک بحر احمر پر دیو کی طرح چھا گیا، اور جنوبی علاقوں میں اپنی تجارت کیلئے راستے کھول دئے۔

اسی اثنا میں اس نے سوڈان فتح کر لیا۔ اور اس میں ایک منظم حکومت کی بنا ڈالی، محمد علی کی فتوحات کا بہاؤ یہیں نہیں رکتا بلکہ اس نے شام کے ساحلوں کو بھی فتح کرنیکا ارادہ کر لیا تاکہ وہاں کی معدنیات کی چھپی ہوئی دولت سے مصر کی عظمت میں اور اضافہ کرے لیکن اسکا ارادہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ یہ سلطان ترکی کے خلاف اعلان جنگ نہ کر دیتا، بالآخر یہی ہوا کہ مصر اور ترکی میں جنگ چھڑ گئی اور قونیہ کے مشہور معرکہ میں جس نے مصری افواج کے کمانڈر انچیف ابراہیم پاشا سے آگے

خطرات النفس

محمد علی باشا

ڈاکٹر ظہیر الدین احمد افندی، ام۔ اے، پی ایچ۔ ڈی (جامعہ مصریہ)
پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ

مشرقی اقوام کی ترقی کا راز درحقیقت ان کی آپس کی مفاہمت و اخوت، ایک دوسرے کی حالت سے عبرت و موعظت حاصل کرنے اور ایک دوسرے کیلئے اسوۂ حسنہ بننے میں مضمر ہے۔ لیکن یہ کسقدر تعجب خیز بات ہے کہ ان کی تمام تر توجہ صرف مغربی اقوام کیطرف منعطف ہوگئی ہے۔ اور مشرقی ممالک کے متعلق انکی معلومات کا دائرہ نہ صرف محدود بلکہ قریب قریب معدوم ہے مصر ہی کو لیجیئے کہ جس حیثیت سے وہ اپنی سیاسی، اقتصادی اور فکری آزادی کیلئے کوشاں ہے۔ شاید بہت کم لوگ ہونگیے جو اس کے متعلق اگر تفصیلی طور پر نہیں تو کم از کم اجمالی طور پر ہی واقفیت رکھتے ہوں۔ حالانکہ اگر ہم مصر کے مختلف ادوار سے واقف ہوتے تو ممکن تھا کہ اس سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے اور کرسکتے۔

میرے احباب مدیران نظام گزٹ نے جب مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں ان کے اخبار کیلئے کوئی علمی مضمون لکھوں تو میں نے مناسب سمجھا کہ مصر ہی کے متعلق کچھ لکھکر ابنائے وطن سے اسکا تعارف کراؤں تاکہ اسطرح ان کی کوئی مفید خدمت انجام دےسکوں۔

بالفعل میرے مضمون کا تعلق مصر کے اس عظیم یکتائے روزگار رہنما اور سیاسی مدبر سے ہوگا جو مصر کی موجودہ شاہیت کا جدّ اعلیٰ ہے اور جس نے سب سے پہلے سرزمین مصر میں آزادی کا بیج بویا تھا۔

جزیرہ نمائے بلقان کے نقشہ پر نظر ڈالنے سے مقدونیہ کے جنوبی اور خلیج کونسا کے شمالی گوشہ میں، دو دریا استرمون کے درمیانی خطۂ زمین کے انتہائی سرے پر ایک چٹان دکھائی دے گی جو دریا میں اس سنب دیدہ کیطرح گھسی چلی گئی ہے جو اپنے سوار سمیت دریا میں کود پڑا ہو اور پانی کے بھنور میں پڑکر تصویر حیرت بنا کھڑا ہو۔ اس چٹان پر قدیم زمانہ سے ایک شہر آباد تھا جسکو جاآلیسو کہتے تھے، سکندر اعظم کا جب اسطرف سے گذر ہوا تو اس نے اپنے گھوڑے کے نام پر اس کا نام بوسیفلا رکھدیا۔ لیکن ازمنۂ وسطیٰ کی فینیقی اقوام نے تجارتی اغراض سے جب یہاں آمد و رفت شروع کی تو انھوں نے اسکولاکاناؤسا نام دیا اسکے معنی بھی اطالوی زبان میں گھوڑے ہی کے ہیں اور اب ترکوں نے تھوڑی سی تحریف کے بعد اس کا نام قولہ رکھدیا ہے اور یہی مقام محمد علی مجدد مصر کا مولد و موطن ہے۔

محمد علی کی ولادت ۱۷۶۹ء میں ہوئی تھی یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی سنہ میں دنیا کے چند ایسے اکابر و عظما پیدا ہوئے ہیں کہ تاریخ سے کسی ایک سال میں اس طرح کے عظماء کے پیدا ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ فرانس کی عظیم ترین ہستی نپولین بطل واٹرلو ولنگٹن، جرمنی کا مشہور نغمہ گو شلر، اسکاٹ لینڈ کا شہرہ آفاق شاعر والٹر اسکاٹ، فرانس کا مشہور بلیغ ادب انشاپرداز شاتوبریان، فرانس کا طبیعیاتی محقق کویر (CUVIER) اور جرمنی کا مشہور عالم ہمبولٹ (HUMBOLDT) یہ سب اسی سال کی پیداوار ہیں۔

محمد علی کے والد ابراہیم آغا کے نام سے مشہور تھے جو قولہ کے ہیڈ کانسٹیبل تھے محمد علی کو اپنی غیر معمولی سیاسی دماغ، کھرے اخلاق اور بلند عقابیت جیسے صفات کے لئے جن میں اس کی شہرت اور عظمت کا راز مضمر تھا بڑی حد تک اپنی ماں کا رہین منت ہونا پڑا۔ اس کے والد کم مائگی کے باعث پریشان رہتے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس زمانہ کے لحاظ سے محمد علی کی تہذیب و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس زمانہ میں خود علم سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اس وجہ سے کم از کم علمی حیثیت سے تو محمد علی کو محروم ہی رہنا پڑا لیکن بہادرانہ اوصاف، مستقل مزاجی، وقت شناسی، صبر اور اولوالعزمی کا محمد علی کو بہت بڑا حصہ ملا تھا۔

ابھی یہ جوانی کی منزلیں ہی طے کر رہا تھا کہ اسکی ماں نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور اس کے چند روز بعد ہی اس کے والد نے بھی انتقال کیا، یہ محمد علی کیلئے نازک زمانہ تھا۔ والدین کے انتقال کے بعد اس کے چچا طوسن آغا نے اس کی سرپرستی قبول کی۔ اور اسکے مرنے کے بعد شوربجی حاکم قولہ نے اس کی جانب دست اعانت بڑھایا۔

جس زمانہ میں محمد علی حاکم قولہ کے پاس تھا، ان ہی دنوں میں ایک فرانسیسی مدبر موسیو لیون سے اسکی ملاقات ہوئی جس نے اس کے شاندار مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کی تھی۔ ان دونوں میں آپس میں روابط بہت مستحکم ہوگئے اسی سے فرانسیسیوں کی جانب محمد علی کے اس رجحان کا پتہ چلتا ہے جس سے محمد علی کی آئندہ زندگی کا ہر پہلو ممتاز اور نمایاں ہوا۔

عظما کی زندگی کا یہ بھی عجیب راز ہے کہ جس درجہ وہ صحیح الدماغ اور باہمت و عزیمت ہوتے ہیں اسی نسبت سے اوہام اور تخیل کا بھی ان پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ محمد علی نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ اس نے سخت تشنگی کے عالم میں دریائے نیل کا پورا پانی پی لیا لیکن پھر بھی سیراب نہیں ہوا کسی بزرگ نے اس کی تعبیر یہ دی کہ تم نہ صرف مصر ہی کو مسخر کروگے بلکہ دوسرے ممالک بھی فتح کرادگے۔ اس خواب نے محمد علی کے دل و دماغ پر اس درجہ قابو پالیا تھا کہ یہ خواب ایک مجسم شکل میں ہمیشہ اسکے پیش نظر رہنے لگا۔ اور درحقیقت اس کی حوادث و واقعات سے لبریز زندگی کی تکوین کا

قسطنطنیہ کا راستہ کھول دیا تھا، مصری افواج کو شاندار فتح نصیب ہوئی، اس موقع پر سلطان ترکی نے محمد علی سے مقابلہ کیلئے روس سے مدد چاہی، لیکن دول یوروپ نے جب دیکھا کہ اسطرح قسطنطنیہ میں روس کا اثر و نفوذ بڑھ جائیگا تو انھوں نے محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ترکی کو مشورہ دیا کہ وہ محمد علی کے مطالبات قبول کرلے اور اسطرح سنہ ۱۸۳۳ء میں کوتاہیہ کا مشہور معاہدہ ترکی اور مصر کے درمیان طے ہوگیا۔ جسکی رو سے شام اور اطنہ کے علاقوں پر حکومت مصر کے پھریرے اڑنے لگے

محمد علی کی شاندار فتوحات اور تجارتی و اقتصادی تقدم نے یوروپ کے تو کان کھڑے کردئے لیکن محمد علی اس حقیقی آزادی کی راہ میں ان تمام چیزوں کو قدم اولیں شمار کرتا رہا، جو اس کے دوام حکم اور اس کی نسل کی بقاء اور قوم کی بہبودی کا باعث ہوسکے چنانچہ مئی سنہ ۱۸۳۸ء میں اس نے سفرائے دول کو اپنی کامل آزادی کا اعلان کرنے کے ارادے سے مطلع کیا اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اس معاملہ میں اپنی حکومتوں سے گفت و شنید کرلیں۔

حکومت انگلستان نے اس کے جواب میں لکھا کہ ”محمد علی کی یہ اسکیم ناممکنات سے ہے اور یہ خیال ان کی تباہی کا باعث ہوگا“۔ فرانس نے اپنے خیال کو اسطرح ظاہر کیا کہ ”محمد علی کو اس اسکیم کے عمل میں لانے سے ہر ممکن اور غیر ممکن ذریعہ سے روکا جائیگا“۔ اور آسٹریا کے وزیر اعظم نے یہ جواب دیا کہ ”سب سے مقدم یوروپ کا امن و امان قائم رکھنا ہے“۔

بایں ہمہ چونکہ محمد علی نے کامل آزادی اور باب عالی کی سیادت سے نکل جانیکا مصمم ارادہ کرلیا تھا اس نے ہر طرح کی ذمہ داری یوروپ کے سر ڈالی، اور اس طرح سلطان ترکی اور مصر کے درمیان ایک نئی جنگ کا آغاز ہوا، اس مرتبہ بھی میدان مصریوں کے ہاتھ رہا، اب تو محمد علی کا یہ ایک اچھا مطالبہ تھا کہ وہ اپنی فتوحات سے فائدہ حاصل کرے، لیکن دول یوروپ کو خوف تھا کہ محمد علی کی کامیابی کہیں عثمانی خلافت کے سقوط کا باعث نہو، اسلئے انھوں نے محمد علی کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا، اور واقعہ تو یہ ہے کہ تاریخی نقطۂ نظر سے اکتوبر سنہ ۱۸۴۰ء میں مصر ایسی خطرناک گھڑیوں سے گذر رہا تھا کہ جن میں اس کی پوری عظمت و قوت کے مٹ جانیکا اندیشہ لگا ہوا تھا،

دول یوروپ جنھوں نے یونان، بلجیم، چلی، میکسیکو اور امریکہ میں اسپین کی دیگر نو آبادیات کی آزادی کے اعلان تک جد و جہد اور نمایاں سعی و کوشش کی تھی، اس وقت متفقہ طور پر اپنے جنگی بیڑے لئے ہوئے شام اور اسکندریہ کے کنارے لنگر ڈالے پڑی تھیں تاکہ اپنی قوتوں سے مصر کی فتحمند فوج کو ہزیمت کی شرطیں قبول کرنے پر مجبور کریں، اور یہ سب کچھ اسلئے تھا کہ دول یوروپ کے خیال میں محمد علی کی آزادی یوروپ کے امن و امان میں خلل انداز اور دنیا میں ایک ایسی جنگ و جدال کا بیج بونے والی شمار کیگئی تھی کہ جسکے مقابلہ کے لئے یوروپ تیار نہ تھا، لیکن ایک حقیقت بیں نگاہ کیلئے یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ درحقیقت یوروپ کو کچھ خوف تھا تو اسکا کہ مشرق کے دروازہ پر کسی ایسی زبردست مشرقی قوت کا قیام ہوجائیگا جو یوروپ اور اس کی مشرقی نو آبادیوں اور تجارتی منڈیوں کے درمیان سد سکندری بن جائیگی البتہ آخری وقت میں صرف ایک فرانسیسی حکومت ہی تھی کہ تیرس کی وزارت قائم ہونے کے بعد اس نے محمد علی کے متعلق اپنے خیالات میں کچھ تغیر پیدا کیا تھا اور دول یوروپ پر اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ ”حکومت فرانس محمد علی کے وجود کو دنیا کی ایک ایسی سیاسی قوت سمجھتی ہے جسکے بغیر دول عالم کے مابین نہ تو توازن ہی قائم رہ سکتا ہے اور نہ دنیا میں امن و امان باقی رہ سکتا ہے“۔ اسلئے کہ محمد علی کے تحت حکومت نہ صرف وسیع اقلیمیں داخل ہیں بلکہ اسکا اقتدار وسیع دریاؤں تک پھیلا ہوا ہے“

یوروپ کی ان دھمکیوں اور مخالفتوں کے مقابلہ میں محمد علی کیلئے یہ ناممکن تھا کہ ان کے مطالبات کے آگے وہ اپنی گردن جھکا دیتا، بلکہ اسوقت محمد علی کی مثال نپولین کی سی تھی جو واٹرلو کے معرکہ میں جوانمردی کیساتھ گردشی سے کمک کی توقع کر رہا تھا، محمد علی کو بھی امید تھی کہ یوروپ کے حلیف دول کے خلاف فرانس اعلان جنگ کردیگا لیکن اسی اثنا میں تیرس کی وزارت ٹوٹ گئی، اور محمد علی کو حلفاء یوروپ کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوجانا پڑا۔ اور لنڈن میں سنہ ۱۸۴۰ء کے معاہدہ کی رو سے مصر کی داخلی آزادی اور حکومت مصر پر محمد علی کے خاندان کا حق تسلیم کرلیا گیا اور اسطرح محمد علی کی ان تمناؤں پر پانی پھر گیا جو بلاد عرب شام اور کریٹ کے متعلق جو اس کے دل میں جاگزیں تھیں جن کو وہ حکومت ترکی کے قبضہ سے نکالکر اپنے زیر قیادت لے آیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم اور جانشینوں کیلئے مطالبے اور ان مفتوحہ مقامات پر تسلط کیلئے دروازے کھول دئے ہیں اور اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ محمد علی کے جانشین اس کی ان مردہ تمناؤں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔

یہی وہ محمد علی ہے جس کے متعلق گذشتہ چند سطور میں ہم نے اختصار کے ساتھ بحث کی ہے، اور یہی وہ کارنامے ہیں جنھوں نے اسکو انیسویں صدی کے ابطال و مجددین میں شمار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اپنے ان تاریخی کارناموں سے محمد علی نے مصر کی فلاح و ترقی چاہی تھی یا شخصی منفعت انکا باعث تھی، مورخین کا اس میں اختلاف ہے، بعض مخصوص واقعات کی بناء پر کوئی تو پہلے خیال کا موافق ہے اور کوئی ثانی الذکر خیال کا لیکن اس بات سے کسکو انکار ہوسکتا ہے کہ یہ بلند مراتب جو محمد علی نے حاصل کئے تھے ان کا دار و مدار ہی اس کی عظیم الشان قوت ادراک اور نادر المثال صبر و استقلال بے نظیر عزم و حزم اور عاقلانہ حرکات و سکنات پر تھا، ایک منصف مزاج مورخ جب اس کے کارناموں پر نظر ڈالے تو اس کو یہ ماننا پڑیگا کہ محمد علی نے اگر اپنے اعمال سے خود کو فائدہ پہونچایا ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مصر کو اس کی ذات سے ایسا فائدہ پہونچا ہے۔ کہ جس کی نظیر ڈھونڈنے کے لئے ہمکو تاریخ فراعنۂ مصر کی ورق گردانی کرنی پڑیگی۔

انسان کی زندگی شر اور خیر دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے، لیکن شر فنا ہونے والی چیز ہے، اور خیر ہی ہے جس کو دوام حاصل ہوتا ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو انسان کیلئے زندگی کو عزیز کردیتی ہے، اس نظریہ کی روشنی میں محمد علی کے کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ اگر اس نے مصر کی زمینات کو اپنے لئے خاص نہ کرلیا ہوتا تو آج یہ سرسبزی و شادابی اور نہروں کے جال نہ دکھائی دیتے اور نہ یہ جدید اصول زراعت مصر میں داخل ہوتے اور نہ ان نئی پیداواروں سے مصر سرسبز ہوتا، جو آج درحقیقت مصر کی اقتصادی آزادی اور ثروت و عظمت کا باعث بنی ہوئی ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ محمد علی کا قبضہ تو ان زمینوں سے اٹھ چکا لیکن یہ نہریں اور تالاب یہ منبع ثروت و دولت پیداواریں بدستور باقی ہیں۔

اسی طرح اگر محمد علی نے تجارت اور مالگذاری پر اپنا تسلط اور اقتدار قائم نہ کرلیا ہوتا تو اسکا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہوتا کہ وہ دیگر ممالک کیطرح مصر ترقی یافتہ ممالک سے کوسوں دور پڑا ظلمت و جہالت کی فضا میں سسکتا ہوتا۔ مالگذاری اور تجارت سے محمد علی کا تسلط اٹھ چکا ہے لیکن تمدنی اور عمرانی حالت اسیطرح باقی بلکہ ترقی پر ہے۔

اگر محمد علی نے مال و زر کے جمع کرنیکا ہر ایک ممکنہ ذریعہ نہ اختیار کرلیا ہوتا تو اس کے وہ کارنامے کسی شخص تک نہ پہنچ سکتے جو قیام مدارس اور صنعتی کارخانوں اور ترقی و تہذیب کے ہر ایک شعبہ کی صورت میں رونما ہیں مال و دولت کے جمع کرنے میں محمد علی کا استبداد تو فنا ہوچکا ہے، لیکن اس کے عمرانی کارنامے ابتک زندہ ہیں

محمد علی نے اشاعت تعلیم اور تنظیم فوج میں اگر سختی سے کام نہ لیا ہوتا تو مصر کو بہتر فوج ہی میسر ہوتی اور نہ بحری بیڑے علوم و فنون کی گرم بازاری نظر آتی۔ اور نہ تہذیب و تمدن کا غلغلہ بلند ہوتا۔

ان ہی وجوہ سے ہم کو مورخین کے اس طبقہ سے ہمدردی ہے جن کی توجہ زیادہ تر محمد علی کی تاریخ کے تاریک صفحات کے بجائے روشن صفحات کی طرف منعطف ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اسی طرح سے انسانیت کی کوئی مفید خدمت انجام دیجاسکتی ہے، اور اس کے لئے صفات حمیدہ کا کوئی صحیح راستہ تجویز کیا جاسکتا ہے۔

اگر تناسخ کے مسئلہ پر ہمارا اعتقاد ہوتا تو ہم کہتے کہ محمد علی کی شکل میں بطلیموس اول نے جسکو اس کے ہمعصروں نے ”صوتر“ یعنی ’نجات دہندہ‘ کا لقب دیا تھا جنم لیا ہے۔ محمد علی نہ صرف بطلیموس ہی سے مشابہ تھا۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑا ہوا۔ مصر کو اس نے اضطراب اور نزع کی حالت سے نکال کر اس میں ایک نئی زندگی پیدا کردی اور اس کو فلاح و بہبودی کے ایسے راستہ پر چلایا جو اس کی آیندہ عظمت و ترقی کا باعث بن سکے۔ اور اس طرح

ملاحظہ ہو صفحہ (۱۷) کالم (۴)

جاپانی صحافت

مترجمہ

محمد مظہر اللہ صاحب صدیقی

ہر قوم کی صحافت اس کا آئینہ ہوتی ہے۔ اس سے آپ اس کے حالات معلوم کر سکتے ہیں، اس کی تشریحات میں آپ اس کی توقعات تلاش کر سکتے ہیں۔ اور اسی کی خبروں سے آپ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ایک جیتی جاگتی تصویر اتار سکتے ہیں اسلئے صحافت بھی تمدن جدید کی قوتوں میں سے ایک قوت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جو کچھ لکھا جاتا اور شایع کیا جاتا ہے وہ اور ان مخلصانہ اقوال پر جو مشاہدات و معلومات پر مبنی ہوں۔ ایسے شریف جذبات پر جو عقل و دانش کے نزدیک پسندیدہ ہوں، ان بدیہی امور پر جو تجربہ کی جلا پائے ہوے ہوں اور ایسی آزادی پر جو منافع عامہ کیلئے جد و جہد بر قائم ہو ان سب پر اظہار رائے کرنا۔ جب تک کہ صحافت کا دار و مدار ان چیزوں پر نہو اس وقت تک یہ قوت نہ تو ترقی یافتہ ملکوں کیلئے پوری طرح نفع بخش ثابت ہو سکتی ہے اور نہ بیدار قوموں کی رائے عامہ کی ترجمانی کر سکتی ہے۔

ہم ابتک یہی سمجھے ہوے تھے کہ اس قسم کی منتہا صنعت صحافت صرف مغربی ممالک ہی میں ہے، اور ہمارا یہ خیال اس مشاہدہ پر مبنی تھا جو ہم نے تین سال قبل آمریکہ کے سفر میں اور گذشتہ موسم گرما میں سیاحت انگلستان کے موقع پر ان ممالک کی صحافت کے متعلق کیا تھا۔ ان ممالک میں وہاں کے اخبارات متذکرۂ بالا اعلیٰ اغراض حاصل کرنے کیلئے ٹھیک طور پر چل رہے ہیں۔ لیکن حال ہی میں آمریکہ کے مجلہ ایشیا میں جاپانی صحافت سے متعلق ایک مضمون ہماری نظر سے گذرا جسکو جاپان کے ایک اخبار نویس نے جو خود بھی اپنے ملک کی صحافتی ترقیات سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے لکھا ہے۔ اس مضمون میں جاپان کے بڑے بڑے ترقی یافتہ اور کثیر الاشاعت اخباروں اور جاپانی قوم کی تہذیبی ترقی پر ان کا جو کچھ اثر پڑ رہا ہے اس کے متعلق تفصیلات نے ہمیں محو حیرت بنا دیا۔ جاپان اور ممالک مغرب کی صحافت کا موازنہ کرنیکے بعد ہمکو امریکہ اور انگلستان کی صحافت کسی طرح جاپان سے بڑھی ہوئی نظر نہیں آتی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کروں تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ اس مشرقی قوم نے ہیئت اجتماعی جو ترقی حاصل کی ہے تمدن جدید کی ترقیات میں اسکا بہت بلند پایہ ہے مضمون نگار مذکور لکھتا ہے :۔

یہ بات بہت دشوار تھی کہ میں اپنے تعلیم یافتہ امریکی دوستوں کو یہ باور کراوں کہ ہمارے ملک جاپان میں اسوقت بہتر سے بہتر اخبار چھپتے ہیں جن میں سے ایک ایک کی اشاعت روزانہ بیس لاکھ سے کم نہیں۔ حالانکہ ان میں سے زیادہ تر اخبارات میں ٹھوس مضامین ہوتے ہیں جن کا تعلق یا تو مالیات سے ہوتا ہے یا سیاسیات یا ادبیات وغیرہ سے۔ اس کے برخلاف وہاں کے تجارتی اخباروں کا دار و مدار زیادہ تر جرائم کے ہولناک قصوں، اور طلاق کے حیرتناک واقعات وغیرہ پر ہوتا ہے تاکہ اسطرح وہ ان موثر خبروں کو اپنے اخباروں میں نمایاں جگہ دے کر اپنی اشاعت کو بڑھائیں۔ اور جب میں اپنے آمریکن دوستوں سے یہ کہوں تو ان کے شک و شبہ کی انتہا نہ رہیگی کہ ان جاپانی اخباروں میں سے ایک کی سالانہ آمدنی تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ ریال یا بالفاظ دیگر پچیس لاکھ پونڈ ہے جس کا دسواں حصہ اس کو منافع خالص کی شکل میں مل جاتا ہے۔

ان لوگوں کا شک ایک طرح سے بجا بھی ہے اس لئے کہ ملک جاپان کا رقبہ جمہوریت آمریکہ کی صرف ایک ریاست کیلیفورنیا سے زیادہ نہیں اور اس کی آبادی ساڑھے چھ کروڑ کی ہے۔ برخلاف اس کے آمریکہ کی آبادی ساڑھے گیارہ کروڑ کے قریب ہے۔ تو بلحاظ رقبہ و آبادی اس چھوٹے سے ملک سے یہ کسطرح توقع کی جا سکتی ہے کہ اسکے اخبار کثرت اشاعت کے اعتبار سے آمریکہ جیسے عظیم الشان ملک کے بلند پایہ روزناموں پر بھی فوقیت رکھتے ہوں؟ باوجود قلت آبادی و رقبہ کے جاپان میں اسوقت (۱۱۳۷) روزنامے اور (۲۸۵۰۶) ہفتہ وار و ماہوار رسائل شائع ہوتے ہیں۔ ان روزناموں کی مجموعی تعداد اشاعت جو اخبار بینوں تک پہونچتی ہے روزانہ ایک کروڑ ہے۔ یعنی آبادی کے لحاظ سے ہر چھ آدمیوں میں ایک اخبار کا اوسط نکلتا ہے۔

اس ترقی کا راز اس ملک کی اشاعت تعلیم میں مضمر ہے تعلیمی ترقی کا صرف اسی سے اندازہ کر لو کہ جاپان کے ابتدائی مدرسوں سے اکانوے فی صد طلبہ ثانوی مدارس میں شریک ہو جاتے ہیں جاپان میں اسوقت ابتدائی اور ثانوی مدارس اور کلیات کی تعداد تقریباً چوالیس ہزار ہے۔ اور ہر سال ان مدارس میں طلبہ کی تعداد ایک کروڑ پانچ لاکھ سے زیادہ رہتی ہے۔

مزید برآں یہ کہ جاپانیوں کو مطالعہ کا جسقدر شوق ہے اس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اس کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ جاپان میں سنہ ۱۹۲۹ء میں (۱۰۰۸۲۶) کتابیں چھپ کر شائع ہوئیں جو مختلف علوم فلسفہ اور ادبیات پر مشتمل تھیں۔ اس کے علاوہ سنہ مذکور میں جاپانی تاجران کتب نے ممالک انگلستان، آمریکہ، فرانس، جرمنی اور چین سے تقریباً پانچ لاکھ پونڈ کی کتابیں منگائیں جو اسی سال کے آخر تک فروخت ہو گئیں۔ جاپان کے تمام مالکان اخبار اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ کتابوں کو طبع اور شائع کرنے والے اور ان کے تاجر بہت بڑے اشتہار باز ہیں جو اپنی کتابوں کے اشتہار شائع کرنے میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اور اس کثرت کے ساتھ اشتہار بازی میں دوسرے تجارت پیشہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

طالب علموں کی کثرت اور جاپانیوں کا شوق مطالعہ ہی جاپانی اخباروں کی کثرت اشاعت کا سب سے بڑا سبب ہے۔

---(۰:۰)---

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جاپانی روزناموں کی مجموعی تعداد اشاعت ایک کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اس سے نصف (یعنی پچاس لاکھ) تعداد میں دس بڑے بڑے اخبار صرف شہر ٹوکیو اور اساکا سے شائع ہوتے ہیں جنمیں سب سے بڑے دو اخبار "اساکا مائینیشی کمپنی" کی جانب سے شائع ہوتے ہیں۔ ایک کا نام "اساکا مائینیشی" ہے جس کی اشاعت روزانہ دس لاکھ تیس ہزار کے قریب ہے اور دوسرے کا نام "ٹوکیو نیشی نیشی" ہے جسکی اشاعت روزانہ آٹھ لاکھ ہے۔ اور اس کے بعد دو اور اخباروں کا نمبر آتا ہے جو "اوساکا اساہی کمپنی" کے زیر نگرانی شائع ہوتے ہیں جن میں سے ایک تو اساکا سے شائع ہوتا ہے جس کا نام "اساکا اساہی" ہے اور دوسرا ٹوکیو سے شائع ہوتا ہے جو "ٹوکیو اساہی" کے نام سے مشہور ہے ان دونوں کی مجموعی تعداد اشاعت روزانہ بیس لاکھ کے قریب ہے۔

مغربی ممالک کی صحافت کے متعلق جہاں تک مجھے علم ہے اس کی بنا پر میں نہیں سمجھ سکتا کہ بجز لندن کے اخبار ڈیلی میل اور پیرس کے جرائد جرنال اور پتی پاریزیاں کے اور کوئی اخبار ممالک مغرب میں "اساکا مائنیچی" سے زیادہ کثیر الاشاعت ہوگا، اخبار "ٹوکیو اساہی" کے بعد جو درحقیقت "اوساکا اساہی" کا ایک دوسرا اڈیشن ہے کوئی اخبار ہماری نظر میں ایسا نہیں جو کثرت اشاعت میں اس سے بڑھکر ہو ان چار اخباروں کے بعد چھ اور اخبارات کا درجہ ہے جن میں سے ہر ایک کی اشاعت روزانہ ایک لاکھ سے پانچ لاکھ تک ہے۔

جاپان میں انگریزی اخبارات بھی شایع ہوتے ہیں جن میں سب سے بڑا اور کثیر الاشاعت اخبار "اوساکا مائنیچی کمپنی" کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ جس کا حجم آٹھ صفحہ کا ہے۔ ایک دوسرا انگریزی اخبار جس کا نام "جاپان گزٹ" ہے۔ ٹوکیو سے ایک امریکن شخص شائع کرتا ہے۔ جس کی زیادہ تر اشاعت یوروپی سیاحوں میں ہوتی ہے۔ ایک اور انگریزی اخبار "کوبی کرانیکل" کسی انگریز کا ہے جس میں حکومت کے کاموں پر تنقید ہوتی ہے۔ ایک انگریزی اخبار "ٹوکیو ٹائمز" بھی ہے جو کسی زمانہ میں حکومت کا آرگن تھا جس میں حکومت جب بھی جو کچھ چاہتی شائع کرا دیتی تھی لیکن اب اس کا وزارت خارجیہ سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

یہ امن جنگ جو ان اخباروں میں ہوتی رہتی ہے جاپانی تاریخ صحافت میں ایک عجیب و غریب چیز ہے، جو درحقیقت اس کی ترقی کا باعث بن رہی ہے۔ خصوصاً "اوساکا مائنیچی" اور "اوساکا اساہی کمپنی" کے مابین مسابقت یا بالفاظ دیگر پر امن جنگ۔

چھ سال ہوئے کہ "اوساکا مائنیچی کمپنی" نے ایک پانچ منزلہ عظیم الشان عمارت تیار کی جسکی تعمیر میں ڈھائی لاکھ پونڈ صرف ہو گئے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی مکمل ترین صحافی عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے اس کمپنی سے جب اخبار "ٹوکیو نیشی نیشی" شایع ہونے لگا تو اس کیلئے ٹوکیو میں بھی ایک اس سے معمولی عمارت تیار کی گئی، لیکن وسعت، حسن انتظام اور عظمت کے لحاظ سے وہ ٹوکیو کی دیگر صحافی عمارتوں پر فوقیت رکھتی ہے، اور اخبار "ٹوکیو اساہی" بھی عنقریب اپنی جدید عمارت میں جو ٹوکیو میں تیار کی گئی ہے منتقل ہونیوالا ہے۔ یہ بڑے ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے۔ اس کی عمارت آٹھ منزلہ ہے جسکی تعمیر میں تین لاکھ پونڈ صرف ہو چکے ہیں

۱۹۲۶ء میں اخبار "مائنیچی" نے جزائر جاپان کے اطراف ہوائی سفر کیلئے اپنا آبی طیارہ بھیجا تو اسکی دیکھا دیکھی اخبار "اوساکا اساہی" نے بھی اپنے مصارف سے ایک طیارہ ٹوکیو سے پیرس کیطرف روانہ کیا۔ اخبار مائنیچی نے گذشتہ دو سالوں میں پانچ طیارے خریدے تاکہ ان کے ذریعہ اسکے دفاتر ٹوکیو اور اوساکا کے مابین اخبار اور تصاویر وغیرہ کے منتقل کرنے میں سہولت و آسانی ہو جائے اسکے بعد ہی اخبار "اساہی" نے چاہا کہ اسکا مقابلہ کرے چنانچہ اس نے بھی طیارے خرید کر حکومت کیلئے اساکا اور ٹوکیو اور ٹوکیو اور سنڈائی کے شہروں کے مابین ہوائی ڈاک کا سلسلہ قائم کر دیا۔

اخبارات کی اس شدت کے ساتھ مسابقت کا نتیجہ عوام کے حق میں مفید ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اگر ایک اخبار اپنے اخبار کا ضمیمہ شب اپنے خریداروں میں مفت تقسیم کرتا ہے تو اس کی تقلید میں دوسرے اخبار بھی ضمیمے شایع کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی پرچہ مضافات شہر یا گاؤں میں اپنا ضمیمہ شایع کرے تو دوسرے بھی شائع کرتے ہیں۔ ضمیمے شائع کرنے کے لحاظ سے جاپانی اخبار خاص امتیاز رکھتے ہیں مثلاً اخبار "مائنیچی" کے روزانہ تیرہ ضمیمے شائع ہوتے ہیں۔ اس قسم کے ضمیمے گاؤں میں شایع ہوتے ہیں جن میں ان ہی گاؤں کے متعلق تازہ حالات اور واقعات درج رہتے ہیں۔ اور بڑی خوبی تو یہ ہے کہ جو خبریں کسی ضمیمہ میں کسی خاص مقام کے متعلق شایع ہوئی ہوں ان کا ذکر دوسرے ضمیمہ میں جو دوسرے مقام سے شایع ہوا ہو نہیں ہوتا۔ اس قسم کے تمام ضمیمے خریداران اخبار کو مفت دئے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ٹوکیو اور اوساکا جیسے بڑے شہروں میں رہنے والے خریداران اخبار کو وہ ضمیمے بھی پہونچائے جاتے ہیں جن میں اہم واقعات کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسے جنگ، یا زلزلہ، یا وبا پھیلنے یا شہنشاہ کی وفات کا ذکر وغیرہ۔ جاپانی اخباروں کے ضمیمے کبھی کاغذ کے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل کے بھی ہوتے ہیں جن میں کسی واقعہ کا مختصر سا ذکر ہوتا ہے اور اخبار فروش ان ضمیموں کو لئے ہوئے سڑکوں پر اسطرح زور زور سے صدائیں لگاتے پھرتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا حشر برپا ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر شخص ان کو خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یا یہ خیال کہ ہم تو بے خبر رہیں اور دنیا کا خاتمہ ہو جائے۔

جب اخباروں کی مسابقت کا یہ عالم ہے تو صحافیوں کا فرض ہو گیا ہے کہ وہ دنیا کے ہر حصہ کی خبریں حاصل کرنے میں بے شمار روپیہ صرف کر دیں چنانچہ "اوساکا مائنیچی کمپنی" اور "ٹوکیو نیشی نیشی" نے جاپان کے اس عظیم الشان زلزلہ کے متعلق جو ستمبر ۱۹۲۳ء میں واقع ہوا تھا مفصل خبریں حاصل کرنے میں چوالیس ہزار پونڈ صرف کر دئے۔ اس قسم کی خبروں میں مضامین اور تصویریں دونوں شامل تھیں، اس موقع پر خبر رسانوں اور تصویر کشوں کی ایک فوج کی فوج نکل کھڑی ہوئی تاکہ اوساکا کے مختلف آفت رسیدہ مقامات کی خبریں حاصل کرے اور ان کی تصویریں لے، کیونکہ زلزلہ کیوجہ سے رسل و رسائل اور پیام رسانی کے اسباب و وسائل بالکل منقطع ہو چکے تھے۔ اس کمپنی نے، جاپان کے جو شہر زلزلہ کیوجہ سے تباہ ہو گئے تھے، ان کے متعلق خبریں اور تصویریں مختلف ممالک کو بھجوائیں یہاں تک کہ کوریا اور جزیرہ فارموسا میں بھی یہ روانہ کی گئیں، اور ان تصویروں میں سے بعض تصاویر متحرکہ کی قسم سے تھیں۔

جرائد "مائنیچی" اور "اوساہی" ریلوں، طیاروں اور تار برقی پر اعتماد نہیں کرتے کیونکہ بعض وقت طیارے گر پڑتے اور ٹوٹ جاتے ہیں ریلیں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور تار برقی کا سلسلہ منقطع ہو جایا کرتا ہے، اور یہ تمام امور خبروں کے پہونچنے اور سرعت اشاعت میں سخت تاخیر پیدا کر دیتے ہیں اس خرابی کو دور کرنے کیلئے ان اخبارات کے مالکوں نے نامہ بر کبوتروں کی بڑی بڑی ٹکڑیاں پال رکھی ہیں۔ کبوتر ایسے نامہ نگار کے ساتھ روانہ ہوتا ہے جو کسی خطرناک واقعہ کی حالت دریافت کرنے کیلئے بھیجا گیا ہو یا کسی ہواباز کے ساتھ جو اپنے طیارے میں اہم خبریں اور قیمتی تصاویر لئے جا رہا ہو ایسے موقع پر اگر اتفاقاً نامہ نگار یا ہواباز کو کسی ایسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے جس سے انکا فرض منصبی انجام نہ پا سکے تو اسی وقت یہ لوگ واقعات کی تفصیل لکھکر نامہ بر کبوتر کے ذریعہ اوساکا میں اپنی کمپنی کے صدر دفتر کو بھیجدیتے ہیں۔

سب سے زیادہ دلچسپ تجربات جو دونوں کمپنیوں کے درمیان اہم خبروں کو جلد سے جلد شائع کرنیکے متعلق مسابقت پر دلالت کرتی ہے وہ وہ واقعہ ہے جو ۱۹۲۶ء میں شہنشاہ جاپان کی حالت نزع کی خبر ملک میں پھیلنے کے وقت پیش آیا تھا یعنی اس سال ماہ اگست میں جبکہ شہنشاہ کی حالت بالکل نازک ہو چکی تھی ان دونوں کمپنیوں نے شہنشاہ کے محل کے قریب ہی دو مکان کرایہ پر لیلئے جن میں خبر رسان جمع ہونے لگے ان کی کثرت پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں مکانات گویا ایسی دو فوجوں کے مرکز ہیں جو رزم گاہ کیطرف کوچ کرنیکے لئے پا بہ رکاب ہیں ان دونوں اخباروں میں سے ہر ایک نے جملہ ضروریات از قسم ٹیلیفون، کیمرے، نامہ بر کبوتر، موٹر سائیکلیں، اور طیارے وغیرہ سب کچھ اس موقع پر جمع کر لئے تھے۔ اخبار "اساہی" کے محررین اور نامہ نگاروں وغیرہ کی تعداد دسمبر کے مہینہ میں ساٹھ تک پہونچ چکی تھی اور اخبار "مائنیچی" کے محررین وغیرہ کی تعداد بھی اول الذکر سے کچھ کم نہ تھی۔ اور یہ سب انتظامات اسلئے تھے کہ شہنشاہ کے وفات کی خبر جلد سے جلد شایع کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لیجائے۔ اس واقعہ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جاپانی رعایا خاندان شاہی کے حالات معلوم کرنے کیلئے کسقدر مضطرب رہتی ہے

یہ تو عارضی محررین وغیرہ کا ذکر تھا، لیکن دفتر مطبع اور دار الاشاعت کے تنخواہ یاب محررین اور نامہ نگاروں وغیرہ کی تعداد "اوساکا مائنیچی کمپنی" میں جسکے یہاں سے دو جاپانی اور ایک انگریزی اخبار اور چند موقتی رسائل شایع ہوتے ہیں ۳۴۶۵ ہے جن میں سے ۴۰۵ مضمون نگار، ۳۶۰ دفتری ۱۲۰ ملکی نامہ نگاران اخبار ۸۰۰ حروف جاننے اور مطبع میں کام کرنیوالے ۴۵۷ خدمتگار اور ۲۵۶ رسل و رسائل اور ڈاک کا کام کرنیوالے ملازم ہیں، اور وہ عمارت جس میں یہ لوگ رہتے ہیں بہت بڑی ہے، طعام خانہ، حجامت خانہ، غسل خانہ، رصد خانہ، کمرۂ تصاویر، ایک بڑا کتب خانہ، اور نو واردوں کیلئے کمرۂ استقبال یہ سب چیزیں اس عمارت میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں مضمون نگاروں، حروف جاننے

ملاحظہ ہو صفحہ (۲۳) کالم (۱)

دکنی ادبیات

عہد نواب آصفجاہ رابع کی نثر کا ایک نمونہ

از

سید محمد صاحب بی۔اے

حسن اتفاق سے نظام گزٹ کا جو نقاصہ نظر سے گزراہی تھا کہ مجھے ایک قدیم دکھنی نثر کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتاب جس پر سرسری طور پر چند سطریں لکھنا چاہتا ہوں، میری ملک میں نہیں ہے، بلکہ عاریتاً ایک صاحب سے دو روز کیلئے ملی تھی ممکن ہے کہ یہ محفوظ نہ رہ سکے۔ اسی خیال سے میں اس کی کیفیت بھی نظام گزٹ ہی کے اوراق میں محفوظ کرا دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ دکھنی یا اردوئے قدیم کی کوئی بہت ہی قدیم کتاب نہیں ہے۔ اس سے کئی سو برس قبل کی نثر و نظم کے کچھ نمونے میرے ہاں بھی ہیں اور بہت سے احباب کے کتب خانوں میں نظر سے گزرے ہیں۔ یہ کتاب ایک عجیب اتفاق سے میرے ہاتھ آئی اور ضرورت ہے کہ لوگ اس قسم کی کتابوں کو ان پر نوٹ شائع کر کے محفوظ اور عام طور پر معلوم کرا دیں تاکہ ہمارے ادب قدیم کا ذخیرہ کیڑوں کی غذا ہونے اور یورپ کے علم دوست قدردانان مخطوطات کے ہاتھ پہنچ جانے سے بچ جائے اور تاریخ ادبیات دکن کا اسطرح کافی مواد فراہم ہو جائے۔

اس کتاب کا نام قصہ حضرت تمیم انصاری رضی اللہ عنہ ہے۔ حضرت تمیم انصاری رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلعم کے صحابہ کبار میں سے تھے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ آپکا مزار مدراس سے چند میل کے فاصلہ پر ایک ریتیلے جزیرہ "کوولم" نامی میں واقع ہے۔ جہاں زائرین کثرت آتے ہیں اور ہر جمعرات کو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اس کتاب میں آپکی کوئی تفصیلی اور تاریخی سوانح عمری نہیں دی ہے بلکہ جیسا آگے بیان کیا جائیگا صرف ایک طویل روایت بیان کی ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا نام سید محمد محی الدین قادری الجعفری ہے۔ ان کا اصلی وطن قصبہ پھلواری تھا۔ اور ترک وطن کر کے نواب ناصرالدولہ بہادر آصف جاہ رابع کے عہد حکومت میں دکن آ گئے اور یہیں کے ہو رہے اور ان کے والد کا نام سید محمد علی ابوالبرکات قادری الجعفری اور دادا کا نام شاہ سید محی الدین ابوالفرح قادری الجعفری بتایا گیا ہے۔ اپنے دکن آنے اور نواب ناصرالدولہ بہادر کی فیاضی و شرفا نوازی سے مدد معاش حاصل کرنے کا ذکر اسطرح کیا ہے۔

"یہ گنہگار غریب الدیار سید محمد محی الدین قادری الجعفری .... چند مدت ہوئی کہ اپنے وطن مالوف سے جو مولد و منشا اس عاجز کا حضرت قبلہ پھلواری ہے۔ آوارہ ہو وارد اس شہر حیدرآباد کے ہوا۔ اور باعث الطاف فزائے بیکساں حکیم مولوی سید محمد شہسوار صاحب کے حضور پرنور امارت و ایالت و منزلت و شوکت و شہامت مشہد .... مظفر الملک نظام الدولہ نظام الملک آصفجاہ افضل الاراکین سلطنت میر فرخندہ علیخاں بہادر فتح جنگ سپہ سالار یار وفادار رستم دوران ارسطوئے زمان ناصرالدولہ بہادر رئیس دکن کے قدر معاش اس گنہگار کی ہوئی"

مصنف کا صرف اتنا ہی حال اس کتاب سے معلوم ہو سکا۔ میری نظر سے اسکے علاوہ ان کی کوئی اور کتاب نہیں گزری۔ اول تو دکھنی مصنفین کے قدیم تذکرے کمیاب ہیں موجودہ اور متداول تذکروں کے ذخیرہ میں بہت تلاش کی گئی مگر ان میں بھی ان کا حال نہیں ملا۔ یہ کتاب انھوں نے ۱۲۵۵ھ میں تالیف کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"بتاریخ ۱۲۵۵ بارہ سو پچپن ہجری صلی اللہ علیہ وسلم شہر جمادی الثانی کی دوسری تاریخ میں چاہا کہ قصہ تمیم انصاری رضی اللہ عنہ صحابی جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے جو عبارت نظم و نثر دکھنی زبان سے ہے اسکو اپنی زبان یعنی عبارت نثر اردو میں بیان کروں کہ شفقتی عبدالقادر انصاری نے یہی کہا ہے۔"

نواب ناصرالدولہ بہادر ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء میں سریرآرائے دولت آصفیہ ہوئے اور ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں غدر سے چند ماہ قبل وفات پائی۔ ایکا عہد حکومت قحط سالی، اور نواب مبارزالدولہ کی شورش اور دیگر اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے کچھ زیادہ امن چین سے نہیں گذرا مگر اس عہد میں شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچا۔ مہاراجہ چندولال شاداں آنجہانی خود شاعر اور شعرا پرور تھے۔ دیگر وزرا بھی معارف نوازی اور علم دوستی میں مشہور آفاق تھے۔ چنانچہ امیر اکبر محمد فخرالدین خان شمس الامرا ثانی نے ۱۲۵۳ھ میں ستہ شمسیہ نظم سے زبردست علمی رسائل شائع فرمائے جن میں ریاضی، ہیئت اور فلسفہ جیسے اہم مضامین پر معقول بحثیں ہیں۔ غرض یہ زمانہ علم و فضل کے لحاظ سے نہایت اچھا تھا۔ پیش نظر کتاب کی تالیف کے وقت حیدرآباد کی وزارت پر مہاراجہ چندولال آنجہانی فائز تھے۔ غالباً انہی فیاض امرا کی قدردانی نے مولف کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

اور ایک بات جو منقولہ بیان مولف سے ظاہر ہوتی ہے، یہ ہے کہ یہ قصہ بہت پہلے دکھنی میں لکھا جا چکا تھا جسکو مولف نے قدیم دکھنی محاورات اور الفاظ میں تحریف و تبدیل کر کے اپنے عہد کی زبان میں منتقل کر لیا ہے۔ ٹھیک طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قصہ قدیم دکھنی زبان میں کب اور کس عہد میں لکھا گیا تھا۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ دور قطب شاہی یا آصف جاہ اول میں تالیف ہوا ہوگا۔ ہماری نظر سے یہ قدیم نسخہ نہیں گزرا۔ یوروپ کے مشہور کتب خانوں اور ذخائر ادبیات مشرقیہ میں بھی اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔

یہ قصہ فصول یا حکایتوں پر مشتمل ہے اور پہلے ایک تمہیدی باب ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ، حضور سرور عالم صلعم نے ایک روز حضرت تمیم انصاری سے فرمایا کہ میرے ...

بقیہ صفحہ (۲۲) کالم (۳)

اور دفتری کاروبار کیلئے علحدہ مخصوص مقامات ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ "ٹوکیو اساہی" کی عمارت "نیشی نیشی" کی عمارت کی بہ نسبت زیادہ شاندار اور نئی طرز کی ہے۔

جاپانی صحافت میں خبریں جمع کرنے کا طریقہ امریکی اور یوروپی صحافت کیطرح ہے۔ یعنی خبریں فراہم کرنے والی کمپنیاں ہیں جو اپنے مراسلہ نویسوں اور نامہ نگاروں کے ذریعہ خبریں حاصل کرتی ہیں۔ جیسے رائٹر کمپنی اور ایسوسی ایٹیڈ پریس وغیرہ۔ جاپانی اخبار ان میں سے کسی ایک سے متعلق ہو کر اس کی مجتمعہ خبروں کو حاصل کرنیکا حق پیدا کر لیتا ہے اور بڑے بڑے اخباروں کے خاص نامہ نگار علحدہ ہوتے ہیں۔ ان بڑے اخباروں کے جاپانی نامہ نگار یوروپ، امریکہ، اور ایشیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں کیونکہ ان اخباروں کے مالک اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان ملکوں کے حالات کو مغربی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ اپنے ابنائے وطن کے نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ اور جاپانی اخباروں کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ وہ جاپانی خبروں کو بالعموم بین الاقوامی خبروں پر ترجیح دیتے ہیں۔

کے بعد تم عجائبات دیکھو گے۔ اتفاقاً ایک زمانہ دراز کے بعد ایک روز حضرت تمیمؓ آدھی رات کو صحن میں نکلے ہی تھے کہ ایک دیو آپکو اٹھا لیگیا۔ سات سال کے بعد آپ واپس آئے اس وقت حضرت عمرؓ خلیفۂ اسلام تھے آپ نے شیر خدا امیر المومنین حضرت علیؓ کے دولتخانہ پر ایک مجلس میں اپنے سات سالہ واقعات بیان کئے تیرہ حصوں میں یہی واقعات مندرج ہیں۔

باوجودیکہ اسکو تالیف ہوئے (۹۱) برس کا زمانہ دراز گزر گیا لیکن جزوی اختلاف زبان کے قطع نظر اسکی زبان بہت صاف و شستہ ہے۔ تعجب ہے کہ دکن میں اردو نے اس قدر ترقی کے مدارج طے کر لئے تھے۔ نمونہ کتاب ملاحظہ ہو۔

جب تمیم انصاریؓ نے کہا یا علی کرم اللہ وجہہ! جس وقت۔ اس جنگل میں گرا اور ہوش اپنے سلامت رہنے پر شکر اس خالق کا ادا کیا اور ایکطرف کی راہ لی۔ یا علی کرم اللہ وجہہ وہ جنگل ایسا ہولناک تھا اور اندھیرا تھا اگر آفتاب کی نظر اس جگہ پڑے تو نور اپنا کھو دے اور بہشت اس جگہ بھول کر جاوے تو دیو سرشت بن جاوے۔ مگر خدا کو یاد کرا ایک طرف کو چلا۔ ہزار شکر اس پروردگار کا کرتا کہ کوئی درندہ موذی جانور اس جنگل میں نہ تھا بلکہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا بغرض ایسے ہولناک جنگل میں تمام دن اپنے خدا کو یاد کرتا چلا جاتا تھا۔ رات کو کسی درخت پر چڑھ رہتا۔ ایکدن اسی جنگل میں دور سے ایک جانور ہاتھی کے برابر نظر آیا۔ جب نزدیک پہنچا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک مرغ جسکے پروں میں لاکھوں طرح کے رنگ ہیں اور چونچ اس کی لال اور پاؤں اس کے سبز۔ اس نے آتے سلام علیک کیا اور کہا اے تمیم انصاریؓ! خوش ہو اور سجدہ شکر کا بجالاؤ درگاہ الٰہی میں کہ اپنے گھر کے نزدیک آپہنچے۔ یہاں سے مکان تمہارا نزدیک ہے۔ اس کی باتیں مانند آدمی کے جو سنا بہت حیران رہا اور دل میں کہا۔ سبحان اللہ کیا قدرت اس صانع کی ہے کہ جنگل بیابان میں ایسی ایسی خلقت اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ کہ جس کے دیکھنے سے انسان کی عقل حیران ہو۔ پوچھا میں نے اس مرغ سے باتیں آدمی طرح کرتا ہے تو جن ہے یا دیو ہے یا شیطان ہے کہ صورت مرغ کی اور باتیں آدمی کی کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے تمیم انصاریؓ! میں نہ جن نہ دیو نہ پری نہ شیطان مگر میں مرغ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوں اور خدا کے فضل سے اس جنگل بیابان میں پھرتا ہوں اور جو مسلمان بھولا بھٹکا اس جنگل میں آتا ہے اس کی خدمت کرتا ہوں اور اسکو راہ بتاتا ہوں اور کھانا پانی سے خبر لیتا ہوں۔ یہ کہکر وہ مرغ گیا اور میوہ اور ایک کوزہ پانی کا لے آیا مجھے کھلایا۔ بعد اسکے کوئی چیز اپنے منہ سے میرے منہ میں دی کہ مجھے کبھی۔ مدت تک بھوک پیاس معلوم نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ کدھر جاؤں۔ اسنے کہا قبلہ کیطرف چلے جاؤ۔ انشاء اللہ اپنے گھر پہنچ رہو گے۔ یہ کہکر مجھے رخصت کی اور آپ جنگل میں چلا گیا۔“

پیش نظر نسخہ تالیف سے (۲۰) سال بعد بہ عہد نواب افضل الدولہ بہادر ۱۲۷۵ھ میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

جنگ عظیم اور جنگ ترکی و یونان

کا

درمیانی وقفہ

نوشتہ

کونٹ سفورزا

مترجمہ

محمد حمید اللہ صاحب

ذیل کا مضمون حال ہی میں کنٹمپرری ریویو میں[عہ] شائع ہوا ہے یہ اصل کا بجنسہ اردو ترجمہ ہے اس مضمون کی اہمیت اس وجہ سے کہ اسکا لکھنے والا ان معاملات میں براہ راست حصہ لیتا رہا ہے اسلئے ان واقعات کا اظہار ذمہ داران حیثیت رکھتا ہے۔ اس تحریر سے ظاہر ہو جائیگا کہ یورپی سلطنتیں ترکی کے خلاف کس طرح متحد المقصد ہیں اور انہوں نے ترکی کا خاتمہ کرنے کی کوشش میں کیا کیا چالیں اختیار کیں ترجمہ ممکنہ حد تک لفظی ہے اسلئے ممکن ہے کہ رواں نہو۔ مترجم

جو مہلت جنگ سلطنت عثمانیہ اور متحدین میں[عہ] رودس کی بندرگاہی خلیج (Roadstea.) میں ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو برطانوی جنگی جہاز سپرب (Superb.) پر بنمائندگان باب عالی“ اور امیر البحر کالتھروپ میں منعقد ہوئی اس میں ترکی پر کچھ سخت اور اہم قیدیں تھیں سوائے بے ہتیاری، فوجی برخواستگی اور انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی سزا دہی کے جنھوں نے سب سے بڑھ کر جرمنی اور آسٹریا، ہنگری سے اتحاد کی تائید کی تھی۔ اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس وقت سلطنت عثمانیہ کو تباہ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، جیسا کہ بعد میں انگلستان نے اس کو پالیسی بنالیا۔

اس سے صرف ان لوگوں کو تعجب ہوگا جو جرمانی یا فرانسیسی قواعد کے پابند ہوں یعنی جو استدلالی یا منطقی (Reasoninror Lagical) انطباع ہوتے ہیں، اور جو اس چیز کا شمار ہی نہیں کرتے کہ وہ جلد جلد ہونیوالی تبدیلیاں جن کی غیر متوقع کی وجہ عموماً مخالفت کی بدعہدی پر محمول کیجاتی ہے در حقیقت سلطنت برطانیہ کی استحانی اور تجربی سیاست کا جزو ہیں۔

مہلت جنگ چند روز بعد انگلستان، فرانس اور اٹلی نے فیصلہ کیا کہ ترکی میں ان کی مفاد کی حفاظت ہائی کمشنروں کے سپرد کر دی جائے انگریزی ہائی کمشنر امیر البحر کالتھروپ تھا، فرانسیسی امیر البحر آمٹ (Amet) تھا جو لیوانت (Levant) کے فرانس اسکاڈرن کا کمانڈر تھا، اور اطالیہ کیلئے خود میں (کونٹ سفورزا۔ ح ا) تھا ترکی اقتدار کی اس ظاہری تباہی کے وقت چاروں[عہ] فوربگ (Fourbig.) کی گفتگو کے انتظار میں جو پیرس میں ہونے والی تھی ہمارا کام گورنروں کا سا تھا۔ ہمارے اقتدار میں باسفورس

بقیہ کالم (۱)

یہ قصہ تمیم انصاریؓ حسب فرمائش محمد بخش خان نامزد باشندہ شمس آباد بتاریخ بست و دوم ماہ جمادی الثانی ۱۲۷۵ھ روز جمعہ بوقت سہ پہر انصرام یافت و کاتب الحروف محمد اسمٰعیل ولد شہاب الدین ساکن قصبہ شیکمال است تمت تمام شد کار من نظام شد۔

نوشتہ بماند سیہ خط غریب کہ نصرٌ من اللہ وفتح قریب

خط واضح شکستہ آمیز نستعلیق ہے۔ املا کی اکثر غلطیاں ہیں۔ یہ مختصر سی معلومات جو فی الوقت حاصل ہو سکی پیش ہے۔ دکھنیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اگر سعی و تلاش سے کام لیں تو بہت ممکن ہے کہ اس کتاب اور اسکے مولف پر مزید روشنی پڑ سکے۔

عہ Contempoaary Review, November -- Count Sforza.

عہ غالباً برطانیہ، فرانس، اٹلی اور جاپان مراد ہیں۔

سے اسکاڈرن اور خشکی کی امدادی فوجیں موجود تھیں۔ ہم نے ایک انتظام کی صورت ڈالی حفاظت کا طریقہ بنایا اور مقدین کے صرافی، تعلیمی اور مذہبی اداروں کو دوبارہ زندہ کرنا شروع کیا جو جنگ کے زمانے میں تباہ یا بند کر دئیے گئے تھے۔ تینوں ہائی کمشنر ہر ہفتہ ملتے تھے۔ باری باری ایک ایک سفارت خانے میں جلسہ ہوتا تھا جسکا صدر مالک مکان ہوتا تھا۔ سرفی یونانی، رومانی اور دوسرے نمایندے ایک کے بعد ایک قسطنطنیہ آکر ہمارے سامنے پیش ہوتے تھے گویا ہم ہی مقامی مجلسِ اعلیٰ (SUPREME LOCAL COUNCIL) تھے ہمارے احکام قومی رقابت کے بغیر نافذ ہوتے تھے۔ ہماری یکسانیت اور وفاداری برابر اور پائیدار تھی۔ ابتداءً میرے دونوں ساتھی یہ سمجھنے لگے تھے کہ میں ترکوں سے بہت زیادہ نرمی کرتا ہوں یا مفتوح سلطان کا ضرورت سے زیادہ لحاظ کرتا ہوں اور شخصی طور سے سابق وزرا اور اعیان حکومت سے جواب رفتہ رفتہ اپنے چھپے ہوئے مقام سے باہر آرہے تھے بہت زیادہ اخلاق سے پیش آتا ہوں۔ اور کافی طور سے "باب عالی" کو نظر انداز نہیں کرتا مجھے یقین ہے کہ سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء کے سرما کے ابتدائی ہفتوں میں میرے دونوں امیر البحر ساتھی اپنے دلوں میں میری اس "کمزوری" کو محسوس کرکے اسے اس بات پر محمول کرتے ہونگے کہ میں فوجی آدمی نہیں تھا مگر وہ اچھے احساس والے لوگ تھے اور رفتہ رفتہ انھیں معلوم ہوگیا کہ میں اہم ترین وجوہات کی بنا پر ایسا کرتا ہوں۔ یہ سمجھ کر کہ ترکی موت سے بہت دور ہے اور صرف عارضی طور پر مغلوب ہوگئی ہے۔ اگر ہم اس کو زیادہ دق کرینگے تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ہماری خواہش کے مطابق ہم قسطنطنیہ کے آیندہ مالک بھی بننا چاہتے تھے۔ اسلئے یہ خوف تھا کہ کہیں ترکی محرکہ قوتیں ایشیا میں نہ چلی جائیں اور ہمارے قابو سے نکل کر ہمیں پر نہ پلٹ پڑیں۔

میں نے اس حالت میں اور ان واقعات کی شروع ہی میں اپنی حکومت کو اطلاع دیدی تھی اور مطلع کردیا تھا کہ میں اسی خیال کے تحت اپنے ملک کی خدمت کرونگا اور حکومت کی خاموشی کو میری پالیسی سے اتفاق کرنے پر محمول کرونگا۔ مجھے خاموش اتفاق سے بڑھکر کسی اور طریقۂ اظہار موافقت کی توقع بھی نہ تھی۔

ترکی کے زندہ ہونے کی قابلیت اور استعداد کے متعلق میرا جو خیال تھا اس میں وہ ایشیائی تجزیہ شامل نہ تھا جس پر پیرس میں غور کیا گیا اور اطالوی حکومت کی اس کے متعلق دلچسپی حاصل کی گئی۔

سلطان کمزور اور غیر مستقل تھے۔ چھوٹے معاملات میں بہم اور اہم امور میں بزدل ہوجاتے تھے اور اس خاندان کا پورا نمونہ تھے جواب مطعون ہے اور ختم ہوچکا ہے۔ انھوں نے صدارت عظمیٰ پر داماد فرید پاشا کو مقرر کیا تھا۔ "داماد" کے لفظ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انھوں نے سلطان کی کسی بہن سے شادی کی تھی اس کا نام (ALIAR) غالباً ہدیہ تھا۔ مزید اکسفورڈ کا تعلیم یافتہ اور ظاہری طور پر ایک انگریز کی پوری نقل تھا۔ حقیقت میں دفتری ترکی تک کسی چیز نے بھی یا کم از کم، کسی نے بھی زندگی یا قوت کی علامت کا ذرا سا بھی اظہار نہیں کیا تھا۔ بن لن ہیوں نے لائڈ جارج اور لارڈ کرزن کو یاد کرادیا تھا کہ وہ آیندہ میں جو چاہیں کرسکینگے ان کے پاس یاد کرنے کے وجوہات تھے کہ وہ حق پر ہیں۔

متعدد اوقات میں نے دیکھا۔ اور حقیقت کو نہیں چھپاتا۔ کہ وہ چند اشخاص جو بعد میں انگورہ میں حاکم جماعت کے رکن بنے (اور جن میں مصطفیٰ کمال مدافع روٗف دانیال بھی ہیں) ترکی میں اسی وقت سے ہر دلعزیز ہوچکے تھے۔ میں نے محسوس کرلیا کہ وہ یہ کہنے میں بالکل سچے ہیں کہ وہ ایشیا میں آزادی برقرار رکھنے کے قابل ہیں جہاں وہ پیچھے ہٹ کر جارہے تھے۔

غرض جب ۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۹ء کو امیر البحر کالتھرو نے برطانوی سفارت گاہ میں فرانسیسی اور اطالی رفیقوں کو بلایا کہ انھیں پیرس کانفرنس کے ہدایات سمجھائے کہ سمرنا پر یونانی قبضہ کریں۔ اس پر میں نے ذاتی طور سے اس سمجھوتے کے متعلق یقین کرلیا کہ وہ ترکی میں بہت بڑی حیثیت نمایاں کریگا۔ مگر ہدایتیں ہمارے ہاں اصولی فیصلے کی صورت میں آئیں اور ہم بذات خود کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ یونانیوں کے خشکی پر اترنے کے ساتھ ایک بے مقابلہ مگر خونی اقدام شروع ہوا۔ جو ایک ہونے والی بات تھی اور جس کا میں نے ہائی کمشنروں کے جلسے میں خوف بھی ظاہر کیا تھا۔ یونانیوں نے بے بسوں کی جماعت کو زخمی کرکے اس طرح مارنا شروع کیا کہ اس کی بیجا شدت ظاہرا رعب داب قائم کرے گی۔ یونان کی قضا اسی روز آچکی تھی جس دن اس نے سمرنا پر جھنڈا اڑایا تھا۔

یونانیوں کے خشکی پر اترنے کے ساتھ ہی ترکی فوجیں بارکوں میں بلالی گئیں۔ یہ صدر اعظم کے حکم سے تھا جس نے غداری سے نہیں بلکہ بزدلی اور اچھائی کی توقع میں سمرنا میں پیام رساں بھیجے تھے کہ سر تسلیم خم کردو اور یقین دلایا کہ یونانی قبضہ محض عارضی ہوگا۔ اس کے سوا سمرنا میں اسوقت وہ فدائی تھے جو بعد میں ترکی قوم کی فلاح کیلئے جوشیلے قاتل بن گئے تھے۔

بارکوں سے کس نے پہلی گولی چلائی تھی جس کیوجہ سے قتل عام شروع کردیا گیا؟ میرے اطلاع دہندوں نے یقین دلایا ہے کہ وہ ایک یونانی ہی تھا جسے خاص اس بھڑکاو کیلئے متعین کیا گیا تھا۔ اس طرح فساد برپا کرنا قرین قیاس ہے، ایتھنز کے احکام کے تحت نہ سہی، کسی بیوقوف یونانی سپہ سالار کے حکم ہی سے سہی جو ایک آسان لڑائی اور آسان ترفتح چاہتا تھا خواہ کسی طرح حاصل ہو۔ اگر اس بات کی توقع تھی کہ کوئی ایسی بات نکل آئیگی جسے دونوں فریق قبول کرلینگے تو سمرنا میں خشکی پر یونانی فوج کے اترنے کے بعد وہ بعد از وقت تھی۔ سیاسیات میں غلطیاں، اخلاقی زندگی کی غلطیوں کی طرح نئی نئی غلطیاں پیدا کرتی ہیں۔

باب عالی اس سے پہلے ہی ایک عاجلانہ جسارت کی خطاوار ہوچکے تھے اور مصطفیٰ کمال کو قسطنطنیہ سے ایشیا میں کمانڈر کے کر روانہ کردیا تھا۔ مصطفیٰ کمال پاشا سمسون کے قریب تھے جب انھیں قبضۂ سمرنا کی اطلاع ملی۔ انھوں نے عوام کو طلب کیا اور ایسی تقریر کی کہ انہیں رلادیا۔ ایک انگریزی عہدہ دار نے جو اس ضلع میں تھا، قسطنطنیہ کو تار دیا کہ اس نوجوان جنرل کو فوراً واپس کرلیا جائے۔ ہم نے باب عالی سے ایسا حکم جاری کرنے کی خواہش کی۔ باب عالی نے بیہر تعظیمی طریقے سے جیکے وہ وارث تھے، مصطفیٰ کمال پاشا کو بڑا احتیاط الفاظ میں قسطنطنیہ طلب کیا کہ وہ ان سے صرف عام حالت پر تبادلہ خیالات کرنا چاہتے ہیں۔ ایک اس سے بڑھکر بہیر تعظیمی خصوصیت ملاحظہ ہو کہ باب عالی میں کے دوستوں نے یا باب عالی والوں کے دوستوں نے مصطفیٰ کمال کو فوراً اس سے آگاہ کردیا کہ طلبنامہ جاری ہونے والا ہے وہ ابھی دار الخلافہ سے جانا نہیں چاہتے تھے مگر طلبی سے بچنے کیلئے حب وطن کا خیال ظاہر کرکے ارض روم کے دورہ پر روانہ ہوگئے اس طرح سلطانی احکام کی تعمیل نہ کرنے کے مرتکب نہیں ہوئے گویا وہ حکم ان کو پہنچا ہی نہیں۔

غالباً کسی قدر سیاسی فیصلے سے حالت اب بھی محفوظ کرلی جاسکتی لیکن پیرس صلح کانفرنس میں دماغی الجھنوں میں مزید اضافہ کرنے والی باتیں پیش آئیں۔ فرانس جن کی توجہ علاقہ رائن کی طرف لگی ہوئی تھی بساط شطرنج پر برطانیہ کا اس حصے میں پوری صفائی سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کیلئے اتنا اہم نہ تھا۔ اطالیوں کا بھی یہی حال تھا جو پہلے ہی بحیرہ اڈریاٹک کے سوال میں الجھے ہوئے تھے۔ انگریز۔ انگریز صرف لائڈ جارج اور لارڈ کرزن تھے۔

مجھ سے بڑھ کر سابق وزیر اعظم برطانیہ (مراد لائڈ جارج۔ م ح ا) کی فوری معاملہ فہمی اور سرعت عمل کی صفات کا کوئی مداح نہیں۔ دوران جنگ میں جنرلوں سے اختلاف کے موقع پر وہ ہمیشہ حق پر ہوتا تھا۔ مثلاً لائڈ جارج نے چاہا تھا کہ اطالی اور برطانی متحدہ طاقت سے اسٹریا میں جنگ شروع کرکے دشمن کی قوت توڑ دیں۔ یہی خیال ابتدا میں ہمارے محبوب وطن لسبولائی کا بھی تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ فرانسیسی انتظام جنگ (STRATEGY.) میں لائڈ جارج اکثر حق پر ہوتا تھا لیکن مغرب مغرب ہے، مشرق مشرق۔ لائڈ جارج نے مغرب کو سمجھنا سیکھ لیا تھا۔ اسکے سوا وہ طعامی کانٹا (FORK.) جیسا کہ سرہنری ولسن نے مزاحاً لائڈ جارج کا نام رکھا تھا تانبے کی ٹوپی والوں (افسران فوج) کے عام خیالات سے بھی غیر مطمئن تھا۔ مشرق کے متعلق جنگی حقیقت اس کے سامنے ایک دوسر کمانے "(دینی زےلوس)" نے پیش کی تھی۔ وینی زےلوس پہلے بھی تھا اور اب بھی ایک بہت قابل ذکر آدمی ہے۔ اسکے پاس قوی عذرات ہیں کہ کیوں اس نے مشرق کی کارفرما قوتوں کے متعلق غلط اندازہ لگایا۔ اس نے ایک بڑا خواب دیکھا تھا۔ یونان بزرگ کا خواب۔ جو یونانیوں کو غلامی اور تکلیف کی صدیوں میں تسلی دیا کرتا تھا۔ اس نے برطانیہ کی مدد سے اس کو بردے حقیقت لانا چاہا۔ مہلک غلطی کا ارتکاب کیا جاچکا تھا (اور کوئی بھی اسکا ضد دار بننے تیار نہیں) چنانچہ قسطنطنیہ سے شروع ہوکر تمام ترکی کے طول و عرض میں حالت بد سے بدتر ہوگئی ایک انگریزی ادارۂ خبر رسانی (INTELLIGENCE SERVICE) جس میں ماہر عہدہ دار تھے سیاسی اور دماغی اقتدار پر قابض ہوگیا۔ ان ماہرین کی تباہ کاریاں مغربی برتری اور وقار کو ہلا دینے میں بڑا حصہ لیتی رہیں۔

لیکن کیا میں اسطرف خفیف سا اشارہ کرسکتا ہوں کہ برطانوی سیاسی پولیس کی ان تباہ کاریوں نے میری اس قدیم بدگمانی میں اور اضافہ کر دیا۔ جو حقیقی اور روایتی برطانوی دماغ کی ساخت کے متعلق ہے؟ میں نے یونہی اندازے سے معلوم کرلیا ہے۔ کہ وہ واحد چیز جو برطانیہ کی اخلاقی قوت کو بنانے والی ہے۔ آزادی میں بسر کرنا ہے۔ جس سے ہر شخص بہرہ اندوز ہو۔ اور جب کبھی وہ اس کے خلاف کام کرتے ہیں تو اس میں ناکام رہتے ہیں۔

۱۶ ویں مارچ سنہ ۱۹۲۰ء کو جنرل ملن (MILNE) نے جو برطانوی فوجوں کا سپہ سالار تھا پایہ تخت ترکی کے تمام اہم مقامات یعنے وزارت جنگ اور تار گھر وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ اور حکم دیا کہ کئی درجن ارکان پارلیمنٹ وسینٹ کو گرفتار کرلیا جائے اور ایک حالت محاصرہ کا اعلان کر دیا۔ چند روز بعد شیخ الاسلام نے جو بالکل برطانوی اثر میں تھا فتویٰ جاری کیا کہ انگورہ کے قوم پرست باغی ہیں۔ اور اسلام سے خارج اسکا جواب ملنے میں دیر نہیں ہوئی۔

۲۴ ویں اپریل سنہ ۱۹۲۰ء کو مجلس ملیہ نے انگورہ میں سنجیدہ دعاؤں سے اپنے کام کی ابتدا کی اور ایک کونسل اعلیٰ کا انتخاب کیا تاکہ اسکے فیصلوں کو نافذ کرے۔ مصطفےٰ کمال اس کونسل کی روح رواں اور حقیقی صدر تھے۔ چند روز بعد کونسل اعلیٰ نے اپنے آپ کو عہدہ داری کابینہ میں بدل دیا۔ عہدہ داری کا لفظ اسلئے رکھا گیا تھا کہ ظاہر ہو کہ قوم پرست قسطنطنیہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے وزیر خارجہ بکر سامی بے (ایک کاکیشی مسلمان) تھا جس نے دوسرے سال حکومت انگورہ کی لندن کی سپریم کونسل میں نمایندگی کی تھی۔ انگورہ کے سیاست دان فیصلہ کن طور پر (XENOPHOBIST.) ہو چکے تھے جس کی نفرت میں انگلستان و فرانس دونوں شامل تھے۔ یہ ان حقائق کا نتیجہ تھے۔ جو انگورہ میں معلوم ہو چکے تھے۔ اور جو بعد میں سیورے کے مردہ مولود صلح نامے کی صورت میں ظاہر ہوئے صرف اطالیوں کے ساتھ برا سلوک نہیں ہوا۔ اور یہ میری رائے کا نتیجہ تھا جو ان نے شروع سے اختیار کی تھی۔

مصطفےٰ کمال نے مسلح گروہ فوراً اکٹھے کئے جن کے پیچھے اس نے تیزی سے ایک باقاعدہ فوج کی تنظیم شروع کی۔ وہ جتنا قوی ہوتا گیا ترک اس کی طرف اتنا ہی متوجہ ہوتے گئے۔ باب عالی کے عہدہ دار بھی تہ دل سے اس کی ترقی چاہتے تھے ترکی کو اب اپنا انجام ظاہر ہو گیا۔ جس میں اب فقط وقت کا سوال باقی تھا۔ ایک بات اب بھی غیر یقینی تھی کہ متحدین نے اپنا فیصلہ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء میں سان ریمو میں انگریزوں کے سخت شرائط صلح کو مان کر صادر کر دیا تھا۔ یوم سان ریمو کی شام کو مارچ میں لارڈ کرزن نے کہا تھا کہ:۔

"کمال کی موثر قوت کا اندازہ
حقیقت سے زیادہ کیا گیا ہے۔
ورنہ وہ اتنا کارکن نہیں ہے
جتنا بعض لوگ یقین
دلاتے ہیں۔

بعض کے لفظ سے اس نے میری جانب اشارہ کیا تھا میں اب روما میں تھا اور ترکوں سے صلح جوئی کی پالیسی پر برابر کاربند تھا اسکے علاوہ سان ریمو کے بعد جون میں لائڈ جارج نے ایک عظیم تقریر میں کہدیا کہ صرف یونانی ہی حکومت عثمانیہ کی جگہ لینے کے قابل ہے۔

جون کے اواخر میں ہڈتھا (HYDTHA.) میں لائڈ جارج نے موسیو ملیران سے ملاقات کی وینی زے لوس نے انگلستان سے فوجی اتحاد عمل کی درخواست کی تھی کیونکہ انگلستان کی فوجی قوت اب ترکی میں خطرناک طور پر طاقتور ہوگئی تھی۔ اس کی تجویز تھی کہ اناطولیہ کے اندرونی حصہ میں تیز پیش قدمی کیجائے اور اس میں (۹۰،۰۰۰) مسلح یونانی ہوں یہ کمال کی خط وکتابت کو تمام اطراف سے کاٹ دینگے۔ اور ان کو مجبور کرینگے کہ وہ اندر ہی اندر ہٹتے جائیں جہاں ان کی قوت توڑ دیجا سکتی ہے۔ فرانسیسی وزیر اعظم نے آمادگی سے نہیں مجبوری سے یہ تجویز منظور کرلی کیونکہ عام سیاسی مصلحتیں اسیطرف لے جاتی تھیں۔ اور وہ ترکوں سے سلیشیئی شامی سرحد پر گتھ ہی چکا تھا۔ لیکن ایطالوی رضامندی ضروری تھی اور اس کے حصول کیلئے لوزن میں سپریم کونسل کا اجلاس اسکے بعد فوراً ہی ہوا تھا۔ میں اس وقت وزیر خارجہ ہو چکا تھا۔ اسلئے ایطالیہ کا نمایندہ تھا اناطولیہ پر یونان کے مجوزہ حملے کے متعلق میں نے کہا کہ ایسا کرنا سخت غلطی ہوگی اور اگر اس سے ترکی کی فوجی اور قومی زندگی اور طاقت کو بڑھانا منشا ہو تو حقیقت میں یہ بہترین ضامن ہے۔

ایک ماہ بعد جولائی سنہ ۱۹۲۰ء میں ہم اسپا (SPA) میں کانفرنس کی غرض سے مجتمع ہوے وینی زے لوس بھی آخری دفعہ یہاں موجود تھا۔ اس نے سپریم کونسل کے روبرو اپنی تجویز پیش کی کونسل میں لائڈ جارج ملیران اور میں ہی تھے۔ وینی زے لوس نے اپنی دلیلیں پیش کیں۔ اور کامیابی کا اسے یقین تھا۔ صرف میں ہی تھا جس نے مخالفت میں جواب دیا اور بتایا کہ یونان اس طرح کس خطرے میں گھر جائیگا اور ان ہی الفاظ میں اپنا جواب ختم کیا کہ میرا اندازہ یہ ہے کہ ایطالیہ کا طرز عمل ہمدردی کی کمی پر محمول کیا جائیگا یا اس سے بڑھکر یونان سے بے اطمینانی پر۔ اسکے برخلاف میں اپنے آپ کو اسکے سچے مفاد کے گہرے خیال سے مملو پاتا ہوں وہ صلح صلح نہیں جسے دونوں فریق برداشت نہ کر سکیں۔ یونانی ضرورت سے زاید خطرے میں پڑنے سے سب کچھ کھو رہے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس ہال میں کم از کم ایک شخص ایسا ضرور ہے جو میرے الفاظ کے گہرے اخلاص کو محسوس کرتا ہو۔ اور وہ شخص وینی زے لوس ہے۔

جب میں نے اپنی تقریر ختم کی تو وہ نادر مسرت محسوس کی جو کسی شخص کو پارلیمنٹ کی یا مجمع عوام کی پسندیدگی سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ میں نے وینی زے لوس پر نگاہ ڈالی اور اسکے کھلے ہوے ذہین چہرہ پر مجھے نظر آیا کہ اس نے میرے الفاظ کے گہرے اخلاص کو پسند کیا ہے۔ اور صرف ایک لمحے کیلئے اس نے بھی یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایک دن صحیح ہونے والی ہے۔ لیکن پانسہ پھینکا جا چکا تھا، اور ہر شخص نے دیکھ لیا کہ یونانیوں کے خلاف دو برس بعد کیسا افسوسناک نتیجہ نکلا۔

لندن کی فروری سنہ ۱۹۲۱ء کی منعقد شدہ کانفرنس نے بہت سے اعتماد والوں کی آنکھیں کھول دی ہوں گی۔ ہم نے وہاں کیا دیکھا؟ ترکی شہنشاہیت یعنی باب عالی کے وفد کا صدر توفیق پاشا تھا۔ جسے سب عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور جو کئی دفعہ وزیر اعظم رہ چکا تھا۔ وہاں انگورہ کا وفد بھی تھا جسکا صدر بکر سامی بے وہاں کا وزیر خارجہ تھا برطانوی حکومت نے بطور خود اس کا استقبال کرنے سے انکار کر دیا۔ اس خیال سے کہیں ایسا ہو کہ اسے انگورہ کو سرکاری طور سے تسلیم کر دئے جانے کا مرادف سمجھ لیا جائے مغرب کی متحیر آنکھوں کو ایک صحیح مکمل ہم آہنگی میں ایک ہی بنچ پر دو وفد بیٹھے ہوے نظر آئے جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ ایک دوسرے کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح کی حقارت ہے جیسے دفتری مقابلوں میں پھنسے ہوے لوگ جانتے ہیں۔ ہماری اور برطانیہ کی آنکھوں میں توفیق پاشا تمام ترکوں کا نمایندہ تھا۔ یہ کافی نہ سمجھکر اس نے خود بھی اسکا اظہار کیا تھا تاکہ بکر سامی بے کے الفاظ کو کم وقعت کر دے جو حقیقت میں ترکوں کی طرف کا واحد جواب دہ تھا انگورہ کا بھی اور استمبول کا بھی اس موقع پر موسیو بریاں نے (BRIND.) اور میں نے اپنے اثرات کو ترکوں پر کام میں لانے کی کوشش کی تاکہ وہ ایک معتدل راہ اختیار کریں بکر بے سمجھ گیا کہ اگر وہ ایک غیر جانبدار ثالثی پر معاملہ چھوڑ دینے پر یونانیوں سے زیادہ آمادگی ظاہر کرے تو سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ ثالثی کا بالآخر فیصلہ ہو گیا۔ وہ خطہ اناطولیہ کی باحتیاط تفتیش کے بعد فیصلہ سنانے والی تھی۔

جب برطانیہ فرانس اور ایطالیہ نے تفتیش دوبارہ منظور کرلی اور یہ تسلیم کرلیا گیا کہ صلح نامہ سیورے کے مصنف کو غلط اطلاع ملی ہے۔ اور معاملے کو از سرنو شروع کرنا چاہیئے تو اس سے انگورہ کے تمام ناواقف مخالف دور ہوگئے اور مستقبل کیلئے بہت سے امکانات کا راستہ کھل گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب بھی قابل عمل صلح ممکن ہے لیکن تین ماہ بعد حالت اور خراب ہوگئی۔ یونانیوں نے تفتیشی کمیشن کو ٹھکرا دیا۔ اور ہتیار اٹھانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اولاً شکست کھا کر وہ بہار سنہ ۱۹۲۱ء کے بہار میں افیون قرہ حصار اور قطاحیہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مقدمۃ الجیش سال بھر تک جارہا لیکن آگسٹ سنہ ۱۹۲۱ء میں کمر منظم شدہ ترکی فوج نے یونانیوں کے مقدمۃ الجیش کو تباہ کر دیا اور سمرنا پر قبضہ کرلیا۔ اور شاہ قسطنطین نے تخت کھو دیا۔ اب برطانیہ فرانس اور ایطالیہ۔ ترکی اور یونانیوں میں آڑے آگئے۔ چار سال

کی تباہ کاریوں، دھوکہ بازیوں اور ضرورت سے زیادہ بناوٹ کا نتیجہ مدانیہ کانفرنس تھی۔ جو ۱۱ دیں اکتوبر ۱۹۲۲ء کو منعقد ہوئی جس سے یورپ کو مجبور ہوکر ماننا پڑا کہ ترکی فوج قسطنطنیہ میں داخل ہو اور مشرقی تھریس ترکی کے حوالے کر دیا جائے مختصر یہ کہ ترک پھر پوری طرح یورپ میں آجائیں صلح نامہ لوزان سے رہے سہے یورپی ترجیحات کا خاتمہ ہوگیا

حسن اتفاق سے میں مدانیہ کی صلح سے پہلے کی گفتگوؤں میں شریک رہا ہوں۔ میں وزیر خارجہ نہ تھا بلکہ پیرس میں سفیر تھا۔ چونکہ گفت و شنید پیرس میں ہوئی جہاں میں کرزن اور پوانکارے تین ہی آدمی تھے۔ جو اس مسئلے کے حل کیلئے جمع ہوئے تھے۔ میں وہ غمناک اقرار نہیں بھولونگا ایک دوپہر میں لارڈ کرزن نے "کے دُرسے" (QUAI D'ORSAY) کے کمروں میں کیا تھا۔ وہ مغرور تھا لیکن ایمانداری سے اس نے کہہ ہی دیا کہ اس نے ایک غلطی کی تھی۔ اور یہ اقرار اس شخص کے سامنے تھا جس نے اپنی تمام ظاہری نرمی کے باوجود مغرب کے مفاد کی حفاظت کیلئے پوری کوشش کی تھی مگر ایسے تاسفات سیاسیات میں بے کار ہیں خواہ وہ اخلاقی نفسیات میں کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ معاہدہ ورسیل" (VERSAILLES) کے بعد کے زمانے میں انگلستان کی مشرقی پالیسی میں کیا غلطی تھی جو ادر موقعوں اور اور زمانوں میں اتنی فیاضانہ اور دوراندیشانہ ہوتی تھی؟

میرے خیال میں وہ غلطی صرف یہ یقین کرلینا تھی کہ ترکی نسل پر ایک مہلک ضرب لگانے سے ہر جگہ مسلم مقاومت ٹوٹ جائے گی برطانوی تاریخ کی بہترین روایتوں نے واضح کر دیا ہوگا کہ برطانوی قوت کا مشرق میں قیام یا زیادہ صحیح لفظوں میں بکر رقیام صرف طاقت کا سادہ مسئلہ نہ ہوگا۔ اور یہ اصول، یورپ سے مشرق پر صادق آئیگا خواہ قریبہ ہو یا بعیدہ۔ اور یہ ہر ملک کی مشرقی پالیسی کے متعلق بھی ویسا ہی صحیح ہے۔ برطانیہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔

بقیہ صفحہ (۳۹) کالم (۱)

میں عادل، نیک شجاع بادشاہ بہتر ہے، ہرقلیطوس کا قول ہے" ایک نیک سہزار بدکاروں سے اچھا ہے"

حکومیت اور بادشاہیت اپنے اوصاف منتظمہ کی بنا پر بہترین قسم حکومت ہے، بشرطیکہ خداوند تعالیٰ کی حقیقی حکمرانی و حکومت کا ظل و سایہ ہو، یہ بادشاہ مجازی وہ شخص ہے جو مدبر کہلاتا ہے، اور ایسا آدمی حقیقی طور پر سیاست دان ہے، سلطنت و مملکت ایسے ہی شخص کے شایان شان ہے، ایسی ممالک میں امن و امان کا دور دورا ہوتا ہے، عدل و انصاف حکمرانی کرتے ہیں، نظم و نسق سلطنت عقل و حکمت کی معاونت سے چلائے جاتے ہیں، تعلیم و تربیت عام ہو جاتی ہے اخلاقی فضائل اور نیک اعمال کی ترویج و اشاعت کیجاتی ہے، درحقیقت ایسے مملکت کا بادشاہ، آسمانی بادشاہت کا ظل و عکس ہے وہ خود حوش

مُدَبِّر

افلاطون کے نقطۂ نظر سے

از

سید محمد حسن صاحب رضوی بی۔اے (عثمانیہ)

مترجم مکالمات سیاسیہ افلاطونیہ

"مدبر" افلاطون کا نہایت اہم مکالمہ ہے، اس میں حقیقی مدبر کی تشریح ہے، اسکو دوسرے اشخاص مثل طبیب، استاد، معلم ورزش، غیب دان، ناخدائے جہاز، قاضی، قانون ساز سپہ سالار سے ممیز کیا ہے، سارے پیشہ وروں و اہل حرفہ سے مقابلہ کرکے اسکی شخصیت کو نمایاں کیا گیا ہے، اسکے فرائض منصبی، اہم و ممتاز ہیں حکومت و حکمرانی کا ماخذ بیان کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ منصب جلیلہ اعلیٰ و ارفع ہے جو ملک علی الاطلاق ہے، نہ کہ مطلق العنان مدبر تو سیاسی علم و عمل میں مہارت تامہ رکھتا ہے، وہ رعایا پر اقتدار کلی رکھتا ہے اسکے اختیارات قوانین کی ترمیم و تنسیخ و وضع میں مطلق ہیں، ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود کے خاطر قوانین نافذ کرتا ہے، ایسے شخص کا وجود مغتنم ہے، سزاوار حکومت ہے، اس کے زیر انتظام سیاسی حیات نشو و نما پاتی ہے، وہ خود غرض خود بین اور مغرور و متکبر نہیں ہوتا، اپنے ذاتی اغراض رعایا کے مقاصد پر قربان کر دیتا ہے، ان کو مسرت و آرام پہونچانے میں منہمک رہتا ہے، عدل و انصاف کا مجسمہ ہے، شجاعت و عفت کا پتلا ہے، اوصاف اخلاقی حکمت، صداقت، دیانت، تدبر و استقلال وغیرہ سے متصف ہوتا ہے، وہ اپنی مملکت میں نمایاں ہستی ہے، اس کی ذات مثل آفتاب کے درخشاں و منور ہے، اسکے فیض کی کرنیں مملکت پر سائر و دائر ہیں وہ شخص تو ملک یا بادشاہ ہے۔ اور خدا کا سایہ ہے، اگر ایسے چند افراد ہوں تو وہ مملکت اعیانی ہے، ایسے افراد جماعت کثیرہ رکھتے ہوں تو وہ مملکت عمومی ہے لیکن بادشاہ میں یہ فضائل بدرجہ اتم ہوتے ہیں، اس بنا پر تمام اقسام کے مدبرین میں افضل و برتر ہے، لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ چند افراد میں تمام اوصاف فرد فرد میں جمع نہیں ہو سکتے، اسلئے کوئی شجاع ہوگا، کوئی عفیف، کوئی حکیم، کوئی عادل

اب رہی کثیر جماعت ان خوبیوں میں کامل نہ ہوگی بلکہ تمام افراد ملکر ایک شخص واحد کے مثل ہو جائینگے۔

اس مکالمہ میں اسی موضوع پر بحث کی ہے، تمثیلات بعیدہ سے کام لیا ہے، تنزل تحریر، اختلاط توت ڈرامائی کی کمی نمایاں ہے اشخاص شریک مکالمہ دلچسپ افراد نہیں ہیں، بعض جگہ اہم مباحث میں پیچیدگی پیدا کر دی ہے۔ بے محل ظرافت بے موقع مذاق جگہ جگہ معلوم ہوتا ہے، اصول تصورات کی بجائے منطقی و نفسیاتی بیان دخل پاتا ہے، باقاعدہ تقسیم کا حامی ہے، جمہوریہ سے شعراء جلا وطن ہو چکے ہیں اسلئے ادب و شاعری کی لطافتیں کم ہوگئی ہیں، اصطلاحی الفاظ سے کام شروع کیا جاتا ہے، یہ تو ظاہر ہے جب مکالمہ میں شاعرانہ تخیلات سے سروکار نہ رہے تو وہ کلام پر لطف ہونے سے رہا، کامل تصوریت سے نکلکر عملیت میں قدم رکھتا ہے اس بنا پر اسلوب بیان و طرز ادا میں سختی پائی جاتی ہے، جو بھی جاری ہے مایوسانہ انداز میں حقائق حیات انسانی پر سرسری نظر ڈالتا ہے، لیکن فلاطونی فلسفہ کی تصوری حیثیت باقی ہے، اور ہنوز ایسے شہر کی تلاش ہے، جہاں کہ بادشاہ فلسفی بھی ہوں اور دیوتا بھی،

مکالمہ مدبر میں پہلے مکالمات کی سی شان و خوبصورتی نہیں ہے، عشق عاشقی، فصاحت و بلاغت، قاری کے دل پر اثر کرنے سے قاصر ہیں وہ خود طوالت بیان کا شاکی ہے وہ خود قائل ہے کہ وہ مثل بے ہنر بت تراش کے ہے جس نے بت کی شکل کو بدصورت کر دیا ہے، مناسب رنگ آمیزی یا تناسب کے اظہار سے عاجز ہے، وہ غلطیاں کرتا ہے لیکن صحیح کرنیکے لئے، اس مکالمہ میں ایلیائی مسافر کی معقول شخصیت نہیں ہے وہ صرف سیاسی نصب العین کا بیان کرنے والا ہے نظم

سقراط تو برائے نام ہے، مدبر کا طریقہ تحقیق منطقی تقسیم پر مبنی ہے، بہت سے فقرے ایسے ہیں جن میں ظرافت کا رنگ غالب ہے وہ ہیر کی قوت رکھتا ہے، یہ صرف مہندس تھیوڈورس کی موجودگی کی بنا پر کہا گیا ہے، منطقی و سیاسی بصیرت یہ ہے کہ یونان کو بربری اقوام سے الگ نہ سمجھنا چاہیئے سازش کی مثال دے کر انسان کا مذاق اڑاتا ہے، یونان کے غرور و نخوت کو توڑنے کیلئے بربری اقوام سے مقابلہ کیا ہے،

معقولی طریقہ استدلال یہ ہے کہ وہ بحث کے وقت ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق نہیں کرتا ہے، بلکہ غیر جانبدار رہتا ہے مثلاً یہ جہاں بیان کیا ہے کہ دو پایہ اور چار پایہ حیوان کا فرق ہے، وہاں دو پایہ میں انسان و چڑیوں کو ایک ہی ترازو میں رکھا ہے، اور اسی مناسبت سے بادشاہ کا مقابلہ چرواہے سے کیا ہے کہ وہ بکر اور ہلکی زندگی بسر کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب علمی تحقیق جاری ہو تو دوران بحث کوئی ایسا امتیاز نہ کرنا چاہیئے، جو مضمون تشنہ رہ جائے، بادشاہ، تو تعلیم و تربیت میں بہتر ہو، ورنہ بادشاہ کے حریف و مقابل ملازمین ہی میں سے پیدا ہو جائینگے۔

اپنے زمانہ کے سیاست دان افراد کا مذاق اڑاتا ہے کہ وہ بے اصول لوگ ہوتے ہیں، ہر دم خیالات بدلتے ہیں انکا کوئی اصول و معیار نہیں ہے، جدھر کی ہوا دیکھی اسطرف جھک گئے، ذاتی حرص و آز ان پر غالب ہوتی ہے، یہ لوگ ان بتوں کے مثل ہیں جو شیر و آدمی، یا بیل و آدمی، یا کتے و آدمی، یا دوسرے حیوانات کی سی صورتیں رکھتے ہیں، جلد جلد طباع بدلتے رہتے ہیں یا یہ باتیں سچی ہیں لیکن ظرافت میں لطف شاعری بھی ہے

فلاطون سیاسیات میں تصوری طریقہ استدلال پسند کرتا ہے۔ وہ شہر پسند ہے جسکا نمونہ عالم مثال میں ہے، یہ بنی نوع انسان کی نظم معاشرت کی حقیقی حالت ہے حقیقی معنی میں انسان حکمران نہیں ہے۔ خدا ایک ایسا گذرا ہے جس میں خدا خود حکومت کرتا تھا، ہماری تاریخ انسانی اسکے بعد شروع ہوتی ہے، جب وہ حفاظت و نگرانی بہ راہ راست قبول فرمائیگا تو اصلی حالت پیدا ہوگی، جب ایسی حکومت ممکن ہو تو حقیقی حکومت بہتر ہے جس میں حکیم و سیاست حکمران ہو، اپنے افعال کیلئے، رعایا کا جواب دہ نہیں ہے یہ صبر و قوت کی حکمرانی نہیں ہے۔ بلکہ علم و حکمت کی ہے، بادشاہ علم و فضل سے متصف ہو، سیاسی علم بادشاہ کو سزاوار ہے،

جب بادشاہ اس علم سے کماحقہ آگاہ ہو تو اسکی حکومت قانون سے بہتر ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قوانین کے تبدیل کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ مصلحت عامہ کے حسب حال عمل پیرا ہونے سے قاصر رہیگا، حالات بدلتے ہیں، اس بنا پر تبدیلی قانون ضروری ہے، وہ تو معاملات انسانی کی غیر محدود پیچیدگی سے واقف ہوتا ہے، اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی حکومت کے کاروبار چلانے میں کوئی قاعدہ یا ضابطہ نہیں ہے۔ یا مصالح ملکی و سیاسی کو پیش نظر نہیں رکھتا ہے، بلکہ ترمیم و تنسیخ پر قادر ہو تاکہ نظم مملکت برقرار رہے،

جہاں ایسا حقیقی حکمران بنی نوع انسان کو میسر آنا دشوار ہو تو صرف قوانین یا رسوم و رواجات کی پابندی کافی ہے تاکہ مملکت افراد کے حرص و آز سے مصئون رہے، دیکھئے، حاذق طبیب علاج معالجہ میں پابند قواعد نہیں ہے، وہ نسخوں کے مرتب کرنے اور مریضوں کے ہدایت دینے میں مختار ہے اگر وہ ہمیشہ چند قواعد طبی کی پیروی کرے جو ہر حالت و زمانہ کیلئے موزوں نہوں تو ظاہر ہے کہ ایسے مریض بہت جلد عدم کی راہ لیں گے، اسی طرح بادشاہ طبیب سیاسی ہے وہ تمام امور مملکت پر غور کرتا ہے، ایسے اصول و معیار مدون کرتا رہتا ہے، تاکہ حکومت کے کام بخوبی انجام پاتے رہیں لیکن حالات کے تغیرات سے آگاہ ہو کر تبدیلی کرتا ہے وہ ہی تو حکیم السیاست ہے،

فلاطون چھ قسم کی حکومتیں بیان کرتا ہے، وہ حکومت جس میں ایک فرد، رعایا کے فلاح و بہبود کی خاطر انتظام کرتا ہے، بادشاہ ہے اور اس کی حکومت بادشاہت ہے، جب ذاتی منفعت پیش نظر رکھے تو وہ حاکم جابر ہے اور اس کی حکومت جباریت ہے، اسطرح جب چند افراد کی حکومت ہو تو اعیانی، خواہ یہ عقلا، امرا و فضلا ہوں، جب اس کے برعکس تو عدیدیت اور وہ حاکم عدید، کل افراد مملکت سب کے فائدے کے لئے حکومت کریں تو عمومیت ہے اور ہر شخص ذاتی فائدہ ڈھونڈے تو جمہوریت اسکے زمانہ میں عمومیت کے ہم معنی ہے، فلاطون تو نظام سیاسی میں بادشاہ کو سب سے اعلیٰ و ارفع سمجھتا ہے، اس کو تمام اقسام سیاسی پر شرف تقدم حاصل ہے،

ایسا بادشاہ حقیقی قانون ساز ہے اس کی مرضی قوانین سے بالا ہے، تعلیم کی غرض و غایت مفہوم صداقت و عدل والانصاف پیدا کرنا ہے، بادشاہ مقدس ہستی ہے، وہ تو انسانی تعلقات میں نظم و ترتیب پیدا کرتا ہے، بادشاہ، ازدواج پر نگاہ رکھے، غیر مانوس طباع یکجا جمع نہوں، تاکہ تعلق ازدواجی مملکت پر اثر پذیر نہو، جمہوریہ میں تو حکومت فلاسفہ، اسباب اضداد مملکت قواعد ازدواج، تعلیم و تربیت کے اصول، اور دوسرے سیاسی مسائل کا مبسوط بیان ہے، مکالمہ مدبر تحریر کرتے وقت یہ سب خیالات پیش نظر ہیں اس میں خفیف سا ذکر کرتا ہے۔ اصلی غرض اس مکالمہ کی نوعیت و ماہیت مدبر ہے، عمل تقسیم و تقسیم سے حقیقی راعی، بادشاہ دریافت ہوتا ہے، بادشاہ کو اسکے حریفوں سے ممیز کیا ہے، ایک قدیم مشہور قصہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ربانی راعی انسانی راعی سے مختلف ہے سیاست کے سمجھانیکے لئے کپڑا بننے کے فن سے کام لیکر سمجھایا ہے، بادشاہ قاضی و سپہ سالار، قانون ساز ماتحت سے ممیز ہو جاتا ہے، اور بادشاہ کو اعلیٰ رتبہ سیاست میں دیتا ہے۔

فنون و علوم کا معیار کیا ہے، موضوع بحث اس معیار کا اثر ہے تحقیقات میں طریقہ معقولی سے کام لیا جائے، اسیطرح علم سیاست مدبر یا بادشاہ، کو دوسرے ضمنی اقسام حکمرانی سے ممتاز کر دیتا ہے، بادشاہ کی خصوصیت ہے علم السیاسیہ پر حاوی ہے قانون اور مکتوبی قوانین سے برتر ہے، وہ علوم جو سپہ سالار، قاضی، محتسب، وغیرہ سے بحث کرتے ہیں بہ لحاظ فرائض شاہی علم کے مد مقابل معلوم ہوتے ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تابع فرمان ہیں، بادشاہ کی اطاعت کرتے ہیں اسکے جانب سے مختلف خدمات انجام دیتے ہیں، وہ خود پرستی کا سرچشمہ و منبع ہے اور یہ انکا ماتحت، تو اسکے ادنیٰ ماتحت ہیں تعلیم سے یہ اصول واضح ہو جاتے ہیں، بادشاہ یا مدبر تو سیاسی بناوٹ کا تیار کرنیوالا ہے جیسا کہ جولاہا کپڑا بننے میں تانے بانے سے کام لیتا ہے، شجاع، عفیف، حکیم، عادل نظم معاشرت کے تانے بانے ہیں، بادشاہ اس میں نظم و ترکیب پیدا کرتا ہے، مدبر کے تصور کو مکمل کرتے ہوئے فلاطون ایک قصہ بیان کرتا ہے، جسکا ماحصل یہ ہے کہ خود خدا اس عالم کا ناظم و حکمران تھا، حیات انسانی پر امن تھی، دور حاضرہ کا دیوتا کرینس ہے، خدا کی حکومت میں انسان خاکی تھے، توالد و تناسل نہ تھا، نہ جائداد نہ املاک نہ خاندان تھے، جب دور جدید آیا حیات انسانی منتظم ہوئی، لیکن انسان لاچار و بیکس چھوڑ دیا گیا تھا، وحشی و موذی جانور ستایا کرتے، قابو پانے کی تدبیر نہ آتی تھی، تنازع البقا میں مبتلا تھا، علوم و فنون سے نابلد تھا، ضرورت و احتیاج کر رہے تھے، بھوک پریشان کر رہی تھی، نہ غذا معلوم تھی نہ اسکے وصول کا طریقہ آتا تھا، تب یونانیوں کے عقیدے کے موافق، پرومیتھس نے آگ مرحمت فرمائی ہیفیسٹس اور اتھنی نے فنون دیئے اور دوسرے دیوتاؤں نے تخم و پودے مرحمت کئے، اس طرح لباس، طعام، قیام، کا بندوبست ہوا، آزادی، ضرورت و احتیاج کے بارے میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے، خدا و فطرت کا تعلق نمایاں ہے اب محنت و مشقت سے اوقات بسر ہونے لگی، حیوانات پر قبضہ ہوا، اسطرح حالت معصومیت، ہبوط انسان، تنزل کے انحطاط اخلاقی بجائی یہ حالت سابقہ بہ امداد خدا، فنون کے فطرتی نشو و نما اور مہذب نظم و معاشرت کے بارے میں زرین خیالات پیش کرتا ہے، سردست اسپر روشنی ڈالنے کا موقع نہیں ہے،

خدا کے نائب کی ضرورت واقع ہوئی تاکہ نظم و انتظام کرے، امن امان کیلئے، راعی کی ضرورت پیش آئی، مملکت میں عدل و انصاف برقرار رکھے، اور خارجی دشمنوں سے ملک کے محفوظ رکھنے کیلئے، فوج رکھے، یہ کام مدبر انجام دیتا ہے ربانی حکومت کا ثمنیٰ ہے، نیکی و علم کیجانب رغبت ہے، وہ تو حقیقی معنی میں حکمران ہے اور اسی کی کامل حکمرانی ہے، اس کی سلطنت کامل و اتم ہے،

تصوری و حقیقی حالت میں فرق ہوتا ہے، اس طرح فلاطون دونوں حالتوں پر غور کرتا ہے، تمام زمانے میں عقلا کا یہ مسلک رہا ہے کہ کامل سکون اور امن کی فضا پیدا ہو لیکن صورت مکمل کبھی نہیں ہوئی ہے، تصوری حیات کو عملی حیات سے بعد ہی رہا ہے، ان سیاسی معیار و نصب العین پر رد و کد ہوتی رہی ہے فلاطون خود محسوس کرتا ہے کہ ربانی حکومت کا تصور اس عالم میں عملی جامہ مشکل سے پہنے گا، اس سے دوسرے درجہ پر وہ حکومت ہے، جو نیکی و علم سے متصف ہو، خود مدبر علم و عمل میں کامل ہے، نیکی و فن سیاست میں اصول وسطیٰ اختیار کرکے

ارسطو نے اسی اصول کو اخلاقیات کی علم میں معیار افراط و تفریط قرار دیا ہے، سیاست علم معقول سے نسبت رکھتی ہے، بادشاہ ہی اسکے علم سے واقف ہے، کامل ملک، و عاقل بادشاہ ہے، قوانین سے افضل ہے، وہ زمانہ کا نبض شناس ہے، ایسا حکمران رعایا کے ساتھ تعاون و موالات کرتا ہے، وہ قوانین میں فرائض و جوبات

آزادیوں، ذمہ داریوں کا خیال رکھتا ہے، لیکن حالات بدل جائیں تو تبدیلی یہ اسکولسٹزم بنی آتی ہے، حقیقی حکمران تو وہی ہے جو رعایا کے حیات کے اہم امور پر غور کرتا رہے کہ وہ کس کس قسم کی سیاسی حیات سے گذر رہی ہے اور تصوری حکمرانی کو زندگی کے واقعی احوال سے متعلق کردے، اسی طرح وہ تصوری معیار علمی نصب العین میں منتقل ہو جائیگا۔

مملکت کی فلاح و بہبود کی بنیاد یہ تعلیم میں مضمر ہے جو تعلیم پانے سے گریز کریں ان کو قانون سے مجبور کیا جائے، تعلیم تربیت مملکت کیلئے، لازمی اجزا ہیں، رعایا کی خوشحالی و بہتری کے لئے تھوڑی بہت سختی کرنا چاہئے، افلاطون کے زمانے میں مملکت ایک شہر پر مشتمل ہوتی تھی وہ شہری مملکت کہلاتی تھی اس مقام کے حکمران ازدواجی تعلقات پر نظر رکھتے تھے، تمام افراد شہر جن کی کل آبادی چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہوتی تھی یہ آزاد افراد ہوتے، افلاطون اس تعداد سے زیادہ کا حامی نہیں ہے، شادی بیاہ بادشاہ کے ایماء و مرضی سے ہوا کرتے تھے،

یونانی اقوام قانون کو مقدس سمجھتی تھیں، جس طرح شریعت اسلامی مسلمانوں کا قانون ہے اور دھرم شاستر ہندوؤں کا قانون ہے، یہ عطیہ خداوندی سمجھا جاتا ہے، لیکن مکالمہ میں افلاطون بادشاہ کو قانون سے زیادہ فوقیت دیتا ہے، بات یہ ہے کہ مقررہ قوانین میں ظلم و زیادتی کی بہت گنجایش ہے، جب مختلف حالات میں ایک ہی ضابطہ و قانون عمل درآمد ہوتا رہے، سیاسی نظم معاشرت تغیر و تبدل ہوتی رہی ہے، عاقل و دانا حکمران لاتعداد اختلافات حالات کے مناسب تبدیلی کرتا ہے، بعض وقت اقتدار شاہی جابرانہ معلوم ہوتا ہے، لیکن قانون سازی میں یہ ضروری ہے، جبکہ عقل و حکمت ساتھ ساتھ ہو، بہترین نتائج پیدا کرے گی،

مدبر کا بہترین کام اصلاح ہے، لیکن اسکا تجربہ یہ ہوتا ہے کہ ادارات جدید اور قدیم شعائر میں تصادم ہوتا ہے، یہ کوئی مصنوعی اشیا تو نہیں ہیں کہ جو چاہا کر دیکھا، جس چیز کیلئے قوم تیار نہ ہو تو سب اختلافات بیکار ہیں، قوانین تک فضول ثابت ہوتے ہیں، ایسی صورت میں مدبر ذرا سختی سے کام لیتا ہے، گو کتنا ہی بڑا بادشاہ ہو اور کیسی ہی اعلیٰ عقل ہو، ترقی کے دوڑ میں دو چار قدم چل کر تھک جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کے تمام مدارج حیات آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہیں، بادشاہ بت تراش یا کوئی دوسرا پیشہ ور تو ہے نہیں کہ چند ایام میں بتوں اور دوسرے مصنوعات کا ڈھیر لگادے، امور سیاسی بہت سست رفتار ہوتے ہیں، اسی بنا پر علم السیاست کیا کامل حزم و استقلال کی ضرورت ہے یہ دوسری بات ہے کہ موقتی انقلاب سے تمام ادارات کی کایا پلٹ ہو جائے۔

رواقیہ کا خیال تھا کہ عاقل جو نیکی میں کامل ہے، وہ تصوری طور پر بادشاہ ہے،

غرض یہ ہے کہ جہاں تک حکمرانی کا تعلق ہے نیک و عادل شخص ہے، تو ایک کی حکومت اچھی ہے اگر بد و ظالم ہے تو چند افراد کی، اگر یہ بھی بد ہوں تو عوام کی حکومت بہتر ہے بہر حال

ملاحظہ ہو صفحہ (۲۷) کالم (۱)

چارمینار کی گپ

ایک بونگے کے قلم سے

"کیوں جناب یہ لفظ گپ کس زبان کا نام ہے؟ جھوٹ اور گپ میں کیا فرق ہے؟"

"گپ"! گپ محض جھوٹ نہیں۔ اور جھوٹ محض گپ نہیں"

"مثلاً"

"مثلاً" یہ کہ رودموسیٰ کی طغیانی کے بعد یہ افواہ پھیلی تھی کہ سرکار اب ندی ہی کو بند کرنے والی ہے تاکہ آئندہ ایسی طغیانی ہو نہ اسطرح ہزاروں جانوں کا نقصان ہو۔ کہا گیا کہ یہ گپ ہے۔ حالانکہ کچھ ہی عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ عثمان ساگر کا اسکیم تیار بھی ہوا اور وہ مکمل ہو گیا۔"

"جناب ڈارون صاحب نے کہا کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔ اور کہنے لگے کہ بندر سے انسان تک ارتقار کے تمام نمونے ملتے ہیں صرف ایک آخری کڑی نہیں ملتی۔ اس گمشدہ کڑی کی تلاش میں بیسیوں سال گذر گئے۔ وہ کڑی ہی ملی اور نہ جناب بوزینہ انسان کے باپ ہی کہلائے۔ تو پھر یہ گپ ہے نا؟

"ہاں مگر نہیں"

"ذرا گپ کی منطقی تعریف بیان فرمائیے تاکہ ہم خود اس کسوٹی پر کس کر گپ کی جنس کو علحدہ کر دیا کریں یہ ہے کس زبان کا لفظ؟"

"گپ اصل میں قدیم مصری زبان کا لفظ ہے۔ تجارت کے ساتھ یہ لفظ بھی جزیرہ اقریطس میں پہنچا۔ وہاں کے عرب تاجروں نے اسے بابل پہنچایا۔ بابل سے یہ لفظ نینوا ہوتا ہوا یونان پہنچا۔ یونانیوں سے یہ لفظ افلاطون کے فلسفے کیساتھ مسلمانوں میں آیا اور محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ ہندوستان پہنچا لیکن ہندو علماء کا دعویٰ ہے کہ اسکا فخر قدیم ہندوستان کو بھی حاصل رہا ہے۔ چنانچہ سنسکرت میں اسکے شواہد مل سکتے ہیں۔"

"جناب یہ تو گپ ہے"

"یہ آپکے سوال کا جواب ہے۔ گپ کسی زبان کا لفظ ہو آپ کو اس سے کیا کام آم کھانے سے کام رکھیے پیڑ گننے سے فائدہ؟ مزے گپ اڑائیے، گپ کی تحقیق سے نتیجہ۔ گپ کی منطقی تاریخ یہی ہے کہ دل اس کو گپ سمجھے۔ اسکے لئے گپیوں کا ذوق چاہئے۔ اگر کسی میں گپ کا ذوق نہیں تو وہ گپ سمجھنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ اکثر مغربی ممالک میں مذاق گپ مذاق شعری طرح غائب ہے نتیجہ یہ کہ وہ کسی چیز کو گپ نہیں سمجھتے اسی وجہ سے ڈارون صاحب کی باتوں کو بھی سچ سمجھتے ہیں۔"

*　　*　　*　　*　　*

ہماری اردو زبان ماشاء اللہ روز بروز ترقی کرتی جارہی ہے۔ اسکی ترقی کسی خاص ملک کا اجارہ نہیں ہر فرقہ خواہ مسلمانوں کا ہو ہندوؤں کا ہو یا عیسائیوں کا اسکے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکالتا ہی رہا ہے۔ اسطرح ہر ایک نے کچھ نہ کچھ اس کی خدمت ضرور کی۔ دکن کا کتنا احسان ہے کہ اس ملک نے اس زبان کا پہلا شاعر اور پہلا نثر نگار پیدا کیا۔ اب پہلی اردو یونیورسٹی بھی یہیں قائم ہوئی ہے۔ ان ظاہری مادی خدمتوں کے علاوہ خطہ حیدرآباد نے اردو زبان کو مالا مال کرنے میں بہت خاموش اور غیر نمایاں کام بہت کچھ کیا ہے۔ بہت سی اصطلاحیں یہاں تیار کی گئیں۔ بہت سے محاورے یہاں بنے۔ کئی نئے الفاظ سلک ہوئے اور سب سے پرلطف یہاں کے محلات کی زبان ایک عجیب و غریب تغیر کے ساتھ عالم ظہور میں آئی منجملہ بہت سی باتوں اور بہت سی

اصطلاحوں کے ایک اصطلاح "چارمینار کی گپ" ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا گپ کی تعریف یا چارمینار کی گپ کی تعریف کرنا ایک بے فائدہ چیز ہے لیکن چارمینار کی گپ کو عام گپ سے تمیز کرنا آسان ہے "چارمینار کی گپ" کو عام گپ سے وہی نسبت ہے جو غالب کے شعر کو دوسرے شاعر (باستثنائے چند) کے شعر سے ہے۔

نمونے کے طور پر یہاں چارمینار کی بے تار کی خبریں درج کیجاتی ہیں جو رائٹر ایجنسی کی نہیں "بوزنگا ایجنسی" کی پہنچائی ہوئی ہیں:-

تاریخی

چارمینار ۳۱ فبروری ۱۷۸۲ء

آج بڑا لاٹ یہاں آگیا۔ دوپہر میں ڈیوڑھی مبارک پہنچ محلہ میں سرکار نظام علی پاشا کے دربار میں حاضر ہوا۔ ماما جمیلہ کو سرکار کا حکم ہوا کہ لاٹ کیوں آیا ہے معلوم کرو۔ ماما جمیلہ نے باہر جاکر دریافت کیا۔ بڑا لاٹ بولا "ول ہم نظام کو دیکھنا مانگتا ہے،" یہ انگریزی جملہ ماما جمیلہ کے سمجھ میں نہیں آیا۔ نواب مختار الملک بہادر نے فرمایا "اجی ماما جی سرکار سے دست بستہ عرض کرو کہ بڑے لاٹ صاحب سرکار کے قدم دیکھنے حاضر ہوے ہیں۔"

ماما جمیلہ اندر چلی گئیں اور سرکار کی خدمت میں یہ عرض کر دیا۔ نظام علی بادشاہ نے تخت پر آرام فرماکر دوشالہ اوڑھ کر پاؤں باہر نکال دئے۔ بڑا لاٹ اندر آیا اور قدم دیکھکر چلا گیا۔

بیرونی

چارمینار ۲۷ دسمبر ۱۹۲۷ء

امیر کابل حبیب اللہ خاں کی صاحبزادی کا پیغام چین کے شہزادے ولی عہد جنگ چانگ جونگ سے طے ہو گیا ہے، دولہن پیرس میں پہنچ بیٹھی ہے، دولہن کے بھائی سابق کے انتظام میں انگلستان گئے ہیں۔ برات بمبئی پر سے ہوتی ہوئی چارمینار پر ٹھیر گئی اور وہاں سے دیوان کی ڈیوڑھی پر سے ہوتی ہوئی سیدھا کابل پہنچے گی۔ برات کا تماشا دیکھنے کے شایقین چارمینار اور پتھر گٹی کی سڑکوں پر کی گلیاں اور بنگلے کثرت سے کرایہ پر لے رہے ہیں اور کرایہ بہت بڑھ گیا ہے۔

ہندوستانی

چارمینار ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء

اب کی دفعہ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں یہ قانون پاس ہوا ہے کہ آیندہ سے سلمانوں میں کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو خواہ گاے کی قربانی پر ہو یا مسجد کے آگے تالی بجانے پر۔ آیندہ سے جو کوئی ہندو مسلمان اس کے خلاف کرےگا اس کی سزا تین لعنت ایک حقہ کا پانی ہوگا۔

ملکی

چارمینار یکم اپریل ۱۹۳۵ء

آج شہر میں بڑی دھوم دھام رہی ہمارے ایک معزز نواب صاحب کے ایٹ ہوم میں مصطفےٰ کمال پاشا سلطان روم تشریف لائے تھے، سلطان روم کو نواب صاحب نے وعدہ لیا ہے کہ وہ آیندہ سے ترکی میں بہری نماز کا قانون پاس کر دینگے اور غازی نے نواب صاحب سے وعدہ لیا ہے کہ وہ آیندہ سے حیدرآبادیوں کو انگریزی ٹوپی اور کوٹ پتلون پہننے کا قانون لیجسلیٹو کونسل سے منظور کرائینگے۔ شہر میں تمام مرد کوٹ پتلون اور ٹائی سے لدے ہیں اور عورتیں چھوٹے چھوٹے سائے اور بڑے بڑے موزے پہن رہی ہیں۔ ترکی میں جانمازوں اور تسبیحوں کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے، کیونکہ لوگ کثرت سے خرید رہے ہیں۔

مقامی

چارمینار ۸ جنوری ۱۹۲۵ء

آج نواب مستشار الملک بہادر نے اپنے ایک شاگرد پیشہ سے خوش ہوکر بکمال لطائف امیرانہ اس آم کی دو قاشیں عنایت فرمائیں، شاگرد پیشہ مذکور جھک کر پانچ آداب بجالایا۔ کہا جاتا ہے کہ آم کی قاشیں بہت چھوٹی اور خوبصورت ہیں۔

علمی

چارمینار ۹ جنوری ۱۹۲۵ء

آج یہاں رسالہ اخبار و رسائل کی کانفرنس کا ایک اہم جلسہ ہوا جس میں حسب ذیل اہم امور زیر غور تھے۔

مسئلہ نمبر (۱) اکثر قارئین کرام رسالہ یا اخبار پڑھنے سے پہلے مطلب سمجھ جاتے ہیں اور مطلب سمجھنے سے پہلے ایڈیٹر کے نام خط تحریر فرماتے ہیں کہ فلاں چیز فضول ہے، یا فلاں تحریر کا کیا مطلب ہے۔ یا یہ کہ آپنے اس مضمون کو ایسا کیوں نہ لکھا۔ یا فلاں عبارت غلط ہے وغیرہ۔

سوال یہ تھا کہ ایسی تحریروں کی نسبت کیا تدبیر اختیار کیجائے۔ مباحثہ بہت گرماگرم رہا اور بہت سی تدبیریں پیش کی گئیں۔ آخر میں جناب سعیدی صاحب شریک مدیر رسالہ "بغلول" نے یہ تحریک پیش کی جو بغلبہ آرا ہوئی۔ وہو ہذا۔

"یورپ کے ماہر فن ڈاکٹروں اور سائنس دانوں سے درخواست کیجائے کہ وہ ہمیں کوئی ایسا نسخہ ایجاد کر کے دیں جس کے ذریعہ سے ہم ایسے قارئین کرام کی خدمت میں رسالہ یا اخبار کے ساتھ تھوڑا سا دماغ پارسل کے ذریعہ بھیج سکیں تاکہ قارئین کرام اخبار کے پڑھنے سے پہلے اس دماغ کو کام میں لائیں اور خط و کتابت کی زحمت سے بچیں۔"

تکیہ کاظمی صاحب مدیر اخبار رن منڈل (کنڑی) نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اگر ایسا نسخہ مل گیا تو وہ قارئین کرام کی خدمت میں نہیں بلکہ بعض مدیرین اخبار کی خدمت میں بھی بھیجا جانا چاہیئے کیونکہ چارمینار، چارمحل، اور چادر گھاٹ کے بعض مدیرین اخبار و رسائل کو بھی اس کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

مسئلہ (۲) بعض معزز مضمون نگار بڑی محنت اور تلاش سے زحمت فرماکر اپنی دوا یا کتاب کا کوئی مطبوعہ اشتہار غرض اشاعت برائے فلاح و بہبود قوم روانہ فرماتے ہیں اور بعض مضمون نگار بڑی تکلیف اور تحقیق کے بعد بعض اخبارات سے مفید قوم و ملت مضمون نقل فرماکر روانہ فرماتے ہیں اور بعض معزز مضمون نگار بطور عنایت خاص اپنے کسی مضمون یا کلام کو بطور صدقہ جاریہ کئی کئی اخباروں یا رسالوں میں روانہ فرماتے ہیں

اس مسئلہ پر بڑی بحث ہوئی اور کوئی تجویز منظور نہو سکی صرف عارضی طور پر یہ طے ہوا کہ ایسے معزز مضمون نگاروں کی خدمت میں یہ استدعا پیش کیجائے کہ اتنی زحمت فرمانیکے بجائے صرف حوالہ نمبر و ماہ رسالہ ایک کارڈ پر لکھ بھیجا کریں مزید سہولت کیلئے مندرجہ ذیل نمونے تیار کئے گئے۔ لائق مضمون نگاروں کو جس جس نمونے کی ضرورت ہو اس کو چند سو کی تعداد میں چھپوالے اور صرف تاریخ اور دستخط ثبت کر کے اطمینان سے ایک ایک خادم اخباروں کے دفتر پر بھیجدیا کریں۔ نمونے حسب ذیل ہیں۔

مدیر صاحب اخبار حلیم گزٹ (یا جو نام ہو)

تسلیم۔ وکن کے مشہور اخبار صحیفہ کی کل کی اشاعت سے آخری صفحہ کے دوسرے کالم کا پہلا اشتہار آپکے پرچہ کے ایڈیٹوریل میں فوراً شائع فرما دیجیے۔ کیونکہ یہ اشتہار ملک اور قوم کیلئے بیحد مفید ہے۔ اور ہماری قوم بغیر اسکے ترقی نہیں کر سکتی اور مہاتما گاندھی کے خیال کے مطابق بغیر اسکے سوراج بھی نہیں مل سکتا۔

راقم

خادم قوم

الف۔ ب۔ ت

مدیر صاحب اخبار حلیم گزٹ (یا جو نام ہو)

تسلیم۔ کل شام کے پانچ اور چھ بجے کے درمیان چارمینار پر جو اشتہار مرض سخت اور صنفی بیماریوں کے علاج کے متعلق تقسیم ہوا ہے وہ قوم اور ملک کیلئے از حد مفید ہے۔ ہماری قوم بغیر تندرست رہے کے نہ ترقی ہی کر سکتی ہے اور نہ سوراج ہی حاصل کر سکتی ہے۔ پس براہ کرم ایسے ضروری اشتہار اشتہار کو فوراً اپنے اخبار میں شائع کیجئے۔ اور قوم کو ان دواؤں کے استعمال کرنے کی ترغیب دلائیے۔

راقم خادم قوم

حکیم ابو..... ا۔ ب۔ ت..... ۃ الحکماء

شاگرد خاص حکیم..... ۃ الحکماء

سند یافتہ و متوسلی خاص حکیم..... ۃ الحکماء

و مہری خاص حکیم..... ۃ الحکماء رحمۃ اللہ علیہ

مدیر صاحب اخبار حلیم گزٹ (یا جو نام ہو)

تسلیم۔ رسالہ بغلول کے آیندہ نمبر میں میری جو نظم شائع ہوگی وہ تاریخ ادبیات اردو میں خاص امتیاز رکھتی ہے اگر کوئی امر مانع نہو اور کوئی تکلیف نہو تو اس نظم کو فوراً اپنے اخبار میں شائع کر دیجئے اور اسکو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے ڈاکٹر اقبال کے شکوہ کے بعد سے ابتک کوئی نظم ایسی پر جوش نہیں لکھی گئی جو قوم کو ایکدم بیدار کر دے اسکے چھاپنے میں ہرگز دیر نہ کیجیے اور اگر کوئی امر مانع نہو اور کوئی تکلیف نہو تو جس پرچہ میں میری وہ نظم چھپے اسکے پانچ پانچ پرچے میرے ہر ایک دوست

ملاحظہ صفحہ (۳۹)، کالم (۲)

قطعات تہنیت

جشن سالگرہ مبارک

از

نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مدظلہ

گرہ کے جشن نے پھر رنگ بوستاں بدلا گلوں نے جامہ عنادل نے آشیاں بدلا
نصیب شاہ میں ایسی حیات ہی جس سے خضر نے سلسلۂ عمر جاودان بدلا

عروس سالگرہ کیسی جلوہ ریز ہے آج نسیم صبح طرب کیسی مشک بیز ہے آج
نوائے ساز کا کیا ذکر بزم شاہی میں یہاں جو تار نفس ہے وہ نغمہ خیز ہے آج

دن آج وہ ہے جس پہ سعادت کو ناز ہے جشن آج وہ ہے جس پہ مسرت کو ناز ہے
معراج مصطفےٰ پہ ہے ماہ رجب کو ناز ماہ رجب پہ شہ کی ولادت کو ناز ہے

عثمان میں پانچ حرف ہیں جو آشکار ہیں نقطے ہیں چار جو گہر شاہوار ہیں
اس سے کھلا یہ راز کہ حامی حضور کے روز ازل سے پنجتن و چار یار ہیں

رباعی تہنیت سالگرہ مبارک

از ابوالفیض صاحب فیاض (حیدرآبادی)

جو بات ہے شہ میں وہ کسی میں ہے کہاں یہ بات کسی اور سخی میں ہے کہاں
ہے بخشش عثمان علیخاں کچھ اور فیاض ایسا زمانہ ہی میں ہے کہاں

قصیدہ

در مدح سلطان العلوم اعلیحضرت خسرو دکن

تتبع ذوق دہلوی

از نواب حیدر یار جنگ بہادر مولوی سید علی حیدر نظم طباطبائی (لکھنوی)

عطارد تیرے اورنگ حکومت کا ثنا گر ہو
ضیا میں بڑھ کے زہرہ سے ترے طالع کا اختر ہو
یہ یاد دور دور مشتری ہو بلکہ بہتر ہو
ترا ہر حکم محکم بڑھ کے ہو سد سکندر سے
ترے انصاف و عدل و رافت مظلوم پرور سے
دہائی تری ہو عالم میں اور تو داد گستر ہو
تجھے اے آصف سابع ملے اوج سلیمانی
رہے مجرائیوں میں شان فغفوری و خاقانی
یہ چوکھٹ سجدہ گاہ تغلق و محمود و سنجر ہو
ترے دربار میں گر بار ہو تو نذر دے اکبر
ترے القاب میں عالم میں تیرے نام نے شہر
ترا سکہ نہ تنہا فلس ماہی زمیں پر ہو
فلک اک سایۂ افتادہ تیرے قصر عالی کا
گماں ہے منطقہ پر صاف فانوس خیالی کا
یقیں ہے نسر طائر کا یہاں بیکار شہپر ہو
ترے قبضہ میں ہو تاج کیانی تخت طاؤسی
کہ جس جا پر جھکا ہو آسماں بہر زمیں بوسی
ملے قصر فلک پیما سلامی تیری جب پر ہو
قمر حیراں ہو طلعت سے گہر غلطاں ہو حسرت سے
اسد لرزاں ہو صولت سے فلک دو بیت نعمت سے
ترے دامان قدرت سے تجمل دریا و اخضر ہو
ترا بدخواہ جو ہو مورد تعزیر ہو جائے
جو ہو طول عمل وہ پاؤں کی زنجیر ہو جائے
فعال اسکی ہو بر بطہ ورد دل پر کینہ مضمر ہو

کمر خنجر بسا تیرے شغد مریخ جوہر ہو
قمر نخچیر شیر اور مہر تاباں مے کا ساغر ہو
تیرے زرنگین مانند کیواں صفت کشور ہو
جہاں کے خشک و تر پر تیرا باران کرم برسے
فلک کانپے زمیں لرزے جفا سے ستم تر سے
سدا ذرکا بجے بال ہما کا چتر سر پر ہو
دکن کو تیرے دم سے ہو سدا دعوئ کنعانی
در دولت پہ تیرے فخر ہو دارا کو دربانی
یہ گھر وہ ہو جہاں آئینہ داروں میں سکندر ہو
فلک اختر زمیں جوہر شگوفہ زر صدف گوہر
فریدوں فر و بار یاب قیصر قیصر و دارا در
نہ کامل ہو درہم اشرفی خورشید خاور ہو
کہ عالم ہے جہاں برج اسد پر شیر قالی کا
نہیں ہے ماہ نو خاکہ ہے اک طاق ہلالی کا
کہ اونچا ہے کلس اسکا رسائی تو کیونکر ہو
رہے محفل میں رعب نو جمشیدی و کاؤسی
ادب کرتا ہو سرگوشی ظفر کرتی ہو جاسوسی
وہ اک گرجا ہوا موتی ہو جو گرد و پیش اختر ہو
ہو اگریاں ہو ہیبت سے چمن خنداں ہو رافت سے
ظفر وابستہ ہمت سے قدر پیوستہ قدرت سے
ہمیشہ کشتی درویش عزت آب گوہر ہو
کہ نالہ کھینچ کے اسکے حلق کو شمشیر ہو جائے
ہوا اپنے ہاتھ ہی قتل آپ ہی تشہیر ہو جائے
کرے جو آہ محفل کا تیرے دود عنبر ہو

مسدّس تہنیت

محمد سعید صاحب بی۔ اے

بہار آئی ہے کی فصل گل نے گلکاری تمام مرغ چمن پر ہوئی خوشی طاری
برس رہا ہے عجب ابر رحمت باری، ہوئی ہیں کوثر و تسنیم جابجا جاری
لطافتوں میں ہے ڈوبی ہوئی ہوا ساری
فضائے دشت ہے ہمرنگ چرخ زنگاری

جو دیکھئے۔ تو ہر اک گل بنا ہے وہن خنداں جو سونگھئے۔ تو ہر اک شاخ گل ہی عطرفشاں
ترانہ سنج ہیں گلشن میں مرغ خوش الحاں کیا سوال جو میں نے۔ یہ کیا ہے آج سماں؟
کہا یہ دل نے، جو ہے ظل حضرت باری
اُسی کی سالگرہ کی یہ سب ہے تیاری

یہ مژدہ جوں ہی سنا اور نظر پڑا یہ سماں اُٹھا مدیح سرائی کا دل میں اک طوفاں
زباں نے کھولدئے اپنے گنجہائے نہاں کہا یہ دل نے کہ نکلینگے اب مرے ارماں
خیال کرنے لگا مدح شہ کی تیاری
دماغ کرنے لگا خود بخود گہر باری

ہوا جو ختم تیتالیسواں برس امسال عروج اوج پہ آیا ستارۂ اقبال
بڑھا شکوہ امارت کے ساتھ جاہ و جلال ہوا ہے لطف الٰہی سے ملک مالا مال
عیاں جو ظل خدا کی ہے شان دینداری
سماں ہے یاد خدا کا قلوب پر طاری

کلام شہ سے ہے پیدا کرشمۂ اعجاز زباں ہے منہ میں کلید در خزانۂ راز
وہ نکتہ سنج طبیعت کہ ہے فلک پرواز وہ رنگ نظم کہ فکر سخن کو جسپہ ہو ناز
کیا ہے سکۂ فصاحت کا ملک میں جاری
سخنوران جہاں کرتے ہیں پرستاری

کھچا وہ عہد ہمایوں میں عدل کا نقشا کہ ہیچ سامنے جسکے ہے عدل کسریٰ کا
رہا زمانے میں باقی نہ ظلم کا کھٹکا ستمگری نے اُڑایا ہے عدل کا خاکا
بڑھا زمانے میں یہ شیوۂ وفاداری
کہ مٹ گئی دل اعدا سے بھی جفاکاری

الٹوں کا وہ اوج و عروج پر لانا وہ بند و بست اراضی کا جال پھیلانا
[illegible]ں میں ولولۂ علم کا وہ اکسانا وہ جامعہ کا تخیل وجود میں لانا
جو تھا فریضۂ سلطانی و جہانداری
ہوئی ہر ایک کی تکمیل سے سبکساری

کھلے مدارس تعمیر و صیغۂ تعلیم علاج خانۂ طب جدید و طب قدیم
تمام قحط زدوں کو ہوئی مدد تقسیم علاج اُن کا ہوا تھے جو لاعلاج سقیم
مٹی جہالت و بدنظمی و دل آزاری
رفاہ عام کے جو کام تھے ہوئے جاری

شعاع علم و ہنر سے ہوا دکن روشن ہر ایک مدرسہ ہے علم و فضل کا معدن
ہر ایک صاحب تدریس ہے ارسطوئے فن ہر ایک ماہر فن رشک ملٹن و نیوٹن
ہوئی ہے علم و ہنر کی یہ گرم بازاری
کہ فخر اہل ہنر کی ہے ناز برداری

وہ پختہ سڑکوں کی تعمیر ملک میں ہر جا وہ کارخانوں کی ایجاد، گرنیوں کی بنا
وہ حرفتوں کا تجسس و ریل کا اجرا وہ آبپاشی کی اصلاح زینت صحرا
وہ ملک بھر میں تجارت کی گرم بازاری
ہیں عہد آصف سابع کی برکتیں ساری

زمین شعر تھی تنگ اور داستاں تھی دراز کیا گیا انھیں مجبوریوں سے یاں ایجاز
غلو سے پاک ہے میرے کلام کا انداز ہے میری نظم میں ہر نفس واقعہ کا طراز
جو بات حق تھی زباں پر وہی ہوئی جاری
گئی نہ مدح طرازی میں راست گفتاری

سعید وقت دعا کا نہ ہاتھ سے جائے اثر کھڑا ہے تمنا میں ہاتھ پھیلائے
وہ التجا نہیں اسوقت جو نہ بر آئے وہ مدعا نہیں اسوقت جو نہ ہاتھ آئے
اُٹھا کے ہاتھ یہ کر التجا کہ اے باری
ابد تلک شہ عثماں کی ہو جہانداری

سواد چرخ پہ ہے تابساط زنگاری ہے تابنات سے فرش زمیں کی گلکاری
سحر سپید ہے جبتک، شفق ہے گلناری زمیں پہ تابہ مہ و مہر کی ضیا باری
جہاں میں آصف سابع کی ہو عملداری
کریں جلال و حشم شہ کی کفش برداری

شعاع مہر سے جبتک کہ روز ہے روشن قمر کے ضو سے ہے جبتک کہ رات کا
گلوں کے حسن سے جبتک ہی پر فضا گلشن ترانہ سنج ہیں جبتک چمن میں مرغ چمن
ہمیشہ سکہ و خطبہ ہو شاہ کا جاری،
زمین جتنی ہے زیر نگیں رہے ساری

سعید جشن ہو نفتہ مراد مل جائے نہال دولت و اقبال کا ثمر لائے
عدو کا صفحۂ گیتی سے نام مٹ جائے جو دل میں شہ کے تمنا ہو جلد بر آئے
رہے ترقی دولت کی گرم بازاری
عطا و بخشش و جود و سخا رہے جاری

مسدس دعائیہ

حضرت سید ابراہیم صاحب عفو

افق پر چرخ کے جبتک طلوع مہر رخشاں ہو ضیائے مہر کا محتاج جبتک ماہ تاباں ہو
فلک اختر سے جبتک غیرت بزم چراغاں ہو ذریعہ رحمت باری کا جبتک ابر باراں ہو
چمن میں تا نوا سنجی مرغ خوش الحاں ہو
خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علیخاں ہو

ذریعہ زندگی کا خلق کے جبتک رہے پانی وجود انساں کا جبتک ہو فخر بزم امکانی
ہو جبتک بادشاہوں کیلئے زیبا جہانبانی الٰہی ہو مبارک شاہ کو یہ سلطنت رانی
جہاں میں جب تلک نام رعیت اور سلطاں ہو
خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علیخاں ہو

رہے باغ جہاں میں جب تلک گر گل و بلبل دل عشاق ہو جبتک فدائے گیسوئے سنبل
صبا کی چال مستانہ ہو اور خنداں ہو جبتک گل کرے ساغر پہ جھک کر جب تلک مینائے مے قلقل
حسینان جہاں کی زلف جبتک عنبر افشاں ہو
خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علیخاں ہو

دہن میں ہو زباں جبتک زباں کی ہو سخن زینت سخن آب بقا کی جب تلک رکھتا ہو خاصیت
زباں معیار ہو تو دنی ترقی کی بہر حالت سخن سے قدرداں کی دہر میں جبتک ہو شہرت
محبت شاہ کی جبتک شعار نوع انساں ہو
خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علیخاں ہو

الٰہی عمر اور اقبال شہ کا روز افزوں ہو ریاست آپکی ہر فتنہ سے محفوظ و مصؤں ہو
جہاں الطاف شاہانہ سے ممتاز او ممنوں ہو یہ عہد حضرت عثمان رشک عہد ماموں ہو
کرم سے تیرے یارب شاہ کی ہر مشکل آساں ہو
خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علیخاں ہو

صدف میں جب تلک گوہر ہو اور شمشیر میں جوہر رہے الماس معدن میں گلوں کے جیب میں ہو زر
سریر آرائے تخت شرق ہو جبتک شہ خاور رہے اقبال ہمدم شاہ کا اور بخت ہو یاور
دعا یہ بادشہ کے حق میں اپنا عین ایماں ہو
خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علیخاں ہو

رہیں اے عفو جبتک یہ زمین و آسماں باقی رہے تا حشر اس باغ دکن کا باغباں باقی
رہے یہ بادشاہت اور اسکی عز و شاں باقی تمنا ہے یہ - یا بانی رہے جبتک جہاں باقی
تو ہی اس بادشاہ اور شاہزادوں کا نگہباں ہو
خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علیخاں ہو

قطعہ تاریخ از میر لطف علی صاحب عارف

ہزار سال کی ہو عمر بادشاہ دکن ہر ایک سال اسی شان سے ہو سالگرہ
بجاہ و حشمت و اقبال سال کہہ عارف ہزار بار مبارک ہو شہ کو سالگرہ
سنہ ۱۳۳۰ف

مسدس تہنیتیہ

از

محمد حبیب اللہ صاحب وفا - پی - ڈی - ایچ -

افق پر چرخ کے جبتک طلوع مہر رخشاں ہو ضیائے مہر سے اکسب نور ماہ تاباں ہو
جہاں مشعل سے مہر و مہ کے تا بزم چراغاں ہو جہاں ہو اور جہانباں میر عثمان علیخاں ہو
اسی کے نام سے سکہ کو خطبہ کو بھی وقعت ہو
اسی کے سر سے تاج خسروی کو زیب و زینت ہو

جہاں ہو تا جہانگیری جہاں میں عزم شاہاں ہو مہیا جنگ کا دنیا میں جبتک ساز و ساماں ہو
پہلوانی میں جبتک شہرت سام و نریماں ہو ارادوں پر اولوالعزموں کے جبتک فتح قرباں ہو
تری شمشیر ہو اور اس کا جوہر فتح و نصرت ہو
جہانگیری کا انکی ہر طرف چرچا ہو شہرت ہو

امامت کا علی کی معتقد تا ہر مسلماں ہو ولایت کا علی کی دہر میں جبتک کہ فیضاں ہو
شجاعت کیلئے جبتک کہ نام شاہ مرداں ہو ارادوں پر اولوالعزموں کے جبتک فتح قرباں ہو
تری تیغ دو پیکر ہو دلوں میں اس کی ہیبت ہو
عدو کا دل دو پارہ ہو کچھ انکی ایسی وحشت ہو

بخار ارض سے جبتک نمود ابر و باراں ہو صدف میں باعث تکوین گوہر ابر نیساں ہو
مرصع گوہر رخشاں سے جبتک تاج شاہاں ہو جہاں میں تاج شاہاں باعث صد عظمت و شاں ہو
ترے اکلیل شاہی میں کہ برتر اس کی عظمت ہو
وہ گوہر ہوں کہ ان میں آب و تاب سرمدیت ہو

رعیت کا ہو جبتک نام جبتک نام سلطاں ہو سلاطین جہاں کی تا رعیت زیر فرماں ہو
زبان تر تا بیاں خاتم دست سلیماں ہو درفش کاویانی تا ظفر آرائے گیہاں ہو
تو حاکم ہو تیری محکوم سب دنیا کی خلقت ہو
حکومت کا پھریرا لہلہاتا تا قیامت ہو

حسینان جہاں کی زلف جبتک عنبر افشاں ہو اور ان غنچہ دہانوں کا دہن جبتک کہ خنداں ہو
لب گلرنگ ان کا غیرت لعل بدخشاں ہو اور انکا روئے رنگیں باعث رشک گلستاں ہو
بڑھے اجلال تیرا اور افزوں تیری شوکت ہو
جہاں میں تا قیامت تیرے سر تا سر حکومت ہو

چمن ہو تا چمن میں مرغ خوش الحاں غزلخواں ہو بہار باغ ہو تا باغ میں عشرت کا ساماں ہو
بھرا گلہائے گوناگوں سے تا گلچیں کا داماں ہو نشیمن قمریوں کا سرو رعنائے گلستاں ہو
گل امید خنداں ہو ترا تجھکو مسرت ہو
ترے باغ تمنا پر گہر افشاں ابر رحمت ہو

فریدوں کے لئے عزت جو تیرا زیر فرماں ہو سکندر کیلئے عظمت جو تیرے در کا درباں ہو
ہو کسریٰ کیلئے وقعت جو ہمسلک غلاماں ہو غلامی سے ترے حاصل کمال عزت و شاں ہو
تو آصف ہے سلیماں کے برابر تیری شوکت ہو
دعا یہ ہے ابد سے ہم نفس تیری ریاست ہو

ترے اجلال و حشمت کی نہ کوئی حد پایاں ہو ترقی پر تری شوکت ہو برتر عظمت و شاں ہو
سنین عمر میں تیرے ترقی فراواں ہو حوادث سے زمانے کے خدا تیرا نگہباں ہو
ہمیشہ اولیاء اللہ کی تجھ پر عنایت ہو
وفا کی ہے دعا تجھکو محمد کی حمایت ہو

قطعۂ تہنیت سالگرہ مبارک

ابو الفیض صاحب فیاض (حیدرآبادی)

اور ہے ذوق دل اہل ہوا کچھ اور ہے اور ہے برق نگاہ فتنہ زا کچھ اور ہے
یوں تو ان آنکھوں نے دیکھے ہیں بہت بزم نشاط لیکن اب کے رنگ عشرت جابجا کچھ اور ہے
خون ارماں دل مضطر نہ دیکھا جائے گا اور ہے یہ شوخی رنگ حنا کچھ اور ہے
اور ہے طرز بیان اہل فصاحت کا مگر اک نقیر بے نوا کی یہ صدا کچھ اور ہے
خود بخود بھالو اچھل جاتا ہے دل سینے میں آج اللہ اللہ یہ نوید جانفزا کچھ اور ہے
کیوں نہ ہو عثمان علیخاں بادشاہ کی ہے گرہ رنگ محفل ماشاءاللہ نام خدا کچھ اور ہے
اور ہے شہ میں جمال ظاہری و باطنی اور ہے یوسف کا حسن دلربا کچھ اور ہے
باغبان خلد ہو مدہوش جسکو دیکھکر یہ بہار باغ آصف جانفزا کچھ اور ہے
اب جو بزم عام میں ہے جلوہ گر وہ شاہ ہے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ضیا کچھ اور ہے
اسکو کیا اس سے تناسب اس سے کیا نسبت اسے اور ہے ظل ہما ظل خدا کچھ اور ہے
لعل برسائیگا آصف جاہ کا ابر کرم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ گھٹا اور یہ ہوا کچھ اور ہے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ مگر فیاض ہے فی الحقیقت شاہ عثماں کی ثنا کچھ اور ہے
عمر دگنی ہو گئی ہو خضر سے بھی شاہ کی
منحصر اس پر نہیں دل کی دعا کچھ اور ہے

شعر و سخن

الشرع عین الحکمۃ

از ہز اکسیلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ صدر اعظم باب حکومت

جو سابق میں تھے یا ہیں اہل بصیرت — شریعت کو سب کہتے ہیں عین حکمت
یہ بیشک صحیح ہے نہیں اس میں کچھ فرق — کہ ہے عین حکمت نبی کی شریعت
شریعت کے بانی تھے انسان کامل — کہ تھی خلق میں جن کو ذاتی فضیلت

وہ یعنی محمد سلامٌ علیہ — ہوئی تا ابد ختم جن پر نبوت
کلام ان کا بیشک کلام خدا تھا — ہر اک بات تھی آپ کی عین حکمت
بجز حکم خالق نہ کی بات کوئی — کہ حق بات کہنے کی رکھتے تھے عادت
کسی سے جو وہ بات کہتے تھے حق کی — مخاطب کی پہچانتے تھے طبیعت
نہ فرمائی جاہل سے بات ایسی کوئی — کہ کہکر کبھی ان کو ہوتی ندامت
یہ شان جلالت تھی روئے زمیں پر — ہمیشہ وہ پاتے تھے اعدا پہ نصرت
کہاں ہیں وہ انفاس قدسی جہاں میں — کریں عاصیوں کو نصیحت ہدایت
صحابہ کو تاکید فرماتے تھے آپ — کہ اے بھائیو سن لو میری نصیحت
بجز حق کے حق تم نہ مانو کسیکو — اسی کی کرو تم ہمیشہ عبادت
ہدایت کرو خلق کی اور انصاف — کہ خوشنود کرتی ہے حق کو عدالت
ہدایت کرو جسکو پہلے سمجھ لو — کرے گی اثر اوس کے دل میں نصیحت

جو جاہل ہے اور اصل فطرت میں بد ہے — نصیحت نہ مانے گا اور نہ ہدایت
کوئی بات جاہل سے ایسی نہ بولو — کسیکو وہ پہونچائے جس سے مضرت
اصول انبیا اور کل لیڈروں کے — یہی تھے خدا نے انھیں دی تھی حکمت

نہ ان میں حسد تھا نہ ان میں تعصب — کہ او یان میں جس سے ہوتی قباحت
جراحت پہ مرہم بھی رکھتے وہی تھے — جنھیں دشمن جاں سمجھتی تھی خلقت
نہیں پیروی کے ہے قابل کوئی اب — کہ جس سے ہم اے شاد پائیں ہدایت
بس اب کنج عزلت ہی بہتر ہے ہمکو — خدا سے رہے تاکہ خاص اپنی نسبت

یہ بہتر ہے چشم بصیرت سے اے شاد

[illegible]

غزل

از ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت

دنیا و دیں سے اے دل تو بے نیاز ہو جا
ہو طالبِ حقیقت دانائے راز ہو جا

ہے عشق راز بستہ اسرار زندگی کا
عاشق ہے گر کسی کا سربستہ راز ہو جا

جو آگ عشق کی ہے تسکینِ دردِ دل ہے
ہو خاک اور وقفِ سوز و گداز ہو جا

دنیا میں سربلندی گر تیرا مدعا ہے
بن خاکسار اور پھر گردن فراز ہو جا

آمادہ چاک کا ہو دعوت جنوں کو دیدے
اے جوشِ وحشت دل دامن دراز ہو جا

[illegible]دہ اٹھا دوئی کا اب بے خودی کہاں کی
مستی کے نشے بجا کر ہاں دلنواز ہو جا

کیا کام چارہ گر سے کیوں آئے پھر مسیحا
اے درد تو ہی اٹھ کر خود چارہ ساز ہو جا

[illegible]ہ محوِ خواب ہو گر آنکھوں سے دل مرا ترا
اے بابِ فتنہ تو بھی اس وقت باز ہو جا

سجدہ میں سر جھکائے اپنے میں اس کو پالے
تو سرنگوں تھا پہلے اب سرفراز ہو جا

[illegible] حقیقت آئینہ دارِ وحدت
عالم کو مست کر دے تو نے نواز ہو جا

بتخانہ اور کعبہ یہ دونوں ایک ہیں **شاد**
جھگڑوں کو چھوڑ دے تو اور بے نیاز ہو جا

غزل

نواب حیدر یار جنگ بہادر مولوی سید علی حیدر طباطبائی (لکھنوی)

کیا کاروانِ ہستی گزرا روا روی میں
فردا کو میں نے دیکھا گرد و غبار دی میں

تھے محو لالہ و گل کس کیف بے خودی میں
زخمِ جگر کے ٹانکے ٹوٹے ہنسی ہنسی میں

یارانِ بزمِ عشرت ڈھونڈھوں کہاں میں تم کو
تاروں کی چھاؤں میں یا پچھلی کی چاندنی میں

ہر عقدہ میں جہاں کے پوشیدہ ہے کشاکش
ہر موجِ خندۂ گل پنہاں کلی کلی میں

ہم کس شمار میں تھے پرسش جو ہم سے ہوتی
یہ امتیاز پایا آشوبِ آگہی میں

حکمِ قضا ہو جیسا سرزد ہو فعل ویسا
بندہ کا دخل بھی ہے پھر اس کی بدی میں

رفتار سایہ کو ہے پست و بلند یکساں
ٹھوکر کبھی نہ کھائی راہِ فروتنی میں

محشر کی آفتوں کا دھڑکا نہیں رہا اب
سو حشر میں نے دیکھے دو دن کی زندگی میں

پرساں حال وہ ہو اور سامنے بلا کر
کیا جانئے زباں سے کیا نکلے بیخودی میں

تو ایک ظلِ ہستی پھر کیسی خود پرستی
سایہ کی پرورش ہے دامانِ بیخودی میں

اے نظم چھیڑ کر ہم تجھ کو ہوے پشیماں
کیا جانتے تھے ظالم رو دیگا دل لگی میں

قطعۂ دعائیہ از قاری محمد ابراہیم صاحب (حیدرآبادی)

عاصی ہیں گرچہ ترے محبوب کی امت
بندوں کی دعاؤں میں خدایا تو اثر دے

باغ شہ عثماں رہے شاداب کہ ہر نخل
پُر شاخ ہو ہر شاخ میں گل گل میں ثمر دے

قطعۂ دعائیہ از میر لطف علی صاحب عارف

اے خدا دائم با اقبال و حشم
سرکشن پرشاد کو آباد رکھ

ہے دعا لطف علی کی رات دن
شاد کو یا رب ہمیشہ شاد رکھ

خطوط

ایک مصری افسانہ

مترجمہ

محمد مظہر اللہ صاحب صدیقی

شکری بہت ہی خوش پوشاک نوجوان تھا، سوٹ بوٹ کی خاطر اس کے اسراف کی انتہا نہ رہی تھی۔ اسکے دوست احباب اور شناساؤں میں سے کسی کو بھی اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ کیونکہ نہ تو وہ کوئی پیشہ جانتا تھا جس کے ذریعہ وہ کچھ کما سکے۔ اور نہ اس کے پاس مال و زر ہی تھا کہ اسی پر یہ اپنی زندگی گذارے۔ یہ ایک عالیشان مکان میں رہتا تھا۔ اس کے پاس بہترین گھوڑوں کی گاڑی اور کئی نوکر چاکر تھے۔ روپیہ پیسہ خوب کشادہ دلی سے خرچ کیا کرتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ کوئی بڑا دولت مند اور ذی وجاہت شخص ہے۔ اس کے اکثر دوستوں کو خیال ہوا کہ اس کی اس خوشحالی فارغ البالی اور ذریعہ معاش کا کھوج لگائیں۔ لیکن انھیں اس مقصد میں ناکامی ہوئی۔ اور اس کی زندگی ایک عقدۂ لاینحل بنی رہی۔ ایک دن وہ اپنے مکان میں بیٹھا۔ تازہ ڈاک سے آئے ہوئے خطوط اور اخبارات دیکھ رہا تھا۔ کہ یکایک وہ متفکر ہو کر کانپ گیا۔ اس لئے کہ ان ہی میں سے ایک خط میں اس نے پڑھا کہ "کل قرض کی مدت ختم ہو جائے گی۔ تم پر ایک ہزار پونڈ وصول طلب ہیں۔ جن کی ادائی فوراً ہونی چاہیے ورنہ قرض خواہ کی جانب سے تم پر دعویٰ ہو جائے گا لہذا تم کو اس کی ادائی میں دیر نہ کرنی چاہیئے"۔

ہزار پونڈ! اتنی بھاری رقم! اب تو اس کے ہاتھ میں ایک کوڑی بھی نہیں۔! اور وہ اس قرضہ کی ادائی کیلئے پریشان و متفکر ہے۔ ورنہ یہ معاملہ عدالت تک پہونچیگا۔ اور اس کی بدنامی ہوگی۔

بالآخر شکری نے پانچ ضربی پستول ہاتھ میں لیکر خودکشی کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اسی وقت وہ کسی غور و فکر میں پڑ گیا۔ وہ اس مصیبت سے نجات پانے کی کوئی تدبیر سوچنے لگا۔ اس قسم کے وہ تمام واقعات اسکے سامنے پیش ہو گئے جو گذشتہ زمانہ میں اس پر گذر چکے تھے ہر مصیبت کے وقت اس کے نصیبے نے اس کی یاوری کرکے تلافی مافات کر دی اور یہ ہمیشہ اپنے دشمنوں اور مخالفین پر غالب ہی رہا۔ لیکن اسوقت معاملہ برعکس معلوم ہو رہا تھا۔ قسمت ساتھ نہ دیتی اور نہ اسکے لئے کوئی اطمینان کی سبیل پیدا کرتی تھی۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ کاش یہ مطالبہ ابھی چند روز تک کیلیے ملتوی ہو جاتا۔ لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا۔ اور نازک گھڑی آن پہونچی تھی۔ اس پر خوف و سراسیمگی طاری ہو رہی تھی اس کے ہاتھ سے پستول گر پڑا۔ اب اس کا ہاتھ اس چیز سے خالی ہو چکا تھا۔ جو اس کی اس مصیبت کا خاتمہ کر سکتی تھی۔

وہ ان ہی خیالات میں مستغرق تھا کہ یکایک اسکا ملازم سامنے چلا آیا اور اس نے کہا کہ سرکار ایک خاتون آکر کھڑی ہے۔ جو آپ سے کسی خاص غرض سے ملنا چاہتی ہے ملازم کی آواز سے شکری اسطرح چونک پڑا جسطرح کوئی ڈراونی خواب سے چونک کر بیدار ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنے ملازم سے پوچھا، خاتون مجھ سے ملنا چاہتی ہے؟ اچھا وہ کون ہے۔ اسکا نام؟ ملازم نے کہا، مجھے اس کی خبر نہیں اسلئے کہ وہ نقاب پوش ہے۔ اور اس نے مجھ سے اپنا نام کہنے یا ملاقاتی کارڈ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس پر شکری نے کہا کہ اس کو اندر لے آو،

جوں ہی خاتون نے کمرہ کے دروازہ میں قدم رکھکر اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹی، شکری نے نہایت خوشی کے انداز میں پکار کر کہا کہ "نفیسہ! کیا حالات ہیں؟ اتنے برسوں کے بعد آپ کی کیسے تشریف آوری ہوئی؟"

یہ ایک خوش وضع اور نازک اندام عورت تھی جس کے سیمیں چہرہ پر قدرت نے حسن و جمال کا غازہ پھیر دیا تھا اس نے شکری کا سوال سن کر اس پر ایک محبت بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ "اس اس طرح کے حالات ہیں"۔

شکری نے اس پر از سر تا پا گہری نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا کہ "میں تمھیں خوش آمدید کہتا ہوں . . . . خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے تو اس بات کا یقین کر ہی لیا تھا کہ تم نے ہمیشہ کیلئے مجھے بھلا دیا ہے . . . . مجھے امید ہے کہ اب تم کسی نیک ارادے سے آئی ہو" نفیسہ نے کہا کہ "ہاں ہاں، نیک ارادے ہی سے آئی ہوں"۔

پھر اسکے بعد اس نے اپنے دستانے اتار دیے اسوقت شکری نے اسکی ایک انگلی میں خوبصورت سی انگشتری دیکھی اور یقین کر لیا کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ اب اس نے اسکے اسرار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "میں دو دن سے تم ہی کو یاد کر رہا تھا۔ اور بجز تمہارے محبت بھرے خطوط کے میرے ہاں اور کوئی چیز تمہاری تازہ یاد کرنے والی نہ تھی۔ ان ہی کو میں اکثر الٹ پلٹ کرتا اور پڑھتا رہتا ہوں اور اس سے بڑھکر مسرت مجھے کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتی"۔

نفیسہ: "میں ان ہی خطوط کو لینے کیلئے آپکے پاس آئی ہوں، اور مجھے توقع ہے کہ میں ناکام نہیں لوٹوں گی"

شکری نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور آہ سرد بھرتے ہوئے کہا کہ "یہ خطوط تو در اصل گوہر نایاب ہیں۔ مجھے ان میں سے کوئی خط ضائع کرنے سے اپنی جان کھو دینا آسان معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی ایک تسلی کی چیز اور خوش بختی کی یادگار ہے"۔

نفیسہ: "لیکن وہ تو سات سال پہلے کے لکھے ہوئے ہیں"۔

شکری: "یہ صحیح ہے، لیکن پھر بھی وہ مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔ میں تو اپنے تمام دوست و احباب سے زیادہ ان خطوط پر اور خود تم پر فخر کرتا ہوں۔ جسطرح تم ملکۂ حسن حسن و جمال ہو، اسی طرح تمہارے خطوط سحر حلال ہیں"۔

اس گفتگو سے نفیسہ سہم گئی اور اس نے کہا۔ "مگر یہ خطوط میں نے اس زمانہ میں لکھے تھے جبکہ میں کمسن تھی، انجام کار پر میری نظر نہ تھی اور میرے نزدیک وہ زمانہ ایک عبرتناک خواب کی مثال ہے"۔

شکری: "ممکن ہے کہ تمہارے خیال میں وہ ایسا ہی ہو لیکن میں تو اس زمانہ کو اپنی زندگی کے نہایت خوشگوار ایام سمجھتا ہوں"۔

نفیسہ: "لیکن اب تو میری . . . ."

شکری: "شاید تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اب تو میری منگنی ہو چکی ہے"۔

نفیسہ: "جی ہاں"۔

شکری :- پھر تو میں تمہیں اس کی مبارکباد دیتا ہوں اور میری تمنا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو "

نفیسہ :- جی ہاں! میں اپنے منگیتر کے ساتھ خوش رہوں گی "

شکری :- مجھے تو اس پر رشک آتا ہے، میں اس کا نام معلوم کرنا چاہتا ہوں "

نفیسہ :- آپ کو عنقریب ان کا نام معلوم ہو جائیگا . . . لیکن مجھے امید ہے کہ آپ پہلے وہ خطوط میرے حوالہ کر دیں گے "

شکری تو چاہتا ہی تھا کہ اس قسم کے کلمات اسکی زبان سے نکلیں اس وقت اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ :- مجھے امید ہے کہ تم اپنے پیارے منگیتر کا نام بتا دو گی "

نفیسہ :- " میرے خطوط! مجھے امید ہے کہ آپ میرے خطوط واپس کر دینگے "

شکری :- تمہارے منگیتر کا نام! میں اس کو معلوم کرنا چاہتا ہوں "

اسپر نفیسہ نے ایک آہ سرد بھری اور اس کی نرگسی آنکھوں سے موتی ڈھلکنے لگے۔ دستی سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے کہا کہ :- میں آپ کو انسانیت کا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ آپ میرے خطوط مجھے لوٹا دیں "

شکری :- نفیسہ! حیرت ہے! اس طویل مدت میں مجھے تمہارے درشن کیوں نہ نصیب ہوئے؟ تم کہاں تھیں؟

نفیسہ :- میں اپنی پھوپھی کے ہمراہ جبل لبنان اور ملک شام کی سیاحت کیلئے گئی تھی اور کل ہی اس سفر سے واپس ہوئی ہوں "

شکری :- تو پھر میں بہت ہی خوش قسمت ہوں کہ اپنے اور ملاقاتیوں سے پہلے تم مجھ سے مل رہی ہو "

نفیسہ :- جناب من! آپ کو دھوکہ ہوا ہے۔ آپ سے قبل میں دوسروں سے مل چکی ہوں۔ ان باتوں سے کیا حاصل آپ میرے خطوط دیدیجئے "

شکری :- بیگم صاحبہ! معاف فرمائیے، آپکو ان کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں رہا۔ اسلئے کہ وہ اب میری ہو چکے ہیں "

نفیسہ :- یہ ٹھیک ہے . . . لیکن یہ نہ بھولئے کہ میں نے یہ خطوط اس زمانہ میں لکھے تھے جبکہ میں ایک کمسن اور نادان لڑکی تھی . . . اور اب ان کے رکھنے سے آپ کو فائدہ ہی کیا ہے "

اس پر شکری نے ایک فرمایشی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ :- ان کے رکھے رہنے سے تو میرا اسقدر فائدہ ہے کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں "

نفیسہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے خطوط مجھے واپس کرنے سے آپ کو انکار ہے "

شکری :- اور تمہارا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے تم اپنے منگیتر کا نام بتلانا نہیں چاہتیں "

نفیسہ :- ان کا نام معلوم کر کے آپ کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے "

شکری :- نہیں! بلکہ اس میں تو میرا بہت بڑا فائدہ ہے

نفیسہ :- لیکن میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس سے آپکا کیا منشاء ہے "

شکری :- چونکہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے، اسی لئے اب تم وہ عشقیہ خطوط جو تم مجھے لکھا کرتی تھیں طلب کر رہی ہو، تمھیں ڈر ہے کہ کہیں تمہارے منگیتر کو اس کی اطلاع نہ ہو جائے، جس کے باعث تمہاری زندگی تلخ ہو جائے، اور جسکا انتہائی نتیجہ غالباً یہی ہوگا کہ تم دونوں کے درمیان شادی کی بات چیت موقوف ہو جائے گی۔ اور اسی لئے تم باصرار تمام وہ خطوط مانگنے کیلئے آئی ہو ان خطوط کے مطالبہ کی غرض یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کی وجہ سے جو مصیبت آسکتی ہے اس سے بچ جاؤ۔ حالانکہ تم ہی نے کہا ہے کہ یہ خطوط کمسنی کے زمانہ میں لکھے گئے تھے لیکن میرا تو خیال ہے کہ اگر یہی بات ہے۔ تب تو یہ اور بھی گراں قیمت ہیں

نفیسہ :- " گویا آپ اس کے معاوضہ میں مال و زر چاہتے ہیں "

شکری :- جی ہاں، یہی تو میرا پیشہ ہے جس پر میری زندگی بسر ہو رہی ہے۔ اگر یہ دھندا نہ ہوتا تو میں آج نہایت ہی ذلت و مفلسی کے عالم میں ہوتا "

نفیسہ :- اچھا تو آپ ان کی قیمت کسقدر چاہتے ہیں؟

شکری :- صرف پندرہ سو پونڈ "

اس جواب نے نفیسہ کو چونکا دیا۔ اور اس نے کہا کہ :- یہ تو بڑی بھاری قیمت ہے "

شکری :- لیکن تمہارا خوشگوار مستقبل اس سے کسی طرح کم قیمت نہیں "

نفیسہ :- اگر اتنی بھاری رقم کی ادائگی میرے بس کی بات نہ ہو تو پھر کیا ہوگا؟

شکری :- یہی ہوگا کہ یہ خطوط تمہارے منگیتر کے حوالہ کر دئے جائینگے "

نفیسہ :- آپ کو تو اس کی خبر نہیں کہ وہ کون ہیں؟

شکری :- ان کا پتہ چلانا میرے نزدیک کوئی مشکل کام نہیں "

نفیسہ :- میں تو کبھی نہیں باور کر سکتی کہ آپ اس قسم کی کمینہ حرکت کرینگے . . . . . لیجئے میں آپ سے اپنے منگیتر کا نام بھی کہے دیتی ہوں۔ اور مجھے آپ کی نیک کرداری اور حسن اخلاق میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ میرے منگیتر کا نام " اخطل صغیر " ہے "

شکری :- بیگم صاحبہ! میں آپکا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا، لیکن افسوس ہے کہ آپ نے موقع پر اعتماد نہیں کیا . . . . اسیطرح میں اس بات کا بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ آپنے اپنا منگیتر کا نام بتلا کر میرے راستے کو اور بھی صاف کر دیا کہ اسطرح میں بلا کسی دقت کے وہاں تک پہنچ سکوں۔ میں آپکو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپکا منگیتر ملک کا ایک مشہور انشار پرداز ہے۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو " اخطل صغیر " کے نام سے واقف نہ ہو، ہر جگہ اسی کا چرچا ہے، اخبار بینوں اور ناول پڑھنے والوں کا تو یہ منظور نظر بنا ہوا ہے جب اسکی شہرت کا یہ عالم ہے تو وہ ضرور بڑا دولتمند بھی ہوگا، ایسا اعلیٰ درجہ کا مشہور انشا پرداز جو افسانوں اور ادبیات میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو اسکی آمدنی کا کیا پوچھنا! ایسے شخص پر تو اخبار مطابع اور مکتبہ والوں کی طرف سے روپیہ پیسہ بارش کیطرح برستا ہوگا . . . اب اگر مطلوبہ رقم کی ادائی تمہارے امکان میں نہ ہو تو کم از کم وہ تو بہ طیب خاطر دیسکتا ہے "

اس گفتگو سے نفیسہ بہت پریشان ہوئی، اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور چہرہ پر سرخی دوڑ گئی اور اس نے کہا کہ " میں پھر دوبارہ آپکو انسانیت کا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ میرے عیش و آرام میں خلل انداز نہ ہو جئے، اور مجھے اس قسم کی مصیبت میں نہ ڈالئے . . . مذاق چھوڑئے اور مجھے خطوط دیدیجئے "

شکری :- میں مطلق مذاق نہیں کر رہا ہوں . . . اور " اخطل صغیر " سے جسقدر رقم کی توقع کیجا سکتی ہے اسکے مقابلہ میں تو یہ بالکل کم ہے "

نفیسہ :- خدا سمجھے، او حقیر، کمینہ، مکار شکری!!

شکری :- اگر میں اس زرین موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکوں تو واقعی میں ایسا ہی آدمی ہونگا "

نفیسہ :- تم اپنا ہتھیار ایسی کمزور عورت پر اٹھا رہے ہو جو تمہارے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتی "

شکری :- لیکن تم کم از کم اتنی قدرت ضرور رکھتی ہو کہ ڈیڑھ ہزار پونڈ سے میری شکم پری کر سکو اور یہ ڈیڑھ ہزار پونڈ اس کامیاب اور پر مسرت زندگی سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، جو " اخطل صغیر " کے ساتھ گذاری جائے گی "

نفیسہ :- آپ مجھ سے اسقدر رقم کسطرح حاصل کرنی چاہتے ہیں، حالانکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں "

شکری :- مجھے ان باتوں سے کچھ غرض نہیں . . . . اور جب تک کہ میری مطلب براری نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی چیز مجھے اپنے اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی " یہ کہکر اس نے برقی گھنٹی کا بٹن دبایا، اسی وقت ملازم آگیا اور شکری نے اس سے کہا کہ :-

" ٹیلیفون کے ذریعہ اس مکتبہ کے مالک کا نام دریافت کرو جس نے " اخطل صغیر " کی تازہ ترین ناول شائع کی ہے "

ملازم کے چلے جانے کے بعد شکری میز کیطرف بڑھا اور خانہ کھولکر اس نے اس میں سے ایک لفافہ نکالا جسپر نفیسہ کا نام لکھا ہوا تھا ان خطوط کو شکری نے دور سے نفیسہ کو بتلاتے ہوئے کہا کہ :- یہ تمہارے خطوط ہیں۔ اس لفافہ میں اکیاسی خطوط ہیں شاید خطوط تمہارے محترم منگیتر کی نئی ناول کا اہم موضوع بن سکتے ہیں "

اس وقت نفیسہ کی غضبناک آنکھوں سے غصہ کے شرارے نکل رہے تھے اس نے کہا کہ :- اے کمینے! جو تیرا دل چاہے کر۔ جب تک کہ تو دنیا میں موجود ہے اسوقت تک تو مجھے کسی قسم کی خوشی کی توقع نہیں ہو سکتی "

اسکے بعد ہی نفیسہ باہر جانے کے ارادہ سے اٹھ کھڑی

ہوئی۔ اسوقت شکری نے کہا کہ ”بیگم صاحبہ! جلدی نہ کیجیے، میرے ملازم کے اپنے کام سے واپس آنے تک تشریف رکھیئے… آپ یہاں سے آدھ گھنٹہ سے پہلے نہیں جاسکتیں تاکہ ایسا نہو کہ آپ میرا بنا بنایا کھیل بگاڑدیں۔ میں نے اپنے ملازم سے کہدیا تھا کہ وہ جاتے جاتے دروازہ کو مقفل کردے۔ اور یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں“

نفیسہ نے ایک گہرا سانس لیا اور بیٹھکر نیچے دیکھنے لگی، اسی اثناء میں ملازم لوٹ آیا اس کے ہاتھ میں مطلوبہ نام تھا۔ شکری نے اسکو لے لیا اور سب خطوط اکھٹے کرکے ایک لفافہ میں رکھدیئے اور اس پر مالک مکتبہ کا نام و پتہ لکھدیا۔ اسمیں ایک پرچہ بھی رکھدیا جس میں لکھا تھا کہ ”یہ کاغذات بہت اہم ہیں براہ کرم فوراً ”اخطل صغیر“ تک دست بدست پہونچادیئے جائیں“ اور ملازم سے کہا کہ وہ اسکو لیکر ڈاکخانہ چلا جائے۔

ملازم نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کردی نفیسہ پراگندہ خیالات میں محو اور افسردہ خاطر بیٹھی رہی… .

جب آدھ گھنٹہ گذر گیا تو شکری نے دروازہ کھولکر نفیسہ سے کہا کہ ”بیگمصاحبہ، اب آپ اطمینان کیساتھ تشریف لیجاسکتی ہیں۔ جو کام ہونا تھا وہ ہوچکا اور مجھ پر اب کوئی الزام یا اعتراض باقی نہیں رہا“

نفیسہ ”میں تجھپر الزام تو نہیں دھرتی لیکن اے کمینے، تجھ سے دوستی کرنے پر پچھتاتی ضرور ہوں، سچ تو یہ ہے کہ تو انسان نہیں، سانپ ہے بچھو ہے“

پھر وہ اسطرح نکلی جیسے کہ اسے دنیا و مافیہا کی خبر ہی نہیں… . لیکن جب مکان کے باہر ہوگئی تو اس نے ایک لانبی سانس کھینچی گویا وہ بہت بڑے بوجھ سے سبکدوش ہوگئی ہے۔ اسکے بعد اس نے اس مشہور ہوٹل کا قصد کیا جہاں پر وہ اکثر جایا کرتی تھی۔ راستہ ہی میں ایک ٹیلیفون گھر ملا جس میں وہ چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد اس میں سے ہنسی خوشی باہر نکلی۔

❀

ہوٹل کے جس ہال میں نفیسہ جانا چاہتی تھی اس میں مختلف گھرانوں اور مقامات کے بہت سے مرد اور عورتیں جمع تھیں۔ جن میں سے اکثر حاضرین ذی وجاہت اور تعلیم یافتہ تھے۔ نفیسہ جوں ہی اس ہال کے دروازہ میں داخل ہوئی سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس جمگٹے میں سے ایک خوبصورت نوجوان جو دولتمند اور شریف گھرانے کا معلوم ہوتا تھا اٹھا قریب آکر اس نے اسکے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اسکے ہمراہ مجمع میں چلا آیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے اپنی بازو والی خاتون سے کہا کہ ”یہی مشہور اجتماعی انشاء پرداز اخطل صغیر ہے“ جسکے جواب میں خاتون نے کہا کہ ”ہرگز نہیں بلکہ یہ تو امیر داؤد ہے۔“

اسپر اول الذکر نے کہا کہ ”ہاں یہ نوجوان امیر داؤد ہے… لیکن میں اسکی رفیقہ کے متعلق کہہ رہا تھا جسکے ہاتھ کو امیر داؤد نے ابھی بوسہ دیا۔ یہ عورت اعلیٰ درجہ کی انشاء پرداز ہے اور ”اخطل صغیر“ کے نام سے مشہور ہے۔ دراصل تو اسکا نام نفیسہ ہے لیکن اس فرضی نام کے رکھنے سے اسکا منشا یہی ہے کہ وہ عوام میں انشاپرداز کی حیثیت سے خود کو ظاہر کرنا نہیں چاہتی“

خاتون نے متعجب ہوکر کہا ”میں نے تو اس فاضلہ خاتون کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ واقعی اخطل صغیر یہی عورت ہے؟“

اس شخص نے کہا کہ ”ہاں، ہاں، یہی عورت اخطل صغیر ہے۔ دو ہفتہ کے بعد امیر داؤد سے اس کی شادی ہونے والی ہے… . . یہ عورت ایک بے نظیر انشاء پرداز ہے۔ جسکی وجہ سے عورتیں مردوں سے زیادہ فخر کرسکتی ہیں“

خاتون نے کہا ”میں اس کے منگیتر امیر داؤد کو اچھی طرح سے جانتی ہوں، یہ نہایت ہی شریف گھرانے سے تعلق رکھتا اور بہت مالدار ہے اور یہ نفیسہ کے لئے اسیطرح موزوں ہے جسطرح نفیسہ اسکے لئے“

❀

دو ہفتہ کے بعد امیر داؤد سے نفیسہ کی شادی ہوگئی… جسکی شاندار دعوتیں اور بھاری جلسے رچائے گئے اسکے بعد یہ دونوں نہایت ہی خوشگوار زندگی بسر کرنے لگے اور ان کی محبت میں کبھی میل نہ آنے پایا۔

(ترجمہ از تقصص العربیۃ)

بقیہ چارمینار کی گپ

صفحہ (۳۰) کالم (۳)

کی خدمت میں میری طرف سے تحفۃً روانہ فرمادیجئے جن میں سے صرف (۴۸) کے نام اس وقت یاد آگئے ہیں۔ بقیہ کے نام اور پتے پھر لکھ بھیجونگا۔ اور اگر کوئی امر مانع نہو اور کوئی تکلیف نہو تو اپنے مطبع کے جملہ مطبوعات کی ایک ایک کاپی اور آپکے پبلشر صاحب کے کتبخانہ کے جملہ کتب کا ایک ایک نسخہ تحفۃً میرے نام بذریعہ رجسٹری روانہ فرماکر ممنون فرمایئے۔

خادم قوم

… . الشعرا الف۔ ب۔ ت المتخلص بہ ج تلمیذ خاص

(استاد العالم حضرت د دہلوی یا لکھنوی)

نوٹ جس اخبار میں میری نظم چھپے اس کی صرف (۲۵) کاپیاں اور صرف میری نظم کو علیحدہ کاغذ پر چھپوا کرا سکے پچاس کاپیاں میرے ہاں روانہ فرماد یجئے دیکھئے اگر کوئی تکلیف نہو تو اس میں ہرگز دیر نہ کیجئے۔

بقیہ جاپان اور حیدرآباد

صفحہ (۴۰) کالم (۳)

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم میں اور جاپانیوں میں دو تین ہی چیزوں کا فرق نظر آئیگا… وہ کیا ہیں؟ اولوالعزمی استقلال، محنت اور قوم و ملک کی محبت۔ باری النظر میں یہ تین چار الفاظ آپ کو بہت معمولی نظر آئے ہوں گے کیونکہ کم و بیش ہر شخص ان کو روزانہ سنتا رہتا ہے اسلئے ان کی کوئی وقعت آپکے دلوں میں نہ رہی ہوگی۔ لیکن اے حضرات، ان چیزوں کو معمولی نہ سمجھنا یہی دو چیزیں ہیں جنکی عدم وجود پر اقوام و ممالک کی زندگی اور موت کا انحصار ہے۔ اور قوموں کے اعمال و افعال کی یہی چیزیں روح رواں ہیں۔ محنت و مشقت کی نسبت جاپانیوں کا خیال ہے کہ زندگی اور محنت کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مستقل مزاجی ان کی محنتوں کا ضروری جزو رہیگی۔ ان کی اولوالعزمی اور قومی و ملکی محبت کے حیرت انگیز نظارے تو گذشتہ جنگ روس و جاپان میں دنیا دیکھ چکی ہے۔ غیر جنگ کا زمانہ تو جذبات آفرینی ہی کرتا ہے امن و اطمینان کے معمولی زمانہ تک میں آپ دیکھینگے کہ ملکی اور قومی جوش سے بچہ بچہ کا دل امڈا آرہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ان صفات کے پیدا کرنے میں قدرت کی کچھ دستگری بھی جاپانیوں کے شامل حال رہی ہے طبعی طور پر ہندوستان اور جاپان کی ارضی تاثیرات اور آب وہوا میں بڑا فرق ہے۔ ہندوستان ایک ایسا سرسبز شاداب و زرخیز ملک ہے جس میں ہر قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ خطۂ جاپان ایک سنگلاخ اور غیر زرعی سرزمین ہے جہاں آتش فشاں پہاڑوں کے سلسلے ہر وقت بستیوں کی بستیاں تباہ و تاراج کرتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی اپنے ملک کی سیر حاصل پیداوار پر قانع اور جاپانی اپنی ضروریات معیشت کی تکمیل کی خاطر اور صنعت و حرفت کیطرف مائل نظر آتے ہیں ہندوستان منطقہ حارہ میں ہونے کیوجہ سے گرم ملک واقع ہوا ہے جسکی وجہ سے یہاں کے باشندوں میں سستی اور کاہلی پائی جاتی ہے۔ جاپان منطقہ باردہ میں واقع ہوا ہے جسکی وجہ سے جاپانی فطرتاً اولوالعزم اور محنتی ہیں۔ برخلاف ہندوستان کے ایک مذہب اور قومی سلطنت نے تمام جاپانیو کو ایک رشتہ میں منسلک کردیا ہے۔ لیکن اے دکن کے خواب غفلت میں سونے والو باشندو۔ تم نے دیکھا شمالی ہند کے رہنے والوں کی راہ ترقی میں کیسی دشوار گزار منزلیں حائل ہیں۔ باوجود اسکے کشمکش حیات میں انسان وخیزاں مقصود کی تلاش میں چلے جا رہے ہیں اور باوجود اسکے کہ وہ تم سے سخت ترین مشکلات میں مبتلا ہیں تم سے بہت آگے جا چکے ہیں۔ شمالی ہند سے قطع نظر کرکے تھوڑی دیر کیلئے اپنی حالت پر غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ کسقدر آسانی کے ساتھ منزل ترقی پر پہنچنے کے وسائل تمھیں حاصل ہیں۔ اگر مختلف مذاہب کے تباہ کن امتیاز کو نظرانداز کردو تو آج سلطنت آصفیہ تمھارے لئے ایک مستقل عظیم الشان اور آزاد قومی سلطنت ہے سلطنت آصفیہ کے قدیم روایات کے بموجب اس مسئلہ کو موضوع بحث ہی میں لانا بیکار ہے کیونکہ یہاں صدیوں سے ہندو مسلمان بالکل ایک ہوکر رہتے آئے ہیں۔ جسکی نظیر تمام ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتی حال میں جو ایک آدھ مناقشہ پیش آگیا تھا سو وہ صرف ہندوستان ہی کے زہریلے اثر کا نتیجہ تھا جسنے کچھ عرصہ کیلئے ہماری فضائے اتحاد کو غبار آلود کردیا۔ عموماً گورنمنٹوں کا کام جیسا کہ مولانا حالی نے فرمایا تھا ”حیات و ممات کا رجسٹر رکھنا، زندوں کو زندوں کے گھاٹ اور مردوں کو مردوں کے گھاٹ اتارنا ہے اور بس، برخلاف اسکے تمھاری گورنمنٹ ہر طرح اور ہر وقت

ملاحظہ صفحہ (۴۲) کالم (۱)

نواب مسعود جنگ بہادر

حیدرآباد دکن کے ہر دلعزیز ناظم تعلیمات

[ہمارے ہر دلعزیز ناظم تعلیمات نواب مسعود جنگ بہادر (مولوی سید راس مسعود صاحب) وظیفہ پر علٰحدہ ہو رہے ہیں معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب کا ارادہ صحت کیلئے پہلے یورپ جانیکا ہے اور پھر وہ اپنے واجب التعظیم دادا کی عالیشان یادگار علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کو اپنی لیاقت اور محنت کا حصہ نذر کرینگے یہاں ہم قارئین کی دلچسپی کیلئے نواب صاحب کے مختصر حالات زندگی پیش کرتے ہیں۔
نظام گزٹ]

نواب مسعود جنگ ۱۲ فروری ۱۲۹۸ف کو علیگڈھ میں پیدا ہوئے - باپ کی جانب سے آپ حسینی سید ہیں آپکا سلسلہ نسب ۳۸ واسطوں سے آنحضرت صلعم تک پہونچتا ہے خطبات احمدیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے سلسلہ نسب میں سب سے آخر امام حضرت امام محمد تقی ابن حضرت امام موسیٰ رضا علیہم السلام ہیں - اس طرح آپ نقوی سید ہیں۔

آپ کے اجداد سے دامغان جو ایران کا ایک مشہور شہر ہے آئے تھے اور ہرات میں مستقل سکونت اختیار کرلی غالباً آپکے بزرگ ہندوستان میں شاہجہاں کے زمانہ میں آئے اور اکبر ثانی کے زمانہ تک آپکے خاندان کا تعلق سلاطین مغلیہ سے رہا - آپکے خاندان نے سلاطین مغلیہ کی کئی ایک اہم خدمتیں انجام دیں - جسکے صلہ میں آپکے خاندان کے افراد کو خطابات و جاگیرں وغیرہ ملتی رہیں۔

ہندوستان کے مشہور مصلح، سر سید احمد خاں مرحوم جنھوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے مغربی علوم کی شمع روشن کی تھی آپ کے دادا ہیں سر سید مرحوم نے قومی تعلیم کے طرف توجہ کی اور انگلستان جاکر وہاں کے طرز تعلیم کا معائنہ کیا - ہندوستان واپس آکر انہے انگریزی طرز تعلیم کے مطابق علیگڈھ کا سنگ بنیاد رکھا - اسطرح نواب مسعود جنگ بہادر کو قدرت نے ایسا ماحول عطا فرمایا جس سے آپکی آنکھیں کھلتے ہی آپ پر علمی شعاعیں پڑنے لگیں - اور سر سید مرحوم کے تمام اوصاف اور ان کے بیش بہا تعلیمی تجربوں نے آپکی آیندہ زندگی کیلئے شمع ہدایت کا کام دیا۔

آپکے والد بزرگوار جسٹس سید محمود مرحوم نے قانون کے میدان میں جو جوہر دکھائے اُن سے اب تک انکا نام زندہ ہے - بحیثیت جج آپ نے جو فیصلے کئے تھے وہ اب تک قانونی ہند میں بطور نظیر کے پیش کیے جاتے ہیں - اِن کی کتاب قانون شہادت کی شرح اب تک قانون کی طالب علموں کیلئے ایک صحیح رہنما ہے اس شرح کے بعد کئی ایک شارحین نے قانون شہادت ہند کی انگریزی اور اردو میں شرحیں لکھیں مگر جو خوبی جسٹس محمود کی شرح میں ہے وہ کسی میں نہیں پائی جاتی -

نواب مسعود جنگ بہادر نے ابتدائی تعلیم علیگڈھ کالجیٹ اسکول میں سر تھیوڈر ماریسن کی نگرانی میں پائی جہاں آپکی غیر معمولی ذہانت نے آپ کو دوسرے طالب علموں سے ممتاز کردیا تھا -

آپنے ۱۹۰۵ء میں علیگڈھ سے میٹرک پاس کیا - اسکے بعد ہی آپ انگلستان چلے گئے وہاں آکسفورڈ میں نیو کالج میں شریک ہوے - یہاں آپنے پانچ سال تک تعلیم پائی اس اثنا میں آپ اپنے پروفیسروں اور طلبا میں ہر دلعزیز ہوگئے تھے - سنہ ۱۹۱۰ء میں آپ کو تاریخ میں سکنڈ کلاس آنرس کی ڈگری ملی -

اسکے بعد آپنے اپنے والد بزرگوار جسٹس سید محمود کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور دو سال میں آپکو بیرسٹری کا ڈپلوما ملا -

سنہ ۱۹۱۲ء میں آپنے ہندوستان آتے ہی پٹنہ (صوبہ بہار) میں وکالت شروع کردی مگر سرکار انگریزی نے آپکا تقرر انڈین ایجوکیشن سرویس میں کیا جس کی وجہ سے آپکو وکالت ترک کرنی پڑی، آپ کالجیٹ اسکول پٹنہ کے صدر مقرر ہوے جہاں آپکے حسن انتظام سے مدرسہ میں بہت ترقی ہوئی - جس کی بنا پر سنہ ۱۹۱۵ء میں کٹک کالج میں آپکا تقرر تاریخ کی پروفیسری پر ہوا - وہاں آپ بحیثیت پروفیسر نہایت کامیاب رہے اور کچھ عرصہ کیلئے وائس پرنسپل ہوے - اس طرح سرکار انگریزی میں آپکی ترقی نہایت سرعت سے ہو رہی تھی کہ معارف نواز "سلطان العلوم"، خسرو دکن کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کا تقرر ۲۷ شہریور سنہ ۱۳۲۵ف کو نظامت تعلیمات سرکار عالی پر ہوا -

جائزہ لینے کے بعد آپنے واقفیت حاصل کرنے کیلئے ۱۵ آذر اور ۱۹ مہر سنہ ۱۳۲۵ف کو اورنگ آباد اور بیدر کا دورہ کیا جہاں آپنے متعدد مدارس کا معائنہ کیا -

نواب مسعود جنگ بہادر کی دس سالہ ملازمت میں سنہ ۱۳۲۶ف عہد زرین ہے - یہ وہ مبارک سال ہے جس میں خسرو دکن "سلطان العلوم" نے جامعہ عثمانیہ کے قیام کا فرمان صادر فرمایا - آپنے اس سال کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "یہ سال تعلیمات کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا جس میں حضرت اقدس و اعلیٰ نے فرمان کے ذریعہ جامعہ کے قیام کا حکم نافذ فرمایا جس کا نام جامعہ عثمانیہ ہوگا - اس میں انگریزی لازمی ہوگی مگر دوسرے فنون کی تعلیم مادری زبان میں دیجائے گی - یہ جامعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستان میں پہلا ہوگا ......

مضمون ہذا کے حسب ذیل ماخذ ہیں

(۱) حیات جاوید - مصنفہ مولانا حالی مرحوم -
(۲) جاپان اور اوسکا تعلیمی نظم و نسق مصنفہ نواب مسعود جنگ بہادر
(۳) روح جاپان (خطبہ) از نواب مسعود جنگ بہادر
(۴) انتخاب زرین مرتبہ نواب مسعود جنگ بہادر
(۵) مطبوعہ رپورٹ تعلیمات از ۱۳۲۵ف تا ۱۳۳۴ف وغیرہ وغیرہ

جاپان اور حیدرآباد

از

احمد عارف صاحب حیدرآبادی

بدنصیب ایشیا، جو کسی زمانہ میں اقوام عالم کا سرتاج تھا، مدت ہائے دراز سے نکبت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وسیع سرزمین کے سینۂ الوتنگے ہاں کونسی چیز تھی جسکے وہ مالک نہ تھے؟ بلاشبہ علم و حکمت کے سمندر کسی وقت یہاں لہریں لے رہے تھے، شائستگی اور تہذیب تمدن کی بڑی بہتات تھی، اگر ایک طرف فضل و کمال مددگار تھے تو دوسری طرف دولت و اقبال یاورِ مسکین۔ آج غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایشیا کا حال جسد مردہ کا سا ہے، کیونکہ خود ان کی اپنی غفلت، کاہلی اور عیش پرستی کی بنا پر قدرت نے یہ ساری نعمتیں ان سے چھین لیں اور ممالک مغرب کی ان ہونہار قوموں کو ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا، جو آگے چلکر اپنے علم اور ہنرمندی کے زور سے تمام دنیا کو تسخیر کرنے والی تھیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔ عرصہ دراز سے یورپ کی گزبرپا ترقی کو دیکھکر اہل ایشیا اپنے تنزل کا احساس کرنے لگے ہیں، لیکن جس قوم نے صحیح طور پر اس بات کا احساس کیا وہ سات سمندر پار مشرق بعید میں رہتی ہے اور اسے جاپانی قوم کہا جاتا ہے۔ اس اولوالعزم قوم نے علم و ہنر اور تمدن کی خیرہ کُن روشنی کو مغرب سے بلند ہوتے دیکھا، اور اس کے اسباب و علل تلاش کئے تو معلوم ہوا کہ اقوام اور ممالک اپنے ہی ہاتھوں بنتے اور بگڑتے ہیں۔ اس حوصلہ مند قوم نے خیال کیا کہ دنیا میں اگر بامراد زندگی بسر کرنا مطلوب ہو تو علم و ہنر حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اسکے بعد جس محنت، استقلال اور مستعدی کے ساتھ ساتھ ستر سال کے قلیل عرصہ میں ترقی کی کہ آج مغربی اقوام کے دوش بدوش چل رہی ہے، وہ اس قوم کا تمام دنیا کو حیرت میں ڈالنے والا کرشمہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، جس طرح مغرب نے مشرق سے جبکہ اس کے اچھے دن تھے اکتساب علوم و فنون کیا، بالکل اسیطرح آج مشرق کا یہ چھوٹا سا جزیرہ جاپان یورپ کا شاگرد رشید ہے

اور اس کی عالی حوصلگی سے یہ بعید نہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد یورپ کا استاد بھی بن بیٹھے۔ لیکن تمھاری حیرت کی کوئی انتہا نہ ہوگی جب تم یہ سنوگے کہ جس زمانہ میں جاپانی قوم میدان ترقی میں گامزن ہونے کیلئے بیتاب ہو رہی تھی، اسی وقت مادر دکن کا ایک بلند ہمت سپوت (سالار جنگ) اپنی چار دیواری میں ممکنہ کوششوں کے ساتھ بیداری کی روح پھونک رہا تھا۔ مگر آج دونوں ملکوں کا مقابلہ کرو تو تمھیں زمین اور آسمان کا فرق نظر آئیگا۔ جاپان جو ترقی کی دوڑ میں یورپ سے سینکڑوں برس پیچھے تھا آناً فاناً ہمدوش یورپ ہوگیا، لیکن حیدرآباد جس مقام پر تھا اس سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا		ہم محو نالۂ جرسِ کارواں رہے

آخر ہم اور اہالی جاپان میں اسقدر تفاوت حالات کیوں؟

کہا جاتا ہے کہ جاپان نے اپنی کامیابی کا راز اسی میں سمجھا کہ سب سے پہلے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک جسقدر ہوسکے علوم و فنون کا آبحیات بہایا جائے۔ صنعت و حرفت کو حاصل کیا جائے، تجارت کو فروغ دیا جائے۔ اس غرض کی تکمیل کیلئے جاپان نے یورپ ہی کو اپنا مرشد طریقت گردانا۔ یورپ کے بہت سے کارآزمودہ اور قابل ترین افراد کو اپنے ہاں بلایا گیا اور ملک کے ہونہار نوجوانوں کے کھیپ کے کھیپ بغرض حصول علم و ہنر یورپ روانہ کئے گئے مختصر یہ کہ اغیار سے جسقدر بھی سیکھ سکتے تھے، جاپانیوں نے سیکھا اور علم و صنعت کے ان گہرہائے آبدار سے اپنے ایوان وطن کو منور کردیا۔ یہ ہے خلاصہ یا تحلیل ان اسباب ترقی کی جنکے وسیلے سے جاپانی اس طرح منزل مراد پر پہنچے کہ آج انکا شمار زندہ اقوام میں ہورہا ہے۔

دوسری طرف اب ہمیں اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے

سر سالار جنگ کے زمانہ سے لیکر جو ہمارے خواب غفلت کے بعد ہماری سب سے پہلی بیداری کی کروٹ کا زرین عہد تھا، اس روشن زمانہ تک جس میں اس دنیا کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی قومیں کشاکش اور انقلاب کے زینوں سے گزر رہی ہیں۔ ہم نے کیا کیا؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ ایسے روح فرسا سوالات ہیں کہ بہتر تھا انکو چھیڑا ہی نہ جاتا۔ لیکن ؏

زچشم آستیں بردار گوہر را تماشا کن

صرف میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے اس درد و غم میں آپ حضرات کو شریک کروں۔

کیا وہ تدابیر و وسائل جنھیں ابھی جاپان کی ترقی کے اسباب میں گنایا گیا ہے، ہمیں حاصل نہیں؟ حقیقت پوچھو تو ہر قوم و ملک کیلئے یہ گویا ترقی کے کھلے ہوئے راستے ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے ہم نے بھی انھیں باتوں کو ترقی کا ذریعہ جانا۔ اور سر سالار جنگ نے اپنے ہی زمانہ سے اسپر عمل شروع کردیا تھا۔ مثلاً انھوں نے ہندوستان کے بیسوں مدبروں کو بلاکر اپنے ملک کی اصلاح کیلئے عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا، سارے انتظامی صیغے جو بالکل بے ڈھنگے پڑے تھے نئے طرز پر ان کی تنظیم کیگئی۔ اشاعت تعلیم میں جس کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے، بیدریغ روپیہ صرف کیا گیا۔ غرض سالار جنگ نے ممکنہ طریقوں سے ملک کو راہ ترقی پر لگانے کی اپنے وقت میں انتہائی کوشش کی۔ ان کے بعد ان کے جانشینوں نے ان کی ڈالی ہوئی بنیادوں پر عمارت تعمیر کرنی شروع کی۔ ہر سال طلبہ کی جماعتیں یورپ بھیجی جانے لگیں۔ یوروپین لوگوں کو بھی بلایا گیا۔ تعلیم کی خاطر خواہ اشاعت ہوتی رہی۔ موجودہ اعلیحضرت حضور پرنور بندگانعالی۔

صدہا سال سلامت رہیں سلطانِ دکن

کا عہد ہمایوں تو تاریخ دکن میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ سر آرائے حکومت ہونے کے ساتھ ہی کسطرح ملازمان حضور نے اپنی حسن توجہ کو ملک کی فلاح و بہبود میں صرف کردی اسکو کون نہیں جانتا۔ تنہا عثمانیہ یونیورسٹی جو مختلف اعتبار سے ہندوستان بھر کی یونیورسٹیوں میں منفرد سمجھی گئی ہے، رہتی دنیا تک ایک زندہ یادگار رہیگی۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ آصفیہ اہل ملک کی ہر قسم کی تعلیم کے لئے روپیہ جس دریادلی سے پانی کیطرح بہارہی ہے اسکی مثال کوئی بڑی سے بڑی گورنمنٹ بھی نہیں پیش کرسکتی۔ ہر سال چھ مہینے میں گروہ کے گروہ یورپ جاتے ہیں اور تعلیم پاکر واپس آتے ہیں سرکاری طور پر محکمہ جات زراعت و صنعت و حرفت قائم ہوچکے ہیں۔ ہندوستان کی عام سیاسی فضا نے دکن میں کم از کم اتنا اثر کیا کہ عام اہل ملک مصنوعات ملکی سے دلچسپی لینے لگے ہیں۔ سرکاری طور پر ہر سال عوام کو مصنوعات ملکی کی نمائش کرائی جاتی ہے۔ الحاصل ہر چیز فراوانی کے ساتھ موجود ہے لیکن عام اہالی وطن کے حالات کا اندازہ کرو اور ان کے دلوں کو ٹٹول کر دیکھو تو زندگی کے مطلق آثار نہیں پائے جاتے۔ نشانِ راہ اب بھی مفقود ہے اور منزل مقصود بے پتہ۔

پس جب دونوں ملکوں نے ایک ہی قسم کا زینۂ علم علانیہ اپنی ترقی کیلئے مقرر کیا تو کیا وجہ ہے کہ ایک آسمان رفعت پر چڑھ جائے اور دوسرے کی زندگی بالائے زمین بھی اجیرن ہو؟

[illegible] (۳۹)، کالم (۲)

ایک زمانہ آئیگا کہ حیدرآباد ہی سارے ہندوستان میں صحیح تعلیم کا حقیقی مرکز ہوگا۔ جہاں طلباء اطراف و اکناف سے جوق جوق شرکت کیلئے آئینگے۔ اور اس علمی سرچشمہ سے سیراب ہونگے"

اسی سال دارالترجمہ قائم ہوا جسپر مولوی عبدالحق صاحب بی اے مہتمم تعلیمات اورنگ آباد کا نظامت دارالترجمہ پر انتخاب ہوا۔ قاضی محمد حسین صاحب۔ قاضی تلمذ حسین صاحب مولوی الیاس برنی صاحب۔ مولوی سید ہاشمی صاحب مولوی برکت علیصاحب اور مولوی عبدالماجد صاحب کا تقرر رکن دارالترجمہ پر ہوا۔ اسی سال دارالعلوم اور فوقانیہ اورنگ آباد میں عثمانیہ میٹرک کی جماعتیں قائم ہوئیں۔ تعلیمات میں بہت سی اصلاحیں ہوئیں۔ سب سے پہلے دفتر نظامت تعلیمات میں ملازمین کی سیول لسٹ طبع ہوئی جس میں ملازمین کے نام اور انکی کارگذاری وغیرہ درج کیگئی اور "قوانین تعلیمات" کے مرتب کرنے کا کام شروع ہوا۔

سنہ ۱۳۲۷ف میں محکمہ نظامت تعلیمات میں مولوی سید محی الدین صاحب مددگار نظامت کے سپرد جامعہ عثمانیہ کا کام ہوا اور یہ شعبہ بھی دفتر نظامت تعلیمات ہی سے متعلق کر دیا گیا گویا مولوی سید محی الدینصاحب ہی جامعہ عثمانیہ کے کل کائنات کے ذمہ دار قرار دئے گئے۔ مولوی صاحب موصوف نے اس کام کو نہایت شوق و سرگرمی کیساتھ انجام دیا اور نہایت ہی قابل تعریف کام کیا۔

جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ۲۸ اگسٹ ۱۹۱۹ء میں آغا منزل میں ہوا جسمیں شہر کے عمائد اور اعلی عہدہ داروں کے علاوہ حیدرآباد کے رزیڈنٹ بھی شریک تھے۔ نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے سلطان العلوم کا وہ فرمان پڑھکر سنایا جسکی یاد آنیوالی نسلوں کیلئے نہایت اہم ہوگی۔ اس سال نواب مسعود جنگ بہادر نے ۵ امرداد سنہ ۱۳۲۸ف میں چھ ماہ کی رخصت لی اور انگلستان گئے۔ ان کی جگہ نواب مہدی یار جنگ بہادر منصرم ناظم تعلیمات مقرر ہوئے

جامعہ عثمانیہ کے افتتاح کے وقت ضرورت کے موافق چند پروفیسر صاحبوں کا تقرر کیا گیا تھا۔ جن میں قابل ذکر قاضی محمد حسین صاحب ام اے۔ مسٹر ولنکرام بی اے ال ال بی مولوی وحیدالدینصاحب سلیم۔ مولوی الیاس برنی صاحب ام۔ اے خلیفہ عبدالحکیم صاحب ام۔ اے۔ مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی۔ مولوی مناظر احسن صاحب اور نواب مہدی یار جنگ بہادر پرنسپل ہیں۔

اسکے بعد ۲۶ بہمن سنہ ۱۳۲۹ف کو نواب مسعود جنگ بہادر رخصت کے ختم ہونے پر واپس آئے اور انھوں نے اپنی خدمت نظامت کا جائزہ لیا اس سال آپنے بحیثیت صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ کے بھی کام کیا اور اسکے علاوہ ۵ فروردی سنہ ۱۳۲۹ف سے ۲۴ خورداد سنہ ۱۳۲۹ف تک آپ معتمد تعلیمات بھی رہے۔ جبکہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر برطانی ہند میں چند ماہ کیلئے اپنی خدمت پر واپس ہو گئے تھے۔ معتمد صاحب عدالت کوتوالی و امور عامہ نے اس سال کی رپورٹ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تعلیمات کے فرائض کے علاوہ مسٹر راس مسعود نے صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ کا کام نہایت ہی سرگرمی و جوش کے ساتھ انجام دیا"

سنہ ۱۳۳۰ف میں مدارس فوقانیہ انگریزی کے علاوہ مدارس فوقانیہ عثمانیہ بھی قائم ہوئے۔

نواب مسعود جنگ بہادر ۵ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۲ف کو سرکار کیجانب سے جاپان کی تعلیم کے نظم ونسق کو مطالعہ کرنیکے لئے جاپان گئے اور آپکی جگہ خان فضل محمد خانصاحب ایم۔ اے نائب ناظم تعلیمات منصرم رہے۔

نواب مسعود جنگ بہادر اپنے مختصر قیام جاپان میں جاپانی تعلیم کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ وہاں سے واپس ہونے کے بعد اس ملک کی تعلیم کے نظم ونسق کے متعلق رپورٹ لکھنے کے بجائے آپنے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی۔

اس کتاب کے دیباچہ میں آپنے لکھا ہے "جو کچھ میں نے جاپان میں دیکھا اس نے میرے اس یقین میں اور زیادہ وثوق پیدا کر دیا کہ حضرت جہاں پناہی کا جامعہ عثمانیہ کو قائم کرنا ان عہد آفرین تدابیر میں سے ایک تدبیر ہے جو انسان کے کاموں اور کوششوں کو صدیوں تک متاثر کرتی رہتی ہیں۔ مؤرخ اس جامعہ کیطرف اشارہ کر کے بتائینگے کہ یہی اصل محرک اس علمی اور دماغی ترقی کا ہے جو ہمارے ملک سے ایک دن ظہور میں میں آنے والی ہے۔ اور جب آیندہ نسلوں کو معلوم ہوگا کہ یہ عاقبت بینی اور دوراندیشی کس ضمیر روشن کی تھی جس نے ہند میں سب سے پہلے تعلیم کو ایک صحیح اور فی الواقع قومی بنیاد پر قائم کیا تھا تو نہایت تعظیم اور دلی عقیدت سے اس شاہ ذی جاہ کا نام ان کی زبان پر آئیگا جس سے آج سلطنت حیدرآباد کو زینت ہے"

رپورٹ کی تالیف کے متعلق لکھتے ہیں " میرا مقصد یہ تھا کہ صرف جاپان کی تنظیم کا حال لکھوں، لیکن اس مسئلہ کو جسقدر گہری نظر سے دیکھا مجھکو یہی یقین ہوتا گیا کہ مختلف ادارات تعلیم کا جو فی زمانہ موجود ہیں محض شمار کر دینا کافی نہ ہوگا ۔ میں اس امر کو محسوس کرنے لگا کہ جاپان کی خالص تعلیمی کوششوں کو بخوبی سمجھنے کیلئے کچھ حال اسکی سیاسی تاریخ کا بھی جاننا ضروری ہے۔ اور یہ کہ ایک مضمون دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا"

یہ کتاب نہایت دلچسپ اور پرازمعلومات ہے۔ اس سے نواب مسعود جنگ بہادر کی علمی قابلیت اور انکی جانکاہ کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔

سنہ ۱۳۳۲ف میں "عثمانیہ ٹکنیکل انسٹیوٹ" منٹ میں قائم کیا گیا۔ جسکا مقصد معمولی نصاب کے ساتھ ساتھ صنعتی تعلیم بھی دینا ہے۔ اسکے علاوہ سٹی اور اورنگ آباد ہائی سکول انٹرمیڈیٹ کالج بنادیے گئے۔

سنہ ۱۳۳۳ف میں سب سے اہم کام چادرگھاٹ کالج کا افتتاح تھا اسکے پرنسپل ایچ۔ ڈبلیو شاکراس پرنسپل چادرگھاٹ مقرر ہوئے اور ہائی اسکول چادرگھاٹ کی صدارت پر مسٹر راڈکوپکتھال کا تقرر ہوا

سنہ ۱۳۳۴ف میں نواب مسعود جنگ بہادر نے رخصت لی اور پھر جاپان اور کوریا اور چین تشریف لے گئے۔ اور مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری نائب ناظم تعلیمات ان کی جگہ پر منصرم رہے۔

ہم نواب مسعود جنگ بہادر کی ابتداء ملازمت سے ابتک تعلیمات کی جو حالت رہی اسکے اعداد شمار ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ انکے عہد کی تعلیمی ترقی آسانی سے معلوم ہو سکے

سنہ ۱۳۲۵ف

	تعداد مدارس	تعداد طلبہ		تعداد مدارس	تعداد طلبہ
کلیات	۲	۳۱۳	وسطانیہ انگریزی	۴۲	۱۱۴۱۵
فوقانیہ انگریزی	۱۹	۵۵۸۷	وسطانیہ ملکی	۳۲	۶۳۹۴
			تحتانیہ	۱۱۲۳	۶۶۳۸۶
فوقانیہ شرقی	۳	۱۱۷۸	خاص مدارس	۲۰	۲۱۱۶

جملہ تعداد مدارس ۱۲۵۴ جملہ تعداد طلبہ ۹۳۲۸۹

سنہ ۱۳۲۶ف

	تعداد مدارس	تعداد طلبہ	اضافہ مدارس	اضافہ طلبہ
کلیات فنون و پروفیشنل	۷	۱۰۲۷	۵	۹۳۰
فوقانیہ انگریزی	۲۳	۸۰۵۶	۴	۲۴۶۹
فوقانیہ عثمانیہ	۲۰	۸۰۴۸	۱۷	۶۸۷۰
وسطانیہ انگریزی	۹۵	۲۴۱۹۲	۳۹	۱۴۷۷۷
وسطانیہ ملکی	۱۴	۱۶۱۰		
تحتانیہ	۳۹۷۹	۲۲۴۹۸۳	۲۸۵۲	۱۶۸۵۹۷
خاص مدارس	۱۵	۳۷۸۹	۳۱	۱۶۷۴
	۴۱۸۸	۲۷۱۸۲۱	۲۹۵۲	۱۷۸۵۳۰

"جاپان کی تعلیم اور اسکا نظم ونسق" کے علاوہ نواب مسعود جنگ کی اور دو کتابیں ہیں "انتخابات زرین" اور "روح جاپان"

انتخابات زرین میں آپنے ولی اورنگ آبادی سے لیکر عہد حاضرہ کے شعراء تک کا کلام انتخاب کیا ہے۔ آپنے ساتھ ہی ساتھ ہر شاعر کے مختصر سوانح حیات بھی درج کر دئیے ہیں۔ یہ نہایت مفید کام ہے۔ اس کے علاوہ آخر میں اشاریہ (انڈکس) وغیرہ بھی ہے۔

اشعار کے انتخاب کے متعلق لکھا ہے "جو اصول میں نے اس انتخاب میں مدنظر رکھا ہے وہ نہایت سادہ ہے۔ میں نہ شاعر ہوں نہ فن سخن کا نقاد کامل لیکن مجھے اپنی قوم کے فن شعر کے ساتھ سچا عشق ضرور ہے میں نے وہی کلام انتخاب کیا ہے جس کو میرے دل نے پسند کیا۔ جن اشعار نے مجھ پر گہرا اثر کیا انھیں کو میں نے اس تذکرہ میں لیا ہے"

"روح جاپان" ایک لکچر ہے جو آپنے بلدہ کے اساتذہ کے سامنے دیا تھا۔ اس میں نواب مسعود جنگ بہادر نے جاپان کی زندگی کا آپنے مختصر سے قیام میں جو مطالعہ کیا اور جن واقعات نے آپ پر گہرا اثر ڈالا ذکر کیا ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ جاپان میں بھی تجارت معزز پیشہ نہیں سمجھا جاتا، نواب مسعود جنگ بہادر لکھتے ہیں۔ "جاپانی قوم کے اور طبقوں سے وہاں کے تاجروں کے اخلاق اس قدر جدا گانہ اس وجہ سے ہیں کہ اس ملک میں زندگی کے متعلق پردیسی خیالات کے رونما ہونے سے پہلے جاپانی قوم کی نظروں میں تجارت کا پیشہ بہت گرا ہوا تھا اور اسے کسب معاش کا ذلیل ترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اگلے وقتوں میں تاجروں کا

طبقہ جاپان میں سب سے نیچے تھا وہ اس زمانہ میں بھی حالانکہ جاپان کی زندگی آتنی بدل چکی ہے اس ملک نے اپنے بڑے بڑے تاجروں کو جو رتبہ دے رکھا ہے وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا جو یورپ اور امریکہ میں تاجروں کو حاصل ہے۔

جاپانیوں کی شائستگی کے متعلق لکھتے ہیں "میں نے اس ملک میں اپنے قیام کے زمانے میں جس کی مدت تقریباً نو مہینے ہوتی ہے کبھی کسی کو بازار میں لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ اور نہ میں نے ایک دفعہ بھی معمولی مزدوروں کو آپس میں اس طرح کی بلند آواز سے بولتے سنا جو غصہ کی نشانی ہے اور جو بدقسمتی سے ہمارے وطن میں بہت زیادہ عام بات ہے"

یہ کتاب سب سے پہلی ہے جو کہ حیدرآباد دکن کے ساختہ نستعلیق ٹائپ میں شایع ہوئی۔

نواب مسعود جنگ بہادر علاوہ اپنے فرائض کے جامعہ عثمانیہ کے قیام سے اب تک اس کے مختلف انتظامات میں کوشاں رہے آپ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ اور مدراس یونیورسٹی کے سینٹ کے رکن ہیں۔ جامعہ کلکتہ کے پہلے رفیق تھے۔ اور مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے کورٹ کے ممبر ہیں۔ خسرو دکن سلطان العلوم نے آپکو جنگ کا خطاب عطا فرمایا۔

آج سے پانچ سال قبل آپنے انڈین ایجوکیشنل سروس سے قطع تعلق کر لیا تھا جس کی بنا پر آپکا نظامت تعلیمات پر مستقلانہ تقرر ہوا اور دو ہزار کلدار تنخواہ مقرر ہوئی۔

آپنے اپنی صحت اور آب و ہوا موافق نہ ہونے کی وجہ سے وظیفہ کی درخواست پیش کی تھی حضرت اقدس و اعلیٰ نے آپ کی خدمات کے متعلق پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور آپکو ختم مدت پر ایک ہزار کلدار کے وظیفہ پر اپنی خدمت نظامت سے سبکدوش ہونے کی اجازت صادر فرمائی۔ چنانچہ آپ جولائی ۱۹۲۹ء میں تین مہینے کی رخصت خاص پر جائینگے اور اسکے بعد اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو جائینگے۔ نواب مسعود جنگ بہادر کے عہد میں (جیسا کہ مدارس کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے) تعلیمی ترقی بہت ہوئی۔ مدارس تحتانیہ میں بلا فیس تعلیم دیجاتی ہے۔ تقریباً ہر ایک مستقر ضلع میں مدارس فوقانیہ قائم ہو چکے ہیں۔ اورنگ آباد سٹی کالج نہایت سرعت سے ترقی کر رہے ہیں۔ ہائی اسکول ورنگل اور زنانہ ہائی سکول ہائیلی کالج بنا دئے گئے۔

جامعہ عثمانیہ کی نئی پود میدان عمل میں آ رہی ہے جامعہ عثمانیہ کے افتتاح کے وقت نواب مسعود جنگ بہادر نے جو توقعات ظاہر فرمائی تھیں وہ اب پوری ہو رہی ہیں۔ کوئی شخص جس نے دس سال قبل حیدرآباد کی تعلیمی حالت کا مطالعہ کیا ہو اگر اب اس ادبی گلستان کی سیر کرے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ اب حیدرآباد کی خوشنی دنیا بالکل بدل گئی۔ اور وہ تاریکی جو ملک میں پھیلی ہوئی تھی، علمی روشنی نے اوسکو اب دور کر دیا۔ اور اس میں بڑا حصہ نواب مسعود جنگ بہادر کا ہے۔

نواب مسعود جنگ بہادر نہ صرف اپنے محکمہ میں ہر دلعزیز ہیں بلکہ تمام ملک اور اکثر و بیشتر عمائد سلطنت آپ کے حسن اخلاق کے گرویدہ ہیں۔ اور آپ کی جدائی کو قبل از وقت سمجھتے ہیں۔

بقیہ کالم (۱)

ہمیں توقع ہے کہ نواب مسعود جنگ بہادر جہاں کہیں بھی رہیں وہ حیدرآباد کی یاد کو تازہ رکھیں گے۔ اور یہاں کے علمی معاملات میں جیسا کہ اب دلچسپی لیتے ہیں اسی طرح یہاں سے قطع تعلق ہونے کے بعد بھی اس تعلق کو جاری رکھیں گے۔

حیدرآباد کی تعلیمی حالت

گذشتہ اور موجودہ

از

مولوی محمد سلطان صاحب

مصنف۔ وقایع ورنگل۔ مرقع دکن۔ سیر گلبرگہ۔ آئینہ بیدر وغیرہ

معارف عمومی میں حیدرآباد ہندوستان کے اور صوبوں کی بہ نسبت بہت سست رفتار رہا۔ ہماری مشرقی تہذیب میں تعلیم عوام کا نظریہ عمومیت حاصل نہ کر سکا یعنی جسطرح آج مغرب میں ابتدائی تعلیم کو عام بلکہ جبراً کرنے کا خیال پیدا ہوا بلکہ عمل میں بھی آ چکا ہے۔ اسطرح ہمارے ہاں جبری تعلیم کا خیال یا یہ خیال کہ قوم کے ہر فرد کو ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے چاہئیں نہیں پیدا ہوا۔ ہمارے اکابر کا خیال یہ تھا کہ تعلیم کی طرف الخیص کو توجہ کرنی ہوا۔ ہیئے جنکا دماغ اسکے حاصل کرنے کے قابل ہے اور جو تعلیم کیطرف توجہ کرے وہ اس میں اپنی پوری قوت صرف کر دے چنانچہ صرف شرفا متوسط درجہ کی تعلیم ہی تک دامن پھیلاتے تھے اور عوام اہل صنعت و حرفت یا زراعت پیشہ جماعتوں کے گروہ کے گروہ بغیر تعلیم کی طرف توجہ کرنے کے اپنے اپنے فن میں لگ جاتے تھے۔

حیدرآباد ہندوستان میں مغلیہ تہذیب کا آخری علمبردار ہے۔ اسلئے اس ملک میں جدید مغربی طرز کی تعلیم جلد رائج نہو سکی۔ خود مغلیہ دور کے انحطاط اور زوال کا عہد ایسا تباہ کن تھا کہ اصلی اور سچی مغلیہ تہذیب جو اکبر اور شاہجہان کے زمانہ میں زندہ اور روشن تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہی سے مرنے اور تباہ ہونے لگی۔ مغلیہ تہذیب میں شجاعت اور بہادری جیسی اعلیٰ اور ضروری صفات کی جگہ جب عیش پرستی اور مے گساری داخل ہو گئی تو علم و فن کا کہاں ٹھکانا رہتا؟ حیدرآباد کی ریاست اسی مغلیہ دور کے انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی تو پھر ہم اس میں اکبر کے زمانہ کی تہذیب کو کیسے دیکھ سکتے ہیں۔

غرض یہاں کی تعلیم کا طرز مغلیہ طرز تعلیم کی نہایت بگڑی ہوئی صورت میں منحصر رہا تھا میری عمر کے ابتدائی زمانے میں اگرچہ خاص شہر حیدرآباد میں انگریزی تعلیم جاری ہو چکی تھی اور کئی ایک مدرسے اچھی حالت میں جاری تھے مگر اہل شہر کی تمام تعلیمی ضرورت ان سے پوری نہیں ہوتی تھی۔ شہر میں وہی طریقہ ملاؤں اور معلموں کے مکتبوں کا عام طور پر جاری تھا اور اضلاع میں تو حالت اس سے بھی ردی تھی۔ میں اس مضمون میں اضلاع کی تعلیمی حالت ہی بیان کرونگا کیونکہ تعلیمات کے متعلق جو کچھ بھی میری معلومات ہیں وہ اضلاع ہی کے متعلق ہیں۔ اضلاع میں کسی مقام پر کوئی ایسا مدرسہ موجود نہ تھا جس میں کسی خاص اصول پر تعلیم دیجاتی ہو۔ ہر جگہ ضرورت کے موافق خانگی مکتب اور مدارس جاری تھے پڑھے لکھے لوگ بہت ہی کم تھے۔ اور جو کچھ بھی مدرس تھے وہ عموماً بڑے نازک دماغ تھے شوقین طلبہ کو تعلیم کیلئے کثیر صرفہ کرنا پڑتا تھا اور مدرسین کی بد دماغی کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ لکھے پڑھے لوگوں کا کال تھا اگر دیہات میں کوئی خط آ جاتا تو اسکے پڑھوانے کیلئے میلوں کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی ملا۔ قاضی یا مولوی صاحب کی خوشامد کی کڑی منزل باقی رہ جاتی تھی۔

نواب سالار جنگ اول نے یہاں کی تعلیمی پست حالت کو محسوس کر کے سررشتہ تعلیمات کے قائم ہونے سے پہلے ۱۲۶۵ف میں سرکاری طور پر مدرسہ دار العلوم قائم کیا

اور بعد میں ۱۲۶۹ف میں سرکاری طور پر سررشتہ تعلیمات قائم ہوا جس سے انتظام تعلیم میں وقتاً فوقتاً تغیر و تبدل ہوتا رہا اور ساتھ ہی تعلیم میں بھی ترقی ہوتی گئی۔

صیغۂ تعلیمات کے قیام کے بعد صیغۂ مذکور نے ملک سرکار عالی میں بچوں کی تعلیم کی غرض سے ہر ضلع میں دو مدرسے قائم کئے اور ہر مدرسہ کے ماہانہ اخراجات کیلئے ۱۵ اور ۱۰ روپیہ منظور ہوئے۔ امتحان کا یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ تحصیلدار اور پٹیل پٹواری طلباء کا سالانہ امتحان لے لیا کریں۔ گویا مدارس اضلاع انہی کے زیر نگرانی تھے۔ نو سال بعد ۱۲۷۸ف میں صیغۂ تعلیمات محکمۂ مالگذاری کے تحت میں دیا گیا اور مدرسین کے عزل و نصب کے پورے اختیارات محکمۂ مذکور ہی کے ہاتھ میں رہے مدرسین کے تقرر کرنے کے نسبت یہ شرط لگائی گئی کہ وہ مدرسۂ دارالعلوم کے سند یافتہ ہوں اس وقت دارالعلوم میں زبانی امتحان ہوا کرتا تھا اور طلباء کو بشرط کامیابی سند دیجاتی تھی اور اسی سند کی بناء پر ان کے تقررات سرکاری خدمتوں پر ہوا کرتے تھے ۱۲۷۹ف میں مدرسین کو تعلیم دینے کی غرض سے نارمل اسکول قائم ہوا جو بعد میں دارالعلوم ہی میں ضم ہوگیا۔ یہاں بھی مدرسین کو دو قسم کے اسناد ملتے تھے۔ ایک سند ضلع دوسرے سند تعلقہ۔ ضلع کی سند رکھنے والوں کو صدر مدرسی مدرسہ ضلع مواجبی عـہ اور تعلقہ کی سند رکھنے والے کو صدر مدرسی مدرسہ تعلقہ مواجبی سـہ ملتی تھی۔

مہتمم تعلیمات علاقہ سرکار عالی کی خدمت پر سب سے پہلے مولوی حافظ صدر الاسلام صاحب کا تقرر عمل میں آیا اور ۱۲۸۰ف میں جبکہ اضلاع کے مدارس کی تعداد (۱۲۵) ہوگئی تو مہتمم مدارس کی خدمت پر مولوی حبیب اللہ اور مسٹر ڈبلیو ایچ ولکنسن مقرر ہوئے ۱۲۸۳ف سے طلباء کا امتحان بجائے زبانی کے تحریری مقرر ہوا ۱۲۸۵ف میں جبکہ تعداد مدارس (۱۵۰) اور طلباء کی تعداد (۶۶۲۷) ہوگئی تو مدارس اضلاع کی تنقیح کیلئے سرکار عالی نے دو انسپکٹر مقرر کئے جو دو دو سمت کی نگرانی کرتے تھے انکے تقرر کے دوسرے سال اضلاع کے طالب علموں سے ۲ر ماہوار اور اگر منصبداروں کے لڑکے سرکاری مدارس میں تعلیم پائیں تو ان سے بلحاظ ماہانہ آمدنی فیصدی (۲ع) کے حساب سے فیس لیجانے کا حکم جاری ہوا ۱۲۹۳ف تک مدارس کی ترتیب در نام کا کوئی باقاعدہ طریقہ سررشتہ تعلیمات میں نہیں تھا منتظمین مدارس اپنے مدرسوں کے نام بلا لحاظ تعلیمی حیثیت کے کالج۔ ہائی اسکول۔ مڈل اسکول پرائمری اسکول جو چاہتے تھے رکھ لیتے تھے۔

۱۲۹۲ف کے بعد سرکار عالی نے صیغۂ تعلیمات کو محکمہ مالگذاری سے علحدہ کر کے معتمدی متفرقات کے ماتحت کر دیا دفتر معتمدی مذکور کے شکست ہونیکے بعد حسب جریدہ غیر معمولی مورخہ ۱۶ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۹ بہمن ۱۲۹۴ف مجلس تعلیمات مقرر ہوئی۔ پہلے نواب شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی اور ان کے بعد ان کے بھائی مولوی سید حسین بلگرامی (عماد الملک) اسکے ناظم معتمد تعلیمات سرکار عالی مقرر ہوئے۔ گویا اسی زمانہ سے ترقی تعلیم کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور اس کی اصلاح عمل میں آئی۔ ہر مدرسہ تعلیم کے لحاظ سے ہائی اسکول یا مڈل اسکول یا پرائمری اسکول وغیرہ قرار پایا۔ باضابطہ رجسٹرات اور فارمس مدارس کو دئے گئے۔ اور ان کی تکمیل کیلئے مدرسین کو پابند کیا گیا اور وقت بوقت ہدایتی گشتیات جاری ہوتی رہیں۔ چونکہ دو انسپکٹروں سے دو دو اسمات کے مدارس کی نگرانی اور تنقیح کا کام خاطر خواہ انجام نہیں پاسکتا تھا۔ لہٰذا ان کے علاوہ اور دو انسپکٹروں کا تقرر کر کے چار صوبہ چار انسپکٹروں کے تفویض کئے گئے جو بعد میں صدر مہتمم تعلیمات و معتمد صوبہ وار کہلانے لگے۔ اس زمانہ میں دو ضلعوں کے مدارس کی تنقیح ایک مہتمم کے تفویض تھی۔ چونکہ ان سے بھی سال تمام میں دو ضلعوں کے مدارس کا معائنہ نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا ان خدمتوں کے خالی ہونے پر ہر ضلع کیلئے ایک ایک ناظر مدارس کا تقرر عمل میں آیا۔

میرا تقرر ابتداءً ۱۲۹۶ف میں ایک ضلع کے مڈل اسکول پر ہوا جہاں ایک ہائی اسکول بھی قائم تھا، مگر اس مڈل اسکول میں اسوقت تک مڈل کا درجہ قائم نہیں ہوا تھا۔ پرائمری کی تعلیم ہو رہی تھی، اور ہائی اسکول بھی ابتدائی مدارج طے کر رہا تھا، اور کم و بیش ایسی ہی حالت جملہ مدارس اضلاع کی تھی، مگر رفتہ رفتہ طلباء ترقی کے منازل طے کرتے گئے۔ اور اسطرح اور آہستہ آہستہ یہ مدرسے مڈل اسکول اور ہائی اسکول بن گئے ہر مڈل اسکول اور ہائی اسکول میں اسوقت دو تین جماعتیں انگریزی کی بھی قائم تھیں۔ جن کے لئے مدرسین حتی الامکان میٹرک و ایف اے کامیاب منتخب و مامور کئے جاتے تھے تاکہ آئندہ انگریزی کو ترقی دیجائے۔ پس جیسے جیسے انگریزی دان فراہم ہوتے گئے انگریزی کو ترقی ہوتی گئی۔ آخر کار چند سال کے عرصہ میں مدراس یونیورسٹی کے انگریزی مڈل اور میٹرک کے امتحانات کیلئے ان مدارس سے طلباء تیار کئے جانے لگے۔ اس زمانہ میں میٹرک پاس شدہ کی ہر محکمہ میں بڑی قدر تھی ۱۲۹۸ف میں میرا تبادل مدرسی سے دفتر میں ہوا اور تقریباً بیس سال تک دفاتر صوبہ میں میرا قیام رہا۔ اس اثناء میں جن تاریخی مقامات پر میرا قیام رہا وہاں کے تاریخی حالات میں نے بڑے تجسس و تلاش سے فراہم کر کے بنام سیر گلبرگہ۔ وقائع ورنگل۔ آئینہ بیدر، کے نام سے شائع کئے۔ اس جستجو میں جو جدید تاریخی معلومات مجھے دستیاب ہوئے ہیں اسکا اظہار کسی آئندہ اشاعت میں کیا جائیگا۔

۱۳۰۱ف سے ملک سرکار عالی ہی میں مڈل کے امتحان کا قاعدہ جاری ہوگیا اور ناظم تعلیمات مکتنز امتحانات قرار پائے ۱۳۰۳ف سے ہر شہر میں جس کی آبادی دس ہزار یا اس سے زاید تھی ایک ایک باضابطہ اینگلو ورناکولر مڈل اسکول اور ہر صوبہ میں ایک ایک ہائی اسکول قائم کیا گیا اور مدراس یونیورسٹی کی تعلیم ان مدارس میں دیجانی قرار پائی۔ اسی اثناء میں ہر چہار اسمات نے مہتمموں کے علاوہ بلدہ اور اطراف بلدہ کا ایک حلقہ قرار دیکر ایک جداگانہ صدر مہتمم کا تقرر کیا گیا۔ اس زمانہ میں ان صدر مہتمان تعلیمات کا دورہ بڑا شاندار ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ بحیثیت معتمد صوبہ وار دورہ کرتے تھے۔ ان کی اردلی میں دو سوار اور حفاظت دفتر کیلئے چار عرب یا سندھی کے جوان تا ختم دورہ ساتھ رہتے تھے۔ اور ہر جگہ سربراہی وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام ہوا کرتا تھا۔

اس زمانہ میں مدرسین کی تنخواہیں بہت قلیل تھیں۔ مڈل اسکول کے صدر مدرس کی ماہوار ابتداً تو عـہ تھی مگر رفتہ رفتہ اینگلو ورناکولر مڈل اسکول کے صدر مدرس میٹرک یا ایف اے پاس کو سـہ تا لـہ ملنے لگے ان خدمتوں پر عموماً غیر مسلم مدرسین مامور ہوتے تھے۔ جو اردو دفاتر کے مفید نہیں تھے۔ مسلمان میٹرک پاس بہت کم یاب تھے۔ چنانچہ ۱۳۰۶ف میں ایک درخواست میں نے صدر دفتر میں ترقی کیلئے پیش کی تھی کہ صوبہ بھر میں سوائے میرے کوئی مسلمان میٹرک پاس نہیں ہے۔ مجھے ترقی ملنی چاہیئے۔ مگر سررشتہ تعلیمات نے عدم گنجایش موازنہ کی وجہ سے کوئی ترقی نہیں دی اور مجبوراً دوسرے سررشتوں میں میری ترقی کیلئے سفارش کیگئی۔

ایک مدت تک مدارس میں اسٹاف بہت کم تھا۔ اور اکثر مددگاروں کی تنخواہ عـہ یا عـہ آخر عـہ۔ لعہ۔ للعہ اعہ۔ ے اور حہ تک تھی۔ اور بعض جگہ بوجہ عدم گنجایش موازنہ سے روپیہ ماہوار کے بھی مدرس مامور تھے۔ جو ماسٹر کہلاتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۰۲ف میں جبکہ مدار المہام وقت کا دورہ ہوا تو مسٹر دینو گدیال پلے صدر مہتمم تعلیمات نے رائچور میں جو اڈریس ان کے روبرو پڑھا اس میں بیان کیا تھا کہ مدرسین کی ماہواریں سائیسوں اور چپراسیوں کی ماہواروں سے بھی کم ہیں۔ اور اضافہ کیلئے موازنہ میں گنجایش نہیں ہے تو اس صورت میں تعلیم کی ترقی کسطرح ممکن ہے۔

گو ۱۲۹۱ف میں صیغۂ تعلیم پر سوا لاکھ خرچ ہوتے تھے مگر رفتہ رفتہ ۱۲۹۷ف تک پانچ لاکھ اور بعدہ چھ یا سات لاکھ تک کی منظوری ہوئی مگر ان زائد اخراجات سے نئے نئے مدرسوں کے مدرسین کا اضافہ ہوا۔ اور سابقہ مقررہ ماہواروں میں کوئی معتدبہ اضافہ نہ ہو سکا۔ ہر صوبہ کے تقریباً ایک ایک لاکھ روپیہ کے سالانہ اخراجات تھے۔ مگر حالت ایسی تھی کہ بجز کسی دوسری ملازمت کے خالی ہونے کے کسی مدرس کو اضافہ نہیں ملسکتا تھا ملازمتیں مقررہ تھیں۔ اور تعلیم اور تعداد طلبہ میں دن بدن ترقی ہو رہی تھی۔ چنانچہ تقریباً سولہ سترہ سال تک صیغۂ تعلیم کے اخراجات چھ سات لاکھ روپے سالانہ سے نہیں بڑھے البتہ ۱۳۰۳ف سے مد لوکل فنڈ سے اخراجات منظور ہو کر جدید مدارس لوکل فنڈ و امدادی جاری ہونے لگے۔ اور پرائمری درجہ کے جملہ مدارس کے اخراجات جو شاہی سے جاری تھے مد لوکل فنڈ سے ہونے لگے۔ اور اس بچت سے شاہی کم تنخواہ پانے والے مدرسین کی تنخواہوں میں کچھ اضافہ ہوا۔

اول اول ترقی تعلیم کیلئے بیحد رکاوٹیں تھیں جو رفتہ رفتہ دور ہوئیں افتتاح مدارس جدید کیلئے مدرسین کا تقرر کر کے اضلاع پر بھیجدیا جاتا تھا۔ یہ لوگ پٹیل پٹواریوں کی مدد سے لڑکے فراہم کر کے مدرسہ قائم کرتے۔ مدرسہ کیلئے کوئی سرکاری مکان نہ تھا۔ پرائمری مدرسہ کے مکان کے کرایہ کیلئے موازنہ میں صرف دو تین روپے کی گنجایش ہوتی تھی اس کرایہ پر پٹیل پٹواری اپنے مکان کا چبوترہ یا بیلوں کا کوٹھا

یا عاشور خانہ یا کسی دیول کا کوئی حصہ مدرسہ کے لئے دیتے تھے اور مدرس مجبوراً بچوں کو وہیں تعلیم دیا کرتے تھے بعض مقامات پر ایسا بھی ہوتا تھا کہ طلباء کی نشست کیلئے عطا شدہ جگہ کافی نہ ہونے سے انھیں قریب کے درختوں کے سایہ میں بٹھا کر تعلیم دیجاتی تھی - مدارس میں فرش کا کوئی انتظام نہ تھا - لڑکے زمین پر بیٹھکر یا اپنے مکانوں سے ٹاٹ یا بوریے کا ٹکڑا ساتھ لاکر اس پر بیٹھتے تھے - موازنہ میں سالانہ ہر صوبہ کے لئے تعمیر امکنہ مدارس کی غرض سے چار ہزار بعطائے فرش و فرنیچر کیلئے دو ہزار اور ترمیم امکنہ کیلئے ایکہزار روپے منظور ہوتے تھے اور صدر مہتمم ان کو ہر سال خزانہ سے یکشت لیکر اپنے صوابدید سے خرچ کرتے تھے - تعمیری رقم سے بذریعہ پٹیل پٹواریان بہ نگرانی صدر مدرسین و ناظران مدارس کچے مکان مدارس کیلئے گنجایش کے مطابق تیار ہونے لگے - اور مد فرنیچر کی رقم سے ابتداً ان مدارس کیلئے ٹاٹ پٹیاں بلحاظ تعداد طلباء و شطرنجیاں بلحاظ تعداد مدرسین دیگر ضرورت فرش رفع کی گئی - اور مد ترمیم سے چند امکنہ سرکاری جو مدارس کیلئے تعمیر پا چکے تھے یا حسن اتفاق قدیم سے موجود اور مدرسہ کیلئے مل گئے تھے ان کی ضروری ترمیم آہک پاشی و صفائی وغیرہ کرائی جاتی تھی غرض کہ عرصہ تک ان مدارس کی بالکل ابتدائی حالت رہی اور قلت گنجایش موازنہ ان کے اصلاح کی سخت حائل تھی - عمدہ کارگذاری پر بھی مدرسین کو بلا خلوئے خدمت نہ ترقی مل سکتی تھی اور نہ مدارس میں اسٹاف کا اضافہ ہو سکتا تھا - بعض مدرسین ایسے بھی دیکھے گئے جو جس تنخواہ پر مامور ہوے تھے اُسی تنخواہ پر بصلہ حسن کارگذاری وظیفہ پر علحدہ ہوے -

سنہ ۱۳۲۱ف کی مردم شماری سے اس ملک کی تعلیمی حالت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ (۳۴) مرد عورتوں میں صرف ایک تعلیم یافتہ یا لکھنے پڑھنے کی اوسط تھی اس سنہ کی مردم شماری کے لحاظ سے (۱۸) مردوں میں صرف ایک لکھا پڑھا مرد اور (۲۸۶) عورتوں میں صرف ایک عورت لکھی پڑھی تھی - لکھے پڑھے مردوں میں بھی ہندو حضرات خصوصاً تجارت پیشہ لوگوں کی تعداد زیادہ تھی اور مسلمان خال خال لکھے پڑھے تھے -

سنہ ۱۳۳۰ف میں مجھے ناظر مدارس کی خدمت انجام دینی پڑی اس وقت مجھے بذات خود ضلع کا دورہ کرنے کا موقع ملا - اضلاع میں مدارس اور مدرسین ہی کی قدر نہ تھی تو ناظر مدارس کا کون پرسان حال ہو سکتا تھا - ہر جگہ مجھے اپنے اور اپنے گھوڑے اور اپنے سائیس اور چپراسی کے انتظام قیام و طعام کی مدد کے لئے پٹیل پٹواریوں کو منانا پڑتا تھا - ایک روز کا ذکر ہے کہ میں دورہ کرتے ہوے تقریباً رات کے آٹھ بجے جبکہ کچھ ہلکی سی بارش بھی ہو رہی تھی ایک قصبہ میں پہنچا - میں اس وقت خاکی وردی پہنا ہوا تھا - جب میں گاؤں کی چاوڑی پر پہنچا وہاں کا آدمی فوراً آیا اور میرا گھوڑا تھام لیا - پھر گھوڑے کو ایک محفوظ مقام پر باندھ کر دوڑتا ہوا پولیس پٹیل کو بلا لایا - پولیس پٹیل آتے ہی میرے بیٹھنے کیلئے ایک کرسی اور ایک قندیل اپنے ساتھ لایا - اور بہت ادب سے سلام کر کے دریافت کرنے لگا - شاید پہلے کے امین صاحب کا تبادلہ ہو چکا ہے - جو سرکار تشریف لائے ہیں - اب میں سمجھا کہ وہ مجھے پولیس کا سب انسپکٹر سمجھ رہا ہے - اس اثنا میں میرا چپراسی سائیس اور سامان کے بیگار آپہونچے ان کے آنے کے بعد پٹیل کو معلوم ہو گیا کہ میں کوتوالی کا امین نہیں ہوں بلکہ ناظر مدارس ہوں اس نے فوراً اپنی قندیل بجھا دی چاوڑی میں جو چراغ ٹمٹماتا ہوا جل رہا تھا وہی جلتا رہا اور پٹیل یہ کہتا ہوا اپنی قندیل لیکر چلتا بنا کہ مدرس صاحب کو کار سرکار اطلاع کر دیگا - اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ تواضع خوش خلقی ظاہر کیگئی تھی وہ سب انسپکٹر صاحب کیلئے تھی - مجھے پٹیل کی اس حرکت سے سخت صدمہ ہوا - مگر قہر درویش بجان درویش - جو کچھ توشہ ساتھ تھا کھا پی کر سو رہا - غرض اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ حال تک بھی دیہات کے لوگ سررشتہ تعلیمات سے غیر مانوس اور متنفر تھے - اور سررشتہ تعلیم کے ملازموں کی ان کے پاس کوئی قدر نہ تھی قصبوں کے دوکانداروں سے باوجود کافی قیمت دینے کے سودا اچھا نہیں ملتا تھا - اور بیچارے مدرسین طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا کرتے تھے -

میں نے اپنے دورہ میں دیہاتی مسلمانوں کی حالت عموماً پست دیکھی - اکثر مسجدیں ویران اور بے چراغ تھیں - اور شب میں جانوروں کا مسکن بنی تھیں - اکثر مسلمان صرف نام سے پہچانے جاتے تھے - ان کی اور ان کی عورتوں اور بچوں کا تمام طرز زندگی اور لباس بالکل ہندوؤں کا تھا - ہندوؤں کی رسومات میں مسلمان عموماً شریک رہتے تھے - ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں مدرسہ کے معائنہ کی غرض سے ایک مقام پر پہنچا جہاں ہندوؤں کی کوئی بڑی جاترا تھی - جاترا کی وجہ مدرسہ کو تعطیل دیگئی تھی - جس روز میں پہنچا ہوں اس روز شام میں رتھ کشی تھی - یعنی اس دیوتا کی مورت کو رتھ میں بٹھا کر ہندو اعتقاداً اس بڑی رتھ کو خود کھینچتے تھے - تماشے کی خاطر میں بھی اس مقام پر پہنچا جہاں رتھ کھینچی جانے والی تھی - اس قصبہ کے اطراف و جوانب سے کثرت سے زائرین کھنچ آئے تھے اور رتھ کے مقام پر بہت بڑا اژدحام تھا - پانچ بجے شام کے قریب رتھ کشی کی تیاری شروع ہوئی مگر کامل ایک گھنٹہ گذر گیا - اور رتھ کشی نہ ہوئی - میری طبیعت اکتا گئی تھی - اور میں واپس ہونے والا تھا کہ میرے چپراسی کی زبانی معلوم ہوا کہ رتھ کشی کیلئے ملا صاحب کا انتظار ہو رہا ہے - جن کے آئے بغیر رتھ کشی نہیں ہو سکتی اس بات کو سنکر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ مسلمان اپنے عقائد میں اتنے پست ہو گئے ہیں کہ رتھوں کو اعتقاداً کھینچتے ہیں - اور اب اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ اسوقت ہندو اتنے بے تعصب تھے کہ رتھ کشی میں بھی مسلمانوں کی شرکت کو پسند کرتے تھے اور اب ایک دوسرے کے دشمن جانی بنے ہوئے ہیں - غرض میں اسوقت بڑی توجہ کے ساتھ ملا صاحب کا انتظار کرنے لگا - تھوڑی دیر میں ملا صاحب سفید دھوتی باندھے انگرکھا پہنے اور سر پر پگڑی رکھے ننگے پیر بہت سے مسلمانوں کے ساتھ تشریف لائے - اور آتے ہی انگرکھے کا دامن کمر سے لپیٹ کر سب کے ساتھ جن میں مسلمان اور ہندو دونوں شریک تھے رتھ کا رسہ پکڑ کر دین دین کہتے ہوے رتھ کھینچنے لگے - اور کچھ دور تک رتھ کو کھینچکر لے گئے - گویا رتھ کشی ہو گئی - اسکے بعد مجمع منتشر ہو گیا - دورے میں میرا گذر ایک ایسے مقام پر بھی ہوا - جہاں بہت کم مسلمان آباد تھے - اور جہالت کی وجہ اسلامی طریقہ پر جانور کو ذبح کرنا نہیں جانتے تھے - اس لئے کسی ملا کی پڑھ کر دم کی ہوئی چھری اپنے پاس رکھتے تھے اور اس سے بے کھٹکے جانوروں کی گردنیں کاٹتے تھے - وہاں میں نے پڑھی ہوئی چھری کو واقعہ کی صورت میں دیکھا -

رفتہ رفتہ سرکار نے مدرسوں کی اصلاح کیطرف توجہ کی اور تعلیمات کیلئے زیادہ رقم دیجانے لگی - اس سے لائق مدرسین فراہم ہوتے گئے - اور کارگذار مدرسوں کی تنخواہوں میں خاصہ اضافہ ہوتا گیا - الحمد للہ یہ سب دور عثمانی کی برکت ہے - (خدا العیض تا دیر قائم رکھے) کہ تمام محکموں کی اصلاح ہوئی محکمہ تعلیمات کی اصلاح کا اصلی سنگ بنیاد ڈاکٹر امام الطیفی کے ہاتھوں رکھا گیا جن کے پہلے ملک کی تعلیمی حالت ایک مستقل جمود میں تھی - ڈاکٹر صاحب ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس جمود میں ایک ہیجان پیدا کیا - لیکن وہ تعلیمی نظام کے اس ہیولے کو متشکل کرنے سے پہلے ہی حیدرآباد سے رخصت ہو گئے مگر ان کے اس مختصر دور میں بھی جو اصلاحی حرکت پیدا ہوئی اسپر ملک کو ڈاکٹر صاحب کا شکر گذار ہونا چاہیئے - اس اصلاحی تحریک کی تکمیل اس شخص کی منتظر تھی جس کے جد اعلے نے شمالی ہند میں تعلیم کا چراغ روشن کیا تھا - نواب مسعود جنگ بہادر کی یہ خاندانی روایت اس طرح پوری ہوئی کہ انھوں نے جنوبی ہند میں وہی کام کیا جو ان کے جد بزرگ نے شمالی ہند میں کیا تھا -

اس سلسلے میں نواب حیدر نواز جنگ بہادر (محمد اکبر حیدری صاحب) کا نام بھی نہیں بھلایا جا سکتا - صاحب موصوف نے پہلے بہ حیثیت معتمد تعلیمات اور پھر بہ حیثیت صدر المہام فینانس تعلیم عمومی میں جو دلچسپی لی ہے وہ موجودہ ترقی تعلیم کی روح رواں رہی ہے - خصوصاً آپ نے صدر المہام مالیات کی حیثیت سے جتنی کثیر مالی امداد تعلیمات کو دی ہے اوسکی نظیر کسی وزیر مالیات کے زمانہ میں نہیں مل سکتی

ملک دکن کی موجودہ تعلیمی حالت کو بیان کرنا تحصیل حاصل ہے - ملک کی تعلیم اور عثمانیہ یونیورسٹی سے کون ناواقف ہے - جس مقام پر اس زمانہ میں مڈل میٹرک پاس شخص کا وجود نادراً سے تھا وہاں اب بی - اے - ام - اے اور ولایت کے تعلیم یافتہ حضرات کا وجود عجائبات سے نہیں گنا جاتا - غرض میں سمجھتا ہوں کہ گویا میں نے ملک دکن کو عہد حجری سے گزر کر عہد نقرئی میں قدم رکھتے دیکھ لیا - اور اس کا عہد زریں وہ ہو گا جبکہ یہاں کے نوجوان دفتری میز اور قلم کی جگہ فولادی مشین اور ہتوڑا ہاتھ میں لیں گے -

سوسائٹی کے فروغ میں بڑا حصہ لیا ۔ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء میں ہندوستان اور برہما کے سرکاری مطابع کے حسابات کی تنقیح اور جانچ کا کام خاص طور پر آپ کے تفویض ہوا ۔ اس سلسلہ میں آپ کو ہندوستان اور برہما کے بڑے بڑے شہروں کے معائنہ کا موقع ملا ۔ آپ نے مبسوط رپورٹیں لکھیں اور حیدری اسکیم مرتب کر کے سرکار میں پیش کی جس پر حکومت نے اظہار خوشنودی کیا ۔

اس کے بعد سے حیدری صاحب کا حیدرآبادی دور شروع ہوتا ہے غالباً اس شہر کے نام کی مناسبت نے آپ کو یہاں کھینچ لیا ۔ کہ آپ سنہ ۱۹۰۵ء میں صدر محاسب بنکر حیدرآباد آئے ۔ یہاں آپ کو بہت کام کرنا تھا آپ نے سب سے پہلے صدر محاسبی کی تنظیم کی ۔ اور ملازمین کے تقرر کیلئے امتحان مقرر کیا تنقیح حسابات کے سلسلہ میں بہت سی اصلاحیں کیں اور دفتر صدر محاسبی کو ایک باقاعدہ دفتر بنا دیا سنہ ۱۹۰۷ء میں آپ معتمد فینانس بنائے گئے ۔ اس زمانہ میں وزیر فینانس سر جارج کیس واکر تھے مسٹر حیدری نے سر جارج کو بہت مدد دی جسکا سر جارج واکر نے فراخ دلی سے اعتراف کیا ۔

حیدرآباد میں آپ کے کارناموں کا مکمل بیان اس مختصر مضمون میں مشکل ہے ۔ ان میں چند ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں ۔ جو حیدرآباد کی اجتماعی حالت پر مفید اثر ڈالتی ہیں

نواب حیدر نواز جنگ نے یہاں کے خوردہ سے نرخ کی اصلاح کی اور تمام سررشتوں میں تنخواہوں کا گریڈ مقرر کیا ۔ اسکے پہلے یہاں تنخواہوں میں گریڈ کا طریقہ رائج نہیں تھا ۔ یورپ اور ایشیا میں تعلیم کیلئے طلباء کو وظیفہ دیکر روانہ کرنے کا طریقہ جاری کیا اور یورپ اور ایشیا کے نام سے دو قسم کے مختلف وظائف تعلیمی مقرر کر دئیے ۔ جن سے مستفید ہو کر ہر سال چار چار طالب علم یورپ اور ایشیا کے مختلف مقامات پر تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں ۔

آپ نے محبوبیہ گرلز اسکول کی بنا ڈالی جہاں حیدرآباد کے شرفا کی لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں ۔

سنہ ۱۹۰۸ء کے طوفان رود موسیٰ میں آپ نے اور خاتون محترمہ بیگم حیدری نے بے خانماں مصیبت زدوں کی امداد میں جوان تھک محنت کی ہے وہ حیدرآبادیوں کے دلوں سے محو نہیں ہوسکتی ۔ حیدری صاحب نے طغیانی کے متعلق ایک اسکیم مرتب کی تھی سنہ ۱۹۱۱ء میں آپ امور داخلہ کے معتمد بنائے گئے ۔ اس نئی خدمت پر آنے کے بعد آپ کو اپنی اصلی دلچسپی کی چیز کی تعلیمات کو ترقی دینے کا موقع ملا ۔ آپ نے معتمد فینانس کی حیثیت سے مسٹر میہیو کی خدمات کے مستعار لئے جانے کیلئے تحریک کی تھی اب معتمد تعلیمات کی حیثیت سے وہ تحریک بروئے کار آئی مسٹر میہیو حیدرآباد آئے اور سررشتہ تعلیمات کیلئے وہ بیش بہا کام کیا کہ آج تک انکی رپورٹ تعلیمات کے عہدہ داروں کے لئے مشعل ہدایت ہے ۔ مسٹر میہیو نے جن جن چیزوں کی سفارش کی تھی حیدری صاحب نے ان کو اپنی رپورٹ کے ساتھ گورنمنٹ میں روانہ کیا جس پر منظوری صادر ہوئی سنہ ۱۹۱۵ء میں سید راس مسعود صاحب (نواب مسعود جنگ بہادر) کی خدمات

سرکار ہند سے مستعار لی گئیں ۔ اور وہ ناظم تعلیمات مقرر ہوئے ۔ تعلیم کے ان دو سچے شیدائیوں کے ساتھ عمل نے حیدرآباد کی تعلیمی حالت میں اعجاز دکھایا کہ شاید عام حالت کے تحت اس نوبت پر پہنچنے کیلئے کئی قرن درکار ہوتے ۔ تعلیمات کا موازنہ ایک لاکھ سے اٹھارہ لاکھ پہنچ گیا اور جس ملک میں مڈل اور میٹرک پاس شخص کا وجود غنیمت گنا جاتا تھا وہاں اب یونیورسٹی کی روشنی پھیل رہی ہے جو تعلیمی حیثیت سے کسی ملک کی معراج ہوسکتی ہے ۔

سنہ ۱۹۱۷ء میں حیدری صاحب نے اردو یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کی اور اسی سال حضور میں عرضداشت گزرانی جسکو روشن ضمیر بادشاہ نے منظوری کا شرف بخشا ۔ غرض اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دنوں میں دار الترجمہ قائم ہوا سنہ ۱۹۱۹ء میں یونیورسٹی کا افتتاح ہوا اور سنہ ۱۹۲۷ء تک طلبا کی تعداد سات سو سے بڑھ گئی ۔

اس سلسلہ میں نواب حیدر نواز جنگ بہادر کی تعمیری اور فنون لطیفہ کی دلچسپیوں اور کارناموں کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی ۔ حیدرآباد میں عدالت العالیہ، صدر دواخانہ اور سٹی کالج کی جو شاندار خوبصورت عمارتیں دکھائی دیتی ہیں ان کا پہلا تخیل حیدری صاحب ہی کے دماغ میں پیدا ہوا تھا یہ عمارتیں انھیں کی تحریک کا نتیجہ ہیں سنہ ۱۹۱۴ء میں آپنے آثار قدیمہ کا ایک محکمہ قائم کیا ۔ اور ایلورا اور اجنٹا کے عجائب روزگار فنی کارناموں کو محفوظ کرنے کی تدبیر کی نہ صرف ایلورا اور اجنٹا ہی بلکہ ورنگل کا مشہور مندر اور قطب شاہیوں کے خوشنما گنبد بھی آپکے مرہون منت ہیں ۔

سنہ ۱۹۱۷ء میں حیدرآباد میں ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہوئی ۔ آپ اسکے پہلے صدر منتخب کئے گئے سنہ ۱۹۱۷ء ہی میں آپ نے جنوبی ہند کی تعلیمی کانفرنس کی بھی صدارت کی ۔ بمبئی، مدراس، ڈھاکہ، مسلم اور عثمانیہ یونیورسٹیوں نے آپکو اپنا فیلو بنایا ۔ ڈھاکہ مسلم اور عثمانیہ یونیورسٹی میں آپ انتظامی کونسل کورٹ اور مجلس علمیہ کے بھی رکن ہیں ۔

سنہ ۱۹۱۹ء اور سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ عارضی طور پر محکمہ صنعت و حرفت کے بھی معتمد رہے مسٹر ویکفیلڈ کی رخصت کے زمانہ میں آپ نے صدر ناظم محکمہ صنعت و حرفت کی خدمت بھی انجام دی ۔

اپریل سنہ ۱۹۲۰ء میں سرکاری ملازمت سے سرکار ہند کی ملازمت میں اپنی اصلی خدمت پر لوٹ گئے اور صوبہ بمبئی کے صدر محاسب مقرر ہوئے ۔ اسطرح آپ پہلے ہندوستانی ہیں جسکو سرکار ہند میں صدر محاسب کا درجہ دیا گیا ۔ بمبئی میں آپ نے چند ہی ماہ اپنی خدمت انجام دی کہ اعلیحضرت نے آپ کو طلب فرمایا ۔ آپ اپنی اصلی خدمت سے وظیفہ لیکر پھر حیدرآباد چلے آئے ۔

جولائی سنہ ۱۹۲۱ء میں آپ مسٹر گلانسی کی جگہ وزیر مالیات و ریلوے مقرر ہوئے ۔ تا ہم اسکیل کیوجہ ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ مصارف کا اضافہ ریاست کے اخراجات میں ہوچکا تھا ۔ آپ نے محکمہ بندی کی تحریک سرکار میں پیش کی جس کو اب حکومت نے منظور کرلیا ۔ پہلے پہل عہدہ دار اس تحریک کے مخالف تھے لیکن بعد میں یہ تحریک پھر تین سال کیلئے منظور ہوئی

آپ نے تعمیرات آبپاشی اور بدررو ہائے (Drainage.) محکموں کو بہت مدد پہنچائی اور ہمیشہ ان محکموں کیلئے بڑی بڑی رقمیں موازنہ میں مخصوص رکھی گئیں ۔ جب آپ نے وزارت مالیات کا جائزہ لیا تھا ۔ تو اس وقت آپ کو (۵۷) لاکھ روپیہ ریلوے کی توسیع کیلئے قرض لینا پڑا تھا ۔ آپ نے یہ رقم ادا بھی کر دی اور اس سال کے موازنہ میں (۴۰) لاکھ کی بچت نکالی ہے ۔

توسیع ریلوے کا کارنامہ آپکا بہت قابل قدر کارنامہ ہے ۔ حیدرآباد سے عالم پور تک چھوٹی پٹری کی ریل تیار ہوچکی ہے ۔ اور عنقریب یہ کرنول تک پہنچ جائیگی ۔ اس سے بنگلور تک مستقل راستہ ہوجائیگا ۔ ریلوے کا دوسرا کارنامہ ورنگل سے بلہارشاہ تک (۱۵۰) میل کی بڑی پٹری کی ریل کی منظوری ہے ۔ یہ لائین نصف کے قریب تیار ہوچکی ہے ۔ اور گاڑیاں چل رہی ہیں ۔ اس سال بقیہ لائین کی تکمیل ہوجائے گی ۔ اس لائین کی تعمیر سے مدراس سے دہلی تک (۵۰۰) میل مسافت کی کمی ہوجائے گی ۔ اور مدراس سے دہلی تک ڈاک اسی راستہ سے جائے گی ۔

آپ ہی نے کوئلہ کی کانوں تک بڑی لائین کی توسیع کرائی ۔ واکر صاحب کے بعد آپ ریلوے کے سرکاری ڈائرکٹر مقرر ہوئے ۔

سنہ ۱۹۲۵ء میں شملہ میں تمام ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی کانفرنس منعقد ہوئی اس میں عثمانیہ یونیورسٹی کی نیابت آپ نے اور نواب مسعود جنگ بہادر (مولوی سید راس مسعود صاحب) نے کی ۔ اس کانفرنس میں انڈین یونیورسٹی بورڈ قائم ہوا آپ اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے ۔ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو ایڈرس دینے کے لئے مدعو کیا ۔ وہاں آپ نے ایک پرمغز خطبہ دیا ۔

حیدرآباد کا ادارہ دائرۃ المعارف ایک ایسا مشہور علمی ادارہ ہے جسکی شہرت ہندوستان سے گزر کر یورپ کے مستشرقین تک پہنچ چکی ہے ۔ اور حقیقت میں یہ ادارہ حیدرآباد کی علمی زندگی کا بہترین کارنامہ ہے ۔ نواب حیدر نواز جنگ بہادر اس ادارہ کے رکن تھے ۔ نواب عماد الملک بہادر کی وفات کے بعد آپ اس کے صدر بنے اس ادارہ کی توسیع کے لئے نواب حیدر نواز جنگ کی کوشش سے چھ لاکھ روپیہ عطا کیا گیا ۔ اب تک اس کے مطبع سے سو سے زیادہ نادر کتابیں شائع ہوچکی ہیں ۔

اردو پر آپ نے ایک اور احسان یہ کیا کہ اپنی ذاتی دلچسپی اور ہمت افزائی سے اردو کے نستعلیق حروف طباعت (ٹائپ) بنوائے اگرچہ یہ ٹائپ ابھی صحیح معنی میں مکمل نہیں ہے ۔ مگر آپ کی ذاتی دلچسپی سے امید ہے کہ اس میں اور ترقی ہوگی ۔ اور یہ مکمل حالت میں آجائیگا ۔

بتقریب جشن سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۴۱ آپکو نواب حیدر نواز جنگ بہادر کا خطاب عطا ہوا

(باقی آئندہ)

ڈاکٹر حیدر نواز جنگ بہادر

ال۔ال۔ڈی۔

صدرالمہام مالیات حیدرآباد دکن

اس سال عثمانیہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد کے نظام العمل میں ایک خاص دلچسپی کی چیز نواب حیدر نواز جنگ بہادر کو ال ال ڈی کی ڈگری کا عطا کیا جانا تھا۔ نواب صاحب کو اس ریاست کی خدمت کرتے ہوئے تقریباً ربع صدی گذر چکی ہے۔ اس طویل مدت کے قیام حیدرآباد کا نتیجہ یہ ہے کہ نواب صاحب کو ان کے مشہور نام "حیدری صاحب" سے حیدرآباد کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ سرکار کی قدردانی نے "نواب حیدر نواز جنگ بہادر" کا خطاب دیا اور وہ دن دور نہیں کہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر "نواب اکبرالدولہ" اور "نواب اکبرالسلطنۃ" بھی بن جائینگے مگر ان کی ہر دلعزیزی نے "حیدری صاحب" جو خطاب دیا ہے وہ حسن عقیدت کے ساتھ حیدرآباد کے بچہ بوڑھے ہر ایک کے دل اور زبان پر یکساں قائم رہیگا۔

اس میں کس کو شک ہے کہ ڈاکٹر حیدر نواز جنگ کی زندگی ایک کامیاب زندگی ہے۔ اور انھوں نے حیدرآباد کی تعلیمی حالت کو جس بلندی پر پہنچایا ان کے اس قومی خدمت سے کس کو انکار ہے۔ قومی خدمت کا لفظ آج کل کچھ نا شائستہ معنی رکھتا ہے۔ ہمیں ان دو الفاظ سے ایسی ہستیوں کا تصور ہوتا ہے جو کسی سرکاری رشتہ سے وابستہ نہوں جو عمدہ عمدہ تقریریں کرتی ہوں بغیر صحیح راستہ دریافت کئے قومی آزادی کا ساحرانہ راگ گاتی ہوں مختصر یہ الفاظ ان کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہتے ہیں جن لوگوں نے دن رات دماغ سوزی کی غذا کے تیار کئے۔ اصلاحیں مرتب کیں اور بڑی بڑی کوششوں سے ہماری جاہل قوم کو علم کی طرف راغب کیا۔ ہمیں ایسے لوگوں کو قومی خادم کہتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔

نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے اجداد کا اصلی وطن ملک عرب تھا تجارت کے سلسلے میں ان کے آبا و اجداد نے ہندوستان کا رخ کیا پہلے کھمبائت میں آئے اور بمبئی کو اپنا وطن بنا لیا۔ ان کی تجارت کا سلسلہ یورپ اور مشرق اقصٰے تک پھیلا ہوا تھا۔ تاجر وہ خوش قسمت انسان ہے جو کسی قوم میں اس قوم کے دوسرے افراد سے پہلے مختلف ملکوں اور مختلف طریقوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ نواب صاحب کے بزرگوں کو بھی اسی تجارت نے انگریزی تعلیم کی ضرورت سمجھائی اور ان کے خاندان میں ان کے چچا نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی انھوں نے صرف ہندوستان ہی میں اپنی اولاد کو انگریزی کی تعلیم نہیں دلائی بلکہ تکمیل تعلیم کیلئے یورپ بھی بھیجا۔ اسطرح نواب حیدر نواز جنگ کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی ولادت سے پہلے ہی ان کے خاندان میں روشن خیالی اور جدید تعلیم کی روشنی پھیل چکی تھی۔

نواب حیدر نواز جنگ بہادر ۸ نومبر ۱۸۶۹ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدہ اور نانی صاحبہ نے دی۔ اور بعد میں مکتب داڑی (بمبئی) کے اینگلو ورنا کیولر اسکول میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد وہ الفنسٹن ہائی اسکول داخل ہوئے مگر یہاں سے وہ چھ مہینے کے بعد سنٹ زیویرز ہائی اسکول میں شریک ہوئے۔ اس مدرسہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر سنٹ زیویرز کالج میں اعلیٰ تعلیم کیلئے داخل ہوئے۔ اس کالج سے انھوں نے (۱۷) برس کی عمر میں بی اے آنرس کا امتحان پاس کیا۔ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بہت ممتاز طالب علم ثابت ہوئے اور کالج سے اکثر انعامات اور وظائف حاصل کرتے رہے۔ کالج میں انھوں نے تاریخ۔ معاشیات۔ انگریزی ادب اور لاطینی زبان کی تعلیم پائی۔ بی۔ اے کے بعد انھوں نے ال ال بی میں شرکت کی اور اس کا پہلا امتحان پاس کیا۔ ابھی دوسرے امتحان کا دور ختم نہیں ہوا تھا کہ انڈین فینانس کیلئے سرکار نے ان کا انتخاب کیا۔ اس طرح ال ال بی کی ڈگری نہ لے سکے۔

فینانس کے امتحان میں یہ سب میں اول آئے اور انڈین فینانس ڈپارٹمنٹ میں ۱۸۸۸ء میں اسسٹنٹ کنٹرولر کی حیثیت سے ان کا تقرر ناگپور پر ہوا۔ آپ کے زمانہ قیام ناگپور میں وہاں انجمن حامی اسلام کی بنیاد پڑی جسکے آپ لائف پریسیڈنٹ مقرر ہوئے اس انجمن کے تحت ایک اسکول کھولا گیا جو ترقی کر کے ہائی اسکول تک بن گیا۔ یہ گویا آپکا پہلا قومی کارنامہ تھا۔

جولائی ۱۸۸۹ء میں آپکا تبادلہ لاہور کرنسی آفس پر ہوا لیکن چار مہینے کے بعد ہی کلکتہ پر تبدیلی ہوئی جہاں آپ (۵) سال چار مہینے رہے کلکتہ سے آپکا تبادلہ مددگار صدر محاسب کی حیثیت سے الہ آباد پر ہوا۔ الہ آباد میں آپ نے میور سنٹرل کالج کے محمڈن بورڈنگ ہاوس کی نشو ونما میں بڑی مدد دی۔ اپریل ۱۸۹۳ء میں آپکا تبادلہ بمبئی پر ہوا۔ الہ آباد میں آپ نے اسلامی کام تو وہ انجام دیا کہ محمڈن بورڈنگ ہاوس میں مدد دی اور ہندوؤں کے ساتھ آپ کا سلوک ایسا رہا کہ آپ کے تبادلہ پر الہ آباد کے ہندوؤں نے ایک شاندار وداعی جلسہ دیا۔

اسی زمانہ میں آپ کی شادی بمبئی میں آپ کے ماموں نجم الدین طیب جی صاحب مرحوم کی پانچویں صاحبزادی سے ہوئی سنہ ۱۹۰۱ء میں آپکا تبادلہ مدراس پر نائب صدر محاسب کی جگہ ہوا وہاں آپ نے انجمن اسلامیہ اور محمڈن لٹریری

بقیہ جاپان اور حیدرآباد

صفحہ (۳۹) کالم (۳)

تمہاری فلاح اور بہبودی میں بے دریغ امداد دینے کیلئے تیار ہو۔ صرف تمہاری اولوالعزمی، محنت اور استقلال کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ آج حیدرآباد میں ترقی کی جو کچھ بھی تھوڑی نظر آتی ہے وہ سب حکومت کا کیا کرایا ہے۔ عام اہل ملک کی کوششوں کو مطلق دخل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی کا سارا ڈھانچہ ایک قالب بے روح دکھائی دیتا ہے۔ بس اے ہموطنو، اپنے خواب عیش سے بیدار ہو جاؤ آنکھیں کھولکر دیکھو کہ تم کون ہو اور کہاں ہو تمہارے ساتھی جن کے ہمراہ چلنے کیلئے تم نے کمر ہمت باندھی تھی، اپنا گنج مقصود حاصل کر چکے۔ مگر ایک تم ہو کہ اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں رکھتے۔ اگر تمھیں کامرانی کی زندگی مطلوب ہے تو خلوص محنت اور آئینی جد وجہد کے ساتھ اپنی ترقی میں مصروف ہو جاؤ ورنہ تمھیں دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افق خاور سے
بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کردیں
ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط
اسی ہنگامہ سے محفل تہ و بالا کردیں
اس چمن کو سبق آئین نمو کا دے کر
قطرۂ شبنم بے مایہ کو دریا کردیں

بقیہ ہندوستان میں سائنس کی تعلیم اور ریسرچ

صفحہ (۸) کالم (۳)

منتخب ہو چکے ہیں اور سینکڑوں مضامین انگلستان اور امریکہ کے سائنٹفک رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ سابق میں ہند کے جدید علوم وفنون کے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابل سے قابل استاد محض اس وجہ سے کہ انھوں نے مغربی دنیا سے یہ علم وفن سیکھا ہے مغربی دنیا کے اساتذہ کی نظروں میں اس وقعت واحترام سے نہیں دیکھے جاتے تھے جس کیلئے وہ فی الحقیقت مستحق تھے اور جو کچھ علمی اعزاز اہل ہند کو حاصل ہوئے ہیں زیادہ تر جنگ عظیم میں ہندوستان کی شرکت کے بعد ہی حاصل ہوئے ہیں۔ بے التفاتی اور عالیہ حق شناسی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اب ہندوستان میں سائنٹفک ریسرچ کا کام بہت بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا ہے۔ پہلے صرف چیدہ چیدہ اشخاص کبھی کبھی اس میدان میں قدم رکھتے تھے اور تجربہ خانوں وغیرہ کی قلت وکم استطاعتی ان کے مسلسل کامیابی کے مانع ہوا کرتی تھی۔ صنعت وحرفت میں بھی جو کامیابی خالص ہندوستانی سرمایہ اور ہندوستانی تعلیم یافتہ اشخاص کے ذریعہ سے ہوئی ہے بہت امید افزا ہے۔ بطور مثال صرف بنگال کیمیکل اینڈ فارماکیوٹیکل ورکس

BENGAL CHEMICAL & PHARIMACOUTIOUL WORKS. کا نام پیش کرنا کافی ہے۔ علم کے صرف ایک بنگالی شیدائی اور ایثار وصداقت کی زندہ تصویر سر پی سی رائے (SIR P.C. RAY) کی کوششوں سے یہ کارخانہ وجود میں آیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو دنیا کے سامنے اتنا کامیاب بنا کر دکھایا۔ اس کارخانہ میں علاوہ معمولی کیمیکل (کیمیائی ضروریات) کے انگریزی طب کی دوائیاں اور بعض ہندوستانی دوائیاں بھی نہایت باقاعدہ طریقہ پر تیار کی جاتی ہیں۔ اصلاح کی اگرچہ اس میں بہت کچھ گنجایش ہے۔ تاہم اب تک جو کچھ ہو چکا اور اس وقت ہو رہا ہے قابل مبارکباد ہے۔ ہر بڑے شہر میں بلحاظ حالات خاص اس کے مماثل کارخانے قائم ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لئے سائنس کے اعلیٰ تعلیم یافتہ تجربہ کار اشخاص اور قوم پرست سرمایہ داروں کا اتحاد ضروری ہے۔ اگر یہ بات پیدا ہو جائے تو مشکل سے مشکل کام آسان ہو سکتا ہے۔

فہرست مضامین

سالگرہ نمبر

صفحہ

کتب خانہ تجارتی سید عبدالرزاق تاجر کتب اینڈ پبلشر و مالک رزاقی شین پریس چار مینار حیدرآباد

القاموس العلمی الادبی انگریزی و اردو

یہ ایک نہایت بسیط و جامع مستند لغت ہے جس کو علامۃ الدہر مولینا سید مختار احمد و ناظم الاخلاق مولانا سید غلام مصطفےٰ ذہین و مولینا ہاشمی نے مدون کیا ہے۔

اس میں تقریباً دو لاکھ انگریزی الفاظ و مصطلحات کے معنی تحلیل اور فلسفہ لغویۃ (فلالوجی) کما ینبغی تحقیق و تدقیق اور توضیح و تشریح کے ساتھ اردو زبان میں لکھا گیا ہے۔ تمام قدیم و جدید معارف و صنائع و علوم و فنون (علم کیمیا۔ علم طبیعیات۔ علم ریاضی۔ علم الافلاک (ہیئت) علم الحیواۃ (نباتات و حیوانات) علم اقتصاد و اجماع۔ علم النفس۔ فلسفہ، طب اور اسکے شعب و فروغ۔ علم الآثار و المتحفات۔ تاریخ و جغرافیہ۔ علم سیاست و قانون۔ الٰہیات و مذاہب علم طبقات الارض علم الانسان۔ علم الاقوام۔ ادبیات و لسانیات وغیرہ وغیرہ) کے انگریزی (یونانی لاطینی) اصطلاحات کے صحیح مترادفات، عربی، فارسی، ترکی، اردو، سنسکرت ہندی وغیرہ میں بتائے گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ مغرب (یورپ) اور مشرق (مصر و شام ایران و ہند) کی ایک صدی کے معلومات کو صدہا کتب لغات، مقالات، دائرات المعارف، و مباحث علمیۃ سے بامعانِ نظر مطالعہ اور دو تحقیق کر کے ایجاز کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ ایسا علمی و ادبی لغت آج تک ہند میں تو کیا مصر و شام اور افرنج (یورپ) میں بھی مدون نہیں ہوا۔ اس کے حصص ماہانہ شائع ہو رہے ہیں مشتاقان علم و ادب کو چاہیئے کہ اپنے اسمائے گرامی درج رجسٹر کرائیں کہ چند ہزار ہی نسخے چھپوائے جا رہے ہیں۔ فوری اعتنا نہ کی جائے تو طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔

قاموس الاغلاط

اعلیٰ انتقاد ادبی کی پہلی کتاب جو السنۂ عربی و فارسی و اردو میں تصنیف ہوئی ہے۔ اس میں تخمیناً دس ہزار ادبی اغلاط کی تصحیح و تنقیح اور الفاظ کی تحقیق و تدقیق اور تراکیب کی توضیح و تصریح بہ اسالیب انتقادیۃ و استشہاد آ کی گئی ہے بیشامیر ادباء و شعراء کے کلام نظم و نثر پر عالمانہ نقد کر کے صدہا لغزشیں بتائی گئی ہیں۔ سالہا سال کے وسیع و غائر مطالعہ و تخطیط لسانی کے بعد جدید فلالوجی (فلسفۂ لغویۃ) کے اصول کے موافق علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد و مولانا سید ہاشمی و مولانا ذہین نے مدون کیا ہے۔ عربی، فارسی، اور اردو کے بیسیوں لغات تو ملیں گے لیکن ایک جگہ اصول و قواعد و شواہد سے تصحیح کیا ہوا اغلاط کا فرم علمی ذخیرہ اور نکاتِ ادبیہ کا بے بہا خزانہ آپ حضرات اسی کو پائیں گے۔ یہ لغت عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

دکھنی لغت

ملک دکن اردو کا مولد و موطن اصلی ہے جب تک کوئی شخص دکھنی زبان سے واقف نہ ہو اردو زبان کا ماہر ہو نہیں سکتا۔ دکھنی زبان ایک مدت مدید سے ہندوستان کے بہت بڑے حصہ میں بولی جاتی ہے جسمیں قدیم نظم و نثر کی مستقل کتابیں اب تک بھی موجود ہیں۔ جبکہ اردو ایک بازاری زبان ہی تھی کہ دکن پر شعرا و ادبا نے نظم و نثر میں مستقل کتابیں لکھیں اور بڑے دواوین مدون کئے غرض دکھنی زبان کے ایک جامع لغت کی سخت ضرورت تھی جسکو مولوی سید شہاب احمد صاحب شعار ہاشمی نے سالہا سال کے وسیع مطالعہ اور محنت شاقہ سے مدون کیا ہے، اسمیں دکھنی الفاظ کے اردو مترادفات بھی بتائے گئے ہیں اسکے ذریعہ جنوبی ہند کے باشندے اردو سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں۔ یہ لغت عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

تاریخ سلاطین اسلام

مولفہ علامۃ الدہر مولینا سید مختار احمد و مولینا ذہین و مولینا ہاشمی اس کتاب میں (۲۴۰) اسلامی خاندان کا نہایت صحیح حال لکھا گیا ہے۔ اس کی تالیف کے وقت تمام انگریزی، عربی، فارسی تاریخیں دائرۃ المعارف (انسائکلوپیڈیاز) معتبر و مستند استشہادی کتب وغیرہ پیش نظر تھیں شخصی و مقامی اسما پر صحیح اعراب لگائے گئے ہیں مختصر یہ ہے کہ۔ اندلس، مراکش، الجزائر، تونس طرابلس الغرب۔ مصر۔ سوڈان۔ زنجبار۔ شام۔ عرب۔ ایشیا الصغریٰ۔ الجزیرہ۔ عراق ایران۔ بلقان۔ روس۔ ترکستان۔ افغانستان۔ ہندوستان۔ محل دیپ۔ جزائر ملے وغیرہ میں جو جو دُوَل و حکومات قائم ہوئیں ان کا مکمل جغرافی موقع۔ دار السلطنت اور تمام فرمانرواؤں کے نام پوری پوری تکمیل و اعراب کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ذیل میں عربی فارسی، انگریزی ناموں کی تطبیق بھی کر دی گئی ہے۔

زراقی شین پریس سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

جواہر کلیات نظیر

نظیر اکبرآبادی کا کلام مقبول خاص و عام ہے۔ ان کی بعض نظمیں فقیروں کی صدائیں ہیں بعض نظمیں کزبم عیش کی سامعہ نواز ہیں بعض نظموں سے بچوں کی درسی کتابیں مزین ہیں۔

ان کے کلام میں سنجیدہ و متین خیالات، پاکیزہ جذبات بکثرت ملتے ہیں بعض نظموں میں حقیقت سے جانگداز اور معرفت کے دلنواز مضامین ہیں جنکو بار بار پڑھنے کیلئے جی چاہتا ہے اور جتنا پڑھے زیادہ لطف آتا ہے۔ دل سیر نہیں ہوتا طبیعت نہیں اکتاتی۔ علامۃ الدہر مولینا سید مختار احمد و مولینا ذہین و مولینا سید ہاشمی نے اس انتخاب میں ایسی قسم کی نظموں کو چنا ہے اور وہ اشعار حذف کرائے ہیں جو فحش آمیز یا زبان و معانی کے لحاظ سے آج کل کے مذاق کے خلاف اور عسیر الفہم ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ نظیر کے عمدہ اخلاقی کلام کا ایک ایسا مجموعہ تیار ہو جائے جسکے ہر عمر کے طلبہ اور ذکور و اناث بے تکلف مطالعہ کر سکیں۔

مژدہ باد کہ یہ اخلاقی، ادب آموز، ظرافت آمیز، دلنواز نظموں کا قابل دید مجموعہ طبع ہو چکا ہے۔ دل بہلانے اور نفع سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے اس کا مطالعہ بمقابل دروغ آمیز قصص اور مخرب اخلاق ناولوں کے بدرجہا بہتر و اولیٰ ہے آخر میں مختصر سی فرہنگ بھی حلِ مطالب اشعار کے لئے مندرج ہے قیمت (عہ)

قاموس الہند الموسوم فرہنگ راجیشوری

اس مبسوط لغت میں عربی، عبرانی، سریانی یونانی، رومی، ترکی، فارسی، (ژند و پہلوی، دری) سنسکرت، ہندی، اردو، انگریزی کے تخمیناً (۴) لاکھ علمی و ادبی الفاظ اور محاورات درج ہیں جن میں صرف و نحو کی تراکیب اور منطق، فلسفہ، ہیئت ہندسہ، عروض، بیان، معانی، طب، قانون کے مصطلحات بھی داخل ہیں ہر لفظ اور محاورہ اور اصطلاح کی کامل توضیح و تصریح کی گئی ہے صحیح تلفظ کا اظہار اعراب کے علاوہ لفظاً بھی کیا گیا ہے۔ ہر لفظ کے مقابل زبان کی تصریح کہ آیا عربی ہے یا فارسی یا اردو وغیرہ نیز اقسام کلمہ کی توضیح کہ متعدی ہے یا لازم یا فعل یا اسم یا صفت اور بصورت اسم اس کی تذکیر یا تانیث۔ فیصلہ کن بتائی گئی ہے اور اغلاط مروجہ کے استناد آ داشتشہاد آ تصحیح کی گئی ہے۔ غرض اصول لغت سے کوئی دقیقہ ایسا نہیں چھوڑا گیا کہ اس لغت کے موجود ہوتے کسی اور لغت کے دیکھنے کی ضرورت پڑے اور یہ لغت عالیجناب راجہ راجیشور راؤ بہادر اصغر (والی سمستھان ونپرتی ہم کنڈہ) کی سالہا سال کی محنت شاقہ، عزم بالجزم و ہمت بلند کا نتیجہ ہے کہ مکمل ہو کر زیور طبع سے آراستہ ہونے کو ہے۔ راجہ صاحب ممدوح بدو شعور سے علمی خدمات انجام دیتے آ رہے ہیں چنانچہ اب تک مختلف علوم و فنون کی (۴۵) کتابیں آپ کی مصنفہ و مولفہ و مترجمہ حلیۂ طبع سے مجلّے ہو چکی ہیں۔ مشتاقان علم و ادب کو مژدہ ہو کہ یہ لغت بعد طبع ان کے شوق ادب کی بخوبی تکمیل کر دے گا۔ (دفتر فرہنگ راجیشوری۔ ادما باغ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد۔

کتب خانہ تجارتی سید عبد الرزاق تاجر کتب اینڈ پبلشر و مالک رزاقی مشین پریس چار مینار حیدرآباد دکن

قرآن مجید مترجمہ حضرت شیخ الہند رح جس کا مسلمانوں کو عرصہ سے انتظار تھا تیار ہو کر شائع ہو چکا ہے تقطیع کلاں کتابی صورت سے دو گنی کاغذ چھپائی نفیس ہدیہ ہے

تصنیفات علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد (مخطط اسلامی)

مختار البیان فی لغات القرآن (حرف الف) جس کی لغوی و ادبی تحقیق و تدقیق قابل دید و لایق داد ہے علمائے کرام و فضلائے عظام نے اس کی از حد تعریف فرمائی ہے (عہ)

مختار الصرف (انگریزی و اردو) جس میں ایک ہی مصدر (دیکھنا) پر اشارہ سو مختلف صیغے اور ان کی مثالیں لکھی گئی ہیں۔ مشاہیر علماء و فضلا نے انگریزی کو بخوبی و آسانی جاننے کے لئے اس کا پڑھنا بہت مفید بتایا ہے .... (۸)

تصنیفات مولانا ذہین

سیرۃ خیر البشر (منظوم) .... (۱)

حدائق الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا دلچسپ مفید ذخیرہ .... (عہ)

تعلیم الاخلاق اخلاقی مضامین نظم و نثر کا مفید مجموعہ .... (۱۲)

تہذیب الاطفال - نتیجہ خیز دلچسپ منظوم حکایتوں کا باتصویر مجموعہ .... (۱۲)

بالک بلاغ - بچوں کے مذاق کی شرقی و مغربی طرز پر عہد طفولیت کی دلکش اور نصیحت آموز نظمیں حصہ اول ۵ ر حصہ اول و دوم عہ ....

سوغات صالحات - عورتوں اور بچیوں کے لئے اخلاقی نظموں کا نادر تحفہ (۸)

ہملن کا چیکدار بانسری والا - انگلستان کے مشہور شاعر (براؤننگ) کی دلکش نظم (پائیڈ پائپر آف ہملن) کا منظوم دلچسپ ترجمہ .... (۱۹)

بی لڑاکا - ایک زبان دراز - فیلہائی - پھوہڑ بی بی کا نتیجہ خیز اور عبرت آموز منظوم قصہ ۳ر

نیک بی بی - اس نظم کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ایک نیک خو بی بی نے اپنے شوہر کو خوش بنا دیا .... (۲)

چھوٹا شیطان - علم کی خوبی اور جہل کی برائی کو قصے کے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے نتیجہ خیز نظم ۲ر

ایک ہنسانے والی داستان - کاؤپر کی ظریفانہ نظم کا منظوم نصیحت آموز ترجمہ (۱)

قاموس الاغلاط - اعلیٰ انتقادادبی کی پہلی کتاب جو السنہ عربی، فارسی و اردو میں علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد اور مولانا ذہین مولانا ہاشمی نے لکھی عنقریب طبع ہونے والی ہے۔

القاموس العلمی والادبی اس میں تقریباً (۲) لاکھ انگریزی الفاظ و مصطلحات کے معنی اور تمام قدیم و جدید معارف و صنائع و علوم و فنون کی اصطلاحات کے صحیح مترادفات عربی، فارسی، ترکی، اردو، سنسکرت، ہندی میں بتائے گئے ہیں۔ مولفہ علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد و مولانا ذہین و مولانا ہاشمی۔
اس نادر و نایاب قاموس کے حصص طبع و شائع ہوں گے۔ ایک حصہ عنقریب طبع ہونے والا ہے اہل علم اپنے اسمائے گرامی درج رجسٹر کرائیں کہ طبع ثانی انتظار نہ کرنا پڑے ....

تاریخ سلاطین اسلام اس میں (۲۴۸) اسلامی خاندان کا نہایت صحیح حال لکھا گیا ہے اس کی تالیف کے وقت تمام انگریزی فارسی عربی تاریخیں و دائرۃ المعارف معتبر و مستند کتب وغیرہ پیش نظر رہی ہیں (مولفہ علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد و مولانا ذہین) زیر طبع - یہ رزاقی مشین سے عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

جواہر کلیات نظیر نظیر آبادی کے کلیات سے اخلاقی ادب آموز ظرافت و نصیحت آمیز و عجیب نظمیں چنی گئی ہیں جنہیں ہر عمر کے طلبا اور ذکور و اناث سب بے تکلف مطالعہ کر سکتے ہیں (نتیجہ مولانا سید مختار احمد و مولانا ہاشمی و مولانا ذہین) .... (عہ)

دکھنی لغت - اپنی نوعیت کا یہ پہلا لغت ہے جس کو مولوی سید نثار احمد صاحب نے وسیع مطالعہ اور محنت شاقہ سے مدون کیا ہے (زیر طبع)

بخور دافع امراض طاعون

مرض پلیگ نے آج کل جو ترکتاز مچا رکھی ہے اور جس بے باکی سے وہ بندگان خدا کی جانیں لوٹ رہا ہے وہ جہاں حسرتناک ہے عبرتناک بھی ہے۔ آئے دن ہزاروں ہی ادویات اس کے مقابلہ اور دفعیہ کی شائع ہوتی رہتی ہیں مگر ہر سال اس کا پھیرا برابر ہوتا رہتا ہے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ اس کے سارے اسباب علل پر بحث کی جائے اور نہ یہ مطلوب ہے کہ کچھ روپیہ کمایا جائے۔ اگر میری کوئی غرض ہے تو بس اتنی کہ خلق اللہ اس مرض منحوس کی بدعتوں سے بچ جائے اور مجھکو خدا کے پاس کچھ اجر ملے۔ اس لئے بخور کا حسب ذیل نسخہ جو میرا خاندانی نسخہ ہے اور میرے تجربہ میں بہت ہی کامیاب ثابت ہوا ہے شائع کرتا ہوں یہ کم خرچ اور بالا نشین ہے اس کا دھواں لینے کے بعد انشاء اللہ طاعونی جراثیم سے وہ متاثر نہ ہوگا دھواں دیا جائے۔ نسخہ

زرنباد تولہ، مستا تولہ، تیز پات تولہ، عود غرقی خالص تولہ، اگرشت تولہ
صندل سفید تولہ، صندل سرخ تولہ، سنبل الطیب تولہ، نرمل تولہ
کافور تولہ، سعد کوفی تولہ، درونج عقربی تولہ، ساذج ہندی
خس بالا تولہ، لوبان تولہ، عود ۳ تولہ، گوگل ۵ تولہ، شقاقل جیل دریائی ۵ تولہ
پوست درخت نیب خشک ۲ تولہ

جملہ ادویہ کو خوب کوٹ کر کے تھوڑا تھوڑا کام میں لائیں

المشتہر
ڈاکٹر حکیم خواجہ معین الدین خاں موجد ڈاکٹر بخار

لڑکوں کے یک مشت خریدار کو ایک گھڑی بالکل مفت دی جاتی ہے!

گولڈن رسٹ واچ - خوبصورتی کا زیور

دیکھنے میں نازک مضبوط بہت اور وقت کی سچائی میں بے نظیر گھڑیاں گارنٹی سال ... قیمت صرف پانچ روپے ... آٹھ آنے ... ایک چھ روپے
— کیٹلاگ مفت حاصل کرنے کے لئے ... کارڈ لکھ کر طلب کریں —

ملنے کا پتہ **منیجر لیڈر واچ ہوس لودیانہ** پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میری لڑکی عارضہ درد سر و اختلاج قلب میں ۵۔۶ سال سے مبتلا تھی اور کبھی کبھی بخار بھی آتا تھا اس مدت میں میں نے اکثر اطبا یونانی بلدہ اور ڈاکٹروں کا علاج کرایا لیکن صحت نہیں ہوئی جب سے حکیم خواجہ معین الدین خاں صاحب موجد ڈاکٹر بخار متعقب دیوڑھی اقبال الدولہ کا علاج کرایا گیا بحمد اللہ فائدہ بھی ہوا اور اب تندرست ہے اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب اپنے فن میں بہت لایق اور ہوشیار شخص ہیں عموماً غربا کا علاج نہایت ہمدردی اور دلجمعی سے کرتے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ اگر ایسے دواخانہ کو سرکاری امداد فرمائی جائے تو غریب رعایا مستفید ہو سکتی ہے فقط

شوکت جنگ حسام الدولہ بہادر

معزز والیان اسٹیٹ و قدردان جاگیردار صاحبان

کو خدمات منصفی یا تحصیلداری وغیرہ کیلئے کیا ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے؟ جو بہ امتحانات عہدہ داران مال کوتوالی کروڑگیری جوڈیشل کامیاب ہونیکے علاوہ بارہ سالہ تجربہ سررشتہ پولیس اور خیر خواہی و وفاداری کا سچا مادہ رکھتا ہو۔ پتہ ذیل سے یاد فرمائیں

میر لایق علی سب انسپکٹر پولیس ہیلی (ضلع عثمان آباد)

کیوں جناب آپ کے قلم سے باوجود گہری سیاہی ڈالنے کے پھر بھی پھیکی آ رہی ہے اور اکثر جھٹکنے کی ضرورت ہوتی ہے جو قلم کے لئے عیب ہے؟ سبب یہ ہے کہ آپ نے اس کشش نالی کو ہم سے صاف نہیں کروایا۔ جلد توجہ فرمائیے۔ نیز وہ قلم جن کو کسی پرزہ کے ٹوٹ نے یا گھس جانے سے آپ نے ناکارہ سمجھ کر رکھ دیا ہے ان سب کو بہتر اور کارآمد بنانے کے ہم ذمہ دار ہیں ایک عرصہ سے ہم نہایت ذمہ داری کے ساتھ اس کام کو انجام دے رہے ہیں اس کا جواب آپ کا کوئی مخاطب دے گا۔ اقسام کے قلم ہم سے یا ہمارے مشورہ سے خریدیں کم از کم تین روپیہ تک قلم بننے کی پتیاں پرزے۔ ربر۔ کیاپ وغیرہ ہر وقت موجود مل سکتے ہیں۔

منتظر احکام قاضی افضل گنج

سانچہ توپ - حیدرآباد -

اس قدیم کارخانے میں ہمہ اقسام کی ڈاج موٹریں شب روز کرایہ پر دینے کیلئے مہیا و تیار رہتی ہیں یعنی لاری بارہ نشست (TWELVE SEATER) کی ٹورن کار فائو سیٹر (پانچ نشست کی) ہم عامۃ الناس کی آسانی و رفاہ کیلئے کرائے میں بہت ہی تخفیف و رعایت کردی ہے چنانچہ شرح کرایہ حسب ذیل ہے -

(۱) لاری یعنی بس - فی میل چھ آنے - پہلا گھنٹہ ۵ روپیہ دوسرا گھنٹہ للعہ ویٹنگ چارج فی گھنٹہ عال روپیہ

(۲) ٹورنگ ڈاج پانچ نشست کی - فی میل پانچ آنے پہلا گھنٹہ للعہ روپیہ دوسرا گھنٹہ ۳ ویٹنگ چارج عمہ ۸ر

دوسری تمام موٹریں جو چار نشست کی ہیں پہلا گھنٹہ ۳ دوسرا گھنٹہ عال فی میل چار آنے - ویٹنگ چارج (خرچ قیام) عمہ

زیادہ قیام کی صورت میں حسب ذیل رعایت ہے

لاری کے قیام ایک روز یعنی بارہ گھنٹے کیلئے (جو دن میں ہو) چوبیس روپے کے عوض صرف بارہ روپے مقرر ہیں - اگر قیام رات بھر ہو تو صرف چھ روپے مقرر ہیں -:-

ٹورن ڈاج کے قیام طویل یعنی ایکروز کیلئے فی گھنٹہ بارہ آنے کے حساب سے نو روپیہ اور رات بھر کیلئے صرف ساڑھے چار روپیہ مقرر ہیں البتہ دور و دراز سفروں کیلئے نصف کرایہ پیشگی لیا جائے گا - ہر قسم کا معاملہ نقد کیا جاتا ہے -:-

واضح ہو کہ اس کارخانے میں بڑی رعایت اور کفایت شعاری سے تمام اقسام کی موٹروں موٹر سائیکلوں کی ترمیم و تعویض نہایت عمدگی اور استحکام کیساتھ عمل میں آتی ہے ہر کام وعدہ پر کیا جاتا ہے - اضلاع پر تمام قسم کے کل پرزے اور مشین وی پی کے ذریعہ روانہ کیا جاتا ہے - سکنڈ ہینڈ موٹریں خریدی اور فروخت کرائی جاتی ہیں معمولی کمیشن پر کام کیا جاتا ہے

سید مرغوب احمد پروپرائٹر

نظام گزٹ

عدد ۱۰-۱۱
جلد ۱

مدیرین
سید وقار احمد ایم۔ اے
محمد حبیب اللہ رشدی ایم۔ اے

مضمون خاص

ہندوستان میں پٹرولیم کی تجارت

از

محمد میر خاں صاحب بی۔ اے
ایچ۔ سی۔ ایس

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے
اعظم اسٹیم پریس واقع چارمینار حیدرآباد دکن
میں طبع کرکے شائع کیا

نظام گزٹ

چندہ سالانہ	ے	سہ ماہی	عہ
ششماہی	۸	فی پرچہ	۲ر

امرت دھارا کی سلور جوبلی کی دوسری سالگرہ کی رعائت

ضروری اعلان

۱۲ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو سلور جوبلی بڑی دھوم دھام سے زیر صدارت مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب (خدا ان کو جنت نصیب کرے) منائی گئی تھی۔ اس دن کی یاد ناظرین کے دلوں میں تازہ رکھنے کے واسطے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ سلور جوبلی کا سالانہ جلسہ منایا جایا کرے۔ پہلی سالگرہ سنہ ۱۹۲۷ء میں زیر صدارت آنریبل رائے بہادر جسٹس لالہ جے لعل جج ہائیکورٹ پنجاب منائی گئی تھی۔ اور ۱۲ مارچ کے واسطے وہی رعایت ادویات میں دیگئی جو کہ سلور جوبلی پر دیگئی تھی۔ اب دوسرا سال ہے اس سال کوئی جلسہ تو نہ منا سکیں گے مگر پبلک کو مقررکردہ رعایت سے محروم نہیں رکھنا چاہتے۔ اس واسطے

۱۲ مارچ سنہ ۱۹۲۸ء کو

امرت دھارا و دیگر ادویات و کتب کی قیمت میں بدستور عام رعائت ہوگی

یعنی امرت دھارا ۳/۴ قیمت پر ملیں گی اور باقی ادویات و کتب نصف قیمت پر

مرہم صابن منجن بٹیہ

ایجنٹوں کو بھی اس سے زیادہ رعایت نہیں ہے کیونکہ یہ رعایت صرف عام پبلک کے واسطے ایک دن کے لئے ہوتی ہے۔ یہ رعایت صرف ۱۲ مارچ کے دن کے واسطے ہے۔ ہر خط کے اوپر ۱۲ مارچ کی رعایت لکھنا چاہئے اور اسکو ۱۲ مارچ کو ہی ڈاک میں ڈالنا چاہئے۔ خط ہمارے پاس چاہے کسی دن پہونچے ڈاکخانہ کی مہر ۱۲ مارچ کی ہونی چاہئے۔ وکلا صاحبان یا ملازمان بھی ڈال سکتے ہیں اور ان کے واسطے ایک کیس بھی امرت دھارا بھون کے باہر رکھا جاویگا جس میں اپنے آرڈر ڈالدیئے جاویں۔ دوا فی الحال ایسے بعد ایک ہفتہ کے جب چاہیں آکر لے جاویں۔ اس دن دفتر کو بھی چھٹی ہوگی۔ اور ایک دن میں سب کو ادویات دے دینا بھی ناممکن ہے۔ پچھلے سال کو کل کیس میں ہی ہزار سے زاید خط ڈالے گئے تھے۔

ناظرین ۱۲ مارچ سوموار کا دن ابھی سے نوٹ کریں اور

فہرست علیحدہ جو درج ہیں تو بہتر ہوگا کہ ابھی منگوالیں اور سوچ رکھیں کہ ان کو کیا منگانا ہے۔ جو صاحب چاہیں روپیہ بھی جمع کرا سکتے ہیں جب تک وہ روپیہ ختم نہ ہوگا ان کو وہی رعایت ملتی رہے گی۔ فہرستیں جو آپکے پاس موجود ہیں یا آپ منگوائیں سب میں قیمتیں پوری درج ہیں۔ امرت دھارا اور امرت دھارا کے مرکبات نیز گذشتہ سونا درج شدہ قیمتوں سے ۳/۴ قیمت پر اور باقی ادویات و کتب نصف قیمت پر ملیں گی۔ مفردات جیسے کستوری وغیرہ پر کوئی رعایت نہیں۔

المشتہر

منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون امرت دھارا روڈ۔ امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

خط و کتابت و تار کے لئے پتہ: امرت دھارا۔ لاہور

سعیِ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات — تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی

ہفتہ وار

نمبر ۱۱ — حیدرآباد دکن : دوشنبہ ۲۹ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۲۸ء م ۲۰ اسفندار ۱۳۳۷ فصلی — جلد ۱

شذرات

خدا جانے اردو مطابع کو کاتبوں کے بار احسان سے کب سبکدوشی ہوتی ہے۔ سالگرہ نمبر جس شکل اور محنت سے تیار ہوا اس کا ذکر یہاں بے فائدہ ہے۔ مگر اس میں جتنی سہو کتابت ہوئی ہے اس کا بیان کرنا خود کچھ کم محنت اور جرات کا کام نہیں۔

* * *

نظام گزٹ کا سالگرہ نمبر ملاحظۂ خسروی میں پیش کیا گیا۔ حضور پرنور نے مدیر اور ناشر کو باریابی کا شرف عطا فرمایا۔ اور بہت دیر تک عواطف سلطانی نظام گزٹ پر مبذول رہیں۔

* * *

سالگرہ نمبر میں حضور پرنور کا نعتیہ کلام تبرکاً شائع کیا گیا تھا۔ ان نو اشعار میں دو جگہ سہو کتابت ذات ہمایونی کے ملاحظہ سے گذری جس کی تصحیح خود سلطان دکن نے اپنے دست مبارک سے فرمائی۔ اور ساتھ ہی آیندہ بھی کلام سلطانی کے شائع کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

* * *

اسی طرح سلطان العلوم اعلیٰحضرت خسرو دکن کے مختصر سوانح حیات سالگرہ نمبر میں شائع ہوئے تھے ان کا ماخذ زیادہ تر مروجہ مضامین اور سرکاری رپورٹیں تھیں۔ اس میں، شاہزادگان بلند اقبال کے تاریخ تولد میں سہو ہو گیا تھا۔ ذات ہمایونی نے اس مضمون کو بھی بغور ملاحظہ فرمایا اور بعض مقامات پر نہایت مہربانی سے مدیر کو توجہ دلاتے ہوئے تاریخ ولادت شاہزادگان کی تصحیح خود دست مبارک سے فرمائی۔ اور بعد میں مراحم خسروانہ سے وہ مصحح نسخہ مدیر نظام گزٹ کو عطا فرمایا گیا کہ آیندہ اس سے مطابقت کی جایا کرے۔ اسکے ساتھ حضور پرنور نے جن الفاظ میں نظام گزٹ کی توصیف فرمائی اور جن الفاظ میں ناچیز ادارہ کی ہمت افزائی فرمائی گئی اس کو ناچیز مدیران نظام گزٹ نہیں بھول سکتے۔

* * *

اب سہو کتابت کا اس سے بہتر یا بدتر کارنامہ کیا ہو سکتا ہے۔

* * *

بمبئی کا مشہور اخبار ٹائمس آف انڈیا ہندوستان کا بہت قدیم اخبار ہے۔ ادارے اور کاروبار کے پھیلاؤ کے اعتبار سے بمبئی کا کوئی اخبار اس کے برابر "الفرید" نہیں۔ اور خیالات اور پالیسی کے لحاظ سے وہ قدامت پرست اور ان داتا کا خیرخواہ ہے اسی بنا پر ہندوستان کے قومی اخبار انڈین نیشنل ہیرلڈ نے اس کا نام (یعنی لاڈ کا نام) "اولڈ لیڈی" رکھا ہے جس کا ترجمہ "پرانی عورت" "بوڑھی خاتون" یا "ضعیف بیگم" یا "بڑھیا" "بڑی بی" ہو سکتا ہے۔

* * *

شادی بیاہ کے معاملات میں بوڑھیوں کی دلچسپی مشہور ہے یہی وہ موقع ہے جہاں بوڑھیوں کی بجھی ہوئی انانیت چمک اٹھتی ہے۔ چنانچہ پوری شہر کی ان "بڑی بی" صاحبہ نے بھی سابق مہاراجہ اندور کی ہونے والی جدید شادی میں بہت دلچسپی لی ہے۔ "بڑی بی" کے کارندے (سازندے نہیں!) اہم قومی اور سیاسی معاملات میں اتنی دوڑ دھوپ نہیں کرتے جتنی کہ انھوں نے سابق مہاراجہ اندور کی ہونے والی بیوی مس آئی ملر کا پتہ چلانے میں کی ہے۔ اس امریکن دلہن کا پتہ چلانے کے بعد دلہن کے میکے والوں یعنی امریکہ کے سفیر کو بھی اطلاع دی اور پھر اس شادی کی اطلاع تمام ہندوستان کو دے رہی ہیں اور یہ کہہ رہی ہیں کہ "دیکھا کیسی دلہن ڈھونڈ نکالی ہے"۔

* * *

اگر قومیت کے لحاظ سے کالے اور گورے کی تقسیم کی جائے تو "بڑی بی" دلہن والی ٹھیرتی ہیں۔ دلہن والی بڑی بی کی حیثیت سے دولھے کی ذات پات چال چلن پر حرف رکھنا لازمی بات ہے۔ اس لئے انھیں یہ رشتہ پسند نہیں اس طرح اس کا خوب چرچا کر کے دل کے جلے پھپولے پھوڑ رہی ہیں۔

* * *

ایک اور کارگذاری ان کے کارندوں کی ملاحظہ فرمایئے اس بیان کے ساتھ مہاراجہ اندور اور مس ملر کی جو تصویریں شائع کی ہیں وہ حقیقت میں دو مختلف تصویریں ہیں۔ مگر انکو اس خوبی سے ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اور دو تصویروں کے جوڑ اس نفاست سے ملائے ہیں کہ ایک نظر میں دو تصویروں کا اختلاف نہیں نظر آتا۔ دونوں پیوست معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سابق مہاراجہ اندور اور مس ملر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تصویر کھنچوا رہے ہیں۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۲۹ رجب سنہ ۱۳۴۶ ہجری

حکیم اجمل خان

باوجود ہندوستان کی موجودہ ہندو مسلم کشمکش کے حکیم اجمل خان کی وفات پر رنج و افسوس کا جو عام اظہار ہوا یہ مرحوم کا خاص حصہ تھا۔ ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں میں حکیم صاحب مرحوم کی حیثیت نادر الوجود تھی۔ اول تو مرحوم کا خاندانی پیشہ ایسا تھا۔ جس سے کسی معمولی انسان کو سیاسی جد و جہد کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل امر تھا۔ یہ بات انگلستان ہندوستان اور دیگر ممالک مغربی و مشرقی میں بہت عام ہے کہ قانون پیشہ افراد سیاسیات میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں ان دو جداگانہ دلچسپیوں میں ایک صحیح فطری تعلق بھی ہے مگر یہ بات کتنی تعجب کی ہے کہ ایک طبیب سیاسیات میں حصہ لے۔ طب اور سیاسیات سے کوئی نسبت نہیں اسی لئے اس کی مثالیں شاذ نظر آئیں گی۔

حکیم صاحب مرحوم کا خاندان جو شہرت اور جو اعزاز رکھتا ہے وہ محتاج تعارف نہیں آپ اس روشن خانوادہ میں ۱۸۶۳ء میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی میں پائی اور بچپن ہی میں اپنی ذہانت اور تیزی سے خاندان کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لی تھی۔ اپنے مشہور باپ سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے طب میں اتنا کمال حاصل کیا کہ اس فن میں آپ درجہ اجتہاد رکھتے تھے سنہ ۱۹۰۸ء میں حکومت ہند نے آپ کو خطاب "حاذق الملک" عطا کیا۔ آپ اپنی نوجوانی ہی سے قومی کاموں کی دلچسپی لیتے رہتے تھے چنانچہ سر سید مرحوم کو قیام علی گڑھ کالج میں بڑی مدد دی جس کی وجہ آپ علی گڑھ کے ٹرسٹی مقرر ہوئے۔

آپ کی توجہ فطرتاً اپنے آبائی فن کی ترقی کی طرف تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ دنیا کی ترقی کے ساتھ یونانی طب زوال پذیر ہوتا جاتا ہے۔ اس نے اپنے ترقی کے لئے اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی کہ ایک طبی کالج قائم کیا جائے جس میں یونانی اصول پر طبی تحقیقات کا کام شروع ہو یہی آپ نے مدرسہ طبیہ کو جو سنہ ۱۸۸۹ء میں آپ نے بادر معظم کا قائم کیا ہوا تھا۔ ترقی دے کر یونانی اور ایورویدک اصول طب کی اعلیٰ تعلیم دینے کے قابل بنایا۔

آپ نے ایک زنانہ مطب کھولا اور شریف بیبیوں کو تعلیم طب دینے کے لئے ایک طبی زنانہ مدرسہ قائم کیا جہاں قابل نرسوں کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

سنہ ۱۹۰۲ء میں آپ نے مشرقی دواؤں کی ایک دکان قائم کی جس کا منافع حکیم صاحب کے قائم کردہ مشرقی قومی تعلیم گاہوں کو جاتا تھا۔ اس کارخانہ کے قیام سے مقصد یہ تھا کہ مشرقی حکیموں اور ویدوں کو قابل اعتبار مشرقی دوائیں دستیاب ہو سکیں اور ان دواؤں کا امتحان جدید کیمیا کے اصولوں پر کر کے ان کو مستند بنا لیا جائے۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں مرحوم نے یونانی اور ویدک کانفرنس قائم کی جس کا مقصد اطبا و ویدوں کے حقوق کی نگہداشت تھی سنہ ۱۹۱۱ء میں آپ نے چار مہینے تک یورپ کا سفر کیا تا کہ اس ذریعہ سے وہ مغربی دنیا کے جدید طبی اصولوں اور طرز تحقیقات سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ اسی سال آپ شاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کے دربار میں مدعو کئے گئے۔

اس سفر کے علاوہ آپ نے پھر ایک سفر یورپ کا کیا اس طرح آپ نے جدید مغربی دنیا سے بھی اپنے آپ کو اچھی طرح آشنا کیا سنہ ۱۹۲۱ء میں کانگریس کے صدر مسٹر داس مرحوم نسبتاً سے تھے کہ جن کانگریس کے اجلاس کے دن وہ قید کر لئے گئے کانگریس نے حکیم صاحب مرحوم کو اس سال صدر منتخب کیا اور اس دفعہ سے اب تک برابر وہ کانگریس کی جماعت عاملہ کے رکن منتخب ہوتے آ رہے تھے۔

ہندو مسلم کشیدگی کی انتہا کے زمانے میں بھی کبھی ہندوؤں میں ان کی عزت اور ہر دلعزیزی کم نہ ہوگی۔ نہ صرف ملک کے ہی دو طبقے بلکہ اور طبقوں میں بھی آپکی ہر دلعزیزی کی یہی حالت تھی۔ اس کا ایک بڑا سبب تو یہ تھا کہ مرحوم بلحاظ اپنے پیشے کے ملک کے ہر طبقہ کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے تھے اور قوم کے ہر فرد کے ساتھ وہی مساویانہ اور مخلصانہ برتاؤ کرتے تھے۔ آج دہلی میں غالباً کوئی مسلمان ان کے برابر ہر دلعزیز نہ تھا جنہیں بجائے یہاں کو دہلی کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا ہے۔ تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں حکیم صاحب نے جو کام نمایاں کیا اس کی تفصیل یہاں مشکل ہے باوجود حکومت ہند سے دوستی تعلقات ہونے کے حکیم صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیاسی اختلافات کی بنا پر حکومت ہند کو اس کا خطاب واپس کیا۔ اور ہمارے بہت سے حق کو ٹھکرا کر قومی خودداری کا سبق پڑھایا۔

متمدن ممالک کی مشہور اور قدیم ترین درسگاہوں کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ تقریباً تمام کی بنیاد قوم کے عام افراد کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ بدقسمتی سے ہندوستان بھی کسی زمانہ میں اسی قسم کی تعلیم گاہوں کا خزانہ رکھتا تھا مگر اب ہماری حالت یہ ہو گئی کہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے لئے بھی حکومت کے دست نگر ہیں آج جتنی یونیورسٹیاں ہیں سب حکومت کی امداد سے چل رہی ہیں ترک موالات کے سلسلہ میں ہماری قومی تعلیم کی تاریخ میں وہ بڑی نیک گھڑی تھی کہ جبکہ گاندھی جی نے علی گڑھ میں خالص قومی تعلیم گاہ کی بنیاد ڈالی یعنی جامعہ ملیہ کا قیام۔ جامعہ ملیہ ہماری وہ واحد قومی درسگاہ ہے جو حکومت کی عنایت سے بے نیاز ہے اور اس کا مقصد بھی قومی تعلیم کا پھیلانا ہے حکیم صاحب مرحوم کی ذاتی کوشش اور توجہ سے یہ اتنا بڑا اور ترقی یافتہ ادارہ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ قومی اداروں میں یہی ادارہ موجودہ زمانہ میں مرحوم کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کئے ہوئے تھا اور خدا معلوم مرحوم کے زیر سایہ وہ کیا کچھ ترقی اور استحکام نہ حاصل کر لیتا۔

زمانہ قیام لاہور میں راقم الحروف کو ملکہ نور جہاں کے مقبرہ کی زیارت کا اتفاق ہوا مقبرہ کی کس مپرسی اور ابتر حالت دیکھ کر ایک تاثر کے عالم میں میری زبان سے یہ نکلا کہ افسوس یہ مشہور ملکہ اور یہ کس مپرسی! لاہور کے رہنے والے ایک ساتھی نے اس فقرہ کو سن کر کہا۔ جناب آپ نے اس مقبرہ کی پہلی حالت نہیں دیکھی وہ تو حکیم اجمل خانصاحب کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آپ اس مقبرہ تک آ سکے اور قبریں پہچان بھی سکتے ہیں یہ حکیم صاحب کا یہ کارنامہ میرے تعجب کے باعث نہ بنا مگر اب میرے دماغ میں یہ واقعہ گونج رہا ہے مغلیہ ملکہ کی یادگار کو محفوظ کرنے کا کام حکیم اجمل خاں کی کوششوں کا محتاج تھا اور آج حکیم صاحب کی یادگار کو محفوظ رکھنے کا سوال ہماری قوم کے پیش نظر ہے۔

یہ طے کیا گیا ہے کہ جامعہ ملیہ کو حکیم صاحب مرحوم کی یادگار میں مستحکم کیا جائے اور قوم کے سامنے حکیم صاحب کی خدمات کے اعتراف کا موقع باقی ہے۔ ہم لوگ جذبات کے مشتعل ہونے پر معمولی معمولی کاموں میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں مگر جہاں کچھ سوچ سمجھ کر روپیہ صرف کرنے کا موقع آتا ہے ہم اکثر پس و پیش میں رہتے ہیں۔ اور اکثر پرواہ نہیں کرتے

حکیم صاحب مرحوم کی زندہ یادگار جامعہ ملیہ سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ چیز ہے کہ اگر پوری قوت سے یہ اپنا فریضہ انجام دے تو ہندوستان کی قومی تعلیمی ضرورت کو پورا کرے گی اور ہماری قوم کے لئے اعلیٰ درجہ کے مخلص قومی خادم پیدا کرے گی پس کیا اس کی ترقی کے لئے کوشش کرنا ہمارا فرض نہیں ہے اس قومی تعلیم گاہ کو مالی امداد دینا ایک تو حکیم صاحب کی یادگار کو مستحکم بنانا ہے اور دوسری طرف خود ایک قومی ادارہ کو تقویت پہنچانا ہے۔ اس لئے ہمیں امید ہے کہ قوم اس یادگار کو مالی امداد دینے میں دریغ نہیں کرے گی۔

حیدرآباد اور طاعون

سنہ ۱۹۱۱ء سے لیکر اب تک تقریباً ہر سال اس منحوس مرض کا حملہ حیدرآباد دکن پر ہوتا رہا ہے۔ مرض طاعون کے لئے حیدرآباد کا محلہ نام پلی بہت بدنام تھا ہمیشہ اسی محلے پر طاعون کا پہلا اور زوردار حملہ ہوتا تھا۔ اس طرف سرکار نے اپنی توجہ منتقل کی اور اس محلہ کی کچے مکانات کو منہدم کر کے تمام محلہ کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ جب سے اس محلہ کی نئی تعمیر ہوئی ہے اس پر طاعون کا حملہ نہیں ہوا۔ اور یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ باوجود آس پاس کے محلہ محلوں کے متاثر ہونے کے یہ محلہ بالکل محفوظ رہا۔ اس حالت کو دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ وجہ ظاہر ہے اول تو اس محلہ کے مکانات کی تمام صفائی کی نگرانی سرکاری محکمہ کے سپرد ہے جو ہمارے صفائی کی سخت تاکید کرتے رہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس محلہ میں بدرو کا انتظام بہت اچھا ہے شہری زندگی میں ڈرینج (DRAINAGE) کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ بن گیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ حیدرآباد کے ڈرینج کا اسکیم منظور ہو گیا۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ جلد ڈرینج کے کام کی تکمیل کی جائے اور محکمہ صفائی شہر کی صفائی کے متعلق زیادہ مستعدی سے کام کرے۔

کیلاس

از

سید تمکین صاحب کاظمی

یم، آر، اے، یس، (لندن)

ہندوستان کے آثار عتیقہ کے اجزائے عظیمہ منادر ہیں جو چٹانوں کو تراش کر بنائے گئے ہیں، اس قسم کی خانقاہیں اور دیولیں تمام ہندوستان میں موجود ہیں، اسکی تقسیم عالمان علم الآثار نے بنانے یا استعمال کرنے والوں کے لحاظ سے اسطرح کی ہے۔

(۱) بودھی (۲) برہمنی (۳) جینی

بودھی منادر (غار) تیسری صدی قبل مسیح سے ساتویں صدی عیسوی تک تقریباً ایکہزار سال کے عرصہ میں تیار ہوئے ہیں، بودھ دو قسم کے ہیں (۱) ہنایانہ جو قدیم ہیں اور ۲۵۰ ق م سے ۱۵۰ء تک تیار ہوئے ہیں (۲) مہایانہ جو بعد کے ہیں اور ۱۵۰ء سے ۷۵۰ء تک بنائے گئے ہیں، ہنایانا معمولی اور بدہئیت ہیں ان میں نقش و نگار بھی بالکل نہیں، بخلاف ان کے مہایانا قسم کے غاری منادر بودھی پیشواؤں اور صنف نازک کی تصاویر اور بڑے بڑے ایوانوں والانوں منقش ستونوں سے مزین ہیں، ان کی چھ قسمیں ہیں۔

(۱) استوپے، جو بدھ کے تبرکات پر بنائے جاتے تھے، جب ان تبرکات کی پرستش ہونے لگی تو ایک مربع چوٹی دی گول گنبد بناکر "داگوبا" نام دیا گیا۔

(۲) منڈپ، یہ آرائشی منڈپ ستونوں، پشتوں، درختوں، گنبدوں، وغیرہ کے اطراف بنائی جاتی تھی جو اس طرز تعمیر کی لازمات سے تھی۔

(۳) مینار، یہ مندر کے سامنے بنائے جاتے تھے جن پر مذہبی نشانات (بودھی، جینی، برہمنی) قائم کیے جاتے تھے

(۴) چیتائے، یہ قربان گاہ تھی جو استوپے اور داگوبا کی طرح متبرک سمجھی جاتی تھی، اس پر پجاری بھی رہتے تھے۔

(۵) وہار، یہ بڑے بڑے دالان تہ خانے ہوتے تھے جو مرتاضوں، عابدوں، راہبوں کیلئے بنائے جاتے تھے۔

(۶) پانڈھی، یہ پانی کے چشمے یا حوض تھے جو وہاروں میں ہوا کرتے تھے۔

ترتیب تاریخی کے مد نظر مذکورہ منادر کے بعد وہ منادر ہیں جو رودر شیوا، وشنو، برہمنوں کے ہیں، انکا اندازہ سنہ تعمیر چوتھی صدی عیسوی سے آٹھویں صدی عیسوی تک ہے گو یہ صرف اٹھارہ ہی ہیں مگر بہت بڑے بڑے ہیں، ان کے بعد جینی مندروں کا شمار ہوتا ہے جو تعداد میں کم ہیں، اور سنہ تعمیر بھی مختلف ہے یعنی بعض پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے درمیانی ہیں اور بعض بارہویں صدی عیسوی کے، یہ غار چار فیصدی ہیں اور ان کی تقسیم یوں ہے۔

بودھی غار ۲۰٫۷، برہمنی غار ۱۶٫۰، جینی غار ۵٫۳، اگر ان میں شرقی غاروں کو بھی ملا لیا جائے تو تعداد ایک ہزار تک پہونچ جاتی ہے۔

ایلورا کے پہاڑی منادر ہندوستان کے تمام چٹانی مندروں سے عمدہ ترین اور عظیم الشان ہیں ان میں بودھی برہمنی، جینی تینوں قسم کے غار ہیں، ایلورا (ویرول) ایک مختصر سا گاؤں موضع اورنگ آباد کا ہے، جو خط عرض بلد شمالی ۲۰٫۱۲ اور خط طول بلد شرقی ۷۵٫۱۰ کے تقاطع پر اورنگ آباد سے ۱۵ میل جانب شمال واقع ہے، جی، آئی، پی، ریلوے اسٹیشن نندگاؤں سے ۶۲ میل ہے، اورنگ آباد سے ایلورا تک موٹر کا انتظام ہے، غاروں کے اوپر سرکار عالی کا عمدہ ترین فرودگاہ (رسٹ ہاؤس) اور مسافر خانہ (ڈاک بنگلہ) بنا ہوا ہے۔

اس پہاڑ کو جس میں یہ غار کھدے ہوئے ہیں سیپل گھاٹ کہتے ہیں اسکی وجہ تسمیہ، اے، کلاڈ، کیمپ بل صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ "اسکو سیپل گھاٹ کہنے کی" وجہ یہ ہے کہ یہاں دونوں طرف مندروں مقدس پیپل کے درخت ہیں، صاحب موصوف کا بیان ہے کہ "اس دشوار گذار چڑھائی کے نصف راستے پر دو ستون ہیں جن پر اورنگ زیب کے امراء کے نام کندہ ہیں گمان کیا جاسکتا ہے کہ ان غاروں کا راستہ انھیں لوگوں نے دریافت کیا ہے سب سے پہلے ان غاروں کا ذکر دسویں صدی کے مشہور جغرافیہ دان عرب مسعودی نے کیا ہے جو اسکا ایک تذکرہ خیال کرتا تھا ۱۳۰۶ء میں گجرات کی ایک شہزادی یہاں آکر چھپی تھی جس کی تلاش میں علاؤالدین یا اس کے سپہ سالار یہاں آئے اور اسکو پکڑ کر دہلی لے گئے۔"

کیلاش

فرگسن صاحب ایلورا، اور اجنٹہ کے غاروں کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ایلورا ان آثار کی نظیر میں ایلورا کے غار اجنٹہ کے غاروں سے مختلف ہیں کیونکہ یہ ایک پہاڑ کے نشیبی رخ پر بنے ہوئے ہیں اور اسکی وجہ ایلورا کے تمام غاروں کے سامنے صحن ہے اور چٹانوں کے باہر اکثر کی دیوار بھی ہے اور دروازے بھی مگر باوجود اسکے وہ باہر (دور) سے بالکل نظر نہیں آتے۔"

مشہور سیاح موسیو تھیونو لکھتا ہے "ان ہزاروں مورتوں کو جو قدرتی چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی ہیں دیکھتے ہیں تو بے ساختہ زبان سے یہی نکلتا ہے کہ انسان کی طاقت سے یہ کہیں بڑھکر ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو کم از کم

یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس زمانہ میں یہ چیزیں بنائی گئی تھیں اگرچہ ان کی تعمیر اور نقاشی ایسی نہیں جیسی کہ ہم اسوقت کرتے ہیں تاہم اس زمانہ کے آدمی مطلق وحشی نہ تھے"

تھیونو نے صرف دو گھنٹے میں تمام مناد ر دیکھکر یہ رائے قائم کی تھی کہ "اس زمانہ کے آدمی مطلق وحشی نہ تھے" گو تھیونو نے تعصب کی [illegible] سے بغیر غاروں کا معائنہ کیا مگر یہ کہکر اپنی حیرت کا ثبوت بھی دیدیا کہ انسان کی طاقت سے یہ کام نہیں زیادہ کرسے"

کیلاش ایلورا کے غاروں میں عمدہ ترین اور عظیم الشان غار ہے، برگس صاحب کہتے ہیں کہ "یہ ان غاروں میں سے ایک ہے جو ہندوستان میں مشہور و معروف ہیں، اس کی اونچائی بذاتہ ایک نہایت ہی عمدہ تصویر کا نمونہ ہے۔

مولوی سید علی بلگرامی لکھتے ہیں کہ "کیلاش ایلورا کے غاروں کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے، اسکے جنوب میں ۱۶ غار ہیں جن میں سے ۱۲ بودھ ہیں اور تقریباً اسی قدر شمال میں ہیں جو جینی یا جینی ہیں "

کیلاش، ایلورا کے غاروں میں سولھویں نمبر پر ہے اسکا بانی کرشنا اول لکھیر کا راشٹرکوٹا سمجھا جاتا ہے اور سنہ تعمیر ۷۶۰ء تا ۷۸۳ء اسے رنگ محل بھی کہتے ہیں، یہ ہندوستان کے عمدہ ترین اور ممتاز حیاتی منادر میں شمار کیا جاتا ہے اور ہندی صنعت کا عجیب ترین نمونہ، یہ ایک ہی پتھر کو کاٹکر بنایا گیا ہے، اور اندر باہر اعلیٰ ترین نقاشی کی گئی ہے، اسکا احاطہ کا طول ۲۷۰ فٹ اور عرض ۱۵۰ فٹ ہے وسطی مندر پر عمدہ اور پر تکلف رنگ کیا گیا ہے، جواب تک موجود ہے اسکی کرسی بجائے خود ایک چیز ہے جسپر گراں ڈیل ہاتھیوں، ہیبتناک شیروں، عقاب سر چیتوں کی قطاریں مصروف درندگی نظر آتی ہیں، اور ایک بہت بڑا ایوان (دالان) ہے جس میں سولہ ستون اور بیس دیواری عمود ہیں جن پر طرح طرح کی نقش و نگار کئے گئے ہیں، چبوترے پر ایک بڑا مندر اور اسکے اطراف پانچ چھوٹے چھوٹے منادر ہیں، جن کے دونوں طرف بڑی بڑی مورتیں ہیں، داخلی دروازے کے سامنے ہی لکشمی بھاری بھرکم ڈیل ڈول کے ساتھ کنول کے پھول پر بیٹھی دکھائی دیتی ہے جہاں جینی حروف میں غالباً پندرہویں صدی کا ایک کتبہ بھی ہے۔ اسکے علاوہ چند اور کتبے بھی آٹھویں صدی کے موجود ہیں منڈپ کو مندر سے ایک پل بناکر ملایا ہے جس کے نیچے شیو اور اس کے اوتار ہیں، شمالی اور جنوبی دیوار پر راماین اور مہابھارت کے مرقعے ہیں، اور ان کے پیچھے مندر کی کرسی کو دیکر ہاتھی، شیر وغیرہ اٹھائے ہوئے نظر آتے ہیں، جانب جنوب ۱۱۸ فٹ طویل غلام گردش ہے جسکے بارہ درجے ہیں جہاں بت سازی، مصوری، نقاشی، کے شاہکار نظر آتے ہیں، وشنو کا شیر پیکر اوتار، بیل، وشنو کا بونا اوتار، نیم عقاب، نیم انسان، خاص چیزیں ہیں جانب غرب ایک غلام گردش ۲۰۰ فٹ طویل ہے جس میں ۱۹ حجرے ہیں جن پر شیو کے اوتاروں کی چھ تصویریں اور برہما، اسکا ہنس، پاروتی شیو، پاروتی کی منگنی کا مرقع عمدہ ترین تصاویر ہیں آخری غلام گردش میں سے مندر کا راستہ ہے، جسکے دروازہ پر گراں ڈیل دوار پال بڑی بڑی لاٹھیاں لئے پہرہ دیتے ہیں تمام ستون مربع، منقش ہیں، جن پر لکشمی، شیو، برہما، وغیرہ کی بے شمار تصاویر ہیں، اس ایوان کے شرقی جانب ایک درگاہ ہے جس کے پیچھے شہ نشین اور اوپر مندر ہے مندر کا گنبد ۱۰۰ فٹ اونچا ہے جسپر عمدہ نقش و نگار کئے گئے ہیں، اس کے جنوبی جانب ایک مختصر غار ہے جس میں کالی گنپتی، وشنو، سرسوتی، وغیرہ کی تصاویر ہیں، اسکے شمالی غربی رخ پر تین اور غار ہیں پڑلنکا اور اڑلنکا کے نام سے مشہور ہیں پڑلنکا، شمالی حصہ ہے جس کے بیچ میں ایک دو منزلہ مکان ہے۔

اڑلنکا، جنوبی حصہ ہے جس میں چھ دالان ہیں اور بیچ میں ایک دو منزلہ مکان بھی، اور اسکے پیچھے ایک ایوان اس کی تمام دیواریں تصاویر سے اٹی ہوئی ہیں، بیرونی حصہ پر رام، راون، کورو پانڈو، کی لڑائیاں ہیں، شیروں کی ترتیب یا ہاتھیوں کی گراں ڈیل تصاویر بے انتہا ہیں چھت اور ستون مختلف نقش و نگار گل کاریوں سے بھرے ہوئے ہیں، ایک جگہ شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہے اور اس میں ہزاروں مکھیاں بیٹھی بھنبھنا رہی ہیں کہیں بالاکی چپ چپ رہی ہیں کسی جگہ تمت اڑا ہوا جا رہا ہے خصوصاً مکھیوں کا چھتہ اس قدر عمدہ کہ پہلی نظر میں واقعی اصلی چھتہ نظر آتا ہے، چھت کا رنگ عمدہ ترین ہے اور باوجود قدیم ہونے کے تازہ معلوم ہوتا ہے اکثر جگہ گچ اور چونے کا کام بھی ہے زمین پر کچ کی گلکاری ہے جو بعد از اڑلنکا اور پڑلنکا کے آگے ۹۰ فٹ لانبے پتھر کا سائبان بغیر کسی ستون کے ٹھیرا ہوا ہے۔ جو ۱۵ فٹ موٹا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عظیم الشان چٹان لٹک گئی ہے جو اب گرنے والی ہے،

بیرونی دروازے کے دونوں طرف دو ہاتھی کھڑے ہوئے ہیں جو زندہ نظر آتے ہیں ان میں سے ایک تو زائرین کے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہے اور سونڈ نذر کرکے کھڑا ہوا ہے دوسرا ابھی کسی قدر زخمدار ہے، مگر سونڈ صحیح و سلامت ہے یہ ایک ہی پتھر میں ترشے ہوئے ہیں۔

کیلاش بہ حیثیت مجموعی غاری منادر کا عمدہ ترین مجموعہ ہے، رنگ آمیزی، مجسمہ سازی، تصویر کشی، نقاشی، اقلیدسی، تعمیری تخیلی خوبیوں کا اعلیٰ ترین منظر ہے رنگ ایسا اچھا ہے کہ اب بن بھی نہیں سکتا مجسموں کا یہ حال ہے کہ دیکھکر اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ظالموں نے پتھر کو پتھر نہیں بلکہ موم سمجھ کر کام کیا ہے۔ تصاویر کا یہ حال ہے کہ آرٹ کی کوئی قدیم اور جدید خوبی ایسی نہیں جو ان میں موجود نہ ہو بیل بوٹے اتنے عمدہ اور اچھوتے ہیں کہ آج کل کوئی صناع نئے نئے نقشوں کو پیش نظر رکھکر بھی نہیں بنا سکتا، تمام غار اقلیدسی اصول سے ترشا ہوا ہے۔ ایک چیز بھی بے اصول نہیں، تعمیری نقطۂ نظر سے تمام خوبیاں موجود ہیں عمارہ سے عمدہ کانکریٹ کیا ہوا ہے، بہتر سے بہترین استرکاری ہے، نفیس ترین چونے کا کام موجود ہے تخیل کی انتہا کردی ہے بعض بعض مرقعے اس قدر عمدہ اور ایسے تخیلی ہیں کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

ماخذ

(۱) ابواب ہائے آثار قدیمہ غربی ہند جلد پنجم مرتبہ برگس صاحب۔

(۲) ہندوستان کی غاری منادر مرتبہ فرگسن صاحب و برگس صاحب۔

(۳) ایلورا کے غاری منادر مرتبہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی صاحب۔

(۴) گزیٹیر ممالک محروسہ سرکار عالی مرتبہ سر ولیم ہنٹر صاحب۔

(۵) تاریخ قلمرو آصفی مرتبہ اے کلاؤ کیمپبل صاحب

(۶) رسالہ معارف جلد (۵) نمبر (۴) مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی

(۷) سیاحت نامہ موسیو تھیونو مترجمہ ڈاکٹر سید علی

"ایلورہ"

کوئی نشاط میں مصروف عیش میں کوئی کہیں یہ بجتا ہے چنگ و رباب پتھر کا
کسی جگہ کوئی عاشق مزاج وقف نشاط کسی جگہ کوئی مست شباب پتھر کا
ہے نسترن کسی جانب کہیں گل شبو کھلا ہوا ہے کسی جا گلاب پتھر کا
وہ صحن باغ میں دیکھو ہے رقص طاؤس اڑا ہوا وہ چلا ہے عقاب پتھر کا
میاں کے طرف کو طغرہ ہے خان تلک ہے سنگی رخ پہ وہ طرفہ نقاب پتھر کا

. . . .

مقابلہ کو کوئی بڑھ کے بن گیا پتھر
کہ ہو گیا کوئی پا در رکاب پتھر کا

. . . .

وہ دور سے نظر آتی ہے گنگا شیر اولی دکھا رہی ہے عجب پیچ و تاب پتھر کا
وہ تھری کہ رواں آب پہ گنگ ہی سرم دکھا رہا ہے تماشا حباب پتھر کا
وہ اوتاری کہیں ہے تو ہے کہیں میلا ہے کیا ہی کام غضب لا جواب پتھر کا
قلم کے کام یہ زانو پہ جو پڑی رکھے کئے ہی جا کے ہیں لا حساب پتھر کا
جو نیل کنٹھ بڑا ہے تو ہے بری بھی بہار دکھا دیا ہے عذاب و ثواب پتھر کا
نکھار دوار میں جاؤ تو اک نیا ہی رنگ صراحی سنگ کی جام شراب پتھر کا

ادھر چلو تو نظر آئے آدھ ناتھ سبھا
دف و ستار ہے چنگ و رباب پتھر کا
اسی کے پاس جگناتھ کی سبھا بھی ہے حسین ایک ہے اک انتخاب پتھر کا
بڑھو جو آگے تو اندر سبھا میں پہونچوگے
پڑا ہے راجہ کے رخ پر نقاب پتھر کا
ہیں پریاں حلقہ زن اور بیچ میں مہاراجہ
سبھا ہے اور ہے اس پر عذاب پتھر کا

تمکین کاظمی

ہندوستان میں پٹرولیم کی تجارت

محمد میر خان صاحب بی۔ اے۔
ایچ ۔ سی ۔ ایس ۔

موٹروں کے رواج کی ترقی کی وجہ سے ہندوستان میں پٹرول کا خرچ بڑھ رہا ہے، ۱۹۲۱ء میں ۳۳ لاکھ گیلن پٹرول کی بمبئی میں درآمد ہوئی ۱۹۲۶ میں تقریباً ۹۰ لاکھ گیلن پٹرول بمبئی پر اتار اگیا، اور اس سال شاید ایک کڑوڑ گیلن سے بھی زیادہ کی درآمد ہوگی مٹی کا تیل ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ صرف ہوتا ہے، ۱۹۲۱ء میں ۴ کروڑ گیلن اور ۱۹۲۶ء میں ½ ۵ کروڑ گیلن کروسن کی بمبئی میں درآمد ہوئی اور جملہ ہندوستان میں ۲۰ کروڑ گیلن کروسین صرف ہوا ۔

برقی روشنی کے رواج کی وجہ سے مٹی کے تیل کا خرچ شاید آئندہ زیادہ نہو لیکن اسکے کم ہونے کی توقع نہیں ہے اور پٹرول کا صرفہ تو ہر سال زیادہ ہی ہوتا جائیگا۔ غرض ہندوستان میں تیل کی روز افزوں اہمیت کی وجہ سے یہ ضرورت ہے کہ پبلک اور حکومت تیل کی پیدائش و تجارت کے مسائل پر غور کرے ۔

تقریباً دو ہفتہ قبل اخبارات میں یہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ ایشیاٹک پٹرولیم کمپنی لمیٹڈ اور برما آئل کمپنی لمیٹڈ متحد ہوکر ایک نئی کمپنی بنانے والے ہیں اور وہ اپنی اپنی پیداوار کو اس متحدہ کمپنی کے ذریعہ سے فروخت کرینگے ۔ ہندوستان میں ان دونوں کمپنیوں کو پٹرول کے متعلق تقریباً ایک اجارہ حاصل ہے اور پٹرول کی فروخت میں کوئی کمپنی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن مٹی کے تیل کی فروخت میں امریکہ کی سٹانڈرڈ آئل کمپنی اس سے مقابلہ کرتی رہی ہے تین مہینے گذرے کہ سٹانڈرڈ آئل کمپنی نے ساوٹ روس سے تیل خریدنا شروع کیا ہے اور اس کمپنی نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ وہ آئندہ روس کے تیل کی مستقل خریدار رہیگی ۔ اس کمپنی کے اس ارادہ سے تیل کی فروخت کی اکثر کمپنیوں نے اپنی ناراضی ظاہر کی ہے ۔ جب روس کے تیل کا پہلا جہاز بمبئی پہنچا ہے تو سٹانڈرڈ آئل کمپنی میں اور ہندوستان کی مندرجۂ بالا دو کمپنیوں میں قیمت فروخت کے متعلق سخت مقابلہ ہوا اور اب تک ہو رہا ہے سٹانڈرڈ آئل کمپنی روس میں خریدا ہوا تیل ہندوستان میں کسی قدر ارزاں فروخت کر سکتی ہے ۔ اور برما آئل اور ایشیاٹک پٹرولیم کمپنیاں ہندوستان کے تیل کے بازار میں شکست کھانا نہیں چاہتیں اور اپنے تیل کو بھی ارزاں فروخت کر رہی ہیں ۔

غالباً اسی مسابقت کا نتیجہ ہے کہ یہ دونوں کمپنیاں متحد ہو رہی ہیں ۔ متحد ہوجانے پر ان کے مصارف فروخت میں کمی واقع ہوگی اور اسطرح وہ اپنی پیداوار ارزاں فروخت کر سکیں گی ۔ ہر کمپنی اپنی پیداوار کیلئے علحدہ علحدہ اشتہاری مصارف برداشت کرتی تھی ۔ عاملین پیدائش کی خرید اور پیداوار کی فروخت کے لئے ہر کمپنی کے علحدہ علحدہ وسیع دفاتر قائم تھے ۔ متحد ہوجانے پر اس قسم کے مصارف کم ہوجائینگے ۔

سٹانڈرڈ آئل کمپنی کا روس میں خریدا ہوا تیل دراصل مسروقہ تیل ہے ، کیونکہ ساویٹ حکومت نے اس تیل کے معدن غیر لوگوں سے حاصل کئے تھے اور ان کو اب تک اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ اہل ہند کے لئے غور طلب یہ امر ہے کہ سٹانڈرڈ آئل کمپنی تیل کی تجارت خارجی تجارت ہے ۔ اور اس کے برخلاف برما آئل کمپنی اور ایشیاٹک پٹرولیم کمپنی کا تیل تقریباً تمام تر برما سے نکالا جاتا ہے اور ملکی ہے ان کمپنیوں کے کاروبار میں دیسی مزدوروں کی کثیر تعداد ملازم رہتی ہے اور تیل کی صنعت کے لئے اکثر سامان مثلاً ڈبوں کا ٹین وغیرہ ہندوستان ہی میں خریدا جاتا ہے ۔

اس لحاظ سے اہل ہند اگر اس متحدہ کمپنی کا تیل خریدیں تو وہ ایک ملکی صنعت کی حمایت کرینگے ۔ اس کمپنی کا اہل ملک پر ایک حق ہے ۔ لیکن اہل ملک بھی اس کمپنی سے ایک بجا مطالبہ کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ پٹرول کی صنعت میں اس کمپنی کو ملک میں اجارہ حاصل ہے ۔ اور پٹرول کے بازار میں کوئی دوسری کمپنی اس سے مسابقت نہیں کر سکتی ۔ اس لئے اس کمپنی کو پٹرول کی قیمت میں کمی کرنا چاہیئے ۔ اہل ملک اس کمپنی کے تیل کو ملکی رعایت سے زیادہ قیمت پر خریدنے تیار ہو سکتے ہیں ۔ لیکن صرف اس وقت جبکہ کمپنی اپنے پٹرول کی قیمت میں تخفیف کرے ۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ موٹر کار اب تنعمات کی فہرست سے نکلکر ضروریات زندگی میں داخل ہو رہی ہے اور کچھ عرصہ میں ملک کے مختلف کاروبار کے لئے یہ ایک سخت ضرورت کی شے بن جائے گی ۔ اس لئے پٹرول کی شرح قیمت کا مسئلہ ملک کے لئے نہایت اہم ہے اور اس کی ارزانی کی سخت ضرورت ہے ۔ ہمارے شہر میں پٹرول کی قیمت آجکل عہ کلدار فی گیلن ہے ۔ یہ قیمت ۱۹۲۴ کی قیمت سے تقریباً ۱۲ ر فی گیلن کم ہے ۔ لیکن موجودہ قیمت میں بھی حیدرآباد کی کروڑگیری کے علاوہ ، ۴ ر آنے فی گیلن ہندوستان کا محصول (ایکسائز ڈیوٹی) ہے اور ۲ آنے فی گیلن بندرگاہ کا محصول ہے ۔ ان محصولوں کی وجہ سے پٹرول ، جو ہندوستان ہی کی پیداوار ہے ، ہندوستان میں ولایت کی بہ نسبت ۶ آنے فی گیلن گراں بکتا ہے ، حالانکہ ملکی پیداوار کو ملک ہی میں ارزاں بکنا چاہیئے ۔

اس کے علاوہ ایک تجویز ہندوستان میں پیش کی جاتی ہے کہ پٹرول پر مزید ۲ ر آنے فی گیلن محصول لگایا جائے اور اس کی آمدنی سے ملک کی سڑکوں کے لئے ایک فنڈ جمع کیا جائے ، ظاہر ہے کہ یہ محصول ملک میں موٹروں کے رواج کے سخت منافی ہوگا اور اس سے ملکی ذرائع آمد و رفت و نقل و حمل پیداوار پر نہایت مضر اثر پڑیگا ۔

حکومت ہند نے جس طرح ملکی کپڑے پر ایکسائز ڈیوٹی کو خلاف مفاد ملکی تسلیم کرکے موقوف کردیا اسی طرح اگر وہ ملکی پٹرول پر ایکسائز ڈیوٹی اور محصول بندرگاہ کو موقوف کردے تو ہندوستان میں ہندوستان کا پٹرول ارزاں فروخت ہوگا ، اور اس سے ملکی منابع اور سکاؤ بار اور رسائل حمل و نقل پیداوار کو بہت فروغ ہوگا ۔ اور اگر حکومت کو ملکی سڑکوں کی تعمیر ترمیم کے لئے در اصل کوئی نئی رقم کی ضرورت ہے تو ہندوستان سے ممالک غیر کو جانے والے پٹرول پر ۴ آنے فی گیلن محصول عائد کیا جائے ۔ یہ محصول نہایت قرین انصاف و حمیت ملکی ہے ۔ ترقی یافتہ اور متمول ممالک غیر اس محصول کے باوجود ہندوستانی پٹرول خریدیں گے ، اس لئے کہ یہ پٹرول اسوقت بھی ان کے لئے دوسرے پٹرول سے نسبتہً ارزاں ہوگا اور اس محصول برآمد سے ہندوستان کے لئے ایک جائز آمدنی کا ذریعہ پیدا ہو جائے گا ۔

ہندوستانی طلبا مقیم مصر کا سپاسنامہ

شاہ افغانستان امیر امان اللہ خان

کی خدمت میں

مصر میں شاہ امان اللہ خاں کی قیام کے زمانہ میں ہندوستانی طلبا مقیم مصر کے طرف سے بھی ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ ان طلبا کی نیابت حیدرآباد کے دو طالب علم محمد خواجہ قطب الدین صاحب تاری بی۔ اے (عثمانیہ) اور سید عبدالکریم صاحب حسینی ام۔ اے۔ ال ٹی (جامعہ مصریہ) نے کی۔ شاہ افغانستان نے سپاسنامہ قبول فرمایا اور دیرتک ان طالب علموں سے گفتگو کرتے رہے ہم قارئین کی دلچسپی کیلئے ذیل میں وہ سپاسنامہ پیش کرتے ہیں

مولانا صاحب الجلالت امان اللہ خان ملیک الافغان لازال ملکہ محفوفہ لعنایۃ الملک المنان

اے مبارک پے شہنشاہی کہ حاصل می کنند اختران در آسمان از طلعت نیک اختری

دست بستہ باکمال ادب و دل پر اخلاص منجانب طلبائے ہندوستانی کہ امروز در مصر بتحصیل علوم و معارف منہمک اند، بمناسبت تقدم میمنت لزوم شہریار افغان دام اللہ ایامہ عصر، مراسم تحیات مخلصانہ و واجبات خیر مقدم را بہ عتبات علیۂ افغانیہ میرسانیم۔

اے قبلۂ آمال شرق و شرقیہا:

از روزیکہ این خبر مسرت آمیز در انحائے عالم ہمچو شعاع شمس منتشر شد، کہ اعلیحضرت پائے حزم در رکاب عزیمت نہادہ بسیاحت ممالک غرب تشریف می برند و عنان عزیمت بطرف مصر منعطف میگردانند، از آن روز قلوب این مخلصان عرش افغان چون ماہی دور از آب در انتظار قدوم مبارک آن پشت و پناہ اسلام، و طلعت آن برگزیدۂ اہل جہان، شب و روز بے صبر و قرار چشم براہ ماندہ بود۔

ای علم بردار حریت افغان

امروز بفضل آن مجہودات عظیمۂ آن ہمت افغانیۂ کبیرہ کہ اعلیحضرت در راہ اصلاح و ترقی وطن محبوب و ابنائے وطن مبذول فرمودہ میفرمایند، ملت مجید افغان را نزاواز است کہ پائے مباہات بر فرق فرقدین نہد، و مشرق زمین را شاید کہ بوجود فرزند جوان بخت ہمچو سالار افغان سر مفاخرت را از ذروۂ سپہر برین بگذراند۔

ای ناشر علوم و معارف.

بحکم آن روابط دیرینہ و تعلقات قدیمہ و جدیدہ کہ دلہائے ابنائے ہندوستان را دائماً و سرمداً گرویدہ، و مخلص سلطنت ابد مدت افغان و دولت افغانیہ گردانیدہ و بنا بران عواطف عظیمۂ شاہانہ کہ حضرت ہمایونی با مسلمانان ہندوستان خصوصاً و ابنائے ہند عموماً داشتہ و میدارند، بر ہر فرد ہندوستانی در ہر جا باشد و در ہر اقلیم باشد لازم آمد و واجب است کہ مراسم خیر مقدم سالار افغان تقدیم کند و ہمہ بیکدل و یکزبان از درگاہ حضرت بیچون دست دعا بلند کردہ کہ شہریار افغان را درین سفر میمون باکمال کامگاری و صحیح علیا حضرت و ولی عہد افغان محبوب امرائے عالمگیر و وزرائے صائب تدبیر مصحوب بصحت کاملہ محفوف بعنایت خود بوطن محبوب برساند، و دیدۂ ابنائے افغان را بدیدار بادشاہ جوان بخت خود روشن گرداند۔

صیت دولت و کامگاری بادشاہ اسلام امان اللہ خان در اطراف و جوانب عالم سائر باد، و ذکر عظمت شعب افغانی چون نیر اعظم در نصف النہار ظاہر و منور۔

منجانب طلبائے ہندوستانی مقیم مصر۔ سید عبدالکریم حسینی حیدرآبادی M.A., L.T (Egypt) محمد خواجہ قطب الدین تاری B.A. حیدرآبادی فرستادہ حکومت نظام در جامعہ مصریہ

١٣٤٦

شعر و سخن

غزل

از ہز اکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت

احسان مند ہوں نگہِ امتیاز کا
پہلا مجھی پہ دار چلا تیغ ناز کا

ہم ہو گئے تمام ۔ گلہ اب نہیں رہا
افسانہ رہ گیا ۔ الم جاں گداز کا

جو جس کے جی میں آئے کہے برملا مجھے
دل دادہ ہوں میں خاطر حسرت نواز کا

ساز دروں کے نغمۂ پنہاں کا ذوق ہے
دل دادہ ہو گیا ہوں نواہائے راز کا

کچھ لطفِ زندگی ہے تو ساقی اسی میں ہے
اک جام دے مجھے مئے میناگداز کا

راحت اسی میں **شاد** ہے افزوں ہو دردِ عشق
احسان لونگا میں نہ کسی چارہ ساز کا

گلبرگہ ہم بھی جا کے زیارت کرینگے **شاد**
آیندہ مہ میں عرس ہے بندہ نواز کا

غزل

از نواب حیدر یار جنگ بہادر مولوی سید علی حیدر نظم طباطبائی (لکھنوی)

سنگ پانی ہونے کو پانی لہو ہونے کو ہے
دیکھ اے منکر تو نہیں دنیا فنا ہونے کو ہے

اپنی بے صبری سے عکسِ مدعا ہونے کو ہے
آئینہ دار اثر دستِ دعا ہونے کو ہے

دل وہی دل ہے جو اُسکا مبتلا ہونے کو ہے
جان ہے وہ جان جو اُس پر فدا ہونے کو ہے

قتل سے میرے پشیماں بے وفا ہونے کو ہے
اک ستم تو ہو چکا اب دوسرا ہونے کو ہے

گو سراپا مثلِ اخگر ہوں، گرہ کچھ غم نہیں
خاک ہو جانا مرا عقدہ کشا ہونے کو ہے

بزم میں ساغر کسی کے واسطے کوئی بھرے
میں سمجھتا ہوں کہ میری ہی صلا ہونے کو ہے

شان اُسکی دیکھ کر سمجھے تھے ہم روزِ الست
دولتِ کونین بے مانگے عطا ہونے کو ہے

یاس ہے مجھکو تسلی دیر ہے بیخودی
پردہ اب اُٹھنے کو ہے اب سامنا ہونے کو ہے

آگیا ہے شرمِ عصیاں سے جو آنسو آنکھ میں
یہ کے رخساروں پہ دُرِّ بے بہا ہونے کو ہے

یہ نگارستانِ ہستی مظہرِ قدرت سہی
نقش ہو گر آب حیواں پر فنا ہونے کو ہے

چپکے چپکے ظلم کرنا چھپ نہیں سکنے کا اب
ناوکِ بے داد میں پیدا صدا ہونے کو ہے

ایک خاتون کا آخری فیصلہ

ایک رنجش کے بعد جس سے محبت میں کچھ رخنہ پڑگیا تھا کہتی ہے

"براؤننگ کی اس مشہور نظم کو انگریزی (نظم) سے اردو (نثر) میں لانے کے ذمہ دار مولوی ذکار احمد صاحب ام۔ اے۔ مدیر نظام گزٹ ہیں اور نظم کا جامہ پہنانے کا مجرم خاکسار ہے۔

تمکین

ہم نہ آیندہ کبھی تکرار ہی کرتے رہیں
آپس میں کیوں لڑتے رہیں؟
اس سے بجز رنج و الم
کچھ فائدہ ہوتا نہیں

بس آؤ پہلے کی طرح اخلاق سے اور پیار سے
گہوارۂ الفت میں ہم
جھولا کرینگے رات دن
اور چین ہوگا ہر طرح

اُف وحشیانہ ہوتے ہیں الفاظ اپنے کس قدر
گر ہم پرندوں کی طرح
لڑتے رہینگے رات دن
شاہین آلے گا ہمیں۔

الفت کی وہ نازآفریں ملکہ کھڑی ہے سامنے
سن کر ہماری بحث کو،
اس حجت و تکرار کو،
ناراض ہو جائے نہ وہ

بس بس یہ رنجش ہوچکی آزردگی کو چھوڑ دو
اے جان اپنے دل میں تم
الفت کا جذبہ لے کے بس
آجاؤ میرے پاس اب

اُس سچ سے تو بہتر کہیں وہ جھوٹ ہے پیارے مرے
جو تم میں اور مجھ میں کبھی،
اے جاں! جدائی ڈال دے
اور روح کو تکلیف دے

اے آدم فردوس عشق اس پھل سے تو پرہیز کر
شیطان بن کر سانپ اک
بہکانے آتا ہے ہمیں
اس پھل کو چھونا تک نہیں

ہے نام اس پھل کا "یقیں" ہے مائدۂ صد حیف کیں
چھونا اُسے ہرگز نہیں،
پھر حضرت حوا کی طرح،
جنت نہ کھو دوں میں کہیں!

آ دیوتا بن عشق کا کرنے شگفتہ دل مرا
انسان کی صورت میں آ،
اور [illegible] میرا تھام لے
اور مجھ سے مل جا اس طرح

"من تو شدم تو من شدی" "من تن شدم تو جاں شدی"
"تا کس نگوید بعد ازیں"
"من دیگرم تو دیگری"
ایسا طور کہ افسوں گری

تیری تمناؤں کو میں پورا کروں گی اس طرح
مالک بناؤں گی تجھے
اس جسم خاکی کا مرے
اس روح باقی کا مری

ہاں اپنی ہستی کو تجھے دینے سے پہلے اک کام
ہے چاہیے کرنا مجھے
یعنی یہ رنج و غم جو ہیں
دل سے نکالوں اپنے میں

لیجا کے دفناؤں انھیں ایسی جگہ اور اس طرح،
صورت نہ منحوسوں کی پھر
آئے کبھی مجھ کو نظر،
اور رو کے چھوڑ آؤں انھیں!

لیکن نہیں بیکار ہے مجھ کو مسرت کے مزے
نے لے کے سونا چاہیئے
اس واسطے کہ تم کو بھی
مجھ سے محبت ہے ابھی

سید تمکین کاظمی
یم۔آر۔اے۔ایس (لنڈن)

انتقاد

دُرِّ ثمین

مرتبہ تصدق حسین صاحب مطبوعہ احمدیہ پرنٹنگ ورکس حیدرآباد دکن

قیمت مجلد ... بلا جلد ...

یہ ہندوستان کی مشہور شاعرہ مسز سروجنی نائیڈو کی انگریزی نظموں کے اردو منظوم ترجموں کا مجموعہ ہے مسز سروجنی نائیڈو محتاج تعارف نہیں۔ حیدرآباد دکن ان کا مولد اور وطن ہے۔ اس لئے حیدرآباد کی علمی دنیا کا بچہ بچہ ان کو جانتا ہے۔ ہندوستان میں وہ پہلے شاعرہ کی حیثیت سے مشہور ہوئیں۔ اور پھر ملکی اور سیاسی خدمات کی وجہ ہندوستان کے اس طول و عرض کے گوشہ گوشہ میں ان کا شہرہ ہوگیا۔ موجودہ زمانہ میں ان کے سیاسی کارناموں کے مقابلہ میں ان کے شاعرانہ کمال پر پردہ سا پڑ گیا ہے سیاسی کارنامے بھی کیسے؟ وہ کہ ہندوستان کے بڑے سے بڑے مرد مدبر کو بھی ان پر فخر ہو۔ یہ جائے کہ بدقسمت ہندوستان کی بدقسمت عورت۔

ہماری شاعرہ کی اس سیاسی جد و جہد پر ملک کے تعلیم یافتہ طبقے کی دو مختلف رائیں ہیں۔ ایک گروہ جو ادبی دلچسپیوں کی اہمیت زیادہ سمجھتا ہے، کہتا ہے کہ مسز سروجنی کو سیاسیات کے میدان میں قدم نہ رکھنا چاہئے تھا۔ اپنی شاعری سے وہ ملک کی موجودہ نسل ہی کو مستفید نہ کرتیں بلکہ اس سے ہماری قوم کی بعد کی آنے والی نسلیں بھی فائدہ اٹھاتیں اور خود ان کا نام مستقبل بعید تک زیادہ پائداری سے قائم رہتا۔ بالفاظ دیگر ان کی شاعری بنی نوع انسان کو مستفید کرتی رہتی برخلاف اس کے ان کی قوت کا افادہ، خواہ وہ کتنا ہی ہو ہندوستان کیلئے اور صرف موجودہ ہندوستان کیلئے محدود ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ شاعری قوم کی ایک محدود و جد و جہد کی شاخ ہے برخلاف اس کے ہندوستان کی آزادی کا مقصد ایک مردہ قوم میں جان ڈالنے کا فریضہ ہے اس لئے اگر مسز نائیڈو کی شاعری اس مقصد کے لئے قربان ہوتی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

دونوں پہلوؤں پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر ہم اس تمام بحث سے قطع نظر کر کے ادبی حیثیت سے اتنا ضرور کہیں گے کہ سیاسی میدان میں مسز نائیڈو کا کام انجام دینے والے ملک میں موجود ہیں مگر مسز نائیڈو کا قلم اٹھانے والا سوائے اُن کے کوئی نہیں۔

* * *

دُرِّ ثمین کے مرتب تصدق حسین صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے واقعی موتیوں کو جمع کیا ہے۔

اس کتاب کو جامع نے بیگم صاحبہ حیدر نواز جنگ (مسز حیدری) کے نام پر معنون کیا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی کی ایک نظم "تشبیہ گل" اور دیباچہ ہے۔

"تشبیہ گل" مولوی صاحب کی اچھی نظم ہے۔ مگر اس کتاب سے یا مسز سروجنی نائیڈو سے اس نظم کو بہت دور سے نسبت دی جا سکتی ہے۔ البتہ دیباچہ مولوی صاحب نے بہت اچھا لکھا ہے۔ اس میں مولوی صاحب نے شاعرہ کے کلام کی روح سے اردو داں طبقے کو آشنا کرنے کی کوشش کی اور ہمارا تو خیال ہے کہ کوشش میں مولوی صاحب ان تمام نقادوں سے زیادہ کامیاب ہیں جو اب تک اردو میں سروجنی کے کلام پر کچھ لکھ چکے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ مولوی صاحب اس دیباچہ کو کچھ اور وسعت دیتے دیباچہ کے بعد "مسز سروجنی نائیڈو" کے عنوان سے ایک طویل مضمون رسالہ ہمایون سے نقل کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں شاعرہ کی حیات اور اس کے کلام پر تنقید کسی قدر تفصیل سے آگئی ہے۔ ہماری ناقص رائے میں اس مضمون سے گہری نقادانہ نظر کا پتہ نہیں چلتا۔

* * *

دُرِّ ثمین میں کل (۲۳) نظموں کے ترجمے ہیں جس میں سفیر کاکوروی کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ ان کے بعد سیف الدین صاحب شباب کا کارنامہ ہے۔ سفیر صاحب کے (۹) ترجمے ہیں اور شباب صاحب کے (۴) باقی مترجمون کے ایک ایک دو دو ترجموں سے زیادہ نہیں۔

* * *

ترجموں میں سفیر کاکوروی صاحب کا حصہ بھی اتنے ہی ہوئے ہیں اور نا کام بھی اتنے ہی۔ ان کا پہلا ترجمہ جو اس مجموعہ میں درج ہے "اسماء حسنیٰ" کے عنوان سے درج ہے۔ اس نظم کی اصل سرخی انگریزی میں "دی پریرس آف اسلام" ہے جس کے معنی "دعائے اسلام" یا "مسلمانوں کی دعا" کے ہیں۔ اس نظم میں شاعرہ نے اسلامی عقائد کے ساتھ اسماء باری تعالیٰ کی مطابقت بہت خوبی سے کی ہے۔ اس نظم کے ترجمہ میں اصل نظم کی روح پوری طرح نہ آسکی۔ اسی طرح سفیر صاحب کے اکثر ترجمے اصل نظموں سے بہت ہٹے ہوئے ہیں البتہ شباب صاحب اصل نظم کا زیادہ لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر شباب صاحب کے ترجموں میں وہ روانی نہیں ہے جو سفیر صاحب کے ترجموں میں ہے۔ شباب صاحب نے بعض جگہ وزن، محاورہ اور روزمرہ کا خیال نہ رکھا اور نامانوس الفاظ کے استعمال میں بھی انھوں نے احتیاط نہیں کی۔ ایسی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

چلاو اب بھوڑ دو حاجت نہیں شفاف چوڑیوں کی
صفحہ (۲۴) سطر (۱)

گستہ اس کو کر دو تخم رنج و غم کے بوئے ہیں
صفحہ (۲۴) سطر (۳)

شاد و منہ سے مقنع اڑ گیا رنگ رخ انور صفحہ ۲۴ سطر (۷)

(نقاب کے لیے مقنع استعمال کیا ہے جو نہ صرف غیر مانوس ہے بلکہ غیر صحیح بھی ہے اصل لفظ مقنعہ ہے جو اس جگہ وزن میں نہیں آسکتا۔)

تلے میں آج سیل اشک جو آنکھیں بہانے ہیں صفحہ ۲ سطر ۱۷-۱۸
(تر کی جگہ میں استعمال کیا ہے)
بتا دیتے ہیں اس کی عمر خامی کا زمانے میں
برباد گشتہ قلعو کی ہے وہ شان شوکت صفحہ ۳۰ سطر ۳
(یہاں صرف برباد کافی تھا۔)

گو لاکھ صدیوں سے بد لے ہزار صورت۔
(صدی میں دال مشدد استعمال کی ہے)

شباب صاحب کو سب سے زیادہ کامیابی "ہستی" کے ترجمے میں ہوئی ہے اور حقیقت میں یہ ترجمہ بہت اچھا ہوا ہے

اے شمع زندگانی آخر لب اجل سے،
یکبار جل بجھی تو، اس طرح تجھ کو پھونکا
ممکن نہیں کہ روشن پھر ہو شرار تیرا
اس تیرہ خاکداں میں کیوں کر گزر ہو پھر
اے نخل زندگانی! پائے قضا نے تجھ کو
افسوس بیخ و بن سے پامال کر کے چھوڑا
ممکن نہیں کہ پھر تو سرسبز بار ور ہو
جو نخل سوکھ جائے دشوار ہے کہ تر ہو
اے وجہ زندگانی! تلخی مرگ نے یوں
ہم کو کیا دو پارہ جوں لفظ ہوں شکستہ
فی الاصل ایک تھے ہم جب ہو چکی جدائی
بے جان ہو کے قالب باقی نہیں رہیگا۔

ہماری رائے میں پہلا شعر اس طرح ہوتا تو بہتر تھا:—

اے شمع زندگانی اک بار جل بجھی تو،
آخر لب اجل نے اس طرح تجھ کو پھونکا

اسی طرح پانچواں شعر اس طرح ہوتا تو ترجمہ اصل سے زیادہ قریب ہو جاتا:—

اے جان، جان اجل کی تیغ ستم نے ہمکو
ایسا کیا دو پارہ جوں لفظ ہوں شکستہ

اصل مصرعے یہ ہیں:

LIFE OF MY LIFE, DEATH'S BITTER SWORD
HATH SEVERED US LIKE A BROKEN WORD,

اس مجموعہ میں حبیب اللہ صاحب رشدی مدیر نظام گزٹ کا بھی ایک ترجمہ درج ہے۔ جس کے متعلق اخبار انڈین ڈیلی ہیرلڈ کی رائے ہے کہ اصل اور ترجمہ میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے وہ ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

قاتل

سحر کو جب ان جاں تم سے کوئی رہرو اگر پوچھے
کہ "اے نازک بدن ملبوس ہے شبنم میں تر کیسا؟
رُخ پر نور کو دیکھو تو اک دریا کا عالم ہے
نم گیسوئیں باران سحر کا ہے اثر کیسا؟"
ادا سے مسکرا کر نیچی نظروں میں کہو "حاشا"
"نم الفت سے اچھل آہ سے، اور سوز فرقت سے

یہ قطرے موت کے ٹپکے نگاہِ یاس و حسرت سے

سر شام ایک مست جام دیکھے اور چلائے
کہ "کیا کچھ ارغوانی رنگ کی مے تم نے چھلکائی
کہ وہی گلنار کے چھینٹیں لباسِ نازنیں پہنے
کہ نازک سرخ پتوں ہی کی رنگت ہے پسند آئی؟"
بصد انداز دلداری یہ اے جانِ جہاں کہنا
"کیا تھا جس کو گھائل رنج و غم کی تیغ سے میں نے
یہ قطرے زندگی کے ہیں کہ نکلے قلب رشدی[1] سے"

مذکورہ بالا نظموں کے علاوہ ترجمے کی حیثیت سے احسن اکبر آبادی کا ترجمہ "کنول" وفا صدیقی کا ترجمہ "تغیر نما" خلیق دہلوی کا ترجمہ "یاد محبوب" سغیر کاکوروی کا ترجمہ "نغمۂ نگیر" بہترین ترجمے ہیں۔

ترجموں کے ساتھ اصل نظمیں بھی مقابل صفحوں پر طبع کی گئی ہیں۔ جامع کا یہ کام بہت مستحسن ہے۔ اصل انگریزی کی طباعت میں بہت سی غلطیاں رہیں۔ اور اردو ترجموں میں بھی جگہ جگہ الفاظ چھوٹ گئے ہیں مثلاً

بس آ سے ذوق تماشا... کی ہے جلوہ گری صفحہ ۴ سطر ۵
میں تجھے کیا دوں کہ... بے بس ہوں... نادار ہوں صفحہ ۶ سطر ۳
کہ عمر ابھی پڑی ... ہے غم کی یاد کیلئے۔ صفحہ ۱۲ سطر ۱۶
یا ترانوں میں صدائے موج... بھر دوں تجھے۔ " ۲۰ " ۶
ہو حاصل اُسے کچھ دلبری.... روئے انور سے۔ " ۲۲ " ۱
مقدس رشتہ کے جس تار میں موتی پروئے ہیں۔ " ۲۴ " ۴
(اس مصرع میں کو کے بجائے کے چھپ گیا ہے)
نہیں ممکن کہ رنج و غم میں کچھ.... دل فریبی ہو۔ " ۲۴ " ۵

ان کے علاوہ اور بھی اسی طرح کی فروگذاشتیں ہیں جو طبع ثانی میں ذرا سی توجہ سے رفع ہو سکتی ہیں۔ کتاب میں کاغذ بھی یکساں نہیں لگایا گیا اور لکھائی بھی کہیں جلی اور کہیں خفی ہے۔ امید کہ تصدق حسین صاحب آئندہ طباعت پر ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس مجموعہ میں بھی اضافہ فرمائینگے کیونکہ ہمارے خیال میں ابھی اور ترجمے جو مختلف رسائل وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں تلاش سے مل سکتے ہیں موجودہ حیثیت میں بھی مرتبین بہت قابل قدر کوشش ہے۔ یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ شاعرہ کے ترجموں کا مجموعہ شاعرہ کے وطن ہی میں جمع اور شائع ہوا۔

و

---

[1] بہتر ہوگا کہ تصدق حسین صاحب دوسرے ایڈیشن میں اس مصرعے سے تخلص نکال کر لفظ "بسمل" رکھدیں۔ یعنی ع

یہ قطرے زندگی کے ہیں کہ نکلے قلب بسمل سے

میں نے اصل میں بسمل ہی لکھا تھا مگر خدا جانے طبع اول میں طباعت کی غلطی سے یا خود میری غلطی سے اسکی جگہ لفظ رشدی چھپ گیا۔
(محمد حبیب اللہ رشدی)

انتقاد

مصنوعی بیوی

مترجمہ عباس حسین صاحب لطفی قیمت ۱۲ار
پتہ: ساحمد حسین جعفر علی تاجر کتب چار مینار حیدرآباد دکن

یہ کتاب ایک انگریزی ناول کا ترجمہ ہے۔ قصہ بہت دلچسپ ہے۔ ایک متوسط گھرانے کا نوجوان ایک یتیم نوجوان لڑکی کو اپنے چچا کو دھوکا دینے کی غرض سے اپنی بیوی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ نوجوان کا ارادہ ایک رقاصہ سے شادی کرنے کا تھا۔ فریب میں اور کئی فریب مل جاتے ہیں اور یہ دلچسپ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ نوجوان اپنی اس مصنوعی بیوی ہی کی الفت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس دھوکے کا علم اس کے چچا کو ہو جاتا ہے۔ جو بعد میں ان دونوں کی شادی کر دیتا ہے۔ اور اپنی تمام جائداد اس نوجوان جوڑے کے نام وصیت کر جاتا ہے۔

اس ناول کا اصل مصنف آر۔ ایچ پول ہے۔ جو اگرچہ اول درجہ کے ناول نگاروں میں نہیں مگر اس کتاب سے اس کے کمال کا کافی اظہار ہوتا ہے۔

بحیثیت ترجمے کے ہم عباس حسین صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں کہ ان کا یہ ترجمہ کامیاب ترجمہ ہے تمام کتاب میں مترجم نے اصل کتاب کے صحیح مفہوم کا لحاظ رکھا ہے۔ اور پھر بھی ترجمے کی روانی اور سلاست میں فرق نہیں آنے پایا۔ ہماری رائے میں ایسی کتابوں کے ترجمے کی بہترین خوبی یہی ہے کہ ترجمہ میں روانی اور سلاست ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

ق

القریش نظام نمبر

رسالہ القریش دن بدن ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اس روز اس کے لائق مدیر نے "نظام نمبر" کے نام سے ایک مخصوص نمبر نکالا ہے جس میں اعلحضرت حضور پر نور خسرو دکن کے خاندانی حالات اور قیام سلطنت کے متعلق جملہ ضروری باتیں درج کی ہیں۔ منشی محمد علی رونق صاحب نے نظام نمبر نکال کر وہ کام کیا ہے۔ جو ہم لوگوں کو کرنا چاہیے تھا۔ ہم منشی صاحب کو اس قابل داد کام پر مبارک باد دیتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ منشی صاحب کی عقیدت اہل سلطنت کے ساتھ ہمیشہ باقی رہے۔

ق

گولکنڈہ کی گونج

چارمینار کے شہر سے

"از گولکنڈہ"

گذشتہ نمبر میں ہم نے سیلر کمیٹی کے متعلق انڈین نیشنل ہیرلڈ کے نامہ نگار مسمی بہ گولکنڈہ کی دلچسپ رائے کے پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے ۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قارئین نظام گزٹ نہ صرف اخباری مدبروں کی دلچسپ رایوں ہی سے واقف ہو جائیں بلکہ ایک انگریزی مقولے TO SEE OUR SELVES AS OTHERS SEE US. "ہم اپنے کو ایسا ہی دیکھیں جیسا کہ دوسرے لوگ ہمیں دیکھتے ہیں" کی تکمیل بھی ہو جائے ۔ مضمون کے متعلق ہم نے اپنی رائے گذشتہ نمبر کے شذرات ہی میں پیش کر دی تھی اب ناظرین اصل مضمون کی شاعری سے لطف اٹھائیں ۔

حیدرآباد کے موجودہ فرمانروا ۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۲۶ کو انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ ساتھ اپنی عمر کے ۴۲ ویں سال میں داخل ہوتے ہیں ۔ یہ مطابقت بہت ہی مبارک ہوگی ۔ اگر ایسا ہو کہ حضور نظام بھی نئے خیالات اور نئے ارادوں کے ساتھ انڈین نیشنل کانگرس کی ہمنوائی کریں ۔

آیندہ نسلیں ہر دسمبر کی چھبیسویں (۲۶) تاریخ کو اس بات کی یادگار سمجھ کر خوشی منائینگی کہ یہ دن ہندوستان کے اتحاد اور آزادی کا دن ہے ۔ اگر ہندوستان کے سب سے بڑے تاجدار کی سالگرہ ہندوستان کی سب سے بڑی قومی مجلس کی سالگرہ کے دن واقع ہو کر اس بات کو ثابت کر دے کہ ہندوستان کے حکمران اور ہندوستان کی رعایا دونوں متحد ہیں ۔ اور یہ اتحاد اس جنگ کے لئے ایک خوفناک آلہ ہے جو دونوں کے واحد دشمن، یعنی شہنشاہیت پرست برطانیہ کے خلاف چھڑی ہوئی ہے ۔

* * *

کسی ادارہ کی (۴۲) سال کی عمر ایک کافی طویل مدت ہے ۔ انڈین نیشنل کانگرس گزشتہ (۴۲) سال سے ایک مقدس مقصد کے حصول کے لئے لڑ رہی ہے ۔ لیکن کچھ تو خود اپنی ہی خامیوں کی وجہ اور زیادہ تر مخالفین کی ناپاک عیارانہ چالبازیوں سے وہ اب تک اس جنگ میں فتح نہ پا سکی اب وقت آگیا ہے کہ کانگرس کی قوت اور ذرائع میں دگنی طاقت پیدا کی جائے اور یہ بات اس وقت حاصل ہو جائیگی جبکہ ہندوستانی تاجداروں کے قائد اعظم جنھوں نے اب تک اس جنگ کو برطانی حفاظت کے عالیشان مینار پر سے فلسفیانہ نظر سے ملاحظہ فرمایا ہے ۔ اب کانگرس کی جرأت نا مستقل مزاجی کی داد دیتے ہوئے خود بھی اس کی مدد کا بیڑا اٹھائیں ۔

خیالات عمر کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ انڈین نیشنل کانگرس اب (۴۲) سال کی نوجوان مجلس ہے اور اسی طرح حیدرآباد کے حکمران بھی نوجوانوں کی طرح قوت اور جوش رکھتے ہیں اسلئے اگر کانگرس اور حضور پرنور اگر ایک ہی مطمح نظر رکھیں تو کوئی انوکھی بات نہ ہوگی ۔

* * *

مذکورہ بالا خیالات بادی النظر میں مضحکہ انگیز نظر آتے ہیں لیکن اگر اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے کہ ہمارے تاجدار باوجود اپنی مجبوریوں کے کس طرح کانگرس کا ساتھ دیکر اس کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنے محدود دائرہ عمل میں بھی اس بات کو قابل عمل بنا سکتے ہیں ۔ اور اسطرح اس خیال کا انوکھاپن جاتا رہتا ہے ۔

اس مضمون میں میں اپنی ناچیز کوشش اس بات کے ظاہر کرنے میں صرف کرونگا کہ کس طرح اعلحضرت حضور نظام ہندوستان کے سب سے بڑی ریاست کے حکمران ہونے اور سلطنت برطانیہ سے اپنی دوستی کا عہد کرنے کے انڈین نیشنل کانگرس کا ساتھ دے سکتے ہیں ۔

* * *

مختصر الفاظ میں ہماری قومی مجلس اعلیٰ اب خودمختاری پر زور دے رہی ہے ۔ وہ یقین کرتی ہے کہ قوم یا سلطنت اپنے ذاتی معاملات کے انتظام میں اور اپنے مستقل کو مرتب کرنے میں آزادی رکھتی ہے ۔ وہ اس بات کی سخت مخالفت کرتی ہے کہ اجنبی غیر ملکی قوم خواہ کیسی ہی مہربان ۔ فیاض ۔ ہوشیار اور دیانت دار کیوں نہ ہو، کسی دوسرے قوم کے (جو سیاست دانی میں اس سے کم ہو) معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق رکھتی ہے ۔ یہ گویا کانگرس کی مصلحت خارجہ ہے ۔

اور مصالح داخلہ اور انتظام مملکت میں کانگرس ایک ایسے نظام کا مطالبہ کر رہی ہے جس سے تمام مذہبی، فرقہ داری اجتماعی امتیازات تعاون اور رواداری کے ذریعہ مٹ جائیں اور تمام چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور چھوٹے چھوٹے فرقوں اور مزدور جماعت کے مفاد کی حفاظت ہو سکے ۔

* * *

ایک رواداراںہ متحدہ سلطنت کے قیام کے مقصد کے لئے کانگرس تمام ہندوستانی حکمرانوں کو اپنی اپنی ریاست کا دستوری بادشاہ مانتی ہے ۔ اور اس بات کو نظرانداز نہیں کرتی کہ ہندوستانی ریاستیں ہندوستانی سیاسیات کا جزو لاینفک ہیں اس لئے وہ بھی حکومت خود اختیاری کی مستحق ہیں ۔

معاشیات کے میدان میں کانگرس کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام ملکی صنعتوں کی ہمت افزائی کر کے ان کو معراج کمال پر پہنچایا جائے ۔

مفت اور جبری تعلیم اس قومی عمارت کا سنگ بنیاد ہو ۔ اور مذہبی آزادی کے ساتھ تحریر کی آزادی اور تقریر کی آزادی بھی لازمی ہو

* * *

اعلحضرت حضور نظام کے مشیروں میں سے کوئی دیانت دار مشیر مجھے بتا سکتا ہے کہ ان مقاصد میں سے کونسا ایسا مقصد ہے جس کو حضور نظام ایک بڑی سلطنت کے حکمران ہونے کی حیثیت سے نہیں قبول فرما سکتے؟ اب ذرا واقعیت کی روشنی میں ان چیزوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

* * *

حضور نظام اور حکومت برطانیہ کے مابین اب تک جتنے عہدنامے مرتب ہوے ان سب میں بنیادی اصول یہی تھا کہ داخلی معاملات میں حکمران کو کامل آزادی حاصل رہیگی اگر اس اصول کی پابندی سختی کے ساتھ نہیں کیگئی تو اس کی وجہ گذشتہ حکمرانوں کی کمزوری تھی ۔ ان حکمرانوں میں وہ اخلاقی جرأت نہیں تھی جو ایسی شہنشاہیت پرست قوم کو، جو ذرا ذرا سے بہانوں سے حفاظت کی امانت داری کے بدنام کن نظریہ کی آڑ میں ہر وقت دخل در معقولات کا موقع ڈھونڈ نکالتی رہتی ہے ۔ تاکہ اپنا سیاسی معاشی دائرہ اثر و نفوذ میں اضافہ کرے، ایسی مداخلت سے باز رکھا کرتے ۔

اب اگر موجودہ فرمانروا کانگرس کی [illegible] پیدا کرلیں تو وہ اس ناپاک رجحان کو قطعاً رو [illegible] اور امانت داری کا مشتبہ دعویٰ پیش کرنے [illegible] مادی سبب نہ پیدا ہونے دینگے اور اپنے حقوق [illegible] کے ذریعہ موثق ہو چکے ہیں کبھی کسی کو حملہ کرنے کی [illegible]

نہ کرنے دینگے

* * *

اب ایک زرین موقع ہاتھ آیا ہے۔ ایسے موقع بہت نادر ہوتے ہیں۔ کہ حضور نظام اپنی مشہور مستقل مزاجی کو کام میں لاکر اپنی شاہانہ خودداری ظاہر فرمائیں اور وہائٹ ہال کے ایک گستاخ وزیر ہند کے احکام سے قطعی واسطہ نہ رکھیں یعنی یہ موقع جو بٹلر کمیٹی کے تقرر سے پیدا ہوا ہے۔

* * *

ہندوستانیوں کی اس بڑی قوم کے حق خود اختیاری پر حملہ سے اس بڑی قوم کی ہتک کر کے لارڈ برکنہیڈ میں اب تنی بیباکی آگئی ہے کہ ہمارے تاجداروں کے ساتھ بھی جو ہماری شاندار تمدن کی آخری نشانیاں ہیں، وہ ایسا برتاؤ کر رہا ہے کہ وہ گویا سیاسی کٹھ پتلیاں ہیں۔

اب اعلیٰحضرت حضور نظام کے یہ کہنے کا وقت آگیا ہے

"برکنہیڈ اپنے کو پہچانو اور آئندہ خبردار رہو"

قصر کنگ کوٹھی کی اس زلزلہ انداز گرجتی آواز کا اثر وائٹ ہال کے زلزلہ نما میں ایسا ظاہر ہو کہ بالڈون اور برکنہیڈ دونوں رفیقوں کو یہ یقین ہو جائے کہ باوجود برطانیہ سے صدیوں کا تعلق رہنے کے اب تک ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اور اُن کے بھائی دوسرے حکمرانوں کی رگوں میں ابھی تک نیلگوں خون دوڑ رہا ہے۔

* * *

عہدنامے دو فریقوں کے مابین طے ہوتے ہیں اس بات میں کیا معنی کیا معقولیت اور کیا اخلاق ہے۔ کہ ایک فریق اُن عہدناموں کو جانچنے۔ نظرثانی کرنے۔ امتحان کرنے۔ یا مستقل کرنے کیلئے "ڈوئی اسٹریٹ کے تین درزیوں" کی کمیٹی مقرر کرے؟ اس سے دوسرے فریق کی پروا نہ کرنے اور دوسرے کی ہتک کرنے کے الزام سے بچنے کے لئے کیا مادی معقولیت یا استدلال پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر لارڈ برکن ہیڈ اُن دنوں کو یاد کریں تو بہتر ہوگا۔ جبکہ سلطنت برطانیہ لڑکھڑا رہی تھی اور ہندوستانی تاجداروں نے اپنی عظیم الشان فوجوں اور دولت سے سلطنت کو اس نازک موقع سے بچا لیا۔ اب وہ خطرناک وقت ٹل گیا اس لئے لارڈ برکن ہیڈ نے مناسب خیال کیا کہ ہمارے چند حکمرانوں کی کمزور طبیعت سے فائدہ اُٹھا کر انھیں اپنی مرضی کے مطابق عاجز اور بے دست و پا بنا دے۔

احسان فراموشی! تیرا نام برکن ہیڈ ہے!

* * *

اب اعلیٰحضرت حضور نظام کا فریضہ صاف نظر آرہا ہے۔ حضور کو بٹلر کمیشن سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہئے میں حضور پرنور سے مودبانہ معروضہ کرونگا کہ حضور عام طور پر اسکا اعلان فرما دیں کہ حضور اپنی سالگرہ کی یادگار میں برکن ہیڈ کے بٹلر ٹرائیو (BUTLER TRIO) کی طرف توجہ کرنا اپنی کسر شان سمجھیں گے۔

صاحبِ اعجاز

ایچ۔جی۔ ویلس کے بہترین مختصر افسانہ کا ترجمہ

یہ بات مشتبہ ہے کہ آیا یہ اس کا فطری تحفہ تھا۔ لیکن میں اپنے نزدیک یہی سمجھتا ہوں یہ بات اس کو یکایک حاصل ہوگئی تھی۔ وہ تیس برس کی عمر تک ایک شکی مزاج تھا۔ اور معجزے کا قائل نہیں تھا۔ اب یہاں میرا یہ کہہ دینا بے جا نہ ہوگا کہ وہ ایک پستہ قامت انسان تھا۔ اوس کی آنکھیں تیز بادامی رنگ کی تھیں۔ اس کے بال سیدھے اور اس کی مونچھیں لانبی تھیں جن کے سروں کو وہ مروڑ کر اوپر رکھا کرتا تھا۔ اس کا نام جارج میک ورٹر فادرنگ گے ـــــ ایسا نام نہیں جس سے معجزہ یا کرامت کا خیال پیدا ہوتا ہو ـــــ تھا۔ وہ گام شاٹ کے دفتر میں منشی تھا۔ وہ فرضی استدلال کا بہت شائق تھا۔ وہ معجزے کے ناممکنات پر بحث کر رہا تھا کہ اس کو اپنی غیر معمولی قوتوں کی اطلاع ملی۔ یہ مخصوص بحث "دی لانگ ڈراگن" ہوٹل میں ہو رہی تھی

(باقی کالم (ایک)

جیسا کہ مدبرانہ اور دوربین مصلحت حضور پرنور کو ایک خوددارانہ طریق عمل سے نہیں روک سکتی۔

* * *

کانگرس کے خیالات کے ہمنوائی ہز اگزالٹیڈ ہائی نس سے اسی طریق عمل کا مطالبہ کرتی ہے جو اُن کے اصفجاہی خون کا اقتضا ہے۔ یعنی شاہانہ اعزاز اور خود کا راستہ۔

* * *

کسی آیندہ مضمون میں میں اسی موضوع پر بحث کر کے یہ ظاہر کرونگا کہ کس طرح ہماری دیسی ریاستوں کے حکمران اپنی حیثیت اور عہدناموں کی ذمہ داریوں کو معرض خطر میں لائے بغیر کانگرس کی مصلحت کو اختیار کر سکتے ہیں۔

ٹوڈی بی ِشن نامی ایک شخص "تم ایسا کہتے ہو" کے تکراری مگر پراثر فقرے سے اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ اس فقرے کو بار بار سنکر فادرنگ گے کا صبر انتہائی حد کو پہنچ گیا۔

وہاں ان دونوں کے علاوہ ایک میلا کچیلا سیکل سوار، زمیندار کاکس، اور مس مے برج (جو ایک عزت والی ہوٹل کی خادمہ تھی) یہ تین آدمی بھی موجود تھے۔ مس مے برج کی پیٹھ فادرنگ گے کی طرف تھی اور وہ پیالے اور گلاسیں دھو رہی تھی۔ بقیہ دونوں آدمی اس بحث میں دلچسپی لے رہے تھے اور فادرنگ گے کے فرضی استدلال کے اس وقت بے اثر ثابت ہونے سے کم و بیش خوش نظر آتے تھے۔ مسٹر بی ِشن پر جب استدلال بے اثر ثابت ہوا تو مسٹر فادرنگ گے نے ایک غیر معمولی بلاغت سے کام لینا چاہا۔ "ادھر دیکھو مسٹر بی ِشن" مسٹر فادرنگ گے نے کہا "ہمیں صاف طور سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ معجزہ کیا چیز ہے۔ معجزہ قوانین فطرت کے برخلاف ایک ایسی چیز ہے جو قوت ارادی سے ظہور میں آتا ہے، یہ وہ چیز ہے جو بغیر خاص قوت ارادی کے واقع نہیں ہوتی"

مسٹر بی ِشن نے طنزاً کہا "تم ایسا کہتے ہو"

مسٹر فادرنگ گے سیکل سوار سے مخاطب ہوا جو اب تک خاموشی سے اس بحث کو سن رہا تھا۔ سیکل سوار نے کھانس کر مسٹر بی ِشن پر ایک نظر ڈالی اور گویا فادرنگ گے کی بات کو سچ مان لیا۔ زمیندار نے اپنی کوئی رائے نہیں دی۔ اب فادرنگ گے پھر جب مسٹر بی ِشن کی طرف مخاطب ہوا تو اس نے خلاف امید معجزہ کی اس منطقی تعریف کو تسلیم کر لیا۔

"مثلاً" فادرنگ گے نے بڑی جرأت کے ساتھ کہا "یہ ایک معجزہ ہوگا کہ (وہ لیمپ کی طرف اشارہ کر کے) عام فطرت میں اس طرح الٹا نہیں جلے گا کیوں مسٹر بی ِشن کیا وہ اس طرح جل سکتا ہے؟"

"تم کہتے ہو کہ اس طرح نہیں جلے گا" بی ِشن نے

"اور تم؟" فادر انگ گے نے کہا "تم اس بات کو نہیں مانتے؟ ہاں؟"

"نہیں" پی مش نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"نہیں وہ اس طرح نہیں چل سکتا"

"بہت خوب" فادر انگ گے نے کہا "تب یہاں کوئی شخص آتا ہے۔ جیسا کہ میں بھی آسکتا ہوں۔ اور یہاں آکر اس جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور لیمپ سے کہتا ہے جیسا کہ میں بھی اپنی تمام قوت ارادی کو جمع کر کے کہہ سکتا ہوں۔ بغیر ٹوٹے نیچے کی طرف جھک جاؤ، اور چلنا شروع کرو۔ ادھر ادھر ہوا!"

* * *

اتنا کہنا ہر شخص کے "ادھر ہوا!" کہنے کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ لیمپ کی یہ ناممکن ناقابل فہم بات ان سب پر ظاہر اور آشکار تھی۔ چراغ ہوا میں نیچے کی طرف جھکا ہوا تھا اور خاموشی سے شعلہ کا رخ زمین کی طرف کئے ہوئے چل رہا تھا۔ لیمپ وہی "لانگ ڈراگن" ہوٹل کا لیمپ تھا۔

فادر انگ گے پیشانی پر بل ڈال کر اپنی انگلی لمبی کئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ گویا کسی خطرناک بات کے واقع ہونے کا خیال کر رہا ہے سیکل سوار نے جو لیمپ کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا جھک کر ایک چھلانگ ماری اور دور جا کھڑا ہوا۔ اور تقریباً ہر شخص اچھل پڑا۔ مس مے برج نے پلٹ کر دیکھا اور ایک چیخ ماری تین سکنڈ تک لیمپ اسی طرح چلتا رہا۔ فادر انگ گے سے بھی دماغی تکلیف کے باعث ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی "میں اس کو کسی طرح قائم نہیں رکھ سکتا" اس نے کہا اور پیچھے کی طرف لڑکھڑایا، اور نیچے جھکا ہوا چراغ یکایک مشتعل ہوا اور میز کے کونے سے ٹکر کھا کر کچھ دور گرا۔ فرش پر گر کر لیمپ پاش پاش ہو گیا اور بجھ گیا۔

خوش قسمتی سے فرش کا وہ حصہ جہاں لیمپ گرا دھات کا بنا ہوا تھا ورنہ تمام فرش کو آگ لگ جاتی۔ اب زمیندار کا کس پہلا شخص تھا جس نے زبان کھولی۔ اس نے بات کا بتنگڑ بنایا اور یہ نتیجہ نکالا کہ فادر انگ گے ایک احمق شخص ہے فادر انگ گے ایک اہم مسئلہ پر (یعنی اس احمق ہونے کے متعلق) ابھی بحث کرنے کے قابل نہ رہا تھا، وہ اس واقعہ پر بے انتہا متحیر تھا۔ اس کے بعد کی گفتگو کا تعلق فادر انگ گے سے اتنا ہی تھا کہ اوروں نے بھی کاکس کی رائے کی نہ صرف لفظ بلفظ تائید کی بلکہ بہت پرجوش تائید کی ہر شخص فادر انگ گے پر ایک احمقانہ شعبدے کا الزام دھرتا تھا۔ اور اس کو امن اور سکون کا تباہ کرنے والا بیوقوف بتاتا تھا۔ فادر انگ گے کا دماغ پریشانیوں کے ایک طوفان میں تھا۔ وہ خود ان لوگوں کی باتوں کا موئید نظر آتا تھا۔ اور اس کے وہاں سے چلے جانے کی تحریک پر اس نے بہت ہی بے اثر مخالفت کی۔

وہ جوش میں بھرا ہوا گھر پہنچا۔ اس کا چہرہ خفگی سے تمتما گیا تھا۔ اس کے کوٹ کا کالر اکث گیا تھا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور کان سرخ ہو گئے تھے راستے میں وہ سڑک کے دس چراغوں میں سے ہر ایک کو ڈرتے ڈرتے دیکھتا آیا۔ جب وہ گھر میں جو گرجا کی گلی میں واقع تھا آگیا اور اپنے آپ کو اپنی خوابگاہ میں بالکل تنہا پایا تب وہ اس قابل ہوا کہ اس واقعہ کی یاد تازہ کر کے سنجیدگی سے اس پر غور کرے کہ "آخر یہ ہو کیا گیا؟"

اس نے اپنا کوٹ اور جوتے اتار لئے اور پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر پلنگ پر بیٹھے ہوئے سترھویں دفعہ اپنی بے قصوری کے فقرے کو دہرایا۔ "میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کمبخت لیمپ اس طرح الٹ جائے" اس وقت اس کو خیال آیا کہ ٹھیک اسی لمحہ میں جبکہ اس کی زبان سے وہ حکمانہ الفاظ ادا ہوئے اسنے بغیر ارادہ کے اسبات کی خواہش کی تھی جسکو زبان سے ادا کر رہا تھا اور اسنے اس لیمپ کو ہوا میں دیکھا تو اسکو محسوس ہوا کہ اس لیمپ کا اس مقام پر قائم رہنا اس کی ذات پر منحصر ہے۔ اگرچہ یہ بات اس کو صاف طور پر واضح نہیں تھی۔ اس کا دماغ خاص طور پر الجھا ہوا دماغ نہیں تھا ورنہ وہ اس "بے خیالی کی خواہش" کو تھوڑی دیر اور قائم رکھتا۔ اور افعال ارادی کے اس نازک ترین کرشمہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ مگر واقعہ یہ تھا کہ اس کو اس کا بہت دھندلا خیال پیدا ہوا تھا اور اس کے بعد پھر اس کو کوئی منطقی استدلال کی راہ نہیں ملی۔

اس نے اپنی موم بتی کی طرف انگلی اٹھائی اور اپنی دماغی قوت کو مستقل مزاجی سے مجتمع کیا، اگرچہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ پہلے ایک احمقانہ فعل کر چکا ہے "اونچی ہو جا" اس نے کہا۔ ایک لمحہ میں اسکا یہ خاص احساس جاتا رہا۔ بتی اونچی ہو چکی تھی۔ اور ایک لمحہ کے لئے وہ ہوا میں معلق رہی، اور جوں ہی فادر انگ گے نے ٹھنڈی سانس بھری وہ بتی تڑاخ سے اسکے سنگار کے میز پر گری اور اسکو اندھیرے میں چھوڑ دیا۔

تھوڑی دیر تک فادر انگ گے اندھیرے میں بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ اس نے کہا "یہ پھر واقع ہوا۔ اس کا کیا سبب ہے میری سمجھ میں نہیں آتا" اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنے جیبوں میں دیاسلائی ٹٹولنے لگا۔ اسکو کوئی دیاسلائی نہ ملی۔ تب وہ اٹھا اور سنگار کے میز پر ٹٹولنے لگا۔ "کاش کوئی دیاسلائی ہوتی" اس نے کہا۔ وہ اپنے کوٹ تک پہنچا اور اس میں دیاسلائی تلاش کی مگر اس میں دیاسلائی کا پتہ نہ تھا۔ تب اس کو یکایک خیال آیا کہ دیاسلائیوں کے لئے معجزہ سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اس نے اندھیرے میں اپنا ہاتھ پھیلا کیا اور کہا "میرے اس ہاتھ میں ایک دیاسلائی آجائے" اس نے محسوس کیا کہ کوئی ہلکی سی چیز اس کی ہتھیلی میں آپڑی۔ اور اسکی انگلیاں ایک دیاسلائی پر بند ہوئیں۔

اس دیاسلائی کو روشن کرنے کی چند بے سود کوششوں کے بعد اسکو معلوم ہوا کہ یہ محفوظ دیاسلائی (SAFETY MATCH) ہے۔ جو بغیر اس خاص مسالے پر رگڑنے کے نہیں جلے گی۔ اس نے اسکو زمین پر پھینکدیا تب اسکو خیال آیا کہ وہ اسکے سلگنے کی بھی خواہش کر سکتا تھا۔ اس نے یہی خواہش کی اور دیکھا کہ وہ دیاسلائی اس کی چٹائی پر جل رہی ہے۔ اس نے جلدی سے اس کو اٹھا لیا اور وہ بجھ گئی اب ممکنات کے متعلق اسکا تصور وسیع ہوا۔

اس نے خواہش کی اور ایک نئی موم بتی اس کی شمع دان میں آگئی۔ "اب تو جل" فادر انگ گے نے بتی سے کہا اور بتی خوشنمائی سے جل رہی تھی۔ اس روشنی میں اس نے اپنی سنگار کی میز پر ایک کالا سوراخ دیکھا جس پر سے دھوئیں کی ایک لکیر اٹھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اس سوراخ اور موم بتی کے شعلہ کو دیکھتا رہا۔ اور پھر سامنے نظر ڈالی تو آئینہ میں اسکو اپنا چہرہ نظر آیا اس عکس کے ذریعہ تھوڑی دیر تک اپنے آپ سے خاموش گفتگو کرتا رہا۔

"معجزوں کی متعلق اب کیا خیال ہے؟"

فادر انگ گے نے اپنے عکس کو مخاطب کر کے کہا۔

مسٹر فادر انگ گے کے خیالات اسکے بعد بہت شدید مگر پریشان تھے۔ جہانتک وہ غور کرتا تھا اسکو اپنی خواہش ہی کے یہ سب نتائج ثابت ہوئے۔ اس کے ان تجربوں کی وجہ اسکو آیندہ تجربوں کی سوائے ان کے جن کے لئے خاص احتیاط کی ضرورت ہو، اور کوئی خواہش باقی نہ رہی۔ مگر اس نے کاغذ کا ایک تختہ اٹھایا اور ایک گلاس کے پانی کو گلابی اور پھر سبز رنگ بنا دیا۔ پھر اس نے ایک گھونگھا پیدا کیا۔ اور اس کو اپنے معجزے سے معدوم کر دیا۔ اور معجزہ ہی سے اس نے اپنے لئے ایک نیا دانتوں کا برش حاصل کر لیا۔ بہت کچھ غور و خوض کے بعد اسکو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کی قوت ارادی خاص طور پر ایک نایاب اور تیز قسم کی ہے۔ اور یہ واقعہ تھا کہ اس کو اس بات کے کچھ آثار معلوم ہو چکے تھے مگر کوئی قطعی یقین نہ تھا۔ اب اس کو پہلا سا خوف اور پریشانی نہ تھی کیونکہ اب وہ اپنے آپ میں ایک خصوصیت پاتا تھا اور آج اس کے ذریعہ آیندہ فائدہ کی موہوم توقعات پیدا ہو رہی تھیں۔ پاس کے گرجا کی گھڑی نے جب ایک بجایا تو وہ چونکا اور بغیر اس کا خیال کئے کہ وہ دفتر میں اپنے فرائض بھی معجزے کے ذریعہ ادا کر سکتا ہے، وہ اپنے کپڑے اتارنے لگا تاکہ شب خوابی کا لباس پہنکر جلد سو رہے۔ جب وہ قمیص کو اپنے سر پر سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسکو ایک دلچسپ خیال پیدا ہوا "میں بستر پر جا رہا ہوں" اس نے کہا۔ اور وہ بستر پر تھا "میرے کپڑے بدن سے اتر جائیں" اس نے کہا۔ اور فوراً اس کو بستر کے چادر کی ٹھنڈک محسوس ہونے لگی اس نے جلدی سے کہا "میں شب خوابی کے لباس میں ہوں نہیں میں ایک عمدہ ملائم اونی شب خوابی کے لباس میں ہوں آہ۔ اب مجھے آرام سے سو رہنا چاہیئے"

وہ صبح اپنے مقررہ وقت پر بیدار ہوا۔ اور اس کے ناشتہ کا تمام وقت متفکر اور مغموم حالت میں گیا۔ وہ اسی بات پر متعجب تھا کہ گذشتہ رات کے واقعات کسی خاص قسم کا خواب تو نہیں ہے۔ آخر کار اس کا دل اس پر آمادہ ہوا کہ معجزہ کے ان تجربوں کو ہوشیاری سے پھر عمل میں لائے مثلاً ناشتہ میں اس نے تین انڈے کھائے: دو انڈے تو اسکی میزبانہ کے پکائے ہوئے تھے۔ یہ انڈے اچھے تو تھے مگر بازاری تھے تیسرا انڈا بطخ کا تازہ مزیدار انڈا تھا۔ جو اس کی غیر معمولی قوت کا پیدا کیا ہوا اور پکایا ہوا تھا۔

ناشتہ کے بعد وہ فوراً ہی گام شاٹ کے دفتر کو روانہ ہوگیا۔ جہاں میں منشی کی خدمت پر ملازم تھا۔ دفتر کو جاتے ہوئے وہ ایک پرجوش حالت میں تھا۔ مگر اس جوش کو بہت ہوشیاری سے چھپایا ہوا تھا۔

دفتر میں وہ تمام دن اپنی اس حیرت انگیز قوت کے انکشاف کی وجہ کام نہ کرسکا۔ لیکن اس کی وجہ کام کا ہرج نہیں ہوا کیونکہ دفتر کے وقت کے آخری دس گھنٹوں تک اس نے اپنی قوت اعجاز سے کام کی تکمیل کر دی تھی۔

جب دن ختم ہوا تو اس کی دماغی حالت تعجب سے گذر کر مسرت و کامرانی میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اگرچہ ہوٹل سے اس کے نکالے جانے کے اسباب پر غور کرنا ضرور ناگوار تھا۔ اور اس کے ساتھیوں تک اس کی اڑتی ہوئی خبر کا پہنچنا اس کے مضحکہ کا باعث ہوچکا تھا۔ یہ ظاہر یہ تھا کہ نازک اشیاء پر اپنی قوت اعجاز کا عمل کرنے کے لیے اس کو احتیاط کی ضرورت تھی۔ لیکن جہاں تک اس نے اپنے دل میں غور کیا اس کی یہ بات دوسرے معاملات میں بہت مفید تھی۔ اس نے اپنے سادہ معجزوں سے منجملہ اور باتوں کے اپنی ذاتی جائداد بھی بڑھا لینی چاہی۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے قیمتی جواہر کے بٹن کی جوڑی پیدا کی لیکن گام شاٹ کے نوجوان بیٹے کو آتے دیکھ کر فوراً ہی ان کو معدوم کر دیا۔ اس کو یہ خوف تھا کہ نوجوان گام شاٹ ان کو فادرنگ گے کے پاس دیکھ کر تعجب کرے گا۔ اس کو صاف نظر آیا کہ اس کی اس انوکھی قوت کے استعمال میں بہت خبرداری اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ لیکن جہاں تک اس نے اندازہ کیا اس سے اسی نتیجہ پر پہنچا کہ اس راز کی مشکلیں اس سے زیادہ نہیں ہیں جتنی کہ سیکل کے استعمال میں اس نے مشاہدہ کی تھیں۔ شاید اسی خیال سے اور اس کے ساتھ اس احساس کی وجہ کہ اب وہ ہوٹل میں ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جائیگا۔ اس نے شام کے کھانے کے بعد گیس ورکس کے خاموش گلی میں جانا پسند کیا تاکہ وہاں تنہائی میں کچھ اور معجزوں کی مشق کرے۔

اس کی کوششوں میں کچھ نئے پن کی ضرورت تھی کیونکہ فادرنگ گے اس قوت ارادی کے علاوہ کوئی غیر معمولی انسان نہیں تھا اس کو عصائے موسیٰ کے معجزہ کا خیال آیا۔ لیکن یہ وقت رات کا تھا اور رات بھی اندھیری رات اسلئے اس وقت معجزہ کے پیدا کیئے ہوئے بڑے بڑے سانپوں کو قابو میں لانا بہت مشکل تھا۔

پھر اسکو تان ہوزر کا قصہ یاد آیا جو اس نے فل ہارمونک پروگرام کی پشت پر پڑھا تھا۔ یہ اس کو بہت ہی خوشنما۔ اور بے ضرر معلوم ہوا۔ اسنے اپنی خوبصورت بید راستہ کے کنارے کی گھانس میں گاڑ دی اور اس سوکھی لکڑی کو پھولنے کا حکم دیا۔ فوراً ہی تمام ہوا میں تازہ گلاب کے پھولوں کی خوشبو پھیلنے لگی۔ ایک دیا سلائی جلا کر اس نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ یہ خوشنما معجزہ اس کے حکم کے مطابق پورا ہوا۔ لیکن اس کا یہ اطمینان کسی آہٹ سے ٹوٹ گیا۔ اپنی ان قوتوں کے ظاہر ہو جانے سے خوف سے اسنے جلدی سے اس پھولوں بھری ڈالی کو حکم دیا " واپس جا " اس سے اس کا منشا " واپس لکڑی بن جا " تھا لیکن واقعہ میں وہ گھبرا گیا تھا۔ لکڑی بہت تیزی سے پیچھے ہٹنے لگی اور ساتھ ہی ایک غصہ کی چیخ کی آواز ایک گالی آنے والے شخص کی زبانی سنائی دی

" یہ خاردار جھاڑی کون بیوقوف پھینک رہا ہے میری تمام پنڈلی اس کے کانٹوں سے چھل گئی "

" پرانے دوست مجھے بہت افسوس ہے "

فادرنگ گے نے کہا مگر ساتھ ہی اس کو بے ڈھنگے اقرار کا خیال آیا۔ اور گھبراہٹ میں اپنی مونچھ مروڑنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ آنے والا شخص امزنگ کی پولیس کا سپاہی ہے۔ جس کا نام وینچ ہے۔

" اس سے تمھارا کیا مطلب ہے " کوتوالی کے سپاہی نے پوچھا " اہا تم ہو ؟ تم وہی صاحب ہو نہ جنھوں نے لانگ ڈرگن ہوٹل کا لمپ توڑا تھا ؟ "

" اس سے میرا کچھ مقصد نہ تھا نہیں کوئی مقصد نہ تھا " فادرنگ گے نے کہا۔

" پھر تم نے ایسا کیوں کیا ؟ "

" مفت کے واہیات " فادرنگ گے نے کہا

" واہیات، بے شک! کیا تم جانتے ہو کہ لکڑی سے چوٹ لگتی ہے ہا پھر تم نے ایسا کیوں کیا ؟ "

تھوڑی دیر کے لئے فادرنگ گے یہ سمجھ نہ سکا کہ اس نے ایسا کس لئے کیا۔

اس کی اس خاموشی نے وینچ کو اور چڑچڑا کر دیا

" اس دفعہ نوجوان آدمی تم نے پولیس پر حملہ کیا ہے۔ ہاں تم نے یہ کیا ہے "

فادرنگ گے نے کچھ پریشان ہوکر اور کچھ گھبرا کر کہا " دیکھو مسٹر وینچ مجھے بہت افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے "

" خوب ؟ "

فادرنگ گے کو سوائے سچ کے اور کچھ نہ سوجھا۔

" میں ایک معجزہ کر رہا تھا " وہ ایک صاف انداز میں اس بات کو بیان کر دینا چاہتا تھا مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہا۔

" ایک معجزہ — ! ایسی واہی تباہی باتیں مت کرو معجزہ کر رہے تھے، خوب! معجزہ! خوب، بہت مزیدار بات ہے۔ کیوں تم تو وہ شخص ہو جس کا معجزہ پر اعتقاد ہی نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ تمھاری احمقانہ شعبدہ بازی کا دوسرا فریب ہے — ہاں بات یہی ہے۔ اب میں تم سے کہتا ہوں "

لیکن مسٹر فادرنگ گے نے وہ سنا ہی نہیں جو وینچ کہنا چاہتا تھا۔ اس کو اب اس بات کا احساس ہوا کہ اس نے اپنے عزیز ترین راز کو تمام دنیا پر فاش کر دیا ہے بے قراری اور چڑچڑے پن نے اسکو نکالیف عمل پر آمادہ کیا۔ وہ سپاہی پر یکدم پلٹ پڑا اور غصہ سے کہنے لگا " بس میں بہت سن چکا۔ ہاں سن چکا۔ اب میں تمکو ایک اور احمقانہ شعبدہ بتاتا ہوں! اعراف میں چلے جاؤ۔ ابھی جاؤ "

فادرنگ گے اکیلا کھڑا تھا۔ (باقی آئندہ)

افسانہ اندور

ٹائمس آف انڈیا کے نمایندے نے اسبات کی سخت کوشش کی کہ مس ملر کے قیام گاہ کا پتہ چلائے۔ بمصداق جوئندہ یابندہ ٹائمس کے نمایندہ کو اس راز سربستہ کے تمام پوست کندہ حالات معلوم ہوگئے۔ ٹائمس کو باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مس آئن ملر امریکہ کے ایک بہت مالدار اور بہت باثر خاندان کی دختر نیک اختر ہیں جس ملر کا خاندان کلیفورنیا میں رہتا ہے۔ سان فرانسسکو کے نواح میں ان کی ایک عالیشان کوٹھی ہے۔ سابق مہاراجہ اندور " مشرقی راجہ " کے نام سے سفر کرتے ہوئے امریکہ وارد ہوئے وہاں مس ملر کے خاندان نے ان کی شاندار مہمانداری کی جہاں " مشرقی راجہ " کا قیام دو ہفتہ تک رہا۔ اس زمانہ میں امریکہ میں یہ افواہ بہت گرم تھی کہ ان کا ارادہ کلیفورنیا کو وطن بنانے اور مس ملر سے شادی کرنے کا ہے۔ لیکن غالباً امریکن قانون اس امر کا مانع ہوا کیونکہ سابق مہاراجہ کی اندور میں دو بیویاں موجود تھیں۔

کیلیفورنیا کے قیام کے زمانہ میں سابق مہاراجہ کا اکثر وقت مس ملر کے ساتھ بسر ہوتا تھا۔ اور " مشرقی راجہ " اکثر مس ملر کے اعزاز میں دعوتیں دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فٹ بال کے ایک اہم مقابلہ کو دیکھنے کے لئے مس ملر اور " مشرقی راجہ " ساتھ ساتھ گئے جہاں مس صاحبہ نے اپنے ساتھی کو فٹ بال کے کھیل کی بہت سی نازک باتیں سمجھائیں۔

مس ملر واشنگٹن یونیورسٹی کی طالب علم رہ چکی ہیں۔ وہاں وہ بہت ہی محنتی طالبہ مانی جاتی تھیں اور ان کا تعلیمی دور بہت شاندار رہا۔

مس ملر بمبئی میں " جنیوا " نامی جہاز سے ۲۶ دسمبر کو آئیں۔ ان کے ساتھ ایک بڑھیا مسز شیفر نامی اور انکی ایک خادمہ مس نیون نامی تھی مسٹر رشید نے جو دربار اندور سے تعلق رکھتے ہیں ان کو ہوٹل مجسٹک میں ٹھیرایا اور خود اندور چلے گئے بمبئی میں مس ملر کے پاسپورٹ کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوا مگر تحقیق کرنے پر وہ بالکل ٹھیک پایا گیا۔ بعد میں یہ افواہ پھیلی کہ مس ملر بے پتہ ہیں ان کے قیام گاہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ٹائمس کے کارندے نے امریکن قونصل سے ان کا پتہ دریافت کیا اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ پولیس کو بھی ان پر نگرانی رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد معلوم ہوا کہ مس ملر معہ اپنے ساتھیوں کے مدراس میل کے ذریعہ مدراس چلی گئیں۔ یہ معلوم کرکے ٹائمس آف انڈیا کا نامہ دوڑا ہوا امریکن قونصل کے ہاں گیا اور اس بات کی اطلاع دی تو قونصل نے حسب سابق انکے حرکات و سکنات سے لاعلمی ظاہر کی۔ (اور ٹائمس آف انڈیا کا شکریہ تک ادا نہ کیا!!)

جامعات

موجودہ زمانہ میں علمی حلقہ میں تقریباً ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جامعہ (یونیورسٹی) اس ادارہ کو کہتے ہیں جو خود ایک علمی مرکز ہوتا ہے۔ اور اوس کا کام قوم کے نونہالوں کے دماغوں کو علم سے آراستہ کرنا ہے۔ لیکن اسباب کا خیال بہت کم لوگوں کو ہوگا کہ کسی جامعہ کو کیسا ہونا چاہئے یعنی اسکے کیا فرایض ہیں۔ تعلیم و تعلّم کی ابتدا تو اس وقت سے ہوئی ہوگی جب سے کہ علم کی آفرینش ہوئی تاریخی حیثیت سے ہمیں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم مصر والے قدیم یونانیوں کے استاد رہے یونان سے رومیوں اور عربوں نے علوم و فنون کو حاصل کیا اور موجودہ یورپ کے علمی شعبے اندلس (اسپین) کے عربوں ہی کی خوشہ چینی کے مرہون منت ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک مشہور مصنف اِف۔ یس۔ مرون صاحب نے جو تاریخ تہذیب کے مستند عالم مانے جاتے ہیں، اپنی ایک کتاب میں عربوں کے اس احسان کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ہم اُس زمانہ کے عربوں کے نہ صرف ریاضی اور طب ہی کی متعدد ترقیوں کے مرہون منت ہیں بلکہ ارسطو کے معلومات میں بھی احسان مند ہیں جس کا فلسفہ مدرسیہ اور اس سے ارتقار پائی ہوئی بہت سی چیزوں میں بہت بڑا حصہ ہے۔"

یورپ میں عیسائیت کے فروغ کے بعد علم و فن تمام تر پادریوں اور راہبوں کے قبضہ میں رہا جو اس کو راز کی طرح چھپاتے تھے۔ اور عوام کی جہالت سے اپنا الّو سیدھا کرتے تھے۔ برخلاف اس کے ٹھیک اسی زمانہ میں مسلمانوں کے ہاں علم کی روشنی سورج کی روشنی کی طرح عام تھی۔ اندلس کی تاریخ میں "الحمراء" کا نام کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ الحمراء کے کھنڈر اب بھی سیاحوں کے لئے اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتے ہیں اس سیاح کی حیرت اور تعجب کا اندازہ کیجئے جب اسکو الحمراء کے کھنڈر دکھاتا ہوا کوئی اسپینی رہبر جو باوجود اپنی رگوں میں عربی خون رکھتے ہوئے اپنے اجداد کے کارناموں سے ناواقف، اپنے ہاتھ سے کسی کمرہ کے کھنڈر بتاتا ہوا یہ کہتا ہے کہ اس کمرہ میں فلاں پوپ رہتا اور تعلیم پاتا تھا اور وہ کمرہ فلاں قسیس (بشپ) کا ہے۔ تقریباً اسی زمانہ میں مشرقی اسلامی ممالک یعنی ایران، عراق وغیرہ میں درس نظامیہ کا شہرہ تھا۔ نظام الملک کا نام سیاست کے حد تک فنا ہوگیا ہے۔ لیکن تعلیم کی حد تک وہ باوجود وقت مخالفتوں کے زندہ ہے۔ درس نظامیہ کی یادگار کے لئے آپ کو کسی تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں کم از کم ہمارے شہر حیدرآباد کا مدرسہ نظامیہ ہی ہمیں اس کی یاد دلانے کے لئے کافی ہے۔

قدیم تعلیم کیسی ہوتی تھی؟ آیا وہ طرز تعلیم قومی دماغ کی تربیت کے لئے کافی تھا یا نہیں یہ سوالات اسوقت ہماری بحث سے خارج ہیں۔ یورپ نے اندلس کے عربوں سے جو کچھ سیکھا اس کو اس میں شک نہیں ایسی ترقی دی کہ آج وہ قدیم استاد زندہ ہو جائیں تو انگشت بدندان رہ جائیں۔ ہندوستان میں اس جدید طرز تعلیم کو جاری ہوئے کافی مدت ہو چکی ہے یہاں سب سے پہلے جامعہ کلکتہ کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد مدراس، بمبئی، الہ آباد، پنجاب اور بنارس، علیگڑھ، ڈھاکہ، پٹنہ، دہلی، میسور، ناگپور، لکھنو، حیدرآباد دکن وغیرہ بھی علمی مرکز بنے۔ ایسی ہی درسگاہوں میں پہلے جو تعلیم ہوتی تھی اب بھی ہوتی ہے۔ چند علمی ڈگریاں دستار فضیلت کی طرح گون اور کیپ عطا کئے جاتے ہیں۔ مگر ایک اہم تغیر یہ نظر آتا ہے کہ پہلے کے فارغ التحصیل دستار فضیلت "کو کشکول ملازمت" بنا تے تھے لیکن اب تمام تر کوشش اس علمی کشکول کو حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے!

اس میں شک نہیں کہ یورپ کی زندگی بالکل مادی زندگی بن گئی ہے۔ وہاں تقریباً ہر سوال کاروباری نقطۂ نظر سے حل کیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی یورپ میں جامعہ کی تعلیم استحقاق ملازمت کا پروانہ نہیں سمجھا جاتا۔ پھر خدا جانے اس سرزمین علم کو حصول ملازمت کا ذریعہ سمجھنے کا خیال کہاں سے چلا آیا؟

ہم اپنے جامعوں پر تو پھر روئیں گے پہلے اس ملک کے جامعوں کے متعلق جہاں کے جامعہ ہمارے لئے معیار نمونہ ہیں، کچھ کھری کھری باتیں سن لیجئے جو خود وہیں کے ایک ممتاز ترین شخصیت کی تبائی ہوئی ہیں۔

انگلستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر اسکوتھ نے جو لارڈ آف آکسفورڈ کے لقب سے ملقب ہیں، اپنا ایک عالمانہ خطبہ "ترتیب اور کردار" میں جامعات کے تعلیمی نقائص پر جو کچھ اظہار خیال کیا وہ ادبی حیثیت سے بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم ذیل میں اسکا ملخص ترجمہ درج کرتے ہیں

لارڈ آکسفورڈ نے پہلے نہایت مختصر سا خاکہ جامعات کی ابتدائی تعلیمی حالت کے متعلق کھینچا ہے اس کے بعد وہ عہد حاضرہ کے جامعات کے نقائص بیان کرتے ہوے فرماتے ہیں "کلیات میں آجکل زیادہ رجحان "تخصیص" (یعنی کسی شخص کا کسی ایک ہی کام کے لئے اپنے کو مخصوص کرلینا) کی طرف ہے۔ اس کے فوائد یہ ہیں کہ ہر ایک کام تمام و کمال ہوتا ہے، ہر ایک موضوع پر گہری نظر ڈالی جاتی ہے۔ سطحی نہیں بلکہ وسیع اور عمیق معلومات ہوتے ہیں مگر اس سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا کے مختلف شعبوں میں حصہ لینا پڑتا ہے لیکن جب کسی کو ایک ہی شعبہ میں کمال ہوتا ہے تو وہ بہ نسبت اس طالب علم کے جو معلومات عامہ میں دخل رکھتا ہو کم مفید ثابت ہوتا ہے۔ معلومات عامہ میں دخل رکھنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بالکل ہی سطحی معلومات ہوں ہر ایک مضمون کے متعلق چیدہ چیدہ باتوں کا جان لینا کافی ہے۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ جامعیت رکھنے سے انکو زندگی میں زیادہ کامیابی ہوتی ہے۔

جامعات کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اور فنون کے مانند اپنے ہاں سے محض ایسے ماہرین کو پیدا کرے جو صرف ایک مضمون سے واقف ہوں بلکہ ان کا یہ فرض ہے کہ طالب علم میں جامعیت پیدا کردے۔ بیکن نے قاموسی تعلیم کی تلقین کی تھی لیکن اگر بیکن زندہ ہو جائے تو وہ اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اس قسم کی قابلیت ناممکن ہے۔ ان اصول کا انحصار لیگانہ روزگار پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بحر ناپیدا کنار میں نکلی ہوئی ہو۔ اس کے معلومات کا جاننا ناممکن ہے۔ بلکہ کے یہ اہم فرائض ہیں کہ طالب علم میں جامعیت پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائے۔

اسلوب بیان میں انسان کی روح ہے اس سے مصنف کے خصوصیات معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں ان تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک ایجاز دوسرے بلاغت تیسرے

مناسب ہمارے یہاں موضوع موجود ہوتا ہے۔ اس کے ظاہر کرنے کے لئے زبان آلہ ہے۔ صنّاع کا بڑا کمال ان دونوں کو ایک کرنا ہے اور ریگانہ روزگار کا اصل جوہر اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایک مصور کے ہاں رنگ برش وغیرہ ہوتے ہیں اس کا کام کسی ایسے اچھے موضوع کا انتخاب ہوتا ہے جہاں وہ اپنا کمال ظاہر کرے فطرت سے اس کو موقع محل ملتا ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ ان چیزوں سے ایک ایسی چیز پیدا کرے جسکو دیکھکر حیرت ہو۔ ادب میں تو موضوع تر بای زبان اس کے ادا کرنے کا آلہ ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اپنے خیالات کو بغیر کسی نئی خوبی کے بیان کر سکتے ہیں مگر اسلوب

مگر اسلوب بیان سے ہماری فہم و فراست کا پتہ چلتا ہے کہ ہم ہیں ان کو متحد کر کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کی کہاں تک قابلیت ہے جس شخص میں یہ قابلیت کمال درجہ کی ہوتی ہے وہی بلند پایہ مصنف ہوتا ہے بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلوب بیان کے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اگرچہ بدیہی ہیں مگر اس کی جانب بڑے بڑے آدمی کچھ توجہ نہیں کرتے اس سے ہرگز یہ مقصد نہیں کہ ان میں مطلق قابلیت نہیں ہوتی برخلاف اسکے کہ وہ کاہلی سے اس قسم کی تحریریں لکھا کرتے ہیں یعنی اگر انھیں اپنے حلقے سمجھنے کے لئے دس سطروں کی ضرورت ہوتی ہے کو وہ اس میں ایسی غیر ضروری باتیں جن کو آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ شامل کر کے صفحوں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں جس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہ سقم نہ صرف تحریر ہی تک محدود ہے بلکہ تقریری دنیا میں بھی عجیب غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ عوام الناس جب کسی مقرر کو عرصہ تک تقریر کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ اس کے قابل ہونے کی بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ اور اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اسکا فرض مختصر الفاظ میں اپنے خیالات کی ترجمانی کرنا ہے

بہرکیف کلیات کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ طالب علموں کو اس طرح تیار کرے کہ وہ اسلوب بیان کی طرف راغب ہوں اس کے لئے انھیں مستند مصنفین کی کتابوں کو غور سے پڑھنا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ اسباب پر بھی نظر ہونی چاہیے کہ ان کی کامیابی کا کیا راز ہے۔ جب ہم کسی تصویر کو دیکھتے ہیں تو فوراً ہمارے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مصور نے اس کے دلکش بنانے میں کون سے ذرائع استعمال کئے ہونگے اگر ہمیں ایسا ہی کمال حاصل کرنا ہو تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ جب ہمیں اس کے تمام ذریعوں سے خاطر خواہ تشفی ہو جائے گی تو ہم بھی اگر کوشش کریں تو بہت ممکن ہے کہ اس کی قریب قریب نقل اتار سکیں۔ اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ مصنف کے اسلوب بیان کے عناصر کی تحلیل کریں۔ اس کی عبارت پر غور کریں۔ سب سے ابتدائی چیز یہ کہ ہمیں کسی کتاب میں ایک جملہ ملتا ہے۔ جملہ کے بعد پیراگراف، اسکے بعد پوری کتاب ایک جملہ کو اگر ہم اسی طرح تحلیل کریں تو ہمیں حسب ذیل اجزا ملیں گے۔ مبتدا، خبر اور اس کے متعلقات اس جملہ میں الفاظ ہوں گے جن میں یا تو معنوی صنعتیں ہوں گی یا لفظی۔ یا کوئی فقرہ ہوگا۔ یا ضرب المثل ہوگی۔ جب ان جملوں کی اس طرح تحلیل کرینگے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کوئی بات مصنف نے نئی نہیں پیدا کی کیونکہ یہ چیزیں تو عام میں موجود ہیں اور یہ خیالات ہمارے روزانہ زندگی میں عام ہیں یا عام طور سے ہر ایک کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا جواب ایک مثال سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

ادب میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں کہ جب کسی مصنف کی قابلیت کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو اکثر اوقات ایسے مضامین کا انتخاب کرتے ہیں جو دونوں مصنفوں نے ایک ہی موضوع پر لکھے ہوں۔ جب ان کے اجزا علیحدہ کر دیے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس مصنف کو اپنے زبان کے آلہ کے ذریعہ ظاہر کرنے میں کسقدر کمال حاصل ہے"

مختصر یہ کہ طالب علم کو چاہیئے کہ اس قسم کی تحلیل کر کے ان کی عظمت کے راز سے آگاہ ہو جائے۔ اور کلیات اس کو اپنا فرض اولین سمجھیں۔

آخر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ طالب علم میں کورانہ تقلید نہ ہونی چاہیئے۔ ایک کامیاب طالب علم میں استدلال اور صحیح باتوں کو ماننے اور اپنے غلط خیالات کو دور کرنے کی خاصیت ہونی چاہیئے اور اس کو محض مفروضات پر عمل پیرا نہ ہونا چاہیئے۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ کوئی علم بغیر مفروضات کے آگے چل نہیں سکتا۔ مثلاً فلسفہ، دینیات اور ریاضی مگر کاربرآئی کے لئے مفروضہ کو مان لینا ایک بات ہے اور اس پر ایمان لاکر حقیقی طور پر عمل کرنا دوسری بات ہے طلبہ میں علم کو علم کی خاطر حاصل کرنے کا ذوق ہونا چاہیئے ان میں علمی تفتیش اسقدر ہو کہ وہ دنیا میں حیات کے متعلق جو باتیں لکھی اور کہی گئی ہوں ان سے آگاہ ہو کر اپنی زندگی کو مالا مال کرنے کی قابلیت پیدا کریں اور استدلال کے ماحول میں زندگی بسر کریں"

بقیہ صفحہ ۱۶ - کالم ۳

تمہید ہے، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

ابھی ابھی ایک خبر دی ہے یعنی نواب صدر المہام بہادر صیغہ معلومات عامہ نے باورچی کے سالے کے بھتیجے کی بیٹی کے داماد کے لڑکے کی زبانی یہ باوثوق اطلاع ملی ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے رائے دی ہے کہ حیدرآباد کے اطراف تالابوں کی کثرت کی وجہ لوگوں کو دق ہونے کا اندیشہ ہے اس بنا پر کمیٹی وضع قوانین نے یہ مسئلہ طے کر دیا ہے کہ جن جن اضلاع پر پانی کی قلت ہو تالاب وہاں منتقل کر دئے جائیں۔ چنانچہ آنریبل سر عبدالقادر کو طلب کیا گیا ہے کہ مسٹر عبداللہ یوسف علی کی مدد سے، تالاب میر عالم ضلع رائچور میں اور تالاب میر جملہ ضلع عثمان آباد میں اور حسین ساگر مستقر لاتور پر اور گنڈی پیٹ ضلع پربھنی پر اور حمایت ساگر عادل آباد میں فوراً منتقل کر دئے جائیں۔ چنانچہ آئندہ جمعہ کو بعد نماز جمعہ منتقلی کا آغاز ہوگا۔ اس کی افتتاح کیلئے امیر ابن مسعود کو طلب لیا گیا ہے۔ جو اس رسم کی افتتاح کے علاوہ مدرسہ صوتیہ کے لئے چندہ بھی جمع کرینگے، اور گھر گھر پھر کر مریضان طاعون کو میوے چنے اور طرستان کے بیر بھی تقسیم کرینگے۔

عجائبات کابل

ایک ترکی خاتون کی رائے

بجی خورشید خانم ایک امیر ترکی گھرانہ کی خاتون ہیں۔ انھیں شاہ افغانستان نے محل کی اتالیقہ مقرر کیا تھا خورشید خانم نے قسطنطنیہ کو اپنے ایک دوست کے نام خط لکھا ہے۔ اس میں وہ یہ لکھتی ہیں۔

"میں نے خیال کیا تھا کہ اونٹوں یا ہاتھیوں پر ایک تکلیف دہ لمبے سفر کے بعد میں ایک ویران شہر میں پہنچونگی جس میں تمام وحشی اور غیر مہذب باشندے بستے ہونگے لیکن مجھے تعجب ہوا جب میں نے کابل کو بہت کچھ ترقی یافتہ اور جدید وضع کا شہر پایا۔ یہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ افغانستان عنقریب مجلس اقوام میں شرکت کی درخواست کریگا۔

کابل کا محل ایک عالیشان عمارت ہے جو بہت عمدہ گاتھک طرز پر بنا ہوا ہے۔ اس محل میں اور یورپ کے محلوں میں کوئی فرق نہیں۔ مشرقی درباروں کے پیچیدہ اور مضحکہ انگیز درباری رسوم کو امیر امان اللہ خاں نے قطعاً موقوف کر دیا ہے امیر امان اللہ خاں جیسے ذہین ہیں ویسے ہی وہ بہت خوش اخلاق اور حلیم الطبع واقع ہوئے ہیں۔ وہ بہت آزاد خیال ہیں اور آزادی پسند کرتے ہیں۔ شاہی خواتین اور ان کے بہت سے دوستوں کو ان سے ملنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

محل کا فرنیچر بہت خوش وضع ہے اور اسکا انتخاب خوش مذاقی کا ثبوت دیتا ہے۔ یہ فرنیچر لندن سے مہیا کیا گیا ہے۔ افغانی خواتین بہت خوشنما لباس پہنتی ہیں۔ لباس سے ان کے عمدہ مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ امیر گھرانوں کی عورتیں پیرس کی وضع پسند کرتی ہیں۔ افغانی عورتوں میں تقلید کا مادہ بہت اعلیٰ درجہ کا ہے اور وہ بغیر کسی تکلیف کے مغربی طرز معاشرت اختیار کر لیتی ہیں۔ افغانی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں اور مجھے خاص طور پر ان کے موتی جیسے خوشنما دانت پسند آئے۔

ایک افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ حفظان صحت کا خیال نہیں کرتیں اور اکثر اپنی ہی تیار کی ہوئی دواؤں سے علاج کر لیتی ہیں۔ اس ڈیڑھ کروڑ کی آبادی کے ملک میں علم طب بہت پست حالت میں ہے۔

چارمینار کی گپ

بخاری اور گنجی کے قلم سے

اللہ اللہ وہ بھی ایک زمانہ تھا کہ ہر ایک شریف آدمی کی بیٹھک میں یا دیوان خانہ پر یار دوست جمع ہوتے تھے۔ حقہ پر حقہ تازہ ہوتا تھا سماوار پر سماوار ختم ہوتا فنجانوں کے فنجانیں پڑھائی جاتیں بیڑے پر بیڑا چبایا جاتا اور "گپیں" اڑتیں، اور یہ زمانہ بھی ہے کہ لوگوں میں گپ کا مذاق ہی نہیں کہ گپ کیا ہے، بس یہ سمجھ لیا ہے کہ گپ افیونیوں یا مداکوں کی ہی خاص چیز ہے، شرفا اور تعلیم یافتہ طبقہ اس سے قطعاً ناواقف ہے، خدا اچھا رکھے مدیران نظام گزٹ کو کہ بیچاروں نے سالگرہ نمبر سے یہ سلسلہ بھی شروع کردیا۔

حقیقتاً گپ بھی ایک فن ہے فنون لطیفہ میں سے اسکی ابتدا جنت میں حضرت معلم الملکوت نے کی وہی اسکے موجد ہیں وہ اوائل آدم سے وہ پہروں گپ بازی کیا کرتے تھے، حضرت آدم جب روئے زمین پر تشریف لائے تو ان کے پاس دل بہلانے کی یہی ایک چیز تھی۔ اماں حوا اور بابا آدم ملکر اسی سے دل خوش کرتے تھے جوں جوں زمانہ بدلتا گیا تمدن و تہذیب میں ترقی ہوتی گئی گپ نے بھی ترقی کی اور اعلیٰ مدارج حاصل کئے آج یہ ایک مستقل فن ہے اسکے جاننے والے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

ملک یونان میں بڑے بڑے گپ باز گزرے ہیں انھیں بزرگوں نے تو طبقۃ الثوادیا، عرب میں بھی اس فن کے ائمہ قبل از جاہلیت اور بعد از جاہلیت گذرے ہیں علامہ واقدی جن کی تاریخ اور حدیثیں مشہور ہیں اس فن کے امام تھے انھوں نے نہایت سنجیدگی سے گپیں جمع کیں اور شہرت دی مگر یار لوگوں نے خوا مخواہ ان کی روایتوں کی تکذیب کی ایسے ثقہ امام گپ کو کاذ غیر ثقہ قرار دیکر ان کی گپوں (حدیثوں) کو جھوٹی ٹھیرایا، ایک ادنیٰ بزرگ بھی قدرت سے کیا دل و دماغ مانگ لائے تھے، چونکہ علامہ واقدی کا انجام پیش نظر تھا اسلئے انھوں نے "الف لیلہ" لکھی یہ بھی مجموعہ ہے گپوں کا جس کو اسقدر شہرت ہوئی کہ تمام مہذ زبانوں میں ترجمہ ہوگیا، عجم میں بھی اس فن کے بڑے بڑے امام ہوئے دیکھیے "شاہ نامہ" کتنی بڑی گپ ہے جو اب تک چلی آرہی ہے سکندر نامہ (جو امتحان منشی میں تا جنگ زنگیاں پڑھایا جاتا تھا) بھی ایک گپ ہی ہے، بچا سعدی نے بھی گلستاں میں نہایت ہی سلیقہ سے گپیں لکھدیں جن کو پڑھ کر لوگ اب تک چکر میں ہیں اکثروں کو یہ خیال ہے کہ وہ ہندوستان آئے تھے، حالانکہ انھوں نے ایک گپ ٹھونکدی!

یورپ میں بھی سلیقہ شعار گپ باز بہت ہوئے میاں رینالڈز اس فن میں طاق تھے ان کی جس قدر تصانیف ہیں وہ بہت سنجیدہ یا غیر سنجیدہ گپ کی تعریف میں داخل ہیں بھائی شکسپیر نے بھی اس فن میں کمال کیا ہے، اناطول فرانس، ڈکنز ہیوگو، گیٹے، برنارڈ شا وغیرہ بڑے بڑے گپی ہیں ان میں سے دو نے تو "نوبل انعام" بھی اسی گپ بازی کے صلے میں پایا، آرتھر کینن ڈائل بھی بڑے حضرت ہیں۔ انھوں نے ایک طرف روحانیت میں گپ بازی کی اور دوسری طرف شرلک ہومز جیسی گپ چھوڑی مارس لی بلانگ کو خدا سلامت رکھے ان کی گپیں لال برادرز کے طفیل میں لالہ تیرتھ رام جی ترجمہ کر رہے ہیں ان کی جیتی جاگتی گپ آسین لوپن ہے، یہ تو بابا کا طبقہ تھا۔ علما اور ماہران فنون بھی اس لطیف شے کو نہیں بھولتے میاں ڈراون نے ایسی گپ دی کہ آجتک لوگ چکرا رہے ہیں بعض بزرگ سمل، یار صدگا ہیں بیٹھے بیٹھے نئی نئی گپیں اڑا دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ آئندہ سو سال میں انسان چراغ کا جھابیگا تو کوئی چوبیس گھنٹہ میں دس منٹ کی نیند کافی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ کوئی ستاروں کے ٹکرانے سے آدھی دنیا کی تباہی کی خبر دیتا ہے۔ تو کوئی عالمگیر جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ بہر حال ہر سنجیدہ شخص مصروف گپ بازی ہے۔

خدا رکھے ہندوستان جنت نشان کو یہاں بھی یہ فن شریف بہت ترقی کرچکا ہے، بعض گپیں سینکڑوں سال سے چلی آتی ہیں "بکلیلہ و دمنہ" والی گپ کیسی ہے "کوک شاستر" یا "کوکا پنڈت" والی گپ سے عقلمند ناشراب کمسنا مدہ اٹھا رہے ہیں مگر یہ ہندی یا بھاشا کی گپیں تھیں اردو پیدا ہوئی تو یہ فن اس میں بھی جذب ہوگیا، خواجہ امان نے "بوستان خیال" کی سی طویل گپ اور احمد حسین وغیرہ نے "طلسم ہوشربا" کی سی غیر فانی گپ چھیڑ دی جو ابتک غیر مکمل ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے تاریخی واقعات بھی اس فن شریف کی بدولت ہوئے، دہلی کی بچی کھچی سلطنت ان ہی گپ بازوں نے ٹھکانے لگائی ۱۸۵۷ء کا غدر بھی ایک معمولی گپ کا نتیجہ تھا چلیاں والا باغ بھی اسی گپ کے طفیل مشہور ہوا "کلکتہ کے کالے کمرے" والی گپ بھی آپ نے تاریخ میں دیکھی ہوگی، مہاتما جی کی سوراج والی گپ کا کیسا زور و شور رہا، مولانا محمد علی کی ہندو مسلم اتحاد کی گپ کتنا کام کر رہی ہے حسن نظامی کی ایک چھوٹی سی "بانئ اسلام" والی گپ کی وجہ مولانا محمد علی کیسے بگڑے۔ خواجہ صاحب کے تبلیغ والی گپ کتنی کامیاب گپ ہے،

ان کے علاوہ ہندوستان میں ادبی گپ باز ہیں۔ سر رابندرا ناتھ ٹیگور نے گپ میں شاعری کی اور "نوبل انعام" ہتیا لیا سدرشن، حوادث اور گلابی اردو کی شکل میں کتنی بعلی معلوم ہوتی ہیں کیا نام کہ حاجی بلغ العلاء کی گپ بازی ہمدرد کی جان ہے،

اخباری دنیا میں سب سے سنجیدہ گپ باز رائٹر ایجنسی ہے جو نت نئی گپیں شہور کراتی رہتی ہے، اسکے بعد پنجابی پریس جو آئے دن گپوں کے ذریعہ ہندو مسلم جذبات کو مشتعل کرتا رہتا ہے

دکن میں بھی یہ مذاق قدیم سے ہے "نل دمن" "چندر بدن و مہیار" والی گپ سب سے پہلے دکن ہی سے نکل کر ہندوستان میں پہونچی، یہاں منصور کی انا الحق بھی یہیں کی پیداوار ہے، تغلق کے مظالم کی گپ بھی یہیں سے اڑی اور امیران صدہ نے یہیں بغاوت کی جسکی وجہ سلطنت بہمنیہ کی بنیا دپڑی، اور آخر میں انہیں گپوں نے اسے توڑ کر پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کیں تانا شاہ نے رنگ رلیاں بھی گپ تھیں عالمگیر کے طفیل سے سنجیدہ صورت اختیار کرلی، مہاراجہ چندو لال کے زمانہ کی گپیں آپ نے سنی ہوگی، ایک گپ حال ہی میں دادا کے فرار کے عنوان سے نگار میں طبع ہوئی ہے۔

اب بھی بفضلہ تعالیٰ دکن میں گپ باز موجود ہیں۔ "مرزا المفشرح" ایک فاضل گپی ہیں آپ کی دو گپیں مجلہ عثمانیہ کے پہلے اور دوسرے نمبروں میں بھی طبع ہو چکی ہیں، تیسری گپ دہلی کے مشاعرہ کے عنوان سے اردو میں چھپی ہے۔ اب تو ان گپوں کا مجموعہ "مضامین فرحت" کے نام سے کراون مار سیاہی میں چھپ چکا ہے جس پر ہمارے دوست کی ایک تاریخ بھی کندہ ہے، جنھوں نے "برس" کا قافیہ "ہنس" لکھ مارا، یہ بھی ایک گپ ہے، اب ہمارا ارادہ بھی نظام گزٹ میں ایک مستقل سلسلہ گپ شروع کرنے کا ہے، مگر یہ گپ کچھ زیادہ سنجیدہ نہ ہوگی، یعنی ان گپوں سے فساد گلبرگہ کی طرح کوئی ہنگامہ نہ ہوگا، صرف تھوڑی دیر قہقہہ بازی، اور پھر خاموشی۔ بقیہ

ملاحظہ ہو صفحہ (۱۶) کالم (۲)

انگریزی عراقی معاہدہ

ذیل میں انگریزی عراق معاہدہ کا تفصیلی متن شایع کیا جاتا ہے:- "ملک معظم شاہ برطانیہ" آئرلینڈ و نوآبادیات ماورائے بحر و شہنشاہ ہند اور ملک معظم شاہ عراق "اس آرزو میں کہ اپنی مودت کو مستحکم کریں اور اپنے ممالک کے مابین اچھے تعلقات کو قائم رکھیں اور انھیں بحالی بنائیں، اس کو تسلیم کرتے ہوئے ان "معاہدات اتحاد" کی شرائط جن میں سے ایک ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے دسویں روز دستخط ہوئے تھے جو صفر ۱۳۴۱ھ کے ۱۹ ویں دن سے مطابق تھا اور دوسرے پر ۱۳ جنوری ۱۹۲۶ء کو دفعہ جو متغیرہ حالات اور سلطنت عراق کی ترقی کے مد نظر اب نافذ العمل ہنیں ہیں بلکہ ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور اس امر پر غور کرتے ہوئے کہ مذکورہ بالا معاہدات اتحاد کی شرائط ایک جدید معاہدہ اتحاد و مودت ہی کے ذریعہ عمدگی کے ساتھ پوری کی جاسکتی ہیں، اس بات پر رضامند ہوگئے ہیں کہ ایک ایسا جدید معاہدہ اس غرض کی تکمیل کے لئے منعقد کریں جو شرائط مساوات پر مبنی ہو اور اپنے وزرائے مختار کی حیثیت سے انھوں نے حسب ذیل اشخاص کو مقرر کیا ہے ملے

ملک معظم شاہ برطانیہ عظمیٰ آئرلینڈ و نوآبادیات ماورائے بحر اور شہنشاہ ہندوستان کی جانب سے برطانیہ عظمیٰ اور شمالی آئرلینڈ کے لئے رائٹ آنریبل جارج آرتھر آسبی گور رکن پارلیمنٹ اور نائب معتمد دفتر نوآبادیات اور ملک معظم شاہ عراق کی جانب سے جعفر پاشا عسکری سی، یم، جی وزیر اعظم و وزیر داخلہ۔ یہ اپنے مکمل اختیارات کا تبادلہ کرکے جو بالکل درست دستاویزات میں پائے گئے، حسب ذیل امور پر رضامند ہوگئے ہیں۔

دفعہ (۱) دولت برطانیہ عراق کو ایک مستقل شاہی اختیارات والی سلطنت تسلیم کرتی ہے۔

دفعہ (۲) دولت برطانیہ اور ملک معظم شاہ عراق کے مابین امن و صلح و دوستی و محبت قائم رہیگی فریقین معاہدہ سے ہر ایک منظور کرتا ہے کہ دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے گا اور اپنے ملک میں ہر ایسی غیر قانونی سرگرمیوں کو روکنے کی پوری کوشش کریگا۔ جو دوسرے کے ملک کے امن و امان اور نظم و نظام پر اثر ڈالنے والے ہوں۔

دفعہ (۳) ملک معظم شاہ عراق تسلیم کرتے ہیں کہ ان تمام بین الملی ذمہ داریوں کو پورا کرینگے جنھیں برطانیہ عظمیٰ نے عراق میں بہ عمل لانے کا وعدہ کرلیا تھا۔

ملک معظم شاہ عراق تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ "عراقی قانون عضوی" میں اس طرح کی کوئی ترمیم نہیں کرینگے جس سے بدیسیوں کے حقوق و مفاد پر کوئی مخالفانہ اثر پڑسکے یا قانون کے آگے خود عراقیوں کے حقوق میں نسل، مذہب یا زبان کے اعتبار سے کوئی اختلاف پیدا ہوجائے۔

دفعہ (۴) خارجہ پالیسی کے تمام ایسے امور میں علی فریقین معاہدہ کے مابین پورا پورا مخلصانہ مشورہ ہوگا جو ان کے مشترکہ مفاد پر اثر انداز ہوں۔

دفعہ (۵) ملک معظم شاہ عراق راضی ہیں کہ دولت برطانیہ کے ہائی کمشنر کو ایک ایسے موقف میں رکھیں کہ وہ دولت برطانیہ کو عراق کے معاملات اور عراقی حکومت کے منصوبوں اور تجاویز کی صورت رفتار سے باخبر رکھ سکے اور ہائی کمشنر ملک معظم شاہ عراق کی اطلاع میں ایسے معاملات بھی لائیگا جن کی نسبت دولت برطانیہ کا یہ خیال ہو کہ وہ عراق کی خوش حالی یا اس معاہدہ کی رو سے عائد ہونے والے فرائض کے مخالف ہیں۔

ملک معظم شاہ عراق قبول کرتے ہیں کہ عراق کے مقامی حالات کے اجازت دیتے ہوئے ان تمام بین الملی معاہدات کو عمل میں لائیں گے جو اس وقت بھی موجود ہیں۔ یا جو بعد میں منعقد ہوں اور حسب ذیل امور کی نسبت لیگ اقوام کی منظوری بھی حاصل کرلیں گے:-

غلاموں کی تجارت، منشیات کی تجارت، اسلحہ گولی بارود کی سوداگری، عورتوں اور بچوں کی بیع و شری، تجارت مساوات، حمل و نقل، اور جہازرانی کی حریت، ہوائی جہاز رانی، بریدی، یا لاسکی، مخابرات ادبی یا حرفت کی حفاظت۔

ملک معظم شاہ عراق اس امر کو بھی قبول کرتے ہیں کہ حسب ذیل دستاویزات کے شرائط کو بھی جہاں تک ان کا تعلق عراق سے ہے پورا کرینگے:-

میثاق لیگ اقوام، معاہدہ لاسین، انگریزی فرانسیسی میثاق سرحدی، سان ریمو کا روغنی راضی نامہ۔

دفعہ (۷) ملک معظم شاہ عراق قبول کرتے ہیں کہ جہاں تک اجتماعی، مذہبی، اور دیگر حالات اجازت دیں، ہر اس مشترکہ پالیسی میں شرکت عمل کرینگے جس کو لیگ اقوام نے امراض کے انسداد و مقابلہ کے لئے اختیار کیا ہو، جن میں امراض نباتی و حیوانی بھی شامل ہیں۔

دفعہ (۸) بشرطیکہ عراق کی ترقی کی یہی رفتار باقی رہے جو اب ہے اور اس عرصہ مدت میں سارے معاملات ٹھیک رہیں دولت برطانیہ ۱۹۳۲ء میں لیگ اقوام میں شرکت کیلئے عراق کی امیدواری کی تائید کریگی۔

دفعہ (۹) عراق میں کسی ایسی سلطنت کی قوموں کے خلاف جو لیگ اقوام کی رکن ہو یا کسی ایسی سلطنت کی اقوام کے خلاف جس سے ملک معظم شاہ برطانیہ عظمیٰ نے بذریعہ معاہدہ یہ عہد کرلیا ہے کہ اس کو وہی حقوق دئیے جائیں گے جو اس صورت میں اسکو حاصل ہوتے جب کہ وہ اس لیگ کی رکن ہوتی (اس میں وہ کمپنیاں بھی شامل ہیں جو ایسی سلطنتوں کے قوانین کے تحت بنی ہیں) کسی ریاست غیر کے مقابلہ میں ٹیکس اندازی تجارت یا جہاز رانی حرفتوں اور پیشوں کے استعمال یا تاجرانہ جہازوں اور سرکاری ہوائی جہازوں کے ساتھ برتاوے کے معاملات میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائیگا اور نہ عراق میں ان اسباب کے خلاف کوئی امتیاز ہوگا جو مذکورہ بالا ریاستوں میں سے کہیں تیار ہوئے یا انہیں سے کہیں بھیجے جا رہے ہوں۔

دفعہ (۱۰) دولت برطانیہ قبول کرتی ہے کہ ملک معظم شاہ عراق کی درخواست پر ان کی جانب سے ایسے بیرونی ممالک میں عراقی قوم والوں کی حفاظت کرے گی جہاں ملک معظم شاہ عراق کا کوئی نمایندہ نہیں ہے۔

دفعہ (۱۱) اس معاہدہ کی کوئی بات ان عہدناموں کے جواب کو متاثر نہیں کرسکے گی جو منعقد ہوچکے ہیں اور جو عراقی حکومت اور برطانوی عہدہ داروں کے مابین نافذ ہیں۔ ہر حالت میں ان عہدناموں کی یہ توضیح کی جائے گی کہ گویا برطانوی عہدہ داروں کا معاہدہ ۲۵ مارچ ۱۹۲۴ء اپنا وجود رکھتا ہے۔

دفعہ (۱۲) ایک جداگانہ عہدنامہ اعلیٰ فریقین معاہد کے باہمی مالی تعلقات کو ٹھیک کرے گا یہ معاہدہ ۲۵ مارچ ۱۹۲۴ء م ۱۹ شعبان ۱۳۴۲ھ کے مالی معاہدہ پر فائق ہوگا جو اس کے بعد ہی سے منسوخ سمجھا جائیگا۔

دفعہ (۱۳) ملک معظم شاہ عراق منظور کرتے ہیں کہ اس عدالتی معاہدہ کو نافذ العمل رکھیں گے جس پر ۲۵ مارچ ۱۹۲۴ء م ۱۹ شوال ۱۳۴۲ھ کو دستخط ہوئے تھے۔

مختلف خبریں

امریکہ میں سروجنی دیوی کی طلبی

مس میو کی کتاب "مدر انڈیا" سے جو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اس کے رد کرنے کے لئے مسز سروجنی نائیڈو کو امریکہ سے دعوت آئی ہے۔ یقین ہے کہ اگر سروجنی دیوی نے یہ دعوت قبول کر لی اور امریکہ میں اپنی تقریروں سے اس لغو کتاب کی تردید کی تو ہندوستان کے متعلق اس خطرناک غلط فہمی کو دور کرنے میں بہت بڑی کامیابی ہوگی

دار العلوم دیوبند

یہ افسوس کی بات ہے کہ دار العلوم دیوبند میں طلبا اور اساتذہ کی کشمکش نے ہڑتال کا نتیجہ پیدا کیا۔ دار العلوم دیوبند ایک علمی درسگاہ ہے اور درسگاہ بھی ایسی جہاں مذہبی رنگ غالب ہے پھر یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ وہاں کے منتظمین کو انتظام کے لئے پولیس سے مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ ایک مشہور مدبر کا قول ہے کہ جب کبھی کوئی بغاوت ہوتی ہے اس میں تقریباً ہمیشہ باغی برسر حق ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانی فطرت خواہ مخواہ بغاوت یا سرکشی کی طرف راغب نہیں۔ اس نقطہ نظر سے اور مجموعہ واقعات کی بنا پر بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ منتظمین درسگاہ کو اپنا موجودہ طرز بدلنا چاہیئے۔ ہم نے مانا کہ اس شور و غل کا باعث چند شریر طبیعتیں ہونگی مگر شریر طبیعتوں کو اسکا موقع دینا بھی ایک بدانتظامی کی علامت ہے۔

گاما اور زبسکو

گاما ہندوستان کا مشہور پہلوان ہے۔ اس نے یورپ میں بھی اپنی شہزوری کے کمال دکھائے اور کبھی کشتیوں میں کامیاب رہا۔ زبسکو جو پولینڈ کا باشندہ اور دنیا کا مشہور پہلوان ہے اس سے بھی گاما کا مقابلہ ہوا جس میں گاما کامیاب رہا۔ اس طرح مفتوح ہندوستان کا ایک فرد اس بڑے ملک کی تھوڑی سی تسلی ہی کے لئے تمام دنیا کے پہلوانوں پر فتحمند رہا۔

اب زبسکو گاما سے کشتی لڑنا چاہتا ہے ہندوستان اس مقابلہ کے نتیجہ کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

لارڈ ہیڈلے

انگلستان کے باشندوں میں منجملہ اور لوگوں کے صرف ایک لارڈ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ قبول اسلام کسی ظاہری یا دنیاوی مفاد کے لئے نہیں بلکہ خالص اسلام کی خاطر ظہور میں آیا۔ لارڈ ہیڈلے نے اپنے سچے دل سے مسلمان ہونے کو نہ صرف تقریر اور تحریر سے ظاہر کیا بلکہ انھوں نے حج کی مشکلیں بھی برداشت کر کے ثابت کر دیا کہ وہ سچے مسلمان ہیں اب ان کا خیال انگلستان میں ایک عالیشان مسجد کے بنانے کا ہے اور وہ اس کے لئے چندہ وصول کرنے کے لئے اور ساتھ ہی تبلیغ کانفرنس کی صدارت قبول کر کے ہندوستان آئے ہیں ایک مسلمان لارڈ کا ہندوستان آنا اور حیدرآباد کی اسلامی ریاست نہ دیکھنا بے لطفی سی بات ہے۔ اس لئے لارڈ ہیڈلے نے حیدرآباد آنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

مراسلات

حیدرآباد اور بٹلر کمیشن

ایک کمیشن سر ہرکورٹ بٹلر گورنر برما کے زیر صدارت ہندوستانی ریاستوں اور حکومت ہند کے تعلقات پر غور کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

یہ کمیشن ان باتوں کی رپورٹ پیش کریگا کہ سندات اور معاہدات کے لحاظ سے ہندوستانی دیسی ریاستیں کیا کیا حقوق دئے جانے کی مستحق ہیں۔ مالی اور اقتصادی تعلقات اور ایسے امور کی سفارش جن کو اراکین کمیشن مناسب سمجھیں گے۔

ہم حیدرآبادیوں کو سائمن کمیشن سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔ مگر بٹلر کمیشن جس کا تعلق براہ راست ہم سے بھی ہے۔ قبل از وقت غور کرنا چاہیئے۔

اس کمیشن کے روبرو ہمارے کیا مطالبات ہونگے اور کن ضروریات پر توجہ دلانا ضروری ہے۔

دیسی ریاستوں اور حکومت ہند کے تعلقات مختصراً یوں بیان کئے جا سکتے ہیں کہ رزیڈنٹ کے مشورہ سے والیان ریاست ملکی انتظام کرتے ہیں اندرونی معاملات میں رئیس خود مختار ہوتا ہے مگر خارجہ تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ رزیڈنٹ کے توسط سے نہ ہو۔

ملک میں تعلیم یافتہ اور ترقی کی خواہاں پبلک پیدا ہو چکی ہے۔ ملک اس قابل ہو چکا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ دیسی فردی کے حوالہ کیا جائے۔ اب ضرورت ہے کہ پبلک بھی حیدرآباد کے مستقبل کو درخشاں بنانے میں حصہ لے۔

سائمن کمیشن سے بائیکاٹ ہندوستانیوں کا منا سب ترین راہ عمل سہی مگر یہی طریق بٹلر کمیشن کے ساتھ نہ تو ممکن ہے نہ مفید ہے بٹلر کمیشن کے سامنے ہم شہادت میں یہ مطالبہ پیش کر سکتے ہیں کہ حیدرآباد کی معاہداتی اور روایتی خود مختاری کی توثیق کیجائے۔ اور آیندہ حکومت ہند ان معاہدوں کی پابندی اور احترام کرے جو سابق میں طے ہوئے ہیں ہندوستان کی مدافعت میں دیسی ریاستیں برابر کی حصہ دار رہیں۔

ہماری ضروریات کیلئے بندرگاہ مچھلی بندر سے فائدہ اٹھا کر ایک شایان شان تجارتی بیڑا تیار ہو ملک کا وہ حصہ جو سرحد حیدرآباد اور مچھلی بندر کے درمیان واقع ہے بقیمت یا کسی اور طرح سے حاصل کیا جائے۔ ملک کو وہ خطے واپس دئے جائیں جو موروثی اور جغرافی حیثیت سے اسی کے ہیں

ملاحظہ ہو صفحہ (۲۰) کالم (۳)

بقیہ انگریزی عراقی معاہدہ صفحہ ۱۸

دفعہ ۱۴۔ اس معاہدہ کی شرائط کی وضاحت میں اگر اعلیٰ فریق معاہدہ کو اختلاف پیدا ہو تو اس کو بین الملل انصاف کی عدالت مستقل میں پیش کر لیا جائیگا جو میثاق لیگ اقوام کے فقرہ ۱۴ کی رو سے قائم ہے۔ اگر ایسی صورت پیدا ہو کہ معاہدہ کے انگریزی اور عربی متنوں میں کوئی عدم مطابقت محسوس ہو تو پھر انگریزی متن ہی مستند سمجھا جائیگا۔

۱۵۔ تصدیق کے وقت ہی یہ معاہدہ نافذ ہو جائیگا اور دونوں ممالک کے آئینی اصول کے مطابق تصدیق کا تبادلہ ہو چکیگا اور بتقاضائے حالات اس میں ہر طرح کی ترمیمیں ہو سکیں گی جب عراق اس معاہدہ کی دفعہ ۸ کی رو سے لیگ اقوام میں داخل ہو جائیگا۔ یہ معاہدہ ان معاہدات اتحاد کی جگہ لیگا جن پر بمقام بغداد ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء م ۱۹ صفر ۱۳۴۱ اور ۳۰ جنوری ۱۹۲۶ء م ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۴۴ کو دستخط ہوئے تھے۔ یہ اس معاہدہ کے عمل میں آتے ہی منسوخ سمجھے جائینگے۔

وکلائے مختار نے ایمانًا اس معاہدہ پر دستخط کئے ہیں اور اس پر اپنی مہریں بھی لگا دی ہیں۔

بمقام لندن انگریزی اور عربی زبانوں میں آج کہ دسمبر کی ۱۴ ویں تاریخ اور ایکہزار نوسو ستائیس سن عیسوی م ۱۸ جمادی الثانی ایکہزار تین سو چھیالیس سن ہجری ہے یہ معاہدہ مکمل ہوا۔ دستخط جعفر العسکری دستخط ڈبلیو آر ٹبلی گورڈ (ترجمہ بر روکن)

درازی حیات انسانی

امریکہ کی مجلس جہاز رانان کے صدر مسٹر البرٹ لسکر اور ان کی بیوی نے شکاگو یونیورسٹی کو دس لاکھ ڈالر اس لئے عطا کئے ہیں کہ اس رقم سے ایک ادارہ "لسکر فاؤنڈیشن" کے نام سے قائم کیا جائے جس میں اس امر کی تحقیقات ہو کہ متوسط اور معمر لوگوں پر بیماری کا حملہ کس وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اور اس حملہ کو روکنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ اس طرح اس بات کی تحقیق ہو جائے کہ انسانی عمر کس طرح طویل کی جا سکتی ہے۔

حالات عراق

عراق کے وزیر اعظم جعفر پاشا نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دیدیا۔ جعفر پاشا کی ناراضگی کا سبب یہ ہے کہ ان کی بہت سی مفید قوم و ملک تحریکیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ جدید وزارت عبد المحسن نے مرتب کی ہے جس میں وہ خود وزیر اعظم اور وزیر خارجہ رہیں گے۔ بقیہ وزرا حسب ذیل ہیں۔

عبد العزیز	وزیر داخلہ
یوسف آفندی	وزیر مالیات
حکمت بے سلیمان	وزیر عدالت
عبد المحسن شلاش	وزیر ڈاک و امور عامہ
شیخ سلیمان بارق	وزیر آبپاشی و زراعت
توفیق بیگ سویدی	وزیر تعلیمات
شیخ احمد داؤد	وزیر آثار مقدسہ

وزیر جنگ کا عہدہ خالی ہے۔ نئے وزیر اعظم کی خواہش ہے کہ عراق پارلیمنٹ میں ان کے طرفداروں کی کثرت ہو اس لئے پارلیمنٹ کے لئے انتخاب کے متمنی ہیں۔

انگورہ کی آرائش

آج کل ترکی حکومت اپنے دار الخلافہ انگورہ کو جدید وضع کا شہر بنانے کے لئے بہت بے تاب ہیں۔ بیرونی سیاحوں کو انگورہ کا نام اس کے کچے مکانوں کی وجہ "مٹی کا شہر" رکھا ہے۔ اخبارات کہہ رہے ہیں کہ یہاں جلد بالکل مغربی وضع کی سڑکیں باغات بنائے جائیں اور شہر کی آرائش بھی جلد سے جلد عمل میں آئے

ترکی میں سیاسی کارٹون

یورپ میں سیاسی کارٹون بنانا کوئی جرم نہیں۔ کارٹونوں میں بعض مصور خاص تلاش اور اصلیت کو کام میں لاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک مضحک تصویر کسی اہم سیاسی شخصیت کی بناتے ہیں۔ اس باب میں بادشاہوں تک کو بہت برے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ قوم اسکو برا نہیں سمجھتی کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اس سے اس مخصوص شخصیت کی اہانت منظور نہیں ہوتی بلکہ ان واقعات کو تخیل کے رنگ میں غوطہ دیکر تضحیک کے لئے پیش کرنا مقصد ہوتا ہے۔ ترکی نے اگرچہ اتنی ترقی کی کہ اپنے ہاں تاج گھر تک توڑ ڈالے مگر اس خاص بات میں ترکی ابھی ترکی ہی ہے۔ چنانچہ ترکی کے ایک ظریفانہ جریدہ نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے مجسمہ کے چندہ کے متعلق کارٹون بنایا تھا۔ یہ فعل جرم قرار دیا گیا۔ اور اس جریدہ کے شایع کرنے والے کو قید اور جرمانہ کی سزا دیگئی۔

انگریزی پارلیمنٹ کا آئندہ انتخاب

انگریزی پارلیمنٹ کے آئندہ انتخابات کے متعلق سن گن شروع ہو گئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک طرف مسٹر بالڈون کو اطمینان ہے کہ آئندہ انتخابات میں بھی ان کی پارٹی کو قوت حاصل ہوگی اور وہی برسر اقتدار رہے گی اور دوسری طرف مزدور جماعت کو خوش آئند خواب نظر آرہے ہیں کہ آئندہ انتخابات میں انھیں اقتدار حاصل ہوگا۔

لارڈ کشن ڈن نے مارکٹ ہاربرو میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پارلیمنٹ کے ممبروں کا نیا انتخاب اب ایک سال سے زیادہ مدت تک نہیں ملتوی ہو سکتا۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سلطنت کی قسمت کا فیصلہ انتخابات کے نتیجہ پر ہے۔

حزب العمال (مزدور جماعت) کے صدر مسٹر رامزے میکڈونلڈ نے اپنی تقریر میں نئے انتخابات کے متعلق کہا کہ وہ ہر طرح تیار ہیں۔

وزیر اعظم مسٹر بالڈون نے برم روز ایگ

کو ایک خط میں تحریر کیا ہے کہ ۱۹۲۸ء کا سال عظیم سیاسی جد وجہد کا سال ہوگا۔ یہ بہت ضروری امر ہے کہ ہم آئندہ نئے انتخابات کیلئے تیار رہیں۔ اگر ہم اپنے رائے دہندوں کو حقیقت حال سے مطلع کر دیں تو ہمیں پھر کسی بات کا خوف نہیں۔

ہوائی جہاز رانی کی ترقی

اخبار ملت کو انگورہ سے خبر ملی ہے کہ حکومت آستانے کے جدید مدرسۂ پرواز کی طرف متوجہ ہے۔ کیونکہ سال گذشتہ یہ مدرسہ نہایت کامیاب رہا۔ اب حکام متعلقہ اس پر غور کر رہے ہیں کہ جرمنی سے چند اساتذہ طلب کئے جائیں اور آستانہ کے قریب ہی ایک پرواز گاہ قائم کی جائے تاکہ تمام طلبہ کو تجربے اور مشق میں سہولت ہو۔ اس اخبار کا یہ بھی خیال ہے کہ حکام متعلقہ انگورہ میں بھی اسی قسم کے ایک مدرسہ کا افتتاح کرنا چاہتے ہیں۔

بقیہ حیدرآباد و بٹلر کمیشن

صفحہ (۱۹) کالم (۳)

اور معاشی حیثیت سے اہمیت رکھتے ہیں۔ خواہ ان کے لئے کچھ یکمشت نقدی معاوضہ ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ حیدرآباد کے کچھ مواضع دریائے کرشنا کے اس پار ہیں اور کچھ انگریزی مواضع اندرون ملک ہیں ان کا باہم تبادلہ کر لینا چاہیئے۔ حسب معاہدہ حیدرآباد کا پٹہ تمام ہندوستان میں اور عام ہند کا حیدرآباد میں چلے۔ عادل آباد کے جنگلات کو قابل زراعت بنانے کے لئے ملیبار کے ماپلوں جیسی جفاکش اور محنتی قوم کو وہاں آباد کرنے کے لئے کوشش کرنا چاہئے در یں صورت کہ حکومت ہند ان کو انڈیا میں آباد کرنا چاہتی ہے۔

آخر میں بعض اہم امور کے اظہار کی بھی ضرورت ہے جس کا تعلق کسی طرح بھی کمیشن سے نہیں بلکہ محض اندرونی معاملات سے ہے وہ یہ کہ ملک میں ایسے امور کا تدارک اور لحاظ ہو جن سے ہندو مسلم اتحاد زیادہ مضبوط بنیاد پر قائم رہے۔ اس معاملہ میں ہندوستان کے برخلاف اب تک اتحاد و اتفاق کی جو درخشاں مثال پیش کی ہے۔ اس روایت کو ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کی جائے اضلاع میں کسانوں کی حالت درست کرنے اور ان کا افلاس دور کرنے کے لئے کوشش کی جائے۔ یورپ امریکہ میں جو آلات زراعت استعمال کئے جاتے ہیں ان کو حیدرآباد میں مروج کیا جائے تاکہ کاشت میں اضافہ ہو۔ اس غرض کے لئے ملک کے ہونہار طلبہ کو یورپ بھیجا جائے کہ آلات زراعت بنانا اور فن معدنیات سیکھ کر آئیں۔ غرض یہ وہ چند باتیں ہیں جن پر ملک کو چاہیئے کہ غور و بحث کے بعد فیصلہ کر کے عمل میں لائے۔

۱۲ / خاد / ... ریاست - حمد اللہ - عبد المرشد

کتب خانہ تجارتی عبد القادر تاجر کتب و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد دکن

قرآن شریف اس میں پانچ ترجمے ہیں دو فارسی تین اردو اور بر حاشیہ تفسیر حسینی
احسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی سے رعایتی عہ سکۂ عثمانیہ خاشدہ

اردو اٹلس رنگین ملک سرکار عالی جس میں ضلعواری نقشہ جات مع تاریخی حالات و نقشہ جات ایشیاء وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس
قیمت .... عالی ۸ر .... رعایتی .... عمہ

خلاصہ جغرافیہ عالم سوالات و جوابات میٹریکولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی محمد دیم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت عالی رعایتی عہ

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت ۴ر | مرتبہ مولوی سید شرف الدین صاحب قادری

جدید تاریخ ہند برائے مڈل عثمانیہ کتب قیمت عہ | بی۔ اے۔ بی ٹی صدر مدرس

جدید جغرافیہ دنیا برائے " " قیمت عہ | مدرسہ سلطانیہ عادل آباد

صنمخانۂ عشق یعنی دیوان امیر مینائی۔ قیمت ..... عالی ۸ر
رعایتی .... عالی

مطبوعہ رجسٹرات و فارمس ہر دفتر کے کار آمد خصوصاً سر رشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ وغیرہ کے تیار ہیں جن کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کر کے ارجنٹ تعمیل کی جاتی ہے۔

فتاوی عثمانیہ سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے۔ جو بالخصوص وکلاء کے لئے معلومات فقہ بہم پہنچانے کے لئے بیحد مفید ہے کاغذ چکنا چھپائی نفیس ہے مولفہ جناب مولانا مولوی [illegible]

مجموعہ خطب حرمین الشریفین مع ترجمہ اردو جس میں سال تمام کے خطبے۔ قیمت .... عہ ۴ر

خطب علمی مترجم خورد قیمت ۴ر

خطب جدید ۔ مترجم۔ قیمت ۴ر

خطب ہندی ۔ مترجم۔ قیمت ۴ر

قصص الانبیاء ۔ اردو تقطیع کلاں مجلد .... عالی ۸ر

ترتیب الصلوٰۃ ۔ مع اردو ترجمہ۔ قیمت ۶ر

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علماء متکلمین کے نظریات اور مسائل۔ طبع چہارم قابل دید ہیں۔ قیمت .... عالی ۸ر

ڈائری کلاں چرمی اصلی قیمت .... عہ ۱۲ر .... رعایتی ... عہ
" " مجلد پارچہ " قیمت .... عہ ۸ر .... " ... ۱۴ر
" خورد چرمی " قیمت .... عہ ۴ر .... عہ ... ۱۲ر
" " پارچہ " قیمت .... عہ .... " ... ۱۰ر

نوٹس آن اسلام بزبان انگریزی۔ اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات ہیں جس کی شرح انگریزی میں کی گئی ہے مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب جس کو عالیجناب مولانا احمد حسین صاحب کے سی آئی۔ ای۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ (نواب امین جنگ بہادر) نے مختصر نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے۔ قیمت ..... عہ

ہفتہوار

مہاجر دیوبند

کا

رمضان نمبر

۲۴ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ کو نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہو کر دنیائے صحافت میں یادگار رہے گا

مہاجر کے رمضان نمبر کی خصوصیات

رمضان نمبر کی ضخامت چالیس صفحے ہوگی۔ کاغذ عمدہ لگایا جائے گا۔

رمضان نمبر کا ٹائیٹل اعلیٰ درجہ کے آرٹ پیپر کا ہوگا ٹائیٹل کے لئے خاص طور پر بلاک تیار کرایا جا رہا ہے۔

رمضان نمبر میں بڑے بڑے اہل قلم حضرات کے بلند پایہ مضامین ہوں گے۔

رمضان نمبر میں خصوصیت کے ساتھ صوم کے متعلق مختلف انواع کے نہایت ہی محققانہ مضامین ہوں گے۔

رمضان نمبر میں چوٹی کے شعراء کی اردو، عربی اور فارسی کی بہترین نظموں کا کافی ذخیرہ ہوگا۔

غرض مہاجر کا رمضان نمبر مجموعی حیثیت سے بے نظیر علمی مجموعہ ہوگا۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ۴ر علاوہ محصول ڈاک۔ فدائیان علوم و معارف اس علمی ذخیرہ کو حاصل کرنے کے لئے ۵ر کے ٹکٹ بھیجکر ابھی سے اپنا نام درج کرالیں۔
مہاجر کے مستقل خریداروں کی خدمت میں رمضان نمبر مفت حاضر ہوگا

خاص رعایت پانچ رمضان المبارک تک ایک سال کا زر چندہ مبلغ ۳ر بذریعہ منی آرڈر بھیجدینے والے حضرات کی خدمت میں رمضان نمبر مفت بھیجا جائے گا۔

اجرت اشتہارات میں صرف رمضان نمبر کے لئے حیرت انگیز رعایت کی گئی ہے۔ رعایتی نرخ نامہ اجرت اشتہارات دفتر سے طلب کیا جا سکتا ہے ۵ رمضان المبارک تک اشتہارات دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں

نیاز کیش منیجر اخبار مہاجر دیوبند (یوپی)

مشہور و معروف

رسالہ زمانہ کی نقرئی جوبلی

کے خوشی میں

ملک کے بلند پایہ انشا پردازوں اور نامور شاعروں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا ایک دلچسپ مجموعہ آخر فروری ۱۹۲۸ء میں شایع ہوگا

حجم مضامین قریباً ۲۰۰ صفحات۔ تعداد تصاویر قریباً پچاس

قیمت ۱ر عہ

۲۰ فروری سے قبل پیشگی قیمت دینے والے خریداروں سے صرف عہ

اردو کی موجودہ ترقی کا بہترین مجموعہ دیکھنا ہو تو رسالہ زمانہ کا جوبلی نمبر خریدیے

المشتہر

منیجر زمانہ۔ کانپور

کتب خانہ تجارتی عبدالرزاق تاجر کتب و پبلشر و مالک زراقی مشین پریس چارمینار حیدرآباد دکن

معجز نما متوسط قرآن شریف مترجم بدو ترجمہ

معجز نما حمائل شریف مترجم ترجمہ حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی شاہ اشرف علی صاحب تھانوی حاشیہ پر تفسیر کبیر ہے مجلد ہدیہ (ﺻ)

نسخۂ صحیحہ دلائل الخیرات مع حزب البحر و قصیدہ بردہ ترجمہ اردو از مولانا ابوالحسن صاحب نقشبندی کا مجلد تختی متوسط حاشیہ پر تفسیر کاغذ اور طباعت عمدہ ہدیہ .... (ﻌﻪ)

قرآن شریف اکتالیس خوبیاں والا مترجم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا جدید نمونہ پر نہایت صحت کیساتھ نئی طرز پر جو اب تک کسی مطابع میں اس خوبی کیساتھ طبع نہیں ہوا ہے ہر مقام پارہ پر علیحدہ علیحدہ نقشہ جات مقدس و دیدہ زیب ہیں تختی متوسط ہے۔ کاغذ چکنا دبیز مجلد (ﺻ)

قرآن شریف مترجم متوسط ترجمہ اردو بین السطور مولانا نذیر احمد صاحب کا کاغذ اور طباعت نہایت عمدہ ہے۔ ہدیہ (ﻌﻪ) ترجمہ مقابل صفحہ پر مثل اردو کتاب کے مطالعہ فرما سکتے ہیں کاغذ اور طباعت نہایت صاف ہے۔ ہدیہ (ﻌﻪ)

حمائل شریف چھوٹی تختی پر واضح خط میں دبیز کاغذ پر نہایت عمدہ ہدیہ .... (ﻌﻪ)

سیرۃ النبیؐ

حصہ اول جس میں از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت ضخامت (۵۵۹) کاغذ قسم دوم مجلد تقطیع خورد قیمت (ﻌﻪ)

حصہ دوم از ۸ ہجری تا ۱۱ ہجری۔ اقامت امن۔ تاسیس خلافت اشاعت اسلام انتظامات مذہبی۔ تکمیل شریعت حجۃ الوداع۔ وفات شمائل۔ و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد مطہرہ کا مختصر تذکرہ ہے تقطیع خورد صفحے (۴۳۸) کاغذ قسم دوم قیمت مجلد (ﻌﻪ)

حصہ سوم جس کے مقدمہ میں معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیم۔ علم کلام۔ فلسفہ جدید اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہیں۔ اس کے بعض خصائص نبوت یعنی مکالمہ الٰہی، وحی، نزول، ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے۔ پھر وہ آیات معجزات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے۔ اور اس کے بعد وہ بشارت نبویہ ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں۔ اور جن کے حوالے قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔ اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے تقطیع کلاں کاغذ قسم دوم مجلد .... (ﻌﻪ)

ترجمہ اول رئیس الفقہاء و المحدثین مولانا مولوی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کا ہے۔

ترجمہ دوم حکیم الامۃ مولانا مولوی حضرت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قادری چشتی کا جو سلیس لفظ ہونے کے باوجود با محاورہ سلیس اردو میں ہے ہدیہ مجلد (ﻌﻪ)

سفر حرمین الشریفین یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔ جس میں مدینہ منورہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور کثیر نقشے شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک فوٹو شامل کتاب ہیں مشاہیر علماء و فضلاء نے اس کی خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں۔ کاغذ چکنا لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے۔ اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ قیمت بجائے (ﻌﻪ) کے .... (ﺻ) روپیہ

تشریح السیاسی اس میں تاریخی واقعات کے ساتھ سیاسی معاملات کی تشریح کی گئی ہے۔ سابق فرمانروایان ممالک مختلفہ تصریح قومیت۔ وطن تعلیم سیاسی۔ اصول فرمانروائی کے تحت وہ وہ امور درج ہیں جو قابل دید و لائق داد ہیں۔ سیاسی نظر سے گورنمنٹ حضور نظام کی تنظیم کے متعلق جو مواد اس میں ہے۔ اس سے واقفیت از بس ضروری ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب مفید معلومات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت .... (ﻌﻪ)

حکومت آصفی و برکات عثمانی تصانیف مولانا محمد شمس الدین صاحب مصنف جس میں حکومت آصفی کے عدیم النظیر واقعات اور دور عثمانی کے جملہ ترقیات کو نثر و نظم میں بڑی خوبی سے جمع کیا گیا ہے قیمت ۸/

شمس کا ترانہ قوم کے اقبال کی موہنی صورت، اور اس کے ادبار کی ڈراونی صورت غرض حالت قوم کا اصلی فوٹو ہے قیمت ۲/

بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی ایک پُر تاثیر۔ دلگداز۔ قابل دید نظم ہے بیوہ کے حقیقی حالات اور فطری جذبات کا آئینہ ہے۔ درد و غم رنج و مصیبت کا صحیفہ ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کو پڑھنے کے بعد کوئی آنسو نہ بہائے۔ قیمت ۴/

مثنوی مشعل اسلام اس میں توحید باری تعالیٰ و اثبات رسالت کے ایسے زبردست دلائل بیان کئے گئے ہیں جو بڑے بڑے مستند کتابوں میں بھی نہیں مل سکتے قیمت (۸/)

سفر حرمین الشریفین یہ ایک لاجواب کتاب ہے جس میں مدینہ منورہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور کثیر شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک فوٹو شامل کتاب ہیں مشاہیر علما و فضلا نے اس کی خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں۔ کاغذ چکنا عمدہ لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ قیمت بجائے (ﻌﻪ) روپیہ کے (ﺻ)

بالک باغ بچوں کے مذاق کی مشرقی و مغربی طرز ادب طفولیت کی دلکش اور نصیحت آموز نظمیں صرف حصہ اول و دوم ﻌﻪ

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چارمینار حیدرآباد دکن میں شائع کیا

رجسٹرڈ سرکار آصفیہ

رجسٹر سرکار آصفیہ نشان

نمبر ۱۹۱۱

عدد ۱۲-۱۳-۱۴
جلد (۱)

[illegible]

[illegible]

محمد حبیب اللہ رشدی [illegible]

مضمون خاص

اسلام کی امن پسندی

از

الحاج لارڈ ہیڈلے الفاروق بنا القابہ

(ترجمہ مدیر)

نظام گزٹ

چندہ سالانہ ے | سہ ماہی عہ
ششماہی ہے | فی پرچہ ۲ ر۶ م

جناب نواب مسعود جنگ بہادر

ناظم تعلیمات اور عہدہ داران تعلیمات جناب مولوی سید محی الدین صاحب (مددگار) اور جناب مولوی سید علی اکبر صاحب مہتمم (ہیڈ) کی موفق من اللہ توجہات اور ہمدردی سے اردو گشتی کتب خانہ حیدرآباد دکن کے نام (جسکی شرکت سے ہر ایک اردو کتاب بغیر خریدے گھر بیٹھے مطالعہ کیجا سکتی ہے) سررشتہ تعلیمات سرکار عالی سے ماہانہ ایکسو روپیہ کی امداد منظور فرمائی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک اب اس امداد کے سہارے حضرت ظل سبحانی سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ کی تخت نشینی کی مبارک تقریب کی یادگار میں (۱) کتب خانہ کی فیس شرکت جو ماہانہ (سہ ماہی) عام طور پر ۸ ر ۱ اور طلبہ و غیر مستطیع اشخاص کیلئے صرف (۴ ر) کر دی گئی ہے (۲) شرکت کیلئے ذمہ داری کی شرط اوٹھا دی گئی ہے (۳) کتابوں کی سربراہی میں ممکنہ سہولتیں پیدا کر دی گئی ہیں (۴) بیرونی شائقین کی سہولت کیلئے ایجنسی سسٹم رائج کیا گیا ہے اور (۵) ماتحت اردو مطالعہ گھر (جہاں کتابوں کے علاوہ گونا گوں اخبارات و رسائل بھی مطالعہ کئے جا سکتے ہیں) قائم کر دیا گیا ہے اور ہر شخص روزانہ صبح آٹھ سے شام کے سات تک بلا فیس اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

اردو گشتی کتب خانہ کو قایم ہوئے الحمد للہ ڈھائی سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور اس عرصہ میں صرف تائید و توفیق ایزدی سے ایک ناچیز بے بضاعت اور گمنام ہستی نے ملک کی جو کچھ علمی خدمت انجام دی ہے اسکے متعلق مولانا عبد الحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو رسالہ اردو بابتہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

فضل اللہ کی ہمت آفرین ہے کہ انھوں نے بڑے ایثار سے کام لیکر حیدرآباد میں ایک گشتی کتبخانہ قائم کیا ہے جس کا مقصد اردو کتابوں کا مطالعہ آسان کر دینا اور بتدریج ایک عظیم الشان خالص اردو کتبخانہ قائم کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ آمدنی سے اس کا خرچ بڑھا ہوا ہے امید کہ حیدرآباد کے صاحب ثروت اور ذی علم اصحاب اس کی مدد کریں گے۔ فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں ہر فن اور علم کی کتابیں موجود ہیں اور مطالعہ کے شوقین اس سے پورا فائدہ اوٹھا سکتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ مبارک عہد کتبخانہ پھلے پھولے اور ملک اس سے کما حقہ مستفید ہو سکے۔ تفصیل کیلئے دستور العمل طلب فرمایا جائے

مہتمم اردو گشتی کتب خانہ سٹرک افضل گنج حیدرآباد دکن

سعیِ پیہم ہے ترازوے کم و کیفِ حیات   تیری میزان ہے شمارِ سحر و شام ابھی

عدد ۱۲، ۱۳، ۱۴ حیدرآباد دکن :- دوشنبہ ۲۰ شعبان ۱۳۴۶ھ م ۱۳ فبروری ۱۹۲۸ء م ۱۱ فروردی ۱۳۳۷ فصلی جلد (۱)

شذرات

ایک انگریزی اخبار نے سائمن کمیشن کے رکن لارڈ برن ہیم کے متعلق ایک لطیفہ لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

" لارڈ برن ہیم اپنی جوانی کے زمانہ میں ایک اہم تحقیقاتی کمیشن کے رکن تھے اس تحقیقات کے دوران میں ایک دن کچھ یہ بے چین سے تھے اور حالت اضطراب میں یا دل بہلانے کی خاطر وہ اپنی کرسی کو جھکولے دیتے تھے وہ اس طرح کے اپنی کرسی کو پیٹھ سے دھکیلتے تھے اور اپنے گھٹنوں کو میز سے اڑا دیتے تھے۔ یہ کرتب انہوں نے کئی مرتبہ کئے مگر بدقسمتی سے ایک دفعہ گھٹنوں کے اڑانے میں بھول ہو گئی اور وہ مع کرسی کے تڑاق سے فرش پر جا گرے۔ شہادت دینے والے گواہ اور ان کے ساتھی دوسرے اراکین کی سنجیدگی اس حادثے سے یکدم تعجب میں تبدیل ہو گئی۔ مگر امید ہے کہ اب کی دفعہ پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں لارڈ صاحب اس کرتب کو پھر نہ کریں گے "

انگریزی اخبار کے مذکورہ بالا بیان پر ہمارے ایک معاصر نے کچھ اور اضافہ کیا ہے وہ کہتا ہے

" بے شک اب کی دفعہ لارڈ برن ہیم اس کرتب کو نہیں کرینگے۔ کیوں کہ اب سر جان سائمن کی باری ہے اور زمانہ کی ترقی کے سبب سے یہ کرتب ظاہری نہ ہوگا۔ بلکہ معنوی ہوگا بجز اسکے کہ سر جان سائمن اس کرتب کی تکلیف سے بچنے کے لئے کمیشن کا اجلاس ہی منعقد نہ کریں "

ہندوستانی ریاستوں کو کمیشن کے سلسلہ میں مدد دینے کے لئے انگلستان کے مشہور بیرسٹر سر لزلی اسکاٹ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ ان کو اس کام کی جتنی فیس طے پائی ہے اتنی فیس آجتک کسی بیرسٹر کو نہیں ملی ان کو کل ترپن ہزار (۵۳۰۰۰) پونڈ بطور محنتانہ ملینگے اور روزانہ دو سو پونڈ بطور الاؤنس یا میوہ خوری ملینگے۔ کمیشن کا کام تین مہینے سے زیادہ عرصہ تک ہوتا رہے گا۔ مذکورہ بالا حساب سے تین مہینے میں سر لزلی ستر (۷۰) ہزار پونڈ سے زیادہ کما لیں گے، جس کے تقریباً دس لاکھ روپیہ ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور آفاق محب وطن پنڈت موتی لال نہرو نے انگلستان سے واپسی پر مصر میں بھی قیام کیا۔ مصریوں نے اس مشہور مدبر کی بہت قدر و منزلت کی۔ پنڈت جی نے وہاں کی مختلف چیزوں کو ملاحظہ کیا اور ان کے خیر مقدم کے سپاسنامہ کے جواب میں مصریوں کو بتایا کہ جنگ آزادی میں ہندوستان اور مصر مشترکہ حصہ رکھتے ہیں پنڈت جی مصر کے قدیم جامعہ ازہر کو بھی ملاحظہ کیا۔ اور طلباء کے روبرو بہت پر جوش تقریریں کیں۔

اکٹوبر ۱۹۲۳ء میں پانچ پارسی نوجوانوں نے سیکل پر تمام دنیا کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ راستہ میں دو ساتھی بیماری کی وجہ رک گئے بقیہ تینوں نے اپنا سفر جاری رکھا اور تمام دنیا کا چکر لگا کر ہندوستان واپس آگئے۔

انہوں نے ہندوستان کے بڑے سڑکوں کی راہ لی۔ پہلے بلوچستان پہونچے اور پھر ایرانی ریگستان سے الجزائر، شام اور فلسطین پہونچے۔ اس کے بعد انہوں نے براعظم افریقہ میں قدم رکھا۔ وہاں سے وہ اطالیہ اور سوئٹزرلینڈ گئے اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں گھومتے گھماتے ائرلینڈ پہونچے اور وہاں سے امریکہ کے لئے جہاز پر سوار ہو کر نیویارک پہنچے۔ امریکہ سے وہ کوریا جاپان اور منچوریا گئے اور پھر چین اور ہندی چین سے برما ہوتے ہوئے اکتالیس (۴۱) ہزار میل کی مسافت طے کر کے پھر ہندوستان میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب وہ ہندوستان کے مختلف ممالک کی سیاحت کر کے اپنے وطن بمبئی کا رخ کرینگے۔

لطیفہ " کیا یہ تمہیں یقین ہے کہ ایڈیٹر صاحب اندر نہیں ہیں "

تمیزدار ملازم :- کیا جناب آپ ان کے قول کو بھی غلط سمجھتے ہیں ...

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۲۰ شعبان سنہ ۱۳۴۶ھ

بٹلر کمیٹی اور ہم

بٹلر کمیٹی نے اپنا کام شروع کر دیا اب عنقریب وہ حیدرآباد اور میسور کا رخ کرنے والی ہے میسور والوں نے کمیٹی کیلئے تیاری شروع کر دی۔ حیدرآباد کو بھی کمیٹی سے کئی مطالبات پورے کرانے ہیں اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم کمیٹی کی آمد سے پہلے ان پر غور کرلیں۔

بندرگاہ مچھلی بندر ایک زمانہ وہ تھا کہ سلطنت آصفیہ کا رقبہ شمال میں برار اور مشرق میں ساحل مدراس تک پھیلا ہوا تھا۔ سیاسی تغیرات نے اس وسیع رقبہ کو قائم نہ رکھا اور غالباً سب سے پہلے ساحلی علاقہ یعنے وہ اضلاع جو مدراس کے شمال میں خلیج بنگالہ کے ساحل پر واقع تھے فرانسیسوں کے تفویض کیا گیا تھا بعد میں جب فرانسیسوں سے ریاست حیدرآباد کے تعلقات منقطع ہوگئے تو وہ علاقہ جو ”مشرقی سرکار“ کے نام سے موسوم تھا۔ انگریزوں کے حوالہ کر دیا گیا ”مشرقی سرکار“ کا رقبہ کوئی معمولی رقبہ نہ تھا جب وہ علاقہ انگریزوں کے حوالہ کر دیا گیا تو اس وقت مختلف عہدنامے مرتب ہوئے تھے جس کی رو سے ریاست حیدرآباد کو مشرقی سرکار کے کئی ایک معقول بدل دئے گئے تھے۔ انہیں عہدناموں میں ایک عہدنامہ بندرگاہ مچھلی بندر کے متعلق تھا اس عہدنامہ کی رو سے ریاست حیدرآباد کو اس بات کا مجاز گردانا گیا تھا کہ وہ جسوقت چاہے بندرگاہ مچھلی بندر کو اپنے جہازوں کے لئے استعمال کر سکتی ہے عہدنامے میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضور نظام اس بندرگاہ میں اپنے جہاز رکھ سکتے ہیں اور ان جہازوں پر اپنا جھنڈا اڑا سکتے ہیں۔ غرض مچھلی بندر کو بطور بندرگاہ کے ہر طرح استعمال کر سکتے ہیں۔

حیدرآباد کی تجارتی حالت اس زمانہ میں ایسی ترقی یافتہ اور عروج پذیر نہیں تھی کہ اس عہدنامے کی رو سے مچھلی بندر کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی اسلئے اب تک اس عہدنامہ پر عمل کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا لیکن موجودہ زمانہ میں کون شخص ہے جو حیدرآباد کی بڑھتی ہوئی تجارتی ضرورت سے انکار کر سکتا ہے۔

حیدرآباد کی خارجی تجارت اب بہت بڑھ گئی ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے کسی اعداد و شمار کی ضرورت نہیں بلکہ حیدرآباد کی سڑک پر ایک نظر ڈالنی کافی ہے بعض لوگ غالباً اس کو حیدرآباد کی پستی سے تعبیر کرینگے کہ یہاں کی بیرونی تجارت برطانی ہند سے بہت پیچھے ہے اور یہ میدان عمل میں برطانی ہند کے بہت بعد داخل ہوئی۔ مگر ہماری نظر میں یہ ”پستی“ نہیں۔ فطرت کی ایک خاص مہربانی تھی کہ حیدرآباد نے بیرونی تجارت میں ہندوستان کے اور شہروں اور صوبوں کی طرح تیز رفتاری نہیں کی۔

آج ہندوستان کی بیرونی تجارت کا حال ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ مصنوعات پر تقریباً تمام تر قبضہ ممالک یورپ اور امریکہ کا ہوگیا ہے۔ ہندوستان خام پیداوار پیدا کرنے والا ملک ہے۔ اس لئے بیرونی تجارت میں ہمیشہ یہ گھاٹے میں رہتا ہے اور تیار مصنوعات کے صلہ میں اپنی کثیر خام پیداوار دے دینے پر مجبور ہے۔ اس کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک میں صنعتی ترقی مفقود ہے صنعت کی پستی کی وجہ زراعت کی ترقی بھی محدود ہے زمین کی خام پیداوار میں اضافہ نہیں ہوا۔ ملک کے باشندوں کی آبادی بڑھتی جارہی ہے اور تھوڑی بہت صنعت و حرفت جو کچھ تھی وہ غیر ملکی مصنوعات کے مقابلہ میں فنا ہوگئی۔ ادھر آبادی بڑھتی جارہی ہے ادھر پیشے اور ذرائع آمدنی محدود ہیں اسلئے ملک میں ایک قحط سا برپا ہے۔ آئے دن بیروزگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور ملک کے لاکھوں افراد بجائے کسی قابل عزت محنت کرنیکے بھیک مانگنے اور سرزمین ہند کو ذلیل کرنے پر مجبور ہیں۔

اس پہلو کو دیکھکر کیا ہم حیدرآباد کو مبارک نہ سمجھیں کہ یہاں کی تجارت خارجہ نے اس سرعت سے ترقی نہیں کی؟ کچھ مضائقہ نہیں کہ حیدرآباد کی سڑکوں پر اتنی موٹریں نہیں دوڑتیں جتنی کہ کلکتہ بمبئی اور مدراس کی سڑکوں پر دوڑتی ہیں۔ کچھ مضائقہ نہیں کہ حیدرآباد کے شرفا ابھی تک اپنی قدیم وضع اور قدیم لباس ہی میں نظر آتے ہیں اور برطانی ہند کے دوسرے شہروں کی طرح مغربی لباس اور مغربی طرز زندگی انہوں نے نہیں اختیار کی ظاہری آنکھ کو برطانی ہند کے دوسرے شہروں کی ترقی یافتہ زندگی شاید اچھی معلوم ہو مگر اس ترقی نے ہندوستان کے لئے قومی خودکشی کا سامان فراہم کیا جس کے سبب قومی مدبروں کو سودیشی تحریک کو اٹھانے کی ضرورت پڑی۔

اب حیدرآباد کی بیرونی تجارت پہلے کی نسبت کئی گنا بڑھ گئی ہے مذکورہ بالا خیال کے بموجب اس میں شک نہیں کہ بیرونی تجارت کی یہ ترقی قومی بدقسمتی ہے۔ مگر ہمارا یہ مرض برطانی ہند کی طرح لاعلاج نہیں۔ کیوں کہ یہاں بیرونی اشیاء کی درآمد میں ابھی وہ شدت نہیں کہ روکنا مشکل ہو۔ اس بدنصیبی کو ہم روک سکتے ہیں بلکہ اسکی روک کو بدلکر اس سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔

اس پر نظر رکھکر ہمیں فوراً اپنے بندرگاہ کا خیال آتا ہے۔ موجودہ صورت میں ہم جو کچھ درآمد برآمد کرتے ہیں وہ برطانی ہند کے کسی بندرگاہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس خواہ مخواہ کے توسط کی وجہ ہمیں دہرا محصول ادا کرنا پڑتا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ ریاست حیدرآباد کے باشندے برطانی ہند کے باشندوں کی نسبت ہر چیز گراں خریدتے ہیں۔ پس کیا یہ انصاف ہے کہ ہندوستان ہی ایک قطعہ محض اسواسطے نقصان اٹھائے کہ وہاں کی حکومت قومی حکومت ہے؟

اقلیم ہندوستان میں ایسی بھی دیسی ریاستیں ہیں جنکا علاقہ ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے اور ان کے یہاں بیرونی تجارت کی اشیاء بالراست درآمد ہوتی ہیں۔ ہم نے حال ہی میں ایک ریاست کے متعلق شکایت سنی تھی کہ وہاں بیرونی تجارت کی درآمد ہونے کی وجہ برطانی ہند نے اس ریاست کے باہر کسی مال کے لیجانے پر محصول عائد کیا ہے۔

پس اس خصوص میں ہمارا پہلا مطالبہ بندرگاہ مچھلی بندر کے متعلق ہونا چاہئے کہ وہ ہمارے تفویض کر دیا جائے تاکہ ریاست اپنا خاص بندرگاہ بنائے اور وہ ہماری بیرونی تجارت کا بلاواسطہ ذریعہ ہو۔

حدود رزیڈنسی اس خصوص میں دوسری اہم چیز معین حدود ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے شہر حیدرآباد میں رزیڈنسی کا علاقہ اور رقبہ بہت کچھ تحقیقات کا محتاج ہے دیکھنا یہ ہے کہ رزیڈنسی نے جو رقبہ گھیر رکھا ہے اسکو یہ حق کب اور کس بنا پر ملا اور اگر کسی ضرورت کے لحاظ یہ رقبہ دیا بھی گیا تھا تو وہ حقیقت میں کتنا تھا کیا اس میں کسی قسم کی کمی بیشی تو نہیں ہوئی اسی طرح نہ صرف رزیڈنسی بلکہ بلارم ترملگیری کے طرف کے رقبہ جات بھی اسی سلسلہ میں معین ہوجانے چاہئیں اسی بنا پر ضلع عثمان آباد۔ محبوب نگر اور گلبرگہ وغیرہ میں سرحدی مواضعات کا بھی تصفیہ ہونا ضروری ہے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بعض قانونی پیچیدگیوں کی وجہ بعض مواضعات سرحدی صوبہ مدراس اور صوبہ بمبئی کے قبضے میں چلے گئے ہیں ہمیں امید ہے کہ کمیٹی کی آمد سے پہلے ہماری گورنمنٹ ایسے مواضعات کے متعلق مواد فراہم کرلے گی تاکہ بٹلر کمیٹی کی آمد پر معاملات طے کرنے میں آسانی ہو۔

(باقی آئندہ)

اسلام کی امن پسندی

از

الحاج لارڈ ہیڈلے الفاروق بہ القابہ

محکمہ سیاسیات نے از راہ کرم ہمیں لارڈ ہیڈلے کی تقریر کی ایک انگریزی کاپی عنایت فرمائی جسکا ترجمہ ہم قارئین نظام گزٹ کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں

مدیر

ہر شخص دنیا میں امن کی جستجو میں ہے۔ باوجود اس کے امن کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ ہر جگہ ایک قوم دوسری قوم کے خلاف، اور ایک ملک دوسرے ملک کے مقابلہ میں اٹھ رہا ہے۔ قوم، رنگ، ملک اور زبان کی عصبیت انسانی حیات کو تباہ و برباد کر رہی ہے۔ مادیت اور اس کے ساتھ ساتھ تنگدلی، حرص و ہوا، حسد، نفرت مختصر یہ کہ وہ تمام چیزیں جو انسانی دماغ کے لطیف پہلو کو تباہ و برباد کرتی ہیں دنیا کے ماحول کو تیرہ و تاریک بنا رہی ہیں۔ باوجود اپنی موجودہ کامیابیوں کے تہذیب، اگرچہ خدا کی رحمت ہے مگر ہمارے لئے ظلم و ستم کا آلہ اور ایک مضرت رساں چیز بن گئی ہے۔ اگرچہ خدائے تعالیٰ نے مذہب کو دنیا میں بنی نوع انسان کے الجھنے والے عناصر کو سلجھانے اور انھیں ایک جگہ متحد کرنے کے لئے دیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے وہی نفرت و تنافر کا منبع بن گیا ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب مقررہ طریقہ پر عبادت کرنا اور قربانیوں کیساتھ خدائے تعالیٰ سے امداد کیلئے دعا مانگنا، اور کسی طرح سے توبہ واستغفار کرنا ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مذہب بعض شخصیتوں کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان کے قومی پیشواؤں کی عام طور سے اطاعت کروانا ہے۔ اس لئے کہ وہ انھیں خدا کے ہاں انسان کو نجات دلانے کا اہم ترین ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے پیشواؤں کو نجات و کفارہ کا قایم مقام خیال کرتے ہیں۔

اگر مذہب کی یہی تعریف (خیال) ہے تو وہ (تمام عالم کا تذکرہ کیا ذکر) دو قوموں کو بھی متحد نہیں کر سکتا۔ چونکہ ان باتوں پر کوئی دو آدمی بھی متحد و متفق نہیں ہو سکتے۔ ہر قوم میں پیشوا ہوتے ہیں۔ مذہب اگر وہ خدا کی طرف سے ہو، تو اس کو معمولی قومی عصبیت سے اعلیٰ و ارفع ہونا چاہیئے۔ مذہب کو انسان کے عادات و خصائل میں دخل نہ دینا چاہیئے بشرطیکہ وہ عادات مذہب کے حقایق کے لئے مضرت رساں نہ ہوں یا ان کا اثر عام اخلاق پر برا نہ پڑے۔ مذہب ایسا ہونا چاہیئے کہ جو تمام مذاہب کے پیشواؤں کی تعظیم و تکریم کا خیال پیدا کرے اور دوسری قوموں کے بزرگوں کو برا بھلا کہنے سے باز رکھے۔ مذہب اپنے پیرووں میں فراخدلی پیدا کرے اور اس زندگی میں دوسروں کے اختلافات کو برداشت کرنے کی تعلیم دے۔ مذہب اپنے پیرووں میں ایسے اخلاق پیدا کر دے جس سے دوسرے مذہب کے پیرووں سے صلح و دوستی اور آپس میں اچھے تعلقات قائم رہ سکیں۔ مختصر یہ کہ مذہب صفائی قلب اور نیک اعمال کی تعلیم دے جو دوسرے لوگوں کو اس کے قبول کرنے کی دعوت کا باعث ہو۔ یہی وہ مذہب ہے جس کو میں نے قرآن پاک اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں پایا اسی مذہب کو اسلام کہتے ہیں۔ اسلام کے معنی صلح کے ہیں اور یہی مذہب دنیا میں صلح پیدا کرنے کے لئے آیا ہے۔ اسلام کی معنی خدائے پاک کے احکام کی اطاعت" اور بنی نوع انسان سے محبت و الفت کے ہیں۔ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت رسالت مآب فرماتے ہیں۔ "مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو مضرت نہ پہنچے"۔ اسلام میں خدا کی عبادت کرنا گویا تمام بنی نوع انسان کی خدمت کرنا ہے۔ خدا کی محبت ہر مذہب کا اہم موضوع ہے مگر بانی اسلام نے اس کے حقیقی اور نئے معنی بتائے۔ آنحضرت نے فرمایا "کیا تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو" "اس صورت میں اس کی مخلوق سے محبت کرو"۔

حضرت رسالت مآب نے انسان کی محبت

الحاج لارڈ ہیڈلے الفاروق بہ القابہ

کے دائرہ کو کسی قوم یا ملک ہی تک محدود رکھنے کے لئے نہیں
کہا بلکہ اس کو اس قدر وسعت دی کہ اس میں تمام بنی نوع انسان
شریک ہیں۔ "حب وطن" جس کا ادنیٰ مقصد یہ ہے کہ دوسری
قوموں کو نقصان پہنچا کر اپنی قوم ملت کو تقویت دی جائے
اس مفہوم سے حضرت رسول خدا بالکل ناآشنا تھے۔

آنحضرت کی تعلیم سارے عالم کے لئے تھی حضرت
رسالت مآب کا خاندان خدا کا خاندان تھا یعنی آپ کا خاندان
کل بنی نوع انسان کا خاندان تھا۔ اس لئے آنحضرت کی ہمدردی
کالے اور گورے سب کے لئے یکساں تھی۔ اگر آنحضرت نے دنیا
میں سب سے پہلے واحدانیت کی تلقین کی تو اس کے معنی یہ
نہیں ہیں کہ آنحضرت کا خدا دوسروں کے معبود سے حسد
کرتا ہے۔ بلکہ اس سے مقصد یہ تھا کہ دیوتاؤں کی کثرت
انسان کے ذہن میں جدائی، تنگدلی اور قومی غرور پیدا کر گئی۔
ابتدا ہی میں قرآن پاک میں خدائے پاک کا ذکر ہے جو خالق
اور تمام بنی نوع انسان کا رب ہے جسکی نظروں میں سب
انسان برابر ہیں۔ اسکا کرم ہر شخص پر بلا تفریق قومیت و رنگت
ہے۔ اسلام میں خدا کی واحدانیت کا یقین خصوصاً اسلئے
پیدا کیا گیا کہ تمام بنی نوع انسان میں مساوات پیدا ہو جائے
وہ دن حقیقت میں تمام بنی نوع انسان کے لئے مسرت و
شادمانی کا ہوگا جب کہ مسلمانوں کا اصول مساوات عام طور
پر قبول کر لیا جائے۔ یہ اصول تمام قومی، نسلی اور شخصی تعصبات
کی بیخ کنی کر دیگا۔ اسی مقصد کے مدنظر قرآن پاک نے نہایت
زور سے اعلان کیا ہے کہ کل بنی نوع انسان خدا کا ایک خاندان
ہے اگر ان معتقدات اور عقائد میں اختلاف انسان کے اصل مذہب
میں تحریف کرنے سے پیدا ہوا (یعنی اصل مذہب تو کچھ ہے مگر اس
کے پیروؤں نے اس کو نئے قالب میں ڈھال لیا۔ برخلاف
اس کے تمام دنیا کے مذاہب اسی خدائے پاک کے سرچشمہ سے
نکلے اور اسی حقیقت کو پیش کیا۔ ان پیشواؤں کو اسی خدا کی
طرف سے الہام ہوا اور انھوں نے اسی خدا کے سرچشمہ سے
شراب معرفت پی۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس کے ذریعہ سے دیگر
مذاہب کے پیغمبروں کے متعلق تمام قسم کے برے خیالات رفع
ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہر ایک مذہب
اسلام سے پہلے اپنی اصلیت میں مذہب اسلام ہی تھا یعنی
وہ مذہب جس میں خدا کے احکام کی اطاعت بندوں پر لازمی
تھی۔ اگر ان مذاہب کی حقیقی تعلیم میں انسانی تحریف کی وجہ
خرابی پیدا ہو گئی تو ہمیں اس امر کی اجازت نہیں کہ ان مذاہب
اور ان کے پیشواؤں کو برا بھلا کہیں۔

اگر میں اس موقع پر امن، پر قرآن پاک کے صفحات
سے ایک ادبی سبق آموز (آیت) امن کے متعلق بیان کروں تو
بیجا نہ ہوگا جس کی عہد حاضرہ خصوصاً ہندوستان میں سخت
ضرورت ہے۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ ہر ایک مذہب کا
اصلی سرچشمہ خدائے پاک ہے تو اس صورت میں ان کی عبادت
گاہیں ہر شخص کے نزدیک مساوی طور پر قابل تعظیم ہو جائیں گی۔
اور ان مذاہب کے پیروؤں کو جب وہ عبادت میں مشغول
ہوں تکلیف نہ دی جائے۔ اگر چہ ان کا طریقہ عبادت مختلف

کیوں نہ ہو قرآن پاک صریحی ہدایت کرتا ہے کہ مسلمان دوسروں کی
عبادت گاہوں کی نگہداشت کریں، مسلم قرآن پاک کی تعلیم کے
لحاظ سے خدائے پاک کی فوج کا ایک سپاہی ہے جس کا فرض
مٹھ، معابد، کلیسا، مساجد اور ہر ایک عبادت گاہ کی حفاظت ہے
رسول مقبول صلعم نے مسلمانوں کو دوسرے لوگوں کی عبادت میں
مخل ہونے سے منع کیا ہے جس کا (ثبوت) ہمیں ان مراعات سے
ملتا ہے جو آنحضرت نے نجران کے عیسائیوں کو دئے تھے۔
خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا
تھا کہ وہ کسی غیر مسلم کی عبادت میں مخل نہ ہوں اور ان کی عبادت
گاہوں کے سامنے بغیر کسی قصد شور و غل کے گذر جائیں۔ مسلمانوں کو
یہ بھی ہدایت دی گئی تھی کہ وہ دوسرے مذاہب کے معابد کے ذرائع
آمدنی کو نہ لوٹیں۔ برخلاف اسکے انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس قسم
کی عبادت گاہوں کو قائم رکھنے کے ذرائع مہیا کریں۔ قرون
اول کے مسلمانوں نے ان فرامین کی تعمیل نہایت اطاعت کے
ساتھ کی اور میں نہایت مسرت و فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ (ہم)
وہی بات اعلیحضرت حضور نظام کے عہد (ہمایونی) میں پاتے ہیں

حاضرین! میں یہاں آپ سے ایک سوال
کرتا ہوں۔ آپ کا تعلق خواہ کسی مذہب سے ہو اور آپ خواہ کسی عقیدہ
کے پیرو ہوں اگر آپ خدا کی واحدانیت کا یقین اسلامی معنوں
میں رکھتے ہوں۔ اگر آپ انسانی مساوات کو قرآن پاک کے
احکام کے موافق مانتے ہوں، اگر آپ دوسرے مذاہب کے
پیشواؤں اور ان کی عبادت گاہوں کی تعظیم و تکریم کرتے ہوں
تو ایسی صورت میں کیا ہندوستان یا کسی اور مقام پر انجمن اتحاد
کی ضرورت لاحق ہوگی؟

مختلف مذاہب جو آج کل دنیا میں رائج ہیں
اور ان کا جو میں ناچیز مطالعہ رہا ہے اس بنا پر میں کہہ سکتا ہوں
کہ اسلام اور صرف اسلام ان باتوں میں تعجب خیز کام کر سکتا ہے
وہ مذہب اسلام ہی ہے جو مختلف مذاہب و فرقوں اور پیروؤں
میں باہمی مصالحت اور ہمدردی کا درمیانی واسطہ بن سکتا ہے
اور اسی سے وہ برے میلانات جو انسان کو دوسرے مذاہب کے
ساتھ بدسلوکی کرنے پر آمادہ کرتے ہیں رفع ہو جاتے ہیں۔ دلوں
کے تغیر سے تعصب رک سکتا ہے یہی بہتر ہوگا کہ قرآن پاک کے
احکامات پر تمام لوگ زیادہ عمل کریں۔ بہر کیف کسی مذہب کی اشاعت
(کا مقصد) اس کے اصول کی اشاعت اور دوسرے لوگوں کا
اس کو قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہونا ہے اگر مجھے "تبلیغ اسلام" سے
دلچسپی ہے تو وہ اس لئے ہے کہ میں اسلام کے اصول کی اشاعت
سے انسانی زندگی میں امن پسندی کی اشاعت اور بہبود اجتماعی
کی ترقی سمجھتا ہوں۔ اسلام کا اہم مقصد ہر پہلو سے
امن کی حفاظت ہے۔ مگر اس وقت میں نے زیادہ تر اسی پہلو پر بحث
کی ہے جس کی عہد حاضرہ میں مذہبی تعصب اور قومی منافرت
کے انسداد کی سخت ضرورت ہے۔

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اسلام تہذیب و تمدن کی
ترقی کا دنیا میں سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اگر حقیقی
معنوں میں انسانی ترقی کا دارومدار اسی میں ہے کہ جو قوت انسان
کو دی گئی ہے اس کو معلوم کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جائے

اور فطرت کی قوتوں کو قابو میں لا کر اس سے انسانی خدمت کا کام
لیا جائے تو اس صورت میں میں بلا خوف و خطر کہہ سکتا ہوں کہ اسلام
ہی یہ پیغام بنی نوع انسان کے لئے لیکر آیا تھا۔ اسلام کے
پہلے مذہب کے معنی۔ عبادت، نذر، قربانی، توبہ و استغفار
چند اخلاقیات اور روحانیت کے اسباق سے زیادہ کچھ نہ
ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے خدا کی عبادت مختلف
صورتوں میں کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام
نے اس کو انسان کی انتہائی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔
کلام مقدس میں ابتدا ہی میں آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے پاس سے
وحی نازل ہوئی ہے کہ انسان اپنی پوشیدہ قابلیتوں کو معلوم
کرے اور ان میں جو بہترین چیزیں ہیں ان کو ظاہر کرے اور یہ
بھی آیا ہے کہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے اور بہ حیثیت نائب
وہ فطرت کی تمام قوتوں کا حکمران ہے۔ قرآن پاک نے مختلف
طریقوں سے کئی ایک جگہ ان ذرائع کے متعلق زور دیا ہے۔
جن سے ہمیں وہ عظیم الشان مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ اس زمانہ
میں جب کہ اسلام کا ظہور ہوا۔ فطرت کو انسان کی خدمت کے
لئے قابو میں لانا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اس وقت بنی نوع انسان
کا کثیر حصہ فطری چیزوں (عناصر) کی پرستش کرتا تھا۔ اس لئے
ان (معبودوں) کو جن کی مدتوں پرستش کی گئی تھی (انسان کا)
خادم سمجھنا گویا ان کو ذلیل کرنا تھا۔ مگر قرآن پاک نے یہ
خوشخبری دی کہ جو کچھ زمین و آسمان پر ہے، سورج چاند تارے
ستارے ابر، دریا، درخت وغیرہ سب کے سب بنی نوع انسان
کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے۔ اور ایک جگہ قرآن پاک نے
اعلان کیا ہے کہ **کائنات کی کوئی چیز بیکار نہیں ہے بلکہ وہ سب انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں**۔ مگر اس عظیم الشان مقصد کو حاصل کرنے کے لئے علم کی
اشاعت اور علمی تحقیقات جو اس زمانہ میں مفقود تھی، حوصلہ افزائی
کی ضرورت تھی اس لئے قرآن پاک نے فطرت کی تمام چیزوں کو
بنی نوع انسان کے فائدہ کی (نیت سے) دریافت کرنے کو
افعال حسنہ میں شمار کیا۔ رسول مقبول صلعم کے متعلق روایت
ہے کہ آپ نے دعا کی تھی کہ "اے میرے خدا مجھے ماہیت اشیاء
سے واقف کر"۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں کسی قدر علم تھا مگر
وہ ایک مخصوص گروہ کا اجارہ بن گیا تھا۔ مغرب میں یہ علم
کلیسا کی لعنت و ملامت کا نشانہ بنا رہا اور قدیم علوم کے خزانے
پادریوں کے پرانے کاغذوں میں بیکار پڑے رہے۔ ذہنی تربیت
کی مغرب میں ہر وہ عظیم الشان ترقی پادریوں کی انتہائی
مخالفت کا باعث رہی۔ انسانی دماغ ہر جگہ کلیتہً تاریکی میں رہا اور
اس کی اعلیٰ قابلیتیں منتشر ہو گئیں مگر اسلام اس کو نجات دلانے
کے لئے آیا۔ آنحضرت کو پہلی دفعہ غار حرا میں الہام ہوا کہ
پروردگار عالم کا منشا بنی نوع انسان کو عزت و عظمت دینے
کا ہے اور وہ لکھنے پڑھنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور وہ
انسان کو ایسی چیزیں سکھائے گا جن سے وہ ناواقف ہیں
کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آنحضرت جو خود لکھنا پڑھنا نہیں
جانتے تھے علم اور حصول علوم کا پیام بھی عہد حاضرہ کے علوم
و فنون کو دنیا میں لانے کا باعث ہوئے۔ جو جہل کی تاریکی

میں پڑے ہوئے تھے حضرت رسول مقبول صلعم نے جو خود امی تھے، دنیا میں اس کا اعلان فرمایا کہ **انسان کی عظمت کا انحصار نوشت و خواند کو ترقی دینے اور علم کی اشاعت میں ہے**۔ آنحضرت سے پہلے کسی پیغمبر نے علم پا اتنا زور نہیں دیا تھا مگر **حضور نے ہر مسلم پر علم حاصل کرنے کو لازمی قرار دیا ہے** آنحضرت کی نظر میں **عالم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ قابل قدر ہے**۔

رسالتمآب نے فرمایا کہ شب بھر بنی نوع انسان کے فائدہ کا خیال کرنا کئی راتوں کی نماز اور عبادت سے بہتر ہے۔ (مگر (مدت تک) انسان اپنی نا اہلیت کی وجہ محنت شاقہ اٹھاتا رہا۔ اس کی مستعدی اور سرگرمی کو باطل خیالات اور غلط عقائد نے روک دیا تھا۔ اگر دنیا کا ایک خطہ یہ خیال کرتا تھا کہ انسان فطرتاً گنہگار پیدا ہوا ہے اور اس میں کسی قانون کی اطاعت کی قابلیت نہیں ہے اسلئے وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا۔ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ دنیا میں انسان کے لئے بجز رنج و الم کے کچھ اور نہیں اور اس کی نجات اپنے آپ نیست و نابود کرنے میں ہے۔ میں ان عقیدوں کی مذمت میں ایک لفظ بھی کہنا نہیں چاہتا۔ مگر میرا یہ عقیدہ ہے کہ اس قسم کی الٰہیات یا فلسفہ انسانی ترقی میں ممد و معاون نہیں ہو سکتا ظہور اسلام کے صدیوں قبل بنی نوع انسان جس جمود کی حالت میں تھے وہ میرے اس عقیدہ کو مستحکم کرتے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ لوگوں کو مراحل زندگی طے کرنے میں اپنی مستعدی و سرگرمی پر بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ خود اعتمادی اور یہ اطمینان کہ ہم اپنی محنتوں کا ثمرہ آپ پائیں گے، شک و شبہ میں تھا۔ ان کے نقطہ نظر سے دولت و ثروت انسان کو قسمت کی قرعہ اندازی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی تھی (جس طرح لاٹری میں کسی شخص کو انعام محض اتفاق سے مل جاتا ہے۔) نیکی اور بدی اکتسابی نہ تھی بلکہ فطری۔ انسان اپنی قسمت اور زندگی کا بنانے والا سمجھا نہ جاتا تھا۔ بلکہ قسمت و مقدر کے ہاتھوں میں کھلونا تھا۔ انسانی جدوجہد کو مفلوج کرنے میں اس سے زیادہ اس اصول کا اثر تھا کہ نجات کے لئے عمل نہیں بلکہ حسن عقیدہ اور صرف حسن عقیدہ کافی تھا۔

حضرات! کیا یہ ممکن ہے کہ ان عقائد خیالات اور اس فلسفہ اور الٰہیات کے رہتے ہوئے کوئی ترقی ہو سکتی ہے؟

(اس صورت میں) اپنے آپ کو مشغول رکھنے کے لئے کوئی وجہ تحریک نہ تھی اور نہ ہی کام کرنے کے لئے کوئی ترغیب۔ میری رائے میں اگر مذہب خدا تعالٰے کے پاس سے کائنات میں نازل ہوا ہو۔ جہاں انسان کے فائدہ کے لئے ہر قسم کی نعمتیں ہیں تو اس حالت میں اس کا اولین فرض یہ تھا۔ کہ وہ اس زمانہ میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں ان تمام خیالات کی تکذیب و تردید کرتا جس سے انسانی ترقی رک گئی تھی کیا خدائے تعالٰے بھجنوں کے گانے اور مختلف طریقوں سے عبادت کرنے سے خوش ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ تمام چیزیں جنھیں خدا سے تعالٰے نے نسل انسانی کے فائدہ کے لئے پیدا کیں ناکارہ پڑی ہیں۔ میری ناقص رائے میں مجھ ناچیز کی دانست میں حقیقی مذہب وہ ہے جو انسان کو نوابیدہ حالت سے جگائے اور اس کے کام کرنے کے قویٰ کو تقویت پہنچاوے تاکہ وہ اس زندگی کی دوڑ میں مستعد سرگرم رفتار ہو کر خدا کے تحفوں اور اس کی نعمتوں کی حمد و ثنا کرنے کے قابل بن سکے اور ان کا استعمال بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے کر سکے۔ یہی وہ مذہب ہے جو قرآن پاک کے ذریعہ نازل ہوا۔

یہ ایک علمی حقیقت ہے کہ کل کائنات تمام و کمال قانون (فطرت) کے تحت ہے۔ اس کو انسان کی خدمت کے لئے کارآمد بنانے کا راز اس میں مضمر ہے کہ انسان اس کا علم حاصل کرے یعنی فطرت کے قوانین سے آگاہ ہو۔ کیا ہمارا مختلف قوانین فطرت کا علم سودمند ہو سکتا ہے اگر ہم کئی ایک معبودوں کے وجود کے معتقد ہوں جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ کہ اس صورت میں ایک معبود کا قانون دوسرے معبود کی مرضی کے خلاف ہوگا اور وہ اس کے برعکس عمل کرے گا۔ یونان اور ہند کے مذاہب جن میں کل کائنات کی چیزوں کو دیوتا مانتے تھے۔ ان کے اساطیر میں ایک دیوتا دوسرے دیوتا سے برسر پیکار نظر آتا ہے اگر ہم مختلف معبودوں کے تصور کو مان لیں تو اس صورت میں مختلف دیوتاؤں کی مختلف راؤں کے باعث کائنات میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ نہ کہ باقاعدگی۔ اور علمی دنیا میں ہماری تفتیش (علمی) بیکار جائیگی جب دنیا کے ماحول کا یہ عالم تھا (جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ اسلام نسل انسانی کی اصلاح کے لئے نازل ہوا اور اس کے ذہن میں جو غلط خیالات اور باطل عقائد جاگزین ہو گئے تھے۔ ان کے اثر کو زائل کرنا شروع کیا اسلام نے اعلان کیا کہ کل کائنات قانون (فطرت) کی حکومت کے تحت ہے اور اس قانون کا ماخذ سوائے خالق کے اور کوئی ہستی نہیں اور یہ بھی اعلان کیا کہ کائنات کی بادشاہت کئی معبودوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے جس کے قوانین اور طرز حکومت میں کسی قسم کی تبدیلی ناممکن ہے اسلام کے لفظی معنی خالق کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور بے چون و چرا اس کے قانون کی اطاعت کرنا ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس سے نسل انسانی کو خوشی و مسرت نصیب ہوگی۔ خدا تعالٰے کے قوانین وہی ہیں جنھیں علمی اصطلاح میں قوانین فطرت کہتے ہیں۔ یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ انسان فطرتاً گنہگار نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ وہ مسلم ہی پیدا ہوتا ہے یعنے اس میں قانون کی اطاعت کی قابلیت رہتی ہے۔ خواہ وہ مسلم خاندان میں پیدا ہوا ہو۔ یا غیر مسلم گھرانے میں (کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام الخ) اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خدا تعالٰے نے انسان کو بہترین شکل میں پیدا کیا ہے (خلق الانسان فی احسن تقویم) اور اس میں شک نہیں کہ حیرت انگیز قابلیتیں دی ہیں۔ اس کی ترقی کی دنیا کی کوئی حد نہیں۔ اس کو میں عقلی عنصر بھی ہے لیکن اگر وہ خدا کے احکام کی پابندی کرے اور اصول حسنہ پر عمل کرے تو اس کو اپنے اعمال کا پورا پورا ثمرہ ملیگا۔ کیونکہ خدائے تعالٰی کے پاس کوئی عمل بغیر صلہ پائے نہیں رہ سکتا غلط عقیدہ کی بیخ کنی کرنے کے لئے جیسا کہ منتخب گروہ کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہی صرف خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور صرف انہیں ہی نجات ملسکتی ہے)۔ یہ اعلان کیا گیا کہ تمام بنی آدم کے ارکان ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ ایک شخص نے جو کام کیا یہی کام دوسرا شخص بھی کر سکتا ہے۔ اس طرح قومیت رنگ اور نسل کی سدراہیں مٹادی گئیں۔ شرافت و بزرگی کی کسوٹی اعمال حسنہ و زہد و تقویٰ قرار پائی نہایت صاف صاف الفاظ میں اس کی تلقین کی گئی کہ وہ اعمال جو حسن نیت پر مبنی ہوں خدائے تعالٰے کی نظروں میں بہت کچھ وقعت رکھتے ہیں۔ محض عقیدہ ہی عقیدہ کسی مصرف کا نہیں جب تک کہ اس پر عمل نہ ہو اور واضح سے واضح الفاظ میں اس کی تعلیم دی گئی کہ خدا سے سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ نیکی کا سر چشمہ خدا ہی ہے۔ شر انسان ہی کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور یہ اس کے غلط اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ نہ تو خیر اور نہ شر خدا نے انسان کی قسمت میں لکھا ہے بلکہ وہ خود اپنی قسمتوں کا بنانے والا اور خود اپنی زندگی کا معمار ہے۔ خیر و شر، خوش نصیبی اور بدبختی سب انسان ہی کی اکتسابی چیزیں ہیں۔ اور اس سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ نیکی اور بدی کا قرارداد قبل از قبل نہیں کی گئی ہے بلکہ خدائے تعالٰی نے اندازہ کے لئے ایک پیمانہ بنایا ہے۔ جس کا علم قرآن پاک سے بنی آدم کو اپنی علمی تحقیق و تدقیق کے ذریعہ حاصل کرکے اسی پر اپنے کردار کو ڈھالنا ہوگا۔ انسان کو سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے متنبہ کیا گیا کہ اس کے جملہ اعمال اور مقاصد خواہ ظاہری یا باطنی سب کا علم اللہ کو ہے اور اسی پاک ہستی کے سامنے اس کو اپنے اقوال و افعال کا حساب دینا ہوگا۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہوں گے تو خدائے تعالٰی اس کو اس کا صلہ دیگا اور اگر بُرے ہوں تو اسکو اسکی سزا بھگتنی پڑے گی۔ خفیف سے خفیف نیکی یا چھوٹی سے چھوٹی بدی سزا یا جزا کے بغیر نہیں رہ سکے گی آزادانہ رائے اور جرات پسند افعال محاسن عظیم بھی قرار دئے گئے۔ **حسب ارشاد قرآنی وہ شخص جس میں یہ صفات نہ ہوں اس کی مثال اس جانور کی سی ہے جس کی ناک میں نکیل ڈالکر ہر شخص جہاں کہیں جاہے لیجا سکتا ہے اور حکم ہوا کہ انسان اپنی عقل سے کام لے اور زندگی کے ہر شعبہ میں جب تک کوئی بات تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی پر ٹھیک ٹھیک نہ اترے اسکو قبول نہ کرے**۔ ہمیں یہ بھی ہدایت دی گئی ہے کہ فطرت کی کارفرمائی اور اس کی توضیح و تشریح کا ہمیشہ مشاہدہ کرتے رہیں اس کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کرکے اقوام گذشتہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور اس سے وہ سبق حاصل کریں جو ہماری زندگی کو منظم بنانے کے لئے رہنما کا کام دے۔ ایک

طرف تو عبادت اور قربانیوں کے غلط تصور نے اور دوسری جانب کفارہ کے عقیدے نے بنی آدم کے جوش عمل کو افسردہ اور اس کے احساس ذمہ داری کو کمزور کر دیا تھا اس لئے اسلام نے اعلان کیا کہ عبادت بغیر سعی حسنہ کے بے سود ہے جس چیز کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو اس کے لئے انتہا درجہ کی سعی اور پھر اللہ سے امداد کے لئے دعا کرو۔ اس کا بھی یقین دلا دیا گیا ہے کہ اگر ہم خدا کی جانب ایک قدم اٹھائینگے تو وہ ہمارے پاس دوڑتا ہوا آئے گا مگر ہمیشہ جنبش ہمارے جانب سے ہونی چاہیئے۔ خدا کی طرف جانے سے مقصد صرف عبادت گاہ ہی تک جانا نہیں بلکہ اللہ کے ان تمام آئین و قوانین کی فرمانبرداری کرنا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ نماز کامیابی کا ایک ذریعہ ہے لیکن قرآن نے اعلان کیا کہ اس شخص کی نماز جو خدا کی نعمتوں کا منکر ہو مستجاب نہ ہوگی۔ اللہ اس قوم کی حالت اسی وقت تک نہیں بدلے گا جب تک وہ خود اپنی حالت کو درست کرنے کی سعی نہ کرے (إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ) وہ صرف انہیں لوگوں کی مدد کرےگا۔ جو خود اپنی آپ مدد کرتے ہیں نفس کشی اور ہر قسم کے رہبانی خیالات متروک قرار دئیے گئے جن لوگوں کا خیال تھا کہ روحانیت کی ترقی علایق دنیاوی کو ترک کر کے جنگل و بیابان میں زندگی بسر کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے ان سے کہدیا گیا کہ خدائے پاک کا نور صرف ان ہی لوگوں کے مکانوں میں دکھائی دیتا ہے۔ جہاں خدا کی یاد ہوتی ہے جسمانی اخلاقی اور روحانی تزکیہ کے ہر اصول کی پابندی کی جاتی ہے انسان مدنی زندگی بسر کرتے ہوئے انتہائے روحانیت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ صرف خدا اور بنی نوع انسان کے ساتھ سچا رہے۔ اپنے خالق اور ہمسایہ کا خادم بنے اس میں کچھ شک نہیں کہ قربانیاں جائز رکھی گئی ہیں مگر ان کی صورت یہاں بدل دی گئی اعلان کیا گیا کہ جانور کا خون اور گوشت اس کو نہیں پہنچتا بلکہ صرف انسان کی "حسن نیت" خدا تک پہنچتی ہے اور خدا کی راہ میں جانوروں کی قربانی ایثار نفس کا سبق سکھاتی ہے۔ اس لئے قربانی کے گوشت کو مذبح الہٰی پر جلانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اس کو غریبوں، محتاجوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دینے کا حکم ہوا۔ نجات کفارہ وغیرہ کے متعلق قرآن پاک نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھا[ئیگا] ہر شخص کو اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا اور جو بوئیگا اس کا ثمرہ پائیگا۔

اسی ضمن میں اور ایک چیز کا ذکر کروں گا جو اس زمانہ میں خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو مذہب کی جانب مائل تھے، بڑی مصیبت و تکلیف کا باعث تھی۔ دولت حاصل کرنا اور آرام کی زندگی بسر کرنا اس زمانہ میں ایک خدا پرست انسان کے شایان شان نہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ بعض لوگوں کے ہاں دولت بمنزلہ بدبختی تھی۔ اور یہاں مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کے خیالات انسانی زندگی کو سرسبز و شاداب کرنے کے منافی تھے۔ اس کے متعلق ارشاد قرآنی ہوا ہے کہ کسی شخص کو اختیار نہیں کہ وہ خالق کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو جو اس نے بنی آدم کی آرائش و آسائش کے لئے پیدا کی ہیں۔ ان کا استعمال ناجائز ٹھیرائے۔

پھر حکم قرآنی ہوتا ہے کہ خدا نے زمین اور سمندروں کی تہ میں انسان کی زینت کے لئے خزانے رکھے ہیں۔ اس طرح انسان کو کان کنی اور جہاز رانی کی ترغیب دی گئی۔ تاہم دنیا کا نکبت و افلاس سے خالی ہونا ممکن نہیں۔ کسی کے جسمانی قوی اچھے نہیں ہوتے اور کوئی شخص کسی نہ کسی طرح بدقسمتی میں مبتلا رہتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو تسلی کرنے اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمت دلانے کی ضرورت تھی اس لئے یہ اعلان کیا گیا کہ غربت کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ انبیا کو بھی اس کا فخر رہا ہے۔

میں ان چند مجبوریوں کو بیان کر رہا تھا جن کی وجہ بنی آدم کے متعدد فرقے تکلیف برداشت کر رہے تھے اس طرح وہ انسانی ترقی میں حصہ لینے سے محروم تھے خاص طور پر ان میں غلام اور عورتیں تھیں۔

حضرت رسالتمآب جب اس دنیا میں تشریف لائے اس وقت عورتوں کا درجہ انتہائی ذلت و خواری میں تھا۔ اسلام ان کی مدد کو آیا اور ان کی قدر و منزلت کو مناسب حد تک بلند کیا۔ وہ اب ہنڈی تھالی برتن نہیں رہی جس شخص نے چاہا بدل لیا اور نہ وہ گھر میں کنیز تھی بلکہ ارشاد قرآنی ہوا کہ اس پر جس قسم کے حقوق ہیں وہی حقوق خود اس کے ہیں۔ اعلان کیا گیا کہ اخلاق اور روحانیت کے لحاظ سے جو قابلیتیں مرد میں ہیں وہی قابلیتیں عورت میں بھی مساوی ہیں۔ عورت بھی مرد کے کامل روح رکھتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ صنف نازک سے تعلق رکھتی ہے چونکہ اس کی پرورش کی ذمہ داری مرد کے سپرد ہے اس لئے مرد کو اس پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے مگر عورتوں کی فضیلتوں کا دائرہ بھی کسی طرح مرد سے کم نہیں ہے۔

اس طرح ہر ایک جنس کے حدود ہیں جس میں ہر ایک مرد کو اپنے افعال حسنہ کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ میں کسی تضاد کے خوف و خطر کے بغیر ایک نقطہ میں کہہ سکتا ہوں جو کچھ عہد حاضرہ میں صنف نازک کے مرتبہ و منزلت کو بڑھانے کے لئے کیا گیا ہے وہ صرف اس کا عکس ہے جو اسلام نے (صدیوں) پہلے کیا تھا۔ اب رہی غلامی آئندہ کے لئے یہ طریقہ بھی بالکل مسدود کر دیا گیا۔ صرف وہ لوگ جو جنگ میں گرفتار ہوتے تھے وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے یہ صورت اس لئے باقی رکھی گئی تھی کہ جنگ کے انسداد کی اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی ان سیاسی قیدیوں کی قدر و منزلت کرنے کا حکم تھا۔ اس طرح ان کی زندگی پہلے سے بھی زیادہ خوش گوار ہو جاتی تھی اور وہ لوگ جو قدیم رسم کے لحاظ سے غلام بنا لئے گئے تھے۔ ان کی آزادی کے لئے آنحضرت نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا حکم ہوا کہ ان کا آزاد کرنا ثواب عظیم ہے اور گذشتہ گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا۔ ان کی آزادی کے لئے چندہ جمع کیا گیا اور اس کام میں بیت المال کی رقم صرف کی گئی۔ اس طرح آنحضرت نے اپنی زندگی ہی میں دیکھا کہ غلامی کی قدیم رسم قریب قریب مسدود ہو چکی تھی۔

طہارت اس زمانہ میں جب مغرب میں جسمانی طہارت گناہ تصور کی جاتی تھی ارشاد ہوا کہ طہارت اللہ کو محبوب ہے جسمانی ترقی کے لئے ہر قسم کی کوشش کی گئی جس میں مردانہ کھیل بھی داخل ہیں۔

بارگاہ ایزدی کے بھیجے ہوئے حیرت انگیز پیام کا اثر ایسا ہی ہوا جیسا کہ ایران خشک زمین پر باران رحمت کے قطروں سے ہوتا ہے۔ اس نے عرب کو دماغی جمود سے بیدار کر دیا جس کی وجہ حقیقت میں ہر طرف انسانی جدوجہد کا چراغ گل ہو رہا تھا خصوصاً عرب تو بری طرح صدیوں تک اس بلا کا شکار رہے۔ آنحضرتؐ کے ارشاد "علم کی جستجو میں چلے جاؤ اگر وہ ملک چین ہی میں کیوں نہ ہو" عربوں کے سفر و سیاحت کے جوش کو اور بھی بڑھا دیا اگرچہ وہ پہلے ہی سے بڑے سیاح تھے۔

تحصیل علم کے لئے وہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ انہوں نے یونانی علم کے خزانوں کو جو عیسائیوں کی خانقاہوں میں پوشیدہ پڑے ہوئے تھے دریافت کیا قسطنطنیہ کی فتح سے احیائے علوم ہوا۔ ملک ملک کے علما اسلامی پائے تخت میں بلائے گئے۔ مدرسے کھلے اور تجربہ گاہیں قائم کی گئیں۔ جہاں طلبہ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے ان کی تعلیم، طعام، قیام وغیرہ سب کا انتظام مفت کیا جاتا تھا۔ اس کے نتائج حیرت انگیز ہوئے نہ صرف اس سے عہد حاضرہ کے علوم و فنون کی بنا پڑتی ہے بلکہ عربوں نے کئی ایک جدید علوم و فنون کا انکشاف کیا جو اس زمانہ کی ذہنی تربیت و ترقی کا سنگ بنیاد ہے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی جائے تو اس پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں اور اس کے متعلق اسلامک ریویو کے صفحات میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر میں یہاں یہ ضرور کہوں گا کہ ہمارے موجودہ علوم کا اکثر و بیشتر حصہ عربوں کی جدت اور تحقیق و تدقیق کا مرہون منت ہے۔

مختلف صنعت و حرفت کے کئی شعبوں نے ان کے ہاتھوں کمال کا درجہ پایا۔ عجائب خانوں میں ہمیں عربوں کی صنعت و حرفت کی بعض چیزیں نظر آتی ہیں جو ہمیں استعجاب میں ڈال دیتی ہیں۔ اور ہم سے خراج تحسین لئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اس طرح اسلام نے تمدن کے پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا۔

حضرات! کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ ان اعداد و شمار پر غور فرمائیں جن کا خصوصاً عہد حاضرہ کی دماغی تربیت اور ترقی میں بڑا حصہ ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ بمشکل کوئی ایسی چیز پائینگے جو قرآن پاک کی تعلیم و تدریس کے دائرہ سے باہر ہو جس کی میں نے یہاں نہایت مختلف تکمیل و تشریح کی ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام ایک نہایت ہی سادہ، جامع اور قابل عمل مذہب پیش کرتا ہے۔ خدا کی عبادت اور بندوں کی خدمت اس کی روح ہے۔ پس اسلامی الہیات نہ تو غیر مدلل ادعاوں پر مبنی ہے۔ اور نہ وہ بعید الفہم مابعد الطبعیات چیستانوں کا مجموعہ ہے۔ اسلامی الہیات گویا اساطیر

داستانوں اور پہیلیوں کی بھول بھلیوں سے نکال کر اسکو
عملی اصول پر قائم کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایسے
خدا کا تصور پیش کرتا ہے جس کی ماہیت حواس خمسہ کے
ذریعہ نہیں ہو سکتی (بلکہ اس کی ہستی اس سے ارفع و اعلیٰ ہے)
مگر وہ اکثر ایسے صفات "الٰہی" بیان کرتا ہے جس کی پیروی
کرنے سے انسان کی پوشیدہ خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اس
کے بڑے میلانات تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے انسان
کو حیوان سے بھی بدتر پایا مگر اس کا مرتبہ اسقدر بلند کیا جہاں
فرشتے بھی اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اب مغربی دماغوں نے
اس کو محسوس کیا ہے۔ کہ اخلاقیات اور علم اخلاق بہتر سے
بہتر صورت میں "صفات الٰہی" ہیں مگر اسلام نے (صدیوں
پہلے اس سبق کو نہایت عملی طور پر سکھایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا
کہ اپنے آپ کو صفات الٰہی میں جذب کر لو" اس موقع پر میں یہی
کہوں گا کہ اسلام نفس کشی کی تائید نہیں کرتا بلکہ اسلام نفس
کو اصول و قوانین کا پابند بنا کر اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیتا
ہے۔ اسلامی تعلیم انسانی تمنا کو مناسب صورت میں پورا
کرتی ہے۔ اسلام الوہیت الٰہی کے تحت (سارے) عالم
میں اخوت عامہ پیدا کرنے کے لئے آیا ہے۔ اسلام نے اعلان
کیا کہ بنی آدم کا ایک ہی خاندان ہے

(بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند)

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ قومیت، رنگت
کے امتیازات سے انسانی برادرانہ تعلقات پر برا اثر پڑے
اسلام نے نسل انسانی کی محبت کو ہمارے ایمان کا جزو اعظم
قرار دیا ہے۔ خیرات کو اسلام نے اپنے گھر کی چار دیواری تک
محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اس کا دائرہ یہاں تک وسیع کیا کہ اس
سے ایسے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں جن کا اس میں کوئی حق
نہیں۔ اسلام انسان کو ان تمام نعمتوں کا امین بناتا ہے
جو خدائے تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہیں۔ اور وہ اس حیثیت
سے بھی امین ہے کہ اس کے مال میں سارے جہان کے لوگوں کا
کتنا حصہ ہے۔ سچا مسلم وہی ہے جو سارا مال و دولت اور
قوت کو خدا کی راہ میں صرف کر دے۔ اور آنحضرتؐ کے الفاظ
میں خدا کی طاعت گویا بندہ کی خدمت ہے اسلام کو امن سے محبت و الفت ہے اور وہ تمام قسم کی بدنظمی کو ناپسند کرتا ہے۔ اگر کسی طرح انسانی عزت و منزلت میں
اضافہ ہوتا ہے اور اس سے انسان کی فلاح و بہبود مقصود
ہو تو اسلام اس کو عزت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ وہ ہر قسم
کی بغاوت و سرکشی، فتنہ و فساد کی ممانعت کرتا ہے اور قانون
کی سختی سے اطاعت اور حکومت کی وفاداری کی ہدایت کرتا ہے
اسلام انسان کو بامروت اور منکسر المزاج رہنے کی ہدایت کرتا
ہے۔ اور شیریں کلامی کی سفارش کرتا ہے۔ اسلام تمام مخفی
مجالس یا سازشوں کو جو دوسروں کو نقصان پہونچانے کیلئے
کی جاتی ہیں نفرت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ علم دانش
و نصفت کو اسلام انسانی اعمال کی **میزان** قرار دیتا ہے

ارشاد قرآنی ہے کہ عدل و انصاف پر قائم رہو اور اپنے مخاصمانہ
تعلقات کی وجہ دوسروں کے ساتھ بے انصافی نہ کرو۔ اسلام
نے جہالت کو جو تمام شر و فساد کی جڑ ہے برا ٹھیراتا ہے اور تحصیل علم کو فرض دینی قرار دیتا ہے۔ وہ
ہمیں کائنات میں علمی تحقیقات کرنے اور فطرت کی ہر ایک چیز کے
استعمال کو دریافت کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام نے نوشت
و خواند کی (پر زور) تائید کی اور وہ اسلام ہی ہے جس نے سب
سے پہلے علم کو خانقاہوں اور کلیساؤں سے نکال کر تمام بنی آدم
کو بڑا فائدہ پہونچایا۔ اس طرح اسلام دنیا میں علم کی شاعیں
پھیلانے کا بہت بڑا ذریعہ بنا۔ اسلام انسان کی فطری شرافت
اور اس کی اعلیٰ قابلیتوں کا ذکر کرتا ہے۔ اسلام گناہ اور شر
و فساد کو انسان کی فطری، مقدری چیز نہیں بیان کرتا یہ چیزیں
پیدائشی نہیں بلکہ بعد کی ہیں اسلئے ان کی اصلاح ممکن ہے۔
اسلام عمل کا پیغام دیتا ہے اور انسان کو جمود، سستی و کاہلی کے
خواب سے بیدار کرتا ہے۔ وہ کوشش اور محنت کی تائید کرتا ہے،
اور اسکے لئے بطور ترغیب کہتا ہے کہ خدا کی رحمت بندوں کے
اعمال کے ساتھ ساتھ ہے۔ اسلام انسان میں شخصی ذمہ داری
کا قوی احساس پیدا کرتا ہے۔ اسلام محنت کو باعث تقدیس اور
کام کو باعث عزت قرار دیتا ہے۔ اسلام دولت کو حاصل کرنے
کی اسلئے تائید نہیں کرتا کہ اسکا افادہ اپنی ذات تک محدود
ہے بلکہ کل بنی آدم کو فائدہ پہونچانے کیلئے۔ اسلئے ضبط نفس کو
اسلام حسنات عقلی میں شمار کرتا ہے۔ اسلام آزادانہ خیالات اور جرأت
پسند افعال کی تائید کرتا ہے اور اختلاف آرا کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہے

جہان مستی

دکن میں اعمال سفلی کے باوثوق حالات

از

ڈاکٹر جارج منڈی۔ ایم۔ اے، ایل ایل۔ ڈی

مترجمہ

محمد سعید صاحب۔ بی۔ اے (عثمانیہ)

ممالک محروسہ سرکار عالی کے پہاڑی اضلاع میں
موسم سرما کے شام کے وقت تین عہدہ دار مغربی کرسیوں پر ایک
بڑے ڈیرے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اتفاقاً اسی دن
مختلف اوقات میں اس مقام پر وارد ہوئے تھے جن کے خیمے
ایک وسیع میدان میں جو آبادی سے بالکل متصل واقع تھا
نصب کئے گئے تھے۔ مولوی امجد علی صاحب جو نہایت معمر اور
دیرینہ ملازم سرکار تھے مہتمم جنگلات اور مولوی جہاندار علی صاحب
جو کیمبرج یونیورسٹی کے گراجویٹ تھے مہتمم مدارس اور مسٹر سولانا تھ
مہتمم تعمیرات کے عہدوں پر فائز تھے۔ اگرچہ ان ہر سہ عہدہ دارں
کا اجتماع کسی سابقہ انتظام یا تجویز کا نتیجہ نہ تھا۔ مگر اس اتصال
سے ہر ایک اپنی خوش قسمتی پر مسرور تھا۔ بحلاوہ ان کے بہت سے
عہدہ داروں اور ان کے ساتھیوں کے سرپرستی و انتظامات
پر ترغیب سا نظر آ رہا تھا۔ ان عہدہ داروں کی گفتگو اس پر ختم
ہوئی کہ یہ تمام دوسرے دن علی الصباح بغرض شکار اطراف
کے جنگل میں جائینگے۔ اور ٹھیک وقت پر واپس آ کر ناشتہ وغیرہ
سے فارغ ہو کر اپنے اپنے ادائگی فرائض میں معروف ہو جائینگے
چنانچہ تحصیل کو اس سے متنبہ کیا گیا کہ وہ آدمیوں کو بغرض
ہمراہی صبح تیار رکھے۔

دوسرے دن صبح بموجب قرار داد ہر سہ
عہدہ دار اپنی اپنی بندوق اور ہمراہیوں کے ساتھ اندھیرے
منہ جنگل کی جانب روانہ ہوئے۔ اور متعینہ لوگ مشعلوں
سے رہنمائی کر رہے تھے۔ جب وہ گھنے جنگل میں داخل
ہوئے تو ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ اپنا اپنا راستہ اختیار کیا
جہاندار علی مہتمم تعلیمات علاوہ اپنے چپراسی کے
تین اور آدمی ہمراہ رکھتے تھے۔ ابھی آفتاب اپنی کرنوں سے
جنگل کو منور کرنے بھی نہ پایا تھا کہ اُن کی نگاہ ایک ہرنوں کے
جھنڈ پر پڑی۔ جس میں چند کالے بھی تھے۔ جو ایک
سبزہ زار پر چرائی میں مصروف تھے۔ انھوں نے فوراً آہستگی
سے ایک بندوق لی اور ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ ایک
کالا فوراً تڑپتا ہوا زمین پر گرا۔ چونکہ شکار نہایت فربہ تھا

لگا تھا مہتمم صاحب بشاش نظر آتے تھے جب وہ اس شکار کے لے جانے کے متعلق اپنے آدمیوں کو ہدایت کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا "سرکار! ہمکو ایک اور آدمی کی ضرورت ہے اگر سرکار اجازت دیں تو میں ابھی موضع سے اپنے بھائی کو ہمراہ لیکر آتا ہوں" اس پر چپراسی نے بڑھکر کہا "سرکار اس کی کوئی ضرورت نہیں میں خود اِن کی مدد کر دونگا" اس پر مہتمم صاحب نے فرمایا "مجال! تیرے پاس تو بندوقین ہیں۔ اور یقیناً اِن میں سے وہ شکار کو آسانی سے لے جا سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ کوئی لکڑ ہارا اس جنگل میں لکڑیاں کاٹتا ملجائے۔ جس کی یہ مدد بھی لے سکتے ہیں۔

چپراسی نے کہا سرکار! آپ کے پیچھے کوئی آدمی کھڑا نظر آتا ہے۔ جہاندار علیصاحب جو مڑ کر دیکھتے ہیں ایک کریہہ المنظر آدمی ایک درخت کے تنہ کے قریب کھڑا ہوا اپنی خونخوار آنکھوں سے ان کو دیکھ رہا ہے۔ جونہی اُن کی نظر اس پر پڑی انھوں نے فوراً اس کو حکم دیا کہ اس معاملہ میں اُن کے آدمیوں کی امداد کرے۔ مگر خلاف امید اس حکم کا اثر اُس پر کچھ نہ ہوا۔ اس لئے انھوں نے اپنے چپراسی سے کہا کہ اس کو تلنگی زبان میں سمجھائے وہ آدمی بجائے اس کے کہ حکم کے بموجب آتا اور مدد دیتا۔ واپس لوٹنے لگا جس پر چپراسی نے دوڑ کر اُسکو پکڑ لیا اور ایک گردنی دیکر اُس کو آگے کیا۔ جب وہ قریب آیا تو مہتمم صاحب نے بھی ایک لات سے اس کی تواضع کی۔ اس پر بمراہی دیہاتیوں نے خوف زدہ ہو کر چیخنا شروع کیا " سرکار اُس کو جانے دو سرکار اُس کو چھوڑ دو۔ ہم آپ کا شکار بہر نوع آپ کے کیمپ تک پہنچا دیں گے" لہذا سر وہ نہایت خوف زدہ اور پریشان معلوم ہوتے تھے۔ اور جہاندار علیصاحب ان کی سراسیمگی کو چند سکنڈ تک تعجب سے دیکھا کئے۔ یہاں تک کہ وہ جلد جلد شکار کو لیکر روانہ ہو گئے۔

"ایں! وہ بدمعاش کہاں گیا۔ کیا وہ فرار ہو گیا" جہاندار علیصاحب نے اپنے چپراسی سے دریافت کیا۔

چپراسی۔ کیا معلوم سرکار! ابھی وہ یہیں کھڑا تھا

جب جہاندار علیصاحب نے اس کی تلاش میں تجسسانہ نگاہ جنگل کے گھنے جھاڑیوں میں دوڑائی یکایک ایک چھوٹا سا پتھر اس زور سے اُن کی ٹوپی پر سامنے سے پڑا کہ صرف قریب کا آدمی ہی اس شدت اور زور سے پھینک سکتا تھا۔

جہاندار علیصاحب نے نہایت غصہ اور طیش کے عالم میں اپنے چپراسی سے کہا "میری چھوٹی بندوق مجھے دو کہیں اس گستاخ بدمعاش کا خاتمہ کر دوں" ان کو بحد رنج اور کوفت تھی کہ ایک معمولی دھیڑ اُن کے جیسے معزز آدمی کی بالخصوص اُن کے چپراسی کے روبرو اسطرح بے عزتی کرے۔ مگر مکمل ایک گھنٹہ کی تلاش کے باوجود کوئی انسان نظر نہ آیا

دوسرے عہدہ دار گھومتے گھومتے ایک نالے کے قریب ملے۔ وہ وہاں ایک دلفریب مقام پر بیٹھے تھے کہ ایک دیہاتی نے خبر دی کہ ایک ریچھ پانی پینے آ رہا ہے وہ فوراً علٰحدہ ہو کر اپنے اپنے کمین گاہ میں بیٹھ گئے۔ انھیں زیادہ انتظار کرنا نہیں پڑا کہ ریچھ ایک گھنی جھاڑی سے پانی کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ مسٹر بھولاناتھ نے جو اس سے قریب تھے پہلے فیر کیا جس سے اسکا بائیاں شانہ زخمی ہوا۔ ریچھ نہایت دردناک آواز کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اور جب اُس کی نظر مسٹر بھولاناتھ پر پڑی اُن کی طرف سرعت کے ساتھ روانہ ہوا۔ مگر مولوی امجد علی صاحب کی دوسری گولی نے اسکو اسی جگہ ٹھنڈا کر دیا۔

کیمپ کے ملازمین گوشت کی افراط کی وجہ نہایت خوش و خرم تھے۔

تمام عہدہ دار اپنے ڈیروں میں ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے اپنے فرائض میں مصروف ہو گئے۔ شام میں امجد علیصاحب نے دوسرے عہدہ داروں کو اپنے یہاں دعوت دی۔ جہاندار علیصاحب اور مسٹر بھولاناتھ نے اپنے صبح کے حادثات کو بیان کیا۔ مگر اول الذکر نے نہایت دور اندیشی سے اس ڈھیڑ کی سنگباری کو پوری کوشش سے پوشیدہ رکھا

مسٹر بھولاناتھ نے کہا کہ "مجھے نواح کے مواضعات سے مزدوروں کے حاصل کرنے میں بحد دشواری پیش آیا کرتی ہے، اور وہ گتہ دار جو اس سڑک کی تیاری میں مصروف ہے نہایت شدت سے اس کا شاکی ہے"

امجد علیصاحب "اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہونی چاہیئے چونکہ اس موسم میں عام طور پر مزدوری نہیں ملا کرتی ہے اور وہ بالضرور بیکار رہتے ہوں گے۔ کیا تم نے کبھی اس کے متعلق گتہ دار سے دریافت بھی کیا؟"

مسٹر بھولاناتھ "وہ اس کا سبب یہ بتلاتا ہے کہ وہ یہاں آنے سے ڈرتے ہیں۔"

جہاندار علیصاحب "آخر وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں یہاں شیطان بھوت تو نہیں ہیں۔ شاید گتہ داران کو کافی مزدوری نہ دیتا ہوگا۔"

مسٹر بھولاناتھ۔ گتہ داران کو کافی مزدوری دیتا ہے۔ اور اس کے متعلق کوئی شکایت بھی سُنی نہیں گئی البتہ پٹیل سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں چند آدمی ہیں جو بھانامتی جانتے ہیں اور اس خوف سے لوگ اس موضع کے قریب آنے سے گھبراتے ہیں۔"

اس پر جہاندار علیصاحب بے ساختہ قہقہہ لگا کر کہنے لگے۔ کہ یہ جہلا بھی کسقدر احمق ہوتے ہیں۔ اور کس درجہ بے وقوف یا توہمات پر اعتقاد رکھنا اور بے اصل باتوں میں دلچسپی لینا۔ یہ خرابیاں صرف آنے والی نسل کو صحیح اصول پر تعلیم دینے سے دور کیجا سکتی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ انگلینڈ اور دوسرے مغربی ممالک میں لوگ اس قسم کے اعتقادات رکھتے تھے۔ اور جادو منتر اور دوسرے ناپاک عملیات کا رواج تھا۔ لیکن تہذیب اور تعلیم کے عروج کے ساتھ ساتھ ان تمام فضول اعتقادات کی لوگوں کے قلوب سے بیخ کنی ہو گئی۔

"لیکن پھر بھی" مسٹر بھولاناتھ جہاندار علیصاحب کی بات کاٹکر کہنے لگے۔ کچھ دنوں پہلے میں نے پڑھا ہے کہ چند مکانات انگلینڈ میں ابھی بھی ہیں جن کے متعلق روایات ہیں کہ وہ شیاطین اور بلیات کے قیامگاہ ہیں۔ جہاں ان بلیات کو لوگوں نے اپنے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایسے واقعات مثلاً میز اور کرسیوں کا الٹ جانا۔ اور ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں منتقل ہو جانا وغیرہ رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اور تعلیم یافتہ اور قابل وثوق حضرات نے اس نوع کے مشاہدات کی تصدیق بھی کی ہے۔"

جہاندار علیصاحب نے مولوی امجد علیصاحب کو مخاطب کر کے کہا "اس میں شک نہیں کہ بعض تعلیم یافتہ حضرات اگرچہ اس سے ان کو کوئی مطلب نہیں ہوتا مگر ایک نئے جوش کے متلاشی رہتے ہیں۔ اور بلا کسی فائدہ کے اس کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دیتے اور اعتقاد کرنے لگتے ہیں۔ فرمائیے مولویصاحب میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اس میں آپ کی کیا رائے ہے۔ کیا آپ بھی مسٹر بھولاناتھ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں؟"

امجد علیصاحب تھوڑی دیر کے سکون کے بعد کہنے لگے۔ میرے دوست! دنیا میں بکثرت سریع الاعتقادی اور دھوکا دہی موجود ہے۔ میں نے ان مضامین کے متعلق نہ مشرقی کتابیں پڑھی ہیں نہ مغربی اور نہ اس بحث میں کچھ حصہ لے سکتا ہوں۔ لیکن میرے ذاتی تجربہ کی بنا پر میں بھانامتی کے متعلق چند ایسے ہوشربا واقعات کا ذکر کر سکتا ہوں جسکو میں نے ذاتی طور پر مشاہدہ کیا ہے۔ اس پر بحث اور طویل صورت اختیار کر لی۔

مسٹر بھولاناتھ نے نہایت تعجب سے یہ خواہش کی کہ مولوی صاحب میں ایک ایسے شخص سے ایسے واقعات کے سننے کا متمنی ہوں جو اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر بیان کرے اور جس کے بیان کو میں بلا شبہ یقین کر سکوں۔

جہاندار علیصاحب چونکہ مغربی تعلیم یافتہ تھے اور اپنے کو موجودہ سوسائٹی میں افضل و اعلٰی ہستی خیال کرتے تھے بھانامتی وغیرہ فضولیات میں رمق برابر اعتقاد نہ رکھتے تھے اپنی مونچھوں پر بل دینے لگے اور مولویصاحب نہایت متانت اور سنجیدگی سے مسٹر بھولاناتھ کے آرزو کے پورا کرنے میں مشغول ہوئے۔ اس دوران میں کھانا ختم ہو چکا تھا۔ اور ہمارے ہر سہ عہدہ دار ڈیروں سے باہر کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اور مولویصاحب حقہ اڑا رہے تھے۔ اور باقی دو مہمان سگرٹ کے کش لگا رہے تھے۔ اور کچھ دیر خاموشی کے بعد مولویصاحب نے اس طرح شروع کیا۔

"میری عمر بارہ سال کی ہوگی کہ میرے والد نے ایک مکان (SYPRESS ABBAY) سائپرس آبی۔ نامی کرایہ سے لیا تھا۔ شاید آپ لوگ بھی اُس مکان کو جو محلہ چادر گھاٹ میں واقع ہے واقف ہوں گے۔ مکان کا اگلا حصہ سڑک سے بالکل متصل تھا۔ مگر اُس کا پچھلا حصہ اس قدر وسیع اور کشادہ تھا کہ اوسکا سلسلہ ایک گلی پر جس کا نام شاید اُس وقت کوچۂ فانو (FANO'S LANE) تھا۔ ختم ہوتا تھا۔ ایک دن ابھی پورا اندھیرا بھی ہونے نہ پایا تھا۔ میں مکان کے پچھلے دالان میں کھیل رہا تھا۔ اور ہماری ماما میری چھوٹی بہن کو گود میں لئے ہوئے ادھر

ادھر ٹہل رہی تھی ۔ یکایک ایک چھوٹا سا پتھر ورانڈے کے چھت پر زور سے گرا اور ڈھلکتا ہوا زمین پر آیا ۔ میں نے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کی مگر ماما یہ خیال کر کے کہ میرے کسی بڑے بھائی نے شرارت سے ایسا کیا ہے ۔ غصہ سے چلا کر کہنے لگی کہ وہ اس واقعہ کی خبر میری والدہ کو کر دیگی ۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ایک اور پتھر آیا اور بس یہاں سے پتھروں کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔ ماما نے اور میں نے اس معاملہ کی خبر والدہ صاحبہ کو کردی جنھوں نے میرے والد کو اس کی خبر پہونچا دی ۔ اب تمام گھر معہ میرے بڑے بھائیوں کے جو فطرتاً ذہین اور بے خوف واقع ہوئے تھے ورانڈے میں کھڑے ہوگئے ۔ اور اس پر غور کرنے لگے کہ کس سمت سے پتھر آرہے ہیں ۔ اس کے بعد میرے والد نے چند ملازمین کے ساتھ تمام صحن کی جستجو کی مگر کسی کا پتہ نہ پایا ۔ دوسرے دن شام کو میرے بڑے بھائی اور نوجوان مسٹر بورڈمین جو اسی زمانہ میں پولیس میں نوکر ہوگئے تھے بندوقوں سے مسلح ہو کر گلی کی اُس سمت میں جہاں سے پتھر آرہے تھے کا شب بھر نگرانی کرتے رہے لیکن یہ پتھر اپنے مقررہ وقفہ سے مسلسل دس بجے رات تک آتے رہے اور دوسرے مسلسل شب تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا ۔ میرے والد کے مختلف دوست احباب بھی اس راز سربستہ کی افشا میں پوری کوشش کر چکے دس دن کے بعد یہ سلسلہ کچھ عرصہ کیلئے ختم گیا ۔

ایک عرصہ کے بعد ایک رات جبکہ ہم تمام کھانا کھا رہے تھے ہم نے چھت پر کسی وزن دار چیز کے گرنے کا سخت دھماکہ سنا ہم تمام باہر نکلے ۔ اور قندیل کی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ ایک اینٹ تھی ۔ ملازمین کو اطراف و اکناف کے مکانوں کی تلاش کیلئے روانہ کیا گیا ہم بھی اس سمت کی تلاش میں کہ کس طرف سے اینٹیں آرہی ہیں بڑی دیر تک غور کرتے رہے مگر معلوم نہ کرسکے اور ان اینٹوں کا سلسلہ حسب دستور سابق دس بجے شب تک برابر جاری رہا ۔

دوسرے دن اتفاقاً میرے والد نے نواب مختار الملک بہادر یعنی نواب سالار جنگ اول سے ملاقات کی اور دوران گفتگو میں اس پریشانی کا بھی ذکر کیا صاحب ممدوح نے ایک فوجی افسر کو ایک سو سکھ سپاہیوں کے دستہ کے ساتھ مکان سڑک اور گلی کے محاصرہ کا حکم دیا ۔ اور ہمارے ہمسایہ اور دوست بھی جن کی تعداد کبھی سو سے کم نہ ہوگی ۔ اس موقع پر جمع تھے ٹھیک وقت پر حسب دستور سابق ایک بڑی اینٹ جو قدیم زمانہ میں استعمال کیجاتی تھی چھت پر گری ۔ اینٹ کے چھت پر گرنے کی آواز کو ہر ایک نے سنا ۔ اگرچہ سڑک گلی اور آس پاس کے مکانات کی سختی سے نگرانی کیجارہی تھی ۔ اور کسی انسان کے متعلق ایسا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس قدر وزن دار اینٹ تقریباً ساٹھ گز کے فاصلہ سے اس قدر زور سے پھینک سکے گا ۔

سکھ اور دوسرے لوگ جو اس واقعہ کو دیکھنے کیلئے مجتمع تھے سخت پریشان ہوئے اور اس پر فیصلہ ٹھیرا کہ یہ کام کسی نامعلوم ہستی کا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ ان اینٹوں کی بارش سے کسی کو چوٹ نہ آئی باوجودیکہ بعض لوگ چھت سے بالکل قریب کھڑے تھے ۔ جہاں ان کے قریب قریب اینٹیں گر رہی تھیں ۔ ہمارے حیدرآبادی دوست (چونکہ ہم لوگ بھی یعنی یاران کے نووارد تھے) اس امر کی تصدیق کرنے لگے کہ یہ بھانامتی ہے اور کسی بدمعاش کی کارگذاری ہے ۔ جو شاید کسی وجہ سے ہمارے والد کا دشمن بن گیا ہے ۔

چند دنوں کے بعد ہم نے اس مکان کو خالی کر کے ایک دوسرا مکان بازار کے قریب باغ میں کرایہ سے لیا ۔ ہم نے خیال کیا کہ مکان کی تبدیلی سے ہم اپنے مفرو ضہ دشمن سے پیچھا چھڑا لیا ۔

اس نئے مکان میں زنانی قیامگاہ میں ستون دار وسیع اور طویل دو دالان تھے ۔ اندرونی ستونوں پر چلمنیں پڑی ہوئی تھیں ۔ اور انھیں چلمنوں کی اندر کی طرف ہم کھانا کھایا کرتے تھے ۔ ایک شام جب ہم کھانا کھانے بیٹھے ہم نے یہ دیکھا کہ ہماری قریب کی چلمن آہستگی سے اٹھائی جارہی ہے ۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ ہوا کا سخت جھونکا ہے ۔ اتنے میں ایک مٹھی بھر مٹی ہمارے برتنوں پر پھینکی گئی ۔ ہم اچھل پڑے اور باہر کے ہال کی بہتیری جستجو کی مگر کسی کا پتہ نہ پایا ۔ پھر ہم کھانا کھانے کیلئے بیٹھ گئے ۔ اور رکابیاں برتنوں کو بدل دیا ۔ اس کے بعد ہمیں پھر کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی ۔ ہم نے یہ خیال کیا ہوا کے شدید جھونکے نے ہمیں دھوکا دیا ۔

دوسرے دن شام میں ہم نے صاف طور پر دیکھا کہ چلمن اُٹھائی گئی اور ایک مٹھی ریت ہم پر پھینکی گئی ۔ میری والدہ اس مرتبہ بڑی طرح ڈر گئیں ۔ اور میرے والد بھی سخت تلاش و جستجو کے بعد نہایت طیش و غضب کی حالت میں دسترخوان پر کھانا کھانے بیٹھ گئے ۔ اور خادمہ نے جو میری چھوٹی بہن کو گود میں لئے ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی اس نامعلوم دشمن کو کوسنا شروع کیا اور کہنے لگی کہ اگر وہ ناپاک روح ہے تو ہمارے سامنے آئے تاکہ ہم اپنے جوتیوں سے اس کی خبر لیں ۔ یہ جملہ ابھی ختم ہی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے والد کے جوتے ایک دوسرے میں جڑے ہوئے ہمارے قریب گر پڑے میرے والد اس دفعہ سخت پریشان ہوئے اور یہ تہیہ کر لیا کہ اس مقام اور ملازمت کو خیرباد کہکر اپنے وطن کو واپس چلے جائیں ۔ لیکن ایک ہمسایہ جو ہمارے مکان سے تھوڑے فاصلہ پر رہتا تھا ایک مرتبہ میرے والد کی ملاقات کو آیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کی موجودہ پریشانیوں کا حال سنا ہے ۔ اس نے یقین دلایا کہ وہ اپنی قوت سے اس کو موقوف کر سکتا ہے ۔ اس نے کہا اگرچہ میں نے مکان کا اندرونی حصہ نہیں دیکھا ہے ۔ مگر اس میں ایک تنگ و تاریک چھوٹا کمرہ موجود ہے ۔ اور اس نے اس وضاحت سے بیان کیا ۔ کہ میرے والد کو خیال آگیا کہ انھوں نے اس کمرہ میں لکڑیاں بھرنے کا حکم دیا تھا ۔ ہمسایہ نے میرے والد کو ایک کیل تین انچ لانبی دی کہ اسکو وسط زمین میں ہتوڑے کے تین ضرب سے گاڑدیں ۔ پندرہ منٹ میں کمرہ لکڑیوں سے خالی کر کے جھڑوا دیا گیا ۔ اس کے بعد میرے والد نے اس ہمسایہ کے روبرو تین ضرب میں اُس کیل کو زمین میں گاڑ دیا ۔ اور ہم تمام دروازہ کے باہر سے اس تماشے کو دیکھتے رہے ۔ میرے والد کچھ اور ضرب کیل پر لگانے والے تھے کہ ہمسایہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا ۔ اس دن سے ہم کو کسی قسم کی تکلیف و پریشانی نہ ہوئی ۔

مسٹر بھولاناتھ ۔ مولویصاحب ! یہ واقعہ تو غیر معمولی دلچسپ آپنے سنایا ۔

اور مولوی جاندار علیصاحب کو مخاطب کر کے کہا " اب آپ کیا فرماتے ہیں ۔ یہ واقعات کیا مولویصاحب کے خیالات کی پیداوار ہیں ؟ اینٹ پتھر وغیرہ تو مشہود جسم ہیں جن کو ہر شخص چھو سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے ۔

جاندار علیصاحب ۔ میں مولوی صاحب کے بیان کی تکذیب نہیں کرتا ۔ مگر جب تک کہ میں اپنے آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اور اپنے ہاتھوں سے نہ چھولوں اس کے قطعی یقین کرلینے سے مجبور رہوں ۔

امجد علیصاحب ۔ آپ کا جو منشا ہے میں سمجھ گیا اگر میں بھی آپ کی جگہ ہوتا تو ایسا ہی کہتا ۔ اس ضلع میں دو دو ایسے ہیں جہاں بھانامتی کے عامل بکثرت موجود ہیں ۔ آپ کو اپنے دورہ میں کبھی نہ کبھی اُن سے سابقہ ہوگا ۔ تب آپ کو اسکا کامل یقین ہوگا ۔

مسٹر بھولاناتھ ۔ کیا مولویصاحب آپ کو اس تجربہ کے علاوہ اور بھی کچھ واقعات کا علم ہے ؟

امجد علیصاحب ۔ ہاں ۔ ایک مرتبہ بیدر کے قریب ایک بڑے موضع پر میرا دورہ تھا ۔ جو بھانامتی کیلئے بیحد مشہور رہتا ۔ میں غروب آفتاب سے کچھ پہلے کمپ میں آیا اپنے گھوڑے سے ابھی اترنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک مارواڑی ایک بچے کو ہاتھ میں لئے ہوئے اس مجمع سے جو کچھ فاصلہ پر کھڑا ہوا تھا نکلا ۔ میں نے خیال کیا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہے ۔ جب میں اس کی طرف متوجہ ہوا اس نے بچے کو میرے روبرو زمین پر لٹا دیا ۔ اور خود میرے قدموں پر گر پڑا اور چیخنے چلانے لگا ۔

سرکار ! سرکار ! آپ ہماری مدد کیجئے روزانہ ہم کو سخت تکلیف دیجاتی ہے اور ہم ذلیل و رسوا کئے جاتے ہیں ۔ ہم کو اطمینان سے کھانا پینا اور سونا نصیب نہیں ہوتا میرے اس بچے کے بدن پر زخموں کو ملاحظہ فرمائیے ۔ دیکھئے سرکار ۔ دیکھئے میرا بچہ غائب ہوگیا اس پر وہ بیخودی میں اپنا سینہ پیٹنے اور سر زمین پر دے دے مارنے لگا ۔ اور بار بار جوش پدری میں از خود رفتہ ہو کر بلبلا اٹھتا تھا ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے کو اس نے میرے قریب ہی ڈال رکھا تھا جس کو میں نے متعدد زخم دیکھا تھا بچہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک دم نظروں سے غائب ہوگیا ۔ میرے چپراسی اور ملازمین مجھ سے چند قدموں کے فاصلہ پر کھڑے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے ایک جم غفیر عام دیہاتیوں کا مجمع تھا ۔ اور کسی کا اس بچے کو لیکر اتنے نظروں کے بچکر فرار ہوجانا قرین عقل نہ تھا ۔ میں نے فوراً چپراسی کو حکم دیا کہ وہ پٹیل کو بلالائے وہ مجمع میں موجود تھا ۔ اور بادل ناخواستہ میرے حکم کی تعمیل کی اور روبرو آیا ۔ میرے سوال پر اس نے کہا کہ ساہوکار پر بھانامتی کا عمل کیا گیا ہے ۔ یہاں کے باشندوں میں سے اکثر ان مصائب میں مبتلا ہو کر اپنے اراضیات مکانات و دیگر اثاثہ کو چھوڑ کر

دوسرے مقامات پر منتقل ہوگئے ہیں۔ یہ سارا قصبہ ان لوگوں سے سخت مرعوب ہے۔ جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ جادو جانتے ہیں۔

میں۔ پٹیل جی! آخر یہ تو بتلائیے کہ وہ کون لوگ ہیں۔

اس نے نہایت ادب سے دست بستہ کہنے لگا سرکار! ہم ان سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ ان کا نام لینا بھی خالی از پریشانی نہیں سمجھتے۔

جب میں نے اسکو سختی سے کہا کہ جب تک ان لوگوں کے نام سے ہمیں واقفیت نہ ہو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

پٹیل "سرکار! وہ دو بھائی ہیں جو ذات کے دھیڑ ہیں۔ اور ان کے نام!! .... وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسکی زبان بند ہوئی جاتی ہے اس نے سخت کوشش کی کہ کچھ کہے مگر چند بے معنی الفاظ کے سوا اسکی زبان سے کچھ نہ نکل سکا اور اس سعی لاحاصل کی وجہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

اس اثناء میں ایک بوڑھی مارواڑی عورت کے اچانک آجانے اور مارواڑی کی بیوی کے گم ہوجانے کی خبر سنکر میں اس جانب متوجہ ہوگیا۔ اس عورت کا بیان تھا کہ مارواڑی کی بیوی کسی دوسری عورت سے گفتگو کر رہی تھی کہ یکایک نظروں سے غائب ہوگئی۔

اس متوحش خبر سے مارواڑی ساہوکار کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے اور وہ نہایت دردناک طریقہ پر روتا ہوا اٹھا۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس کو یقین دلایا کہ میں خود اس کے بچے اور بیوی کی تلاش میں ممکنہ امداد کرونگا میں نے اپنا گھوڑا منگوایا۔ ساہوکار اور پٹیل اور دیگر ہمراہیوں کے ساتھ موضع میں داخل ہوا۔ میں نے ساہوکار کے مکان کے دیکھنے کی خواہش کی اور اس نے نہایت خوشی سے مکان کے گوشہ گوشہ کا معائنہ کروایا۔ مگر اس کی بیوی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پھر ہم نے آس پاس کے مکانوں کی تلاشی لی اور اس طرح ایک گھنٹہ گذر گیا۔ اور اب بالکل اندھیرا ہوگیا تھا۔ پٹیل نے جب مجھ کو دن بھر کی سواری سے تھکا ماندہ دیکھا۔ کہنے لگا۔

پٹیل "سرکار! شاید آپ بہت تھک گئے ہیں آپ خیمے میں آرام فرمائیں میں اس کی تلاش جاری رکھتا ہوں سیٹھانی اور بچہ کسی ایسے مقام پر ضرور مل جائینگے جو نا قابل گذر ہو۔ مثلاً کسی درخت کی چوٹی وغیرہ پر۔ چونکہ جادو ٹونے کے اثر سے ایسا ہی ہوا کرتا ہے"۔

میں "بہت اچھا۔ اگر دو ایک گھنٹے میں ان کا پتہ نہ معلوم ہو تو میں پھر تم سے ملتا ہوں۔ لیکن پٹیل جی! مجھ کو تم اتنا بتلادو کہ تمہاری حالت اُن دھیڑوں کے نام بتلانے میں ایسی ابتر کیوں ہوگئی تھی؟"

پٹیل "سرکار! میری زبان خود بخود بند ہوری تھی۔ اور جو کوئی ان کے نام بتلانے کی کوشش کرتا ہے اس کے ساتھ یہی پیش آتا ہے"۔

میں نے دیکھا کہ پٹیل نے بالکل سچ کہا ہے۔

میں اب اپنے خیمہ کی طرف جانا چاہتا تھا۔ کہ ایک دیہاتی دوڑتا اور ساہوکار ساہوکار پکارتا آیا۔ کہ اس نے سیٹھانی کو جنگل سے آتے ہوئے ایک جھاڑی میں الجھا ہوا دیکھا ہے۔

میں نے قصد کیا کہ اس واقعہ کو بچشم خود دیکھ لوں چنانچہ اپنے آدمی سے اس طرف چلنے کو کہا۔ چونکہ میں سوار تھا اس لئے میں ہی پہلا شخص تھا جس نے ایک فربہ عورت کو دیکھا جو تقریباً برہنہ معلوم ہوتی تھی اور ایک جھاڑی پر اپنے بچے کو ہاتھ میں لئے ہوئے ناچ رہی تھی۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ یہی ماں اور بچہ ہوں گے جن کی ہمیں اتنے عرصہ سے تلاش تھی۔

میں نے ساہوکار کو حکم دیا کہ وہ اکیلا آگے جائے چنانچہ ہم اور دوسرے ہمراہی یہیں سے واپس ہوئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد پٹیل نے مجھ کو مطلع کیا کہ اس عورت کے کپڑے ایک بلند درخت کی ٹہنی پر لٹکے پائے گئے پٹیل میرے قدموں پر گر کے کہنے لگا۔ سرکار! آپ ہماری مدد کرو اور ہمیں اس آفت سے بچاو۔

میں "پٹیل جی! میں تمہاری اس معاملہ میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اور جو کچھ بھی آج میں نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے اگر اس کے متعلق میرا کوئی سابقہ تجربہ نہ بھی ہوتا۔ تو میں اس کی صداقت سے قطعی انکار نہ کر سکتا۔ بعض ایسے لوگ موجود ہیں جن کے دست میں یہ نا پاک قوت موجود ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو ہمیشہ پریشان کیا کرتے ہیں اور اپنے ان ناجائز حرکات سے عام لوگوں کو خوف زدہ کر کے ناجائز فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ مگر اس قوت کے موجود رہنے کا تعین کسی خاص شخص سے مختص نہیں کیا جا سکتا۔

پٹیل۔ سرکار! یہ دو دھیڑ ایسی ناشایاں حرکات کو بلا پردہ کیا کرتے ہیں۔ جو کسی قسم کا راز نہیں ہے۔ وہ کھلم کھلا یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں عورت یا فلاں مرد کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنے والے ہیں جس نے ہمارے خواہشات کے پورا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ ہم سب نے مل کر اُن کے خوراک پوشش اور دوسرے احتیاج زندگی کی تکمیل کرنے کا وعدہ کیا مگر ان بدمعاشوں کو اس سے تسکین نہیں ہوتی۔ وہ ہم سے ذلیل اور کمینہ خواہشات کے سربراہی کے متمنی رہتے ہیں۔ جو بعید از قیاس ہے۔

میں "پٹیل جی! عدالت اُس کے متعلق تحقیق و تفتیش کرے گی۔ بشرطیکہ تم لوگ اس کی طرف رجوع کرو۔

پٹیل۔ سرکار! آپ نے خود ملاحظہ فرمایا کہ جب میں نے ان دونوں بدکاروں کے نام لینے کی کوشش کی تو میری کیا حالت ہوگئی۔ دو مرتبہ ہم میں سے چھ سات آدمیوں نے مل کر ان کے ناجائز حرکات سے تنگ آکر عدالت ضلع میں نالش کرنے کی جرأت کی اور جونہی ہو نے آبادی سے باہر قدم رکھا انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا مستعد بھیوؤں کو اپنے پاؤں سے کچل ڈالا ہے۔ اور ان کے زہریلے ڈنکوں سے انہیں ایسی سخت تکلیف پہنچی کہ وہ اپنے ہاتھوں اور گھٹنوں کی مدد سے رینگتے ہوئے اپنے اپنے مکانوں کو واپس ہونے پر مجبور ہوئے۔ دوسری دفعہ پھر انفرادی طور پر مختلف اوقات میں اپنے خاص آدمیوں کو بھی اپنے اس ارادہ سے بےخبر رکھ کر کہ وہ کہاں اور کس غرض سے جا رہے ہیں گاؤں سے روانہ ہوئے دوسرے دن وہ تمام ایک کھیت میں نامعلوم طریقہ پر جمع ہو کر جوتی پیزار میں مصروف پائے گئے۔ اور ان کے تمام کپڑے اور جسم غلاظتوں میں لت پت تھے۔ اگر پھر کوئی اور کوشش کی جائے تو نہیں معلوم کہ اس سے زیادہ اور کیا مضحکہ خیز اور ناخوشگوار واقعہ رونما ہوتا ہے۔

میں "پٹیل جی! ان واقعات کے سننے سے مجھ میں بھی ایک جوش انتقام پیدا ہوتا ہے۔ اگر میں ان لوگوں کو شیخی کرتے یا ناجائز دباؤ ڈالتے دیکھ لوں تو اسقدر ماروں گا کہ اُن کی شکل نہ پہچانی جائے گی۔

چونکہ پہلے بہت سے بےگناہ اس علت اور شبہ میں ماخوذ ہو کر سخت سزا پاچکے ہیں۔ اس وجہ سے سرکار نے ایک قانون نافذ کر دیا ہے کہ کوئی شخص اس علت میں ماخوذ نہ کیا جائے۔ اور مستوجب سزا نہ قرار دیا جائے اگر میں اس کا کامل یقین رکھوں۔ کہ فلاں دھیڑ ان تمام مصائب کے بانی ہیں۔ پھر بھی میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

جب محمد علیصاحب نے اپنے اس طویل و مفصل بیان کو ختم کیا۔ جہاندار علیصاحب نے اٹھ کر کہا کہ اب آرام کرنا چاہیئے بستر بچھوا نا تھا اور کچھ دیر ان واقعات کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ مگر جہاندار علیصاحب کا ساتھ دینے پر مجبور ہوگئے۔

چاند اپنی تیز اور سرد شعاعوں سے چمک کر تمام جنگل کو منور کر دیا تھا۔ اور کیمپ میں لوگ ادھر ادھر آگ جلا کر سینکتے بیٹھے تھے۔ اور مختلف جگہ ہنسی مذاق کا شور بپا تھا کیمپ میں بالکل خاموشی تھی۔ اور تمام آرام کی نیند سو رہے تھے۔

یکایک جہاندار علیصاحب کے ڈیرے سے بیل کی آواز سنائی دی۔ تمام ملازمین اور چپراسی اس خیال سے دوڑے کہ کوئی جنگلی بیل گھس گیا ہے انھوں نے چاروں طرف اچھی طرح نظر دوڑائی مگر وہاں بیل تو کیا ایک کتا بھی نہ تھا۔

دوسری دفعہ پھر ایک بیل کی کرخت آواز سنائی دی خاموشی کا سماں درہم برہم ہوا۔ اب کی مرتبہ سب کو اسکا کامل یقین تھا۔ کہ کوئی بیل خیمہ کے اندر موجود ہے۔ ان میں ایک چپراسی نے خیمہ کا پردہ اٹھایا کہ اندر جائے۔ لیکن فوراً ایک دہشت سے گھبرایا ہوا الٹے پاؤں پیچھے کو ہٹا۔ اسپر دوسرے کئی ایک آدمی خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ اور میز پر کے لیمپ کی روشنی سے انھوں نے دیکھا کہ جہاندار علی صاحب بستر کے بازو کھڑے ہیں۔ اُن کا چہرہ سرخ اور آنکھیں

بیٹھی ہوئی ہیں۔ ابھی وہ ان سے بات بھی کرنے نہ پائے تھے کہ کہ ایک اور بھونڈی اور کرخت آواز ان کے منہ سے نکلی۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ان کا گلا دبوچ رہا ہے۔ چپراسی پاس کے خیموں میں دوسرے عہدہ داروں کو اس کی خبر دہی کے لئے دوڑے۔

اس خبر کے پہونچتے ہی امجد علیصاحب اور مسٹر بھولا ناتھ فوراً ٹھیک ایسے موقع پر خیمے میں پہونچ گئے۔ جبکہ سنگباری کی وجہ سے لوگ باہر بھاگ رہے تھے۔ جب اس کی تلاش کیگئی کہ کس سمت سے پتھر آرہے ہیں اور کون پتھر پھینک رہا ہے کچھ پتہ نہ چلا۔ ان دونوں عہدہ داروں نے جہاندار علیصاحب کو پلنگ پر بٹھادیا۔ ان کی موجودگی سے جہاندار علی صاحب کو کچھ سکون ہوا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ اب ان کا دماغ درست ہوگیا ہے۔ انھوں نے اپنے معزز دوستوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔

جہاندار علیصاحب۔ مسٹر بھولا ناتھ! یہ کس چیز کی آواز ہے؟ بارش ہورہی ہے یا اولے گر رہے ہیں۔

مسٹر بھولا ناتھ نے مولوی امجد علیصاحب کی طرف دیکھکر یوں کہنے لگا۔

"ہاں! شاید آپ اسی شور سے جاگ پڑے اور بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے"

جہاندار علی۔ میرے دوستو! ممکن ہے ایسا ہو مگر میرا خیال ہے کہ میں نے ایک توحش خواب دیکھا ہے۔

امجد علیصاحب۔ بھلا بتلائیے تو وہ کیا تھا؟

جہاندار علی صاحب۔ وہی کریہ المنظر آدمی تھا جس کو میں نے شکار اٹھانے میں امداد کرنے کو کہا تھا۔ وہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے لمبے لمبے دانتوں کو میرے حلق پر دبا رہا ہے بدمعاش.......

وہ اور کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر پھر دیسی ہی کی آواز کے مانند ایک چیخ نے اُن کے سلسلہ گفتگو کا خاتمہ کردیا۔

امجد علیصاحب مسٹر بھولا ناتھ کے کان میں آہستہ سے کہا "بھیتر۔ کنارہ رہتا اور ان کی موجودہ حالت اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ ان پر بھانامتی کا عمل کیا جارہا ہے۔ تم ان کے پاس ٹھیرو میں باہر جاکر اس کے متعلق کچھ واقعات دریافت کرتا ہوں۔

امجد علیصاحب خیمہ سے باہر آئے اور جہاندار علیصاحب کے چپراسیوں کو بلواکر اُن سے اُس آدمی کے متعلق دریافت کیا۔ جو شکار کے لے جانے کے وقت یکایک نظروں سے غائب ہوگیا تھا۔ ان کے چپراسیوں میں سے ایک چپراسی نے جو مہتمم صاحب کے ہمراہ تھا آگے بڑھکر اس طرح

چپراسی۔ سرکار! میں صاحب کے ہمراہ تھا ہم نے ایک جنگلی آدمی کو دیکھا۔ جس کو صاحب نے شکار نہ لے جانے کی علت میں ٹھوکر لگائی تھی دوسرے ہمراہی آدمی اسکو اپنے ساتھ لینے سے سخت گھبرائے۔ اس کے قبل کہ میں اُسکو پکڑ لیتا اور گردن مروڑتا وہ نظروں سے غائب ہوگیا۔ اور ایک چھوٹا سا پتھر جو نہیں بتلایا جاسکتا کہ اُسکا پھینکا ہوا تھا یا کسی اور کا صاحب کے ٹوپی کے اگلے حصے پر لگا۔ لیکن پھر بھی وہ بدمعاش میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکیگا.......

یہ آخری جملہ اُس نے مشکل سے کہنے پایا ہوگا کہ یکایک زور سے چیخا اور کپڑے چاک کرتا ہوا ادھر اُدھر لوٹنا شروع کردیا۔ پاس کے آدمی فوراً اس کی طرف لپکے۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اُس کے پیٹ پر ایک تازہ داغ گرم سرخ لوہے کا لمبا کھچا ہوا ہے۔ مسٹر بھولا ناتھ بھی اس گڑبڑ سے خیمہ کے دروازے پر آگئے اور تھوڑی دیر دیکھنے نہ پائے تھے کہ خیمہ کے اندر کسی آواز کو سنکر لوٹے۔

اِن کے حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب اُنھوں نے دیکھا کہ جہاندار علیصاحب خیمہ کے گوشہ میں ایسے بلند ہورہے ہیں کہ مسٹر بھولا ناتھ پر کود پڑیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک وحشتناک اور ناخوش گوار ہنسی کے بعد میز کے نیچے رینگتے ہوئے چلے گئے۔

مسٹر بھولا ناتھ نے مولوی امجد علیصاحب کو مخاطب کرکے کہا "مولویصاحب یہ تو بڑی بے ڈھنگی باتیں ہیں ایسی حالت میں ہمیں اب کیا کرنا چاہیئے۔

امجد علیصاحب نے اس مجمع پر نظر ڈالکر جو ڈیرے کے باہر کھڑا ہوا اسی معاملہ پر گفتگو کررہا تھا۔ اسطرح کہنا شروع کیا۔ "بھائی ہمیں اُس آدمی کا پتہ لگانا چاہئے۔ اور کچھ رقم دے دلاکر اُسکو بھی خوش کردینا چاہیئے۔

گاؤں کے پٹیل نے بھی علانیہ لوگوں سے کہدیا کہ تمام اوران کے چپراسی پر بھانامتی کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ پٹیل بذات خود اُس آدمی سے واقف تھا مگر خوف کے مارے اسکو اسکا نام اور پتہ بتانے میں سخت تامل تھا۔

امجد علیصاحب۔ اگر ہم ان خرافات کا جلد سے جلد خاتمہ نکردیں ہمیں خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارے آدمی خوف زدہ اور پریشان ہوکر ہم سے علحدہ ہوجائینگے۔ اور ہم یہاں سے کیمپ برخاست کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

مسٹر بھولا ناتھ۔ بھائی! ہم کو حقیقتاً ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اور جلد سے جلد مولوی جہاندار علیصاحب کو اس مقام سے کسی دوسرے مقام پر منتقل کردینا چاہیئے۔

مولوی امجد علیصاحب۔ بھائی! ایسا کرنے سے ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ بھانامتی کے عامل ایسے خونخوار انتقام گیر ہوتے ہیں کہ مہینوں اور سالوں تک اپنے دشمنوں کا تعاقب نہیں چھوڑتے۔ اور طرح طرح مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کیا کرتے ہیں۔ اب او رتاخیر اس سے بڑھکر بدنما نتائج پیدا کریگی۔ اور ہمارے دوست کسی اور نئی مصیبت میں گرفتار ہوجائیں گے۔ میں اب اُس آدمی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ اب رات بھر نیند تو نصیب نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ امجد علیصاحب نے پٹیل کو بلوایا اور کہا۔

مولوی امجد علیصاحب۔ پٹیل جی! میں اچھی طرح واقف ہوں یہ سارے بھانامتی کے کرشمے ہیں بس مجھے اتنا بتلادو کہ وہ عامل کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اسی وقت اُس کے پاس جاؤں۔

پٹیل۔ سرکار! ہمکو اس کی سخت تاکید ہے۔ اور ہم اس خبوری کی پاداش خوب اچھی طرح بھگت چکے ہیں۔

مولوی امجد علیصاحب۔ میں یہ فضول باتیں سننا نہیں چاہتا۔ فوراً ٹھیک طور پر بتلادو کہ وہ کہاں رہتا ہے یا یوں کہو کہ تم خود اس کو میرے پاس لا سکتے ہو۔

جب پٹیل نے امجد علیصاحب کو غصہ میں دیکھا اپنا سر بلالانے کے انکار کے عوض میں ہلایا۔ اور جنگل کی سمت اپنے آنکھیں پھیریں۔

مولوی امجد علیصاحب۔ پٹیل جی! اچھا اب میں تمھارا اشارہ سمجھ گیا۔ بس معلوم ہوگیا کہ وہ اسی طرف کسی جنگل میں رہتا ہے۔ خیر۔ جاؤ۔

اب مولوی امجد علیصاحب نے ایک قابل اعتماد چپراسی کو جو پولیس کا وظیفہ یاب اور ذات کا روہیلہ تھا بلایا اور اسکو حکم دیا کہ وہ قندیل لیکر ان کے ساتھ چلے۔

بندوقوں سے مسلح ہوکر جیسے کہ شکار کو جاتے ہیں مولوی امجد علیصاحب اور روہیلہ چپراسی جنگل کی طرف روانہ ہوئے اور مولوی امجد علیصاحب نے کسی خیال سے مسلح بچاسرد پیٹیے ہوئے اپنے چپراسی کے حوالہ کردئے۔ ان کی رفتار گھنی جھاڑیوں اور درختوں کی ٹوٹی ہوئی خشک شہنیوں سے ہجوم قدم پر اِن کے حائل ہوتے تھے۔ بہت کم تھی۔ اکثر وہ چلتے چلتے ٹھیر جاتے۔ اور قندیل کو بلند کرکے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے کہ کہیں آس پاس میں کوئی جھونپڑی وغیرہ تو نہیں ہے۔ بعض وقت پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اس امر کا پتہ دیتی تھی کہ کوئی جنگلی جانور اُن کی بے وقت کی آمد سے پریشان ہوا ہے۔ اور وہ فوراً اپنے بندوق سنبھالتے۔ امجد علیصاحب اس کے پورے حامی تھے کہ فیر نہ کریں چونکہ شکار اُنکا مقصد نہ تھا

آخر کار تقریباً دو گھنٹے کے ایک مسطح میدان نظر پڑا۔ جس کے قریب ایک پانی کا نالہ بہہ رہا تھا۔ اس میدان میں اُن کو دور ایک جھونپڑی نظر آئی جس میں ہلکی سی روشنی بھی تھی۔ قندیل کو روہیلہ چپراسی نے اپنے رومال سے ڈھانک لیا۔ اور ہر دو نہایت احتیاط سے دبے پاؤں جھونپڑی کے پیچھے پک آئے۔ اور اس کے روزنوں میں سے اندر جھانکنے لگے۔

زمین پر ریت بچھی ہوئی تھی۔ اور اُس پر جھونپڑی کے بالکل وسط میں ایک مثلث کھنچا ہوا تھا جسکو عام جادوگروں کی اصطلاح میں "پٹ" کہتے ہیں۔ اس مثلث کے اوپر کے گوشہ میں ایک پتھر کی مورت رکھی ہوئی تھی جسکو بعد میں اُنھوں نے معلوم کیا کہ وہ "ہنومان جی" کی مورت ہے۔ اس مورت کے سامنے ایک ناریل کی زردی تیل سے بھری ہوئی جس میں چاروں طرف چار بتیاں روشن تھیں رکھی ہوئی تھی۔ اور مثلث کے دوسرے دونوں گوشوں میں چند بوسیدہ دھجیوں کی چھوٹی چھوٹی گٹھریاں اور چھوٹے چھوٹے لکڑی کے ڈبے اور چند جنگلی رنگ برنگ کے پھول اور کئی ایک لوہے کے نوکدار ٹکڑے۔ اور بہت سی دوسری چیزیں جن کو وہ اچھی طرح معلوم نہ کرسکتے تھے کہ کیا ہیں موجود تھیں۔

امجد علیصاحب (دبی زبان سے) وہ بدمعاش شائد کسی چیز کے لئے باہر گیا ہے۔ جس کی اس کو اس "پٹ" کے لئے ضرورت

ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ نہایت اطمینان سے بیٹھ جائیں اور اس سارے معاملہ کو بچشم خود دیکھ لیں۔ ایسا موقع شاید ہمیں اپنی آیندہ زندگی میں نہ ملے۔

ابھی وہ مشکل سے بیٹھے اور جھاڑیوں کے سوراخوں کو کشادہ کئے ہونگے کہ پتوں کی ہلکی سی سرسراہٹ نے ان کو اس دھیڑ کی آمد سے متنبہ کیا۔ ایک چھوٹا سا مختصر آدمی جسکا جسم گٹھا ہوا اور سر بڑا اور چہرہ پھیلا ہوا تھا۔ سر سے پاؤں تک پانی میں بھیگا ہوا جھونپڑی میں داخل ہوا اور بیچ بیچ میں بیٹھ گیا۔ اور اُن چھوٹی چھوٹی پوٹلیوں کو کھول کھول کر سوت کے روبرو جمانا شروع کیا۔ اُن ڈبوں کے اندر کی چیزوں اور دوسرے لوہے کے پرزوں کو بھی اُس نے اسی طرح نہایت سلیقہ سے بت کے سامنے رکھا۔ سب سے اخیر میں اُس نے لکڑی کی بنے ہوئے پتلیوں کو نکالا اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں کو ہلانا شروع کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہاتھ پیر علٰحدہ جمے ہوئے ہیں۔

جب اُس نے ان تمام چیزوں کو اپنے منشا کے موافق بت میں جما چکا تو اُس نے چند منتر تلنگی زبان میں پڑھے جن کو امجد علیصاحب جو باوجود تلنگی زبان جانتے تھے کچھ نہ سمجھ سکے۔ پھر ایک غلیظ کپڑے کا چیتھڑا اُس نے اپنے منھ میں دبا کر ہلکی سی آواز میں کچھ گنگنانا شروع کیا اور دست بستہ اُس بت کے روبرو کئی مرتبہ جھکا پھر اس چیتھڑے کو اپنے منہ سے نکالکر اُس نے ایک ٹین کا گول ڈبہ کھولا جس میں سے ایسی سخت عفونت باہر نکلی کہ گرد و پیش کی ساری فضا متعفن اور بدبو دار ہوگئی۔ ہمارے دونوں دوست بھی اپنی ناک بند کر کے پیچھے کیطرف ہٹنے پر مجبور ہوگئے اس نے اس بدبو دار چیز کی ایک چٹکی پان میں ڈالکر چبانا شروع کیا۔ اور اسی حالت میں اُس نے ایک چھوٹی سی مٹی کی تشتری میں تھوڑا سا عود یا لوبان جلایا۔ اور اس کے خوشبو دار دھوئیں کو اِدھر اُدھر جھونپڑی میں اچھی طرح پھیلایا۔ جب سارا دھواں باہر ہوگیا۔ اُس نے ایک برھنہ پتلی کو لیا۔ اور روزمرہ کی زبان میں اسکو مخاطب کر کے اسطرح کہنے لگا۔ جس کو مولوی امجد علیصاحب اور ان کے ساتھی خوب ہی سمجھ رہے تھے۔

"اے پتلی! میں تجھکو حکم دیتا ہوں کہ اُس افسر کے پاس جا جس نے مجھے مارا ہے۔ اس کے جوڑ جوڑ میں کانٹے بھر دے۔ بالکل اس طرح جیسا کہ میں یہ سوئیاں تیرے جوڑوں میں چبھا رہا ہوں۔ اور اس عمل کو اس وقت تک جاری رکھ کہ وہ زمین پر لوٹنے چیخنے اور چلانے لگے۔ اس کے پیٹ اور سینہ پر گرم لوہے سے جلا (اس موقع پر وہ سوئی کو اس پتلی کے سینہ اور پیٹ میں چبھو رہا تھا۔) وہ کتے کی طرح بھونکنے اور سور کی طرح پکارنے لگا۔ اس کی غذا میں خاک دھول اور نجاست ملا۔ اور اس کو کسی قسم کا آرام نہ لینے دے۔ گرد گو رکھ ناتھ کا منتر ہمیشہ صحیح ہے۔"

اس کے بعد اُس نے اُس گڑیا کو علٰحدہ رکھا اور دوسری گڑیا کو اٹھا لیا۔ اور اُس کے اطراف ایک دھجی لپیٹ دی۔ گویا وہ اسکی ساڑی تھی۔ اور اس سے کہنے لگا۔

"تو دیوی جاتی ہے۔ اس افسر کے مکان کو جا جس نے مجھے مارا اور ذلیل کیا ہے۔ اُس کے بیوی اور بچوں کا پتہ لگا۔ اُس کے بیوی کے بال کاٹ ڈال اور اُس کے کپڑے جلا ڈال اور اس کے جسم کے نازک ترین حصوں پر چرکے دے۔ اسطرح اسطرح (سوئی سے اُس پتلی کے مخصوص مخصوص بدن کو چھیلا) اس کے سب سے زیادہ لاڈلے بچے کو غائب کر دے۔ اور ایک دن اور ایک رات اُسکو لاپتہ رکھ۔ اور اُن تمام کو دیوانوں کی طرح نچا۔ اور احمقانہ حرکات کا مرتکب بنا۔ اور انکے غذاؤں میں متعفن غلاظتیں ملا۔ کہ وہ اپنا پیٹ نہ بھر سکیں جب تک کہ میں تجھے مکرر حکم نہ دوں اس ضرر رسانی سے باز نہ آ۔ گرد گو رکھ ناتھ کا منتر ہمیشہ سچا ہے۔"

امجد علیصاحب مع اپنے ساتھی کے ان تمام حالات کو نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ معائنہ کر رہے تھے یکایک اپنے بندوقوں کو سیدھے کئے کہ اس شیطان کا جو انسانی لباس میں تھا۔ خاتمہ کر دیں۔ وہ اس امر کو نہایت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے کہ اس کے موکل یا بھوت اسکے دئے ہوئے احکام کی ہو بہو تعمیل کر رہے ہوں گے۔ اور جہاندار علی صاحب اور اُن کی بیوی بچے اُن کے مظالم سے بیحد پریشان ہوں گے مگر اس خیال سے کہ اس مردود کے خون کرنے سے سوائے اس کے کہ وہ ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔

اب وہ مردود اُن تمام بکھرے ہوئے چھوٹی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی پوٹلیاں باندھنا شروع کیا۔ اور ان ڈبوں کو بھی سمیٹ کر ایک طرف کو اٹھا رکھا۔ ان تمام باتوں سے فارغ ہو کر وہ پھر جھونپڑی کے باہر گیا۔

مولوی امجد علی صاحب نے چپراسی کے کان میں آہستہ سے کہا "وہ پھر واپس آئیگا تاکہ اپنے ان ظالمانہ احکام کے اجرائی پر خوشی منائے ہمیں چاہیئے کہ جھونپڑی کے روبرو جا کر کھڑے ہو جائیں۔ جب وہ واپس آئے۔ تم اُس سے کہو کہ میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے زبردست جادوگر ہیں۔ ہمارے ایک افسر جن پر جادو ٹونا یا مٹی کا عمل کیا گیا ہے سخت پریشان حال ہیں اور ہم اُس عمل کے اتارے کیلئے تمہارے پاس آئے ہیں (اکثر اضلاع میں جادو کے اتارنے کے عمل کو کہا جاتا ہے) اور ہم اس کے معاوضہ میں آپ کی کافی خدمت کرینگے۔ اور کثیر رقم دینگے۔

پندرہ منٹ کے اندر وہ دھیڑ نہایا ہوا تر بتر واپس آیا اور ہم اجنبیوں کو دروازہ پر ایستادہ دیکھ کر چند سکنڈ کیلئے تامل کیا۔ اتنے میں رسیلہ چپراسی تاکید کے موافق چند بڑے اعزازی خطابات کے ساتھ اسطرح کہنے لگا۔

"مہاراج!" اس نے ان لوگوں پر معمولی اور سرسری نظر ڈالی اور اپنے جھونپڑی میں داخل ہوگیا۔ اور ایک چھوٹا سا مٹی کا پیالہ جس میں دیسی شراب بھری ہوئی تھی زمین سے اٹھایا۔ اور جلدی سے پی لیا۔ اور اس کے بعد نہایت غصہ کے ساتھ چیں بجبیں ہو کر اُن کی طرف متوجہ ہوا

رسیلہ چپراسی۔ دیکھئے مہاراج! ہم پچاس روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور اس سے زیادہ رقم کل روپیہ تک آپ کی خدمت میں حاضر کر دینگے (تسلی کو اُس کے روبرو کھولکر رقم زمین پر پھیلا دی گئی تاکہ اس کی نظر اُن پر اچھی طرح پڑ جائے)

اسکے بعد مولوی امجد علیصاحب نے چپراسی کو واپس ہونیکا اشارہ کیا بحالت موجودہ وہ اس سے زیادہ کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اسکے بعد اور رقم کے پیش کرنے سے ممکن ہے کہ اس کا غصہ کم ہو جائے۔ جو اس بُری طرح سے انتقام کے درپے ہے اور فی الحال زیادہ رقم کا پیش کرنا بھی مصلحت کے خلاف ہے۔

ابھی سورج نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ مولوی امجد علی صاحب اپنے آدمی کے ساتھ کیمپ پر واپس آئے اور رات بھر کے جاگے ہوئے ملازمین کو پریشان حال اور اداس پایا۔ چند آدمی اُن کو وحشتناک نگاہوں سے تک رہے تھے۔ جب ان کو قریب آتے دیکھا اُن کی طرف بڑھے۔ ایک کتا جو قریب جوار میں گشت لگا رہا تھا اتفاق سے ان اجنبیوں کی آمد پر بھونکا۔ بس اسکا بھونکنا تھا کہ جہاندار علیصاحب کے ڈیرے سے بھی کتے جیسے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ چند آدمی جو ڈیرے میں تھے۔ گھبرائے ہوئے باہر کو بھاگ نکلے۔

"افسوس!" امجد علیصاحب نے اپنے چپراسی سے کہا "وہ پاجی دھیڑ اپنا بدلہ لے رہا ہے۔ یقیناً یہ انسپکٹر صاحب ہی بھونک رہے ہوں گے۔

ڈیرے میں کچھ گڑبڑ سنکر امجد علیصاحب ڈیرے کیطرف بڑھے اور دیکھا کہ مسٹر بھولا ناتھ اور انکا چپراسی جہاندار علیصاحب کو جو اسوقت بالکل پاگل اور برہنہ تھے اور جھٹکا کرتہ اور پیجامہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا۔ تھامے ہوئے ہیں۔

مسٹر بھولا ناتھ۔ مولویصاحب! کیا ہی بُرا وقت دیکھنا نصیب ہوا۔ ہمارے دوست بالکل بے عقل اور بے سُدھ ہیں۔ ان کے جسم کو ملاحظہ فرمائیے کہ وہ جا بجا بُری طرح سے جلایا جا رہا ہے۔ اُن کے انگلیاں مروڑی جا رہی ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ وہ اس تکلیف سے کل تک زندہ بھی رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

میرا خیال ہے کہ آپ کو اس مردود کا کچھ پتہ چلا ہوگا؟ میں نے کچھ ہلکی غذا کی تیاری کا حکم دیا ہے۔ اور دو آدمی کیلئے۔ آدمی روانہ کیا ہے۔ جو شاید آتا ہوگا۔

اس دوران میں جہاندار علیصاحب کے آنکھوں میں خفیف سی ہوشیاری ہویدا ہونے لگی۔ اور زمین پر پڑے پڑے انھوں نے مسٹر بھولا ناتھ کے اس آخری جملہ کو سنا۔ اور چلا اُٹھے۔

جہاندار علیصاحب۔ خدا کے واسطے مجھے بھی تھوڑا سا دودھ دو! ارے بھائی مجھے کوئی ٹھنڈی چیز دو میں آگ میں بھن رہا ہوں۔

امجد علیصاحب۔ بھائی! ابھی لیتے ہیں اور اُن کو زمین پر سے اُٹھانے کی کوشش کی۔ اُن کے چھونے سے جہاندار علیصاحب کو کچھ سکون اور اطمینان ہوا۔ الحمد للہ

تکلیف میں کمی محسوس کی - چنانچہ مولوی امجد علیصاحب نے انہیں آہستگی سے اُٹھایا - اور بستر پر لٹا دیا -

جہاندار علیصاحب - مولوی صاحب! مجھے آپکا ہاتھ پکڑے رہنے دیجئے - خدا کے واسطے پکڑے رہنے دیجئے - اتنا کہنے کے بعد بہت جلد وہ گہری نیند میں سو گئے

مولوی امجد علیصاحب - اُن کی پیچ و تاب خوردہ بنجے اور انگلیوں کو تقریباً دو گھنٹے تک اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہے - اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ گہری نیند میں ہیں تو آہستگی سے الگ ہو کر اپنے خیمہ میں آ گئے - اور ناشتہ کرتے کرتے انھوں نے نہایت عجلت سے اول تعلقدار ضلع کے نام ایک رقعہ لکھا جس میں کیمپ کے جملہ واقعات درج تھے - اور یہ بھی تحریر کر دیا کہ شاید مہتمم صاحب کے مکان میں بھی اسی قسم کی پریشانیاں رونما ہو چکی ہوں گی - اور آخیر میں اسکا بھی اظہار کر دیا کہ ان ناگہانی مصیبتوں کے دور کرنے کی ممکنہ کوششیں کیجا رہی ہیں -

اتنے میں جہاندار علیصاحب کے خیمہ سے خبر آئی کہ وہ جاگ اٹھے ہیں - اور کھانے کا تقاضا کر رہے ہیں - اس پر ملازمین باورچیخانہ کی جانب دوڑتے ہوئے گئے - اور مولوی امجد علیصاحب بھی ڈیرے میں پہنچ گئے - اور اپنے دوست کو سکون کی حالت میں دیکھکر بے انتہا خوش ہوئے -

جب کھانا لایا گیا اور برتنوں کے سرپوش کو علحدہ کیا گیا تو ایسی سخت عفونت اور بدبو اس تازی غذا سے نکلی کہ جہاندار علیصاحب اپنے ہاتھ سے پیچھے کو دھکیل کر زمین پر گر پڑے - اور تڑپتے ہوئے پیچھے کو سرکنے لگے - اور اپنی پیچ خوردہ انگلیوں کو اپنے پیٹ پر دبانے لگے -

مولوی امجد علیصاحب نے ملازمین کو مخاطب کر کے کہا " اس سے کچھ حاصل نہیں تمھارے صاحب کو کھانا پینا اسوقت تک نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ جادو کا اثار نہ کر دیا جائے -

اتنے میں ایک سوار نظر آیا - ہر شخص اسکو دیکھکر متعجب تھا - کہ یہ نہ معلوم کہاں سے کس کے لئے آیا ہے خیمہ ڈیرے کے پاس آ کر گھوڑے پر سے اتر پڑا مجھے دیکھتے ہی اُس نے سلام کیا - اور ایک خط پیش کیا - جو مولوی جہاندار علیصاحب کا موسوم تھا وہ بہ حالت موجودہ اس قابل ہی نہ تھے کہ مضمون خط کو پڑھ سکتے اور معاملہ کو سمجھ لیتے - مولوی امجد علیصاحب نے فوراً تاڑ لیا کہ اس میں اُن کے خاندانی افراد کی پریشانیوں کا ذکر ہو گا - جو اس بدمعاش دھیڑ کے ستمگاریوں کے شکار بنے ہوئے ہیں - مگر پھر بھی تجاہل عارفانہ کے ساتھ سوار سے دریافت کیا " کیا مستقر پر تمام خیریت ہے ؟

سوار - سرکار! مہتمم صاحب کے مکان میں کوئی خوفناک حادثہ ہوا ہے - ان کی بیگم صاحبہ پر کوئی ظالم شیطان مسلط ہو گیا ہے - اور ان کے نوکروں کا بیان ہے کہ بیگم صاحبہ کے بدن پر کئی ایک داغ لگائے گئے ہیں - اور اُن کے بستر اور کپڑے جلا ڈالے گئے ہیں - اور باوجود سخت تلاش کے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ کس کا فعل ہے - شاید یہ اسی ملعون شیطان کا ہو گا -

اور سب سے بدترین خبر یہ ہے کہ مہتمم صاحب کے چھوٹے صاحبزادے رات سے غائب ہیں جناب تعلقدار صاحب نے پولیس ور عروب سے اُن کے مکان کا محاصرہ کر لیا ہے - اور مہتمم صاحب کو فوری بلالانے کیلئے مجھے روانہ کیا ہے -

مولوی امجد علیصاحب - مہتمم صاحب کا بھی حال بہت بُرا ہے - وہ بھی اسی طریقہ سے ستائے جا رہے ہیں - اگر انھیں کچھ آرام اور سکون حاصل ہو جائے تو یہ فوراً انھیں بھیجا جائیگا اور اُن کو جلد سے جلد مستقر پر روانہ کر دیا جائیگا - اب تم میرے آدمیوں کے پاس جاؤ - خود بھی کچھ کھاؤ پیو اور اس غریب تھکے ہوئے گھوڑے کو بھی کچھ کھلاؤ - جاؤ - وہ تمھاری سربراہی کر دینگے

ایک گھنٹہ کے بعد مولوی امجد علیصاحب اس مردود کی جھونپڑی کی طرف جانے کے ارادہ سے اُٹھے اور رہبری کیلئے چپراسی کو پانچسو روپیہ کی تھیلی کے ساتھ اپنے ہمراہ لیا - بس اسی قدر مولوی امجد علیصاحب اور مسٹر بھولا ناتھ کا متفقہ سرمایہ تھا - اور وہ اس سے دو چند روپیہ مہاولتا کسی ساہوکار سے اپنی ذمہ داری پر قرض لینے آمادہ تھے اگر وہ ملعون اس موجودہ آفت کو جو جہاندار علیصاحب اور اُن کے بیوی بچوں پر آئی تھی دور کرنے رضامند ہو جائے -

صبح جب وہ اس مردود کی جھونپڑی سے واپس آ رہے تھے - انھوں نے راستے کو بغور دیکھ لیا تھا - اور شناخت کے لئے چند نشانات بھی مقرر کر لئے تھے جس سے انھیں تلاش میں زیادہ دقت نہ تھی -

جب وہ نہایت تیز قدمی سے تقریباً آدھا راستہ ختم کر چکے ہونگے کہ ایک برگزیدہ نیک صورت صوفی منش سادھو نظر آیا جو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا سفر کی تکان دور کر رہا تھا - مولوی امجد علیصاحب بغیر اُس سے بات کئے آگے جانا چاہتے تھے -

مولوی امجد علیصاحب سادھو جی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت تھک گئے ہیں اب آبادی بالکل قریب رہگئی ہے -

سادھو - ہاں بھائی میں یقیناً بہت تھک گیا ہوں - میں نے کئی میل کا پیدل سفر کیا ہے میں صبح سے یہیں بلکہ رام ناتھ جی کے مندر کے درشن کو جا رہا ہوں (اُن دونوں کی صورتیں دیکھکر) معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں بہت تھکے ہوئے ہو تھوڑی دیر ٹھیر جاؤ اور سستا لو -

امجد علیصاحب - چونکہ ساری رات انھوں کی آنکھوں میں کاٹ چکے تھے - درحقیقت بہت پژمردہ سے معلوم ہوتے تھے لہٰذا خود بھی تھوڑی دیر بیٹھ جانا مناسب سمجھا - اور کہنے لگے " اچھا سادھو جی! اگر آپ کا یہی ارشاد ہے تو لیجئے ہم بیٹھ جاتے ہیں -

سادھو - اچھا بابا خوش رہو - اور بڑی غور و فکر سے مولوی امجد علیصاحب کے چہرہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا - تاکہ اُن کے دل کی حقیقت معلوم کرے - کچھ عرصہ کے بعد کہنے لگا -

سادھو - بابا! معلوم ہوتا ہے کہ تم بے حد پریشان ہو معاف کرنا بھائی کہ میں تم سے بلاوجہ یہ دریافت کر رہا ہوں -

مولوی امجد علی صاحب - کیا حرج ہے سادھو جی! آپکا اندازہ بالکل درست ہے میں یقیناً پریشان ہوں - بیحد متفکر ہوں - اپنے کسی خاص معاملہ کے لئے نہیں بلکہ ایک دوست کے لئے جو اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے -

" مجھ سے کہو وہ کیا ہے " سادھو نے ہمدردانہ طرز پر نہیں بلکہ تحکمانہ انداز سے کہا -

مولوی امجد علیصاحب نے بغیر کسی کشش و پنج کے گذشتہ تمام واقعات لفظاً لفظاً بیان کر دیا - اور اخیر میں یہ بھی کہا کہ ہم اب پانچسو روپیہ کی رقم لیکر اسی کے نذر کرنے کو جا رہے ہیں - بشرطیکہ وہ اس مصیبت سے ہم کو نجات دے

" اب تم نہ جاؤ " سادھو نے نہایت مشفقانہ انداز تکلم سے کہا -

مولوی امجد علیصاحب - اس سے آپ کا کیا مطلب؟ کیا آپ کا منشاء ہے کہ میرا دوست اس موجودہ مصیبت سے چھوٹ نہیں سکتا ؟

سادھو - ٹھیرو - آؤ بابا تم میرے بازو بیٹھ جاؤ اپنے آدمی کو بھی کہو کہ پاس بیٹھ جائے -

اس پر مولوی امجد علیصاحب اور ان کا چپراسی سادھو کے دونوں جانب بیٹھ گئے - اور متحیر تھے کہ سادھو نے انھیں اپنے قریب کیوں بلایا ہے -

سادھو کی آنکھیں کسی ایسی چیز پر جو بہت فاصلہ پر تھی جمی ہوئی تھیں - لیکا یک اُس نے ایک مٹھی مٹی اوپر کی طرف اچھالی - اور کہنے لگا -

" دیکھو - تم دونوں غور سے دیکھو - اور جو کچھ دیکھ رہے ہو مجھ سے بیان کرو "

جوں ہی خاک زمین پر گری اُن کی آنکھوں کے سامنے کا منظر ایک دم نظر سے غائب ہو گیا - اور اُس کے بجائے اس دھیڑ کی جھونپڑی اُس کے جملہ نواح کے ساتھ نظر کے سامنے موجود تھی - اور وہ مردود ایک سیاہ کمل اوڑھے ہوئے جھونپڑی کے دروازے پر پڑا سو رہا ہے -

مولوی امجد علیصاحب - اس حیرت انگیز منظر کو پورا دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ غائب ہو گیا -

سادھو - کیا یہ وہی آدمی ہے جسکو رات میں تم نے دیکھا ہے -

مولوی امجد علیصاحب - بیشک! یہ وہی ملعون ہے

سادھو - اب تم اپنے آدمی سے کہو کہ میرے لئے فوراً بہت سی خشک جنگلی لکڑیاں جمع کرے - دیکھو یہاں میں ایک دائرہ کھینچتا ہوں - اس کے اطراف تقریباً تین چار فٹ اونچا خشک پتوں اور لکڑیوں کا انبار جمع کرا دو سادھو اپنی جھولی کا سہ - لٹھ - اور کپڑوں کو اس دائرہ میں رکھکر گھنے جنگل میں چلا گیا -

مولوی امجد علیصاحب نے خود سادھو جی کے حکم کی تعمیل میں لکڑیاں جمع کرنے میں اپنے ملازم کا ساتھ دیا - اور ٹھیک

اسوقت جب کہ سادھو کسی نامعلوم اور غیر مستعملہ کوئیں میں نہا کر واپس آیا۔ اِن دونوں نے اُس کی خواہش کے موافق ایک انبار جمع کر دیا تھا۔ آتے ہی وہ دایرہ کے بیچوں بیچ بیٹھ گیا اسکے چاروں طرف خشک لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

یکایک تمام طرف سے آگ جلنے لگی۔ ہمارے دونوں دوست بغور سادھو کے ہر حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے کوئی دیا سلائی وغیرہ نہ جلائی تھی اس کثرت سے دھواں اُٹھا کہ سادھو جی صاف طور پر نظر بھی نہ آتے تھے۔ سادھو جی کو متحرک جسم کا پیچ و خم اس امر کا پتہ دیتا تھا کہ وہ کسی کے ساتھ ہاتھا پائی اور لڑائی میں مصروف ہیں۔ وہ اس آگ کے دائرہ میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے اُن کے شدت کے ساتھ زور زور سے سانس لینے کو وہ صاف سن رہے تھے۔ وہ رک رک کے تازہ قوت سے اپنے دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے یکایک وہ ایک لمبی اور تسکین دہ سانس کے ساتھ ساکن ہوگئے۔ اتنے میں ایک چیز کے یکایک پاؤں کے قریب گرتے پر ہمارے دونوں دوست خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹے۔ اور جب اوسان درست کرکے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ وہی دو پتلیاں ہیں جن کو اُس مردود نے جہاندار علیصاحب اور اُنکی بیگم کی مضرت رسانی کیلئے متعین کیا تھا۔

سادھو دائرہ سے باہر آیا۔ اُس کی سانس ابھی تک پھولی ہوئی تھی۔ آتے ہی اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں اُن سے پوچھا کیوں بھائی! کیا تم بتلا سکتے ہو کہ یہ وہی دو پتلیاں ہیں جن کو اُس دمعیر نے اس ظلم کاری کے لئے مقرر کیا تھا؟

مولوی امجد علیصاحب۔ ہاں سادھو جی! غالباً یہ وہی پتلیاں ہیں۔

سادھو۔ ایسا ہے تو ان کو بھی آگ لگا دو۔ اور جلا کر راکھ کر دو۔

مولوی امجد علی صاحب۔ کیوں! کیا ان کو میں خود اپنے پاس نہیں رکھ سکتا؟

سادھو۔ نہیں۔ آپ کو ہرگز اپنے پاس نہ رکھنا چاہئے۔ اور شاید آپ رکھ بھی نہ سکیں گے۔ جس طرح مہا اور اُس کی جھونپڑی اور اُس کا تمام متعلقہ سامان جلا کر خاک کر ڈالا گیا ہے۔ اسی طرح ان پتلیوں کا بھی انجام ہونا چاہئے

مولوی امجد علی صاحب نے نہایت حیرت سے پوچھا "کیا وہ ملعون جلا ڈالا گیا؟

سادھو۔ ہاں وہ جلا کر مار ڈالا گیا۔ اور اس ساری لڑائی کا فیصلہ اسی پر ہونا چاہئے تھا۔ کہ یا میں خود مر جاتا۔ یا اس کا خاتمہ ہوتا۔ میں نے اُس کے ساتھ نہایت استقلال سے مقابلہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بھی غیر معمولی قوت رکھتا تھا۔ لیکن! ناپاک علم کبھی مقدس علم سے مقابلہ میں ٹھیر نہیں سکتا۔

مولوی امجد علیصاحب۔ سادھو جی! یہ تو فرمائیے کہ میرے دوست کا کیا حال ہے۔

سادھو تمھارا دوست اور اسکے بیوی بچے اس ظالم کے خاتمہ کے ساتھ تمام مصیبتوں سے نجات پا چکے۔

مولوی امجد علی صاحب۔ اور یہ . . . .

سادھو۔ اس کے ماں کے پاس بھیجا دیا گیا۔

روسیلہ چپراسی۔ جو اب تک اپنے آقا کے خوف اور ادب کے خیال سے نہایت خاموش بیٹھا اس معاملہ کو دیکھ رہا تھا۔ جوش میں بے ساختہ کہہ اٹھا۔

پتلے اور پتلیاں۔ ہڈیوں کے گٹھڑیاں۔ اور لوہے کے نوکدار اشیا جو عموماً بھانامتی کے عاملوں کے پاس رہا کرتے ہیں۔

چپراسی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ خوب! شاباش

سادھو جی! شاباش! گو میں آپ کے بیان کو غلط نہیں تصور کرتا۔ تاہم اگر ہم اس ملعون کی جھونپڑی تک جائیں تو آپ کچھ خفا تو نہوں گے؟

سادھو۔ کیوں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔ میں ہرگز ناراض نہ ہوں گا۔ ان پتلیوں کو جلانے دیجئے میں خود بھی آپ کے ساتھ وہاں تک چلتا ہوں۔

یہ سنتے ہی روسیلہ چپراسی نے خوشی خوشی جلدی سے چند خشک ڈالیوں اور پتوں کو اُن جلتی ہوئی گڑیوں پر ڈالا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔

جب وہ سب کے سب مل کر اُس میدان کے قریب پہونچے تو اُنھوں نے دھواں اور ایک جسم پر لکڑیوں کا انبار جلتا ہوا دیکھا۔ جس سے اُنھیں کامل یقین ہوگیا کہ وہ مردود ملعون اپنے کردار کی سزا پا چکا ہے۔

مولوی امجد علیصاحب نے سادھو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور احسانمندانہ طریقہ پر یوں کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ کس طریقہ سے آپکا شکریہ ادا کروں۔ بس جیسا کہ آپ سے پہلے کہہ چکا ہوں یہ جھونپڑی یہ اس ڈھیر کی نذر کرنے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ کیا آپ اسکو قبول فرما کر مجھے ممنونیت کا موقع عطا فرمائیں گے۔ یہ ہدیہ آپ کے اس ہمدردی کا کسی صورت میں صحیح صلہ نہیں ہوسکتا۔

سادھو۔ میرے دوست! نہ مجھے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور نہ میں نے کبھی کو رکھنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔

مولوی امجد علیصاحب۔ پھر آپ مہربانی کرکے ہمارے فرودگاہ تک تکلیف فرما کر کم از کم میرے دوست کو شکریہ کا موقع عطا فرمائیے۔ یا اگر آپ تھوڑی دیر تک توقف فرمائیں تو میں خود اُن کو آپ کی خدمت میں حاضر کرتا ہوں۔

سادھو۔ مجھے آپ کو چھوڑ کر فوراً رام ناتھ جی کے مندر کی طرف جانا ضروری ہے۔ میں اپنا کافی وقت خراب کر چکا ہوں۔

تھوڑی دور تک وہ سب ایک ساتھ چلتے رہے۔ اسکے بعد سادھو نے ان دونوں سے جدا ہو کر اپنا راستہ لیا۔

جب مولوی امجد علیصاحب اور انکا چپراسی کیمپ میں واپس آئے انھوں نے دیکھا کہ ہر شخص خوش و خرم ہے۔ اور ایک دل خوش کن اور مسرت آمیز شور بے تمیزی بپا ہے۔ جہاندار علیصاحب مسٹر مبارکہ سے خوب ہنس ہنس کر باتوں میں مصروف ہیں گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔

جہاندار علی صاحب نے اس مسرت میں ہر ایک کو خاطر خواہ انعامات سے سرفراز کیا۔

امجد علی صاحب بھی خوش خوش جہاندار علیصاحب سے ملے اور سادھو جی کی ملاقات کے بعد کے جملہ واقعات از سرتا پا مفصل بیان کیا۔ اور تعلقدار صاحب کا مرسلہ خط جہاندار علی صاحب کے حوالہ کر دیا۔

ایک گھنٹہ کے اندر جہاندار علی صاحب نے اپنا سامان سفر درست کیا۔ اور اپنے ہمدرد دوستوں سے بہت کچھ شکریہ ادا کر کے علحدہ ہوئے۔ اور اپنے مستقر کے جانب رخ کیا۔

جب وہ اپنے مکان پہونچے بیوی بچوں کو بھی خوش حال دیکھا۔

اُن زخموں کے چنگا ہونے کو جو اُن کے اور اُن کی بیوی کے بدن پر اس انتقام کے سلسلہ میں لگے تھے کچھ عرصہ لگا۔ یہ معلوم کرکے کہ اس سانحہ سے اُن کی بیوی کی صحت خراب ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اُنھوں نے اپنا تبادلہ دوسرے ضلع میں کرا لیا۔

(منقول از بمبئی کرانیکل کانگرس نمبر)

شعر و سخن

غزل

از ہز اکسیلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ صدر اعظم باب حکومت

مجھ کو اپنی خودی سے نفرت ہے　　اپنی ہستی سے ہی عداوت ہے

کام آتا نہیں ہے اور علاج　　وصل کی چارہ ساز فرقت ہے

اے فلک کیا بگاڑا میں نے ترا　　مجھ سے کس واسطے عداوت ہے

میں ہوں اے جاں وفا شعار ترا　　ظلم کرنا تو تیری عادت ہے

عشق کر کے ہوا ہوں میں بدنام　　دل لگانا بھی اک مصیبت ہے

تو نے اتنا بھی تو نہیں پوچھا　　اندنوں کیسی ؟ تیری حالت ہے

نکل آتے ہیں قبر سے مردے　　تیری ٹھوکریں ایک قیامت ہے

توبہ لب پر ہے ۔ دل میں شوق شراب　　شیخ جی کیا بُری یہ عادت ہے

اپنے عاشق سے بیوفا ہونا　　سارے معشوقوں کی یہ عادت ہے

ایک مجذوب ہے جو خاک نشیں　　عرش اعلیٰ سے اسکو نسبت ہے

یہ جو کثرت ہے اپنے پیش نظر　　یہی وحدت کی اک علامت ہے

آپنے جو مزاج پرسی کی　　آپ کی یہ بڑی عنایت ہے

صحبت بد سے اجتناب کرو　　ورنہ اک روز اسمیں ذلت ہے

روٹھ جانا ذرا سی باتوں پر　　بچپنے کی تمھاری عادت ہے

خوف کیا دشمنی سے دشمن کے
شاد پر جب خدا کی رحمت ہے

غزل

مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی

لبوں پر آہ بالیں اشک سے تر ہاتھ دل پر ہے
کسی کی یاد ہے اور رات کا خاموش منظر ہے

ادھر تو دیکھ کس کے خوں سے دامن تر اتر ہے
یہاں کچھ چھپ نہیں سکتا ارے قاتل یہ محشر ہے

خوشا اے داغ سوز عشق و داغ رنج ناکامی
تمہیں سے یہ دیار عشق یعنے دل منور ہے

کوئی مشکل نہیں کٹنا حیات پر الم تیرا
اگر یہ غم سلامت ہے اگر یہ درد یاور ہے

پلانے آئے ہیں وہ زہر اک بیمار رسوا کو
لبوں پر مسکراہٹ ہاتھ میں لبریز ساغر ہے

سکوں کی سوزش آباد جہاں میں آرزو کیسی
ارے ناداں یہ نعمت کنج تربت میں میسر ہے

پڑی جس دل پہ تو جوش تمنا بھر دیا اس میں
نگاہ مست انظارہ ترا کیا روح پرور ہے

مجھے کیوں تو نے یہ احساس درد و غم دیا یارب
یہ حالت ہے کہ اپنی زندگی ہی مجھ کو دو بھر ہے

غلام ساقی کوثر ہیں ہم اور ناز ہے اس پر
خم صہبا ہی اک چھوٹا سا اپنا حوض کوثر ہے

تجلی طور کی شرما رہی ہے ذرہ ذرہ سے
الٰہی کون یہ دل کی فضا میں جلوہ گستر ہے

لہو دینے لگیں پھر کس طرح دل کی رگیں محوی
نگاہ ناز نشتر ہے نہ ناوک ہے نہ خنجر ہے

غزل

از حضرت سید شاہ محمد ابراہیم صاحب عفو

حسن بے پردہ معما نظر آتا ہے مجھے
جذبۂ عشق نے ہر حال سنبھالا ہے مجھے

عقل کی پردہ دری نے کیا مجھکو رسوا
کشتۂ حسن ہوں پر ذوق تماشا ہے مجھے

کون بے تابیٔ دل کا ہے مری نبض شناس
کس کی نظروں نے خدا جانے گرایا ہے مجھے

کفر نعمت ہے مقدر کا گلہ اے ناصح
حق نے ہے خلق کیا حق ہی نے پالا ہے مجھے

ظلمت دل کے لئے نور کو ایسے لاؤ
آکے وہ پھر نہ کہے چھوڑ دو جانا ہے مجھے

قطعہ

از احمد منیر الدین صاحب قاضی پربھنی منصف کنوٹ

ہے کائنات منظر اہل نظر مگر　　مخلوق ہوں ہیں میری نظر میں کساد ہے

لاعلم ہوں حضور کہ یہ بزم کائنات　　کیونکر بنی ہے کیا غرض انعقاد ہے

مردان راہ معرفت کبریا ......　　کہتے ہیں علم ہے نہ ہمیں اجتہاد ہے

با وصف اس کے کہتے ہیں صدق و یقین سے　　ہے اک وجود جس کا ہمیں انقیاد ہے

دوار ارض و ناظم نظم بلا بدل　　خلاق مہر مالک یوم التناد ہے

چلتی ہے ایک سنت قائم پہ کائنات　　تبدیل اس میں ہے نہ وجود فساد ہے

حقا کہ ہے حقیقت بین کی یہ دلیل　　تنظیم اس کی موجب ہر اتحاد ہے

حرکت کا ہے محرک اعلےٰ وہی وجود　　مامور جس کے امر سے کون و فساد ہے

کہتا ہوں با دلیل کہ حق و مرید و رب　　مختار کائنات و معاش و معاد ہے

غزل

(از)

محمد شفیق صاحب

کنج عدم کی عافیت کھو دی ہوائے ہست نے　　لینے دیا نہ چین کچھ فکر بلند و پست نے

حسرت رہ و فا ہوئے غم نہ رہا مآل کا　　جام دیا وہ ہوش گیر یار کی چشم مست نے

تجھ کو مدام ہو نصیب تازہ بہار فصل گل　　جسم میں جان ڈال دی تیری شمیم مست نے

رہ گئی دل کی آرزو نکلا نہ حرف مدعا　　مہر سکوت دی لگا چشم حیا پرست نے

دیر و حرم کے راگ میں بھولے تھے عبدیت کا بند
چھیڑ دیا بلیٰ کا سوز مست مے الست نے

ایک دعا

از

محمد عبدالحفیظ خان صاحب وکیل محبوبنگر تلمیذ حضرت داغ مرحوم

الٰہی تو بگڑی ہوئی پر بنا دے ۔۔۔ تو اب راستی پر دلوں کو پھرا دے
ہر اک قلب میں ڈال اچھے ارادے ۔۔۔ ہمیں پر ملا دے ہمیں پر ملا دے
اثر آئے تعلیم میں تربیت میں۔
فضا چھائے خوبی کی ساری جگت میں۔

سکھا دے ہمیں متحد ہو کے جینا ۔۔۔ دلوں سے نکل جائے سب بغض و کینا
الٰہی کدورت سے ہو پاک سینا ۔۔۔ یہی ہے تمدن یہی ہے قرینا
بھلائی اتر جائے انساں کے دل میں۔
وطن! دے یہ تاثیر ہر آب و گل میں۔

ہر انسان میں پچھلی الفت پھر آئے ۔۔۔ ہر اپنا پرایا محبت جتائے
سماں سر پہ مہر و مروت کا چھائے ۔۔۔ خدا مل کے رہنے کی صورت بنائے
محبت کو آپس میں قائم کریں سب
وطن پر مریں قوم کا دم بھریں سب

جلا ہوشمندی کی باتیں بتا کر ۔۔۔ پھرا ہم کو الفت کا پتلا بنا کر
ہمیں پال محنت کی روزی کھلا کر ۔۔۔ ہمیں دین و دنیا کی خوبی عطا کر
ہمیں آئے تمیز شاخ و شجر کی۔
کھلے کیفیت ہم پہ عیب و ہنر کی۔

ترقی کسی بام و در پر نہیں ہے ۔۔۔ عروج اپنا کچھ رہ گزر پر نہیں ہے
روش منحصر مال و زر پر نہیں ہے ۔۔۔ وہ گھر کیا جب انسان گھر پہ نہیں ہے
خدایا کرم اپنے بندوں پہ کرنا
ہمیں آئے جینا ہمیں آئے مرنا۔

چارمینار کی گپ

"ایک آوارہ کے قلم سے"

یوں تو حیدرآباد میں آئے دن سینکڑوں جلسے ہوا کرتے تھے۔ مگر انگریزی وضع کا پہلا عظیم الشان جلسہ "جشن جوبلی" تھا۔ اس کی تیاریاں بہت دنوں پہلے سے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر شروع ہوئیں۔ تمام شہر میں کئی ماہ پیشتر سے ایک خاص چہل پہل شروع ہو گئی۔ اس کی تیاریاں بھی بجائے خود ایک جشن تھیں گھر گھر اسی کا تذکرہ تھا۔ شعراء قصیدے لکھ رہے تھے۔ تو ادبا نے مناسبت اہل فن خاص خاص باتیں پیدا کر رہے تھے۔ حیدرآباد کے دل و دماغ نچلے بیٹھنے والے تھوڑے ہی تھے جو خاموش رہتے۔ یار عزیزوں نے گپ بازی بھی شروع کر دی جس کی ابتدا یا انتہا کا تعلق جشن جوبلی سے ہوتا تھا۔ آپ کو غالباً چارمینار کی گپ کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہوگی۔ اس کی تاریخ جشن جوبلی سے شروع ہوتی ہے۔

ایک بزرگوار حیدرآباد کے نہایت ہی ذی وجاہت لوگوں میں سے تھے۔ قدرت نے دل و دماغ اچھا دیا تھا۔ فنون لطیفہ میں سے "گپ" کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور گپ بھی ایسی ویسی نہیں۔ نہایت سنجیدہ، لغایت تیرہ، ذرا ان کی ہتھوڑی سے ہٹی ہو تو ہو مگر مہاتما جی کی گپ (سوراج) سے کسی طرح کم نہ ہوتی تھی، جشن جوبلی کیلئے نئے لباس کی سخت ضرورت تھی۔ آپ نے بھی دو مہینہ پہلے سے انتظام شروع کیا۔ اس زمانہ میں کپڑوں کی بڑی دوکانیں دو تین ہی تھیں۔ چارمینار کے پاس سیٹھ موتی لال مشہور تھے۔ جن کی دوکان میں بڑھیا سے بڑھیا اور عمدہ سے عمدہ مال موجود رہتا تھا۔ ہمارے گپی بھی سیٹھ جی کے کھاتہ دار تھے۔ ایک دفعہ کپڑا لینے کے لئے دوکان پر جو پہونچے تو دنیا جہان کا کپڑا دیکھ لیا۔ ہزاروں تھان نکلوائے، سینکڑوں گٹھے کھلوائے۔ پچاسوں باتیں دریافت کیں۔ تب کہیں چار شیروانیوں، بارہ قمیصوں، بارہ پاجاموں کا کپڑا لیا۔ سیٹھ جی کو بھی اس نادقت کے کپڑا لینے پر تعجب ہوا۔ پوچھا "سرکار کیا کوئی تقریب ہے؟" آپ نے ہنس کر فرمایا۔ سیٹھ! ہمارے سرکار کی جوبلی کا جشن ہے۔ گو ابھی دو مہینے باقی ہیں۔ مگر دیکھو نا ابھی سے تیاری ہو رہی ہے۔ ہم بھی اسی کے لئے کپڑے بنوا رہے ہیں۔ اجی سیٹھ! چارمینار تک کو غلاف بن رہا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام لوگ کپڑے نہ بنوائیں۔؟

سیٹھ "ایں! کیا چارمینار کے واسطے غلاف تیار ہو رہا ہے۔ واقعی!"

"ہاں ہاں سیٹھ! میں دلگی تھوڑی ہی کر رہا ہوں۔ واقعی غلاف تیار ہو رہا ہے۔ آپ کو بھلا یہ چیزیں کیا معلوم آپ نے تعلیم پائی ہے۔ مگر اس قدر نہیں کہ ان چیزوں کو سمجھ سکیں تحفت! چارمینار حیدرآباد کی عمدہ ترین عمارت ہے۔ امریکہ سے جرمن سے تک لوگ اس کو دیکھنے کے واسطے آتے ہیں! جوبلی میں یہ عمارت خاص طور پر سجائی جائیگی۔ از سر نو رنگ کیا جائیگا صرف سنہری رنگ کے لئے چار لاکھ روپیہ کی منظوری ہوئی ہے دوسرے رنگ اس کے علاوہ ہیں۔ اس پر بجلی کی روشنی کی جائیگی۔ جگہ جگہ "بجلی کے انڈے" (بلب) لگائے جائیں گے۔ تمام چارمینار دلہن کی طرح سنوارا جائیگا۔ مگر یہ آپ کو اس وقت نظر آئیگا۔ جب اس پر سے غلاف اتارا جائیگا۔ اس کے غلاف کے لئے خاص طور پر صاحب عالیشان (ریزیڈنٹ) بہادر نے مشورہ دیا ہے ان کے پاس امریکہ سے کوئی بڑے انجنیئر آئے ہیں۔ وہ اپنی نگرانی میں غلاف سلوائیں گے۔ اور روشنی ہنڈیوں وغیرہ کا اہتمام کریں گے۔ اجی یہ بات یادگار ہوگی یادگار! چشم فلک نے کاہیکو ایسا تماشا دیکھا ہوگا۔ جشن جمشید سنتے آئے تھے۔ مگر یاد رکھیئے یہ جشن آصفی بھی تاریخ میں وہی مرتبہ حاصل کر لیگا اور دنیا میں ضرب المثل ہو کر جشن جمشید کی جگہ لے گا، سنا آپ نے!

سیٹھ "تو سرکار! یہ غلاف کون سیئے گے اس کا کپڑا کہاں سے لیں گے۔ حیدرآباد میں تو اتنا کپڑا نہ ملیگا۔

"اجی سیٹھ! آپ بھی کس دیوانے ہیں نہیں کسی شخص کو ٹھیکہ (گتہ) دیا جائے گا۔ نمونہ اید کیلئے جس قدر کپڑا منگوانا ہو کہ دیں گے۔ وہ فوراً بمبئی وغیرہ جا کر لائے گا۔ اور تمام حیدرآباد کے درزیوں کو بلا کر سلوانا شروع کر دیں گے۔ اطلس کا غلاف ہوگا کسی رنگین ریشمی کپڑے کا استر یا مخمل کا دیا جائے گا۔ مگر بھئی اس ٹھیکہ دار کو فائدہ بہت ہوگا۔ لاکھ کے دو لاکھ ہی تو ہو جائیں گے۔

سیٹھ "یہ تو کہئے یہ ٹھیکہ کس کو ملا ہے؟ کیا کوئی مارواڑی لیگا۔

"سیٹھ جی! یہاں کے ہندو بیوپاری یونہی سنجیدہ اور تعلیم یافتہ ایک تم ہی تو ہو۔ تمہارے سوا کوئی دوسرا ایسا کام کر سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ تم آج کپڑے کے دھندے سے ہٹتے ہو تو سود بٹے کی طرف جاتے ہو۔ کتنے ہی پلٹ سود کا حساب کرتے ہو۔ جب تم نے اس طرف توجہ نہیں کی تو دوسرے بیچارے کیا کریں گے۔ یہ ٹھیکہ تو یقیناً کسی پارسی کو ملے گا، کاش سیٹھ! تم اس کو لیتے بھئی بات یہ ہے کہ تم ہمارے پرانے ملنے والے ہو۔ خدا غریق رحمت فرمائے۔ والد مرحوم ہمیشہ تمھاری ہی دوکان سے کپڑا لیا کرتے تھے اور تمہارے والد بھی واللہ کس محبت سے ملتے تھے ہم جب کبھی دوکان پر آتے تو نواب نواب کہہ کر کتنی خاطر کرتے کبھی دیوالی میں ہم دوکان پر نہ آتے تو بڑے خفا ہوتے تھے۔ واللہ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، سیٹھ جی! سچ تو یہ ہے نہ تم میں ان کی سی ہیں اور نہ ہم میں بڑے نواب صاحب کی سی، وہ زمانہ ہی بدل گیا۔

سیٹھ "(ٹھنڈی سانس بھر کر) سرکار! وہ اور لوگ تھے وہ اور زمانہ تھا۔ مگر یہ بھی غنیمت ہے کہ ہم میں آپ میں خلوص ہے مگر یہ ہمارے اور آپ کے بچوں میں نہ ہوگا۔ دن بدن زمانہ بدل رہا ہے مگر سرکار کوشش کریں تو غلاف کا معاملہ مل جائیگا۔ اور کچھ فائدہ بھی ہوگا۔

،،اجی کیوں نہیں جتنے عہدہ دار ہیں تمہارے ملنے والے شناسا۔ اجی سیٹھ تمہارے باپ دادا نے جو ہزاروں روپیہ ان لوگوں پر چھوڑے ہیں، وہ مفت نہ جائیں گے۔ یہ لوگ ضرور کام دیں گے۔ اور فائدہ تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ روپیہ میں آٹھ آنے کا نفع نہ ہو تو میری ناک اتار لینا، اچھا خدا حافظ مگر ہمارا حساب کل ذرا کاغذ پر لکھ کر بھیج دینا!

اتنا کہہ کر حضرت تو چلتے بنے مگر سیٹھ جی کا برا حال ہو گیا۔ نفع کی امید میں کچھ ایسے پریشان ہو گئے کہ منیب جی کو گاڑی منگوانے کہا، جوڑی آئی اور سیٹھ جی سیدھے نواب شہاب جنگ بہادر کی دیوڑھی پر موجود، مگر اتفاق سے نواب صاحب نہ تھے۔ دیر تک انتظار کر کے رات کے آٹھ بجے لوٹے گھر آئے۔ اور رات بھر پریشان رہے۔ بس فکر تھی تو یہ تھی کسی طرح معاملہ بن جائے۔ رات بھر ہوائی قلعہ بناتے رہے۔ کہ ڈیڑھ لاکھ میں ٹھیکہ لوں گا۔ اور چالیس ہزار کا مال لاؤں گا۔ دس ایک ہزار جانے لانے، لیجانے میں صرف ہوں گے پندرہ ہزار کے تحفہ تحائف دوں گا۔ بہرحال ستر ہزار سے ایک پائی بھی زیادہ صرف نہ کروں گا۔ ساٹھ ستر ہزار گھر بیٹھے مل جائیں گے اور پھر نام کتنا ہو گا۔ صاحب عالیشان بہادر سے اسی تقریب میں ملاقات ہو جائے گی۔ وہ سیٹھ میری بھی دوکان پر کپڑا لینگے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات ہوگی۔ کیا عجب ہے کہ سرکار بھی غلاف کو پسند فرمائیں دس پانچ ہزار انعام مرحمت ہو خدا اچھا رکھے۔ نواب نے خوب ترکیب بتلائی کیوں نہ ہوا آخر دلی دوست ہیں۔ ہمارے اور ان کے بزرگوں سے روابط ہیں۔ کتنی دل سوزی سے مشورہ دیا معاملہ ہو جائے تو نواب صاحب کے لئے دو عمدہ تھان ضرور لاؤں گا۔ اور ان کی دیوالی پر وہ آئیں گے تو پان دیکر دو تھان ساتھ کر دوں گا آخر انہوں نے احسان کیا ہے، ایک دو نہیں اکٹھے ساٹھ ستر ہزار کا فائدہ کرا دیا۔ اگر وہ نہ کہتے تو ہمیں معلوم بھی نہ ہوتا اگر معلوم بھی ہوتا تو یہ تفصیل کون کہتا ہم خواہ مخواہ معاملہ لینے کا خیال کیوں کرتے انہوں نے کتنا اچھا مشورہ دیا۔

اسی ادھیڑبن میں صبح ہو گئی سیٹھ جی علی الصباح نواب شہاب جنگ بہادر کی دیوڑھی پہ جا براجے مگر معلوم ہوا کہ نواب صاحب ابھی استراحت فرما رہے ہیں وہاں تو رات کا دربار تھا دن بھر سوتے رات جاگتے تھے گیارہ بجے کہیں معلوم ہوا کہ سرکار بیدار ہوئے اور پھر آئینہ خانہ میں ہیں" "وہ اب حمام خانہ میں ہیں" "نواب لباس تبدیل ہو رہا ہے" "مقوی پی رہے ہیں" "ناشتہ پر تشریف فرما ہیں" "یاروں ملاحظہ فرما رہے ہیں" "گفتگو فرما رہے ہیں" یہ سنتے سنتے تین بج گئے سیٹھ جی بغیر اشنان کئے آ گئے تھے آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں بھوک سے بیتاب ہو کر گھر کا راستہ لیا کیا اشنان اور کہاں کا پوجا، دالان میں بیٹھ کر دوزخ کی آگ بجھائی بیوی نے ہر چند کہا کہ ذرا جوتا تو اتار دو آخر ہو کیا گیا ہے۔ مگر یہ سننے والے تھوڑے تھے۔ ویسے ہی بیٹھ گئے جلتے جاتے سائیسوں کو کہہ گئے تھے کہ گھوڑوں کو بھی دانا کھلا دیں، اور خود بھی کھا لیں۔ گھوڑے کھولے بھی نہ گئے تھے گاڑی سے بندھے ہوئے تو بڑا چڑھا ہوا ابھی آدھا تو بڑا بھی ختم نہ ہوا تھا کہ سیٹھ جی آ دھمکے۔ جلدی جلدی تو بڑا اتروا دیا اور گلی میں آ ڈٹے اور چلے نواب صاحب کی دیوڑھی کو مگر وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب کو پرانی حویلی تشریف لے گئے، ابھی دو منٹ بھی نہیں ہوئے، اب کیا کرتے، بیٹھے رہے۔ ساڑھے گیارہ بجے رات کو نواب صاحب تشریف لائے مگر دس بارہ اور لوگ بھی ساتھ تھے گفتگو کا موقع نہ تھا سیٹھ جی سلام کر کے پلٹ گئے۔ دوسرے روز اس لئے ذرا دیر سے پہنچے کہ انتظار کرنا نہ پڑے۔ مگر معلوم ہوا کہ گیارہ بجے نواب صاحب ریزیڈنسی تشریف لے گئے، اپنا سا منہ لے کر واپس آئے۔ پانچ بجے پہنچے تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب ٹھیک نو بجے رات کو برآمد ہوں گے۔ بیٹھے رہے، نو بجے نواب صاحب برآمد ہوئے۔ اور لوگ بھی آ گئے تھے۔ سیٹھ جی سلام کر کے رہ گئے، دیر تک مجمع کے کم ہونے کی توقع رہی مگر فضول کوئی بھی ٹلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ سیٹھ جی صبح آٹھ بجے کے کھائے ہوئے مارے بھوک کے برا حال ہو گیا۔ گھر آئے اور کھانا کھا کر پڑے رہے۔

جشن جوبلی کے انتظامات، سرکاری کاروبار خانگی مصروفیتیں، ڈیوڑھی مبارک کی حاضری، یہ چیزیں خود نواب صاحب کے پروگرام پر اثر ڈال چکی تھیں، انھیں خود کوئی وقت ایسا نہ ملتا تھا کہ اطمینان سے بیٹھ سکیں، دن رات مصروف رہتے بعض وقت سیٹھ جی پہنچتے تو نواب صاحب نہ ہوتے اگر ہوتے بھی تو عہدہ دار امراء، یا سائلوں، یا مصاحبوں کے مجمع میں سیٹھ گھس نہ سکتے تھے، دو تین وقت دیکھ کر آخر خود نواب صاحب ہی نے پوچھا کہ کیوں سیٹھ جی کچھ کہو گے مگر یہ مجمع لگا دیکھ کر رک گئے۔ جی جی کہہ کر خاموشی اختیار کی نواب صاحب بھی چپ ہو رہے۔

ایک ہفتہ گزر گیا مگر کسی طرح نواب صاحب سے گفتگو نہ ہوئی دوکان پر سیٹھ جی نے قدم نہ رکھا منیب جی اور ملازم تب ہی جان گئے تھے کہ مہاراج ٹھیکہ لے کر ہی آئیں گے۔ ہر ایک پوچھنے والے سے یہ کہہ دیتے کہ سیٹھ جی چارمینار کے غلاف کا ٹھیکہ لینے گئے ہیں۔ شدہ شدہ یہ بات تمام حیدرآباد میں مشہور ہو گئی، حاشیہ چڑھانے والوں نے وہ وہ نکات پیدا کیے کہ توبہ توبہ دیوان غالب میں ڈاکٹر بجنوری مرحوم کو بھی ایسے نکات نظر نہ آ سکے کسی نے کہا مخمل کا غلاف ہو گا اس پر کار چوب کیا جائیگا، کوئی کہنے لگا سامنے کے پردہ پر باغ عام کی تصویر کار چوب میں کاڑھی جائے گی، کوئی کہنے لگا پورا غلاف منقش کا ہو گا غرض جتنے منہ اتنی باتیں!

کامل تیرہ روز کی دوڑ دھوپ کے بعد سیٹھ جی نے نواب صاحب کو تنہا لیا اور بڑی الحاجت سے عرض کیا سرکار! چارمینار کے غلاف کا ٹھیکہ اگر غلام کو مل جائے تو روپیہ میں دو روپیہ کا فائدہ ہو جائیگا یہ سب سرکار ہی کا دیا ہے جو کما رہا ہوں اب بھی سرکار ہی کی آس ہے" نواب صاحب نے حیران ہو کر پوچھا "چار مینار کا غلاف کیا بات" سیٹھ جی نے مختصر طور پر عرض کیا کہ میں نے ایسا ایسا سنا ہے'

نواب صاحب نہایت ہی زندہ دل تھے قہقہے پر قہقہہ لگایا۔ اور فرمانے لگے "اجی سیٹھ چارمینار کا غلاف نہیں بلکہ مکہ مسجد کے لئے ایک صندوق تیار ہو گا۔ کہو تو اس کا ٹھیکہ لکھ دوں، تمام لوگ جمع ہو چکے تھے نواب صاحب نے سب سے کہا مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے سب لوگ لوٹ ہی تو گئے"

سیٹھ جی کی خفت کی انتہا نہ رہی بغیر سلام کئے واپس آ گئے سیدھے گھر پہنچ کر منہ لپیٹ لیا دوسرے دن دوکان پر آئے ہیں تو منیب سے لے کر راستہ چلنے والوں تک ٹھیکہ کا حال پوچھتے ہیں، ایک روز یوں بھی گذرا مگر یہ روحانی تکلیف سہی نہ گئی دوسرے ہی روز ممبئی گئے کچھ کپڑا وغیرہ خرید کر بھجوایا پھر بنارس وغیرہ کا سفر کر کے حیدرآباد آئے تو جوبلی کو ہوئے چھ مہینے گذر چکے تھے۔ عام طور پر لوگوں نے چارمینار کے غلاف کو بھلا دیا تھا مگر بعض بے تکلف کبھی کبھار پوچھ بیٹھتے تھے!

یہ ہے ابتدا چارمینار کے گپ کی اسکے بعد سے اگر کوئی شخص کسی کے منہ سے کوئی اَپ یا گپ یا خبر سن پاتا تو پوچھتا "کہیں یہ چارمینار کی گپ تو نہیں" چارمینار کی گپ سے مراد یہی "غلافی گپ" ہے اس گپ نے کس قدر تاریخی رنگ اختیار کیا؟

سب سے زیادہ مصروف شخص

کہا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ مصروف اور کارگزار شخص ایک امریکی مسٹر جی اوینس نامی ہے یہ ایک روزنامہ "اخبار وشفیل" کا مالک ہے جو امریکہ کے ایک مقام بوشفیل سے شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار کے مضامین تن تنہا یہی لکھتا ہے، حروف بھی یہی جماتا ہے۔ طباعت اور اخبار کے موڑنے کا کام بھی یہی کرتا ہے اخبار چھپ جانے کے بعد یہی اس کو دارالاشاعت میں لاتا ہے اور یہی شخص ڈاک کے ذریعہ اپنے خریداروں میں اخبار تقسیم کرتا ہے۔ ان تمام کاموں سے فراغت پانے کے بعد دن کا باقی وقت روغنس شہر میں اسی اخبار کے متعلق کام کرنے میں گذارتا اور اس کے بعد گھر چلا آتا ہے۔ اور اپنے گھر کے کاروبار بھی بذات خود یہی انجام دیتا ہے۔ ابھی تک یہ شخص کنوارا ہے!

سیاسیات

مصنفہ ارسطو

زیر ترجمہ

سید محمد حسن صاحب رضوی بی اے (عثمانیہ)

کتاب اوّل

ہر مملکت ایک طرح کی ملت ہے اور ہر ملت خیر کے نقطہ نظر سے قائم کی جاتی ہے اس لئے کہ نوع انسان ہمیشہ اس چیز کے حصول کی غرض سے کوئی کام کرتی ہے جس کو وہ اچھا سمجھتی ہے، لیکن اگر تمام ملل کی غایت خیر ہے تو مملکت یا ملت سیاسیہ کی غایت بدرجہ اولی خیر برتر ہے جسمیں باقی سب ملل داخل ہیں اور یہ سب میں اعلی ہے۔ یہ خیال تو غلط ہے کہ مدبر، بادشاہ، صاحب خانہ، آقا ایک سے ہی افراد ہیں وہ نوعیت کے لحاظ سے اختلاف نہیں رکھتے بلکہ صرف اپنی رعایا کے تعداد کا فرق رکھتے ہیں، مثلاً وہ شخص جو چند افراد کا حکمران ہے۔ آقا کہلاتا ہے، وہ شخص جو زیادہ اشخاص کا حکمران ہے صاحب خانہ ہے۔ اور وہ شخص جو بڑی تعداد افراد انسانی کا حکمران ہے، مدبر کہلاتا ہے گویا ایک بڑے خاندان اور چھوٹی مملکت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مدبر و بادشاہ کے مابین جو تمیز ہے مندرجہ ذیل ہے اگر شخصی حکومت ہے تو حکمران بادشاہ ہے اور اگر بمطابقت اصول علم السیاسیہ باشندگان شہر باری باری حاکم و محکوم بنتے ہیں۔ تب وہ مدبر کہلاتا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کہ حکومتوں کی نوعیت ہی میں اختلاف ہوتا ہے۔ یہ امر اس شخص پر کھلا ہوگا جو طریقہ سے مسئلہ پر غور کرتا ہے یہ وہ طریقہ ہے۔ جس نے اس وقت تک ہماری رہنمائی کی ہے۔ وہ طریقہ تحلیل ہے۔ دوسرے شعبجات علم میں یہ طریقہ ہے کہ ہمیشہ۔ مرکب کو عناصر بسیط میں یا کل کو اقل جزئیات میں تحلیل کرتے ہیں اسی طریقہ کا اطلاق سیاسیات پر کریں۔ لہذا ہم ان عناصر پر غور کریں جن سے مملکت مرکب ہے اس لئے کہ ہم معلوم کر سکیں کہ وہ آپس میں کس طرح مختلف ہیں۔ آیا کوئی علمی امتیاز مختلف اقسام حکومت میں کیا جا سکتا ہے۔

وہ شخص جو اشیاء کو ان کی ابتدائی ترقی اور ماخذ کے لحاظ سے اس طور پر غور کرتا ہے۔ جید واضح رائے ان کی بابت حاصل کریگا، خواہ مملکت ہو یا کوئی دوسری شے ہو۔ (۱) پہلے تو ان میں اتحاد ہونا چاہئے جو ایک دوسرے کے بغیر عالم وجود میں نہیں آ سکتے، مثلاً مرد و عورت کا اتحاد ہے۔ اس لئے کہ افزائش نسل انسانی ہوتی ہے یہ وہ اتحاد نہیں ہے جو سوچے سمجھے مقصد کی بنا پر قائم ہوا ہے بلکہ نوع انسان کی یہ فطری خواہش دوسرے حیوانات اور نباتات کے ساتھ مشترک ہے اس لئے کہ وہ اپنے بعد اپنی نقل چھوڑ جائیں (۲) فطری حکمران اور رعیت کا اتحاد ہونا چاہئے تاکہ دونوں برقرار رہیں وہ شخص جو اپنے ذہن سے سوچ بچار کرتا ہے۔ اس کا آقا اور حاکم ہونا بالطبع مقصود ہے اور وہ شخص جو اپنے جسم سے محنت کرتا ہے۔ اور بالطبع غلام ہے۔ لہذا آقا اور غلام یکساں غرض رکھتے ہیں بہرحال فطرت نے عورت و غلام میں فرق و اختلاف رکھا ہے۔ اس لئے کہ وہ مثل لوہار کے بخیل نہیں ہیں، جو دلفی چاقو کو بہت سے کاموں کے استعمال کے لئے بناتا ہے فطرت تو ہر چیز ایک کام کے واسطے بناتی ہے اور بہت عمدہ طریقہ ہر ایک آلہ بناتی ہے۔ جبکہ ایک کام لینا مقصود ہو نہ کہ بہت سے کام کہیں بربری اقوام میں عورتوں اور غلاموں کے مابین کوئی فرق نہیں کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان میں کوئی فطری حکمران ہے ہی نہیں وہ تو غلاموں اور لونڈیوں کی جماعت اس سبب سے شعرا کہا کرتے ہیں کہ

"مناسب یہ ہے یونانی قوم بربری لوگوں پر حکومت کرے گویا کہ انہوں نے خیال کیا کہ بربری غلام بالطبع ایک ہی شخص ہے"

اول تو ان تعلق ... ہے۔ جو مرد و عورت اور آقا ... قول صحیح ہے۔ جب وہ کہتا ہے، ... بیل ہل کے لئے۔ اس لئے کہ بیل غریب ... خاندان تو اجتماع ہے جو فطرۃً انسانوں ... کے مہیا کرنے کے لئے قائم ہوا ہے۔ اور ... بقول چارونڈس (...) ہم ... اور بقول ایپی مینڈس (... ہم نوالہ رفقا ہیں لیکن چند خاندان متحد ہوتے ہیں ... اجتماع ماسوا روزانہ ضروریات کو مہیا کرنے کے کسی ... شے کی غایت ہوتی ہے۔ اس وقت گاؤں وجود میں آ... سب سے زیادہ فطری صورت گاؤں کی ہویدا ہوتی ہے کہ وہ خاندان سے نو آبادی کی شکل اختیار کرتی ہے، خاندان تو بیٹوں اور پوتوں سے مرکب ہوتا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "ایک ہی چھاتی سے دودھ پیتے ہیں۔"

یہ ہی تو سبب ہے کہ ابتدائی یونانی مملکتوں کو بادشاہوں کے زیر حکومت رہنا پڑا؟ اس لئے کہ یونانی لوگ حکومت شاہی کے ماتحت تھے، پیشتر اس کے کہ وہ اجتماع ہوئے جیسا کہ اب بھی بربری لوگوں میں رائج ہے ہر خاندان میں گھر کا بڑا حکومت کرتا ہے لہذا خاندان کی نو آبادیوں میں حکومت کی شخصی ہیئت رائج رہی ہے اس لئے کہ وہ لوگ ایک ہی خونی رشتہ رکھتے تھے جیسا کہ ہومر سائیکلوپس کی بابت کہتا ہے۔ ہر شخص اپنے اہل و عیال پر قانون جاری کرتا ہے۔ اس لئے کہ لوگ منتشر حالت میں زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قدیم ایام میں دستور تھا۔ اس وجہ سے لوگ کہا کرتے ہیں کہ دیوتاؤں کا ایک بادشاہ ہے چونکہ وہ لوگ خود زمانہ قدیم میں بادشاہ کے زیر حکومت تھے یا زمانہ موجودہ میں بادشاہ کے زیر حکومت ہیں۔ اس سبب سے لوگوں کا خیال ہے نہ صرف دیوتاؤں کی صورتیں بلکہ ان کے طریقہ زندگی خود اسکے ہی مثل ہونی چاہئیں۔

جب چند دیہات واحد ملت میں متحد ہوتے ہیں جو کامل اور پورے طور پر ترقی کر تقریباً یا بالکلیہ خود اپنی ضروریات کو مہیا کرنے والی ہے تو مملکت عالم وجود میں آتی ہے جو زندگی کی سادہ ضرورتوں میں پیدا ہوتی ہے اور حیات خیری کی وجہ سے اپنے وجود میں قائم رہتی ہے۔ لہذا اگر ابتدائی صورتیں نظم معاشرت کی فطری ہیں۔ تو مملکت بھی فطری ہے اس لئے کہ وہ ان کی غایت ہے اور فطرت کا ملہ غایت ہوتی ہے اس وجہ سے کہ ہر شے جب کامل طور پر نشو و نما پاتی ہے تو ہم اس امر کو اس کی فطرت کہتے ہیں خواہ ہم انسان، خاندان یا گھوڑے کا ذکر کر رہے ہوں علاوہ بریں علت غائی اور غایت سے بہترین بات ہے۔ خود اپنی ضروریات کا کفیل ہونا غایت اور بہترین شے ہے۔

لہذا صاف ظاہر ہے کہ مملکت فطرت کی مخلوق ہے اور انسان بالطبع سیاسی حیوان ہے اور وہ شخص جو بالطبع اور نہ محض بہ اتفاق بغیر مملکت کے ہے یا تو

ی نوع انسان سے برتر ہے یا ادنیٰ ہے۔ ایسے شخص کی مذمت ہومر کرتا ہے۔ کہ جو بے قبیلہ بے قانون یا خانہ بدوش ہو اور کسی قوم کا رکن نہ ہو اور لڑنے مرنے کا شیدا ہو اس کو شطرنج کے غیر محفوظ مہرہ سے مشابہت دے سکتے ہیں۔ اب یہ تو ظاہر سبب ہے کہ کیوں انسان شہد کی مکھیوں یا کسی دوسرے غول حیوانات کی بہ نسبت سیاسی حیوان ہے۔ جیسا ہم اکثر کہا کرتے ہیں۔ کہ فطرت کسی شے کو فضول نہیں بناتی صرف انسان وہ حیوان ہے جس کو اس نے گویائی عطا کی ہے اور آواز سوائے اظہار لذت والم کے کیا ہے۔ اور یہ دوسرے حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے کہ ان کی فطرت اوراک لذت والم کا حصول کرتی ہے۔ ان سے واقفیت حاصل کرتی ہے اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں پاتی) اور قوت گویائی کا تو منشا یہ ہے کہ مناسب، غیر مناسب کا اظہار کرے اور اس طرح عدل اور ظلم کا بیان کرے انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ تنہا اچھے برے اور عدل وظلم کا احساس کرتا ہے اور زندہ افراد کا وہ اجتماع جو یہ احساس رکھتا ہے خاندان اور مملکت کو وجود میں لاتا ہے۔

بالطبع مملکت بدیہی طور پر فرد اور خاندان سے پیشتر ہے اسلئے کہ کل وجوباً جزو سے قبل ہے مثلاً کل جسم خراب ہو جائے تو ہاتھ یا پیر بجز ذومعنی مفہوم کے نہ رہیگا جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ پتھر کا ہاتھ ہے۔ اس لئے کہ جب جسم برباد ہوا تو ہاتھ کچھ مفید نہیں ہوگا۔ لیکن تعریف اشیاء ان کے قوت وعمل کی بنا پر کی جاتی ہے اور ہم نہیں کہ وہ یکساں ہیں جب کہ وہ یکساں باقی نہیں رہے ہیں بلکہ صرف یہیں کہ یکساں نام رکھتے ہیں۔ اور اس کا یہ ثبوت کہ مملکت فرد سے پہلے وجود میں آئی اور یہ فطرت کی تخلیق ہے۔ مندرجہ ذیل ہے کہ فرد جب اکیلا اور الگ تھلگ ہے خود کا کفیل نہیں ہے؛ لہٰذا وہ جزو کے مشابہ ہے جیسا کہ جزو کو کل سے تعلق ہے۔ لیکن وہ جو نظم معاشرت میں رہنے سے قاصر ہے یا وہ جو احتیاج نہیں رکھتا ہے اس لئے کہ وہ خود اپنے لئے مکتفی ہے یا تو وہ دیوتا ہے یا حیوان وہ تو مملکت کا جزو نہیں ہے۔ اجتماعی جبلت بالطبع تمام انسانوں میں ودیعت کی گئی ہے لہٰذا وہ شخص جس نے سب سے پہلے مملکت کا سنگ بنیاد رکھا ہے سب سے زیادہ محسن اور خیر خواہ ہوا اس لئے کہ جب انسان کامل ہو جاتا ہے تو سارے حیوانات میں بہترین ہے۔ جب قانون وعدل سے الگ اور منفرد رہے تو سب سے زیادہ بدترین ہے؛ اس لئے کہ مسلح ظلم بہت خطرناک ہے اس کو تو بہ وقت پیدائش فہم کے ہتیار اور اخلاقی کیفیات عطا ہوئے ہیں جن کو وہ بدترین اغراض کے لئے کام میں لاسکتا ہے! اس لئے کہ اگر وہ نیکی سے متصف نہیں ہے تو سب سے زیادہ ناپاک ہے اور حیوانات سے خونخوار ترین حیوان ہے سب سے زیادہ پرشہوت اور بسیار خوار ہے لیکن عدل وانصاف مملکتوں میں انسانوں کا افراد ہے عدل گستری تو تعین ومعیار ہے کہ کیا شئے عدل وانصاف ہے اور یہ عدل گستری جماعت سیاسیہ میں اصول نظم وترتیب ہے۔

تیل کی داستان

ہندوستان کی تجارت کے خارجی تعلقات میں مٹی کے تیل (کروسن آئیل) کی تجارت بھی اہم جزو ہے حال تک یہ بات عام تھی کہ دنیا میں سب سے زیادہ مالدار آدمی راک فلر صاحب تھے جو تیل کے بادشاہ کہلاتے ہیں دولت کی صدارت عالم حال ہی میں ہنری فورڈ صاحب نے حاصل کی ہے۔ ورنہ راک فلر صاحب کی دولت کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ ایک رسالہ نے دولت کے اعتبار سے مختلف مالدار شخصوں کی تصویر بنائی تھی جس میں راک فلر صاحب ایک قوی ہیکل دیو نظر آتے تھے اور زار روس شاہ انگلستان وغیرہ عظیم الشان بادشاہ، کوئی انکی کمر تک پہنچتا تھا اور کوئی گھٹنے تک اور ایک بدقسمت بادشاہ کا سر تو راک فلر صاحب کی بوٹ تک ہی پہنچا تھا۔ راک فلر صاحب کی دولتمندی تمام تر تیل ہی کی تجارت پر ہے۔ وہ بہت معمولی شخص تھے۔ اگرچہ فارسی نہیں پڑھی تھی۔ مگر تیل بیچتے بیچتے تیل کے بادشاہ ہو گئے۔

ہندوستان اپنی تمدنی پستی کی وجہ سے مٹی کے تیل کا غالباً دنیا میں سب سے بڑا بازار ہے۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں جہاں ترقی کے آثار نمایاں ہیں وہاں مٹی کے تیل کی جگہ گیس اور بجلی نے لے لی۔ مگر ہندوستان ابھی تک روشنی کے لئے مٹی ہی کا محتاج ہے۔

گذشتہ نمبر میں میر خاں صاحب کا ایک مضمون پیٹرولیم پر شائع ہو چکا ہے جس میں صاحب موصوف نے ضمناً ہندوستان کی مٹی کے تیل کی تجارتی کمپنیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ حال میں ایشیاٹک پیٹرولیم کمپنی نے مٹی کے تیل کی موجودہ صورت حال کے متعلق ایک بیان شائع کیا ہے یہ کمپنی ہندوستان میں رائل ڈچ (شل گروپ) کمپنی، دی برما آئل کمپنی لمیٹڈ، دی انڈو برما پیٹرولیم کمپنی لمیٹڈ، دی اٹک آئل کمپنی لمیٹڈ، اور دی آسام آئل کمپنی لمیٹڈ ان پانچ کمپنیوں کا نمائندہ ہے اور اس کا بیان گویا پانچ کمپنیوں کی طرف سے ہے۔

ان تمام کمپنیوں کی ایک بڑی حریف امریکہ کی دی اسٹانڈرڈ آئیل کمپنی آف نیویارک ہے اس کمپنی نے حال میں اپنا ایک بیان عوام کی آگاہی کے لئے شائع کیا تھا۔ ایشیاٹک پیٹرولیم کمپنی کا بیان اس کے اعلان کا جواب ہے ایشیاٹک پیٹرولیم کمپنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسٹانڈرڈ کمپنی نے اپنے بیان میں بہت سے واقعات کو حذف کیا ہے۔ روس میں مٹی کے تیل کے بہت قیمتی چشمے واقع ہیں ان چشموں کو کام میں لانے کے لئے مختلف کمپنیوں نے روس کی حکومت سے بھاری بھاری رقمیں ادا کر کے اجازت حاصل کی۔ ان چشموں پر ان کمپنیوں نے بیحد سرمایہ لگا کر کام شروع کیا۔ ایسے زمانہ میں سوویٹ حکومت نے ان چشموں پر قبضہ کیا اور کمپنیوں کی نقد رقم بھی جو وہاں موجود تھی ہضم کر لی۔ اس جائداد کے لے لینے کا کوئی معاوضہ سوویٹ حکومت نے کمپنیوں کو نہیں دیا۔ جنگ کے زمانے سے سنہ ۱۹۲۶ء تک رائل ڈچ کمپنی نے سوویٹ حکومت سے ساتھی دوسری مظلوم کمپنیوں کے معاوضہ کے لئے بالواسطہ اور بلاواسطہ کوشش جاری رکھی اس امید میں کہ معاوضہ کے لئے کوئی نہ کوئی راہ باقی رہے اور خاص کر حکومت برطانیہ کی خاص درخواست پر رائل ڈچ کمپنی نے مختلف اوقات اس روسی مقبوضہ تیل کی اعلانیہ خریداری کی اس خریداری کی گفت وشنید سے دوسری مظلوم کمپنیاں جو خود بھی معاوضہ کی طلب گار تھیں اچھی طرح آگاہ تھیں۔

رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوا کہ روسی تیل کی خریداری سے نقصان رسیدہ کمپنیوں کو معاوضہ کی کوئی راہ نہیں نکل رہی ہے بلکہ روسی حکومت نے یہ دیکھ کر کہ ان کا مقبوضہ تیل برابر فروخت ہو رہا ہے معاوضہ دینے کا خیال ترک کیا اس پر ان تیل کی کمپنیوں نے آپس میں متحد ہو کر یہ طے کیا کہ روسی تیل کی خریداری قطعاً بند کر دی جائے اور کوئی کمپنی روسی تیل نہ خریدے اس ارادہ میں امریکہ کی اسٹانڈرڈ

خواجہ محمود گاوان

اور

مدرسہ بیدر

خواجہ محمود گاوان ۸۱۳ھ مطابق ۱۴۱۱ء میں قریہ قاوان میں جو علاقہ گیلان میں ہے پیدا ہوا اس لئے اس کا عرف گاوان ہوا۔ اس کے آباد اجداد شاہان گیلان کے وزراء میں تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی سعی سے رشت کی بادشاہت حاصل کی تھی جس کا خاتمہ صفوی والی ایران کے حملہ سے ہوا۔

محمود گاوان کے والد بزرگوار کا نام خواجہ محمد تھا اور اس کا چچا خواجہ شمس الدین امیر محمد والی گیلان کا وزیر تھا ابتداء میں محمود گاوان نے اپنے ہی وطن میں تعلیم پائی۔ جب سن شعور کو پہونچا تو امور سلطنت میں اپنے چچا کو مدد دینے لگا اور اس میں اس کو اچھا تجربہ ہو گیا چند سال کے بعد محمود گاوان مکہ معظمہ چلا گیا اور دو سال کے بعد اس کا چچا بھی ہجرت کر کے حجاز کو روانہ ہوا اور اپنی جگہ پر اپنے بیٹے خواجہ محمد کو مقرر کیا۔ مگر یہ ناتجربہ کار تھا اس سے فائدہ اٹھا کر امراء نے سرکشی کی۔ آخر کار خواجہ محمد تنگ ہو کر اپنے والد کے پاس مکہ معظمہ چلا گیا محمود گاوان نے جب اپنے وطن میں فتنہ و فساد دیکھا تو اس نے بھی وطن کو خیر باد کہا۔ شاہان عراق و خراسان نے اس کو وزارت پیش کی مگر اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تجارت جیسا شریف پیشہ اختیار کیا بادشاہ سیر و سیاحت میں وہ اکثر دبستے مکان پر آتا اور ان کی صحبت کا لطف اٹھاتا تھی اس نے اپنے کاروبار تجارت کو ترقی دینے اپنی ذات پر اس کو مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کے جلیل القدر لڑکپن ہی سے وہ ہندوستان نے اپنے شریف اس لئے تقریباً چالیس سال کیا اور اسی کو کسب معاش بندر دابھول میں داخل ہوئے جب ہندوستان محمود آباد بیدر کا ارادہ چالیس ہزار لاری تھے کا پائے تخت تھا۔ جہاں نے اپنے کاروبار تجارت کو آپ ولی شاہ نعمت اللہ تجارت سے جو نفع ہوتا تھا کثرت سے لوگ آپ ہ لاری اپنے خرچ کے لئے نکال سلطان علاؤالدین تھا اس میں سے کچھ تو اپنی ال تھا اس کو محمود گاوان نے مختلف ممالک کے زاہدوں اور اور اس پر اپنی مہربانی جن سے اثناء سفر میں ملاقات محمود گاوان نے ان کے اس خزانہ کا نام درویشاں مناصب پر دیکھا ایک دوسرا خزانہ تھا جس کا نام گرد بیدہ کر لیا تو اسکی یہ کیفیت تھی کہ جو کچھ جاگیر حینہ ہی روز میں ہزار گاؤں تھے وصول ہوتا اسمیں سے

۸۵۶ھ میں سلطان علاء الدین کے بہنوی نے بغاوت کی اور صوبہ تلنگانہ پر قبضہ کر کے محمود شاہ خلجی والی خاندیس کی مدد سے دکن پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی اور لکھا کہ بادشاہ کا انتقال ہو چکا ہے۔

اپنی بہنوی کی سرکوبی کے لئے سلطان علاء الدین نے محمود گاوان کا انتخاب کیا۔ اور اس کو منصب ہزاری پر بعض امراء کے ساتھ روانہ کیا۔ محمود گاوان نے آسانی سے جلال خاں کے مستقر قلعہ نلگنڈہ کا محاصرہ کر لیا جلال خاں نے تنگ آکر اماں طلب کی اور قلعہ اس کے حوالہ کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

اس واقعہ کے دو سال بعد سلطان علاء الدین کا انتقال ہو گیا۔ مگر انتقال کے وقت اس نے اپنے ولی عہد ہمایوں کو وصیت کی کہ وہ خواجہ محمود گاوان کی قدر و منزلت کرے۔ چنانچہ اس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد اس کو ملک التجار کا خطاب دیا۔ اور وکیل شاہی و طرفدار بیجاپور مقرر کیا۔ سکندر خاں ولد جلال خاں نے جب بغاوت کی تو محمود گاوان بھی بیجاپور کی جمعیت کی سرگردگی میں شریک جنگ ہوا اور سکندر خاں کے مارے جانے کے بعد ایک ہفتہ کے محاصرہ میں نلگنڈہ فتح کیا۔ سکندر خاں کی بغاوت کی وجہ سارے تلنگانہ میں بغاوت ہو گئی تھی محمود گاوان ہمایوں کے ... میں اس بغاوت کے فرو کرنے میں رہا۔ واحتشام ... کو دے ... ہے۔ جب یوسف ... کر دیا۔

... معہ انتور کا فتح کرنے کے بعد محمد شاہ ... بہت خوش ہوا اور خواجہ جہاں ... حکم دیا۔ خواجہ جہاں ... دعوت دی۔

بادشاہ ... علماء و فضلاء ... تھا۔ اس کی ساتھ ... کر اس کے ... کی کوشش کرتا اس طرح تک یوسف ... سیاحت کا خوب موقع ملا مدد سے ... ن کی بہت تعریف سنتا تھا بھی ... کی عمر میں ۸۵۷ھ میں پاس آ ... ہوا۔ سب سے پہلے اس نے ہو ... کر دیا۔ بیدر اس زمانہ میں شاہان بہمنیہ ... شاہ محب اللہ کرمانی بھی رہتے تھے ... کے پوتے تھے اس زمانہ میں ... کے معتقد تھے۔

... الدین علم کا نزاد وست ... جس جیسے فاضل کی صحبت بہت پسند آئی ... کا اظہار کیا کرتا تھا۔ جب ... اپنے وطن کے باشندوں کو یہاں علمی ... اور بادشاہ کے حسن اخلاق نے اسکو ... نے بھی بیدر ہی کو اپنا وطن بنایا اور بادشاہ کا منظور نظر بن گیا۔

... جس کا ... سالہ بڑا نہایت ہوشیار ... کی وصیت کے ... کی اور طرفدار تلنگانہ ... و وزیر کل و طرفدار ... حکومت کیا کرتے ... گرد و نواح ... اور رائے اوڑیسہ کو شکست ہوئی ... اس نے محمود گاوان ... نامہ و پیام کے ... ملک کو دا ... اس ... اس جنگ میں ... فاتح کی حیثیت میں ممالک پر اثر ملک التجار کی فکر ہی میں تھا ان کی آپس کی ... اس نے ملکہ مخدومہ ... طرف سے ایک خط لکھا کہ وہ انکی مدد

بقیہ صفحہ (۲۲)

کوئی کمپنی روسی تیل نہ خریدے اس ارادہ میں امریکہ کی اسٹانڈرڈ کمپنی بھی شریک تھی مگر حال میں اس کمپنی نے معاہدہ شکنی کی اور روسی تیل خریدنا شروع کیا اسٹانڈرڈ کمپنی کی اس خریداری سے سوویٹ حکومت بہت مطمئن ہو گئی اور ان کمپنیوں کا معاوضہ ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ گیا۔

اسٹانڈرڈ آئیل کمپنی کا ارادہ جو ہندوستان کو اپنا صدر مقام بنانے کا ہوا ہے اس سے مقصد یہی ہے کہ روسکا چرایا ہوا تیل بہت کم قیمت پر ہندوستان میں فروخت کیا جائے۔ چونکہ روس نے اس تیل کی کوئی قیمت ادا نہیں کی ہے اسلئے اسکو قیمت کے کم کرنے میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

یہ ہے وہ تیل کا راز جو ایشیاٹک پٹرولیم کمپنی نے اب فاش کیا اور اسکی کچھ خفیف سی روشنی روس اور انگلستان کے موجودہ تعلقات پر بھی پڑتی ہے۔

اسی ہزار فوج کے ساتھ انکی امداد کیلئے خود آیا ملکہ مخدومہ جہاں کو جب اسکی خبر ہوئی تو اسنے محمود گاوان کو سپہ سالار مقرر کرکے پانچ چھ ہزار سوار اسکے ساتھ استقبال کے لئے روانہ کیا اس نے بیس ہزار فوج خواجہ محمود گاوان کے حوالہ کی محمود گاوان نے اطراف واکناف سے اور بیس ہزار فوج جمع کرلی اور چالیس ہزار فوج کے ساتھ محمود شاہ خلجی پر حملہ کیا۔ محمود خلجی بغیر کسی مقابلہ کے اپنے ملک کی طرف روانہ ہوگیا۔ مگر خواجہ نے اس کا خوب تعاقب کیا اور اسقدر تنگ کیا کہ محمود شاہ خلجی کو ایلیچپور اور اکلکوٹ جیسے دشوار گزار راستوں سے بھاگنا پڑا۔

پھر ۱۴۶۳ء میں محمود شاہ خلجی نے نوے ہزار ۹۰۰۰۰ کے ساتھ ملک دکن پر حملہ آور ہوا مگر اس دفعہ بھی محمود گاوان نے محمود شاہ والی گجرات سے مدد طلب کی اور محمود شاہ خلجی کو بغیر جنگ کے واپس ہونا پڑا۔

اس کے بعد ملکہ مخدومہ جہاں نے نظام شاہ کی شادی کا انتظام کیا مگر بزم شادی مجلس عزا سے مبدل ہوگیا اور اسی رات کو نظام شاہ نے انتقال کیا۔

نظام شاہ کے بعد اس کا بھائی محمد شاہ تخت فیروزہ پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کی عمر نو سال کی تھی اس کے عہد میں خواجہ جہاں ترک کو بے انتہا قوت حاصل ہوگئی تھی وہ قدیم امرا کی جاگیریں چھین کر اپنے حکومت کے استقلال کی خاطر جدید امرا کو دینے لگا اور خزانہ عامرہ میں اپنا تصرف شروع کردیا۔

محمود گاوان کو ہمیشہ سرحد پر فوج دیکر روانہ کردیا کرتا تھا اور اس کو دارالسلطنت میں رہنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔ ملکہ مخدومہ جہاں تو اس سے تنگ ہوچکی تھی اس لئے اس نے نہایت تدبیر سے ۱۴۶۶ء میں محمد شاہ کو اس کے قتل پر آمادہ کیا۔ ایک روز جب خواجہ جہاں ترک حسب معمول دربار میں آیا تھا محمد شاہ نے نظام الملک کو اس کے قتل کا حکم دیا اور اس نے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کیا۔

خواجہ جہاں ترک کے قتل کے بعد محمود گاوان کے سوائے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو امور سلطنت کو باحسن وجوہ انجام دیسکے اس لئے اس کو خلعت خاص وخطاب خواجہ جہاں ومنصب امیر الامرائی ووکالت امور شاہی عطا ہوا اور مراتب دنیوی میں اس کا پایہ سب سے اعلیٰ ہوگیا اس وقت خواجہ جہاں محمود گاوان فرامین شاہی میں اس طرح پر مخاطب کیا جاتا تھا "مخدوم جہانیاں معتمد درگاہ سلطان آصف جم نشان امیر الامرا الملک نائب مخدوم خواجہ جہاں"

خواجہ جہاں محمود گاواں کی مدد سے ملکہ مخدومہ جہاں نے بڑی دھوم دھام سے محمد شاہ کی شادی کی اور امور سلطنت سے دست بردار ہوکر گوشہ نشینی اختیار کرلی۔

محمد شاہ کی سلطنت کو وسعت دینے میں محمود گاواں کا بڑا حصہ ہے ۱۴۶۹ء میں محمود گاوان لشکر کثیر لیکر مہم کوکن وفتح گوا کے لئے روانہ ہوا۔ راے یکسر ایک بہت ذیشان راجہ اور بحری ڈاکوؤں کا سرگروہ تھا اس کے زیر حکومت تین سو جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا تھا اور فوج کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ غرض نہایت دلیری اور بہادری سے اس کا مقابلہ کرتا رہا آخر کار فتحیاب ہوکر گوا کی طرف بڑھا جو راجہ بیجانگر کا مشہور بندر تھا چونکہ راجہ بیجانگر بحری فوج رکھتا تھا اس لئے خواجہ جہاں محمود گاوان نے بھی ایکسو بیس جہازوں کا بیڑا تیار کرکے تری سے حملہ کرنے کے لئے بھیجا اور خشکی کی طرف سے بڑھا اور اس پر حملہ کرلیا۔ اس کی خبر شہر شہر پھیل گئی اور اس سے محمد شاہ بہمنی اس قدر خوش ہوا کہ ایک ہفتہ تک طبل شادی محمد آباد بیدر میں بجوایا جب نمایاں کامیابی کے بعد محمود گاوان قلعہ گوا کی حفاظت کا بندوبست کرکے تین سال کے بعد فتح ونصرت کے ساتھ محمد آباد بیدر میں داخل ہوا تو اسکی اسقدر توقیر ہوی کہ بادشاہ ایک مہینہ تک اسکے ہاں مہمان رہا اور خلعت خاص عنایت کی اور ملکہ مخدومہ جہاں نے اس کو "بھائی" کے لقب سے مخاطب کیا اور چند فقرے اس کے القاب میں بڑھائے گئے جس کے بعد سے وہ اس طرح مخاطب کیا جانے لگا۔ حضرت مجلس کریم سید عظیم الدین ہمایون اعظم صاحب السیف والقلم مخدوم جہانیاں معتمد بارگاہ۔

۱۴۷۲ء میں خبر ہونچی کہ رائے پرکیتہ نے اجیراے راجہ بیجانگر کی تحریک سے بندر گوا پر حملہ آور ہونے کا قصد کیا ہے اور قلعہ دار منکا پور بھی بہت سا لشکر لیکر اسکی طرف بڑھ رہا ہے

محمد شاہ نے قلعہ بلگواں (جس کو اب بلگاؤں کہتے ہیں) کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ اور آتش بازوں کو حکم دیا کہ دو ہفتہ کے اندر قلعہ کی دیوار کا نام ونشان باقی نہ رکھیں اور خندق کو بھرنا خواجہ جہاں کے سپرد کیا تاکہ جس وقت دیواریں زمین سے پیوست ہوں اسی دن خندق بھی بھری ہوئی رہے۔ لیکن خواجہ جہاں خندق کے بھرنے کی دن بھر جو کوشش کرتا تھا وہ ناکام رہتی تھی کیوں کہ خندق جسقدر بھری جاتی تھی رات کے وقت محصورین اس کو خالی کردیتے تھے یہ دیکھکر خواجہ جہاں نے غور کیا اور قلعہ کے مقابلہ میں ایک دیوار اونچا کرکے بجا مورچے قائم کئے اور یوسف عادل خاں اور فتح اللہ عماد الملک کے مورچوں سے قلعہ کے برج کے نیچے تک سرنگ بنواکر اس میں بارود بھروائی۔ چونکہ دکن میں پہلا موقع تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا گیا اس لئے پرکیتہ بے خبر بیٹھا ہوا تھا کہ سرنگ کو شتابہ دکھایا گیا اور دفعتاً قلعہ کی دیواریں کئی مقامات سے زمین سے آملیں اس لڑائی میں راجہ کو شکست ہوی اور وہ لباس تبدیل کرکے بادشاہ کے حضور میں آیا اور معافی چاہی۔ محمد شاہ نے نہایت فیاضی سے رائے پرکیتہ کا قصور معاف کرکے طبقہ امرا میں داخل کیا

جب بیجانگر میں نئے خاندان کی حکومت ہوئی تو ۱۴۸۱ء میں محمد شاہ نے سلطنت بیجانگر پر حملہ کیا راستہ میں سلطان نے پہاڑی پر ایک قلعہ دیکھا جو مسمار پڑا ہوا تھا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قلعہ بادشاہان دہلی نے اپنی سرحد کی حفاظت کے لئے تعمیر کیا تھا محمد شاہ نے یہ سنکر اس کی تعمیر ومرمت کا حکم دیا اور خواجہ جہاں کے سپرد یہ کام کیا

خواجہ جہاں نے نہایت سرگرمی سے کام شروع کیا اور چھ ماہ کی قلیل مدت میں اس کو تیار کردیا یہ ایک شاندار قلعہ تھا جس کی دیواروں پر توپیں نقش اور اس میں ہر قسم کی رسد کا سامان جمع کردیا اس کے بعد محمد شاہ کو بلایا جب محمد شاہ نے اس قلعہ کو دیکھا تو اسقدر خوش ہوا کہ کہنے لگا کہ خدا کا مجھ پر بڑا فضل وکرم ہے کہ ایک تو اس نے مجھے شاہی ریاست عطا فرمائی دوسرے خواجہ جہاں جیسا نوکر عنایت کیا اور ازراہ خوشنودی خواجہ جہاں کو اپنا لباس پہنایا اور خواجہ کا لباس خود پہنا یہ ایسی عزت تھی کہ آجتک کسی بادشاہ نے نوکر کو نہیں دی۔

خواجہ جہاں سلطنت بہمنیہ میں نہ صرف ایک کامیاب سپہ سالار رہا بلکہ اس نے ملکی اصلاحات میں بھی کافی حصہ لیا۔ چنانچہ ۱۴۸۰ء میں اس نے اصول سیاست کے لحاظ سے حکومت کو اس طرح تقسیم کیا کہ کسی ایک شخص کے ہاتھ میں زیادہ قوت جمع نہ ہو اور بادشاہ کا قابو سب پر یکساں ہو۔ اس لئے اس نے تمام ملک کو بجائے چار اطراف کے آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا اس سے بادشاہ کا رعب وداب تمام صوبوں پر قائم رہے اور حالات معلوم ہوتے رہیں اس نے ہر ایک صوبہ کے بعض بعض دیہات کو بادشاہ کے اخراجات کے لئے مخصوص کیا جس سے تمام ملک پر شاہی نگرانی ہوگئی۔

سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی کے وقت سے ایک بات ہی چلی آتی تھی کہ جس سمت میں جتنے قلعہ ہوتے تھے وہ اسی سمت کے طرفدار کی تحت میں رہتے تھے اور وہ جس کو چاہتا تھا اپنی طرف سے قلعہ دار مقرر کردیتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طرفداروں کی قوت بہت بڑھ جاتی تھی اور جب جی میں آتا تھا سرکشی کربیٹھتے تھے خواجہ جہاں نے اس طریقہ کو بھی موقوف کیا اور قرار دیا کہ صرف ایک قلعہ سرلشکر سمت کی تحت میں رہے باقی قلعوں پر بادشاہ کی طرف سے امراء ومنصبدار و قلعہ دار مقرر ہوا کریں۔ ان کو اور ان کی فوج کو شاہی خزانہ سے تنخواہ ملا کرے ان لوگوں کے تقرر سے نہ صرف

طرفدار دل کی قوت میں کمی ہوئی بلکہ یہ لوگ ان کے
افعال کے بھی نگراں رہتے تھے۔

انتظام مالگزاری کے متعلق یہ بندوبست کیا کہ مالکان اراضی کی حقیقت کو مشخص کر کے رجسٹروں میں درج کیا اور دیہات و تعلقات و اسامات کی جمعبندی کو لکھا اور سیدھا سادا طریقہ جاری کیا کہ جس سے رقم وصول شدہ کی بھی آسانی سے تنقیح ہو سکے اور رعایا بھی استحصال بیجا سے محفوظ رہے۔ تاریخ ہندوستان میں بندوبست مالگزاری کی یہ پہلی مثال ہے اور خواجہ جہاں محمود گاوان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے ایک ایسے ضروری انتظام کی طرف توجہ کی جس کا اثر ہندوستان میں (۷۵) فیصدی مخلوق کی آرام و آسائش پر پڑتا ہے اور جس کو آج تک انتظام سلطنت کا سب سے بڑا جزو سمجھا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ تمام دیہات کی حد بندی بھی کی۔

خواجہ جہاں محمود گاوان نے فوجی اصلاحات بھی کیئے سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی کے وقت سے یہ طریقہ چلا آتا تھا کہ افواج کے کمانڈروں کے دو درجے تھے ایک پانصدی دوسرا ہزاری سرلشکر پانصدی کو ایک لاکھ ہن سالانہ ملتے تھے اور امراء ہزاری کو دو لاکھ ہن (ایک ہن ساڑھے تین روپیہ کلدار کے مساوی ہے) اور یہ روپیہ یا تو نقد دیا جاتا تھا یا اس کے معاوضہ میں جاگیر دیجاتی تھی چونکہ سپاہی کی کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی اور گنتی کا بھی کوئی قاعدہ یا ضابطہ نہ تھا اس لئے سرلشکر نہ تو ٹھیک ٹھیک تعداد میں فوج رکھتے تھے اور نہ سپاہیوں کو معقول تنخواہ دیتے تھے جسکی وجہ وہ دل سے سرکاری خدمتیں بجالاتے خواجہ جہان نے سپاہی سے لیکر امرائے ہزاری تک کی تنخواہ مقرر کردی اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے اس میں معتدبہ اضافہ کیا اور قرار دیا کہ امرائے پانصدی کو ایک لاکھ پچیس ہزار ہن اور ایک ہزاری کو دو لاکھ پچاس ہزار ہن ملا کریں اس کے ساتھ ہی حاضری کا ایسا طریقہ مقرر کیا کہ اگر ایک سپاہی بھی تعداد مقررہ سے کم رکھا جاتا تو سرلشکر کی تنخواہ سے اس قدر رقم وضع کرلی جاتی تھی۔

خواجہ جہاں اپنے ملازموں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا حسن بصری کو جو ایک نومسلم براہمن تھا اسکی صلاح سے بادشاہ نے نظام الملک کا خطاب اور اس کے سپرد اہم خدمات کئے۔ خواجہ جہان نے یوسف عادل خاں کو جو اس کا غلام تھا غلامی کے درجے سے سرلشکری دولت آباد کے درجہ تک پہونچایا۔

خواجہ جہاں کے ذاتی ملازموں میں ملک اشرف و ملک وحید دکنی بڑے عہدہ پر تھے اور فخر الملک دکنی جس کو اس کے بعد خواجہ جہاں کا خطاب ملا اس کا غلام زادہ تھا۔ مختصر یہ کہ خواجہ ہر فرقہ کے لوگوں کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کرتا تھا۔ اور جو شخص لائق ہوتا تھا خواہ وہ غلام ہو یا امیر دکنی یا آفاقی اسکی قدر کر کے اس کو اعلیٰ مرتبہ پر پہونچاتا تھا اس نے کسی شخص کو اس کی جائز شکایت کا بہت کم موقع ملتا۔ اہل ملک کا سچا ہمدرد تھا۔

خواجہ جہاں محمود گاوان نہایت دور اندیش مدبر تھا وہ خوب جانتا تھا کہ سلطنت کو اسی وقت فروغ ہو سکتا ہے جب دوسری سلطنتوں سے ربط و اتحاد ہو چنانچہ اس نے محمود شاہ والی گجرات وغیرہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے تھے۔ چنانچہ عین مصیبت کے وقت محمود شاہ گجرات نے ان کی امداد کی اور ان کو محمود شاہ خلجی کے بھگانے کیلئے اپنی فوج روانہ کی۔

خواجہ جہاں تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک سمجھتا اور اس کا منصوبہ یہ تھا کہ تمام اسلامی سلطنتوں میں آپس میں دوستانہ تعلقات رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ جیسا کہ اخوت اسلامی کا تقاضہ ہے ہمدردی رہے۔

اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اطراف و اکناف کی سلطنتیں شاہ دکن کو حامی دین سمجھنے لگیں۔ خواجہ جہاں محمود گاوان بادشاہ کی طرف سے سلطان مراد والی ترکی اور سلطان مصر اور شاہ گیلان وغیرہ کو تحفہ تحائف بھیجتا اور ان سے خط و کتابت کرتا رہتا تھا اور جب خواجہ جہان کو کوکن میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تو اس نے سلطنت دکن کی عظمت قائم کرنے کیلئے اپنے فتوحات کی خوشخبری تمام دنیا کے شاہان اسلام کو دی

ایسے وزیر با تدبیر کی خانگی زندگی کے حالات بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ خواجہ جہاں جس وقت کرسی وزارت پر بیٹھا تھا تو وہ ایک بڑا امیر کبیر نظر آتا تھا اس کی اردلی میں چار ہزار سوار رہتے تھے جس میں سے دو ہزار ترک تو خود اس کے نوکر اور دو ہزار بادشاہ کیطرف سے مقرر تھے۔ لیکن جب وہ اپنے مکان پر جاتا تو اسکی حالت بالکل بدل جاتی تھی اس نے ساری عمر اپنی تنخواہ سے ایک پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ اگرچہ وہ وزارت کے جلیل القدر عہدہ پر پہونچ گیا تھا مگر اس نے اپنے شریف پیشہ تجارت کو ترک نہیں کیا اور اسی کو کسب معاش کا ذریعہ سمجھتا رہا۔ ایران سے جب ہندوستان آیا ہے تو اس کے پاس چالیس ہزار لاری تھے اور اسی سرمایہ سے اس نے اپنے کاروبار تجارت کو مرتے دم تک قائم رکھا۔ تجارت سے جو نفع ہوتا تھا اس میں سے ہر روز بارہ لاری اپنے خرچ کے لئے نکال لیتا تھا اور جو باقی رہتا تھا اسمیں سے کچھ تو اپنی ماں اور عزیزوں کو اور کچھ مختلف ممالک کے زاہدوں اور عالموں کو بھیجا کرتا تھا جن سے اثناء سفر میں ملاقات ہوئی تھی۔ خواجہ جہاں کے اس خزانہ کا نام "درویشاں" تھا۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا خزانہ تھا جس کا نام خزانہ شاہ تھا اسکی یہ کیفیت تھی کہ جو کچھ جاگیر (جس میں تیس ہزار گاؤں تھے) وصول ہوتا اسمیں سے گھوڑے ہاتھیوں اور سرکاری باورچیخانہ کا ایک مہینے کا خرچ نکال لیتا تھا اور باقی کو خزانہ شاہ میں جمع کر کے اس کو بھی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیتا تھا اپنے خرچ کے لئے ایک کوڑی بھی نہ رکھتا تھا۔ اگرچہ سرکاری مطبخ میں عمدہ عمدہ کھانے پکتے تھے مگر وہ ان کو چکھتا بھی نہ تھا۔ اس کے لئے صرف ایکقسم کا کھانا پکتا تھا۔ اور وہ بھی مٹی کی ہانڈی میں۔

شب میں پلنگ پر نہ سوتا تھا بلکہ زمین پر چٹائی بچھا کر پڑا رہتا تھا۔ اس کی خانگی زندگی ایسی ہی تھی جیسی کسی فقیر یا اہل اللہ کی ہوتی ہے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ تنخواہ جو سرکاری خزانہ سے ملتی ہے وہ اپنی زندگی آرام و آسائش سے بسر کرنے کے لئے نہیں ہوتی۔ بلکہ خلائق کے لئے ملا کرتی ہے فرصت کے وقت مسجد و مدرسہ میں طالب علموں عالموں اور فقیروں کی صحبت میں گزارتا تھا جمعہ کی رات اور دوسری متبرک راتوں کو بھیس بدل کر اشرفیوں کی تھیلیاں لیکر تمام شہر میں گشت لگاتا عاجزوں اور محتاجوں کو دیکر کہتا کہ یہ بادشاہ کا عطیہ ہے اسکے قیام دولت کے لئے دعا کرو۔

خواجہ جہاں محمود گاوان کے تزک و احتشام کا یہ عالم تھا کہ اس کے پاس دنیا بھر کی نفیس چیزیں موجود تھیں اس کے تزک و احتشام کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ جب یوسف عادل خاں ۱۴۸۲ء میں قلعہ انتور کا فتح کرنے کے بعد محمد آباد بیدر آیا تو محمد شاہ بہت خوش ہوا اور خواجہ جہاں کو اس کی دعوت کرنیکا حکم دیا۔ خواجہ جہاں نے بادشاہ کو بھی اسکے ساتھ دعوت دی۔

بادشاہ نے کہا پہلے یوسف عادل خاں کی دعوت کرو اس کے بعد میری اور خواجہ جہاں نے ایک ہفتہ تک یوسف عادل کو اپنے گھر مہمان رکھا اور اسکی مدد سے اپنے گھر کو خوب سجایا۔ آٹھویں دن بادشاہ بھی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ خواجہ جہاں کے پاس آیا اور ایک ہفتہ مہمان رہا۔ جب بادشاہ روانہ ہونے لگا تو خواجہ جہان نے بادشاہ کو وہ تحایف دیئے کہ لوگوں کو حیرت ہونے لگی۔ ان میں سے بعض یہ تھے۔ پچاس بڑے سونے کے طباق۔ سو غلام جن میں سے ہر غلام کو لکھنا پڑھنا اور گانا بجانا سکھایا تھا۔ سو گھوڑے ترکی عربی و عراقی اسکے علاوہ جس قدر نقد روپیہ پیسہ تھا سب اس کے نذر کردیا اور کہا "جو کچھ ہے سب بادشاہ کا ہے۔ سلطان کو اختیار ہے جسے چاہے بخشدے" سلطان محمد شاہ اس سے بہت خوش ہے اور فرمایا کہ میں نے قبول کر کے پھر اس شخص کو بخشدیا جو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

خواجہ جہاں نہایت منکسر المزاج آدمی تھا۔ نخوت و غرور سے اسے سخت نفرت تھی جب وہ فتح کوکن کے بعد

محمد آباد بیدر آیا۔ اور بادشاہ اس کے ہاں مہمان رہا اور اس کے جاہ ومنصب میں اس قدر ترقی ہوئی کہ کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی اور ملکہ مخدومہ جہاں نے اسکو بھائی کہا تو بادشاہ کے جانے کے بعد اسقدر رنجیدہ ہوا کہ ایک حجرہ میں بند ہو گیا اور کپڑوں کو پھاڑ کر ٹکڑے کر دیئے اور اسقدر رویا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو فقیرانہ لباس پہنا اور محمد آباد بیدر کے علماء فضلا کو جمع کر کے جو کچھ مال و متاع تاجری و امیری کے زمانہ میں جمع کیا تھا سب ان کو تقسیم کروا دیا۔ جب اس کے ایک مصاحب شمس الدین محمد جرجانی نے اسکی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا جب سلطان محمد شاہ میرے گھر آیا اور ملکہ مخدومہ جہاں نے بھائی کہا شیطان نے میرے دل میں وسوسہ پیدا کیا کہ "ہمچو من دیگرے نیست" اسوقت میں نے نفس پر لعنت کر کے بادشاہ سے بات کرنی موقوف کر دی اس لئے جاہ وحشم کو جو غرور کی جڑ ہے غارت کر دیا

خواجہ جہاں محمود گاوان ایک بڑا عالم تھا۔ علوم متداول میں اس کی تحصیل پوری تھی۔ ریاضی اور طب کا اسے بہت شوق تھا۔ اس نے اپنے خطوط کو ایک رسالہ کی شکل میں جمع کیا تھا۔ جس کا نام ریاض الانشا تھا اور ایک کتاب فن انشا میں لکھی جس کا نام "مناظر الانشا" ہے اور ایک دیوان بھی غزلیات و قصائد کا لکھا۔

خواجہ جہاں محمود گاوان کو مشائخوں سے ملنے کا بڑا شوق تھا چنانچہ دکن کو بھی اسے شاہ محب اللہ کی زیارت کا شوق سے لے آیا تھا۔ عالموں کی صحبت میں اس کو خاص لطف آتا تھا۔ اکثر مشہور شعراء سے بھی اسکی ملاقات تھی مشہور شاعر ملا عبدالرحمن جامی کو خواجہ جہاں سے بہت خلوص تھا۔

خواجہ جہاں محمود گاوان کے ان شاندار کارناموں کے بعد اسکی زندگی کے خاتمہ کی افسوسناک داستان سے ہر شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس شخص نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ ملک کی فلاح و بہبود اور بادشاہ کی فرمانبرداری میں صرف کیا ہو اس کا بھی وہی حشر ہوا جو کسی غدار کا۔ یہ سلطنت بہمنیہ کی بدقسمتی تھی کہ محمود گاوان جیسا دیانتدار سازشوں کا شکار ہوا۔ اور یہ محمد شاہ کی نادانی تھی کہ بغیر کافی تحقیقات کے اس کے قتل کا حکم دیدیا یوں تو محمود گاوان کے کئی ایک دشمن تھے وہ اس کے جلیل القدر مرتبہ و منزلت کو نہیں دیکھ سکتے تھے مگر مجبور تھے۔ لیکن نظام الملک جو ایشائی درباروں کا پرورش یافتہ تھا۔ پولیٹکل سازشوں کے پوشیدہ راز اس سے پنہاں نہ تھے۔ اس نے ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی سے جو بادشاہ کے منظور نظر تھے دوستی پیدا کی اور ان کی امداد سے غلامان شاہی کو جن پر بادشاہ کا اعتماد تھا ملا لیا اور ان سے کہدیا کہ جب کبھی موقع ملے خواجہ جہاں کی شکایت کرتے رہیں جب تک خواجہ جہاں اور یوسف عادل خاں بادشاہ کے قریب تھے اسوقت تک

سازش کا اثر نہ ہوا۔ لیکن جب یوسف عادل خاں کو بادشاہ نے مہم بیجانگر پر بھیجدیا اس وقت سازشیوں کی خوب بن پڑی ان لوگوں نے یہ چالاکی کی خواجہ جہاں کے اس غلام سے جن کے ہاں مہر تھی دوستی پیدا کی ایک روز ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے محفل بزم گرم کی اور اثنا صحبت میں ایک کاغذ نکال کر کہنے لگے کہ یہ ہمارے دوست کی برات ہے اکثر عہدہ داران دیوانی کی مہریں اس پر ثبت ہیں اگر خواجہ جہاں کی مہر بھی لگ جاتی تو کیا اچھا ہوتا۔ غلام تو شراب میں سرشار تھا اس نے کاغذ کو پڑھے بغیر جس مقام پر ظریف الملک نے کہا وہاں مہر لگا دی۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی ملک حسن نظام الملک بحری کے پاس لے آئے اور اسکے مشورے سے خواجہ جہاں کی طرف سے ذیل کا خط رائے اوڑیسہ کے نام لکھا۔

"محمد شاہ کی شراب خواری اور ظلم نے ہم سب کو اس سے بددل کر دیا ہے اور آپ کی ادنیٰ توجہ سے دکن کی فتح ممکن ہے کیوں کہ سرحد پر کوئی ہوشیار افسر موجود نہیں ہے۔ جس وقت آپ بے خوف و خطر اپنے لشکر کے ساتھ مملکت دکن میں داخل ہو جائینگے چونکہ اکثر امراء میرے کہنے سے باہر نہیں ہیں میں بھی ہر طرف مخالفت کھڑے کر دوں گا۔ اور بادشاہ کو نکال باہر کرینگے بعد ممالک دکن کو آپس میں برابر تقسیم کرینگے"

جب یہ خط محمد شاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا ملک حسن نظام الملک بحری نے فرصت کو غنیمت سمجھ کر ایسی ایسی باتیں کہیں کہ بادشاہ بہت مشتعل ہو گیا اور بغیر کسی قسم کی تحقیقات کے خواجہ جہاں کو طلب کیا خواجہ کے دوست بھی اس سے بیخبر نہیں تھے۔ انہوں نے خواجہ پر حقیقت حال ظاہر کر کے مشورہ دیا کہ آپ آج تو حضور کیلئے نہ جائیں جس طرح ہو سکے ٹال دیں۔ لیکن خواجہ جہاں نے کسی کی بات نہ سنی اور یہ شعر پڑھا ؎

چوں شہید عشق در دنیا و عقبیٰ سرخرو است
خوش دلی باشد کہ مارکشتہ زیں میداں برند

جب خواجہ جہاں سلطان محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا محمد شاہ نے دریافت کیا "اگر کوئی شخص اپنے آقا کے ساتھ نمک حرامی کرے اور یہ امر پایہ ثبوت کو پہونچ جائے تو اس کی سزا کیا ہے" خواجہ جہاں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ "سوائے شمشیر آبدار کے کیا ہو گی" یہ سنکر بادشاہ نے خواجہ جہاں کو وہ خط دیکھا دیا۔ خواجہ جہاں نے دیکھکر یہ آیت "سبحانک ہذا بہتان عظیم" پڑھکر کہا کہ "میری مہر تو بیشک ہے مگر خط میرا نہیں ہے" اور اپنی بیگناہی پر حلف اٹھایا مگر بادشاہ تو پہلے ہی سے شراب میں بدمست اور غصہ میں بھرا بیٹھا تھا اس کے دل پر ان باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو اس میں استدلال کی قوت باقی نہیں رہتی اور اس سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں

جو وہ کبھی ہوش کی حالت میں نہیں کرتا۔ آخر محمد شاہ بھی انسان ہی تھا اس کو جب باور کرایا گیا۔ اور خواجہ جہاں کی مہر اس پر ثبت تھی تو اس قسم کی غلطی ہونی ضروری تھی جب کہ محمد شاہ مدہوشی کے عالم میں تھا۔ ایسی صورت میں اس جرم کا ارتکاب انسانی کمزوری ہے۔

غرض اس نے اپنے غلام جوہر نامی کو خواجہ کے قتل کا حکم دیا اور خود اٹھکر محل سرا کی طرف چلا۔ خواجہ جہاں سے اب تو نہ رہا گیا اس نے سلطان سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تو عمر طبعی کو پہونچ چکا ہوں اگر آج قتل نہ ہوا تو کل اپنی موت ہی سے مر جاؤں گا مگر میرا قتل ملک کی خرابی اور حضور کی بدنامی کا باعث ہوگا۔

محمد شاہ نے اس کا کچھ بھی جواب نہ دیا اور سیدھا محل میں چلا گیا خواجہ جہاں پر بادشاہ کی احسان فراموشی کا بہت اثر ہوا مگر اب کیا ہو سکتا تھا اس نے قبلہ کی جانب دو زانو بیٹھکر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ جوہر غلام تو اشارہ ہی کا منتظر تھا اس نے ادہر تو بادشاہ گیا ادھر غلاف سے تلوار نکال کر بلند کی اور خواجہ جہاں کے منہ سے "الحمد اللہ علیٰ نعمۃ الشہادت" بے اختیار نکلا اور ابھی یہ کلمہ ختم نہ ہوا تھا کہ وار اپنا کام کر گیا۔ اسوقت خواجہ جہاں کی عمر ۷۶ سال کی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ خواجہ جہاں نے مرنے سے دس برس پہلے محمد شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا جسکے دو اشعار یہ ہیں ؎

شد مشکل ضرب تیغت بر دوش جاں حمائل
ہیکل ز حرز سیفی و آنکہ ہر اسس ایدل
تیغ تو آب حیواں مردم ز حسرت آں
آرے بعہد من شد آب حیات قاتل

ملا عبدالکریم ہمدانی نے اسکی شہادت کی نسبت یہ قطعہ لکھا

شہید بیگنہ محمود مطلق کہ عالم راز جودش بود رونق
دگر خواہی تو تاریخ وفاتش فرو خواں قصہ قتل بناحق

خواجہ جہاں اسقدر ہر دلعزیز تھا کہ محمد شاہ نے اس کے قتل کے بعد ایک طول طویل فرمان جاری کیا جسمیں بہت تفصیل سے اس کے قتل کے اسباب بیان کئے تاکہ رعایا کو اس سے ملال نہ ہو جب بادشاہ نے خواجہ جہاں کے نوکروں کو ملا کر روپیہ کی طمع میں خواجہ جہاں کا اندوختہ بتانے کیلئے ان پر سختی کی تو معلوم ہوا کہ اس کے خزانہ میں صرف تین سو لاری تھے اور سوائے ساڑھے تین ہزار کتابوں کے اور کچھ نہیں۔ اور خواجہ جہاں کو معلوم ہوا کہ وہ اہل اللہ کی طرح زندگی بسر کرتا تھا محمد شاہ نے خواجہ جہاں کا تابوت باعزو اکرام محمد آباد بیدر کو روانہ کیا

خواجہ محمود گاوان کا مزار بیدر کے گلستاں میں دو میل کے فاصلہ پر شربت کے متصل ایک ٹیلہ پر واقع ہے اسکے مزار کے سلسلہ میں دو اور تین مزار ملا کاشفی ملا داؤد اور ملا ظاہر موجود ہیں جو سلطنت بہمنیہ کے نامی شاعر تھے جنہوں نے اپنے وطن ایران کو چھوڑ کر

سلطنت بہمنیہ کو اپنا دائمی وطن بنایا تھا۔

خواجہ جہاں نے رفاہ عام کے بہت سے کام کیے تھے ان میں سے ایک "مدرسہ بیدر" اب تک اسکی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ یہ مدرسہ ۸۷۳ھ میں تعمیر ہوا جو نہایت مستحکم اور عالی شان ہے۔ اس کا طول شرقاً و غرباً (۷۵) گز اور عرض شمالاً و جنوباً (۵۵) گز ہے۔ مدرسہ کے سامنے دو بلند مینار تھے جن میں سے ایک مینار اب بھی موجود ہے۔ جو (۱۰۰) فٹ بلند ہے اور اس پر سبز و زرد زمین میں سفید حرفوں میں کلام اللہ کی آئتیں لکھی ہوئی ہیں۔ صحن میں مسجد تھی۔ اور چو طرف احاطہ ملے ہوئے علماء و فضلاء اور طلباء کے رہنے کیلئے کشادہ کمرے بنے ہوئے تھے جو طالب علم مدرسہ میں رہتے تھے انکو کھانا اور کپڑا وقف سے ملتا تھا۔ مسافرین اور مساکین کو ہر روز لنگر بٹتا تھا۔ سر جیمز ڈیبل نے اس مدرسہ کی نسبت لکھا ہے کہ ہندوستان کی قدیم عمارتوں میں جو اسوقت موجود ہیں یہ عمارت بہت عمدہ اور بے مثل ہے یہ عمارت اسقدر مستحکم تھی کہ اسپر گرم و سرد زمانہ کا اثر نہ پڑ سکتا تھا لیکن شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ میں جلال الرحمان قلعہ دار بیدر نے ایک حصہ میں چھروں کو بارود کا میگزین بنایا تھا کہ دفعتاً ۱۱ رمضان ۱۰۰۷ھ کو رات کے وقت بجلی گری اور مدرسہ کا ایک حصہ اور اندرونی و بیرونی مکانات مع مسجد اور ایک مینار کے بارود میں آگ لگ جانے سے اڑ گئے۔ اس وقت کئی سو آدمی تراویح پڑھنے میں مشغول تھے۔ مدرسہ کے گر جانے سے وہ سب کے سب دب کر مر گئے چنانچہ مدرسہ کے احاطہ میں "گنج شہیداں" اب تک موجود ہے۔ "خراب شد" سے ۱۱۰۷ ہجری مدرسہ کے منہدم ہونیکی تاریخ نکلتی ہے۔ باقی مکان اور ایک مینار ابتک موجود ہے مدرسہ کے اندر دیوار مشرق رویہ پر نقوش چینی میں خط جلی سے نیلے رنگ کی زمین پر سفید حرفوں میں کلام اللہ کی سورتیں لکھی ہوئی ہیں۔ مدرسہ کے متعلق ایک چوک بھی تھا جو ابتک موجود ہے۔ مدرسہ کی ... تعمیر کی تاریخ اس آیت سے نکلتی ہے۔

ایں مدرسہ رفیع و محمود بنا ∗ چوں کعبہ شد است قبلہ ایں صفا
آثار قبول بیں کہ شد تاریخش ∗ از آیت ربنا تقبل منا

حجاز کی حالت

برطانیہ کی چالوں کے مقابلہ میں آخر عربوں ہی کو کامیابی ہوگی

"حجاز کی حکومت وہابیوں کے تحت" اس موضوع پر مسٹر ایچ۔ سی۔ جان فلبی نے حال میں "سنٹرل ایشیاٹک سوسائٹی" کے سامنے تقریر کی لارڈ آلن بی صدر نشین تھے۔

مقرر نے کہا میں آپ کے سامنے کوئی نئی بات نہیں بیان کرونگا۔ انھوں نے پہلے جنگ عظیم سے ایک عرب میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اس پر روشنی ڈالی اس کے بعد کہا سابق شاہ حسین کے برُے برتاؤ کی وجہ وہابیوں اور ہاشمیوں کے بادشاہ کے درمیان شدید جنگ و جدال کا اندیشہ تھا مقرر ۱۹۱۹ء میں خود ابن سعود کو مکہ پر حملہ کرنے سے روکنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ اس وقت لارنس کا خیال تھا۔ کہ اسکی ہدایات کے تحت ہاشمی وہابیوں سے اچھی طرح مقابلہ کر سکیں گے۔ مقرر نے اس کا خوب مضحکہ اڑایا۔ اس نے کہا جنگ کے بعد عرب خود اپنے ہی فلاح و بہبود کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ برطانیہ کے جو منصوبہ شریف مکہ سے وابستہ تھے وہ سب ناکامیاب رہے صرف عراق اور ماورائے جارڈن پر ابھی تک حکومت روپیہ صرف کر رہی ہے مسٹر فلبی نے ان کے وعدوں کا ذکر کیا جو برطانیہ نے عربوں سے کئے تھے کہ عرب بالکل آزاد رہیگا اور وہ بالکل خود مختار رہیگا۔" باوجود اس کے عراق اور شام جہاں کے باشندے تمام دنیا کے عربوں میں ذہن اور ترقی و تمدن کے میدان میں معراج ترقی پر پہونچ گئے ہیں ان کی نسبت برطانیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں حکومت خود اختیاری دی جائے۔

اگر حقیقت میں عرب حکومت اختیاری کے ناقابل ہیں تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ حکومت حجاز سے اس کے متعلق اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خصوصاً عرب کا وہ حصہ جس کو "خاص عرب" کہا جاتا ہے۔ وہ عربوں کی حکومت کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اور مجبوراً چھوڑنا ہی پڑا۔ عربوں کی عظیم الشان سلطنت جو جنگ عظیم کی آگ سے بچ نہ سکی۔ اسکے متعلق لارڈ کرزن اور

خواجہ محمود گاواں کا مدرسہ بیدر میں

دوسرے ذمہ دار عہدہ داروں کے منصوبے محض تخیل سے زیادہ نہیں تھے۔ مقرر نے کہا برطانیہ کی وہی حکمت عملی جو اس زمانہ میں بھی اب تک عرب کی آزادی کے منوانے میں مانع ہے چونکہ شریف کا خاندان روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے اس لئے قوی توقع ہے کہ رفتہ رفتہ عربوں اور برطانیہ میں جنگ ہوگی۔ اور یہ جنگ تلوار اور بندوقوں کے ذریعہ نہیں ہوگی بلکہ برطانوی دماغوں اور عربوں کے دماغوں میں ہوگی۔ عربوں کو وہابیوں کے بادشاہ سے یہ سبق مل رہا ہے اور رفتہ رفتہ عرب قومیت برطانیہ کے مقابلہ میں ضرور کامیاب ہوگی چونکہ برطانیہ عظمیٰ کی عقل میں چند دنوں بعد یہ بات آجائے گی کہ طاقتور عربوں سے دوستی رکھنی ہی بہتر ہے۔

اس کے بعد مسٹر فلبی نے وہابیوں کی ترقی کے حالات مختصراً بیان کئے۔ شریف مکہ کی حکومت جس کا وجود سنہ ۱۹۱۶ء میں برطانیہ کی وجہ سے ہوا تھا اس کا خاتمہ سنہ ۱۹۲۵ء میں ابن سعود کے تحت تسخیر ہونے سے ہوگیا ۸ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء میں کعبہ میں اس کا اعلان کیا گیا اور ابن سعود حجاز کے حکمراں تسلیم کرلئے گئے اس کے ایک سال بعد آپ نے وسط عرب کا دورہ کیا اور آپ نے نجد اور اسکے صوبوں کی بھی بادشاہت کا اعلان کیا۔ آپ کی خودمختاری کو سوائے برطانیہ کے تمام دول یورپ نے جنہیں عرب کے معاملات سے دلچسپی تھی مان لیا۔ مقرر نے سر گلبرٹ کلے ٹن کی بیحد تعریف کی جس نے حال میں جدہ سے معاہدہ کیا ہے۔

اس صلحنامہ کے متعلق فاضل مقرر نے کہا کہ یہ واقعہ کوئی معمولی نہیں ہے بلکہ نہایت اہم ہے عرب صدیوں کے خواب کے بعد اب بیدار ہوا ہے اب اس کے پیش نظر دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کو دنیا کو پیام دینا ہے اور موجودہ حالات کے تحت جب تک وہ طرز معاشرت میں تغیر و تبدل نہ کرے اسوقت تک یہ بات نہ صرف مشکل ہے بلکہ صفحہ ہستی پر زندہ رہنا دشوار ہے عرب نے اس کو خوب محسوس کیا ہے اگرچہ اب عرب اپنے ملک کی خوداختیاری حکومت اور حریت سے جو اس کا پیدائشی حق ہے نہ صرف خوش ہے بلکہ اب وہ اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کیلئے بھی تیار ہے۔

شاہ ابن سعود نے بیرونی ممالک کی مصنوعات کی درآمد کو اپنے ملک میں صرف اس حد تک جائز رکھا ہے جیسکی اس کو سخت ضرورت ہے جو ان کے لئے مقررہ رسوم نہیں ہیں۔ مثلاً موٹر وغیرہ برخلاف اسکے دوسری چیزوں کی ممانعت ہے قابل مقرر نے کہا ابن سعود کی حکومت کے متعلق جو پریشان کن باتیں بیان کی کیجاتی ہیں اور جس خطرہ کا اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔ وہابی حکومت سے نہ خطرہ ہے اور نہ یہ تحریک ردعمل ہے۔ شریف حسین کی ردعملی کی جو تحریک تھی اسکو ابن سعود کی حکومت نے بدلدیا وہابیوں کے متعلق طرح طرح کے خیالات ہیں کہ بڑے سخت ہیں اور جس کا حکم قرآن پاک نے نہیں دیا اس کا وجود کسی طرح جائز نہیں رکھتے۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ احکام قرآنی کے بے حد پابند ہیں اسکے ساتھ ساتھ اس کے باہر جتنی چیزیں ہیں ان میں اتنے ہی آزاد ہیں آپ کو اس کی مثال حجاز سے مل سکتی ہے حجاز میں جو یوروپین رہتے ہیں ان کے لئے حکومت کی جانب سے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ شراب کا استعمال کرسکتے ہیں اور ان کے لئے شراب اور تمباکو کی درآمد ہوتی ہے پھر قابل مقرر نے ابن سعود کی حکومت کا شریف حسین کی حکومت سے مقابلہ کرکے کہا لہذا ابن سعود کا خیال ابتدا ہی سے حاجیوں کو ہر قسم کی آسانیاں بہم پہونچانا تھا اس لئے انہوں نے بدوؤں کو مطیع کرنے کی کوشش کی آخر کار بدوؤں نے انکی اطاعت کیلئے ایک شرط پیش کی انہوں نے کہا مدت دراز سے ہم ان حاجیوں سے محصول لیا کرتے ہیں۔ جو ہمارے حدود سے گزرتے ہیں یہی طریقہ ترکوں اور شریف کے عہد میں رہا اسلئے ہم اس بات پر آمادہ ہیں کہ آپ کی اطاعت قبول کریں اور اپنا بادشاہ مانیں مگر ہم اپنے اس حق سے دست بردار ہونے سے بہتر اپنی ناک کٹوانا سمجھتے ہیں ابن سعود نے کہا اس آدمی کو لیجاؤ اور اس کی ناک کاٹ لو۔

شاہ ابن سعود کا یہ اصول ہے کہ عدل اور انصاف کو سختی سے جاری کرنا۔ نرمی سے کسی پر رحم کرکے انصاف کا خون کرنے سے بہتر ہے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اب حجاز میں انسان کی جان و مال کا مطلق اندیشہ نہیں۔

پھر مقرر نے ان مشکلات کو بیان کیا جو حاجیوں کو برداشت کرنی پڑتی تھیں مثال کے طور پر انہوں نے کہا کہ حاجیوں کا جہاز بحر احمر سے آتا ہے۔ اس کو جزیرہ کمراں پر ٹھہرا لیا جاتا ہے یہ غیر ضروری ہے کیوں کہ جدہ میں اس کی تنقیح ہوتی ہے۔ مقرر نے کہا اور دس یا پندرہ سال ابن سعود کی حکومت قایم رہی تو وہ مستقل حکومت ہوجائے گی اور عرب کی حالت بالکل بدل جائے گی۔ گذشتہ ایام میں جو بدنظمیاں ہوتی رہیں وہ سب اس سے دور ہوجائینگی اور عرب کی جو حالت ہے وہ برطانیہ کے تخیل کی پرواز سے کہیں بلند ہے اب وہ بدامنی جو لارنس کے عہد میں تھی باقی نہیں رہی۔

آفتاب کی عمر

فرانس کے ایک عالم فلکیات کا بیان ہے کہ ....۱۵ برس تک سورج کی روشنی اور حرارت برقرار رہیگی مگر دوسرے ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ ایکرڈ ریا اس سے چند برسوں بعد آفتاب جلکر فنا ہوجائیگا موخرالذکر بیان تازہ ترین علمی مباحث و تحقیقات پر مبنی ہے (دعدہم)

ذخیرہ

دنیا میں ہر سال صرف ملیریا بخار سے بیس لاکھ آدمی مرتے ہیں۔

لندن کی سڑکوں پر ۳۵۶ میل طویل ٹریم کا جال پھیلا ہوا ہے۔

برلن میں انتقال ریڈیو کے لئے ایک بہت بلند منار تیار کیا جارہا ہے جسکی بلندی منارۂ ایفل سے دوچند ہوگی۔

جاپانی حروف ابجد دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مردوں کے لکھنے کیلئے اور دوسرے عورتوں کے لکھنے کے لئے۔

شتر مرغ کا ایک انڈا اتیس آدمیوں کیلئے کافی ہوتا ہے۔

آجکل باریک سوت سے زیادہ باریک لوہے کے تار بنائے جارہے ہیں۔

انگلستان کو تیز رفتار طیاروں، جہازوں اور ریلوں کے اعتبار سے تمام دنیا کے ممالک پر فضیلت حاصل ہے۔

چارلی چاپلن جس وقت سینما کے لئے ایکٹ کرتا ہے اس وقت اسکی فی سکنڈ سولہ تصویریں کھینچی جاتی ہیں

دنیا میں سب سے زیادہ طویل پل ملک چین میں ہے جس کا طول پانچ میل کا ہے اور اس کو تین سو نو ستون سہارا دئیے ہوئے ہیں

دنیا میں سب سے زیادہ پاکیزہ شہر ہالینڈ میں بروکپ نامی ایک شہر ہے۔

کہتے ہیں کہ یورپ میں اس وقت جس قدر زعمائے سیاست و جنگ ہیں ان سب کی آنکھیں نیلگوں ہیں۔

جامیکا میں موز کے ٹکڑے کرکے ان کو سکھا کر ان کے آٹے سے روٹی پکائی جاتی ہے۔

دنیا کے تمام حیوانات میں اونٹ سب سے زیادہ تمباکو کو پسند کرتا ہے۔

چین کے تاجر کے دو نام ہوا کرتے ہیں ایک دوکان کا دوسرا گھر کا۔

کانگو میں بلجیم کے لوگ افریقہ کے ہاتھیوں سے قلعہ رانی کا کام لیتے ہیں۔

انگلستان میں سال گزشتہ ... فلمیں سینما گھروں میں بتلائی گئیں جن میں سے ۱۲۰۰ امریکہ کی تھیں

ترکی کے میزانیہ کا بہت بڑا حصہ ریلوے کی توسیع کیلئے مخصوص کردیا گیا ہے

یورپ کے بعض ممالک میں طیارے اس قدر تھوڑے کرایہ پر مسافرین کو لیجاتے ہیں جس قدر کہ ریلوں میں لیا جاتا ہے۔

(کل شئی)

دنیا میں سب سے پہلی جنگ عظیم

مترجمہ

محمد مظہر الدین صاحب صدیقی

زمانہ جدید کی بڑی بڑی جنگوں کی ابتدا فراعنۂ مصر کی حکومت میں شاہ تھوتمس کے عہد سلطنت ۱۴۷۹ ق۔م سے ہوتی ہے اور اس کے بعد ہیں ریمیسس، کمبیز، سکندر۔ اور رومیوں کی جنگوں کا پتہ لگتا ہے۔

تھوتمس ہی روئے زمین پر سب سے پہلا بادشاہ گذرا ہے جس نے سب سے بڑی فوج کی کمان کی اور ایک ایسی جنگ عظیم کی ابتدا کی جس کے نتیجہ پر حکومت مصر کی فنا و بقا کا دار و مدار تھا۔ اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ تقریباً پانچویں صدی قبل مسیح میں حکومت مصر نے شام میں اپنی نو آبادی قائم کر لی تھی اور اس سلطنت کے ڈانڈے عراق اور ایشیائے کوچک سے مل گئے تھے مصری فوج باعتبار ساز و سامان اور کثرت تعداد کے بہت عظیم الشان تھی۔ اس لئے کہ مصر ایک بہت بڑی متحدہ سلطنت تھی۔ برخلاف اس کے شام کی حالت یہ تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی غیر متحدہ حکومتوں میں بٹا ہوا تھا اور مصری فوجوں نے ان کی مخالفت پر کمر باندھ کر اور ہر ایک حکومت کو یکے بعد دیگرے شکست دے کر تمام شام کو اپنے تحت تصرف میں کر لیا تھا۔

ملکہ ہتشپسوت بوڑھی ہو گئی اور ان چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور مملکتوں کا تعلق حکومت مصر سے منقطع ہو چکا تھا۔ جب اس نے وفات پائی تو اس کا اخیافی بیٹا تھوتمس ثالث تخت فراعنہ پر بیٹھا اس نے لشکر جمع کیا اور اس کے ہمراہ شام پر حملہ آور ہوا۔ ناصرہ کے جنوب میں تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر جہاں مجدون نام ایک شہر آباد ہے۔ مصری فوجیں شامی امراء کے لشکروں سے جنگ آزما ہوئیں شامی لشکروں کی کمانداری شاہ قادیش کر رہا تھا۔ شہر مذکور دمشق سے بجانب شمال سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس شہر کا نام لفظ "ہرمجدون" سے لیا گیا ہے۔ قدماء مصر مجدون ہی کو تاریخ میں اسقدر عظیم الشان جنگ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے "ہرمجدون" کے نام ہی کو جنگ عظیم کا مرادف قرار دے دیا اور توریت میں بھی اسی طرح سے اس کا ذکر آیا ہے۔

شاہ قادیش مصر کے خلاف اس بغاوت کا لیڈر تھا جس نے شام کے امراء کو مصر کے خلاف برانگیختہ کیا اور انہیں مصر کیا آتا د [illegible] کے سبز باغ دکھلائے چنانچہ ایک سو سے زیادہ امراء بادشاہ اور سرداران قبیلہ مجدون میں پہنچ گئے اور انہوں نے آرائش جنگ کا تہیہ کر لیا شاہ قادیش اپنے لاؤ لشکر سمیت جنوبی میدان میں اتر پڑا جسکی امداد کے لئے امیر مجدون کی فوج بھی موجود تھی۔ لیکن تمام امراء اور بادشاہ ابھی تک جنگ کیلئے تیار نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ صرف گفت و شنید کے بہانہ سے سازشوں کا جال پھیلانے کیلئے آئے ہوئے تھے۔

تھوتمس ان کے اجتماع اور جنگ کیلئے تیاری کی خبر پا کر لشکر جرار کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ امیر قادیش سمجھتا تھا کہ مصری فوج جنوب کی طرف سے آئے گی اور وہ خود مجدون سے متصل رہیگا جہاں سے اسکو ذخائر رسد اور کمک پہونچتی رہے گی اور بصورت شکست پناہ لینے کا موقع بھی مل جائیگا لیکن تھوتمس نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں کہ وہ دشمن کو اسطرح کا موقع دیتا۔ تھوتمس نے قادیش کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اس سے بالمقابل معرکہ آرا ہوگا۔ لیکن یک بیک اس نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور اسطرح قادیش اور مجدون کے درمیان ایک دیوار کی طرح حائل ہو گیا اور مجدون کے ایک چھوٹے سے فوجی دستہ سے مقابلہ کر کے اسکو تتر بتر کر دیا۔ اسوقت تھوتمس گاڑی پر سوار ہو کر اپنی فوج کے مقدمہ پر غنیم کے لشکر سے [illegible] ہوا تھا شاہ قادیش اور امیر مجدون لڑتے بھڑتے شہر پناہ تک پہونچ گئے شہر والوں پر تھوتمس کا کافی رعب تھا اس لئے وہ اسکے دشمن کیلئے شہر پناہ کے دروازے نہ کھول سکے لیکن فصیل پر سے رسیاں پھینک کر شہر میں کھینچ لیا۔

تھوتمس کو مال غنیمت میں ۹۲۴ جنگی رتھیں، بے شمار مال و دولت، ان گنت خیمے اور زرہ بکتر [illegible] غنیم کی فوجیں میدان کارزار میں چھوڑ کر فرار ہو گئی تھیں اسکے بعد وہ مجدون کی طرف لوٹا اور مجدون تک اس کا محاصرہ کئے رہا۔ بالآخر شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے گئے شہر کے تمام امراء گرفتار کر لئے گئے، بادشاہ کا شہر کی طرف سے بائیس سو گھوڑے، ۹۲۴ جنگی رتھیں، دو ہزار بھیڑیں، بیس ہزار بکریاں اور ان کے بہت سے زرہ بکتر، ڈھالیں اور سنگین بادشاہ کی خدمت میں گزرانی گئیں شاہ قادیش اور دیگر امراء نے اسکے سامنے سر تسلیم خم کیا، تھوتمس نے ان کے قصور معاف کر دیئے اور ان کے بچوں کو تعلیم و تربیت کی غرض سے مصر لے آ گیا۔ گویا یہ ضمانت تھی اس بات کی کہ وہ پھر اسکے خلاف سازش یا بغاوت نہ کر سکیں۔

ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے ان آثار کتبات قدیمہ سے ماخوذ ہے جن کو تھوتمس [illegible] نے پتھر پر کندہ کروا دیا تھا۔

[illegible] کے بعد جب [illegible] عظیم الشان بادشاہ کی ممی [illegible] وہ پچھے پورے قد کا آدمی تھا۔ [illegible] تاریخ کی روشنی میں اس کی لاش کو دیکھتا ہے [illegible] یاد آ جاتی ہے جس میں [illegible] تقریباً تین ہزار چار سو سال پیشتر [illegible] پھر تعجب ہوتا ہے [illegible] امراء اور دیگر [illegible] اسکو اندازہ ہو سکیگا کہ [illegible] اور کس طرح عزت سے سرفراز کرتا ہے۔

حبشیوں کی حکومت قائم ہوئے [illegible] مصر کی [illegible] مصری اور شامی [illegible] کی لڑائی عبرانی کا خاتمہ [illegible] حبشیوں کی شہزادی سے عقد کرا لیا۔ حبشی [illegible] نسل سے آجکل کے یونانی ہیں [illegible] کے لحاظ سے مصر کی تاریخ میں جو اہمیت [illegible] کو حاصل ہے وہ مصر کے کسی اور تاجدار کو نصیب نہیں۔ ان دونوں بادشاہوں کے آثار کھنڈرات کی صورت میں ابتک مصر میں دکھائی دیتے ہیں اور جدید انکشافات کی بدولت انکے آثار اور بھی زیادہ نمایاں ہو گئے ہیں۔

(دکن نیوز)

تاریخ طیران کا ایک صفحہ

ابتدائی پرواز سے آج تک کی ہوائی ترقیات پر ایک نظر

تاریخ پرواز	پرواز کنندہ	مسافت	مدت	قسم طیارہ
۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء	اوریول رائٹ	۸۵۰ فیٹ سب سے پہلی پرواز جو ایک آلۂ محرکہ کی مدد سے کی گئی۔	اٹھاون سکنڈ	رائٹ بیلون ۱۲ گھوڑوں کی طاقت رکھنے والا
۲۵ جولائی ۱۹۰۹ء	لوئیس بلیریو	۲۶ میل رودبار انگلستان پر سب سے پہلی پرواز پار کیا سے ڈوور تک بذریعہ طیارہ	۳۷ منٹ	بلیریو مونوبیلون ۲۵ گھوڑوں کی طاقت رکھنے والا
۲۷-۲۸ اپریل ۱۹۱۰ء	لوئیس پولہان	۱۸۳ میل لنڈن سے مانچسٹر تک اثنائے پرواز میں طیارہ ایک مرتبہ اترا تھا۔ ڈیلی میل کی جانب سے ہوا باز کو دس ہزار پونڈ کا انعام ملا۔	۴ ساعت ۱۲ منٹ	فورمن بیلون ۵۰ گھوڑوں کی طاقت رکھنے والا
جون ۱۹۱۹ء	سر جان الکاک اور سر آرتھر براؤن	۱۸۹۰ میل بحر اٹلانٹک پر نیو فاؤنڈ لینڈ سے آئرلینڈ تک پہلی مسلسل پرواز ہوا بازوں کو ڈیلی میل کی طرف سے دس ہزار پونڈ انعام ملا۔	۱۶ گھنٹہ ۱۲ منٹ	ویکرز بیلون
نومبر و دسمبر ۱۹۱۹ء	سر روس اسمتھ	۱۱۲۹۵ میل۔ انگلستان سے آسٹریلیا تک غیر مسلسل پرواز۔	۱۲۴ گھنٹہ	ویکرز بیلون
۱۹۲۴ء	امریکی ہوائی فوج کے سپاہی	۲۷۰۰۰ میل غیر مسلسل پرواز دنیا کے اطراف	۳۳۶ گھنٹہ	ڈگلس بیلون
۱۹۲۴ء	کپتان پلیر ڈوزی	۱۲۰۰۰ میل پیرس سے ٹوکیو تک غیر مسلسل پرواز	۱۲۴ گھنٹہ	بریگوٹ بیلون
۱۹۲۴ء-۱۹۲۵ء	سر ایلن کوبہام	۱۷۰۰۰ میل۔ لنڈن سے رنگون تک آمد و رفت	۲۱۰ گھنٹہ	دی ہاف لینڈ بیلون ۲۴۰ گھوڑوں کی طاقت
۱۹۲۵ء	مارکزوی میڑوا	۳۴۰۰۰ میل۔ روم سے ٹوکیو براہ ملبران آمد و رفت غیر مسلسل پرواز	۳۶۰ گھنٹہ	سافویا فلائنگ بوٹ
۱۹۲۵ء-۱۹۲۶ء	سر ایلن کوبہام	۱۷۰۰۰ میل انگلستان سے جنوبی افریقہ آمد و رفت	۱۷۵ گھنٹہ	ہاف لینڈ بیلون ۳۵۰ گھوڑوں کی طاقت
۱۹۲۶ء	کمانڈر فرانکو	اسپین سے جنوبی امریکہ تک بحر اٹلانٹک پر سے ۱۵۰۰ میل کی پرواز	۵۹ گھنٹہ ۳۵ منٹ	ڈورنیر فلائنگ بوٹ
۹ مئی ۱۹۲۶ء	لفٹننٹ بائرڈ	۱۳۰۰ میل اسپٹس برگن سے قطب شمالی تک آمد و رفت	۱۵ گھنٹہ ۲۵ منٹ	فوکر مونوبیلون
اکتوبر ۱۹۲۶ء	سر ایلن کوبہام	۲۸۰۰۰ میل انگلستان سے آسٹریلیا تک آمد و رفت	۲۳۰ گھنٹہ	دی ہاف لینڈ مونوبیلون
۲۰-۲۱ مئی ۱۹۲۷ء	کپتان لنڈبرگ	۳۶۳۰ میل مسلسل پرواز	۳۳¼ گھنٹہ	رین مونوبیلون ۲۲۰ گھوڑوں کی طاقت رکھنے والا
۴ تا ۶ جون ۱۹۲۷ء	کلارنس چیمبرلین مع مسٹر چارلس کیون کاول	۳۹۲۳ میل نیویارک سے ایسلبن (جرمنی) تک مسلسل پرواز	۴۲¾ گھنٹہ	کولمبیا مونوبیلون
۲۹ جون و یکم جولائی ۱۹۲۷ء	کمانڈر بائرڈ	۳۶۰۰ میل۔ نیویارک سے فرانس تک مسلسل پرواز	۴۴ گھنٹہ	فوکر مونوبیلون

(از السیاسۃ الاسبوعیۃ)

افغانستان کی تعلیم خواتین سے دلچسپی

فری پریس بمبئی سروس کا ایک پیام مظہر ہے کہ روزنامہ ستر کا کوئی نامہ نگار پہلا شخص ہے جس کو علیا حضرت ملکہ معظمہ افغانستان سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ملکہ معظمہ نے نامہ نگار مذکور سے افغانی خواتین کی ترقی میں اپنی مساعی کا ذکر فرمایا۔

ملکہ معظمہ فارسی میں ارشاد فرماتی تھیں اور آپ کے بھائی شہزادی طرزی ترجمانی کرتے جاتے تھے۔ ملکہ معظمہ نے فرمایا میں اپنے ملک کی خواتین کی ترقی کیلئے سعی کرتی ہوں۔ سب سے پہلی عورت ہوں میں نے تنگ نظر ملاؤں کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر سب سے پہلے افغانستان میں مدارس نسوان کھولے ہیں لڑکیوں کی سوسائٹی کو اعلیحضرت شاہ امان اللہ خان نے اپنی زبردست سرپرستی سے ممنون فرمایا۔ کابل میں یادگار [illegible] خواتین کی کشمکش کی [illegible]

بخدمت گرامی جناب اڈیٹر صاحب اخبار رہبر دکن

تسلیم

آپکا مضمون جس کا عنوان " لالہ لاجپت رائے کے واہمہ کی خلاقی " شہا کر داس سوامی مہاراج پر مسلمان ہونیکا شبہ ہے اور جسکی نقل اخبار مدینہ بجنور مورخہ ۱۴ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ ہجری م ۹ ڈسمبر سنہ ۱۹۲۷ء یوم چہار شنبہ میں طبع ہوی ہے۔ مینے پڑھا۔ مجھے اسکے دیگر تفصیلات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں صرف اس واقعہ کے متعلق جو سری ستگرو اپاسنی بابا مہاراج ساکوری ضلع احمد نگر کے ایک مرید مسمی شہا کرداس سوامی مہاراج سے منسوب فرمایا جارہا ہے صاف کردینا چاہتا ہوں ستگرو اپاسنی بابا مہاراج ایک نہایت برگزیدہ اور ملکوتی صفات بزرگ ہیں انکی زبردست روحانیت حیطۂ تحریر سے باہر ہے انکی روحانیت اور تقدس کا یہ معمولی اثر تھا کہ آج دنیا میں مہاتما کے نام سے ملقب انسان خود ان کے درشنوں کو حاضر خدمت ہوکر قدمبوسی سے مستفیض ہوا ہزارہا مخلوص خدا معرفت کے تشنہ لب بلا لحاظ مذہب و ملت دور دور مقامات سے حاضر خدمت ہوکر قدمبوس ہوتے اور معرفت کے بیش بہا رموز سنکر شاد کام ہوتے ہیں وہ معرفت اور حقیقت کے نازک اور دقیق مسائل عام فہم اور سلیس زبان میں نظائر دنیوی کے تقابل سے حل فرماتے ہیں۔ جس سے بھٹکے ہوے بندگان خدا راہ راست پر چلکر اپنی پریشان زندگی کی گتھیوں کو سلجھاتے ہوے تسکین قلب حاصل کرتے ہیں ہمارا دعوے ہے کہ آجتک سری بابا مہاراج نے اپنے کسی اپدیش یا پروچن (نصائح یا تعلیم اصولی) میں خاص کر گسو گرشا یا ہند و مسلم یکتا کا ذکر نہیں فرمایا چہ جائیکہ بعض خاص اشخاص کو اس مسئلہ کی تعلیم و تلقین کا حکم دینا محض بے بنیاد اور غیر صحیح بیان ہے سری بابا کے آنے جانے والے اشخاص اپنے آپ کو بالعموم انکا مرید یا بھگت (معتقد) بیان کرتے ہیں لیکن آج تک سری بابا مہاراج نے کسی کو اپنا مرید کیا نہ انہیں اپنا مرشد کسی کو کہنے کا شرف عطا فرمایا۔ پیری مریدی کے اصول مروجہ کے قاعدے سے کسی کو ان کا مرید کہلانیکا حق نہیں ہے۔ ہر مذہب والا انکو اپنا مذہب والا سمجھتا ہے دنیا اور عاقبت کے سدھار کا ساکوری تنا ہوا ہے یہاں آیا ہوا شخص پھر کسی بزرگ کے پاس اپنی غرض کا متمنی نہیں ہوتا ان کے جائے قیام پر ہندو عیسائی مسلمان پارسی وغیرہ سب مذاہب کے اشخاص موجود ہیں روزانہ دریائے معرفت بہتا رہتا ہے گنہگار سے گنہگار دل یہاں آکر سکون قلب حاصل کرتا ہے۔ ان کے ہاں مسائل تصوف کے سوا کسی مسئلہ ملکی مذہبی یا پولیٹیکل کا ذکر تک نہیں ہوتا بلکہ اکثر معتقدین (بھگت) اور فیض صحبت حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں انکا بھی یہی مسلک ہے ایسی پاک اور متبرک ہستی کے تعلق کو ظاہر کرکے کوئی صاحب اپنے کو مذہبی یا پولیٹیکل معاملہ میں انکا فرضی مرید قرار دیں تو یہ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے چونکہ مجھے سری ستگرو بابا مہاراج کی خدمت میں پہنچ کر حاضر رہنے کا موقعہ ملا ہے اور وہاں کے جملہ حالات اور آنے والے اصحاب سے کماحقہ واقفیت ہے اس لئے میں نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ ان مضامین اخبارات سے جو پبلک کو غلط فہمی ہورہی ہے وہ رفع کردوں آپ کے اخبار کے ذریعہ پبلک کو اس بات سے پوری طرح خبردار کرا دیا جائے کہ انکا کوئی مرید نہیں ہے اگر ان کے حکم یا نام سے کوئی اسطرح پرچار کرے تو وہ اپنی ذاتی شہرت کی خاطر ایسا کرتا ہے یہ عمل انکی ہدایت یا نصیحت کے سراسر خلاف ہے آپ نے تین مریدوں کے جو نام تحریر فرمائے ہیں وہ بالکل نئے ہیں اور آج تک کبھی سننے میں نہیں آئے براہ کرم بسلسلہ مضمون سابقہ اسکو طبع فرما کر ایک پرچہ مرحمت فرمایا جائے تاکہ عام خیالات کی صفائی ہوجائے اور یہ غلط فہمی باقی نہ رہے۔ بوجہ اشتداد مرض طاعون اور میری منتقلی کے باعث پرچہ مضمون متذکرہ دیر سے ملا اور اوسکے جواب میں اس وجہ سے کسی قدر تاخیر ہوی۔

سری سدگرو اپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری ضلع احمد نگر ہیں اسکی بھی تصحیح فرما دیجائے تو کتابت کی درستی ہوسکے گی۔

نقل ہذا بخدمت جناب اڈیٹر صاحب اخبار مدینہ بجنور مرسل و ترقیم ہے کہ براہ کرم اس مرسلہ مضمون کو طبع فرما کر بجواب ہذا پرچہ مطبوعہ روانہ و مشکور فرمایا جائے۔

نقل بخدمت جناب اڈیٹر صاحبان اخبار صحیفہ و مشیر دکن ورہبر دکن ورعیت و نظام گزٹ حیدرآباد دکن مرسل و نگارش ہے کہ براہ کرم آپ بھی براہ ہمدردی اس کو طبع فرما کر یہاں کی پبلک کو آگاہ اور مطلع فرمائیں تاکہ اس غلط فہمی سے کوئی احتمال نقصان باقی نہ رہے۔ امید کہ بعد طبع ایک ایک پرچہ بغرض آگاہی مرحمت فرمایا جائے گا۔ فقط

بھوانی پرشاد منیجر رسالہ سائیں کی صدا
دیوڑھی بنسی راجہ حسینی علم حیدرآباد دکن

دنیا میں ہوائی جہازوں کے اعداد و شمار

تازہ ترین سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تمام دنیا میں کل ۱۷۰۰۰ ہوائی جہاز ہیں ان میں سے ۴۰۰۰ جنگی جہاز ہیں ۱۵۰۰ تجارتی ہیں ۱۵۰۰ لوگوں کے ذاتی ہیں جنگی جہازوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سلطنت	ہوائی جہاز	سلطنت	ہوائی جہاز
فرانس	۲۵۶۰	ولایات متحدہ امریکہ	۱۲۴۰
برطانیہ	۱۵۴۰	اٹلی	۱۰۰۰
روس	۷۰۰	اسپین	۶۰۰
جاپان	۵۰۰	زیکوسلاویہ	۴۵۰
بلجیم	۲۳۰	برازیل	۲۳۰
رومانیہ	۱۸۰	ترکی	۱۵۰
سوئٹزرلینڈ	۱۴۰	پرتگال	۱۲۰
ہالینڈ	۱۲۰	سوئیڈن	۱۰۰
چین	۱۰۰	ناروے	۸۰
فنلینڈ	۷۰	ڈنمارک	۵۰
یونان	۵۰	یوگوسلاویہ	۵۰
لوتھانیا	۵۰	ارجنٹائن	۵۰
پیرو	۵۰	چلی	۵۰
استھونیا	۳۰	افغانستان	۱۰
البانیہ	۱۰	ایران	۱۰

لطیفہ ایک شخص کا مکان نصف تیار ہوچکا تھا اور تعمیر جاری تھی اس نے ٹھیکہ دار کے منتظم سے کہا۔

دیکھو میں یہ کہنے یہاں آیا ہوں کہ مکان کے تیار ہونے سے پہلے میری شادی قرار پاگئی ہے۔

منتظم نے مطلب کو پاکر کہا آپ کچھ فکر نہ کریں ہم جتنی دیر چاہیں تعمیر میں ڈھیل ڈال سکتے ہیں۔

مختلف خبریں

لارڈ ہیڈلے

انگلستان کے مشہور آفاق مسلمان لارڈ ہیڈلے نے اپنی آمد سے حیدرآباد کو بھی مسرور کیا۔ آپ نے یہاں ایک نہایت عمدہ تقریر "اسلام کی امن پسندی" پر کی۔ جس کا ترجمہ اس نمبر میں درج ہے۔ اس تقریر کو سننے کے لئے حیدرآباد کی اعلیٰ ترین ہستی یعنے اعلیٰحضرت میر عثمان علیخاں بہادر سے لیکر تقریباً ہر طبقہ اور خیال کا آدمی موجود تھا۔ اسی جلسے میں مسجد لندن کے لئے چندہ ہوا جس میں اعلیٰحضرت بندگانعالی نے پانچ لاکھ روپیہ عطا فرمائے۔

بہادر شاہ کی قبر

مسٹر ابراہیم ہارون جعفر ہز اکسلنسی وائسرائے سے ایک ایسے مسئلہ پر جس سے رنگون کے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوگئی ہے۔ ہز اکسلنسی کی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہیں سر ابراہیم جعفر جنکہ وہ سینائی تحقیقاتی کمیٹی کے سا[illegible]

چند با اثر مسلمانوں نے ملاقات کی اور بہادر شاہ کی قبر کی غیر اطمینان بخش حالت کی جانب انہیں متوجہ کیا۔ بہادر شاہ کو ۱۸۶۲ء میں ہندوستانی غدر کے بعد حکومت کے قیدی کی حیثیت سے رنگون بھیجا گیا تھا۔ وہیں ان کا انتقال بھی ہوگیا۔ کنٹونمنٹ میں ایک بنگلہ کے کمپونڈ میں انکی قبر واقع ہے۔ یہ بنگلہ ایک عورت مسز ڈاسن کی ملکیت ہے مالکہ مکان کا یہ دعویٰ ہے کہ قبر کی زمین بھی اسی کی ملکیت ہے اور وہ مسلمانوں کو عام طور پر وہاں جانے کی اجازت دینے سے انکار کرتی رہی تا آنکہ عدالت العالیہ رنگون نے مرحوم شاہ دہلی کے خاندان کے اراکین کے متعلق حکم نافذ کردیا۔ عدالت ہائے تحت تاحال اس مسئلہ کی جانب متوجہ ہیں اور غالباً اس مسئلہ کو ابھی آگے بڑھایا جائیگا۔ سر ابراہیم ہز اکسلنسی گورنر برما سے ملاقات اور اس مسئلہ کو ان کے گوشگذار کرچکے ہیں انہیں توقع ہے کہ مرحوم شاہ دہلی کے خاندان کے اراکین کے لئے معاش کا مناسب انتظام کرانے کے متعلق ہز اکسلنسی وائسرائے کی ہمدردی بھی انہیں حاصل ہوجائیگی۔

فیلڈ مارشل ہیگ

زمانہ جنگ عظیم میں کون شخص تھا جس نے مارشل ہیگ کا نام نہ سنا ہو۔ افسوس ہے کہ اس عظیم الشان سپاہی نے اس سال ۳۰ جنوری کو وفات پائی۔

لندن میں جمعہ کو ارل ہیگ کی نماز جنازہ کے وقت اثر خیز مناظر پیش نظر ہوگئے۔

دسٹ منسٹر ایبے میں جو نماز ہوئی وہ مختصر اور سادہ لیکن بہت پر شکوہ تھی۔ اس میں شاہی نمائندے شریک تھے جن میں شہزادہ ویلز اور سربرآوردہ مدبرین قوم کی فوجوں کے اعلیٰ عہدہ دار ممالک غیر کے نمائندے بھی شامل تھے۔ نماز جنازہ کے بعد ڈرسبرگ ایبے میں سپرد خاک کرنے کے لئے اسکاٹلینڈ کو لیجانے کی غرض سے جنازہ کو واٹرلو اسٹیشن لیجایا گیا۔ تدفین سہ شنبہ کو عمل میں آئے گی آدھی رات کو جب جنازہ اڈنبرا پہنچا تو یہ منظر بہت ہی اثر خیز تھا۔ کلیسا کے گھنٹے بج رہے تھے اور ہزاروں تماشائی اس سپاہی کا آخری مرتبہ احترام کرنے کی غرض سے جمع ہوئے تھے۔

جنازہ کو [illegible]

رکھا گیا ہے جہاں وہ سہ شنبہ تک رہے گا اور خانگی طور پر نماز [illegible] اس کو تدفین کیلئے لیجایا جائے گا۔

عساکر برطانیہ کی قومی مجالس تعیدی نے ارل ہیگ کی جگہ لارڈ جلیکو کے آگے صدر افواج کا عہدہ پیش کیا ہے۔

پارلیمنٹ ناروے نے (۶۶) ووٹ کی موافقت اور (۶۳) کی مخالفت سے حکومت کے خلاف تحریک ملامت منظور کرلی بناء برآں حکومت ۱۰ ماہ حال کو مستعفی ہوجائے گی۔

مصر میں ایک نئی یونیورسٹی کا افتتاح

شاہ فواد عنقریب نئی مصری یونیورسٹی کا افتتاح فرمانے والے ہیں جس کا رقبہ جس میں اقامتی علاقے بھی شامل ہیں تقریباً ۱۹۰ ایکڑ ہوگا۔

انڈین نیشنل پارٹی توڑدی گئی

سمجھا جاتا ہے کہ ساری جماعتوں کے جلسہ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ سنہ ۱۹۲۶ء میں جو انڈین نیشنل پارٹی قائم کی گئی تھی اسکو اسکی کونسل نے یکم فروری کو توڑ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

روس اور افغانستان میں ہوائی آمد ورفت

فری پریس بمبر سروس کا ایک پیام مظہر ہے کہ روس اور افغانستان کے درمیان باقاعدہ ہوائی آمد و رفت کا انتظام عمل میں آرہا ہے اسطرح ہوائی جہاز دوران پرواز میں یورپ کو عبور کرینگے کوہ ہندوکش پر (۱۴) ہزار فٹ بلندی سے جانا ہوگا ہوائی جہاز کابل میں ٹھہر کر وہاں سے مسافروں کو بہ کرایہ فی کس (۲۵) پونڈ لیجائیں گے۔

ملکہ افغانستان کی خواتین کی تعلیم سے دلچسپی

روزنامہ شنگھائی گوڑبیوں کا نامہ نگار پہلا شخص ہے جس کو علیا حضرت ملکہ معظمہ افغانستان سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ملکہ معظمہ نے نامہ نگار مذکور سے افغانی خواتین کی ترقی میں اپنی مساعی کا ذکر فرمایا۔

ملکہ معظمہ فارسی میں ارشاد فرماتی تھیں۔ اور آپ کے بھائی شہزادہ طرزی ترجمانی کرتے جاتے تھے ملکہ معظمہ نے فرمایا "میں اپنے ملک کی خواتین کی ترقی کے لئے سعی کرنے میں سب سے پہلی عورت ہوں۔ میں نے تنگ نظر ملاؤں کی مخالفت کی پروا نکرکے جنرب سے پہلے افغانستان میں مدارس نسواں کھولے ہیں۔ ملاؤں کی شورش کو اعلیٰحضرت شاہ امان اللہ خان نے اپنی زبردست ریاست دانی سے فرو فرمادیا۔ کابل میں یادگار سنگ میری جد وجہد اور آزادی خواتین کی کشمکش کی زندہ جاوید شہادت ہے ان مدارس میں اسوقت (۸۰۰) لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔

روپیہ گننے والی برقی مشین

سیلون کے سرکاری خزانہ میں چونکہ لین دین کا کام بہت بڑھ گیا ہے اس لئے ایک الکٹرک مشین لائی گئی ہے جو بڑی تیزی کے ساتھ روپیہ گنتی ہے غالباً یہ کل خزانہ کیلئے بہت مفید ثابت ہوگی۔

لوکل بنکوں کا عام قاعدہ ہے کہ وقتاً فوقتاً دا خلین پچاس پچاس ہزار روپیہ بھیجدیا کرتے ہیں جن کا شمار کرنا صرافوں کو بڑی تکلیف دیتا ہے۔

کتب خانہ تجارتی سید عبدالرزاق تاجر کتب اینڈ پبلشر و مالک زراعتی مشین پریس چار مینار حیدرآباد دکن

تصانیف مولانا محمد شمس الدین صاحب منصف

حکومت آصفی و برکات عثمانی جس میں حکومت آصفی کے عدیم النظیر واقعات اور دور عثمانی کے جملہ ترقیات کو نثر و نظم میں بڑی خوبی سے جمع کیا گیا ہے .... قیمت ۸ر

شمس کا ترانہ قوم کے اقبال کی موہنی صورت اور اس کے ادبار کی بھونڈی ترا مورت غرض حالت قوم کا اصلی فوٹو ہے قیمت ۲ر

بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی ایک پر تاثیر - دل گداز - قابل دید نظم ہے - بیوہ کے حقیقی حالات اور فطری جذبات کا آئینہ ہے - درد و غم - رنج مصیبت کا گنجینہ ہے - ممکن نہیں کر اس کو پڑھنے کے بعد کوئی آنسو نہ بہائے قیمت ۴ر

مثنوی مشعل اسلام اس میں توحید باری حق تعالی و اثبات رسالت کے ایسے زبردست رسائل بیان کئے گئے ہیں جو بڑے بڑے مستند کتابوں میں بھی نہیں مل سکتے قیمت ۸ر

نوٹس آن اسلام انگریزی یہ ایک نہایت معتبر و مستند کتاب ہے۔ جس کو عالیجناب سر امین حسین کے۔ سی آئی - ای - سی - یس - آئی - المخاطب نواب امین جنگ بہادر نے نہایت قابلیت اور تحقیق سے تالیف فرمایا ہے - اس میں اسلام اور اس کے عقاید کی حقانیت کو فلسفانہ و منطقیانہ ثابت کیا ہے - استدلال نہایت قوی اور اسلوب بیان فاضلانہ ہے - انتخاب طبعی، بقائے اصلح سے بھی بیان کی گئی ہے - جو علم ارتقا کے اہم مسائل ہیں - اس موضوع پر پہلی اور بہترین کتاب ہے - جو انگریزی میں لکھی گئی ہے - لکھائی اور چھپائی اور کاغذ اعلی ہے - اور مجلد بھی ہے قیمت عہ

مآثر دکن بلدہ حیدرآباد و مضافات متعلقہ کی عمارات و آثار پر نہایت بہترین کتاب ہے - جس میں (۲۰) تصاویر اور کتبے درج ہیں - اور مطالب نہایت دلچسپ ہیں - مولانا سید علی اصغر بلگرامی آصفجاہی جیسے فاضل نے تالیف کی ہے ..... قابل دید ہے - قیمت .... للعہ

تذکرہ السیاسی اس میں تاریخی واقعات کے ساتھ سیاسی معاملات کی تشریح کی گئی ہے - سابق فرمانروایان ممالک مختلفہ کی ... و ... وطن تعلیم سیاسی - اصول فرمانروائی کے تحت وہ امور درج ہیں جو قابل دید و قابل داد ہیں - سیاسی نکتہ سے گورنمنٹ حضور نظام کی تنظیم کے متعلق جو مواد اس میں ہے - اس سے واقفیت ازبس ضروری ہے - اس لحاظ سے یہ کتاب مفید معلومات کا ذخیرہ ہے قیمت .... عہ

براؤننگ از مولوی سید قادر احمد صاحب ام - اے - مشاہیر علم و ادب کی چند رائیں ذیل میں درج کی جاتی ہے -

براؤننگ کے اشعار کا ترجمہ جس خوبی سے کیا اس کی مقبولیت و داس کے اچھے ہونے کی دلیل ہے - (ہز اکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر) اس کو میں دیکھ کر بہت محظوظ ہوا - کیونکہ انہوں نے ایک ایسا کام انجام دیا جو نہایت دشوار بلکہ بادی النظر میں تقریباً محال معلوم ہوتا تھا - اور ترجمہ اس خوبی سے کیا ہے - جس سے اصل نظم کی لطافت اور اس کے فلسفے کی باریکیاں بخوبی ظاہر ہو جاتی ہیں - بجائے خود اردو نثر کا اچھا نمونہ ہے (نواب مہدی یار جنگ بہادر) نہایت سلیس اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا ہے - ترجمہ کی فصاحت اور بلاغت و اسلوب بیان کی خوبی اس کے علاوہ ہے (حیدر یار جنگ بہادر) قیمت (عہ)

سیرۃ النبی

حصہ اول جس میں از ولادت تا ختم سلسلہ غزوات معہ مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ تاریخ عرب قبل بعثت ضخامت (۵۵۰) کاغذ قسم دوم مجلد تقطیع خورد قیمت .... للعہ

حصہ دوم از ۹ھ ہجری - اقامت امن - تاسیس خلافت - اشاعت اسلام انتظامات مذہبی - تکمیل شریعت - حجۃ الوداع - وفات شمائل اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد مطہرہ کا مختصر تذکرہ ہے - تقطیع خورد صفحے (۴۳۸) کاغذ قسم دوم قیمت مجلد ۴ر

حصہ سوم جس کے مقدمہ میں معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیم - علم کلام - فلسفہ جدید اور قرآن مجید کے نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہیں اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمہ الہی وحی کا نزول، ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے - پھر وہ آیات معجزات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے - معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے - اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں - اور جن کے حوالے قرآن حدیث میں مذکور ہیں - اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے - تقطیع کلاں کاغذ قسم دوم مجلد .... (لعہ)

عروس ادب ہوش بلگرامی کے اخلاقی - ادبی - تاریخی - اور سیاسی مضامین کا مجموعہ ان مضامین کی تعریف تقاریظ مندرجہ کتاب میں مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اور مولوی عبدالماجد صاحب بی - اے (دریابادی) نے از حد فرمائے ہے - فی الواقع مضامین نہایت عجیب اور قابل دید ہیں - خصوصاً مضامین ادبی لکھائی چھپائی کاغذ بھی نہایت عمدہ ہے عروس ادب زیور علم سے آراستہ ہونے کے علاوہ مصنف کی تصویر سے بھی مزین ہے - جتنی خوبیاں ہیں ان کے مقابلہ میں قیمت بہت کم ہے یعنی فی نسخہ .... (عہ)

سفر حرمین الشریفین یہ ایک لاجواب کتاب ہے جس میں مدینہ منورہ ... تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے - اور کثیر نقشہ شام و بیت المقدس و مصر کے نہایت نفیس بلاک و فوٹو شامل کتاب ہیں مشاہیر علماء و فضلاء نے اس کے خوبی کے متعلق رائیں دی ہیں کاغذ چھپائی عمدہ لکھائی چھپائی بھی نہایت عمدہ ہے - اب بہت تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں قیمت بجائے (عہ) روپیہ کے .... صہ

نیک بی بی اس نظم کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ایک نیک خو بی بی نے اپنے بدخو شوہر کو خوش خو بنا دیا قیمت ۲ر

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کر کے شائع کیا

رجسٹر سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

عدد ۱۵
جلد

مدیرین
سید وقار احمد ام۔ اے
محمد حبیب اللہ رشدی ام۔ اے

مضمون خاص
علم روح انسانی

نواب ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر
ایم۔ بی۔ سی ایچ۔ بی۔ (ایڈنبرا)

قیمت فی پرچہ ۲ ر ۱۲

سعیٔ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات — تیری میزان ہے شمارِ سحر و شامِ ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

جلد ۱ — ۲۹ اردی بہشت ۱۳۳۷ف — ۲ اپریل ۱۹۲۸ء — دوشنبہ ۱۰ شوال ۱۳۴۶ھ — حیدرآباد دکن — عدد ۱۵

شذرات

نظام گزٹ کی اشاعت بہت تعویق میں پڑگئی اس کا بڑا سبب گو زمانہ طاعون میں مدیرین اور مطبع کی پریشانی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اب اگرچہ طاعون ختم ہو چکا ہے اور نظام گزٹ کا کام برابر چل رہا ہے مگر بقیہ پرچے ابھی تک تیار نہ ہو سکے۔ اس بنا پر یہ طے کیا گیا ہے کہ اب بقیہ پرچے شائع کرنا مشکل بھی ہے اور بے فائدہ بھی کیونکہ اکثر خبریں اور واقعات اب پرانے پڑ چکے ہیں اور ان کا ذکر اب محض بے سود ہے اسلئے۔ اب ماہ رمضان کے پرچے شائع نہ ہوں گے بلکہ نظام گزٹ کو موجودہ حالت ہی میں وقت کا پابند کرنیکی کوشش کی جائے گی۔ اب رہا ان بقیہ پرچوں کا معاوضہ اس کے لئے یہ طے ہوا ہے کہ ہمارے معاونین کی مدت خریداری میں ڈیڑھ ماہ کا اضافہ کر دیا جائے گا خواہ وہ ششماہی ہوں یا سالانہ اس طرح ان کو پرچے اتنے ہی ملیں گے جتنے کہ نظام گزٹ کے برابر وقت پر شائع ہونیکی صورت میں ملتے۔

ہمارے ایک مضمون نگار صاحب کو سائمن کمیشن اور بٹلر کمیٹی کے متعلق ایک دلچسپ تشبیہ سوجھی ہے۔ لکھتے ہیں:-

"سائمن کمیشن بمنزلۂ کلوروفارم ہے اور بٹلر کمیٹی عمل جراحی۔ اس لئے ہمدردانِ ملک و قوم کو چاہئے کہ خود بے ہوش نہوں اور اعضائے رئیسہ کو بھی عمل جراحی سے محفوظ رکھیں"

اس موقعہ پر ہمیں ڈاکٹر اقبال کے یہ شعر یاد آتے ہیں۔

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ انّ الملوک
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے ایک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

مگر لطف یہ ہے کہ ہمارے قومی ڈاکٹر جنہوں نے ہمارے امراض کی یہ تشخیص کی وہ خود کلوروفارم سے بے ہوش ہیں پس عمل جراحی سے بچنے کی اب کیا توقع ہے؟

قتل باولا کے مقدمہ میں یہ بات دنیا کو معلوم ہو گئی کہ ممتاز جان اور سر توکوجی راؤ سابق مہاراجہ اندور میں ایک خاص ربط تھا۔ اور ممتاز جان بے ضابطہ طور پر ہی سہی کسی زمانہ میں اندور کی مہارانی بنی رہی۔ باولا کے قتل کے بعد یہ دونوں ؏

نہیں مطلب ایک کو ایک سے یہ ادھر چلا وہ ادھر گیا

کے مطابق ایسے جدا ہوئے کہ ایک نے امرتسر کا راستہ لیا اور دوسرے نے یورپ کا۔ امرتسر میں ممتاز جان کو ایک شوہر ملا اور امریکہ میں سر توکوجی راؤ کو ایک بیوی ملی۔ اور دونوں اپنے اپنے حال میں خوش حال فرض کئے جاتے تھے مگر حال میں یہ معلوم ہوا کہ امرتسر کا شوہر اور امریکہ کی بیوی دونوں فرضی تھے۔ اب فطرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ادھر ممتاز کو اپنے شوہر سے چھڑا لیا تو ادھر سر توکوجی راؤ کو اپنی بیوی سے ملا یا مہاراجہ اور ممتاز کی اولاد بھی ناظرین سے تعارف حاصل کر چکی کہ ممتاز کی بیٹی نے ماں پر اپنے نفقہ کی رقم کا دعویٰ دائر کیا تھا اور مہاراجہ کے صاحبزادے نے حال میں باپ کو نصیحت کی تھی کہ مس ملر سے شادی نہ کریں۔ نہیں معلوم اس ڈرامے کے ابھی اور کتنے ایکٹ اور سین باقی ہیں۔ کیونکہ مس ملر تو حال میں اسٹیج پر نمودار ہوئی ہیں۔ اور ابھی ان کا پورا پارٹ باقی ہے۔ ہندوستان کے لئے "سائمن کے تماشے" کے ساتھ ساتھ یہ گھر کا تماشہ بھی موجود ہے۔ وہ حزنیہ (ٹریجیڈی) ہے اور یہ طربیہ (کومیڈی) اور دونوں کا ایک ہی زمانہ میں واقع ہونا گویا آغاز حشر کا شاہکار ہے۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ - ۱۰ شوال سنہ ۱۳۴۶ ہجری

بٹلر کمیٹی اور ہم

بقیہ

ڈاک خانہ دوسری قابل توجہ چیز ڈاک خانہ ہے دنیا بھر میں غالباً کوئی ایسا ملک نہیں ملیگا جہاں دو مختلف ڈاک خانوں کا مضحکہ خیز رواج ہو۔ حیدرآباد میں ایک تو برطانی ہند کا ڈاک خانہ قائم ہے اور دوسرا خاص ریاست حیدرآباد کا۔ اس بات میں ہمیں معلوم کیا معقولیت نظر آتی ہے کہ ایک ملک میں اس کا اپنا ڈاک خانہ موجود ہوتے ہوئے ایک دوسری حکومت اپنا ایک ڈاک خانہ بھی قائم رکھے۔ ہم مانا کہ انگریزی ڈاک خانہ حیدرآباد میں اس وقت قائم کیا گیا تھا جب کہ ریاست کا ڈاک خانہ موجود نہ تھا مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ جب ریاست کا ڈاک خانہ قائم ہوگیا اور وہ اپنے انتظام اور شاخوں کے لحاظ سے انگریزی ڈاک خانے سے کئی گنا بڑا ہوا ہے تو پھر اس لایعنی رحمت کشی سے کیا فائدہ سرکار عالی کے ڈاک خانوں کی اتنی کثیر شاخیں ہیں کہ خط و کتابت میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے انگریزی ڈاک خانے کے لئے بعض جگہ منزلوں کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے اور پھر ذرا اہل ملک کی مصیبت کو ملاحظہ فرمائیے۔ کہ اس کو ہمیشہ خط و کتابت رسل و رسائل بھیجنے میں دو مختلف اداروں کا پابند ہونا اور بے فائدہ احتیاط کرنا پڑتا ہے۔ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ جس جگہ خط یا پیام بھیجا جا رہا ہے وہ ریاست کے اندر واقع ہے یا باہر۔

ہم اس بارہ میں سرکار عالی کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں کہ بٹلر کمیٹی سے اس معاملہ میں یکسوئی ہو جانی چاہئے۔ اور جلد سے جلد اس غیر ضروری جھگڑے کو موقوف کر دینا چاہئے۔

پیٹنٹ اور رجسٹری اسی سلسلے میں ایک اور اہم بات پیٹنٹ اور رجسٹری کو تسلیم کرانا ہے۔ یہ وہ سوال ہے جس سے ملک کے بہترین دماغوں کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اگر کوئی موجد یا مصنف کوئی ایجاد کرتا ہے یا کتاب لکھتا ہے تو اس کو ریاست حیدرآباد میں رجسٹرڈ کرانے کے بعد دوبارہ برطانی ہند میں رجسٹر کرانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اعلیٰ دماغوں کو اس معاملہ سے سابقہ پڑتا ہے انکو ان دوہری کارروائیوں سے کتنی زحمت ہوتی ہے اور کتنا وقت ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے بہتر ہو کہ اس کمیٹی سے گفت و شنید کے ساتھ اس معاملہ کی یکسوئی ہو جائے اور حیدرآباد کا پیٹنٹ اور رجسٹری تمام برطانی ہند میں بھی رائج ہو سکے۔

نظام برج

یادگار آصف جاہ ثانی

از ابو المعارف میر لطف علی صاحب عارف ابو العلائی

قلعہ گولکنڈہ میں منجملہ دوسرے قدیم قطب شاہی یادگاروں کے ایک برج نظام برج کے نام سے آصفجاہی یادگار بھی موجود ہے اس برج پر جو کتبہ لگا ہوا ہے وہ یہ ہے۔

نقل کتبہ

چوں شد ز حکم آصف جاہم تمام برج
تاریخ گفت ہاتف غیبم نظام برج
۱۱۹۶ھ
در قلعداری سرفراز جنگ بہادر بہ اہتمام نعمت نواز خاں بہادر
تمام یافت

کتبہ مذکور اس وقت جس برج پر نصب ہے وہ برج اور برجوں کی طرح کس مپرسی کے عالم میں پڑا ہوا ہے تاریخ سے ظاہر ہے کہ ۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۱۹۶ھ کو عالیجناب نواب غفراں مآب دار السلطنت حیدرآباد سے قلعہ گولکنڈہ عرف قلعہ محمد نگر میں بغرض شکار تشریف فرما ہوئے تھے اور تخمیناً چار ماہ تک یہیں مقیم رہے اس کے بعد قلعہ کولاس کی جانب تشریف لیگئے تھے لیکن بوجہ کثرت بارش حضور غفراں مآب نے وہاں کے راجہ سے خراج لیکر جلد مراجعت فرمائی۔

اوسی سال آپ (یعنی حضرت غفراں مآب) کچھ دن سفر میں گذارے اور کچھ قلعہ گولکنڈہ میں سنہ مذکور میں حضرت غفراں مکاں کا یہ پانچواں سفر تھا جس میں برج مذکور تیار کروایا گیا۔

کتبۂ مذکور سے ظاہر ہے کہ اس برج کی تعمیر بحکم سرکار "فتح جنگ سپہ سالار رستم دوراں ارسطوئے زماں آصف جاہ" کشورستاں مظفر الملک ارسطوئے زماں نواب میر نظام علیخاں بہادر نظام الدولہ نظام الملک آصفجاہ ثانی (غفراں مآب) نواب سرفراز جنگ کی قلعہ داری کے زمانہ میں نعمت نواز خاں بہادر کے اہتمام سے ہوئی اور اس کا تاریخی نام "نظام برج" رکھا گیا یہ برج ایک ایسے مقام پر واقع ہے جہاں اسوقت مطلق آبادی نہیں۔

یہ برج اوس برج کے قریب ہے جسکو سلطان عبداللہ قطب شاہ نے خاص طور پر اعلیٰ پیمانہ پر بنوایا تھا جس کا تفصیلی واقعہ ایک خاص پتھر پر کندہ تھا مگر افسوس ہے کہ حوادث زمانہ سے یہ نایاب پتھر بھی شکستہ ہو گیا ہے اس پتھر کا بالائی حصہ جس میں نقش کندہ ہے خدا جانے کس مقام پر پڑا ہے۔

موجودہ شکستہ پتھر کا ادھورا مضمون حسب ذیل ہے

"....... نزدیک ایں برج تا بخندق رسانید چوں دریں جا برج گو بود ندا ما حکم جہاں مطاع عالم مطیع خسرو زماں شہنشاہ دوراں سلطان العادل ظل اللہ ابو المظفر ابو المنصور ابو الغازی سلطان عبداللہ قطب شاہ بدستور وزرا فی الزماں مقرب الحضرت السلطانیہ معتمد الدولہ خاقانیہ خان ذی شان سپہ سالار موسیٰ خان چناں شرف صدور یافت کہ خود دریں جا بودہ بدفع غنیم مشغول باشد بر آں خان عالی شان شب و روز بہ ہشیاری تمام در دفع غنیم بودند از قضاء ربانی گولہ توپ بر وجود میر میراں خاں خورد کہ در ہماں مورچہ ہلاک گشت و بعد از فوت او بہ سی روز صلح شد و بعد گذاشتن محاصرہ بہ خان مشار الیہ حکم عالی شد کہ برج عظیم دریں جا بنا باید کرد تا غنیم را فرصت نقب مورچہ کندن مجال نباشد بنا بر حکم ہمایون اعلیٰ بہ اندک زمانی برج عظیم بسعی خان موسیٰ الیہ در سال سنہ ہزار و ہفتاد و ہفت اتمام رسید و اسم معمار دھرما چار"

ترجمہ .... اس برج کے قریب خندق تک پہونچائے گئے۔ اگرچہ اوسوقت اس مقام پر برج تھے لیکن حکم جہاں مطاع، عالم مطیع، خسرو زماں، شہنشاہ دوراں، سلطان العادل ظل اللہ ابو المظفر ابو المنصور ابو الغازی سلطان عبداللہ قطب شاہ بموجب طریقہ وزرا زمانہ مقرب الحضرۃ السلطانیہ معتمد الدولہ خاقانیہ خان ذی شان سپہ سالار موسیٰ خاں کو اسطرح ملا کہ اس مقام پر خود مقیم رہ کر غنیم کے حملوں کو دفع کرتے رہیں۔ بہ تعمیل حکم (بادشاہ) خان عالی شان نے اس جگہ مقیم رہ کر نہایت مستعدی کے ساتھ غنیم کے حملوں کو دفع کرتے رہے لیکن بقضائے الٰہی ایک توپ کا گولہ میر میراں خاں خورد کو لگا جس کے صدمہ سے خان مذکور کا انتقال ہوگیا۔ خان مذکور اوسوقت اس برج پر برسرپیکار تھے ان کے انتقال کے تیس دن بعد صلح ہوگئی اور محاصرہ برخاست ہونیکے بعد خان مشار الیہ (یعنی موسیٰ خاں سپہ سالار) کو حکم عالی سرفراز ہوا کہ اس جگہ ایک بہت بڑا برج بنوایا جائے تاکہ غنیم مورچہ میں نقب زنی کی جرات نہ کر سکے چنانچہ

بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲ کالم ۳

علم روح انسانی

از

نواب ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر۔ ایم۔ بی۔ سی ایچ۔ بی (ایڈنبرا) سول سرجن اوکاؤنزبلڈاندرون و بیرون

(ذیل کے مضمون میں نواب ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر نے اس قدیم مباحثہ پر قلم اٹھایا ہے جس نے افلاطون اور ارسطو کے زمانہ سے آج تک فلسفیوں کے دو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ یعنی مادہ اور روح کا جھگڑا۔ فلسفہ کا لاینحل مسئلہ یہ ہے کہ مبدء عالم روح ہے یا مادہ۔ افلاطون روح کو مبدء کائنات سمجھتا تھا اور اس کا شہرۂ آفاق شاگرد ارسطو مادے کو۔ اگرچہ اس زمانہ میں روح اور مادے کے وہ معنی نہیں لئے جاتے تھے جو آج لئے جاتے ہیں مگر کم و بیش مطلب یہی تھا۔ ان دونوں فلسفیوں کے بعد ہر فلسفی یا تو افلاطون کا ہم خیال ہوتا تھا یا ارسطو کا مگر بحیثیت مجموعی یورپ کے اکثر فلاسفہ کا رجحان مادیت کی طرف رہا۔ قرون وسطیٰ میں عیسائی مذہب نے۔ ذریکہ اعیسائیت میں خدا اور روح کا ماننا جزو لازمی ہے۔ اسلئے اس زمانہ کے مفکرین نے جو مذہب کے پیرو تھے روح اور مادہ دونوں کے قائل تھے۔ قرون وسطیٰ کے بعد عہد جدید میں مادیت کا شدید نمو ہوا۔ سائنس کی ترقی کی وجہ مادیت کا نظریہ تمام یورپ پر چھا گیا۔ مگر حال ہی میں علمار فلسفہ کا رجحان پھر روحانیت کی طرف ہو گیا ہے۔ اور اکثروں نے ان جھگڑوں سے تنگ آکر لا ادریہ مسلک کی بناء ڈالی ہے اس مضمون میں نواب صاحب نے بعض جگہ خالص نفسیاتی اصطلاحوں کو اس الہیاتی بحث میں استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو غلط مبحث کا شبہ ہو مگر یہ کلیتہً نواب صاحب کے اپنے سوچے ہوئے خیالات ہیں جو کسی فلسفی سے عاریتاً نہیں لئے گئے۔)

نظام گزٹ

علم روح انسانی ایک ایسا علم ہے جس کے مقاصد و کام۔ ذہن فہم۔ ادراک۔ دماغ اور دل وغیرہ ہیں در اصل یہ سب ایک ہی شے ہیں اور ان سب کے معنی ایک ہیں۔ اگر مجھ کو اعتراض ہے تو لفظ دماغ اور دل پر ہے یہ اس لئے کہ لفظ دماغ یا دل سے فوراً خیال مادی چیز یعنے جسم انسانی کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اور عالم ارواح کا خیال کوسوں دور جا پڑتا ہے۔ میری رائے میں علم روح انسانی جیسا کہ خود اس کے نام سے ظاہر ہے صرف ارواح سے تعلق رکھتا ہے۔

گو آلہ جسم اس کا جزو لاینفک ہے مگر کہاں تک اور کس حد تک اسکی صراحت میں آئندہ کروں گا۔ ذہن فہم۔ ادراک۔ یہ الفاظ ایسے ہیں جن سے کسی مادی چیز کا خیال نہیں آتا۔ جیسا کہ دماغ یا دل کے سننے سے فوراً جسم کا خیال آجاتا ہے۔ پس فہم یا ادراک کی یوں تعریف بالتصریح ہوسکتی ہے کہ ادراک وہ علم ہے جس سے ہم خیال و تفکر کرتے ہیں یہی ذہن ہے اسی قوت سے ہم ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ پسند کر سکتے ہیں۔ انتخاب کر سکتے ہیں۔ اسی کو اعتقاد کہتے ہیں۔ یہی ایمان ہے۔ یہی منصوبہ تجویز مطلب مقصد اور مدعا ہے۔ یہی خیال وہم قیاس گمان اور جو نفس ہے یہی وقت بے وقت موقع بے موقع اپنا اثر دکھاتا ہے اسی کو مزاج طبیعت اور رغبت بھی کہا جا سکتا ہے یہی حاکم ہے محکوم بھی عالم خیال ہے یہی۔ روح انسانی میں نے سطور بالا میں کسی قدر تشریح اور توضیح سے کام لیا ہے تاکہ ناظرین کی سمجھ میں میرا مطلب بآسانی آجائے تصریح بالا میں جتنے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مطلب ان سب کا ایک ہی ہے۔ یعنے ادراک یا ذہن۔ لفظ طبیعت کو لیجئے کیا اس لفظ کے سننے سے جسم انسانی کا خیال آتا ہے۔ نہیں۔ حالانکہ طبیعت جسم انسانی سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر اس کو ہڈی گوشت۔ پوست سے کوئی نسبت نہیں۔ بالفاظ دیگر طبیعت کوئی مادی چیز نہیں ہے یعنے ایسی چیز نہیں ہے جو کہ شکل جثہ۔ صورت۔ یا وزن رکھتی ہو۔ یا جو کسی جگہ پر رکھی جا سکے۔ اگر یہ سب باتیں مان لیجائیں اور ان کا ماننا لازمی ہے تو یہ ثابت ہوگا کہ طبیعت مادہ نہیں۔ بلکہ کوئی اور شے ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ کیا شے ہوسکتی ہے؟ یہ وہی شے ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں یعنے ذہن یہ وہ قوت لاانتہا ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔ یہ وہ شے ہے جس کی وجہ سے تمام اعضائے جسمانی کام کر سکتے ہیں۔ مثلاً دیکھنا سننا اور محسوس کرنا وغیرہ یہ قوتیں رگوں کے ذریعے سے دماغ کو خبردار کرتی ہیں۔ اور ہر ایک حصۂ دماغ بلا وقت بلاکم و کاست فوراً کام کرنے لگتا ہے اور ہم دیکھنے سننے لگتے ہیں۔ اگر کوئی اچھی چیز یا خوشگوار منظر نظر کے سامنے آئے تو ہم کو خوشی ہوتی ہے اور اگر بھیانک ہو تو خوف و افسوس معلوم ہوتا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ذہن کوئی علٰحدہ شے ہے یا صرف رگوں اور دماغ ہی کا کرشمہ ہے۔ کیوں کہ اگر دماغ اور رگیں نہ ہوں تو نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ نہ جسم انسانی کسی چیز کو محسوس کر سکتا ہے اسی لئے بعض مشہور غور و خوض کرنے والوں کا یہ خیال ہے کہ ذہن کوئی چیز ہی نہیں۔..........

.......صرف رگیں اور دماغ ہی دماغ ہے اور یہ خیال بھی ہے کہ سب سے پہلی حیات یعنے حیات ازلی ہے جس کو سائنٹفک علمی زبان میں امیبیا کہتے ہیں لاکھوں کھربوں برسوں کے گذر جانے کے بعد نئی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ یہانتک کہ حضرت انسان کی شکل میں وہ آگئی اور درمیانی اشکال یعنے حیوانی صورتیں جو کہ کمزور تھیں رفتہ رفتہ اپنی شکلیں بدلتی گئیں اور اپنے اطراف و اکناف کے اثرات کی جو نئی دنیا میں پیدا ہوتے گئے متحمل نہ ہو کر مفقود اور نیست و نابود ہو گئیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان ایولوشن یعنے ارتقاء کا نتیجہ ہے اور اب جو ہیئت۔ صورت۔ ہماری ہے وہ قرب و جوار گرد و نواح اور ماحول و اطراف و اکناف کی وجہ سے ہے اگر ہم اس مسئلہ یا اس اصول کو صحیح مان لیں تو البتہ ذہن یا روح کوئی شے نہیں ہوسکتی اور مجبوراً رگ و دماغ اور غدود وغیرہ کو ماننا پڑے گا اور مسئلہ ڈارون مسلمہ ہو جائے گا۔ سب سے بڑی مشکل جس کا ہمیں سامنا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ علم روح انسانی مثل دوسرے علموں مثلاً کیمیا وغیرہ کے اصل حقیقت نہیں بتاتا مثلاً اگر یوں کہیں۔ کہ دو حصے ہیڈروجن گیاس کے اور ایک حصہ آکسیجن گیاس کا ملایا جائے تو نتیجہ یقینی۔ پانی ہوگا۔ تو یہ بات فوراً ہماری سمجھ میں آجاتی ہے اسی طرح ہر علم سائنس حقیقت بتلاتا ہے مگر علم روح انسانی صرف قیاس ہی قیاس ہے کوئی ایک ایسا قاعدہ یا مسئلہ اسمیں ایسا نہیں ہے جس کو بغیر حجت کے مان لیا جائے۔ گویا یہ علم ابھی تک علم سائنس کی حد تک نہیں پہونچا اور ہم ابھی تک اسکی عجیب و غریب حقیقت کو سمجھے ہی نہیں بلکہ جسطرح پرانے زمانہ میں علمائے وقت ستاروں کو دیکھکر متحیر رہتے تھے یا جیسا چند سال پیشتر ہوائی جہاز کا خیال بھی آتا تھا تو ہم سب کو تعجب ہوتا تھا اسی طرح آج کل علم روحانی کا جب ذکر آتا ہے تو ہم دریائے حیرت میں غرق

ہو جاتے ہیں اور نتیجہ کو نہیں پہونچتے بلکہ روح کو جسم اور جسم کو روح خیال کرنے لگتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جبتک ظاہری آلہ جسم نہو۔ روح اپنی حقیقت بتا نہیں سکتی مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ روح یا ذہن جسم انسانی ہے۔ یا مثل رگوں کے بدن کا ایک جزو ہے میری رائے میں یہ ایک چیز بالکل جدا گانہ ہے کیا ایک مردہ انسان کے بدن میں وہی دماغ اور وہی رگیں موجود نہیں جو اس کی زندگی میں اپنا پورا کام کرتی تھیں۔ مگر ایک شے کے کم ہو جانے سے جس کو ہم روح کہتے ہیں۔ وہی جسم وہی آلہ کام نہیں کرسکتا نہ ایسے جسم کو سردی لگتی ہے نہ یہ کوئی درد محسوس کرسکتا ہے۔ حالانکہ ابھی وہی رگ وریشے اور وہی خون بدن میں موجود ہے۔ رگیں سڑی گلی نہیں ہیں۔

مگر وہ زبان جو بول سکتی تھی اب ہمیشہ کیلئے کم سے کم اس دنیائے فانی میں اپنے جوہر نہیں دکھلا سکتی آخر وہ کیا چیز تھی اور وہ کیا چیز ہے جس کے کم ہو جانے سے یا یوں کہئے جس کے جدا ہو جانے سے انسان انسان ہی نہیں رہتا۔ جو دیکھے سنے یا بات کرے۔ آخر وہ کیا شے تھی اور وہ کیا شئے ہے حالانکہ مردہ جسم کے رگ وریشے دماغ وپٹھے ابھی خراب نہیں۔ مگر اس کے مفقود ہو جانیکی وجہ سے یہ بدن جو متحرک رہتا تھا اب کیوں حرکت نہیں کرسکتا۔ اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ روح کوئی اور شئے ہے یا یوں کہئے کہ ادراک بغیر مادی دماغ کے اپنے جوہر نہیں دکھا سکتا ان سب کا تعلق جسم سے ہے مگر اوسی قدر کہ وہ اپنا جوہر دکھائیں۔ مگر یہ مادی چیز نہیں۔ تاہم دونوں میں تعلق ضرور ہے مثلاً رگوں کے ذریعہ درد کا پاؤں کے انگوٹھے میں ہونا مادی دماغ تک پہونچا تو اس کی خبر روح کو ہوئی۔ یہ خبر روح کو ہوتے ہی تمام جسم اس ایک عضو میں درد ہونے سے بےچین ہو گیا تو معلوم ہوا کہ مادی دماغ سے جدا کوئی شے ہے جس کے حکم سے تمام بدن انسانی رگوں اور پٹھوں کے ذریعہ کام کرتا ہے۔ اسی کو ہم ذہن۔ ادراک یا فہم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسی کو روح بھی کہتے ہیں مگر ہم اپنی عادت سے مجبور ہیں جب کبھی دل یا دماغ کا لفظ سننے میں آتا ہے فوراً مادی شے کیطرف خیال دوڑ جاتا ہے اور ذہن کو بھی مادی چیز خیال کرنے لگتے ہیں صرف اس لئے کہ وہ مادہ کو متحرک کرتا ہے سمجھ۔ خیال عقل حیوانی طبیعت۔ نفس یا تحریک طبعی ان الفاظ سے صرف اپنا مطلب بیان کرنا اور سمجھ لینا مقصود ہے در اصل ان کا کوئی وجود جسم انسانی میں نہیں ہے نہ کوئی جگہ جسم انسانی میں ایسی ہے جہاں ہم کہہ سکیں یا بتا سکیں کہ یہ فلاں فلاں جگہ موجود ہے وہ قوت جس سے ہم سچ اور جھوٹ میں امتیاز کر سکتے ہیں عقل حیوانی یا نفس۔ قوت مدرکہ یا اپنے خیال کا خود کو علم ہونا قوت ارادی۔ جوش دل۔ جذبہ وغیرہ ان سب کیلئے کوئی جگہ دماغ میں خاص طرح سے مقرر نہیں کی گئی۔

اگر بعض کے مقام معین ہیں بھی۔ مثلاً دیکھنے۔ سننے اور بولنے کے مرکز تو یہ کوئی علٰحدہ علٰحدہ زندگی نہیں رکھتے لفظ احساس کو دیکھئے یہ وہ قوت ہے جس سے ہم دکھ۔ درد۔ سرد وگرم۔ وزن وغیرہ معلوم کرسکتے ہیں یہاں تک کہ ایک چونٹی کا بھی جسم پر چلنا محسوس کرسکتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ذہن کو مثل بچوں کے تعلیم کی ضرورت ہے اور یہ تعلیم سننے دیکھنے اور پڑھنے ہی سے حاصل ہوتی ہے جیسے کہ ایک شئے کڑوی ہے یا میٹھی ہے۔ صرف چکھنے ہی سے معلوم ہوسکتی ہے یہ قدرتی اصول ہیں جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ مثلاً قلم کو دیکھئے تعلیم یافتہ کی نظر میں کوئی اور ہی چیز قرار پاتی ہے حالانکہ وہ اپنی زبان سے ان سب قرار دادوں کا اظہار نہیں کرتا ہے جو کہ اس کے ذہن نے قلم پر نظر پڑتے ہی محسوس کرلئے ہیں یہ نتیجہ تعلیم ہے یہ گذشتہ علم کا ثمرہ ہے جس کے لئے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے یہی قلم ایک ان پڑھ جاہل کو دکھائیے۔ اسکی نظروں میں یہ ایک بے معنی لمبی سی تراشیدہ لکڑی ہے جس میں پیتل کی یا اور کسی معدنی دھات کی پتی لگی ہوئی ہے اسی طرح سے جو کچھ ہم سوچتے ہیں۔ یا خیال کرتے ہیں یہ سب گذشتہ علم کا نتیجہ ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ مادی جسم کئے ہوئے ہمارے سامنے ہے نہیں بلکہ ہمارے ذہن میں ہے ہمارا ذہن دوڑ کر تمام احساسات کی تقدیم کرتا ہے گو بظاہر رگیں مثل تار برقی کے کام کرتی ہیں اور پرانی عادت گذشتہ تعلیم ذہن کو بیدخل کئے ہوئے منزل مقصود تک پہونچا دیتی ہے۔

مثلاً کسی زمانہ میں ایک شعر آپ نے یاد کرلیا تھا۔ اور چند سال بعد اسی شعر کا پہلا مصرعہ آپ کے سامنے پڑھا جائے تو تعجب نہیں کہ آپ دوسرا مصرعہ خود پڑھدیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ذہن رسا ہے وہ فوراً سمجھ جاتا ہے اور وہاں پہونچتا ہے جہاں مادی دماغ نہیں پہونچ سکتا نتیجہ یہ صاف طور سے نکلتا ہے کہ ذہن یا اس کو جو کچھ کہو ایک قوت ہے اور کوئی مادی شئے نہیں اسی میں تخیلات اور تصورات کی قوت ہے یہی مناظر قدرت کو اولاً محسوس کرتا ہے ان کی حقیقت کو سمجھتا ہے دریافت کرتا ہے اور معلوم کرتا ہے ذہن مادی جسم کی جھلک نہیں نہ اس کا عکس ہے یہ بالکل جداگانہ ایسی چیز ہے جس کو مادی شے سے کوئی تعلق نہیں ہے روح یہ امر ربی ہے سے

کھلی آنکھ طالب تو پایا یہ راز ؎ وہ پہلو میں تھا جسکو ڈھونڈا کیا

بقیہ نظام برج

(سلسلہ صفحہ (۲) کالم (۳))

یہ بنا بحکم ہمایون اعلےٰ تھوڑی مدت میں یہ برج عظیم الشان موسی الیہ کی کوشش سے ۱۰۷۰ھ میں تیار کروایا گیا اس برج کا بنانے والا دھرماچار نامی معمار تھا۔ (اس کا نام موسیٰ برج ہے) یہاں اس ادھورے پتھر کے علاوہ ایک اور پتھر بھی موجود ہے جس پر زبان تلنگی میں بھی کندہ ہے یہ پتھر پورا معلوم ہوتا ہے، مگر اسوقت یہ بھی تین ٹکڑوں میں ہے۔

(۳) برج مذکور کے پاس ایک اور کتبہ بھی رکھا ہوا ہے۔ جس کے دیکھنے سے خط ایران کی شان نمایاں ہے اس کتبہ کے کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

در زمان دولت پادشاہ والاجاہ
سلطان عبداللہ قطب شاہ بندۂ دولت خواہ خیرات خاں
بنائے این ملکہا و چاہ و آب و باغ نمود فی شہر ۱۰۶۷ھ

اسوقت خیرات خاں کا بھی مختصر ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ شخص کس شان کا تھا۔ کتب ہائے تواریخ سے ثابت ہے کہ سلطان عبداللہ قطب شاہ نے شاہ ایران کے ساتھ سابقہ اتحاد میں اضافہ کرنے کی غرض بیش قیمت جواہرات معہ دیگر تحائف خیرات خاں سفیر کے ذریعہ روانہ کیا تھا۔ لیکن سفیر دکن (خیرات خان) شاہ عباس بادشاہ ایران کے پاس پہونچنے نہ پایا تھا کہ شاہ ایران کا انتقال ہو گیا مگر یہ جملہ تحائف شاہ صفی بہادر خاں (خلف شاہ عباس) شاہ ایران کے ملاحظہ میں پیش کر دیئے گئے۔

خیرات خاں سلطان عبداللہ قطب شاہ کا مصاحب خاص تھا۔ صد حیف اصل عمارت کی بنیاد تک نظر نہیں آتی۔ بجز اس کتبہ کے جو بے موقع رکھا ہوا ہے۔

اب ہم ناظم صاحب آثار قدیمہ کی توجہ خاص مضمون متذکرہ صدر کی جانب مبذول کراتے ہیں تاکہ یادگار آصف جاہ ثانی کی حفاظت وبقاء شان کا معقول انتظام فرماویں۔

و نیز کتبہ شکستہ کا بقیہ مضمون (جس پتھر پر کندہ ہے) بعد تلاش ان ہر دو کتبوں کو محفوظ فرماویں اور کتبہ خیرات خاں کو اسکی اصلی جگہ پر جہاں وہ عمارتیں تھیں نصب کروادیں تاکہ ہر شخص کو ان مفقود عمارات کا پتہ چل سکے۔

خط وکتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجئے

تقویم

از

معین الدین صاحب فارنی بی۔اے (عثمانیہ)

دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہ ہوگی جہاں دنوں، ہفتوں اور مہینوں کا شمار نہ ہوتا ہو۔ سات دن کا ہفتہ، کم و بیش تیس دن کا مہینہ اور بارہ مہینے کا سال مانا جاتا ہے۔ یہ تقسیم آج کل کی نہیں بلکہ ہزارہا سال سے چلی آتی ہے۔ اس کی ابتدا بجز سیار دن کی گردش کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ نظام عالم میں آفتاب شاہانہ جاہ و جلال سے ہر روز مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں جاکر ڈوبتا ہے جب وہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے تو ظلمت کدہ افق سے لیلائے شب کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ آفتاب کے طلوع و غروب سے تو دن رات بن گئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہفتہ اور مہینہ کی ترکیب اور ترتیب کیونکر ہوئی ہوگی۔ انسان ہمیشہ سے ایک استفہام کا مجسمہ رہا ہے۔ یہ ہمیشہ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ کی پیچیدگیوں میں الجھا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اس نے آفتاب اور ماہتاب کو دورہ کرتے دیکھا ہوگا تو اس کے ذہن میں وہی کیا اور کیوں کے سوالات پیدا ہوئے ہوں گے چشم انسان کے سامنے دوسرا منظر یہ ہوگا کہ ماہتاب عروج و زوال کی منزلیں طے کرکے اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے مفروضہ ہے کہ اس کی عقل نے اس عروج و زوال کے مشاہدے اور گنتی کا خیال پیدا کیا ہو اس نے دیکھا ہوگا کہ چاند بعض اوقات انتیس اور بعض اوقات تیس دن کے فصل سے گھٹتا بڑھتا ہے جب یہ مشاہدہ اور تجربہ ثابت ہو گیا کہ یہ اتنی مدت میں اتنی گردشیں طے کرتا ہے تب اس نے ہر دورے کو ایک جداگانہ حصہ سمجھ کر کسی کا نام دن کسی کا نام مہینہ رکھدیا۔ چنانچہ ماہتاب کے بارہ دوروں سے سال کے بارہ مہینے قائم ہوئے اور مہینوں کا ایک ایک نام رکھدیا۔

اجرام فلکی کے دلفریبیوں کے دیکھنے کا اشتیاق فطرتاً ہوتا ہے اس لئے انسان ہر ستارے کو غور سے دیکھتا ہے غرض ابتدائی زمانہ میں انسان نے سطح آسمان سے سات روشن نگینوں کا انتخاب کیا ہوگا چونکہ یہ ستارے چلتے پھرتے تھے اس لئے اس نے اپنی کم عقلی سے سبعہ سیارہ کو خدا کا نور سمجھ کر اظہار عبودیت کے خیال سے سر اطاعت جھکا دیا ہوگا۔ ان کو اپنا حاجت روا سمجھا اور ان کی پرستش کے لئے ایک ایک دن مقرر کر لیا ہوگا اور اس طرح سات دن کا ہفتہ بنا یا چنانچہ دنوں کے جو نام رکھے گئے ہیں وہ انہیں سیاروں کے ناموں پر ہیں۔ قمری سال کے رائج ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے۔

انسان کا مشاہدہ صرف اسی حد تک تھا۔ اسکی حیات کے ساتھ ساتھ یہ ادوار زمانہ کے انقلاب کا منظر دکھاتے رہے جو کچھ تقسیم عقلاً ایام، ماہ، و سال کی دی اگرچہ وہ صحیح تھی لیکن ایک زمانہ کے بعد یہ دیکھا کہ سال تو ماہتاب کے دوروں کے حساب سے چل رہا ہے مگر تیس تیس برس کے زمانہ میں ہر موسم اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے قمری حساب میں غلطیاں محسوس ہوئیں اور ثابت ہوا کہ آفتاب کی گردش بھی دنیا کے لیل و نہار میں اپنا عمل کرتی ہے اور فصول اربعہ کا تغیر اسی بنیاد پر ہے اور بالآخر مسلسل تجربوں کی کاوش ذہن کے بعد آفتاب و ماہتاب کے سالانہ ادوار حسب ذیل قرار پائے۔

آفتاب تین سو (۶۵) دن۔ پانچ گھنٹہ۔ اڑتالیس منٹ۔ اور پچاس پل۔ ساٹھ پل دیگر کسرات تقریباً ۱/۴ دن کے مساوی ہیں۔) ماہتاب۔ تین سو چون دن وغیرہ وغیرہ

آفتاب و ماہتاب کے سال میں اسطرح سوا گیارہ دن کی کمی ہوتی ہے اس سے قمری و شمسی حساب میں فرق پڑتا ہے اس لئے فصول اربعہ میں عدم مطابقت رہتی ہے جس کی وجہ سے تمدنی ضروریات میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔ زندگی بے ترتیب رہتی کام کاج میں بے لطفی پیدا ہو جاتی۔ اس لئے اس فرق کو دور کرنے کا چارہ کار بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ قمری مہینوں میں جو کمی ہے اس میں اضافہ کر دیا جائے چنانچہ ایرانیوں نے اس اصول پر اول قمری سال میں گیارہ دن کا اضافہ کیا اور اس کو بھی شمسی سال کے برابر ملایا چنانچہ اب دونوں میں تین سو پینسٹھ دن کا ایک سال شمار ہوتا ہے صرف جو کسرات تھیں وہ چھوڑ دی گئیں۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ تمہید آغاز سنہ فارسی کی تاریخ مختصراً بیان کی جاتی ہے لیکن اس کے قبل چند سوالات کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سنہ کی ابتدا کس خاص تاریخ سے، کب اور کیونکر شروع ہوئی اور سنہ کا شمار کیوں ضروری ہوا ان کا جواب یہی ہے کہ جب انسان کی ضروریات بڑھ گئیں اور تمدن کا دائرہ وسیع ہو گیا واقعات ماضیہ کا ذہن میں محفوظ کرنا نہایت دشوار تھا اور اگر یہ کام مشکل نہ ہوتا تو "الانسان مرکب من الخطا و النسیان" کے ضرب المثل نہ بنتا لیکن واقعات ماضیہ کی حفاظت اور یادداشت کی سخت ضرورت تھی اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ ان ایام کی یہی گنتی مقرر کی جائے مگر یہ کام معمولی نہ تھا جو یہ آسانی ہو جاتا بہت عرق ریزی کی گئی تب کہیں جزئیات کو چھوڑنا پڑا اور اہم واقعات کو سال کے شمار کا معیار قرار دیا مثلاً عربوں نے ہبوط آدم علیہ السلام سے اپنا سال شروع کیا۔ اور طوفان نوح تک یہ سنہ قائم رہا پھر اس کے بعد سے دوسرا دور شروع ہوا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ نار سے مختلف دور قائم ہوئے اور واقعہ اصحاب فیل پر سب کا خاتمہ ہو گیا۔ جب سنہ ہجری کا دور شروع ہوا تو پچھلے تمام واقعات خارج از شمار کر دئے گئے۔

سنہ ہجری ہجرت کا سولھواں سال تھا کہ تمدنی اور ملکی ضرورت سے حضرت عمر رضی اللہ نے صحابہ کرام اور ہرمزان سے جو اس وقت خوزستان کا بادشاہ تھا مشورہ کرکے سنہ ہجری قائم کیا۔ آنحضرت صلعم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی اس لئے سنہ ہجری کی ابتدا ربیع الاول سے ہونی چاہئے تھی مگر عرب میں سال کا آغاز محرم سے ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن چھوڑ دئے گئے۔ جو روز مسعود اس کی ابتدا کا تھا پنجشنبہ کا دن تھا۔ (الفاروق بحوالہ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸)

جس طرح موجودہ سنہ ہجری قائم کیا گیا اسی طرح بخت نصر، فیلقوس، سکندر اعظم، اسفلس، اسمرس، بکرماجیت، سالوہن وغیرہ شاہان عراق، بابل، یونان، مصر، اور ہندوستان نے اپنے اپنے سنہ سمت جاری کئے ان میں بعض اب تک رائج ہیں اور بعض نے تو صرف بانی کی یادگار کو قائم رکھا ہے ہم ملاحظہ زدہ اسمار کی مختصر روداد ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

بخت نصر عراق و بابل کا بادشاہ تھا جب تخت نشین ہوا تو اس نے اس کی یادگار میں یہ سنہ شروع کیا اس سنہ کا ماخذ قبطی تھا لیکن اس کا شمسی حساب اس قدر صحیح تھا کہ بطلیموس اور ارسطو جیسے حکماء نے اس کی صحت کو تسلیم کیا۔

فیلقوس یہ مقدونیہ کا بادشاہ تھا اور اس کا بیٹا

سکندر اعظم تھا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے تین سو گیارہ سال پیشتر یہ سنہ جاری ہوا اور جزائر یونان، مصر، روم میں مدتوں اس کا عمل رہا۔ سکندر نے جب وفات پائی تو سنہ سکندری اس کی یادگار میں قائم کیا گیا اور یہ صرف یونان ہی میں رہا۔ اس کی ابتدا تین سو بیس برس قبل مسیح بتلائی جاتی ہے۔ یہ دونوں سنہ شمسی تھے۔

اغسطس اسپین کی فتح کے بعد اغسطس نے اس سنہ کو رواج دیا اور اس کا عمل عہد اسلام میں بھی پایا جاتا ہے یہ بھی شمسی سال تھا۔

اسیرس مصر کا بادشاہ تھا عہد قدیم سے سنہ قمری کا رواج جاری تھا اسیرس نے قمری سال کو بدل کر شمسی بنایا اور تین سو پینسٹھ دن کا ایک سال مقرر کیا۔

بکرماجیت یہ ہندوستان میں بہت ہی نامور بادشاہ ہوا ہے جب تخت نشین ہوا تو اس نے سمت قائم کیا اور اس کو رواج دیا تو آج تک تمام شمالی ہند میں رائج ہے اس کی ابتدا اچھپن برس قبل مسیح بتلائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں علم ہیئت کا شوق بہت زور پر تھا اس فن میں بڑے بڑے ماہرین گذرے ہیں جن کو اس فن پر کافی دستگاہ حاصل تھی۔ ہندوستانی علم ہیئت کے مطابق شمسی سال کے تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹہ بارہ منٹ تیس پل قرار پائے۔

سالواہن یہ راجہ سالواہن کی یادگار ہے کہ اس نے بھی اس طرف توجہ کی جنوبی ہندوستان میں یہ سنہ جاری ہے اور حضرت مسیح کے (۷۸) برس کے بعد اس کی ابتدا ہوئی۔

ہمارا قصد تو یہ ہے کہ ایران کے سنہ کی ابتدا کا حال پیش کیا جائے اور اس کی تاریخ وجہ تسمیہ بتلائی جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تمام سنین میں سنہ فارسی کو سب پر فوقیت حاصل ہے لیکن کیومرث سے جمشید کے عہد تک اور جمشید سے یزدجرد بن شہریار تک سنہ فارسی میں مختلف انقلاب نمودار ہوئے جس کو تفصیلاً حاجی محمد حسین اصفہانی کی تاریخ درشواہد النفیسہ اثبات الکبیسہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں یہ کتاب ۱۸۲۷ء میں بمقام بمبئی طبع ہوئی ہے۔

سنہ فارسی کا جو قدیم رواج تھا وہ عہد یزدجرد میں ختم ہو گیا اس کے بعد دوسرا نام یزدجردی قرار پایا مورخین میں اختلاف آرا ہے ایک عالم کا یہ قول ہے کہ اس سنہ کا موجد کیومرث ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ جمشید پیشدادی لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا دائرہ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کیومرث اور جمشید دونوں صحیح ہیں۔ اس لئے اول الذکر نے ابتدائی اصول تمام کئے اور ثانی الذکر نے اس میں اصلاح و ترمیم کر کے اس کو مکمل کر دیا۔ یزدجردی سال شمسی اصطلاحی تھا اس سے مقصد یہ تھا کہ آفتاب منطقۃ البروج کا ایک سال دورہ تین سو پینسٹھ دن کا ہوتا تھا غالباً زردشت کی بعثت سے قبل ہی آفتاب کے دورہ کی مدت مانی گئی ہے اس لئے کہ

ہم کو اس کی شہادت ژند کی روایت ملتی ہے یعنی یہ کہ خدا نے دنیا کو تین سو پینسٹھ دن میں پیدا کیا۔

تقسیم ایام و ماہ و سال کے حالات دلچسپی سے خالی نہیں۔ پارسیوں نے تین سو پینسٹھ دن کی تقسیم یوں کی تھی کہ گیارہ مہینے تیس تیس یوم کے اور بارھواں مہینہ (۳۵) یوم کا قرار دیا قدیم مصری حساب بھی اس کے مطابق تھا۔ فارسی مہینوں کے نام جو مقرر کئے گئے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

فروردین، اردی بہشت، خرداد، تیر، مرداد، شہریور، مہر، آبان، آذر، دے، بہمن، اسفندارمذ۔

مذکورہ بالا ماہ کے ترتیب و تقسیم ایرانی طرز کی ہے موجودہ جو ترتیب ہے وہ آذر سے شروع ہوتی ہے حالانکہ یہ مہینہ اس زمانہ میں نواں تھا گویا نواں مہینہ اب اول ہو گیا یہ بھی عجیب دلچسپی کا مسئلہ موجودہ ترتیب ہے وہ ذیل میں درج ہے

آذر، دے، بہمن، اسفندار، فروردین، اردی بہشت، خورداد، تیر، امرداد، شہریور، مہر، آبان، اس زمانہ میں چونکہ بارھویں ماہ اسفندارمذ میں (۳۵) دن ہوتے تھے اس لئے اصطلاح نجوم میں ان پانچ دنوں کا نام خمسہ مسترقہ یا مسترقہ قرار پایا اور ان کے نام بھی جدا جدا ہیں۔ چنانچہ اہنود، اشتود، اسفندمذ، دہشت، وہشتوئیش، خمسہ مسترقہ کا عملدرآمد سب سے پہلے جمشید کے زمانہ میں ہوا لیکن اس پنجروزہ اضافہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور شمسی میں ہر سال تقریباً ایک چوتھائی دن کی کسر پڑنے لگی جو چوتھے برس ایک دن کے مساوی ہو جاتی تھی۔ ایک سو بیس برس میں ایک مہینہ تکمیل پاتا ہے اس کو کبیسہ (لوند) کہتے ہیں اور یہی نام اصل مہینہ کا ہے اضافہ سال پر کر کے تیرہ مہینے کا سال کر دیتے تھے جس مہینے کے آخر میں کبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینہ کا بھی رکھ دیتے تھے۔ اس مہینہ کی ہر تاریخ کا ایک جداگانہ نام تھا۔ اور وہ یہ ہیں۔

ارمزد، بہمن، اردی بہشت، شہریور، اسفندارمذ، خرداد، مرداد، دیباذر، آذر، آبان، خور، ماہ، تیر، گوش، دیبمہر، مہر، سروش، رشن، فروردین، بہرام، رام، باد، دے، دین، ارد، اشتاد، آسمان، زمیاد، مار اسفند، انیران

اس وقت تک ہفتہ نہیں قرار دئے گئے تھے اس لئے ہر دن کا نام علیحدہ تھا لیکن اب ہفتہ کو سات دن میں تقسیم کر لیا گیا ہے اس لئے اس ہفتہ کے پورا ہو جاتے ہی دوسرا ہفتہ شروع ہوتا ہے لیکن دن کے نام وہی آتے ہیں۔ گویا صرف سات دن کے نام رکھ لئے ہیں چنانچہ شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ، چہارشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ۔

سنہ فارسی میں جو نام دنوں کے مقرر کئے گئے تھے ان میں آرمزد اور دے خدا کے نام ہیں باقی ملائکہ کے ہیں۔ انہیں ناموں میں نو تاریخیں ایسی ہیں جو فارسی مہینہ کے ہم نام ہیں مثلاً اردی بہشت، خرداد وغیرہ یہ تو ماہ کے نام اور دن کے نام ایک ہی تھے اور رسم بھی یہی تھی کہ جشن روز منائی جائے اس لئے زردشت نے حکم دیا کہ تو دن جشن کے ایام مقرر ہوں۔ لہذا اس الونوے مہینے میں سو دن عید مناتے تھے۔ اس زمانہ میں نہ صرف اظہار مسرت کیا جاتا بلکہ عبادت بھی کی جاتی تھی۔ ان مہینوں کی ترتیب کے مطابق پہلا کبیسہ مہینہ فروردین میں اور دوسرا اردی بہشت میں ہوا کرتا تھا اس لحاظ سے (۱۴۴۰) سال کی مدت میں اسفندار کے مہینے کا کبیسہ دور ختم ہوتا تھا۔

جشن نوروز کا واقعہ ایک مختصر واقعہ ہے اس لئے اس کا یہاں بیان دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ جمشید پیشدادی جب تخت پر بیٹھا تو اس وقت دور کبیسہ کے (۱۴۴۰) سال ختم ہو چکے تھے اس عظیم الشان واقعہ اور حکومت چہار صد سالہ کی یادگار میں جمشید نے جشن عظیم کا اہتمام کیا یہ جشن فروردین کے ماہ میں منایا گیا اس ماہ میں اس وقت آفتاب برج حمل میں تھا جس شان و شوکت کے ساتھ یہ جشن منایا گیا ہے اس کی نظیر سے تاریخ کے اوراق محروم ہیں۔ جمشید کے بعد سے یہ رسم پڑ گئی تھی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جاتا۔ اس زمانہ میں موسم بہار کی رت پر ہوتا ہے۔ تاریخ عجم میں اس جشن کا نام "نوروز اکبری" ہے۔

یزدجرد بن شہریار جب شاہ عجم کے تخت کا مالک ہوا تو سلاطین ماضیہ کے موافق اس نے بھی نیا سال جاری کیا۔ یزدجرد کی تخت نشینی فروردین کی پہلی تاریخ ہوئی تھی اور وہ تاریخ منگل کے دن آئی تھی۔ یزدجردی سنہ کا پہلا سال ۲۲ ربیع الاول ۱۱ھ اور ۶۳۲ء کے مطابق تھا منجموں نے یزدجرد کی تخت نشینی سے دو بدشگونیاں نکالیں۔ ایک تو یہ کہ وہ منگل کے دن تخت پر بیٹھا جو نحوست میں سنیچر کا بھائی تھا۔ دوسرا یہ کہ اس نے کبیسہ کو توڑ دیا۔ کبیسہ کی بنیاد اس لئے ڈالی گئی تھی کہ عبادت میں فرق نہ آنے پائے۔ چار برس میں ایک دن کا اضافہ مشکل نہ تھا اگر بجائے فروردین کے تخت نشینی آذر میں ہوتی تو نو سو ساٹھ والا دور کبیسہ ختم ہو جاتا۔ تاہم عقائد اور توہمات کے لحاظ سے یزدجرد ہمایوں فال نہ تھا اس کا یہ نتیجہ ہو کہ بدنصیبی سے انیس جنوری ۶۵۲ء م جمادی الثانی ۳۱ھ یوم پنجشنبہ کو مرو میں قتل کیا گیا اور اس کے بعد اس کی اولاد کو وراثت میں بادشاہت نصیب نہیں ہوئی۔

اسلامی دور حکومت میں ایرانیوں کے رسم و رواج میں دست اندازی نہیں کی گئی لیکن انقلاب زمانہ کے ہاتھ نہ بچ سکے اسلامی سلطنت کے جب ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور عربی عجمی ملوک سلطنت کے بادشاہ ہوئے تو ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں ایران کی حکومت سلطان جلال الدین ملک شاہ سلجوقی کے ہاتھ میں آئی اس کو سنہ فارسی کا اصلاح و ترمیم کا خیال آیا۔ کل امر مرہون باوقاتہا کے مطابق ذیل کا واقعہ نے ملک شاہ کو ترمیم سنہ کی طرف بطور خاص متوجہ کیا واقعہ یہ ہے کہ عہد ملک شاہ میں آمدنی شمسی سال کے حساب سے وصول ہوتی تھی اور خرچ کا حساب قمری مہینوں سے کیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ایک دن (۴۶۷ھ) میں خزانہ میں ایک حبہ باقی نہ رہا ملک شاہ کو نہایت تشویش ہوئی اور حکم دیا کہ مستقل سال آمدنی و خرچ کے لئے مقرر کیا جائے۔ اور اس پر مجبور ہوا کہ ایک سنہ کبیسہ مقرر کیا جائے اگر ایسا نہ کرتا تو موجودہ اصول پر جو عملدرآمد ہو رہا تھا اس کے مطابق ہر تیسویں سال پر حساب میں فرق پڑتا تھا

ملک شاہ نے مسئلہ تقویم میں اہل فقہا سے مشورہ کیا اور ان کے مشورہ سے تقویم کا کام شروع کیا قمری سال کو شمسی سال بنالینا محض اس لئے ملکی ضرورت اس کی متقاضی ہو شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے کلام مجید میں اسی کے متعلق ممانعت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ

انما النسیء زیادۃ الخ

ہم کو اس آیت کی تفسیر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔
ملک شاہ نے مشاہیر منجموں کی رائے سے سنہ فارسی کی ترمیم کا حکم دیا۔ ایک مستند مجلس قائم ہوئی اور اس کے نامور حکماء حسب ذیل ہیں:۔

ابو حاتم المظفر اسفزاری، ابو الفتح عبد الرحمٰن خازنی، محمد خازن، حکیم ابو العباس لوکری، میمون بن نجیب واسطی، محمد بن احمد معموری بیہقی، ابو الفتح ابن کوشک، حکیم عمر خیام نیشاپوری

ان حکماء کے متعلق تفصیل سے لکھنا ہمارے مضمون سے غیر متعلق ہے لیکن بعض ایجادات کا تذکرہ کردینا نامناسب نہیں ہے۔ ابو حاتم المظفر اسفزاری اسفزار کا رہنے والا تھا۔ ریاضیات اور رصد میں اس کی متعدد تصانیف ہیں اسکی ایجاد ایک ترازو ہے جس کا نام میزان ارشمیدس تھا اس سے چاندی سونا کھوٹا کھرا ہونے کا معیار معلوم ہو جاتا تھا

ابو الفتح عبد الرحمٰن خازنی علوم ہندسہ میں کامل تھا سلطان سنجر سلجوقی کے نام سے ایک زیچ لکھی تھی جس کا نام "زیج السنجری" رکھا تھا۔ ملک شاہ کے حکم کے مطابق اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ سنہ ۴۷۱ھ م سنہ ۱۰۷۹ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور تین ماہ تک کاوش دماغی میں مصروف رہا بالاخر اپنے فرض کو انجام دیا تقویم کا مسئلہ حل کر دیا اور اس کا نام تقویم ملک شاہی رکھا۔ اور سنہ کا نام سنہ جلالی رکھا افسوس ہے کہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ہمارے سنہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور ہم تک یہ کیونکر پہنچا۔ پارسیوں میں جو سنہ آج تک جاری ہے اور جس کو وہ یزدجردی سمجھتے ہیں دراصل خیام کا صحیح کیا ہوا ہے اور جس کو ہم فخریہ خیامی کہتے ہیں۔ یہی سنہ الٰہی اکبر شاہی ہے جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہے۔ سنہ جلالی اور گریگورین اول کا مقابلہ۔

گری گورین اول

گری گوری روم کے تیرہویں پوپ کا نام ہے اس نے سنہ ۱۵۷۷ء میں انگریزی جنتری کی اصلاح کی اس کے بعد کوئی ترمیم یا اصلاح نہیں ہوئی۔ یہ تقویم بجز یونان اور روس کے تمام یورپ میں رائج ہے۔ اس کے قبل جو تقویم جاری تھی اس کو روم کے قیصر جولیس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے چھیالیس برس منسوخ کرکے اپنی تقویم جاری کی تھی جس کا انگریزی میں جولین کلنڈر نام تھا۔ امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر ہوگیا تھا کہ عیسائی تہوار خصوصاً ایسٹر میں فرق پڑ جاتا تھا اس لئے گری گوری نے نقائص کو دور کرکے اپنا کلنڈر جاری کیا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ خیام کی تقویم سے گری گوری نے مدد لی ہے۔ اور جو فرق اس کی کلنڈر میں آتا تھا اس کو نکالنے کی کوشش کی اس لئے چند منجموں کی مدد سے اس نے اس کسر کو چار سو برس کی مدت میں نکال دیا۔ اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو صدی پورے چار عدد پر تقسیم ہو سکے اس کا فروری مہینہ انتیس یوم کا ہوگا اور درمیانی تین صدیاں جو چار پر پورے تقسیم نہ ہو سکیں ان کا فروری مہینہ (۲۸) یوم کا ہوگا اور بجنسہ یہی قاعدہ چھ ہزار اور چوتھے ہزار سال کے لئے مقرر کیا تھا چنانچہ اس کو گری گورین اول کہتے ہیں۔ گری گورین سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے انچاس منٹ اور بارہ سکنڈ کا ہے اور اس کا عملدرآمد سنہ ۱۵۸۲ء سے شروع ہوا گری گورین نے دور شمسی کے تفاوت زمانی کی اصلاح کے لئے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم ہٹادئے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو پندرہ سے تبدیل کر دیا تھا۔ اسپین، پرتگال، اٹلی، فرانس، سوئزرلینڈ، جرمن، نڈرلینڈ کے کیتھولک فرقوں میں یہ سنہ جاری ہوگیا تھا۔ پولینڈ میں سنہ ۱۵۸۶ء ہنگری میں سنہ ۱۵۸۷ء میں پروٹسٹنٹ جرمن اور ہالینڈ، ڈنمارک میں سنہ ۱۷۰۰ء میں جاری ہوا۔ انگلستان نے سنہ ۱۷۵۲ء سے عملدرآمد کیا۔

برخلاف اس کے عمر خیام نے جو تقویم جلالی تیار کی تھی اس سے اس کے علم ریاضی اور ہیئت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے مغرب کی حسب عقل نے چار سو برس میں خیام کی کسر کو دور کرنے کی کوشش کی خیام نے اس کو تیس برس میں نکالدی تھی۔ اگر عمر کا ساتھ ہوتا تو یقین تھا کہ ایک منٹ کا فرق نہ رہتا ہر روز میں خیام کے حساب سے ایک منٹ سے بھی کم فرق رہ گیا تھا۔

قدیم کتب اور قدر دان اہل فرنگ کے

قابل ستائش کارنامے

آج کل قدیم کتابوں کی قیمت میں بہت اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ کتابیں جو آج سے ۳۰ یا ۴۰ سال قبل شائع ہوئی تھیں اب ان کی قیمت ۸ گنا یا ۴ گنا ہو گئی ہے اس کا بین ثبوت اس سے ملتا ہے کہ حال ہی میں ڈکنس کی کتابیں ہراج خانہ میں بکنے آئی تھیں پک وک کا ایک نسخہ جو سنہ ۱۸۴۳ء میں طبع ہوا تھا ۴۹ پونڈ میں خرید اگیا اور مسٹر اسپنسر نے سکاٹ کے ویورلی ناول کے پہلے نسخہ کو جو سنہ ۱۸۱۴ء میں شائع ہوا تھا ۶۰۰ پونڈ یعنے (۹۰۰۰) روپیہ ادا کئے۔ اس کے علاوہ عہد حاضرہ کے مصنفین کی کتابوں کی قیمت میں اضافہ ہو رہا ہے چنانچہ جوزف کنسرڈ کی ایک کتاب کے پہلے نسخہ کی قیمت ۶۳۰ پونڈ ادا کی گئی جس کی طباعت کی قیمت ۶ پنس سے زیادہ نہیں تھی۔

اسی طرح لوگ اس قسم کی عمدہ کتابوں کے فراہم کرنے میں مصروف ہیں کپلنگ کی وہ کتاب جو پہلی دفعہ سنہ ۱۸۹۱ء میں الہ آباد میں شائع ہوئی تھی اس کی قیمت نیویارک میں ۲۷۵ پونڈ لگائی گئی یعنے ۴۱۲۵ روپیہ۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے پہلے صرف ۶ نسخے طبع کئے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اسی کتاب کا ایک نسخہ سنہ ۱۹۱۰ میں صرف ۳۰ پونڈ یعنے ۴۵۰ روپیہ کو فروخت ہوا تھا اب اسکے مقابل میں اسی کتاب کی قیمت حال میں ۴۱۲۵ روپیہ ہو گئی اس محیر العقول اضافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں قدیم کتب کا بازار کسقدر گراں ہوتا جا رہا ہے۔

ایک سال قبل لندن میں ایک عجیب واقعہ ہوا ایک شخص کے پاس کچھ کتابیں عرصہ سے پڑی ہوئی تھیں مگر ایک مدت دراز تک اس نے ان کتابوں کی طرف توجہ تک نہیں کی ایک دفعہ اسکو روپیوں کی سخت ضرورت درپیش آئی اس نے خیال کیا کہ "میرے مکان چند کتابیں بیکار پڑی ہوئی ہیں بہتر ہوگا کہ ان کو فروخت کرنے سے کچھ روپیہ مل جائے اور کام چلے"۔ اس خیال سے اس نے نبنس پلگرمس پراگرس کا ایک نسخہ لے لیا اور اس توقع سے کہ اسکی زیادہ سے زیادہ ۴ یا ۵ پونڈ

(بقیہ ملاحظہ ہو کالم (۳))

بقیہ کالم (۳)

یعنے ۶۰ یا ۷۵ روپیہ قیمت مل جائے گی وہ سوتھبیس کے ہراجخانہ میں چلا آیا جب اسکو معلوم ہوا کہ اس کتاب کی قیمت کئی سو پونڈ ہوگی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی ہراج خانہ میں جب اس کی بولی لگائی گئی تو خود ہراج کرنے والوں کو حیرت ہوئی کہ اس کی بولی ۶۸۰۰ پونڈ تک لگائی گئی یعنی ایک لاکھ دو ہزار روپیہ۔ یہی کتاب جب یہ معلوم ہوا کہ دوسرے ایڈیشن کی ہے تو اسی کی قیمت بعد ہراج خانہ میں چار ہزار پونڈ ہوئی۔
اسی طرح قدیم کتابوں کا بازار گرم ہوتا جارہا ہے شکسپیر کے تصانیف کا ایک نسخہ کی قیمت ۸۰۰۰ پونڈ آئی۔ یہ نسخہ سنہ ۱۶۵۵ء کا تھا۔ اسی نسخہ کو آسٹریلیا میں لندن کے ایک کتب فروش نے ۲۱۲۰۰ پونڈ میں فروخت کیا۔ ۳۱۸۰۰۰ یعنے تین لاکھ اٹھارہ ہزار روپیوں میں۔

شعر و سخن

مبارکباد عید

از

مولوی سید شرف الدین صاحب ساقی حیدرآبادی

کھلیں وہ گل مرے باغ سخن میں تازہ و تر
کہ پتے پتے سے پاؤں ریاضتوں کے ثمر

پھر آج زمزمہ سنجی پہ طبع مائل ہے
پھر آج نغمۂ داؤد ہے مرے لب پر

پھر آج جام و صراحی سے کام لینا ہے
مئے کہن کا ہے چلنے کو آج پھر ساغر

ترانہ سنج ہوں پھر مدح شاہ میں ساقی
کہ ہے مجھے مرے ممدوح کی ثنا ازبر

نہیں ہے رنج زمانہ کی چیرہ دستی کا
کہ مطمئن ہے مرا دل مرے مقدر پر

کبھی کسی کی شکایت نہ آئی تا بہ زبان
ہماری وضع کا قائل ہے چرخ دون پرور

دوات و خامہ مرے حق میں ہے زطبل و علم
مری کلاہ نمد تاج ہے مرے سر پر

شرافتِ نسبی پر گواہ ہیں دونوں
یہ بیکسی مری اور یہ مرا کمال و ہنر

گزر گیا رمضان دن نشاط کے آئے
کھون جو جی میں ہو ساقی سے مل تو لون چلکر

"ہلال در قدحِ آفتاب باید دید"
یہی ہے عید مری اور یہی ہے پیش نظر

مہینے بھر سے ہیں لب تشنہ رحم کر ساقی
کہ صبح عید ہے کھول اب تو میکدہ کا در

پلائی وہ مرے ساقی نے تند و تیز شراب
کہ کھل گیا ہے مرے قصر باغ کا ہر در

دماغ عرش پہ ہے منہ سے پھول جھڑتے ہیں
مشامِ جاں ہے معطر نگہ ہے ساغر پر

میں اپنے کام سے غافل کبھی نہیں ہوتا
ہے فرض مدح سرائی کہ ہوں ثنا گستر

صریر کلک سے پیدا ہوں نغمہائے طرب
کہ سن کے جس کو کریں وجد کاملان ہنر

برسمِ تہنیت عید وہ پڑھوں مطلع
کہ جس سے صاف نمایاں ہوں طبع کے جوہر

خدیو مصر دکن ظلِ رحمت داور
سمیّ حضرت عثمان شاہ دین پرور

فلک جناب عدیم النظیر ذی جوہر
بہ عقل رشک فلاطون بہ بخت اسکندر

دعائے نیم شبی اور وظیفۂ سحری
یہی ہے، شاہ ہوں جب تک ہے دور شمس و قمر

بہار گلشن ایجاد تک رہے سرسبز
نہال عمر شہی اور اس کے برگ و ثمر

پس از دعائے دلی سنہ بھی عرض کرتا ہوں
کہ بڑھ رہا ہے سرورِ شراب علم و ہنر

مبارک عید ہوا ئے شہریار جلوہ طراز
۱۳۴۶ھ

مبارک عید شہ بے عدیل جان پرور
۱۳۴۶ھ

پسندِ شاہ ہو یہ نظم مختصر یارب
کہ شاعرانِ متہور میں سب سے ہوں کمتر

مراسلات

مسجد نظام

مکری عالیجناب مدیر صاحب نظام گزٹ

السلام علیکم۔ امید کہ آپ ذیل کے سطور کو اپنے اخبار نظام گزٹ میں کسی مناسب جگہ شایع فرماکر ممنون فرمائیں گے۔

ہم نے نہایت مسرت کے ساتھ یہ خبر سنی ہے کہ ہز اگزالٹڈ ہائی نس حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے لندن میں تعمیر مسجد کی غرض سے پانچ لاکھ روپیہ کا شاہانہ عطیہ دینا منظور فرمایا۔ مسجد کا تخمینہ پندرہ لاکھ روپیہ کا سنا جاتا ہے لہذا امید کیجاتی ہے کہ جاگیرداران اور امرائے حیدرآباد اور عہدہ داران ریاست اپنے بادشاہ کی پیروی میں خاص توجہ کرکے بقیہ دس لاکھ کی رقم پوری کردیں گے اور یہ بھی تجویز ہوا ہے کہ مسجد کا نام نظام مسجد ہو لیکن ہماری رائے میں مسجد کا نام بجائے نظام مسجد کے مسجد عثمانیہ رکھا جائے تو مناسب ہوگا کیونکہ اعلیحضرت حضور میر عثمان علیخان بادشاہ دکن کی ذات اس زمانہ میں خدا کی رحمت ہے وہ کون سا مذہبی، علمی اور قومی کام ہندوستان بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ایسا ہے جو شاہ دکن اعلیحضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ کا ممنون احسان نہو؟ پس اس صورت میں اسی ذات ستودہ صفات کے نام پر مسجد کا موسوم ہونا زیادہ مناسب ہوگا۔

اخیر میں ہم جناب ایڈیٹر صاحب نظام گزٹ کی خدمت میں باادب اپنی پرزور عرض پیش کرتے ہیں کہ وہ مسجد کا نام نظام مسجد کے بجائے مسجد عثمانیہ رکھنے اور مسجد کے لئے چندہ مہیا کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کریں گے۔

دعاگو

حکیم محمد اوزیر الدین

مالک دواخانہ عثمانیہ شہر بھڑوچ (علاقہ بمبئی)

تبدیل نام کے متعلق مراسلہ نویس صاحب کا خیال کچھ بیجا نہیں اور ہم خود بھی غالباً اسی نام کو پسند کرتے جو انہوں نے پیش کیا ہے مگر اب نظام مسجد نام مقرر ہوچکا ہے جسکو اعلیحضرت سلطان العلوم نے بھی منظور فرمالیا۔ اس صورت میں لفظ نظام پورے خاندان آصفیہ پر اطلاق کرتا ہے بخلاف اس کے لفظ عثمانیہ جو صرف حضور پرنور ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ ہم حضور پرنور کے اس پاکیزہ خیال سے آگاہ ہیں کہ اعلیحضرت اپنی شخصی شہرت کے بجائے اعلئے خاندان کی شہرت کو مرجح سمجھتے ہیں

رہا دوسرا امر جو فراہمی چندہ کے متعلق ہے ہم مراسلہ نویس صاحب کو خوشخبری دیتے ہیں کہ فراہمی چندہ کا کام بہت عمدگی سے انجام پارہا ہے۔ یعنی یہاں کے بعض اعلئے افسروں نے اس کام میں دلچسپی لی اور فراہمی چندہ کی کمیٹی بنائی گئی ہے کمیٹی کے ارکان مختلف طبقوں سے لئے گئے ہیں۔ اس زمانہ میں اگرچہ چندہ اور چندہ وصول کرنے والا دونوں بدنام ہیں۔ باوجود اس کے ہمیں یقین ہے کہ کمیٹی اپنے کام میں مستعد ہے اور انشاءاللہ اپنے مقصد میں کامیاب رہیگی۔ فقط

نظام گزٹ

اولی الامر منکم

الناس علی دین ملوکہم

ذیل کے مراسلہ میں مراسلہ نویس صاحب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بٹلر کمیٹی کی نسبت غلط فہمی پیدا ہوئی ہے بٹلر کمیٹی ان عہدناموں کی جانچ پڑتال کریگی جو حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے مابین طے ہوئے ہیں اسلئے ہمیں اب ان عہدناموں کو پیش کرنا اور بٹلر کمیٹی کو منوانا ہے خود مراسلہ نویس صاحب کے قول کے مطابق سلطنت برطانیہ اور ہماری سلطنت آپس میں حلیف اور دوست ہیں پس دوستوں کے معاملات آپس ہی میں طے ہوجانے چاہئیں اس لئے مجلس اقوام تک جانے کی کیا ضرورت ہے۔

نظام گزٹ

مندرجہ بالا دو عنوان اپنی نوعیت میں ایک ہیں مگر ایک حکم ہے دوسرا کلیہ ایک قرآنی آیت ہے تو دوسری "ضرب المثل" غرض دونوں پر ہمیں غور کرنا چاہئے بلحاظ اطاعت ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنے بادشاہ وقت کی اطاعت کریں جیسا کہ زمانہ سابقہ میں کیا جاچکا ہے یعنی ارشاد رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تم اپنے حاکم وقت کی اطاعت کرو چاہے وہ حبشی اور کانا ہی کیوں نہ ہو ضرب المثل پتہ دے رہی ہے کہ بادشاہ وقت کا رحجان جس طرف ہوتا ہے رعایا بھی ادھر ہی راغب ہوجاتی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے حیدرآباد کی رعایا ان دونوں امور کے جانب متوجہ ہی نہیں ہے اور اپنے بادشاہ کے نقش قدم پر چلنے کی اس نے آجتک کوشش نہیں کی اور پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے مقولہ کا شکار بنی رہی ہمارے حکیم السیاست بادشاہ عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ نے نمائش مصنوعات قائم کرکے ملک کو اپنی ملکی اشیا کے استعمال کے ترغیب کا موقع عطا فرمایا مگر اہل ملک ابتک خواب غفلت میں پڑے ہوے ہیں۔ استرداد برار کا مکتوب لکھکر اتفاق پیدا کرنے کی ترغیب دلائی ہے ہم برابر نفاق کا شکار ہورہے ہیں غرض ہمارا طرز عمل عنوان کے سراسر خلاف ہے اب سیاست کے مسائل پر اظہار خیال کرنے میں بھی ہم ٹھوکریں کھارہے ہیں اور اپنے بادشاہ ظل اللہ کے نقش قدم پر چلنے کوشش نہیں کرتے یعنے ہماری ریاست دیسی ریاست ہیں بلکہ خود مختار ریاست ہے چنانچہ ہم اسکی خوشی میں تعطیل مناتے ہیں اور ہماری سلطنت سے جس قدر بھی معاہدات ہوئے ہیں وہ مساویانہ ہے نہ کہ ماتحتانہ ہماری ریاست کا تعلق آجتک دوست کی حیثیت سے رہا ہے نہ کہ فرمانبردار باجگذار چنانچہ موجودہ والیسرائے بہادر کے جواب میں جو جواب ہمارے بادشاہ نے دیا وہ یہی تھا ایسی صورت میں کہ ہم خود مختار ہوں اور اس امر کو دوسرے لوگ تسلیم بھی کرتے ہوں اور دیسی روساء کی کمیشن میں ہماری ریاست کا نام شریک نہ کیا ہو ہمارا یہ کہنا کہ ہم ابھی سے تیار ہورہے ہیں کہ اپنے آپ کو دیسی روساء کے کمیشن کے جواب دینے میں کوئی پریشانی نہ اٹھانے پڑے یہ غلط مشورہ اور گمکردہ راہ ہے البتہ سچا مشورہ یہ ہے کہ ہمارے مساویانہ حقوق کی

بیرونی خبریں

مصری حکومت کی پالیسی
مفاہمت کے توقعات

قاہرہ ۳۰ مارچ ۔ وزیر اعظم نحاس پاشا نے اپنی پالیسی کے متعلق کہا کہ "حکومت" کو ایسے نازک وقت میں قوت حاصل ہوئی کہ وہ ملکی حقوق کی حفاظت کرے ۔ حکومت نے کسی ایسی بات سے رضامندی نہیں ظاہر کی ہے جس سے اس کی کامل خود مختاری یا سوڈان کے حقوق میں کوئی بات مانع ہو حکومت کو اس بات کا یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی معاہدہ انگریزوں اور مصریوں کے مابین ہو جائے گا جس سے مصریوں کی خود مختاری تسلیم کر لی جائے گی اس کے ساتھ ہی انگریزوں کو بھی کچھ حقوق مل جائیں گے ۔ مگر یہ معاہدہ ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ دوستوں میں ہوتا ہے نہ کہ آقا اور ملازم میں ۔ انہوں نے مصر کے غیر ملکی باشندوں کو یقین دلایا کہ ان کے حقوق کی ہر طرح حفاظت کی جائے گی ۔ چیمبر نے اعتماد کا ووٹ پاس کیا ۔

حکومت حجاز کی حالت
سر جی کلیٹن کی شاہ ابن سعود سے مشورہ کیلئے روانگی

دار العوام میں مسٹر امری نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ شاہ ابن سعود نے اب تک ایک تجویز کے متعلق کہ وہ بحرۂ فارس میں برطانی رزیڈنٹ سے ملاقات کریں کچھ طے نہیں کیا ہے اس لئے حکومت برطانیہ اب سر جی کلیٹن کو شاہ ابن سعود سے یہ مشورہ کرنے کے لئے روانہ کر رہی ہے کہ وہ کسی مسلمان کو برطانی نمائندہ کی حیثیت سے مقرر یا خود شاہ ابن سعود کے دربار میں رکھیں ۔

سر جی کلیٹن اس سے پہلے صلحنامہ جدہ میں برطانی نمائندہ کی حیثیت سے شریک تھے ۔ انہوں نے شاہ ابن سعود کی حجاز میں کامل خود مختاری کو تسلیم کیا تھا ۔

امریکہ میں اندھے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم

آئی و ای یونیورسٹی کلکتہ کے لکچرار نے "امریکہ میں اندھوں کی تعلیم" پر ایک مضمون لکھا ہے جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

ہندوستان میں اندھے سوسائٹی کے لئے مصیبت کا باعث ہیں امریکہ میں جہاں نابینا لڑکوں کی تعلیم کا کافی اور معقول انتظام ہے ۔ یہی اندھے سوسائٹی کے لئے ایک رحمت ثابت ہوتے ہیں ۔ ہندوستان میں بھی اندھوں کی تعلیم کے لئے چند ادارے ہیں لیکن وہ اس وسیع ملک کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہیں ۔ ضرورت اس کی ہے کہ کم از کم ہندوستان کے ہر صوبہ میں ایک اعلیٰ درجہ کا مدرسہ جہاں پر نابینا لڑکوں کی تعلیم کا پورا انتظام ہو ۔

دیگر ریاست ہائے امریکہ کی ریاست آئی ووا میں اندھوں کے لئے ایک مدرسہ ہے جس میں نابینا لڑکے اور لڑکی کو پانچ برس کی عمر سے لیکر (۲۱) بیس کی عمر تک داخل کر لیا جاتا ہے ۔ تمام مصارف جس میں قیام و طعام وغیرہ ریاست اور مدرسہ کے ذمہ ہوتا ہے تعلیمی نقطہ نظر سے اندھوں کے اسکول میں قریب قریب وہی تعلیم دی جاتی ہے جو عام طور پر دوسرے مدرسوں میں دی جاتی ہے ۔ اندھوں کے مدرسہ کے کامیاب طلبہ بلا کسی امتحان کے آئی و وا یونیورسٹی میں شریک کر لئے جاتے ہیں ۔ اس سال ہمارے درجہ میں ایک لڑکا پڑھ رہا ہے جس نے علم السیاست لے رکھا ہے ۔ اس کے بعد اس کا ارادہ ہے کہ وہ قانون پڑھے ۔ ایسے مدارس میں تعلیمی نصاب کے علاوہ حرفت اور موسیقی کا نصاب بھی ہوتا ہے ۔ موسیقی میں پیانو ۔ ارغنون ۔ بیلا ۔ وغیرہ بجانا سکھایا جاتا ہے ۔ شعبہ موسیقی کے ساتھ ایک باقاعدہ منظم آرکیسٹرا ہے ۔ ایک بیانڈ ہے ۔

صنعت و حرفت کی تعلیم ان مدرسوں میں خوب ہوتی ہے ٹوکریاں بننا ، دری بننا ، کرسیاں بننا ، جھاڑو بننا سینا ، کشیدہ ، کھانا پکانا ، غرض اب سب امور میں نہایت مکمل تعلیم اندھے لڑکوں اور لڑکیوں کو دی جاتی ہے اس حرفتی تعلیم کے دو مقصد ہیں ۔ ایک تو تعلیم میں ہاتھ کو تربیت دیکر دلچسپی بڑھانا ۔ دوم کسی کام کے کرنے اور روٹی کمانے کے اہل بنا دینا ۔ زمانہ حال کی معاشرت اس کی مقتضی ہے کہ تعلیم کے ساتھ کوئی ایسا کام سکھایا جائے جو اپنے مصارف خود برداشت کر سکے اندھوں کی تعلیم کی تحریک کوئی قدیم چیز نہیں سب سے پہلے ایک فرانسیسی و النٹن ہادی نے ۱۷۸۴ء میں فرانس میں اسے رواج دیا ۔ وہاں سے یہ تحریک جرمنی ، انگلستان اور امریکہ پہونچی ۔ امریکہ میں ۱۸۲۹ء میں یہ تحریک پھیلی اور اب تعلیمی پروگرام کا ایک خاص جزو ہے ۔

انگلستان میں اندھوں کے لئے سب سے پہلا مدرسہ لورپول میں ۱۷۹۱ء میں جاری ہوا ۔

صوبہ جات متحدہ آگرہ اودھ میں بھی اندھوں کی تعلیم کے لئے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے بمقام علیگڈھ ایک مدرسہ کھول دیا ہے جس کا افتتاح دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نابینا نے کیا تھا ۔

دہلی میں ایک عظیم الشان معمل فلم

لنکا شائر کے ایک تاجر مسٹر روپرٹ ملینس نے دہلی میں انجینرنگ کا ایک عظیم الشان مکان سینما کے فلم کے لیے خریدا ہے ۔ مسٹر مینس نے اس شاندار کام کے متعلق منچسٹر گارڈین کے نمائندہ سے کہا کہ ایک مجلس اس کام کے لئے بنائی گئی ہے اس کا نام "دہلی فلم سنڈیکیٹ" ہے ۔ اراکین مجلس کی اجازت سے میں نے انجینرنگ کا محل اور (۴۴) ایکڑ دہلی کی نمائش کی زمین خریدی ہے ۔ یہ زمین آئندہ معمل فلم کے کام میں لائی جائیگی ۔ اس عمارت کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دنیا میں سب سے بڑی عمارت ہوگی ۔ اس کے مقابلہ میں امریکہ کی عمارت بالکل معمولی ہوگی ۔ اس قسم کی کوشش کی جا رہی ہے کہ انگلستان کی مختلف کمپنیوں کو اس میں شریک کیا جائے ۔

یہ کام اف ، بی ، پی ، ویل کے سپرد کیا گیا ہے ان کی رائے ہے کہ یہ کام نہایت حسن و خوبی کے ساتھ طے پائیگا اور وہ دن دور نہیں کہ دہلی انگلستان کی "معمل فلم" کا سب سے بڑا مرکز بن جائے گا ۔ اس کے علاوہ مسٹر ویل نے یہ بھی کہا کہ جب یہ کام ختم ہو جائے گا اس وقت موقعہ دیا جائے گا کہ وہ اس کے حصے خریدے ۔ اس کا سرمایہ (۶۰۰۰۰) پونڈ ہے ۔

آخر میں مسٹر ویل نے کہا کہ ہم نے مختلف کمپنیوں سے اس معاملہ میں گفتگو کی ہے اور فی الحال یہ طے پایا ہے کہ معمل فلم کے لئے پانچ منزلہ عمارتیں تیار کی جائیں جب یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو تو اس کی توسیع کا مسئلہ پیش ہوگا تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ دنیا میں سب سے عظیم الشان معمل فلم کا مرکز ہو کر رہے گا ۔

شاہ افغانستان کی انگلستان میں مصروفیت
آبدوز کا سفر

لندن ۳۰ مارچ ۔ شاہ امان اللہ خاں نے کل تحت البحر یل (۲۳) کا سفر نہایت دلچسپی کے ساتھ کیا ۔ جہاز بالکل تہ آب تھا البتہ اس کا بالائی حصہ سطح آب کے اوپر تھا یہ جہاز پورٹسموتھ سے سوئنپٹس جا رہا تھا تاکہ شاہ امان اللہ خاں دیکھ سکیں کہ اس کے اطراف کیا ہے ۔

جامعہ اکسفورڈ

لندن ۲۳ مارچ ۔ شاہ امان اللہ خاں کا جب آپ کی سواری شلڈ ونیِن حسیٹر کو شاہراہوں سے گزری تو اکسفورڈ

داستان عشق و محبت

تبدیل مذہب

ناسک جہاں مس ملر کی شدھی ہوئی انڈین نیشنل ہیرالڈ کا نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ شنکر اچاریہ نے مس ملر کی شدھی کے بعد اس کے سوانح حیات بیان کئے جس کا ماخذ خود مس موصوفہ ہیں مس ملر کی والدہ ماجدہ ایک پارسی پر فریفتہ تھیں جو کبھی کام پیامریکہ گیا تھا۔ اس نے اپنے اس عاشق سے بارہا کہا کہ وہ اس کو اپنے ساتھ ہندوستان لے چلے۔ لیکن مس ملر کی ماں کی یہ آرزو کسی طرح پوری نہیں ہوئی مس ملر کی ماں مس ملر اور اس کی بہن سے اکثر کہا کرتی تھیں کہ کاش تم اس قدر خوش نصیب ہوتیں کہ ہندوستان میں پیدا ہوتیں مس ملر لڑکپن ہی سے خیال کیا کرتی تھیں کہ ہندوستان میں پیدا ہونا خوش نصیبی کا باعث ہے اسی طرح مس ملر کو ہندوستان سے بہت محبت ہو گئی تھی امریکہ کے کلیات میں اس نے ہندو مذہب کا مطالعہ کیا لیکن اس سے اس کی تشفی نہیں ہوئی۔

جب سر توکوجی ساؤ ہو لکر نے اس کی سوئزرلینڈ میں ملاقات ہوئی اس نے ان سے صرف اس غرض سے دوستی پیدا کی کہ وہ ہندوستانی ہیں۔ اور جب کبھی روپیہ پیسے کی ضرورت ہوتی وہ انہیں مدد کرتی تھیں اسی طرح دونوں میں عشق و عاشقی شروع ہو گئی اور شادی کا وعدہ بھی ہو گیا جب مس ملر ہندوستان میں وارد ہوئیں تو انہیں معلوم ہوا کہ ہندو مذہب میں داخل ہونے میں کئی ایک مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔ لیکن وہ اپنے وعدہ پر قائم رہی۔

نامہ نگار مذکور نے شنکر اچاریہ سے دریافت کیا "کیا آپ مس ملر کی شادی کو پسند کرتے ہیں" انہوں نے جواب دیا "مجھے صرف شدھی سے مطلب ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس شادی کے خلاف ہوں اگر وہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہنا چاہتے ہیں تو وہ بہن بھائی کی طرح رہ سکتے ہیں"۔

مس ملر کو شدھی کے وقت ایک دو انچ بلند چوکی پر بٹھا دیا گیا۔ (۲۵) برہمن اسے گھیر کر بیٹھ گئے اور منتر پڑھنے لگے ہَون کی آگ جلائی گئی تھی اس میں چاول مع خوشبودار مصالح اور گھی ڈالا جا رہا تھا۔ ڈھول تاشہ بجایا جا رہا تھا مس ملر کو اس کے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جاتا تھا اور ان کو بطیب خاطر منظور کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پانی اور گائے کا پیشاب اور چاول مس ملر پر چھڑک دیے جاتے تھے۔ اس کی دادی بھی اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اور اس رسم کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

اسی روز شام کو بیس ہزار کے مجمع میں مس ملر نے اپنے خیالات ہندو مذہب کے متعلق ظاہر کئے۔

مہاتما گاندھی کی سیاحت یورپ

مہاتما گاندھی نے ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار سے کہا "میرے یورپ کو جانے کی افواہ ہے مگر میں نے خود ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں کیا ہے آیا مجھے یورپ جانا چاہئے یا نہیں۔ اگر ملک کے کسی حصہ میں میری موجودگی کی ضرورت ہو تو مجھے یقیناً یورپ نہیں جانا چاہئے۔

ایک کسان کے تینتیس (۳۳) بچے

حال میں ایک کسان کے گھر میں تینتیسواں بچہ پیدا ہوا ہے اس کے پہلے جتنے بچے پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب صحیح و سلامت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ باپ باوجود ان پریشانیوں کے ہنسی خوشی سے زندگی بسر کرتا ہے اور ان بچوں کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں۔

حکومت ہند کا پہلا پارسی وزیر

مسٹر ایس، آر، داس کی رخصت کے زمانہ میں مسٹر دین شاہ فریدون جی ملا کو وزیر قانون مقرر کیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ حکومت ہند میں ایک پارسی کو وزارت کا عہدہ دیا گیا مسٹر ملا قانونی دنیا میں بہت وسیع شہرت رکھتے ہیں وہ آج کل بمبئی کے ایڈوکیٹ جنرل ہیں۔ انہوں نے اپنی قانونی زندگی ایک معمولی وکیل کی طرح شروع کی اور بہت کامیاب وکیل ثابت ہوئے۔ اس کے بعد وہ بمبئی ہائی کورٹ کے ایڈوکیٹ ہوئے۔ و مجلس مرافعہ کے صدر بھی بنے اور کچھ عرصہ تک بمبئی ہائی کورٹ کے جج بھی رہے۔ قانونی معاملات میں انکی رائے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے بہت سی قانونی کتابیں لکھیں جو ان کی شہرت کو بمبئی سے باہر پہنچانے کا بہت بڑا سبب ہیں۔ ان کی مصنفہ کتابیں بہت کثیر ہیں۔ اور بہت قابل قدر ہیں۔

کے تماشائیوں نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ شاہ امان اللہ خاں کی خدمت میں جامعہ آکسفورڈ نے ڈی سی ایل (ڈاکٹر آف سیول لاز) کی اعزازی ڈگری پیش کی تھیٹر میں قرمزی رنگ کی عبائیں پہنے ہوئے طلباء اپنی بھرے ہوئے تھے برآمدوں پر افغانی پھرے لہلہا رہے تھے۔

کلیہ واڈہم میں ناشتہ

اس کے بعد شاہی جماعت نے کلیہ واڈہم کالج میں شاہ امان خاں اور ملکہ ثریا کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے شاہ و ملکہ کی خدمت ملک و رعایا اور اتحاد کے شاندار کارناموں کی ستائش کی۔ اور کہا کہ شاہ امان اللہ خاں کا مصمم ارادہ ہے کہ اپنی رعایا کو جدید ترقی کی شاہراہ پر گامزن دیکھیں۔

کابل میں عظیم الشان جامعہ کی بنیاد

لارڈ برکنہیڈ نے شاہ کی تعلیم سے دلچسپی اور ان کی ان غیر معمولی مشکلات کا جو آپ کو اشاعت تعلیم میں پیش آئیں ذکر کرکے کہا کہ آپ کی تخت نشینی سے اب تک (۹) سال کی قلیل مدت میں جو ترقی ہوئی ہے وہ آپ کی دلچسپی کی بین دلیل ہے بخت کی شہرہ آفاق جامعہ ایک ہزار سے زیادہ سال سے علم و فن کی خدمت کر چکی ہے آج ہم شاہ افغانستان اپنی دارالحکومت میں ایک عظیم الشان جامعہ کی بنیاد ڈالنی چاہتے ہیں یہ جامعہ علم و حکمت، شائستگی اور اعلیٰ ذہنیت کا مرکز ہوگی۔ اس کی بدولت قرون ماضیہ کی عظمت و سطوت دوبارہ عود کر آئیگی۔ ہم اس پاک ارادہ کا خلوص و ہمدردی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ غالباً شاہ افغانستان کے بھائی جو آکسفورڈ میں بی اے کی تعلیم پا رہے ہیں اس جامعہ کے پہلے نائب امیر جامعہ ہوں گے۔

علمی سرپرستی

لارڈ برکنہیڈ نے اپنی دلچسپ تقریر کو ان الفاظ میں ختم کیا۔ میں آپ کے ایک علم و حکمت کے سرپرست اور اپنے وطن کے ایک روشن خیال محب ہونے کی حیثیت سے آپکا اور ملکہ شاہ خانم کا جنہوں نے اپنی تشریف آوری سے ہماری عزت افزائی کی جام صحت تجویز کرتا ہوں خدا کرے کہ آپکا اعلیٰ خاندان افغانستان کے ان بلند پہاڑوں کی جو ہمیشہ برف پوش رہتے ہیں اور جنہیں صدہا سال سے بلند خیال بہادر سپاہیوں کو پیدا کرنے کی عزت حاصل ہے ہمیشہ قائم رہے۔

سینما فلم

لندن ۲۲ مارچ محکمہ ناجہ نے انتظام کیا ہے کہ شاہ امان خاں کی سیاحت کے واقعات کے فلم تیار کئے جائیں ان فلموں کی نقلیں فارسی ذیلی تحریرات کے ساتھ افغانستان کو بھی روانہ کی جائیں گی۔

مقامی خبریں

بقیہ کالم (۳)

کے لحاظ سے کس قسم کی پیداوار ممکن ہے اور آئندہ کن اصول کے تحت کام کیا جائے۔

اس ریاست میں کام کرنے کی بہت گنجائش ہے ڈاکٹر مَن سے توقع ہے کہ وہ اپنے وسیع تجربہ سے حیدرآباد دکن میں زراعت کی ترقی کے لئے نئے نئے آلات کا استعمال کروادیں گے ڈاکٹر مَن کی تجاویز صرف کاغذی حد تک محدود نہیں رہیں گی بلکہ وہ اپنی تجربوں کو عملی جامہ پہنا دیں گے۔

(ٹائمز آف انڈیا)

——— ہز ایکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر نے ۴ اردی بہشت ۱۳۳۶ف کو سرکاری مکانات واقع ملک پیٹھ کا تفصیلی معائنہ فرمایا۔

——— سہ شنبہ کو ۵ بجے محمد صدیق صاحب معاون مدیر تخیل مہر اللہ نے ویکاجی ہوٹل میں مولانا شوکت علی اور مسز سروجنی نائیڈو کو چاء نوشی کی دعوت دی۔

اشتہار حاضری مدیون مرتبہ عدالت دیوانی ضلع رائچور واقع ۲۰ فروردی ۱۳۳۶ف نمبر مقدمہ (۲۵) بابتہ ۱۳۳۶ف بہ اجلاس نواب مولوی سید عباس حسین خاں صاحب ناظم عدالت دیوانی ضلع رائچور۔

ڈگری دار مادھوراؤ ولد لکشمی کانت راؤ ساکنہ رائچور تعلقہ سیٹرم

بنام مدیون راجیا عرف پیٹیا ولد بھیم ایپا دیسائی ساکنہ نگنور تعلقہ کشتگی **دعویٰ** اجرائی ڈگری۔

بنام راجیا عرف پیٹیا ولد بھیم ایپا دیسائی قوم برہمن عمر ۲۰ سال پیشہ دیسائی ساکنہ نگنور تعلقہ کشتگی۔

مقدمہ مندرجہ عنوان میں راجیا عرف پیٹیا مدیون کو ذریعہ اشتہار ہذا اطلاع دی جاتی ہے کہ ڈگری دار مسمی مادھوراؤ نے تم پر عدالت ہذا میں درخواست اجرائی ڈگری پیش کی ہے اور تم پر سمن کی تعمیل نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا جاری کر کے حکم دیا جاتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۴ خورداد ۱۳۳۶ف روز پنجشنبہ بوقت (۹) بجے حاضر عدالت ہو کر درخواست اجرائی ڈگری سے متعلق جوابدہی و پیروی کرو۔ ورنہ حسب ضابطہ کارروائی ہوگی۔ اور پھر کوئی عذر سماعت نہ ہوگا۔

شرمد تخط

سررشتہ دار صاحب

——— نواب سر فریدون الملک بہادر صدر المہام اختصاصی سرکار عالی نیلگیری روانہ ہوگئے۔

——— حضرت اقدس و اعلیٰ معہ شاہزادگان بلند اقبال وارکان اسٹاف عیدگاہ تشریف لائے تھے خطبہ کے بعد قرأت سماعت فرمائی۔ حافظ قاری شیخ سالم یکی متعلم مدرسہ فخریہ نے مسجد باغ عامہ میں تراویح میں قرآن مجید سنایا تھا اس لئے حسب ارشاد متعلم مذکور کے لئے خلعت و عمامہ منگوایا گیا اور عام مجمع میں عطا فرمایا گیا۔ طالب علم مذکور نے ایک مختصر سپاسنامہ عربی میں سنایا جس میں اپنے بھائیوں اور مدرسہ فخریہ کے طلبہ کی امداد کی درخواست کی تھی حضرت اقدس و اعلیٰ نے اس عربی سپاسنامہ کو بھی سماعت فرمایا اس کے بعد مراجعت عمل میں آئی۔

——— سنا گیا ہے کہ شاہزادگان بلند اقبال بغرض شکار نرسم پیٹھ جانے والے ہیں۔ شکار کے لئے پانچ سات ہاتھی اور بہت سے خیمے وغیرہ روانہ کئے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ فوج باقاعدہ کے گارڈ بھی ہیں

——— ۳ شوال ۱۳۴۵ھ کو بیگم پیٹھ اسٹیشن سے لفٹنٹ کرنل ٹرنچ صدر المہام مال و کوتوالی بمبئی روانہ ہوئے۔ اکثر سرکاری عہدہ دار اسٹیشن پر آئے تھے اور کئی اصحاب نے پھولوں کے ہار پہنائے۔

——— مسز سروجنی نائیڈو بلدہ حیدرآباد میں تشریف لائیں۔ اسٹیشن پر کئی لوگوں نے استقبال کیا۔

——— پیشگاہ خسروی سے لفٹنٹ کرنل شیونکس ٹرنچ صدر المہام مال کی رخصت غیر معمولی کے زمانہ میں مسٹر ٹاسکر معتمد مالگذاری کا متصریانہ تقرر منظور فرمایا گیا۔

——— ڈاکٹر مَن محبوب نگر، پوچارم اور نظام ساگر کے دورہ سے واپس آگئے ہیں۔ آبپاشی کی سہولتوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ انہیں زرعی ترقی کی بھی امید ہے۔ اب وہ عنقریب مرہٹواڑی کے دورہ پر جانے والے ہیں۔

——— معلوم ہوا ہے کہ ڈسٹرکٹ واٹر سپلائی اسکیم پیشگاہ خسروی سے منظور ہو چکی ہے اس کے لئے برطانوی ہند ایک یوروپین انجینئر کے خدمات حاصل کئے جا رہے ہیں۔ اس کے اخراجات کا اندازہ ایک کروڑ روپیہ کا کیا جاتا ہے۔ اس سررشتہ کے انتظام کے لئے عنقریب ایک اسپیشل کمیٹی مقرر ہونے والی ہے۔

حیدرآباد دکن کے زراعتی مسائل

احاطہ بمبئی کے سابق ناظم

ڈاکٹر مَن کی جد و جہد

زراعت ڈاکٹر مَن جو اب حیدرآباد میں محکمۂ زراعت سرکار عالی کے مشیر مقرر کئے گئے ہیں ان کی جد و جہد کی طرف عوام کی نظریں لگی ہوئی ہیں محکمۂ زراعت ۱۹۱۳ء میں قائم ہوا۔ اس کے متعلق مسٹر ڈنلاپ سابق صدر ناظم مال نے سرکار عالی کی توجہ منعطف کرائی تھی کہ یہاں بھی ہندوستان کی طرح زراعت کی ترقی کے لئے ایک محکمہ قائم کیا جائے۔ سرکار نے مسٹر ڈنلاپ کی تجاویز کو منظور کیا اور محکمۂ زراعت پر جان کینی کا بحیثیت ناظم زراعت تقرر ہوا۔ اس وقت جو مسائل فوری توجہ کے قابل تھے وہ گنا اور روئی کے متعلق تھے۔ خصوصاً وہ روئی جس کا تار لمبا ہوتا ہے جس کو "گورانی" کہتے ہیں۔ جو پالیسی مسٹر کینی کی تھی اس پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ اب مسٹر بی اے کالنس کی لیاقت اور قابلیت سے توقع ہے کہ وہ تمام علاقہ جس میں "گورانی" کی زراعت ہوتی ہے ترقی کریگا۔

مسٹر بی اے کالنس کی منجملہ اور تجاویز کے یہ بھی ہے کہ دو وسیع مزرعے قائم کئے جائیں ایک تو تلنگانہ میں اور دوسرا مرہٹواری میں۔ جو ممالک محروسہ سرکار عالی کے جغرافی مرکز ہیں وہ کام جس کا تعلق مرہٹواری سے ہے۔ پربھنی میں شروع ہوگا۔ وہ بھی دو حصوں میں منقسم ہوگا۔ ایک تو بطور تجربہ ہوگا اور دوسرا انکشاف کے لئے اور خاص طور پر ان حصوں کی جانب زیادہ توجہ کی جائے گی جن کا تعلق انسانی غذا سے ہے۔

تلنگانہ کا صدر مرکز حمایت ساگر قرار پایا ہے۔ یہاں تقریباً (۳۰۰) ایکر زمین حاصل کی گئی ہے جس پر تجربہ کیا جا رہا ہے۔ گنا تمباکو گیہوں وغیرہ ہیں۔ ان کے لئے جدید زراعتی آلات اور مشین خریدی گئی ہیں اور مصنوعی کھاد سے کام لیا جا رہا ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مسٹر بی اے کالنس کی تجویز ہے کہ ہر ایک ضلع میں سرکاری مزرعہ بھی قائم کیا جائے۔

مرکزی مزرعوں کے علاوہ کاماریڈی میں گنا کے لئے مزرعہ قائم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ محبوب نگر وغیرہ میں بھی جہاں گنا تمباکو گیہوں کے متعلق تجربہ کیا جا رہا ہے۔

آخر میں سب سے بڑا مسئلہ عمدہ زراعتی زمین کا ہے اس کے متعلق بڑی بڑی تجویزیں ہیں مگر بدقسمتی سے ابھی اس قسم کی زمین کا انتخاب نہیں ہوا۔ اسی لئے حضور نظام نے ڈاکٹر مَن کے خدمات مستعار لے ہیں۔ ڈاکٹر مَن اسی کام میں مصروف ہیں کہ ملک میں کون کونسے مقام اس قابل ہیں کہ وہاں زراعت عمدگی سے ہو سکتی ہے۔ انہوں نے بڑے مزروعوں کا معائنہ شروع کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہاں کی آب و ہوا

(بقیہ اسی صفحہ کے پہلے کالم پر)

نظام گزٹ

ا

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	چوبیس روپیہ
امراء و روساء سے سالانہ	پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	۸رے
سہ ماہی	عال
فی پرچہ	۲ر۶ہ

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائیے

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائیے

(۵) نظام گزٹ تقریباً ۱۶ صفحے کے حجم پر شائع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شائع ہونگی۔

منیجر

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شائع کیا

رجسٹر سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

عدد ۱۶
جلد

سید وقار احمد ام - اے
مدیرین
محمد حبیب اللہ رشدی ام - اے

مضمون خاص
سفر شاہ افغانستان
از
مدیر

بستی ۲ بہ ۲ مہر

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر بکسلر پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

قرآن شریف اس میں پانچ ترجمے ہیں۔ دو فارسی تین اردو اور برحاشیہ تفسیر مسمی باحسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی ےہ رعایتی عـــہ سکہ عثمانیہ۔

قرآن شریف ترجمہ بامحاورہ اردو مولانا مولوی شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی برحاشیہ تفسیر موضح القرآن جلی قلم جس کا ہر پارہ علیحدہ علیحدہ ہوسکتا ہے صفحات (۸۴۰) ہدیہ بلا جلد ۸ ہر مجلد للعہ سکہ عثمانیہ۔

اردو اٹلس رنگین ملک سرکار عالی۔ جس میں ضلع واری نقشہ جات مع جغرافی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس......... قیمت عالہ .... رعایتی عہر

خلاصہ جغرافیہ عالم سوالات و جوابات میٹریکولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت عہ رعایتی عہ

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت ۸ ہر | مرتبہ مولوی سید شرف الدین
جدید تاریخ ہند برائے مڈل عثمانیہ میٹرک قیمت عہ | صاحب قادری بی اے
جدید جغرافیہ دنیا برائے " " قیمت عہ | بی ٹی صدر مدرس ...

صنمخانۂ عشق یعنی دیوان امیر مینائی قیمت......... عــہ رعایتی قیمت......... عــہ

مطبوعہ رجسٹر او فارمس ہر دفتر کے کارآمد مضبوط سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ کے تیار ہیں جن کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے آڈر پر موسومہ خادم طبع کرکے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے۔

فتاوی عثمانیہ سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلاء کیلئے معلومات کا گنجینہ ہے قیمت (للعہ)

تمدن ہند (ہند کی بہترین بالتصویر تاریخ) ڈاکٹر لی بان کی فرنچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ معہ اضافہ توضیحات و حواشی مفید جس کو مولانا مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم نے کیا ہے جو آج سے چند سال پہلے (صہ) روپیہ میں فروخت ہوتی رہی ہے اس میں (۱۴۹) التصاویر دیدہ زیب اور (۲) دلفریب نقشہ اور تختی کلاں ہے اب یہ قابل قدر اور لائق دید کتاب مجلد کی (عــہ) روپیہ قیمت کردیگئی ہے علاوہ محصول ڈاک امید کہ ناظران کرام اس زریں موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

گلوب ۱۲ انچ قطر۔ یہ ایک مدور چوبی اسٹینڈ اور ہمبر دئے ہوئے پیتل کے رنگ میں لگا ہوا ہے جسکے ذریعہ زمین کی حرکت روزانہ و سالانہ دونو سمجھائی جاسکتی ہے قیمت (سہ) روپیہ سکہ کلدار یا (صہ) روپیہ سکہ عثمانیہ

یادگار غالب حضرت استاد مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کے زندگی کے حالات انکی اقسام نظم و نثر اردو و فارسی کا انتخاب جسکو عالیجناب شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے مرتب کیا ہے قیمت بجائے کلدار کے عالی ڈائری۔ کلاں چرمی اصلی قیمت......... ۱۲ عہ رعایتی......... عہ

" " " مجلد پارچہ " .... عہ ۱۴
" " " خورد چرمی " .... عہ ۱۲
" " " " پارچہ " .... عہ ۱۰

نوٹس آن اسلام بزبان انگریزی۔ اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات۔ عربی جس کی شرح انگریزی میں کی گئی ہے مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب جسکو عالیجناب مولانا احمد حسین صاحب سی۔ آئی۔ ای سی۔ ایس۔ آئی (نواب امین جنگ بہادر) نے مختصراً نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے قیمت......... عــہ

گنجینۂ بہشت ہدا اس کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم اور حضرت صلعم کی سوانح عمری بھی اس کے ساتھ ہے معمولی استطاعت والے حضرات بھی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت رعایتی للعہ

ارمغان سلطانی المعروف سیر گلبرگہ شریف۔ تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک سچا فوٹو ہے جو تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں شہر گلبرگہ شریف کے موجودہ حالات درج ہیں دوسرے میں زبدۃ العارفین حضرت مخدوم شہباز بلند پرواز گیسو دراز سید محمد حسینی المشہور خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز نیز دیگر اولیاء کرام کی فیاض زندگی اور ان کی سوانح عمری جو مختلف مستند و معتبر کتب سے اخذ کرکے مسلسل طور پر لکھے گئے ہیں تیسرے حصہ میں سلاطین بہمنیہ کے مفصل حالات درج ہیں قیمت (عــہ)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	للعہ	ماہیہ	مہعہ	سہ	عسہ
نصف صفحہ	ماہیہ	مہعہ	للعہ	مہعہ	سلے
ربع صفحہ	مہعہ	للعہ	مہعہ	عہ	للعہ
ایک کالم	لعہ	صہ	سہ	مہعہ	صہ
نصف کالم	صہ	بہ	عہ	بہلے	سے
ربع کالم	سہ	عہ	مہعہ	اسعہ	عہ

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائیگا

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات   تیری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

عدد ۲۱ حیدرآباد دکن ۔ دوشنبہ ۱۷ شوال ۱۳۴۶ھ ۹ اپریل ۱۹۲۸ء ۔ ۵ خورداد ۱۳۳۷ف جلد ۱

شذرات

معلوم ہوتا ہے کہ آج کل ہماری تعلیم گاہوں پر نحوست کا دورہ ہو رہا ہے۔ دارالعلوم ندوہ کی جو حالت ہے اور اس کے متعلق آئے دن جو نئی نئی خبریں سننے میں آتی رہیں وہ اس قدیم درس گاہ کے لئے بالکل نئی ہیں۔ حال ہی میں صوبہ بمبئی کے کسی کالج کے وائس پرنسپل کا ایک مکتوب شایع ہوا تھا جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ بمبئی یونیورسٹی میں امتحانات کے پرچے اڑائے جا رہے ہیں۔ انہوں نے خود اپنا تجربہ بیان کیا کہ چند طالب علموں نے امتحان سے ایک دن پہلے اور بعضوں نے امتحان ہی کے دن صبح کو ان سے چند سوالات کے جواب پوچھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہی سوالات حرف بحرف امتحان میں پوچھے گئے تھے۔ بمبئی یونیورسٹی میں دوسرا جھگڑا گورنر بمبئی کی مداخلت کا ہے۔ جس پر بمبئی کے مشہور اہل تعلیم بھی اس بات سے نالان ہیں کہ گورنر کو یونیورسٹی میں اتنی مداخلت کا حق نہیں دیا جاتا چاہئے اب علیگڈھ یونیورسٹی کے حالات منظر عام پر آ رہے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے واقعات پر غور کرنے کے لئے جو کمیشن سر رحمت اللہ کی صدارت میں بٹھایا گیا تھا اس نے اپنی رپورٹ پیش کردی۔ ابھی وہ رپورٹ شایع نہیں ہوئی ہے۔ جمہور میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور تازہ ترین خبر ہے کہ علیگڈھ کے پرو وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاءالدین صاحب نے اپنا استعفا پیش کیا۔ یہ استعفا علیگڈھ کے لئے ایک نئے دور کا دروازہ کھولتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اچھا یا برا۔ مگر امید ہے کہ وہ دور اچھا ہی ہوگا۔

علیگڈھ کے متعلق ایک خبر یہ بھی گرم ہے کہ اب وہاں اسٹاف میں انگریزی پروفیسروں کی تعداد بڑھائی جائے گی۔ یوروپین اسٹاف سے پندرہ بیس سال پیشتر جو عام ناراضی اور ناگوار حالات پیش آئے تھے ان سے اندازہ تو یہ ہوتا تھا اب شاید وہاں انگریز پروفیسروں کا عمل دخل نہ ہوگا۔ مگر یہ دیکھکر کتنا افسوس ہوتا ہے کہ ہم ابھی وہیں ہیں جہاں پہلے تھے!

انگلستان میں بعض جماعتیں اس بات پر بہت ناراض ہیں کہ وہاں کی حکومت نے بعض مقامات پر بیجا برطانی قبضہ رکھکر کثیر مصارف کا بار انگلستان کی رعایا پر ڈالا ہے۔ انگلستان ایک تجارتی ملک ہے اس بنا پر یورپ کی دوسری قوموں نے اس کو "دوکانداروں کی قوم" یا بنیوں کی قوم کا نام دیا ہے۔ غرض انگلستان میں موجودہ بیروزگاری کو دیکھکر آجکل بعض سابق ممبر پارلیمنٹ بھی

ع تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں۔

کے مصداق بے روزگار بیٹھے ہیں، حکومت کے بعض مصارف واقعی تعجب میں ڈالتے ہیں۔ حال میں عراق پر برطانیہ کے مصارف کی تفصیلات شایع ہوئی ہیں جن کی میزان چھ لاکھ بیس ہزار پونڈ ہے۔

سر جان سائمن چلے گئے اور ہندوستان سے بہت خوشگوار یاد لیتے گئے۔ واہ رے ہندوستان کیوں نہ ہو تو نے سر جان سائمن کا استقبال سیاہ جھنڈیوں سے کیا۔ اور پھولوں کے موٹے موٹے ہار پہنا کر رخصت کیا۔ سر جان بوکھلائے ہوئے آئے اور مسکراتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ہندوستانی نیازمندی آجکل کی نئے فیشن کی طرح نہیں بلکہ یہ تو صدیوں کی چیز ہے۔ اس کے لئے سکندر ہو یا نادر، شہاب الدین ہو یا سر جان سائمن سب برابر ہیں۔ سب کے لئے اسکی نیازمندی اور خاکساری ایسی ہی اٹل ہے جیسے اسکا پہاڑ ہمالیہ۔

اخبار فروش: جناب تازہ اخبار ملاحظہ فرمائیے۔
گاہک: نہیں ضرورت نہیں چلے جاؤ۔
اخبار فروش: مشہور فٹ بال کا کھلاڑی مارا گیا جناب۔
گاہک: کیا مشہور کھلاڑی؟ لاؤ ایک اخبار دے دو۔
اخبار فروش: ہاں جناب (پیسے جیب میں ڈالتے ہوئے) اگر چہ اس نے کبھی فٹ بال کو پاؤں تک نہیں لگایا۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۱۰-۱۷ شوال سنہ ۱۳۴۶ ہجری

سفر شاہ افغانستان

ایک زمانہ وہ تھا کہ افغانیوں کے متعلق دنیائے اسلام میں یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ خدا نے اُن کو ابلہی اور جہل کا وارث بلا شرکت غیرے قرار دیا ہے۔ مگر اسکو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ اسی سرزمین سے سید جمال الدین افغانی جیسا انسان نکلا جس نے تمام دنیائے اسلام کو عقل سکھائی۔ آج اتحاد اسلامی کا پرزور تخیل اور یورپ کے لئے پین اسلامزم کا جو ہوا ہم دیکھ رہے ہے وہ اسی افغانی سید کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اور خدا جانے وہ مبارک زمانہ کب آئیگا کہ جمال الدین مرحوم کا خواب حقیقت میں جلوہ گر ہوگا آج مصر کی بیداری میں جمال الدین مرحوم کا جو اثر ہے وہ مصریوں سے پوچھئے ترکی کی جماعت نوجوان ترک کو جو طاقت اور ہمت نصیب ہوئی وہ ترکان احرار سے دریافت فرمائے اور ایران میں اس افغانی کے اثرات کی چنگاریاں آج بھی کہیں نہ کہیں مشتعل دیکھ لیجئے لیکن اس بڑے انسان کے بعد افغانستان پھر عالم سکوت میں چلا گیا۔

کسی قوم کی ترقی مادی یا غیر مادی دو مختلف عناصر پر مبنی ہے ایک تو عوام کی صلاحیت اور دوسرے رہنما اور زعما کی دماغی پرواز۔ نیلے آسمان کے نیچے بعض ایسی بدقسمت قومیں بھی ہیں جن کے عوام میں زمین شور کی طرح قطعی صلاحیت نہیں یعنے قوم کے عام انسان میں یہ صلاحیت نہیں پائی جاتی کہ وہ مادی یا غیر مادی فوائد کو محسوس کر سکے۔ اور محسوس کرنے کے بعد اس کے مطابق تبدیلی گوارا کرے مثال کے طور پر اٹھارہویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے فرانس کو لیجئے یا امریکہ کی نوآبادی کے افراد کو لیجئے کہ ان میں کتنی تغیر پذیری پیدا ہوگئی تھی اور اب بھی۔ یہ تغیر پذیری قومی حیات کا ثبوت دیتی ہے اور قوم میں ایک خوشگوار تحرک قائم رکھتی ہے برخلاف اس کے چین یا ہندوستان کو لیجئے کہ یہ قومیں تغیر پذیری کی کتنی دور ہیں اور ان پر کیسے جمود کا عالم طاری ہے

قوم میں تغیر پذیری کے علاوہ دوسری چیز جیسا کہ اوپر بیان ہوا قومی رہنماؤں کا دماغ ہے اگر کسی قوم میں تغیر پذیری کا عنصر موجود بھی ہو مگر اس میں کوئی قوی دماغ پیدا نہ ہو تو وہ بھی تاریکی میں بھٹکتی رہے گی اس کی مثال کم و بیش جاپان میں ملے گی کہ اس کو جب تک اعلیٰ رہنما نہ ملے وہ اپنی قدیم وضع پر قائم رہا اور جب چند اعلیٰ دماغوں نے قومی باگ سنبھالی اس ملک نے چند پھلانگوں میں اپنے حریفوں کو جا لیا۔

افغانستان کی کشتی کو طوفان سے بچانے والے امیر عبدالرحمن خاں مرحوم تھے۔ انہوں نے بہت بڑا دماغ پایا تھا۔ مگر افغانستان اول تو بہت ہی جمود کی حالت میں تھا اور دوسرے یہ کہ امیر مرحوم کی بڑی قوت بیرونی مدافعت میں صرف ہوئی تب بھی جو بنیادی کام امیر مرحوم نے کیا وہ اس دور افتادہ قوم کے لئے بہت کچھ تھا۔ سید جمال الدین افغانی اگرچہ اسی ملک میں پیدا ہوئے مگر ان کی نظر صرف افغانستان کی چار دیواری تک محدود نہ تھی اور واقعی سید جمال الدین افغانی نے بہت اچھا کیا کہ اپنے آپ کو افغانستان کیلئے محدود نہ کیا بلکہ اور قوموں میں بھی احساس پیدا کرنے کے مشکل کام کو اپنے سر لیا۔

سید جمال الدین افغانی کے زمانہ اور اس زمانہ میں کم و بیش ربع صدی کا وقفہ رہا اب اسی سرزمین سے فطرت نے امیر امان اللہ خاں کو اٹھایا ہے غالباً بیسویں صدی عیسوی تاریخ اسلام میں حیات جدیدہ کے لئے ممتاز رہے گی۔ اس صدی نے بہت سے مشرقی افسانوں کو حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ وہ زمانہ جو جمہوریت کے عروج کا زمانہ ہو، وہ زمانہ جس میں بادشاہ قوم کے معمولی آدمیوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن رہے ہوں وہ زمانہ جس میں شہنشاہوں کے سر ٹھکرائے جا رہے ہوں، اسلام کے لئے بادشاہ سازی کا زمانہ ہے بالکل افسانہ کی طرح وطن کے غریب بچے تخت و تاج کے وارث بنتے گئے

مگر ساتھ ہی استبداد کا دیو کافی طور پر ضعیف اور نحیف بنا دیا گیا ہے سیاسی اقتدار کے لئے دو ہی خیال کے لوگ ہونگے یا تو بادشاہ پرست یا جمہوریت پسند یہ دو خیال تقریباً ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کوئی بین بین راستہ نہیں ملک کا حاکم اعلےٰ یا تو دیوتاؤں کی راست اولاد کوئی میکاڈو ہی ہوگا یا غریب جمہوریت کا فرزند کوئی مسولینی یا مصطفےٰ کمال۔ افغانستان ایک خالص بادشاہ پرست ملک ہے۔ اور صدیوں سے یہ بادشاہ پرست ہی رہا تعلیمی اور تمدنی فضا فطرت نے اب تک یہاں پیدا نہ کی۔ بس دیکھنا یہ ہے کہ ایسی قوم میں جمہوریت کس طرح اور کس دن رونما ہوگی مگر فطرت کا خزانہ خالی نہیں۔ اس قوم کے لئے اس نے ایک زعیم عنایت کیا جو بالکل غریب خاندان کا ہو سکتا ہے جو کلیتہً مصائب کا فرزند ہو سکتا ہے۔ مگر اس کو ملک کے شاہی خاندان میں پیدا کیا۔ اب دیکھئے اس محیر العقول حادثہ کو کہ بادشاہ پرست طبقہ تو امان اللہ کی شاہی نسل ہونیکی وجہ مطمئن اور خوش ہے اور جمہوریت کی شیدائی جدید نسل اس بادشاہ کے غیر شاہانہ خصائل اور جفاکشی سے مسرور۔ دوسرے ملکوں کے لوگ اپنے بادشاہوں کو سر بفلک مینار پر دیکھکر اپنی انسانی ذلت محسوس کرتے ہیں اور خون تھوکتے ہیں مگر افغانستان کا بادشاہ اپنی خوشی سے اس مینار سے اتر آیا اور اپنے وطن کے بچوں سے کہنے لگا۔ بھائیو میں تم سے کچھ بڑا نہیں ہوں۔ بلکہ بالکل تمہاری طرح مادر وطن کا ایک معمولی بچہ ہوں۔ آؤ تم ہم ملکر اس خاک کو سنوا۔

جلالت الملک امیر امان اللہ خاں شاہ افغانستان

اور اسکی عزت بڑھائیں)

بادشاہ ہونا اور اپنے بادشاہی کے امتیاز کو مساوات پر قربان کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہی ایک چیز کسی بادشاہ کا نام زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

مگر امان اللہ خاں کو فطرت نے اور بھی کچھ دیا ہے وہ ان کا دماغ ہے۔ اس انسان کی ابتدائی زندگی سے شروع کیجئے جب سے کہ وہ دنیا کی نظروں میں نمایاں ہوا اور آج تک کے تمام واقعات پر نظر ڈالئے اور اس کے افعال سے اس کے دماغ کا اندازہ کیجئے تب اس کی عظمت معلوم ہوگی۔

کسی بادشاہ کی وفات پر تیسرے بیٹے کا تخت نشین ہونا جبکہ دو بڑے بھائی زندہ موجود ہوں اور اس پر ایک حریص چچا کا مضبوط پنجہ بھی گڑا ہوا ہو، کیا کچھ آسان کام ہے؟ امیر حبیب اللہ خاں کی وفات کے بعد ان کے بھائی نصر اللہ خاں نے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تھا امیر مرحوم کے اس تیسرے بیٹے کو قابض تاج و تخت کی مخالفت کا خیال اور ہمت ہوئی اور اس امان اللہ نے نصر اللہ خاں کی قوت کو توڑا اور اپنے بڑے بھائیوں کی موجودگی میں خود کو تخت و تاج کا زیادہ اہل ثابت کیا۔ بڑے بھائیوں سے ان کے سلوک کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بڑے بھائی اس بادشاہ کیساتھ ایک ہی محل میں رہتے ہیں۔ اور تخت و تاج پر رشک نہیں کرتے اس واقعہ کے بعد سرحدی جنگ پر غور کیجئے اگرچہ اس جنگ کی تفصیلات سے ہم غریب ہندوستانی قطعاً ناآشنا رکھے گئے مگر نتیجہ اس کا یہ سنا کہ افغانستان کو آزاد ملک تسلیم کر لیا گیا۔ اور مختلف ممالک یورپ کے سفیر وہاں روانہ کئے گئے۔ کیا یہ کوئی معمولی بات ہے اب امیر امان اللہ نے سفر کا ارادہ کیا۔ یہ ایک مشرقی بادشاہ کا سفر ہے جس کا ملک ترقی و تہذیب سے کوسوں دور ہے کیا اس کو اپنے تخت و تاج کا خطرہ نہیں۔ مگر امان اللہ خاں کے ارادے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنی رعایا اور امراء کی وفاداری پر کس قدر اعتماد ہے۔ اپنے ملک میں ان کے حیرت انگیز کارنامے ہم سنا کرتے تھے کہ کسی جگہ بھیس بدل کر نکل گئے ہیں اور رعایا کی خبر لے رہے ہیں۔ کبھی رات میں نکل گئے ہیں اور قانون کے تحت کو توالی کے سپاہی نے حوالات میں بند کر دیا ہے کوئی رئیس اگر ملکی کپڑے کو چھوڑ کر باہر کے کپڑے کا لباس پہنتا ہے تو اسکی داد امان اللہ خاں کی قینچی دیتی ہے۔ عدالت اگر بادشاہ کے نام سمن جاری کرتی ہے تو معمولی چپراسی امان اللہ خاں کو عدالت میں ساتھ لے جا کر پیش کرتا ہے گھر کے باہر نکل کر پہلے پہل بمبئی ہی میں انکی خفیہ گشت شروع ہو جاتی ہے

بمبئی میں شاہ افغانستان کی آمد

جہاز کی ہر چیز کو مطالعہ اور تحقیق کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے عوام الناس کے چھوٹے چھوٹے طبقوں کی دعوت بھی ان سے رد نہیں کیجا سکتی اور اپنے غریب ہم وطنوں سے وہ بغل گیر ہونے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ مصر میں ان کی نقل و حرکت ایک شے تعجب اور ہیجان کا باعث ہوتی ہے اور یورپ میں ان کی نظریں ہوائی جہاز، توپ۔ بندوق وغیرہ کے کارخانوں میں گڑ جاتی ہیں۔

آخر یہ تمام مشقت اور دردسری کس چیز کے لئے ہے اور وہ کونسا دماغ ہے جو ان تمام باتوں کا تقاضا کر رہا ہے اس بات کا معلوم کرنا اب مشکل نہیں۔

کوئی نایاب بات کا خیال کرنا آسان ہے مگر اس خیال کو واقعیت میں لانا آسان نہیں جس کے پہاڑ رب کو طے کرتا اور ایطالیہ اور آسٹریا کو شکست دینا ہر شخص سوچ سکتا تھا۔ مگر اس کو عمل میں لانے کے لئے نپولین کی ضرورت تھی۔ ہر ایجاد اسی لئے ایجاد ہے کہ وہ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں بلکہ خاص دماغوں کا اجارہ ہے اسی طرح قوموں اور ملکوں کی ترقی اور تہذیب کا تخیل بہت آسان ہے مگر ترقی اور تہذیب کا حقیقی راستہ تلاش کرنا آسان کام نہیں۔ آج ہندوستان میں انگریزوں کا قدم آئے ہوئے ڈیڑھ سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں ہماری قومی آزادی کے لئے ہمارے بہترین دماغوں کی دو تین نسلیں گزر چکی ہیں۔ مگر ہم ابھی تک وہیں ہیں جہاں پہلے تھے ہمارا ہمسایہ افغانستان دماغی اور تمدنی حالت میں ہم سے پیچھے تھا۔ اور اب بھی ہے۔ مگر اسکی عنان عمل اب ایک صاحب فکر انسان کے ہاتھ میں آگئی ہے افغانستان نے حرکت کی اور اسکی پہلی جست اس مقام پر ہوئی ہے جس کے لئے ہم تڑپ رہے ہیں اب اس کو اپنی اندرونی اصلاح اور بیرونی قوت کا خیال ہے اور اسی کے لئے ان کے بادشاہ نے اتنی زحمتیں برداشت کر کے گھر سے باہر قدم نکالا ہے۔

ہم شاہ افغانستان کے سفر سے کیا سبق لے سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ نہیں کہ قومی آزادی اور ترقی کا سبق کیونکہ ہمارے لئے یہ خیال بہت پرانا خیال ہے۔ "قومی آزادی" اور "قومی ترقی" یہ وہ الفاظ ہیں جو کثرت استعمال اور بے جا و بیجا استعمال کی وجہ سے اپنی معنی کھو رہے ہیں۔ ہر نوآموز مبتدی سے لیکر ہماری قوم کا بڑے سے بڑا زعیم بھی "قومی ترقی" کا کچھ نہ کچھ راز ضرور بتاتا ہے کسی کو ترقی کا راز "آپ اپنی حالت کو بدلنے کے خیال" میں نظر آتا ہے کسی کو "خدا پر بھروسہ کرنے" پر کسی کو اپنی ذات پر بھروسہ" کرنے پر کسی کو "سودیشی اشیاء کے استعمال" میں قوم کی نجات نظر آتی ہے کسی کو

"چرخہ" چلانے میں۔ کوئی "تعلیم" کا راگ گاتا ہے کوئی "عورتوں کی آزادی اور تعلیم نسواں" کو قومی ترقی کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے۔ کئی ایک دماغوں نے اخلاقی کردار میں قومی ترقی کو مشاہدہ کیا ہے۔ مثلاً "سچ بولنا" "بہادری" "راست بازی" وغیرہ اور بہت سے لوگ پیشوں کے ذریعہ "ترقی" کی دیوی تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں مثلاً تجارت، زراعت، صنعت و حرفت یہاں تک کہ قومی ترقی کا راز غذاؤں میں تک دیکھا گیا ہے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو "نقود" کو ہندوستان کی ترقی اور آزادی کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں اگر غرض قومی ترقی کے علاجات کو اگر جمع کیا جائے جو ہم ہندوستانیوں نے بڑے غور و فکر کے بعد تجویز کئے ہیں تو ان علاجات کا ایک خاصا لغت تیار ہو جائے جو قومیں کہ ترقی کر رہی ہیں اور آزادی کی فضا میں سانس لے رہی ہیں وہ ہمارے اس لغت کے بغیر ہی اپنا کام چلا رہی ہیں۔ ان چیزوں کو یہاں پیش کرنے سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم مذکورہ بالا امور (باستثنائے آخر) کی صداقت کے منکر ہیں بلکہ غایہ یہ ہے کہ ان امور کو پیش کرنے والے دماغوں نے ان کو حاصل کرنے یا قوم میں پھیلانے کیلئے کیا ترکیب تجویز کی یہ تمام مقاصد اچھے ہیں مگر ان کو حاصل کس طرح کیا جائے جس طبیب نے مرض تشخیص کیا ہے اسی کا کام نسخہ تجویز کرنا بھی ہے۔

ہمارے لئے شاہ افغانستان کے سفر میں ایک اہم سبق موجود ہے غالباً وہ ایسا نہیں کہ جسکو بالکل نیا کہہ سکیں مگر ایسا ضرور ہے کہ اسکو سنجیدگی سے تلاش کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں وہ سبق قومی ترقی کے لئے اصول بنانے کا نہیں ہے بلکہ قومی ترقی کے اصول پر قوم کو چلانے کی سبیل ڈھونڈ نکالنا ہے انہیں کی دیواریں پھاندنے کا خیال کرنا نہیں بلکہ انہیں کی چوٹیوں پر چڑھنے کا راستہ نکالنا اور چڑھنے میں رہنمائی کرنے کا ہے۔

سر کریم بھائی ابراہیم کی وفات

بمبئی کے مشہور مخیر دولت مند سر کریم بھائی ابراہیم نے قلب کی حرکت کے بند ہو جانے سے شنبہ ۲۱ مارچ کو وفات پائی۔ سر کریم بھائی کی شہرت اور شخصیت کا اثر بمبئی تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ تمام ہندوستان میں مشہور تھے اور حیدرآباد سے بھی عثمان شاہی ملز کی وجہ سے ان کا کاروباری تعلق تھا۔

سر کریم بھائی ابراہیم ۱۱ ستمبر ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸۹۴ء میں والد کی جگہ بیرونٹ بنے وہ بمبئی کے مشہور تاجر گرینون کے مالک اور کریم بھائی ابراہیم نامی کاروباری کوٹھی کے شریک مالک تھے۔

مرحوم کو کاروبار کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں سے بہت دلچسپی تھی وہ حج کمیٹی کے ممبر تھے اور دو دفعہ وہ اس کمیٹی کے نائب صدر بنائے گئے۔ "وہ خوجہ یتیم خانہ کریم بھائی ابراہیم" کے ٹرسٹی تھے۔ "وہ لڑکیوں کے مدرسہ الگزینڈرا اسکول" کے ناظم بھی رہے۔ ایک شہری کی حیثیت سے وہ "جسٹس آف دی پیس" بھی بنائے گئے تھے۔ اور کئی سال تک بمبئی کی مجلس بلدیہ کے رکن رہے۔ ۱۹۲۳ء میں وہ بمبئی کے "شریف" بھی مقرر ہوئے تھے۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۳ء تک وہ بندرگاہ بمبئی کے ٹرسٹی رہے۔ سرکار کی طرف سے انہیں قیصر ہند کا طلائی تمغہ ملا تھا اور ۱۹۲۴ء میں وہ "سر" بنائے گئے۔

غرض مرحوم کے انتقال سے صرف خوجہ جماعت ہی کے رکن کا نقصان نہیں ہوا بلکہ ان کی موت تمام مسلمانوں کے لئے ایک نقصان کا باعث ہوئی۔

ان کی فاتحہ سیوم حیدرآباد میں بھی ادا کی گئی اور بمبئی میں بعض بازار ان کے انتقال کے اظہار رنج میں بند کئے گئے۔

مسٹر گاندھی کے اہم جزو سے انکار

ناسک کے اچھوتوں کی طرف سے ایک پمفلٹ شایع کیا گیا ہے جس میں لکھا ہے کہ شدھی کے وقت مسٹر گو پنچ گزہی گائے کا پیشاب دہی دودھ گھی اور گوبر وغیرہ نوش کرنے پر مجبور کیا گیا کیونکہ پرانے خیالات کے ہندوؤں کے نزدیک اس سے ناپاک انسان پاک اور پوتر ہو جاتا ہے لیکن مسٹر نے پینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کے بغیر انکی شدھی جائز نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا ہے کہ ناسک کے اچھوتوں نے ایک اعلان شایع کیا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ مسٹر کی شدھی محض ایک دکھلاوا تھا۔ کیونکہ اچھوتوں کے ساتھ ایک تقریب کے دوران میں اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ شدھی کی تقریب میں یوروپین لوگوں کو شامل ہونے کا موقع دیا گیا لیکن اچھوتوں کو جو درشن کرنے آئے تھے۔ اس جگہ داخل نہیں ہونے دیا گیا جہاں ہون ہو رہا تھا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ دور فاصلہ پر کھڑے رہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ پونا کے اچھوتوں کے رہنما مسٹر راج بھوج سوامی شنکر اچاریہ کے قریب جا بیٹھے۔ منتظمین نے اعتراض کیا کہ ایک اچھوت مسند پر نہیں بیٹھ سکتا۔ مسٹر راج بھوج نے کہا کہ جگت گرو کے دائیں جانب ایک ایسا شخص بیٹھا ہے۔ جو پیدائشی مسلمان ہے اور جسے حال ہی میں شدھ کیا گیا ہے۔ لیکن میں ایک ہندو ہوں اور مجھے اجازت نہیں دی جاتی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس پر ہاتھا پائی ہوئی جس میں مسٹر راج بھوج کی کلائی پر زخم آئے اور گھڑی ٹوٹ گئی۔

شاہ افغانستان بمبئی کے مسلمانوں کے جلسہ ڈونگری میں

دو آنسو

از

دختر نواب سید احمد خاں مرحوم دہلوی

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

دو دن سے جی بیٹھا جاتا تھا۔ دل بھرا چلا آتا تھا۔ یوں دیکھو تو خدا کے فضل سے اکثر عزیز ایک جا ہو گئے ہیں۔ ہنسی خوشی گذر رہی تھی مگر طبیعت کا یہ عالم تھا کہ آپ ہی آپ لانگ لانگ ہوئے جاتی تھی اسبات سے اور حیرانی ہوتی کہ الٰہی! خیر کیجیو۔ دور نزدیک کی خیر سنائیو۔ لیکن سچ ہے، دل سے دل کو راہ ہوتی ہے یہ وہ وقت تھا کہ پیاری پیاری تمیز تہذیب کی دلاری چھنو بیگم افسوس! مرض الموت میں فرش ہو کر ہمیشہ کو داغ مفارقت دے رہی تھیں!! اس لئے دل جسقدر مڑتا کم تھا۔

چند روز ہوئے، ایک محبت نامہ بھیجا تھا جس میں طبیعت لگنی لکھی تھی۔ دو جی ہو کر جی کا اٹھنا ہوتا اور اس لئے اپنے ہاتھ سے خط نہ لکھنا زیادہ ڈر کی بات نہ تھی۔ ایسا ہوتا ہی ہے ساتھ ہی ایک تقریب شادی کے بلاوے کے جواب میں انہوں نے خوش مذاقی کے وہ نفیس پھول بھر دیئے تھے کہ شدنی امر کی طرف بھول کر بھی خیال نہ گیا۔ مگر آہ کیا معلوم تھا کہ میرے لئے تو ان کی یہ چاہتار باتیں اب آخری تحریر، آخری دیدار ہی بن جائیں گی!

آج اس وداعی تحریر محبت کو پھر دیکھا — بار بار دیکھ رہی ہوں! تو اس جنت نشین کی خاص اخلاص ہنسوڑ لیئے میں بھی جا بجا ایسا دلریش گداز سنائی دے رہا ہے کہ آنے والے حادثہ کی یاس دل میں چٹکیاں بھرنے لگتی ہے! پھر یہ آخری انمول بول محبت کا ایک ایسا نایاب تحفہ ہیں، جو سارے دل کی ہوک پیاس اور رنج والم کے بے شمار آنسوؤں میں قلم سے نکلے تھے۔ خط میں مجھ سے یہ بات چھپائی۔ حالانکہ اسبات کا بیحد اثر لیا تھا، کہ وہ ہمارے ہاں کی لاحقہ تقریب میں چند در چند وجوہ سے کیوں نہ شریک ہو سکیں۔ اسی خط میں ایک جگہ یوں شکایت کی ہے۔

"خالہ اماں سے میرا بہت بہت آداب کہنا اور یہ بھی کہنا کہ.....کی شادی کے لئے کیا میرے ہونے کا انتظار تھا؟ جس دن کی بڑی تمنا تھی، چلو میرے خدا نے وہ دن دکھا تو دیا۔ میں شریک نہ ہو سکی، نہ سہی یہ کیا کم ہے مجھ کو گنہگار کی دعائیں قبول ہو گئیں! دعائیں مانگتے مانگتے جیسا منہ سوکھا ہے، اتنی ہی مٹھائی لونگی! میں بلدہ میں نہیں ہوں۔ وہ جنگل میں لکھنو ہی کیوں نہ چلی جاؤں، غرض دیس، پردیس کہیں ہوں، اللہ جانے اس خانہ آبادی سے مگن ہوں! باغ باغ ہوں!!"

میری مگن ہونے والی! باغ باغ ہونے والی!! للہ مجھے بتا دے۔ اتنا لکھکر پھر کونسی بات بری لگ گئی، جو روٹھ کر یکایک ہم سے منہ چھپا لیا! خدارا معاف کردے اور مجھے بتا کہ تجھے عروس سے کیوں کر چین لاؤں!! میری چاہتی، چاہنے والی بہن! آ، جلدی آ جا، مٹھائی بہنیں، موتیوں سے بہتر منہ بھروں گی!!

دہی

اصل پوچھو تو مرد اور عورت تمدن کے دو بنیادی اجزائے ترکیبی کا نام ہے اس لئے اچھے تمدن کیلئے جس طرح نیک نہاد مردوں کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، اسی طرح نیک بخت بی بیوں کے لئے بھی ضرور ہے کہ وہ مردوں کا ذمہ دارانہ ہاتھ بٹائیں۔ چنانچہ اچھے مردوں کے ساتھ ساتھ اچھی عورتیں بھی دنیا کی شانتی سمجھی جاتی ہیں اور ہے بھی یہ کہ انہیں دونوں مبارک اجزاء کے اکٹھے ہونے سے دنیا کی بھلائی مکمل ہوتی ہے۔ جن سماجوں کے اچھے دن ہیں انکے ہاں ایسے افراد بہتات سے ملتے ہیں۔ اس لئے وہاں ایک آدھ مفید فرد کا کبھی کبھار آنکھوں سے اوجھل ہو جانا اتنے ملال اور قلق کی بات نہیں جتنا کہ ایسی جگہ اس بات کا ہونا، جہاں اول ہی سے اچھوں کا کال پڑا ظاہر ہے، یہاں ایک تو کام کے افراد ہوتے ہی اکا دکا ہیں۔ پھر اگر وہ بھی ملک کو کافی فائدہ پہنچائے بغیر جوان اٹھ جائیں تو سمجھئے کہ نکبت اور تباہی کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ بزرگ محترم محمد عظمت اللہ خاں مرحوم دہلوی معتمد کمشنر امتحانات سرکار عالی کی وفات حسرت آیات کچھ کم سماجی نقصان نہیں ان کا علم، حلم، ملنساری، خوش مزاجی اور اخلاق ہمارے اچھے دنوں کی سہانی یاد تھی۔ وہ ایک اچھے مسلمان تھے جس میں اچھے بھائی، اچھے دوست، اچھے باپ، اچھے خاوند، اچھے شہری غرض ایک اچھے انسان ہونے کی خصائص کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں! ایسے شخص کے اٹھ جانے کے یہ معنی ہیں کہ سوسائٹی ایک مدت کیلئے ان خوبیوں سے محروم ہو گئی۔ بالکل اسی طرح طبقۂ نسوان میں اس مرحومہ کا انتقال پر ملال بھی جانکاہ سماجی نقصان ہوا یہ نیک بخت خاتون اہلی زندگی کا ایک نادر نمونہ اور صحابیات صالحات کی زندہ مثال تھی۔ ضروری علم و تعلیم کے بعد اس چھوٹی سی عمر میں ایسے خوش اوصاف پائے تھے جن سے علمیت کی نسوانی دنیا میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ بہنوں میں وہ ایک محبت والی بہن رہی، سہیلیوں میں ایک پیاری پیاری سہیلی یوں بھی ایک اطاعت گزار بیٹی اور ہنس مکھ بیوی تھی۔ بڑے سے برے دن بھی آجاتے تو انہیں ہنستے کھیلتے گزار دینے میں وہ ملکہ پیدا کیا تھا کہ خود دکھ بھی جس سے دکھی ہو جائے۔ عمر وفا کرتی تو یقین جانئے وہ ایک ایسی ماں ثابت ہوتی جس کی کوکھ قوم کے بلونت سپوتوں سے ہمیشہ ٹھنڈی رہتی! اس عرش نشین خاتون سے جو بہن ایک دفعہ مل لیں، انہیں دوبارہ ملنے کی آرزو رہی۔ غرض سرزمین لکھنؤ کے ایک شریف خانواد

کا ایسا روشن چندرمان تھی، جس سے خلق و تواضع کی بے گنتی کرنیں پڑی جگمگاتی ہوں! ایسی نیک بخت خاتون تھی، جو تمکنت اور حوصلہ میں ملکہ نور جہاں، سوز و گداز میں شہزادی زیب النساء، عفت و عصمت میں مقدس سیتا، اور شعر و موسیقی میں خوش صفات رو پا متی ہو! ایسی حور، جو نور ایزدی کے سانچے میں ڈھلی ہوا!۔

موت ہائے تفرقہ انداز موت!! آہ! ایسے نایاب وجود کو تو نے میٹ دیا، ہم سے چھین کر قبر کی تاریکی میں چھپا دیا، جسکی محبت عالی شان کی تھی اور جس سے حضرت رابعہ بصریؒ کی با برکت یاد تازہ ہو جاتی تھی نہیں! میں نے غلط کہا، موت نے اُسے صرف ہماری آنکھوں سے اوجھل ضرور کر دیا ہے مگر وہ قبر کی تاریکی میں ہرگز مقید نہیں، بلکہ آغوش الٰہی میں ہے۔ میری گزر جانے والی بہن! اس دکھیاری دھرتی سے آپ خود تو روٹھکر رخصت ہو گئیں، مگر یہ بھی سوچا، ہم پسماندگان کے دلوں پر کیا گزر جائے گی میری آواز پہنچ سکتی ہے تو لو سن لو، اپنے ماتمیوں کو سوگ کا ایسا ناسور لگا گئی ہو جو اب عمر عمر لو بھر چکا! تمہیں بلانا ہی تھا تو لٹیرے کاش! قدرت یہ انتظام بھی ہو جاتا کہ ہمیشہ کو رخصت کرتے لئے تمہیں میں ہی دلہن بناتی! چشم جو نچکاں جوڑا رنگین، کپکپاتے ہاتھ آخری مرتبہ تمہارے پر ارمان آنکھیں بند کرتے، تمہیں گلے لگاتے اور دلہن کی طرح منا سنوار کر ہمیشہ کو رخصت کر دیتے اسطرح دل پر جو بنتی، بنتی مگر تم سے ملکر دل اتنا بے چین تو نہ رہتا! خیر! خدا حافظ! پیاری بہن! فرشتوں کو پرواز آلمی! تجھے چین کی لوری سنائیے!!۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَلِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الْأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ اِنَّكَ قَرِيْبٌ مُجِيْبُ الدَّعَوَاتِ۔

آمین ثم آمین

آسمانی سینما

جرمنی کے ماہرین سائینس نے اندھیری راتوں میں ابر سے کام لینے کے متعلق کامیاب تجربے کئے ہیں۔ اب انہیں سوجھ رہی ہے کہ ابر سے اندھیری راتوں میں کام لیا جائے جس طرح کے سینما میں چادر سے کام لیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ابر پر بھی برقی فانوس کی شعاعیں ڈالکر ان پر تصاویر متحرک بتلائی جائیں جس طرح کے سینما میں پردہ پر ظاہر کی جاتی ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب کہ اندھیری راتوں میں ابر پر نورانی اعلان و اشتہارات بھی نمایاں کئے جانے لگیں۔ (کل مشتری)

م۔ص

بقیہ چارمینار کی گپ

ملاحظہ ہو صفحہ (۱۷)

سنگار عورتوں ہی کو زیبا ہے اور پھر ان عورتوں کو جو ہوائی دیدہ ہوں یا بازار کی بیٹھنے والی ہوں ہم نے تو شریف گھرانے کی بہو بیٹیوں کو کبھی بنتے سنورتے نہیں دیکھا!

یہ باتیں سنکر ہم آگ ہی تو ہو گئے مگر کرتے کیاع

بر سر داماد آدم ہر چہ آید بگذرد، کہکر کنگا رکھ چھوڑا اور برش پھینک دیا تو ال کندھے پر ڈال کر دسترخوان پر آبیٹھے۔ بھوک تو خاک نہ تھی مگر تھوڑا بہت زہر مار کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میز پر "مرزائی کوک شاشتر" یعنی "بہشتی جھومر" رکھی ہوئی تھی اسی کو دیکھنے لگے مرزا صاحب پر بہت غصہ آیا کہ انہوں نے کتاب بعد از وقت لکھی کاش یہ کتاب ہماری نیک بخت کے بچپن میں لکھی جاتی اور وہ بچپن ہی میں اسے پڑھتیں، کچھ نہ کچھ اثر تو ہوتا اور ہمکو ذرا اطمینان تو حاصل ہوتا۔ مگر بد قسمتی سے مرزا جی نے لکھی بھی تو کب جبکہ خیر سے وہ دو بچوں کی ماں ہو چکی تھیں، اور ہمیں دی بھی تو کب جبکہ "وہ" لڑنے میں طاق" بگڑنے میں شہرہ آفاق، جھگڑنے میں مشاق ہو چکی تھیں، اس وقت یہ کتاب کیا فائدہ پہونچاتی وہ تو کہا ہے نا! چوب تر را چناں کہ خواہی پیچ،

"وہ" کہا مکیں تو چائے بنائیں مگر اتنی توفیق نہ ہوی کہ پیالی ہماری طرف بڑھا دیتیں کالی کلوٹی بجا ورنے پیالی ہمارے سامنے رکھ دی اور ہم نے پہلا گھونٹ پیا، چائے اچھی تھی مگر اپنی تین صفتوں یعنی لب بند، لب ریز، لب سوز، میں سے صرف دو پہلی صفت سے بہری ہوی تھی، شکر تو نام کو نہ تھی اور اسقدر سرد تھی کہ آگے چل کر شربت بادام کا گمان ہونے لگا تھا مگر کرتے کیا، شکر مانگنا دوسرے معنی میں اپنوں پر اپنا اعلان کرنا تھا اور ٹھنڈی ہونے کی شکایت کرنا گویا شامت بلانی تھی، بھلا اب کس کی ہمت تھی جو انکی ذیب تقریر سنتا ہم نے "بہ از شیر مادر" سمجھکر اسی پانی کو ختم کیا، اور سگرٹ جلالیا، بد نصیبی سے پان بھی نہیں نصیب ہوا، مانگنا ہماری وضعداری کے خلاف تھا کرسی کے نیچے لونگ پڑا ہوا نظر آیا ہم نے اسکے قریب سگرٹ گرا دیا اور پھر جھک کر سگرٹ کے ساتھ لونگ بھی اوٹھالیا اور لگے چبانے۔

"وہ" جاکر اپنی والدہ کے پاس بیٹھی رہیں ختم افطار کی توپ دغی، کلیاں، غرارے، شروع ہوے دیر تک وہ متبرک آواز آتی رہی۔ اول کلمہ طیب کی گونج سنائی دیتی پھر ہم سگرٹ پر سگرٹ جلاتے رہے واقعی سپورٹس مین ہو تو بھی اچھا سگرٹ ہے۔

صبح کے چھ بجے وہ کمرے میں آئیں تو ہم نے سگرٹ پھینک دیا اور لگے "تذکرہ اولیاء دکن" دیکھنے انہوں نے تیکھی چتون سے ہماری طرف دیکھا اور جاکر پائی پر دراز ہو گئیں، دو منٹ کے انتظار کے بعد ہم نے سگریٹ جلالیا اور لگے نظام گزٹ کیلئے گپ لکھنے ابھی ایک صفحہ نہ ہوا تھا کہ پردہ ہٹا اور وہ برآمد ہوئیں ہم نے لاکھ چاہا کے سگرٹ چھپالیں مگر ممکن نہوا، دھوئیں نے بھانڈا پھوڑ دیا اب کیا تھا اُف ..... اچھا آپ میں یہ عادت بھی ہے، شرم نہیں آتی ہمارے ساتھ سحری ہوتی ہے، ہمارے ساتھ افطار اور پھر آپ الگ، الگ سگرٹ بھی اڑاتے ہیں، میں سحر کر کے سو جاتی ہوں تو آپ سگریٹ پیا کرتے ہیں اسی لئے تو دن بھر آپ گھر پر نہیں رہتے اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ دنیا میں ہیں اللہ میاں کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور ہم کو بھی تف ہے ہماری زندگی پر لعنت ہے ایسی .... ہم سمجھ رہے تھے کہ پانچ بجنے بج رہا ہے اور بالا گھاٹ کی بے رنگ وگیاہ وادیوں سے گزر کر ماہ تیر کی چلچلاتی دھوپ میں ٹھیک پانچ بجے ہم ڈبل مارچ میں مصروف ہیں۔

جسوقت ہماری آنکھ کھلی تو دن کے ساڑھے تین بج چکے تھے، کمرہ کرۂ نار بنا ہوا تھا جسم پسینہ میں ڈوبا ہوا تھا، ہمارے برابر وحیدالزماں صاحبؒ دی فتاوی الثوم تھے، سارا گھر سنسان تھا کبھی کبھی کسی کوے کی بے ہنگام آواز البتہ سنائی دیتی تھی، گھڑیال کی ٹک ٹک سخت وحشت انگیز تھی ہم نے سگرٹ جلایا منہ دھوئے بغیر شیروانی پہن لی، رگ کا لم میں سے ٹھا کر جیب میں رکھا اور چلے دفتر نظام گزٹ کی طرف، وہ کہا ہے نا کسی نے گرگٹ کی دوڑ باڑ تک ع

سب سے زیادہ معمر عورتیں

کہتے ہیں کہ سوئٹزرلینڈ کی ایک عورت باربرا کولہوب کی عمر جبر و ترپیچ کے محتاج خانہ میں رہتی۔ اس وقت ایک سو پانچ سال کی ہے اسی طرح جرمنی میں ایک عورت اس سے بھی زیادہ عمر والی ہے جس کا نام یوہانا بیکر ہے یہ جرمنی کے شہر امبس میں رہتی ہے اس وقت اس کی عمر ایک سو چھ سال کی ہے۔ آجکل آستانہ میں ایک عورت فاطمہ نامی ہے جس کی عمر ایک سو چونسٹھ سال کی بیان کی جاتی ہے۔ یہ دنیا میں سب سے زیادہ معمر عورت ہے باوجود اس کبر سنی کے اس کے قوی اچھی حالت میں ہیں۔ اس کا شوہر اور اس کے بیٹے اور داماد وغیرہ سب مر چکے ہیں۔ لیکن یہ تن تنہا دنیا میں زندگی کے دن کاٹ رہی ہے۔

اطال اللہ بقاءھا

چار مینار کی گپ

از

آوارہ

حضرت آزاد بھی عجیب بزرگ ہیں، چوں کہ ہم سے خلوص ہے اور ہماری مالی حالت سے واقف ہیں اس لئے اکثر ہمارے فائدے پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں۔ آج مکتبہ میں بیٹھ کر آپ نے بکمال متانت "معاوضہ مضامین" پر گفتگو شروع کی۔ دیر تک نصیحت فرماتے رہے کہ معاوضہ لیکر مضامین لکھو، ہم اسکے خلاف ہیں نہ تو ہم اردو پریس کی حالت اتنی اچھی پاتے ہیں کہ وہ معاوضہ دے سکے اور نہ ہم "بہ ایں مفلسی" اس قدر گئے گذرے ہیں کہ معاوضہ لیں۔ بہرحال دیر تک مباحثہ ہوتا رہا، لوگ مدلل اور غیر مدلل تقریر پر غور نہیں کرتے گرج دار آواز، تیز و تند لب و لہجہ، اور بھاری بھر کم الفاظ سے بہت مرعوب ہو جاتے ہیں اسی طرح ہماری مدلل مگر ضعیف، ناتواں، منحنی، تقریر پر کسی نے کان ہی نہیں دیا، خدا رکھے جناب آزاد ہیں بھاری بھرکم مردِ مشین، القریہ حود، مخواہ پہلے آدمی، آواز گرج دار، لہجہ تیز و تند، توند کا پھیلاؤ باتوں کا بہاؤ موچھوں کا رعب، یہ سب چیزیں انکے ساتھ تھیں، عبدالرحمن صاحب بھی انہیں کی گانے لگے اور بتصدق حسین بھی ساتھ ہو گئے بیچارے عبدالحق صاحب کبھی کبھی ہماری کمزور، ناتواں، ضعیف، زار و نزار کرائے سے اتفاق کر لیتے مگر دل سے نہیں صرف آزاد صاحب کو ستانے! دو گھنٹے یہی دردسری رہی، معلوم نہیں اپنے مقصد میں کون کامیاب رہا مگر ہم گھر پہونچکر اس خیال میں محو ہو گئے کہ میدان ہم نے مار لیا اور حضرت آزاد بھی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے جیتا وہ تو کہا ہے نا کہ، ہر کس بخیال خویش خبطے دارد،

فطرت نگار مہاشے سدرشن بڑے گپی ہیں انکی گپیں (افسانے) بہت مقبول ہیں، ہم آتے آتے ایک جلد لیتے آئے تھے، کھانا کھا کر لگے مطالعہ کرنے سدرشن جی نے خوب افسانے لکھے ہیں "بہارستان اور چندن" دونوں کو ہم نے دیکھا نو بجے سے دو بجے تک کرسی پر پڑے دیکھا کئے جب دونوں کتابیں ختم ہوئیں تو ہم نے ان پر تنقید شروع کی "محبوبہ فسرخون" بڑی عمدہ گپ تھی۔ ہم اسکی تعریف میں اس قدر رطب اللسان ہوئے کہ تین بج گئے ساڑھے تین بجے رات کو الارم بجا ہماری نیک بخت برابر کے کمرے میں سو رہی تھیں شاید بیدار ہوئیں تو ہمیں بہ ہوش پایا بس پھر کیا تھا برس پڑیں آگ لگے ان کتابوں کو اور خدا کی سنوار اس مطالعہ پر ساڑھے تین بج گئے مگر آپ ابھی مطالعہ فرما رہے ہیں، افیونی کی افیوں چھوٹ جائے، حافظ کی نماز قضا ہو مگر آپ کے ہاتھ کتاب نہ چھوٹے گی ایسے کتابوں کے رسیا دیکھنے میں نہیں آئے آدمی کیا جھینگر ہیں کہ دن بھر کتابیں چاٹا کرتے ہیں"!

ہم نے سگرٹ جلا لیا اور دونوں ہاتھ لینے لگے مینر پر طبلہ بجانے مگر اندر ہی اندر خون جلتا رہا ہزاروں صلواتیں اڑیں، سینکڑوں پھبتیاں کسی گئیں۔ مگر ہم ٹس سے مس نہ ہوئے، آپ لوگ شاید ہمکو صرف "ایشیاٹک سوسائٹی" اور "جامعہ معارف" ہی کا ممبر تصور کرتے ہیں، اجی حضرت! اس کے علاوہ بھی ہم کو ایک اور اعزاز حاصل ہے وہ یہ کہ ہم "ناموں زاد ایسوسی ایشن" کے ممبر یعنے "ناموں زاد بہن کے شوہر ہیں" اور وہ بھی "نان ریسی ڈنٹ" یعنے اپنے گھر پر بیوی کو رکھنے والے نہیں، "ریسی ڈنٹ ممبر" یعنے "خانہ داماد" ہیں، اس اعزاز کے ہاتھوں ہم آئے دن پریشان رہتے ہیں۔ ہماری عزت سسرال میں اسی قدر ہے جس قدر سائمن کمیشن والوں کی ہندوستان میں! آپ سمجھ گئے نا؟

"وہ" صلواتیں سنا کر چلی گئیں، ماماؤں کو بیدار کیا، چھوکریوں کو جگایا، اور لگیں بیچ صحن میں کھڑی ہو کر چیخنے، چلانے، ممانی نے انگڑائی لی، ماموں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھے، بچے بوڑھے سب ہی جاگ پڑے، کھانسنے کھنکارنے کی سریلی آوازیں ہماری سامعہ نوازی کرنے لگیں، ہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ جا کر چارپائی پر لد گئے اور رضائی اوڑھ لی، روزے کی فلاسفی، تراویح کی رکعت نماز کی ضرورت کو سوچتے ہوئے سو گئے، خبر نہیں کتنی دیر سوتے رہے دیکھتے کیا ہیں کہ "وہ" نہایت ہی پیار سے گلے میں باہیں ڈال کر کہہ رہی ہیں "دیکھو تم روزہ نہ رکھو" مگر اسی وقت ہماری ران میں درد ہونے لگا۔ آنکھیں کھلیں تو "وہ" کھڑی نظر آئیں اور اپنی دل گداز آواز میں سحری کی دعوت دے رہی تھیں یا اللہ کتنا اچھا خواب تھا، واقعہ تو یہ ہے کہ وہ خواب ہی میں اچھی طرح ملتی ہیں۔ نہ ظاہر داری کو کیا کہوں بقول حسن بن صباح کے ہر ظاہر کا ایک باطن ہے، ہماری اس ظاہر داری کا باطن وہ خواب ہیں جو رات بھر ہمیں نظر آتے ہیں جن میں ہماری نیک بخت بڑی خیر خواہ نظر آتی ہیں، اور نہایت ہی محبت سے ملتی ہیں، ورنہ ظاہر میں تو سیدھے منہ بات تک نہیں کرتیں، ہم اٹھ بیٹھے جلد جلد منہ دھویا سمجھا ورنے دسترخوان بچھا دیا، ابھی ہم بال ٹھیک کر رہے تھے کہ نیک بخت نے دسترخوان پر دھاوا بول دیا، اور لگیں چیخنے ابھی کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا سحر کر لو، پھر دن بھر سنو لیتا، اب آپ کون سے سدی عنبر بنا زار کو جا رہے ہیں جو اس قدر بناؤ چناؤ ہو رہا ہے، بیچاری عورتیں بناؤ سنگار کے لئے بدنام ہیں مگر مردوں کو کوئی کہتا نہیں۔

داڑھی ہی بنانے میں دو گھنٹے لگا دیں گے آدھے گھنٹے تک موچھیں برابر کریں گے، پھر کریم ملنے کو ایک گھنٹہ لینگے، پوڈر کو پندرہ منٹ ضرور لگیں گے منہ دھونے بیٹھیں تو پھر سے ایک گھنٹہ صرف کرینگے اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو بال پونچھ رہے ہیں اس سے فارغ ہوئے تو لگے بال سنوارنے اللہ اللہ بالوں کی خاطر تو گھنٹوں تک زحمت اٹھائیں گے ہم لوگوں کی مانگ سیدھی ہونے تک ہماری کھچڑی چوٹی تیار ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی ہم بدنام ہیں چھوڑو بھی بناؤ

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۹۶) کالم (۲)

شعر و سخن

غزل

نواب ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر ام - بی، سی ایچ - بی (اڈنبرا)

تو اے صبا کسی سے شوخی جو کر رہی ہے
رہ رہ کے زلف پُر خم منہ پر بکھر رہی ہے

اچھی نہیں ہے ظالم سرگوشیون کی عادت
اے زلف تو کسی کے کیون کان بھر رہی ہے

دل سے زیادہ مجھکو ایمان کی پڑی ہے
کافر تری محبت گھر دل میں کر رہی ہے

اے چارہ گر تو پہلے تشخیص کر مرض کی
کیا علم تجھکو جو کچھ مجھ پہ گذر رہی ہے

کہتا نہ تھا میں تجھ سے اچھی نہیں ہے شوخی
تیری نگاہ تجھکو بد نام کر رہی ہے

کیا حسرت جوانی کب تک یہ ساتھ دیگی
کیا آرزوئے دولت یہ کس کے گھر رہی ہے

جو کچھ نصیب میں ہے وہ مل رہا ہے مجھ کو
فضل خدا سے طالب اچھی گذر رہی ہے

غزل

از حکیم میر نادر علیصاحب رعد

بسمل تڑپ رہا ہے پہ وقت جانکنی ہے
قربان اس ادا کے قاتل کی دلگی ہے

امید وصل بھی ہے اب یاس کے مقابل
اقرار میں تامل انکار میں ہنسی ہے

ہر کام وقت پر ہے ہر وقت کام کا ہے
بعد بہار توبہ، یہ وقت مے کشی ہے

ارمان عیش و عشرت امید مال و دولت
جو کچھ ہو مختصر ہو دو دن کی زندگی ہے

اظہار حال فرقت مشکل نہیں ہے لیکن
کچھ ان کا ہے تغافل کچھ میری بیخودی ہے

دارین کی نہیں ہے اے رعد فکر مجھ کو
مشکل ہو لاکھ لیکن مشکل کشا علی ہے

مراسلات

دار العلوم دیوبند

دار العلوم دیوبند کے قضیہ کے متعلق ہمیں دیوبند سے
محمد انور صاحب، عزیز الرحمن صاحب، اور شبیر احمد صاحب
عثمانی کی ایک تحریر وصول ہوئی ہے جس میں موصوفین نے
طرز عمل اور مولوی حسین احمد صاحب کے طریق کار پر
سوء ظنی ظاہر کی ہے۔ موجودہ تحریر میں تقریباً وہی دلائل اور
بیانات استعمال کی گئی ہیں جو اب سے موصوفین مختلف اخباروں
میں استعمال کر چکے ہیں۔ موجودہ تحریر جانب داری کا پہلو لئے
ہوئے ہے تاہم ہم اس سے پہلے بھی دار العلوم کے انتظام کے
متعلق یہ لکھ چکے ہیں کہ مہتممین کو اب زیادہ مستعد اور زیادہ
نفع رسان بن جانا چاہئے۔ ہمیں امید ہے کہ قوم کے اکابر اس
طرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے۔ اور اس قدیم قومی درسگاہ
کو تباہی اور بربادی سے بچا لیں گے۔"

بعض ذمہ داران کارکنان دیوبند کا مکتوب

۲۹ فروری سنہ ۱۹۲۸ء کے انقلاب میں ہم نے جناب
مولانا حسین احمد صاحب کا بیان دار العلوم دیوبند کے متعلق پڑھا
اگر ہم کو ایسے نامور ہستی کی طرف سے صریحاً مخاطب نہ کیا
جاتا تو ہم اب بھی سکوت روا سمجھتے لیکن مولانا کی علانیہ دعوت
کے بعد ضروری ہوا کہ اپنے مسلک کے متعلق دو چار لفظ لکھ دئے
جائیں دار العلوم کے حالات ایک مدت سے محتاج اصلاح
ہیں جس کا اعتراف مولانا بارہا سر دعا کیا کر چکے ہیں اصلاحی
مزید بیں اہتمام کے جبر و استبداد اور مجلس شوریٰ کے عہد غفلت
اور تغافل سے جب اس قدر شدید اور قومی ہو گئیں کہ ان سے
اغماض جائز نہ تھا تو ہم نے اولاً ارباب اہتمام کو پھر مجلس شوریٰ
کو ایک متفقہ تحریر کے ذریعہ توجہ دلائی مجلس شوریٰ نے بجائے
اس کے اپنی کمزوریوں اور انتظامی مفاسد پر ٹھنڈے دل سے
غور کر کے طویل نیند سے بیدار ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اپنی
نوم طویل کی بارد توجیہات کرے اور پھر اہتمام کی مستبدانہ
قوتوں کو منضبط اور مطمئن کر کے اپنے لئے دوبارہ آرام سے
سو رہنے کا موقع نکالے اور ہماری متفقہ تحریک کی پوری تردید
اور پیش کردہ تجاویز کے پڑھنے سے ہمارے مقصد طریق کار
اور نیت کے متعلق کوئی ابہام یا احتمال باقی نہیں رہتا ہے
شکایات ہم کو پہلے تھیں اس سے زائد اب ہیں اور جس
اصلاح کے ہم پہلے خواہشمند تھے اب بھی اس کے متمنی ہیں اور
اگر مولانا جیسے مقتدر ہستیاں اپنے طرز عمل سے اصلاحی اسکیم
کو کامیاب بنائیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ خدا کے فضل سے
دار العلوم کا سارا انتظام باحسن وجوہ درست ہو جاتا مولانا
تو حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ کے جانشین ہیں لیکن ہم کو بھی
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کچھ تعلق عادیت ہے ہم اپنے
مشاہدہ کے بنا پر پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ
علیہ مالٹا سے واپس ہونے کے بعد خاص اصلاح دار العلوم کے مقصد
سے ایک جماعت کی ترتیب و تشکیل میں مشغول تھے اور اس کام
کو نہایت اہم سمجھتے تھے جو افسوس ہے ان کی بیماری و وفات
کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا واللہ علیٰ ما نقول وکیل
مولانا نے اپنے بیان میں انتظامی جماعت کے جن محاسن و ترقیات
کا حوالہ دیا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ ترقیات کس کی کھینچا
تانی اور کن کی مساعی جمیلہ کی رہین منت ہیں ہم ان کی تکذیب کرنا
نہیں چاہتے لیکن انہی ترقیات کی موجودگی میں دار العلوم کے
جسم و روح کو سالہا سال سے جو بیماریاں اندر ہی اندر گھن کی
طرح چاٹ رہی ہیں ان کی طرف آنکھ نہیں بند کر سکتے رہا ہمارا
طریقہ عمل تو دار العلوم کے اصلاح پر اس قدر حریص ہونے کے
باوجود بحمد اللہ ہم نے جوابی انتقامی طور پر بھی کوئی ایسی
کارروائی نہیں کی جس کو ہم شرمناک سمجھیں۔ یا جس کا نقصان
اس کے فائدہ سے زیادہ خاص کر جمعیۃ الاتحاد طلبہ دار العلوم
کی جماعت ہے جو انہوں نے اہتمام کے مظالم سے تنگ آ کر
قائم کی ہے ہم اس کے رکن نہیں ہیں اور نہ اس کے اہتمام کا
رد و کد کے ذمہ دار ہیں مگر افسوس ہے کہ ہماری اصلاحی تحریک
کو طلبہ کے انجمن کی طرف منسوب کر کے جس طرح پہلے سے غیر
مقبول بنایا جا رہا ہے۔ شاید اسی حربہ کو مولانا بھی استعمال
فرمانا چاہتے ہیں رہا اس کی تائید کرنا تو اس بارے میں خواہ
جمعیۃ الاتحاد ہو یا اہتمام دار العلوم یا کوئی اور نظام ہو سب کے
متعلق ہمارا دستور وہ ہے جو حضرت سیدنا عثمان ذی النورین
نے بتلایا ہے یعنی کا اذا احسن الناس فاحسن معہم واذا اساؤا
فاجتنب اساء تہم، ترجمہ جب لوگ بھلا کام کریں تم
ان کی بھلائی میں شریک ہو جاؤ اور جب برا کام کریں تو
ان کی برائی سے علیحدہ رہو ہم عنقریب اپنا ایک مفصل اور
آخری بیان اپنے روّیہ کے متعلق شائع کرنے والے ہیں امید ہے کہ
اس سے ہماری حیثیت دار العلوم کے معاملہ میں بالکل واضح
ہو جائے گی۔ آخر میں ہم کو افسوس کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دینا ہے کہ
مولانا نے اتنے عرصہ تک دیوبند میں قیام پذیر رہنے کے باوجود
کبھی ہم سے مشافہۃً سوال نہ کیا جو اب سلسلہ اسٹیٹمنٹ کر اخبارات
کے ذریعہ کر رہے ہیں اور نہ وہاں سے بذریعہ مراسلہ خصوصی ہمارا
مسلک دریافت کیا۔ اب اگر ہم بھی ان کے سوالات کا جواب
اخبارات اور جرائد میں شائع کرتے ہیں تو ہم کو معذور سمجھا جائے
خود اس طریق خطاب سے لاحق ہوگا اور اس کے ذمہ دار
ہم نہ ہوں گے۔

محمد انور عفی عنہ، عزیز الرحمن عفا اللہ، شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

قلمی کتبخانۂ عام روضۂ بزرگ و خورد گلبرگہ شریف

قائم شدہ سنہ ۱۳۴۲ھ

جو صاحب کتب خانہ جات متذکرہ کی قیمتی قلمی کتابوں کی
قدر و قیمت اور حالت پر تفصیلی مضمون اردو زبان میں تحریر
فرمائیں گے۔ انہیں فارسی مطبوعات شرکت کاویانی (جرمنی)
کے علمی کتب قیمتی پندرہ روپیہ انعام دئے جائیں گے مضمون
راقم کے پاس ۱۲ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۴۶ھ تک وصول ہو جانا
چاہئے مزید تفصیلات بالمشافہ یا بذریعہ مراسلت طے ہو سکتے
ہیں۔ طلبہ سے آئیوالے مضمون نگار کے لئے قبل از قبل اطلاع
دینے پر خاص سہولت بہم پہنچائی جائے گی۔

محمد عبد السلام
معتمد انجمن اصلاح مسلمانان گلبرگہ مخدوم پورہ گلبرگہ شریف

خط و کتابت میں نمبر خریداری کا
حوالہ ضرور دیجئے۔
منیجر

مطالبۂ استرداد برار

بمبئی ۲ راپریل ۔ حکومت برطانی سے بعض والیان ریاست نے ذہنی مساوات کا مسئلہ اٹھایا ہے اور اس اقتدار اعلیٰ کا مطالبہ کیا ہے جو لارڈ ریڈنگ سابق وائسرائے نے ہز اکزالٹیڈ ہائی نس دی نظام کے موسومہ خط میں دینے سے انکار کیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ سرکار حضور نظام نے پھر برار کی واپسی کا مطالبہ فرمایا ہے اسی طرح مہاراجہ گیکوار بڑودہ ، کاٹھیاوار کی واپسی کے طالب ہیں۔

بٹلر کمیٹی کا دورہ گوالیار

نئی دہلی ۲ راپریل ۔ بٹلر کمیٹی سہ شنبہ کو وائسرائے کے ایوان میں آئے گی ۔ اور وہ یہاں ایک روز قیام کریگی اس کے بعد پھر دورہ پر روانہ ہو جائے گی ۔ بٹلر کمیٹی نے گوالیار میں پر تکلف دعوتوں میں شرکت کی ۔ سر ہار کورٹ بٹلر نے اپنی تقریر میں (۱۹) سال قبل اپنے گوالیار کے دورہ کا ذکر کیا اور سابق مہاراجہ کی ہر دلعزیزی کی بہت تعریف کی پھر موجودہ حکمران کی تعریف کرتے ہوئے مجلس نیابت کو اپنے فرائض کی اچھی طرح پابندی کرنے کا وعدہ کیا ۔ اور کمسن مہاراجہ کو نیک اعمال کی توفیق کے لئے دعا کی۔

آلات مکبر الصوت اور نماز عید

بمبئی ۵ ہر مارچ ۔ آج اسپلینیڈ کے وسیع میدان میں ہزارہا مسلمان نماز عید کے لئے جمع ہوئے ہوئے تھے جن میں سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیر لوکل سلف گورنمنٹ بھی شامل تھے ۔ اس موقعہ پر آلات مکبر الصوت (یعنی آواز کو بلند کرنے والے آلات) لگائے گئے تھے ۔ اس پر بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا حکیم آصفی نے جو امام کے فرائض ادا کر رہے تھے دریافت کیا ۔ اسلام میں آلات مکبر الصوت کی اجازت ہے ؟

حکیم صاحب نے جواب دیا ہاں ! اس کی اجازت ہے کیونکہ یہ موسیقی کا جزو نہیں ہے ۔

بمبئی کے تاجروں کا بنک بند ہوگیا

ملک میں اس خبر سے بے چینی پھیل گئی کہ بمبئی کے تاجروں کا بنک ہائی کورٹ کے حکم سے بند کر دیا گیا ۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسٹر مرزجی اور بھولے شرکاء بنک نے ہائی کورٹ میں درخواست پیش کی تھی ۔ جس میں انہوں نے سرکار کو اسکی مالی حالت کی طرف توجہ دلائی تھی۔

بنک حسب معمول صبح میں کھلا تھا اس کے شرکاء نے رقم کے چک پیش کی اور اجرائی کے لئے اجازت نامہ بھی دے گئے تھے مگر اس کے پہلے مسٹر موس آئے ۔ اور انہوں ہائی کورٹ کا حکم دکھایا اور اس بنک پر قبضہ کر لیا اس کے بعد بنک بند کر دیا گیا اور اس پر مہریں لگادی گئیں ۔

یہ بمبئی کے تاجروں کا بنک سنہ ۱۹۰۹ء ایک کے سرمایہ سے قائم ہوا تھا ۔ جس کے ایک لاکھ حصے تھے ہر حصے ۱۰۰ کا تھا ۔ جب اس نے کام شروع کیا اسوقت صرف ۲۰ فی صدی حصے خریدے گئے تھے اس بنک کے بانی مسٹر نوروزجی اور مسٹر نارائن تھے جن کے اعتماد پر بنک کے تمام حصے اس کا انتظام ابتدائی زمانہ اسقدر کامیاب رہا کہ جب سنہ ۱۹۱۳ء میں "انڈین اسپینک" اور کریڈٹ بنک ناکام رہے اس نے اپنے نام کو قائم رکھا اس کے بعد اس کے حصہ میں کمی کر دی گئی اور ہر حصہ ۔ ا روپیہ اور جملہ سرمایہ (۱۰) لاکھ رکھا گیا۔

ریاستوں کی تحقیقاتی کمیٹی اور نواب صاحب بھوپال

بھوپال کی مجلس مقننہ کا افتتاح کرتے ہوئے نواب صاحب بھوپال نے ریاستوں کی تحقیقاتی کمیٹی کے متعلق فرمایا ۔ اس کمیٹی کا تقرر اس لئے ہوا ہے کہ اس امر کا تصفیہ ہو جائے کہ والیان ریاست کی اصلی حیثیت کیا ہے اور ان کے حقوق کیا کیا ہیں ۔ اس کے لئے ہم وائسرائے اور ہز ہند کے شکر گذار ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ کمیٹی کی تحقیقات سے وہ باتیں بھی ظاہر ہو جائیں گی جو اب تک نظر انداز رہی ہوں یا جنہیں بھلا دیا گیا ہو اور اس طریقہ پر ان کے اظہار کے باعث ان تمام حقوق کی تفصیل ظاہر ہو جائے جس سے دست برداری نہیں ہوتی ہے اور اس طرح پر ایک ایسی پالیسی کی بنیاد پڑ جائے جس کی بدولت والیان ریاست کو شاہ انگلستان کی ذات اور تخت سے مضبوط تعلقات قائم ہو جائیں ۔ آپ لوگ بھی اس سے واقف ہوں گے کہ کمیٹی محض سیاسی معاملات تک محدود نہیں بلکہ برطانی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے مالی و اقتصادی تعلقات سے بھی سروکار رکھے گی ۔ سیاسی معاملات میں تو کمیٹی یہ رپورٹ دیگی کہ یہ معاہدات ماضی نامون اسناد ، رسم و رواج رعایت اور دوسرے اسباب کی بنا پر جو فرائض اور ذمہ داریاں ہیں ان کے لحاظ سے ریاستوں میں کسی قسم کے تعلقات قائم ہوں گے اور کمیٹی مناسب سفارشات اس کے متعلق کریگی ۔ رہے اقتصادی اور مالی تعلقات اس کے متعلق حضرات میں آپ کو توجہ دلاؤنگا کہ اب تک یہ صورت ہے کہ عرصہ سے برطانوی ہند کو ہندوستانی ریاستوں پر تفوق ، حاصل ہے اور یہ ریاستیں نادانی سے اس مالیہ میں اپنی آمدنی کا بہت سی ادا کرتی ہیں جس سے صرف برطانوی ہند کا فائدہ ہے اور جس کی ادائیگی سے ریاستوں یا ریاستوں کی رعایا کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ۔ حالانکہ انہیں اس کا فائدہ پہنچنا چاہئے تھا ۔ میری مراد بحری محاصل ، کرنسی ، نمک ، ڈاک و تار ، افیون اور آبکاری سے ہے ۔ علاوہ برایں اس کے باعث عام ملکی اور اقتصادی معاملات میں بھی طرح طرح کی دشواریاں اور خرابیاں لاحق ہوتی ہیں ۔

بقیہ صفحہ (۱۶) کالم (۳)

اشتمالی رکن نے اشتراکی رکن پر اعتراضات کئے تھے تو اجلاس میں اور زیادہ جوش و خروش پیدا ہو گیا اس کے بعد جس وقت اشتمالی نمائندہ ، اشتراکی نمائندہ کے اعتراضات کا جواب دے رہا تھا تو اشتمالی اراکین نے بنچوں کو گرانا شروع کر دیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشتراکی اور اشتمالی ارکان میں تو تو میں میں ہونے لگی اور ہاتھا پائی کی نوبت آگئی ۔ اس پر نائب صدر پارلیمنٹ نے اشتراکی رکن کو ایک ہفتہ کی رکنیت سے علحدہ کرنے کا اعلان کیا ۔ مگر اس نے بھی اجلاس سے باہر جانے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نائب صدر کو ۲۴ مارچ تک اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔

مقامی خبریں

—— ۲۵ اردی بہشت ۱۳۳۷ف کو نواب لطف الدولہ بہادر کی طرف سے بارہ دری میں ایک پرتکلف ڈنر ترتیب دیا گیا تھا۔ جس میں سرولیم بارٹن ۔ رزیڈنٹ حیدرآباد ۔ مسٹر لنگ ۔ مس گاف ۔ مس گارڈنر ۔ کرنل پالہ میجر رینالڈ وغیرہ شریک تھے۔

—— نواب آغا یار جنگ بہادر شریک معتمد مالگزاری مسٹر ڈی ۔ جے ۔ لنگر کی جگہ معتمد مالگزاری اور صدر ناظم مال مقرر ہوئے۔

—— مورخہ ۲۷ اردی بہشت ۱۳۳۷ف کو کچہری میں سررشتہ فینانس کے ملازمین نے معتمد صاحب فینانس کے ہمراہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس کے اجلاس پر حاضر ہوکر ان کی توسیع کی مبارکباد دی نواب حاجی فخر یار جنگ بہادر معتمد فینانس نے مختصر سی تقریر کے بعد دفتر کی اور اپنی جانب سے پھولوں کے ہار نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس کو پہنائے۔ نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے شکریہ ادا کیا معتمد صاحب فینانس نے اس خوشی میں دفتر کو ایک روز کی تعطیل دی

واگزاشت اسٹیٹ ہائے زیر نگرانی کورٹ

حسب فرمان خسروی حسب ذیل اسٹیٹ ہائے زیر نگرانی کورٹ آف وارڈز واگزاشت کئے گئے۔

راجہ رائے رایان، سید حسین علی خاں صاحب ترکش راؤ صاحب ڈسیکرہ، رونق علی مرزا صاحب، سردار جنگ مرحوم ابراہیم علی خاں صاحب، محمد علی خاں صاحب، جمال علی خاں صاحب شہامت جنگ مرحوم، راجہ صاحب گدوال، صارم جنگ مرحوم شاہ زور جنگ مرحوم، نواب عظمت جنگ بہادر، فیاض علی خاں مرحوم، نعمان الدولہ مرحوم، قادر الدولہ مرحوم۔

—— اسٹیٹ گدوال کی نظامت پر بادالی کنیو ٹیشن مولوی عزیز حسن صاحب مددگار معتمدی مال شاغل آبکاری کے خدمات پیش گاہ سرکار سے منتقل کئے گئے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی خدمت کا جائزہ بھی دیدیا اور گدوال روانہ ہوگئے۔

—— خان بہادر علاء الدین صاحب نے سکندرآباد میں ایک جدید برف کا کارخانہ قائم کیا ہے اور وہ ایک روپیہ کو پچاس پونڈ برف فروخت کر رہے ہیں۔

مچھلی بندر کی واپسی کا مطالبہ

انڈین ڈیلی میل کا نامہ نگار خبر رسان ہے کہ حکومت سرکار حضور نظام اور حکومت ہند میں بندرگاہ مچھلی بندر کی واپسی کے لئے جو کئی صدیوں سرکار عالی کی بندرگاہ رہی ہے۔ گفت و شنید ہو رہی ہے۔ گرم افواہ ہے کہ کرنل شیو بخش ٹرنچ صدر المہام مالگزاری اس معاملہ میں ذاتی دلچسپی لے رہے ہیں اور مقامی حکام کو اس مراسلت کے کامیاب ہونے کی بڑی توقع ہے۔

واگزاشت گدوال اسٹیٹ

بارگاہ خسروی سے واگزاشت گدوال اسٹیٹ کے متعلق فرمان مبارک مورخہ ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۴۶ھ شرف صدور لایا ہے کہ "تمام واقعات اور آثار پر غور کرنے کے بعد مجھے کونسل کی رائے سے اتفاق ہے جیسے متوفی راجہ کی بیوہ رانی آدی لکشمی دیوما کو انکا وارث و جانشین تسلیم کرکے سمستان کورٹ کی نگرانی سے خارج کیا جائے اور سمستان بیوہ کے تفویض بشروط ذیل کیا جائے۔

(۱) وہ حسب انتخاب سرکار سمستان کے انتظام کے لئے ایک تجربہ کار دیانت دار عہدہ دار جس کا درجہ اول تعلقدار کے مساوی ہوگا) کے خدمات حاصل کرکے اسکے ذریعہ سے انتظام کریں۔ (۲) انتظامات سمستان پر صیغہ مالگزاری کی نگرانی اس حد تک قائم رکھی جائے کہ سمستان کا سالانہ موازنہ مالگزاری سے منظور ہوا کرے اور موازنہ منظورہ کے ایک مد کی رقم دوسرے مد میں صرف کرنے کے لئے سمستان کو محکمہ مالگزاری سے اجازت حاصل کرنا ہوگا اسکے علاوہ محکمہ مالگزاری مجاز ہوگا کہ حسب ضرورت و صوابدید حسابات کی تنقیح ہوا کرے۔ تاوقتیکہ سمستان قرضہ سے صاف ہوجائے البتہ پانچ سال کے عملی تجربہ کے بعد محکمہ مالگزاری کی نگرانی کم کرنے کے متعلق غور ہوسکیگا۔ (۳) بیوہ رانی پر لازم ہوگا کہ سمستان کی پختہ پیمائش و بندوبست علاقہ دیوانی کے سررشتہ بندوبست سے کرائی جائے۔ (۴) آئندہ جب کبھی وہ اس قدیم خاندان کے بقا کی خاطر متبنیٰ لینا چاہیں تو ان کو مفید ہوگا بمقابلہ دوسروں کے وہ اپنی دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو اولاد ذرینہ میں سے بالترجیح انتخاب کریں بشرطیکہ وہ اولاد منتخب ہونے کے قابل ہو ورنہ یہ ناممکن ہوگی صورت میں ان کو اپنے خاندان میں سے

سلسلہ ملاحظہ ہو کالم (۳)

بچوں کی حفاظت کی تدبیر

"انڈین ریڈ کراس سوسائٹی" حیدرآباد دکن میں اور سینٹ جانس ایمبولینس ایسوسی ایشن حیدرآباد کا سالانہ جلسہ بمقام رزیڈنسی منعقد ہوا جس کے صدر نشین ولیم بارٹن تھے۔ دوران تقریر میں سر ولیم بارٹن نے کہا کہ کرنل انڈرسن آئی۔ ایم۔ ایس اور مسٹر اے۔ سی۔ برڈی کی رپورٹ عام طور سے پڑھی جا چکی انہوں نے اس رپورٹ پر تنقید کرنے کے لئے نہیں کہا بلکہ اس میں چند اہم باتوں کا انتخاب کرنے کے لئے اس میں سب سے اہم کام جس کا تعلق عوام کی دلچسپی سے ہے وہ بچوں کا تھا۔ بچوں کی صحت کے لحاظ سے سکندرآباد و بلارم اور رزیڈنسی میں دودھ کا خاص طور پر انتظام کیا گیا تھا جو تجربہ سے نہایت کامیاب ثابت ہوا اس سے تقریباً (۲۰۰) بچے بیماری کا شکار نہیں ہوئے اور انکی صحت اچھی رہی۔

سر ولیم بارٹن نے کہا "ریڈ کراس" کے کام کی عوام نے کافی امداد نہیں کی اگرچہ اس حلقہ میں بہت سے مالدار لوگ ہیں۔ بچوں کی حفاظت کے لئے انہوں نے درخواست کی کہ اس کام میں اور امداد کی ضرورت ہے اس کے علاوہ صحت کے متعلق اچھی تقریریں ہوئیں۔

بقیہ کالم (۲)

کسی کو متبنیٰ لینا ہوگا جس کی منظوری بروقت گورنمنٹ سے حاصل کرنی ہوگی۔

بہ تعمیل فرمان بروئے دفعہ (۵۷) قانون کورٹ آف وارڈز سرکار عالی سمستان گدوال کورٹ آف وارڈز کے اہتمام یا نگرانی سے بتاریخ ۴ شوال المکرم ۱۳۴۶ھ م ۳۱ اردی بہشت ۱۳۳۷ف روز چہارشنبہ بعد ظہر علحدہ ہوجائیگا۔ لہذا تاریخ مذکور بالا یا اس کے بعد سے کورٹ کے اختیارات دربارہ نگرانی سمستان باقی رہیں گے۔

—— ۲۹ اردی بہشت ۱۳۳۷ف کو نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام و نواب مرزا یار جنگ بہادر میر مجلس عدالت العالیہ نے عدالت دیوانی بلدہ کے تمام اجلاسوں کا معائنہ فرمایا اور ایک مقدمہ کی سماعت کی۔

بیرونی خبریں

شاہ امان اللہ خاں اور سیاحت ترکی

۴ اپریل ۱۹۲۸ء کو شاہ امان اللہ خاں کی سیاحت انگلستان ختم ہو جائیگی۔ اس کے بعد پیرس کو واپس جائیں گے اور وہاں سے ترکی، روس اور ایران کی سیاحت کا دستور العمل مرتب کرینگے۔

معلوم ہوا ہے کہ حکومت ترکی نے شاہ امان اللہ خاں کے استقبال کی تیاریوں کے لئے ساٹھ ہزار پونڈ کا سامان آرائش کے لئے خریدا ہے اور اعلیٰ پیمانہ پر ترکی بھی آپکے خیر مقدم کی مشتاق ہے۔

برطانیہ اور مصر
سنہ ۱۹۲۲ء کا اعلان

لندن ۱۳ مارچ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مصری حکومت نے آخری برطانی نوٹ کا جواب، انگریزی اور مصری معاہدہ سے انکار کے بعد دیدیا ہے۔ انہوں نے برطانی اندرونی مداخلت کی مصری اور برطانی دوستانہ تعلقات کے منافی قرار دیا ہے مصری حکومت نے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ بیرونی ممالک کے لوگوں کی کافی حفاظت کی جائے گی مگر سنہ ۱۹۲۲ء کا اعلان جس میں غیر ممالک کے لوگوں کی حفاظت کے لئے مصر میں فوج رکھی جائے گی اس کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

اس صلح نامہ کی انکار کی وجہ برطانی حکومت اب سنہ ۱۹۲۲ء کے اعلان کی ذمہ داریوں اور ممالک غیر کے باشندوں کی حفاظت کے متعلق غور کر رہی ہے۔

والیان ریاست کا سفر انگلستان

لندن ۲ اپریل۔ سر الفریڈ ناکس کے جواب میں ارل ونٹرٹن نائب وزیر ہند نے کہا کہ بعض ہندوستانی والیان ریاست موسم گرما میں انگلستان کا غیر سرکاری طور پر دورہ کرین گے تاکہ وہاں اپنی ریاستوں کے متعلق تحقیقات ریاست ہائے ہند کے آگے شہادت پیش کرنے میں مشورہ حاصل کریں۔ اور والیان ریاست ان مسائل میں محکمۂ ہند یا شہنشاہی حکومت سے گفتگو نہیں کرین گے۔

سابق خلیفہ سلطان المجید ثانی کا پیام مسلمانوں کے نام

سابق سلطان المجید ثانی نے مسلمانان عالم کے نام عید رمضان کے موقع پر یہ پیام شایع کرایا ہے

حمد و ثنا کے بعد بارگاہ ایزدی میں نہایت عجز و انکساری سے دعا کرتا ہوں کہ اس عید سے ایسی زندگی کا آغاز ہو جس میں اس کے مسلم بندے ہر جگہ خوش و خرم رہیں اور حوادث زمانہ سے انہیں نجات ملے

میں تمام مسلمانان عالم کو آگاہ کرتا ہوں کہ بالشویک مبلغین اپنی فتنہ انگیز خیالات کی اشاعت سے تمام دنیا کو ایک بڑے خطرے میں مبتلا کر رہے ہیں ان کا موجودہ مقصد یہ ہے کہ دینی اعتقادات محو کریں اور لوگ الحاد و لا مذہبیت اختیار کریں کیونکہ دین و ایمان ہی ایک ایسی مستحکم دیوار ہے جو ان کے بلاوے کے راستے میں سد راہ ہے۔

بیدار ہو جاؤ اور اس فتنہ سے بچو اور مشرق و مغرب کی قوموں کو اس فتنہ کی بیخ کنی کرنے میں مدد دو۔

ان کے مکر کو دیکھو کہ وہ اپنا اصول تو "جدت عظمت اور ترقی" قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارا دین جس کے فضائل سے ہر شخص واقف ہے اور جس کے انسان کو مفید کاموں کی ترغیب دیتے ہیں ہر شخص مقر ہے کیا ہمیں جدت عظمت اور ترقی سے روکتا ہے اور ہر قوم کی اچھی باتوں کو اختیار کرنے سے باز رکھتا ہے ہرگز نہیں۔ جس طرح اور قوموں نے ہم سے بہت سے باتیں سیکھیں، ہم بھی ان سے سیکھ سکتے ہیں در حقیقت بالشویک ان الفاظ سے اس وہم اور دھوکے میں ڈالکر اپنے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمیں برائیوں اور شرارتوں سے روکتا ہے اپنے خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اپنے خالق کی عبادت سے غافل نہ رہو اور اپنے قدیم دین کی پوری پوری پابندی کرو خدا سے دعا ہے کہ وہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے اور اپنی خوشنودی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے خدائے تعالیٰ دعاؤں کو تنہا قبول کرتا ہے۔

شاہ افغانستان کی ونڈسر میں تشریف آوری
لندن میں آخری مصروفیت

لندن ۲ اپریل۔ شاہ و ملکہ افغانستان لندن سے قصر ونڈسر گئے اور وہاں شاہ و ملکہ انگلستان سے ملاقات کی۔ قصر کے دروازہ پر شاہ و ملکہ نے آپکا استقبال کیا۔ آپ نے قصر کے مختلف عالیشان کمروں اصطبل کی سیر کی۔ اور اس کی آرائش کے سامان مثلاً "اسکول" "اسلحہ" تصاویر وغیرہ کو دیکھکر مسرت کا اظہار کیا۔ پھر شاہ جارج و ملکہ میری کے ساتھ خانگی حیثیت سے ناشتہ بھی تناول فرمایا اس کے بعد پیروں کا معائنہ کر کے واپس تشریف لائے۔

شاہ و ملکہ افغانستان نے شاہ و ملکہ انگلستان کو خدا حافظ کہا

رگبی ۲ اپریل۔ شاہ و ملکہ افغانستان نے قصر ونڈسر میں شاہ و ملکہ انگلستان کو خدا حافظ کہا۔ قصر ونڈسر سے واپس تشریف لانے کے پہلے شاہ امان اللہ خان نے شاہ ایڈورڈ آنجہانی کی مزار پر پھول چڑھائے۔

شاہ و ملکہ افغانستان روس و ایران تشریف لے جائیں گے

شاہ افغانستان پہلے پیرس جائیں گے اور وہاں سے اپنے وطن کو جاتے ہوئے روس و ایران تشریف لے جائیں گے۔

جرمن پارلیمنٹ میں ہاتھا پائی
اجلاس ملتوی کرنا پڑا

برلن ۲۹ مارچ۔ صیغہ عدلیہ کے اخراجات پر مباحثہ کے وقت ایشیا ٹک میں عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ایک فیسسٹ نمائندہ نے اپنی تقریر میں نامناسب الفاظ استعمال کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اشتراکی رکن نے جوش کے ساتھ اس پر احتجاج کیا اور جس وقت ایک

بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ (۱۴) کالم (۳)

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	چوبیس روپیہ
امراء و روسا سے سالانہ	پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	لے
ششماہی	ے ۸ر
سہ ماہی	عال
فی پرچہ	۲ر۶ہ

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمایئے

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایئے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمایئے

(۵) نظام گزٹ تقریباً ۱۶ صفحے کے حجم پر شایع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شایع ہونگی۔

منیجر

سید عبد القادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شائع کیا

رجسٹر سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

نظام گزٹ

عدد ۱۷
جلد

مدیرین
سید وقار احمد ایم - اے
محمد حبیب اللہ رشدی ایم - اے

مضمون خاص

ایام گذشتہ کی یاد
از تاثراتِ ترکی

(ڈاکٹر عبدالحق - بی - لٹ ، ڈی - فل - (اکسفوڈ)

قیمت فی پرچہ ۲ / ۱۲

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر بکسلر و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

قرآن شریف اس میں پانچ ترجمے ہیں۔ دو فارسی تین اردو اور برحاشیہ تفسیر مسمیٰ باحسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی سہ رعایتی عنہ سکہ عثمانیہ۔

قرآن شریف ترجمہ بامحاورہ اردو مولانا مولوی شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی برحاشیہ تفسیر موضح القرآن جلی قلم جس کا ہر پارہ علیحدہ علیحدہ ہو سکتا ہے صفحات (۸۴۰) ہدیہ بلا جلد ہر مجلد للعہ سکہ عثمانیہ۔

اردو اٹلس رنگین ملک سرکار عالی۔ جس میں ضلع واری نقشہ جات مع جغرافی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس۔ ...... قیمت عالی ...... رعایتی عہ

خلاصہ جغرافیہ عالم سوالات و جوابات میٹرکولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت عہ رعایتی عہ

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت ہر | مرتبہ مولوی سید شرف الدین
جدید تاریخ ہند برائے مڈل عثمانیہ میٹرک قیمت عہ | صاحب قادری بی اے
جدید جغرافیہ دنیا برائے 〃 〃 قیمت عہ | بی ٹی صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ

صنم خانۂ عشق یعنے دیوان امیر مینائی قیمت ...... عہ
رعایتی قیمت ...... عہ

مطبوعہ حسابات و فارمس ہر دفتر کے کار آمد عصو و صاسرشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ کے تیار ہیں جن کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے آرڈر پر موسومہ خادم طبع کرکے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے۔

فتاویٰ عثمانیہ سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلاء کیلئے معلومات کا گنجینہ ہے قیمت (اعہ)

تمدن ہند (ہند کی بہترین بالتصویر تاریخ) ڈاکٹر لی بان کی فرنچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ معہ اضافہ توضیحات و حواشی مفید جس کو مولانا مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم نے کیا ہے جو آج سے چند سال پہلے (صہ) روپیہ میں فروخت ہوتی رہی ہے اس میں (۱۴۹) تصاویر دیدہ زیب اور (۲) دلفریب نقشہ اور تختی کلاں ہے اب یہ قابل قدر اور لائق دید کتاب مجلد کی (صعہ) روپیہ قیمت کردیگئی ہے علاوہ محصول ٹپہ امید کہ ناظران کرام اس زریں موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

گلوب ۱۲ انچ قطر۔ یہ ایک مدور چوبی اسٹینڈ اور پیتل کے رنگ میں لگا ہوا ہے جسکے ذریعہ زمین کی حرکت روزانہ و سالانہ دونو سمجھائی جا سکتی ہے قیمت (سہ) روپیہ سکہ کلدار یا (صہ) روپیہ سکہ عثمانیہ

یادگار غالب حضرت استاد مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کی زندگی کے حالات انکی تمام نظم و نثر اردو و فارسی کا انتخاب جسکو عالیجناب شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے مرتب کیا ہے قیمت بجائے کلدار کے حالی

ڈائری ۔ کلاں چرمی اصلی قیمت ...... عہ ۲۰ ار رعایتی ...... عہ
〃 〃 〃 مجلد پارچہ 〃 〃 ...... عہ ۱۸ ار ...... ۱۴ ار
〃 〃 〃 خورد چرمی 〃 〃 ...... عہ ۱۳ ار ...... ۱۲ ار
〃 〃 〃 پارچہ 〃 〃 ...... عہ 〃 ...... ۱۰ ار

نوٹس آن اسلام بزبان انگریزی۔ اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات۔ عربی جس کی شرح انگریزی میں کی گئی ہے مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب جسکو عالیجناب مولانا احمد حسین صاحب کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سی۔ ایس۔ آئی نواب امین جنگ بہادر نے مختصراً نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے قیمت ...... عہ

گنجینۂ ہدایت اس کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم اور حضرت صلعم کی سوانح عمری بھی اس کے ساتھ ہے معمولی استعداد والے حضرات بھی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت رعایتی للعہ

ارمغان سلطانی المعروف سیر گلبرگہ شریف۔ تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک سچا فوٹو ہے جو تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں شہر گلبرگہ شریف کے موجودہ حالات درج ہیں دوسرے میں زبدۃ العارفین حضرت مخدوم شہباز بلند پرواز گیسو دراز سید محمد حسینی المشہور خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز نیز دیگر اولیاء کرام کی فیاض زندگی اور ان کی سوانح عمری جو مختلف مستند و معتبرہ کتب سے اخذ کرکے مسلسل طور پر لکھے گئے ہیں تیسرے حصہ میں سلاطین بہمنیہ کے مفصل حالات درج ہیں قیمت (عہ)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	للصہ	ما رسہ	ورعہ	سہ	عہ
نصف صفحہ	ما رسہ	ورعہ	للعہ	صعہ	لے
ربع صفحہ	ورعہ	للعہ	صعہ	عہ	للعہ
ایک کالم	لعہ	صہ	سہ	صعہ	صہ
نصف کالم	صہ	بہ	عہ	سے	سے
ربع کالم	سہ	عہ	صعہ	اعہ	عہ

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائیگا

سعیِ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات تیری میزان ہے شمارِ سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

جلد ۱ ۱۳۳۷ف خورداد ۱۲ ۱۹۲۸ء اپریل ۱۶ ۱۳۴۶ھ شوال ۲۴ دوشنبہ — حیدرآباد دکن : عدد ۸

شذرات

سائمن کمیشن کے مقاطعہ کی ابتدا بہت شاندار تھی مگر اخیر زمانہ میں اس میں کچھ تدریجی ضعف آگیا تھا سائمن صاحب کے اس دورہ کا مقاطعہ اتنا ضروری نہیں تھا جتنا کہ آئندہ دورہ کا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ تو صرف ایک سیر تھی اور اصل کام آئندہ دورے میں ہوگا۔ اب کی دفعہ مقاطعہ کے لئے بہت سرگرم کوشش کی ضرورت ہے کیونکہ ایک طرف تو خود ہمارے اہل ملک ہی کچھ کم دشمنی نہیں کر رہے ہیں۔ پھر سرکار دام اقبالہٗ کی ساحری ابھی شروع نہیں ہوئی۔ حکومت کے شعبدہ بازوں کے ہاں کیا چیز موجود نہیں اور کس چیز کو وہ پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا ان کے ہاں ”او، اس، ای، آر“ حروف کی کمی ہے، یا ”خان بہادریوں“ اور ”رائے بہادریوں“ کی۔ کیا وہ اپنے جادو کے صندوق سے نئے نئے شاندار عہدے نہیں پیدا کر سکتے یا ضرورت پڑے تو کیا تاج گورنری کے پہنانے میں انہیں عار ہے؟ پھر ان ہتھیاروں سے مقابلہ کرنے کے لئے قوم پرستوں نے کیا تیاری کی ہے۔ برخلاف اس کے ہم سن رہے ہیں کہ مہاتما گاندھی کے یورپ جانے کی افواہ گرم ہے اور موتی لال نہرو افغانستان کا خیال کر رہے ہیں۔ محمد علی جناح کے بھی باہر جانے کی خبر سنی تھی اور مولانا محمد علی کے میدان سیاست سے علحدہ ہونے کا اندیشہ کیا جا رہا ہے۔ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مقاطعہ کا اللہ مالک ہے اور ہندوستان کا لکٹ شیطان دسائمن نہیں!)

تاریخ میں بہت سی ایسی ہستیاں گزری ہیں جنکا اقتدار تاج و تخت عطا کر سکتا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں بھی دو بدقسمت سید ایسے گزرے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ ”بادشاہ گر“ کا لقب چلا آتا ہے لیکن دنیا نے ایسی ہستیاں بہت کم دیکھی ہونگی۔ جنہوں نے ”بادشاہ سازی“ کی جگہ ”پیغمبر سازی“ کی ہو۔ آج ہندوستان ایک ایسی ہی ہستی پر فخر کر سکتا ہے میری مراد مسز اینی بسنٹ سے ہے۔

کچھ زمانہ ہوا کہ مسز بسنٹ نے ایک نئے مسلک کی بنا ڈالی تھی جس کا نام ”آرڈر آف دی اسٹار ان دی ایسٹ“ (جس کا ترجمہ ”طریق ستارہ مشرق“ ہو سکتا ہے) رکھا تھا اس طریقہ کے اصول میں وہ عام باتیں داخل تھیں جو تقریباً ہر مذہب میں موجود ہیں اور ان اصول میں ایک خاص اصول جس پر زور دیا جاتا تھا یہ تھا کہ دنیا میں ایک آخری نبی یا ہادی کا ظہور ہوگا۔ لوگ اس اصول پر اپنے اپنے مذہبی عقائد کے مطابق یقین کرتے تھے مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ مسز بسنٹ اس آخری نبی یا ہادی کو خود پال رہی ہیں۔ چنانچہ اس ہادی نے اکسفورڈ یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دنیا پر اپنی روشنی پھیرنی شروع کی اور کرشنا مورتی صاحب کے دیدار سے دنیا کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں!

مسز بسنٹ اپنی اس احمقانہ کارروائی پر نادم نہیں ہوئیں دنیا نے ”اس جنٹلمین نبی“ کا جو مضحکہ اڑایا اس سے متاثر نہیں ہوئیں بلکہ اب ترقی کا ایک قدم بڑھایا ہے اور ایک عورت کو بھی نبی کی حیثیت سے پیش کر رہی ہیں۔ خدا جانے اس پیغمبر ساز عورت کے ہاں اور کتنے نبی پرورش پا رہے ہیں جو یکے بعد دیگرے اپنی مالکہ کے حکم سے اسٹیج پر آتے جائیں گے!

مغرب کی نسوانی ترقی آئے دن ہم مشرقیوں کو تعجب میں ڈالتی رہتی ہے۔ یوں تو مغربی عورت کے کارنامے ایسے ہیں جن میں اس نے مرد کا مقابلہ کیا لیکن حال ہی میں ایک اور چیز اس فہرست میں شامل ہوئی ہے۔ لندن میں ہوابازی کا مقابلہ ہوا تھا جس میں ایک عورت مس ونی فرڈ اسپونر نے چار مردوں کو ہرا دیا۔ مقابلہ کے لیے (۱۲) میل کی مسافت مقرر کی گئی تھی جسکو اس عورت نے (۸) میل فی گھنٹہ کے حساب سے طے کیا اور جو مرد اس کے دوسرے نمبر پر آیا ہے اس سے یہ عورت تین سکنڈ پہلے منزل مقصود پر پہلے پہنچ چکی تھی۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۲۴ شوال المکرم ۱۳۴۶ھ

حیدرآباد میں طاعون پھر آرہا ہے!!

حیدرآباد میں یہ موذی بیماری صرف پندرہ سولہ سال ہی سے شروع ہوئی ہے۔ ورنہ اس کے پہلے اگرچہ اس مرض نے بمبئی میں اپنا گھر بنا لیا تھا۔ مگر وہاں سے حیدرآباد نہ اسکا اب سے کوئی سولہ سال پہلے اس کا سب سے پہلا حملہ حیدرآباد پر ہوا اور اس شدت سے ہوا کہ شہر تقریباً بے چراغ سا ہو گیا تھا اس کے بعد یہ دو تین سال کے وقفہ سے آنے لگا مگر اب کوئی سات آٹھ سال سے یہ کیفیت ہے کہ اس کا دورہ ہر سال ہوتا ہے۔ اور شہر میں پانچ چھ مہینے تک ابتری اور پریشانی پھیلا دیتا ہے اگر اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ اس مرض کی ابتدا سے اب تک حیدرآباد میں کتنی انسانی جانیں اس کی نظر ہوئیں تو ان تمام کی تعداد ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہنچے گی۔

کہا جاتا ہے کہ طاعون انگلستان سے ہندوستان پہونچا مگر اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں نے کوشش کر کے اس کو ملک بدر کر دیا۔ نہ صرف انگلستان بلکہ یورپ کے اکثر ممالک میں اس کا اثر نہیں پایا جاتا اس واقعہ سے فطرتاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک ملک نے کوشش کر کے اس کا ازالہ کر دیا تو کیوں ہم اس طرف توجہ نہ کریں۔ اور کیوں نہ اپنے ہزاروں اہل ملک کو بیوقت موت سے بچالیں۔

طبی اور فنی تفصیلات کو نظر انداز کر کے سب سے پہلے ہم اس بات کو دیکھ سکتے ہیں کہ انگلستان والوں نے اس کے دفعیہ کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی تھیں۔ اور بعد خود بمبئی میں کیا ذرائع اختیار کئے گئے جس سے وہاں اس کا قدم اس شدت سے پھر جم نہ سکا۔ اس سلسلہ میں ہمیں یہ سب سے پہلے حفظان صحت کے ابتدائی اصول نظر آتے ہیں۔ یعنے صفائی اور پاکیزگی۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ طاعون زمینی بیماری ہے یعنے اس بیماری کے اثرات زمین میں پیدا ہوتے ہیں نہ کہ فضا میں یا انسانی جسم میں یہ خیال ایکحد تک صحیح نظر آتا ہے جس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ جہاں اس مرض کی اشاعت ہوتی ہے وہاں سے نقل مقام کرنا مفید ثابت ہوا ہے۔ پس ایک تو اس کے زمینی اثرات پر نظر رکھکر اور عام اصول صحت کا خیال کر کے صفائی اور پاکیزگی کی جانب توجہ مبذول کرنا بیحد ضروری ہے۔ مرض کی زمینی اثرات کی حد تک یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے مکانات اور کوچے، سڑکیں، بازارات پاک و صاف رکھیں اور ایسی گندی سڑی اشیا سے محفوظ رکھیں جو عام صفائی اور پاکیزگی کو تباہ کرتی ہیں یہ طاعون کی سب سے بڑی روک تھام ہے اگر کسی کو مذکورہ بالا دعوے پر شک ہو تو ہم اس کے جواب میں صرف نئے محلہ نامپلی کو پیش کرینگے۔ یہ مشہور تھا کہ حیدرآباد میں طاعون نامپلی سے شروع ہوتا تھا مگر اب جب سے تمام محلہ نیا بنایا گیا ہے تب سے اس موذی مرض کا وہاں قطعاً اثر نہیں ہوتا۔ آس پاس کے محلے طاعون سے متاثر ہوتے ہیں مگر صرف وہ حصہ اس سے بالکل محفوظ رہتا ہے۔

حیدرآباد سے خدا خدا کر کے یہ مرض ابھی ابھی گیا ہے اور وہ پریشان باشندے، جو گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں میں جا بسے تھے اپنے مکانوں میں واپس آ گئے ہیں اب فطرتاً خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے اس تلخ تجربہ سے کیا سبق سیکھا؟ سابقہ اموات کو چھوڑئے اس دفعہ پھر ہمارے شہر کے ہزاروں انسان اس کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتر گئے اس لئے ہم اپنے شہری بھائیوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ آخر کب تک آپ لوگوں کا ارادہ اسی طرح ہزاروں جانوں کو طاعون کی بھینٹ چڑھانے کا ہے کیوں آپ ان تدابیر پر غور نہیں کرتے جن سے ہم اس مرض سے پناہ لے سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا سات آٹھ سال مسلسل طاعون کا دورہ ہوتا ہے تو کیا اس سلسلہ کو اور بڑھانا عقلمندی ہے اور آخر وہ کونسا دن ہوگا کہ ہم لوگ اس سے بچنے کی تدابیر پر غور کریں گے کیوں نہ ہم ابھی سے اس کے سدباب کیطرف توجہ کریں اس خصوص میں اس بات کی طرف خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ ہم لوگ اپنی قوتوں کو کام میں نہ لاکر ہر چیز کے لئے حکومت کے دست نگر بن گئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ ہماری ہر ضرورت کو خود ہی محسوس کرے اور خود ہی اسکو پورا کرے ہم نے مانا کہ ہماری حکومت نے ہماری ایسی کئی ضرورتوں کو پورا کیا اور وہ ہمیشہ اس طرف خیال رکھتی ہے مگر طاعون کے انسداد کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسکو کوئی گورنمنٹ خود حل نہیں کر سکتی یہ وہ چیز ہے کہ اس میں شہر کے ہر شخص کو دلچسپی لینی چاہئے اور ظاہر ہے کوئی حکومت حیدرآباد کے پانچ لاکھ آدمیوں کو حفاظت یا انسداد طاعون کی طرف مائل یا مجبور نہیں کر سکتی اور ظاہر ہے کہ یہ فرض خاص ہمارا ہے اور ہمیں کو اس میں جد وجہد کرنی چاہئے البتہ ہمیں بعض باتوں میں حکومت کی مدد کی ضرورت ہوگی جس کے لئے حکومت بھی دریغ نہیں کرے گی

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ختم طاعون کے بعد شہر کی اگلی رونق میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ مگر ساتھ ہی شہر کی عام صفائی کی حالت خواہ وہ گلی کوچوں کی ہو یا مکانوں یا بازاروں کی ویسی ہی ابتر ہے جیسی کہ زمانہ طاعون سے پہلے تھی کیا یہ حالت آئندہ طاعون کے حملہ کا پیش خیمہ نہیں؟ بے شک ہم اس بے پروائی سے پھر طاعون کے اسباب پیدا کر رہے ہیں ختم بارش تک پھر اس کی آمد کے سامان مکمل ہو جائیں گے پس اس کے لئے ہماری یہ تجویز ہے کہ کیوں نہ شہر کے ہمدرد بزرگوں اور ایسے افراد کا جنہوں نے زمانہ طاعون میں قابل قدر خدمت اہل شہر کی کی ہے ایسے لوگوں کا ایک عام جلسہ ہو اور ہر محلہ سے ہمدرد افراد کا انتخاب کر کے انکی ایک منضبطہ جماعت مجلس انسداد طاعون کے نام سے بنائی جائے یہ جماعت ماہرین فن طب سے انسداد طاعون کے متعلق مشورہ طلب کرے اور اس مشورہ کو عمل میں لانا اس انجمن کا ہر رکن اپنا فرض گردانے اگر ہر محلہ سے چند ہمدرد اور مستعد افراد اس انجمن میں جمع ہو جائیں تو اپنے محلہ کی ہر قسم کی صفائی پر نگرانی رکھ سکتے ہیں اور اہل محلہ کو اپنے گھروں کے صاف رکھنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

اخیر میں ہم اپنے معاصرین کو خاص طور پر اس جانب متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں اور خود بھی اہل ملک کو اس ضرورت پر متوجہ کریں ساتھ ہی ہم ناظرین سے بھی استدعا کرتے ہیں کہ وہ مذکورۂ بالا تجویز پر اگر اپنی کوئی رائے اہل ملک کے سامنے پیش فرمانا چاہیں تو مدیر نظام گزٹ کو تحریر فرمائیں۔ نظام گزٹ شکریہ کے ساتھ ان کے رائے کو اہل ملک کے سامنے پیش کرنے کی خدمت انجام دیگا۔

حکیم اجمل خاں مرحوم

گذشتہ جمعہ کو مجلس العلما کی طرف سے حکیم اجمل خاں مرحوم کی تعزیتی مجلس بعد نماز جمعہ مسجد چوک میں منعقد ہوئی تھی۔ ختم قرآن کے بعد فاتحہ ایصال ثواب پڑھی گئی۔ جلسہ میں لوگ کافی تعداد میں تھے مولانا شوکت علی نے بھی شرکت فرمائی۔

ایام گذشتہ کی یاد

ارتسامات ترکی

از

ڈاکٹر عبد الحق بی۔لٹ۔، ڈی۔فل (اکسفورڈ) پروفیسر عربی عثمانیہ یونیورسٹی کالج

مصر جانے کے قبل میرے خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں انگلستان جاؤں گا مگر آب و دانہ کشاں کشاں مجھ کو لے گیا۔ اثنائے سفر میں میرا گزر استنبول سے ہوا، جہاں سے میں مشرقی اکسپرس کے ذریعہ سے یورپ ہوا۔

مجھ کو جس شخص نے مصر میں یورپ جانے کا شوق دلایا وہ ایک افغان طالب علم تھا، جس نے ہندوستان میں زندگی بسر کی تھی۔ اس شخص کی یہ عادت تھی کہ وہ چھ مہینے یورپ میں صرف کرتا تھا، اور چھ مہینے قاہرہ میں جہاں وہ انگریزی زبان کی تعلیم دے کر روپیہ کماتا تھا اور اسی روپیہ کو انگلستان میں اپنی تعلیم پر خرچ کرتا تھا۔ یہ شخص میرے لئے ایک مرد غیب ثابت ہوا۔ تقریباً سنہ ۱۹۱۹ء کی ابتدا میں خوبصورت مہمان نواز قاہرہ کو میں نے بھرے دل اور بہتی آنکھوں سے رخصت کیا، دل یہی کہتا تھا کہ پھر قاہرہ آؤں گا۔ مصری کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ نیل کا پانی پی لیتا ہے، تو وہ دوبارہ ضرور اس سے سیراب ہوتا ہے۔ میرے حق میں مصریوں کی یہ کہاوت بالکل سچی نکلی چنانچہ سنہ ۱۹۲۵ء کے اواخر میں انگلستان سے ہندوستان لوٹتے ہوئے میرا گزر قاہرہ سے ہوا جہاں میں نے تقریباً دو ہفتے صرف کئے، اور بہت ممکن ہے کہ آئندہ مجھے دریائے نیل کے پانی سے اپنے چلو بھرنے پڑیں۔

ایک مصری نوجوان جس کے سینہ میں زندگی کے ولولے جوش زن تھے۔ میرے ساتھ اسی غرض سے ہولیا کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ یورپ جائیں گے اور وہاں کوئی نہ کوئی کسب معاش کا ذریعہ نکالیں گے۔ اور تعلیم حاصل کریں گے۔ مگر افسوس مشرق کی سرحد طے کر کے یورپ کی سرحد پر قدم رکھتے ہی پیچھے ہٹ گیا اور میرے لئے کامیابی کی دعا کر کے مصر واپس ہو گیا

میں نے اس کو بہت کچھ سمجھایا مشکلات کی بھیانک شکل کو اس کی آنکھوں کے سامنے سے دور کرنے کی بہت کوشش کی مگر ایک نہ چلی۔ جو شخص ہمت ہار بیٹھتا ہے، تو پھر اس کا کوئی ہاتھ نہیں پکڑتا، جو شخص اپنے عالی حوصلہ کو پست کرتا ہے وہ ناقابل معافی جرم کا مرتکب ہوتا ہے

ہمارا جہاز پیریس (ایک یونانی بندرگاہ) سے ہوتا ہوا، استنبول عصر کے قریب پہونچا۔ جب ہم استنبول سے قریب ہو رہے تھے تو ایک عجیب منظر ہماری آنکھوں کے سامنے تھا مسجدوں کے سر بہ فلک مینار اور مکان جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر آباد تھے، جھٹ پٹے کے وقت عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ سایہ اور روشنی کا تضاد دیکھ کر اس مناسبت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جس کے نقش کے لئے کسی ریان برانت جیسے مصور کا موقلم درکار تھا!

استنبول پر نظر پڑتے ہی مختلف خیالات کا ہجوم ہوا۔ میں ایک ایسے عظیم الشان دار السلطنت کو جا رہا تھا جو تمام دنیائے اسلام کی امیدوں کا مرکز تھا، اور جس پر یورپ کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور جو مشرق و مغرب کے اتصال کا نقطہ ہے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ترکی حکومت دستوری ہو چکی تھی۔ سلطان عبد الحمید معزول ہو چکا تھا، اور اس کی جگہ محمد رشاد خامس نے لی تھی اس کی فضا میں زندگی کی نئی لہر دوڑ رہی تھی، جس عثمانی کو دیکھو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ارمنی ہو یا یونانی ہر ایک کے چہرہ سے مسرت ٹپکتی تھی اور ہر ایک اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ غلامی کی زنجیریں جن میں وہ جکڑا ہوا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں ہر ایک کے دل میں نئی نئی امیدیں ابھر رہی تھیں۔ ایک دن جب میں ترکی شرکت کے ایک چھوٹے سے جہاز میں باسفورس کی سیر کر رہا تھا، تو میری ایک ترکی افسر سے ملاقات ہوئی جس کے ساتھ ایک ارمنی فوجی طالب علم تھا، جب میں نے ترکی افسر سے دریافت کیا کہ کیا اس کا ساتھی بھی ترک ہے؟ تو جواب میں اس نے کہا نہیں یہ بھی عثمانی ہے، اور میں بھی عثمانی ہوں یہ زمانہ دستوری ہے، اب ترک، یونانی اور ارمنی میں کوئی تفرقہ باقی نہیں رہا، جنگ عظیم میں سیاسی وجوہ کی بناء پر ارمنیوں کو سختیاں برداشت کرنی پڑیں مگر.... بلقان کی لڑائی سے پہلے یہ باہمی عداوتیں بالکل غائب تھیں۔ ترکی وزارت میں کم از کم دو وزیر ارمنی ہوتے تھے۔ تمام تاریخ دانوں کو یہ واقعہ معلوم ہے کہ اس وفد میں جو سلطان عبد الحمید کو معزولیت کا پیام سنانے گیا تھا۔ ایک ارمنی بھی تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب ہم یلدز کے محاصرہ کے بعد سلطان سے ملنے کے لئے گئے تو ہمیں ایک ایسی جگہ ٹھہرنے کے لئے کہا گیا جہاں میں پہلے قیدی کی حیثیت سے لایا گیا تھا اور جہاں سلطان نے مجھے "ارمنی کتے کے" لقب سے مخاطب کیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ترکی مدبر، مقنن، اور مصلح ترکی کی از سر نو تعمیر و ترمیم میں سرگرم تھے، ایک طرف سڑکیں درست کی جا رہی تھیں تو دوسری طرف فوج کی اصلاح میں جان توڑ کوشش کی جا رہی تھی چونکہ ترکی انقلاب ایک فوجی انقلاب تھا جس کے زعماء انور بے نیازی بے اور شوکت پاشا تھے۔ اس لئے خیر خواہوں اور حاکموں کی زیادہ توجہ فوج پر مبذول ہو رہی تھی۔ اب ہر ایک ترک کو یقین تھا کہ فوج اس قابل ہے کہ بیرونی (حملوں کو آسانی سے پس پا کر سکے) روس کا خوف جو عالمگیر تھا ان کے دلوں سے زائل ہو رہا تھا۔ ہر ذمہ دار افسر یہی کہتا تھا کہ ہم صرف اس قابل نہیں کہ روس اور اس کے زیر اثر حکومتوں کے حملوں کو روک سکیں بلکہ ہماری فوج اس قابل ہے کہ دشمن کی زمین پر لڑائی جاری رکھے۔

اس زمانہ میں استنبول میں وہ عظیم الشان جلسہ ہوا تھا جس میں روس کے ایران میں جابرانہ تداخل کرنے پر صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ ہر ایک ترک اس وقت محسوس کر رہا تھا کہ روس گویا ترکی پر قبضہ کرنے کی فکر کر رہا ہے۔ الغرض ان کے تحمس اور جوش کی انتہا نہ تھی۔ لڑکے، مرد، عورتیں تمام کے تمام دستور کے نشہ میں مخمور تھے۔ آزادی کے ترانے گاتے تھے۔ ان کا ایک مشہور قومی ترانہ یہ ہے:۔ "دائم رہے حریت، مساوات، عدالت، اخوت"

طرابلس کی جنگ کے بعد اور بلقان کے جنگ کے پہلے ترکی میں ایک بڑا انقلاب ہوا۔ جو غالباً ترکی کی تباہی کا ایک بڑا سبب بنا۔ وہ جمعیت اتحاد ترقی اور اس کے مخالفین کی جنگ تھی جس کا زعیم ناظم پاشا تھا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ جس جماعت نے ترکی میں انقلاب کرایا وہ جمعیت اتحاد و ترقی تھی۔ سلطان عبد الحمید نے ان لوگوں کے پیچھے جو جمعیت اتحاد و ترقی میں شریک تھے جاسوس لگا رکھے تھے، اور حتی الامکان ان کو ہر قسم کی مصیبتوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ بہت سے نوجوان ترک وطن چھوڑ کر قاہرہ چلے گئے، جہاں عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر نے ان کو پناہ دی۔ بہتیرے یورپ کے مختلف شہروں میں جا بسے مگر جہاں کہیں بھی تھے، اپنی کوششوں سے باز نہ آتے تھے۔ تا آنکہ انہیں اپنے مقصد میں پوری پوری کامیابی حاصل ہو گئی۔ اول اول یہ حرکت سالونیکا سے شروع ہوئی۔ اس کے زعماء انور بے اور

نیازی بے تھے۔ زمان بعد انور پاشا نے اپنی فوج کے ساتھ استنبول پر حملہ کیا، اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد سلطان عبد الحمید کو معزول کر دیا۔ اس جمعیت کا عقل کل طلعت بے تھا۔ بعد میں چل کر اس جمعیت میں پھوٹ پڑ گئی کش مکش کے بعد اس کے مخالفین غالب آگئے مخالفین نے اپنی نئی وزارت ترتیب دی جس میں صدر اعظم کامل پاشا اور ناظم پاشا وزیر حربیہ تھا۔ ان کے قدم جمنے بھی نہ پائے تھے کہ بلقان کی جنگ شروع ہوئی جو ترکی کے حق میں بہت نامبارک ثابت ہوئی اور جس کے اثر سے ترکی برسوں تک سنبھل نہ سکا۔

یہی اختلافات تھے جو جنگ عظیم کی انتہا میں نمودار ہوئے جب کہ جمعیت اتحاد و ترقی نے ترکی کو دوبارہ اپنے قبضہ قدرت میں لیا تھا۔ جن کا نتیجہ مصطفےٰ کمال پاشا کا ظہور ہوا اور ترکی نے اپنی زندگی کا ایک نیا ورق الٹا مگر اب بھی وہی اختلافات کام کر رہے ہیں جن کا ایک نتیجہ حال میں ظاہر ہو چکا ہے۔ جب کہ بہت سارے انجمن اتحاد و ترقی کے زعماء دار پر چڑھا دیے گئے۔ خدا معلوم یہ اختلافات آئندہ کس شکل میں ظاہر ہوں گے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا اس اسلامی حکومت کو برے دن سے بچائے۔

اس زمانہ میں بہت سے روسی طالب علم استنبول کے جامعہ میں پڑھتے تھے ان میں سے بہت ایسے تھے جو ترکی کی آئندہ ترقی پر بھروسہ کیے بیٹھے تھے۔ بہت سارے مراکش و تونس کے مسلمان بھی نظر آتے تھے جو فرانس حکومت سے بیزار ہو کر یہاں اس امید پر آئے ہوئے تھے کہ آئندہ ترکی کی روحانی اور مادی حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنی مصائب کو دور کر سکیں گے الغرض ترکی تمام اسلامی دنیا کا ملجا و ماوی بنا ہوا تھا۔

ترکی طلبا میں میں نے بہت سی ایسی باتیں دیکھیں جو آزاد قوموں کے نونہالوں میں پائی جاتی ہیں۔ یعنے حب وطن حب آزادی، محبت و جانفشانی اور ایثار۔ ہندی اور مصری طالب علموں سے ملنے کے بعد جو ضعیف و زوال پذیر اثر ذہن میں مرتب ہوتا ہے وہ ترکی طلبا کے ملنے سے نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ جب ہم استنبول کے مشرقی حصہ یعنے حیدر پاشا کو دخانی کشتی میں جا رہے تھے تو ہماری ملاقات ایک ترک سے ہوئی جس کی عمر ۶۵ اور ۷۰ کے درمیان تھی اور جو پہلے امیر البحر تھا اور اب وظیفہ لے لیا تھا اس نے جنگ بلقان کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہم سے کہا کہ دیکھو ایک زمانہ وہ تھا کہ ترک ویانا یعنے دار السلطنت آسٹریا تک پہونچ گئے تھے یا ایک یہ زمانہ ہے کہ ہم وہاں سے ہٹتے ہٹتے باسفورس کے ساحل تک پہونچ گئے ہیں۔ خدا کی یہی مرضی ہے۔ اس شریف ترک نے ہمیں چاء کی دعوت دی، جب ہم اس کے مکان پر پہونچے تو سب سے پہلے اس نے یہ کام کیا کہ اپنے لڑکوں کی ہم سے تقریب کرائی، وہ اسی طرح کہ پانچوں لڑکے پانچوں (جن کی عمریں ۵ اور ۹ کے بیچ میں تھیں) قواعد کرتے ہوئے ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس بوڑھے باپ کے کہنے پر ہر ایک نے اپنی اپنی خواہش ظاہر کی کہ وہ آئندہ کیا بننا چاہتا ہے، ایک نے کہا کہ میں سپاہی بنونگا اور دشمنوں کی سرکوبی اور ملک کی حفاظت کرونگا۔ دوسرے نے کہا کہ میں مہندس بنونگا اور ملک میں سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر کرونگا۔ تیسرے نے کہا کہ میں ڈاکٹر بنونگا۔ غرض ہر ایک نے اپنی تمنا ظاہر کی اس کے بعد انہوں نے فوجی سلام کیا اور الٹے قدموں واپس ہو گئے۔

چونکہ ترکی قوم طبعاً ایک فوجی قوم ہے اس لئے فوجی اقوام میں جو باتیں پائی جا سکتی ہیں وہ ان میں تمام کی تمام موجود ہیں مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک مرتبہ میری ملاقات ایک نوجوان ترکی افسر سے ہوئی جو چتالجا کی خندقوں سے جہاں ترکوں کے قدم ٹھیرے میدان سے اکھڑنے کے بعد جم گئے تھے۔ کچھ دنوں کی رخصت لیکر استنبول آیا ہوا تھا۔ اس شخص نے طرابلس کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس کے فوجی کوٹ کی آستین پر میں نے ایک جلا ہوا سوراخ دیکھا اور دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ اس کے بازو پر بلغاری گولی لگی ہے، اور یہ اسی کا سوراخ ہے۔ جواب اس نے کچھ اس انداز سے دیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی بات ہی نہ تھی، استنبول میں میں نے اس کو بہت ہنستا ہوا اور خوش دیکھا اور چونکہ وہ ایک دو دن میں پھر میدان کارزار واپس جانے والا تھا، میں نے اس سے تعجب سے پوچھا کہ تم خوش معلوم ہوتے ہو حالانکہ تمہیں ایک دو دن میں لڑائی کے میدان پر جانا ہے اور ممکن ہے کہ تم اس لڑائی میں کام آجاؤ۔ اس نے مسکرا کر عربی میں جواب دیا۔ علی شان اسلام ما علیش اسلام کی خاطر مجھے پروا کی بات نہیں اگر میں مرجاؤں۔

دوسرا واقعہ مجھے ایک ترکی سپاہی کا یاد پڑتا ہے جب ہم حیدر پاشا خستہ خانہ (ہسپتال) میں زخمیوں کی تیمارداری کر رہے تھے تو میں نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ گولی اس کی کلائی کی ہڈی کو توڑتی ہوئی نکل گئی ہے اور اس میں گہرا زخم پڑ گیا ہے۔ میں نے بہت آہستگی سے اس کا زخم دھونا شروع کیا اس نے یہ دیکھ کر میرے ہاتھ کو نیچے کی طرف دبایا جس سے دھونے والے آلہ کی نلی بالکل زخم کے اندر گھس گئی تب اس نے کہا اب زخم کو اچھی طرح دھوؤ۔ ایک دوسرا سپاہی اس ہسپتال میں تھا اسکے کولہے میں گولی گھس کر بیٹھ گئی تھی ڈاکٹروں نے جب جراحی سے اس کی گولی نکالنی چاہی تو اس کو کلوروفارم سنگھانا چاہا تو اس مرد خدا نے کہا نہیں اس کو ہٹاؤ میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا آپ شوق سے جراحی کریں میں حرکت تک نہ کرونگا۔ چنانچہ وہ لیٹا ہی رہا اور اس پر عمل جراحی کیا گیا اور آسانی سے گولی نکال لی گئی۔

ترکی اس زمانہ میں تو انگر نہ تھا، اس لئے ترکی طالب علم کے جسم پر اتنا اچھا لباس نظر نہیں آتا تھا جو مصری طالب علموں کے جسموں پر نظر آتا ہے مگر جد و جہد اور عمل میں مصری ان کے سامنے پانی بھرتے تھے ترک قدرتاً بہت خاموش، بھید کو چھپانے والا اور عملی آدمی ہوتا ہے کیسی زبردست سے زبردست واقعہ ہونے کا اس کو علم ہو اور اس واقعہ کے وقوع کے ایک دن پہلے آپ اس سے ملیں تو اس کی طرز گفتگو اور حالت سے آپ پر ہرگز یہ ظاہر نہ ہوگا، کہ دوسرے دن کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے یہ ہندستانی اور مصریوں کی طرح جلد باز نہیں ہوتے اور ضرورت سے زیادہ غیر عملی گفتگو نہیں کرتے۔ بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو وہ انکے ذہن نشین ہو جائے تو اس کے پورا کرنے میں جان تک لڑا دیتے ہیں۔ ایک ترکی تاجر کا قصہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اسی جہاز میں سفر کر رہا تھا جو استنبول جا رہا تھا وہ ازمیر (سمرنا) جا رہا تھا پہلے پہل جب ہماری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ وہ یونانی ہے اور جب تک ہم ازمیر نہ پہونچ چکے تو اس کے ترکی ہونے بھید نہ کھلا۔ چونکہ یہ جنگ بلقان کا زمانہ تھا اس لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کہیں یونانی جنگی جہاز جو اس وقت ایجین جزائر کے اطراف چکر لگا رہے تھے، اس کو ترک ہونے کی وجہ سے گرفتار نہ کریں۔

میں نے یہاں ایک عجیب بات دیکھی جب کسی کا جنازہ مکان سے نکلتا ہے تو رونے کی کہیں سے صدا نہیں آتی اور نہایت خاموشی کے ساتھ جنازہ کو کندھوں پہ اٹھائے ہوئے قبرستان لے جاتے ہیں جب وقت ہندوستانی ہلال احمر میں کام کرتے تھے تو وہاں ان کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ بڑے سے بڑا فوجی افسر ان کو سلام کرتا تھا۔ وہ ان ہندوستانیوں کے بہت ممنون تھے کہ انھوں نے ان کی اڑے وقتوں میں مدد کی۔

یوں تو عموماً ہر مشرقی قوم مہمان نواز ہوتی ہے۔ مگر ترکوں کو مہمان نوازی میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ غریب سے غریب ترک کے گھر میں ایک کمرہ ہوگا اور ایک دو زائد پلنگ ہوں گے جو صرف مہمانوں کی خاطر رکھے گئے ہوں گے۔ اناطولیہ کے ترک اور کسان مہمانداری میں مشہور زمانہ ہیں۔

اس زمانہ میں عورتوں میں تعلیم عام نہیں تھی۔ ہاں جو عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی تھیں وہ بہت قابل ہوتی تھیں۔ پیرلوتی فرنچ مصنف کی کتاب "دی اینچانٹیڈ" کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی خاتونیں کتنی اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہوتی تھیں بہت سی خاتونیں مصنف اور محرر تھیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں فرنچ سے تو واقف ہوتی ہی تھیں مگر اس کے علاوہ جرمن اور انگریزی کی بھی ان کو تعلیم دی جاتی تھیں۔ جن غلط اصول پر ان کی تعلیم کی بنا ڈالی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ آج ظاہر ہو رہا ہے۔ عورتیں کھلا منہ بے نقاب پھرتی ہیں اور حسینان یورپ کی نقل کرتی ہیں۔ وہ حسن جو یشمک (پردہ) کے پیچھے سے چھن چھن کر ظاہر ہوتا تھا اب غائب ہو گیا، اور پردہ کا فلسفہ بالکل اٹھ گیا۔ ترکی میں پہلے بھی یہ قاعدہ جاری تھا کہ جب تک لڑکی سیانی نہ ہو جائے بے نقاب رہتی تھی مگر بعد میں نقاب استعمال نہایت ضروری تھا سوائے شاہی بیگمات کے جن کا سفید نقاب بالکل مہین ہوتا تھا، عام ترکی خواتین سیاہ یشمک سے اپنا منہ ڈھانکتی تھیں عزت کا اس زمانہ میں یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ہم نے ایک ترکی بڑھیا کو غیظ و غضب کی حالت میں ایک یونانی کو برا بھلا کہتے سنا دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ اس یونانی نے اس لڑکی سے جو اس بڑھیا کے ساتھ تھی کسی جگہ کا پتہ پوچھنے کی جرأت کی تھی یہ تھا حال ترکی خواتین کا اس زمانہ میں آج کل ترکی عورت بالکل فرنگی بن گئی ہے وہ حسب فیشن جدید اپنے بال کٹواتی ہے۔ ناچتی ہے۔ اور چال ڈھال میں یورپ کی عورتوں کی نقل اتارتی ہے مجھے ایک ترکی عورت کا وہ قول یاد آتا ہے جب اس نے انگلستان کے ایک نامہ نگار سے اثنائے گفتگو میں کہا تھا کہ ہم اب کسی بات میں یوروپین عورتوں سے کم نہیں ہیں۔ جس ملک کی مسلمان عورتوں

کی یہ خصوصیات ہو تو اس ملک کے باشندوں اور ان کے اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔ جہاں نوجوان ترکوں کی قوت میں آنے اور نئے نئے خیالات کے پھیلنے سے مختلف فائدے ترکوں کو پہونچے۔ وہاں انہیں ایک زبردست مذہبی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ قدیم ترک مذہب کا بڑا پابند ہوتا تھا۔ اسلامی عیدوں اور تہواروں میں اسلام کی شان نظر آتی تھی مگر دستور کے اعلان کے بعد جدید تمدن کے برے اثرات سے ترک محفوظ نہ رہ سکے دستور کے اعلان کے بعد ہی سے مذہب کی طرف سے حکام اور نوجوانوں نے کچھ بے توجہی برتنی شروع کی اور اب تو مذہبی آزادی معراج کمال پر پہونچ گئی ہے۔ مذہب کو حکومت سے بالکل علحدہ کر دیا گیا ہے۔ اور ایسی باتیں رائج کر دی گئی ہیں جو ایک اسلامی حکومت کے بالکل شایان شان نہیں ہیں آجکل ہندوستان میں زیادہ اور مصر میں کم نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ اس خیال کی طرف مائل ہے کہ ہمیں اگر ترقی کرنی ہے اور اپنی شخصیت باقی رکھنی ہے تو ہمیں پکا مسلمان بننا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ موجودہ ترقی کے میدان میں گامزن نہ ہوں بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ اس دور میں تمدن کے ان غاروں میں گرنے نہ پائیں جو قدم قدم پر پائے جاتے ہیں۔

موجودہ ترکی تعلیم یافتہ طبقہ مذہب کی پرواہ نہیں کرتا مگر مجھے یقین کامل ہے کہ ترکی کسان اور فلاح جن پر ترقی کا دار و مدار ہے ہرگز لا مذہب نہیں ہو سکتے اور وہ دن دور نہیں ہے جب کہ اس کا اثر ظہور پذیر ہوگا۔ ہمیں اس امر پر اعتراض نہیں کہ مشرقی حکومتیں ترقی کے لئے یورپ کے طریقے اختیار کریں ان کے علوم سیکھیں اور ان کے ہمسر بننے کی کوشش کریں۔ اعتراض اس بات پر ہے کہ ان کی آنکھیں تمدنی روشنی سے خیرہ ہو جاتی ہیں وہ اچھے اور برے کو دیکھتے نہیں اور بے سوچے سمجھے ہر آئین یورپ کی تقلید کرنے لگتے ہیں بری باتوں کے اختیار کرنے سے پرہیز نہیں کرتے' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سب سے پہلے وہی باتیں اختیار کرتے ہیں جن کو یورپ کے ذی فہم اور اہل الرائے بہت برا جانتے ہیں' اور قوم کے لئے تباہی کا باعث گردانتے ہیں۔ مشرقی اقوام کے پاس مذہب اور رسوم کی قید ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی صرف یورپ کی اچھی باتوں سے فائدہ اٹھاتا اور اس کی بری باتوں سے پرہیز کر سکتا ہے مگر افسوس کہ بہت سے مشرقی اقوام کے زعیم مذہب و رسوم کی جڑ پہ کلہاڑی مار رہے ہیں اور اس کو حریت افکار اور روشن خیالی سے تعبیر کرتے ہیں۔ نہ تو یہ ترقی کی اس چوٹی پر پہونچ سکتے ہیں جس پر یورپ قرنوں اور صدیوں کی لگاتار کوشش کے بعد پہونچا ہے۔ اور نہ ہی یہ اپنی قومی خصوصیات کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا!

خط و کتابت میں نشان خریداری کا حوالہ ضرور دیجئے۔ منیجر

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

انسان مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہ سکتا ہے

قرص خورشید در سیاہی شد
یونس اندر دہان ماہی شد

ڈاکٹر اسپروز جان ولسن نامی ایک محقق نے جو کوئینز کالج آکسفرڈ کے فیلو رہ چکے ہیں "پرنسٹن تھیولاجکل ریویو" میں حضرت یونس علیہ السلام کے تین روز تک شکم ماہی میں رہنے کے متعلق ایک مضمون شایع کرایا ہے اور اس واقعہ کی نسبت جسے سائنس داں طبقہ عام طور پر تسلیم کرنے کیلئے طیار نہیں۔ ایسی شہادتیں بہم پہونچائی ہیں جن سے اسکا وقوع و صدور ممکن ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ولسن لکھتے ہیں کہ وہیل مچھلی کی ایک قسم اسی اسی فٹ لمبی ہوتی ہے اور ان مچھلیوں کا پیٹ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بیک وقت کم از کم بیس انسان اس میں آرام سے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ابتک یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ وہیل مچھلی کا حلق بہت تنگ ہوتا ہے اور اس میں کسی انسان کا پیٹ میں چلا جانا غیر ممکن ہے لیکن ڈاکٹر ولسن کہتے ہیں سپرم وہیل کا حلق تنگ نہیں ہوتا اور اس میں سے نہ محض آدمی بلکہ اس سے بڑی بڑی چیزیں بھی بہ آسانی اندر پہونچ سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک مچھلی کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں سے سولہ فٹ لمبی مچھلی صحیح سالم نکلی۔

بعض اعتراضات

انسان کے صحیح سالم مچھلی کے پیٹ میں پہونچ جانے کا سوال تو اس طرح حل ہو گیا۔ لیکن دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیٹ کے اندر زندہ رہنا ممکن ہے؟ ڈاکٹر ولسن اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں سانس لینے کیلئے کافی جگہ ہوتی ہے البتہ درجہ حرارت وہاں زیادہ ہوگا۔ مثلاً ۱۰۴ درجہ فارن ہیٹ جو انسان کے لئے بخار کا درجہ ہے تاہم اس میں زندہ رہنا ممکن ہے ایک سوال یہ بھی ہے کہ معدے میں جو عرق ہوتا ہے وہ ہر شے کو بتدریج تحلیل کر دیتا ہے ڈاکٹر ولسن اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ کسی زندہ شے کو یہ عرق نقصان نہیں پہونچا سکتا اور اگر ایسا ممکن ہو تو خود معدہ تحلیل ہو جاوے۔

واقعات و حقائق

ان عقلی دلایل کے علاوہ واقعات بھی موجود ہیں مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز فاک لینڈ کے قریب وہیل مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا ایک موقع پر وہیل نظر آئی۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اسے مارنے کے لئے دوڑے ایک کشتی الٹ گئی اور اس کے ملاحوں میں سے ایک شخص جس کا نام جیمس بارٹلے تھا غائب ہو گیا۔ وہیل ماری گئی ملاح اسے جہاز پر لے آئے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگے۔ وہ دن بھر کام کرتے رہے شام تک تجربہ کا عمل ختم نہ ہوا۔ لہذا چھوڑ کر سو گئے دوسرے دن صبح پھر کام شروع کر دیا معدہ باہر نکالا گیا ہے تو اس میں سے جیمس بارٹلے نکلا وہ زندہ تھا مگر اس کے جسم کی جلد سفید ہو گئی تھی اور عمر بھر سفید رہی چودہ روز تک اس کے ہوش و حواس معطل رہے مگر بعد میں حالت درست ہو گئی یہ واقعہ سب کے نزدیک مسلم ہے۔

امریکہ کے ایک آدمی مارشل جنکنس کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی وہیل مچھلیوں کے شکار کے لئے گیا ہوا تھا۔ اسکی کشتی بھی الٹ گئی اور وہیل اسے نگل گیا شکاری اس کے پیچھے لگے رہے جب اسے بری طرح زخمی کر دیا۔ تو وہ سطح آب پر آگئی اور اس نے قے کی۔ قے کے ساتھ بہت سی کھائی ہوئی چیزوں کے علاوہ مارشل جنکنس بھی باہر آپڑا اور وہ زندہ تھا ان دو واقعات کے بعد شکم ماہی میں زندہ رہنے کے امکان کا مسئلہ یقینی طور پر طے ہو جائے گا۔ مگر مشککین اب بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ واقعات محض حسن اتفاق کا نتیجہ تھا۔

جن اصحاب کا چندہ سہ ماہی تھا وہ بھی کا ختم ہو چکا۔ براہ کرم چندہ منی آڈر کے ذریعہ روانہ فرما کر ممنون فرمائیے۔ منیجر

روس میں علمی ترقی

روسی اکاڈمی کے ایک رکن کے قلم سے

مترجمہ

محمد مظہر اللہ صدیقی حیدرآبادی

اس زمانہ میں روس میں خانہ جنگیاں ہو رہی تھیں ہر شخص بے لطفی اور تکلیفات کی زندگی بسر کر رہا تھا اور علماء کے لئے تو یہ زمانہ اور بھی سخت تھا اس لئے کہ وہ اپنے سامان نوشت وخواند سے بالکل محروم ہو گئے تھے۔ نہ تو ان کے پاس پڑھنے کے لئے کتابیں تھیں اور نہ انہیں اس بات کا پتہ لگتا تھا کہ دنیائے علم کن کن ترقیات سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے ان کے تجربہ خانے آلات تجربہ سے خالی ہو چکے تھے معملوں کی اجڑی ہوئی چار دیواریوں میں ان کے لئے کچھ کام کرنا ہی ممکن نہ تھا کتب خانہ و علماء کی ہر ضرورت کی چیز اور سامان و اسباب متعلقہ تتر بتر ہو چکا تھا۔

اس پریشانی اور بدحواسی کی ابتدا سنہ ۱۹۲۲ء میں روس کو ایک اساسی انقلاب سے دوچار ہونا پڑا۔ اس انقلاب کا علمبردار لینن تھا اسی نے سب سے پہلے اس بات کو محسوس کیا کہ علم و علماء کے بے جان نامہ میں زندگی اور ترقی کی روح پھونک دی جائے۔ اس زمانہ میں علوم و فنون کی ترقی اور علمی حلقوں میں وسعت کے لیے حکومت کے خزانے نقدات زر کے باعث خراب خستہ حالت میں تھے معقول رقم نکالی گئی اور علم و علماء کی حالت سنبھالنے کی غرض سے قومی پارلیمنٹ نے ایک مرکزی کمیشن مرتب کیا۔

علمی و اقتصادی حالات کو درست کرنے کے لئے اعلیٰ علمی جماعتوں نے ملک کا دورہ شروع کر دیا۔ ہماری مملکت کے زرخیز خطے خصوصاً شمالی ایشیا کے علاقوں کی طرف زیادہ تر توجہ مبذول رہی۔ ان ہی علمی جماعتوں نے گذشتہ چند سالوں کے اندر ان علاقوں کی تمام دریاؤں، ندیوں، جھیلوں، جنگلوں اور کوہستانی زنجیروں کے محل وقوع اور ان کے اعداد وشمار پر تحقیقی روشنی ڈالی کہ سابقہ نقشوں میں ان کا نام و نشان تک نہ تھا، اسی سلسلہ میں ان علاقوں میں مختلف قسم کی کانوں مثلاً معدن ہائے طلاء و کوئلہ کی بھی پردہ دری ہوئی۔

ہماری وسیع مملکت میں جس کی ارضی تحقیقات بہت کم ہوئی تھی اب اس کی تحقیقات کی طرف پوری طرح سے التفات کیا جانے لگا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے پندرہ سو انجمنیں قائم ہو گئی ہیں۔

روس کی ان علمی اور تحقیقاتی انجمنوں میں سے سب سے پہلے ہم مملکت روس کی علمی اکاڈمی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جس نے گذشتہ سنہ ۱۹۲۵ء میں اپنی اکیسویں سالگرہ منائی اور مرکزی کمیٹی کے ۲۷ جولائی سنہ ۱۹۲۵ء والے حکم کے بموجب یہ جمہوریت روس کی اعلیٰ ترین علمی جماعت تسلیم کی گئی اس اکاڈمی کا فرض منصبی رہا ہے کہ وہ ہمیشہ علوم کو عملی جامہ پہنائے خصوصاً گذشتہ دس سال سے اس معاملہ میں اس نے زیادہ تر توجہ کی ہے گذشتہ دس سال کے اندر اس اکاڈمی نے ایک طرف تو متعدد نئے کالج قائم کئے اور دوسری طرف قدیم کالجوں کی توسیع اور اصلاح کی۔ ملک میں اس اکاڈمی کی بیس سے زیادہ شاخیں پھیلی ہوئی ہیں جن کے ایک ہزار سے زیادہ علماء و ادباء ارکین ہیں۔ اس اکاڈمی کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد سنہ ۱۹۱۹ء اور سنہ ۱۹۲۰ء جیسے پریشان کن زمانہ میں بہت کچھ گھٹ گئی تھی لیکن اب سابقہ حالت عود کر آئی ہے چنانچہ گذشتہ دو سال میں اس نے تقریباً ایک سو بلند پایہ کتابیں شائع کیں۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ دیگر حکومت ہائے عالم کی اکاڈمیوں کی تصنیفات کی طرح اس اکاڈمی کی تمام تر تصانیف بھی علوم بنیادی سے متعلق ہیں۔ اس غیر معمولی ترقی کی بدولت روس میں فن انشا پردازی کو کافی وسعت حاصل ہو رہی ہے۔ کتابوں کی اشاعت سے پہلے ان کے اجزاء عام اہل علم کی تنقید و تبصرہ کی غرض سے شائع کئے جاتے ہیں، روسی کتب اور قاموس العلوم (انسائیکلوپیڈیا) کی ترتیب کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ کی جا رہی ہے۔ مزید برآں ہمیشہ متعدد ضخیم مجلات اس اکاڈمی کی جانب سے شائع ہوتے ہیں۔

یہ بات ضروری ہے کہ اس موقع پر ہم عجائب گھروں کی اہمیت پر بھی نظر ڈالیں اس لئے کہ عجائب گھروں اور مجالس علمی میں علمی اور تمدنی نقطہ نظر سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پہلے ہم اس حیرت ناک حقیقت کو آشکارا کرنا چاہتے ہیں کہ اندرونی خانہ جنگیوں اور اجانب و اغیار کی دست درازیوں کی خطرناک اور نازک ترین ساعتوں میں باستثنائے چند تمام عجائب گھروں میں ان کا گراں بہا ذخیرہ بالکل محفوظ حالت میں رہا اور کسی نے بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ایسے ہولناک زمانہ میں یہ عجائب گھر ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے۔ البتہ ارمی تاژ نامی عجائب گھر کے بیش بہا ذخیرہ کو لینن گراڈ سے ماسکو میں منتقل کر دینا پڑا تاکہ وہ بین الاقوامی جنگ کے زمانہ میں اس کے اثرات سے مامون اور محفوظ رہ سکے۔

مذکورہ بالا اکاڈمی اور اس کی ملحقہ جمعیتوں کے علاوہ مملکت روس میں آج اس کثرت سے علمی اور تحقیقاتی جمعیتیں ہیں کہ ان کے گذشتہ دہ سالہ کارناموں کی تفصیلات کے لئے دفتر کے دفتر چاہئیں۔ بالفعل ان میں سے صرف چند کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

رصد خانہ پولکووا دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس کی چار شاخیں بھی نیکولائف، اوکراتی، سنی مائنز، اور کریمیا میں موجود ہیں۔ معدنیات کے کھوج اور ان کی تحقیقات کے لئے ایک خاص جمعیت بنائی گئی ہے۔ متعدد انجمنیں ہیں جن کا کام ہی طبعی اور جغرافی مسائل کی تحقیق کرنا ہے۔ نئی جمعیتوں میں سے ایک کارل مارکس و انگلس کا معہد (انسٹی ٹیوٹ) ہے جو اشتراکی (سوشیالسٹ) اکاڈمی سے علیحدہ ہو کر فوضوئین (کمونسٹ) ہو گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عمال کو ایسی تربیت دی جائے کہ ان میں سے محقق عالم پیدا ہوں جو کام کے طریق، اس کی توسیع اور پھیلاؤ کے بہترین اصول معلوم کر سکیں اور اشتراکیت کی حقیقی تعلیمات سے سبق حاصل کریں۔ اس معہد نے اپنے شایان شان ایک ایسا عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا ہے کہ اشتراکیت پر بہ کثرت کتابوں، ان کے انتخابات اور قلمی نسخوں اور ان کی تعداد کے اعتبار سے دنیا بھر میں اس کے ہم پلہ کوئی کتب خانہ نہیں۔ اس کتب خانہ کے کئی حصے ہیں۔ اسی سے متعلق مارکس کا ایک عجائب گھر اور فوضوئین (کمونیزم) کی کارگذاری اور ترقی کی ضخیم تاریخ بھی ہے۔ حال ہی میں حفظان صحت کے اصول پر بحث کرنے اور اس کی تحقیقات کے لئے ایک جمعیت قائم ہوئی ہے۔ اسی میں اطباء کے لئے تعلیمی جماعتیں بھی کھولی گئی ہیں جو سال بھر کھلی رہتی ہیں۔ یہ جمعیت ضمناً عام علمی کاروبار میں بھی حصہ لیتی رہتی ہے۔

یہ ہے وہ مختصر سا بیان جس سے روس کی عام علمی اور تحقیقی ترقیات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مدارس یونیورسٹی لکچرز

ملیبار کی اسلامی تاریخ

از

مولوی حکیم شمس اللہ قادری صاحب حیدرآبادی

"حیدرآباد کے مشہور انشاء پرداز اور تاریخ نگار مولوی حکیم سید شمس الدین صاحب قادری مدراس میں تقریباً دو ڈھائی مہینے کے قیام کے بعد حیدرآباد لوٹے ہیں حکیم صاحب کو ایجوکیشنل کانفرنس نے کانفرنس میں تقریر کرنے کے لئے بلایا تھا لیکن مزاج کی ناسازی کی وجہ سے تقریر نہ ہو سکی۔ آخر جنوری میں حکیم صاحب نے گورنمنٹ محمڈن کالج کی اردو سوسائٹی میں "اردوئے قدیم کی تاریخ" پر دو لکچر دئے۔ مدراس یونیورسٹی نے حکیم صاحب سے (۱) ملیبار کی اسلامی تاریخ اور (۲) تاریخ دکن کے ماخذ پر دو لکچروں کی فرمائش کی۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی فرمائش پر حکیم صاحب نے جنوبی ہند کی ایک مفصل اور مبسوط اسلامی تاریخ مرتب کی ہے۔ اس سلسلہ میں حکیم صاحب کی علمی تحقیقات میں ایک قابل قدر کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملیبار کی اس کمیاب تاریخ کے دو نسخے فراہم کئے ہیں جس سے تاریخ فرشتہ کے مولف نے مواد فراہم کیا ہے۔ اب وہ اس تاریخ کی تصحیح کر کے ایک مبسوط تاریخی مقدمہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں"

نظام گزٹ

ملیبار کی اسلامی تاریخ

اہل عرب ہندوستان کے مغربی ساحل کو ملیبار کہتے ہیں۔ اس کے قدیم نام جو کنڑی اور ٹامل کی قدیم تصنیفات میں ملتے ہیں کرالہ اور ملیالم ہیں۔

"ملے" یا "ملائے" دراویدین زبانوں میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور اس کی کسی قدر بدلی ہوئی صورت ملا یا سنسکرت میں بھی مستعمل ہے "ملے" کے آخر میں بار کے اضافہ کرنے سے ملیبار بنا ہے۔ بار فارسی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں ملک اور فراوانی "ملے" اور "ملائے" دونوں ایک ہی لفظ ہیں اور ان کے معنی جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ کوہستان کے ہیں۔ اس اعتبار سے ملابار کے معنی ہیں پہاڑی ملک یا وہ ملک جس میں بکثرت پہاڑ ہیں۔

عرب کے جغرافیہ نویسوں میں سب سے پہلے شریف ادریسی نے (۔۔۔) اپنی جغرافیہ میں جس کا نام "نزہتہ المشتاق" ہے۔ اس نام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد عبد اللطیف بغدادی اور یاقوت حموی کی تصنیفات میں یہ نام اس طرح مستعمل ہوا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مشہور اور متداول نام درج ہیں۔

ایران کی فارسی تصنیفات میں یہ نام پہلے پہل وزیر رشید الدین فضل اللہ کی "جامع التواریخ" میں نظر آتا ہے فخر الدین بناکتی اور عبد اللہ وصاف کی تاریخوں میں بھی جو "جامع التواریخ" کے بعد لکھی گئی ہیں یہ نام موجود ہے۔

ہندوستان کے مسلمان مصنفین میں غالباً سب سے پہلے امیر خسرو ہیں جنہوں نے اس علاقہ کا ذکر ملیبار کے نام سے کیا ہے۔ چنانچہ ان کی مثنوی "نہ سپہر" میں یہ نام اس طرح وارد ہوا ہے

سست بے نیازی او کعبہ خستہ دنوار ؞ بیاد مین کہ عزا ہنش چون ملیبار سست

اور یہ کے شو ہما اور خود اس نام کی ترتیب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ نام اون سیاحوں اور جہاز رانوں نے رکھا ہے جو ایران و عرب سے براہ خلیج فارس اس ملک میں آیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے اس کے علاوہ بعض دوسرے علاقوں کے نام بھی ایسے ہی رکھے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک نام زنجبار ہے جس کے معنے ہیں "زنگیوں کا ملک" علیٰ ہذا القیاس "ہندوبار" اور "نکوبار" بھی اسی نوعیت کے نام ہیں۔

عربوں کے یہاں اس ملک کا ملیبار کے علاوہ ایک اور نام مشہور ہے یعنی "بلاد الفلفل" اور یہ نام انہوں نے اس لئے دے رکھا تھا کہ سیاہ مرچ (فلفل) یہاں کی مخصوص پیداوار ہے اور وہیں سے اطراف عالم میں جایا کرتی ہے۔

چھٹی صدی تک مسلمان جغرافیہ نویس ملیبار کے حالات سے بہت کم واقف تھے۔ یہاں تک کہ اس کے موقع و محل سے بھی انہیں کافی واقفیت نہ تھی۔ صرف اس قدر جانتے تھے کہ ہندوستان کی ایک اقلیم ہے جس میں بہت سے شہر "فاکنور"، "منجرور" وغیرہ واقع ہیں اور یہاں سے فلفل تمام دنیا میں آتا ہے۔

اس زمانہ کے بعد اسلامی تاریخوں میں ملیبار کا ذکر صحت کے ساتھ ملتا ہے۔ "رشید الدین فضل اللہ" "فخر الدین بناکتی" "ابو الفدا حموی" اور بالخصوص "ابن بطوطہ" جس نے ۷۴۳ھ ہجری میں اس ملک کا سفر کیا ہے۔ یہاں کے حالات صراحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اور خاص کر مسلمانوں کے کوائف کو عمدگی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

رشید الدین کا بیان ہے کہ "ملیبار" "گوا" سے شروع ہو کر "کولم" پر ختم ہوتا ہے۔ اس کی مسافت تین سو فرسخ ہے۔ "ابو الفدا" اور "ابن بطوطہ" نے بھی ملیبار کے یہی حدود بتائے ہیں۔ "ابن بطوطہ" کا بیان ہے کہ "گوا" سے "کولم" تک دو مہینہ کی مسافت ہے۔

مارکوپولو (Marcopolo) نے لکھا ہے کہ "ملیبار" "ہیلی" سے شروع ہو کر "گجرات" تک چلا گیا ہے۔ پرتگیز سیاحوں اور خصوصاً تہیونو نے لکھا ہے کہ "کنانور" سے "راس کماری" تک جو

حکیم سید شمس اللہ قادری

ملک واقع ہے ملیبار کہلاتا ہے۔

ملیبار کے ایک طرف جانب مغرب ساحل بحر اور دوسری طرف جانب مشرق مغربی گھاٹ کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے اور دونوں کے وسط میں ملیبار کا علاقہ واقع ہے۔

مغربی گھاٹ کوہستان کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہے۔ جو دریائے تاپتی کی وادی سے شروع ہو کر راس کماری تک کم و بیش ایک ہزار میل چلا گیا ہے۔ ملیبار میں اس سلسلہ کوہ کی بلندی تین ہزار سے آٹھ ہزار فٹ تک پائی جاتی ہے اور شمال میں ساحل بحر او سے بیس میل فاصلہ پر واقع ہے اس کے بعد جانب جنوب اوس کی مسافت بتدریج بڑھتی گئی ہے یہاں تک کہ پال گھاٹ کے قریب اس کا بعد ساحل بحر سے ساٹھ میل ہو گیا ہے۔ اور اس طویل سلسلہ میں صرف اس جگہ ایک فصل پیدا ہو گیا ہے جس کی مسافت سولہ میل ہے اور اسی درہ سے اندرون ملک میں ریل داخل ہو کر مغربی ساحل پر گذرتی ہے۔ یہ درہ ملیبار کے عین وسط میں واقع ہوا ہے اسی کے قریب اس گھاٹ کی ایک بلند چوٹی واقع ہے جسکا نام "وے وین مالا" یا "کوماں شتر" ہے اور اس کی بلندی کم و بیش سات ہزار چھ سو فیٹ ہے اس کے بعد جانب جنوب کوہستان کا جو سلسلہ چلا گیا ہے۔ اوس کا نام "نیلمبر" یا "جبل الفیل" ہے اور اسی پہاڑی سلسلہ کی ایک بلند چوٹی پیر کو سے تال "کاگر مالی" مقام واقع ہے جسکی صحت بخش آب و ہوا نیلگیری سے بہتر سمجھی جاتی ہے۔

ملیبار نہایت زرخیز سرسبز اور شاداب ملک ہے۔ یہاں کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ان کی وادیوں میں انواع و اقسام کے قیمتی نباتات پیدا ہوتے ہیں اور ان میں اکثر ایسی ہیں جن کی پیدائش اس ملک سے مخصوص ہے مثلاً سیاہ مرچ۔ الائچی۔ جوز۔ جاوتری۔ لونگ وغیرہ اور ان کے علاوہ پان دارچینی۔ ناریل۔ چھالیہ۔ قہوہ۔ نیل اور سنکونا۔ بھی یہاں پیدا ہوتا ہے۔ سیاہ مرچ۔ اور پان یہاں پر خود رو اگتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلامی سیاحوں نے اس علاقہ کا نام "بلاد فلفل" "معدن تنبول" رکھا ہے

یہاں کے جنگلوں میں قیمتی چوبینہ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ بالخصوص بانس اور ساگوان کی نہایت افراط ہے

وان ریڈ نے جو اس ملک کے ایک حصہ پر ڈچوں کی طرف سے گورنر ہو کر آیا تھا۔ یہاں کی نباتات پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے (جس کا نام ہوٹوس مالا باریکوس) ہے اس میں (۷۹۴) قسم کی ان مختلف نباتات کا ذکر ہے جو ملیبار اور جنوبی ہند میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور سب سے پہلی کتاب ہے جو اس ملک کے نباتات پر یورپ میں لکھی گئی ہے۔

ہندوستان کے جنوبی خطہ میں جناب مسیح کی ولادت سے مدت پہلے تین سلطنتیں قائم تھیں۔ "پانڈیا" "چولا" "چیرا"۔ "پانڈیا" کی حکومت انتہائی جنوب میں واقع تھی اس کے مشرق میں ویلار کے دریا سے پنار تک ساحل معبر پر "چولا" خاندان حکمران تھا۔ "چیرا" خاندان والے کوکن کے جنوب میں راس کماری تک ساحل مالابار پر برسر حکومت تھے یہ تینوں سلطنتیں مسلمانوں کے فتوحات تک قائم تھیں۔ اور جنوب کا قدیم تمدن انہیں سلطنتوں کے سایہ عاطفت میں نشوونما پایا تھا۔

"چیرا" خاندان کا ذکر اشوک کے کتبوں میں آیا ہے۔ اور اس سے اس خاندان تاریخی قدامت کا اظہار ہوتا ہے۔

چیرا خاندان کی تاریخ ابھی تک تاریکی میں ہے پروفیسر کیلھارن [illegible] اور سندرام پلے نے اس خاندان کے دو سو سے زیادہ کتبے فراہم کئے ہیں۔ اور ان کی مدد سے بارھویں صدی عیسوی تک اس علاقہ کا تاریخی مواد حاصل کیا ہے لیکن اس میں کوئی دلچسپی نہیں اور نہ اس خاندان کی سلسلہ وار فہرست معلوم ہو سکتی ہے۔

پروفیسر کیلھارن کی تحقیقات کے موافق اس خاندان کا آخری راجہ چیرومن پیرومال ہے اس نے قبول اسلام کے بعد عرب جانے کا ارادہ کیا تو حکومت سے دست کش ہو کر مملکت کو اپنے سرداروں میں تقسیم کر دیا ان جدید حکمرانوں میں کالیکوٹ کے سامری نے بعد میں چل کر خوب شہرت حاصل کی ایک قدیم مقامی روایت کے موافق سامری خاندان کا آغاز اس طرح پر ہوا ہے کہ چیرومن پیرومال نے جب اپنی سلطنت اپنے مختلف سرداروں میں تقسیم کر دی تو اس کے بعد ایک سردار حاضر ہو کر اپنے لئے راجہ سے ملک کا طالب ہوا۔ اوس وقت راجہ کے پاس تلوار کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ تھی۔ سو ہر دو ایک مرغ کہیں بانگ دے رہا تھا۔ راجہ نے تلوار سردار کے حوالے کر دی اور کہا مرغ کی آواز جہاں تک جائے اس قدر علاقہ پر اس تلوار کے زور سے قبضہ کرلے۔ اس حکم کے بعد سردار نے جسقدر ملک پر قبضہ کر لیا اس کا نام "کالی کوڈ" پڑ گیا جس کے معنی ہیں مرغ کی حکومت۔

مورخین نے اس جدید خاندان کا لقب سامری بیان کیا ہے۔ یہ لفظ ملیالم زبان کا ہے اور اس کی اصل اس طرح پر بیان کی ہے۔ "سامورِی" "سامورتری" "تاموری" "تاموتری" یہ سب الفاظ ساموندری کی مسخ شدہ صورتیں ہیں جس کے معنے ہیں "ملک البحر" یا سمندر کا پاشاہ۔

"کالی کوڈ" کی حکومت بھی چونکہ ساحل سمندر پر قائم ہوئی تھی۔ اس لئے یہاں کے راجاؤں نے اپنے لئے یہ لقب اختیار کیا تھا۔ یہ لقب اسلامی تاریخوں میں دسویں صدی ہجری کے بعد منقول ہوا ہے۔ اور سب سے پہلی کتاب جس میں یہ نام آیا ہے تحفۃ المجاہدین ہے مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس لقب کو اسی کتاب سے نقل کیا ہے۔

دسویں صدی ہجری سے پہلے جو مسلمان سیاح اس ملک میں آئے تھے۔ انہوں نے یہاں کے راجہ کا لقب "زیمور" لکھا ہے۔ اور مشہور مورخ ابوالحسن مسعودی نے جس کا انتقال ۳۴۶ھ میں ہوا ہے۔ اس علاقہ کو "زیمور" کی عملداری کے نام سے موسوم کیا ہے۔

مسلمانوں کی رہنمائی سے پرتگیزوں نے جب اس ملک میں قدم رکھا تو انہوں نے بھی یہاں کے راجہ کے لئے "زیمور" کا لقب استعمال کرنا شروع کیا جو کچھ عرصہ کے بعد تصرف پا کر "زیمورن" ہو گیا اور یوروپین لٹریچر میں اب تک مروج مستعمل ہے۔

سکندر کبیر کے خروج سے صدیوں پہلے ملیبار میں عربوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ پھر یہاں سے عربوں کے کارواں "یمن" وہ "حجاز" سے گذرتے ہوئے ان اجناس کو "شام" میں "قدمور" اور "مصر" میں "اسکندریہ" تک پہونچاتے تھے۔ "یورپ" کے تجاران مقامات سے اس سامان کو حاصل کر کے اپنی تجارت گاہوں میں داخل کیا کرتے تھے۔ غرض کہ قدیم زمانہ میں "ہندوستان" "اور یونان" و "روم" کے مابین جو تجارت ہوا کرتی تھی اس کا توسط "عرب" اور ان کے بعد مصر و شام کے باشندے تھے۔

عرب میں ملابار کی تجارت کا مرکز مدینہ ظفار تھا جو حضرموت کے ساحل پر واقع ہے اور یہاں کے تجار بلاواسطہ ملیبار سے تجارت کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر میں اور اس کے اطراف ملیبار کے اکثر درخت اب بھی پائے جاتے ہیں مثلاً "ناریل" "فلفل" "تنبول" وغیرہ۔

عہد عتیق کے مقدس صحیفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ اور حضرت سلیمان علیہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل نے بھی ملیبار سے تجارتی تعلقات پیدا کئے تھے چنانچہ ملوک اور ایام کی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ اپنے عہد حکومت میں دو بحری مہمیں "اوفیر" اور "ترسیس" کو روانہ کیا کرتے تھے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ وہاں سے "سونا" "چاندی" "صندل" کی لکڑی "ہاتھی دانت" "مور" اور بندر لائیں۔

"ترسیس" کی مہم تین برس کے عرصے میں واپس ہوا کرتی تھی۔ یہ طریقہ بنی اسرائیل میں حضرت سلیمان علیہ کے بعد "یہوسفط" کے زمانہ تک جاری تھا اور خود "یہوسفط" نے بھی ایک مہم دو جہازوں کی "ترسیس" اور اوفیر کی جانب روانہ کرنے کے لئے تیار کی تھی لیکن قبل اس کے کہ بندرگاہ سے روانہ ہوتی ایک طوفان کے باعث تباہ و برباد ہو گئی۔

بنی اسرائیل کا بندرگاہ "عصیون جبر" تھا جو بحر احمر میں خلیج عقبہ کے بالائی حصہ پر واقع ہے۔ اسی جگہ ان کے جہاز بھی تیار ہوا کرتے تھے۔ "اوفیر" اور "ترسیس" کہاں واقع تھے۔ اس کی نسبت مدت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ پروفیسر لاسین [illegible] اور جنرل کننگھام [illegible] کی رائے میں "اوفیر" سے ابیرا مراد ہے جس کا ذکر بطلیموس نے کیا ہے اور جو سندھ کے ڈیلٹان میں آباد تھا۔ لیکن یہ رائے تو

رات کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ کتاب التکوین" سے معلوم ہوتا ہے کہ "اوفیر" یقطان کے بیٹے کا نام تھا۔ باپ بیٹا اور اس کے دوسرے بھائی یہ سب عرب کے جنوب مشرقی ممالک میں "میسا" سے "سفار" تک آباد ہوئے تھے اس بنا پر ہم کو چاہئے کہ اوفیر کو جنوبی عرب میں تلاش کریں نہ کہ ہندوستان میں۔

عہد عتیق کے یونانی ترجمہ میں (جس کو سترہ یہودیوں نے اسکندریہ میں ترجمہ کیا تھا) بجز کتاب التکوین یہ نام جہاں کہیں بھی آیا ہے وہاں اس کا تلفظ "سوفیر" اور "سوفیرا" تحریر ہے۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرموت کا مشہور شہر ظفار یا یمن کا قدیم دار الحکومت سفالہ اس سے مراد ہے۔

ترسیس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ یہ شہر ایشیائی کوچک کے علاقہ تلیقہ [illegible] میں واقع تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اس کی جانب جو مہین روانہ کی تھیں وہ خلیج عقبہ اور بحر احمر سے گذرتی ہیں۔ تو موجودہ رائے کے خلاف اس کے موقع و محل کی نسبت ایک جدید رائے قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ترسیس سے حضرت سلیمان علیہ کے یہاں جو سامان آیا ہے۔ ان میں صندل، مور اور بعض ایسے اشیا رہیں جن کی پیدائش ہندوستان سے مخصوص ہے اور ان کے عبرانی میں جو نام استعمال ہوئے ہیں ان کا ماخذ دراویڈین الفاظ ہیں۔ اصل عبرانی میں مور کے لئے توکی درج ہے جو ٹامل زبان کے لفظ توکی یا ٹوکی سے بلا کسی توسط کے عبرانی میں داخل ہوا ہے۔ اور اوس سے اس بات کا قطعی ثبوت ملتا ہے کہ بنی اسرائیل اس کو ساحل ملیبار سے راست حاصل کیا تھا اور ترسیس بھی اس ملک میں واقع تھا۔ جو اب ناپید ہو کر فراموش ہو گیا ہے۔

ٹامل زبان میں چاول کو آرسی کہتے ہیں۔ یہ لفظ کسی قدر تصرف کے بعد عربی اور عبرانی میں "ارز" اور یونانی میں اروزا ہو گیا ہے۔ جناب مسیح سے چار پانچ سو سال پہلے عرب میں ملیبار سے بہ کثرت چاول آیا کرتے تھے۔ اور سوفاکلس Sophocles کے زمانہ میں اہل یونان اس کو بہترین غذا سمجھ استعمال کیا کرتے تھے۔

اور یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ اہل عرب بنی اسرائیل اور اہل یونان چاول کو ملیبار سے حاصل کیا کرتے تھے۔

اہل عرب میں اجناس کی تجارت کیا کرتے ان کی نسبت اہل یونان و روم کو معلوم تھا کہ وہ ہندوستان کی پیداوار ہیں۔ لیکن اونھیں اس کی خبر نہ تھی کہ ہندوستان تک آمد و رفت کس راہ سے ہوا کرتی ہے۔ قیصر آگسٹس Augustus نے جناب مسیح سے بیس سال پہلے مصر کو فتح کر لیا تھا تو اس کے باعث بحر احمر پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس واقعہ کے کچھ روز بعد

قیصر کلاودیس کے زمانہ میں رومیوں کا ایک جہاز بحر احمر سے نکلا اور باد مخالف کے زور میں اگر ہندوستان کے جنوبی ساحل پر پہونچ گیا۔ اس وقت رومیوں کو معلوم ہوا کہ ساحل عرب کے کنارے کنارے ہو کر ہندوستان کو جانے کے عوض براہ راست سواحل ہند تک آمد و رفت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد مصر کے رومی تجاروں نے ساحل پر آنا شروع کیا۔ ملیبار کا علاقہ اون کی تجارت کا مرکز قرار پایا پلینی نے [illegible] بیان کیا ہے کہ اس وقت جو جہاز مصر سے نکلتے وہ ساحل ملیبار تک دو مہینے دس یوم میں پہنچ جاتے تھے۔ مزرس Muziris اور پوہار اس زمانہ میں ملیبار کے بارونق بندرگاہ تھے۔ یہاں سے رومی جہازوں پر ہندوستان کی اجناس لادی جاتی تھیں۔ پہلی اور دوسری عیسوی صدی میں رومی باشندوں کی بہت بڑی تعداد ان دونوں بندرگاہوں میں آکر آباد ہو گئی ہیں۔ اور مزرس میں ان لوگوں نے قیصر آگسٹس Augustus کے نام سے ایک عالیشان معبد بھی تعمیر کیا تھا۔ ٹامل کے قدیم ادب میں ان نوادر رومیوں کو یون کے نام سے یاد کیا گیا ہے چیرہ بادشاہوں کی محافظ فوج کے سپاہی جو ٹامل نظموں میں زبردست یون اور گونگے ملیچھوں کے نام سے موسوم ہیں ان سے یہی نووارد مراد ہیں جو روم سے آکر یہاں کی فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔

قدیم زمانہ میں مرچ کو اہل یورپ بڑی بڑی قیمتیں دیکر خرید کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی قدر و منزلت سونے سے بھی زیادہ سمجھی جاتی تھی چنانچہ قوم گاتھ Goth کے بادشاہ الارک Alaric نے جب رومیوں کو شکست دے کر ان سے تاوان جنگ کا مطالبہ کیا تو اوس میں تین سو پونڈ مرچیاں بھی شامل کیں۔

رومیوں نے ملیبار اور جنوبی ہندوستان سے جو تجارتی تعلقات قائم کئے تھے۔ وہ جناب مسیح کی ولادت کے کم و بیش ڈھائی سو سال تک خوب رونق پر تھے مصر کے بطلیموس بادشاہوں کی سعی کوشش سے ان تعلقات کو ترقی ہو گئی ہے۔ اور اس تجارت کا مرکز مصر میں اسکندریہ بنا ہوا تھا۔ ۲۱۵ء میں کرکالا Caracalla نے اسکندریہ میں قتل عام کرایا جس کے باعث شہر تباہ ہو گیا اور رومیوں کی تجارت کا جو سلسلہ اہل اسکندریہ کی وساطت سے جنوبی ہندوستان کے ساتھ قائم تھا وہ تباہ ہو کر کچھ عرصہ کے بعد بالکل مسدود ہو گیا اور یہ تجارت حسب سابق پھر عربوں کے قبضہ میں آگئی۔ اور اس زمانہ سے پرتگیزوں کے ہندوستان میں آنے تک بے خوف و خطر اہل عرب اس تجارت کے مالک بنے رہے۔

عربوں کے جہاز جولائی اور اگسٹ میں جب کہ ہوا کا رخ مشرق کی جانب ہوتا تھا۔ ساحل ملیبار کی جانب روانہ ہوتے تھے اور یہاں تین چار مہینے تک کاروبار انجام دینے کے بعد دسمبر یا جنوری میں وطن کو واپس چلے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ مسافت تیس سے چالیس دن تک طے ہوا کرتی تھی۔

جناب شارع اسلام علیہ السلام نے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو اس تاریخ سے اشاعت اسلام کا دور شروع ہوا۔ سات آٹھ سال کے اندر اندر عرب کے اکثر قبایل حلقہ اسلام میں شامل ہو گئے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے وفود بھیجکر قبول اسلام کا اقرار کیا یمن اور حضرموت کے ساحلی باشندے بھی ۹ ہجری اور ۱۰ ہجری میں مطیع اسلام ہو گئے۔ یہ سب تجارت پیشہ قبائل تھے۔ اوس زمانہ میں ان کی بحری تجارت کمال عروج پر تھی اور ان کے جہاز ایران، مصر، سندھ، ملیبار، سیلان، ملاآبار، چین وغیرہ میں آیا جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ تجارت کے لئے جس جس علاقہ میں پہونچے وہاں اسلام کی آواز کو بھی پہونچایا اور ان کے ذریعہ زمانہ سعادت ہی میں ظہور اسلام کی کیفیت سندھ و ہند سے گذرکر جزیرہ سیلان تک پہونچ گئی تھی۔

ایک مسلمان ایرانی جہاز ران بزرگ بن شہریار نے جو خلیج فارس کے شہر ہرمز کا باشندہ تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں ایک کتاب اپنی بحری سفروں کے حالات میں لکھی تھی جس کا نام عجائب الہند" ہے اس میں سیلان کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

سرندیپ اور اس کے اطراف میں وہاں کے لوگوں کو جناب رسالت مآب صلعم کی نبوت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ایک سمجھدار آدمی کو عرب کی جانب روانہ کیا تاکہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے اور آپ کی دعوت اسلام کے حالات دریافت کرے۔

یہ آدمی عرب میں اس وقت پہونچا جب کہ حضرت عمر بن خطاب مسند خلافت پر متمکن تھے۔ آپ سے جناب رسالت مآب صلعم کے حالات دریافت کئے اور اس کے بعد سرندیپ کی جانب واپس ہوا۔ لیکن راستہ میں بمقام مکران اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ایک ہندوستانی غلام تھا وہ سرندیپ کو واپس آیا اور وہ تمام واقعات جو اس نے دیکھے اور سنے تھے بیان کئے۔ جناب پیغمبر علیہ السلام اور حضرت ابوبکر کے حالات سے بھی واقف کرایا۔ حضرت عمر کی ملاقات کا بھی ذکر کیا۔ اور کہا کہ وہ نہایت متواضع بزرگ ہیں۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور مساجد میں سوتے ہیں۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ پہلی صدی کے آغاز ہی میں اسلام کی آواز سواحل ہند سے گذرکر سیلان تک پہونچ گئی تھی۔ قریب قریب اسی زمانہ میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد ایسا ہی واقعہ ملیبار میں پیش آیا ہے۔ تحفۃ المجاہدین میں لکھا ہے کہ عرب و عجم کے چند فقرا ساحل عرب سے جہاز پر سوار ہو کر حضرت آدم کے قدم گاہ کی زیارت کے لئے سرندیپ کی جانب روانہ ہوئے۔ ان کا جہاز سوء اتفاق

یا باد مخالف کے باعث ساحل ملیبار پر پہونچ گیا۔ اور کرنگانور میں لنگر انداز ہوا۔ اس شہر کے راجہ نے جو سامری کہلاتا تھا۔ ان فقیرون سے ہر قسم کی گفتگو کی اور ان کے مذہب وملت کی نسبت بھی دریافت کیا۔ فقرا نے بتایا کہ ہم لوگ مذہب اسلام کے پابند ہیں۔ اس پر راجہ نے کہا کہ میں نے یہودی اور نصرانی سیاحون سے سنا ہے کہ عرب "ایران" اور ترک میں یہ مذہب خوب رواج پایا ہے۔ لیکن مجھے ابھی تک کسی مسلمان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اگر تم اپنے پیغمبر کے حالات بیان کرو تو زیادہ بہتر ہے۔

ان فقرا میں ایک ذی علم اور صاحب فہم آدمی تھا اس نے نبی اکرم کے حالات اور معجزات اس طرح بیان کئے کہ راجہ نے متاثر ہوکر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اپنی قوم سے ہراسان ہوکر اُسے مخفی رکھا۔ اور فقرا کو بھی منع کر دیا کہ اس واقعہ کو کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اس کے بعد فقرا سرندیپ کو چلے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد وہان سے واپس ہوئے تو راجہ نے ان کے ساتھ "مکہ" اور "مدینہ" کے سفر کا ارادہ کیا اور اپنے اعیان وامرا کو جمع کرکے ریاست کے کاروبار ان کے تفویض کر دے اور خود گوشہ نشینی کا عذر کرکے فقیرون کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گیا۔ اور جب یہ لوگ ساحل عرب پر پہونچے تو وہان راجہ بیمار ہوکر فوت ہو گیا۔ انتقال کرنے سے پہلے اس نے اپنے رفقا کار کو وصیت کی کہ ملیبار میں جاکر دین اسلام کی اشاعت کرین۔ پس ان لوگون سے شرف بن ملک مالک بن دینار۔ اور مالک بن حبیب مسلمانون کی ایک جماعت کو ہمراہ لیکر عرب سے ملیبار میں وارد ہوئے۔ اور کئی جماعتون میں تقسیم ہوکر مختلف شہرون میں آباد ہوگئے۔ اور وہان عبادت کے لئے مساجد بھی تعمیر کر لئے۔ سب سے پہلے مالک بن دینار نے کرنگانور میں مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد کولم اور ہیلی ماراوی میں آکر دو مسجدین بنائین۔ یہان سے نکل کر جرفتن۔ درفتن۔ فندرینہ۔ چالیات۔ فاکنور وغیرہ میں آئے۔ اور یہان ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ غرض کہ ان عربون نے اس ملک میں آکر اسلامی نوآبادیات کی بنیاد ڈالی۔

مورخین نے اس واقعہ کا عہد وقوع اختلافات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فرشتہ کی رائے میں یہ واقعہ عہد رسالت میں سرزد ہوا ہے ملیبار کے مسلمان بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن تحفۃ المجاھدین میں لکھا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ان کی رائے میں یہ واقعہ دوسری صدی ہجری میں وقوع پذیر ہوا ہے۔

علمائے شرقیات کی تحقیقات کے موافق وہ راجہ جس نے اسلام قبول کیا ہے۔ چیرہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور چیرومن پیرومل اوس کا نام تھا جس کا مفصل حال ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

بعض ٹامل روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویدون کا مشہور مفسر اور وشنو مذہب کا ہادی شنکرا چاری اسی چیرومن پیرومل کے عہد میں گذرا ہے۔ ڈاکٹر برنل کی تحقیق کے مطابق شنکرا چاری سنہ ۶۵۰ء میں ہوئی ہے جو سنہ ۔۔۔ کے مساوی ہے۔ زمانہ حال میں یہ طے ہوا ہے کہ اس کا سنہ ولادت سنہ ۔۔۔ء ہے جو سنہ ۔۔۔ سے مطابقت رکھتا ہے اگر ڈاکٹر برنل کی تحقیقات صحیح مان لی جائے تو چیرومن پیرومل جناب رسالت مآب کا معاصر ثابت ہوتا ہے۔ اگر جدید تحقیقات پر وثوق کیا جائے تو اس کا زمانہ دوسری صدی ہجری قرار پاتا ہے۔

"امپیریل گزیٹر" کے ایڈیٹرون کی تحقیق کے موافق چیرومن پیرومال سنہ ۔۔۔ میں ساحل عرب پر پہونچا۔ اور آٹھ چار سال بعد سنہ ۔۔۔ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس سے قبل ۲۵ راگست سنہ ۸۲۵ء کو بعزم سفر ساحل ملیبار سے روانہ ہوا تھا اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی کے اوایل میں یہ راجہ گذرا ہے۔ اور اس کے رفقا اسی صدی کے اخیر ایام تک ملیبار میں وارد ہوئے ہیں۔

مالک بن دینار نے ساحل ملیبار پر جو مساجد تعمیر کئے تھے ان کے مقامات ذیل میں درج ہیں۔

"کدن کلور" موجودہ زمانہ میں اس کو کرین گانور کہتے ہیں۔ کوچین کے قریب ملیبار کے جنوبی علاقہ میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ نہایت قدیم مقام ہے۔ بطلیموس نے مزس کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ رومی اور عربی تجار پہلے زمانہ میں اسی شہر میں آیا کرتے تھے۔

"کولم" اس کا ذکر رشید الدین، ابو الفداء اور ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔ سرحد ملیبار کا اخیر مقام ہے۔

"ہیلی ماراوی" ابو الفداء نے اس کو راس ہیلی لکھا ہے رشید الدین نے اس کا ذکر منجرور اور فندرینا کے بیچ میں کیا ہے۔

"جرفتن" ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ہیلی سے ۳ فرسخ کی مسافت پر واقع تھا۔ گزیٹر میں لکھا ہے کہ اس سے کنند اپور مراد ہے۔

"دہ فتن" ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ گزیٹر میں لکھا ہے کہ یہ مقام ٹیلی چری کے قریب آباد تھا۔

"فندرینا" اس کا ذکر ابو الفداء اور رشید الدین نے کیا ہے ساحل بحر کی بستی ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس کو "پنداراني" کہتے ہیں۔ اور یہ کالی کوٹ سے جانب شمال سولہ میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔

"چالیات" ابو الفداء اور رشید الدین نے شالیات کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابو الفداء کے زمانہ میں یہان یہودی قبائل آباد تھے۔ کالی کٹ کے جنوب میں ساحل بحر پر آباد تھا۔

"فاکنور" یاقوت حموی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ساحل بحر کا شہر ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس کو "باکنور" یا "برکور" کہتے ہیں۔

"منجرور" اس کا ذکر "یاقوت" ابو الفداء اور دوسرے عرب جغرافیہ نویسون نے بھی کیا ہے۔ ملیبار کا مشہور شہر ہے۔ شمالی حصہ میں ساحل بحر پر آباد ہے۔ موجودہ زمانہ میں اسکو "منگلور" کہتے ہیں۔

دسوین صدی میں ملیبار کے متعلق ایک کتاب عربی

زبان میں تصنیف ہوئی ہے جس کا نام ہے تحفۃ المجاھدین فی اخبار پرتگالیین اس میں اشاعت اسلام کی سرگزشت پرتگالیون کی آمد اور مسلمانون کے ساتھ ان کی لڑائیون کا مفصل تذکرہ مرقوم ہے اور مضامین چار ابواب پر منقسم ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

باب اول:۔ جس میں جہاد کے احکام مذکور ہیں۔

باب دوم:۔ اس میں مسلمانون کے آنے اور مذہب اسلام کے رواج پانے کی مفصل تاریخ لکھی ہے۔

باب سوم اس میں بعض ہندو اقوام کے عادات ورسوم بیان کئے ہیں۔

باب چہارم اس میں پرتگیزون کے آنے اور یہان کے بعض مقامات پر قابض ہوکر اپنی حکومت کرنے کا مفصل تذکرہ مرقوم ہے۔

"جرجی زیدان" نے اس کے مصنف کا نام زین الدین معبری لکھا ہے۔ ان کے اجداد معبر کے باشندے تھے۔ علی بن احمد معبری نے معبر سے نقل مقام کیا اور ملیبار میں آکر جنوبی علاقہ میں سکونت پذیر ہوئے ان کے فرزند شیخ زین الدین معبری ۱۲ رشعبان سنہ ۸۷۲ھ کو کوشن (کوچین) میں پیدا ہوئے۔ اور چھبیس برس کی عمر میں ۱۶ رشعبان سنہ ۹۲۸ھ کو یونان (پونانی) میں انتقال کیا۔ ان کے فرزند عبد العزیز تھے ان سے زین الدین ثانی تولد ہوئے۔ یہی بزرگ تحفۃ المجاھدین کے مصنف ہیں۔ انہون نے اپنی یہ کتاب سلطان علی عادلشاہ اول والی بیجاپور کے نام پر تصنیف کی تھی۔

"دادا" اور "پوتے" دونون صاحب تصنیف وتالیف ہوئے ہیں۔ اور انکی متعدد تصنیفات مصر میں چھپ کر شایع ہوگئی ہیں۔

زین الدین اول کی تصنیف سے تصوف میں ایک منظوم رسالہ بلاد مصر وشام میں بہت مقبول ہوا ہے۔ اور "ارجوزہ" کے نام سے سنہ ۱۲۹۷ھ میں بولاق میں طبع ہوا ہے اس کے علاوہ مرشد الطلاب اور شعب الایمان بھی ان کی مشہور تصنیف ہیں۔

زین الدین ثانی کی تصنیفات سے بلاد اسلام میں متعدد کتابین مروج ومتداول ہیں۔

فتح المعین۔ قرۃ العین کی شرح ہے اور مصنف نے ۲۴ ررمضان سنہ ۹۸۲ھ کو اس کتاب کی تصنیف سے فراغت حاصل کی ہے۔ کئی بار یہ کتاب مصر میں چھپی ہے۔ اس کا متن جسکا نام قرۃ العین ہے فقہ شافعیہ میں ہے اور اُسے شیخ عبد اللہ بن بہاء الدین محمد بن علی العجمی الشنشوری خطیب جامع الازہر المتوفی ۔۔۔ سنہ نے تصنیف کیا ہے۔

ھدایۃ الاذکیا الی طریقۃ الاولیا تصوف میں ہے۔ اس پر اکثر علماء نے شروح وحواشی لکھے ہیں منجملہ ان کے دو بہت مشہور کتابین ہیں۔ **کفایۃ الاتقیا ومنہاج الاصفیا** ابی بکر بن سید محمد شطاء الدمیاطی کی تصنیف ہے اور سنہ ۱۳۰۳ھ میں مصر میں چھپی ہے۔ دوسری کا نام **سالم الفضلاء** ہے اور اس کو محمد نووی الجاوی نے تصنیف کیا ہے اور سنہ ۱۳۰۴ھ میں بمقام قاہرہ چھپی ہے۔ **تحفۃ المجاھدین**۔ یہ نہایت نایاب وکمیاب کتاب ہے راولنس Rowlandson صاحب نے انگریزی زبان میں اسکا ترجمہ کیا جو سنہ ۱۸۳۳ء میں بمقام لندن طبع ہوا ہے۔ شیخ عبد القادر عیدروس نے لکھا ہے کہ زین الدین ثانی شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی (المتولد سنہ ۹۰۹ھ، المتوفی سنہ ۹۷۴ھ) کے شاگرد تھے اور شیخ موصوف نے شاگرد کے ساتھ آکر ملیبار کی سیاحت بھی کی تھی۔

چار مینار کی گپ

ایک بونگے کے قلم سے

چار مینار کے شہر میں ایک ضرب المثل بہت عام ہے وہ یہ کہ "گیدڑ کی شامت آتی ہے تو جنگل میں لگتا ہے، کتے کی شامت آتی ہے تو مسجد میں جاتا ہے" اسی طرح جب ہماری شامت آتی ہے تو نظام گزٹ کے دفتر میں پہنچتے ہیں۔ ایڈیٹروں کی دوستی کیمرہ کلیوں کی دوستی سے کم نہیں جس طرح کیمرہ کسی شریف آدمی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن اتفاقاً آ گیا ہے اسی طرح ایڈیٹر ہر اس آدمی سے جس کا دامن مضمون نگاری کی نحوست سے پاک ہوتا ہے، اکڑا رہتا ہے۔ اس اکڑفوں کو "مدیرانہ خودداری" سمجھتا ہے اور یہ وہ متعدی مرض ہے کہ بعض عالم خیال کے مدیروں کو بھی اثر کر لگ جاتا ہے ـــــ یعنی ایسے مدیروں کو جن کا اخبار عالم خیال میں شائع ہوتا ہے اور مادی آنکھوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ مگر اس "مدیرانہ خودداری" کی اس وقت شامت آتی ہے جب مدیر کی کسی مضمون نگار سے مٹ بھیڑ ہوتی ہے سب سے پہلے مدیر کے چہرہ سے سنجیدگی کی پالش اڑ جاتی ہے اور پھر گویا باکمال مصور کی ایک جنبش قلم سے وہ روتا ہوا چہرہ مسکراتا ہوا نظر آتا ہے اور پھر وہ ریشہ خطمی بن جاتا ہے "آہا کاظمی صاحب السلام علیکم آپ تو اب عید کا چاند ہو گئے آپ آج کل ہیں کہاں؟ بھئی واللہ رضوی سے کتنا پوچھا حسینی سے کتنی مرتبہ دریافت کیا۔ نقوی کے گھر کے کم از کم ایک درجن چکر ہوئے مگر کسی کو تمہارا حال معلوم نہ تھا آخر کہاں رہے" اب بیچارے مضمون نگار کی صورت ملاحظہ ہو۔ مدیر کو دیکھتے ہی اس کا ہنستا ہوا چہرہ سنجیدہ بن جاتا ہے اور پھر وہی صورت روتی ہوئی نظر آتی ہے پہلے ہی "السلام علیکم" کے تڑاخے سے اسکے حواس غائب ہو جاتے ہیں اور پھر فوراً ہی وہ سخت غمناک عذرات کے تراشنے میں منہمک ہو جاتا ہے "بھئی کیا بتاؤں کن مصیبتوں سے گزر رہا ہوں پچھلی مرتبہ آپ سے جو ملاقات ہوئی تھی اس کے دوسرے ہی روز چچا صاحب کا تار آیا کہ ہماری چچی صاحبہ کی علاتی والدہ سخت بیمار ہیں اسی تشویش میں سیدھا گلبرگہ پہنچا وہاں وہ بیچاری مرض الموت میں مبتلا تھیں اور میرے وہاں پہنچتے ہی انتقال کر گئیں۔ خدا انہیں رحمت کرے بڑی ہی نیک اور پارسا بی بی تھیں فارسی زبان پر خاصا عبور رکھتی تھیں۔ چنانچہ مجھے سکندر نامہ انہیں نے پڑھایا تھا۔ خیر ابھی ان کی فاتحہ سوم سے فرصت بھی نہیں پائی تھی کہ خبر آئی ماموں صاحب کے دونوں بچوں کو طاعون ہو گیا۔ وہاں جانا بھی ضروری تھا ابھی وہاں سے فراغت بھی نہیں پائی تھی کہ خود میری نانی صاحبہ کی ہمشیرہ فالج کا شکار ہوئیں ان کے علاج معالجہ میں کامل تین مہینے صرف ہوئے پھر بھی خاطر خواہ صحت نہیں نصیب ہوئی۔ اب اسی پریشانی میں ڈاکٹر کروسکر کے ہاں جا رہا تھا"

"بھئی واللہ بڑا افسوس ہے۔ بھئی مجھے اس وقت دلی صدمہ ہوا۔ خدا جانے تمہارا کیا حال ہوا ہوگا بھئی یہ تمہاری ہی ہمت ہے کہ اتنے صدمہ برداشت کر رہے ہو"

"کیا بتاؤں اسی پریشانی میں آپ کے اخبار کے لئے وہ مضمون بھی نہ لکھ سکا۔ بس ابھی ایک صفحہ نہ لکھا تھا کہ یہ واقعات پیش آئے۔ اب جو میں کچھ اطمینان حاصل ہوگا سب سے پہلے آپ کا مضمون تیار کرونگا"

"نہیں کچھ مضائقہ نہیں آپ اپنی فرصت کے اوقات میں لکھئے اور بھائی آپ اپنی ذات پر اتنے صدمے بھی نہ اٹھائیے دل بہت چاہتا تھا کہ تم سے ملوں اور مجھے کیا علم تھا کہ تم ان مصیبتوں میں گرفتار ہو۔ میں تو تم سے مضمون کا سخت تقاضا کرنے والا تھا۔ تاہم خدا کا شکر ہے آپ کو یاد تو ہے۔ بھئی اخبار کے دفتر میں ضرور ملنا یہاں راستے کا کیا ملنا۔ ذرا اطمینان سے گفتگو ہو تو لطف آئے۔ اچھا خدا حافظ"

مگر جناب مدیر کی یہ گفتگو اور "مسکراہٹ بالجبر" ہر مضمون نگار کے لئے نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ صرف انہیں کے لئے مخصوص ہے جو ہمارے جیسے خرانٹ ہوں یا ہم سے بھی ایک آدھ ہاتھ نکلتے ہوں ورنہ "قلم قصاب"[1] سا تیز ادا مدیران باوقار ہمیشہ "تمکین و ہوش" سے پیش آتے ہیں اور معاملہ کی گفتگو سے کبھی ادھر ادھر نہیں بھٹکتے۔

خیر یہ تو رہی مدیرانہ سیاست یا مصلحت ہم آہستہ آہستہ بلا اجازت اور بلا شرکت غیرے دفتر میں گھس گئے ہیں اور یہ عرض کیا گیا ہے کہ ہم شامت اعمال سے نظام گزٹ کے دفتر میں گئے۔ دیکھا کہ مدیرانہ باوقار بیٹھے ہوئے ہیں اور نہایت متانت سے انگریزی اخبار پڑھ رہے ہیں۔ ہم نے سلام عرض کیا حسب عادت ایک روکھا سوکھا "وعلیکم السلام" ہمارے کان لگا ہم نے عرض کیا "قبلہ مزاج شریف" جواب آیا "آہا آپ ہیں بھئی معاف کرنا میں اخبار میں منہمک تھا۔ واللہ آپ خوب آئے میں آپ سے ملنا ہی چاہتا تھا۔ یہ لیجئے سالگرہ نمبر پر انڈین ڈیلی میل نے ریویو کیا ہے اور اس میں آپ کی تعریف کی ہے" خوشی سے ہماری باچھیں کھل گئیں ہم نے دل ہی دل میں کہا دیکھا آخر انگریزی اخبار نے ہمارا مضمون سمجھا۔ یہ لوگ سوفٹ کے جانشین ہیں ہماری باتیں یہی سمجھ سکتے ہیں۔ ورنہ اردو اخبار کیا اور اس کے مدیر کیا ہم نے بڑے شوق سے ڈیلی میل لیا ہمیں معلوم تھا کہ اس کے نقاد "بجوں" صاحب ہیں دیکھیں کیا لکھتے ہیں ارے بجوں نے نہیں تنقید کی! ہیں یہ کون ہیں "ناہید"؟ نہیں نہیں "ناقد" بے شک اچھا جناب ناقد صاحب کیا فرماتے ہیں۔ ہمارے مضمون کے متعلق آپ اسکے بعد "بہ یک سانس" ہم نے اس ریویو کو شروع سے اخیر تک پڑھ لیا۔ پڑھنے کے دوران میں پہلے ہماری ابرو پر بل پڑے پھر کچھ مسکرا آئی پھر ہمارا چہرہ علامت استفہام بن گیا اور آخر میں ایک اطمینان کے سانس کے ساتھ مسکراتے ہوئے ہم نے مدیر صاحب سے کہا کہ ہم یہ پرچہ لئے جاتے ہیں اور بہت جلد ہم اسکو مطالعہ کے بعد مع ایک مضمون کے واپس کردینگے۔ مدیر صاحب کچھ فرماتے ہی رہے لیکن ہم اٹھے اور ڈیلی میل کے ساتھ اور دو تین پرچے لیکر موجودہ زمانہ ایک نبی کی طرح جن پر کبھی کبھی نماز پڑھتے وقت وحی نازل ہوتی تھی اور وہ نماز توڑ کر چپ چاپ ایک کرتے ہیں

---

[1] یہ ترکیب "بکر قصاب" "گائے قصاب" کے نمونہ پر آغا شاعر صاحب دہلوی نے بنائی ہے اور وہی اسکے کے ذمہ دار ہیں۔

چلے جاتے تھے، ہم بھی خاموش اپنے گھر چلے آئے۔

اب ہمارے سامنے ایک طرف ڈیلی میل کا ریویو ہے اور دوسری طرف بمبئی کرانیکل کا۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پرچوں میں مباحثہ ہو رہا ہے ڈیلی میل کے مضمون نگار جناب ناقد صاحب بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے نظام گزٹ کے سالگرہ نمبر میں ایسی چیزیں پڑھی ہیں جو اس میں موجود نہ تھیں۔ مثلاً جناب مولوی عبدالرحمن خانصاحب کے مضمون کے نیچے ان کا عہدہ "صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ" خاصے جلی قلم میں لکھا گیا ہے مگر ناقد صاحب کو ان الفاظ کی جگہ "پروفیسر" لکھا ہوا نظر آیا سالگرہ نمبر میں اعلیحضرت حضور نظام کی حکمرانی پر کوئی مضمون نہیں لکھا گیا مگر ناقد صاحب نے اس عنوان کا مضمون اس میں دیکھ بھی لیا ہے اور اسکی تعریف بھی فرمائی۔ نظام گزٹ کے دونوں مدیر عثمانیہ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں مگر ان کے ناموں کیساتھ ام اے کے بعد لفظ "عثمانیہ" نہیں لکھا گیا مگر ناقد صاحب کو صرف رشدی صاحب کے نام کے بعد لفظ "عثمانیہ" بھی چمکتا ہوا نظر آیا ناقد صاحب کی ذہانت یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ اتنے قابل اور ذہین واقع ہوئے ہیں کہ انکی نظر میں مولوی عبدالرحمن خانصاحب کا مضمون اوسط درجے کا نظر آتا ہے حالانکہ وہ مضمون اردو ادب میں اپنی نوعیت کا پہلا مضمون ہے کیا جناب ناقد مجھے بتا سکتے ہیں کہ اردو جرائد میں اب تک کوئی مضمون ہندوستان میں "ریسرچ" یعنے علمی تحقیقات کی مختصر تاریخ اور اسکی اہمیت کے متعلق شایع ہوا ہے؟ ناقد صاحب نواب حیدر نواز جنگ بہادر اور نواب مسعود جنگ بہادر کے حالات زندگی کو بے محل بتاتے ہیں۔ ہمیں اس پر ہنسی آتی ہے۔ بچے کا قاعدہ ہے کہ اپنے باپ کے کندھے پر بیٹھکر اپنے کو باپ سے بھی اونچا سمجھتا ہے۔ اسی طرح ناقد صاحب ڈیلی میل کے ہفتہ واری ضمیمہ پر بیٹھکر اپنے کو اتنا اونچا سمجھنے لگے ہیں کہ گویا جریدہ نگاری کے وہ پورے ماہر ہیں۔ اسلئے یہ طفلانہ رائے دی ہے کہ وہ مضامین بے محل ہیں۔ اجی جناب وہ مضامین بامحل ہیں یا بے محل خود اپنے ڈیلی میل کے ایڈیٹر سے پوچھئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی نے نواب حیدر نواز جنگ کو اعزازی ال ڈی کی ڈگری دی تھی اسی تقریب میں نواب صاحب کا خاص فوٹو ال ڈی کے علمی لباس میں لیا گیا۔ اور وہ مع ان کے حالات زندگی کے شایع کیا گیا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ حیدری صاحب کو حیدرآباد سے کتنے عرصہ سے تعلق رہا ہے اور انہوں نے اس ریاست کی کتنی خدمت انجام دی ہے ایسے شخص کے حالات زندگی کا شایع کرنا خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ اس کو ملک کی یونیورسٹی نے اعلیٰ ترین اعزاز عطا کیا ہو اور اب تک اس کے حالات زندگی کسی ملکی پرچے میں شایع نہ ہوئے ہوں، کیا یہ بے محل بات ہے؟

اسی طرح نواب مسعود جنگ بہادر کے حالات زندگی اب تک کسی جریدے میں شایع نہیں ہوئے نواب صاحب نے حیدرآباد میں ایک شاندار تعلیمی خدمت انجام دی اور اب وہ ہمارے ملک سے رخصت ہو رہے ہیں کیا اس صورت میں پبلک کو ان کے حالات سے دلچسپی نہیں جناب ناقد صاحب ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھیئے اور غور کیجئے کہیں ان دونوں عہدہ داروں سے آپ کے دل کو کوئی دانستہ یا نادانستہ صدمہ تو نہیں پہنچا۔

مولوی محمد سلطان صاحب کے مضمون پر آپ کو اعتراض ہے کہ اس میں "صحیح حالات کی تنقیدی تحلیل" موجود نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے اس کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہ کی اور اگر پڑھا بھی تو سمجھنے کی آپ کو اس خاکسار نابعدار کی تحریر پسند آئی اس سے اس حقیر فقیر کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا ہے۔ مگر افسوس تو اس کا ہے کہ حضور نے اسکو صرف "خوش آیند" سمجھا حالانکہ وہ لائق عملدرآمد بھی تھا اس حقیر کے مضمون میں صفحہ (۳۰) پر جو علمی خبر درج ہے اس میں خاص قسم کے قارئین اور اخبار نویسوں کے لئے ایک نسخہ تجویز ہونیکی خبر درج ہے اب معلوم ہوا کہ اسکی ضرورت نہ حیدرآباد ہی میں نہیں ہے بلکہ بمبئی میں بھی اس کی خاصی مانگ ہے چنانچہ جناب ناقد نے محمد سلطان صاحب کے مضمون کے متعلق وہی کیا ہے جو بعض قارئین کرتے ہیں یعنے پڑھنے سے پہلے انہوں نے مطلب سمجھ لیا اور مطلب سمجھنے سے پہلے تنقید فرما دی دیکھئے ایک دوسرا اخبار انہیں مضمونوں کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے۔

> چند اور مضامین خاص طور پر وہ جو ریاست حیدرآباد کی تعلیمی ترقی بیان کرتے ہیں، ان کا پڑھنا فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ وہ صاف طور پر یہ بتاتے ہیں کہ ملک سے جہالت کو دور کرنے میں حکومت نے کہاں تک مدد دی ہے
>
> (بمبئی کرانیکل)

آخر میں جناب ناقد فرماتے ہیں "امید کیجاتی ہے کہ اس رسالہ کے آیندہ نمبر اعلےٰ جریدہ نگاری اور زبان اردو کا اعلےٰ معیار لئے ہوئے ہونگے"

اے صدقے کیا منہ کا منہ ہے۔ جناب اعلیٰ جریدہ نگاری کی تعلیم فرماتے ہیں! ع

"آنکھ کھولے ہوئے نرگس تجھے کتنے دن گزرے؟"

اور ساتھ ہی زبان اردو کا معیار بھی بلند دیکھنا چاہتے ہیں ان دونوں باتوں کے متعلق اب میں ایسے رسالہ کی رائے پیش کرتا ہوں جسکی جریدہ نگاری اور معیار زبان دونوں ملک میں مستند ہیں۔

> "نظام گزٹ کے نام سے حیدرآباد سے ایک ہفتہ وار صحیفہ جناب سید وقار احمد صاحب ام اے اور جناب حبیب اللہ صاحب رشدی ام اے کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے اب تک اسکے چند پرچے ہمیں موصول ہوئے ہیں جن میں سنجیدہ علمی و ادبی مضامین، یورپ و مصر کے ممتاز اخبار و رسائل کے مفید اقتباس اور ترجمے کبھی کبھی علمی مباحث فسانہ کے طرز میں پیش کئے گئے ہیں ان معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری شکل و صورت بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں۔۔۔"
>
> (معارف اعظم گڈھ)

جناب ناقد کو "شذرات" پر بھی اعتراض ہے کہ ان میں بمبئی کی مجلسوں کے حالات نہیں ہونے چاہئیں بلکہ خالص حیدرآباد ہی کی موضوعات پر لکھے جائیں، بہت خوب مگر کیوں؟ اس لئے کہ ناقد صاحب کی یہی مرضی ہے اور ان کی مرضی کافی ہے کسی دلیل اور سبب کی ضرورت نہیں اجی جناب سالگرہ نمبر میں جن مجلسوں کا ذکر ہے ان میں ایک تو دیسی ریاستوں کی رعایا کی کانفرنس تھی جس میں ایڈیٹر نظام گزٹ سے بھی شرکت کی استدعا کی گئی تھی اور دوسری کانگرس کمیٹی کا جلسہ تھا جس کا تعلق تمام ہندوستان سے ہے پھر جناب کی وہ رائے کسی خاص مصلحت پر مبنی ہے۔

اب سے کوئی بیس بائیس سال ہوئے کہ مولوی عبدالحلیم شرر مرحوم اور پنڈت چکبست مرحوم کے درمیان مثنوی گلزار نسیم کے متعلق ایک علمی مباحثہ برپا ہوا تھا اس میں ہندوستان کے اکثر اہل قلم حضرات نے حصہ لیا۔ اسی مباحثہ میں ایک بزرگ "پروفیسر نقاد بی اے" کے نام سے نمودار ہوئے اور گلزار نسیم پر اعتراضات کی بوچھاڑ لگا دی۔ جن میں تقریباً تمام ایسے تھے جو پروفیسر نقاد بی اے کی کم علمی کے سبب غلط سمجھنے اور غلط پڑھنے سے پیدا ہوئے تھے۔ اکثر جگہ پروفیسر نقاد بی۔ اے نے ہجے کرنے میں غلطی کی تھی ان کے اعتراضوں کا جواب ایک مشہور انشاپرداز نے دیا اور اخیر میں انہوں نے ایک مشہور فارسی مصرع

"کار بوزینہ نیست نجاری"

کو بدل کر

"کار ہر بی اے نیست نقادی"

بنایا تھا۔ کیا اب ربع صدی کے بعد بھی اردو دانوں اور تنقید نگاروں کی وہی حالت ہے کہ اس محرف مصرعے کو دہرایا جائے۔ مگر تھوڑا سا فرق ضرور ہے وہ یہ کہ شخص مذکور صرف "ناقد" ہیں ابھی "نقاد" نہیں بنے۔ خدا جانے ناقد صاحب اگر اس مضمون کو دیکھ لیں تو پھر ناقد اور نقاد کی بحث میں الجھ نہ جائیں اور ہمیں پھر عربی صرف و نحو کی مبادیات کو نظام گزٹ میں درج کرنا پڑے۔

خدمت جناب ایڈیٹر صاحب اخبار نظام گزٹ

تسلیم! ۱۲ اردی بہشت ۱۳۳۷ف کو مجھے گلبرگہ شریف سے ہمنا آباد تک اور ۲۶ اردی بہشت ۱۳۳۷ف کو ہمنا آباد سے گلبرگہ تک موٹر سروس کے ذریعہ سفر کرنے کی ضرورت ہوی میں سفر مذکور سروس کی موٹر کے متعلق مجھے جو علم ہوا وہ آپ کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کو پبلک سے متعلق امور میں خاص دلچسپی ہے۔ امید ہے کہ اس بارے میں کارکنان موٹر سروس کو براہ کرم متوجہ اور مجھے اور پبلک کو شکر گذاری کا موقع عطا فرمایا جائیگا۔

(۱) جو ٹکٹ دیا جاتا ہے اس میں رقم ہندسے زبان اردو میں نہ لکھے جانے کی وجہ سے معلوم نہیں ہوسکتا کہ جو رقم دیگئی ہے وہ ٹکٹ میں درج ہے یا نہیں۔

(۲) سروس کے کسی موٹر میں بھی کوئی ایسی تختی آویزاں نہیں ہے جس سے معلوم ہوسکے کہ کتنے مسافروں کو موٹر میں اور کتنے مسافروں کو موٹر چلانے والے کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت ہے۔ میں نے دیکھا کہ موٹر چلانے والے کے ساتھ کبھی دو اور کبھی تین آدمی علاوہ اس ملازم کے جو موٹر چلانے والے کا مددگار رہتا ہے بٹھائے جاتے ہیں اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ چنانچہ واپسی میں میں نے موٹر چلانے والے کو شامل کرکے تین آدمی بازو بہ بازو اور ایک موٹر چلانیوالے کے پاؤں کے پاس اور ایک موٹر کے سامنے کے مڈگارڈ پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس کے علاوہ موٹر میں (۱۴) آدمی بٹھائے جاتے ہیں۔

(۳) نشست کا انتظام یہ ہے کہ موٹر چلانیوالے کے لئے تو پشت پر مندہ ہوتا ہے لیکن مسافرین کے لئے پشت پر سوائے آہنی نلوں کے کوئی ممندہ دار شے نہیں ہے۔

(۴) موٹر کی باڈی میں دو نشستیں آمنے سامنے مہیا کی گئی ہیں ہر نشست تقریباً ایک بالشت چار انگل اونچی اور اسی قدر چوڑی ہے۔ گدا ایسے میں کمان نہیں ہے جس سے مسافرین کو جو تکلیف ہوتی ہے اس کا بیل گاڑی میں بھی سامنا نہیں ہوسکتا۔

(۵) سامان کے رکھنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

(۶) موٹر چلانے والے کے لئے ڈریس نہیں ہے۔ کوئی تو دھوتی پہنا ہوا ہوتا ہے۔ کوئی پگڑی باندھے ہوئے اور کوئی نیم انگریزی لباس میں ہوتا ہے۔

ٹکٹ دینے والے کی بھی کوئی شناخت نہیں ہوتی مسافر کو موٹر کے مقام پر ہر شخص سے پوچھنا پڑتا ہے کہ کیا آپ ٹکٹ دینگے!

(۷) موٹر کو رنگ خدا جانے کب دیا گیا تھا اب تو اصلی لکڑی دکھائی دیتی ہے۔

(۸) موٹروں کی روانگی اور واپسی اور نیز راستے میں ٹھیرنے کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ موٹر چلانیوالے صاحب جہاں چاہیں اور جس سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہو من مانے ٹھیرتے ہیں۔

(۹) موٹر کے ٹکٹ میں یہ نہیں لکھا ہوا ہے کہ گلبرگہ کے کس مقام سے موٹر روانہ ہوگی اور واپسی میں کس مقام تک پہنچایا جائیگا اس لئے بعض مسافرین کو گلبرگہ ریلوے اسٹیشن سے تین میل دور ہی اتار دیا جاتا ہے اور بعض کو سنا ہے کہ اسٹیشن تک پہنچایا جاتا ہے۔ مجھے تو تین میل اسٹیشن تک ٹانگے میں جانا پڑا۔

مسافرین کی سہولت کے لئے غالباً یہ بہت بہتر ہوگا کہ ہر موٹر میں سررشتہ صفائی کی جانب سے کوئی انسپکٹر سفر کرے تاکہ مسافرین اپنی تکلیف کہہ سنایا کریں۔ میری نظر میں جو غیر معمولی آمدنی اس کمپنی کو ہوتی ہے یقیناً اس کے لحاظ سے انسپکٹر کی تنخواہ برداشت کرنا ان کے لئے قطعاً زیادہ نہیں ہے۔

(۱۰) چونکہ موٹر کی نشستوں میں کوئی امتیاز نہیں ہے اس لئے سامنے کی نشست پر بیٹھنے کے لئے جو نسبتاً آرام دہ ہے مسافروں کو کارکنان سروس کی چاپلوسی دامی ہوتی ہے جو ہر طبیعت قبول نہیں کرسکتی۔

(۱۱) موٹر چلانے والے اور ان کے مددگار آپس میں ایسے مغلظات کا استعمال کرتے ہیں جو تکلیف دہ اور اخلاق سوز ہوتے ہیں۔

(۱۲) ٹکٹ گھر تو کیا ہے بدکلامی کے عادی افراد کا ایک کلب ہے۔

مسافر

بقیہ کالم ۳

اس کے بعد مشہور مستشرق سر ڈونی سن راس نے بتایا کہ ملکہ کا اصلی نام ثریا ہے وہی نام عام طور پر تسلیم کرلیا گیا

ملکہ افغانستان کے نام کی تحقیق

عرصہ دراز سے کسی بادشاہ کی آمد پر انگلستان میں اس قدر دلچسپی نہیں لی گئی جیسا کہ شاہ امان اللہ خاں اور ملکہ افغانستان کی تشریف آوری پر "دی راتھر میر پریس" جس کو دلچسپ چیزوں کو جمع کرکے شایع کرنے کا شوق ہے اس نے شاہ امان اللہ خاں کے دوسرے ممالک کے واقعات جمع کرکے طبع کئے ہیں جن میں سے اکثر سرپرسی ول فلپ کے زور قلم کا نتیجہ ہیں خصوصاً عوام الناس کی دلچسپی ملکہ افغانستان کی تشریف آوری سے اور بھی بڑھ گئی کیونکہ ملکہ کا سرزمین انگلستان میں بے نقاب آنا ان تمام شرقی روایات کے خلاف جو خواتین کو گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں خلاف ہے۔ ابھی تک انگریزی اخباروں کو صحیح طور پر معلوم نہوا کہ ملکہ افغانستان کا نام صحیح طور پر کس طرح لکھا جائے۔ ابتدائی سفر کے زمانہ میں ملکہ کا نام ثریا (سوراغ) لکھا جاتا تھا مگر ملکہ کی انگلستان کو تشریف آوری سے قبل سرکاری طور پر اعلان کیا گیا اصل نام سوریہ ہے اور اس کی تاویل اس طرح کی گئی کہ سوریہ اصل میں سریا سے ماخوذ ہے کیونکہ ملکہ کی والدہ سریا (شام) کی رہنے والی ہیں۔

(بقیہ برکالم ۲)

تین ہزار برس کی نعش

سرمایہ کے ایک شہر نومیزاد کے قریب کانا ماناسی ایک گاؤں ہے وہاں کے لوگوں نے ایک رومی کی نعش پائی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممی شدہ ہے۔ اب تک اس کے تمام اعضا اچھی حالت میں ہیں۔ تحقیقات کے بعد اس بات کا پتہ چلا ہے کہ حضرت مسیحؑ سے ایکہزار برس قبل کی نعش ہے یہ زرہ، خود اور کل ضروری لوازمات جنگ سے مسلح ہے۔ اس کے سینہ میں ایک تیر بھی پیوست ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑتے لڑتے مارا گیا تھا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ شہنشاہ سکندر سفیروس کی فوج کے ایک سپاہی کی نعش ہے۔

م۔حس

بیرونی خبریں

ملکہ ثریا نے زنانی دواخانہ کا معائنہ فرمایا

روتا ہوا بچہ مسکرانے لگا

لندن ۴ اپریل۔ ملکہ ثریا اپنی ہمشیرہ اور ایک رشتہ کی بہن کے ساتھ ملکہ چارلیٹ کے زنانی دواخانہ کا ایک گھنٹہ تک معائنہ کیا۔ وہاں ملکہ ثریا نے ایک نوزائیدہ بچہ کو اٹھا کر [illegible] ہاتھوں پر کھلانے لگیں تو روتا ہوا بچہ مسکرانے لگا۔ ملکہ ثریا نے دواخانے کے انتظامات کے متعلق متعدد سوالات کئے اور جب دواخانہ کی منتظمہ نے آپ سے عرض کیا کہ اس ملک میں بچوں کی شرح اموات بہت ہی کم ہے۔ تو ملکہ ثریا بہت متاثر ہوئیں اور فرمایا افغانستان میں ماؤں کی [illegible] سبب صد افسوس ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک بالکل نوزائیدہ بچہ کو ملاحظہ فرمانا چاہا مگر اس وقت کوئی بھی عورت زچگی کے لئے نہیں آئی تھی حالانکہ عام طور سے دن میں [illegible] گیارہ بارہ عورتیں زچگی کے لئے آجاتی تھیں۔

شاہ افغانستان نے پرجوش خیر مقدم کا شکریہ ادا کیا

لندن ۴ اپریل۔ کل جلالت مآب شاہ و ملکہ افغانستان انگلستان کو خیرباد کہہ گئے۔ ریوٹر کو مطلع کیا گیا ہے کہ شاہ امان اللہ خاں اور ملکہ ثریا کا خیر مقدم انگریزوں کے ہر طبقہ نے شاہ و ملکہ انگلستان سے لیکر ان کارخانوں کے مزدوروں اور لڑکیوں تک جہاں آپ تشریف لے گئے اور شاہراہوں پر ایستادہ لوگوں نے جس گرمجوشی اور خلوص کے ساتھ کیا۔ اس سے شاہ امان اللہ خاں بہت متاثر ہوئے۔

جلالت مآب شاہ امان اللہ خان کی انگلستان سے روانگی

لندن ۵ اپریل۔ بروانگی جلالت مآب شاہ امان اللہ و ملکہ ثریا اور آپ کے ہمراہی آج تقریباً تین ہفتہ سرزمین انگلستان کو اپنی تشریف آوری سے مفتخر کرکے لندن سے پیرس روانہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ آپ نے ملاحظہ فرمایا اور عام طور سے برطانیہ میں ہر جگہ جس دوستی و خلوص کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا گیا اس پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ آپ انگلستان کی سیاحت کو از راہ درحقیقت برطانیہ کی نمایاں سرگرمیوں کے گہرے مطالعہ میں صرف ہوا۔

لندن ٹائمز دست بدعا ہے

جلالت الملک شاہ امان اللہ خاں کی تشریف آوری پر تنقید کرتے ہوئے لندن کا شہرۂ آفاق اخبار ٹائمز لکھتا ہے اس سیاحت کی وجہ شاہ امان اللہ خاں کو بہت محنت کرنی پڑی۔ اس ملک کے باشندوں کو آپ کی تشریف آوری سے (ہر دلعزیز) شاہ و ملکہ کو خیر مقدم کہنے کا موقع ملا۔ آپ نے دنیا سے الگ گوشہ کی رعایا کو بین الاقوامی تحریک سے آشنا فرمایا۔ آپ کی اپنی رعایا کے ساتھ فرض شناسی ضرور لائق احترام اور قابل فخر ہے آپ نے گذشتہ تین ہفتہ برطانیہ کے مہمان رہکر ممنون کیا وہ خلوص دل کے ساتھ آپ کو خدا حافظ کہتی ہے۔ اور آپ کا سفر وطن خوشگوار ثابت ہونے کے لئے دست بدعا ہے۔ اس کی دلی دعا ہے کہ آپ کی رعایا کی ترقی و خوشحالی کے لئے آپ کی امیدیں پوری ہوں

شاہ افغانستان کا شاہ انگلستان کو پیام

لندن ۷ اپریل۔ ہز مجسٹی شاہ امان اللہ خاں نے ہز مجسٹی شاہ انگلستان کو مندرجہ ذیل تار روانہ فرمایا۔

ساحل انگلستان کو خیرباد کہتے ہوئے میں اور ملکہ ثریا اپنی دلی محبت کا خوشگوار فریضہ خیال کرتے ہیں کہ آپ اور ملکہ میری کی بے حد مہربانی کے ساتھ ہماری میزبانی فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا کریں۔ ہم آپکے اور آپ کے خاندان کی صحت و عافیت و ترقی کی دعا کرتے ہیں۔"

شاہ و ملکہ افغانستان کی برلن کو آمد

برلن ۱۰ اپریل۔ جلالت مآب شاہ امان اللہ خاں و ملکہ ثریا خانگی سیاحت کے ارادہ سے برلن تشریف لائے اور افغانی سفارت خانہ میں قیام فرما ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہز مجسٹی شاہ امان اللہ خان جرمن کے ایک مشہور ماہر درد گلو طبیب سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔

شاہ افغانستان برلن کے دواخانہ میں

عمل جراحی

لندن ۱۱ اپریل۔ شاہ افغانستان پر آج کامیاب عمل جراحی کیا گیا اور ان کے گلے کے غدود نکالے گئے۔

شاہ انگلستان کو نادر کتب کا تحفہ

لندن ۱۲ اپریل۔ افغانی سفیر نے شاہ امان اللہ خاں کی طرف سے شاہ جارج کی خدمت میں نادر و نایاب کتب کے تین نسخے پیش کئے ان میں سے ایک فارسی ہے جو دو سو سال پہلے لکھی گئی تھی اور اس کی لکھائی ایسی عمدہ ہے کہ اس کی نظیر پھر دیکھنے میں نہیں آئی۔ کتاب کی عبارت دودھ جیسے سفید کاغذ پر جو بانس سے تیار کیا گیا ہے ناخن سے لکھی گئی ہے اس کے جملہ صفحوں کی تعداد (۵۰) ہے جو پانچ سال میں لکھے گئے۔ دوسری کتاب جو فارسی ہی لکھی گئی ہے اور جس کے حروف سنہری ہے گھوڑوں سے متعلق ہے۔ تیسری کتاب عربی ہے جو سنہری حروف میں لاجواب طرز پر لکھی گئی ہے جس پر اسلامی عقائد مندرج ہیں۔

مختلف خبریں

پنڈت موتی لال نہرو کا عزم افغانستان

پشاور ۵ اپریل۔ معلوم ہوا ہے کہ پنڈت موتی لال نہرو موسم گرما کے آخر میں بحیثیت مہمان افغانستان جائیں گے۔

کشمیر میں بٹلر کمیٹی

۹ اپریل۔ لارڈ ولیڈی کونسل آپ کی جماعت اور بٹلر کمیٹی کے اراکین کو نہر ہائی نس مہاراجہ کشمیر بروان کے خزانہ آب دکھانے کے لئے گئے تھے۔ جہاں سے سری نگر کو پانی کی بہم رسانی ہوتی ہے۔

پولینڈ میں شاہ افغانستان کے خیر مقدم کی تیاری

وارسا ۱۱ اپریل حکومت شاہ و ملکہ افغانستان کے شاندار خیر مقدم کی تیاریاں عمل میں لا رہی ہیں شاہ و ملکہ پولینڈ سابق بادشاہوں کے موسم گرما بسر کرنے کے قصر میں قیام کریں گے

اشتہار

مجریہ عدالت دیوانی بلدہ اجلاس نظامت۔ دار صیغہ خفیفہ ابتدائی۔ نمبر مقدمہ (۲۶) ۳۷ف

مدعی میر حسن بنام مدعی علیہ برکت علی صاحب۔

دعوی (۱ماصہ)

بنام برکت علی صاحب ولد نامعلوم عمرہ ۳ سالہ پیشہ ابین جنگلات۔ مدعی علیہ

مقدمہ مندرجہ عنوان میں متعدد مرتبہ تمہارے نام سمن اجرا کئے گئے تا ہنوز سمن کی تعمیل نہ ہونے سے ذریعہ ہذا اطلاع دی جاتی ہے کہ بروز تاریخ پیشی ۱۱ شہریور ۱۳۳۷ف روز سہ شنبہ وقت گیارہ ساعت اصالتاً یا وکالتاً حاضر اجلاس ہوکر مقدمہ مذکور کی جواب دہی کرو بصورت غیر حاضری حسب ضابطہ کارروائی عمل میں آئیگی آئندہ کوئی عذر مسموع نہ [illegible]

نوٹ [illegible] اطلاع عام اشتہار اخبار نظام گزٹ میں [illegible]ا گیا۔

دستخط

[illegible] نائب ناظم دیوانی

بمبئی کا نیا گورنر

لندن ۱۳ اپریل انگلستان کے اخبار ڈیلی میل کو معلوم ہوا ہے کہ سر ولسن گورنر بمبئی کی میعاد گورنری ختم ہونے پر سر فریڈرک سائیکس بمبئی کے گورنر مقرر کئے جائیں گے۔

بقیہ صفحہ (۱۲) کالم (۳)

احکام کورٹ آف وارڈز

انشان (۳۵۰۰) واقع ۲ اردی بہشت ۱۳۳۷ف بسلسلہ احکام نشان (۳۵۱۱) مورخہ ۲۰ فروردی ۱۳۳۷ف واگزاشت اسٹیٹ ہائے زیر نگرانی کورٹ آف وارڈز کے متعلق اشاعت کی جاتی ہے کہ کمیٹی نے پانچویں قسط جو اجلاس باب حکومت میں پیش کی تھی اور رائے باب حکومت بارگاہ خداوندی میں گزرانی گئی تھی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسٹیٹ سرفراز علی خاں

رائے کمیٹی۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ بوجہ کثیر رقم قرضہ ادا طلب و مقدمہ بازی کچھ عرصہ تک اسٹیٹ زیر نگرانی کورٹ آف وارڈز ہی رہے ساتھ ہی ساتھ وارڈ کو بھی مستقل طور سے اپنے اسٹیٹ کے انتظام میں حصہ لینے دیا جائے تاکہ وہ اپنا اسٹیٹ ایک مدت مناسب میں اپنے قبضہ میں لینے کی موزونیت ثابت کریں۔

رائے باب حکومت

بر حسب سفارش کمیٹی اس اسٹیٹ کو سر دست بوجہ کثیر قرضہ و عدم یکسوئی مقدمات وغیرہ واگزاشت کی ضرورت نہیں ہے۔

مشہور الملک

رائے کمیٹی۔ بہ لحاظ واقعات گذشتہ وارڈ کلان ہم خیال کرتے ہیں کہ فی الحال نابالغ وارڈز کے منشاء کے خلاف ہوگا کہ اسٹیٹ ان کے بیٹے وارڈ کلان کے قبضہ میں واگزاشت کیا جائے انتظام اسٹیٹ میں بالراست ان کو شریک کرکے اسکا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی قابلیت ثابت کریں۔ ساتھ ہی ساتھ انکو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے خانگی قرضہ جات کی ادائی کردیں۔

رائے باب حکومت

بہ لحاظ حالات گذشتہ جو رائے کمیٹی نے دی ہے اس کے بموجب معروضہ گزرانا جائے۔

اسٹیٹ حسن الدین خاں

رائے کمیٹی۔ واگزاشت اسٹیٹ میں نہ ملنے چاہئیں۔ قرضہ ادا شدنی اور دوسرے کورٹ آف وارڈز کی ذمہ داری با جنہ رقم (للعہ) جو حصہ داران کو کورٹ کی ذمہ داری پر قرض دی گئی ہے۔ اگر وارڈ کلان سلطان الدین خان صاحب اسکا حسب اطمینان کورٹ انتظام کردیں کہ قرضہ ادا کیا جائے گا۔ اور حصہ داروں کے قرض کی ذمہ داری سے بھی کورٹ سبکدوش کردیا جائے گا تو ایسی صورت میں اسٹیٹ ان کے حق میں واگزاشت ہوسکتا ہے۔

محبوب بیگم صاحبہ کی جانب سے درخواست پیش ہوئی ہے کہ رقم گزارہ مبلغ (ماعہ) ماہانہ جو ان کے لئے مقرر ہوئی تھی وہ اسٹیٹ کی مالی حالت کے نظر کرتے (صہ) ماہانہ کردی گئی ہے۔ اب چونکہ اسٹیٹ قرض سے پاک ہوگیا ہے۔ اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ کورٹ آف وارڈز اس امر کی جانچ کرے کہ آیا پوری رقم گزارہ (ماعہ) ماہانہ انکو دی جاسکتی ہے۔

رائے باب حکومت

برحسب رائے کمیٹی ادائی قرضہ جات اسٹیٹ کا اطمینان و طمانیت کورٹ سے صیغہ کورٹ کو سبکدوش کرنے کے بعد اسٹیٹ وارڈز کلان محمد سلطان الدین خان کے حق میں واگزاشت کرنے کے لئے معروضہ گزرانا جائے۔

اسٹیٹ واجد علی خاں

رائے کمیٹی۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ اسٹیٹ کی واگزاشت کا مسئلہ جوڈیشل کمیٹی کے فیصلہ تک رکھا جائے جو عنقریب طے ہوجائے گا جب مسئلہ واگزاشت زیر غور کے لئے پیش ہوگا تو محمدی بیگم صاحبہ کو بھی اطلاع دی جائیگی تا ان کے دعوی متعلق ایصال حصہ بطور حصہ دار کا تصفیہ کیا جائے۔

رائے باب حکومت

بر حسب رائے کمیٹی تا تصفیہ جوڈیشل کمیٹی اسٹیٹ کی واگزاشت کی ضرورت پائی نہیں جاتی بعد تصفیہ جوڈیشل کمیٹی واگزاشت کے متعلق غور کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ قسط کے متعلق ذریعہ فرمان مبارک مورخہ ۲۰ رمضان ۱۳۴۶ھ ارشاد خسروی ہوا ہے کہ:۔

"سرفراز علی خاں، مشہور الملک، حسن الدین خاں، واجد علی خاں۔ ان اسٹیٹوں کی نسبت کونسل کی رائے منظور کی جاتی ہے حسب عمل کیا جائے یعنے مذکورہ چار اسٹیٹوں کو بوجہ مصرحہ بالا اشت سر دست واگزاشت کرنیکی ضرورت نہیں۔ البتہ اسٹیٹ مشہور الملک کے وارڈ رفیع الدین علی خاں کو امتحاناً اس اسٹیٹ کے انتظامات میں معلومات حاصل کرنیکا موقع دیا جائے بشرطیکہ اس سے دوسرے نابالغ وارڈز کے حقوق پر مضر اثر نہ پڑے اور رفیع الدین علی خاں اپنا قرضہ خانگی قرضہ اس مدت میں جہاں تک جلد ممکن ہو بطور خود ادا کرلیں"

پس بہ تعمیل فرمان خسروی اسٹیٹ ہائے متذکرہ بالا ابھی زیر اثر نگرانی کورٹ آف وارڈز رہیں گے۔ البتہ اسٹیٹ مشہور الملک میں شرط مشروطہ کے تحت۔ رفیع الدین علیخاں صاحب کو معلومات حاصل کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ رفیع الدین علی خاں صاحب کو لازم ہوگا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو اپنا ذاتی قرضہ ادا کرلیں۔

مقامی خبریں

——— حسب الحکم مہاراجہ صدر اعظم بہادر ڈاکٹر نظام الدین صاحب پروفیسر فارسی و عبدالحق صاحب پروفیسر عربی کلیہ جامعہ عثمانیہ اپنی اپنی خدمات پر مستقل کئے گئے!

——— حسب فرمان خسروی مسٹر داراب جی مہتمم بندوبست کا تقرر شریک معتمد مالگذاری کی خدمت پر عمل میں آیا ہے چنانچہ مسٹر موصوف نے اپنی خدمت کا جائزہ بھی حاصل کر لیا۔

——— مسلمانان برار کی تعلیمی کانفرنس مولوی غلام علی محمدی صاحب ناظم کی صدارت میں منعقد ہوئی۔

——— قاضی پیٹھ بلہارشاہ ریلوے کا افتتاح یکم مئی کو عمل میں آنے والا ہے۔ ایک خصوصی ریل گاڑی میں پہلی مرتبہ ریلوے کے چند عہدہ دار سفر کریں گے۔ توقع ہے کہ ایک دو مہینے میں مدراس سے براہ راست دہلی آنے جانے کا انتظام اس لائن پر ہو جائے گا۔

——— نواب ولی الدولہ بہادر صدر المہام فوج ہنگولی کے دورہ پر تشریف لے گئے۔

——— حسب الحکم مہاراجہ صدر اعظم بہادر مسٹر ای اسپیٹ شترکہ پروفیسر انگریزی نظام کالج وکلیہ جامعہ عثمانیہ کو ایک ہزار پانسو کلدار تنخواہ اور ایک سو روپیہ کرایہ مکان پر بالکلیہ جامعہ عثمانیہ سے متعلق کرنیکی منظوری صادر ہوئی ہے۔

——— نواب عقیل جنگ بہادر صدر المہام تعمیرات ریاستگاہ نیلگری تشریف لے گئے گرمیوں میں وہیں سے سرکاری کام انجام دیں گے۔

——— مہاراجہ صدر اعظم بہادر باب حکومت اورنگ آباد کے دورہ پر ۲ خورداد ۱۳۳۷ف کو شب کے دس بجے بذریعہ اسپیشل ٹرین تشریف لے گئے۔

——— ہندوستان کے مشہور و معروف لیڈر فخر قوم و ملت مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کے انتقال پر ملال کی تقریب اور مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لئے ۹ خورداد ۱۳۳۷ف کو بعد نماز جمعہ مسجد چوک انجمن اطبا یونانی کی جانب سے ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔

——— میر فیض الرحمن صاحب صدر ناظم کی زیارت ۲۶ شوال المکرم ۱۳۴۶ھ روز پنجشنبہ بعد نماز عصر مسجد میر صلابت علی خان صاحب مرحوم ہوئی جس میں اکثر عہدہ دار شریک تھے جس میں قابل ذکر نواب امین جنگ بہادر، نواب نظر یار جنگ بہادر، نواب صدر یار جنگ بہادر، نواب صمد یار جنگ بہادر ہیں۔

——— بتاریخ ۲۲ شوال المکرم ۱۳۴۶ھ ۱۶ خورداد ۱۳۳۷ف (۹) بجے صبح عازمین حج کا انتخاب دفتر معتمدی امور مذہبی میں عمل میں آیا۔

——— بصیغہ انتظامی مولوی عبد العلی صاحب قیومی منصف کا تبادلہ گنگا پور سے سرپور ضلع عادل آباد پر اور میر بدرالدین علیخاں صاحب منصف سرپور کا تبادلہ گنگا پور ضلع اورنگ آباد پر منظور ہوا۔

——— مدرسہ انیس الغربا میں ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے مدرسہ کا معائنہ فرما کر طلبہ کے روبرو تربیت کے اثر پر تقریر فرمائی۔

——— نواب مرزا یار جنگ بہادر میر مجلس عدالت العالیہ موسم گرما بسر کرنے کے لئے راہی اوٹی ہوئے۔ ان کی جگہ نواب ہاشم یار جنگ بہادر منصرمانہ کام انجام دے رہے ہیں نواب ناظر یار جنگ بہادر اور پنڈت گرراؤ صاحب ۸ بجے صبح سے ۱۱ بجے تک کام کریں گے۔

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۱۵) کالم (۲)

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	چوبیس روپیہ
امراء و روسا سے سالانہ	پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	ہرے
سہ ماہی	عال
فی پرچہ	۲ر۶ہہ

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمایئے

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایئے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمایئے

(۵) نظام گزٹ تقریباً ۱۶ صفحے کے حجم پر شایع ہو گا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شایع ہونگی۔

منیجر

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شایع کیا

رجسٹر سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

عدد ۱۸
جلد

مدیرین
سید وقار احمد ام۔ اے
محمد حبیب اللہ رشدی ام۔ اے

مضمون خاص

رفتار زمانہ

از

پروفیسر حسین علی مرزا۔ بیرسٹر ایٹ لا

قیمت فی پرچہ ۲ر/۱۲

کتب خانہ تجارتی سید عبدالقادر بکسلر و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

قرآن شریف اس میں پانچ ترجمے ہیں۔ دو فارسی تین اردو اور برحاشیہ تفسیر مسمّٰی بہ احسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی سے رعایتی عنـہ سکہ عثمانیہ۔

قرآن شریف ترجمہ بامحاورہ اردو مولانا مولوی شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی برحاشیہ تفسیر موضح القرآن جلی قلم جس کا ہر پارہ علیحدہ علیحدہ ہو سکتا ہے صفحات (۱۰۴۰) ہدیہ بلا جلد ۸ر مجلد للعہ سکہ عثمانیہ۔

اردو اٹلس رنگین ملک سرکار عالی۔ جس میں ضلع واری نقشہ جات مع جغرافی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت عالی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رعایتی عہ

خلاصۂ جغرافیہ عالم سوالات و جوابات میٹرکولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت عہ رعایتی عہ

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت ۱۲ر	مرتبہ مولوی سید شرف الدین
جدید تاریخ ہند برائے مدل عثمانیہ مدرکہ قیمت عہ	صاحب قادری بی اے
جدید جغرافیہ دنیا برائے ” ” ” قیمت عہ	بی۔ ٹی مدرس مدرسہ دارالعلوم

صنم خانۂ عشق یعنے دیوان امیر مینائی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عا رعایتی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عا

مطبوعہ جسٹر و فارمس ہر دفتر کے کارآمد مخصوص سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ کے تیار ہیں جن کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے آڈر پر موسومہ خادم طبع کرکے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے۔

فتاوی عثمانیہ سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلاء کیلئے معلومات کا گنجینہ ہے قیمت (للعہ)

تمدن ہند (ہند کی بہترین بالتصویر تاریخ) ڈاکٹر لی بان کی فرنچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ معہ اضافہ توضیحات و حواشی مفید جس کو مولانا مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم نے کیا ہے جو آج سے چند سال پہلے (صـہ) روپیہ میں فروخت ہوتی رہی ہے اس میں (۱۴۹) تصاویر دیدہ زیب اور (۲) دلفریب نقشہ اور تختی کلاں ہے اب یہ قابل قدر اور لائق دید کتاب مجلد کی (صعـہ) روپیہ قیمت کردیگئی ہے علاوہ محصول ڈاک امید کہ ناظران کرام اس زریں موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

گلوب ۱۲ انچ قطر۔ یہ ایک مدور چوبی اسٹینڈ اور رمبز دئے ہوئے پیتل کے رنگ میں لگا ہوا ہے جس کے ذریعہ زمین کی حرکت روزانہ و سالانہ دونوں سمجھائی جاسکتی ہے قیمت (سـہ) روپیہ سکہ کلدار یا (صـہ) روپیہ سکہ عثمانیہ

یادگار غالب حضرت استاد مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کی زندگی کے حالات انکی تمام نظم و نثر اردو و فارسی کا انتخاب جسکو عالیجناب شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے مرتب کیا ہے قیمت بجائے کلدار کے عالی

ڈائری۔ کلاں چرمی اصلی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر رعایتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ
” ” مجلد پارچہ ” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ ” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴ر
” ” خورد چرمی ” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳ر ” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر
” ” پارچہ ” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ ” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰ر

نوٹس آن اسلام بزبان انگریزی۔ اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات۔ عربی جس کی شرح انگریزی میں کی گئی ہے مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب جسکو عالیجناب مولانا احمد حسین صاحب کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سی۔ ایس۔ آئی (نواب امین جنگ بہادر) نے مختصراً نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صـہ

گنجینۂ ہدایت اس کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم اور حضرت صلعم کی سوانح عمری بھی اس کے ساتھ ہے معمولی استعداد والے حضرات بھی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت رعایتی للعہ

ارمغان سلطانی (المعروف) سیر گلبرگہ شریف۔ تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک سچا فوٹو ہے جو تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں شہر گلبرگہ شریف کے موجودہ حالات درج ہیں دوسرے میں زبدۃ العارفین حضرت مخدوم شہباز بلند پرواز گیسو دراز سید محمد حسینی المشہور خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز نیز دیگر اولیاء کرام کی فیاض زندگی اور ان کی سوانح عمری جو مختلف مستند و معتبر کتب سے اخذ کرکے مسلسل طور پر لکھے گئے ہیں تیسرے حصہ میں سلاطین بہمنیہ کے مفصل حالات درج ہیں قیمت (عا)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	ماصـہ	ماسـہ	صاعـہ	سـہ	عـہ
نصف صفحہ	ماسـہ	صاعـہ	للعـہ	صعـہ	لـے
ربع صفحہ	صاعـہ	للعـہ	صعـہ	عـہ	للعہ
ایک کالم	لعـہ	صـہ	سـہ	صعـہ	صـہ
نصف کالم	صـہ	سـہ	عـہ	سـہ	ـسے
ربع کالم	سـہ	عـہ	صعـہ	اسـہ	عا

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائیگا

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات — تیری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

عدد (۱۸) حیدرآباد دکن - دوشنبہ ۲ر ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ ۲۳ر اپریل ۱۹۲۸ء ۱۹ر خورداد ۱۳۳۷ف جلد (۱)

شذرات

سائمن کمیشن انگلستان جاتے ہوئے جب پیرس سے گذرا تو انگلستان کے اخبار "ایوننگ اسٹانڈرڈ" کے نامہ نگار خصوصی نے ان سے ملاقات کی اور اس ملاقات کا تفصیلی حال اپنے اخبار کو لکھ بھیجا۔ سرجان سائمن جب انگلستان پہنچے تو اخبارات کو اپنا بیان دینے سے انکار کیا۔ اس پر یار لوگوں نے وہ بیان انہیں دکھایا۔ اس بیان کو دیکھ کر سرجان نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ "واللہ باللہ میں نے اس نامہ نگار سے ایک لفظ بھی کمیشن کے متعلق نہ کہا میں نے تو بیان دینے سے صاف انکار کیا تھا" اس بیان میں بعض باتیں بہت چبھتی ہوئی ہیں نہیں معلوم کہ اس نامہ نگار کو ان کا پتہ کہاں سے مل گیا۔ اور اس نے اتنی بڑی غلط بیانی کیوں کی۔ حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم نہ ہوئے ورنہ اس موقع پر ضرور کہتے۔

"ما ز نهفته حضرت سائمن" کس نہ گفت
[illegible] کہ "نامہ نگار" از کجا شنید

خیریت ہوئی کہ یہ بات لندن میں ہوئی حیدرآباد میں نہیں ہوئی ورنہ فوراً قدیم حضرات اس کو چار مینار کی گپ کہدیتے۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کمیشن [illegible] تصفیہ یا سفارشات نہ کرے جو اس بیان میں ظاہر کی گئی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر اس بیان کے چار مینار کی گپ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حکومت میسور نے اپنا قانون مطابع منسوخ کردیا۔ اس پر وہاں کے اخبار بہت خوش ہیں اور ایک با اثر اخباری شراکت قائم کی گئی ہے جس کے ذریعہ کئی ایک اخبار انگریزی زبان اور دوسری ملکی زبانوں میں جاری ہونگے۔

میسور کے قدیم اخبار "میسور ریذیڈنٹ" نے کئی ایک اخباروں کے نام گنائے ہیں جو بند ہوگئے تھے اور اب پھر جاری ہوجائینگے۔

دیکھنا یہ ہے کہ حکومت میسور نے تو انصاف پسندی سے قانون مطابع کو منسوخ کردیا مگر کیا اخبارات کی آزادی صرف حکومت میسور ہی پر نکتہ چینی کرنے کی حد تک محدود رہیگی یا حکومت برطانیہ کے متعلق بھی وہ کچھ رائے زنی کرسکینگے۔؟

ایران اب ہماری عثمانیہ یونیورسٹی کی طرح اپنا ذریعہ تعلیم فارسی قرار دینا چاہتا ہے۔ لیکن ترکوں نے اپنے جوش ترقی میں ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے وہاں ذریعہ تعلیم جرمن زبان قرار دینے کے متعلق سن گن ہورہی ہے۔ اب خیال پیدا ہوتا ہے کہ افغانستان اپنا ذریعہ تعلیم کیا قرار دیگا۔ انگریزی یا فرانسیسی ؟

یہ افسوس کی بات ہے کہ اس عدد میں کئی جگہ سہو کتابت سے عبارت ایسی مہمل ہوگئی کہ اس کے سمجھنے میں دشواری ہو ہم قارئین کی سہولت کے لئے ان میں کی چند اہم فرد گذاشتوں کو بیان کرتے ہیں۔—

	غلط	صحیح
ص۵ ک۱ س۱۳	رسالہ دو	رسالہ اردو
ص۵ ک۲ س۱۱	فضل	فصل
ص۵ ک۲ س۱۷	استوار بجائے	ارسطوار (اصل کتاب میں یوں ہی غلط املا لکھا ہے جس کا صحیح املا نیچے لکھا گیا۔)
ص۱۵	گہت	گھٹ
ص۹ ک۲ س۱	تک۔ لگ	لگ
ص۹ ک۲ س۱۸	توگوں	تو لوگوں
ص۱۰ ک۲ س۱۲	کیا	گیا
ص۱۱ ک۲ س۲۱	جامعہ عثمانیہ	جامعہ کلکتہ
ص۱۱ ک۲ س آخر	صفحہ (۱۶۲)	صفحہ (۱۴۲)

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ - ۲ر ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ

سر جان سائمن انگلستان میں

کیا کمیشن کے فیصلہ کا ابھی سے اظہار ہوگیا؟

سر جان سائمن اپنی زندگی کے جس دور سے گذر رہے ہیں اس کے متعلق کسی قسم کی رائے زمانہ حال میں قائم نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کا فیصلہ زمانہ مستقبل میں ہوگا ایک طرف تو وہ حکومت برطانیہ کی نظروں میں تیس کروڑ آدمیوں کے قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے جج بنے ہوئے ہیں اور دوسری طرف ہندوستان نے ان کو "بدی کا پیامبر" ثابت کیا۔ کنٹمپرری ریویو کے نامہ نگار کے قول کے مطابق ہندوستان نے سائمن کا مقاطعہ کر کے انگلستان کی ہتک کی۔ اور اس طرح وہ اپنے پیارے وطن انگلستان کی ہتک کا باعث بنے۔ ہندوستان میں وہ جس طرف نکلے تاریکی اور ماتم نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کے نام کے ساتھ ایسے بے کار نعرے لگائے گئے کہ اگر ان کی جگہ کوئی دوسرا حساس آدمی ہوتا تو کمیشن کا کام چھوڑ کر بھاگ نکلتا۔

کمیشن کے تقرر کے وقت ہی سے ہندوستان کے مدبروں کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ سائمن ہندوستان میں آ کر کیا کریں گے سوائے اس کے کہ استاد ازل گفت ہمان می گویم پر عمل کرنے کے یوں تو حکومت نے یہاں بہت کچھ انتظامات کئے تھے ایک بہت بڑا عملہ کمیشن کے لئے وقف کر دیا گیا کئی قابل افراد معتمدی و نائب معتمدی کے سلسلہ میں منسلک کئے گئے اور ٹائپ کرنے والے اور مختصر نویسوں کی ایک فوج کمیشن کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ مگر مشہور یہ ہے کہ باوجود اس سارے دکھاوے کے کمیشن وہی کر گیا جو سات سمندر پار سات مہینے سے بھی پہلے طے پا چکا ہے حکومت برطانیہ اپنی مصلحتوں کو پوشیدہ رکھنے کے فن میں کئی زمانہ سے دنیا میں نیک نام یا بدنام ہے۔ لارڈ [illegible] کے مرنے کی اطلاع کو اس نے خود اپنی قوم سے غالباً ایک یا دو ہفتہ تک پوشیدہ رکھا اور جب بھی اس بات کو [illegible]

اخباروں نے شائع کر کے انگلستان کے عوام کو آگاہ کیا تو کہ خود انگلستان کی حکومت نے بھی [illegible] حکومت سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ کمیشن کے تقرر کرنے کا حال پبلک کو بتا دیگی۔ اس بات کا ثبوت اس سے مل سکتا ہے کہ سر جان سائمن جہاں جہاں گئے جرائد کے نمائندوں نے ان سے ملاقات کی اور کچھ معلومات کمیشن کے متعلق کھود نکالنے کی سخت کوشش کی مگر اس پڑھے جن پر کوئی جادو نہ چل سکا۔ اور انہوں نے چند معمولی باتوں کے کوئی کام کی بات ایک نہ کہی۔

غرض ان مختلف چیزوں نے مل کر سر جان کو اب ایک سیاسی اعجوبہ بنا دیا ہے۔ سر جان کو ہندوستان اور ہندوستان کے جرائد نے کیا کچھ کم دق کیا تھا کہ انگلستان کے پہنچتے ہی وہاں کے بھی ایک مشہور اخبار نے ان کے ساتھ ستم ظریفی کی اول تو انگلستان میں کمیشن کی اس واپسی پر کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی اطلاعات کے استقبال کے لئے صرف انڈیا آفس کے چند افسروں اور کمیشن کے ممبروں کے چند عزیز و اقربا کے علاوہ عوام کا قطعی کوئی مجمع نہ تھا۔ اور یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں کہ استقبال کرنے والوں کی اس مختصر جماعت میں صرف تین ہندوستانی تھے، سر اتول چٹرجی، مسٹر سین، اور مسٹر اسمٰعیل خاں۔

انگلستان میں جوں ہی سائمن صاحب کا قدم زمین پر آیا اخباروں کے نمائندوں کی ایک جماعت نے انہیں گھیر لیا اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ سر جان نے اس سے زیادہ بھید نہ دیا کہ ہندوستان میں ان کا سفر بہت اچھا رہا اور یہ کہ وہ ہندوستان کے تعاون و تعامل کے لئے اس سے زیادہ مراعات نہیں پیش کر سکتے جتنے کہ انہوں نے ہندوستان میں ظاہر کئے ہیں۔

اب سب سے عجیب اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ کمیشن کے لندن آنے کے چار گھنٹے پہلے مشہور اخبار "ایوننگ اسٹانڈرڈ" نے اپنے پیرس کے نمائندہ کا ایک بیان شائع کیا جس میں سر جان سائمن سے ملاقات کا حال اور کمیشن کے طرز کارروائی کے متعلق تفصیلی باتیں درج تھیں اس کا اقتباس یہ ہے:-

کمیشن یہ نہیں چاہتا کہ ہندوستان کے دستور میں عظیم تغیرات کی سفارش کرے تاہم اس کے متعلق اس کا اس وقت تک خاموش رہنا بہتر ہے جب تک کہ متعلقہ عہدہ داروں سے گفتگو نہ کر لے۔ سر جان نے یہ بھی کہا کہ انگلستان کی یہ کوشش کہ وہ ہندوستان کو اپنی حکومت آپ چلانے کا طریقہ سکھا دے بہت بڑی حد تک کامیاب رہی۔ پھر انہوں نے یہ بھی کہا کہ کمیشن صرف چند [illegible] تغیرات کی سفارش کرے گا [illegible] ہندوستانیوں کو حکومت خود اختیاری حاصل کرنے میں آسانی ہو [illegible] ہندوستان کے زمینداروں اور کاشتکاروں کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کی کیونکہ ہندوستان [illegible] لیڈروں نے [illegible]

صرف اپنے ہی خیالات کو کل ہندوستان کے خیالات [illegible]

ہندوستان کے معاشرتی مسائل کے متعلق سر جان نے کہا کہ ہندوستان اب امریکن تحریروں کی وجہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اپنے معائب پر خود نظر ڈالے اور انکو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح امریکن تحریروں سے ہندوستان میں اچھا اثر پیدا ہوا چنانچہ اب کمسنی کی شادی پر بہت سنجیدگی سے غور کیا جا رہا ہے اسی طرح اور معائب بھی یکے بعد دیگرے معرض بحث میں آئیں گے۔

اب لطیفہ یہ ہے کہ سر جان سائمن کو جب یہ بیان دکھایا گیا تو انہوں نے سخت تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے اس چیز سے بہت احتیاط کرنی پڑیگی۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے اور یہ سارا بیان محض بے بنیاد ہے۔" انہوں نے کہا کہ ایک شخص جو گفتگو سے امریکن معلوم ہوتا تھا رات میں ریل میں میرے سونے کے کمرہ میں چلا آیا اور مجھ سے بیان طلب کیا۔ میں نے بیان دینے سے انکار کیا اور خوکس ٹون کے بیان کے سوا کوئی بیان ہی نہ دیا۔"

بقیہ صفحہ ۲ کالم ۳

اس ترقی سے اگر ملک کی دولت و ثروت سے یا ایجادات سے انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے کیا فائدہ پہونچا کیونکہ دنیا کے تمام کاروبار خواہ وہ دولت و ثروت سے متعلق ہوں یا ملک گیری و ایجادات سے۔ ان سب کا واحد مقصد یہی ہے کہ انسان ایک اعلیٰ اور خوش حال زندگی بسر کرے موجودہ زمانہ میں روحانیت و اخلاق کی جانب لوگ توجہ نہ کریں تو کیا ہم اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کے کاروبار کا واحد مقصد یہ ہے کہ انسانی قوائے ذہنی میں ایسا نشو و نما ہو کہ وہ فی الحقیقت اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہو۔ ارسطو اپنی کتاب "سیاست" میں حکومت کے متعلق یہ لکھتا ہے کہ انتظام مملکت ایسا ہو جس سے انسان اچھی زندگی بسر کر سکے۔ ارسطو کے بعد بھی اکثر سیاست داں یہی لکھتے رہے ہیں مگر عملاً اس نصب العین پر کسی قوم کو عامل نہیں دیکھا اس میں شک نہیں کہ انیسویں صدی میں عظیم انقلابات ہوئے۔ طرز معاشرت کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی گئیں فضا میں سیر کرنے کے لئے ہوائی جہاز ایجاد ہوگئے۔ دور دراز فاصلہ سے گفتگو کرنے میں بھی سہولت پیدا ہوگئی تعمیرات کی داغ بیل بھی جدید طرز پر ڈالی گئی۔ لیکن [illegible] مقصد ہمیشہ نظروں سے اوجھل رہا [illegible] اپنے آپ کو مادی فضا میں گم کر دیا۔ [illegible] ہے کہ وہ صدیوں کی تعمیرات سالہا سال کی ایجادات اور [illegible] فلسفیانہ توجیہات [illegible]

رفتار زمانہ

موجودہ زمانہ کے چند سیاسی نصب العین

از

پروفیسر حسین علی مرزا۔ بیرسٹر ایٹ لا (پروفیسر قانون کلیہ جامعہ عثمانیہ)

یہ عنوان ایسا نہیں ہے جس پر اس مختصر مضمون میں بحث کی جا سکے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر صرف یہ مقصد ہے کہ یورپ کے چند جدید تحریکوں کو واضح کر دیا جائے۔ یہ تحریکیں بھی ایک مختصر مضمون کے تحت کما حقہ بیان کی جا سکتیں۔ مخصوص ایشیا کے سیاسی واقعات سے ہمیں اس وقت کوئی سروکار نہیں۔ البتہ ان چند اساسی اصول کا بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو ان واقعات کی تہ میں پوشیدہ ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ روز بروز سیاسی اور معاشرتی دنیا کیونکر رنگ بدل رہی ہے۔

یورپ کے حالات خصوصیت سے اس لئے قلم بند کئے جاتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں ایک لحاظ سے تمام دنیا یورپ کے دائرہ اثر میں ہے۔ انیسویں صدی کے واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ اس دور کی تاریخ یورپ فی الحقیقت دنیا کی تاریخ ہے۔ زمانہ کی اس رفتار نے آہستہ آہستہ یورپ کو تقریباً ہر معاملہ میں دنیا کا مرکز بنا رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تقریباً ہر قوم کی زندگی میں ایک زمانہ ایسا آیا ہے جس میں وہ اپنے کارنمایاں سے بام عروج پر پہونچی۔ اور اپنی کوششوں کے سرمایہ سے آئندہ نسلوں کو مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مگر قوموں کا یہ عروج سدا بہار نہیں رہا۔ [illegible] جھونکوں کا ڈر نہ ہو۔ دنیا کی ہر قوم میں یہ اصل رہا ہے کہ ایک معینہ مدت تک قائم رہتی ہے اور پھر زوال کا زمانہ آتا ہے قوموں میں انحطاط و زوال کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور ایک دن فنا کے ہاتھوں ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اقوام بھی مثل افراد کے پیدا ہوتی ہیں اور فنا ہوتی ہیں۔ تقریباً ہر فنا [illegible] ترقی [illegible] بھی [illegible] کرتے ہیں۔

چند اسباب ایسے پیدا ہوئے جس سے یورپ کی بعض مردہ قوموں میں جان آ گئی اور یہ قومیں دنیا میں سربرآوردہ تسلیم کی جانے لگیں اور انھوں نے اپنے مسلسل اثرات سے دوسرے ممالک کو اپنا لوہا منوایا۔ صنعتی ایجادات، حکومت اور امارت یہ الفاظ دیگر محض مادی ترقی میں کسی قوم کا صف اول میں رہنا ایک بات ہے اور خیر محض کی واقعی تلاش ایک دوسری چیز ہے۔

انیسویں صدی کا درمیانی دور دنیا کی تاریخ میں ایک معرکۃ الآرا اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں ایجادات کی کثرت ہونے لگی۔ انسانی زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس پر ایجادات کا اثر نہ ہوا ہو۔ شعبہ وار ان ایجادات کی تفصیل طوالت اور پیچیدگی سے خالی نہیں۔ صرف اتنا ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ایجادات کی وجہ سے مشرق اور مغرب ایک دوسرے سے قریب ہو گئے۔ ابتدائی انیسویں صدی کی دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو ظاہر ہوگا کہ دنیا میں بہت سے مقامات ایسے تھے جن میں آبادی کی قلت تھی۔ آفریقہ کے حصہ میں کوئی آبادی نہ تھی۔ امریکہ کی بھی یہی حالت تھی صرف جزیروں اور دریا کے قریبی مقامات پر آبادی پائی جاتی تھی۔ آسٹریلیا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں صرف چند جنگلی قبائل بسے ہوئے تھے۔ دنیا کے بیشتر خطے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ ریلوے کی ایجاد سے اس کا امکان ہوا کہ لوگ ملک کے اندرونی حصوں میں پہنچیں اور نیم زمانہ ہی سے بادبانی جہاز متروک ہو گئے اور جدید طرز کے دخانی جہاز بنائے جانے لگے۔ ان ختر[illegible] ایجادات سے ایک [illegible] دوسرے [illegible] خیالات

ہونے لگے جس کا نتیجہ اب ہم دیکھ رہے ہیں۔ یورپی اقوام کا غیر ممالک کے اندرونی حصوں پر قبضہ کرنا، نوآبادیوں کا قائم کرنا، وسیع پیمانہ پر اشیاء کا ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کیا جانا، بستیوں کا نئے رنگ سے آباد ہونا، ملک گیری کے لئے باجس قومیت کے ارتقاء سے ما لہا سال کی لڑائیوں کا وقوع میں آنا۔ مختصر یہ کہ نت نئے نظارے ایسے دیکھے جس سے اجتماعی دنیا میں تغیر نہ ہو۔ ملک گیری کی ہوس اقوام میں صدیوں سے چلی آتی ہے۔ جنگ کا بھی وجود ہر زمانہ میں رہا ہے لیکن زمانہ حال میں جنگ کی غرض و غایت جداگانہ ہے۔ اس کا سبب ظاہر ہے مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایجادات کی ترقی کی وجہ سے تجارت عالمگیر ہو گئی اور دنیا ایک تجارتی شیرازہ میں منسلک ہو گئی۔ اس سے جو نتائج پیدا ہوئے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جب صلح نامہ مرتب ہونے لگا تو فرانس کی یہ خواہش رہی کہ جرمن تباہ کر دیا جائے اور اس غرض کو پوری کرنے کے لئے اس نے کثیر تاوان کا مطالبہ پیش کیا۔ لیکن انگلستان جرمن کو بچانے پر ایک حد تک مجبور تھا۔ کیونکہ جرمن انگلستان کا بہترین گاہک رہا ہے۔ موجودہ دنیا میں ایک ایسی معاشرتی شیرازہ بندی ہو گئی ہے کہ ایک قوم کے تباہ ہو جانے سے دوسرے پر لازماً برا اثر پڑتا ہے۔ یہ اس امر کی بہترین دلیل ہے کہ انیسویں صدی کی ایجاداتی ترقی کے بعد کوئی قوم تنہا زندگی بسر کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

شہنشاہیت زمانہ قدیم میں بھی موجود تھی لیکن اصولاً جدید اور قدیم طریقوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ پچھلے زمانہ میں بادشاہ محض ملک گیری کی خاطر یا سلطنت کی عظمت اور شان و شوکت کی خاطر غیر ممالک پر اپنا تسلط قائم رکھتے تھے۔ مگر اب شہنشاہیت کا جدید نقطۂ خیال پیدا ہو گیا ہے انگلستان کی مثال سے مطلب واضح ہو جائیگا۔ یہاں زراعت اتنی بھی نہیں ہو سکتی جس سے ملک کی نصف آبادی بھی چین سے زندگی بسر کر سکے۔ دوسرے انگلستان کے کارخانوں کے لئے خام پیداوار کی اتنی کثیر مقدار کی ضرورت ہے کہ غیر ممالک کے دست نگر ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ سلطنت کے اور حصوں سے ہر قسم کی خام پیداوار انگلستان کو بھیجی جاتی ہے۔ انگریزوں نے اپنے زیر اثر مختلف ممالک سے اپنی معاشرتی ضروریات پورے کرنے کے لئے ایک اتحاد قائم کیا جس کا نام "برٹش امپائر" (سلطنت برطانیہ) رکھا اور یہ سوال ہے کہ شہنشاہیت فی نفسہ اچھی چیز ہے یا بری۔ موجودہ زمانہ میں بھی شہنشاہیت کا قدیم جنون بعض ممالک میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً اطالیہ، و فرانس جس کی خواہش ہے کہ ان کے تحت نوآبادیات کا اضافہ ہو جس سے ملک کا وقار بڑھے۔

جدید زمانہ کی مادی ترقی کا مختصر اور نامکمل خاکہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ مگر ابھی اصل سوال باقی رہ جاتا ہے

سلسلہ کے لئے صفحہ ۲ کالم ۳

مسئلہ برار پر ایک نظر

از احمد عارف صاحب حیدرآبادی

ذیل کا مضمون اگرچہ اس زمانہ میں کسی قدر بے از وقت معلوم ہوگا مگر احمد عارف صاحب نے مسئلہ برار کی تاریخ کو پیش کرنے میں کافی محنت اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ عارف صاحب اپنی تحریروں سے کافی طور پر ملک میں مشہور ہو چکے ہیں۔ آپ نہ صرف انشاپرداز ہی ہیں بلکہ آپکی تالیفات خیابانِ اردو اور بزمِ اردو حیدرآباد میں نصابِ تعلیم میں داخل ہو چکی ہیں۔ آپ نے ایک مختصر اردو لغت بھی تالیف کیا ہے جو تقریباً چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک کتاب نثر اردو کی تاریخ پر لکھی ہے جو غالباً زیر طبع ہے اور بہت جلد شائع ہو جائے گی۔

نظام گزٹ

حیدرآباد کی موجودہ حالت پر نظر دوڑائیے تو اس کی فضا رنگ برنگ کی تحریکات سے معمور نظر آئے گی جس نے تمدنی اور تعلیمی حیثیت سے جو کروٹیں لی ہیں وہ گذشتہ کئی سال کی جد و جہد اور کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ سیاسی نقطۂ نظر سے یہاں کی آب و ہوا ایک زمانے سے پرسکون اور خاموش رہی ہے لیکن عہد عثمانی کی پر جلال اور بیدار کن کارفرمائیوں نے اس خصوص میں بھی جان ڈال دی۔ ملک کے اہم معاملات و مسائل میں سنجیدگی کے ساتھ حصہ لینا ہر شائستہ اور متمدن قوم کے فرائض میں داخل ہے۔ یہ زندگی کی علامت ہے اور اسی سے کسی قوم کا کانسٹی ٹیوشن بنتا اور سنورتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہم اس دنیا کے بسنے والے ہیں جس کا ہر فرد ملکی معاملات سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے۔

مسئلہ برار حیدرآباد کے نہایت اہم مسائل میں سے ہے چونکہ اس سے دلچسپی لینا اہل ملک کے فرائض میں داخل ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس صحبت میں اس مسئلہ کی تاریخ کا ایک مختصر سا خاکہ آپ کے پیش نظر کر دیں۔ جس کی روشنی میں موجودہ صورت حال کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

عہد نامہ سنہ ۱۸۰۰ء کی رو سے نظام گورنمنٹ اس امر کی پابند گردانی گئی کہ چھ ہزار پیدل اور نو ہزار سواروں سے انگریزوں کی آڑے وقت میں مدد کرے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۰۳ء میں مرہٹوں کے خلاف سرکار نظام کے سورماؤں نے بہادری کے جوہر دکھائے لیکن کیا خبر تھی کہ باوجود اس پابندی عہد کے سرکار انگریزی کے ایک خیر خواہ رزیڈنٹ مسٹر ہنری رسل ایک نئی تجویز منظور کرانے والے ہیں۔ انہوں نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ بجائے اس طریقۂ اعانت کے ایک مستقل فوج برٹش رزیڈنٹ کے ماتحت رکھی جائے جس کے مصارف سرکار نظام برداشت کرے۔ چنانچہ حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے ایک مستقل فوج آخر کار قائم ہو کر ہی رہی۔ اس فوج کے مصارف چونکہ غیر معمولی تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں حیدرآباد ساڑھے بہتر لاکھ کا مقروض ہو گیا۔ اس کثیر رقم کی بازیابی بہت دشوار تھی۔ سنہ ۱۸۰۵ء میں لارڈ ڈلہوزی نے یہ تجویز کی کہ قرض کی ادائی اور فوج کے ماہ بماہ اخراجات کے لئے یہ ضروری ہے کہ ریاست دکن کا ایک حصہ برٹش گورنمنٹ کی تحویل میں دیا جائے۔ یہ خبر فرمانروائے وقت اعلیٰحضرت ناصر الدولہ بہادر کے لئے بہت تشویش ناک تھی لیکن خوش قسمتی سے آدھا قرضہ تو اسی وقت ادا کر دیا گیا اور باقی رقم کی ادائی کے لئے ڈھائی مہینہ کا وعدہ کیا گیا۔ ادھر تو یہ انتظام ہوا اور ادھر اخراجات کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ سنہ ۱۸۱۸ء میں چونکہ قرض کی مقدار پھر بڑھ گئی اس لئے وائسرائے بہادر نے پھر وہی تجویز پیش کی۔ اس خصوص میں لارڈ ڈلہوزی کے متعدد الفاظ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں فرماتے ہیں "ایک ایماندار شخص ہونے کی حیثیت سے میں خیال کرتا ہوں کہ کنٹنجنٹ کا وجود کسی عہد نامے کی رو سے درست نہیں ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ء کے عہد نامے کے رو سے ہم صرف زمانۂ جنگ میں چھ ہزار پیدل اور نو ہزار سواروں کی امداد کے مستحق ہیں لیکن اس کے برخلاف صلح اور جنگ دونوں زمانوں میں پانچ ہزار پیدل دو ہزار سوار اور چھ پیس توپیں ہمیشہ رکھی گئی ہیں۔ ہمارا حق ہر والی دکن کی فوجوں سے کبھی کبھی کام لینے کا ہے مگر عملاً ہم نے انہیں بالکل اپنی فوج کی طرح رکھا۔ فی الواقع کنٹنجنٹ کے اخراجات غیر معمولی اور غیر ضروری طور پر بھاری رہے ہیں لیکن بحیثیت ہندوستان کے گورنر کے میرے امکان سے باہر ہے کہ یہ قرضہ آپ پر معاف کر دوں وغیرہ وغیرہ" غرض اس پر لطف تمہید کے ساتھ ایک نئے معاہدہ کی ضرورت بتلائی گئی جس کی رو سے ریاست کا ایک حصہ انگریزوں کے قبضہ میں دیدیا جائے۔ رزیڈنٹ نے فرمانروائے وقت اعلیٰحضرت ناصر الدولہ کو اس کی خوبیاں اور محاسن بتلائے جس کا جواب اعلیٰحضرت نے ان الفاظ میں دیا "تم جیسے لوگ جو کبھی یورپ اور کبھی ہندوستان میں رہتے ہیں کبھی سرکاری کام انجام دیتے ہیں اور کبھی سپاہی اور ملاحی کا کام کرتے ہیں اور کبھی تجارت بھی کر لیتے ہیں (کیونکہ میں نے سنا ہے کہ تمہاری قوم کے بعض بڑے آدمی تجارت پیشہ تھے) اس معاملہ میں میرے دل کا حال نہیں سمجھ سکتے میں ایک بادشاہ ہوں جو اسی سلطنت میں رہنے اور مرنے کے واسطے پیدا ہوا ہوں جو میرے خاندان میں سات پشتوں سے چلی آتی ہے۔"

سنہ ۱۸۵۳ء میں اس معاہدہ پر دستخط ہو گئے جس کی رو سے برار کے چند اضلاع رائچور، دوآب، شملہ پور، اور احمد نگر انگریزوں کے علاقہ میں دے دئے گئے۔ نواب ناصر الدولہ بہادر کے انتقال سے پہلے کئی مرتبہ مقبوضات کے واپس لینے کی کوشش کی گئی اور یہ یقین دلایا گیا کہ فوج کی تنخواہ کا ماہ بماہ انتظام کر دیا جائے گا۔ لیکن کچھ پیش نہ گئی۔ نواب افضل الدولہ بہادر کا زمانہ آیا تو ۱۸۵۷ء کا خونین منظر رونما ہوا۔ سر سالار جنگ اور نظام دکن نے اس قیامت خیز وقت پر جس طرح انگریزوں کی اعانت کی اس کے بیان سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ انگریزوں نے اس احسان کا بدلہ اس طرح ادا کیا کہ رائچور نلدرگ واپس کر دئے گئے اور ان کے بجائے سرحدی اضلاع پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس احسان شناسی اور لطف و کرم کے متعلق سننا ہو تو انہیں کے ایک ہم قوم کرنل ڈیوڈسن کی زبانی سنیے "اگر دیکھا جائے تو ہم نے کچھ بھی واپس نہیں کیا۔"

سنہ ۱۸۶۶ء میں سالار جنگ بہادر نے معاہدہ تقسیم کی رو سے استرداد برار کی تحریک کی لیکن اس باب میں انہیں یہ تلخ جواب ملا "آپ کا خط جو آپ کے ولی نعمت کی عالی ظرفی اور آپ کے تدبر کے خلاف ہے۔ گورنر جنرل کو یہ کہنے پر آمادہ کرتا ہے کہ آئندہ سے دربار حیدرآباد کی تحریکیں بازسنجیدہ اور درست ہونی چاہئیں۔"

اعلیٰحضرت میر محبوب علی خان سریر آرائے سلطنت ہوئے تو سالار جنگ اور شمس الامراء ریجنٹ مقرر ہوئے۔ ان دونوں خیر خواہان سلطنت نے پھر اس تحریک کو زندہ کیا۔ اسی لاکھ پونڈ کی کثیر رقم پیش کر کے یاد دلایا کہ اس کے سود سے فوج کے اخراجات [illegible] ہو سکتے تھے لیکن وہی جواب ملا جو اس سے پہلے کئی بار مل چکا تھا۔ اس کے بعد دارالعوام انگلستان کی اخباری دنیا میں اس مسئلے کے متعلق کافی گرما گرم بحثیں ہوئیں لیکن نتیجہ معلوم۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں خود

سلسلہ کے لئے صفحہ ۹ کالم ۲

خزانۂ عبادت

دکھنی زبان کی ایک قدیم کتاب سنہ تصنیف سنہ ۱۱۶۵ھ

از

محمد عظیم الدین احمد صاحب صدیقی

سال حال کے سالنامہ روزنامہ رہبر دکن اور جریدہ نظام گزٹ کے دو چار پرچوں میں چار پانچ مضامین "قدیم اردو" پر میرے پڑھنے میں آئے اور مجھے بھی شوق ہوا کہ میرے پاس خاص دکھنی زبان میں جو اردو کتاب موجود ہے اس کا اصحاب ذوق سے تعارف کراؤں۔

علامۂ دہر مولانا مولوی حضرت شاہ محمد صاحب غفر اللہ الصمد دکنی (غالباً حیدرآبادی) نے خاص بان دکنی اردو میں مسائل فقہ پر ایک ضخیم کتاب موسومہ "خزانہ عبادت" ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱۶۵ھ میں منظوم لکھی ہے جس کو اس وقت تقریباً دو سو برس ہوتے ہیں۔ یہ کتاب میرے خسر بزرگوار کے ذاتی کتبخانہ سے میرے ہاتھ آئی ہے۔ کتاب عمدہ حالت میں ہے۔ سارا دکنی عمر رجو نے سارا بخط قلمی قدیم لکھی گئی ہے۔ کاغذ قدیم دیسی ہے۔ کتاب کے (۱۹) ابواب اور (۱۷۹) فصول (علاوہ حمد و نعت و کرامات خلفاء کرام وغیرہ) پر مشتمل ہے ہر صفحہ میں ۱۷ اور کل کتاب جو ۳۲۶ صفحوں کی ہے میں ۵ ہزار سے دس ہزار دو سو چھتیس ابیات ہیں۔

مذہبی حیثیت سے اردو دنیا میں غالباً یہ پہلی اور ایک بہت بڑی مستند منظوم کتاب ہے جسکی اشاعت زیر غور ہے اور ابتک اس لئے شایع نہیں ہوی کہ مولف علیہ الرحمہ کے سوانح حیات کا دکن کے کسی تذکرے یا تاریخ اور کتاب زیر بحث سے پتہ نہیں چلا۔

حضرت شاہ محمد صاحبؒ جیسا کہ آپ کے کلام سے ظاہر ہوگا اپنے آپ کو (انکسار) شاعر نہیں بتلاتے آپ کا تعلق سلسلہ مشائخ سے معلوم ہوتا ہے۔ محبوب ذو المنن تذکرہ اولیاء دکن جلد سوم حصۂ اول مولفہ مولوی عبد الجبار خاں صاحب مرحوم میں آپ کے ہم نام تین اصحاب پیر طریقت کا پتہ چلتا ہے لیکن اس سے آپ کے سوانح حیات کی صحت کا بلحاظ سنین یقین نہیں ہوتا اس لئے قارئین نظام گزٹ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش ہے کلام کے اس حصہ کو بھی پیش کیا جاتا ہے جس سے آپ کے پیر و مرشد کے صرف کرامات وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ واضح کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ تمام کتاب کو میں دو بار پڑھ چکا ہوں لیکن کہیں بھی اس کا پتہ نہیں چلا کہ علامہ ممدوح کا کیا تخلص تھا البتہ کتاب میں ہر فصل کے اختتام پر آپ کا پورا نام شعر میں آگیا ہے۔

الٰہی توں ہے پاک پروردگار ۔ بندیاں کوں بھی پاکی پو دیستوار

تو ۔ بندوں کو ۔ تیرا استوار

نجاست گناہاں کی توں ہو گرات ۔ غسل دیتوں تو یہ پانی سوں گت

نجاست گناہوں کی تو دھو کر پاک ۔ دیتا ہوں ۔ سے مضبوط

رجوع کا وضو توں کرانا اول ۔ تیری یاد میں سو دہرانا سکل

تو ۔ سب

طمع کا کرو نار ہے تینوں سو توں ۔ دھوانا غنائی کے پانی سوں مُنہ

سے منہ

بھی آبریخ لک توں دھولا خوبتر ۔ بھی قصد کے سر کوں چھو اخوبتر

اور کہنی تک ۔ اور ۔ کو

شتالنگ لگ پانو نکوں دھوئی ۔ توں کر پاک حرکت سوں تا ہو کبھی

ٹخنہ ۔ کو ۔ تو

یو یعنی جو اہل دل پاس توں ۔ نہ محتاج کر کر لیجا آج سوں

یہ ۔ تو ۔ سے

بھی بعد از جو نا غسل کے کدلنا ۔ گناہاں کے سیلوں سوں کر پاک تن

اور ۔ جمع میل سے

تو ظاہر عبادت سوں کرتن کوں تر ۔ دل اخلاص صدق کاموں بہتر

تو ۔ سے ۔ کو ۔ دکلی ۔ منہ بہتر اپنا

کر استنشاق یوں جو راحت کا بھی ۔ پڑانا کلیمہ سو وحدت کا بھی

ڈالنا ناک میں پانی ۔ پڑھنا کلمہ

نمازاں سو تج یاد پر استوار ۔ کہ کر کر ہمیشہ سو دہرا استوار

جمع نماز تجھ ۔ استوار ۔ سدھر استوار

یو خاموش کر یکا سو روزہ رکھا ۔ بھی اس وقت کیے حج کہیں آن

یہ ۔ تو

بھی تج محبت کے جو نہ کیا زکات ۔ دلانا ایاں کوں سو مارفہ کے تا

اور تجھ ۔ جمع طالب کو

ہمیشہ نبی کے شرع پر مذہب ۔ ادا لیتے ہو دینسوں جگت ریکھا

رہ ۔ ان سے لیا

یو لولاک کا لفظ سو سرسبد ۔ ہو لیتے جو نازل نبی کے ادپر

لولاک لما خلقت الافلاک

یعنے اگر توں نہ ہوتا تو البتہ پیدا نہ کرتا افلاک کوں

نبی کچ خاطر یو منڈاں سب ۔ کیا ہے جو قدرت سوں یکبارگی رب

نے ۔ سے

محمد کے یو جیا پیغمبری کا نام ۔ کتا ہوں رکھو یاد مومن تمام

کہتا

محمد کے ہے باپ عبد اللہ جان ۔ ہے عبد المطلب سو دادے سو پہچان

ہے ہاشم سو پڑدادے بوجھو تمام ۔ کہ ہاشم کے ہے باپ عبد المناف

بوجھو جان

کہ چار کری لک یاد رکھنا ہے و ۔ بیاں اس کا سب کہوں لگ لیوی

تک

نبی سوں محمد بن عبد اللہ سب ۔ عرب میں جو بوجھا تھے تیس تب

سے ۔ بوجھو تھے

محمد تھے دس اس میں لیسے جو تد ۔ پدر عبد اللہ عبد المطلب سو بڑ

تب

محمد تھے اس میں جو ایسے سو تین ۔ تھا پڑدادے ان نام ایک یقین

تک

محمد رسول اللہ تھے ایک ذات ۔ کہ پردادے کے باپ تھا ان نانا

(روی) انہ کان محمد بن عبد اللہ فی العرب ثلثین وکان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب عشرۃ وکان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ثلثۃ وکان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف واحد وھو محمد الرسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم

محمد جو ہے خاتم الانبیا ۔ خدا ان کی امت میں ہم ناکیا

ہمیں

خدا کا شکر کیا بجا لاؤں میں خوشحالی بھی اسکی برابر سو نیں
نبیانکوں اتھا آرزو دھر سر محمد کے امت میں اتا کگر
(نبیوں تھا دلی)
سوا و مرتبہ حق نے ہمنا دیا ہزاراں شکر حق نے ایسا کیا
نبیاں کا اول معجزہ جو اتھا محمد کی امت کوں سارا اتا
کر اینی کرامات کے طور سوں دیکھا آہے قادر نے فی الفور سوں
یراں اب میں ایک یو لوں نقل خلافت میں حضرت عمر کے اول
کتے تین شخص ان کے نزدیک آئے یو تینو نے تو تین سوا لوکوں لائے
(یہ ان تینوں نے تب تین سو لوگوں کو لائے)
امت اس میں اوّ پیمبر کا ایک بھی دسرا سو امت جو موسیٰ کا نیک
ہی تیسرا سو عیسیٰ پیمبر کا تھا یو تینو نے داں آئے ہو ایک جا
کیے اپنے دیکھے کتاباں اندر اکہ آخر نبی کے سو امت بہتر
(یو انکا ہم نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے)
ہیوں کا سو یو فعل ہوئیگا تمام ہو قایم زمانہ رہیگا مدام
اگر آئے ہیں تو تمارے نبی دیکھا و فعل ہمارے نبیونکا بھی
محمد پو ایمان لاویں گے ہم دگر نیں تو بھی پھر کو جاوینگے ہم
تو حضرت عمر نے یو تینو کوں لے کہ حضرت علی کے سو گہر کوں چلے
یو اس وقت حضرت علی و چمن پھر اتے تھے پانی کوں کیا یا لگن
آپسکے سو لے ہات میں پہاوڑا چمن میں جو پھرتے اتے جا بجا
سو اس آن میں پہنچ حضرت عمر حقیقت یو تینو کی کے سر بسر
علی نوپ اس پہاوڑا کوں پھینکا کئے بلا کر آگے وا ددی کوں ئے
ڈنڈی پہاڑ کی زمین پو سٹے ہوا اژدہا سو یو سلے دیکھے
بعد اسکے کر کر زمیں پو نظر پکارے ہیں یک نام لے حاید تر
نہ حضرت علی کا کہا تال کو زمیں میں سوں یک شخص آیا ہے سو
سنگے ہو کو بولیا اُنے باادب منجے یا دیکتے سو کیا ہے سبب
(اکٹھے ہو کر بولا اس نے مجھے کیسے دکیا)

کہے دیکھنے کوں جو چاہیا ہو نیں اسی تیج تج کوں بلایا ہو نیں
اتھا شخص او نوح کے آن میں چڑیا تھا او کشتی پو طوفان میں
کہ حضرت علی نے جو کشتی کی بات جو پوچھے سو بولیا علی کے سنگات
لبنی ہور چوڑی جو کشتی اتھی کہ پانی اپر چل جو پھرتی اتھی
او طوفان کا بی بیاں کر کو پھیر ہوا بھی رضا لے کو مائی کا ڈھیر
(اجازت لیکر مٹی)
کرامات تینو نے دیکھے سو یو لے آئے محمد پہ ایمان او
جو ایسی محمد کے امت میں ہیں امت اگلی ہو نا نبیاں کیوں نکین
کرامات سنکر علی کے سو یو کہ حضرت عمر سوں توں منکر ہو
کہ یو بات ان سوں بی ہوئی تگر خدا کن سوں تھا یو بیچ یو سر بسر
اسی تیج حضرت علی کن لے آئے کہ ہر حال سوں دین کے تیں نبھائے
کرامات حضرت عمر کے سو کہوں کتا ہوں جو مشہور ہے سو منو
جمعہ کے سو دن چڑ کو ممبر اپر کہ پڑتے تھے تھے خطبہ سو حضرت عمر
یکایک پکارے سو ہے یو نقل کہ یا ساریہ الجبل الجبل
نماز ہوئے پو سب یو پوچھے صحابہ کہ اس بولنے میں تھا کیا جواب
کہ اعراق کے ملک پران کے تیں کہ یعنے جو ساریہ کوں بھیجیا ہیں
او اس وقت جنگ پو جو ہنگے کھڑے ولیکن نہ سمجھے مگر او کرے
اسی تیج یو ہانک ماریا اتا کہ یعنے دیکھو پاڑ کا آسرا
(اسی لئے یہ آواز۔ (مارا)
کہ یک غار میں او جو کفار سب دبی مار کر واں سو بیٹھے ہیں اب
تھوڑی فوج آ سامنے ہوئی نمود گئی ان پو یو توا ٹھالینگے زود
میری ہانک سن ساریہ ہور سکل کہ اس غار پو جا کو مارے سکھند ل
(پرسب لوگ پھاکر رکھند لنا روند نا)
او تاریخ او روز لکھکر لے آئے گواہی مدینہ میں بی یو نچ پائے
کرامات ان کی ہزاراں ہزار کہاں تک جو بولوں ہے بیشمار

کرامات سو حضرت ابا بکر کی کتاباں میں مشہور ہیگی صحی
کہ فرمائے رحلت جو پاویں ہمیں غسل ہور کفن دے کو لاویں تمیں
کہ حضرت کے روضے کنے دہر کو زود پڑو ورو بر وواں کھڑے ہو درود
خدا کے حکم سوں کہلیگا تو در کہ میری بی روضے میں کرنا قبر
اسی طور کیتے سجا لا سخن کہلیا در تو روضے میں کیتے دفن
(کئے (کیا) بات کا حکم کھلا کیا)
اسی طور حضرت عمر کی بی بات کہ ہر ایک کتابوں میں ہے یو سنگات
کرامات سو اس میں ا و سر بسر اتھا ان کوں آگاہ کھولیگا تو سو در
کہ جاگا بی اپنا سو اس بیچ ہے یقیں تھا اگر تو جو ہیں سب سو گئے
بی یکبات ابا بکر کی یوں عزیز سنو جیوں کے کان سوں باتمیز
انس ابن مالک کئے یوں نقل نبی نے جو یک روز سے اگل
کے آگے اس قبروں میں آیا اتھا عذاب یاں کی مرداں کوں پایا اتھا
اتا دیکھتا ہوں تو پائے نجات منجے بہوت لگتی تعجب یو بات
اسی وقت جبرئیل آئے اتر نبی کوں جو اسکے سو کیتے خبر
کہ یعنے خدا تم سوں بولو کہا ابا بکر بعد از جو اس جا پو آ
کنگوئی اپنے داڑی کوں کیتے بحال نکل کر گریا ایک داڑی کا بال
کہ اسکی برکت تھی پائے نجات کئے جبرئیل سب کے کدن سوں یو بات
کرامات دیکھو یو عثمان کے جوں محفوظ پو ترتیب قرآن کے
اچھے تیوں سو جامع ہوا و سر بسر چلائے اپنی ترتیب جگ کے اپر
کرامات بھی ایک یو بولوں اتال معمہ ہے تیوں سو کہو لوں اتال
شہید جو ہو نہیا یو عثمان جب کہ دشمن طمانچہ سو ماریا ہے تب
او کوڑی ہوا ہو سکے اسکے ہات کہ ہم سوں ہے کتابوں میں یا بت
کرامات چاروں کے لے ہے عیاں کہ سارا یو نکا تا تک کروں میں بیاں
(سارا (یعنی سب)

مفصل بولتا ہوں ختم کا اتا میرے دل کا سب مدعا ایں لا
اب
ہر ایک کوں یو آسان ہر لکیا یا کہ ہو تا لگر میں کیا یو کتاب
کو یہ کھل کر جبکر یہ
شروع کرتے بتو فاتحہ میرے نام پڑینگے سنگین مغفرت تو تمام
پڑھیں گے مانگیں
خدا کے فضل سوں چھوٹنگا لکر کیا اسمیں کوشش میں شام و فجر
سے چھوٹونگا سمجھکر
منگو مغفرت میرے سابوں عزیز پڑو فاتحہ پہلے آخر کوں نیز
انکو اب میں پڑھو پہلے کو
اگر ایک وصل بی پڑینگے غرض یو وو بات بی ان پو ہینگے فرض
بھی پڑھیں گے یہ بھی پہ ہونگے
ہم سوں نیں تصحیح دیتا ہوں نیں مگر عاجزی سوں منگ لیتا ہوں میں
سے نہیں سے مانگتا ہوں
پڑینگے تو ہے منج پو احسان تو کرو سوال مت رو مسلماں ہو یو
پڑھیں گے مجھ پہ یہ مسلمان ہو کر میرا یہ سوال مت رد کر
نبی اسکے بابوں کئے سو خبر حدیث اولکیا ہوں سنو سر بسر
باب میں وہ لکھا
لا تَرُدّ السّائِلَ وَلَو کانَ کافِراً مت کر سائل کوں اگر کافر ہو تو بی!
کو ہو تو بھی
الٰہی مرا دین و ایمان سنبھال بھی ماں باپ لا بی توں کھنا (کذا)
اور بھی بھی تو
بھی ان مرا اولاد بھی اقربا بھی جاتک جو ہیں دو ناتے کے
اور اور اور اور جہاں تک
الٰہی جو ہیں میرے طالب مرید محمد کی امت جو ہیں کل سعید

الٰہی ہیں جیکوئی پڑینگے کتاب لکھینگے سنینگے تو بی انکے ما...
اور جو کوئی پڑھیں گے بھی
سب کوں بی منج کوں کر مغفرت الٰہی ہی مدعا دے سبنت
اب سب کو بھی مجھ کو
بھی دیدار دے اپنا یار دی بخش توں ہمارے گناہاں سبی
اور تو ہیچ گناہ سب
الٰہی بھی میری بنی سو کتاب ہمانیں تو واں سکو کر نا شتاب
اور کو
الٰہی توں کر جگ میں اس کا رواج جہاں میں نبی کا جو چلیا کہ ہے راج
تو دینا جب تک
توں اسکوں تو ڈال کر دیار و دیار ہوئے شہو مشرق و مغرب ہمار
تو اس کو
بھی کر اسکو مشہور قطب و جنوب بھی جاں لگن کی پیردی لگی خوب
در اور جہاں ہو گی
توں مقبول کر اسکے تیں ہر جاں ہوئے منظور ہر ایک عالم کے پاس
تو
کتاب یو سو ہر مدرسوں میں اچھو ہو مقبول ہر مکتبوں میں اچھو
رہے رہے

الٰہی دکن سوں ہندوستان تلک آسی رواں کر توں ملتاں تلک
سے تک تو تک
الٰہی تو کر اسکداں سب کا رخ الٰہی لجا اس بجز را لمخ
اس طرف لیجا
توں کر اسکو مشہور عرب و عجم نقل اسکی لیتے ہے جاری قلم
تو
الٰہی توں دے شوق پڑنہار کوں بھی دے منفعت توں سنہار کوں
تو پڑھنے والے کو اور دے منفعت تو سننے والے کو
کتاب یو بنیا تمو جو جانو عزیز سنہ ہجری ہزار ہور یک سو پونیز
یہ بنی تو ۱۱۶۵ھ
گذر جا کو میں سٹ جو برساں کل تکیا تیسرا مہینہ ربیع الاول
جا کر جمع برس سب تیرا
بنیا جب تو اسکوں دیا یو خطاب خزانہ عجائب یہ زیرا کتاب
بنا کو
کیا شاہ محمد نے تو یو ختم ہی پور ورد بیج کردم بدم
تو یہ پر

بقیہ مسئلہ برار

نواب سالار جنگ بہادر ولایت تشریف لے گئے تو گون نے سر آنکھوں پر جگہ دی اخبارات نے بڑے بڑے نوٹ لکھے ارباب دولت نے ہمدردی کی لیکن اس معاملہ کی یکسوئی نہوئی۔ ۱۸۷۷ء میں امیر کبیر کا انتقال ہوا تو نواب وقار الامرار انکی جگہ نامزد کئے گئے۔ نواب سالار جنگ اور نواب وقار الامرار میں ایک زمانہ سے ان بن تھی اس لئے ان کا تقرر ملکی مصالح کے بالکل منافی تھا لیکن دانشمندان فرنگ کی سنہری روپہلی مصلحتوں کا یہی تقاضہ تھا کہ نواب وقار الامرا کسی طرح مدبخد بالمتقرر ہو جائیں اسکا نتیجہ اس معاہدے کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس کی اہم شرط یہ تھی کہ واپسی برار کا سوال ریجنسی کے قیام تک نہ اٹھایا جائے۔ اسطرح نواب سالار جنگ کی زبان بند کر دیگئی ۱۸۸۳ء میں ان کی دلی آرزو انھیں کے ساتھ پیوند خاک ہوگئی۔ تاریخ دکن کے اس زبردست ہیرو کے بعد یہ تحریک ایسی دبی کہ زمانہ گزر گیا۔ لیکن عہد عثمانی کی برکتون نے ہمیں بھولا ہو خواب یاد دلایا۔ دبی ہوئی چنگاریاں پھر بھڑک اٹھیں۔ پچھلے تین چار برس سے اعلیحضرت قدر قدرت نے اپنی چھینی ہوئی دولت کے حاصل کرنیکے آئینی طریقے شروع فرمادئیے ہیں اس مطالبہ کی ابتدا اس یادگار خط وکتابت سے شروع ہوئی تھی جو اعلیحضرت حضور پر نور بندگان عالی اور سابق وائسرائے لارڈ ریڈنگ کے مابین ہوئی ہے۔ اگرچہ اس تحریک نے ہندوستان اور انگلستان میں اب دو ہوا میں ایک ہلچل مچادی اور عموماً انگلستان کا پریس اور خصوصاً کرور ون ہندوستانیوں کی آواز اس جائز حق کے مطالبہ میں شریک رہی لیکن مدبر برطانیہ کی اصول سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آنے پایا اب سنا جاتا ہے کہ بٹلر کمیشن دیسی ریاستوں کے حقوق کی حفاظت کا کام شروع کرنے والا ہے۔ دیکھیں برطانیہ عظمیٰ

مراسلات

انجمن اصلاح دار العلوم دیوبند کا جلسہ

مولانا محمد علی۔ مولانا ظفر علی خاں اور دیگر رہنمایان قوم سے رپورٹ شایع کرنے کی اپیل۔ اصلاح کے لئے قومی توجہ کی

ضرورت

انجمن اصلاح دار العلوم کا اہم اجلاس زیر صدارت سر انجمن مند آرستانہ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ بتاریخ ۹ رمضان المبارک مطابق ۲ مارچ ۱۹۲۸ء منعقد ہوا۔ جناب مولوی حافظ محمد محسن صاحب برخوردار حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ نے حسب ذیل تجاویز پیش کیں۔ جو باتفاق آرا پاس ہوئیں اور یہ طے پایا کہ اس کی نقول تمام مسلم جماعت کو روانہ کر دی جائیں۔

(۱) انجمن اصلاح دار العلوم کا یہ جلسہ دار العلوم دیوبند کی موجودہ بدنظمیوں پر جس کی تمام تر ذمہ داری مجلس شوری اور اس کی غفلت سے ادارہ اہتمام پر ہے اظہار افسوس کرتا ہے اور تحقیقاتی وفد کے اس جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب ام ایل سی۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل ہائیکورٹ نگینہ سے استدعا کرتا ہے کہ دار العلوم کے معاملات کے متعلق انہوں نے جو تحقیقات کی ہے اسے جلد از جلد شایع کر دیں تاکہ مسلمان موجودہ نزاعات کے متعلق کوئی آخری اور قطعی رائے قائم کر سکیں۔

(۲) انجمن اصلاح دار العلوم کا یہ جلسہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب ظفر الملک، مولانا ظفر علی خان فخر قوم، مولانا سید الغا در صاحب قصوری، سید صغیر علی صاحب پبلک اکاؤنٹنٹ دہلی سے درخواست کرتا ہے کہ انہوں نے دیوبند تشریف لا کر دار العلوم کے متعلق جو رائے قائم کی تھی اس کو مولانا فضل صمدانی ناظم جمعیۃ العلما صوبہ سرحد کے طرح شایع فرمادیں تاکہ مسلمان اس جھنگ اور گمراہ کن پروپاگنڈا کی حقیقت سے کما حقہ آگاہ ہو جائیں جو آج کل حامیان اہتمام کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔

(۳) انجمن اصلاح دار العلوم کا یہ جلسہ ذمہ داران قوم و مذہب و معاونین دار العلوم کی خدمت میں پرزور اپیل کرتا ہے کہ جس طریح بھی ممکن ہو اول فرصت تک دار العلوم کو تمام نقائص سے پاک کر کے ایسا دستور اساسی تیار کر دیں کہ استبداد و اقتدار اور وراثت و ملوکیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے اور دار العلوم کا تمام نظم و نسق شریعت کے مخصوص اصولوں پر قائم ہو جائے جیسا کہ اکابر سلف کا تھا۔

محبوب علی خان غفرلہ
ناظم انجمن اصلاح دار العلوم دیوبند

کے حق شناس ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست کے سب سے بڑے جائز حق کی حفاظت کس طرح کرتے ہیں؟

السنہ مغربیہ

دنیا میں بہ نسبت دوسری یورپی زبانوں کے، انگریزی کے جاننے اور بولنے والے زیادہ ہیں۔ ہم چند یورپی زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد درج کرتے ہیں

زبان	بولنے والوں کی تعداد
انگریزی	سولہ کروڑ
جرمن	گیارہ کروڑ
روسی	دس کروڑ
فرانسیسی	سات کروڑ
ہسپانی	پانچ کروڑ
اطالوی	پانچ کروڑ

مشرقی زبانوں میں سے چینی زبانوں کو سب پر تقدم حاصل ہے۔ یہ زبان کم و بیش چالیس کروڑ انسان بولتے ہیں۔

شاہ افغانستان کے سفر کا راز

لندن ۲۲ مارچ۔ شاہ افغانستان کے سفر کے متعلق انگلش مین کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ:۔

کئی لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ افغانستان محض تماشا سیاحت کے لیے گئے ہیں۔ مگر معتبر حلقوں میں اس بات کا چرچا ہو رہا ہے کہ ماسکو افغانستان سے دوستانہ تعلقات پیدا کر کے کچھ ساز باز کرنا چاہتا تھا مگر حکومت برطانیہ کے دفتر خارجہ کو اس بات کا علم ہو گیا اور اس نے ان منصوبوں کو توڑنے کے لیے یہ چال چلی ہے مگر یہ دو خیالات غلط ہیں ماسکو نے نہیں بلکہ ڈاؤننگ اسٹریٹ (برطانوی حکومت) نے سب سے پہلے شاہ افغانستان کو شاہی سیاحت کے لیے دعوت دی تھی اور اس تجویز کو اس خفیہ اطلاع نے جنم دیا تھا کہ روس اور ایران کے درمیان ایک نہایت اہم خفیہ معاہدہ موجود ہے اور یہ خیال ایرانی گورنمنٹ کی اس کارروائی سے اور بھی زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔ جب کہ اس نے برطانوی ہوائی جہازوں کو بصرہ سے کراچی تک سیدھا راستہ اختیار کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا یہ بات تھی جس نے برطانیہ کو اس بات کے لیے تیار کیا تھا کہ وہ شاہ افغانستان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کرے اور ملکہ وکٹوریہ نے ایران کے ایک بادشاہ کی جو خاطر و تواضع کی تھی برطانیہ نے شاہ افغانستان کی آؤ بھگت کرنے میں اس سابقہ واقعہ کو مات کر دیا۔

ترکستان کے مسلمانوں کی پریشانی

ریگا ۲۸ مارچ۔

سید حسین جواد زادہ کی رہائی کے لیے ترکستان کے مسلمانوں کی جانب سے متواتر درخواستیں پیش ہونے پر افسروں نے اور آدمیوں کو گرفتار کر لیا جس سے مقامی مسلمانوں میں پریشانی پھیل گئی ہے۔ سید حسین ضلع عاشق آباد کے صدر ملا ہیں۔ انہوں نے ۱۹۰۷ء میں ایرانی انقلاب پسندوں سے بیزار ہو کر تبریز سے ترک وطن کر لیا تھا۔ ان پر جو الزام لگایا گیا ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے آج سے بیس سال پہلے مخبری کر کے چند بولشویک انقلاب پسندوں کو گرفتار کروایا تھا۔ اور ان پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ سوویٹ گورنمنٹ کے خلاف بعض اسلامی اصول کی سختی کے ساتھ پابندی کروانا چاہتے ہیں۔ جن میں عورتوں کی پردہ داری بھی شامل ہے۔

مقامی مسلمانوں نے ایک محضر جس پر کثیر التعداد اشخاص نے دستخط کئے تھے اس مضمون کا پیش کیا تھا کہ وہ بے گناہ ہیں اس لئے اگر صرف عید الفطر کے موقع پر بھی انہیں رہا کر دیا جائے تو مناسب ہو گا۔ اور انہوں نے بہ حیثیت مجموعی ان کی جانب سے ضامن ہونے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

لیکن اس درخواست کو نامنظور کر دیا گیا اور بعض سربرآوردہ لوگوں کو انقلابی سازش کرنے کے الزام میں گرفتار بھی کر لیا گیا۔

ابن سعود کو برطانیہ نے گولی بارود سے مدد دی

لندن ۲۷ مارچ۔ ڈیلی ٹیلیگراف لکھتا ہے کل ایک سوال کے موقعہ پر دار العوام میں شاہ ابن سعود کو گولی بارود کی فراہمی کے قابل ذکر انکشافات ہوئے۔

لفٹنٹ کمانڈر کنورتھی (حزب العمال) نے وزیر مستعمرات سے سوال کیا کہ آیا ۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو بیس لاکھ لی انفیلڈ کارتوس اور چار لاکھ کارتوس کا کلپ اور بکم مارچ کو بیس لاکھ کارتوس کی برآمد کے متعلق جو سب کے سب حجاز کے ہاتھوں فروخت ہوئے تھے ان سے مشورہ کیا گیا تھا اور ان کے پاس کیا ضمانت ہے کہ قبائل اور شاہ ابن سعود شاہ حجاز کے باجگذار شیوخ قبائل ان کارتوس کا استعمال ملک معظم کی فوجوں کے خلاف نہ کریں گے۔

مسٹر ایمری معتمد مستعمرات نے جواب دیا کہ اس سوال کے پہلے حصہ کا جواب نفی میں ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ دفتر خارجہ اور سروس ڈیپارٹمنٹ سے اجازت نامہ فروخت کرنے سے پہلے مشورہ کیا گیا تھا۔

فلسفہ اسلام اور سر اقبال

ڈاکٹر سر اقبال نے انجمن حمایت الاسلام لاہور میں اپنا انگریزی لکچر فلسفہ اسلام پر پڑھ کر سنایا۔ اور ثابت کیا کہ فلسفہ اسلام کا نظام تمام دنیا کے نظام فلسفہ سے فوقیت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امام غزالیؒ و رازیؒ نے اپنے عہدہ کے لحاظ سے جو خدمت فلسفہ اسلام کی کی اسی طرح وہ بھی عہد حاضرہ میں موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا لکچر جب شایع ہو گا تو وہ فلسفہ ہدایت کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرے گا۔

مختلف خبریں

رعایائے حیدرآباد کا جلسہ

رائٹے بیٹھے مدراس، باشندگان حیدرآباد کی الیوسی ایشن مدراس کا ایک جلسہ امیر منزل لائیڈ روڈ میں زیر صدارت مسٹر ایم آر' اے آئی ڈی وی منگھم مدلیار زمیندار منعقد ہوا۔ اور مندرجہ ذیل قراردادیں بالاتفاق پاس ہوئیں۔

(۱) رعایائے حیدرآباد کا یہ جلسہ عام جو زمیندار رؤساء اور تاجروں پر مشتمل تھا۔ انڈین سٹیٹ کمیٹی کی قلمرو سلطنت آصفیہ میں آمد پر "خوش آمدید" کہتا ہے اور ان غیر ذمہ دارانہ جھوٹی تحریکات کی تردید کرتا ہے جو کہ حیدرآباد کے نام نہاد باشندوں کی طرف سے پونا کانفرنس میں پاس کی گئیں جب کہ اس کانفرنس میں حیدرآباد کے باشندوں میں ایک بھی شامل نہ تھا اور جن کا مقصد محض ریاست کے اولوالعزمانہ کاروائیوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ ایک جانب تو اعلیحضرت حضور نظام اور ان کی وفادار رعایا کے درمیان بددلی پھیلانا اور دوسری جانب حضور نظام اور حکومت برطانیہ کے مابین ناخوشگوار فضا کا پیدا کرنا تھا۔

اعلیحضرت حضور نظام کی وفادار رعایا کا یہ جلسہ پوری امید ظاہر کرتا ہے کہ تاریخ ہند میں حضور نظام کی ان زرین خدمات کا خیال رکھتے ہوئے جس کی بناء پر برطانوی تاریخ میں بھی اپنے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے ایک عدیم النظیر مثال پیش کی ہے۔ نیز ان قربانیوں پر جو کہ حکومت نظام نے مشرق میں حکومت برطانیہ کے استحکام نیز ہندوستان کے تحفظ کی خاطر جنگ عظیم میں کیں کمیشن یار وفادار اور برطانیہ کے ان تاریخی تعلقات نظر انداز نہ کریگا۔

(۳) اس جلسہ کی رائے میں ان سابقہ تعلقات کو مکدر بنانے کی غرض سے اگر کوئی حکمت عملی اختیار کی گئی یا حکومت نظام کے اندرونی معاملات میں ان مفسدوں کی آواز پر کان دھرتے ہوئے دخل دیا گیا تو اس کا نتیجہ نہایت خطرناک ہوگا اور ہندوستان کے طول و عرض میں بے اعتمادی کی لہر دوڑ جائے گی۔

(۴) یہ جلسہ حیدرآباد کے انتظامی معاملات میں نیز حیدرآباد کے قلیل نگان پر پورا پورا اعتماد رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہندو مزارعین ریاست نہایت اطمینان و آرام سے اس امن و امان کے خطہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور جن کے اقتصادی حالات نہایت سرعت کے ساتھ ترقی پذیر ہیں اور یہ سب موجودہ فرمانروا کے عہد مبارک میں محکمہ آبپاشی کی وسعت اور ذرائع آبپاشی کے وسیع پیمانہ پر شروع ہو کر اختتام پذیر ہونے کے اسباب ہیں۔ نیز متعدد صنعتی کارخانہ جات بنک اور آمد و رفت کے وسائل میں اعلیٰ درجہ کی سڑکوں کا موجود ہونا اور ریلوے کی آسانیاں یہ سب موجودہ انتظامی معاملات کی خوبی اور مکمل ہونے کے بہترین دلائل ہیں۔

(۵) یہ مجلس اس امر کی درخواست کرنے کی جرأت کرتی ہے کہ کمیشن حکومت برطانیہ کی خدمت میں یہ امر پیش کردے کہ وہ اعلیحضرت نظام کی مملکت پر پورا بھروسہ رکھے نیز مسولی پٹنم کی بندرگاہ اور اس کا ملحقہ ساحل جو کہ بعض معاہدات کی بناء پر بہرحالت حیدرآباد کا ایک جزو قرار دیا گیا تھا حضور نظام کو واپس کر دیا جائے۔ تاکہ حیدرآباد کی بحری تجارت اور اس کے باشندوں کی ترقی و بہبودی میں مزید اضافہ ہو سکے۔

ایک مسلم خاتون کی تعلیمی درجہ اول میں کامیابی

کلکتہ ۱۱ اپریل۔ آقا موئد الاسلام جلال الدین صاحب مشہور و معروف مدیر ہفتہ وار حبل المتین کی صاحبزادی فرخ سلطان نے جامعہ عثمانیہ کے امتحان قانون میں درجہ اول میں کامیاب ہوئیں۔ اور تمام یونیورسٹی میں ان کا دوسرا نمبر رہا۔ مسلمان طلبہ میں تو آپ سب سے اول رہیں۔

کرایہ کے ہوائی جہاز بمبئی میں

بمبئی ۱۰ اپریل۔ بمبئی میں عام استعمال کے لئے چھوٹے چھوٹے ہوائی جہازوں کی پرواز کا انتظام کیا جا رہا ہے یقین کیا جاتا ہے کہ اس لحاظ سے یہ شہر کلکتہ پر بہت جلد سبقت لے جائے گا۔ لائٹ ایروپلین کلب' کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی ہے جس کے تقریباً دو سو مرد اور عورتیں رکن ہیں۔ اس انجمن کی جانب سے پرواز کا سلسلہ قائم ہو چکا ہے۔ دو ہفتہ تک ایک ہوائی جہاز کیل کانٹے سے درست ہو کر معروف عمل نظر آئیگا۔ اور سال رواں کے اختتام سے پیشتر نصف درجن طیارے مہیا ہو جائیں گے معلوم ہوا ہے کہ حکومت نے ساز و سامان کے لئے گرانقدر عطیہ کا وعدہ کیا ہے۔

مقامی خبریں

جمعہ کو سواری مبارک حضرت اقدس و اعلیٰ باغ عامہ نہضت افروز ہوئی تھی بعد نماز جمعہ مراجعت عمل میں آئی۔

جمعہ کو صبح کے سات بجے اسپیشل ٹرین سے شاہزادگان بلند اقبال (نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد سلطنت و نواب معظم جاہ بہادر) کی مراجعت شکار گاہ نرسم پیٹھ عمل میں آئی۔

ابوالمعارف میر لطف علی صاحب عارف ابوالعلائی قاضی پرگنہ نے بہت لور دہ محافظ دفتر ملکی کی تاریخ نکالی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

مقامی کا سلسلہ صفحہ (۱۶) کالم (۳)

اعلان دفتر معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کمیٹی سرکار عالی

نمبر (۱۶) واقع ۴ خورداد ۱۳۳۷ف

ہرگاہ مسماۃ محمود فاطمہ صاحبہ عرف اقبال بیوہ المرحوم محمود خاں صاحب مرحوم نے جائداد مذکورۂ ذیل کو جس کے متعلق انہوں نے بیان کیا ہے کہ وہ ان کی مملوکہ ہے اور بلا شرکت غیرے ان کے قبضہ و تصرف میں ہے اور جو قرضہ محصلہ انجمن اتحاد باہمی کی کفالت میں مبلغ (۔۔۔۔) زیر بابت قرضہ تعلیمی کی بابتہ سرکار عالی صیغہ تعلیمات کے حق میں مکفول کیا ہے ذریعہ ہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس جائداد کے متعلق کسی قسم کا حق ہو تو وہ تاریخ طبع اعلان سے ایک ماہ کے اندر معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کمیٹی سرکار عالی کے پاس رجوع ہوا اور اپنے حقوق کا اظہار کرے ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ جائداد مذکورہ کے متعلق کسی شخص کو کوئی دعوی نہیں ہے اور وہ جائداد تا وا‌پسی اصل قرضہ و سود سرکار عالی صیغہ تعلیمات کے حق میں مکفول رہے گی اور عند الضرورت اس سے سرکار عالی صیغہ تعلیمات کے مطالبات کی بازیابی کرائی جائے گی۔

صراحت جائداد

قطعہ مکان پختہ نمبری (۱۳۱۱-۱۷) واقع کلکنڈہ کی اسٹیشن روڈ موسومہ محمود منزل محدودہ ذیل۔

شمال	جنوب	مشرق	مغرب
مکان ڈسکھو پیا پلی	شاہراہ عام اسٹیشن روڈ	کوچہ فتح سلطان	مکان ایم ایم کاکا

شرح دستخط منجانب معتمد

بقیہ مقامی خبریں

——— نواب نظامت جنگ بہادر صدر المہام سیاسیات کی مدت ملازمت میں پیشگاہ خسروی سے ایک سال کی توسیع منظور ہوئی۔ اس خوشی میں شنبہ کو محکمۂ سیاسیات میں تعطیل دی گئی تھی۔

——— مولانا شوکت علی صاحب یکشنبہ کو نو بجے صبح بمبئی روانہ ہوئے۔

——— گرم افواہ ہے کہ نواب مسعود جنگ بہادر کی جگہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کا تقرر ہونے والا ہے۔

——— مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت پیشکار و صدر اعظم بہادر معہ صاحبزادگان و مسٹر پر جپائی اول تعلقدار نظام آباد و ارکان اسٹاف خود چہارشنبہ گزشتہ کو صبح بیت المجذومین ڈچ پلی تشریف لے گئے تھے اس شفا خانہ میں چار سو جذامی موجود تھے۔ جذامیوں کے علاج کرنے کے مقام معائنہ فرمایا گیا۔ ہز اکسلنسی کی خدمت میں ایسے لوگ پیش کئے گئے جو ان کے علاج سے صحت یاب ہوئے تھے۔ شاخ بافندی میں تیس جذامی لڑکے کام کر رہے ہیں۔ مہاراجہ بہادر نے مجذومین کی ضیافت کے لئے ڈھائی سو روپیہ عطا فرمائے۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	چوبیس روپیہ
امراء و روسا سے سالانہ	پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	۴ر
سہ ماہی	عال
فی پرچہ	۲ر۶ہ

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمائیے

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائیے

(۵) نظام گزٹ تقریباً ۱۶ صفحے کے حجم پر شایع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شایع ہونگی۔

منیجر

سید عبدالقادر تاجر کتب و مالک نظام گزٹ نے اپنے عظیم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شایع کیا

رجسٹر سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

عدد ۱۹
جلد ۱

مدیرین
سید وقار احمد ام۔ اے
محمد حبیب اللہ رشدی ام۔ اے

مضمون خاص

صنف لطیف کی تعلیمی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی حالت

از

نواب ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر
ایم۔ بی۔ سی ایچ۔ بی۔ (ایڈنبرا)

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر بکسلر و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

قرآن شریف

اس میں پانچ ترجمے ہیں دو فارسی تین اردو اور برحاشیہ تفسیر مسمی بہ حسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی (مه) رعایتی (عـه) سکہ عثمانیہ۔

قرآن شریف

مترجم بامحاورہ اردو مولانا مولوی شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی برحاشیہ تفسیر موضح القرآن جلی قلم جس کا ہر پارہ علیحدہ علیحدہ ہوسکتا ہے صفحات (۸۴۰) ہدیہ بلا جلد (ـــے) مجلد (للعہ) سکہ عثمانیہ۔

اردو اٹلس

رنگین ملک سرکار عالی جس میں ضلع واری نقشہ جات معہ جغرافی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس۔۔۔۔ قیمت (عار)۔۔۔۔ رعایتی (عہ)

خلاصہ جغرافیہ عالم

سوالات وجوابات میٹرکیولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت (عار) رعایتی (عہ)

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت ۲/ا م مرتبہ مولوی میر شرف اللہ صاحب قادری بی اے بی ٹی صدر مدرس

جدید تاریخ ہند برائے مڈل عثمانیہ میٹرک قیمت عہ

جدید جغرافیہ دنیا برائے " " قیمت عہ

صنم خانۂ عشق

یعنے دیوان امیر مینائی قیمت۔۔۔۔۔ عا رعایتی قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔ (عا)

مطبوعات رجسٹرات و فارمس

ہر دفتر کے کارآمد خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ کے تیار ہیں جن کی تفصیل فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے آرڈر موسومہ فارم طبع کرکے ارجنٹ تعمیل کی جاتی ہے۔

فتاوی عثمانیہ

سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلا کے لئے معلومات کا گنجینہ ہے قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (اھر)

تمدن ہند

(ہند کی بہترین باتصویر تاریخ) ڈاکٹر لی بان کی فرنچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ معہ اضافہ توضیحات و حواشی مفید جس کو مولانا مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم نے کیا ہے جو آج سے چند سال پہلے (مـه) روپیہ میں فروخت ہوتی رہی ہے اس میں (۱۹۴) تصاویر دیدہ زیب اور (۲) دلفریب نقشہ اور تختی کلاں ہے۔ اب یہ قابل قدر اور لائق دید کتاب مجلد کی (دعـه) روپیہ قیمت کردی گئی ہے۔ علاوہ محصول ہے امید کہ ناظرین کرام اس زرین موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

گلوب

۱۲۔ انچ قطر یہ ایک مدور چوبی اسٹینڈ اور مزین دستے جوئے پیتل کے رنگ میں لگا ہوا ہے جس کے ذریعہ زمین کی حرکت روزانہ و سالانہ دونو سمجھائی جاسکتی ہے۔ قیمت (سه) روپیہ سکہ کلدار یا (صه) روپیہ سکہ عثمانیہ۔

یادگار غالب

حضرت استاد مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کے زندگی کے حالات انکی اقسام نظم و نثر اردو فارسی کا انتخاب جس کو عالیجناب شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے مرتب کیا ہے قیمت بجائے (ـــے) کلدار کے (ـــے) حالی۔

ڈائری کلاں چرمی اصلی قیمت۔۔۔۔۔۔۔ (۱۲/عہ) رعایتی۔۔۔۔۔۔ (عہ)

" " مجلد پارچہ۔۔۔۔۔۔۔ (۸/عہ) رعایتی۔۔۔۔۔۔ (۱۲)

" " خورد چرمی (۱۲/عہ) "۔۔۔۔۔ (۱۲)

" " پارچہ۔۔۔۔۔۔۔ (عہ) "۔۔۔۔۔ (۱۰)

نوٹس آن اسلام

بزبان انگریزی اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات عربی جس کی شرح انگریزی میں کی گئی ہے مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب جس کو عالیجناب مولانا احمد حسین صاحب کے سی آئی ای سی ایس آئی (نواب امین جنگ بہادر) نے مختصراً نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔ (عہ)

گنجینۂ ہدایت

اس کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم اور حضرت صلعم کی سوانحعمری بھی اس کے ساتھ ہے۔ معمولی استطاعت والے حضرات بھی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت رعایتی۔۔۔۔۔۔ (۱/للعہ)

ارمغان سلطانی

المعروف سیر گلبرگہ شریف۔ تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک سچا فوٹو ہے جو تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں شہر گلبرگہ شریف کے موجودہ حالات درج ہیں دوسرے میں زبدۃ العارفین حضرت مخدوم شہباز بلند پرواز گیسو دراز سید محمد حسینی المشہور خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز نیز دیگر اولیائے کرام کی فیاض زندگی اور ان کی سوانح عمری جو مختلف مستند معتبرہ کتب سے اخذ کرکے مسلسل طور پر لکھے گئے ہیں۔ تیسرے حصہ میں سلاطین بہمنیہ کے مفصل حالات درج ہیں قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (عا)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	۱۲ صه	ما دسه	دلعه	سه	عـه
نصف صفحہ	ما دسه	دلعه	للعه	دعـه	لے
ربع صفحہ	دلعه	للعه	دعـه	عـه	للعہ
ایک کالم	لعه	صه	سه	دعه	صر
نصف کالم	صه	سه	عـه	سے	ے
ربع کالم	سه	عـه	دعـه	للعہ	عا/۸

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائیگا

سعیٔ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات — تیری میزان ہے شمارِ سحر و شام ابھی

نظام گزٹ

ہفتہ وار

عدد (۱۹) حیدرآباد دکن :- دوشنبہ ۹ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ ۳۰ اپریل ۱۹۲۸ء ۲۶ خورداد ۱۳۳۷ف جلد (۱)

شذرات

بلدیہ کلکتہ (مجلس صفائی) کے افسر صحت کا بیان ہے کہ کلکتہ میں ہر وقت تقریباً دس ہزار دق کے مریض موجود رہتے ہیں۔ معلوم نہیں ہمارے شہر کے افسر صحت کا کیا اندازہ ہے۔

گذشتہ دس پندرہ سال سے حیدرآباد میں دق کی اموات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کلکتہ میں یہ مرض نسبتاً عورتوں میں زیادہ ہے جس کا سبب افسر صحت یہ بتلاتا ہے کہ عورتیں پردہ میں رہتی ہیں۔ اس لئے ان کو تازہ ہوا اور روشنی میسر نہیں ہوتی۔ حیدرآباد میں دق کے مریضوں میں مردوں کی تعداد غالباً بڑھی ہوئی ہے اس کے لئے ہمیں اپنی مجلس صفائی کا ممنون ہونا چاہئے کہ اس نے سڑکوں کو اتنی عمدہ حالت میں رکھا ہے کہ ہر شخص بلا کوشش کے سیروں گرد و غبار اپنے پھیپھڑوں میں لیتا ہے اور اس طرح اس جان لیوا مرض میں یہاں کے مرد عورتوں پر سبقت لے جاتے ہیں!

سیاسی حیثیت سے ہمارا ملک ایسا نہیں ہے کہ اس کو بیرونی جنگ میں بہادرانہ حصہ لینے کا موقع ملے اس لحاظ سے ہمیں جانبازی دکھلانے کے موقعے بہت کم حاصل ہیں۔ مگر ہماری مجلس صفائی کتنی دانشمند ہے کہ بغیر جنگ کے وہ ہماری جانبازی اور ایثار کا سبق سکھاتی ہے۔ یعنی حفظان صحت کے اصولوں کو ٹھکرا کر وہ ہمیں ہر سال ہزاروں جانوں کو آرام اور اطمینان سے موت کے حوالے کرنا سکھا رہی ہے۔

آج کل انگلستان میں نوجوان لڑکیاں بھی پارلیمنٹ کی ممبر بننے کا حق حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ مدبرین کا خیال ہے کہ نوجوان لڑکیوں میں ابھی اتنی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی کہ ملک کے اہم معاملات پر صائب رائے دے سکیں لیکن انگلستان کوئی سیاسی جماعت نوجوان مسوں کو اس کوشش سے باز رکھنے میں پوری مخالفت نہیں کر رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انتخابات عام کا زمانہ قریب ہے۔ خوف یہ ہے کہ اب مسوں کی مخالفت کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنا ہے۔

حال ہی میں ایک مس صاحبہ نے لڑکیوں کے حقوق کی تائید میں بڑی پرجوش تقریر کی تھی چنانچہ وزیر اعظم مسٹر بالڈون نے اس تقریر کی بڑی تعریف کی حالانکہ جناب قدامت پرستوں کی جماعت کے لیڈر ہیں اور لڑکیوں کی آزادانہ روی پر قدامت پرستوں کے دلوں کا جو حال ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔

اسی قدامت پرست حکومت کے وزیر ہند لارڈ برکنہیڈ نے جنکے نام سے سائمن کمیشن کے تقرر کی وجہ ہم لوگ ایسے ہی آشنا ہو گئے ہیں جیسے کہ اعوذ باللہ پڑھنے سے کوئی مسلمان سب پہلی مرتبہ شیطان کے نام سے آشنا ہو جاتا ہے) حال میں عورتوں کے حقوق ممبری پر ایک مضمون کسی رسالہ میں لکھا ہے جس میں وہ ٹھیک قدامت پرستانہ انداز میں لکھتے ہیں کہ عورتوں نے وسیع الخیالی قوت مناظرہ محتاط پیش بینی اور قابل عزت تحمل کی صلاحیت نہیں دکھائی جنکی ایک قابل رکن پارلیمنٹ کیلئے شدید ضروری ہے۔

اس تحریر پر قدامت پرستوں کے صدر یعنی وزیر اعظم مسٹر بالڈون بہت برہم ہوئے۔ اور پارلیمنٹ میں اس تحریر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ”یہ تحریر حکومت کے عام نقطۂ نظر کے خلاف ہے اور اگر لارڈ برکنہیڈ کی کوئی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے تو یہ ان کی بدترین غلطی ہے۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۔ ۹ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور نواب مسعود جنگ بہادر

مسلم یونیورسٹی کی موجودہ ابتری کو دیکھکر ہم افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ ہندوستان کی واحد درسگاہ ہے جس نے ملک کے ایک طبقہ کو گہری نیند سے بیدار کر دیا۔ غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت بالکل نازک ہوگئی تھی۔ سالہا سال سے جو حکومت ان کے ہاتھوں میں تھی وہ اب انگلستان کے تاجروں کی مالک بن گئی تھی۔ فطرتاً مسلمان ان سے اور ان کی زبان سے نفرت کرتے تھے۔

سر سید احمد خان مرحوم کو مسلمانوں کی آئندہ تباہی و بربادی کے خیال نے بے چین کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کا عہد کر لیا۔ مگر اس عہد کو پورا کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ ایک طرف مسلمانوں کا مذہبی طبقہ اس پر تلا ہوا تھا کہ انگریزی پڑھنے سے مسلمان کافر ہو جائیں گے۔ دوسری طرف مالی مشکلات کا ایک مہیب منظر پیش نظر تھا۔ غرض سر سید احمد خان مرحوم نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا کہ مسلمانوں کی حالت اگر درست ہو سکتی ہے تو وہ محض تعلیم ہی سے ہو سکتی ہے۔ مگر تعلیم پانے کے لئے درسگاہ کہاں؟ مسلمان انگریزی مدرسوں میں اس لئے شریک نہیں ہوتے تھے کہ انہیں وہاں اپنے مذہب کے جانے کا خوف لگا ہوا تھا۔ ان تمام مشکلات کو دور کرنے کے لئے سر سید مرحوم نے ایک قومی درسگاہ قائم کرنے کا تہیہ کر لیا اور خود اپنے ذاتی صرفہ سے انگلستان جاکر وہاں کی تعلیمی حالت کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد ہندوستان بھر میں کاسہ گدائی لیکر اس قومی درسگاہ کے لئے چندہ جمع کیا۔ اس کے لئے عالیشان عمارتیں تیار کیں اور اس کو ایک کامیاب درسگاہ بناکر چھوڑا جس سے صدہا بی اے، ام اے نکلکر آج میدان عمل میں آچکے ہیں۔

ایسی کامیاب درسگاہ کی ابتری گویا کل قوم کی ذہنی دنیا کی ابتری ہے۔ اس لئے اس کے نظم و نسق کا انتظام اب کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں دینا چاہئے کہ جس کو اس درسگاہ سے سچا عشق ہو اور جو تعلیم کا متوالا ہو اور تعلیم ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔

یہ تمام باتیں نواب مسعود جنگ بہادر میں موجود ہیں۔ نواب مسعود جنگ بہادر کی ابتدا سے ہی اچھی تعلیم و تربیت ہوئی۔ آپ نے میٹرک کامیاب کرنے کے بعد سات سال انگلستان میں بسر کئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی اے آنرس کی ڈگری سکنڈ کلاس میں حاصل کی اور بیرسٹری کا ڈپلوما بھی لیا۔ اپنے باپ اور دادا کے نقش قدم پر قانون کا پیشہ اختیار کیا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد سرکار انگریزی نے آپ کا تقرر انڈین ایجوکیشن سروس میں کر دیا آپ پٹنہ کالجیٹ اسکول کے صدر رہے سنہ ۱۹۱۵ء میں کٹک کالج میں تاریخ کی پروفیسری پر آپ کا تقرر ہوا اور وہاں آپ کچھ عرصہ تک پرنسپل بھی رہے اس کے بعد ۲۷ شہریور ۱۳۲۵ف سے اب تک آپ حیدرآباد میں ناظم تعلیمات رہے اس اثنا میں آپ نے معتمدی تعلیمات کا بھی کام انجام دیا آپ کے زمانہ میں ریاست دکن میں ابتدائی، ثانوی اور اعلی تعلیم میں جو غیر معمولی ترقی ہوئی اس سے ہر شخص واقف ہے۔

جاپان کی تعلیمی حالت کا گہرا مطالعہ کرکے آپ نے اس کے نظم و نسق پر ایک بلند پایہ کتاب تصنیف کی۔ روح جاپان، انتخاب زرین آپ کے علمی ذوق کے شاہد ہیں اسی طرح تقریباً پندرہ سال تک آپ نے علمی خدمت انجام دی ہے۔ اور بہ حیثیت ایک ماہر تعلیم کے آپ نے ریاست دکن کے محکمہ تعلیمات میں اصلاحیں کیں۔

اب مسلم یونیورسٹی کی اصلاح کے لئے اراکین کورٹ نے کسی ماہر تعلیم کے لئے انتخاب کا فیصلہ کیا ہے ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ انہیں نواب مسعود جنگ بہادر سے زیادہ ہمدرد اور اصول تعلیم سے واقف کون شخص مل سکتا ہے۔

اگر نواب مسعود جنگ بہادر کا تقرر ان شرائط کے ساتھ کر دیا جائے جس کی استدعا اس تار میں کی گئی ہے جو حیدرآباد دکن سے روانہ کیا گیا ہے تو ہمیں یقین ہے کہ یہ تقرر مسلم یونیورسٹی کے مستقبل کے بنانے میں بہت ہی کامیاب ثابت ہوگا۔ نواب مسعود جنگ بہادر کو فطرتاً اس سے ہمدردی ہوگی کیونکہ یہ پودا انہیں کے واجب التعظیم دادا کا لگایا ہوا ہے۔

پس کیا ہی اچھا ہوگا کہ نواب مسعود جنگ بہادر اس مقدس کام کے لئے اپنی آئندہ زندگی وقف کر دیں اس کی اصلاح اور سرسبزی میں کوشاں رہیں اس سے نہ صرف آپ کا احسان پوری قوم پر ہوگا بلکہ آپ کے واجب التعظیم دادا کی روح بھی خوش ہوگی۔

ہم اراکین کورٹ سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر کافی غور کرکے ایسا انتخاب کریں جس سے مسلم یونیورسٹی کی حالت درست ہو جائے۔ اور آئے دن جو پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا سدباب ہو۔!!

ایک کھلا تار

(ترجمہ نظام گزٹ)

بخدمت اراکین کورٹ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

آپ کے اس دانشمندانہ فیصلے پر ہماری دلی مبارکباد قبول فرمائیے جو آپ نے علیگڈھ میں ضروری اصلاحوں کے متعلق کمیٹی کے عملی تجاویز کے لئے بطور اصول کے منظور فرمایا ہے۔

بہ حیثیت اس کے کہ ہمیں اس بات کی عزت اور فخر حاصل رہا ہے کہ ہم میں سے بعض نے اس عظیم الشان انسان سر سید مرحوم کے زمانہ میں اور بعض نے ان کے بعد کے زمانہ میں علیگڈھ میں تعلیم پائی اور اس زمانہ سے اب تک اس تعلیم گاہ سے ہمیں قریبی تعلق رہا۔ ہمیں اس بات کی اجازت دیجئے کہ ہم موجودہ مشکلات کے حل کرنے کے لئے ایک ایسی تجویز پیش کریں جو ہماری رائے میں نہ صرف مفید ترین ہے بلکہ وہ ہندوستان کے مختلف الخیال مسلمانوں بلکہ علیگڈھ سے دلچسپی رکھنے والے دنیا کے لئے بھی قابل قبول ہوگی۔

آپ حضرات اس بات سے یقیناً واقف ہوں گے کہ سر سید مرحوم کے پوتے نواب مسعود جنگ بہادر (سید راس مسعود صاحب) قلمرو آصفیہ میں بہ حیثیت ناظم تعلیمات ایک عالیشان اور نہایت کامیاب عہد کارگزاری کے بعد ممتاز حسن خدمت کے صلہ میں چند مہینے کے بعد وظیفہ لیکر حیدرآباد سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ریاست حیدرآباد کا محکمہ نظامت تعلیمات تقریباً ۵۰ لاکھ روپیہ سالانہ تعلیم عمومی پر صرف کرتا ہے جس سے اس خدمت کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے جس پر نواب صاحب موصوف نے ایسی شاندار کارگذاری انجام دی۔

انہوں نے نہ صرف حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات کو کارگزاری کی موجودہ اعلی سطح پر پہنچایا بلکہ انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کی بنا ڈالنے اور تنظیم و ترتیب میں بھی نمایاں حصہ لیا جس یونیورسٹی سے اب حیرت انگیز نتائج ظہور میں آرہے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کا کورٹ سید راس مسعود صاحب سے بہتر ایسا کوئی ماہر فن تعلیم نہیں تلاش کر سکتا جس میں کسی یونیورسٹی کو تنظیم دینے اور چلانے کی نوبت آچکی ہوئی ہو۔ پس ہم ان کا نام نائب امیر جامعہ کی خدمت کے لئے پیش کرتے ہیں جن کے اختیارات پرو وائس چانسلر اور پروفیسروں کے انتخاب کے لئے محدود نہ ہوں تاکہ وہ یونیورسٹی کو یورپ کی بہترین قومی یونیورسٹیوں کے نمونہ پر چلا سکیں۔ اور اس طرح

بقیہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۱۱) کالم (۲)

صنف لطیف کی تعلیمی اخلاقی تمدنی

اور

معاشرتی حالت

از

نواب ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر۔ ام۔ بی۔ سی ایچ۔ بی (ایڈنبرا) سول سرجن اور کاروانزلبدہ
اندرون بیرون

زمانۂ حاضرہ میں دیکھا جا رہا ہے کہ ہر ملک ہر ملت اس کوشش میں ہے کہ وہ اپنے جز لائیفک زندگی کی شریک اپنے آرام و راحت کی بنا آئندہ پود کی چمن آرا کو اپنے برابر آزادی دے اور اپنے برابر شائستہ و لائق بنائے۔ جتنے مضامین مضمون بالا سے متعلق میری نظر سے گذرے ہیں ان کو اس کوزے میں بھرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ یون سمجھئے کہ مضمون ذیل ایسے بیشتر مضامین کا لب لباب ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو (۱) آزادی، (۲) تعلیم دو، (۳) کمانے کے قابل بناؤ۔ اب ہم کو یہ بتانا ہے کہ آزادی، تعلیم اور پیشہ سے کیا مراد لی گئی ہے اور ایسی شریک زندگی کو عملی جامہ پہنانے کی صورتیں کیا ہو سکتی ہیں۔ بھلا کوئی بھی صحیح العقل شخص یہ چاہیگا کہ ہماری لڑکیاں ایک عمر تک اپنے بڑوں کی نگرانی میں نہ رہیں۔ یا کوئی بھی سمجھدار شخص یہ چاہیگا کہ اسکی قوم کی بیبیاں انپڑھ اور جاہل رہیں؟ (شائد کوئی فاتر العقل ہوگا جو چاہیگا کہ آئندہ آنے والے پود لڑکے ہوں یا لڑکیاں وہ اپنی بساط اور ضرورت کے قابل کما کھا نہ سکیں) اب پہلی چیز کو لیجئے اور آزادی دو پر ایک غائر نظر ڈالئے۔ پالی ٹیکس میں آزادی کی تعریف غالباً یہ کی گئی ہے کہ انسانی فضائل کے سلسلہ کی وہ آخری کڑی جس کی تکمیل پر سارے فضائل کی تکمیل منحصر ہے۔ قدرت نے انسان کو انفرادی حیثیت سے بالکل آزاد پیدا کیا ہے وہ تنہا آپ اپنا مالک اپنا بادشاہ اپنی رعیت اور اپنا غلام تھا لیکن بعد ازاں عورت و مرد کے باہمی ناگزیر میل جول میں فاعلیت و مفعولیت کے تاثرات سب سے پہلے رونما ہوئے اس کے بعد اولاد کی نگرانی نے

بنی نوع انسان کو سب سے پہلے حکومت کی الف بے تے کی تعلیم دی۔ یہاں تک پہونچنے کے بعد ایک شخص کی زندگی ایک خاندان کی زندگی میں مبدل ہوگئی۔

"بہترین زندگی کی تلاش" ایک فطری جذبۂ انسانی ہے۔ اس نے بکری، گائے، بھینس، گھوڑے، اونٹ اور سونا چاندی جواہرات وغیرہ کے ذریعہ سے سب سے پہلے انسانی زندگی کو تفاخر آمیز اور زیادہ کاروباری بنایا یہاں سے "مخدومیت کا شوق" بھڑکا اور حضرت انسان خود اپنے کمزور بھائیوں کو غلام لونڈی بنانے سے بھی نہ چوکے۔ اس حد پر پہونچکر انسان کی فطری آزادی بجائے عام ہونیکے خاص ہوگئی۔ یعنی آزاد وہی انسان رہا جس کی عقل تیز ہو یا جسمانی قوی زبردست ہوں یا جو زیادہ دولتمند ہو۔ جب اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو بزرگ خاندان کی حکومت کا دور شروع ہوا۔ یہاں تک کہ انسان جماعت جماعت بنکر رہنے لگے۔ انہی جماعتوں سے قصبے، اور شہر آباد ہوئے رفتہ رفتہ امیر قبیلہ اور بادشاہ کا ظہور ہوا اور بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیاد پڑی۔ بس یہاں سے تاریخ شروع ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کی ان سب تبدیلیوں میں "بہترین زندگی کی تلاش" اور "مخدومیت کا شوق" ہمیشہ گوناگون جلوے دکھاتا رہا ہے مگر دراصل انسانی آزادی قید و بند میں جکڑی جاتی رہی یہاں تک کہ مذہبوں نے اس قید و بند کو زیادہ سخت اور زیادہ پیچی کر دیا۔ اب انسانی جماعتوں کے تمدن اخلاق، معاشرتیں۔ جدا جدا ہوگئیں۔ ان سب کے علمبردار مذہب تھے اور مذہب ہی اقوام کی ذہنی ترقی و تنزل کے

ذمہ دار تھے اور اسی نقطے سے تعلیم قومی کے نصاب کی بنیاد پڑی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے انسان قوموں میں منقسم تھا اس کے بعد مذہبی میں منقسم ہوگیا گویا تقسیم در تقسیم ہوگیا اور اس طرح انسانی آزادی کو دبوچ لیا گیا۔

اگرچہ مذہبوں نے بہترین طریقۂ انصاف اور اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔ اور کوئی زمانہ مذہب کی ترقی کا اس فائدہ مندی سے خالی نہیں۔ ہالیکن ساتھ ہی "بہترین زندگی کی تلاش" اور "مخدومیت کا شوق" مذہبوں کی باہمی جنگ کی صورت میں ظاہر ہونے لگا۔ از حد وحشیانہ مظالم خونریزیاں اور باہمی نفرت و رقابت نے انسانی آزادی کو خاک میں ملا دیا میرے خیال میں یہ ایک مختصر سا خاکہ انسانی آزادی کے تدریجی تنزل کا ہے۔

تیرہوین صدی عیسوی سے یورپ میں قومی آزادی کی سرسراہٹ شروع ہوئی اور ہزار ہا قربانیوں کے بعد انیسوین صدی میں یوروپین قومیں اپنے کو ایک حد تک آزاد دیکھنے لگیں مذہب کے قید و بند توڑ جانے لگے۔ سائنس کو جس قدر ترقی ہونے لگی اوسی قدر انسان اپنی ذہنی قوموں کی بدولت آب و آتش خاک و باد پر حاوی ہونے لگا۔ اگرچہ مذہب کے بغیر اب بھی چارہ نہیں لیکن یوروپین قوموں نے اپنے مذہب کو اپنی ترقی کے مطابق بنا لیا اور جو احکام مذہب ان کی ترقی کے مارج تھے ان کو نکال دیا۔ اور یہی عمل آج تک جاری ہے کہ برابر بائیبل کے احکام میں اصلاحیں ہو رہی ہیں۔ اور ڈھراد ھڑ بائبل کے خلاف فیصلے صادر ہو رہے ہیں۔ بعض بڑے بڑے بشپ مسئلہ ڈاردن کے قائل نظر آتے ہیں۔ اب یہ موقع اب ہے وقت کہ ہم یورپ جا پہونچیں اور توحید کا ڈنکا بود واصدی سے بج رہا ہے اس کی سریلی تانیں اس کو سنائیں) اس حد پر پہونچکر یوروپین قوموں نے اپنے تمدن اخلاق، معاشرت اور تعلیم کو بھی اپنے حالات او مقتضیات کے مطابق ٹھیک کیا اور اب تک اصلاحات میں مصروف ہیں۔ اس طرح اب یورپ قوموں میں قدیم قومی آزادی کی نشو و نما ہوئی ہے۔ مگر یہ قومی آزادی عقلی نور سے روشن اور ذہنی حرکت سے سرسبز ہے اس کا نام ترقی ہے۔ مگر "بہترین زندگی کی تلاش" اور "مخدومیت کا شوق" اب بھی بے چین ہے ساری دنیا پر چھا جائے اس نے پھر وحشت انگیز صورتیں پیدا کر دیں اور چونکہ یہ انسانی ترقی حد لطیف سے سے سمجھی اس کی وحشت بھی بہت خوفناک ہے۔

"آزاد قوم" پالی ٹیکس میں وہ سمجھی جاتی ہے جو اپنے تمدن، معاشرت تجارت صنعت اور مادی زندگی میں دوسری قوم کی محتاج نہ ہو اور جو قوم محتاج ہے وہ غلام قوم ہے۔

یوروپین قومیں آزاد ہیں۔ اب ان کی تہذیب کی ترقی کا رخ انفرادی آزادی کی طرف ہے۔ اس انفرادی آزادی کا ایک عنصر اور بہت بڑا عنصر عورتوں کی آزادی ہے یورپ کی خواتین کچھ زیادتی بھی کی ہے لیکن نفس آزادی ان کے لئے لازمی ہے جس حد تک کہ وہ اسکی مستحق ہیں۔

آزادی کی دو قسمیں آزادی خیال

آزادی افعال"۔

آزادی خیال بغیر آزادی افعال کے گمراہی ہے اور آزادی افعال بغیر آزادی خیال کے بے کاری و غلط کاری ہے۔ ہندوستان میں آزادی خیال یورپ کی تقلید میں پیدا ہوگئی ہے۔ مگر آزادی افعال پیدا ہی نہیں ہو سکتی اس لئے یہ غلام قوم اپنی ہر ضرورت میں یورپ کی محتاج ہے جب مردوں کا یہ حال ہے تو عورتوں کی آزادی کا سوال نقش برآب ہے۔

ہندوستانی قوم کے حسب ذیل پھندے گلہ دبائے ہوئے ہیں:۔

(۱) مذہب، (۲) قومی رسم و رواج، (۳) سوسائیٹی کی ناموافق آب و ہوا۔ جب تک ان امور کی اصلاح نہ ہوگی عورت تو عورت مرد کی آزادی بھی معرض ہے۔ طرز خیالی آزادی کا اختیار ہے۔ بیٹھے بیٹھے باتیں بنائے جاؤ۔ مگر حاصل کچھ بھی نہیں اس لئے یہ گمراہی ہے۔ متذکرہ بالا گمراہی میں تو تمام قوم پڑی ہوئی ہے مگر آئندہ پود کی مائیں خراماں خراماں خود بھی ایک ایک سیڑھی آزادی کی چڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ دوسری چیز تعلیم ہے جس کے بغیر انسان انسان کہلایا ہی نہیں جا سکتا خواہ مرد ہو یا عورت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم کیسی ہو آیا ہماری لڑکیاں مثل لڑکوں کے تعلیم پائیں یا ان کی تعلیم میں تفریق کی جائے۔ اگر فرق ہو تو کیا ہو۔ اگلے زمانہ میں بناوٹ اور دکھاوٹ کی تعلیم زیادہ تھی اسی لحاظ سے یونان میں موسیقی اور فصاحت کا اکتساب سب سے زیادہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ آج ہماری درسگاہوں میں بھی ایک حد تک دکھاوٹ اور بناوٹ کا خیال پھیلا ہوا ہے۔ جو تعلیم دی جاتی ہے وہ میری رائے میں ادھوری ہے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے بقول حالی:۔

نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل
نہ بازار میں بوجھ اٹھانے کے قابل
نہ سرکار میں عہدہ پانے کے قابل
نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
یہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

ظاہر ہے کہ ناقص تعلیم کا نتیجہ ناقص ہی ہوگا۔ طبیعت میں ایک قسم کا غرور پیدا ہو جاتا ہے کوشش کرنا کہ دوسروں پر سبقت لے جائیں۔ اپنی فوقیت کا جا بجا جتانا حسد، رشک، ہوا اور ہوس کے پھندوں میں یہ ایسے پھنس جاتے ہیں کہ نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہزاروں انہیں پھندوں میں پھنسے رہ جاتے ہیں اور ایک دن ایسا آتا ہے کہ نکلنے لگ جاتے ہیں۔ تو پھر تعلیم ہو تو کیسے ہو۔ آیا تاریخ جغرافیہ مفید علم ہے یا ریاضی و ہندسہ یا بقول شخصے۔ علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث

ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث۔

نہیں نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ان کو تعلیم دو اور ایسی دو کہ ان کو دنیا اور دین دونوں میں کام آسکے۔ البتہ خواتین کو اس قدر لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں جیسے کہ لڑکوں کو ہے ان کی تعلیم میں سینا پرونا پکوان اور دیگر ضرورتوں کا خیال رکھنا ایک ضروری امر ہے۔ اگر ایک خاتون بالفرض ریاضی اور ہندسہ میں پروفیسر بن گئی تو کیا اس سے اس کو گھرداری میں بال بچوں کے پالنے میں امداد مل سکتی ہے؟

میری رائے میں شروع ہی سے تعلیمی نصاب علیحدہ ہونا چاہئے۔ علم ریاضی یا ہندسہ پر اس قدر زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ جس قدر "ہائی جین" یا گھرداری کے ابواب پر۔

ان کا اکتساب بالکل جداگانہ ہونا چاہئے ادب اور عام تعلیم جس کو انگریزی میں (جنرل نالج) کہتے ہیں ان کے ساتھ ضرورت کے مطابق ریاضی جغرافیہ۔ تاریخ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے "ہائی جین" اور تمام ابواب گھرداری جس میں ان کو دلچسپی ہو سکتی ہے اور آئندہ چلکر یہی تعلیم ان کے کام آسکتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے۔ گیا وقت پھر آتا نہیں۔ عمر کم کام کاج زیادہ، ایسی حالت میں جہاں تک ممکن ہو ہم وہ علم حاصل کریں اور وہ طریقہ اختیار کریں جو جلد حاصل ہو سکے اور جس سے فائدہ کی امید زیادہ ہو ہمارا مقصد نصاب تعلیم تجویز کرنا نہیں ہے ہم کو تو یہ دکھانا ہے کہ کون علم حسن اخلاق، حسن معاشرت اور حسن تمدن سکھاتا ہے لہذا جو علم ہم کو کامل طور پر اچھی طرح سے یہ باتیں سکھائے وہی علم اچھا ہے۔ وہی علم ہم کو درکار ہے جس سے اخلاق درست ہوں۔ معاشرت اور تمدن میں ہم کسی غیر قوم سے کم نہ رہیں نتیجہ یہ کہ علم "چینا" سکھائے وہی علم سیکھنے اور مشقت اٹھانے کے قابل ہے اور بس۔

تیسری چیز پیشہ ہے اس کو نتیجہ تعلیم سمجھنا چاہئے کیونکہ ہر ایک انسان تعلیم پانے کے بعد اپنی اپنی طبیعت کے رجحان کے مطابق کوئی نہ کوئی ایک کام میں دلچسپی لینے لگتا ہے جو اس کے لئے ذریعہ معاش و ذریعہ آمدنی بن جاتا ہے بس یہی پیشہ ہے۔ اس کی ہزار شکلیں ہیں کوئی مصور بنتا ہے تو کوئی ملا کوئی ڈاکٹر تو کوئی انجینیر۔ اسی طرح سے خانہ داری بچوں کا پالنا سنبھالنا۔ گھر کی دیکھ بھال پکوان وغیرہ سب پیشے ہیں۔ جن سے گھر کی دیکھ بھال کی اس کو منیجر یا منیجرس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آیا دوا اس کو کہیں گے جس کو بچے پالتے ہیں ملا ہو۔ قابلہ وہ پکاری جاتی ہے۔ جو کہ زچگی کرا سکے۔ اگر یہی قابلہ باضابطہ طب پڑھے تو لیجئے ڈاکٹرنی صاحبہ بن گئیں جن کی ہماری قوم کو زیادہ ضرورت ہے۔ یہ چند پیشے ہیں جو کہ ہماری مستورات اپنے اپنے خیال اور رجحان کے مطابق اختیار کر سکتی ہیں۔ سوائے اس کے درس دینا رنگ مصوری اور ہر قسم کی دستکاری خواتین کے لئے بہ لحاظ ان کے خوبی کے مخصوص ہو سکتی ہے۔ اگر خواتین تجارت نہ کریں یا انجینیر وغیرہ نہ بنیں نہ سہی کیونکہ یہ پیشے ایسے ہیں کہ فطرتاً یہ پیشے مردوں کے لئے مخصوص کئے ہیں محنت مزدوری کرنا مردوں کا کام ہے۔ خانہ داری خواتین کا۔ اس سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہماری لڑکیاں انجینیر نہیں بن سکتیں یا تجارت یا فنیانس پر عبور حاصل نہیں کر سکتیں یا زندگی کی دوڑ میں مردوں کو ہرا نہیں سکتیں۔ نہیں یہ مطلب نہیں

نہ ہر زن۔ زن است و نہ ہر مرد مرد۔
خدا پنج انگشت یکسان نہ کرد۔

تاریخ ان کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ میرا تو مقصد ڈیویژن۔ آف۔ لیبر۔ یعنی تقسیم محنت سے ہے وگرنہ آپس کے مقابلہ میں شکر رنجی کا اندیشہ ہے۔ میرے خیال میں ہم ہندوستانیوں کے لئے (انڈین نہ ہم ہیں اور نہ کبھی ہم ہوں گے خدا معلوم "کے" کو کیوں معدوف کیا گیا ہے یہ حدف کرنیکی علت لندن کے "کاکینون" میں دیکھی گئی ہے) اس وقت یہ ایک نادر موقع ہے کہ ابھی سے تعلیم نسواں کی خصوصیت کا لحاظ مد نظر رکھتے ہوئے تقسیم محنت کا بھی خیال رکھیں تاکہ آئندہ آنے والی مشکلوں کا سد باب ہو جائے وگرنہ "نفرجبٹ" کی کالی گھٹاؤں کا مقابلہ طغیانی رود نونی الہی پناہ کون کر سکتا ہے۔ میں تو نہیں۔

آنکھوں کی ترجمانی

نیلگوں آنکھیں ضعف کی نشانی ہیں۔
بڑی آنکھیں سختی و غصہ کی شاہد ہیں۔
چھوٹی آنکھیں ذہانت و عقلمندی کی گواہ ہیں۔
ترچھی آنکھوں والے مکار ہوتے ہیں۔
بھوری آنکھیں طاقت و قوت کی علامت ہیں۔
نیچی نگاہیں عجز و انکسار کا پتہ دیتی ہیں۔
راکھی رنگ کی آنکھیں جو غصہ کے وقت سبزی مائل ہو جاتی ہیں بد اصلی کا پتہ دیتی ہیں۔
سر سے قریب آنکھوں والا حاسد اور کم ظرف ہوتا ہے۔
ٹکٹکی باندھنے والی نگاہیں غیرت و ذہانت کی علامت ہیں۔
پتلیوں کے اطراف بالکل سفیدی ہو تو یہ بلند ہمتی اور حسن اخلاق کی نشانی ہے۔
اوپر کی پلکیں دراز ہوں تو یہ سرد مہری کی علامت ہے۔
نیچے کی پلکیں دراز ہونا جھوٹا اور بدگو ہونے کی نشانی ہے۔
آنکھوں سے آدمی کے راز ہائے سربستہ کا پردہ چاک ہو سکتا ہے۔
مجسٹریٹ مجرم کی آنکھوں سے اس کا جرم پڑھ سکتا ہے۔
مریض کی آنکھوں سے طبیب اس کا مرض دریافت کر سکتا ہے۔ (المصور)

م۔ ص

جن اصحاب کا چندہ سہ ماہی تھا وہ کبھی کا ختم ہو چکا۔ براہ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما کر ممنون فرمائیے۔

منیجر

واجد علی شاہ کے خطوط

اکلیل محل کے نام

فرستادہ

سید غلام محی الدین صاحب قادری زورؔ ایم۔ اے (عثمانیہ) زیر تعلیم جامعہ لندن

برٹش میوزیم۔ ۵ راپریل ۱۹۲۸ء

بھائی رشدی۔ منسلکہ پانچ صفحوں میں واجد علی شاہ کے خطوط کے چند نمونے روانہ کر رہا ہوں۔ یہ خط جو برٹش میوزیم میں مخطوطوں کی شکل میں ہیں واجد علی شاہ کے قید کے زمانہ میں اکلیل محل (جو ان کی ایک بیگم تھیں) کے نام لکھے گئے ہیں۔ ان کی خصوصیات ان کے مطالعہ سے واضح ہو جائیں گی۔ اگر آپ پسند کریں تو انہیں اپنی طرف سے ایک چھوٹا سا نوٹ لکھ کر نظام گزٹ میں بالاقساط یا ایک ہی وقت شائع کر سکتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو میں ان تمام خطوط پر ایک چھوٹا سا مضمون بھی لکھ کر روانہ کر سکونگا۔ اس میں بحالت قید میں واجد علی شاہ کی کیا حالت تھی اور وہ دنیا کو کیا سمجھنے لگے تھے اس قسم کے دلچسپ امور پر بحث کی جا سکتی ہے۔

مسٹر ہارڈی پر حسب وعدہ اب تک کچھ نہیں لکھ سکا۔ اخبارات وغیرہ کے کٹنگ موجود ہیں شاید کبھی لکھوں۔ اور اگر آپ خود ان پر لکھنا یا کسی سے لکھانا چاہیں تو میں انہیں بھی آپ کی خدمت میں روانہ کر سکتا ہوں مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی قرینہ کا کام آپ کے گزٹ کے لئے نہیں کر سکا تاہم اس خوف سے کہ آپ یہ نہ خیال کریں کہ میں پہلو تہی کر رہا ہوں۔ منسلکہ اجزا مرسل ہیں۔

نیازمند سید محی الدین قادری

پہلا خط

افسر فرق جلیس ممتاز جہان نواب اکلیل محل صاحبہ کو سلطان عالم کی طرف سے معلوم ہو۔ اسے تاج فرق محبوبان بارقعۂ بہزاد مرقعہ تمہارا بعد تشنگی انتظار میں سیراب کن جان بیتاب ہوا۔ بحمد اللہ تعالی یہاں تا تحریر رقیمۂ محبت ضمیمہ ہر طرح کا فضل جناب باری ہے۔ اور صحت اور سلامتی اس ماہ شب چہاردہ کی ہمیشہ درگاہ خالق ارض و سموات سے مطلوب ہے۔ شب و روز تصور رہتا ہے کہ یہ ایام ملال کس طرح بسر کرتے ہونگے کیا کہوں وہ ہمارا سکندر باغ کا رہنا اور ہمارا یہ وارد ارگاڑی پر دن دن بھر تمہارے ساتھ پھرنا اور دو دو مہینوں کا مجرا کرانا اور راتوں کو چبوترے پر بسر کرنا اور نوبت کی صدا ئیں اور شہنائی کی آوازیں یہ سب شبانہ روز آنکھوں کے تلے پھرتا ہے۔ دل سوس سوس کر رہ جاتا ہوں۔ کیا کہوں زمین سخت آسمان دور ہے۔ میرا کیا قصور ہے۔ خدا غارت کرے ان دشمنوں کو جنہوں نے خانہ بربادی ہماری کی اور آپ خوش خوش حکمرانی کرتے ہیں اور ان کے ہواخواہ ان کے ہمراہ ان کا دم بھرتے ہیں ہمیں تو آج تک فلک نے ایسا پیسا

ہے کہ نغز کا پھا ناخن سے نکلتا ہے۔ گھنے گھنے جنگل کالے کالے پہاڑ کہیں سایہ نہ کہیں آڑ خدا خدا کر کے کلکتہ میں پہنچے اس پر بھی مدعی سائے دلوار ساتھ ہے۔ کاٹ پھانس سے ایک لمحہ نہیں چوکتے۔ اگر ہم گھبرا کر روز کی رنج چخ سے مونہ بھی چراتے ہیں مگر کہنے والے پھر اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ خدا انجام بخیر کرے۔ وہ کون دن ہے کہ یاد رخ مہر تمثال سینے میں نہیں بھری رہتی ہے۔ شعر

کہیو اے باد صبا چھوٹے ہوئے یاروں کو
راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آوارون کو

تری آنکھوں سے ایک لحظہ نہیں سوکھتی۔ قاصد بہت کمیاب ہیں کہ جن کے ہاتھوں درد دل لکھکر بھیجا کروں اگر کوئی ڈاکیہ نصیبوں سے ہاتھ آگیا تو ہزار ہزار منت اور سماجت ہاتھ جوڑ جوڑ کر ایک ادھا خط روانہ کیا۔ نبر شکر خدا کا کہ سالم ہو کر تمکو ملتا۔ کبھی کبھی کوئی خط تم صاحبوں میں سے جو آجاتا ہے گویا جان تازہ آتی ہے اور تمہارے خط کو تو سینے پر رکھا چھاتی سے لگایا آنکھوں پر رکھا بہت چوما چاٹا یہاں تک کہ اس کے حرف بھی مٹ گئے۔ اس پر بھی بے تاب دل کو تسکین نہ ہوئی۔ خدا ئے تعالی ہمیں تمہیں پھر ملبہ ہم

کرے اور یہ مصیبتیں رات دن کی کم کرے۔ جان من! ہراسان نہ ہوتا، نہ روتا منہ نہ اشکوں سے دھونا۔ تیرے خدانے جو مصیبت ڈالی اسے ہر طرح سے کاٹنا۔ ہم تم نا افسوس کرتے ہیں تو کیا پاتے ہیں۔ فضل خدا اگر ہو تو سب ایام غم بات کہتے کہتے کٹ جاتے ہیں۔ خوف ظالموں کو نہیں ہے اتنا ستایا اس پر بھی باز نہیں آتے۔ وہی اس کا اجر دیگا ہم، تم، سب، سارا شہر تو مظلوم ہے۔ کیا حق سبحانہ تعالی مظلوموں کو ظالموں ہی کے پنجۂ قدرت میں رکھے گا؟ مظلوموں کی داد نہ دے گا؟ شام غم کب تک گھیری رہے گی؟ دنیا کب تک منہ پھیری رہے گی؟ کیا صبح امید نہ ہوگی؟ شعاع عدل خورشید نہ ہوگی؟ دام بلا کب تک بچھا ہی رہے گا۔؟ جوبن دنیا کب تک بن بن کے دکھلائے گا؟ ہمارا دل خود ایسی بیسوا دغاباز پر نہیں ہے۔ اس سے میٹھو تو نخرا کرتی ہے اور اگر منہ پھیرو تو پاؤں پڑتی ہے۔ اس کی یہی چالیں ہیں غضب پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں۔ مگر کیا ہوتا ہے میرا اور اس کا دونوں کا بنانے والا تو کوئی اور ہی ہے۔

۵ ر ذیقعدہ ۱۲۷۴ ہجری راقم جانعالم

محبت نامۂ ششم

اے ممتاز جہان نواب اکلیل محل صاحبہ سلامت

شعبان کی چوتھی کو دو قطعہ خط پہنچے۔ مجھے جناب امیر اور خدا کی قسم ہے کہ میں تمکو تین ہزار سے اوپر روپے بھجوا چکا ہوں۔ نہ پہونچے تو میرا کیا قصور ہے۔ کل کی تاریخ یہ سننے میں آیا ہے وہ جو دو لاکھ روپیہ لاٹ صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ سے میں نے مانگے تھے وہ سب کو دے دلا کر اڑ چکے اب دوبارہ رپورٹ اطلاعی روانہ ہوا ہے۔ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔ جب تک رپورٹ کا جواب نہیں آئے گا جب تک دوبارہ بند لکھنو کو ملتوی ہے۔ میں شرمگین ایسا ہوں کہ مارے حجاب کے خط تک لکھنے کو نہیں جی چاہتا ہے زیادہ بیاد

بقلم جانعالم بتاریخ پنجم شہر شعبان ۱۲۷۵ھ

محبت نامۂ ہشتم

ممتاز جہان نواب اکلیل محل صاحبہ سلامت

غرۂ ذی الحجہ سنہ الیہ کو محبت نامہ تمہارا معہ غزل بعبارت منشی اکبر علی خان تو قیر مرقومہ دونسوین ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ کا بعین وصول ہوا۔ نہایت خوش دل ملول ہوا۔ سارے فسانے اگلے پرانے یاد دلائے بڑے رنج اوسے یاد کر کے اٹھائے ہیں تیرے اب کیا ہوا ہے۔ اگر خدا دے تو سب کچھ پھر اوسی طرح سے ہو گا۔ وہی ہم ہوں گے وہی تم ہوں گے۔ وہی باغ وہی چمن اور کیا حال اپنا مصیبت کا لکھوں کہ برابر لکھتے شرم آتی ہے۔ پس کہاں تو وہ سامان تھا کہ جس کا ادنی تماشا

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۶) کالم (۳)

انسانی زندگی پر سیاروں کا اثر

از

ڈاکٹر ایچ ایچ ٹرنر ایف۔ آر۔ ایس۔ پروفیسر علم ہیئت جامعہ آکسفورڈ

یہاں میرا مقصد ان چیزوں سے ہے جو ہیئت دانوں نے انسانی زندگی کو امن و سکون سے بسر کرنے کیلئے کئے ہیں ہیئت دانوں نے ان چیزوں کو جن سے ہمارے آبا و اجداد ڈرتے تھے دور کرنے میں بڑی مدد دی ہے ابتدائے زمانہ میں تو انسان ان چیزوں سے بہت خائف تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا جب جنگلی چڑیا دانہ چگتی ہے تو ہر وقت نظروں سے دائیں بائیں دیکھتی ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی شکاری اس پر حملہ کرنے یا اس کو پکڑنے کیلئے کمین گاہ میں بیٹھا ہو۔ یہی خوف اور یہ ہوشیاری اسکے زندہ رہنے کا باعث ہے اگر وہ اس طرح نہ ڈرے اور ہوشیار نہ رہے تو یقین ہے کہ اسکی زندگی کی شمع بہت جلد گل ہو جائے یہی حالت انسان کی ہے بعض خوف و خطر تو ایسے ہیں جو انسان زندگی کے لئے اس ترقی یافتہ دور میں بھی مفید ہیں مثلاً انسان کو تجارتی اشیاء کے خرید و فروخت میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لینا چاہئے اس لئے ہمیں اس خوف و خطر کو جو مفید ہے اور اس خوف و خطر سے جو مضر ہے امتیاز کرنا چاہئے

جھاڑو تارا اور سیارے

ہیئت دانوں نے جن اشیاء کے خوف و خطر کو غور کیا ان میں سے دم دار تارا (جھاڑو تارا) اور سیارے بھی ہیں جہاں تک سیاروں کا تعلق ہے ہم آجکل مریخ کے متعلق بہت کچھ سنتے ہیں وہ چیز جس سے مریخ ہماری زمین کے مشابہ ہے قطب شمالی و قطب جنوبی ہیں۔ زمین کے قطب شمالی و جنوبی میں سفید دھبے ہیں اور مریخ کے بھی قطبین میں سفید دھبے دکھائی دیتے ہیں مریخ میں بعض جگہ [illegible] علامات نظر آتے ہیں ان کی نسبت خیال ہے کہ وہ سمندر ہیں اور بعض مقامات روشن ہیں۔ ان کو زمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں ہمیں شک ہے کہ مریخ میں پانی بھی ہے یا نہیں۔

اگر انسان مریخ میں موجود ہے تو ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اس کے لئے مفید ہیں اسکے ہاں حیرت انگیز صاف آسمان ہیں اسکے علاوہ ان تمام گردونی مشکلات سے پاک ہیں جو ہمارے ہاں آئے دن ہیئتی تحقیق و تفتیش میں پیش آتے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ مریخ زمین سے بہت قدیم ہے اگر مریخ میں کوئی آبادی ہے تو یقین ہے کہ وہ تہذیب و تمدن میں ہم سے کہیں آگے ہوگی۔ دوربینوں کے ایجاد سے پہلے جن سے اجرام فلکی بڑے نظر آتے ہیں،

ہمارے بزرگوں نے سیاروں کی گردش کو انسانی زندگی پر منطبق کر دیا وہ خیال کرتے تھے کہ سیاروں کا تعلق انسان کی روزانہ زندگی سے ہے اور ان کا اثر انکی زندگی پر پڑتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ سیارے باوجود آفتاب سے اسقدر فاصلہ پر ہونے کے ہماری گھڑیوں اور لمحوں پر حکومت کرتے ہیں۔

زحل (کیوان) سب سے پہلے، مشتری دوسرے اور مریخ تیسرے گھنٹے پر حکومت کرتا ہے اسیطرح اور سیاروں کا حال ہے اس زمانہ کے لوگ مریخ سے اس لئے ڈرتے تھے کہ وہ ہماری لڑائیوں کا باعث ہے اور مشتری کی اس لئے پرستش کرتے تھے کہ وہ ہماری خوشی و شادمانی کا دیوتا ہے وہ "کیوان" کو منحوس خیال کرتے تھے اور اس کو اپنے رنج والم کا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔ اس لئے ہفتے کے دنوں کے نام بھی سیاروں کے نام پر رکھتے تھے۔ یہ بات خاص طور پر فرانسیسیوں میں پائی جاتی ہے انگریزی زبان میں ہفتوں کے نام اسکیباڈنوی زبان سے لئے گئے ہیں بجز شنبہ کے کوئی شخص آسانی سے یہ بتا سکتا ہے کہ اسکیبان ڈوی زبان میں شنبہ کو "مطہر الیوم" یعنی پاک صاف کرنے والے دن کو کہتے ہیں۔ اس طرح وہ اجرام فلکی کے متعلق طرح طرح کے عقیدے رکھتے تھے جو موجودہ زمانہ کی علمی تحقیقات سے باطل ہوتے جا رہے ہیں۔ (ترجمہ)

بقیہ واجد علی شاہ کے خطوط

تم نے لکھا ہے۔ اور کہاں ہم اب وہی ہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے۔ اپنا کام کرتے ہیں۔ گھڑیوں آدمیوں کو پکارا کرتے ہیں۔ خیر شکر ہے۔ بہر حال وہ خالق ہے جو اس کی مرضی۔ کیا عجب ہے کہ پھر ہم ویسے ہو جائیں اور اب دن بہلے آئیں۔ اللہ رحم جلدی کرے کہ اب تاب طبیعت باقی نہیں ہے۔

۵ ذیحجہ سنہ "الیہ"

آخری خط

خوش عمل نواب اکلیل محل صاحبہ زاد حسنہا۔

صحیفہ محبت طراز، مودت انجام، فرحت آغاز،

تمہارا آنکہ گرہبان وصول ہوا۔ بہت فرحت افزا ملول ہوا، مطلب کھلا غنچۂ دل کھلا، ہم داستان اشتیاق کو کیا لکھیں یہ کھو فراق میں کب تک دیکھیں، سچ کہنا تمہارا کیا حال ہے؟ ہماری مفارقت کا کچھ بھی ملال ہے؟ دیکھو جھوٹ نہ کہنا جادۂ الفت میں ثابت قدم رہنا۔ مزاج کا حال کیا بتاؤں کس طرح میں اپنا دل داغدار دکھاؤں؟ خدا کی قسم بہت بیتاب ہوں، خدا تمہارا وصل نصیب کرے زمانہ فرحت قریب کرے۔ اور خطوط کے بھیجنے میں تامل نہ کرنا آئینکے باب میں پیشتر بھی تم کو لکھ چکا ہوں کہ اختیار ہے، ہماری طرف سے نہ اجبار ہے نہ اصرار ہے۔ زیادہ زیادہ۔

بقلم میر محمد صفدر علی۔

المرقوم ہفتم شہر صفر ۱۲۷۶ ہجری۔

براہ مہربانی خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجئے۔

مینجر

جاپان میں علمی ترقی

ترجمہ

محمد مظہر اللہ صدیقی

مملکت جاپان میں ابتدائی تعلیم جبری ہے اس لئے ہر شخص مجبور ہے کہ اپنے بچوں کو تعلیم کی غرض سے ابتدائی مدارس میں بھیجے، مدارس ابتدائی اور عالیہ اور دوسرے صنعتی مدارس زیادہ تر سرکاری ہیں۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں نی ہزار نوسو ترانوے جاپانی لڑکے مدرسوں میں زیر تعلیم تھے جن کی مجموعی تعداد اکانوے لاکھ اٹھ ہزار آٹھ سو نوے تھی۔ ان میں سے چوالیس لاکھ ساٹھ ہزار پانچ سو اٹھائیس لڑکیاں تھیں اور سینتالیس لاکھ آٹھ ہزار تین سو تریسٹھ لڑکے ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسوں میں زیر تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد تقریباً مساوی تھی طلباۃ کے مقابلہ میں طالب علموں کی تعداد صرف دو لاکھ سینتالیس ہزار آٹھ سو پینتیس سے زیادہ تھی۔ مندرجہ ذیل اعداد سے جو محکمۂ تعلیمات ٹوکیو کی رپورٹ سے ماخوذ ہیں سنہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۵ء تک کی جاپانی تعلیمی ترقی پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۲۵ء
جملہ مدارس ابتدائی	۳۷۴۱۷	۴۴۳۵۵
ان مدرسوں میں طلبہ کی تعداد	۷۰۱۷۶۱۹	۱۰۹۴۴۴۶۸

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۲۵ء
ثانوی مدارس کی تعداد	۱۰۱۴۲	۱۷۰۶۳
ثانوی مدارس میں طلبہ کی تعداد	۸۲۹۷۵۷	۱۹۲۳۹۶۴
طلباۃ کی جملہ تعداد	۹۵۹۴۹	۲۰۵۷۴۴
صنعتی مدارس کے جملہ طلبہ	۵۹۱۸۵۴	۱۳۲۲۴۲۸

ان تفصیلات میں جو چیز زیادہ تر قابل غور ہے وہ صنعتی مدارس اور ان کے طلبہ کی زیادتی ہے۔ اس لئے کہ نو سال کی مدت میں صنعتی مدرسوں میں طالب علموں کی تعداد تقریباً دو چند ہوگئی ہے۔ اس کے بعد جو بات قابل لحاظ ہے وہ لڑکیوں کی حسن تربیت اور مدرسوں میں ان کی غیر معمولی بہتات ہے ان نو سالوں میں طالباۃ کی تعداد سہ چند سے زیادہ ہوگئی ہے برخلاف اس کے ان ہی نو سالوں میں طالب علموں کی تعداد ڈھائی گنا بڑھی ہے۔

جاپان کے حسب ذیل مدارس میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ کلیات، جامعات، مدارس خصوصی، فنی مدارس خصوصی، دار المعلمین، دار المعلمات، عام اساتذہ کی تربیت گاہیں مدارس صنعتی کے مدرسین کی تربیت گاہیں، مختلف مقامات پر اختصاصی تعلیم کے مدرسے جن میں صرف دار المعلمین اور دار المعلمات کے سند یافتہ طلبہ شریک ہو سکتے ہیں۔

	سنہ ۱۹۱۶ء	سنہ ۱۹۲۵ء
اعلیٰ تعلیمی مدارس کی تعداد	۳۸۸	۶۹۱
جملہ طلبا زیر تعلیم	۶۵۳۰۳	۱۴۵۶۸۳

ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف دس سال کے اندر اندر اعلیٰ تعلیمی مدارس کی تعداد قریب قریب دو چند اور ان میں طلبہ کی تعداد تقریباً ڈھائی گنی ہوگئی ہے۔ اسی بات سے جاپانی قوم کی علوم و فنون کی دلچسپی کا پتہ چل سکتا ہے اس قسم کے اور بھی اعداد و شمار ہیں جن سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ جاپانی نوجوانوں نے علمی اور فنی تعلیم، خصوصاً زراعت ✲ ہم نظر انداز کئے دیتے ہیں۔

دوسرے تربیتی مدارس

(۱) دبستان اطفال Kinder garten.

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۲۳ء
تعداد دبستان اطفال	۵۶۸	۷۴۷
تعداد اطفال زیر تعلیم	۴۷۲۶۸	۶۵۰۹۴

(۲) اندھون اور اپاہجون کے مدارس۔

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۲۳ء
تعداد مدارس	۶۳	۷۰
تعداد طلبہ	۲۷۸۹	۴۶۳۹

(۳) ان کے علاوہ اور بھی مدارس موجود ہیں جو جاپانی رعایا کے قائم کردہ ہیں۔ ان میں سے ہر مدرسہ اپنے مقررہ اور مخصوص نظام کار پر چل رہا ہے اس قسم کے مدرسوں میں زیادہ تر تعداد ابتدائی مدارس کی ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں اس قسم کے مدرسوں کی مجموعی تعداد ۲۳۵۲ تھی جن میں (۱۵۴۴۲۸) طلبہ زیر تعلیم تھے۔ سنہ ۱۹۲۳ء تک ان کی تعداد (۲۷۶۲) تک پہونچ گئی اور طلبہ کی تعداد (۲۲۶۷۳۹) تک ترقی کر گئی۔

جاپانی اساتذہ :۔

سنہ ۱۹۲۵ء میں (۲۶۲) دار المعلمین اور دار المعلمات جاپان میں موجود تھے جن میں (۵۰۷۵۹) اساتذہ زیر تعلیم تھے جاپان کی وزارت تعلیمات پوری طور پر اس جانب متوجہ ہے کہ علمی ترقی و تربیت کے پہلو بہ پہلو زیر تعلیم اساتذہ کو اپنے حرفہ میں مشق و مہارت کا موقع دیا جائے اور یہ بات بھی اس کے پیش نظر ہے کہ وہ تعلیم و تربیت سے جلد ہاتھ نہ اٹھائیں حکومت جاپان نے اس اصول پر کاربند رہنے کے لئے ان دو مسائل پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ہے۔

ایک تو یہ کہ اساتذہ کے اجتماعی مرکز کو برتری و فوقیت دی جائے اور ان زیر تعلیم اساتذہ کو بھی خاص امتیازات و مراعات بخشی جائے اور دوسرے یہ کہ ان کو مصارف خورد و نوش و تعلیم کے لئے خاطر خواہ مالی امداد دی جائے چنانچہ حسب ذیل اعداد سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔

	اوسط مصارف	انتہائی مصارف
برائے تعلیم مدرسہ ابتدائی	۱۱۸۹ روپیہ	۳۲۴۰ روپیہ
برائے تعلیم ثانوی مدارس	″ ۲۱۰۸	″ ۴۶۵۰
برائے معلمات	″ ۱۰۸۸	″ ۴۶۵۰
برائے معلمات اعلیٰ تعلیم کے لئے	″ ۱۰۸۸	″ ۵۱۰۰

ان زیر تعلیم معلمین یا معلمات میں سے جب کوئی کسی مرض مثلاً دق اور سل وغیرہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو خود حکومت اس کے علاج و معالجہ کی ذمہ دار ہوتی ہے اور شادی شدہ معلمات جو زیر تعلیم ہوں انہیں یہ سہولت حاصل ہے کہ وضع حمل سے چند ماہ پہلے اور چند ماہ بعد کی انہیں غیر مشروط طریقہ پر رخصت دی جاتی ہے۔

حکومت کی گرانقدر امداد کے علاوہ جاپانی قوم بھی لائق اور سمجھدار طلبہ کی بہت کچھ مدد کرتی ہے کیونکہ اس قوم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ علم و ہنر کو دوست رکھتی، لائق اور قابل طلبہ کی قدر کرتی اور ذہین و سمجھدار طلبہ کی مدد و ہمت افزائی کے لئے اپنی جیب سے روپیہ دیتی ہے چنانچہ سنہ ۱۹۲۳ء میں ملک جاپان میں طلبہ کی مدد کرنے والی پانسو سولہ انجمنیں تھیں جن کا سرمایہ دو کروڑ سیانوے لاکھ بیس ہزار روپیہ سے بڑھا ہوا تھا جو چار ہزار ایک سو چہتر طلبہ کے پورے مصارف

شعر و سخن

غزل

از ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت

اوج پا کر آگیا طالع کا اختر سامنے
جلوہ گر ہے بام پر وہ روئے انور سامنے

ایکدن بھی بھول کر آیا نہ پوچھا میرا حال
ہے اگرچہ میرے گھر کے یار کا گھر سامنے

کفر و ایمان کے ہیں مظہر ایکجا الوال میں
یعنے مسجد بھی وہاں ہے اور مندر سامنے

الحذر اوس سے، نہیں ہے راستی جسکا شعار
اوس کو ڈر کا سامنا ہے اس کے ہے ڈر سامنے

ذات حق کی دید ہے حاصل اُسے دنیا میں بھی
رات دن جس کے رہا روئے پیمبر سامنے

ہے کبھی شادی کبھی غم ہے یہی دنیا کا حال
پیش ایسے واقعات آتے ہیں اکثر سامنے

چاندنی میں بزم عشرت کا مزا حاصل ہو جب
چاند تو سر پر ہو میرے اور دلبر سامنے

وعظ اے واعظ ذرا ہشیار ہو کچھ شرم کر
مے پرستی اور یہ محراب و منبر سامنے

یہ صفائی تیرے آئینے میں آسکتی نہیں
دیکھ رکھکر میرے دل کو اے سکندر سامنے

دیکھکر حیرت کریں گے سب مسلمان شاد کو
جام ہوگا ہاتھ میں اور حوض کوثر سامنے

مختلف خبریں

بٹلر کمیٹی اور خسرو دکن

سنہ ۱۸۰۲ء کے معاہدہ کی رو سے حضور نظام کو تمام برطانی سمندروں میں جہازرانی کا حق ہے۔

سرکار عالی کی جانب سے جو میمورانڈم بٹلر کمیٹی کو دیا گیا تھا اس کے متعلق اخبار انڈین ڈیلی میل کا نامہ نگار بعض مزید باتیں حسب ذیل ضبط تحریر میں لاتا ہے۔

گرم افواہ ہے کہ جس میمورانڈم کا قبل ازیں ان کالموں میں تذکرہ آ چکا ہے اس میں عالم پالیسی کا اظہار کر دینے کے علاوہ دو ایسے دعاوی بھی پیش کئے گئے ہیں جن کی نوعیت محض اقتصادی ہے۔ پہلا دعویٰ یہ ہے کہ سرکار عالی کو مچھلی بندر میں خشکی اور تری کے راستوں سے آزادانہ آمد و رفت کا موقع دیا جائے اور سمندر میں بلا کسی قید و پابندی کے جہازرانی کرنے دی جائے کیونکہ بموجب معاہدہ تجارتی سنہ ۱۸۰۲ء حضور نظام کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اس معاہدہ کی رو سے تمام برطانوی سمندروں میں حضور نظام کے جہازوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھنے کا وعدہ کر لیا گیا ہے جو کسی دوست قوم کے جہازوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ کرنل شو کس ٹرنچ صدر المہام مال جو آج کل رخصت پر انگلستان گئے ہوئے ہیں اس معاملہ میں خاص دلچسپی لے رہے ہیں اور گمان غالب ہے کہ وہ مچھلی بندر سے استفادہ حاصل کرنے کے حقوق حضور نظام کو واپس دلانے اور برطانوی پبلک اور بٹلر کمیٹی دونوں کی اس بارے میں تائید حاصل کرنے کے لئے سعی بالغہ سے کام لیں گے میمورانڈم میں جو دعویٰ پیش کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سرکار عظمت مدار سرکار عالی کے اس حق کو بغیر کسی شرط کے تسلیم کر لے کہ وہ حیدرآباد بجواڑہ لائن کے سرحدی ریلوے اسٹیشن سے مچھلی بندر تک اپنے اور اہل حیدرآباد کے مال و اسباب کی آزادانہ نقل و حرکت عمل میں لا سکیگی۔

گلبرٹ کلیٹن کی جدہ کو روانگی

لندن۔ سر گلبرٹ کلیٹن نمائندہ وفد برطانیہ جو ابن سعود سے جدہ میں برطانیہ و حجاز و عراق کے درمیان امور متنازعہ فیہ کا حل کریں گے آج لندن سے جانب جدہ روانہ ہو گئے۔

سر گلبرٹ کلیٹن سے سر ہوریو ڈیلون ہائی کمشنر عراق اور کرنل کارنوالیس مشیر وزارت داخلیہ عراق بھی بغداد سے چل کر قاہرہ میں آملیں گے۔ بعد ازاں سب مل کر ایک ہلکے جہاز میں پورٹ سوڈان سے سوار ہو کر اوائل ماہ مئی میں جدہ جا پہنچیں گے۔

نمائندہ رائٹر نے بات چیت کی تو سر گلبرٹ کلیٹن نے فرمایا کہ امید تو یہی ہے کہ معاملہ صاف ہو جائیگا؛ اور وہ کوشش کریں گے کہ آپس میں عمدہ تعلقات بحال ہو جائیں ابن سعود مکہ معظمہ سے جدہ آ جائیں گے۔ اس لئے گفت و شنید میں غالباً پندرہ روز سے زیادہ عرصہ نہ لگیگا بعد ازاں وہ بغداد جائیں گے جہاں وہ حکومت عراق سے وہ باتیں بیان کریں گے جو ابن سعود سے ہو نگی۔ غالباً سرحد کے ملاحظہ کی بھی ضرورت پڑیگی۔

اتواری مزدور اور جلالت الملک امیر امان اللہ خاں

شاہ امان اللہ خان کو مشورہ

آج دنیائے اسلام میں آپ کو ممتاز درجہ حاصل ہے اور آپ ان قیصریت نواز عقابوں کے مہمان ہیں جن کے ہوائی جہاز عرب کے اندر وہابیوں پر آتش باری کر رہے ہیں جن کا بادشاہ مقامات مقدسہ کا دربان ہے۔ آپ مہمان ہیں ان عسکریت پسندوں کے جو مصر کی موجودہ مطلق العنانیت اور محکومیت کے خلاق ہیں۔ آپ آج ان عیار مدبروں کے مہمان ہیں جو اب بھی ایسے طریقے سوچ رہے ہیں جو لاکھوں مسلمانوں کی زنجیر غلامی کو زیادہ مضبوط اور پائیدار بنا دیں اس جزائر کے مزدوروں کے نمائندوں کی حیثیت میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ آپ اس جماعت قزاقان سے کوئی رشتہ مودت و اشتراک نہیں رکھتے جو اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر افغانستان کو تباہ کر سکتے ہیں۔ ہم یہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ آپکو اپنے مقاصد اعلیٰ حاصل کرنے اور اپنے آدمیوں کی راہ ترقی پر لگانے کے لئے ان فوجی جرنیلوں، قیصری وزراء اور امراء نوابوں کی طرف جھکنا نہیں چاہئے اور نہ نظر استمداد اس فوج پر رکھنی چاہیئے جو افغانستان کی سرحد پر متعین ہے۔ آپ کی صحیح مدد معاون اور آپ کے مقاصد عالیہ کی حمایت کرنیوالی وہی جمہوری اور جماعت خلق ہے جو کسانوں اور مزدوروں پر مشتمل ہے۔ تمہاری دشمن یعنی افغانیوں کا عدو ہے جانی صرف قیصریت ہے۔ اور یہی ہم مزدوروں کا دشمن۔ تمہارا اور ہمارا دونوں کا دوست وہی گروہ ہے جو سوویٹ کی سوشلسٹ یونین کے نام سے پکارا جاتا ہے جس کی آزاد سرزمین پر قیصریت نواز قزاقوں کا قدم نہیں جمتا جہاں تمام آدمی مذاہب اور اقوام مساویانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

امان اللہ! ہم نہایت ادب سے تمہیں یاد دلاتے ہیں کہ وہ قسم نہ بھولنا جو مقدس اسلام کے نام پر اپنے آدمیوں اور مزدوروں کی حمایت میں کھائی گئی تھی بشرقیوں کے آزاد کرنے والے امان اللہ ہم ہیں تمہارے خیرخواہ،

اتواری مزدور۔

موٹر میں شلس کی ایک نئی ایجاد

برلن ۲۷ اپریل۔ ایک موٹر کار (۲۸) میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتی ہوئی ایک جہاز سے ٹکرا گئی لیکن نہ ڈرائیور کو صدمہ پہنچا اور نہ گاڑی کو کوئی نقصان ہوا۔ اسی گاڑی نے بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہوئے ایک پیادہ رو کو ٹکر دی جو باوجود ٹکر کھانے کے چوٹ سے محفوظ رہا۔ یہ دونوں مظاہرے شلس نامی موجد نے کر کے دکھائے اور اس طرح اپنے ایجاد کردہ حیرت انگیز تغیر کی عمدگی کو ثابت کر دیا۔ یہ بغیر ٹھوس ربر کا ایک ٹیوب ہے جو گاڑی کے آگے یا پیچھے لگایا جا سکتا ہے۔ دو موٹر کار جن میں تغیر لگے ہوئے تھے اٹھارہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتی ہوئی آ کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں لیکن وہ اور ان میں بیٹھنے والے سب کے سب نقصان اور صدمات سے محفوظ رہے۔

کوائف ہند

سرلزلی سکاٹ کے خیالات
ہندستانی ریاستوں کے متعلق

بمبئی۔ دیوان رؤسا کی دائمی کمیٹی کی جانب سے سرلزلی اسکاٹ مقرر کئے گئے تھے کہ بٹلر کمیٹی کے سامنے رؤساء ہند کے مطالبات اور ان مقدمہ کو قانونی نقطۂ نظر سے پیش کریں۔ انگلستان روانہ ہوتے ہوئے انہوں نے بمبئی کرانیکل نامہ نگار کی درخواست پر اپنا یہ بیان دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ کہا کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے وہ نام دینا کہ [illegible] دیر کہ پیام [illegible] کی آواز جو اس کے موکلین مقدمہ کی پیروی [illegible] ہے وہ صرف عدالت ہی کو سننا چاہیئے نہ کہ اس کا بیان اخبارات میں شائع کیا جائے۔ اس موقع پر انہوں نے جو کچھ کہا وہ برطانوی پارلیمنٹ کے ایک انگریز رکن کی حیثیت سے تھا۔

سرلزلی اسکاٹ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ہندستان کا ایک مختصر سا دورہ تین ماہ کے عرصہ میں کیا اور وہ اس زمانہ میں [illegible] مسرت [illegible] اور محنت سے قیام [illegible] ان کو اس بات کا یقین دلا دیا ہے کہ ہندوستان کی آئندہ بہبودی اور فلاح کے لئے یہ نہایت ضروری اور لازمی ہے کہ دیسی ریاستوں اور برطانوی ہند میں ایک طرف اور برطانوی ہند اور ہندستانی ریاستوں میں دوسری طرف فیصلہ طور پر [illegible] الات اور [illegible] کیا جائے۔ یہ ایک [illegible] ہے کہ گذشتہ [illegible] سال کی مدت میں [illegible] کی فوری ضروریات نے [illegible] عملی مسائل کی طرف پھیر دیا اور انہیں مسائل کو حکومت کی توجہ کا مرکز بنا دیا بجائے اس کے آئینی حقوق اور دستوری دعوے کا مرکز بنا قرار دیا جانا چاہیئے تھا۔ اس کمیٹی سرلزلی [illegible] کہ [illegible] اور انفرادی اشخاص کے لئے [illegible] ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اپنی حیثیت کی بھی تنقیح کر لیں [illegible] اور یہ کہ آج ہندستان کے لئے اس قسم کا موقع [illegible] اپنی حیثیت کی تنقیح کرے۔ تاج برطانیہ نے دیسی ریاستوں کے مقابلہ میں بہت ہی مقدس ذمہ [illegible] اپنے سر لیا ہے اور یہ کہ برطانیہ کے بادشاہوں نے [illegible] ابھی [illegible] اور پارلیمنٹ نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ دیسی ریاستوں کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ برطانیہ کی دولت عامہ اقوام کو بہت کچھ فخر [illegible] اس بات پر ہے کہ اس کے پاس قانون کی حکومت ہے۔ ہندوستان اس دولت عامہ اقوام کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔ عہد قانونی میں پبلک اور خانگی امور میں انصاف کرنا مشکل ہے۔ سرلزلی اسکاٹ نے کہا کہ اگر ہم ہندوستان کے سیاسی مستقبل کی تعمیر اچھی بنیادوں پر اور مستقل [illegible] کرنی ہو تو ہم کو چاہیئے کہ انصاف اور معدلت کی بنیادیں قائم کریں اور اس پر عمارت تعمیر کریں۔ اس سلسلہ میں کام یہ کرنا ہوگا کہ اس امر کو تشخیص کر لیا جائے کہ دیسی حکومت اعلیٰ (تاج برطانیہ) اور برطانوی ہند (حکومت ہند) کے آئینی حقوق اور قانونی ذمہ داریاں اور [illegible] کیا کیا ہیں۔

یہ کام ختم ہوتے تو یہ ممکن ہو جائے گا کہ ایک فیڈرل مشنری قائم کی جائے تاکہ ہندوستان کے دونوں [illegible] کو خوشگوار اتحاد میں متحد کر دیا جا سکے اور وہ بھی اس طرح پر کہ عام نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ مشترکہ فلاح و بہبود [illegible] کے لئے سب کے سب اس مشنری سے کام لے سکیں۔ سرلزلی اسکاٹ نے کہا کہ ان کو کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس [illegible] عملی دقتیں اور مشکلات بہت سی ہیں جن پر قابو حاصل کرنا ہوگا۔ ہر شخص جو اس مسئلہ پر غور کرے اس کو یہ دقتیں صاف طور پر نظر آئیں گی۔ وہ اس امر کو تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کرتے ہیں کہ ان مشکلات پر قابو نہیں کیا جا سکتا۔ [illegible] ہند کے وکیل نے اس یقین کا اظہار کیا کہ ہندوستان اور برطانیہ [illegible] دونوں کی دانشمندی اور عقلمندانہ روش متحدہ طور پر اس مسئلہ کا حل کر سکتی ہے۔

آخر میں سرلزلی اسکاٹ نے [illegible] دو واقعات روز روشن کی طرح واضح ہیں۔

ایک تو یہ کہ تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ہندوستان کے نئے دستور میں ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی کیا حیثیت ہوگی اور کس طرح پر ان کو برطانوی ہند میں جوڑ دیا جائے گا اس وقت تک سمن کمیشن اپنا کام پورا نہیں کر سکتا۔ دوسرا تصفیہ امر یہ ہے کہ ایک طرف دیسی ریاستوں کی نقطہ نظر [illegible] اور دوسری طرف برطانوی ہند کے مطمح نظر کو آگے رکھ کر یہ طے کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے آئندہ سیاسی دستور حکومت میں دیسی ریاستوں کی حیثیت کیا ہوگی۔ چاہئے اس امر پر بٹلر کمیٹی میں یا اس کے باہر غور کیا جائے۔

خانہ کعبہ کے غلاف کی دہلی میں تیاری

نئی دہلی۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ واقعہ اہم ہے کہ خانہ کعبہ کے غلاف اور مصلے کی خانگی طور پر لوگوں کو زیارت کرائی گئی۔ اب سے دو سال قبل یہ دستور تھا کہ مصر سے ہر سال ایک خوشنما غلاف و مصلے نہایت عقیدت و حسن اہتمام کے ساتھ تیار کر کے بیت اللہ شریف کو روانہ کیا جاتا تھا۔ نجدیوں نے اس کو پسند نہ کیا چنانچہ اب یہ طریقہ موقوف ہوگیا اس سال سلطان ابن سعود نے خاص طور پر یہ چیزیں دہلی میں تیار کرائی ہیں۔ اور نیاز ہی کے تجربہ کار ماہرین فن نے خاص اہتمام سے ان کو تیار کیا ہے مصلے ایک گز چوڑا اور ۱۶ گز لمبا ہے۔ غلاف بھی نہایت عمدہ اور زرین ہے۔ اس پر قرآن شریف کی آیتیں کلابتون میں لکھی گئی ہیں۔ بڑے بڑے ماہرین فن نے ان چیزوں کو دیکھ کر بے حد تعریف کی یہ دونوں چیزیں جو عرف عام میں "محمل" کہلاتی ہیں نہایت احتیاط کے ساتھ مکہ معظمہ کو بھیج دی جائیں گی۔

محمل کے ہمراہ متعدد معزز مسلمان رہیں گے۔ چند کے نام یہ ہیں مولانا عبد الولی غزنوی، مولانا عبد القادر، مولانا داؤد غزنوی، حاجی حمید اللہ، خواجہ عبد الحی، رشید الدین، خواجہ ثناء اللہ، مولانا اسلم جیراجپوری۔

مصر کا تجارتی وفد فرانس روانہ ہوگیا

عربی اخبار الاہرام (قاہرہ) رقمطراز ہے کہ مصر کا سب سے پہلا تجارتی وفد گذشتہ ۱۳ مارچ کو اسکندریہ سے نپولین نامی جہاز پر فرانس کے لئے روانہ ہوگیا۔ وفد مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہے جس میں یک فہمی ڈائرکٹر محکمہ تجارت، توفیق صدقی بطرس، عنایت یوسف، سید احمد مرود اور محمد علی حسین۔

مقامی خبریں

——— ہائی اسکول چادرگھاٹ میں تقسیم انعامات طلبہ کا سالانہ جلسہ بصدارت عالیجناب نواب نظامت جنگ بہادر ۲۲ خورداد ۱۳۳۷ف کو پانچ بجے ہوا جس میں نواب حیدر نواز جنگ بہادر، نواب صدر یار جنگ بہادر، نواب مسعود جنگ بہادر وغیرہ شریک تھے۔

——— نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس ایک ہفتہ کے لئے بمبئی گئے ہیں۔ سرکاری کام وہیں سے انجام دیں گے۔

——— عدالت منصفی سکندرآباد میں ایک مقدمہ کے دوران میں محصول کروڑگیری ادا کئے بغیر جواہرات ملک میں لے آنے کی تعجب خیز واقعہ پیش آیا۔ سکندرآباد کے نو سوداگروں نے اس کے لئے اشتراک عمل کیا اور شمالی سرکار (مدراس) میں راجہ پتیا پرام سے گیارہ ہزار پانسو روپیہ کے جواہرات خریدے سکندرآباد میں جواہرات فروخت کرتے وقت حصہ داروں میں پھوٹ پڑ گئی اور معاملہ عدالت میں پیش کیا گیا۔ مدعی نے بیان کیا کہ جواہرات کی فروخت بمبئی یا سکندرآباد میں قرار پائی تھی۔ اس کے برخلاف اسی روز جواہرات نکالے گئے اور محصول ادا کئے بغیر سکندرآباد لایا گیا اور خفیہ طور پر ایک شخص رام ناتھ کے بنگلہ پر ہراج کر دیا۔ منصف عدالت نے اپنے فیصلہ میں بتایا ہے کہ ان لوگوں نے قصداً کروڑگیری کا محصول ادا نہیں کیا۔

——— نواب لطف الدولہ بہادر امیر پائیگاہ خورشید جاہی کی سالگرہ کی خوشی میں پائیگاہ کے عہدہ داروں کی جانب سے ایٹ ہوم دیا گیا۔

——— نواب سالار جنگ بہادر دوشنبہ آئندہ کو اودگی کنڈ تشریف لے جانے والے ہیں۔

——— مرزا عصمت اللہ بیگ کے نام (۱۵۰) روپیہ کلدار کا وظیفہ تعلیمی علاوہ اخراجات آمد و رفت کے بدین غرض منظور کیا گیا کہ وہ کلکتہ جا کر "بلاک میکنگ" کا کام سیکھیں۔ اخراجات سررشتہ دار الترجمہ متعلقہ جامعہ عثمانیہ سے دئے جائیں گے۔

——— ٹائمز آف انڈیا خبر رساں ہے کہ رزیڈنٹ حیدرآباد کے انڈر سکریٹری کپتان ڈبلیو ایف کیو شلڈ ہام کا تبادلہ اندور میں عمل میں آیا ہے اور ان کی جگہ مسٹر آر ار کلم پارکر آئی سی ایس مقرر کئے گئے ہیں۔

——— سنا گیا کہ ولیعہد بہادر گلبرگہ شریف تشریف لے جانے والے ہیں۔

بقیہ سلسلہ صفحہ (۲) کالم (۳)

سر سید مرحوم اور مسلمانان ہند اس پرانے خواب کو حقیقت میں جلوہ گر کر سکیں۔

(۱) نواب ناظر جنگ ڈاکٹر ناظر الدین حسن جج ہائیکورٹ حیدرآباد دکن۔

(۲) ہارون خان شروانی ام اے بار اٹ لا پروفیسر جامعہ عثمانیہ۔

(۳) محمد ابو سعید مرزا بارسٹر لا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔

(۴) غلام محمد محقق ایم اے ال ال بی۔

(۵) احمد محی الدین بی اے (کینٹب) پروفیسر نظام کالج

(۶) سجاد مرزا ایم اے (کینٹب) صدر مہتمم تعلیمات سمت گلبرگہ۔

(۷) حافظ محمد مظہر اسسٹنٹ سکرٹری حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس۔

(۸) محمد عبد السلام معتمد صدر انجمن اساتذہ سمت گلبرگہ

(۹) احمد محی الدین ایڈیٹر روزنامہ رہبر دکن۔

(۱۰) محمد غوث فرزند شمس العلماء قاضی عبید اللہ صاحب مدرس مدرسہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن)

(۱۱) سید وقار احمد ایم اے (عثمانیہ) ایڈیٹر نظام گزٹ حیدرآباد دکن۔

(۱۲) سید قادر محی الدین اعزازی معتمد انجمن خادم المسلمین ترپ بازار حیدرآباد دکن۔

(۱۳) میر محمد خان تحصیلدار اودگیر ضلع بیدر شریف

(۱۴) مرزا بشیر بیگ۔ بشیر یار جنگ

(۱۵) مرزا محسن بیگ۔

(۱۶) مرزا مہدی بیگ۔

(مزید دستخطوں کا سلسلہ جاری ہے)

اعلان دفتر معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کمیٹی

نشان (۸) مورخہ ۲۲ خورداد ۱۳۳۷ف

وظائف تعلیم ایشیا بابتہ ۱۹۲۸ء کے لئے کمیٹی عطائے وظائف تعلیمی طلبہ کا انتخاب ماہ جون ۱۹۲۸ء میں کریگی مضامین مندرجہ ذیل کے لئے درخواستیں وصول ہونی چاہئیں۔

(۱) تعلیم عجائب خانہ

(۲) علاج حیوانات

(۳) صنعت و حرفت

(۴) تحقیقات طبعیات عملی۔

1. Arrangement of Museums.
2. Veterinary Science.
3. Industries.
4. Research in Experimental Physics.

(۲) صداقت نامہ جات اسناد کامیابی امتحانات

درخواست گذار کے لئے لازم ہے کہ وہ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی کے کم از کم امتحان ایف اے یا انٹرمیڈیٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے امتحان میں کامیابی حاصل کر چکا ہو [illegible] سند بشمول سند (English Test) اور انجینئرنگ اسکول بلدہ کی اپر سب آرڈینیٹ [illegible] مندرجہ اول کامیابی۔ امتحان ایف اے کے مساوی [illegible] جو درخواست گذار اپنی درخواست وظیفہ [illegible] کسی امتحان میں کامیاب ہوں اول [illegible] ۲۰ تیر ۱۳۳۷ف مطابق یکم جون ۱۹۲۸ء تک معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کمیٹی کو دیدیں۔

(۳) عطائے وظائف مذکور کے لئے درخواستیں مع صداقت نامہ جات مندرجہ ذیل [illegible] گذار کنندہ ذیل سے حاصل کیا جا سکتا ہے) [illegible] ۱۹۲۸ء معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کمیٹی کے پاس [illegible] صدر مدرس کے توسط سے پیش ہونی چاہئیں جس میں درخواست گذار زیر تعلیم ہو۔ ملازم سرکار ہونیکی صورت میں درخواست افسر سررشتہ متعلقہ کے توسط سے وصول ہونی چاہئے۔

(الف) صداقت نامہ ملکی دستخطی ناظم عدالت فوجداری واقع بلدہ یا ضلع بدین مضمون پیش ہونا چاہئے کہ درخواست گذار حسب احکام نافذہ سرکار ملکی ہے۔ صداقت نامہ مذکور میں ناظم صاحب دستخط کنندہ اس تمام تفصیل کی وضاحت کے ساتھ درج کریں گے جو درخواست گذار کے خاندان سے متعلق ان کے پاس پیش کی گئی ہو نیز ان خاص وجوہ کا بھی اظہار کریں گے جن کی بناء پر وہ درخواست گذار کو ملکی قرار دیتے ہیں۔

نوٹ:- باشندگان برار کو بھی ملکی تصور کیا جائیگا اور وظیفہ مذکور کی غرض سے انہیں بھی وہی حقوق عطا کئے جائیں گے جو ریاست ابد مدت کے دوسرے امیدواروں کو حاصل ہیں۔

(ب) صداقت نامہ عمر کسی ناظم عدالت فوجداری واقع بلدہ یا ضلع کا دستخطی بدین مضمون پیش ہونا چاہئے کہ

درخواست گزار اور اس کے والد یا اگر اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کے اور اس کے ولی نے حلفاً بیان کیا ہے کہ درخواست گذار کی عمر وہی ہے جو درخواست گزار نے اپنی درخواست میں بیان کیا ہے۔

اس صداقت نامہ کے ساتھ مجسٹریٹ کے مصدقہ ایسے اقتباسات بھی منسلک ہونے چاہئیں جن سے ظاہر ہو سکے کہ اسکول میں داخل ہوتے وقت یا کسی یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہونے کے موقع پر درخواست گذار کی عمر کیا تھی۔

(ج) صداقت نامہ صحت توائے جسمانی ایک ایسے عہدہ دار طبی کا دستخطی پیش ہونا چاہئے جس کا درجہ سول سرجن سے کم نہ ہو۔

(د) صداقت نامہ اردو دانی۔ بدین مضمون کہ درخواست گزار صحت اور روانی کے ساتھ اردو بول اور لکھ سکتا ہے۔

(ھ) صداقت نامہ نیک چلنی بدین مضمون کہ درخواست گزار کے عادات و اطوار نیک ہیں۔

(و) صداقت نامہ آمدنی۔ درخواست گزار کی دستخطی ایک تحریر جس میں یہ درج رہے کہ درخواست گزار یا اس کے والد کو اس ریاست اور مدت سے کیا آمدنی ہے۔

نوٹ:۔ درخواست گزار کو چاہئے کہ وہ اپنے والد کا پیشہ اور آمدنی کی صراحت نہایت احتیاط سے کریں نیز ہر امتحان کا سال کامیابی اور خصوصاً درجہ کامیابی ضرور درج کریں۔

(۴) درخواست گزار کی عمر انٹرمیڈیٹ ہونیکی صورت میں (۲۲) سال سے کم اور بی اے یا بی ایس سی ہونیکی صورت میں (۲۳) سال سے کم ہو۔

(۵) درخواست گزار کو چاہئے کہ وہ اپنی درخواست میں اس خاص مضمون کی صراحت کرے جس کی تحصیل کے لئے وظیفہ کا مستدعی ہے۔

(۶) کوئی درخواست اس وقت تک درج رجسٹر نہ کی جائے گی جب تک کہ وہ مطبوعہ فارم پر صداقت ناموں مندرجہ فقرہ (۳) کے ساتھ مکمل حالت میں پیش نہ کی جائے۔

(۷) درخواست گزار کے لئے لازم ہوگا کہ وہ جملہ صداقت نامہ جات کے ہمراہ اپنی درخواست پیش کرے اور سالہائے گذشتہ کے پیش کردہ درخواستوں کا حوالہ نہ دے ورنہ درخواست پر کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔

(۸) درخواست گزار کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اپنا پورا نام اور پتہ صاف تحریر کرے اور تبدیل پتہ کی صورت میں فوراً دفتر معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کو اس کی اطلاع دے۔

(۹) بجز ان صورتوں کے کہ بذات خود دفتر معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کمیٹی سے فارم حاصل کئے جائیں مطبوعہ فارم کے لئے درخواستوں کے ہمراہ ضروری ٹکٹ ڈاک ملفوف ہونی چاہئیں تاکہ فارم روانہ کئے جا سکیں۔

دستخط ڈرننگ راؤ ۔ منجانب معتمد۔

کتب خانہ تجارتی سید عبدالرزاق تاجر کتب وپبلشر مالک رزاقی مشین پریس چار مینار حیدرآباد دکن

جان سخن نواب فصاحت جنگ (جلیل) کے کلام کے خواہشمند وں کو مژدہ باد کہ اب دیوان (جان سخن) مکرر طبع ہو چکا ہے جو کئی سال سے کمیاب تھا قیمت .... (عہ)

تذکرۂ شعراء دکن اس میں ۱۳۲۹ھ تک قدیم و جدید شعراء کا ذکر ان کی شاعری کے نمونہ درج ہے۔ پہلے اس کی قیمت (عــہ) روپیہ تھی (اب صرف عہ)

عروس ادب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی تاریخی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ ہے۔ قیمت .... (عہ)

کلیات وفا حکیم عبدالہادی خاں صاحب وفا رام پوری کا کلیات ہے جس میں غزلیات رنگین اور مسدس وقصائد بھی ہیں قیمت .... (عہ)

سیرۃ النبی مجلد چرمی سنہری کام حصہ اول .... (عہ)
حصہ دوم مجلد چرمی کام سنہری .... (عہ)
حصہ سوم مجلد سنہری کام تقطیع کلاں .... (عہ)

کیمیائے سعادت کتاب حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی لاجواب تصنیف ہے کاغذ چکنا۔ اس کے صفحات (۸۵۲) قیمت (عہ)

مآثر دکن بلدہ حیدرآباد ومضافات بلدہ کی عمارات وآثار کی نہایت بہترین کتاب ہے جس میں (۷۵) نقشے دیا اور عکس درج ہیں اور حالات نہایت دلچسپ ہیں۔ مولوی سید علی اصغر بلگرامی آصفجاہی جیسے فاضل نے تالیف کی ہے قابل دید ہے قیمت .... (عہ)

بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی ایک پر تاثیر۔ دلگداز قابل دید نظم ہے بیوہ کے حقیقی حالات اور فطری جذبات کا آئینہ ہے درد وغم رنج ومصیبت کا گنجینہ ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کو پڑھنے کے بعد کوئی آنسو نہ بہائے (عہ)

نیک بی بی اس نظم کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ایک نیک خوبی بی نے اپنے بدخو شوہر کو خوش خو بنا دیا قیمت .... (۲)

مثنوی مشعل اسلام اس میں توحید بارے حق تعالیٰ واثبات رسالت کے ایسے زبردست رسائل بیان کئے گئے ہیں جو بڑے بڑے مستند کتابوں میں بھی نہیں مل سکتے قیمت .... (۸)

اعظم اسٹیم پریس

میں ولایتی مشینوں کے ذریعہ برقی قوت سے ہر قسم کی طباعت کا کام نہایت عمدہ اور بہت جلد انجام پاتا ہے یعنے مہینوں کا کام دنوں میں کفایت سے تکمیل پاتا ہے اور کتابت بھی اعلیٰ درجہ کی انجام دی جاتی ہے

المشتہر

سید عبدالقادر تاجر کتب ومالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	چوبیس روپیہ
امراء اور وساسے سالانہ	پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	۸ر
سہ ماہی	عاں
فی پرچہ	۱ر۶ر۲

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمایئے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایئے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمایئے۔

(۵) نظام گزٹ تقریباً ۱۶ صفحے کے حجم پر شایع ہوگا اور کبھی کبھی تصویرین بھی شایع ہونگی۔

منیجر

سید عبد القادر تاجر کتب و پبلیشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرا کر شایع کیا

رجسٹر سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

عدد (۲۰)
جلد (۱)

مدیرین
سید وقار احمد ام۔ اے
محمد حبیب اللہ رشدی ام۔ اے

مضمون خاص

خطبات شاد

از
ہز اکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر بکسلر و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

قرآن شریف اس میں پانچ ترجمے ہیں۔ دو فارسی تین اردو اور بر حاشیہ تفسیر مسمیٰ بہ احسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی عہ رعایتی عنہ سکہ عثمانیہ۔

قرآن شریف مترجم بامحاورہ اردو مولانا مولوی شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی بر حاشیہ تفسیر موضح القرآن جلی قلم جس کا ہر پارہ علیحدہ علیحدہ ہو سکتا ہے۔ صفحات (۸۴۰) ہدیہ بلا جلد عہ مجلد للعہ سکہ عثمانیہ۔

اردو اٹلس رنگین ملک سرکار عالی جس میں ضلع واری نقشہ جات مع جغرافی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس .... قیمت عالہ .... رعایتی عہ

خلاصہ جغرافیہ عالم سوالات و جوابات میٹرکولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات قیمت عالہ رعایتی عہ

سلیس جغرافیہ دکن برائے مدارس تحتانیہ قیمت ۴ر | مرتبہ مولوی سید شرف الدین صاحب قادری بی۔اے بی ٹی صدر مدرس

جدید تاریخ ہند برائے مڈل و عثمانیہ میٹرک قیمت عہ

جدید جغرافیہ دنیا برائے " " قیمت عہ

صنم خانۂ عشق یعنی دیوان امیر مینائی قیمت .... عاہ رعایتی قیمت .... عاہ

مطبوعہ حساب و فارمس ہر دفتر کے کار آمد خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ کے تیار جن کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے۔ آرڈر پر موسومہ فارم طبع کر کے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے۔

فتاوی عثمانیہ سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلاء کیلئے معلومات کا گنجینہ ہے قیمت (عہ)

تمدن ہند (ہند کی بہترین بالتصویر تاریخ) ڈاکٹر لی بان کی فرنچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ معہ اضافہ توضیحات و حواشی مفید جس کو مولانا مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم نے کیا ہے جو آج سے چند سال پہلے (صہ) روپیہ میں فروخت ہو رہی ہے۔ اس میں (۱۴۹) تصاویر دیدہ زیب اور (۲) دلفریب نقشہ اور تختی کلاں ہے اب یہ قابل قدر اور لائق دید کتاب مجلد کی (ا ۃصہ) روپیہ قیمت کر دی گئی ہے۔ علاوہ محصول ڈاک امید کہ ناظرین کرام اس زریں موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

گلوب ۱۲۔ انچ قطر۔ یہ ایک مدور چوبی اسٹینڈ اور نمبر دئے ہوئے پیتل کے رنگ میں لگا ہوا ہے جسکے ذریعہ زمین کی حرکت روزانہ و سالانہ دونو سمجھائی جا سکتی ہے قیمت (اسہ) روپیہ سکہ کلدار یا (ا ۃصہ) روپیہ سکہ عثمانیہ۔

یادگار غالب حضرت استاد مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے زندگی کے حالات انکی اقسام نظم و نثر اردو فارسی کا انتخاب جسکو عالیجناب شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے مرتب کیا ہے۔ قیمت بجائے کلدار کے سکۂ عالی ۔

کلاں چرمی اصلی قیمت .... عہ رعایتی .... ۱۲ر .... عہ

" " " مجلد پارچہ .... عہ ۱۰/۴ر

" " " خورد چرمی .... عہ ۱۲ر

" " " پارچہ .... عہ ۱۰ر

نوٹس آن اسلام بزبان انگریزی۔ اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات عربی جس کی شرح انگریزی میں کی گئی ہے مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب جسکو عالیجناب مولانا احمد حسین صاحب سی۔آئی۔ای۔سی۔ایس۔آئی۔ نواب امین جنگ بہادر) نے مختصراً نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے۔ قیمت .... عہ

گنجینۂ ہدایت اس کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم اور حضرت صلعم کی سوانح عمری بھی اس کے ساتھ ہے۔ معمولی استطاعت والے حضرات بھی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت للعہ۔

ارمغان سلطانی المعروف سیر گلبرگہ شریف۔ تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک سچا فوٹو ہے جو تین حصوں پر منقسم ہے پہلے حصہ میں شہر گلبرگہ شریف کے موجودہ حالات درج ہیں۔ دوسرے میں زبدۃ العارفین حضرت مخدوم شہباز بلند پرواز گیسو دراز سید محمد حسینی المشہور خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز نیز دیگر اولیاء کرام کی فیاض زندگی اور ان کی سوانح عمری جو مختلف مستند و معتبرہ کتب سے اخذ کر کے مسلسل طور پر لکھے گئے ہیں تیسرے حصہ میں سلاطین بہمنیہ کے مفصل حالات درج ہیں۔ قیمت (عاہ)

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	ما/صہ	ماعہ	ما/صہ	سہ	عہ
نصف صفحہ	ماعہ	ما/صہ	للعہ	صعہ	ہے
ربع صفحہ	ما/صہ	للعہ	صعہ	عہ	عہ
ایک کالم	لعہ	صہ	سہ	صعہ	عہ
نصف کالم	صہ	سہ	عہ	اہے	سے
ربع کالم	سہ	عہ	صعہ	اعہ	عہ

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائے گا

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات　　تری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی

ہفتہ وار

عدد (۲) حیدرآباد دکن ۔ دوشنبہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ ۷ مئی ۱۹۲۸ء ۲ تیر ۱۳۳۷ف فصلی جلد (۱)

شذرات

آج کل مصر ایک خطرناک سیاسی دور سے گذر رہا ہے اس بات کو کوئی زمانہ نہیں گزرا کہ سابق وزیر اعظم ثروت پاشا کے زمانہ میں برطانیہ سے ایک نئے عہدنامہ کے متعلق گفت و شنید ہو رہی تھی۔ اسی زمانہ میں مصر کے فرمانروا شاہ فواد نے انگلستان کی سیاحت کی تھی جہاں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی تھی۔ لوگوں کو اسی پر شبہ ہونے لگا تھا کہ شاہ فواد کی یہ خاطر و مدارات کچھ معنی رکھتی ہیں۔ چنانچہ بعض جرائد نے اس پر رائے زنی بھی کی اور اس راز کو معلوم کرنا چاہا۔ مگر اب کم و بیش ایک سال کے بعد معلوم ہوا کہ اس وقت آسٹن چیمبرلین اور ثروت پاشا باہم ایسے شرائط طے کر رہے تھے۔ ان شرائط کی حقیقت بعد میں کھل گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ثروت پاشا کو استعفے دینا پڑا اور مصر کی وزارت نحاس پاشا کے ہاتھ میں چلی گئی۔

دنیا جانتی ہے کہ نحاس پاشا سعد زغلول کے جانشین ہیں اور وطن کی خادم "وفد جماعت" کے سرگرم رکن اور اس کے صدر ہیں۔ ایسی صورت میں جن شرائط کو ثروت پاشا جیسے معتدل مزاج وزیر کی حکومت نے نہ مانا ظاہر ہے کہ نحاس پاشا کی حکومت ان کو کیسے مان سکتی ہے۔

مصر یورپ سے بہت قریب ہے اس لئے اس کا یورپ سے متاثر ہونا بالکل فطری امر ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ مصری ترقی کا سنگ بنیاد محمد علی پاشا جیسے عظیم الشان ہستی نے رکھا ہے۔ پس ایسی قوم کا دن بدن آزادی سے قریب ہوتا جانا بھی بالکل فطری امر ہے۔ متعدد کوششوں کے بعد مصر میں اب قومیت کی روح دوڑ گئی ہے اس لئے آزادی کی خواہش بھی ان میں ایسی سرعت سے بڑھتی جا رہی ہے۔ نتیجہ یہ کہ مصر اب اپنے کندھوں سے بیرونی جوا نکال پھینکنا چاہتا ہے مگر وہ اتار سکے تو کیونکر؟

آج برطانیہ اور مصر کے درمیان جو کش مکش ہے اس کی علت مشتعلہ یہ ہے کہ مصری پارلیمنٹ نے قانون مجالس عامہ کا مسودہ منظور کر لیا ہے اور اس مسودہ کو قانون بننے کے لئے صرف ایک مرحلہ اور باقی ہے۔ مگر حکومت برطانیہ خصوصاً موجودہ قدامت پرست حکومت سے کوئی کیا توقع رکھ سکتا ہے۔ سابقہ عہدنامہ کے مکمل نہ ہونے کا رنج اور غصہ کا بدلہ اسطرح لیا کہ قانون مجالس عامہ کی ایک دفعہ کو ان غیر ملکی باشندوں کیلئے مضر بتایا جو مصر میں آباد ہیں۔ اور یہ کہ ان غیر ملکیوں کی حفاظت برطانیہ کا فرض ہے۔ وزیر ہند کی منطق سے تو ہم واقف ہی تھے۔ یہ وزیر خارجہ کی منطق ہے!

نحاس پاشا نے بار بار یقین دلایا کہ اس قانون سے غیر ملکیوں کے حقوق پر کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا اور جتنے بھی غیر ملکی ہیں ان کی حفاظت کی ذمہ داری مصری حکومت کریگی۔ مگر یہاں حکومت برطانیہ اپنے استدلال کا کمال دکھاتی ہے کہ نہیں مصری حکومت انکی حفاظت نہیں کر سکتی۔ گویا کہ اس قانون کے منظور ہوتے ہی تمام غیر ملکی باشندوں کا قتل و خون ہی ہو جائیگا۔ اور مصری حکومت ہاتھ باندھے کھڑی ہوئی ہنستی رہے گی۔ اور ان ملکوں کی حکومتیں جن کی رعایا پر ظلم ہوا خاموش بیٹھکر ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہیں گی۔ مگر حکومت برطانیہ کی انسانی ہمدردی اس کو کہاں گوارا کر سکتی ہے وہ تو مظلوموں کی مدد کے لئے دنیا میں ہر جگہ اپنے جان و مال کو قربان کر دیتی ہے۔ دیکھئے نا ہندوستان میں بھی وہ اسی لئے ٹھیری ہوئی ہے کہ یہاں کی نیچ ذاتوں اور قلیل التعداد جماعتوں کو برہمنوں کے پنجے سے بچائے!!

انگلستان کے اخبار اپنی قومیت کی قبتی تیغ کریں جائز ہے مگر معاملہ حق و انصاف کے پہلو کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مگر واسے برحال ہند! یہاں آکر وہ آزاد و فطرتمن بھی "دعاگو" بن جاتی ہیں۔ چنانچہ ٹائمس آف انڈیا جناب مصری صورت حال پر فرماتے ہیں کہ "شاید مصری حکومت

[illegible] ملاحظہ ہو صفحہ (۴) کالم (۳)

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۴۶ ہجری

تعلیم کا مقصد اور جامعہ عثمانیہ

تعلیم کا کیا مقصد ہونا چاہئے؟ کس قسم کی تعلیم سے ملک اور ہیئت اجتماعی کو فائدہ پہونچ سکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہیں جن کے حل کرنے کے لئے بڑے بڑے ماہرین تعلیم نے بہت کچھ کوشش کی ہے۔ تاہم نتائج کے لحاظ سے ہر شخص کا نظریہ علحدہ ہے۔

انگلستان کے مشہور وزیر اعظم ارل اکسفورڈ نے تعلیم کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ تعلیم ایسی ہو جس سے طالبعلم کالج کی چار دیواری سے باہر نکلنے کے بعد عملی دنیا میں کامیاب ثابت ہو۔ ارل آف اکسفورڈ طلبہ کو کسی ایک فن میں ماہر ہونے کی تلقین نہیں کرتے بلکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ طلبہ میں جامعیت پیدا ہونی چاہئے۔

انگلستان جو قدیم سے ایک تجارتی مرکز ہے۔ وہاں کے باشندے فطرتاً صنعتی تعلیم کی طرف راغب ہوگئے ہیں۔ ان طلبہ کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے جو تاریخ، فلسفہ اور ادبیات کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے رجحان کو دیکھ کر ارل آف اکسفورڈ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ طلبہ کو چاہئے کہ وہ ان مضامین کی طرف خاص طور پر توجہ کریں۔ انگلستان کا ماحول ہی ایسا ہے کہ طلبہ کا خیال ابتدا ہی سے کسی نہ کسی پیشہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ابتدا ہی سے ایسی تعلیم و تربیت ہوتی ہے کہ طالب علم کسی ایک چیز کو اپنا مقصد حیات قرار دیتا ہے اور اس کے حصول کی طرف کوشاں رہتا ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں مغربی تعلیم کا آغاز اس لئے کیا گیا تھا کہ چند انگریزی دان منشی آسانی سے مل سکیں ابتدا میں جن لوگوں نے انگریزی تعلیم پائی ان کو ملازمتیں آسانی سے ملیں اس سے اور لوگوں کو بھی ترغیب ہوئی۔ غرض ہندوستان کی تعلیم کی بنا غلط اصول پر رکھی گئی۔

اس کے ساتھ ہی ستم ظریفی یہ کی گئی کہ ذریعہ تعلیم کو غیر زبان قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تعلیم سے جو نتائج برآمد ہوں گے وہ ملک کے حق میں افلاس کا باعث بنے۔

ملک میں صحیح تعلیم کو جاری کرنے کے لئے کئی ایک کمیٹیاں ہوئیں۔ ماہرین تعلیم نے بہت کچھ غور کیا آخر کار یہ مسئلہ طے پایا کہ تعلیم اگر مادری زبان میں ہو تو بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے مگر ایک زبان سے دوسری زبان میں کتابوں کا منتقل کرنا یہ بہت ہی دشوار گزار راستہ تھا اس لئے مدت دراز تک ہندوستان میں صحیح اصول پر تعلیم کا سنگ بنیاد ہی نہیں رکھا گیا۔

یہ مملکت دکن کی خوش نصیبی ہے کہ اس کو ایک بیدار مغز روشن ضمیر بادشاہ ملا جس نے اپنی دور بینی اور مشہور فیاضی سے کام لیکر ملک میں علمی سرچشمے جاری کر دئے تاکہ اس کی آبیاری سے گلشن دکن سرسبز و شاداب ہو۔

اس عام تعلیم سے ملک میں جو ذہنی ترقی ہوئی اور جس قسم کا علمی طبقہ پیدا ہوا اس کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے اب تک بہ مشکل پچیس تیس ام اے نکل چکے ہیں۔ اس کے ساتھ طیلسانین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مگر ہم نہایت افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ جامعہ عثمانیہ کی رفتار بہ نسبت اور جامعوں کے بہت ہی کم ہے۔ مثال کے طور پر جامعہ کلکتہ، جامعہ علیگڈھ جامعہ بنارس کو لیجئے۔ جہاں نتائج (۸۰ یا ۹۰) فیصدی رہتے ہیں اس کے مقابلہ میں جامعہ عثمانیہ میں کامیاب طلبہ کی تعداد بمشکل (۵۰ و ۶۰) ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے حیدرآباد میں جو علمی سرگرمی اور جد و جہد پیدا ہوئی ہے وہ ہندوستان کے اور صوبوں کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ ہے مگر اب ہمدردان ملک کی نظر اس پر ہے کہ ہماری یونیورسٹی سے صرف دفتری منشی ہی نہ پیدا ہوں بلکہ یہاں سے ہمارے ملک کے کارآمد اور خادم ملک شہری پیدا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسے طبقے کے پیدا کرنے کے لئے صرف جامعہ کی درسی تعلیم کافی نہیں ہے بلکہ ان کے لئے صنعتی اور زراعتی تعلیم کی توسیع کی سخت ضرورت ہے تاکہ ملک میں سرکاری ملازمتوں کے مشتاقین کی تعداد میں کمی ہو اور میدان عمل میں بغیر حکومت کے آگے ہاتھ پھیلانے کے آپ اپنی روزی پیدا کرنے والوں کی کثرت ہو۔

نواب نظامت جنگ بہادر ملک کے سچے ہمدرد ہیں اس کے ساتھ ہی آپ کو ساری عمر علم اور علم دوست حضرات سے خاص تعلق رہا ہے۔ حال میں نواب صاحب نے مسٹر مارما ڈیوک پکتھال کی درخواست پر مدرسہ فوقانیہ چادرگھاٹ میں تقسیم انعامات کے جلسہ کی صدارت کی۔ اس موقعہ پر آپ نے جو تقریر فرمائی وہ بہت اہم ہے کیونکہ نواب صاحب نے ملک کے نونہالوں کو صنعتی تعلیم کے حصول کی ترغیب دی ہے اور ساتھ ہی مدرسہ فوقانیہ کے بچوں کو یہ بھی نصیحت فرمائی کہ وہ ابتدا ہی سے اپنا کوئی مقصد حیات کافی طور پر غور و خوض کرکے قرار دے لیں۔

صنعتی تعلیم کی ترقی کے متعلق نواب صاحب کا خیال بہت پرانا ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ملک میں صنعتی تعلیم بھی ترقی پا جائے مگر اس کے لئے ہماری حکومت کا بھی ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ صنعتی تعلیم کے شروع ہونے سے پہلے ہی ملک میں صنعتی اور زراعتی جد و جہد پیدا کرے تاکہ جو طلبہ صنعتی مدارس سے ترقی پا کر نکلیں وہ پھر حکومت ہی کے آگے ملازمت کے لئے دست سوال نہ پھیلائیں بلکہ ملک کی صنعتی اور زراعتی جد و جہد میں اپنے دست و بازو سے اپنی روزی کمائیں۔

آخری مغل بادشاہ کی قبر سے دشمنی

عدالت عالیہ رنگون میں ایک عجیب مقدمہ پیش ہوا۔ غدر کے بعد ہندوستان کے آخری بادشاہ کو رنگون میں کپتان نیلسن ڈیوس کی نگرانی میں نظر بند کیا گیا تھا۔ اور ۱۸۶۲ء میں جب آپ کا انتقال ہوا تو کپتان ڈیوس نے انکو اپنے بنگلے اور تھئیٹر روڈ کے درمیان سپرد خاک کرا دیا۔ ۱۸۸۶ء میں ملکہ ہندوستان کا بھی انتقال ہو گیا جن کو بادشاہ کے پہلو میں مدفون کیا گیا۔ بادشاہ کی ایک عزیز شہزادی رونق زمانی بیگم نے قبروں کے اردگرد ایک کٹہرہ لگوا دیا۔ رنگون کے اکثر مسلمان وہاں فاتحہ کیلئے جاتے ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں تھئیٹر روڈ پر مس ڈاسن نے کچھ اراضی خرید کی۔ اس میں وہ جگہ بھی شامل تھی جس میں بادشاہ اور ملکہ کی قبریں واقع تھیں لیکن اس میں شہزادی کو بیدخل نہیں کیا حال ہی میں اس شہزادی نے ان قبروں پر عمارت تعمیر کرائی ہے اور روشنی کے لئے ایک بجلی گھر بنوا دیا ہے اب مس ڈاسن نے شہزادی کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا ہے۔ عدالت عالیہ نے فیصلہ کیا کہ شہزادی کا مدعیہ کی اراضی پر قبضہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اسلئے مدعیہ کسی ڈگری کی حقدار نہیں۔ عدالت عالیہ نے اپنے فیصلہ میں کہا کہ شاہی مقبرہ کی وجہہ سے بدامنی کا خطرہ ہے۔ اسلئے حکومت کو دخل دیکر اس معاملہ کا تصفیہ کرا دینا چاہئے۔

رنگون کے مسلمان اس معاملہ میں بڑی دلچسپی لے رہے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ بادشاہ و ملکہ ہندوستان کے مقبرہ کی زمین کو منتقل کرنے کا حکومت کو کوئی حق نہیں ان لوگوں نے گورنر کے پاس درخواست بھجوائی ہے۔ جس میں مطالبہ کیا ہے کہ اس زمین کو مدعیہ سے واپس لیکر شاہی مقبرہ کی حفاظت کیجائے۔

(انگلیل)

جن اصحاب کا چندہ سہ ماہی تھا وہ کبھی کا ختم ہو چکا۔ براہ کرم چندہ منی آرڈر کے ذریعہ روانہ فرما کر ممنون فرمایئے۔ منیجر

قائم کرنے کے متعلق
تیس سال قرار پائی ہے

ترکی میں دور ترقی

ترجمہ

محمد مظہر اللہ صاحب صدیقی حیدرآبادی

موسیو رینیہ مارشان نے مصطفیٰ کمال پاشا کے زیر قیادت ترکی کے نشو ونما پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں ترکی کی ہر قسم کی جدید اصلاحات و ترقیات پر اعداد و شمار اور دلائل و براہین کے ساتھ تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ عوام پر اس کتاب کا اس قدر اثر پڑا کہ پیرس کا ایک بہت بڑا دولتمند اس کتاب کو دیکھکر اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ جمہوریہ ترکی اس سے جس قدر قرضہ چاہے وہ بخوشی دیدیگا جس کے لئے کسی قسم کی ضمانت کی ضرورت نہیں اور کتاب متذکرہ بالا میں جو کچھ اندکرد ہے اس پر اسکو کافی اطمینان ہے۔

اس کتاب کا مزیدی اقتباس حسب ذیل ہے:۔

امور عامہ

جمہوریہ ترکیہ کی تاسیس کے ساتھ ہی ملک کے سربرآوردہ لوگوں نے مملکت ترکیہ کے طول و عرض میں ریلوں کے جال پھیلانے کے لئے کچھ اس طرح جد و جہد شروع کردی کہ انقلاب کے بعد لوگوں نے اسکو "ریلوں کی حکومت" کا نام دے رکھا۔ حکومت نے ریلوں کی توسیع اور ترقی کے لئے ڈھائی کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم مختص کردی ہے۔ اور یہ تصفیہ ہوچکا ہے کہ ۴ سنہ دس سال تک ہر سال اسی قدر رقم ریلوں کی توسیع و ترقی کے لئے نکالی جائیگی۔ خواہ حکومت کے خزانہ میں کتنی ہی کمی نہ ہو جائے۔ بہرحال ترکوں کی دلی خواہش ہے کہ وہ بین الاقوامی ریلوں کی جنگ کے لئے قدیم ترکی کو مستعد و تیار کردیں اس لئے اس نئی حکومت کی ابتدا ہی سے ریلوں کی اصلاح و ترقی کی فکر ہو رہی ہے۔ انقرہ دانگورہ) اور قیصرہ کے مابین (۳۰۰) کیلومیٹر طویل ریلوں کا جال بچھ چکا ہے اب حکومت کا ارادہ ہے کہ اسی سلسلہ کو سیواس سے متصل کردیا جائے اور پھر سیواس سے اس کی دو شاخیں نکالی جائیں جن میں سے ایک تو روسی ریلوے سے جا ملے اور دوسری سمسون ریلوے سے متصل ہو جائے۔ اسی طرح قیصریہ سے بھی ایک ریلوے لائن بغداد ریلوے تک پھیلائی جائے۔ اس کے علاوہ کوشش کی جا رہی ہے کہ انگورہ سے ہر اس مقام تک ریلیں دوڑائی جائیں جہاں کوئلہ کی کان دریافت ہو جائے۔ اسی طرح حکومت طرابزون اور دیاربکر کے درمیان بغداد ریلوے تک ایک لائن ڈالنے کا منصوبہ گانٹھ رہی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ بحر اسود خلیج فارس سے متصل ہو جائے۔

ریلوں کے علاوہ موٹروں اور مختلف قسم کی گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے ترکی کے تمام نقاط میں سڑکیں تعمیر کی جا رہی ہیں جس کی بدولت دیہاتیوں اور زراعت پیشہ لوگوں کو اپنی زرعی اور اقتصادی حالت درست کرنے کا موقع ملیگا۔ اور حکومت نے اس مد کے لئے بھی کافی رقم مخصوص کر رکھی ہے۔

حکومت ترکی نے انقرہ میں ایک عظیم الشان لاسلکی مرکز قائم کیا ہے جو براہ راست امریکہ کے دار الحکومت واشنگٹن سے متصل ہے۔ اور اس سے کسی قدر چھوٹا لاسلکی اسٹیشن اسلامبول میں بنایا گیا ہے۔ حکومت ترکی اور اسوج کی لاسلکی کمپنی نے ایشیائے کوچک کے شہروں میں لاسلکی کا سلسلہ پھیلانے کے متعلق آپس میں ایک معاہدہ کرلیا ہے اس معاہدہ کی مدت پانچ سال رکھی گئی ہے۔ اسی طرح حکومت مذکورہ نے ایک دوسرا معاہدہ تلغرافی مخابراتی سلسلہ قائم کرنے کے متعلق تیس سال قرار پائی ہے

زرعی اصلاح

آج ترکی کی تین چوتھائی آبادی ہے۔ قدیم ترکی حکومت کے زمانہ میں کچھ علاقہ در حکومت کی ملک میں تھا۔ لیکن ترکوں نے جوں ہی جمہو کا اعلان کیا اس تمام علاقہ کو مزارعین میں بانٹ دیا اور انہیں اس پر زراعت کرنے کی آزادی دیدی اور انکی اراضی پر ان کی اولاد کا موروثی حق تسلیم کرلیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ شرط بھی لگادی کہ اگر کوئی کسان کسی زمین پر تین سال تک کاشت نہ کرے اور اس کو یونہی بیکار چھوڑ دے تو پھر اس کا حق زائل ہو جائے گا۔ تاہم اس کے لئے ایک سہولت یہ بھی رکھی گئی ہے کہ وہ اس زمین کو سستے داموں حکومت سے خرید لے سکتا ہے اور اس کے بعد وہ آزاد ہے کہ جس وقت اور جس طرح چاہے اپنی زمین سے کام لے۔

زرعی ترقیات کے مدنظر حکومت ترکی نے فوجی خدمت کے لئے صرف اٹھارہ مہینہ کی مدت قرار دی ہے۔ لیکن فصل کے زمانہ میں زراعت پیشہ رعایا کو جو فوجی تعلیم پا رہی ہو اپنے کھیتوں میں جاکر کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی وجہ سے ملک کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہونے لگے۔ ۱۹۲۴ء میں ترکی میں جو غلہ پیدا ہوا ہے اس کی مقدار جنگ عظمی سے پیشتر کی پیداوار سے بہت زیادہ تھی ۱۹۲۵ء میں ترکی میں چقندر کی پیداوار ساٹھ ہزار ٹن آلو کی بہتر ہزار پانچ سو ٹن رہی اسی طرح روئی کی چھتیس ہزار ٹن اور تمباکو کی تینتیس ہزار ٹن ہوئی۔

حکومت ترکی کا اپنی رعایا کی اقتصادی اور مالی حالت کو سنبھالنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ رعایا کو بلا کسی ضمانت کے کافی روپیہ قرض دے رہی ہے جس کو وہ تین سال کے بعد واپس کردے سکتے ہیں۔ اس قسم کے قرضہ کی غایت یہی ہے کہ رعایا زرعی آلات و اسباب تخم اور مویشی وغیرہ خرید سکے۔ حکومت نے بہت سے زرعی مدارس اور علاج و افزائش نسل چوپایہ کے لئے متعدد مرکز قائم کر رکھے ہیں۔

تعمیر امکنہ

یونانیوں نے ایشیائے کوچک پر حملوں کے زمانہ میں تقریباً دو ہزار مکانات تباہ و برباد کردیے تھے لیکن امن وامان کے بعد ہی سے حکومت ترکی نے مرمت طلب مکانوں کی ترمیم اور رعایا کے لئے نئے مکانات کی تعمیر کے لئے ایک کروڑ بیس لاکھ پونڈ صرف کرکے ان کے لئے چھ ہزار چار سو مکانات بنا دئے اور بارہ ہزار خراب و خستہ مکانوں کی مرمت کردی۔ علاوہ ازیں حکومت نے مزارعین میں دو لاکھ سولہ ہزار چھ سو چالیس مویشی اور ستائیس ہزار چھ سو چھتر آلات کشتکاری تقسیم کئے۔ زرعی تعلیم کے لئے ملک میں بارہ مدارس قائم کئے گئے اور ان مدارس کے طلبہ تعلیم ختم کرکے زراعت

سامی تعلیم کے لئے سرکاری مصارف سے ممالک بھیجے جاتے ہیں۔

صنعت و حرفت اور مالیات

ترکوں نے اس گر کو سمجھ لیا ہے کہ ملک کی عام دولت و ثروت اور اقتصادی و معاشی ترقی اسی بات میں مضمر ہے کہ ملک میں صنعتی کارخانوں کا روز افزوں اضافہ ہو۔ اس وقت ترکی میں ایک ہزار نو سو بیس کارخانے ہیں جن میں سے زیادہ تر قالین بافی، ریشم بافی تحفظ میوہ جات کے لئے نیز صابون اور شکر بنانے والے کارخانے ہیں۔ ترکوں نے سلاطین عثمانیہ کے قرضہ کی ادائی کے لئے خود کو مجبور پایا تو اس کی یہ تدبیر نکالی کہ سرکاری دفاتر سے ملازمین گھٹانے شروع کر دئے تاکہ ان کی تنخواہوں میں جو روپیہ صرف ہوتا ہے اسی سے قرضہ ادا کیا جائے اور ان کی اس دانشمندی کا قرض خواہ سرمایہ داروں پر اطمینان بخش اثر پڑا ہے۔

صحت عامہ

ترکی میں اس وقت ڈیڑھ سو شفاخانہ ہیں جن میں غریبوں کا علاج مفت کیا جاتا ہے جو ایشیائے کوچک کے چھوٹے شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ترکی میں ان کے علاوہ جدید طرز کے چار بڑے ہسپتال بھی ہیں جن میں سے ہر ایک میں ڈھائی سو مریض رہ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو دیار بکر میں ہے دوسرا ارضروم میں، تیسرا سیواس میں اور چوتھا انقرہ میں ہے۔ طبی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ پر لازم ہے کہ وہ بعد فراغت تعلیم تیرہ مہینہ ملیریا بخار کی تحقیقات و مطالعہ میں صرف کریں اور دو سال تک مناسب تنخواہوں پر مرکزی شفاخانوں میں کام کریں۔ ترکوں میں ملیریا بخار، تپ محرقہ بخار اور مرض آتشک خوب پھیلا ہوا ہے اور حکومت جمہوریہ ملک سے ان امراض کے مٹانے پر تلی ہوئی ہے۔ آج ترکی کے طول و عرض میں تین ہزار ڈاکٹر پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن مملکت ترکی کے لئے اتنے ڈاکٹر ناکافی ہیں۔ اس لئے وہاں دو متوسط درجہ کے طبی کالج اس غرض سے قائم کئے گئے ہیں کہ ان میں طالبانِ طب کو صرف متذکرہ بالا تین امراض کے متعلق خصوصی تعلیم دی جاتی ہے۔

تعلیم

جمہوریت ترکیہ نے سنہ ۱۹۲۴ء میں مدارس و تعلیمات کی اصلاح و ترقی کے متعلق ایک قانون تیار کیا۔۔۔۔۔۔ قدیم زمانہ میں ترکی کے مدارس میں صرف حکومت کے ملازمین ہی کی اولاد کی تعلیم و تربیت ہوا کرتی تھی لیکن اب تمام مدارس کے دروازہ ہر گروہ کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ اور جدید تعلیم کی عمارت طالب علموں میں آزادی فکر اضافہ معلومات اور توسیع روح وطن پرستی کی بنیاد پر قائم ہے۔ ابتدائی تعلیم جبری ہے جس کی مدت مقررہ پانچ سال ہے ترکی میں آج پانچ ہزار آٹھ سو تراسی ابتدائی مدرسے موجود ہیں۔ برخلاف اس کے سنہ ۱۹۱۴ء میں صرف دو ہزار چھ سو بتیس تھے ترکی مدارس میں اس وقت طلبہ کی تعداد تین لاکھ پچیاسی ہزار چار سو چھپن ہے۔ ترکی میں پندرہ ایسے بھی مدرسے ہیں جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ساتھ ساتھ تعلیم پاتے ہیں یہ طریقہ امتحاناً اختیار کیا گیا ہے اور بصورت کامیابی تمام ترکی مدارس میں اسی طریقہ کو عام کر دیا جائے گا یعنی لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہر قسم کے مدارس میں آزادی کے ساتھ شریک ہو سکیں گے۔

یہ وہ تغیرات ہیں جو مصطفیٰ کمال پاشا کے مملکت ترکی پر اقتدار کے بعد وقوع میں آئے۔

سائنس کا انسان
ایک حیرت ناک مشین

نیویارک میں ایک کارخانے میں ایک ایسی حیرت انگیز مشین کام کر رہی ہے جو فون کی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھاتی ہے۔ ہر ایک سوال کا جواب دیتی ہے۔ روشنی کے بٹن دباتی بجلی کی لہر جاری کرتی ہے۔ بجلی کے پنکھے کو چلاتی ہے اور جب کوئی کام ختم ہو جاتا ہے تو اپنی مقررہ جگہ پر رک جاتی ہے۔ اور ہر کام کے متعلق سوچتی ہے۔

چند ہفتے گذرے علم ہندسہ کے چند مشہور ماہروں نے اس مشین کے سامنے ایک ایسا مشکل سوال حل کرنے کے لئے رکھا ہے انسانی دماغ ہفتوں اور مہینوں میں ہی مشکل سے حل کر سکتا ہے لیکن اس وقت حیرت و استعجاب کی حد نہ رہی جب مشین نے آٹھ منٹ گذرنے سے پہلے اس سوال کا تحریری جواب دیدیا۔

یہ مشین ہر کام میں مدد دیتی ہے حکم سنکر اس کی تعمیل بہت جلد کرتی ہے۔ اس کا سارا انتظام بجلی کی طاقت کے ذریعہ کام کرتا ہے۔

اس حیرت انگیز و مفید مشین کا موجد مسٹر آر جے ونسلی ایک انجینیر ہے۔ اس مشین کا نام "ٹیلی ووکس" ہے۔

یہ مشین ایک وفادار اور راز دار خادم کا کام بخوبی سرانجام دیتی ہے فون کے ذریعہ جو کچھ سنے گی۔ محفوظ رہے گا اس مشین کا تار ریسیور سے لگا دینے پر یہ کام کرتی رہتی ہے اور مدہم سے مدہم آواز کو بھی بخوبی سن کر اس کا جواب خاص اشاروں کے ذریعہ دیتی ہے۔

ایک کمرے میں اگر یہ مشین لگی ہو تو اگر آپ چاہیں کہ اس کمرے میں جو گانا ہو رہا ہے۔ اس سے لطف اندوز ہوں تو ٹیلی ووکس کو سلسلہ قائم کرنے کا حکم دیجئے۔ سلسلہ قائم ہو جائیگا اور آپ گانا بخوبی سن سکیں گے۔ نہایت ہلکی آوازیں بھی اور باہر کی سرگوشیاں آسانی سے کان میں پہنچ سکیں گی۔ اس مشین کے علاوہ کیمبرج یونیورسٹی کے میڈیکل کے پروفیسر ونیوارٹس نے بھی ایک مشین ایجاد کی ہے۔ جو اس سے بھی حیرت ناک کام کر سکتی ہے۔ یہ مشین حساب کے ضرب اوسط اور تناسب کے سوالات کو بہت جلدی حل کر دیتی ہے۔ دریا کے بہاؤ کی تبدیلیاں۔ عمارتوں کی بلندیاں پل کی لمبائی اور اوسط کے سوالات جو لائق سے لائق انجنیر کو ہفتوں بلکہ مہینوں پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اور جو حساب کے قاعدوں کے مطابق درست نہیں بیٹھتے۔ یہ مشین نہایت آسانی سے ان کا جواب دے دیتی ہے۔

یہ مشین بجلی کے میٹر سے کچھ ہی بڑی ہوتی ہے۔ اور انسانی دماغ سے کئی گناہ زیادہ کام بہت جلد کر دیتی ہے۔ سوال کرنے کے درمیان میں اس کے پرزے نہایت تیز رفتار سے کام کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ جواب لکھا جاتا ہے۔

حساب دان زیادہ سے زیادہ مشکل سوالوں کی شکلیں ایک کاغذ پر بنا کر مشین کے اندر رکھ دیتے ہیں اور مشین کے پرزے کاغذ داخل ہوتے ہی جواب تحریر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ مشین دستخطوں کی نقل بھی بڑی آسانی سے اتار سکتی ہے۔ ایک تختہ پر کچھ لکھ کر مشین کے سامنے رکھ دیجئے پر مشین کا ہاتھ ایک کاغذ پر پنسل سے اس کی ہو بہو نقل اتار دیگی۔ جس میں رتی بھر فرق نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی مشکل سوال لکھا گیا تو اس کا جواب بھی ساتھ ہی ساتھ تحریر ہو جائے گا۔

ابھی تک اس مشین میں بعض خامیاں ہیں۔ لیکن امید کیجاتی ہے کہ رفتہ رفتہ سب دور ہو جائیں گی۔ اس مشین کے عام ہو جانے پر ٹیلیفون کی طرح مزید سہولت کی بچت ہو جائیگی ٹیلیفون اور اس قسم کے دوسرے آلوں سے زیادہ یہ مشین مفید و کار آمد ہوگی کیوں کہ اس میں ہر بات کا راز محفوظ رہ سکیگا۔ (نجات)

بقیہ شذرات

یہ بھول گئی ہے کہ اگر حکومت برطانیہ مصر کی حفاظت چھوڑ دے تو کوئی اور یورپی ملک اس حفاظت کا دعوی کریگا ممکن ہے ایطالیہ اس کے لئے ہاتھ بڑھائے یا یونان؟ دیکھئے کیا معقول بات ہے ایران میں بھی روسیوں اور برطانیہ کا یہی دعوی تھا گو یا جب روسی شہنشاہیت تباہ ہو گئی ہے ایرانی سلطنت بھی معدوم ہو گئی یا اس پر بھی کسی یورپی قوت کا قبضہ ہو گیا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ "خود برطانیہ کا غیر ملکیوں کی حفاظت کرنا گو یا خود مصر کی حفاظت کرنا ہے"! آپ سے کوئی پوچھے کہ آپ کو نسیان کا عارضہ کب سے لاحق ہوا ہے یا کیا یورپ میں ابلہ فریبی کا کوئی نیا اسکول جاری ہوا ہے کیوں جناب آپ کو تو تمام دنیا کے سیاسی حالات سے آگاہی ہے مگر آپ ترکی کو اتنی جلد کیسے بھول گئے کہ غیر ملکیوں کے مراعات کے عہد نامے کے پرزے اڑا ڈالنے کے بعد ترکی میں غیر ملکیوں کی کیا حالت ہے۔؟ کیا وہ سب قتل کر دیئے گئے؟ یا انہیں زندہ جلا دیا گیا؟ یا کسی دوسری یورپی حکومت نے حفاظت کی خاطر ترکی میں اپنا ڈیرہ جمایا؟ آخر آپ کی اس ابلہ فریبی سے کیا مطلب ہے۔ مصری آپکی آواز کو نہیں سنیں گے اور ہم ہندوستانیوں کو یہ سنانا بیکار ہے کیونکہ ابھی ہم میں ایسے لوگ کم نہیں ہیں جو سائمن کمیشن سے اتحاد کرنے

خطبات شاد

"ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر صدر اعظم باب حکومت نے نانڈیڑ، ہنگولی، نظام آباد وغیرہ میں مختلف سپاسناموں کے جو جواب دئیے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں"۔

نظام گزٹ

جواب اڈریس مالکان کارخانجات

دوستو! میں ممنون ہوں کہ آپ نے مجھکو اپنی محبت سے بہت اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ اگر میری خدمات آپ کے خیال سے اہل ملک کے کسی طرح کام آتے ہوں تو میرے لئے باعث سعادت ہے ورنہ میں اپنی دانست میں یہ باور کرتا ہوں کہ ملک کی خدمت گزاری کا حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا غرض آپ کے توقعات اور اچھے جذبات میری کوششوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہیں گے۔

نانڈیڑ ایک بڑا تجارتی مرکز اس لئے بن گیا ہے کہ یہاں قدرتی اسباب تجارت کی تائید میں وافر ہیں حتیٰ کہ سرفضل بھائی کریم بھائی جیسے معاملہ شناس ہستی نے بھی نانڈیڑ ہی میں سب سے پہلے کاروبار کی کامیاب ابتدا کی۔ سڑکوں سے متعلق آپ کی ضرورتوں پر میں پوری توجہ کرونگا اور حتی الامکان ضروری سڑکوں کی تعمیر کا انتظام بھی کرادونگا سرکاری احکام کے تحت روئی کے میل کی نسبت آپ کی شکایتوں کے متعلق سررشتہ متعلقہ سے طلبی رائے و کیفیت ماہران فن سے مشورت کرونگا اور جو تدبیر آپ کی جائز ضرورتوں اور آئندہ منفعتوں کے مفید ہو روبکار لائی جائیگی مجھکو یقین ہے کہ جنس پنبہ کی ترقی کے لئے گورنمنٹ کی بہترین توجہات مبذول ہیں اور آپ سب کو ان پر بھروسہ اور نتیجہ کا انتظار کرنا چاہئے۔

آبنوشی کے انتظام سے متعلق جو معلومات مجھ کو بہم پہونچے ہیں ان کی آپ کے بیان سے تائید ہوتی ہے جب تک کہ صاف اور جراثیم سے پاک پانی حفظان صحت کے تدابیر کے تحت باغراض آبنوشی نہ بہم پہونچے موجودہ انتظام کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ پس اس خصوص میں یوں بھی میری توجہ حاصل تھی ضروری اصلاح کا انتظام کردونگا۔

جن آبادیوں میں کارخانجات کی زیادتی ہو وہاں مزدوروں کی خراب رہائش اور فلاکت میسوں جسمانی اور اخلاقی خرابیوں کو پیدا کر دیتی ہے جس کی احتیاط اور حکمنہ تدابیر السداد کی ذمہ داری جیسا کہ مہذب ممالک کا دستور ہے۔ مالکان کارخانجات سرمایہ داروں کی اخلاقی فرائض میں داخل سمجھا گیا ہے۔ پس میری یہ توقع آپ سے بیجا نہ ہوگی کہ مزدوروں کی معاشی سنبھال آپ سب کی ہمدردانہ نظر مبذول رہے گی اور کبھی سرمایہ داری اور مزدوری کے مشکلات آپ کے راستہ میں پیدا نہ ہونگی۔ میں آپ سب کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جواب اڈریس جو منجانب پبلک ہنگولی پیش ہوا

آپ کی محبت کا دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے میرے خیر مقدم میں بڑے خلوص اور گرم جوشی سے حصہ لیا۔ میری جن خدمات کا آپ نے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے وہ میرے فرائض میں بحیثیت سرکاری بلکہ بحیثیت ایک آپ کے ساتھی فرزند وطن ہونے کے داخل ہیں۔ جن پر مجھکو بجا فخر ہے۔ فی الحقیقت جیسا کہ آپ نے توقع ظاہر کی ہے میرے دورہ کا یہی مقصد ہے کہ میں اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر ذاتی واقفیت آپکی ضرورتوں سے متعلق حاصل کروں اور ان کی تکمیل میں شاہ رعایا پرور کی سرپرستی میں سعی کروں عام اس سے کہ آپ اپنی کسی ضرورت کو پیش کریں یا نہ کریں۔ اڈریسوں کی تقدیم ایک رسم ہے جس کی آپ نے بڑے اہتمام کے ساتھ تکمیل کی ہے اور میں نے بھی بڑی خوشی سے شرکت کی ہے مگر آپ کو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس ریاست ابد پائیدار کی روایتی پالیسی یہ رہی ہے کہ طلب سے پہلے مناصب عطا کرے اور اس عمل سرکاری پر آپ کامل بھروسہ کرتے ہیں۔ ہنگولی ایک مرکز تجارت بنگیا ہے اور اُس کے ماحول میں مزید وسعتوں کی کافی گنجائش اور صلاحیت موجود ہے اس کو ترقی دینا سرکار خود پسند کرتی ہے۔

انتظام آبنوشی۔ اندرون شہر سڑک کی وسعت رقبہ گذرگاہ میں اضافہ نہایت ضروری اور ہمدردی کی مستحق خواہشیں ہیں جن کی نسبت صیغہ جات متعلقہ سے انتظامات مناسب کرادئے جائینگے۔

آپ کی پیش کردہ خواہشوں کے ماسوا اور بھی ایسی ضرورتیں ہیں کہ جن پر گورنمنٹ نے اپنی توجہات کو مبذول کیا ہے مثلاً ہنگولی نے بہ حالت موجودہ جہاں تک ریلوے ٹرمنس کی شکل مدت سے اختیار کر لی ہے جس میں تبدیلی بہ اغراض تجارت لازمی ہے۔ اس تجویز اور دیگر تجاویز پر جن کے روبکار لانے میں سرکار عالی کی عزیز رعایا کی سود و بہبود مضمر ہے۔ فی الواقعی توجہ کی جا رہی ہے اور کی جائیگی۔

آخر میں یہ ظاہر کرنا میرے لئے باعث مسرت اطمینان ہے کہ ہنگولی میں عام افسر اور رعایا میں اتحاد و اتفاق کامل کے ہونے کی مجھ کو اطلاع ملی ہے جس کی ملک کی بہتری کے لئے شدید ضرورت ہے یوں تو اتفاق و اتحاد ہر صاحب ثروت و قوت کے لئے بھی باعث استحکام و برکت ہے چہ جائیکہ کم استطاعتوں اور بے بسوں کے لئے کہ جن کی زندگی کا دار مدار محنت و مزدوری کے شریف مگر سخت کشمکش پر ہے۔

میں مکرر آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ سب کی اخلاقی و سماجی ترقی کی دعا کرتا ہوں اور رئیس و ریاست کی درگاہ سلامتی میں آپ کی دعاؤں میں ہمنوا ہوتا ہوں۔

اہلیان سررشتہ تعلیمات ضلع نظام آباد کے سپاسنامہ کا جواب

آپ صاحبوں نے اس فقیر کے خدمات سابقہ کے متعلق جس محبت سے اپنا خیال ظاہر کیا میرے لئے باعث اطمینان و مسرت ہی نہیں بلکہ حال کے لئے بھی ایک خاصہ محرک اور رہنما ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مجھے علم کے ساتھ محبت ہے اور اپنے مشاغل روزمرہ میں اس شغل کو جس سے میری علمی معلومات میں اضافہ ہو زیادہ پسند کرتا ہوں مگر افسوس ہے کہ میں نے بجز اس کے کہ مختلف علوم اور فنون میں کسی قدر واقفیت حاصل کی ہے جیسا کہ چاہئے کمال کو نہیں پہونچا سکا۔

بہر حال میں ملک کے جہاں اور خدمات بجا لا رہا ہوں علمی خدمات کے ادا کرنے کے لئے کبھی تساہل نہ کرونگا جب کبھی میں علمی شعبے میں اپنے ابنائے وطن کو ترقی کے زینے پر دیکھتا ہوں تو مجھے بیحد مسرت حاصل ہوتی ہے یہ سب کچھ دور عثمانی کے برکات کا باعث ہے۔

جو کچھ میرے امکان میں ہوگا میں اس کی تکمیل کے لئے

کوشش کروں گا اور جو میرے اختیار سے خارج ہے۔ اس کو پیشگاہ حضرت اقدس و اعلیٰ میں پیش کرکے سفارش کرنے کی عزت حاصل کرونگا۔ خدا سے دعا ہے کہ ہمارے ملک میں علم کی ترقی ایسے معراج پر ہوگی کہ جن کی نظیر دوسرے ممالک میں رشک کی نظر سے دیکھی جائے۔ طالب علموں کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں کہ ہونہار پودے بالیدہ ہوکر پھلیں پھولیں اور سرسبز و شاداب رہیں۔ آمین۔

آپ صاحبوں کی خدمت گذاری اور دلچسپی قابل قدر اور اظہار تشکر کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ صاحبوں کی دلچسپی اس میں روز افزوں ہوتے رہے گی۔

جواب اڈریس جاگیرداران وزمینداران ناندیڑ

ضلع ناندیڑ میں جاگیرداروں اور زمینداروں کے طبقوں کا ممتاز وجود اس امر کی دلیل ہے کہ زمانہ سلف میں اس نواح کے باشندے حکومت کے ساتھ ہمیشہ سے عقیدتمند رہے ہیں اور حکمرانوں کی قدردانیوں اور پرورشوں نے اپنی فیاضی اور رعایا کی عقیدتمندی کا روایتی ثبوت آپ میں چھوڑا ہے۔ پس آپ کا طبقہ دیگر افراد ملک کے لئے ایک اچھی مثال ہے جس کی روشنی ہدایت میں دوسرے ابنائے وطن راہ عقیدتمندی و وفا شعاری کو کبھی کم نہ کر دیں۔

بہ لحاظ جان نثاریوں اور خدمات ملک کے جاگیرداروں کا طبقہ ہمیشہ سے ممتاز رہا ہے اور اب تک بھی باوصف اس طبقہ کے اکثر افراد کے ضروریات زمانہ کے لحاظ سے روشن خیال اور تعلیم یافتہ نہ ہونے کے اب دھبکی کمائی ہوئی عزت کے سہارے ایک وقار قائم ہے جس کی سنبھال آپ کے اور آپ کی اولاد کے ذمہ ہے۔ آج سے بیس برس قبل جب میں ناندیڑ آیا تھا آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا اور اس وقت آپ کے اولاد کی تعلیم کے متعلق میں نے چند خیر اندیشانہ مشورے بھی دئے تھے منجملہ ان مشوروں کے ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ جاگیرداروں کی اولاد کے تعلیم و تربیت کے لئے خاص درسگاہ اور اقامت گاہ تعلیمی بھی بنائے جائیں۔ یہ تحریک اگر ناندیڑ میں بار آور نہ ہوئی مگر رئیس کے نوجوان [illegible] سے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حیدرآباد میں ایک اعلیٰ درسگاہ اور اقامت گاہ قائم ہو چکا ہے اور اپنی ذاتی خیر طلبی اور خیرسگالی کے لحاظ سے مجھ کو اندیشہ ہے کہ جاگیرداروں کا طبقہ ایک بڑے خطرہ میں ہے جاگیرات کے اصلاح حال کی طرف عدم توجہی اور کارپردازوں پر انحصار [illegible] رعایا سے اجنبیت اور محض حصول مالگذاری کی دوستی کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ لائے گی۔ اور اب بھی کچھ ایسے نتائج کم رونما نہیں ہیں کہ جن کا جاگیرداروں کو رعایا سے سامنا کرنا پڑتا ہے جن جاگیرداروں نے انتظام جاگیرات پر ذاتی دلچسپی اور ہمدردی سے کام کیا ہے اور ان کو جو اطمینان حاصل ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے طبقہ جاگیرداران و زمینداران کی فرزندان کے مد نظر میں نے جاگیرداروں کے لئے قیام امداد باہمی بنک کی رائے دی ہے اور مجلس جاگیرداران حیدرآباد اور سررشتہ جات متعلقہ اس پر غور بھی کر رہے ہیں امید ہے کہ مجلس جاگیرداران کی کوشش اور محنت سے کام بن جائے اور موقع ہے سرکاری سرپرستی اور امداد بھی اس مجوزہ بنک کو حاصل ہو۔

مجلس جاگیرداران جو مجلس وضع قوانین سرکار عالی میں نیابت رکھتی ہے آپ سب کے پاس آپ کی معاش اور معاشرتی اصلاحات و ضروریات کے تکمیل کی ذمہ دار ہے اور آپ سب اس مجلس کو کامیاب بنانے کے بجائے خود ذمہ دار ہیں۔

جواب اڈریس بیوپاریان

دوستو! جس خلوص و محبت سے آپ نے یہاں میرا خیرمقدم کیا ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ زراعت و تجارت کے قریبی تعلق سے ناندیڑ ایک ممتاز حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ موجودہ اور آئندہ ضرورتوں کے لحاظ سے وسیع ترقیوں کا ہونا بھی یقینی ہے۔ آپ کی خواہشات کا اکثر حصہ مالکان کارخانہ جات کے اڈریس میں آگیا ہے جسکا جواب بھی میں ادا کر چکا ہوں۔

تجارت کے فروغ کے لئے خصوصاً اس ملک کی زمین کے لحاظ سے اچھی سڑکوں کی تعمیر لازمی ہے۔ مجھکو اسکا احساس ہے کہ ایسے زرخیز ضلع میں اندرونی سڑکوں کی کمی ایک ایسی بدنمائی ہے جس کو سررشتہ متعلقہ علیحدہ رفع کرنے کی طرف یقین ہے کہ متوجہ ہو جائے گا۔ تاکہ تین ہزار سات سو مربع میل کے رقبہ اور چھ لاکھ سے زیادہ آبادی کی تجارتی ضرورتیں بوجہ احسن پوری ہو سکیں۔

کامیاب بیوپاریوں کے لئے معاملہ کی صداقت اور نقصان کے برداشت میں ہمت ضروری اوصاف ہیں جو آپ صاحبوں میں یقیناً موجود ہیں اس کے ساتھ ساتھ رفاہ عام کی خدمات میں جی کھول کر حصہ لینا بھی آپ کا وتیرہ رہا ہے اسی مناسبت سے بیت المعذورین یتیم خانے وغیرہ جیسے انسٹی ٹیوشنوں کی جانب تجار تکمیل آپ کی برکتوں میں اضافہ کریگی۔ میں یہ بار بار سن کر بہت خوش ہوا کہ آپ سب منظر نیک بیادری کی عزت کرتے ہیں اور ان کی خدمات کے معترف ہیں۔ اول تعلقدار کی ذمہ داریوں کے منجملہ ایک بڑی ذمہ داری سرکار عالی کی عزیز رعایا کے ساتھ برادرانہ سلوک اور ہمدردانہ برتاؤ ہے جو تعلقدار اس فریضہ کو متانت اور خودداری کیساتھ انجام دیتے ہوئے رعایا کے قلوب کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ لائق قدر و مبارکباد ہیں۔ منشاء حکومت حقیقی معنوں میں خدمت گذاری ہے نہ کہ رعونت و خودپسندی

آخر میں آپ کی تجارتی ترقی کی خواہش اور امن و عافیت کی دعا پر اپنا جواب ختم کرتا ہوں۔

جواب اڈریس معزز وکلا صاحبان

معزز وکلاء صاحبان طبقہ وکلاء کی جانب سے اڈریس بہ لحاظ اس کے کہ آپ کا طبقہ پبلک کے خیالات کی صحیح ترجمانی اور حقوق عام کی حفاظت کا بہ لحاظ پیشہ کی معبودہ ذمہ داریوں کے جو آپ کے فرائض میں داخل ہے ذمہ دار ہے۔ میری خاص توجہ کا محتاج ہے۔

آپ کے محبت آمیز خیالات کی میں دل سے قدر کرتا ہوں شکر ہے خدا نے مجھکو اس قابل پیدا کیا کہ اپنے عزیز ابنائے وطن کی سچی اور مخلصانہ محبت کا اہل قرار پایا۔ معزز طبقہ وکلاء سے متعلق جو مجھکو توقعات ہیں ان کو میں نے قبل ازیں بھی کئی مواقع پر بہ تفصیل بیان کیا ہے جس کے اعادہ کی اب ضرورت نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ملک کی آئینی ترقی میں جو حق و حصہ آپ کو سوسائٹی اور اسٹیٹ میں حاصل ہے اس کے اخلاص عمل کے ساتھ ریاست کی غیر متزلزل وفاداری اور رعیت کی کمال ہمدردی کے پہلو بہ پہلو تکمیل ملک کے لئے مفید اور اطمینان بخش نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

سب سے زیادہ اگر میں ضرورت سمجھتا ہوں تو مثل ایک طبیب کے ایک وکیل بھی مذہبی تفریقات سے ایک سچے فرزند وطن کی طرح بالاتر ہے۔ ہر بے بس کی حمایت میں آپکی کوششیں آپ کی ہمت اور خلوص سے یقیناً مشکور ہونگی۔ جن ضروریات ناندیڑ کا آپ نے اپنے اڈریس میں ذکر کیا ہے انمیں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن پر میں خود ایک عرصہ سے غور کر رہا ہوں میرے نزدیک میونسپالٹیوں کا قیام اور مجالس لوکلفنڈ میں بہتر نیابت اور لائق لحاظ مطالبات پر عمل اس لئے کہ ان کو مطالبات کہا جائے یہ امور خود گورنمنٹ کے طے کردہ ہیں اور قریب میں پورے ہو رہیں گے۔ میری دلی خواہش ہے کہ دیہات میں پنچایت قصبات میں میونسپالٹیاں اور مجالس لوکلفنڈ کی بہتر تشکیل ہو اور یہ اپنے وقت پر قریب ہو رہیں گی ریلو کے انتظام اور تعلیمی نصاب اور کارخانہ جات سے متعلق جن امور پر آپ نے توجہ دلائی ہے ان پر گورنمنٹ ہمدردی کے ساتھ غور کریگی البتہ مطالع سے متعلق کن سہولتوں کی ضرورت ہے انکو واضح کرکے بعد میں میرے پاس پیش کیا جائے تو میں اس پر بھی ہمدردی کے ساتھ غور کرکے تصفیہ مناسب کی کوشش کرونگا۔

میں آپ کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کی کوشش ملک میں حقیقی اتحاد کی فضا قائم کرنے میں کامیاب ہوں اور آپ سب اس ریاست اور اہل ملک کے حقیقی خدمت گزار ثابت ہوں۔

جواب اڈریس بیوپاریان ناندیڑ

آپ سب کی خواہش پر پبلک تقاریب میں اس دہرم شالہ کا افتتاح میرا یہاں ناندیڑ میں پہلا خوشگوار فریضہ ہے۔ ضروریات شہری کے پورا کرنے میں جو رفاہ عام کے خدمات پبلک کی حوصلہ مند اور عالی ہمت افراد خود باہمی مدد سے انجام دے سکتے ہیں ان کی برابری کوئی اور انتظامی قوت نہیں کر سکتی۔ ایسی جدوجہد کی موجودگی مقامی انتظامی ذمہ داریوں کے احساس کے پیدا ہونے کی دلیل ہے جس احساس کی ترقی پر اعلیٰ تر خدمات ملک کی انجام دہی منحصر ہے۔

دہرم شالہ اپنے زبان حال سے ایک اخلاقی اور سماجی درس اور اہل دنیا کے لئے پیش کرتا ہے کہ دنیائے فانی کی مسافرت میں انسان ایسی ہی با اخلاق اور رواداری کی

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۱۱) کالم (۲)

مکالمات فلاسفہ

ماخوذ از اخلاق النسانیہ ترجمہ رسالہ الکلم الروحانیہ

مرسلہ

محمد عزیز الرحمن صاحب

(۱) ارسیجانس و سقراط کی گفتگو

ایک دن ارسیجانس نے سقراط سے کہا کہ میری اور تمہاری طبیعتیں ملتی جلتی ہوئی ہیں اس لئے مجھے مختصر سا ایسا دستور العمل بتا دو کہ زیادہ کی ضرورت نہ رہے اس پر سقراط نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اختصار پر تم بس کرو گے تو جو باتیں تمہارے لئے مفید ہیں اُن میں سے کچھ بھی میں نہ چھوڑتا

ارسیجانس سوال کر کے آزمائش کر لو۔

سقراط۔ راتوں کو ایسی جگہ باتیں کیا کرو جہاں چمگادڑوں کے گھونسلے نہ ہوں۔

ارسیجانس۔ اے حکیم تیری مراد یہ ہے کہ میں تنہائی میں بیٹھکر غور و فکر کیا کروں۔ اور حق کی طلب کے وقت محسوسات کے ملاحظہ سے اپنے نفس کو روکوں۔

سقراط۔ ظرف میں خوشبو بھرو

ارسیجانس۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ اپنی عقل کو علم و فہم سے معمور کروں۔

سقراط۔ ترازو سے باہر نہ جاؤ۔

ارسیجانس۔ تمہاری مراد یہ ہے کہ حق سے تجاوز نہ کروں۔

سقراط۔ چھری کی آنچ کو تیز نہ کرو۔

ارسیجانس۔ تمہارا مقصود یہ ہے کہ جو غصے میں ہو اس کو اور غصہ نہ دلاؤں۔

سقراط۔ اس شیر سے بچو جو چوپایہ نہیں ہے۔

ارسیجانس۔ مطلب یہ ہے کہ بادشاہ سے بچے رہو

سقراط۔ جب مرو تو جیو نٹی نہ ہو!

ارسیجانس۔ مدعا یہ ہے کہ تمہارا نفس خواہشوں کے مار دینے پر راضی ہو جائے تو فنا ہونیوالی چیزیں جو محسوس ہوتی ہیں جمع کر کے رکھوں۔

سقراط۔ اپنے دوستوں کے ساتھ گھوڑے نہ ہو اور اپنے دشمنوں کے دروازے پر نہ سو جاؤ۔

ارسیجانس۔ مقصود یہ ہے کہ اپنے بھائیوں سے گردن کشی نہ کروں اور جب تک اس فانی زندگی میں رہوں مطمئن بیوقوف۔ احمق۔ نہ بن جاؤں۔

سقراط۔ کسی زمانہ میں بہار کا موسم دور نہیں رہتا۔

ارسیجانس۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ کسی زمانہ میں فضائل حاصل کرنے کی کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

سقراط۔ ترنج کو انار سے ڈھانکو

ارسیجانس۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی باطنی تدبیر کو ظاہری تدبیر سے چھپاؤں۔ جیسا کہ قیمتی جواہرات کو چوری کے ڈر سے خاک میں دبا دیتے ہیں۔

سقراط جس نے سیاہ سے کھیتی کی اس نے سفید سے کاٹی۔

ارسیجانس۔ تمہارا مقصود یہ ہے کہ جس نے اس تاریک عالم میں اچھے کام کئے اس کو اللہ تعالیٰ عالم نور میں انکی جزا دیگا۔ فقط

(۲) سیافیدس سکیت (خاموش) کے کلام

یہ فلاسفر تھا۔ اور اس نے بولنا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ انتہا یہ کہ بعض بادشاہوں نے اسے تلوار کی آنچ دکھائی کہ بولے مگر اسکی مہر سکوت نہ ٹوٹی پر نہ ٹوٹی۔ اور جب بادشاہ کو اس کے بولنے سے مایوسی ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ کچھ مسائل لکھکر اس کو دیئے جائیں کہ اُن کے نیچے جواب لکھ دے ان جوابات میں سے نادر یہ ہیں جو درج کئے جاتے ہیں

سوال۔ عالم کیا ہے۔

جواب۔ سرمدی پردہ۔ موجودات کا جامع۔

س۔ اللہ کیا ہے۔

ج۔ عقل سے معلوم نامعلوم اس کا کوئی مثل نہیں مطلوب نایافتہ

س۔ آفتاب کیا ہے؟

ج۔ چراغ جو اکسایا نہ جائے۔ دن کے آسمان کی آنکھ نباتات کی علت۔ پھلوں کا سبب۔

س۔ ماہتاب کیا ہے۔

ج: آفتاب کا ہم آہنگ۔ رات کا چراغ آسمان کا فرفیر۔ فرفیر رومی زبان میں اس رنگ کو کہتے ہیں کہ جو سرخی کے قریب مگر اس سے زیادہ گہرا ہوتا ہے اسی لئے اس حکیم نے ماہتاب کو آسمان کا فرفیر کہا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک ستاروں میں سے ماہتاب ناقص النور ہے۔

س۔ انسان کیا ہے؟

ج۔ عالم کی ٹوہ میں رہنے والا۔ بخت و اتفاق کا کھلونا۔ زمین کا مطلوب۔ مٹی۔

س۔ زمین کیا ہے۔

ج۔ آسمان کی بیٹھک۔ عالم کا بیچوں بیچ۔ ہوا میں گڑی ہوئی جڑ۔ پھلوں کی ماں۔

س۔ عورت کیا ہے؟

ج۔ مرد کی فکر۔ بیان سے باہر بلا۔ ہم نوالہ و ہم پیالہ درندہ۔ تمہاری ہی چادر میں شیرنی کپڑوں میں چھپا ہوا کالا۔ جنگ بے صلح سونے والی تم کو بیدار رکھنے والی۔ دائمی رنج و مصیبت کم عقل کی ملاکت۔ فواحش کا آلہ۔ انسانی جھلاوا۔ بقا دھوکہ کی

س۔ کشتی کیا ہے؟

ج۔ بے بنیاد مکان۔ مانوس گورستان۔

س۔ ملاح کیا ہے؟

ج۔ ہوا کا باز بچہ۔ دنیا سے قریب۔ زمین سے دور۔ اٹکل پر لڑنیوالا۔ بلا اختیار مرنے والا۔

س۔ جنگ کیا ہے؟

ج۔ کمینہ فن

س۔ کاشتکار۔

ج۔ غذا کا خادم۔ جان کو اتفاق پر چھوڑ دینے والا

س۔ دوست کسکو کہتے ہیں

ج۔ اسم بے مسمیٰ۔ نہ ظاہر ہونے والا انسان خود تم ہو کوئی اور

س۔ حسن کیا چیز ہے۔

ج۔ عارضی تصویر۔ مرجھانیوالا پھول۔

س ۔ تونگری کیا چیز ہے؟
ج ۔ شہوات کی پیشیں خدمت۔ ہر دوزخ کی فکر و غم ولپسند برائی۔
س ۔ بینوائی کیا ہے؟
ج ۔ ناپسند بھلائی ۔ دولتمندی جس میں ہماہمی نہیں مشکل سے جدا ہونے والا فتنہ ۔ فکر و غم کا پہاڑ ۔ مال جس میں محاسبہ نہیں ۔ تجارت جس میں گھاٹا نہیں
س ۔ بوڑھاپا کیا ہے؟
ج ۔ برائی جس کی آرزو کی جاتی ہے ۔ حالت صحت کی بیماری ۔ جیتے جی کی موت ۔ حرکت کرنے والا مردہ سٹھیائی ہوئی عقل ۔ جان رکھتا ہوا مردہ ۔
س ۔ موت کیا ہے ۔
ج ۔ بغیر بیداری کے نیند ۔ بیماروں کا آرام ۔ پیوند کی جدائی ۔ عمارت کی ویرانی ۔ عنصر کی طرف لوٹنا ۔ تونگروں کی ہیبت ۔ بینواؤں کی آرزو ۔ جان کا سفر ۔ پائی ہوی چیز کا کھونا ۔

بارش کے اسباب

(از محمد عطاء الرحمن خان صاحب)

یہ بات یقیناً قابل تعجب ہے کہ پانی کے وہ چھوٹے چھوٹے قطرے جس سے بادل تیار ہوتے ہیں یک آن واحد میں زمین پر نہیں برستے، ہوا میں ان کے لئے اسقدر روک تھام کیسے ممکن ہے اور آخر کار وہ گرتے کیوں ہیں کیا چیز ہے جو اتنے عرصہ تک ان کو ہوا میں معلق رکھتی ہے یہ تمام نہایت دلچسپ سوالات ہیں جن کو واضح طور پر سمجھنے کے بعد بعض نمونوں کے سمجھنے میں سہولت ہو جاتی ہے

ایک بادل جب وہ پہلی مرتبہ بنتا ہے تو اسمیں پانی کے قطرے بہت چھوٹے ہوتے ہیں تا آنکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بادل پانی کا غبار سا رکھتا ہے ۔

ہمارے روزمرہ کے مشاہدات میں سے یہ مشاہدہ پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ گرد و غبار کے باریک باریک ذرات ساکن ہوا میں سے نہایت آہستگی سے نیچے کی طرف آتے ہیں بہ نسبت اسی مادے کی ۔۔۔ زمین تک پہونچ جائیگا ۔ خلاف اس کے اسی نوعیت اور ۔۔ ہی وزن کے پتھر یوڈر کو جو اسی ہوائی جہاز سے ایک ساتھ گرایا گیا تھا زمین تک کی مسافت طے کرنے میں بہت زیادہ وقت صرف کرنا پڑا ۔ ہوا کی مزاحمت ۔

مزاحمت کا مفہوم ۔ سمجھنے سے قبل یہ یاد رکھیں کہ جب کوئی شئے ہوا میں سے ہوتی ہوئی نیچے گرتی ہے تو وہ آزادانہ طور پر نہیں گرتی بلکہ اس کو ہوا کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنا راستہ نکالنا پڑتا ہے اس چیز کا وزن اس کو زمین کی طرف مائل کرتا ہے لیکن ہوا اسکی مزاحمت کرتی ہے اس چیز کی سطح جتنی بڑی ہوگی اتنے ہی ہوا کی مزاحمت بھی زیادہ ہوگی ۔ مثلاً کاغذ کے دو تاؤ اسی سائنز کے اور اسی وزن کے لو ، ان میں سے ایک کو اس طرح موڑو کہ گولائی اختیار کرے پھر ان دونوں کاغذوں کو ایک ہی بلندی سے گراؤ ۔ دیکھو کہ کھلا ہوا چوڑا کاغذ کا تاؤ بہت آہستگی سے نیچے کی طرف آ رہا ہے کیوں کہ اسکی سطح کے تمام حصہ پر ہوا اچھی خاصی مزاحمت کر رہی ہے دوسرا کاغذ جو باعتبار وزن اور نوعیت یکساں ہے لیکن سطح چونکہ چھوٹی کیگئی ہے بعجلت ممکنہ نیچے آ رہا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ گرنے میں اس کو کم ہوا سے مس کرنا پڑا ہے اور اسپر ہوا کی مزاحمت کم واقع ہوی ہے ۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی نوعیت اور ایک ہی مقدار کی کسی شئے کی سطح چھوٹی بھی ہو سکتی ہے اور بڑی بھی ۔ بالفاظ دیگر ہم اسکی سطح کو چھوٹی یا بڑی کر سکتے ہیں ۔ جس چیز کی سطح بڑی ہوگی اسپر ہوا کی مزاحمت زیادہ عمل کرتی ہے اور جس شئے کی سطح چھوٹی ہوگی ہوا کی مزاحمت اسپر کم واقع ہو سکتی ہے ۔

برسات کے قطرے کس طرح پیدا ہوتے ہیں ( ) اور چند قطروں میں ہوا کی مزاحمت پر جو بحث کی گئی ہے اس سے مضمون زیر بحث کی ابتدا میں جو معاملات درج ہیں ان کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے پانی کے قطرے بوقت پیدائش بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں تاکہ وہ ساکن ہوا میں بھی آہستہ آہستہ گر سکیں ۔ (ہوا اگرچہ کہ پوری طور پر ساکن نہیں ہو سکتی)

بادل مرتب کرنے کے لئے بخارات آبی کا انجماد مرطوب ہوا کی پیدائش کا نتیجہ ہے جہاں وہ سرد ہو کر رقیق ہو جاتے ہیں ۔ ہوا کی اوپر وار رو اسقدر طاقتور ہوتی ہے کہ برسات کے ان چھوٹے قطروں کو گرنے سے بآسانی روک سکتی ہے اور نہ صرف وہ گرنے سے ہی روکتی ہے بلکہ کچھ عرصہ کیلئے اور بھی زیادہ بلندی پر ۔۔۔ مشاہدہ ہے کہ ہوا گرد و غبار کے ذرات کو کسقدر بلندی تک لیجاتی ہے ۔ جیسے ہی سیر شدہ ہوا اوپر کیجانب جاتی ہے وہ سرد ہو جاتی ہے حتی کہ اس کے بخارات منجمد ہو کر چھوٹے چھوٹے قطروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ پھر وہ بتدریج وہ ترقی کے زینہ تک پہونچتے ہیں ۔

برسات کے قطرے اسطرح گرنے کے کیا محرکات ہو سکتے ہیں ؟ ہمنے ابھی دیکھا ہے کہ قطرے رفتہ رفتہ جلد ہی اسقدر بڑے ہو جاتے ہیں کہ ہوا کا اوپر وار بہاؤ (رو) ان کے وزن کو کفایت کر سکتا ہے لیکن تھوڑی دیر تک ہی ۔ جب قطرے اور بڑے ہونے لگتے ہیں فوری گرنے شروع ہوتے ہیں ۔

مختلف سائنز کے قطروں کی تھام کیلئے ہوا کی رفتار اوپر کیطرف کیا ہونی چاہئے اسکے متعلق چند نہایت دلچسپ تجربے کئے گئے ہیں ۔ بارش کے قطرے عموماً ۱/۴ انچ سے زیادہ نہیں اور اس سائنز کے قطرے ہوا میں سے ہو کر نہیں گر سکتے جبکہ ہوا کی رو اوپر کیطرف ۱۹ ۱/۲ فٹ فی ثانیہ سے گذر رہی ہو ۔

بادلوں کا پھٹنا ۔ قطروں کا سائنز کسی بادل سے گرنے کیلئے ہوائی رفتار پر منحصر ہے جس حساب سے کہ ہوا اوپر کیطرف جا رہی ہے اگر ہوا کی رو اوپر کیجانب ہلکی سی ہے تو قطرے چھوٹے ہونیکی صورت میں بھی گر سکتے ہیں ۔ برخلاف اسکے اگر ہوائی رو زبردست ہو تو ۔۔۔ فوری یکلخت گرنے شروع ہو جاتے ہیں بعض اوقات قطروں کا اسطرح آن واحد میں گرنا اس کمال شدت سے ہوتا ہے کہ اس کے نہایت ہی مضر خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں اور اسی واقعہ کو انگریزی اصطلاح میں (Cloud Burst) کہا گیا ہے بمقام لنگن شائر ۲۹ مئی سنہ ۱۹۲۰ء میں اسی قسم کا ایک حادثہ پیش آیا تھا جس سے ایک مہلک اور خطرناک طغیانی برپا ہوی تھی اور جس کے باعث صدہا جانیں تلف ہوئیں ۔

ایک دوسرا اسی قسم کا حادثہ حال ہی کا شمالی کے کوہ آلپس کا ہے جو ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء میں واقع ہوا تھا اور جو دریائے پو (POC) کی طغیانی کا باعث ہوا ۔

آندھی اور طوفان ۔۔۔ اس کا باعث ہوا کی نہایت ہی زبردست اوپر وار رو ہے جس سے پانی کے قطروں کی ایک انوکھی اور عجیب سی شکل ہو جاتی ہے اسقدر زبردست ہوا کی اوپر وار رو کی صورت میں برسات کے قطروں کا سائنز موجودہ ترشح کے بڑے سے بڑے قطرے سے بھی دگنا ہونا چاہئے جس سے پھر ان آندھی خیز بادلوں کا باقاعدہ بادلوں میں تبدیل ہونے کا امکان ہے جنکو (cumulus clouds) کہتے ہیں ۔

یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ کوئی قطرہ برسات کا ۱/۴ ملی میٹر سے زیادہ کا تقریباً ۱/۴ کے قطر کا چپٹا ہوتا ہے جو ساکن ہوا میں سے گذرتے وقت پھر چھوٹے چھوٹے قطروں میں منقسم ہو جاتا ہے چنانچہ یہ اعظم ترین جو کبھی بارش کے دوران میں گر سکتا ہے اس اعظم ترین قطرے کو سہارے کیلئے ہوائی اوپر وار رو بحساب ۸ میٹر ۱/۲ فٹ فی ثانیہ کی رفتار سے گذری چاہئے (cumulus clouds) میں اس سے بھی زیادہ تیز ہوائی پیدا ہونی چاہئے جو ان قطروں کو فطرتاً چھوٹے چھوٹے قطروں میں منقسم کر کے اوپر کیطرف لیجاتی ہے یہانتک کہ وہ بوقت واپسی ممکنہ سائنز اختیار کر لیتے ہیں ۔

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ (۱۰) کالم (۳) ۔

مراسلات

اپیل

برادران ملت! ہم نے عرصہ دو سال سے کوہستانی ایرانی علاقہ پوگل۔ پرستان میں بغرض تحفظ محض اللہ کے توکل اور جناب کے بھروسہ پر دو مدارس اور ایک یتیم خانہ جاری کیا ہے اے اخوان ملت آپ کا فرض ہے کہ اسکی امداد و اعانت فرما کر ملا خطہ فرماویں اور اپنی خیرات و زکوۃ کا روپیہ اس کوہستانی علاقہ کے مسلمانوں کی اصلاح کیلئے مرحمت فرماویں۔

غلام رسول منیجر یتیم خانہ و مدارس۔ پرستانی
پوگل ۔۔۔ م بن۔ ڈاکخانہ ۔۔۔ سور ریاست جموں

کیفیت کارگزاری انجمن یمین الادب

بزمانہ طاعون

الحمد للہ! انجمن یمین الادب کے مساعی حسنہ تکمیل کو پہونچ ۔۔۔ مرض منحوس کاروان ساہواں سے دفع ہوگیا۔ پریشان اور آفت زدہ اپنے اپنے مکانوں میں فروکش ہونا شروع ہوگئے۔ محلہ کاروان ساہوان پر رونق اور رحمت نازل ہونے لگی۔ لیکن اس عالمگیر پریشانی کا زمانہ یاد آتا ہے تو دل قابو سے باہر ہوجاتا ہے کہ افسوس ہم نے بندگان خدا کی خاطر خواہ خدمت و تیمارداری نہیں کی سچ تو یہ ہے کہ بے مایہ انجمن کیا کر سکتی تھی تاہم بانی ہمت اور کارکنان انجمن کو خدا جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایسی ہوش ربا اور عالم آشوب پریشانی کے زمانہ میں کمر ہمت باندھ کر خلق اللہ کی خدمت گزاری کا بیڑا اٹھایا۔

سب سے پہلا کام جو کارکنان انجمن نے کیا وہ یہ تھا کہ اہالیان محلہ کو طاعونی ٹیکہ لگایا جائے تاکہ اس آفت سماوی سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ انجمن کی تحریک پر ہماری ہمدرد اور نیک نفس ڈاکٹر حسن بیگ صاحب مددگار معتمد افسر صفائی بلدہ تشریف لائے اور (۲۶۰) اشخاص کو ٹیکا لگایا گیا۔

جب طاعون شہر کے بڑے بڑے گنجان محلوں کو متاثر کرتا ہوا۔ امر اسفندار ۱۳۴۳ف کو کاروان ساہوا میں رونما ہوا تو کارکنان انجمن مثل انتظام انسداد طاعون ۱۳۴۳ف کے ممکنہ امداد کیلئے دربدر پھرتے رہے جناب پلیگ کمشنر صاحب نے مریضان طاعون کی خدمت میں سرگرم کار رہنے والے کارپردازان انجمن کیلئے چند عمدہ پیٹرول عنایت فرمایا۔ لیکن بوجوہات چند در چند ادویات وغیرہ کی سپلائی نہ فرمائی۔ بلکہ ایک بھلے آدمی کا پلیگ ڈپو بتلا دیا جس کے لئے ہم ممنون ہیں یہ سنکر ہم نے فوراً اپنے قدیم عنایت فرمائے۔ ہمدرد قوم محب وطن جناب وامن نایک صاحب جاگیردار کی خدمت میں پہونچے اور اول سے تمام حال کہہ سنایا۔ آپ نے بعجلت ممکنہ ہمارے مطالبات کو بدرجہ اتم پورا فرما دیا۔ ہم نے ادویات وغیرہ کا اہتمام ہوتے ہی انجمن یمین الادب کے مدرسہ شبینہ کو بند کر یا کتب خانہ اور دار الاخبار کو برخاست اور اسی جگہ پلیگ ڈپو قائم کر کے کارکنان انجمن محلہ کا دورہ کرنے اور بیمار کا پتہ چلانے لگے اطلاع ہونے پر ممکنہ امداد بہم پہونچاتے رہے اور ڈاکٹر کا عارضی انتظام منجانب سوشیل سروس لیگ کیا گیا۔ اور اکثر ہمارے مطالبہ پر مسٹر وامن نایک صاحب معتمد لیگ مذکور ایک ڈاکٹر کو لئے ہوئے تشریف لاتے رہے اور ہماری مستعدی اور جاں نفروشی کی تعریف کرنے لگے اور ایک ڈاکٹر مسٹر ڈگمبر سنگھ صاحب کو انجمن کے پلیگ ڈپو پر مقرر فرما دیا جنھوں نے ختم پلیگ تک مستعدی اور پابندی سے اپنا کام انجام دیا ہم صاحب موصوف کی عملی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہمارے دواخانہ میں محلہ جات مسعد پورہ سبزی منڈی، لنگر حوض، اور مضافات کے لوگ کثیر التعداد میں رجوع ہوئے چنانچہ من ابتدائے ۸ امر اسفندار ۱۳۴۴ف لغایۃ آخر فروردی (۶۵) مریضان طاعون زیر علاج رہے اور (۴۵) صحت یاب ہوئے اور (۲۰) راہی ملک بقا ہوئے ان میں اکثر وہ مریض شامل ہیں جو مبتلا ہونے کے دو چار روز بعد رجوع ہوئے یا ہمیں خفا رکھنے کے باوجود اطلاع ہوئی ہمارا تجربہ اور عینی مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے مریض کو فوراً دوا دینا چاہئے ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

اسی کشمکش حیات کے زمانہ میں ایک خوش اخلاق اور ہمدرد قوم ہستی سے ہمیں تعارف کی عزت حاصل ہوئی۔ جن کا نام نامی مولوی سید عبدالرزاق صاحب مالک دواخانہ "سید عبدالرزاق اینڈ کمپنی" ہے ہم نے ان کے ساتھ نادار مریضان طاعون کے مکان پر پہونچکر حسب حال پارچہ تقسیم کیا جس کو حاصل کر کے غریبوں نے خوب دعائیں دیں۔

انجمن نے بھی اپنے قلیل سرمایہ کا کثیر حصہ دودھ و ساگودانہ اور خریدی پارچہ جات میں صرف کر دیا جسکی تلافی امید ہے کہ ہمدرد اور مخیر ہستیوں کی توجہ سے بہت جلد ہو جائے گی۔

پلیگ کمشنر صاحب کی اطلاع پر ہم نے ہمدرد قوم جناب مولوی محمد عبدالوہاب صاحب عندلیب منتظم مساجد متعلقہ امور مذہبی سرکار عالی سے امداد طلب کی اور صاحب موصوف نے ازراہ مہربانی اپنے انجمن کے سرمایہ سے (للعہ) روپیہ سکہ مرحمت فرمائے تاکہ جڑاول خرید کر غریب و مفلس مریضان طاعون کی ستر پوشی کی جائے اسطرح ایک بڑی ضرورت پوری ہوئی چنانچہ انجمن نے بھی اپنے ہاں سے حسب مقدور مبلغ (عہ) روپیہ سکہ عثمانیہ شامل کر کے حسب فہرست منسلکہ ناداروں کو پارچہ تقسیم کیا اور بیچارے اونکو پہن کر اوڑھ کر موسم سرما کا آخری اور کٹھن حصہ گزار رہے ہیں

بملاحظہ رپورٹ ۱۳۴۳ف بہ رپورٹ ہذا النسبت انسداد طاعون دواخانہ عارضی انجمن یمین الادب یہ امر واقف کار اشخاص سے مخفی نہیں ہے کہ محلہ کاروان ساہواں میں کس درجہ ہاسپیل کی ضرورت ہے چنانچہ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھکر عہدہ داران طبابت نے ایک دواخانہ موسوم بہ دواخانہ کاروان ساہواں کی منظوری دی اور عرصہ دراز تک دواخانہ یہاں رہا مگر نہ معلوم کس ضرورت پر اسکو مقام مجوزہ سے ہٹا کر کے ایک بے موقع اور بے محل مقام پر رکھا گیا ہے اگر دواخانہ مذکور کو اپنے اصلی مقام پر بنظر ضرورت اور آبادی قائم کر دیا جائے تو ہم ممنون ہونگے۔

یہاں اس امر کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ انجمن ہذا مثل دیگر موقتی انجمنوں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے موقعہ کی تلاش میں نہیں رہا کرتی بلکہ ایک خاص تنظیم کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل میں ہر دم کوشاں رہتی ہے تشہیر تعلیم بذریعہ اخبار کتب اور مدرسہ شبینہ کے ہو رہی ہے مدرسہ مذکور میں صرف وہی کم سن بالغان تعلیم پاتے ہیں جو ملازم پیشہ ہیں یا اپنی گزر بسر کیلئے کوئی بیوپار یا صنعت و حرفت کا کام کرتے ہیں۔ اور جنکو اب تک کسی قسم کی تعلیم نہیں ہوئی ہے وہ اس مدرسہ میں اردو، مرہٹی، تلنگی اور حساب وغیرہ کی تعلیم شوق سے پا رہے ہیں۔ ہمیں عہدہ داران تعلیمات حضوصاً جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم اے معتمد تعلیم بلدہ و اطراف بلدہ ملک کے متمول اور تعلیم یافتہ سے امید ہے کہ انکی مالی اور علمی اعانت سے مدرسہ شبینہ دن دونی ترقی کرے گا۔

ہندو مسلم اتحاد اور جوش عمل کا ثبوت انجمن نے ایک سے زاید مرتبہ واقف کار پبلک کے روبرو پیش کر کے خراج تحسین حاصل کرلیا ہے مگر خونی دشمن نفیش و انتشار کے زمانہ میں ہندو مسلم کارپردازان انجمن نے جس یکجہتی سرفروشی فراغ حوصلگی سے انسداد کیا ہے اس کا حال کچھ تو ملک کے تجربہ کار لوگوں کو معلوم ہے۔

مختلف خبریں

جاپانی کابینہ کے پریشان کن حالات

ٹوکیو ۲۸ اپریل۔ جاپان میں ساری تنظیمیں پارلیمنٹ کی خطرناک حالت پر ہیں جو حالیہ انتخابات کے غیر فیصلہ کن نتائج کی وجہ پیدا ہوگئی ہے ساری جماعتیں اپنے اپنے معاونین کو جمع کر رہی ہیں اور زیریں ایوان کے دو بیمار وکلاء کو ووٹ دینے کے لئے بیمار کی کرسی پر بٹھا کر لایا گیا

حزب الاختلاف کو ملامتی ووٹ پیش کرنے سے اس بنا پر باز رکھنے کے لئے انتخاب کی آزادی میں مداخلت کی گئی تھی جو سزا دہی کارروائیاں کابینہ کے معاونین نے اختیار کی تھیں۔ اس کی وجہ سے بدامنی کا منظر پیش نظر ہوگیا۔ باوجود اس کے بے اعتمادی کی تحریک پیش کر دی گئی۔ بنا برآں وزیر اعظم جاپان ٹناکا نے ایوان کے تین روز تک کے لیے برخاست کرنے کے متعلق ایک شہنشاہی حکم پیش کیا۔

جلالت الملک شاہ افغانستان کی ماسکو روانگی

لندن ۲۶ اپریل شاہ و ملکہ افغانستان شنبہ کو برلن سے بعزم ماسکو پولینڈ کی سرحد پر پہنچے

جلالت الملک شاہ افغانستان وارسا میں

وارسا ۳۰ اپریل۔ جمہوریہ پولینڈ کے صدر اور دیگر شرفائے شب گذشتہ دس بجے شاہ و ملکہ افغانستان کی آمد پر آپ کا خیر مقدم کیا۔ شہر کو بیرون سے آراستہ کیا گیا تھا اور راستوں کی دونوں جانب فوجوں کی قطاریں تھیں شاہ و ملکہ افغانستان وزیر اعظم کے قصر کو گئے جہاں آپ مقیم ہیں۔

وارسا یکم مئی۔ پولینڈ کا بنایا ہوا ایک ہوائی جہاز جلالت الملک شاہ امان اللہ خان کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا گیا۔

مصر کے حالات

مسودہ ملتوی کر دیا گیا

قاہرہ ۳۰ اپریل۔ چیمبر کا ایک جلسہ اجلاس ہوا و کلاء گرمجوشی سے نحاس پاشاہ کا استقبال کیا۔

سمجھا جاتا ہے کہ نحاس پاشاہ آئندہ نومبر تک مسودہ متعلق سینٹ کے سامنے ملتوی کر دینے کی تحریک پیش کریں گے۔ اس اثناء میں توقع کی جاتی ہے کہ برطانیہ سے کوئی مفاہمت ہو جائے گی۔

قاہرہ ۳۰ اپریل۔ مصری اجتماعات کا مباحثہ نومبر تک ملتوی کر دیا گیا۔

مصری حکومت کا جواب

قاہرہ یکم مئی۔ برطانی الٹیمیٹم کا مصری جواب بہت دوستانہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مصری حکومت مصری پارلیمنٹ کے آزاد قانون میں برطانیہ عظمیٰ یا کسی اور حکومت کی مداخلت کے حق کو تسلیم نہیں کر سکتی لیکن اپنی نیک نیتی اور برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ اچھے تعلقات کے قیام کی خواہش ظاہر کرنے کی غرض سے اس مجلسی مسودہ کو پارلیمنٹ کی آئندہ میقات تک ملتوی کر دیا جائے گا۔

چیمبر کے خفیہ جلسہ میں وطنی اس رائے پر قائم رہے کہ مصری حکومت اپنے نقطۂ نظر پر مُصر رہے اور قوت کو صاحب کچھ کرنے دیں جو وہ کرنا چاہتی۔

مبارزت نامہ کا متن

لندن ۳۰ اپریل۔ سر آسٹن چیمبرلین نے دار العوام میں مصر کے موسومہ برطانی مبارزت نامہ کا متن پڑھ کر سنایا جو حسب ذیل تھا۔

میں آپ کو مطلع کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ ۴ اپریل کو اپنا نوٹ یور ایکسلنسی کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد سے ہز مجسٹی کی حکومت برطانیہ عظمیٰ میں بڑی بے چینی سے مصری حکومت کے حفاظت عامہ پر اثر ڈالنے والے قانون کو نافذ کرنے والے ارادہ کو دیکھتی رہی ہے یہ قانون جیسا کہ یور ایکسلنسی سے (۱۹) ماہ حال کو کرنے کی عزت حاصل ہوئی تھی بلکہ اسی قسم کی سابقہ مراسلتوں سے بھی جو یور ایکسلنسی کے پیشروؤں اور خود آپ سے اس حکومتی مراسلت سے پہلے اور اس کے بعد بھی جو ۴ مارچ گذشتہ کو ہز ایکسلنسی ثروت پاشا کی خدمت میں پیش کرنے کی مجھے عزت حاصل ہوئی تھی ان تحفظات میں سے ہے جن پر میں نے ۴ اپریل کی یادداشت میں پھر زور دیا تھا۔ اب ہز بریٹانک مجسٹی کی خدمت نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں یور ایکسلنسی سے مصری حکومت کے صدر کی حیثیت سے استدعا کروں کو یور ایکسلنسی عام جلسوں اور مظاہروں کی نگرانی کرنے والے مسودہ کو قانون کی شکل اختیار کرنے سے باز رکھنے کی فوری تدبیر اختیار کریں مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں یور ایکسلنسی سے استدعا کروں کہ آپ مجھے تحریراً یقین دلا دیں کہ مذکورہ بالا کارروائی کو آگے نہیں بڑھایا جائیگا۔ اگر ۲ مئی کی صبح کے سات بجے تک یہ یقین نہیں دلایا گیا تو ہز بریٹانک مجسٹی خود ایسی کارروائی کرنے کے مسئلہ پر غور کرے گی جس کی صورت حالت متقاضی ہو۔

بقیہ بارش کے اسباب

(بخارات آبی کے انجماد سے) اور پھر چھوٹے چھوٹے قطروں میں ٹوٹ جاتے ہیں۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ جب ایک پانی کا بڑا قطرہ چھوٹے چھوٹے قطروں میں منقسم ہو جاتا ہے تو وہ قطرے برقائے ہوئے ہوتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں ان قطروں پر برقی بار پایا جاتا ہے اور یہ امر اس پر استدلال کرتا ہے کہ آسمان پر جو دفعتاً ایک شدت کی چمک نظر آتی ہے وہ ایک زبردست برقی شرارہ ہے جو اس بادل میں کی جمع شدہ مقدار برقی کے اخراج سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ شرارے ایک دھماکہ کی شکل میں دفعتاً ہوا کو گرم کرتے ہیں۔ تپش کی وجہ سے ہوا کے پھیلاؤ میں اضافہ ہوتا ہے کثیر پیمانہ پر ہوا میں ارتعاش پیدا ہوتے ہیں ارتعاش کا نتیجہ ہے جس کو ہم گرج کی شکل میں محسوس کرتے ہیں۔

چونکہ آواز کی رفتار نور کی رفتار کے نسبتاً بہت کم ہے اس لئے ہم برقی شراروں کو پہلے دیکھتے ہیں۔ اور بعد میں گرج کو محسوس کرتے ہیں۔

——— نواب فاروق یار جنگ بہادر سابق جج حیدرآباد ہائی کورٹ کو جن کے خلاف ساہوکار سیتا رام ساکن رزیڈنسی بازارات حیدرآباد نے قرضہ کی نالش کر کے ڈگری حاصل کی تھی بتاریخ ۳۰ اپریل سکندرآباد ریلوے اسٹیشن پر ایک بیلف نے سیول وارنٹ دکھلا کر روک لیا اور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سشن جج سکندرآباد کے اجلاس پر پیش کر دیا۔

نواب صاحب نے جج سے درخواست کی کہ انہیں دو روز کی مہلت دی جائے تو وہ ڈگری دار سے معاملہ کی یکسوئی کر لیں گے۔ جج نے درخواست کو منظور کر لیا اور حکم دیا کہ اس مدت میں انہیں عدالت کی عارضی نگرانی میں رکھا جائے۔

نواب صاحب کے خلاف تین ہزار چھ سو روپیوں کی ڈگری دی گئی تھی وہ زیر حراست لئے جانے کے وقت الہ آباد روانہ ہو رہے تھے۔ جج مقرر ہونے سے پہلے نواب صاحب نے وکالت میں بہت شہرت حاصل کی تھی۔

——— زنانہ کالج نامپلی کی جائدادوں کی تنظیم کے لئے سابق میں ڈھائی ڈھائی سو ماہانہ کی چار جائدادیں منظور ہوئیں تھیں ان کی بجائے حسب فرمان خسروی دو جائدادیں (مار صہ تا ا ...) کی اور دو (ساعہ تا ...) کی منظور کی گئیں ان میں سے ایک جائداد کا تعلق سررشتہ تعلیمات سے رہیگا۔ باقی عثمانیہ یونیورسٹی سے متعلق ہوں گی۔

——— مولوی قاری سید عبدالکریم صاحب حسینی تعلیم یافتہ مصر کو جن کے لئے (مار تا ...) کی جائداد منظور کی گئی تھی عثمانیہ ٹرینگ کالج میں جہاں قرأت کی تعلیم دی جاتی ہے کام کرنے کی اجازت نیز صدر مہتمم صاحب تعلیمات بلدہ و صدر صاحبان مدارس فوقانیہ کے مشورہ سے دیگر مدارس کی قرأت عربی وغیرہ کی نگرانی کرنے کے لئے حکم ہوا ہے۔

——— نواب شمشیر نواز جنگ بہادر سلطان مسلہ بغرض حج جدہ تشریف لے جائیں گے۔

——— سمستان اناگندی کو تحت دفعہ (۳) ضمن (۲) قانون جائداد لاوارث اپنے علاقہ کے اموال لاوارث شخصوں کا مستحق و مالک قرار دیا گیا ہے۔

——— حسب سفارش مجلس جامعہ عثمانیہ مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی مددگار پروفیسر بتاریخ ۵ اسفندار ... سے مستقل کئے گئے۔

——— مولوی سید علی اکبر صاحب صدر مہتمم تعلیمات مدارس بلدہ دو ہفتہ کے لئے میسور اس لئے جا رہے ہیں کہ جبری تعلیم کے طریقہ کی نسبت وہاں کے حالات سے واقف ہو کر آئیں۔ ہماری ریاست میں سردست بلدہ کی حد تک جبری تعلیم کا طریقہ سا آنیا کر رائج ہونے والا ہے اور یہ مسئلہ عام طور پر بھی زیر غور ہے۔

——— نواب مرزا یار جنگ بہادر رکن مجلس عدالت عالیہ کو ۹ خورداد ... سے ۱۳ تیر ... تک استفادہ تعطیلات گرما و سفر بیرون ممالک کی اجازت دی گئی۔

——— ناظم صاحب آثار قدیمہ کے نام ایک سو روپیہ کا موٹر الونس مجرا کرنے کی منظوری صادر ہوئی۔

——— عابد یونس صاحب بالیرا انسپکٹر کو حصول معلومات کے ... سو روپیہ متوسط مبیئی میں متعین کرنیکی اجازت منجملہ مسٹر رام گنگا ریڈی دی گئی۔

——— مولوی مقصود علی خان صاحب معتمد انجمن اطبا یونانی اطلاع دیتے ہیں کہ:۔ بوجہ شیوع طاعون اجلاس دار التشخیص ملتوی تھا حسب سابق ہر ماہ الہٰی یکم و ۱۵ کو اجلاس دار التشخیص برابر ہوا کریگا۔

بقیہ خطبات شاد

زندگی بسر کرے جیسے کہ مسافر دہر سالہ میں اپنے ساتھیوں کے احساسات اور آسائش کا اپنی بالمقابل ضرورتوں اور خواہشوں کی روشنی اور دہرسالکی احسان مندی کے احساس کے ساتھ کرتے ہیں۔

فی الحقیقت دہرسالہ جو دہرم کے نام کے ساتھ منصوب ایک مسافر خانہ ہے انسانی زندگی کے ... اور دہرم کی پابندی کا دانا درس کو سبق سکھاتا ہے۔

حالت مسافرت میں باہمی ملاقات ساتھیوں کے آرام کا لحاظ ہمدردی باہمی عزت مدداری اور ساتھیوں کے حق میں جس عمل سے رنج پہونچے اس سے اجتناب وہ انسانی خصوصیات ہیں جن کی اخلاقی پابندی ہر شائستہ مسافر پر لازم ہے اور اسی کی تمنا ہے ہر شہری اور دیہی کا جو اپنی اپنی جگہ اس عالم کا مسافر ہے یہی فریضہ ہے جس کی پابندی اس کے لئے موجب اطمینان اور ملک کے لئے باعث نیک نیکنامی ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ افراد جو اجتماعی زندگی کے خیر و برکات سے واقف اور ان پر عامل ہیں خدا سے دعا ہے کہ ہمارا ملک حیات صالح میں دوسروں پر سبقت لے جائے اور آپ سب خوش حال رہیں۔ رعایا پرور مالک کے زیر سایہ رعایا پہلے پھولے اور امن و عافیت کی زندگی میں کامیاب رہے

اسکالرشپ کمیٹی
اعلان دفتر معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ کمیٹی

نشان (۸) واقع ۲۲ خورداد ...

وظائف تعلیم ایشیا بابتہ ۱۹۳۷ء کیلئے کمیٹی علاوہ وظائف تعلیمی طلبہ کا انتخاب ماہ جون ۱۹۳۸ء میں کریگی مضامین مندرجہ ذیل کے لئے درخواستیں وصول ہونی چاہئیں:۔

(۱) تعلیم عجائب خانہ
(۲) علاج حیوانات
(۳) صنعت و حرفت
(۴) تحقیقات طبعیات عملی۔

1. Arrangement of Museums.
2. Vitirinary Science.
3. Industries.
4. Reseah in Experimental Physics.

(۲) صداقت نامہ جات اسناد و کامیابی امتحانات درخواست گزار کے لئے لازم ہے کہ وہ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی کے کم از کم امتحان ایف اے یا انٹرمیڈیٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے امتحان میں کامیابی حاصل کر چکا ہو۔ ... سند بشمول اور انجینئرنگ اسکول بلدہ کی ... آرٹیفیٹ کے امتحان کی بدرجہ اول کامیابی امتحان ... جو درخواست گزار اپنی درخواست وظیفہ پیش کرنے کے بعد کسی امتحان میں کامیاب ہوں ان پر لازم ہوگا کہ اس کی اطلاع ... مطابق یکم جون ۱۹۳۸ء تک معتمد اسٹیٹ اسکالرشپ ... کو دیدیں۔

(۳) طلبائے وظائف مذکور کے لئے درخواستیں مع صداقت نامہ جات مندرجہ ذیل خاص مطبوعہ فارم پر دستخط ...

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	چوبیس روپیہ
امراو روسا سے سالانہ	پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے
ششماہی	۸ ر
سہ ماہی	۴ان
[illegible]	۲ر۶ہ

ہندوستان سے باہر کے لئے

[illegible]	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منیجر کو مخاطب فرمایئے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط وکتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایئے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمایئے۔

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحے کے حجم پر شایع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شایع ہونگی۔

منیجر

سید عبدالقادر منیجر و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شایع کیا

رجسٹرڈ سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

نظام گزٹ

عدد ۲۱ و ۲۲
جلد

مدیرین
سید وقار احمد ایم اے
محمد حبیب اللہ رشدی ایم اے

مضمون خاص

خطبات شاد

از

ہز اکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر

قیمت فی پرچہ ۶؍ ۲؍

کتب خانہ تجارتی سید عبد القادر بکسلر و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

قرآن لفظی تفسیر اس میں پانچ ترجمے ہیں۔ دو فارسی تین اردو اور بر حاشیہ تفسیر حسینی یہ احسن التفاسیر مجلد ہدیہ اصلی سے رعایتی عنہ سکہ عثمانیہ۔

قرآن شریف مترجم بامحاورہ اردو مولانا مولوی شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی بر حاشیہ تفسیر موضح القرآن جلی قلم جس کا ہر پارہ علیحدہ علیحدہ ہو سکتا ہے صفحات (۶۴۰) ہدیہ بلا جلد ہے مجلد للعہ سکہ عثمانیہ۔

ارد و اٹلس رنگین ملک سرکار عالی جس میں ضلع واری نقشہ جات مع جغرافی حالات و نقشہ جات پائیگاہ وغیرہ بہترین اور نایاب جدید اٹلس .... قیمت عا .... رعایتی عہ

خلاصہ جغرافیہ عالم حالات و جدولات مٹیر یکولیشن جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی مخدوم علی صاحب ناظر تعلیمات۔ قیمت عا ہر رعایتی .... عہ

سلیس جغرافیہ دکن۔ برائے مدارس تحتانیہ قیمت ۴ر ۶ | مرتبہ مولوی سید شرف الدین صاحب
جدید تاریخ ہند۔ برائے مدارس تحتانیہ قیمت عہ | قادری بی۔ اے بی ٹی
جدید جغرافیہ دنیا۔ برائے ” ” قیمت عہ | صدر مدرس۔

صنم خانۂ عشق یعنی دیوان امیر مینائی قیمت .... عا رعایتی قیمت .... عا

مطبوعہ جسٹرات و فارمس ہر دفتر کے کارآمد خصوصاً سررشتہ تعلیمات اور محکمہ جات عدالت و کوتوالی وغیرہ کے تیار ہیں جن کی تفصیلی فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجاتی ہے۔ آرڈر پر موشومہ فارم طبع کر کے ارجنٹ تعمیل کیجاتی ہے۔

فتاوی عثمانیہ سلیس اردو زبان میں کتب معتبرہ فقہ سے جمع کیا گیا ہے جو بالخصوص وکلا کے لئے معلومات کا گنجینہ ہے قیمت (۱عہ)

تمدن ہند (ہند کی بہترین بالتصویر تاریخ) ڈاکٹر لی بان کی فرنچ تصنیف کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ معہ اضافہ توضیحات و حواشی مفید جس کو مولانا مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم نے کیا ہے جو آج چند سال پہلے (ہ ﷲ) روپیہ میں فروخت ہو رہی ہے۔ اس میں (۱۴۹) تصاویر دیدہ زیب اور (۱۲) دلفریب نقشہ اور تختی کلاں ہے۔ اب یہ قابل قدر اور لائق دید کتاب ہر کی (ﷲ) روپیہ قیمت کر دی گئی ہے۔ علاوہ محصول ہے امید کہ ناظرین کرام اس زرین موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

گلوب ۱۲ - انچ قطر۔ یہ ایک مدور چوبی اسٹینڈ اور منبر دئے ہوئے پیتل کے رنگ میں لگا ہوا ہے جسکے ذریعہ زمین کی حرکت روزآنہ و سالانہ دو نو سمجھائی جا سکتی ہے قیمت (ﷲ) روپیہ سکہ کلدار یا (ﷲ) روپیہ سکہ عثمانیہ۔

یادگار غالب حضرت استاد مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے زندگی کے حالات ان کی اقسام نظم و نثر اردو و فارسی کا انتخاب جس کو عالیجناب شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے مرتب کیا ہے قیمت بجائے ہے کلدار کے ہے حالی۔

کلاں جری اصلی قیمت .... عہ رعایتی .... عہ
” ” ” مجلد پارچہ ” .... عہر ۱۲ .... ۱۴
” ” ” خورد جری ” .... عہ ۱۲
” ” ” ” پارچہ .... عہ ۱۰

نوٹس آن اسلام بزبان انگریزی۔ اسلام کے متعلق بہترین تمثیلات عربی جس کی شرح انگریزی میں کیگئی ہے مصنفہ عالیجناب خان بہادر حاجی خواجہ محمد حسین صاحب جس کو عالی جناب مولانا احمد حسین صاحب کے۔ سی۔ آئی۔ اے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ نواب امین جنگ بہادر نے مختصراً نہایت عمدہ اور سلیس انگریزی میں کیا ہے قیمت .... عہ

گنجینۂ ہدایت اس کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم اور حضرت صلعم کی سوانح عمری بھی اس کے ساتھ ہے۔ معمولی استطاعت والے حضرات بھی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں قیمت .... للعہ

ارمغان سلطانی المعروف بہ سیر گلبرگہ شریف۔ تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک سچا فوٹو ہے جو تین حصوں پر منقسم ہے پہلے حصہ میں شہر گلبرگہ شریف کے موجودہ حالات درج ہیں۔ دوسرے میں زبدۃ العارفین حضرت مخدوم شہباز بلند پرواز گیسو دراز سید محمد حسینی المشہور خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز نیز دیگر اولیاء کرام کی نیا مغز زندگی اور ان کی سوانح عمری جو مختلف مستند و معتبرہ کتب سے اخذ کر کے مسلسل طور پر لکھے گئے ہیں۔ تیسرے حصہ میں سلاطین بہمنیہ کے مفصل حالات درج ہیں۔ قیمت .... عا

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چارمینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	ایک اشاعت
ایک صفحہ	۱۱۵	۱۰۰	۵۷	۳۵	۱۵
نصف صفحہ	۱۰۰	۵۰	۳۷	۲۵	۸
ربع	۵۰	۳۷	۲۵	۱۵	۴
ایک کالم	۳۷	۲۵	۳۰	۲۵	۵
نصف کالم	۲۵	۳۰	۱۵	۶	۳
ربع کالم	۳۰	۱۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اشتہارات کے نرخ میں اخبار کی اشاعت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا جائیگا۔

سعیٔ پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات تیری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی

عدد (۲۱) حیدرآباد دکن:- دوشنبہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ ۱۴ مئی ۱۹۲۸ء ۹ تیر ۱۳۳۷ فصلی جلد (۱)

شذرات

ہندوستان جنت نشان کی تاریخ میں غالباً کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں طالب علموں نے سیاسیات میں حصہ لیا ہو۔ سات سمندر پار رہنے والی انگریز قوم بھی تمام دنیا میں قدامت پرستی کے لیے مشہور ہے۔ جب اس قوم نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو ظاہر ہے کہ قدامت پرستی کی بناء پر ہندوستان کی روایات کو قائم رکھنا اس کا فرض تھا چنانچہ حکم ہوا کہ طالب علم سیاسیات میں حصہ نہ لیں۔

جب کبھی طالب علموں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہے تو مہربان سرکار یا مہربان اساتذہ نے انہیں از راہ ہمدردی ہلکی سی تنبیہ کر دی ہے۔ یعنی ایک دو سال تک امتحان سے روک دینا یا مدرسے سے خارج کر دینا چنانچہ سائمن کمیشن کے مقاطعہ کے سلسلہ میں ایسی کئی ایک مثالیں ظاہر ہو چکی ہیں۔

مگر انگلستان کی سرزمین میں صورت حال بالکل جداگانہ ہے۔ ان کی روایات یہ ہیں کہ طلبہ عام طور پر سیاسیات میں بہت دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ اور باقاعدہ مجلسوں میں اہم سیاسی معاملات پر بحث کیا کرتے ہیں۔ اور حکومت کے ارکان بجائے ایسی تقریروں کو روکنے کے خود ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور دلچسپی سے تقریروں کو سنتے اور ان کا جواب دیتے ہیں۔

جنگ کے بعد مسٹر لائیڈ جارج کو آکسفورڈ کے طلبہ نے دعوت دی تھی اور انہیں اپنی مجلس اتحاد میں بٹھا کر لائیڈ جارج کی حکومت کے خلاف پر زور تقریریں کیں اور لائیڈ جارج کی حکومت پر عدم اعتمادی کی تحریک منظوری کے لیے پیش کی اس تحریک پر مسٹر لائیڈ جارج برہم ہوئے نہ مجسٹریٹ سے اس ہنگامہ کو فرو کرنے کی درخواست کی بلکہ ہنس ہنس کر سنتے رہے اور ہنس ہنس کر ان الزامات سے اپنے کو اور اپنی حکومت کو بے گناہ ثابت کیا۔

اب تازہ خبر یہ ہے کہ کیمبرج کی مجلس اتحاد نے وزیر ہند لارڈ برکنہیڈ کے روبرو موجودہ حکومت پر عدم اعتمادی کی تحریک پیش کی وزیر ہند نے اپنے بجائے خود ایک پر زور تقریر کی رائے کے شمار کے وقت مخالف اور موافق رائیں برابر آئیں مگر صدر جلسہ نے اپنی رائے عدم اعتمادی پر دی جس سے یہ تحریک منظور ہو گئی۔

اس تقریر میں لارڈ برکنہیڈ نے کہا
"میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ
ہماری حکومت ایک مکمل حکومت ہے۔"

بے شک ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ مطلب رہا آپ کا یہ فرمانا کہ دوسرے لوگ آپ سے بہتر ہیں۔ ممکن ہے ہوں۔ دیکھیے انتخابات عامہ کے بعد کس کی حکومت قائم ہوتی ہے اور وہ لوگ اپنی حکومت کے متعلق کیا کہتے ہیں شاید کوئی شریف آدمی ایسا نکل آئے جو کہے کہ ہماری حکومت حقیقت میں بہت خراب حکومت ہے۔ دنیا کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

سر جان سائمن اگرچہ ہندوستان سے بظاہر مطمئن گئے مگر انگلستان میں اس اثر کو چھپا نہ سکے جو بائیکاٹ سے ان کے دل پر ہوا ہے۔ اب کیا فرماتے ہیں برادران وطن جو بائیکاٹ کی مخالفت کرتے تھے اور اسے فضول سمجھتے تھے۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۴۶ ہجری

تعلیم کا مقصد اور جامعہ عثمانیہ

(بسلسلۂ گذشتہ)

مذکورۂ بالا تقریر کے سلسلے میں ہمارے مقامی انگریزی ہمعصر حیدرآباد بولیٹن نے ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جس کی دلچسپ سرخی "مسٹر فورڈ اور عثمانیہ یونیورسٹی" کا تم کی - اگرچہ مضمون سے ان دو ناموں میں کسی تعلق کا پتہ نہیں چلتا سوائے نواب نظامت جنگ بہادر کی تقریر کے ایک ٹکڑے کے - نواب صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا -

"پچاس سال پہلے جب کہ میں نے انگریزی کی تعلیم شروع کی تھی حیدرآباد میں بہت تھوڑے مدرسے تھے جہاں کے تعلیم یافتہ سرکاری ملازمتوں میں بھرتی ہو جاتے تھے اس زمانہ میں تعلیم یافتوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کی بہت آسانی سے بھرتی ہو جاتی تھی لیکن آج کل صورت حال بالکل جداگانہ ہے - ہمارے مستقر پر درجنوں مدرسے ہیں اور ممالک محروسہ میں شاید سیکڑوں ابتدائی مدرسے ہیں - اس کے علاوہ عثمانیہ یونیورسٹی بھی موجود ہے جو اپنے بی اے - ایم اے کامیاب طلبہ کو فورڈ موٹروں کی تیزی سے نکالتی جا رہی ہے - آخر ان تعلیم یافتہ لوگوں سے ہم کیا کام لیں گے ؟ اور وہ خود اپنے کو کس کام میں لگائیں گے ؟"

بولیٹن تقریر کے اس ٹکڑے کو پیش کر کے رائے دیتا ہے کہ [illegible] صاحب اس سوال کو نواب حیدر نواز جنگ بہادر [illegible] بہادر اڈیٹر پیسہ کے ذریعہ سے سر علی امام سے دریافت کریں - ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا [illegible] سر اس سلسلہ میں سر علی امام کا نام کیوں باربار پیش کرتا ہے کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام میں سر علی امام نے وہ عملی حصہ نہیں لیا جو بعض دیگر عہدہ داروں نے لیا تھا - یونیورسٹی کی تجویز سر علی امام کی آمد سے بہت پہلے ہوئی تھی صرف ان کی صدارت عظمیٰ کے زمانہ میں یونیورسٹی کے قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ انہوں نے بھی اس کے بنیادی کام میں کوئی حصہ لیا - دوسری پر لطف بات ہمارا ہمعصر کہتا ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے گراجوئیٹ کی قیمت ریاست کے باہر صفر کے برابر ہے - اس باخبر اخبار کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ حیدرآباد کے باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے - اس کے نزدیک قابلیت اور علم کا معیار بالکل الٹ گیا ہے - یعنی وہ سرکاری نوکری کے حصول کو قابلیت کا معیار سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ مدراس یونیورسٹی کے بی اے کو نوکری مل جائیگی لیکن عثمانیہ یونیورسٹی کے ایم اے کو نہیں ملے گی - خیر اگر اس معیار سے بھی قابلیت کو ناپا جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا بمبئی کی حکومت اپنی یونیورسٹی کے گراجوئیٹ کے مقابلہ میں کسی مدراس کے گراجوئیٹ کو ترجیح دیگی یا مدراس کی سرکاری نوکری کوئی پنجاب کا گراجوئیٹ حاصل کر سکتا ہے ؟

آپ فرماتے ہیں کہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے اپنی اس پالیسی سے (یعنی اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیکر) عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ان پر بیرون صوبہ مواقع کے دروازوں کو بند کر دیا - ہمارا دوست کیسی عجیب بات کہہ رہا ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ کو حیدرآباد کے باہر کی ملازمتوں کا دروازہ بند ہے - کیا اس کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ حیدرآباد کی ریاست کو کافی تعداد تعلیم یافتہ لوگوں کی نہ ملنے کی وجہ باہر سے لوگوں کو بلانے کی ضرورت پڑتی رہی اور اب بھی یہاں کی سرکاری ملازمت میں ایک کثیر تعداد باہر کے تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے - پھر اس بات کے کیا معنی کہ یہاں کے تعلیم یافتوں کے لئے باہر کی ملازمتوں کے لئے دروازے بند ہیں - پہلے عثمانیہ یونیورسٹی کے تعلیم یافتوں سے ریاست کی ملازمتیں تو بھر جائیں اس کے بعد باہر کی ملازمت کا سوال اٹھایا جا سکتا ہے - یہ بات ایسی نہیں کہ دو چار سال میں طے ہو جائے بلکہ اس کے لئے ایک دو نسلوں کا انتظار کرنا پڑیگا - اور پھر کیا ضرورت ہے کہ باہر کی ملازمتوں ہی پر نظر ڈالی جائے کیوں نہ اس مدت میں اضلاع زراعت اور تجارت کا میدان نہ تیار کر لیا جائے - اسی سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ مسٹر حیدری سر سید علی امام اور مسٹر راس مسعود نے ریاست کی تعلیمات کو بجائے کوئی خدمت انجام دینے کے، اسے بڑا نقصان پہنچایا ہے - ایک کوئیں کے مینڈک کی طرح ہمارا دوست حیدرآباد سے باہر کی دنیا کی کچھ خبر نہیں رکھتا - اس کو اس وقت یہ یاد نہیں کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے وقت ہندوستان کے اعلیٰ ترین مدبر اور ماہرین فن تعلیم نے کیا مائے دی تھی -

[illegible] ظاہر کیا تھا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے موسسین نے اس یونیورسٹی کی بنیاد رکھکر صرف ریاست حیدرآباد ہی کی خدمت نہیں بلکہ سارے ہندوستان پر انہوں نے احسان کیا ہے - وہ عثمانیہ یونیورسٹی کو ایک عظیم تعلیمی اور سیاسی انقلاب سمجھتے ہیں کیونکہ قومی زبان میں تعلیم کو رواج دینا گویا سچی قومیت کی بنیاد رکھنا ہے - ان باتوں کے علاوہ ہمارا دوست امریکہ کے مشہور ماہر تعلیم پروفیسر بک کی رائے کو بھی بھول گیا جس نے کہا تھا کہ "مادری زبان میں تعلیم دینا کوئی نیا تجربہ نہیں ہے بلکہ یہ تو تعلیم کا فطری طریقہ ہے"

پھر آپ نظام کالج کے متعلق فرماتے ہیں "نظام کالج کو دیکھئے کہ وہ قدیم زمانہ میں کیسے شاندار گراجوئیٹ نکالتا رہا ہے اور اب بھی نکالتا ہے" بے شک نظام کالج ہماری قدیم درسگاہ ہے اس سے ہمارے ملک کے بعض اعلیٰ دماغ تعلیم پاکر نکلے - پھر بھی عثمانیہ یونیورسٹی سے اس کا مقابلہ کرنا ایک مہمل بات ہے اول تو نظام کالج کوئی یونیورسٹی نہیں ہے بلکہ وہ ایک یونیورسٹی کی دوم درجہ کی درسگاہ ہے اور اگرچہ اس درسگاہ سے بے شک بعض شاندار گراجوئیٹ نکلے مگر ہمارے دوست کو یہ واقعہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہی کالج ایک زمانہ میں سالانہ آدھا درجن گراجوئیٹ نکالنے کے لئے بدنام تھا - اب سے کوئی بیس پچیس سال پہلے مدراس یونیورسٹی والوں نے جو رپورٹ اس کالج کا معائنہ کرنے کے بعد لکھی تھی وہ ہمارے لئے بہت شرمندہ کرنے والی تھی پھر بھی نظام کالج کو بہ حیثیت ایک درسگاہ کے جو شہرت یا بدنامی حاصل ہو وہ اس یونیورسٹی پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی جس کی یہ جزو ہے - اصولاً مدراس یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی کے متعلق بحث ہو سکتی ہے نہ کہ نظام کالج اور عثمانیہ یونیورسٹی -

(باقی آئندہ)

حیدرآباد کے قافلۂ حج کی مشکلیں

حسب اعلان محکمۂ امور مذہبی پورا قافلہ حجاج یکم ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ م ۲۲ اپریل ۱۹۲۸ء کو بمبئی پہنچا چونکہ بلدہ میں پہلے سے پلیگ تھا اس لئے محکمۂ حجاج کی جانب سے حیدرآبادی حجاج کو پہرہ ۵ دیا گیا بعد میں جناب ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب ناظم طبابت کے تحریر پر پہرہ بند کر دیا گیا جس کی وجہ سے بعد میں آنے والے حجاج کو اس سے نجات ملی - اس سال بھی حیدرآبادی حجاج مختلف مقامات پر ٹھہرے ہوئے ہیں - موسمی نزلہ زکام و کھانسی اکثر حجاج کو ہے - قافلہ بمبئی آنیکے چار پانچ دن بعد فضل کمپنی کا جہاز علوی اور شستری کمپنی کا جہاز زیانی ۲۶ اپریل ۱۹۲۸ء کو چار چار سو آدمی حجاج کو لیکر جدہ روانہ ہوئے لیکن عندلیب صاحب اور ناظم صاحب امور مذہبی اعلان کے بموجب وقت پر نہ آنے کی وجہ جہازات مذکور میں قافلہ کا انتظام ناممکن تھا - چونکہ سارے رقوم وغیرہ ان ہی کے پاس تھے - عندلیب صاحب ۲ اپریل ۱۹۲۸ء اور ناظم صاحب ۲ اپریل

سلسلہ ملاحظہ ہو صفحہ (۴)، کالم (۳)

خطبات شاد

پربھنی کے اڈریسوں کے جواب میں

ہز اکسلنسی مہاراجہ سریمین السلطنۃ بہادر کے اثنائے دورہ میں بمقام پربھنی رعایا اور تجار کی جانب سے جو اڈریس پیش ہوئے تھے ان کے جواب میں ہز اکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر نے جو تقریر دلپذیر ارشاد فرمائی وہ ذیل میں ناظرین کی جاتی ہے۔

میرے عزیز ابنائے وطن!

آپ نے اڈریسوں میں جن مخلصانہ جذبات کا مجھ سے متعلق اظہار فرمایا ہے ان کی میں دل سے گہری عزت اور قدر کرتا ہوں اور جو ارادت و عقیدت آپ نے خانوادہ آصفی سے ظاہر کی ہے وہ بالکل عیاں ہے ملک دکن کے سچے فرزندوں کے احساسات اس ریاست کے احسانات سے کمال درجہ متاثر ہیں وفاشعاری اور خیرخواہی کے جذبات ان کے سینوں میں موجزن ہیں۔

اس ریاست ابد پائدار کی سمجھدار رعایا جانتی ہے کہ رئیس کی ذات سے وفاداری اور ریاست کی خیرخواہی اس کا موروثی مسلک ہے اور اسی سے نفس کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ان جذبات سے آپ کچھ کم متاثر نہیں ہیں یہ حقیقت آپ کے چہروں سے ظاہر ہے۔ زمانہ کے دور و تسلسل میں کبھی آپ کے خیال میں کوئی ایسا تغیر نظر آیا ہو جو آپ کے توقعات کو تعجب میں ڈالنے والا تھا اور آپ کی آمادگی کا سبب آپ نے یہ بھی ضرور محسوس کیا ہوگا کہ وہ تغیر بجائے خود کسی نہ کسی غیر ذمہ دار ملازم سرکاری کا پیدا کیا ہوا اور عارضی تھا غرض ریاست کی آپ سے محبت اور آپ کی ریاست سے عقیدت مسلمات میں داخل ہیں اور ان میں تغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر مذہبی اختلافات کی وجہ سے کبھی کوئی ہمراہی کی رونما ہوئی تو اس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میرے عقیدہ میں آفتاب حق کی مستقل حرارت اور روشنی میں یہ بھی اثرات کے پیدا کردہ سیاہ ابر کے منتشر ٹکڑے خجالت سے عرق ریز ہو کر زائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مذہبی اختلافات اگر کبھی سوسائٹی میں وجہ عناد نظر آئیں تو کوئی ان پر ہنسے گا اور کوئی ان پر آنسو بہائے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ علم و عقل کی ترقی کے ساتھ مذہبی اور متعصبانہ اختلافات کا عناد دنیا میں باقی رہ سکے سوا التعصب کے۔

بھلا! نیکی اور سچائی میں بھی تفریق ممکن ہے۔

مجھکو اپنے ملک کے سیاسی مذہبی اور معاشی مستقبل درخشاں نظر آتے ہیں اور اس منزل کے حاصل کرنے کے لئے ہم سب کو یک جہتی۔ متانت۔ رواداری اور ہوشمندی سے کام کرنا ہے۔

جن ضروریات ضلع کا آپ نے ذکر کیا ہے اُن سے میں آگاہ ہوں۔ میری کوشش ہوگی کہ آپ کی خواہشوں کو جلد پورا ہوتا ہوا دیکھوں۔ اس ضلع کی ہر ضرورت پر حسب ابتداء توجہ کی جائے گی اور وہ سب انتظام ہو رہیں گے جو آپکی خواہشوں اور آسائشوں کے لئے ضروری ہوں۔ واقعی اس ضلع میں سڑکوں کی بد حالت تجارتی اغراض حمل و نقل میں سد راہ ہے۔ برقی روشنی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کیوں نہ آپ مشترکہ مساعی سے کام لیں جس طرح کہ آبنوشی کا انتظام خود آپ نے سرکار کی سرپرستی میں کیا ہے۔ اس ہی طرح برقی قوت کی بہم رسانی کا انتظام بھی امداد باہمی کے طریقہ پر جاری کیا جائے تو پربھنی کی پبلک کی ہمت اور اپنی آپ مدد کرنے کی مزید صلاحیت نظر آئیگی۔

میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جہاں کہیں مجھ سے کسی اڈریس میں کوئی شخص بطور پبلک کے کسی مطالبہ کے کی گئی تو میں نے کبھی یہ نہیں پایا کہ میرے سامنے کوئی ایسی چیز پیش آگئی ہو کہ جس کا داخلہ میری اپنی پالیسی اور کوششوں میں نہ ملتا ہو۔ عالم اسباب ہر اچھی کوشش اور اچھے نتیجہ کا موید ہے۔

ہمارے بادشاہ ذیجاہ کے عہد فرزانہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جان نثار رعایائے آصفی کی وہ سب دلی خواہشیں پوری ہو رہی ہیں کی کہ ہم سب کو یکساں تمنا ہے۔ جس کے لئے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اپنی معاشی مصروفیتوں سے غافل نہ رہ کر وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔

میں مکرر آپ کی محبت و خلوص پر اظہار قدر کرتا ہوں اور آپ کی ترقیوں کی دعا کرتا ہوں۔

جواب اڈریس ڈائرکٹران صدر بنک امداد باہمی پربھنی

عزیز شرکائے امداد باہمی!

آپ کی [illegible] اور ترقیوں کا حال سنکر مجھکو خوشی ہوئی جو آپ نے ترقی تحریک امداد باہمی کی کامیابی کی خاطر کی ہیں۔ [illegible] خادمان قوم جن کو اس تحریک کی خدمت گزاری کا انہماک حاصل ہے۔ اس تحریک کے فوائد اہلیان سررشتہ نے آپ کے ذہن نشین کئے ہوں گے۔ اور خود آپ نے ذاتی مطالعہ اور فکر سے اس کی بیشمار خوبیوں پر عبور حاصل کیا ہوگا کہ آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

یہ تحریک ہمارے ملک کے جس قدر موزوں اور ضروری ہے اس کی مثال شاید ہی کسی ملک میں مل سکے۔

اس تحریک کے اخلاقیات میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بانیان تحریک کے نزدیک اس کا مذہب یہ رہا ہے کہ امداد باہمی کا مقصود اصلی دنیا کے ہر مرد و زن کی خوشحالی کی خاطر بہ تفریق مذہب و ملت و رنگ ان تھک مسلسل کوشش ہے۔ ایسے اعلیٰ اصول انسانیت کے تحت یقین ہے کہ ملک کی جملہ معاشی اور سماجی ضروریات میں کامیاب ہو کر رہیں گی۔

اگر آپ قدر کریں تو یہ بڑی باقوت جمہوریت آپکو حاصل ہوئی ہے کہ جس کی بدولت اجتماعی ضرورتوں اور انفرادی سود و بہبود کے لئے ترقی ہنر میں تعلیم میں دولت میں بیاہت کے نظم و نسق میں بہتر زراعت اور مرفہ الحال میں اسی کے فضل حضوات کی مدد سے امن و امان کے قائم کرنے میں بڑی کامیاب ہو سکتے ہیں جس کے عملی تجربے دنیا میں کم نہیں ہیں۔ امداد باہمی کی تعریف میں کیا خوب مولانا ظفر نے کہا ہے:

(۱) تم سب کے کام آؤ یہ سب سے خود صلہ لو
ایک فرض آدمیت امداد باہمی ہے

(۲) ہے اجتماع انسان چھتہ مکھیوں کا
اور شہد کی حلاوت امداد باہمی ہے

(۳) کچھ انتہا نہیں ہے اس کی ترقیوں کی
اقبال اور دولت امداد باہمی ہے

(۴) مذہب کا نفع بیشک عقبیٰ میں ہوگا حاصل
دنیا کی تو ضرورت امداد باہمی ہے

آخر میں یہ آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ اس تحریک کی ترقی میں گورنمنٹ کو گہری دلچسپی ہے اور آپ کی اچھی کوششیں یقیناً گورنمنٹ کی ہمدردی حاصل کریں گی میری آرزو ہے کہ امداد باہمی کی بدولت دیہات کی اعلیٰ تنظیم اور دیہاتیوں کی مرفہ الحالی کو جلد سے جلد دیکھوں۔

جواب اڈریس رعایا پرتور

معزز ساہوکارو!

میں آپ کے پریم اور دلی محبت کی قدر کرتا ہوں آپ صاحبوں نے جس عقیدت اور پریم سے مجھے دعوت دیکر بلایا میرا دل اس کو جانتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ میرے ہیں اور میں آپ کا ہوں۔ مگر آپ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح آپ مجھے اپنا سمجھتے ہیں ویسے ہی خالصے کی رعایا بھی مجھے اپنا سمجھتی ہے اور میں بھی ان کو اپنا سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ آپ سب اور خالصے کی رعایا اور میں سب ایک ہی اندرداتا اور بادشاہ حضور عثمان علیخان مدظلہ کے نمک خوار ہیں۔ مجھے یہ سن کر مسرت حاصل ہوئی کہ آپ سب آسودہ اور خوش ہیں۔ آپ کی خوشی میری خوشی کا باعث ہے ایشور آپ سب کو خوش رکھے اور کاروبار میں آپ کے برکت دے۔ اب میں آپ سب کو خدا حافظ کہکر رخصت ہوتا ہوں اور دل سے آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

ہوائی جہاز کی تیز رفتاری کا نیا کارنامہ

کپتان براڈ ہوائی جہاز کی تیز رفتاری میں سب سے سبقت لے گیا۔ اس نے ہوائی جہاز میں ایک ٹن وزنی سیسہ ساتھ رکھ لیا اور ہوائی جہاز کو (۱۶۲) میل فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار سے چلایا۔ اتنی رفتار اب تک کسی نے نہیں حاصل کی۔

یورپ میں سب سے لمبا ٹیلیفون

جنیوا اور کرونا کے درمیان ٹیلیفونی سلسلہ قائم ہو گیا ہے۔ ان دو مقاموں کا درمیانی فاصلہ دو ہزار چار سو بائیس میل ہے جو کہا جاتا ہے کہ یورپ میں سب سے طویل سلسلہ ہے۔

مراسلات

حالات دارالعلوم دیوبند

مکرمی اڈیٹر صاحب السلام علیکم؟ براہ کرم مندرجۂ ذیل سطور کو بہت زیادہ نمایاں طور پر شائع فرماکر ہم مظلوموں پر احسان عظیم فرمادیں۔ ۲۰ رمضان المبارک کو جو افسوسناک حادثہ دارالعلوم میں پیش آیا تھا جس میں ایک بنگالی ایسٹ انکی طالب علم شہید اور ایک مجروح ہوا تھا۔ اگرچہ اس پر طلبہ کے باہمی مناقشہ کا رنگ چڑھایا جارہا ہے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اسکی تہ میں نہایت ہیبتناک سازشیں کام کررہی تھیں۔ امید کیجاتی ہے کہ اگر ذمہ دار قانون داں حضرات مظلوم طلبہ کی امداد فرمائیں اور اس اہم مسئلہ کیطرف پوری توجہ کریں تو وہ راز طشت از بام ہوجائیں جن کی بدولت ایک بیگناہ مسلم کا خون نہایت آسانی کیساتھ بہا دیا گیا ہے۔ طلبہ جن کا ایک فرد شہید ہو چکا ہے۔ اپنی تہیدستی اور غربت کیوجہ سے بالکل بے دست و پا ہیں۔ ان کو تباہ کرنے والی طاقتیں ذی اثر اور صاحب ثروت ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے عزیز نفس کے خون کا بدلہ تو انہیں کیا ملتا الٹے انہیں کے چودہ معزز نفوس الزام بلوہ میں ماخوذ ہوگئے ہیں آہ کیا مسلمان اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ غریب الوطن طلبہ انتہائی بیدردی اور سفاکی کیساتھ بیبس کر دیئے جائیں۔ مگر وہ اف بھی نہ کریں گے۔

! کیا ان مہمانان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون اتنی قیمت بھی نہیں رکھتا کہ مسلم وکلاء اور بیرسٹر اس معاملہ میں عملی ہمدردی کا ثبوت پیش کریں۔ ہم خصوصیت کیساتھ مسلم بیرسٹران بنگال سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہم وطن مظلوموں کی حمایت کریں۔ اور اس مقدمہ کی پیروی کر کے حقیقت کو عدالت پر واضح کردیں بنگالی ہونیکی وجہ سے ہم لوگ اردو زبان میں نہ تو اپنے مافی الضمیر ادا کرنے پر قادر ہیں اور نہ ہی دوسروں کی بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

کیا ڈاکٹر محمد عالم اپنے اعمال حسنہ کی طویل فہرست میں ایک اور نیکی کا اضافہ نہ کریں گے اور کیا وہ اپنی فطرت کے مطابق ان مظلوم غرباء کے مقدمہ کی پیروی کیلئے تیار نہیں ہیں۔ للہ مدد کیجئے ورنہ ایک نفس مسلم کا جرم ولی سے بھی زیادہ بے حقیقت ثابت ہوگا۔ اور خدا جانے کتنے بے گناہ مصائب میں گرفتار ہو جائینگے۔ مقدمہ کی پیروی کیلئے قطعاً سرمایہ نہیں جسکی وجہ سے اور بھی خطرات درپیش ہیں۔ دردمند مسلمان فوراً مالی امداد کیطرف متوجہ ہوں ورنہ بے گناہوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

بقیہ صفحہ (۲) کالم (۳)

کو بمبئی آئے۔ اور محکمہ مذہبی ملازمین حجاج کے ساتھ آسکے تو ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء کے جہاز میں قافلہ روانہ ہوجاتا چونکہ ہر درجہ جہازات خالی تھے۔ اور حجاج کو ۱۶۔۱۷ دن تک بمبئی میں قیام کرنا نہ پڑتا۔ اب حجاج کا انتظام اکبر جہاز میں کیا گیا ہے کرایہ کا عام نرخ (۷۰) اور (۸۰) کے درمیان ہے لیکن افسوس حیدرآباد کے حجاج کے لئے (۱۴۰) میں ٹکٹ خریدا گیا ہے جسکی وجہ ہر حاجی کو (۶۰) اور (۷۰) روپیہ کا نقصان ہوا جہاز مذکور ۷ مئی ۱۹۳۳ء روز دوشنبہ کو براہ کراچی حاجی کو لیکر روانہ ہو جائے گا۔ اس سال بارگاہ خداوندی سے حاجی محمد طلال صاحب صاحب تاجر مکہ معظمہ کا تقرر بحیثیت ایجنٹ سرکاری بغرض انتظامات حجاج وغیرہ کیلئے فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب موصوف بھی قافلہ کے ہمراہ روانہ ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صاحب موصوف اور ناظم صاحب کے درمیان معلم کے تقرر کے بارہ میں کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی۔ نیز اکثر حجاج اور مذہبی کے نامزد معلم کے تقرر کرلینے سے ناراض ہیں۔

عرفی کی حیات اور اس کی تصانیف پر غور و فکر

از ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب مولوی فاضل۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (کنٹب)

پروفیسر فارسی

مترجمہ

از محمد عبدالجلیل صاحب بی۔ اے (عثمانیہ)

مصنف کی حیات کے متعلق چند نئی معلومات

محمد عوفی کی مشہور کتاب لباب الالباب کے پہلے حصہ کی اشاعت سے اس کی زندگی کے بہت سے راز پردۂ خفا سے باہر آئے ہیں جن کا ذکر قاضی محمد قزوینی نے اپنے عالمانہ دیباچہ میں کیا ہے حقیقت میں ان کے علمی تفحص کی بدولت تحصیل کے لیے بیڈ، چارلس ریو پروفیسر ای جی براؤن اور ناش ولیم جنبول کی تحقیقات پر ایک معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔ ہمارا یہ تبصرہ بھی ان حضرات کی کوششوں کا ایک سلسلہ ہے اس مقدمہ کی بنیاد مصنف کی دو کتابوں لباب الالباب

تین مسائل کی تحقیق

مذکورہ تنوخی کی الفرج بعد الشدہ کا وہ فارسی ترجمہ جو خود عوفی نے کیا تھا اور جوامع الحکایات زیر بحث کے بلا استثنا مطالعہ پر رکھی گئی ہے۔ عوفی کی حیات اور اس کے تصانیف کی جانچ میں صرف ان امور پر بحث کی گئی ہے جن میں شکوک اور شبہات تھے اور جن کی کامل تحقیق ہونی ضروری تھی جیسے اس کا صحیح لقب، اس کی زندگی کا صحیح زمانہ اور اس کا ادبی کارنامہ۔ پہلا اول کے متعلق اسناد سے ثبوت فراہم کیا گیا ہے اور (اس کی تاریخ کا) گئی ہے) دوسرے امر کی بابت شہادت بینہ مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس کی زندگی کے ممتاز پہلوؤں کا تعین ہو سکے اور تیسرے معاملہ کے متعلق اس کی تصانیف پر انفرادی حیثیت سے ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔

مصنف کا صحیح لقب سدید الدین تھا کہ نور الدین

اب تک محمد عوفی کا لقب غلطی سے نور الدین سمجھا گیا تھا درحال عوفی اپنے معصروں میں سدید الدین کے لقب سے مشہور تھا۔ بعد میں معلوم نہیں اس کا لقب کس طرح نور الدین پڑ گیا۔ شاید اس تبدیلی کی سب سے قدیم سند حمد اللہ مستوفی قزوینی سے لی گئی ہو۔ لیکن ہمارے ہاں اس کے برخلاف کئی ایک ثبوت موجود ہیں جن میں معصری اسناد بھی شامل ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ اس کا صحیح لقب سدید الدین تھا۔

ایک معصر کی توثیق

یہ قول اولاً اس ضمیمہ کے اقتباس پر مبنی ہے جو عوفی کے الفرج بعد الشدہ کے فارسی ترجمہ میں درج ہے اس اقتباس کی عبارت یہ ہے۔ نسخہ (انڈیا آفس ۲۳۲) فہرست اتھے نمبر ۲۳ (۱۰ 457a-F 456b) ضخ

با می نامیہ احقر العبید محمد بن ابی عمر بن احمد سمرقندی کہ کاتب الفرج بعد الشدہ است .... گزیدہ

بحکم وقلع ایام و حوادث روزگار این حضرت با جلال التزامات محفوظ با العنوا الاقبال بعزت نیرد الا وحد و سواحل بسیار محیط افتادہ و میرضعی کسان (سا) کتابت می خوانند قاضی الملم اعز اخص امجد اشرف سید بدر الملک والدین ظہیر الاسلام والمسلمین و اعظم الملوک والسلاطین منشی الشکر والنثر ملک الکلام فضل العالم محمد العوفی ید یم اللہ یا سر روزگاری چند آنجا سکونت ساختہ بود و بسبب اختلاط و سیاست کہ بندہ را با او می بود اشتیاق می داشت۔ آخر

اس کے لقب کے متعلق غلط فہمی

بلا شبہ ایک معصر کی یہی توثیق یہ ثابت کرتی ہے کہ عوفی کس لقب سے اپنے زمانہ حیات میں مشہور تھا۔ اس کا صحیح لقب سدید الدین تھا نہ کہ نور الدین جیسا کہ متاخرین نے خیال کیا ہے۔ اس کے لقب کے متعلق زمانہ قدیم سے اس وقت تک پیچیدگی ہی واقع ہوتی رہی۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی ہی پہلا شخص ہے جس نے عوفی کا ذکر نہایت اجمال کے ساتھ اپنی تاریخ گزیدہ میں کیا ہے۔ اس تاریخ کا سنہ تصنیف ۷۳۰ھ م ۱۳۳۰ء ہے یعنی یہ عوفی کے انتقال کے سو برس بعد لکھی گئی۔ اس کتاب میں حمد اللہ نے عوفی کا لقب نور الدین لکھا ہے اور بعد تمام مصنفین بجز حاجی خلیفہ کے اسی غلطی میں مبتلا رہے مگر حاجی خلیفہ کے معلومات بھی عوفی کے متعلق نہایت ہی ناقص ہیں اس نے بجائے نور الدین کے اس کا لقب جلال الدین قرار دیا ہے اس بیان سے بھی اور دوسری غلطیاں پیدا ہوگئیں حتی کہ فلیوگل (Vienna cat. [Persisch 422] Vol. I. p. 410 Flügel) اور دوسرے مستشرقین بھی جوامع الحکایات کی تصنیف اور اس کے انتساب کو صحیح طور پر بیان کرنے سے قاصر رہے

خود مصنف کا اعتراف

لباب کے متن میں جوامع الحکایات کے نہایت قدیم اور مستند قلمی نسخوں میں

---

۱ لباب الالباب حصہ اول مصححہ پروفیسر براؤن و میرزا محمد ابن عبدالوہاب قزوینی ۱۹۰۶ء حصہ دوم مصححہ پروفیسر براؤن ۱۹۰۳ء۔

۲ دیکھو صاحب موصوف کا مضمون "شعر فارسی کا ایک قدیم ترین تذکرہ" جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۲۰ء جلد (۹) ص ۱۱۲-۱۱۶۔

۳ فہرست نسخہ ہائے خطی برٹش میوزیم۔ جلد (۲) ص (۷۴۹)۔ (۵۱۱ع) ۱۸۸۱ء۔

۴ دیکھو صاحب موصوف کا مضمون دولت شاہ کے ماخذ' جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۹ء۔ جلد ۱۳ ص ۴۵ ۴۷ اور تاریخ ادبیات ایران ۱۹۰۶ء جلد ۲ ص ۴۷-۴۶۔

۵ دیکھو صاحب موصوف کا مضمون عوفی، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ جلد (۱) ص (۵۱۰) یہ مضمون ۱۹۱۱ء میں لکھا گیا تھا۔ اگرچہ صاحب موصوف نے ضمنا ریں لباب (مصححہ میرزا محمد قزوینی) کا حوالہ دیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مضمون لکھتے ہوئے اس کتاب سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔

۶ راقم نے تنوخی کی الفرج بعد الشدہ کے فارسی ترجمہ کے متعلق ایک تنقیدی مضمون سپرد قلم کیا ہے جو اسی کتاب میں ص ۱۴-۱۹ درج ہے۔

۷ انڈیا آفس لائبریری میں اس کتاب کے دو قلمی نسخے راقم کے ہاتھ آئے۔ یہ دونوں نسخے بھی ترجمے کے صرف دوسرے حصہ پر مشتمل ہیں۔ (نصف اول مفقود ہے) (نمبر ۱۴۳۲ و ۲۰۷)۔

۸ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون۔ جلد ۲ صفحہ ۵۰۰ نمبر ۳۸۹۹۔

...س کا لقب کہیں نورالدین نہیں بتایا گیا۔ صرف جوامع Pers. A 51 (Jones) [India Office London] کے ایک قلمی نسخہ (F/135 B) میں نورالدین لکھا ہے۔ ثانیاً سدیدالدین کے لقب کی تصدیق ایک دوسری مستند تحریر سے ہوتی ہے۔ لباب الالباب میں ایک شعر ایسا موجود ہے جو اس کے دوست مہذب الدین منصور بن علی الاسفزاری نے دوران خط و کتابت میں اس کو مخاطب کر کے لکھا تھا۔ خود عوفی نے اس شعر کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

ما ابصرت ایام عمری طرفی ؛ قرماً کریماً کالسدید العوفی

سدید اور عوفی یہ دو لفظ جو آخری مصرعہ میں اسم معرفہ کے ساتھ لائے گئے ہیں وہ محض تحسین کلام کی خاطر نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں مصنف کے اصلی نام کے جزو لاینفک ہیں۔ شاعر نے یہاں مختصر لقب و نسبت کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے جمع کر دیا ہے۔

نسخہ پاریس سے شہادت

اس استدلال کی تائید میں جوامع کا دوسرا قدیم قلمی نسخہ ۸۱۳ھ کا لکھا ہوا پیش کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کے خاتمہ پر (F 289 B) جس میں مصنف کا نام سدید عوفی لکھا ہوا ہے اور اسی نسخہ کے سرورق پر (ورق 1a) یہ عبارت لکھی ہے جس کے اطراف سنہری کام کیا گیا ہے۔

"کتاب جوامع الحکایات و لوامع الروایات من تصانیف الامام حجۃ الاسلام سدید الملۃ والدین محمد العوفی [illegible]" اور (F 202 B) پر ثبت ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم (ذیل) قسم الثالث من کتاب جوامع الحکایات" (F 203 a) "من مصنفات حجۃ الاسلام سدید الدین محمد العوفی قدس اللہ روحہ العزیز"

تجارب السلف کی تصدیق

اس لقب کی صحت کی حتمی دلیل تجارب السلف کے اقتباسات سے ملتی ہے۔ تجارب السلف کتاب الفخری کا ایک مبسوط فارسی ترجمہ ہے جس کو ہندوشاہ بن سنجر الکیرانی الصاحبی نے ۷۲۴ھ م ۱۳۲۳ء میں کیا۔ ان میں سے دو اقتباسات ایسے ہیں جو جوامع سے براہ راست نقل کئے گئے ہیں۔ اور ان میں صراحتاً عوفی سدیدالدین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

"و امام سدیدالدین محمد بن (محمد) عوفی در کتاب جوامع الحکایات گفتہ است" چنانچہ
"در جوامع الحکایات مرحوم سدیدالدین محمد عوفی بخاری رحمۃ اللہ آوردہ است"

بلحاظ مدت ہندوشاہ اور حمد اللہ میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں۔ لیکن اول الذکر نے عوفی کا لقب سدیدالدین تسلیم کیا ہے اور اقتباسات بھی صحیح دئے ہیں۔ اور آخر الذکر نے باوجودیکہ اپنی نزہۃ القلوب میں جوامع الحکایات سے کئی ایک حکایتیں نقل کی ہیں لیکن عوفی کے لقب اور نسبت کا کہیں حوالہ نہیں دیا۔ بعد کے مصنفین نے غالباً تاریخ گزیدہ کی اس مجمل عبارت کی بنا پر اس کا لقب نورالدین سمجھا ہے۔

"محمد عوفی لقب نورالدین صاحب کتاب (جوامع الکنایات و الحکایات) در اول دولت [illegible] معول در گذشت"

یہ مختصر اور ناکافی بیان ہمارے مدلل اور معقول وجوہ کے بالکل منافی ہے۔ آئندہ سے ہم عوفی کو سدیدالدین کے لقب ہی سے یاد کیا کریں گے۔

اسکی زندگی کے دور

ہمارے مصنف کی حیات کے تفصیلی حالات پر بحث کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس کی پیدائش اور وفات کی تاریخیں معین کر لی جائیں چونکہ ہمیں اس کی قطعی تاریخیں معلوم نہیں ہیں اس لئے یہاں صرف داخلی اور خارجی شہادتوں اور قیاس پر اکتفا کرنا ہوگا۔

حد اولین

۵۹۷ھ م ۱۲۰۰ء میں عوفی عالم شباب میں تھا اور علوم و فنون کی تکمیل اپنے وطن ہی میں کر چکا تھا۔ اس کے بعد وہ سلطان سمرقند جلال الدین ابراہیم بن الحسین خاں کے دربار میں پہنچا جس کا عہد حکومت [illegible] تا ۵۹۷ھ م ۱۲۰۰ء تھا۔ یہاں بڑے بڑے علما اور اساتذہ کے حلقوں میں علمی مناظرہ کرتا تھا۔ علماء میں خاص طور پر میر عمید بہاءالدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ شہزادہ نصرۃ الدین قلیچ ارسلان خاقان عثمان کے اتالیق تھے۔ جس کی حکومت ۶۰۹ھ م ۱۲۱۲ء میں ختم ہوئی۔ عوفی کہتا ہے کہ اس شہزادہ کی عمر اس وقت ۱۵ برس ہوگی۔ ظاہر ہے کہ عوفی کی عمر اس وقت (۲۵) یا (۳۰) برس ہوگی۔ کیونکہ وہ عرصہ دراز تک بخارا میں تحصیل علم کرتا رہا جس کے بعد ہی اس نے ادبی سیاحت کی غرض سے یا مختلف شاہی درباروں میں کوئی عہدہ حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن کو چھوڑا۔ ہم کو اس کے آئندہ واقعات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اس بنیاد پر اس کی تاریخ پیدائش ۵۶۷ھ اور ۵۷۲ھ م ۱۱۷۱ء کے درمیان قرار دی جا سکتی ہے۔

حد آخرین

جوامع حکایات میں اس امر کے قطعی ثبوت موجود ہیں کہ عوفی ۶۳۰ھ تک بقید حیات تھا۔ اور خلفائے عباسیہ کی یادداشت نظم کے ایک شعر سے یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ عرصہ تک بھی زندہ رہا۔ عوفی نے خلفا کے باب (یعنی قسم اول باب پنجم) میں (۳۶) خلفا کے حالات لکھ کر خلافت عباسیہ کی تاریخ کو مستنصر کے عہد حکومت پر ختم کیا۔ مستنصر باللہ (۶۲۳ھ م ۱۲۲۶ء [illegible]) وہی خلیفہ ہے جس نے شمس الدین التتمش کو خلعت و سند عطا کر کے اس کی حکومت کو تسلیم کیا تاکہ بغداد اور دہلی کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذیل کی بیت بعد میں اضافہ کی گئی اور جو تاریخی غلط بیانی کہ واقع ہوگئی اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

مستنصر ہم گذشت مستعصم آمد بجاش ۔ عمر درازش دہاد خالق عرش کریم

عمر تقریباً ساٹھ سال

تیرہ نسخوں میں چونکہ یہ شعر بار بار منقول ہے اس لئے ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ عوفی زیادہ سے زیادہ خلافت عباسیہ کے آخری فرمانروا مستعصم کی تخت نشینی تک زندہ رہا اور تقریباً ۶۴۰ھ م ۱۲۴۲ء میں یہ شعر خود اس نے اپنی نظم میں منسلک کر دیا۔ اس طرح اس کی زندگی کا زمانہ تخمیناً ۵۶۷ھ و ۵۷۲ھ م [illegible] تا ۶۴۰ھ م ۱۲۴۲ء [illegible]

۱؎ یاقوت معجم البلدان طبع ووستنفلڈ جلد ۱ ص [illegible] اور Lands of the Eastern Caliphate مصنفہ Guy le Strange ص [illegible]

۲؎ (Supplement persan 95) Bibliothèque Nationale Paris.

۳؎ دیکھو پروفیسر براؤن کا وہ مضمون جو تجارب السلف کے متعلق صدسالہ جشن کے ضمیمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں شائع ہوا۔ [illegible] ص (۲۴۵) - (۲۵۵)

۱؎ دیکھو تجارب السلف نسخہ براؤن (Or-f-3) اوراق ۴۳ الف و ۴۸ ب۔

۲؎ دیکھو تاریخ گزیدہ نسخہ عکسی (گب میموریل سیریز) ص ۸۱۱ اور لباب صفحہ [illegible] جس میں یہ عبارت چند اختلافات قرأت کے ساتھ مسطور ہے۔

۳؎ جوامع الحکایات نسخہ قدیمہ پاریس Ancien fonds persan 75 ورق ۲۴۶ الف قسم اول باب بست چہارم حکایات [illegible] جن میں اس نے اپنے ایام شباب کی یاد تازہ کی ہے۔

۴؎ لباب حصہ اول صفحات [illegible] و جوامع الحکایات نسخہ قدیم برٹش میوزیم لندن (Or. 2676) ورق [illegible] قسم [illegible] باب [illegible] حکایات [illegible] کے ایک شعر کا [illegible] نے بیان کیا ہے۔

۱؎ جوامع الحکایات نسخہ قدیمہ برٹش میوزیم لندن [Or. 2676] ورق ۲۰۶ قسم سوم باب [illegible] حکایت [illegible] جس میں [illegible] کی بغاوت جو ۶۲۳ھ م ۱۲۲۶ء میں واقع ہوئی مثل ایک گذشتہ حادثہ کے بیان کی گئی ہے۔

۲؎ دیکھو جوامع الحکایات نسخہ قدیمہ پاریس Ancien fonds persan 75 ورق ۱۰۲ الف قسم اول باب پنجم حکایت ۲۸۱ بعد کے نسخوں میں اختلافات ہیں مگر اکثر قدیم نسخوں میں یہ شعر اسی طرح لکھا ہے۔ البتہ لفظ مستنصر کو غلطی سے مستعصم لکھ دیا گیا ہے لیکن پاریس کے دو قدیم ترین نسخوں یعنی [Supplement persan 95] اور [Supplement Persan 906] میں لفظ مستعصم صاف طور پر موجود ہے۔

۵۶۳ھ م ۱۱۶۷ء سے ۶۳۰ھ/۱۲۳۲/۳ء کے درمیان وقوع ہوتا ہے۔ لیکن آخر الذکر تاریخیں قریب بہ یقین ہیں۔ ہمارے اس آخری تخمینہ کی بنا پر وہ تقریباً ۶۰ سال تک زندہ رہا۔

دور حیات کی تقسیم

یہ ساٹھ برس کی مدت اس کی زندگی کے تین نمایاں پہلوؤں پر منقسم ہوتی ہے۔ (۱) پیدائش بچپن اور ابتدائی تعلیم (۵۶۲ھ یا ۵۶۳ھ م ۱۱۶۷ء سے ۱۲۰۰ء) جو اس نے ماوراء النہر اور زیادہ تر اپنے وطن بخارا میں پائی۔

(۲) دور سیاحت ۵۹۷ھ سے ۶۱۷ھ م ۱۲۰۰ء سے ۱۲۲۰ء۔ سمرقند میں پہنچنے کے بعد سے اس کے مستقل طور پر ملک نصیر الدین قباچہ المعزی، فرمانروائے سندھ کے دربار میں مامور ہونے تک۔

(۳) ادبی پیداوار کا دور ۶۱۷ھ سے ۶۳۰ھ م ۱۲۲۰ء سے ۱۲۳۲/۳ء۔ لباب الالباب کی تالیف سے جوامع الحکایات کی تصنیف تک بلکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک۔

عہد طفولیت اور ابتدائی تعلیم

ہمارے مصنف کی زندگی کے پہلے دور کے متعلق ہماری معلومات بالکل ناقص ہیں۔ لباب الالباب اور جوامع الحکایات[۳] میں جو حوالے کہیں کہیں مل جاتے ہیں ہمیں انہیں پر اکتفا کرنا پڑا۔ بچپن کے کچھ ابتدائی احوال خود عوفی کی لباب اور جوامع میں مندرج ہیں۔ لباب[۴] میں عوفی نے اپنے دادا کی سوانحعمری لکھی ہے اور جوامع[۵] میں [illegible] میں بھی ذکر آیا ہے۔ ان حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوفی نے جس شخص کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اس کا دادا شرف الدین ابو طاہر یحییٰ بن عثمان العوفی ہے۔ بدقسمتی سے ہمیں اس کے دادا کی تاریخ وفات نہیں معلوم۔ ورنہ یہ واقعہ عوفی کی سوانح کا سر آغاز بن سکتا۔ بہرحال یہ مصنف کا عہد طفولیت تھا چنانچہ آگے چلکر

۳۔ لباب الالباب حصہ دوم صفحہ ۳۶۳: امام شرف الدین مسعودی کہ در بخارا از اکابر علماء و اماثل فضلا بود او داعی دولت او۔ او دیدہ و خدمت او دریافتہ اگرچہ بندہ کوچک و او پیر بزرگ بود اما بحکم جوار گاہ گاہ اتفاق ملاقات افتادی و پیوستہ داعی را منظور خود گردانیدی۔

۴۔ جوامع الحکایات نسخہ قدیمہ برٹش میوزیم لندن [Or. 2676] ورق ۲۷۰ الف قسم سوم باب پنجم حکایت ۱۵۸۸ و ورق ۱۸۷ قسم دوم باب بست و چہارم حکایت ۱۵۲۴۔

۵۔ لباب الالباب حصہ اول صفحہ (۱۷۸-۱۷۹) تذکرہ القاضی الامام شرف الدین سید المحدثین ابو طاہر یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی رحمۃ اللہ یعنے ذکر جد مولف کتاب۔

۶۔ الموسوم بہ عرفات و عرفات عاشقین دیکھو نسخہ انڈیا آفس نمبر (۳۶۵۴) ورق (۶۰) ب اور جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۴۸) جلد دہم صفحہ (۱۱۵)

عوفی نے رکن الدین مسعود امام زادہ بخاری سے مدرسہ درخارجک[۱] میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اسی طرح اس نے آل برہان کے ایک مشہور فقیہ تاج الدین عمر بن مسعود سے زمخشری کی کتاب فائق کا درس لیا۔ یہ تاج[۲] الدین اقلج لمغلج ابراہیم اور اس کے لڑکے شہزادہ نصرۃ الدین کا معاصر تھا۔ پھر اس نے قطب[۳] الدین السرخی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ السرخی اس زمانہ کا ایک[۴] مشہور خوش نویس تھا اور کتاب خانہ سرپل بازارچہ بخارا کا محافظ بھی رہ چکا تھا۔ اسی نے لغات[۵] زہری کی کتابت کی تھی۔ شمس[۶] الدین محمد القائقی المرزنی اور شرف الدین بن فخر الدین مسعودی جیسے علماء کا بھی اسے کچھ دھندلا سا خیال ہے۔ اسی طرح اس نے اپنے ہم سبق[۷] کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے ساتھ ملکر قاضی فخر الدین جان کی جامع الصغیر حفظ کیا تھا۔ غالباً اس کے تعلیمی دور کا آخری حوالہ اشرفی سمرقندی کی سوانحعمری میں ملتا ہے۔ اس شعر کے متعلق لکھتا ہے[۸]،

در شہور سنہ سبع و تسعین و خمس مائۃ او را در بخارا
در مدرسہ مغیثیہ دیدہ آمد و از وے این رباعی
استماع افتادہ، الخ

۱۔ لباب الالباب حصہ اول صفحات (۱۸۱-۱۸۲ و ۳۳۹) و تاریخ جہانگشائی جوینی مصححہ میرزا محمد قزوینی (گب میموریل سیریز) حصہ اول صفحہ (۸۱) مغل جب بخارا پر ٹوٹ پڑے اور وہاں قتل و غارت ڈھایا تو یہ بھی ۶۱۶ھ میں شہید ہوئے۔

۲۔ نسخہ قدیمہ پاریس [Ancien fonds persan 75] میں ورق (۲۱۵) ب پر "در مدرسہ فارجک" لکھا ہے اور نسخہ قدیمہ برٹش میوزیم لندن رقم Or. 6855 میں ورق (۵۹) ب پر "در مدرسہ درفارنجک" لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو اس مقام کے صحیح نام کے لیے یاقوت معجم البلدان جلد سوم ص ۸۳۴ اور تاریخ بخارا نرشخی مصححہ پارس شیفر ص ۱۳ سطر ۲۱ ۳۲۵ھ میں مدرسہ فارجک کی آتش زدگی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ دیکھو لباب الالباب حصہ اول صفحہ ۱۷۰ سطر ۹-۱۰۔

۴۔ دیکھو لباب الالباب حصہ اول صفحہ ۲۱۰-۲۱۱-۳۳۸ (۳۴۶)

۵۔ یہ کتاب تہذیب ازہری کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اسکی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ترتیب بلحاظ حروف تہجی نہیں بلکہ مخارج الفاظ کی بنا پر رکھی گئی ہے۔ مرتبہ امام ابو منصور محمد بن احمد بن طلحۃ الازہری اللغوی الہروی المتوفی ۳۷۰ھ بحوالہ میرزا محمد قزوینی لباب الالباب حصہ اول صفحہ (۳۴۶)۔

۶۔ دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۲۱۳، س ۷-۱۰۔

۷۔ دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۱۶۳ س ۱۳-۱۷۔

۸۔ دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۳۲۴، س ۱۹-۲۰۔

دور سیاحت

جن واقعات کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ اپنی نوعیت میں ان حالات سے بالکل مختلف ہیں جو اس کی سیاحت علمی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ ان سے ایک مبتدی کے تحصیل علم کی جد وجہد اور اس کی آئندہ علمی شہرت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے مصنف نے بیس سال تک سیر و سیاحت کی۔ لباب الالباب کا پہلا حصہ شخصی واقعات کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اور اسی سے ہم کو اس کے خراسان کی تمام مصروفیتوں کا پتہ لگتا ہے۔ پروفیسر براؤن[۱] لکھتے ہیں، "لباب کو ایران کی کتاب الاغانی کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اس میں (۱۲۲) شاہی خاندانوں کے افراد اور بڑے بڑے امراء کے حالات درج ہیں جنہیں شعر و سخن کا ذوق تھا۔ (۱۶۳) پیشہ ور شاعروں کے حالات ہیں جن میں (۴۰) شعرائے طاہریہ، صفاریہ اور سامانی دور کے ہیں۔ (۲۹) غزنویہ دور کے اور (۵۰) سلجوقیہ دور کے۔ اور تقریباً (۴۵) خود عوفی کے معاصر ہیں۔ ہم یہاں اسکی سیاحت کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرینگے جس میں تمام ایسے مقامات اور مشاہیر کا ذکر آجائیگا جن کی اس نے سیر کی یا جن سے اسے واسطہ پڑا تھا۔

سمرقند میں

سب سے پہلے وہ ایلک خانان سمرقند کے دربار میں اپنی قسمت آزماتا ہے۔ یہاں چند دنوں تک کاتب[۲] کی خدمت اعزازی حیثیت سے انجام دیتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے[۳] دیوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ جیسے وزیر سمرقند نظام[۴] الملک صدر الدین محمد بن محمد شمس الدین اور اس کے ہم عصر[۵] اور تین شعراء، دوسرے مشہور علماء جیسے شرف الدین حسام محمد بن ابی بکر النسفی جن کی بدولت اس کو روایت کی اجازت ملی۔ علامہ شرف الدین النسفی، خاقانی اور عمر نوقانی کے ہمعصر تھے۔ ایک اور قابل ذکر شخص صدر الدین عمر بن محمد السجاباذی ہے جو سلطان علاء الدین محمد خوارزمشاہ (۵۹۶ھ تا ۶۱۷ھ م ۱۱۹۹ء سے ۱۲۲۰ء) کا درباری شاعر تھا۔ اسی عوفی کا ماموں شرف الزمان مجد الدین محمد بن عدنان السرخکتی اور اس کا ہمیرا بہائی دونوں درباری طبیب تھے۔ اور خود کو شہزادہ کی صحبت بھی پسند تھی لیکن یہاں اس کا قیام کچھ زیادہ عرصہ تک نہیں رہا۔ دربار کو خیرباد کہکر سفر کی ٹہانی۔

خوارزم میں

ماوراء النہر میں مشاہیر سے دوستی پیدا کرنے کے بعد عوفی نے خوارزم کی راہ لی۔ اس کے قیام خوارزم کا حال جوامع کے نہایت

۱۔ دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص (۱۶۲)، س ۱۹-۲۲

۲۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۹۹ء) جلد (۳۱) ص ۴۶-۴۷۔

۳۔ دیکھو لباب حصہ اول ص ۵۴، س ۲۰-۲۱

۴۔ دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۰۵-۲۰۶-۲۴۶۔

۵۔ دیکھو لباب حصہ اول ص ۶۴-۶۵، ۱۶۸، ۶۔ دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۰۱، حصہ دوم ص ۳۴۱-۳۴۴۔ ۷۔ دیکھو لباب حصہ اول ص ۱۷۹، ۱۸۰۔

قدیم نسخہ الف[1] (محررہ ۱۹۹ھ ستمبر ۱۲۰۲ء) کی زمانہ حکایات میں سے ایک میں پایا جاتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

چنین گوید (کہ) مولف کتاب (کہ) دران سال (کہ) این دعاگوئے بخوارزم بود و سلطان خوارزمشاہ بخراسان بود و در شہر خوارزم ہیچ لشکر نبود و خداوند جہان کہ مادر سلطان خوارزمشاہ بود الاغی بخراسان فرستادہ تا سلطان را از رسیدن لشکر غزنین اعلام دہند و تا نگاہ در شہر ندا کردند کہ فرمان بران جملہ است کہ ہیچ کس دستار نبندند کہ جملہ کلاہ سیاہ بر سر ہنبد و سلاح در پوشند و ہرچہ در خوارزم سلاح بود خلق بپوشیدند و نود ہا ساختہ بود از کاغذ و تیر ز ر… دی او (؟) کشیدہ بر در شہر لشکر گاہی کردند کہ سر فلک دوراس (کذا؟) بگشت و عطار و از حساب آن عاجز می آمد و سلطان شہید (معز الدنیا والدین محمد) انار اللہ برہانہ را خبر دادہ بودند کہ خوارزمشاہ در شہر نیست و لشکر ہبر در نیشاپور است چون رسول سلطان خوارزم رسید لشکرے دید عظیم آراستہ و لشکر گاہے بر آراستہ انبوہ و سلاح و اسپ بسیار چون رسول برسید بعد از ہفت روز سلطان خوارزمشاہ برسید و با دے سوارے صد بیش نبود و بر عقب او لشکر از طرف رنگ (؟) بر می آمد بدین حیلت کہ خداوند جہان کرد شہر خوارزم از صولت سلطان شہید مصئون ماند واللہ اعلم"

حادثہ خوارزم اور عوفی کا قیام

اقتباس بالا میں اس واقعہ کی تاریخ نہیں بتائی گئی ہے۔ لیکن جو تاریخی واقعات اس سے پیشتر اور اس کے بعد والی حکایتوں میں درج ہے ان کی بنا پر تاریخ کا یقینی طور پر تعین کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ جہان گشائے جوینی کی رو سے سلطان معز الدین محمد (یا شہاب الدین غوری) المتوفی سنہ ۶۰۲ھ م سنہ ۱۲۰۶ء اور سلطان علاء الدین خوارزمشاہ کے درمیان سخت کشیدگی کی ابتدا ۵۹۹ھ م ۱۲۰۲ء سے ہوتی ہے۔ اور اس کش مکش کی انتہا سنہ ۶۰۱ھ میں ہوتی ہے جب کہ سلطان غوری شکست فاش کھا کر خوارزم کا ارادہ بالکل ترک کر دیا ہے۔ اور اپنی شکست خوردہ فوج کی از سر نو تنظیم کر کے پھر ہندوستان کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ تاریخ فرشتہ[1] میں خوارزم پر ایک حملہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"دورین اثنا خبر شہادت محمد جربک (خرنک) حاکم مرو شنیدہ بہ استعداد تمام در سنہ ۶۰۰ستمایہ بہ تسخیر خوارزم رفت، خوارزمشاہ تاب مقاومت نیاوردہ بخوارزم درآمد چون سلطان بخوارزم رسید در کنار آبی کہ از جیحون بہ طرف شرقی خوارزم خلیجی کندہ اند فرود آمد و چند روز جنگہا واقع شدہ چندے از امراء غور بشہادت رسیدند[2]" الخ

سال قیام ۵۹۹ھ تا ۶۰۱ھ

سلطان غوری کا یہ حملہ اور خوارزم کی یہ عیارانہ مدافعت جو حکایت مندرجہ بالا میں مذکور ہیں۔ یقیناً سنہ ۶۰۱ھ سے قبل واقع ہوئے ہوں گے اس سے ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ عوفی اس زمانہ میں خوارزم میں موجود تھا۔ چنانچہ ہم نے اس کے سفر کی جو منزلیں قائم کی ہیں ان سے اس واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے یعنی عوفی سمرقند چھوڑنے کے بعد بخارا واپس آتا ہے اور پھر خوارزم جاتا ہے اس وجہ سے بھی یہ بات قرین صحت ہے کہ آئندہ واقعات اس کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ سنہ ۶۰۱ھ میں شہر نو ور نشاپور میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ عوفی خوارزم میں نجم الدین کبریٰ کے مشہور مرید شیخ مجد الدین شرف ابن المؤید البغدادی خوارزمی کے جلسوں میں شریک رہا۔ شیخ کی وفات کے سنہ میں اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل سنین بیان کیے گئے ہیں۔ ۶۰۲، ۶۰۷، ۶۱۳، ۶۱۶ عوفی نے شیخ مجد الدین اور شہاب الدین ابو سعد بن عمران خیوقی (جو سلطان علاء الدین خوارزم کا وکیل تھا) کے تعلقات اپنے علم کی بنا پر جوامع الحکایات میں اس طرح لکھے ہیں[3]۔

"جوامع این حکایات محمد عوفی گوید وقتی شہاب الدین خیوقی کہ وکیل خاص در سلطان سکندر بود و بخدمت شیخ الشیوخ مجد الدین بغدادی نامہ نوشت و درخواست کرد کہ بہ ہمت عالی مدد باید فرمود" الخ

اسی شہر میں اس کی ایک بڑے عالم سے ملاقات ہوئی۔ ان کا نام شیخ الاسلام علاء الدین البخاری تھا جن سے عوفی نے روایت کی اجازت حاصل کی۔ گو لباب میں سلطان محمد خوارزمشاہ اور بہاؤ الدین محمد ابن المؤید البغدادی کے تذکرے ہیں لیکن اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کو خوارزمشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملا۔

سوئے خراسان شہر نو کا قیام

الغرض عوفی شہر نو پہنچتا ہے جہاں شہزادہ نصرۃ الدین کبود جامہ (جس کو خوارزمشاہ نے تقریباً سنہ ۶۰۲ھ میں قتل کر دیا) بر سر اقتدار تھا یہاں شہزادہ کے دربار میں باریابی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عوفی جب خوارزم سے لوٹ رہا تھا اس وقت راستہ میں چوروں نے اس کا سارا مال و متاع لوٹ لیا تھا۔ عوفی اپنی ان تکالیف کو شہزادہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا مگر شہزادہ اپنے عیش و نشاط میں مشغول تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ مجھے وعظ و تذکرے سننے کی فرصت نہیں۔ اور اس کی استدعا پر سواری کا انتظام کیا اور پھر کسی موقع پر سرفراز کرنے کا وعدہ کیا۔ عوفی کی ہمت اس سفر میں بہت ٹوٹی۔ شہر نو سے نکل کر پہلی دفعہ نسا پہنچا یہاں سے وہ سارے صوبہ خراسان کا دورہ کرتا ہے۔ نسا میں اس کی ملاقات محمد بن سمیع النسوی مجد الدین محمد الپائزی سے ہوئی جو سلطان خوارزمشاہ کا درباری شاعر تھا۔ مجد الدین اس وقت شاہان خوارزم کا ایک شاہنشاہ نامہ مرتب کر رہا تھا۔ ظہیر الدین النسوی المتخلص بہ ولی سے بھی ملاقات کی جو اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا۔

(باقی آئندہ)

---

[1] دیکھو نسخہ نمبر 75 [Ancien fonds persan 75] [نسخہ Bibliothèque Nationale] ورق ۱۰۸ ب قسم اول باب ۱۳ حکایت ۲۸۰۔ اور مقابلہ کرو اس عبارت کا اس اقتباس سے جو محقق بارتولد کی روسی کتاب "ترکستان بوقت حملہ مغول" جلد اول ص ۸۰ ص ۱۱۸۔ ۹ میں درج ہے۔

[2] و [3] ناقابل فہم ہیں۔

[3] حصہ دوم ص ۴۲۵ س ۱۵۔ ص ۵۰۸ س ۱۵ - ۲۰

[1] صحیح ہے برگس جلد اول ص ۱۰۳۔ مقابلہ کرو تاریخ الکامل لابن الاثیر مطبوعہ ٹورنبرگ سے جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۲۔

[2] ماخوذ از نسخہ ہائے خطی قدیمہ تاریخ فرشتہ [Add. 18,875 Br. Mus.] ff 88. اور [Add. 6572 Br. Mus.] f 60 A.

[3] نسخہ قدیمہ برٹش میوزیم [Or. 2676] ورق ۲۴۰ ب قسم چہارم باب اول حکایت ۱۲۹۲

[4] دیکھو لباب حصہ اول ص ۴۲ - ۴۴۔

[5] دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۰۹ س ۱۴ - ۱۵۔

[1] دیکھو لباب حصہ اول ص ۴۲ - ۴۴

[2] دیکھو لباب حصہ اول ص ۱۳۹ - ۱۴۲ - ۳۳۸ سنہ ۵۸۸ھ میں بقید حیات تھا۔

[3] دیکھو لباب حصہ اول ص ۵۱ - ۵۲۔

[4] ہر چند کہ بر بساط شطرنج شہر + امروز شہم پیادہ (پیلیدا) رفت۔

[5] لباب الالباب حصہ دوم ص ۲۴۵ - س ۹ - ۱۰۔

[6] لباب الالباب حصہ اول ص ۲۴۰ - س ۴ - ۱۰۔

[7] لباب الالباب حصہ دوم ص ۲۴۵ - س ۸ - ۱۱

[8] لباب الالباب حصہ اول ص ۴۳ - س ۱۱ - ۱۲۔

شعر و سخن

غزل

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

چھیننے والے تجھے خبر بھی ہے
نگہِ شوق پردہ در بھی ہے

کس کو سمجھوں میں راز دار اپنا
دل بھی دشمن ہے چشمِ تر بھی ہے

دل مرا آنکھ آپ کی بیمار
جو ادھر رنگ ہے ادھر بھی ہے

محوِ نظارہ آئینہ کب تک
بندہ پرور مری نظر بھی ہے

ایک تو شوخ ہے تری چتون
اُس پہ طرہ کہ فتنہ گر بھی ہے

دردِ دل کی دوا نہیں ملتی
میں بھی حیران ہوں چارہ گر بھی ہے

کچھ تو بیچین ہیں وہ شوخی سے
کچھ مری آہ کا اثر بھی ہے

تیرے پیکاں کو اب کہاں رکھوں
دل بھی صد چاک ہے جگر بھی ہے

ہے تماشا کہ دل فگاروں میں
نام قاتل کا چارہ گر بھی ہے

چاہیئے اک ادا بھی تیر کے ساتھ
دل اکیلا نہیں جگر بھی ہے

کتنی تھوڑی ہے شامِ وصل جلیل
شام بھی ہے یہی سحر بھی ہے

بیرونی خبریں

صدر اعظم افغانستان کی وفات

ہمعصر "اتحاد مشرقی" (جلال آباد) نے اپنی ۲۲ شوال ۱۳۴۶ روز شنبہ کی اشاعت میں یہ خبر درج کی ہے کہ جناب جلالت مآب سردار عبد القدوس خاں صدر اعظم نے جن کی تاریخ حیات درخشان کارناموں سے مملو تھی رحلت فرمائی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

وفات غم انگیز کے دن حکومت کے سارے دفاتر کو تعطیل تھی جناب اعلی وکیل شاہانہ اعلی حضرت سارے وزراء و مامورین دولت مصافی وغیر مصافی عہدہ دار اور تعلیم گاہ کے افراد کے ساتھ مرحوم کے مکان کو آئے جنازہ کے آگے سارے عہدہ داران و ارکان دولت تھے ۔ اور اس کے دونوں جانب طلبہ اور فوجی لوگ تھے ۔ جن کی تفنگین ماتم کے اظہار کے لئے سرنگوں تھیں اسی طرح جنازہ مقبرہ کو پہنچا جہاں اس بزرگ ہستی کو جلال وشکوہ و بزرگی کے ساتھ اس کی ابدی آرام گاہ میں پہنچا کر اس کو آغوش خاک کے سپرد کر دیا گیا ۔

تدفین کے بعد عالیجناب حضرت عالی فیض محمد خاں وزیر معارف نے خطبہ سنایا جس کے آخر میں حاضرین نے مغفور کی روح پر فاتحہ پڑھی اور معاودت کی ۔

حضرت عالی رئیس شوریٰ کے مکان میں مجلس عزاء تین روز منعقد رہی اور سارے اعیان و عوام وزراء بے شمار جوق جوق فاتحہ خوانی کے لئے آتے رہے ۔

شاہ افغانستان ماسکو میں

ماسکو ۴ مئے ۔ ہز مجسٹی شاہ امان اللہ خان نے آج ماسکو کو اپنی تشریف آوری سے مفتخر فرمایا ۔ سرحد کے قریب شاہی ریل گاڑی کی محافظت کے لئے ہوائی جہاز ہمراہ تھے ۔ آپ کے شاہانہ استقبال کے موقع پر بانڈ نے افغانستان کے قومی اور بین الاقوامی ترانوں سے سامعہ نوازی کی موسیو چیچرن ، موسیو ورد شیلان اور دیگر اعیان حکومت و ارباب تعقدر نے پذیرائی کی ۔ پھر آپ نے موسیو کالینن سے ملاقات فرمائی اور لینن مشہور روسی لیڈر کی قبر کی زیارت کی سہ پہر میں سیاسی عہدہ دار حاضر ہو کر آداب بجا لائے ۔

ایران میں غیر ملکیوں کی مراعات کا خاتمہ

طہران ۳ ر مئی ۔ اس مہینے کی دس تاریخ کو ان مراعات خصوصی کی تنسیخ عمل میں آئی جو بعض غیر ممالک کی حکومتوں اور ان کے ہم قوم باشندوں کو جو قومی عدالتوں کے علاقوں میں غیر ملکی قرار پائے ہیں حاصل تھیں اس موقع کو یادگار بنانے کے لئے حکومت اس روز قومی تعطیل عامہ کا اعلان کرنا چاہتی ہے ۔

مجلس (ایرانی پارلیمنٹ) نے آج ایران میں زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم چنگی کا مسودہ منظور کر لیا ۔ کم سے کم مقدار چنگی وہ ہے جو سوویٹ کو دینی پڑتی ہے ۔

وزیر اعظم ایران نے مجلس میں جرنیل حبیب اللہ جس شیبانی سابق صدر مددگار رکار ہائے عامہ کو مجلس میں متعارف کرایا ۔

مصر اور برطانیہ

قاہرہ ۵ مئے ۔ یہاں ہر شخص کی زبان پر یہ بات ہے کہ دیکھئے کہ مصری جواب اطمینان بخش سمجھا جاتا ہے یا برطانی جنگی جہاز آج رات اپنی تیز رفتار سے اسکندریہ اور بندر سعید میں داخل ہوتے ہیں ۔ جمہوری کچھ زیادہ جوش میں نہیں بلکہ مایوس و افسردہ ہیں ۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایک بھی مصری ایسا نہیں ہے جو اس مسودہ مجالس عامہ کو کالعدم نہ سمجھا ہو ۔ برطانیہ کو مصری کابینہ نے جن الفاظ میں بھی جواب دیا ہو اتنا سب کچھ معلوم ہے کہ مبارزت نامہ تو صاف صاف اور اس میں کسی طرح کی لغزش کی گنجائش نہیں اسی وجہ سے آج کا دن کس طرح گذرتا ہے اس کا یقین نہیں ۔

مصری یادداشت کا آخری برطانی جواب

لندن ۲ ر مئی ۔ دار العلوام میں مسٹر آسٹن چیمبرلین نے اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ نے مصری حکومت کی یادداشت کے جواب میں اس کے خیالات کا خیر مقدم کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی درج ہے کہ مجالس عامہ کا مسودہ قانون دوبارہ اٹھایا جائے گا یا اسی قسم کی کوئی اور تجویز پیش ہو تو برطانی حکومت کو بھی بیسر مداخلت پر مجبور ہو جانا پڑے گا اور وہ سنہ ۱۹۲۳ء کے اعلان پر مباحثہ کرنے تیار نہ ہوگی ۔

مسٹر آسٹن چیمبرلین نے یہ بھی کہا کہ قبل ازیں بعض برطانی جنگی جہازوں کو جو ضروری ہدایات دی گئی تھیں وہ منسوخ کر دی گئیں ۔

ترکی میں شاہ افغانستان کے استقبال کی تیاریاں

ملکۂ ثریا کو ایڈریس دیا جائیگا

ترکی میں غازی امان اللہ خان شاہ افغانستان کے استقبال کی تیاریاں وسیع پیمانہ پر عمل میں آ رہی ہیں اس انتظام کے متعلق عوام نے متعدد کمیٹیاں قائم کی ہیں اور مختلف تدابیر عمل میں لائی جا رہی ہیں ۔ حکومت کے علاوہ ان انتظامات میں عوام کے سارے طبقات سرگرمی ظاہر کر رہے ہیں ۔ جریدہ "جمہوریت" ناقل ہے کہ جمعیتہ اتحاد نسوان میں آستانہ ملکہ ثریا کو چار پر مدعو کرنے کے انتظام میں مصروف ہے ۔ اس انجمن کی جانب سے ملکہ ثریا کی تشریف آوری کی خوشی میں آپ کی خدمت میں ایک خیر مقدمی خطبہ پیش کیا جائے گا ۔ اور آستانہ کی سیاسی مجلسیں بھی اس ورود شاہانہ کے متعلق شاندار انتظامات میں لگی ہوئی ہیں ۔ ان مجلسوں میں افغانستان اور ترکی کے جدید خوشگوار تعلقات پر روشنی ڈالی جائیگی ۔

مختلف خبریں

اعلیحضرت حضور نظام سے رعایا کو کامل عقیدت مندی ہے

پونا، ۱رمئی۔ کل رات بالی والا تھیٹر کے روبرو کھلے میدان میں پرجوش مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایک عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا گیا تاکہ حیدرآباد اسٹیٹ ہجکس کانفرنس منعقدہ ۵ر مئی مقام پونا کے پروپیگنڈہ کے خلاف پروٹسٹ کیا جائے اور ہز اگزالٹیڈ ہائی نس حضور نظام حیدرآباد کے ساتھ کامل عقیدت مندی کا اظہار کیا جائے۔ مسٹر اے اے خاں ہائی کورٹ وکیل نے جلسہ کی صدارت کی۔

مسٹر اکرام بیگ نے موجودہ پروپیگنڈا کی وجہ اس مطالبہ کو قرار دیا جو ہز اگزالٹیڈ ہائی نس حضور نظام نے استرداد برار کے لئے پیش کیا تھا۔ انہوں نے مسٹر یں سی کلکر اور یل بی بھوپاٹکر کو چیلنج دیا کہ وہ ثابت کر دکھائیں کہ جہاں حضور نظام کے زیر سایہ وزارت عظمیٰ پر ہندوؤں کا تقرر عمل میں آیا ہے وہاں کسی ہندو ریاست میں بھی ایسی ہی خدمت جلیلہ پر کسی مسلمان کا تقرر کیا گیا ہے تمثیلاً انہوں نے بتایا کہ کشمیر کی ہندو ریاست میں جہاں نود فیصد مسلمان آبادی ہے کسی بڑے عہدہ پر مسلمان کا تقرر عمل میں نہیں آیا ہے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مقرر نے کہا کہ مہاراشٹر کے برہمنوں کے پیش نظر رعایائے ملک کی فلاح وبہبود نہیں ہے بلکہ وہ برطانوی وقار اور مسلم سیادت کو صدمہ پہونچانا اور پروپگنڈا کے ذریعہ حکومت اعلی اور اس کے یار وفادار کے خلاف رعایا میں بد دلی پھیلانا چاہتے ہیں۔ دیکھا جائے تو ہندو برہمن لوگوں کا برتاؤ غیر برہمنوں کے ساتھ ناقابل برداشت ہے۔

منشی قطب الدین واکی نے اعداد وشمار کے ذریعہ ثابت کیا کہ حضور نظام ہندو ومذہبی امکنہ کو ماہواروں اور جاگیرات کے ذریعہ برابر مدد دے رہے ہیں اور وہ اپنی رعایا کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پریسیڈنٹ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور حیدرآباد اسٹیٹ کے خلاف پروپگنڈا کا مقابلہ کریں۔

تین رزولیوشن بہ اتفاق آراء پاس کئے گئے۔ پہلے میں جو کرسی صدارت سے پیش کیا گیا تھا تبلایا گیا تھا کہ حضور نظام کے ساتھ مسلمان اور ہندو رعایا کو کامل عقیدت مندی ہے جو بلا لحاظ مذہب وملت رعایا کی تمدنی معاشرتی اقتصادی اور مذہبی حالت کو سدھارنے کے لئے مساعی وکوشاں ہیں۔ دوسرے میں جلسہ کی رائے ظاہر کی گئی کہ ۵ر مئی کو جو حیدرآباد اسٹیٹ ہجکس کانفرنس منعقد ہوئی وہ بے بنیاد وشر انگیز پروپگنڈا کا مخزن ہے جس کا واحد مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے موجودہ کشیدہ تعلقات کو اور بڑھانا اور موجودہ سیاسی مسائل کو پیچیدہ کرنا ہے۔ تیسرے رزولیوشن میں انڈین اسٹیٹس کمیشن کو ہدایت کی گئی تھی کہ حیدرآباد اسٹیٹ کے خلاف مفسدہ پردازیوں کے بیانات پر کان نہ دھریں اور امید ظاہر کی گئی تھی کہ برٹش گورنمنٹ اور حضور نظام کے موجودہ دوستانہ تعلقات برابر قائم رہیں گے

تمام خرابیوں کے ذمہ دار ڈاکٹر ضیاء الدین نہیں ہیں

سر عبد الرحیم کی یادداشت

نئی دہلی ۳۰ر اپریل۔ سر عبد الرحیم نے ایک نوٹ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے ایک اور اہم جلسہ میں پیش کرنے کی غرض سے بھیجا تھا جو کمیٹی کی رپورٹ پر غور کرنے کی غرض سے منعقد ہوا تھا اس میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی اعلی قابلیتوں کی پرجوش تعریف وتوصیف کی ہے۔ جو حال میں رحمت اللہ کمیٹی کی سفارش کی بنا پر پرو وائس چانسلر کے عہدہ سے مستعفی ہوگئے ہیں۔ سر عبد الرحیم فرماتے ہیں کہ کمیٹی کی رپورٹ سے صاف ظاہر ہے کہ جو بے قاعدگیاں اور غفلتیں ظاہر ہوئی ہیں ان کا الزام وائس چانسلر پرو وائس چانسلر، رجسٹرار مجلس تنقیدی، کونسل کمیٹیوں اور علی العموم اسٹاف کے سر ہے۔ سب کا خمیازہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد ہی کیوں بھگتیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر غیر معمولی قابلیت کے آدمی اور سرگرم کام کرنے والوں میں ہیں۔ انتظامی قابلیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے یونیورسٹی کو ایک سے زیادہ آفتوں سے بچا لیا اور تعلیم اور عموماً مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے متعلق اور خصوصاً کلکتہ یونیورسٹی کے کمیشن کے قابل یادگار رپورٹ میں حصہ لیکر بڑی قیمتی خدمات انجام دی ہیں۔ سر عبد الرحیم کو یقین ہے کہ ہر ایک خصوصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے بہتر شخص مسلمانوں میں ان کی جانشینی کے لئے نہیں ملسکتا اور اس موقع پر ایک نیا تجربہ خطرات سے معمور ہوگا۔ انہیں اس امر کا کامل یقین ہے کہ اگر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کا استعفیٰ واپس لے لینے پر آمادہ کر لیا گیا تو وہ دوسروں کے اشتراک عمل کے ساتھ اپنی غیر مشتبہ قابلیتوں اور اپنے ذرایع کو ان خرابیوں کی اصلاح اور یونیورسٹی کو منزل مقصود کی جانب تیزی سے بڑھانے میں کام میں لائیں گے۔

سر عبد الرحیم اپنے اس نوٹ کی ابتدا میں خاص طور پر کمیٹی کی ان سفارشات پر زور دیتے ہیں کہ عہدہ داروں اور پروفیسروں کو مجلس تشریعی کا رکن بنکر سیاسیات میں حصہ لینے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔

سر عبد الرحیم فرماتے ہیں کہ رپورٹ کی نوعیت کے متعلق باہر ایک غلط خیال پیدا ہوگیا ہے۔ اس طرح کا کہ کمیٹی کی رائے میں مسلم یونیورسٹی کی حالت میں کوئی بڑی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ عوام میں یہ جو غلط خیال پیدا ہوگیا ہے ایک مناسب بیان کے ذریعہ جو یونیورسٹی کے عہدہ داروں کی جانب سے شائع کیا جائے فوراً دور کر دینا چاہئے۔ صاف طور پر پبلک کو بتا دینا چاہئے کہ کمیٹی نے یونیورسٹی کے مالیہ کو بہت اچھی حالت میں پایا حالانکہ ابھی مزید روپیوں کی ضرورت ہے یہ کہ ملحقہ مدرسہ اور انٹرمیڈیٹ کالج اور خود یونیورسٹی میں شرکاء کی تعداد بڑھ گئی ہے اور روز افزوں ہے یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی درسگاہ کی ہر دلعزیزی گھٹ نہیں رہی بلکہ بڑھ رہی ہے امتحانات کے معیار کو گھٹانے کی کوشش نہیں ہو رہی ہے بیرونی اشخاص کو ممتحن بنانے کا خاص طور پر خیال کیا جاتا ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ طلبہ کی مالی حالت اچھی ہے اور انہیں علیگڈھ سے محبت ہے وہ چاہتے ہیں کہ ان کا نام روشن کریں۔ اگر کمیٹی کے اراکین نے دہلی کی تقاریب کا مشاہدہ کیا ہوتا جس کو دو سال سے کچھ کم عرصہ ہوتا ہے۔ اور جن کا سلسلہ ایک ہفتہ تک جاری رہا تھا تو انہیں وہ یقیناً دیکھتے کہ علیگڈھ کی دلی محبت اور اس کی قابلیت جو یونیورسٹی

عہدہ داروں اس کے اسٹاف اور اس کے طلبہ نے ظاہر کی تھی بہت بلند معیار ہے اور وہ کم ازکم ہندوستان کی کسی اور یونیورسٹی کا ہم پلہ ہے۔

ایک دوسری کمیٹی رپورٹ پیش کرے

ایک طرف ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور نواب سر مزمل اللہ خان اور دوسری طرف صاحبزادہ آفتاب احمد خان اپنی اپنی جماعتوں کو لئے ہوئے اس موقعہ پر ایک دوسرے کے ساتھ جس طرح اتحاد عمل کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے باہمی اختلافات جیسے کہ تھے ان کے احساس ذمہ داری اور علیگڈھ سے ان کی عقیدت و محبت پر اثر انداز نہیں ہوئے۔

سر عبد الرحیم یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ سال رواں کے اختتام پر ایک چھوٹی سی کمیٹی قائم کی جائے اور اس سے کہا جائے کہ وہ اس معہد کا معائنہ اور رپورٹ پیش کرے کہ ابراہیم رحمت اللہ کی کمیٹی کی رپورٹ کی سفارشات کو کس حد تک عمل کیا جائے اور کس قسم کی اصلاحات عمل میں لائی گئی ہیں۔ آخر میں سر عبد الرحیم لکھتے ہیں کہ یونیورسٹی کے لئے چند ماہرین فن اور چند اسکالر لئے جائیں وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم کوئی امتیاز نہ ہو۔ یونیورسٹی ایسے لوگوں کو اپنی جانب کھینچ نہیں سکتی تاوقتیکہ کتب خانے اور معمل تحقیقاتی کار کے لئے انہیں ضروری سہولتیں بہم پہنچائیں ہر حالت میں مقیمین کے لئے اچھے انتظامات کئے جانے چاہئیں اور طلبہ کی صحت کو بہتر کرنے کی طرف توجہ کی جائے کھیل اور عام جسمانی ترتیب کا بہترین انتظام کیا جائے۔ حرفتی تعلیمگاہ اور انجینئرنگ کالج کے اسکیم کو آگے بڑھایا جائے پیشہ ورانہ تعلیم کی مختلف انواع اور مختلف مدارج کو پیش نظر رکھا جائے اگر مذکورہ بالا نوعیت کی تعمیری جدوجہد پر توجہ کی جائے تو سر عبد الرحیم کو یقین ہے کہ اس سے مسلم یونیورسٹی کے مرتبہ اور اس کی افادیت میں نہ صرف چار چاند لگ جائیں گے بلکہ ہندوستان کے آئندہ شہریوں کی تعلیم و تربیت میں سرگرمی و قوت اور ایسے اسکالروں کی ایک جماعت پیدا کرکے جو تعلیم و تعلم کی دلدادہ ہو چھوٹے چھوٹے اختلافات اور آپس کی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ریل کارنامہ

ریل کا قاعدہ ہے کہ انجن کو ہر چند اسٹیشن کے بعد کوئلے اور پانی کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے ریل کا مسلسل سفر بہت طویل نہیں ہو سکتا۔ مگر حال میں انگلستان میں اس بات کا انتظام کیا گیا کہ ایک ریل لوسٹن سے چھوٹے تو وہ ایڈنبرا پہنچ کر ہی دم لے۔ درمیان میں نہ کہیں نہ ٹھہرے گی اور چلتی گاڑی ہی میں انجن کے چلانے والوں اور ایندھن ڈالنے والوں کی تبدیلی ہوگی۔ یہ ریل بغیر کہیں ٹھہرے چار سو میل کا فاصلہ تقریباً آٹھ گھنٹے میں ختم کرے گی۔

مقامی خبریں

——— محکمہ امور مذہبی سرکار عالی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حیدرآباد کا قافلہ حجاج ۹ رمئی ۱۹۳۶ء کو تین بجے صبح بالخیر کراچی پہنچ گیا۔

——— امسال مدارس بلدہ کے تعطیلات موسم گرما کا آغاز بجائے یکم تیر کے ۱۵ تیر ۱۳۴۵ف سے ہوگا اور مدارس بعد تعطیلات محرم ۲۷ امرداد ۱۳۴۵ف کو کھلیں گے لہذا ابرآوردات تنخواہ مدرسین و امداد ہائے مدارس بلدہ بابتہ ماہ تیر و امرداد ۱۳۴۵ف ۲ ماہ رواں کو صیغہ تنقیح دفتر صدر محاسبی سرکار عالی میں داخل کئے جانے پر ۔ا ماہ رواں کو ان کے اجازت ناموں جات کی اجرائی عمل میں آئیگی۔

——— گرم افواہ ہے کہ نواب لطف الدولہ بہادر امیر پائیگاہ سر خورشید جاہ صدر المہام عدالت امور مذہبی کے عہدہ پر مقرر کئے جائیں گے اور نواب اکبر یار جنگ بہادر موجودہ صدر المہام اپنی سابقہ خدمت صدر المہامی پیشی خداوندی پر عود فرمائیں گے

——— خدمات صدر نظامت مال اسامات و نظامت عطیات کے انتظام کے متعلق بربنائے سفارش کونسل بذریعہ فرمان واجب الاذعان صادرہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ حکم خداوندی شرف اصدار پایا ہے:۔

(۱) سعادت جنگ بہادر کو صدر نظامت مال سے علحدہ کرکے ان کی جگہ اول تعلقدار اورنگ آباد رضا نواز جنگ کا تقرر صدر نظامت سمت مرہٹواڑی پر کیا جائے

(۲) میر فیض الرحمن مرحوم کی جگہ صدر نظامت تلنگانہ پر داراب جی مہتمم بندوبست کا تقرر کیا جائے۔

(۳) رائے جگموہن لال کو نظامت عطیات پر تقی یار جنگ کی جگہ مقرر کیا جائے جو خدمت کو وہ چند ماہ سے انجام دے رہے ہیں۔

(۴) آغا محمد علی خاں (آغا یار جنگ بہادر) شریک معتمد مال اس وقت جو معتمدی مال کا کام انجام دے رہے ہیں شریک معتمدی کو تخفیف کرکے فی الحال نائب معتمدی کی جائداد قائم کی جائے جو اول تعلقداری کے مماثل ہے اور اس خدمت پر نارائن راؤ مددگار تعلقدار کو ترقی دی جائے مذکورہ تقررات بیافت سالم ماہوار ابتداً تا ایک سال کے عمل میں آئینگے

——— مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب مرحوم سابق مددگار ناظم تعلیمات کے تین فرزندوں کے نام (۲۱) سال کی عمر تک فی کس تیس تیس روپیہ وظیفہ تعلیمی منظور کیا گیا۔

——— نواب مہدی یار جنگ بہادر معتمد سیاسیات ایک ماہ کی رخصت پر اوٹی کمنڈ گئے ہوئے ہیں۔

——— مولوی احمد حسین صاحب و مولوی عبد القدیر صاحب صدیقی پروفیسران کلیہ جامعہ عثمانیہ کی مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع منظور کی گئی۔

——— مجلس اعلی جامعہ عثمانیہ نے طے کیا ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر مس اسٹلا کرام ریش کو (۱) اجنٹہ اور ایشائی نقاشی میں اس کی اہمیت (۲) اسلامی فن تعمیر (۳) ازمنہ وسطی میں ہندوستانی آذری پر لکچر دینے کے لئے مدعو کیا جائے۔

——— مولوی محمد محسن صاحب صدیقی بی اے (علیگ) کی مترجمہ کتاب "طفل اسٹک" کی (۱۰۳) جلدیں مدارس ثانویہ و تعلیم المعلمات کے لئے بحساب فی جلد (۸) خریدنے کی منظوری صادر ہوئی۔

——— افسوس کہ رائے روپ لال صاحب وظیفہ یاب ناظم عدالت سرکار عالی نے چند روزہ علالت کے بعد انتقال کیا۔

——— کرنل نواب عثمان یار الدولہ بہادر کمانڈر فوج باقاعدہ کی رخصت ایک ماہ ۵ ر تیر ۱۳۴۵ف سے بغرض روانگی مہابلیشور منظور کی گئی نواب صاحب موصوف کی عدم موجودگی میں کرنل نواب ہاشم نواز جنگ بہادر انچارج رہیں گے۔

——— سنا گیا کہ سید علی حسن صاحب تحصیلدار تعلقہ پرینڈہ بعض شکایات کی بنا پر معطل کئے گئے۔

——— پیگاہ خسروی سے ڈیڑھ لاکھ کے دار المجد وین کو تیس ہزار روپیہ کی امداد دینے کی منظوری صادر ہوئی۔

——— محمد حسین صاحب کے دو فرزندوں کے نام چار سال کے لئے فی کس دس دس روپیہ وظیفہ تعلیمی منظور کیا گیا۔

سعی پیہم ہے ترازوئے کم وکیف حیات — تیری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی

ہفتہ وار

عدد ۲۲ حیدرآباد دکن،۔ دوشنبہ غرہ ذی حجہ ۱۳۴۶ھ م ۲۱ مئی ۱۹۲۸ء م ۱۲ تیر ۱۳۳۷ فصلی جلد ۱

شذرات

ایک زمانہ وہ تھا کہ ایران کی سیاسی حالت کے متعلق ایک صاحب نے ایک شعر موزون کیا تھا۔

اب کیا رہا کہ جس پہ رقیبون کا ڈر کرون
میں تو بردن کی جان کو پہلے ہی رو چکی

اس شعر کے ساتھ حالات ایران کے متعلق ایک کارٹون بنایا تھا جس میں ایران کو بلی فرض کیا تھا جس کی ایک طرف روس تاک لگائے بیٹھا تھا اور دوسری طرف برطانیہ

زمانہ کا رنگ یون بدلا کہ وہ بلی شیر کا بچہ ثابت ہوئی اور چند ہی سال میں وہ شیر کا بچہ شیر غرّین بن گیا ہے اور اب برون کی جان کو رونے کے بجائے برون پر غرّا رہا ہے مگر یہ سب کس کے طفیل؟ ایک شیر مرد کے طفیل۔ یعنی رضا شاہ پہلوی۔

ترکی نے مراعات کا دفتر شاخ زرین کے نیچے خوشنما پانی میں بہا دیا۔ یورپ کی قوتون نے بہت کش مکش کی مگر مراعات کا عہد نامہ پرزے پرزے ہو ہی گیا۔ نوجوان ایران کو اس سے اچھا سبق ملا اور رضا شاہ نے بھی مراعات کے عہد نامے کو شاہان کیانی کی یادگار میں محفوظ کر دیا تعجب یہ ہے کہ اس دفعہ کرم فرمایان یورپ نے کوئی احتجاجی صدا نہیں بلند کی۔

ترکی، مصر، ایران، افغانستان کے بعد ہم اپنے وطن ہندوستان جنت نشان پر نظر ڈالتے ہیں تو دل کتنا۔۔۔ خوش ہوتا ہے کہ مصطفیٰ کمال، سعد زغلول، رضا شاہ، اور امان اللہ خاں کے مقابلہ میں ہمارے ہان بھی مسٹر ایس۔ کے۔ بولے اور سر محمد شفیع موجود ہیں!

مسٹر بولے کوئی ایسے مشہور آدمی نہ تھے۔ مگر سر جان سائمن کے قدمون پر گر کر انہون نے وہ اہمیت حاصل کر لی ہے کہ زمانہ تک ہندوستان کی دستوری تاریخ میں زندہ رہین گے۔ اور سر محمد شفیع کے متعلق کچھ کہنا فضول ہی ہے کیونکہ آپ نے اسلام کی وہ عزت اور خود داری یاد دلا دی جو قرون اولیٰ میں تھی یعنی اس زمانہ میں شاہون کے دربار میں اسلام کا قاصد کس طرح برتاؤ کرتا تھا اور اب انگلستان کے قاصد کے ساتھ اسلام والے کیسا برتاؤ کرتے ہیں!

کچھ عرصہ سے مہاراجہ بردوان سیاسیات کے آسمان پر چمک رہے ہیں۔ کسی زمانہ میں آپ نے خود اپنے متعلق فرمایا تھا کہ وہ سلطنت برطانیہ کی (کورس گرل) یعنی گائن چھوکرا ہیں۔ نہیں معلوم یہ فقرہ انکساراً فرمایا تھا یا انکساراً مگر اس تشبیہ میں بہت کچھ شاعری نظر آتی ہے۔

اول تو یہ کہ انگلستان کی لڑکیاں لسانیت سے ناراض ہو کر مردون کے برابر حکمرانی میں حصہ لینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور ہمارے حکمران حکمرانی سے بیزار ہو کر اپنے کو لڑکیون میں شامل کر رہے ہیں۔

اور نئی خبر مہاراجہ صاحب کے متعلق یہ ہے کہ آپ نے انگلستان میں سیاسیات کی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی ہے اور ایک مدرسہ میں شریک ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ دار العوام کے رکن بننے کی کوشش فرمائیں گے کسی شاعر نے کہا تھا۔

یوسف کہ بہ ملک مصر شاہی می کرد
می گفت گدا بودن کنعان خوشتر

زمانہ ایسا بدلا ہے کہ مہاراجہ بہادر وطن کی مہاراجگی چھوڑ کر غیر ملک کی مجلس عوام کی شرکت کے خواہشمند ہیں۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

نظام گزٹ

ہفتہ وار

دوشنبہ:- غرہ ذی حجہ ۱۳۴۶ھ

تعلیم کا مقصد
اور
جامعہ عثمانیہ

بسلسلہ گذشتہ

اب سے چند سال پہلے مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے ایک دفعہ اپنے خطبہ میں بہت افسوس کے ساتھ کہا تھا کہ مدراس یونیورسٹی نے اپنے پچاس سالہ عمر میں کوئی اعلیٰ درجہ کا مفکر، یا سائنس دان نہیں پیدا کیا۔ کیا بولیٹن اس بیان کی تکذیب کریگا اور ہمیں بتلائے گا کہ مدراس یونیورسٹی سے کتنے جگدیش چندر بوس، اور کتنے ٹگور کتنے اقبال نکلے یا ان ہستیوں سے کچھ کم درجہ ہی کے افراد کا نام بتائے۔

مدراس یونیورسٹی غیر زبانوں کو نوخیز طلبہ کے دماغوں میں غیر قدرتی طور پر ٹھونسنے میں ہندوستان کے تمام یونیورسٹیوں پر سبقت لے گئی۔ نتیجہ اس کا یہ ہے ہماری انگریزی دانی پر خود انگریز ہم پر ہنستے ہیں۔ ہندوستانیوں کی انگریزی کو "بابو انگلش" کا لقب دیا گیا ہے۔ اور ہماری طرہ امتیاز انگریزی کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے چند سال ہوئے ایک انگریزی جریدہ میں کسی انگریز نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان "ہندوستان میں شکسپیر" تھا اس مضمون میں ہمارے انگریزی دانوں کی شکسپیر پرستی کی ہنسی اڑائی تھی کہ ہندوستانیوں کی دماغوں پر شکسپیر کا اتنا اثر غالب ہے کہ مدالتوں کے جج بھی اپنے فیصلوں میں شکسپیر کے فقرے نقل کرتے ہیں

غرض ہمارے کہنے کی یہ ہے کہ انگریزی زبان میں تعلیم دینے پر ملکی زبان میں تعلیم دینے کو جو ترجیح حاصل ہے اس کا بیان کرنا اب تحصیل حاصل ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں کافی تعداد ایسے زنگ آلود دماغوں کی موجود ہے جو معمولی باتوں کے ماننے کے لئے بھی دلیل اور سند طلب کرتے ہیں ملکی زبان میں تعلیم دینے کے فوائد کے متعلق خواہ ہندوستان میں کوئی مثال موجود نہ ہو مگر ہمارے ایشیا کی ایک ترقی یافتہ قوم یعنی جاپانیوں کی مثال کافی نہیں ہے۔ کوئی ان بزرگوں سے پوچھے کہ کیا جاپان نے بھی انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر ترقی کی۔

اب نواب نظامت جنگ بہادر نے اپنی تقریر میں عثمانیہ یونیورسٹی پر جو پھبتی کہی ہے وہ خواہ موزون ہو یا نہ ہو مگر حیدرآباد کے غلام دماغوں کو اس تقریر کے سلسلے میں اپنے تاریک خیالات ملکیہ کے اظہار کا اچھا موقع ملا۔ چنانچہ حیدرآباد بولیٹن کی مذکورہ بالا رائے اس کا ایک نمونہ ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کی رائے رکھنے والے حضرات نے اسوقت کیوں نہ اپنی رائے ملک کے سامنے پیش کر دی جبکہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جارہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان میں اتنی اخلاقی جرات نہ تھی کہ اپنی ان مضحکہ انگیز رایوں کو ملک میں پیش کرتے اور اب ان کا اظہار صرف نواب نظامت جنگ بہادر کی تقریر کے سہارے پر ہوا ہے

ہم نے اس مضمون کے پہلے حصہ میں نواب صاحب کی تقریر کے مدعا پر اپنی ناچیز رائے مختصراً ظاہر کر دی تھی اب اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ اصل مسئلہ سے جو غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے وہ رفع ہو سکے نواب صاحب کی تقریر پر بولیٹن کی اس تنقید پر ہم اتفاق کرتے ہیں عام طور پر ہندوستان اور خاص طور پر حیدرآباد میں سرکاری ملازمتوں کا شوق بلکہ جنون کو دیکھتے ہوئے فطرتاً یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ چیز ملک کی ترقی کا باعث نہیں ہو سکتی اس لئے اس کو فوراً روکنا چاہئے جب اس عام رجحان کو روکنے کا خیال پیدا ہوا تو ساتھ ہی دوسرا خیال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ پھر ملک کے نوجوانوں کا رجحان کس طرف لگایا جائے؟ انگریزی قوم کے حالات ہمارے پیش نظر ہیں ہم جانتے ہیں کہ یہ قوم صرف صنعتی اور تجارتی ترقی سے دنیا کی عظیم الشان قوت بن گئی۔ لازمی نتیجہ ہمارے غور و فکر کا یہی ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی صنعتی ترقی ہونی چاہئے اور ہمیں بھی ترقی یافتہ قوموں کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ اس لئے ہمیں اپنے اصل مسئلہ کا حل اسی میں نظر آتا ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو سرکاری نوکری کے رجحان سے ہٹا کر صنعتی اور تجارتی میدان کی طرف رغبت دلائیں۔

خیالی حد تک یہ استدلال معقول ہے مگر یہ یاد رہے کہ اس میں بھی ہماری نقال طبیعت کی جھلک نمایاں ہے کیونکہ ہندوستان کے زرعی ملک ہونے کی وجہ ترقی کے لئے پہلا خیال ہمیں زراعت کی طرف ہونا چاہئے نہ کہ صنعت و حرفت کی طرف تاہم اب دیکھنا ہے کہ آیا یہ خوشکن خیال عمل میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں اگر قابل عمل ہے تو اس پر عمل کرنے کے کیا طریقے ہیں۔

سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں آج تک کسی قوم یا ملک میں اس بات کی نظیر نہیں مل سکتی کہ اس کے نوجوانوں کو صنعتی شوق دلانے کے لئے صنعتی مدارس کھولے گئے ہوں اور ان مدرسوں میں صنعت و حرفت سکھا کر نوجوانوں نے ملک میں صنعتی ترقی پیدا کی ہو۔

صنعتی ترقی کی ابتدا نوجوانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ ملک کے اکابر کے ہاتھ میں ہے۔ بہ الفاظ دیگر ملک کی فضا پر منحصر ہے۔ نوجوانوں کی طبیعت ایسی نہیں ہوتی کہ کسی مسئلہ پر کافی غور و فکر کر کے پختہ کاروں کی طرح کسی صحیح نتیجہ پر پہنچیں۔ ان کی غور و فکر کلیتہً ماحول کے تابع ہے جیسا ماحول ہوگا ویسے ہی ان کے خیالات کا رجحان ہوگا ہمارے ملک میں زمانہ سے پیشہ ملازمت کا رجحان قائم ہے اس ماحول میں کہ ہر طرف نوکری اور ملازمت کی خواہش عزت اور جد و جہد نظر آتی ہے کیا نوجوان طبقہ سے یہ امید رکھنا جائز ہوگا کہ وہ اس ماحول کے خلاف جد و جہد کریں اور اپنے کو صنعت و حرفت کی ایک نئی دنیا میں لے جائیں؟ اور پھر اس نصیحت کا کیا اثر ہوگا جب کہ اس کے پیش کرنے والے خود ملازمت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں۔

پھر اس مسئلہ پر عمل کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے اکابر قوم کو ملک میں صنعتی زراعتی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ملک میں اس کا عام شوق پھیلانا چاہئے اور اس قدیم خیال کو نکال باہر کرنا چاہئے کہ ملازمت ہی بہترین پیشہ ہے۔ یہ وہ مشکل کام ہے جو محض جلسوں تقریروں اور وعظوں سے انجام نہیں پا سکتا بلکہ اس کے لئے ایک مسلسل جد و جہد کی ضرورت ہے جس کو ایک دو قرن بلکہ ایک دو نسلوں کا زمانہ درکار ہے قطع نظر اس کے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ملک میں صنعتی یا زراعتی فضا کیونکر پیدا کی جائے۔ اس چیز کے لئے ہمیں اور ملکوں سے نظیر لینی چاہئے۔

انگلستان میں موجودہ صنعتی اور تجارتی ترقی کی ابتداء صنعتی مدارس سے نہیں ہوئی بلکہ اسکی ابتدا تعلیم اور تربیت کی ترقی سے ہوئی۔ انگلستان نے پہلے پہل دماغی تربیت کی طرف زیادہ زور دیا تاکہ قوم میں صحیح طور پر سوچنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ دماغی تربیت کی کوشش سے فطرتاً وہاں سائینس کی ترقی ہوئی اور نئے نئے انکشافات ہونے لگے اور ساتھ ہی ساتھ ملک کو اپنی ترقی کا خیال پیدا ہوا۔ ملک کی ترقی کا ذریعہ انہیں اپنے ملک کے حالات کے لحاظ سے صنعت و حرفت اور تجارت میں نظر آیا اور آہستہ آہستہ اسی طرف تمام قوم کا رجحان پیدا ہو گیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ صدی کے عرصہ میں انگلستان کی موجودہ صنعتی ترقی کی تکمیل ہوئی۔

اب کیا یہ دانشمندی ہوگی کہ ہم اس کامیاب تجربہ کو پس پشت ڈالکر کسی خیالی تجویز پر عمل کر کے دیکھیں جس میں پہلے ہی کامیابی کی امید نہیں نظر آتی؟ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہندوستان کا موجودہ نظام تعلیم ناکامیاب ثابت ہوا۔ ماہرین فن تعلیم اس نظام تعلیم سے اپنی بیزاری کا بار بار اظہار کر چکے ہیں ایسی حالت میں ہمارے حضور پر نور نے عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جسکا طرز تعلیم صحیح اور فطری اصول پر رکھا گیا۔ یہ توقع رکھنا غلط ہے کہ ہر چیز ابتدا ہی سے مکمل حالت میں وجود میں آئیگی۔ ترتیب اور ارتقا کا قاعدہ فطرت کی ہر چیز میں ہے تب کیا یہ طفلانہ حرکت نہیں کہ کسی چیز کو ابتدا ہی میں اس واسطے برا بھلا کہا جائے کہ وہ مکمل نہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیاد فطری اصول پر رکھی گئی ہے اسلئے اسکا قطعی یقین ہے کہ جلد یا بدیر یہ یونیورسٹی اس مقصد کو حاصل کریگی جو ہر تعلیم کی غرض مقصود ہے یعنی صحیح دماغی تربیت اور یہ

ہندوستان کے مسلمانوں میں اعلیٰ مغربی تعلیم

از مولوی حمید احمد صاحب انصاری بی۔ اے۔ رجسٹرار جامعہ عثمانیہ

اگرچہ ذیل کا مضمون رسالہ جامعہ دہلی میں شایع ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر مولوی حمید احمد صاحب انصاری کی کوشش اور تلاش اور مضمون کی اہمیت ایسی ہے کہ اسکو بار بار دہرانا بے سود نہ ہوگا۔

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خوان چو محمل را گران بینی

ہم مولوی صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس کو نظام گزٹ میں باردوم شایع کرنے کی اجازت دی۔
مدیر نظام گزٹ

ہندوستان کے مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم اور تہذیبی (Cultural) ترقی کے متعلق میں اپنے چند خیالات حوالۂ تحریر کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ سامعین کو ان سے وحشت نہو۔ یہ خیالات میں اپنے دماغ کی چار دیواری میں محدود رکھتا مگر آپکے سرگرم معتمد صاحب نے مجھے مجبور کیا ہے کہ اس مضمون پر اہل علم کی اس مجلس میں لب کشائی کی جرأت کروں جس میں میرے سوا ہر شخص کسی نہ کسی شعبہ میں فرد ہے۔ بہرکیف اس مختصر تمہید اور معذرت کے ساتھ میں نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ دور حاضر میں ہندوستان کے مسلمان دنیا کی پسماندہ قوموں سے بھی پیچھے رہ گئے ہیں اور ادبیات، سائنس اور فنون لطیفہ میں انہوں نے کوئی ایسا انشا نہیں کیا جس کے لئے ان کا مرہون منت ہو یعنی بالفاظ دیگر ان کی قوت تخلیقی بالکل سلب ہوگئی ہے۔

اعلیٰ تعلیم سے ہندوستان میں مراد اس منزل تعلیم سے لی جاتی ہے جو منزل فوقانی کے بعد شروع ہوتی ہے اور جس کی انتہا ام۔ اے، کے امتحان پر ہے۔ اس شش سالہ مدت میں سے دو سال انٹرمیڈیٹ کے ہیں جن کا شمار فی الحقیقت منزل فوقانی میں ہونا چاہئیے کیونکہ اس میں طالب علم میں اس قدر استعداد نہیں ہوتی کہ اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اسکی حالت کم وبیش مدرسوں کے بچوں کی سی ہوتی ہے۔ اسی لئے گذشتہ دس سال سے انٹرمیڈیٹ جماعتیں کالجوں سے علحدہ ہوکر مدارس کی بالائی جماعتوں کے ساتھ ضم کی جا رہی ہیں۔ گویہ اصول بالکلیہ پسند نہیں کیا گیا ہے اور بعض ماہران تعلیم کو اعتراض ہے کہ اس طریق عمل سے ڈگری کے امتحانوں کے معیار کے گرنے کا اندیشہ ہے۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد دو سال بی اے کی تعلیم میں صرف ہوتے ہیں۔ بعض یونیورسٹیوں میں سہ سالہ آنرز کورس بھی ہیں مگر ان میں طلبہ کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ بی اے کے معمولی دو سالہ کورس میں انگریزی لازمی ہے اور اس کے علاوہ طالب علم دو اور مضمون لیتا ہے۔ ان مضمونوں کے متعلق وہ سرسری معلومات حاصل کرتا ہے اور اس کا مبلغ علم مقررہ درسی کتابوں اور اساتذہ کے لیکچر دن تک محدود ہوتا ہے جن کے نوٹ وہ اثنائے درس میں صحیح یا غلط اپنی نوٹ بک میں درج کر لیتا ہے۔ کسب دکمال تو کجا نہ تو استادوں نہ طالب علموں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ کسی خاص علم سے مناسبت حاصل کریں یا اس میں ذوق پیدا ہو۔ سب امتحان کی مشین کے بندے ہیں۔ استادوں کو یہ فکر ہوتی ہے کہ نتائج اچھے ہوں ورنہ بدنامی ہوگی اور حکام مافوق بازپرس کریں گے۔ طلبہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ جلد امتحان پاس کرکے کسی کام سے لگ جائیں۔ اس تنگ دور میں حقیقی تعلیم کی جو گت بنتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے تعلیمی حلقوں میں عرصے سے یہ بحث چلی جاتی ہے کہ تعلیم کی حقیقی غایت کیا ہے۔ طالب علم کو دنیا کی کشمکش کے لئے تیار کرنا یا ایسے حقیقی معنوں میں انسان بنانا دونوں خیالات کے حامیوں کی تعداد کثیر ہے اور یہ بحث کبھی ختم نہ ہوگی۔ مگر حقیقت دونوں کے بین بین ہے۔ تعلیم کے اعلیٰ نصب العین سے قطع نظر حصول تعلیم میں طالب علم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دولت، اقتدار، اثر حاصل کرے۔ مگر جامعات ہند میں بی اے تک جو تعلیم ہوتی ہے اس سے ان مقاصد کا حصول دشوار ہے اور طالب علم میں بی اے پاس کرنے سے نہ تو تحقیق اور دانشمندی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ دماغی توازن حاصل ہوتا ہے جو حقیقی تعلیم یافتہ شخص کا طرۂ امتیاز ہے اسی لئے یورپ کے جامعات کے برعکس جہاں ایم۔ اے کی ڈگری بغیر کسی مزید امتحان کے اعزازی طور پر دیدی جاتی ہے ہمارے یہاں ایم اے کا دو سالہ نصاب رکھا گیا ہے تاکہ طالب علم صرف ایک مضمون لیکر اس میں اعلیٰ استعداد بہم پہنچانے کی کوشش کرے یعنی اس درجہ تک پہنچے جو انگلستان کے نظام تعلیمی میں بی اے آنرز کا ہے۔ مگر ہمارا ایم اے کا امتحان بھی محض کتابی ہے۔ طالب علم کا رجحان تحقیق اور اجتہاد کی طرف نہیں ہوتا اور حسب سابق وہ استشہی کو کامیابی کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔ بعض جامعات نے ایم اے میں مقالوں کے پیش کرنے کی اجازت دی ہے جو تحقیقات پر مبنی ہوں۔ مگر مقالوں کو پیش کرنا لازمی نہیں ہے اس لئے ہماری سہل پسندی ریسرچ کی سنگلاخ راہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

امور متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کا اطلاق صرف ایم اے کی ڈگری پر ہو سکتا ہے اور تعلیم میں مسلمانوں کی ترقی کا حقیقی اندازہ ان کی اس تعداد سے ہو سکتا ہے جو اس منزل تعلیمی تک پہنچی ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ سے کچھ ہی کم ہے جن میں پندرہ فیصدی کے اصول کے لحاظ سے قابل تعلیم افراد کی تعداد ایک کروڑ سے کچھ اوپر ہونی چاہئے۔ میں چند اعداد آپ کے ملاحظہ میں پیش کروں گا جن سے معلوم ہوگا کہ آپ کی قوم سے کتنے اشخاص نے اس سال ایم اے کی ڈگری لی۔ میں نے عربی و فارسی ایم اے علحدہ دکھلائے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ دیگر علوم میں کتنے مسلمانوں نے ڈگریاں لی ہیں۔ دوسرے مضامین کے مقابلہ میں فارسی اور عربی کے نصاب آسان ہیں اور اکثر اشخاص صرف ڈگری کے لالچ سے عربی خصوصاً فارسی میں امتحان دیدیا کرتے ہیں اور امتحان کچھ ایسا آسان ہوتا ہے کہ اکثر پاس ہو جاتے ہیں۔ سائنس کی تعداد بھی علحدہ کردی گئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ جن طبعی علوم سے ہمارے بزرگوں کو شغف تھا اور جن میں انہوں نے یورپ کی رہنمائی کی تھی، آج انکی طرف ہماری توجہ کس حد تک ہے۔

یونیورسٹی	سائنس	عربی و فارسی	دیگر مضامین
علیگڑھ	۔	۱۷	۴۳
الہ آباد	۔	۶	۲
لکھنو	۔	۔	۲
پنجاب	۴	۱	۱۳
ناگپور	۔	۱	۔
پٹنہ	۔	۱	۷
مدراس	۔	۱	۔
بمبئی	۔	۳	۱
ڈھاکہ	۔	۶	۱۳

اعلیٰ تعلیم کی جو حدود میں نے معین کی ہیں ان کے لحاظ سے یہ اعداد مطلق امید افزا نہیں۔ اور ان سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مسلمانوں میں من حیث القوم علوم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تعلیم کی غایت ان کے نزدیک صرف یہی ہے کہ بی اے پاس کرکے سرکاری نوکریاں کریں یا اس کے بعد

لحاظ سے سلطنت انگریزی کا معاصر ہے۔ مگر غور کیجیے کہ جو ادب ہندوستان میں مسلمانوں کے علوم و فنون کا وارث ہے اور جو قریب قریب ڈیڑھ سو سال سے یورپی اثرات سے متاثر ہو رہا ہے۔ اس کی کل کائنات ایک قطرہ خون یعنی عاشقانہ شاعری کے علاوہ اور کیا ہے۔ مشرق اور مغرب کے تصادم سے مسلمانان ہند کے خیالات میں جو ہیجان پیدا ہوا۔ اسکی وجہ سے نشاۃ جدیدہ کے آثار ہویدا ہوئے تھے۔ سید احمد خان علیہ الرحمۃ نے سلیس اور غیر متکلف اردو نثر کی بنیاد ڈالی۔ جس کی بدولت اردو میں علمی زبان بننے کی رفتہ رفتہ صلاحیت پیدا ہو گئی۔ حالی نے مسدس لکھکر سوتوں کو جگایا۔ شبلی نے عہد اولین کے مسلمانوں کے شاندار کارنامے زندہ کرکے اردو میں تاریخ نویسی کی بنیاد ڈالی۔ عبد الحلیم شرر نے تاریخی ناول نگاری کا آغاز کیا۔ مگر افسوس ہے کہ اس نشاۃ سے جو امیدیں تھیں وہ بر نہ آئیں اور جن بزرگوں کے میں نے نام لئے ہیں انہوں نے اپنے جانشین نہ چھوڑے۔ حالی کی نقل اکثر شعر گو اصحاب نے کی۔ مگر ان میں وہ سوزش درون نہ تھی جو شاعر کے جذبات کی محرک ہے۔ اس لئے ان کی شاعری میں کوئی قوت ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ شعر کہنے والے اب بھی بہت ہیں۔ مگر سب اپنی کوشش صرف ایک ضعیف کلام یعنی تغزل پر صرف کر رہے ہیں۔ اور پرانی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ ان کے دیوان شروع سے آخر تک دیکھیے مگر ایک نیا خیال یا تشبیہ یا استعارہ نہ مل سکیگا۔ اردو شاعری کا آغاز اس زمانہ میں ہوا جب کہ دہلی کی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ بادشاہ کبھی مرہٹوں کا دست نگر تھا کبھی انگریزوں کا۔ ملایا پریشانی اور خراب حال امن و امان مفقود۔ قدرتی طور پر اس پر آشوب زمانہ کی شاعری احیاء قومی کا باعث نہ ہو سکتی تھی جو انیسویں صدی کے آغاز کے جرمنی کے شاعروں نے کیا جب کہ نپولین

(Napoleon)

نے اسے تباہ و برباد کر دیا تھا، یا جو عہد الیزبتھ

(Elizabeth)

کے انگریز شاعروں نے کیا یا اطالیہ میں دانتے

(Dante)

نے کیا۔ موجودہ اردو شاعری سے قوم کی افسردگی اور مردہ دلی کے بڑھنے کا اندیشہ ہے اور کسی روحانی یا مادی نفع کی امید نہیں۔ اس وقت لے دے کے ہم میں صرف ایک شاعر یعنی حضرت اقبال ہیں جن کی نظم میں مغرب اور مشرق کی بہترین خصوصیات کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اقبال نے جو نظمیں قدیم طرز پر لکھی ہیں ان میں بھی ان کے مطالعہ اینیاق اور مشاہدہ فطرت کا اثر ظاہر ہے۔ مگر سات کروڑ افراد میں ایک حقیقی شاعر کا وجود کسی قوم کے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتا۔ ہندی مثل ہے کہ "ایک پوت، پوت کہا دے نہ ایک آنکھ آنکھ"۔ ناول نویسی کا میدان شرر اور سرشار کے بعد بالکل خالی ہو گیا۔ ناول اور ڈراما ادب کے دو ایسے اصناف ہیں جن سے قوم کو گوناگوں فوائد پہنچ سکتے ہیں۔ بنگالی اور ہندوستان کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں صدہا ناول اور ڈرامے لکھے جا رہے ہیں اور لکھے جا چکے ہیں۔ بنگالی ناولوں کے انگریزی ترجموں سے آپ ان کی خوبی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اردو میں ناولوں کی تعداد غالباً دوسری زبانوں سے زیادہ ہی ہو گی۔ مگر وہ جس قسم کے ہوتے ہیں۔ ان سے ان کا نہ ہونا بہتر ہے۔ افسوس ہے کہ اچھے انگریزی ناولوں یا ڈراموں کے ترجمے بھی اردو میں نہیں ہوتے کہ ان سے ہمارے ادبی خزانوں میں اضافہ ہو۔ ڈراما کی طرف تو ہم نے مطلق توجہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ ہم میں سے کسی فرد یا جماعت کو یہ خیال نہ آیا کہ شکسپیر کے تمام ڈراموں کا نظم میں ترجمہ کیا جائے۔ جہاں تک مجھے علم ہے منشی جوالا پرشاد صاحب برق نے شکسپیر کے بعض ڈراموں کا اردو نظم میں ترجمہ کیا اور اگر حیات مستعار نے وفا کی ہوتی تو یہ مہم وہ ضرور انجام دیتے۔ حال میں بعض اصحاب نے اس کے بعض ڈراموں کے ترجمے نثر میں کئے ہیں۔ بہر حال قوم کی پستی اور مردہ دلی کا اثر اس کی ادبی ترقی پر پڑ رہا ہے اور سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ تعلیم یافتہ افراد دنیا کے دھندوں میں کچھ ایسے لگے ہوئے ہیں کہ ادبیات اور فنون لطیفہ کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔

انگریزی ہی ہندوستان کی علمی زبان ہو گئی ہے۔ ہندوستان کے مختلف اقوام میں اسی کے ذریعہ سے میل جول قائم ہے۔ اور مغربی قوموں سے بھی تبادلہ خیالات اسی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ہمارے سرگرم ہندو بھائیوں نے اس زبان میں تحریر و تقریر میں کمال پیدا کر لیا ہے۔ اور آئے دن مختلف مضامین پر مستند کتابیں لکھ رہے ہیں۔ سیاسیات تعلیم، مذہب پر لکھنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ہر مضمون پر ہندو مصنفوں کی کتابیں آپ کو ملینگی، معاشیات کو لیجیے، اس کا کون سا پہلو یا شعبہ ہے جس پر گذشتہ ۲۰ سالوں میں ہندو مصنفوں نے کتابیں نہیں لکھی ہیں۔ ان میں سے اکثر اس پایہ کی ہوتی ہیں۔ کہ انگلستان میں شائع ہوتی ہیں اور انکی کما حقہ ستائش ہوتی ہے۔ فلسفہ اور خصوصاً ہندو اور بودھی فلسفہ کے متعلق ہندو بے شمار کتابیں لکھ رہے ہیں۔ ہندو فلسفی پروفیسر داس گپتا اور پروفیسر رادھا کرشن جن کا تعلق کلکتہ یونیورسٹی سے ہے اس وقت ممالک مغرب میں فلسفہ پر لکچر دے رہے ہیں۔ انگریزی ادب میں بھی ہندو لٹریچر نے دسترس حاصل کی ہے۔ غرض ہر مضمون پر انگریزی میں ہندو مصنفوں کی کتابیں ملیں گی جس کی وجہ سے یورپ ان کے مقاصد، انکی تمناؤں اور ان کے خیالات سے واقف ہو رہا ہے اور انہیں اور ان کے مذہب، تمدن اور فلسفہ کو وقعت اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ اعلی تعلیم میں پستی کی وجہ سے مسلمانوں نے انگریزی میں مفید کتابیں لکھنے کیطرف بہت کم توجہ کی ہے۔ کتابوں کے علاوہ ہندوؤں کے بیشمار علمی رسالے ہیں۔ جامعات اور علمی انجمنوں کے بھی متعدد رسالے ہیں ان کے مضمون نویس بھی زیادہ تر ہندو ہی ہوتے ہیں۔

انگریزی تعلیم کی غایت اولا یہ تھی کہ ادنی خدمات کے لئے کارداں ہندوستانی میسر آسکیں مگر تعلیم خواہ کسی قسم کی ہو اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی، تعلیم یافتہ ہندوؤں میں رفتہ رفتہ علوم جدید کے ساتھ مناسبت ہونے لگی اور سائنس، تاریخ، فلسفہ اور دیگر علوم کی تحقیقات کا ہندوستان میں آغاز ہو گیا۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ جو تاریکی میں چھپی ہوئی ہے۔ وہ ہر تاریخ داں پر ظاہر ہے۔ مگر یورپ کے علماء نے تعلیم یافتہ ہندوؤں کو بتایا کہ کاوش اور تحقیق سے یہ تاریکی دور ہو سکتی ہے۔ ہندوؤں کی قدیم کتابیں شروع سے آخر تک افسانوں سے پر ہیں۔ مگر انہیں افسانوں سے محقق کم از کم تمدن کے متعلق قیمتی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ رگ وید کے گہرے مطالعہ سے مغربی اور ہندو علما کی ایک جماعت یہ معلوم کر چکی کہ آریوں کے قدم ہندوستان میں کس طرح جمے دیسی باشندوں کی کیا حالت تھی، آریوں نے انہیں کیسے محکوم کیا۔ اور پھر دونوں قوموں میں باہم امتزاج کیسے ہوا۔ آریوں کی تمدنی حالت کیا تھی۔ طرز حکومت کیا تھا۔ یہانتک کہ ایک صاحب ڈاکٹر کالی داس ناگ نے رگ وید میں سے

(Diplomacy)

کے نظریات بھی ڈھونڈھ نکالے ہیں جس کے صلہ میں پیرس یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹری کی ڈگری عنایت کی ہے۔ کوئی صاحب یہ ثابت کر رہے ہیں کہ قدیم ہندو جمہوری طرز حکومت سے ناآشنا نہ تھے کسی کا یہ خیال ہے کہ آریاورت میں بلدیات

(Municipalities)

موجود تھیں جن میں شہروں کا انتظام خود شہری کرتے

نظریات مذکورہ صحیح ہوں یا غلط مگر جس محنت اور کاوش سے ہندو علماء یہ کام کر رہے ہیں قابل داد ہے کیونکہ اس سے ان کی قومی خودداری بڑھتی ہے اور دوسری قوموں کے دلوں میں ان کی عزت ہوتی ہے گو اس میں مسلمانوں کے لئے ایک خطرہ ہے یعنی ان ہندو محققوں اور ان کے بعض یورپی استادوں کا یہ رجحان ہے کہ ہندو تہذیب کی ایک اعلیٰ منزل پر پہنچ گئے تھے اور اگر مسلمان بلا کسی اشتعال کے ان کے ملک میں مداخل نہ ہوئے ہوتے تو ان کی علمی اور تمدنی ترقی کا سلسلہ جاری رہتا اور مسلمانوں کی ہشت صد سالہ حکومت میں ہند پر ایک مردنی چھائی ہوئی تھی جو انگریزوں کے آنے سے رفع ہوئی۔ یہ رجحان تو اہل علم کا ہے جو تعصب سے پاک ہوتے ہیں۔ نیم تعلیم یافتہ لوگوں کے خیالات ہند کی اسلامی حکومت کے بارے میں ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ تاریخی تحقیقات میں ہند کے ہر گوشہ کے ہندو علماء نہایت انہماک کے ساتھ معروف ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی کے (Post Graduate Department) میں ہندوستانی تاریخ اور تہذیب (Culture.) کا ایک وسیع شعبہ ہے جس میں قدیم ہندوستان کی تمدنی مذہبی دستوری اور سیاسی تاریخ اور آثار قدیمہ کے متعلق تعلیم اور تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ اس شعبہ پر تین ہزار ماہوار کے زیادہ یونیورسٹی خرچ کر رہی ہے اور اساتذہ اور طلبہ کے تحقیقات کے نتائج اس کے رسائل میں طبع ہوتے ہیں۔ مدراس یونیورسٹی کی سرپرستی میں جنوبی ہند کی تاریخ کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مرہٹے اپنی تاریخوں کے لئے مواد جمع کر رہے ہیں پرانی تحریریں محفوظ کر رہے ہیں انہیں طبع کرا رہے ہیں۔ بمبئی میں ایشیاٹک سوسائٹی کی سرپرستی میں بہت کچھ کام ہو چکا ہے۔ غرض کہ ہر جگہ جس محنت اور کاوش سے ہندو علماء یہ کام کر رہے ہیں قابل تحسین ہے کیونکہ قدیم ہند کی تاریخ یا تمدن کے بارے میں قابل وثوق معلومات دریافت کرنا نہایت دشوار ہے۔ اسلئے قدیم کتابوں کی ورق گردانی اور تنقید کے علاوہ ایک ایک سکہ ایک ایک کتبہ ایک ایک تانبے کا تپر جس پر کسی بادشاہ کا فرمان کندہ ہو اور اسلاف کے دیگر آثار باقیہ پر نظر غائر ڈالی جا رہی ہے۔

آپ غور فرمائیے کہ آپ اپنی قومی تاریخ کی کیا خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کی تاریخیں مدون ہیں اور ایسے لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جو تاریخ نویسی یا کم از کم واقعہ نگاری سے بخوبی واقف تھے اظہار حق جن کا شیوہ تھا اور جو دروغ بیانی سے حذر کرتے تھے۔ البیرونی کی کتاب الہند کے متعلق ایک جرمن مستشرق کا قول ہے کہ یونانی اور چینی سیاحوں نے بھی ہند کے حالات لکھے ہیں۔ مگر البیرونی کے مقابلہ میں ان کی تحریریں بچوں کی کہانیاں یا جاہلوں کی تالیف معلوم ہوتی ہیں جو توہمات میں مبتلا ہوں۔ ان تاریخوں کو صحت کے ساتھ چھاپنے ان پر حاشیہ چڑھانے ان کی بناء پر زمانہ حال کے مذاق کے مطابق جدید تاریخوں کے لکھنے میں کون امر مانع ہے۔ ہندوستان کی ہر تاریخ میں جو غیر مسلموں کی لکھی ہوئی ہیں مسلمان بادشاہوں اور اکابر قوم کی مذمت موجود ہے۔ ہم ان بے سروپا الزامات اور مطاعن کے دفع کرنے کی کیا کوشش کر رہے ہیں؟ مسلمانوں کے ناموروں کی سیرت اخلاق اور کارناموں پر آئے دن اعتراض ہوتے ہیں۔ کیا ہم نے ان اعتراضوں کے جواب دئے ہیں۔ ان جوابوں کے لئے بھی ہمیں غیر مسلموں کی انصاف پسندی کا مرہون منت ہونا پڑتا ہے مثلاً جہانگیر پر عرصہ سے یہ الزام ہے کہ اس نے نور جہان کے پہلے شوہر شیر افگن خان کو قتل کرا دیا۔ مسلمانوں نے یہ الزام بالکلیہ تسلیم کر لیا یہاں تک کہ ایک مسلمان ناول نویس احمد حسین خانصاحب نے ایک ناول بھی لکھ مارا۔ مگر خدا بھلا کرے ایک ہندو عالم ڈاکٹر بینی پرشاد کا کہ انہوں نے جہانگیر کے دامن سے یہ داغ دور کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان میں کئی جامعات ہیں جہاں مسلمانوں کو تاریخی ریسرچ کا موقع ہے۔ علیگڑھ خالص اسلامی درسگاہ ہے۔ اور جامعہ عثمانیہ اسلامی سلطنت کی سرپرستی میں ہے ان دونوں سے بہت کچھ توقعات ہو سکتی ہیں مگر ابھی تک خدا کا فضل ہے۔ ڈھاکہ ایک ایسے صوبہ میں ہے جہاں دو کروڑ مسلمان بستے ہیں اور ڈاکٹر عبد الستار صدیقی اور احمد فضل الرحمن ایسے اصحاب کی موجودگی سے بیداری کی امید ہو سکتی ہے۔ لاہور، الہ آباد، دہلی اور لکھنو کی جامعات اسلامی تمدن کے مرکزوں میں واقع ہیں۔ کیا ہم ان کے مسلمان استادوں اور طالب علموں سے امید نہیں کر سکتے کہ وہ اپنا فرض ادا کریں۔ تاریخی تحقیقات میں جو افراد مشغول ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر شفاعت احمد خانصاحب پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی نے خاصی شہرت حاصل کی ہے مگر ان کا موضوع تاریخ نہیں ہے۔ جامعہ عثمانیہ میں تاریخی تحقیقات کا کام مولوی غلام یزدانی صاحب اور مولوی سید ہاشمی صاحب کے ذریعہ بآسانی ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس کے وسیع شعبہ تاریخ سے کوئی عملی نفع نہ ہوگا۔

جس طرح تاریخی تحقیقات سے کسی قوم کا ماضی منور اور شاندار ہو جاتا ہے اسی طرح (Scientific Research) اس کی آئندہ مادی ترقی کی ضامن ہے۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائینس کے ضمن میں میں عرض کر چکا ہوں کہ اس درسگاہ سے اس وقت تک ہماری قوم کا صرف ایک فرد واحد مستفید ہوا ہے۔ سائینس کی دوسری درسگاہوں میں بھی یہی حالت ہے۔ آپ ملاحظ فرما چکے ہیں کہ سنہ ۱۹۲۲ء میں صرف چار مسلمان نے ایم ایس سی کی ڈگری لی ہے۔ جامعات کی شہرت اور اہمیت اب طالب علموں کی تعداد یا شاندار عمارات پر نہیں ہے بلکہ تصنیفات اور انکشافات پر ہے۔ ہندوستان کی جامعات بھی کوشاں ہیں کہ (Scientific Research) کو فروغ دیں۔ اکثر جامعات کے سالناموں میں ان مضامین کی تفصیل ہوتی ہے جو اساتذہ نے اپنی ذاتی ریسرچ کی بنا پر لکھے ہیں اور ہندوستان یا یورپ کے علمی رسائل میں شائع کرائے ہیں۔ ہر یونیورسٹی سے خاصی تعداد ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض ہندی جامعات کی یورپ میں کچھ وقعت ہونے لگی ہے۔ مگر اس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں۔ سنہ ۱۹۲۴ء کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ڈاکٹر ولی محمد (لکھنو یونیورسٹی) نے دو مضمون لکھے جو یورپ کے رسائل میں چھپے۔ مختلف علوم مثلاً ریاضی کیمیا وغیرہ کے جو رسائل ہندوستان میں شائع ہوتے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ریسرچ کرنے والوں میں مسلمان شاذ و نادر ہیں۔

اب فنون لطیفہ کو لیجئے جن میں شاعری، مجسمہ سازی فن تعمیر اور موسیقی شامل ہیں اور جن پر قوم کی زندہ دلی اور اجتماعی زندگی کا انحصار ہے۔ شاعری کے متعلق میں کچھ پہلے عرض چکا ہوں اور شاعری کا رجحان کچھ ایسا نہ تھا کہ قوم کو نکبت اور بربادی سے بچا سکتا بلکہ دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کی بیوفائی کا سبق پڑھا کر اس نے ہندی مسلمانوں کو بالکل بیکار اور بے ہمت کر دیا۔ الشعراء تلامیذ الرحمن مگر یہ مقولہ شاعر پر اس وقت صادق آسکتا ہے جب وہ انسان کے بہترین جذبات برانگیختہ کرے۔ اسے غیرت حمیت اور شجاعت کا سبق دے اور اولو العزمی اور حب قوم کی طرف مائل کرے۔ آپ کے کتنے شاعر اس محک پر ٹھیک اتر سکتے ہیں۔

مجسمہ سازی کا تعلق بت پرستی سے اس قدر گہرا تھا کہ مسلمان اس کی طرف توجہ کرنا کفر خیال کرتے تھے اور ملت ابراہیمی کے پیرو شیوہ آذری اختیار نہ کر سکتے تھے مصوری بھی فقہائے اسلام جائز خیال نہیں کرتے مگر مانی و بہزاد کی سرزمین یعنی ایران میں اس کا اس قدر گہرا اثر تھا کہ بعض عمارتوں میں انسان اور جانوروں کی تصویریں پائی جاتی ہیں۔ چونکہ ہندوستان اور ایران کے تمدنی تعلقات نہایت گہرے تھے۔ اس لئے ایرانی مصور ہندوستان میں آئے اور ہند کی خیال آفرینی اور ایران کی حسن پرستی کے امتزاج سے شاہان مغلیہ کی سرپرستی میں مصوری کے ایک نئے طرز کا آغاز ہوا جو اصطلاحاً مغل کہا جاتا ہے۔ مگر یہ مصور سلطنت کے وابستہ تھے سلطنت کی تباہی کے بعد مصوروں کا بھی کوئی قدردان نہ رہا اور ہندوستان کی بہترین تصویریں اب یورپ میں ہیں۔ ہندوستان کی نشاۃ جدید کے سلسلہ میں بنگال بمبئی پنجاب اور اندھرا دیش میں مصوروں کے نئے گروہ پیدا ہو گئے ہیں۔ ان مصوروں کی تصویروں میں محض یورپ کی نقالی نہیں بلکہ ان میں اور خصوصاً بنگالی مصوروں میں ایک نئی روح اور نیا تخیل ہے جس سے آئندہ کے لئے بہت امید ہو سکتی ہے۔ یورپ میں بھی ان تصویروں کی نمائش کی گئی ہے اور پسند کی گئی ہیں لیکن افسوس کہ اس جدید فنی (Artistic) تحریک میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں صرف ایک مسلمان مصور عبد الرحمن چغتائی کی تصویروں سے واقف ہوں جو کچھ پسند کی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک دو اور ہوں۔

باقی آئندہ

عوفی کی حیات اور اس کی تصانیف پر غور و فکر

بسلسلہ عدد (۲۱)

مصنفہ ڈاکٹر نظام الدین صاحب مولوی فاضل۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (کنٹب) پروفیسر فارسی

مترجمہ

محمد عبد الجلیل صاحب بی اے (عثمانیہ) مدیر عثمانیہ میگزین

ذیل کا مضمون جو گذشتہ عدد کے سلسلہ میں ہے جدید مغربی طرز کی تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے عوفی کی نایاب کتاب جوامع الحکایات کے متعلق ادبی تحقیقات کا کام اس مشرق کے محسن پروفیسر ای جی براون مرحوم کی نگرانی میں کیا تھا جن کا نام فارسی عربی اور ترکی ادبیات کے لئے بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے۔ ہم اس مضمون کو مجلہ عثمانیہ سے اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ یہ ہمارے نوجوان انشاپردازوں کے لئے دلیل راہ بنے۔ ہم مدیرین مجلہ عثمانیہ اور ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کو نظام گزٹ میں دوبارہ اشاعت کی اجازت دی۔

نظام گزٹ

ورود نیشاپور

سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے عہد حکومت میں نیشاپور ایک موسم خیز خطہ رہا ہے جہاں کے مشاہیر یگانۂ روزگار تھے۔ عوفی بھی اس سرزمین کے درخشاں ستاروں میں نظر آنے لگا جیسا کہ وہ خود جوامع میں لکھتا ہے اس نے ۶۰۳ھ میں خوجان (خبوشان) میں زین الدین صاعد کے مدرسہ میں ایک شتر مرغ کو دیکھا جو خوارزم شاہ کے وکیل کے ہاں تھا۔ اسی زمانہ میں وہ اسفرائین گیا جہاں اس نے سلطان خوارزمشاہ کے مشہور کاتب عماد الدین سوید بن احمد الاسفرائنی کے لڑکے کو تعلیم دی۔ اس کے بعد وہ خاص شہر نیشاپور میں وارد ہوا۔ چونکہ جوامع میں نیشاپور کے بکثرت حوالے ملتے ہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ عوفی یہاں ایک عرصہ تک مقیم رہا۔ شہر نیشاپور میں اس کی علمی روشناسی کمال کو پہنچتی ہے۔ یہاں اس نے بالعموم اعیان سلطنت اور متبحر علماء اور شعراء سے ملاقات کی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

نیشاپور کے ہمعصر علماء

عوفی لکھتا ہے کہ وہ کبھی کبھی صدر الدین بن نیشاپوری صاحب دیوان استیفا خوارزم شاہ کے ہاں کو جس نے خوارزم شاہوں کی ایک تاریخ بھی لکھی تھی جایا کرتا تھا۔ یہیں اس نے فن کتابت کی ایک اہم کتاب رقیۃ القلم کا مطالعہ کیا۔ جو سلطان سنجر کے کاتب منتجب الدین بدیع اتابک الجوینی کی تصنیف تھی۔ جمال الدین علی لاہوری صاحب دیوان انشائے ملک مؤید سے بھی اس کی ملاقات ہوئی جن کے دوران گفتگو میں فرید الدین (یا شمس الدین) احمد بن محمد الکافی کا جو مشہور غوری کاتب تھا تذکرہ رہا۔ اسی زمانہ میں اس نے وعظ بھی کئے اور فارسی اور عربی میں مشق سخن بھی کی۔ عوفی یہاں اپنے مواعظ کا اور فخر الدین محمد السرخسی کا حوالہ دیتا ہے جس کے ساتھ نیشاپور میں مشاعرے رہے۔ اس کے دوسرے مخلص احباب یہ ہیں۔ ابو الفضل عثمان بن محمد الهروی جو ایک لطیف طبع شاعر تھا اور نرگس کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ابو علی بن الحسین المروزی جو خوارزمشاہ کا درباری شاعر تھا۔ امیر قوامی الخوانی۔ نظام الدین الجامی الکاتب جس نے خوارزمشاہ کے دربار میں بعد کو بڑی اہمیت حاصل کی۔ بدقسمتی سے عوفی فرید الدین عطار اور اپنے تعلقات کا کہیں بھی ذکر نہیں کرتا حالانکہ وہ بھی نیشاپور کے متوطن اور اس کے معاصر تھے۔

سجستان کی راہ

اس کے طوس میں قیام اور نیشاپور کے دوسرے شہروں کی سیر کی نسبت کوئی تحریر موجود نہیں بہت ممکن ہے کہ صوبہ خراسان کے دوران میں اس نے نیشاپور کے دوسرے شہروں کی بھی سیر کی ہو۔ غرض عوفی سیستان جاتے ہوئے ہرات پہنچتا ہے۔ یہاں فخر الدین الخطاط الہروی اور بدر الدین بن نور الدین الہروی سے ملاقات ہوتی ہے۔ موخر الذکر اپنے اور علاء الملک ضیاء الدین ابو بکر بن الجامی وزیر خوارزم شاہ کے ذاتی تعلقات کا عوفی سے ذکر کرتا ہے۔ بعد کو اس وزیر سے عوفی کی ملاقات خاص اسفرائین میں ہوئی جس کی سخاوت زہد و تقوی کی عوفی نے لباب میں بڑی تعریف کی ہے۔ صرف یہی ایک بیان ہے جس سے عوفی کے قیام سیستان کا زمانہ معلوم ہو سکتا ہے۔ عوفی لکھتا ہے کہ اس وزیر نے دوران گفتگو میں یہ مجھ سے کہا کہ مجھے خراسان اور ماوراء النہر کے علماء سے ملاقات کی دیرینہ آرزو تھی جب سفر خطا درپیش ہوا تو یہ ارادہ پورا ہوا۔ وزیر کے خطا جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ عساکر قراخطا کے سردار تانیگو کے باغی ہو جانے کے باعث خوارزم شاہ نے اس کی سرکوبی کے لئے اس کو روانہ کیا تھا۔ یہ واقعہ اس جنگ سے متعلق ہے جو طراز میں تانیگو اور سردار قراخطا کے درمیان ہوئی اور جس میں تانیگو اسیر ہوا۔ تاریخ جہان گشائے جوینی اور دوسری مستند تواریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ۶۰۷ھ میں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ عوفی نے وزیر خوارزم شاہ سے ۶۰۷ھ کے بعد ملاقات کی ہوگی۔ سیستان کی عنان حکومت اس زمانہ میں ملک تاج الدین حرب کے ہاتھ میں تھی اور غزنہ کے ولیعہد یمین الدولہ بہرامشاہ کی تخت نشینی ۶۱۲ھ میں ہوئی۔ اس طرح ہمارے مصنف کا قیام سیستان ان دونوں سنین کے درمیان واقع ہوا ہوگا اس کی تائید سیاحت کے اور دوسرے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔

سجستان کے علمی صحبتیں

اسفزار میں جن بڑے بڑے لوگوں سے اس کی شناسائی ہوئی انہیں پہلے تو عہد خوارزم شاہ کے مقامی حکام نے اوپر ذکر کیا ہے اور دوسرے اس وزیر کا لڑکا تھا جس کے آئندہ شاندار کارنامے عوفی نے اپنی کتاب میں زیب قرطاس کئے جیسا امام شرف الدین عنبری سے بھی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اتنے

(۱) نسخہ قدیم برٹش میوزیم (Or. 2676.) ورق ۹۳ ب قسم چہارم باب بست و چہارم حکایت (۲۰۸۶)
(۲) لباب حصہ اول ص ۱۴۴
(۳) لباب حصہ اول ص ۱۴۷
(۴) لباب حصہ اول ص ۱۴۲، ۱۴۳۔

(۱) باب بستم چہارم حکایت ۲۰۸۶۔ ص ۷۸۔ اور تاریخ جہانگشائے جوینی حصہ اول ص کو۔ یز۔ و حصہ دوم۔ (۲) لباب حصہ اول ص ۱۲۱۔ (۳) دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۱۸۔ ۲۱۹ اور جوامع حکایت ۲۳۲، ۲۴۶۔ (۴) دیکھو لباب حصہ دوم ص ۳۴۶۔ (۵) دیکھو لباب حصہ دوم ص ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ (۶) دیکھو لباب حصہ دوم ص ۳۴۵۔ (۷) دیکھو لباب حصہ اول ص ۱۴۹، ۱۵۱۔ و نیز تاریخ جہان گشائے جوینی حصہ دوم ص ۸۱۔ (۸) لباب (جلد دوم صفحہ ۳۳۲) میں عطار کا تذکرہ موجود ہے مگر اس میں کوئی مفید اور ذاتی احوال کا پتہ نہیں۔

(۱) دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۴۶
(۲) دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۵۰
(۳) دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۵۰
(۴) دیکھو لباب حصہ اول ص ۱۱۱۔ ۱۱۳۔
(۵) دیکھو تاریخ جہانگشائے جوینی حصہ دوم ص ۷۷ اور لباب حصہ اول ص ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ و مقدمہ حواشی ص یز درج۔
(۶) لباب الالباب حصہ اول ص ۴۵۔ ۵۰۔
(۷) لباب الالباب حصہ اول ص ۱۱۳۔ ۱۱۴۔
(۸) " " " ص ۱۴۵۔ ۱۵۵۔

گفتگو میں شہاب الدین محمد بن ہمام کے چند اشعار سنائے۔ ان اشعار کو عوفی نے لباب میں درج کیا ہے ایک اور شخص مہذب الدین منصور بن علی الاسفزاری سے عوفی نے دوستی پیدا کی جس نے اپنے ایک شعر سے عوفی کے نام کو حیات جاوید بخشی۔ عوفی سیستان کے پایۂ تخت کو جو بعد میں زرنج کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے دیکھ کر بہت فرحت محسوس کرتا ہے ۔ یہاں شرف الدین محمد بن محمد الغزنوی سے ملاقات ہوتی ہے اور دار البلد سیستان میں عوفی کی ملاقات ایک خود سر شاعر شمس الدین محمد بن نصیر السجزی سے ہوتی ہے اثنائے کلام میں اس نے عوفی کو تین رباعیات والا مشہور فقرہ سنایا جس کو عوفی نے لباب میں لکھا ہے۔ اس کے بعد عوفی نے جاسوس الافلاک فرید الدین علی النجم السنجری (سجزی) سے دوستی پیدا کی۔ اس زمانہ میں فرید الدین عزلت نشین ہو چکے تھے۔ عوفی ان کے بھائی نصیر شیرانی وزیر ملک نیمروز کا بھی ذکر لباب میں کیا ہے عوفی نے فرمانروایان سیستان کے درباری شاعر شمس الدین مبارک شاہ ابن الاعز السنجی (سنجری) سے بھی ملاقات کی اس شاعر نے اپنے افکار طبع سے عوفی کو محظوظ کیا۔

ختم سیاحت مراجعت بخارا

اس کے بعد عوفی کی بادہ پیمائی کا حال کچھ نہیں کھلتا۔ اگرچہ ایک موہوم سا حوالہ اس نے بامیان کا دیا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عوفی وہاں موجود تھا۔ یہی غالباً اس کی علمی سیاحت کی آخری منزل ہے۔ ہمارے مصنف نے اس وقت تک ایک مسلم الثبوت واعظ، شاعر اور متبحر عالم کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور اپنے معاصرین میں بھی علم و فضل کے اعتبار سے مشہور ہو گیا تھا۔ آموے کے راستے مرو سے مصنف کے واپس ہونے کے متعلق صرف ایک حوالہ موجود ہے اس سے مصنف کے سفر کا ختم ہونا اپنے وطن کو خیر و خوبی سے پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے۔ اب تک عوفی نے اپنے وطن بخارا کی نسبت جتنے حوالے دیئے ہیں ان سے اس کی زندگی کے ابتدائی دور پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کے بعد جو حوالے آتے ہیں ان سے اس کی زندگی کے دوسرے دور کے حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔ اولاً یہ کہ وطن لوٹنے کے بعد اپنے استاد برہان الاسلام تاج الدین عمر بن مسعود (جن کا ذکر اوپر ہوا ہے) سے ملتا ہے۔ یہ اس وقت بخارا کے صدر الشریعۃ ہو گئے تھے۔ ان کے صاحبزادہ نظام الدین محمد بن عمر بن مسعود کی نازیبا حرکات کی وجہ سے صاحب صدر الشریعۃ رنجیدہ تھے۔ عوفی نے باپ بیٹوں کے درمیان صفائی کرنے کی کوشش کی۔ ثانیاً جس طریقے سے عوفی سعد الدین مسعود دولتیار کا جو آل برہان کے موالی سے تھا ذکر کرتا ہے اور جس رنگ میں استاد کے ساتھ ملتا جلتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوفی نے اس وقت تک ایک بلند رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کے ثبوت میں دو اور واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مشہور شاعر حکیم مجد الدین فہیمی البخاری نے قدوم رمضان کی تہنیت میں عوفی کے ہاں اپنا ایک قطعہ بھیجا تھا۔ جب مفتی مخشب (نسف) شمس الدین داعی الحسینی النسفی بخارا آتے ہیں تو عوفی ان سے ملنے جاتا ہے اور یہ بزرگ اپنی ایک رباعی سناتے ہیں۔ عوفی ان واقعات کا ذکر تو کرتا ہے لیکن اس کے متعلق وہ بالکل ساکت ہے کہ اس نے علاّ موصوف سے کچھ حاصل بھی کیا ہے۔ حالانکہ عوفی کا یہ شیوہ رہا ہے کہ استفادہ کی صورت میں اپنے بزرگوں کا احسان مانے۔

خراسان کی بدامنی اور عوفی کا ہندوستان آنا

ہم اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ اس نے بخارا کو ہمیشہ کے لئے کب چھوڑا اور نہ حقیقی واقعات کیا ہیں جو ڈھکیل کر خراسان سے ہندوستان لے گئے۔ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس کی خواہش یہ تھی کہ کسی دربار میں اپنے قدم جمائے ابھی غرض سے اس نے سمرقند خوارزم جرجان (گبود جاملہ) اور سیستان کے درباروں میں ایک نہ ایک دفعہ ضرور کوشش کی لیکن اسکو اس وقت اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی اس کے علاوہ اگر ہم خراسان کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ اس زمانہ (۶۱۵ھ) میں سلطان محمد خوارزم شاہ کی سلطنت متزلزل ہو گئی تھی۔ تباہی کے بادل جھوم جھوم کر آ رہے تھے اور مغلوں کا وحشت انگیز طوفان عنقریب برپا ہونے والا تھا۔ علماء اور شعراء ہندوستان کے بادشاہوں کی علم پروری اور بذل و الطاف بخشش و کرم کا شہرہ سن کر کشاں کشاں اسی طرف آ رہے تھے۔ عوفی اس بخشش سے کب بچ سکتا تھا ہم دیکھتے ہیں عوفی ہندوستان جاتے ہوئے غزنین پہنچا لیکن اب غزنین کے فروغ حسن میں غزنویوں اور غوریوں کے عہد کی وہ تجلی باقی نہ رہی تھی۔ یہاں اس کی ملاقات ضیاء الدین محمود کابلی سے ہوتی ہے۔ وہ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے پہلے سب سے پہلی مرتبہ لاہور آتا ہے۔ یہاں کے مشہور شعراء اور کم و بیش ہم رتبہ معاصرین سے روابط قائم کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ سندھ آتا ہے جو ملک ناصر الدین قباچہ کے زیر حکومت تھا۔ اس وقت سندھ کا رقبہ موجودہ صوبہ پنجاب سندھ اور گجرات کے علاقوں پر مشتمل تھا۔ یہاں عوفی کی دیرینہ سیاحت ختم ہوتی ہے اور اس کی زندگی کا دوسرا دور بھی پورا ہو جاتا ہے یہاں آنے کے بعد وزیر عین الملک فخر الدین الحسین بن شرف الملک رضی الدین ابو بکر الاشعری کی سرپرستی میں وہ دربار سندھ میں مستقل طور پر مقیم ہو گیا اور (تقریباً ۶۱۸ھ میں) اپنی کتاب لباب الالباب کی تصنیف میں مشغول ہو گیا۔

۶۰۷ھ کے بعد ہندوستان کی حالت

تیسرے دور یعنی عوفی کی ادبی پیداوار کے دور کی بحث چھیڑنے سے قبل ہم کو ان سیاسی تعلقات کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جو ہندوستان اور ممالک غزنین خراسان اور خوارزم کے مابین پیدا ہو گئے تھے۔ اس دور کے تاریخی واقعات کے لئے ایک اہم ماخذ طبقات ناصری ہے جس کی رو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قطب الدین ایبک کی وفات (۶۰۷ھ) کے بعد ترکی سپہ سالار جو غوری بادشاہوں غیاث الدین محمد متوفی ۵۹۹ھ اور معز الدین محمد متوفی ۶۰۲ھ حتی کہ خود ایبک کی زیر قیادت رہ چکے تھے، اب خود مختار ہو گئے اور اپنے اپنے علاقوں کے حکمران بن بیٹھے۔ ناصر الدین قباچہ سندھ پر فرمانروائی

(ع) لباب الالباب حصہ اول ص ۱۵۸ - ۱۵۹ - (ع) ما انصفت ایام عمری لطرفی۔ ترحا کرہما کالسیل الاعوفی

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۲۵۹

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۲۵۱ - شیرو امیر و شعر ابن نصیر۔

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۳۴۷

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۳۴۸

(ع) سنجری اور سجزی میں ہمیشہ التباس کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ یہاں سجزی کہنا مناسب ہو گا کیونکہ ان اشخاص کا تعلق سیستان سے تھا۔

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۲۳۲ - ۲۳۳۔

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۱۰۶۔

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۱۷۵ - ۱۷۸۔ (ع) دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۳۸۷ - ۳۸۸ - (ع) دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۳۸۹ - (ع) دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۱۸۲ - ۱۸۳ - (ع) دیکھو سیرت جلال الدین منکبرنی طبع اودھوداس (متن عربی) ص ۲۱، ۲۵ - ۲۷، اور دیکھو کامل ابن الاثیر تحت ۶۱۵ھ

(ع) دیکھو تاج المآثر (Add. 7623, Br. Mus.) ورق ۱۱، الف۔ مصنف کتاب جو حسن نظامی کے نام سے مشہور ہے اور جس کا پورا نام تاج الدین یا صدر الدین محمد بن محمد النظامی، متوطن نیشاپور خراسان کی نازک حالت پر اظہار افسوس کرتا ہے۔ ※

(ع) دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۴۱۶

(ع) ملاحظہ ہو وہ حکایت جس میں عوفی نے قطب ملک کے متعلق اپنا تجربہ بیان کیا ہے وہ اسی سفر کی بابت ہے نسخہ جامع الحکایات (Or. 2676 Br. Mus.) ورق ۸۷ ب قسم ۴۔ باب ۲۔ حکایت ۱۹۹۷۔

(ع) دیکھو لباب حصہ اول۔ ص ۱۱۴

(ع) دیکھو لباب حصہ اول ص ۲۸۴ - ۲۸۵۔

※ اور لکھتا ہے کہ ملک کی اپنی بدانتظامیوں کی وجہ سے وہ ہندوستان آیا۔ اس نے یہ کتاب قطب الدین ایبک کے نام معنون کی ہے۔ اور اس میں ۶۱۴ھ تک کے واقعات قلمبند کئے ہیں جس میں التتمش کی جنگوں کا حال بھی لکھا ہے۔ اور دیکھو طبقات ناصری شائع کردہ ولیم لیز ص ۱۴۳، ۱۸۲۔ جس سے ہمارے تذکرہ بالا بیان کا ثبوت ملتا ہے۔ منہاج سراج بھی منجملہ ان اشخاص کے ایک ہے جو عوفی کے بعد ۶۲۴ھ میں ہندوستان آیا تھا اور عوفی ہی کی مانند ناصر الدین قباچہ کے دربار سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔

کر رہا تھا شمس الدین التتمش تحت دہلی کا حقیقی جانشین بن گیا اور خلجیون نے لکھنوتی (بنگالہ) پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور لاہور دا چگا و نیا ہو گیا تھا۔ تاج الدین یلدز۔ التتمش اور قباچہ اسکی طرف آنکھ لگائے ہوئے تھے سلطنت غور علاء الدین اتسیز اور علاء الدین محمد کے جھگڑون کی وجہ سے تزولیدہ ہو چکی تھی۔ یہان تک کہ سلطان خوارزم شاہ نے سنہ ۶۱۲ھ میں اس کو صفحۂ ہستی سے محو کر ڈالا۔

آخری دو خوارزمشاہون کا حشر

ابن الاثیر اور محمد بن احمد النسوی کے قول کے مطابق اسی زمانہ میں ہندوستان کو مغلوں سے سابقہ پڑا۔ مغول خوارزم شاہ پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے خاندان کو سنہ ۶۱۷ھ میں خوارزم سے نکال باہر کیا۔ خراسان، مازندران اور دور دور تک اس کا پیچھا کیا یہان تک کہ بیچارہ نے ساحل دریائے خزر کے اس پار جزیرہ جامہ میں پناہ لی اور سنہ ۶۱۷ھ میں آخری سانس لی اس کا بہادر بیٹا جلال الدین منکبرنی چنگیزی سیلاب کو روک نہ سکا۔ اس لئے ناچار جنوب کی طرف رخ کیا۔ دریائے سندھ کے بالائی ساحل پر اس نے شکست کھائی۔ سنہ ۶۱۸ھ میں گھوڑے پر سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبور کر کے ناصر الدین قباچہ کے ہان پناہ لینی چاہی اس نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ شکستہ خاطر ہو کر التتمش کے ہان آسرا ٹٹولا۔ اس نے بھی پھٹکار دیا۔ یہ دونون وحشی مغلون کے حملے سے ڈر رہے تھے اس لئے انہون نے جلال الدین کی پریشان حالی اور درماندگی میں دستگیری کرنے سے انکار کر دیا۔ ناصر الدین قباچہ مغلون کے فولادی پنجہ سے کب بچ سکتا تھا آخر کار ملتان میں سنہ ۶۲۱ھ محصور کر لیا گیا۔ التتمش اور قباچہ کی رقابت رنگ لائی۔ قباچہ کو زوال اور التتمش کو سنہ ۶۲۵ھ میں کامل تسلط نصیب ہوا۔

ہمارے مصنف کی زندگی کا یہ دور آخر الذکر واقعہ سے گہرا تعلق رکھتا ہے اس لئے خود نہایت شرح و بسط کے ساتھ جوامع الحکایات کے دیباچہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ لباب الالباب (حصہ اول ص ۱۸۲) میں بھی اس کا حوالہ موجود ہے۔ اور سیر جوامع میں خراسان اور دوسرے ممالک کی تباہی کا حال اس طرح لکھتا ہے:۔

ودر آن وقت کہ کفار تتار اباد اللہ خضرار
ہم ہجومی کردند و آن جماعت کہ مقدمۂ
یاجوج و ماجوج اند روی تخریب
بلاد اسلام نہادند تمامت بلاد ماوراء النہر
و خراسان و جبال و عراق و غزنین و
آذربائیجان و اران از آسیب صولت
ایشان خراب شد حضرت جلت مدینۃ
السلام از مضرت ایشان مصون ماند و آن
جملہ از میامن ایام مبارک امیر المومنین
ناصر بود و وفات او شب یکشنبہ بود در سلخ
ماہ رمضان سنہ اثنین و عشرین
وستمائیہ "

ادبی پیداوار کے دور کی ابتدا سنہ ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء

ہمارے مصنف کی زندگی میں نہایت اہم تاریخ ہے کیونکہ اس زمانہ میں اس نے ملک کے سیاسی معاملات میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور منبر پر کھڑے ہو کر مجد الملک بہاء الدین علی بن احمد الجامی کے کارنامے بیان کرتا تھا۔ یہ شخص سنہ ۶۱۲ھ میں تاج الدین یلدز کا وزیر تھا اور اب التتمش سے علحدہ ہو کر فرمانروائے سندھ ملک ناصر الدین قباچہ کا بڑا اسوید ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے عوفی کی ادبی تصانیف کا سلسلہ اسی زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اب اس کا ذکر کرینگے۔ عوفی کی موجودہ تصانیف صرف تین ہیں اور چوتھی غالباً معدوم ہو گئی ہے۔ سب سے پہلی تصنیف لباب الالباب ہے جو شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس کیلئے کافی مواد اس نے دوران سفر میں جمع کیا تھا بعض ناگہانی آفات و مصائب کی وجہ سے بہت سا ذخیرہ جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے تلف ہو گیا۔ چونکہ یہ کتاب اس نے نہایت قلیل عرصہ میں لکھی تھی اس لئے مشاہیر کے تراجم کے متعلق کافی تاریخی مواد فراہم نہ ہو سکا اور جو کچھ عوفی کے حافظہ میں تھا وہی لباب الالباب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ لباب کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوفی کا تعلق قباچہ کے دربار سے سنہ ۶۱۷ھ سے بہت پہلے نہیں ہوا تھا بلکہ تقریباً اسی زمانہ میں اس دربار میں اس کی رسائی ہوئی۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے چند دنون بعد ہی عوفی لباب کی تصنیف سے فارغ ہو گیا۔

ترجمہ فرج بعد الشدہ و قضات کنبایت

اس کے بعد ہی عوفی حسب فرمان قباچہ تو مقبوضہ ملک گجرات کو جو اس وقت نہروالہ کہلاتا تھا قاضی القضاۃ کی حیثیت سے روانہ کیا گیا۔ الفرج بعد الشدہ کے فارسی ترجمہ کے ضمیمہ (مندرجہ بالا صفحہ ۱۶۶) سے عوفی کے ایک ہمعصر کی زبانی اس کی کنبایت کی زندگی پر کچھ روشنی پڑتی ہے یہین اس نے الفرج کا ترجمہ تقریباً سنہ ۶۲۰ھ میں کیا۔ اس ترجمہ کا دیباچہ اس کے معاصر (سمرقندی) کی تحریر شہر کنبایت سے متعلق مصنف کے ذہنی نقوش اور وہ واضح بیانات جو جوامع میں مذکور ہیں۔ انہی ماخذ سے ہم فرج بعد الشدہ کے ترجمہ کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ ترجمہ لباب کی طرح ملک ناصر الدین قباچہ کی ایما سے لکھا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام کاوش حکایات کے اس عظیم الشان ذخیرہ کا پیش خیمہ تھی جس نے بعد میں جوامع الحکایات کی صورت اختیار کی۔

(عہ۱) دیکھو تاریخ الکامل جلد ۱۲ ص ۲۳۳ تحت سنہ ۶۱۷ھ

(عہ۲) دیکھو سیرت جلال الدین منکبرنی طبع او ہوڈس ص ۳۰، ۳۸، ۴۴، ۵۴، ۵۵، ۸۳، ۹۴۔

(عہ۳) دیکھو نسخہ جوامع الحکایات (Ancien fonds persan 75) ورق ۲۰-۲۱۔

(عہ۴) دیکھو یہی نسخہ جوامع الحکایات ورق ۱۱۸۔ الف قسم اول باب پنجم حکایت ۳۶۰۔

(عہ۱) دیکھو لباب الالباب حصہ اول ص ۱۱۵۔

(عہ۲) کتاب مدایح السلطان جس کا ذکر جوامع الحکایات نسخہ پاریس (Ancien fonds Persan 75) ورق ۱۶۰ ب قسم اول باب دوازدہم حکایت ۶۱۳ میں کیا ہے غالباً یہ مجموعہ مصنف کے ان تمام قصائد کا تھا جو اس نے التتمش اور اس کے ممدوح وزیر کی شان میں لکھے تھے۔

(عہ۳) دیکھو لباب الالباب حصہ دوم ص ۳۸۳، ۱۸م۔

(عہ۱) India Off 1432 ff 456b – 459a

(عہ۲) دیکھو نسخہ ہائے جوامع الحکایات [Ancien Fonds Persan 75 Bib. Nat.] f. 119b. 1. 14. 36 [Oriental 2676, Br. Museum] f. 81b. II. XXI. 2011

(عہ۳) دیکھو نسخہ جوامع الحکایات۔ [Oriental 2676, Br. Museum] f. 22a 14. VII. [illegible] 1848.

بقیہ صفحہ (۱۰) کالم (۳)

کیا ہے وہ اپنا حق ادا کیا ہے۔ میرے باپ نے بھی شاہی فوج میں رہ کر اپنی جان دی اور میں بھی بادشاہ پر اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار ہوں۔ خدا بادشاہ کو سلامت رکھے" اتنا کہکر شاہی قیدی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا اور کہا نا کھانے لگا۔

سر پیٹرک اس گفتگو کے بعد بالکل خاموش رہا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی ادھیڑ بن میں ہے۔ اسی شب سر پیٹرک نے اپنے لوگون کو تاکید کی کہ قیدی کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور وہ اس مقام سے چلا گیا۔ کسی کو معلوم نہوا کہ کہان گیا۔

سر پیٹرک تین دن تک غائب رہا چوتھے دن وہ واپس آیا اور شاہی قیدی کو اپنے اجلاس پر لانے کا حکم دیا۔ جب قیدی کو مجسٹریٹ کے روبرو چلنے کا حکم سنایا گیا تو اس نے اطمینان اور مسرت کے ساتھ دریافت کیا "کیا آج مجھے اخیر فیصلہ سنایا جائیگا؟ خیر میں اس گھر میں اتنے آرام کے ساتھ رہا ہون کہ اب اگر بغاوت کے الزام کی پاداش میں میرا قتل بھی کیا جاوے تو مجھے اس کا کوئی صدمہ نہ ہوگا؟"

قیدی مجسٹریٹ کے اجلاس پر لایا گیا اور مجسٹریٹ نے اس کو مخاطب کر کے کہا "لارڈ ڈربی! تم نے مجھ کو بیس سال پہلے اپنے خون آلود ہاتھ دکھا کر تاکید کی تھی کہ خبردار پردے کے پاس پھر نہ جانا کیونکہ بید کے مارے سے بہت تکلیف ہوتی ہے یہ تمہارے الفاظ مجھے اب تک اچھی طرح یاد ہیں۔ بس یہ تمہاری معافی کا پروانہ ہے جس پر کرامول کے دستخط موجود ہیں مگر اب میری باری ہے۔ اور میں تم سے کہتا ہون کہ پھر کبھی پارلیمنٹ کے خلاف بغاوت نہ کرنا کیونکہ کرامول کبھی مغلوب ہونیوالا آدمی نہیں ہے" اس فیصلہ کے ختم ہوتے ہی دونون قدیم دوست آپس میں جوش سے گلے ملے اور اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ان میں

نیکی کا سبق

(ماخوذ از انگریزی)

محررہ مولوی محمد سلطان صاحب

مصنف ارمغان سلطانی و آئینہ بیدر - مرقع دکن وغیرہ

انگلستان میں بادشاہ چارلس کی حکومت کے زمانہ میں پارلیمنٹ اور قوم اس بادشاہ کی بدعنوانیوں سے سخت ناراض ہوگئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ اور بادشاہ کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی قوم کا بڑا حصہ پارلیمنٹ کا طرفدار تھا۔ اور اس زمانہ میں انگلستان میں بادشاہ پرستوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی پارلیمنٹ کی فوج کی سرداری آلیور کرامویل جیسے شہرۂ آفاق وطن پرست کے ہاتھ میں تھی۔

انگلستان کی اس خانہ جنگی میں اکثر موقعوں پر بادشاہ کی فوج کو شکست مل چکی تھی اور شاہی فوج کے جو افسر شکست پاکر پارلیمنٹ کی فوج کے ہاتھ گرفتار ہوتے تھے ان کو پارلیمنٹ کے مقرر کردہ مجسٹریٹوں کے اجلاس میں پیش کیا جاتا تھا۔ منجملہ ان مجسٹریٹوں کے مسٹر پیٹرک آف نیوکاسل بھی ایک مجسٹریٹ تھا۔ جو نہایت مستقل مزاج اور انصاف پرست شخص تھا اس پر کرامویل کو پورا اعتماد تھا۔ ۔ پیٹرک جسمانی طور پر کمزور اور بیمار طبیعت کا انسان تھا اس لئے اس سے بجائے کسی فوجی خدمت کے مجسٹریٹی کا کام لیا جاتا تھا۔

ایک روز شام کو مسٹر پیٹرک کے ہاں اس کے بعض دوست مدعو تھے اور سب کھانے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ چند سپاہی شاہی فوج کے ایک افسر کو لائے جو اسی وقت گرفتار ہوا تھا۔ جب وہ مسٹر پیٹرک کے روبرو پیش ہوا تو مسٹر پیٹرک نے اس کے ہاتھ کی ہتھکڑیاں نکلوادیں اور ایک دوسرا میز منگوا کر اپنے قریب رکھوایا اور کہا کہ آج میری سالگرہ کا دن ہے اس لئے اس جلسہ کو میں خوشی و خرمی کیساتھ ختم کرنا چاہتا ہوں۔ پس شاہی قیدی اور جو سپاہی اس کو ساتھ لائے ہیں وہ سب اس میز پر کھانا کھالیں، اسوقت وہ میرے مہمان ہیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد میں مجسٹریٹ کی حیثیت سے فیصلہ سناؤنگا"

سپاہیوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور قیدی کو ساتھ لیکر کھانا کھانے لگے۔ اس کے بعد پیٹرک نے اپنی سابقہ گفتگو کا سلسلہ شروع کیا جو لیفٹ دوستوں کو سنا رہا تھا۔ اور قیدی کے آنے کی وجہ وہ سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔ اس نے کہا " میں ابھی کہہ رہا تھا کہ بچپن میں میں بہت ناتوان اور بزدل تھا جسکی وجہ سے ہر شخص مجھ کو ستاتا اور ڈراتا تھا۔ مجھے اپنی ناتوانی کی وجہ ہر شخص کی بیجا تکلیف دہی برداشت کرنی پڑتی تھی، سب سے پہلے مجھے اپنی سوتیلی ماں سے بہت سے صدمے برداشت کرنے پڑے۔ مدرسے میں لڑکے بھی مجھے بہت ستاتے تھے ان باتوں سے ممکن تھا کہ میں تکلیف برداشت کرتے کرتے اس کا عادی ہو جاتا مگر اس کے برخلاف تکلیف کے لفظ سے مجھ میں دہشت اور ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور مار کے نام سے میری روح کانپتی تھی۔ میں آپ کو کہہ چکا ہوں کہ میں نے ویسٹ منسٹر اسکول میں ابتدائی تعلیم پائی۔ اس مدرسہ میں دو جماعتیں ایسی تھیں جنکے درمیان صرف ایک کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہم لوگوں کو اس پردے کے چھونے کی ممانعت تھی اتفاق سے موسم گرما میں ایک وقت عین سبق کے وقت میں اونگھنے لگا اور بنچ پر سے گر پڑا اور گرتے ہوئے پردے کو پکڑ لیا جس سے اس پردہ کا کچھ حصہ پھٹ گیا اور دوسری طرف کے لڑکے اس چاک میں سے دکھائی دینے لگے۔ میرے گرنیکی آواز پر دونوں جماعتوں کے مدرس آن پہنچے اور انہوں نے اس پھٹے ہوئے پردے کو دیکھ لیا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ میں اب بچ نہیں سکتا۔ مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ ایک مدرس نے بلند آواز میں کہا کہ مجھ پر بارہ بیدیں پڑینگی۔ یہ سنکر میری پریشانی اور بڑھ گئی۔ میں نے بہتیری کوشش کی کہ مدرس سے معافی چاہوں مگر میری زبان نے یاری نہ دی اور قریب تھا کہ مجھ پر بید کی مار پڑتی کہ بازو کی جماعت کے ایک لڑکے نے جو میری حالت کو بغور دیکھ رہا تھا، مدرس سے کہا کہ " یہ خطا میری ہے اسکو نہ ماریئے " جب اس لڑکے نے خود اقبال کرلیا تو مدرس نے وہ سزا اس پر منتقل کردی۔ اسکو تمام جماعت کے سامنے کھڑا کیا گیا اور تڑاتڑ بیدیں رسید کی گئیں۔ میں نے اس بے خطا کو مار سے بچانا اور اپنی خطا کا اقرار کرنا چاہا مگر میری حیص و بیص میں اس پر بارہ چھڑیاں پڑ چکی تھیں۔ اور وہ زخمی ہاتھ لئے ہوئے میرے مقابل سے گزرا اور مسکراتے ہوئے دبی آواز میں مجھ سے کہا " پھر کبھی ایسا نہ کرنا " ان الفاظ کو میں عمر بھر نہیں بھول سکتا۔ اسوقت میرے دل پر بڑی رقت طاری ہوئی اور میں مدرس کی اجازت لیکر وہاں سے مکان چلا آیا۔ اسوقت مجھے اپنی بزدلی پر اسقدر رنج ہوا کہ اسی روز سے میں اسکو دور کرنے کی کوشش کرتا رہا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ آخرکار مجھے کامیابی نصیب ہوئی افسوس اس بات کا ہے کہ اس دوست کو میں نے اس واقعہ کے بعد سے آج تک پھر کبھی نہیں دیکھا کیونکہ وہ اس کے بعد ہی مدرسہ چھوڑ چکا تھا میری یہی دعا ہے کہ خدا اُسے میری زندگی میں پھر ایک وقت مجھ سے ملادے تاکہ میں اس سے ملکر خوش ہوں اور اسکی صحت اور سلامتی کا جام پیوں"

اس جملہ کے ختم ہوتے ہی مسٹر پیٹرک کے سامنے شراب کا ایک گلاس آیا جس کو شاہی قیدی نے مسکراتے ہوئے پیش کیا اور کہا مسٹر پیٹرک ویسٹ منسٹر اسکول کے پھٹے ہوئے پردے کے متعلق تم بھول گئے بارہ بیدیں نہیں مجھ پر چوبیس بیدیں پڑی تھیں کیونکہ اپنی غلطی کا اقرار فوراً نہ کرنے کی وجہ سے میری سزا دگنی کردیگئی تھی"

مسٹر پیٹرک نے کہا بے شک، سچ ہے اب مجھے یاد آیا۔ بلکہ استاد نے اسوقت لکچر بھی دیا تھا کہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرنا عظیم گناہ ہے۔ بے شک بے شک، مجھے یاد ہے مگر کیا وہ تمہیں تھے؟" قیدی نے جواب دیا " ہاں " مسٹر پیٹرک نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور کہا " اب میں نے تمہیں پہچان لیا بے شک وہی ہو۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ تم کیسی حالت میں ..... ہو اور یہ کیسا موقع ہے"

قیدی نے جواب دیا " جو کچھ میری حالت ہے وہ اپنے بادشاہ کیلئے میں نے بنائی ہے اور جو کچھ چینے

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۹) کالم (۳)

تعلقہ پرگی ضلع محبوب نگر کا مستقر بدل دیا جائے

رعایا تعلقہ پرگی کی جانب سے ہمیں ایک مراسلہ وصول ہوا ہے جس میں وہ تعلقہ پرگی ضلع محبوب نگر کا مستقر بدلنے کے لئے حسب ذیل وجوہ پیش کرتے ہیں :-

تعلقہ پرگی ضلع محبوب نگر کا مستقر ایک گوشہ میں جانب شمال و مغرب واقع ہے۔ مستقر سے جانب جنوب تین کروہ کے فاصلہ سے تعلقہ کوڑنگل و تعلقہ دہارور علاقہ صرف خاص مبارک کے مواضعات تعلقہ واقع ہیں جس کی وجہ سے ایک جانب کی رعایا کو آمد و رفت تحصیل وغیرہ میں سخت تکلیف کا سامنا رہتا ہے۔

(۲) یہ کہ بوقت ڈویژن بندوبست جناب مولوی ... لی بہادر صاحب مددگار بندوبست حیدرآباد دفتر دوال نے جمعبندی رپورٹ میں تعلقہ کی ناف قصبہ کندرگ کو بتلایا ہے اور رائے دی ہے کہ قصبہ کا مستقر کندرگ ہونا چاہئے۔

(۳) یہ کہ جناب مولوی منظر امام صاحب منصف تعلقہ پرگی نے اپنے زمانہ کارگذاری میں رپورٹ میں فرمایا ہے کہ عدالت منصفی پرگی کا مستقر کندرگ رکھا جائے تو بہت اچھا ہوگا موجودہ مستقر پر مرجوعہ بالکل کم ہے۔

(۴) موجودہ مستقر ریلوے اسٹیشن شادنگر سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے جس کی وجہ سے وکلا و ملبہ و محبوب نگر کو پیشیون پر حاضر ہونے میں سخت مشکلات واقع ہوتی ہیں قصبہ کندرگ اسٹیشن مذکور سے (۱۲) میل کے فاصلہ پر واقع ہے وکلا و رعایا کو نقل و حمل میں بہت سہولت ہوگی۔

(۵) - پرگی میں سوائے مکان تحصیل کے بقیہ محکمہ جات کرایہ کے مکانات میں ہیں اگر تحصیل کا مستقر کندرگ پر بدل دیا جائے تو کوئی سرکاری نقصان بھی نہیں ہے تحصیل کا موجودہ مکان مدرسے کے لئے کام آسکتا ہے۔

بوجوہات بالا اس قدر عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ تعلقہ پرگی کا مستقر قصبہ کندرگ پر بدل دیا جاکر اس تعلقہ کا نام نواب ولی عہد بہادر دام اقبالہٗ کے نام نامی و اسم گرامی کے ساتھ (حمایت نگر) رکھا جائے تو ملک دوالی ملک کی زندہ یادگار قائم رہے گی۔

(مذکورہ بالا درخواست بڑی حد تک قابل لحاظ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ عہدہ داران متعلقہ اس طرف توجہ کرکے رعایا کی خواہش کو پورا کریں گے۔)

نظام گزٹ

مختلف خبریں

بٹلر کمیٹی
سر پرباشنکر پٹانی کی شہادت

لندن ۱۱ رمئے - ریوٹر کو معلوم ہوا ہے کہ سر لزلی اسکاٹ نے ایوان والیان ریاست کی جانب سے بٹلر کمیشن میں پیش کرنے کے لئے ایک یادداشت کا مسودہ تیار کیا ہے جو والیان ریاست کے وفد کے جس کے عنقریب یہاں پہنچ جانے کی توقع کی جاتی ہے۔ زیر بحث آئیگا۔ تقریباً دو ہفتے میں ہندوستان جانے سے قبل سر پرباشنکر پٹانی بٹلر کمیشن کے آگے شہادت دیں گے۔

ہندوستانی صنعتی کانگرس
والسرائے کی شرکت

کلکتہ ۱۲ رمئے - ایسوسی ایٹیڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ کرسمس کے زمانہ میں بمقام کلکتہ منعقد ہونے والی ہندوستانی صنعتی و تجارتی کانگرس کی دوسری میقات کا افتتاح والسرائے بہادر کریں گے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ والسرائے کانگرس میں شریک ہو رہے ہیں۔

جزائر بحرین
ایران کی تازہ یادداشت

قاہرہ کے "السیاسۃ" نے طہران سے آئے ہوئے ایک پیام کے وثیقہ پر لکھا ہے۔

مقامی جرائد نے جو مضامین شائع کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت ایران جزائر بحرین کے متعلق ایک دوسری احتجاجی یادداشت برطانوی حکومت کے نام روانہ کرنے اور اس کی ایک نقل مجلس اقوام کے پاس عنقریب روانہ کرنے والی ہے۔

سائمن کمیشن کی امداد کے لئے
پروپاگنڈا

راولپنڈی ۱۱ رمئے - سائمن کمیشن کی آئندہ آمد کے لئے ایک موافق مرام فضا پیدا کرنے کی غرض سے سرحد میں پروپاگنڈا جاری ہے۔ ایک جلسہ عام میں ایک قرارداد جس میں مسلمانوں کے مطالبات درج ہیں سائمن کمیشن کے آگے پیش کرنے کی غرض سے منظور ہوئی۔

ہندوستانی قومی کانگرس کی ۴۳ ویں میقات
مسٹر گپتا مجلس استقبالیہ کے چیرمن منتخب ہوئے

کلکتہ ۱۴ رمئے - ہندوستانی قومی کانگرس کی (۴۳) ویں میقات کی مجلس استقبالیہ کے پہلے اجلاس میں جو آج شام انڈین ایسوسی ایشن ہال میں منعقد ہوا سابق میر کلکتہ مسٹر جے ایم سن گپتا کسی مخالفت کے بغیر چیرمین منتخب ہوگئے سر پی سی اے کا نام بھی تجویز کیا گیا تھا لیکن کسی نے ان کی تائید نہیں کی۔

رائے بزندرانا تھ چودہری اور ڈاکٹر بدہن چندرا رائے علی الترتیب خزانچی اور سکریٹری منتخب ہوئے۔ مسٹر نیلین رنجن سرکاری نمائش کی کمیٹی کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے ہیں۔ قرار پایا کہ ۵۵ اراکین کی ایک مجلس تنفیذی بنائی جائے۔ ان اراکین کے منجملہ (۲۴) کا انتخاب اس جلسہ میں عمل میں آچکا ہے۔

ایک مناسب مقام پر جس کا ابھی انتخاب عمل میں نہیں آیا ہے عدیم النظیر شان و شوکت کی ایک نمائش قائم کرنے کے انتظامات عمل میں آرہے ہیں۔

حضرت سید شاہ ابراہیم عفو مرحوم

بہت افسوس کی بات ہے کہ حیدرآباد کے قدیم شاعر اور ادیب مولوی سید شاہ ابراہیم صاحب عفو نے بتاریخ ۹ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ انتقال فرمایا آپ کی عمر تاریخ وفات تک نوے برس کی تھی۔ آپ نے حیدرآباد کا وہ دور بھی دیکھا تھا جس کو قدیم مغلیہ دور کا نمونہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اور موجودہ دور بھی جس میں قدیم دہ سے نکلکر جدید طرز اختیار کر رہا ہے۔

آپ کے جد امجد حضرت سید شاہ مصطفیٰ قادری بغداد کے رہنے والے تھے آپ نے ہندوستان میں آکر اجمیر میں سکونت اختیار کی۔ وہاں آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت پیر بادشاہ قادری اپنے چند مریدان خاص کے جبر کرنے پر مدراس میں منتقل ہوگئے اور یہیں سکونت کا ارادہ کر لیا۔ حضرت عفو کی ولادت اور نشو و نما یہیں ہوئی آپ نے عربی فارسی کی تکمیل کرکے انگریزی کی طرف توجہ کی اور طب انگریزی میں ڈپلوما حاصل کیا۔ سترہ برس کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ آپ حیدرآباد تشریف لائے اور اسی کو وطن بنا لیا۔ حیدرآباد میں آپ حیدرآباد ریذیڈنسی کے صدر شفاخانہ میں میر منشی مقرر ہوئے اس کے بعد نواب عماد نواز جنگ بہادر (مدیر رسالہ حسن) کی صدر محاسبی کے زمانہ میں دفتر صدر محاسبی کے صدر مترجم مقرر ہوئے اس کے بعد آپ عدالت العالیہ کے سررشتہ دار ہوئے اور بعد میں کارگزاری پریس رپورٹر کی خدمت آپ کو دی گئی۔ آپ کی آخری دفتری خدمت دفتر معتمدی آبپاشی کی مہتممی تھی جہاں سے آپ نے وظیفہ حسن خدمت حاصل کیا۔

سررشتہ داری کے زمانہ میں آپ سرآسمان جاہ بہادر کے اتالیق انگریزی بھی رہے۔ اسی زمانہ میں آپ نے ایک کتاب نواب صاحب کی تعلیم کے لئے مرتب کی تھی جو بعد میں "دی انگلش ٹیچر" کے نام سے شایع ہوئی آپ کے قلم سے حسب ذیل کتابیں شایع ہوئیں۔

(۱) حضرت خالد بن ولید۔ اس مشہور اسلامی سپہ سالار کی مفصل سوانحعمری اور ان کے جنگی کارنامے درج ہیں۔

(۲) نورجہان۔ نورجہان بیگم کے حالات میں مختصر سا رسالہ ہے۔

(۳) تحفہ عثمانی۔ اس میں علم بیان و معانی اردو زبان اردو درج ہیں۔

(۴) تو امد عروض ... یہ چھوٹا سا رسالہ ہے جس پر نواب عماد الملک بہادر کی نظامت کے زمانہ میں مصنف کو معقول انعام ملا تھا۔

(۵) مثنوی عاشق رسول۔ یہ معمولی سی مثنوی ہے جس میں حضرت عبدالرحیم بریمی عاشق رسول کے عشق و محبت کی داستان لکھی ہے۔

مقامی خبریں

—— سرکار عالی نے حیدرآباد میں نمائش کے قیام کی منظوری دی ہے۔ جو مسٹر لی مرغو اس بارٹ لا مددگار ناظم آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہوگی۔

—— ناندیڑ سے اطلاع وصول ہوئی ہے کہ گوداوری پر ساتھ چلنے کا جو بڑا پل ہے اس کی ایک سائڈ فیٹ غریض کمان جو زیر تعمیر تھی یکایک گر پڑی۔ جس سے تقریباً ایک درجن ملازمین ہلاک و زخمی ہوئے۔

چیف انجنیر صاحب بلدہ نے نگران کار انجنیر کو اس واقعہ کی سرکاری تحقیقات عمل میں لانے کے لئے تار دیا ہے ملازمین کے اعزہ یہاں بہت پریشان ہیں۔

—— نواب معین الدولہ بہادر نے بتوسط نواب مسعود جنگ بہادر انجمن ترقی اردو کو دس ہزار روپیہ کلدار کا عطیہ دیا ہے جو ان کی علمی سرپرستی کا ثبوت ہے۔

—— شولاپور کا اخبار کرم یوگی لکھتا ہے کہ موٹر

حیدرآباد کے علمی حلقہ میں نواب محسن الملک بہادر نواب وقار الملک بہادر، نواب عماد الملک بہادر، مولوی عزیز مرزا صاحب، ملا عبدالقیوم مرحوم مولانا شبلی وغیرہ سے آپ کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ اعلیحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خان خسرو دکن کی تخت نشینی کے زمانہ میں نواب فضیلت جنگ بہادر کی تحریک پر آپ کو تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں ماہوار وظیفہ رعایتی جاری ہوا۔

پچھلے دس برس سے آپ بالکل عزلت گزین ہوگئے تھے۔ عمر بھر طالب علم رہے۔ آپ کی پابندی اوقات ضرب المثل تھی۔ علمی شغف یعنی مطالعہ و تصانیف میں روزانہ دس گھنٹے صرف کرتے تھے۔ پرانی صحبتوں کا ذکر اس خوبی سے کرتے تھے کہ سننے والا گھنٹوں مزے لیتا۔ ایام جوانی میں شعر و شاعری کا بھی شوق رہا چنانچہ چند خام مسودات اور ایک کلیات جو تمام اصناف سخن پر حاوی ہے اس عہد کی یادگار ہے جس کو آپ کے پوتے احمد عارف صاحب اپنی ترتیب اور نگرانی میں شایع کر رہے ہیں۔

کمپنیاں جو عثمان آباد وغیرہ کے جانب کرایہ سے چلتی ہیں ان سب موٹر کمپنیوں نے اتفاق کر لیا ہے اور من مانے کرایہ لوگوں سے وصول کر رہے ہیں کوئی پرسان حال نہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تعلقدار صاحب عثمان آباد بھی ان کی تائید میں ہیں حکام مقتدر کو توجہ کرنی چاہیئے۔

—— پبلک کمشنر صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ اب چونکہ احتیاطی مدت منقضی ہوچکی اور الحمد للہ اس عرصہ میں نہ کوئی چوہا گرا اور نہ کوئی کیس ہوا۔ لہذا بلدہ حیدرآباد طاعون سے پاک و صاف قرار دیا جاتا ہے۔

—— ۱۱ ار تیر ۱۳۳۸ف کو پہلی مرتبہ شام کے ساڑھے پانچ بجے ہمارے اسکاوٹس کی ایک جماعت سیکلون پر بلدہ سے میسور تک سفر کرنے کے لئے روانہ ہوئی یہ پارٹی مسٹر سیمون می لیس یہاں مدرسین سٹی کالج عابد حسین و ساموئیل پرتاپ سنگھ طلبائے سینٹ جارج گرامر اسکول پر مشتمل تھی۔

برائے اسکاوٹس ہیڈ کوارٹر میں انہیں ایک ایٹ ہوم دیا گیا جس میں مسٹر سید محمد اعظم کمشنر و مسٹر سید محمد ہادی ناظم بوائے اسکاوٹس نے وداعی تقریریں کیں۔

رائے سی راو ڈکسن صاحب انجنیر کے مکان واقع گنگ کوٹھی روڈ اور رائے راج موہن لال صاحب سیل کے مکان مرید پیرپلی میں بھی ان بوائے اسکاوٹس کو ٹی پارٹیاں دی گئیں۔ اور رائے صاحب موصوف نے پرجوش وداعی تقریر کی۔

—— خبر ہے کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ کو دورہ سے واپس تشریف لاکر الوال میں قیام فرما ہوں گے۔

—— معتمد صاحب سیول سروس بورڈ اطلاع دیتے ہیں کہ حیدرآباد سیول سروس کمیٹی کے اجلاس بغرض نامزدگی امیدواران برائے مقابلہ بتاریخ ۲۳ ... سے ۲۸ ... بوقت دو ساعت سہ پہر و بتاریخ ۲۴ ... ۱۳۳۶ف بوقت دس ساعت صبح بمقام دفتر فینانس منعقد ہونگے ہیں جملہ درخواست گذاروں کو اطلاع دی گئی ہے کہ وہ تاریخ ہائے مقررہ پر حاضر رہیں تاکہ بصورت ضرورت کمیٹی کے روبرو پیش ہوسکیں۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ	چوبیس روپیہ
امراء اور رؤسا سے سالانہ	پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	لے
ششماہی	۴ر؁
سہ ماہی	عاں
فی پرچہ	۲ر۶ہ

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امو اور ارسال زر کے لئے مینجر کو مخاطب فرمائیے۔

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط وکتابت میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔

(۴) اگر چہ پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمائیے۔

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحے کے حجم پر شائع ہوگا اور کبھی کبھی تصویرین بھی شائع ہونگی

مینجر

سید عبد القادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع کرکے شائع کیا

رجسٹرڈ سرکار آصفیہ نشان (۶۱)

نظام گزٹ

عدد ۲۳ و ۲۴

جلد ۱

مدیرین

سید وقار احمد ام اے

محمد حبیب اللہ رشدی ام اے

مضمون خاص

خطبات جامعۂ مدراس

از

ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار

نظام گزٹ

ہفت وار

۵ ذی الحجہ الحرام سنہ ۱۳۴۶ ہجری

حیدرآباد کے نئے محلے

حیدرآباد کی شہری زندگی میں یہ دور ایک انقلابی دور ثابت ہوگا کیونکہ گزشتہ پندرہ سال کے اندر حیدرآباد کی شہری زندگی میں جس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ان کی نظیر اس شہر کی تاریخ میں نہیں ملتی ایک طرف حکومت اور ہمارے اعلیحضرت سلطان العلوم کی توجہ سرکاری محکموں کے مکانات کے عمدہ اور شاندار بنانے کی طرف مبذول ہے اور دوسری طرف شہر کی تفریحی اور حفظانی چیزوں کی طرف کافی توجہ کی جا رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے جمہور کی طرف جو عام خیال شہر کا تھا وہ بھی اب غلط ہوتا جا رہا ہے۔ بلکہ عوام الناس بھی اب اپنی شہری ضروریات اور احتیاجات کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔

گزشتہ طغیانی رود موسی اور اس وقت اب تک برابر وبائی امراض کے حملوں نے لوگوں کا خیال اندرون شہر سے ہٹا دیا اور طغیانی کے بعد سے اب تک رجحان یہی ہے کہ سکونتی مکانات کے لئے اندرون شہر پر بیرون شہر مقامات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ اندرون شہر کی وہ گنجان آبادی اب کم ہو گئی ہے بلکہ بعض محلے تقریباً غیر آباد ہو گئے ہیں اور ان کی بجائے بیرون شہر بعض نئے نئے محلے کھڑے ہو گئے۔

ان نئے محلوں کے دو مقامات قابل تذکرہ ہیں جنکو ہم دو حلقے کہہ سکتے ہیں ایک حلقہ خیریت آباد سوماجی گوڑہ سے بیگم پیٹھ اسٹیشن تک قرار دیا جا سکتا ہے اس میں نسبتاً زیادہ الدار لوگوں کی آبادی بڑھ رہی ہے اور دوسرا حلقہ توپ کا سانچہ، نواح فتح میدان، امر لیدھر کا باغ اور نارائن گوڑہ چکڑ پلی وغیرہ کو قرار دیا جا سکتا ہے جہاں کے باشندے نسبتاً اتنے مالدار نہیں ہیں جتنے کہ حلقہ اول کے۔

اس وقت ہم اس بات کو یہاں نظر انداز کرتے ہیں کہ ان دو حلقوں میں تدریج کا کیا انتظام کیا جاتا ہے۔ آج صرف ہمیں یہ بتانا ہے کہ ان حلقوں میں نئے مکانات کے درمیان راستے کیسے چھوڑے گئے ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ محکمہ صفائی نے ان حلقوں میں قطعاً شکل اور راستوں کی طرف توجہ نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا ہے کہ ان حلقوں میں کئی محلوں میں نئے نئے عمدہ مکانات کے درمیان بعض جگہ سڑک اتنی چھوٹی ہے کہ ان میں سے ایک ایک گاڑی کے وقت علاوہ میں آنے جانے کی گنجائش نہیں۔ اگر بمشکل اتنی گنجائش ہو بھی تو اس زمانہ میں جبکہ موٹروں کی کثرت ہوتی جا رہی ہے ایسے راستوں پر ان کی تیز رفتاری کی وجہ پیدل چلنے والے کا اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔

آخر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جب ان مقامات پر بالکل نئے مکانات ہی بن رہے تو محکمہ صفائی کو اس بات میں کون امر مانع تھا کہ مکانات کے درمیان راستہ کا حصہ خود ناپ کر سیدھی سڑکیں چھوڑ دیتی۔ اب جو سڑکیں ان میں ہیں ان کو ہم سیدھی سڑک نہیں کہہ سکتے کیونکہ بعض مالکان مکانات کی غفلت کی وجہ اکثر جگہ سڑک سے ملحقہ کمپونڈ کی دیوار سیدھی نہیں رہی اور اکثر جگہ راستہ میں پیچ و خم پیدا ہو گیا۔

یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ ایک طرف تو محکمہ آرائش بلدہ کی جانب سے سڑکوں کو وسعت ہو رہی ہے۔ راستوں اور محلوں کو خوشنما بنایا جا رہا ہے جس کے لئے سرکار کا لاکھوں روپیہ صرف ہو رہا ہے اور دوسری طرف محکمہ صفائی اپنی غفلت اور بے پروائی سے خراب راستوں اور بدنما کوچوں میں برابر اضافہ کئے جا رہی ہے۔ کیا محکمہ صفائی کو اس بات کا اندازہ ہے کہ جب آرائش بلدہ کا کام ان محلوں میں شروع ہوگا تو اس وقت اس کی ان غلطیوں کی وجہ راستوں اور کوچوں کو درست کرنے میں کتنا سرکاری روپیہ برباد ہوگا۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہوگی اگر یہ دونوں محکمے اپنے آپ کو بالکل جداگانہ سمجھنے لگیں۔ اور کسے را با کسے کارے نہ باشد پر عمل کریں۔ نہ صرف یہ دو محکمے جو فطرتاً ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں بلکہ ایک ملک کا ہر ہر محکمہ آپس میں مضبوط تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ اس ملک کے مختلف انتظامی شاخیں ہیں اور مقصد سب شاخوں کا ملک کا انتظام ہے۔

محکمہ صفائی کو آرائش بلدہ سے جو تعلق ہے وہ کسی اور محکمہ سے نہیں ہو سکتا بلکہ حقیقت میں آرائش بلدہ کا کام خود محکمہ صفائی کا فریضہ ہے جس کو سرکار نے مہربانی سے اپنے مصارف پر علٰحدہ قائم کیا ہے۔ اس صورت میں کیا یہ کسی محکمہ کی عقلمندی ہوگی کہ وہ اپنے فرائض سے غفلت کرکے دوسرے محکمہ کو زیر بار کرے خصوصاً اس صورت میں جبکہ وہ محکمہ اس محکمہ کا کام انجام دے رہا ہو۔

راستوں کی راستی اور درستی سے غفلت صرف ان نئے محلوں ہی میں نہیں کی جا رہی ہے بلکہ شہر کے قدیم محلوں میں بھی جہاں نئے مکان تعمیر ہوتے رہتے ہیں اس خیال کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ شہر میں بیسیوں مثالیں اسکی مل سکتی ہیں کہ نئے مکانوں کی تعمیر کی وجہ سڑکوں کی راستی یا صفائی میں خلل آگیا ہے اور محکمہ صفائی نے اس پر کوئی کارروائی نہیں کی۔

ہم نہیں سمجھتے کہ محکمہ صفائی میں آیا کوئی دفتر موجود ہے جو عام طور پر سڑکوں کی نگرانی کرتا ہو اگر نہیں ہے تو کیوں نہ ایسے عہدہ دار کا تقرر کیا جائے کہ اس کے فرائض ہی سڑک کی نگرانی اس کی کشادگی اور خوشنمائی سے متعلق ہوں ہر نئے مکان کی تعمیری منظوری پر وہ ان کا معائنہ کرے اور بعد کو بالائی شکایت پیدا ہونے پر وہ اپنے محکمہ کو راست اطلاع دے کر امتناعی احکام جاری کرائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حیدرآباد جیسے وسیع شہر میں خصوصاً اس زمانہ میں کہ شہر میں مکانات کی تعمیر کا شوق بڑھا ہوا ہے۔ جلد سے جلد محکمہ صفائی کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے اور اگر وہ مناسب سمجھے تو ہماری پیش کردہ تجویز پر عمل کرے جس سے آئندہ احتیاط کرنے میں کسی طرح کی دیر نہ ہو۔

فرمانروایان تنجور کا ایک ہیرا

مسٹر ڈی آر کیرنڈ میکڈ نے سنڈے اکسپرس میں ہندوستان اور برما کے جواہرات کے متعلق ایک مضمون شائع کرایا ہے جس سے نہایت حیرت انگیز جواہرات کے وجود کا پتہ چلتا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ پچھلے دنوں مدراس کے ایک شخص نے جواہرات کا ایک پرانا ہار خریدا جو کسی زمانہ میں تنجور کے فرمانرواؤں کی ملکیت تھا خریدار کا ارادہ یہ تھا کہ اس ہار کو نوروز کے دن اپنی لڑکی کو بطور تحفہ دے اسی خیال سے اس نے ہار کو صفائی اور درستی کے لئے دے دیا جوہری نے جواہرات پر نظر ڈالی تو اسے ایک ہیرا عجیب سا معلوم ہوا اس نے دوسرے جوہریوں سے مشورہ کی خاطر اسے اپنے پاس رکھ لیا چند روز کے تجربہ کے بعد اس کے عجیب و غریب خواص معلوم ہوئے مثلاً اس کا رنگ قدرے نیلگوں تھا لیکن دوپہر کے وقت سرخ ڈورے نظر آنے لگتے تھے جب اسے سورج کی روشنی میں لے جاتے تو دفعتاً لعل کی طرح دمکنے لگتا اسے سایہ میں لے جاتے تو اس کی ساری چمک زائل ہو جاتی۔ ایک روز رات کے وقت جوہری نے اسے نکالنے کے لئے پٹی کھولی تو وہ دیکھکر حیران رہ گیا۔ اکیلا ہیرا چاندنی کی طرح دمک رہا ہے نیز جس روئی میں وہ لپیٹ کر رکھا گیا ہے بھیگ گئی ہے جوہری نے ہیرا اٹھایا تو اس کا ہاتھ نم آلود ہو گیا تحقیق سے معلوم ہوا کہ ہیرے سے پانی نکل رہا ہے پوشیدہ تجربات کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ہیرا چاند کے دور عروج و زوال میں رات کے وقت روتا رہتا اور اس سے پانی نکلتا تھا لیکن جب چاند پر زوال طاری ہو جاتا تو اسکی روشنی بھی جاتی رہتی ہے اور پانی نکلنا بھی مسدود ہو جاتا ہے اسے روتے والا ہیرا ہی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اسکا وزن ساڑھے پانچ قیراط ہے۔

شذرات

ہمارے ہاں اب تک گمنام تحریریں کافی تعداد میں وصول ہو چکی ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسی ہیں جن کے گمنام ہونے پر ہمیں اعتراض نہیں اور ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جس کی وہ مستحق ہیں مگر بعض کی متعلق ہم اپنی رائے کا پیش کرنا بے محل نہیں سمجھتے۔

گمنام تحریر لکھنی اخلاقی جرات کا فقدان ثابت کرتی ہے خواہ وہ تحریر واقعی نیک نیتی پر مبنی ہو یا محض بغض و حسد کا آئینہ ہو جب کوئی شخص کسی بات کو اچھا سمجھتا ہے، کسی خیال یا رائے کو ملک کے سامنے پیش کرنا اپنا فرض گردانتا ہے تو پھر اس کو اپنا نام چھپانے کی کیا ضرورت ہے صداقت ایک نیکی ہے بلکہ انسانیت کا فریضہ ہے۔ اس سے منحرف ہونا اخلاقی جرم ہے۔

اس سلسلہ میں ہم اپنے کرم فرما رائچور کے نامہ نگار صاحب کو اور ان صاحب کو جو "التداد طاعون" کے متعلق اپنے خیالات کو ملک کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں توجہ دلاتے ہیں کہ اگر وہ اپنے بیانات اور آراء کو صداقت پر مبنی سمجھتے ہیں تو خدا جرات سے کام لیں اور اپنا نام چھپانے کی کوشش نہ کریں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مضمون نگار کا نام مضمون کے ساتھ شائع نہ ہو مگر مدیر اخبار کا اس سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔

اسی قسم کی ایک تحریر ہمیں گلبرگہ شریف سے وصول ہوئی ہے جس کے مصنف (یا محرر) اتفاقاً تحریر کے ساتھ اپنا نام لکھنا بھول گئے مگر ہمارے دفتر میں بعض لوگ اس تحریر کے خط کو جاننے کا دعوی کرتے ہیں اور وثوق سے وہ بعض متفرق تحریروں کو پیش کر کے ایک مخصوص بزرگ کا نام تجویز کرتے ہیں۔

یہ تحریر نظام گزٹ پر تبصرہ ہے مگر نہ پہلے عدد پر نہ بہ حیثیت مجموعی تمام اخبار پر بلکہ صرف عدد (۱۷) پر ہم اس تبصرہ کو شوق سے شائع کرتے اگر صرف اس کا لہجہ اور طرز بیان قدرے بلند ہوتا۔

ان تبصرہ نگار بزرگ کی بصیرت [illegible] ہوگی کہ ہمارے ایک نامہ نگار کے قول کے بموجب انہوں نے نظام گزٹ میں ایسی ایسی چیزیں بھی دیکھی ہیں جو ان پر [illegible] ہم ایسی باتوں کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے جن کا تعلق معمولی سمجھ سے ہے اور نہ ایسی رایوں کے متعلق کچھ کہنا فائدہ بخش ہے جو مضامین پڑھے بغیر قائم کی گئی ہیں البتہ اس مستحق ایک رائے یہاں ضرور پیش کریں گے کہ اس سے ہمارے ناظرین کو تبصرہ نویس کی اس عبارت کا اندازہ ہو جائے اور ساتھ ہی ایک ایسی غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے جس کے اثرات اخبار کے لئے مضر ہیں۔

نظام گزٹ عدد (۱۷) میں مندرجہ اشتہارات کے متعلق یہ بزرگ لکھتے ہیں۔

"ابھی اخبار میں اشتہارات کی بھرمار نہیں ہوئی تین صفحے کے اشتہارات تو مالک[1] اخبار و کتب خانہ و مطبع کے ہیں آدھے صفحہ میں امراض مزمنہ و خبیثہ کا ایک اشتہار ہے"۔

ہم اپنے تمام ناظرین سے استدعا کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی صاحب عدد (۱۷) میں مالک اخبار و کتب خانہ و مطبع کے تین صفحے کے اشتہار ہمیں دکھا دیں اور خاص طور پر امراض مزمنہ و خبیثہ کے اشتہار کو ڈھونڈ نکالیں جس کا ذکر گلبرگہ کے ان صاحب بصیرت نے کیا ہے نہ صرف عدد (۱۷) بلکہ ہمارا دعوی ہے کہ کوئی صاحب نظام گزٹ میں ابتدا سے اب تک کسی عدد میں امراض مزمنہ و خبیثہ کا کوئی اشتہار ہمیں دکھا دیں بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے تیار ہیں کہ اشتہار ایک طرف کسی اشتہار میں صرف یہ الفاظ ہی ڈھونڈھ نکالیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اردو صحافت میں اس قسم کے اشتہارات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ کر نظام گزٹ میں شروع ہی سے ایسے اشتہارات کو نامنظور کیا گیا اور ایسے اشتہارات کی ممکنہ کثیر آمدنی کا نقصان گوارا کیا گیا بلکہ بعض اوقات وصول شدہ رقم مشتہرین کو واپس کی گئی جس کی قدر گلبرگہ کے "صاحب بصیرت" نے اس طرح کی۔

مذکورۂ بالا بیان سے قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تبصرہ نویس نے تبصرہ کرتے وقت کتنی زحمت گوارا کی ہوگی بقیہ تمام رائیں اور اعتراضات جو کافی تعداد میں ہیں بالکل اسی قسم کے ہیں یہاں ہم اعتراضات میں سے بھی ایک نمونہ پیش کرتے ہیں جو نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ کچھ اہمیت بھی رکھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"چوتھا مضمون "ملیبار کی اسلامی تاریخ" ابو الفضل حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری حیدر آبادی کے قلم سے اور ان کی تصویر کے ساتھ شائع ہوا ہے نظام گزٹ نے ایک مختصر سی تمہید میں یہ بھی لکھا ہے کہ "افضل نے ملیبار کی اس کامیاب تاریخ کے دو نسخے فراہم کئے ہیں" السلام [illegible] نظام گزٹ یا فی الحقیقت مضمون نگار نے اس مقام کا [illegible] کیا جبکہ سے ان کو یہ نادر و کمیاب تاریخ دستیاب ہوئی اصلیت تو یہ ہے کہ آج سے ربع صدی پہلے رسالہ صحیفہ ماہواری میں ملیبار اور اس کمیاب تاریخ کے متعلق کئی مضامین مولوی فاضل محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم کے شائع ہو چکے ہیں۔ ملیبار کی قدیم و کمیاب تاریخ تحفۃ المجاہدین کا ترجمہ بھی منشی فاضل محمد عبد السلام صاحب بھی کئی سال قبل کر چکے ہیں جس کی عنقریب اشاعت ہونے والی ہے"۔

نہیں معلوم ان بزرگ کو کتاب کا مقام معلوم کرنے کے لئے اتنی بے چینی کیوں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ نظام گزٹ کی تمہید مختصر تھی پھر اس مختصر تمہید میں صرف اس کتاب کا مقام بتا دینا کیوں ضروری ہے جب دوسری کتابوں کے حصول کا مقام بتایا جائے تو یہ کیوں نہ بتایا جائے کہ ان کتابوں کا پتہ کس طرح چلا کس کس شخص نے اس عظیم الشان دریافت میں حصہ لیا اور کس کس نے اس کے لئے مصیبتوں اور آفتوں کے پہاڑ کاٹے جس کے بعد یہ "دُرِ مقصود" حاصل ہوئے اب یہ بات بالکل معمولی سمجھ کی ہے کہ جب اتنی متعلقہ باتیں لکھی جاتیں تو پھر وہ تمہید مختصر کیوں رہتی؟ ہمارے تبصرہ نویس کو اتنا صبر کیوں نہیں کہ شمس اللہ قادری صاحب کی مرتبہ کتاب شائع ہو جاتی جس میں وہ مذکورہ بالا تمام تفصیلات مقدمہ یا تمہید یا تعارف میں دیکھ لیتے۔

پھر بعد میں جو "اصلیت" بتائی گئی ہے اس کا اس جگہ کیا موقع ہے۔ اگر مولوی محمد مرتضیٰ صاحب نے اس کتاب کے متعلق مضامین لکھے تو کیا پھر کسی دوسرے شخص کا اس پر قلم اٹھانا گناہ کبیرہ ہے

نہ صرف شمس اللہ قادری صاحب بلکہ مولوی سلیمان ندوی نے اب سے کوئی تین چار سال پہلے بھی اس موضوع پر معارف میں "ہندوستان میں اشاعت اسلام" کے عنوان سے روشنی ڈالی اور حال میں ترچناپلی کی مجلس علماء کے خطبہ صدارت میں بھی ملیبار کی اسلامی تاریخ سے بحث کی ہے جس میں تحفۃ المجاہدین کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

---

[1] اخبار اور مطبع کی حیثیت بالکل جداجدا ہے مگر یہ بزرگ سب کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔

[2] صرف [illegible] دو مرتبہ تاکید کی خاطر [illegible] شستہ بیان یا شستہ تعبیر کا [illegible] ہوتا ہے۔

اس [illegible] جس مضمون کے متعلق یہ "اصلیت" دکھائی گئی ہے وہ [illegible] ہے ہمارے لائق تبصرہ نویس ابھی مدراس یونیورسٹی کو مشورہ دیتے کہ وہ اس موضوع پر ہرگز کچھ نہ لکھائے کیونکہ اس موضوع پر مولوی فاضل محمد مرتضیٰ صاحب کے کئی مضامین رسالہ صحیفہ ماہواری میں آج سے ربع صدی پہلے شائع ہو چکے ہیں اور تحفۃ المجاہدین کا ترجمہ بھی منشی فاضل محمد عبد السلام صاحب بھی کئی سال قبل کر چکے ہیں جس کی عنقریب اشاعت ہونے والی ہے"۔ مدراس یونیورسٹی کو چاہیے تھا کہ "عنقریب ہونے والی اشاعت" کا انتظام کرتی یا کم از کم "صحیفہ ماہواری" کی قدیم جلدیں ہی حیدرآباد سے منگا کر پڑھ لیتی!

مولوی فاضل محمد مرتضیٰ صاحب کے مضامین تو خیر شایع ہو چکے ہیں مگر نہیں معلوم ہمارے گمنام دوست نے یہ راز کیونکر معلوم کیا کہ منشی فاضل محمد عبد السلام صاحب تحفۃ المجاہدین کا ترجمہ کئی سال قبل کر چکے ہیں اور اس کی عنقریب اشاعت ہونے والی ہے۔ حیدرآباد کے علمی دایرہ سے ایک حد تک واقف ہونے کے باوجود ہمیں خود اس راز کا علم حال تک نہ ہوا۔ کچھ ہی دن گزرے کہ ہمارے ایک کرم فرما نے صحیفہ روزانہ کے ایک پرچہ میں عبد السلام صاحب کا ایک اشتہار دکھایا جس سے معلوم ہوا کہ عبد السلام صاحب تاریخ ملیبار کا ترجمہ شایع کرنے والے ہیں مگر اس اشتہار میں یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ ترجمہ کس بزرگ نے کیا ہے۔ اس اشتہار میں عبد السلام صاحب کا مترجم ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ محض ان کا پبلیشر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم امید کرتے ہیں کہ شمس اللہ قادری صاحب بھی اس اخفا پر کچھ روشنی ڈالیں گے جس کی ہمارے گمنام تبصرہ نویس نے شکایت کی ہے۔

آخر میں تبصرہ نویس صاحب لکھائی چھپائی کے متعلق فرماتے ہیں: "لکھائی چھپائی بھی اکثر سے غنیمت ہے مگر ایک مالک مطبع کی کتابت اس سے بہتر ہونا چاہئے"۔

تبصرہ نویس صاحب کو غلط فہمی ہو گئی ہے کہ نظام گزٹ کی کتابت مالک مطبع خود کرتے ہیں یہ بالکل خلاف واقعہ ہے ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ نظام گزٹ کی کتابت مالک مطبع سید عبد القادر صاحب تاجر کتب نہیں کرتے بلکہ شاید اپنی تمام عمر میں کبھی عبد القادر صاحب نے کتابت نہیں کی پھر بھی کیا مالک مطبع کے لئے ضروری ہے کہ ان کی کتابت بھی اچھی ہو۔ اس طرح ایک اور فقرہ ہے۔

اسی طرح جدید اصطلاحات (اصطلاحات) کی [illegible] لینے میں بھی نامناسب نامنوس [illegible]۔ اس فقرہ کی فصاحت د[illegible]

خطبات جامعہ مدراس

(مدراس یونیورسٹی لکچر)

ہندوستان ازمنہ مختلف میں

از

از ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار ایم۔ اے پی ایچ ڈی نایب امیر جامعہ کلکتہ

مشہور مورخ جناب ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار نے جامعہ مدراس کی فرمایش پر ماہ مارچ میں مدراس میں چھ خطبے پڑھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تاریخی قابلیت تلاش اور تحقیقات محتاج تعارف نہیں ہم ذیل میں خطبہ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

ہم عموماً تاریخ ہند کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے اس طرح اس کا مطالعہ کرتے ہیں کہ گویا وہ دور ایک دوسرے سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا جیسے کہ وہ آپ بند کمرے ہیں جن میں کوئی اور چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اس طرز کے مطالعہ کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس سے قومی زندگی بہ حیثیت کل نظر انداز ہو جاتی ہے اور ہم اس بات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ہندوستان ایک زندہ اور پھلنے پھولنے والی قوم کا وطن ہے جس کے تمام زمانوں میں ایک تسلسل رہا ہے۔۔۔ ۔۔۔ یعنی اس قوم کی ہر نسل نے اپنے اسلاف کے ترکہ کو جائز طور پر استعمال کیا اس میں اصلاح کی اور ترقی دی۔

ہماری تاریخ کا کوئی ہوشیار مطالعہ کرنے والا ہندوستانی قوم کی ایک بڑی خصوصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا وہ ان کی مخصوص اصلیت ہے جو ان کی مخصوص تہذیب اور مخصوص دماغ میں نمایاں ہے کہ انکا دماغ باوجود صدیوں کی بیرونی حکومت کے اب تک اسی طرح قومی اور باعمل ہے جیسا کہ قدیم زمانہ میں تھا اس میں شک نہیں کہ موجودہ ہندوستانی قوم مختلف نسلوں سے مرکب ہے لیکن ان کے نسلی مخلوط عناصر کی اصلیت خواہ کچھ ہی رہی ہو آج وہ سب ایک عام ہندوستانیت رکھتے ہیں اور سب نے ایک عام ذہنی تربیت کے بنانے اور عام روایات خیالات اور علم ادب کے پیدا کرنے میں برابر حصہ لیا ہے حتیٰ کہ سر ہربرٹ رزلی نے جو ہندوستانیوں کے ایک قوم ہونے کے دعوے میں شبہ کرتے ہیں اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "مذہب، رواج، زبان اور اجتماعی اور طبعی متعدد اختلافات کے باوجود جو ہندوستان کے مطالعہ کرنے والے کو تعجب میں ڈال دیتے ہیں پھر بھی انکی زندگی میں ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک ایک غیر نمایاں یکسانیت موجود ہے" اور حقیقت میں یہ ایک واقعہ ہے کہ ہندوستان میں ایک ہندوستانی کردار ایک عام ہندوستانی شخصیت موجود ہے جسکو ہم اس کے عناصر ترکیبی میں تقسیم نہیں کر سکتے۔

اس مشترکہ ہندوستانیت نے زمانہ کا مقابلہ کیا ملوکانہ کشت و خون، انقلابات، مذہبی مخاصمتوں اور قدرتی تباہیوں کے باوجود زندہ رہی اور اس کو زندہ رکھنے کی وہ اصلی قوت ہے جو ہماری سرزمین میں زبردست تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ہزارہا سال سے نمایاں رہی ہے۔

جب ہم سیاسی تبدیلیوں کو بیان کرنے والی کتابوں سے گزر کر تاریخ ہند کے فلسفہ پر گہری نظر ڈال لیتے ہیں جب ہم مختلف زمانوں میں ہندوستان کی ترقی پر غور کرتے ہیں تب ہمیں اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام ردو بدل میں ایک غیر [illegible] یکسانیت جاری اور ساری ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم آج ذہنی [illegible] اپنے ماضی نے بنایا اور ہم دیکھتے ہیں کہ

ہیں بلکہ زمانہ ماضی نے کیونکر بنایا جو آج ہم ایسے ہیں کہ ہر وہ قوم و ملت جس نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا، ہر وہ سلاطین کا خاندان جس نے ہم پر کچھ مدت تک حکومت کی، ہر وہ تخیل کا مکتب جو ہندوستان کے کسی ایک صوبہ میں انسان کے دلمیں جاگزیں رہا اپنے اثرات و آثار چھوڑے جو ہندوستان کے تمام صوبوں میں صدیوں تک جاری و ساری رہے حتی کہ انکی ہیئت بدل گئی اور وہ ہندوستان کے مال متروکہ کے ذخیرہ عام میں جو غیر معلوم زمانہ ماضی سے چلے آرہا تھا شامل ہو کر اپنی شناخت تک کھو بیٹھے اس کی مثال ایسی ہے کہ لکھو کھا چھوٹے چھوٹے مونگا مرجانی کیڑے بستے ہاستے ولندیزی جزایر کی بنیاد رکھتے ہیں اپنی جانیں کھپا چکے اور بحرالکاہل کے یہ جزیرے ان ننھی جانوں کی بربادی کے بعد اب شدت سے شدت کے طوفان سے بچا محفوظ ہیں۔

مورخ کا یہ فرض ہے کہ وہ واقعات گزشتہ کو فراموش نہ ہونے دے اور اس کو چاہیئے کہ وہ ان اثرات کے ماخذ کو دریافت کرے اور ان کا مناسب ادوار کے لحاظ سے تعین کرے (یعنی قرائن سے یہ دریافت کرے کہ اس تحریک کی ابتدا کس عہد میں اور تقریباً کس کے زمانہ میں ہوئی ہوگی) اور یہ بتائے کہ ان کا ازبعد کے عہد پر کس طرح پڑا اور موجودہ ہندوستانی زندگی کا کونسا حصہ اور کونسا خیال ایسا ہے جو ہندوستان کی کسی قوم کا جو یہاں کسی زمانہ میں رہی تھی اس کا ممیز عطیہ ہے۔

ہمارے موجودہ معلومات کے لحاظ سے اس قسم کی تحلیل مسایل ریاضی کی طرح ٹھیک ٹھیک کرنے کی توقع نہیں ہوسکتی اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی اس طرح تفصیل کی جائے جیسا کہ کسی سند میں ہوتی ہے ہمیں اپنے ماضی کو اس طرح بیان کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے تاریخی تخیل کی ضرورت ہے اور جہاں کہیں تخیل کی محرک قوت ہوتی ہے اس وقت شخصی رائے کا ظہور لازمی ہے جب صورت حال یہ ہو تو ہمارے لئے ناممکن ہے کہ ایسی صورتوں کو ہم بالکل خارج بھی کرسکیں اگر ہم ہندوستان کی تاریخ کی درسی کتابوں کی سطح سے کچھ بھی بلند پروازی کریں تو اس صورت میں اس قسم کی پرواز مناسب ہے باوجود اس خطرہ کے کہ یہ کوشش اپنی نوعیت کے لحاظ سے جنگ میدان اور وہ بھی مقررہ وقت میں کی جارہی ہے اس لئے میری تجویز تقاریر حالیہ میں یہ ہے کہ اس میں ہندوستانی اندرونی زندگی اور بیرونی ترقی کا ارتقا جو مختلف زمانوں میں رہا ہے ہندوستان میں بھی دنیا کے دیگر ممالک کی طرح جغرافی عنصر کا بہت گہرا ہوا ہندوستان اپنے مختلف صوبہ جات کے طبعی حالات کے اختلاف کے لحاظ سے ایک ملک نہیں بلکہ براعظم ہے۔ کوہ ہمالیہ کے ڈھلانوں اور ان وادیوں کو جو بالکل علحدہ ہیں ہمارے بیان سے خارج کرنے کے بعد ہندوستان خاص یا شمالی ہند رہ جاتا ہے جس میں غیر محدود میدان ہیں جہاں پانی کی کچھ کمی نہیں یہی وجہ ہے کہ نوجوں کے سامنے نئے رسالے ماہ اکتوبر کے شروع ہونے والے خشک موسم میں ایک سرے سے دوسرے سرے گزر سکتے ہیں اور شمالی ہند جو بڑی بڑی سلطنتوں کا دارالخلافہ رہا اس کی بھی یہی وجہ ہے ہر ایسی سلطنت اپنے اپنے عہد میں ہندوستان کے مختلف صوبوں پر حکمران رہا۔

امرا، عمائد اور فضلا سے دربار پر رہے اس طرح ان سے ہندوستان کی تمام تربیت دماغی میں ترقی ہوئی ساحل مدراس یا مشرقی کرناٹک کی بھی یہی حالت رہی اگرچہ اس کا رقبہ کم ہے لیکن دکن خاص یا سطح مرتفع جنوب ہند قدرتاً چھوٹے چھوٹے اضلاع میں منقسم ہے جہاں نسلی اور لسانی اختلافات ہر زمانہ میں خفیف سی تبدیلی کے بعد اسی طرح قایم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ دکن میں بے شمار ریاستیں قایم ہوئیں اور ان کے ہمسایوں میں باہمی کشمکش قایم رہی اور یکے بعد دیگرے ان کو زوال ہوا۔

ہندوستان کی طرح یہ جنوبی ہند کا خطہ دوسرے ممالک پر اپنا اثر ڈالنے کی کوشش میں ناکام رہا۔ برخلاف اس کے یہ ہندوستان یا کرناٹک کا ملجی ہوگیا جب کبھی اس کی جغرافی علحدگی کی بڑی سلطنت کے ظلم و تعدی کی وجہ باقی نہیں رہی۔

غیر قوموں کا ہندوستان میں آکر بسنا

غیر قوموں کی کثیر تعداد شمالی مغربی دروں سے ہو کر ہندوستان میں داخل ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی شمالی مشرقی سرحد پر اپر برما اور اراکان سے ہندوستان میں داخل ہونے کے لئے چند راستے ہیں لیکن اس خطہ کی شدید بارش جو سال بھر کے چار مہینوں میں ایک سو انچ سے زیادہ ہوجاتی ہے سڑکوں کو بہا دیتی ہے اور گھنے جنگل میں اضافہ کرتی ہے جس سے آمد و رفت کی راہیں چند ہی سال میں مسدود ہوجاتی ہیں (اور ان کی جگہ گھنے درخت نکل آتے ہیں) علاوہ ازیں ایشیا، متوسط جو مدتوں بنی نوع انسان کا گہوارہ رہا ہے ہمارے شمال مغربی دروں سے قریب ہے بخلاف اس کے چین (جو نہایت آباد ترین ملک ہے) آسام کے شمال مشرقی گوشہ سے قدرتی ناممکن العبور مزاحمتوں کی وجہ سے منقطع ہوگیا ہے۔ شمال مشرقی راہوں سے جن غیر اقوام کی نسبت ہمیں معلوم ہے وہ بہ لحاظ تعداد کے قوت میں کم تھے۔ ان میں سے ایک تو تبت کا خاندان تھا جس نے دسویں صدی عیسوی میں شمالی بنگال میں سلطنت[1] قلیل عرصہ کے لیے قایم کی دوسرے برما کی سلطنت جس نے ۱۸۱۶ء میں آسام کو فتح کیا جو نو سال کے بعد انگریزوں سے پسپا ہوا مشرقی بنگال میں منگولیہ کے باشندوں کی بود و باش اب ہندوستان کی تاریخ کا ایک گم شدہ باب ہے لیکن یہ واقعہ کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اور بحری بری دونوں راستوں کے ذریعہ رہا۔

---

[1] بنگارا (دیناج پور) کے ۹۶۶ء کے ایک کتبہ (کمبوجن وانشیا گوداپتی نا) سے اس کا پتہ لگتا ہے۔

ابتدائی تاریخ سے ایک ہندوستان میں نہ صرف شمال مغربی راہوں سے ہزارہا لوگ داخل ہوئے بلکہ جنوب مغربی سواحل بھی اجنبیوں کے لینے کے لئے فراخ دلی کو کام میں لاتے رہے۔ نسبتی۔ عرب۔ یونانی۔ رومی۔ ایرانی حبشی وغیرہ ہندوستان کے مغربی بندرگاہوں سے تجارت کرتے رہے ہیں اور انہوں نے اپنی نوآبادیاں بھی قایم کی تھیں اسی تجارت نے راس کماری پر سے مشرقی ساحل پر کاویری اور کرشنا کے دہانوں تک راستے نکال لئے مدراس پریسیڈنسی کے اسی علاقہ میں ان دہانوں کے دہانوں پر قدیم رومی سلطنت کے طلائی سکوں کے بڑے ذخیرے کھود کر نکالے گئے ہیں اور سواحل ملیبار پر عرب نوآبادی کا ذکر زین کی عربی تصنیف تحفۃ المجاہدین میں ہے جس کا رولنڈسن نے انگریزی میں اور پروفیسر ڈیوڈ لوپینے اس نام سے پرتگیزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

A Historiados Portuguezes no Malabar por Zinuddin

ہم کو اس کا علم ہے کہ بعض ہندو راجاؤں نے یونانی سپاہی نوکر رکھ لئے تھے جیسا کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں سندھیا اور نظام نے فرانسیسی نوجوں کو ملازم رکھ لیا تھا۔ عہد متوسط کے آخر آخر ہمارے غیر محفوظ مغربی ساحل میں پرتگیز آداخل ہوئے اور ان کے بعد ڈچ اور انگریز اور فرانسیسی لیکن ہمارے مغربی ساحل غیر ملکوں کی نوآبادیاں اس سے بھی پیشتر قایم ہوئیں چنانچہ جب پرتگیز ۱۴۹۸ء میں یہاں آئے تو انھوں نے عربوں کو ملیبار کے بندروں پر آباد دیکھا۔

سب سے پہلے پارسی ساحل بمبئی پر ۷۳۵ء میں داخل ہوئے چیتاولہ اور نگر کے برہمنوں کے دو فرقے بھی باہر سے آئے ہوئے ہیں اگر انکی روایات و کتابات پر اعتماد کرکے ان کی اصلیت دریافت کی جائے اگر گجرات کی آبادی کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلے وہاں کئی اقوام کے لوگ آباد تھے جو بعد میں ہندو ہوگئے (بمبئی کے اردگرد میں رہتے رہتے ہندوستانی بن گئے) جنجیرہ کے حبشی اور ملیبار کے نسطورین عیسائیوں کے علاوہ عرب نوایط اور کانکن کے بنی اسرائیل بھی اسی طرح کے ہیں۔

ہندوستانیوں کی نوآبادی

مشرقی ساحل پر قدیم ہندوستانی بڑے اولوالعزم رہے ہیں وہ جہازرانی میں مشاق تھے انہوں نے نوآبادیاں قایم کیں تجارت کی غیر ممالک کو مہذب بنایا چنانچہ تاریخی عہد میں چولا سلطنت کے جہازوں کا بیڑا خلیج بنگالہ میں تھا اور راجندر چولا اول ۱۰۲۶ء نے دارالسلطنت پیگو (لوئیر برما) پر قبضہ کیا اور جزایر انڈمان اور نکوبار کو شامل ریاست کرلیا ممالک ملایا کے اکثر اور شمال میں وادی گنگا کے بعض مہاجرین سوماترا، جاوہ، بالی، بورنیو، کمبوڈیا اور سیام میں جاکے اور نوآبادیاں قایم کیں۔

(باقی آئندہ)

ہندوستان کے مسلمانوں

میں

اعلی مغربی تعلیم

(بسلسلہ عدد ۲۲)

از مولوی حمید احمد صاحب انصاری بی اے۔ رجسٹرار جامعہ عثمانیہ

فن موسیقی کو کسی زمانہ میں حضرات صوفیائے کرام کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا اور اب بھی حضرات صوفیہ کی محفلوں کی رونق اسی سے ہے۔ مگر خیال کیجئے کہ قرون اولی اسلام کے زمانہ میں اس کے ماہروں کی کیا قدر تھی اور اب ان کی کیا حالت اور حیثیت ہے۔ ہندوستان میں اس فن کے اب بھی بعض ماہر موجود ہیں مگر اس کا دم جا بلب ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ چند سال کے بعد مسلمان اس فن سے نابلد ہو جائیں گے ان ماہران فن کے قدرداں ہندو نہ ہوتے تو نہ معلوم یہ فن کب کا معدوم ہو گیا ہوتا۔ موسیقی کو قوم کی تاریخی اور اجتماعی زندگی میں جو دخل ہے وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ تعلیم اور خصوصاً ابتدائی تعلیم سے بھی اسے گہرا تعلق ہے۔ لندن میں یونیورسٹی کانفرنس کے ایک اہم جلسہ میں حال میں یہ بحث ہوئی تھی کہ کالج کے طالب علموں میں اس فن سے کس طرح مناسبت پیدا کرائی جائے۔

فن تعمیر پر مسلمانوں کو فخر اور بجا ناز ہے اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ گود (GOUT) سے ہسپانیہ تک ان کی شاندار عمارتیں موجود ہیں اور ان کے کمال کی شاہد ہیں اس وقت صرف اپنی موجودہ پست حالت سے سروکار ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ فن تعمیر کا تعلق سلطنت سے ہے اور جب سلطنت جاتی رہی تو وہ مواقع بھی جاتے رہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ سکونتی مکانات اور مذہبی عمارات کی تعمیر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے مکان کے خوبصورت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پر زرکثیر صرف ہو، بلکہ ان کا انحصار بنانے والے کے ذوق سلیم اور موروثی فنی (Artistic) روایات پر ہے۔ قومی انحطاط کی دلیل ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں اپنی بہترین چیزیں بھی غیروں کی بدترین چیزوں سے بدتر معلوم ہوتی ہیں ہم اپنی فنی Artistic روایات بھول گئے اور انگریزی سررشتہ تعمیرات کے انجنیروں کی بے ہنگم عمارتوں کا طرز ہم نے پسند کر لیا۔ سلطنت دہلی کے انتزاع کے بعد شاہان اودھ کا دور دورہ ہوا۔ ان کے تعمیری نمونے کیا ہیں آصف الدولہ کے امام باڑے کا انداز تو قابل تعریف ہے مگر اس کے علاوہ شاہان اودھ کی کسی عمارت میں کوئی خاص تعمیری خوبی نہیں کیونکہ انہوں نے اسلامی روایات پس پشت رکھکر ایک دوغلا یورپی طرز تعمیر اختیار کیا حالانکہ اگر ان میں ذوق سلیم ہوتا تو ممکن تھا کہ تاج محل بنانے والوں کی اولاد سے وہ کام لے سکتے جن میں فن تعمیر کی روایات موجود ہوں گی۔

علوم دینی میرے موضوع سے خارج ہیں مگر اس عام تبصرہ میں ان کا ذکر ناگزیر ہے۔ مدارس دینی کی موجودہ حالت سے آپ واقف ہیں۔ جس طریقہ تعلیم کے وہ پابند ہیں، صدہا سال قبل اختیار کیا گیا تھا لیکن نہ کہ اس وقت مفید ہو۔ ان کے دروازے سے تبدیلیات کے لئے بند ہیں۔ حالانکہ جن امور کے متعلق علمائے دین کو قوم کی رہنمائی کرنی ہے۔ کچھ اور ہی ہیں اور پرانی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے سے حل نہیں ہو سکتے ہمارے موجودگی حالت یہ ہے کہ مدارس دینی کی اصلاح کی طرف بہت کم توجہ ہے علمائے دین اگر زمانے کی نبض سے واقف ہوں تو دنیا اثر قوم پر ڈال کر اس کے حق میں آیۂ رحمت ہو سکتے ہیں۔ ایک دو مدارس دینی بعض اصلاح پسند علما کی تحریک سے بڑی مشکلوں سے قائم ہوئے۔ مگر روشن خیال بانی کے انتقال کے بعد پھر پرانی روش پر آگئے اور ان کے تعلیم یافتہ اشخاص میں اور قدیم مدارس کے علما میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں علوم جدید سے نابلد ہیں۔ یورپ میں ارکان کلیسیہ کا جو اثر اور وقار ہے محض ان کے علم و فضل کی وجہ سے ہے ورنہ ارتیاب اور لاادریت نے اس کا خاتمہ کر دیا ہوتا انگلستان میں علوم دینی کی پہلی ڈگری بی۔ ڈی ہے مگر آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا آکسفورڈ، کیمبرج اور اسکاٹ لینڈ کی جامعات میں یہ ڈگری ایم۔ اے پاس کرنے یعنی علوم دنیوی میں فضیلت حاصل کرنے کے دو سال بعد ملتی ہے ایسے پایہ کے علمائے دین ہی زمانہ میں اپنا اور اپنے مذہب کا اثر قائم رکھ سکتے ہیں۔ کلیسیۂ کاتھولکی

(CATHOLIC CHURCH)

کو اصلاح مذہبی اور نشاۃ جدید کے پر آشوب زمانہ میں پروٹسٹنٹیت

(PROTESTANTISM)

کے سیلاب سے بچانے میں سب سے زیادہ حصہ

SOCIETY OF JESUS

کا ہے۔ اس جماعت کے ارکان کا تبحر علمی مشہور ہے اور اعلی تعلیم کی اشاعت انہوں نے دنیا کے ہر گوشہ میں کی ہے چنانچہ ہندوستان میں بھی ان کے متعدد بڑے بڑے کالج موجود ہیں۔

اب صرف تین امور کا ذکر کرنا باقی ہے جن سے ... خیال میں آپ بخوبی اندازہ کر سکینگے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کس قدر پست ہے۔ اعلی تعلیم میں پس ماندہ ہونے کی وجہ سے (۱) اعلی سرکاری ملازمتوں میں ہمارا وہ حصہ نہیں ہے جو آبادی اور تاریخی اہمیت کے لحاظ سے ہمیں ملنا چاہیئے۔ (۲) مجالس وضع قوانین میں ہمارے نمائندے ایسے نہیں ہیں جن سے ہمیں خاطر خواہ نفع پہونچے (۳) ہمارے اردو اخباروں کی حالت نہایت ابتر ہے اور انگریزی اخبار کافی نہیں ہیں۔

اعلی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا کافی تعداد میں ہونا نہ صرف اس لئے ضروری نہیں ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ایک خاص تعداد کے لئے معزز ذریعہ معاش نکل آئے۔ گو اس تنگی معاش کے زمانہ میں یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے بلکہ اس وجہ

کہ اگر اعلیٰ حکام کے زمرہ میں ان کی تعداد کم ہوئی تو ملک میں ان کا کوئی اثر نہ رہیگا اور جب اعلیٰ حکام کے طبقوں میں ان کا کوئی یگانہ نہ ہوگا تو جس کا جی چاہے ان پر دل کھول کے ظلم کرے گا۔ پنا بتی طریقہ حکومت کی جڑ ابھی اس ملک میں مضبوط نہیں ہوئی ہے۔ اور عرصہ دراز تک حقیقی حکومت جماعت عالمہ کے ہاتھوں میں رہے گی اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس جماعت میں داخل ہونے کے لئے جو ذرائع ہیں ان سے پورا نفع اٹھائیں۔ ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت اس کی متقضی ہے کہ گورنمنٹ کی موجودہ پالیسی کے مدنظر مسلمان آئی سی ایس کے مقابلہ کے امتحانوں میں جو ہندوستان اور لندن میں ہوتے ہیں۔ کافی تعداد میں شریک ہوں اور کامیابی حاصل کریں۔ لی کمیشن کی تجاویز کے مکمل نفاذ پر ۴۰ فیصدی ہندوستان کے امتحان کے ذریعہ سول سروس میں لئے جائیں گے۔ ۴۰ فیصدی لندن کے امتحان کے ذریعہ سے اور ۲۰ فیصدی اشخاص کو پراونشیل سروس سے ترقی دیجائیگی۔ انگلستان میں جو امتحان داخلہ ہوتا ہے اسکا دروازہ ہندوستانیوں کے لئے بند نہیں اور ہندو جو وہاں تعلیم پاتے ہیں اس رعایت سے پورا نفع اٹھاتے ہیں۔ اس وقت آئی سی ایس کے افسروں کی مجموعی تعداد ۱۱۳۰ ہے جس میں ۴۵ مسلمان ۱۶۵ ہندو اور دیگر غیر مسلم ہندی اور باقی انگریز ہیں۔ مگر یہ تناسب باقی نہ رہیگا اور گورنمنٹ کی حالیہ پالیسی کے لحاظ سے وہ زمانہ دور نہیں کہ ہندوستانیوں کی تعداد نصف سے زیادہ ہو جائیگی سول لسٹوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۲۲ کے آغاز سے سنہ ۲۵ کے آخر تک ہونے افسر سول سروس میں داخل ہوئے ہیں ان میں سے ۷۰ انگریزی ۱۶ مسلمان اور ۸۰ ہندو ہیں ہندوؤں کی تعداد میں چند عیسائی اور پارسی بھی شامل ہیں اس سے ظاہر ہے کہ چند ہی سال میں آئی سی ایس میں ہندوؤں کی تعداد بہت خاصی ہو جائے گی۔ انگلستان کے داخلہ کے امتحان میں مسلمان بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر ہندوستان کے امتحان کے نتائج پر کچھ رعایت سے لئے جاتے ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے حال ہی میں سید رضا علی صاحب کی تحریک پر مسلمانوں کے ساتھ خاطر خواہ رعایت کا وعدہ کیا ہے۔ مگر رعایتوں پر انحصار رکھنا دانشمندی سے بعید ہے۔ آئی سی ایس میں مسلمانوں کی تعداد اس وقت صرف ۴۵ ہے۔ اگر وہ اپنا وقار قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہئے ہماری تعلیمی پستی دوسرے سررشتوں میں بھی ہماری کمی تعداد کا باعث ہے۔ مثلاً انڈین فنانس ڈیپارٹمنٹ کے ۱۵۷ عہدیداروں میں صرف ۹ مسلمان ہیں۔ اس سررشتہ میں داخلہ امتحان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ہندو اس سررشتہ میں کثرت سے ہیں۔ اور کئی ہندو اس وقت اکاؤنٹنٹ جنرل ہیں۔ سررشتہ زراعت میں ۱۶۵ انگریز ۳۴ ہندو اور صرف ۵ مسلمان ہیں۔ سررشتہ جنگلات میں ۲۰۹ انگریز ۶۰ ہندو اور ۸ مسلمان ہیں۔ انڈین ایجوکیشنل سروس میں ۲۱۲ انگریز ۱۱۳ ہندو اور ۱۷ مسلمان ہیں سررشتہ طبابت میں سول سرجن اور ان کے ماتحت عہدہ داروں میں ۶۲۶ انگریز ۱۰۶ ہندو اور صرف ۹ مسلمان ہیں۔ سررشتہ تعمیرات کی اعلیٰ خدمات پر مسلمان خال خال ہیں۔ واضح رہے کہ گورنمنٹ کی جدید پالیسی کے لحاظ سے ہندوستانیوں کی تعداد ہر سررشتہ میں بڑھتی جاتی ہے۔ مگر اس سے صرف ہندو نفع اٹھا رہے ہیں مسلمانوں کو گورنمنٹ کی فیاضی سے کوئی نفع نہیں۔ اکثر سررشتوں میں اعلیٰ ملازمتوں کے لئے ایم اے اور ایم ایس سی کی شرط عائد کی جا رہی ہے۔ اس لئے جب تک کہ مسلمان اعلیٰ تعلیم کی طرف کماحقہ توجہ نہ کریں گے ان کے داخلہ کی امید نہیں کی جاسکتی۔

مجالس وضع قوانین میں انتخاب جداگانہ کی بدولت مسلمان نمائندوں کی تعداد آبادی کے لحاظ سے کافی ہے اور اگر مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم اسی قدر عام اور ہر دل عزیز ہوتی جیسے کہ ہندوؤں میں ہے تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے مفاد اور حقوق کی پوری نگہداشت ہوگی۔ مگر ان مجالس کی رودادوں کے دیکھنے سے بہت مایوسی ہوتی ہے۔ ہمارے بہترین افراد سرکاری ملازمت کی وجہ سے مجالس مذکورہ میں شریک نہیں ہو سکتے اور پھر انکی تعداد بھی کم ہے۔ اس لئے ہمارے نمائندے اکثر جاہل یا نیم تعلیمیافتہ ہوتے ہیں۔ جن کا مایہ ناز صرف یہ ہے کہ ان کے نام کے ساتھ ایم ایل سی یا ایم ایل اے کا دم چھلا لگ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے ہندوؤں کو دیکھئے کہ ان کے کیسے قابل افراد کونسلوں میں ہیں اور ہر مسئلہ پر کس قدر باخبری، لیاقت اور بے باکی کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔ ہمارے نمائندے اپنی کم مائگی کی وجہ سے "تا مرد سخن نگفتہ باشد، عیب و ہنرش نہفتہ باشد" کے اصول پر کاربند رہتے ہیں۔ غالباً ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو انگریزی مطلق نہیں جانتے اور رائے دینے کے وقت یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ کس طرف رائے (ووٹ) دیں۔ مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی اپنے نمائندوں کی نااہلی سے جو نقصان پہنچتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

اب اپنے اخبارات کو لیجئے۔ اردو کے روزانہ اخبارات میں جنگ طرابلس کے زمانہ سے بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے۔ اور ان کی تعداد بہت خاصی ہے غالباً ہندوستان کی کسی زبان میں اتنے روزانہ اخبار نہ ہونگے۔ کیونکہ اس کے ہر گوشہ میں اردو اخبار موجود ہیں۔ مگر ان کی حالت کیا ہے؟ کس حد تک قوم کو دنیا اور خصوصاً ہندوستان کے معاملات سے واقف رکھتے ہیں؟ کس حد تک اپنے ناظرین کو ہر مسئلہ زیر بحث کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں؟ کس حد تک ان کی رہنمائی اور ان کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں؟ آپ کا کونسا اخبار ہے جو رائٹر (Reuter) اور ایسوسی ایٹڈ پریس (Associated Press) کے تار روز پورے چھاپتا ہے؟ جو اہل علم کی تقریروں، مجالس وضع قوانین کے مباحث کے ترجمے برابر شائع کرتا ہے؟ جو مفید اور ذی اثر انگریزی اخبارات اور رسالوں کے مضامین کے ترجمے کر کے اپنے ناظرین کی معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ شاید ہی ایک دو ایسے اخبار نکلیں گے جن میں یہ خصوصیات موجود ہوں ورنہ ایک دو اشتعال انگیز مضامین کے علاوہ جن کا ماحصل کچھ نہیں، اخباروں میں کچھ نہیں ہوتا۔ ہندوستان کے اہم سے اہم واقعات اس لائق خیال نہیں کئے جاتے کہ ایڈیٹر صاحبان ان پر خامہ فرسائی فرمائیں۔ کرفتی کمیشن کی رپورٹ حال میں ہی شائع ہوئی ہے کتنے اردو اخبارات نے اس کا خلاصہ شائع کیا ہے اور اس پر معقول بحث کی ہے۔ اسی سے آپ ان کی حالت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اردو اخباروں کی پست حالت کی وجہ یہی ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھوں میں نہیں ہیں۔ اور ان کے ایڈیٹر نیم تعلیم یافتہ اشخاص ہیں جو نہ اہم معاملات سمجھ سکتے ہیں نہ ان پر رائے زنی کر سکتے ہیں۔

اب رہے ہمارے انگریزی اخبارات ان کا بھی زیادہ دلخوش نہیں۔ مسلمانوں کا صرف ایک روزنامہ اخبار پنجاب سے نکلتا ہے گر اس کا ٹائپ اور کاغذ ملاحظہ فرمائیے چند ہفتہ وار اخبار ہیں جو کسی شمار میں نہیں۔ بنگال میں ابھی حال میں ایک اسلامی اخبار انگریزی میں شائع ہوا ہے جو ہفتہ میں تین بار چھپتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ روزانہ ہو جائے۔ صوبجات متحدہ کے چند سربرآوردہ مسلمان ڈھائی لاکھ کا سرمایہ ایک انگریزی روزانہ اخبار نکالنے کے لئے جمع کر رہے ہیں خدا انہیں کامیاب کرے۔ ہندوؤں کے ہر صوبہ میں متعدد انگریزی روزانہ اخبارات ہیں جن کا اثر اور اشاعت روز افزوں ہے۔ ان میں سے اکثر کا دعوے قومی ہونے کا ہے مگر یہ دعوی محض ظاہری ہے اور ان میں سے ہر ایک ایک خاص طبقہ کے مفاد کا خیال رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے اخباروں کا کوئی اثر نہیں اس لئے جو یہ اخبارات لکھتے ہیں وہی ہندوستان کی متحدہ آواز خیال کیجاتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم میں پستی کی وجہ سے علوم و فنون کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی جو حالت زار ہے اس کو واضح طور پر بیان کرنے کی میں نے اپنی بساط اور محدود معلومات کے لحاظ سے کوشش کی ہے۔ اس سے جو نقصانات ہمیں اب تک ہو چکے ہیں اور آئندہ پہنچنے والے ہیں۔ ان کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی غیر ملکی مبصر ہندوستان کی موجودہ حالت پر نظر ڈالے تو وہ یہی خیال کریگا کہ ہندوستان کی نشاۃ جدیدہ اور علمی زندگی میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ نہ تو اعلیٰ تعلیم میں انہوں نے کوئی نمایاں ترقی کی ہے نہ تصنیف تالیف میں اپنے کمال کا اظہار کیا ہے۔ نہ فنون لطیفہ سے انہیں لگاؤ ہے۔ ان میں کوئی رابندر ناتھ ٹیگور ہے نہ جگدیش چندر بوس، نہ پرفلا چندر رائے۔

جسد بے جان ہے اور اسکا نظام محض کاغذی ہے جن مسلمانوں میں قوم کا درد ہے ان کا فرض ہے کہ اپنی حمایت اور تائید سے کانفرنس کو پھر زندہ کریں۔ اس کے لئے ایثار کی ضرورت ہے، مگر دقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص دوسرے سے ایثار کی امید کرتا ہے اور خود قوم کے لئے کسی قسم کا نقصان برداشت کرنا گوارا نہیں کرتا یہ بھی ہمارے ضعف ایمان کا نتیجہ ہے ہم اخوت کا سبق بھول گئے ہیں۔

کانفرنس کے احیا کے لئے چند ایسے اشخاص کی ضرورت ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں، تعلیمی معاملات سے پوری واقفیت اور اعلیٰ پیمانہ پر تنظیمی قابلیت رکھتے ہوں۔ اس قسم کے اشخاص گورنمنٹ کی سلک ملازمت میں مل سکتے ہیں جنہوں نے انتظامی تجربہ حاصل کیا ہے اور اپنی آئندہ ترقی کی امیدوں سے دست کش ہو کر اپنے باقی ماندہ ایام قوم کی خدمت میں صرف کرنے کے لئے تیار رہوں۔ کانفرنس کی حیثیت دراصل ایک (BUREAU) (دفتر) کی ہونی چاہئے جو ہر صوبہ اور تعلیم کے ہر شعبہ کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائے اور مسلمان جس شعبہ کی تعلیم میں پیچھے ہوں اس کی اصلاح کیلئے تمام ممکن ذرائع سے کام لے۔ کانفرنس کے مرکزی دفتری اصلاح کے بعد صوبجاتی شاخوں کی اصلاح عمل میں آسکتی ہے اور اگر ان کی حقیقی اصلاح ہو جائے اور انکا نظام درست ہو جائے تو آئندہ تعلیمی ترقی کے متعلق ہمیں پورا اطمینان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تعلیم کا تعلق اب ہندوستان کی مرکزی حکومت سے نہیں ہے۔ بلکہ حکومتہائے صوبجات سے ہے۔ اس کے بعد اضلاع کی شاخیں ہوں گی جو ہر ضلع کی تعلیمی حالت کے متعلق مجالس صوبہ کو توجہ کرتی رہیں۔ مگر اس نظام کی کامیابی کے لئے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے اگر ایک سو مسلمان ہندوستان میں ایسے نکل آئیں جو بطور "خدام اسلام" اپنی زندگی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے وقف کر دیں تو کامیابی کی قطعی امید ہو سکتی ہے۔ جہالت کا دور کرنا جہاد اکبر ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جو اس کار خیر میں شریک ہوں گے مسٹر گوکھلے کے خدام ہند اور دکن ایجوکیشن سوسائٹی کی زندہ مثالیں موجود ہیں جو ہمارے لئے چراغ ہدایت بن سکتی ہیں۔ انکے لائق وفائق ارکان مختصر گزاروں پر ملک اور قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ کیا اسلام ایثار نہیں سکھاتا یا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

مضمون طویل ہوا جاتا ہے اس لئے اب میں صرف اس امر پر بحث کروں گا کہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے ذریعہ سے حقیقی اعلیٰ تعلیم کس طرح ترقی ہو سکتی ہے اور ذوق علمی اور تحقیقات [illegible]

اس وقت تک علیگڑھ کا نصب العین نہایت پست ہے یعنی اس کے حامی اسے گریجویٹ بنانے کا ایک کارخانہ خیال کرتے ہیں۔ اور انہیں فکر بس یہی ہے کہ طلبہ کی تعداد بڑھتی جائے بورڈنگ ہاؤس اور لکچر روم بنیں۔ تعلیم کس قسم کی ہوتی ہے اسکا کسی کو خیال نہیں۔ یونیورسٹی کا صرف یہ منشا نہیں ہے کہ طالب علموں کو چند کتابیں پڑھا کر سند دیدے بلکہ اسکا فرض یہ ہے کہ ملک کی تمام علمی اور سائنٹفک تحریکوں میں حصہ لے اور علم کے حدود کو وسعت دینے میں معاون ہو ہندوستان میں اس وقت متعدد علمی تحریکیں ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ علیگڑھ کی دیواروں تک ان کی لہریں نہیں پہنچتیں۔ علیگڑھ میں ایم اے کے طالب علموں کی تعداد کافی ہے یعنی صرف ایک سال میں ۶۰ مسلمانوں نے ایم اے کی ڈگری لی ہے جو ایک حد تک قابل اطمینان ہے مگر ریسرچ کے لئے جہانتک کہ مجھے علم ہے کوئی انتظام نہیں ہوا ہے۔ اور اساتذہ نے کبھی اس میں پیش قدمی نہیں کی ہے۔ کسی یونیورسٹی کی وقعت اب شاندار عمارتوں طلبہ کی تعداد اساتذہ کی یورپین ڈگریوں پر نہیں ہے بلکہ اساتذہ اور منتہی طلبہ کی علمی تحقیقات اور ان کے مطبوعات پر ہے۔ فرض کیجئے کہ علیگڑھ کا کوئی طالب علم جرمنی کی کسی یونیورسٹی میں بغرض تعلیم جائے اور وہاں کوئی پروفیسر اس سے پوچھے کہ تمہاری یونیورسٹی میں کیا علمی کام ہو رہا ہے تو شرمندہ ہو کر سر جھکا لینے کے سوا کوئی جواب نہ دے سکیگا علمی ماحول پیدا کرنے کے لئے ایسے اساتذہ کی ضرورت نہیں جنکا مایۂ ناز یورپ کی کسی یونیورسٹی کی ڈگری ہو بلکہ ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جن کا علمی پایہ بلند ہو اور جنہوں نے خود کوئی علمی کام کیا ہو اور ریسرچ کرنے والے طلبہ کی ہدایت کر سکتے ہوں۔

صوبہ جات متحدہ میں یہ شکایت عام ہے کہ اس صوبہ کی یونیورسٹیاں باہمی رقابت سے اپنی ڈگریاں سستی کر رہی ہیں۔ دوسری یونیورسٹیوں پر اس شکایت کا اثر ہو رہا ہے اور وہ اپنے اسٹاف میں قابل اور فاضل لوگوں کو جگہ دے رہی ہیں مگر علیگڑھ کو غالباً مالی مشکلات کے سبب سے اس کا اب تک موقعہ نہیں ملا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ قحط الرجال کی وجہ سے فاضل مسلمان پروفیسر نہ مل سکتے ہوں اور یہ یونیورسٹی کم تر درجہ کے مسلمان پروفیسروں کو رکھنے پر مجبور ہو مگر یہ اصول اچھا نہیں اور آئندہ چلکر مضرت کا باعث ہوگا۔ نتائج نیک [illegible]

جو بہترین پروفیسر ہو اسی کا تقرر کیا جائے البتہ یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ تدریس میں طلبہ کے ساتھ بخل نہ کرے گا

علی گڑھ کے کتب خانہ اور معمول (LABORATORIES) کی حالت بھی روپیہ کی کمی کی وجہ سے اچھی نہیں اور جدید کتابوں اور سائنس کے آلات پر کافی روپیہ خرچ نہیں ہوتا عملی سائنس کی تعلیم کے لئے روپیہ جمع کرنیکی فکر ہو رہی ہے۔ خدا کامیاب عطا کرے۔ مختلف شعبہ جات ملازمت کے مسابقتی (COMPETITIVE) امتحانوں کے لئے طلبہ تیار کرنے کا بھی کافی انتظام ہونا چاہئے۔ ریسرچ کے لئے ہونہار طلبہ کو ترغیبی وظائف دینا ضروری ہے اور امید ہے کہ یونیورسٹی اسکا ضرور انتظام کرے گی۔

علیگڑھ کے ساتھ ساتھ میرا فرض ہے کہ میں جامعہ عثمانیہ کا بھی ذکر خیر کروں جس سے میں نے بحث اسوقت تک اس لئے نہیں کی تھی کہ میرے مضمون کا زیادہ تعلق برٹش انڈیا کے حالات سے ہے جامعہ عثمانیہ اہل دکن کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کے لئے وہ اپنے شاہ معارف نواز ذات سلطنت کا جس قدر شکر کریں کم ہے مگر حضرت سریر آرائے دکن کا خوان کرم صرف اہل دکن کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ برٹش انڈیا کے مسلمان بھی زلہ ربا ہو سکتے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کی ابھی ابتدائی حالت ہے مگر زبان اردو میں اس نے علمی کتب کا سرمایہ جمع کر دیا ہے۔ اور جمع کر رہی ہے اور اس زبان کے ذریعہ سے ہر فن اور علم کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے دراصل یہ ایک دور جدید کا آغاز اور نشاۃ جدیدہ کا پیش خیمہ ہے اس کی مطبوعات سے اردو داں ہندوستانیوں کے خیالات میں ایک انقلاب ہو رہا ہے جو ان کی دماغی اور تمدنی ترقی کا باعث ہوگا۔ جامعہ عثمانیہ کی تعلیم اسکی چار دیواری تک محدود نہیں ہے بلکہ اپنے مطبوعات کے ذریعہ سے اردو بولنے والوں میں اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کر رہی ہے ہندوستان میں غالباً یہ پہلی (University Extention Movement) ہے اور یہ بلحاظ وسعت اثر بہی کارگر ہو سکتی ہے۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جامعہ کا ابھی یہ ابتدائی زمانہ ہے اور اس کے اساتذہ ابھی تک تراجم اور درسی تعلیم میں منہمک ہیں مگر یہ حالت ہمیشہ قائم نہ رہیگی۔ جب اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص کی تعداد ملک میں زیادہ ہو جائیگی،

علمی تحقیقات کیلئے خود بخود مطالبہ ہوگا۔ جامعہ کے ایم اے شعبۂ تاریخ میں طلبہ کیلئے ایک مقالہ کا پیش کرنا لازم کردیا گیا ہے جو ذاتی تحقیقات پر مبنی ہو۔ اس سے خاطر خواہ نتائج پیدا ہوں گے۔ حیدرآباد اسلامی تاریخ اور علوم دینی اور عقلی کی تحقیق کا مرکز تمام ہندوستان کے لیے بن سکتا ہے جس کیلئے یہاں مواقع بہت اچھے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے اور کتبخانۂ آصفیہ میں کتابوں کا معقول ذخیرہ ہے جن سے کم از کم تاریخی تحقیقات کا کام شروع ہوسکتا ہے۔ قلمی کتابیں باوجود یورپ کی دست برد کے اب بھی بہت موجود ہیں۔ جامعہ ان کی تلاش کا کام اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔ اگر جامعہ عثمانیہ میں علوم اسلامی اور سائنس کی تحقیقات کا سلسلہ ہمارے سرکار فیض آثار کی فیاضی سے جاری ہوجائے تو ممالک محروسہ کے باہر کے طلبہ کو بھی ان سہولتوں سے مستفید ہونے کا موقع ملیگا اور علم سے بد شوقی کا جو دھبہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ پر ہے، ممکن ہے کہ مٹ جائے۔ جامعہ عثمانیہ میں بھی ایسے جلیل القدر اساتذہ کے تقرر کی ضرورت ہے جنہیں علمی دنیا میں رسوخ حاصل ہوا اور جو ہمارے طلبہ کو ریسرچ کے طریقوں سے آشنا کرسکیں اور ان میں ذوق علمی پیدا کرسکیں۔ ان پروفیسروں کی تنخواہوں اور ریسرچ کرنے والے طلبہ کے لئے ترغیبی وظائف کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوگی مگر سرکار ابد قرار کے چشم کرم سے قوی امید ہے کہ جامعہ کی شدید ضرورت پوری کردی جائیگی۔

اتنی سمع خراشی کے بعد مجھے اب صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تعلیم کی طرف ہماری بے توجہی کا بڑا سبب یہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں ہم ایسے مباحث میں پڑ گئے جن سے ہمیں اپنے مادی مفاد کے لحاظ سے بالکل دور رہنا چاہئے تھا۔ اس زمانہ میں ہماری قوم پر ایک عجیب ہیجان کا عالم طاری تھا جس نے ہمیں اپنے نفع و نقصان کی طرف سے بالکل اندھا کردیا۔ ہم نے اپنی قوت اپنی سرگرمی اور اپنا روپیہ ایسے مقاصد پر صرف کردیا جس سے ہمیں سر مو نفع نہیں ہوا بلکہ ہمیں سنبھلنے کیلئے ایک عرصہ دراز لگے گا۔ درسگاہوں کو جو مالی نقصان اس زمانہ میں پہنچا اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ مگر سنئے ماسنئے، آئندہ ترقی کے لئے ہمیں امن و امان سکون قلب اور دماغی یکسوئی کی ضرورت ہے۔ ہماری ترقی میں اگر کوئی شے حائل ہے تو ہم خود ہیں۔ ہم میں احساس تناسب نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ تمام جزوی امور کی طرف سے قطع نظر کرکے اعلیٰ تعلیم کی اشاعت پر اپنا زور قوت اور روپیہ صرف کریں۔ ہم اکثر بیرونی ممالک کو اپنی گاڑھی کمائی کا روپیہ بھیجتے ہیں حالانکہ خیرات ذوی القربیٰ یعنی اپنے ہم وطنوں سے شروع ہونی چاہئے۔ دوسرے اسلامی ممالک بھی اسی اصول پر کاربند ہیں۔ ہندوستان میں قحط پڑے۔ طوفان آئے طاعون نے نہ جانے کتنے گھر اجاڑ دئے مگر کسی دوسرے ملک کے مسلمان بھائیوں نے ہماری دستگیری نہیں کی۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اس کا مطلق خیال نہیں کرتے اور اپنا روپیہ دوسروں کے لئے صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مدرسوں اور کالجوں کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے۔ اگر کل کوئی صاحب کھڑے ہوں اور فرمائیں کہ وسط افریقہ کے مسلمانوں کو گرمی کی شدت سے روزہ رکھنے میں تکلیف ہوتی ہے اور تحریک کریں کہ وہاں کی جھیلوں اور ندیوں سے برقی قوت لیکر پنکھوں اور برف کا انتظام کیا جائے، تو بہت سے سادہ لوح ہندوستانی مسلمان چندہ دینے کے لئے آمادہ ہوجائیں گے حالانکہ خود ان کے ملک میں لاکھوں مسلمانوں کو افطار کے لئے سوکھی روٹی بھی نہیں ملتی۔ ہمارا فرض اس وقت یہ ہے کہ اپنی دقتوں پر غور کریں اور اپنی ترقی کے لئے نئی راہیں نکالیں۔

ہندوستان میں جب مغربی اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کے منصوبے ہورہے تھے اور یونیورسٹیوں کی داغ بیل پڑ رہی تھی، مدارس یونیورسٹی کے بانیوں نے ۱۸۴۱ء میں لارڈ الفنسٹن (Lord Elphinstone) گورنر صوبہ مدراس کی خدمت میں ایک محضر پیش کیا تھا جس کے جواب میں لارڈ مذکور نے جو خیالات ذیل ظاہر کئے تھے وہ اسوقت بالکل ہمارے حسب حال ہیں اور انہی پر یہ مضمون ختم کرتا ہوں:

”پارلیمنٹ ہدایت کرسکتی ہے کہ ہر سال تعلیمی اغراض کے لئے ایک رقم معین کردی جائے۔ حکومتیں اسکول اور کالج قائم کرسکتی ہیں اور نوجوانوں کو ان درسگاہوں میں داخل ہونے کی ترغیب تا حد امکان دے سکتی ہیں، لیکن اگر اس ملک کے باشندوں میں حقیقی تعلیم کی اہمیت کا احساس نہیں ہے اور حقیقی تعلیم سے میری مراد ابتدائی تعلیم سے نہیں ہے بلکہ اس دماغی تربیت اور تہذیب سے ہے جو کمالات علمی کا زینہ ہے، تو اعلیٰ تعلیم کیلئے سہولتیں بہم پہنچانا بالکل بے سود ہے سیاسی مساوات کا اعلان کرنا ایک فعل عبث ہے اور سیاسی اقتدار میں اہل ہند کی شرکت کی تائید کرنا محض تضیع اوقات ہے۔“

واقعات ما بعد سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی مخلصانہ نصائح نے ہندوؤں کے لئے تازیانہ کا کام کیا مگر ہم مسلمان سمجھے کہ:

شورے شد و از خواب عدم دیدہ کشودیم
دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

بقیہ صفحہ (۱۱) کالم (۳)

کروں گا اپنے متعلق صرف اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ ہم کیا ہیں؟ ہمارا سلوک ترکوں سے کیا ہو رہا ہے؟ ہمیں کیا حق ہے کہ ترکوں کو محض پروپاگنڈا کی بنیاد پر ان کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں نفرت کے خیال پھیلا کر مغربی دنیا کو مدد کریں۔

ہم اور ترک

اس میں شک نہیں کہ ہم نے ترکوں کے لئے خلافت کمیٹی کے ساتھ لاکھ روپیے سے زائد رقم وصول کی۔ مگر بارہ لاکھ سے زائد رقم ان کو پہنچی۔ باقی رقم کہاں گئی اور اسے کیا ہوا ہمیں اس کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں۔ ہم نے بیت المقدس بصرہ و بغداد اور یروشلم ان کے چھیننے میں حکومت کی مدد کی۔ ہم نے گیلی پولی پر نہتے ترک سینوں کو چھلنی کردیا۔ ہم نے ہزارہا مسلمانوں کو شہید کرکے من قتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم کی تفسیر دنیا کو بتادی مصطفےٰ کمال نے اسلام کی خدمت کیلئے انگورہ پہنچ کر غازی ممدوح کو ہمیشہ کی نیند سلادیں ہم قسطنطنیہ میں انعام کے لئے غازی کی تلاش کرتے رہے ہم نے چند روپیے ماہوار پر سکیڑوں شب خون مارے کئی بچوں کو یتیم کردیا بھائی سے بھائی ماؤں سے بیٹے اور بیویوں سے خاوند ہمیشہ کے لئے جدا کردیئے ہمارے عالم دنیا کی تکفیر کی فکر میں رہتے ہیں۔ ہمارا خدا آمیں باکھیر اور زمع بیدین کے پھندوں میں پھنسا ہوا ہے وہ زبانوں کا پیدا کرنے والا اس وقت تک ص اور ض میں تصفیہ نہ کرسکا کہ کیا تلفظ ہے ہمارے عالم دو دو روپیے کیلئے عدالتوں میں گواہی دینے کے جویاں رہتے ہیں ہم تعویذ گنڈوں پر بسر کرتے رہتے ہیں۔ اور جھوٹے کرشمے دکھلا دکھلا کر جلب منفعت کے لئے دنیا کو لوٹ رہے ہیں۔ حسد دغا مکر فریب اور جھوٹ ہماری گھٹی میں پڑے ہوئے ہیں۔ الغرض دنیا کا کوئی عیب نہ ہوگا جو ہم میں نہ ہو مگر ڈھنگ یہ ہے کہ ہم راہ راست پر چلنے والے مسلمانوں کو ڈھکیل کر دائرۂ اسلام سے خارج کرچکے ہیں۔ (معاذ اللہ) ہم نے سمجھ لیا ہے الاعمال بالنیات کا مقولہ غلط ہے تفسیر ہو تو ہماری تقلید ہو تو ہماری اگر کسی شخص کی ظاہری شکل و صورت ہمارے معیار سے ایک انچ بھی ادھر ہوئی تو وہ ہمیشہ کے لئے قعر ذلت میں ڈوب گیا وقت آنے والا ہے کہ افغان بھی ہمارے معیار سے گرجائیں گے ان کے خلاف زبردست پروپاگنڈا ہوگا۔ انہیں دائرۂ اسلام سے خارج سمجھکر مغربی دنیا کی ہاں میں ہاں ملائی جائیگی۔

(منقول ماہنامہ انقلاب بحوالہ رہبر دکن)

مذہب اور اسلام سے ترکوں کی بیان کردہ بیزاری

از

خان عبد الحمید صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا سیالکوٹ

ترکوں کے خلاف رائٹر ایجنسی کا پروپیگنڈا

آج بیسویں صدی میں مغرب کو یقین ہو چکا ہے کہ کسی سلطنت یا قوم کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے خلاف نہایت جد و جہد سے پروپاگنڈا کیا جائے چنانچہ اس نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے رائٹر ایجنسی کا بے کرم کی نظر ترکوں پر ڈال دیتی ہے اور سادہ لوح ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی نسبت کوئی نہ کوئی خبر سنا دیتی ہے۔ ہندوستانی مسلمان [illegible] مذہبی یقین اور ایمان رکھتے ہیں جو کہ ان کو خدا اور رسول مقبول صلعم پر ہے۔ ہم غلام یہ سمجھتے ہیں کہ زیست کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ تمام آزاد قومیں ہماری متابعت کریں۔ ہم نے اپنے دماغ میں یہ اصول وضع کر لیا ہے کہ جو قرآن کریم کا ترجمہ کرتے ہیں وہی ہر قوم کو کرنا چاہیئے۔ اس غلطی میں پڑ کر مغرب کے پروپاگنڈا سے متاثر ہو کر ہم ترکوں کو کوستے رہتے ہیں۔

بر عکس یورپ [illegible] بیداری سے ترقی کی شاہراہ پر سرعت سے چل رہا ہے کامیاب ہو چکا ہے اور مغربی سلطنتوں کو خطرہ لاحق ہو رہا ہے کہ وہ ان کی گرفت سے بہت آگے نکل کر کہیں جلد معراج پر پہنچ نہ جائے الغرض انہیں ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی ہے اور اس نقطۂ نگاہ سے وہ ترکوں کے خلاف دن رات پروپاگنڈا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ مغربی سلطنتیں یہ یقین کر چکی ہیں کہ اسلامی سلطنتیں مضبوط ہو رہی ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک ترکی ہے۔ اس لئے وہ تمام اسلامی ممالک کی صدری ترکوں سے زائل کرنے کیلئے اپنی من گھڑت خبروں سے ہندوستانی دلوں پر ایک کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔

کچھ عرصہ گذرا کہ رائٹر کی خبر رسان ایجنسی نے ہمارے دلوں پر ایک بھاری حربہ کا لگایا۔ کانگرس کی تقریر کے دوران میں (معاذ اللہ) غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے قرآن کریم کو کمرہ سے باہر پھینکدیا۔ اس خبر سے اسلامی ممالک میں ایک وحشت سی پھیل گئی۔ مصر سے غازی ممدوح کے نام تار بھیجا گیا اور اس کا جواب اس قابل ہے کہ سنہری حرفوں میں لکھکر رائٹر ایجنسی کے دفتر میں لٹکایا جائے انھوں نے صاف لکھدیا کہ یہ سب کارروائی ہمارے خلاف مسلمانوں کو متنفر کرنے کے لئے کی جاتی ہے ہم قرآن پاک کو خدا کی الہامی کتاب مانتے ہیں اور ہم ان سچے مسلمانوں میں سے ہیں جن کی گردنیں ہر وقت اپنے معبود حقیقی کے سامنے جھکی رہتی ہیں۔

قبل ازیں ایک پیرس کی رقاصہ کی تصویر رائٹر صاحب کی مہربانی سے ہندوستان میں آئی اور حاشیہ چڑھایا گیا کہ یہ ترکی عورتوں کا موجودہ لباس ہے۔ مسلمان بہت برانگیختہ ہوئے مگر اس ایجنسی نے کچھ مدت بعد اس کی تردید کر دی اور بتلا دیا کہ تصویر دراصل پیرس کی ایک رقاصہ کی تھی۔

فلم کے ذریعہ معاندانہ پروپاگنڈا

چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم چشم عبرت کھولکر ان واقعات پر غور کرتے دماغ میں یہ واضح کر لیتے کہ جو خبر رسان ایجنسی ایک دفعہ سے زیادہ ایسی غلطی کر چکی ہے۔ اس سے ویسی غلطی کا دوبارہ ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں۔ عیسائی حکومتوں کی نظروں میں ترک ایک کانٹے کی مانند دن رات کھٹکتے رہتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں امریکن مشنریوں نے ایک شرمناک فلم ان لوگوں کی سازش سے تیار کی جس کا نام "ہروجوں کی نیلامی" رکھا گیا۔ فلم کمپنیوں کو مشنریوں نے روپیہ دیا کہ وہ فلم یورپ کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ایک مدت تک دکھلائیں یورپ جب سب اس سے متاثر ہو چکا تو ایک کمیشن عیسائی حکومتوں کی طرف سے وہاں بھیجا گیا۔ کمیشن کے ممبر انصاف پسند واقع ہوئے تھے۔ اس لئے انھوں نے تحقیقات کے بعد اعلان کر دیا کہ یہ سب پادریوں کی شرارت ہے اور اس میں ذرہ بھر بھی صداقت نہیں۔

بلغاریوں اور یونانیوں کے قتل و خون کا افسانہ ایک عرصہ دراز تک دنیا میں گونجتا رہا اس کی اصل کیفیت یہ نکلی کہ مہذب عیسائیوں نے الٹا مسلمانوں۔ بچوں اور عورتوں کو نہایت ظالمانہ اور وحشیانہ طور پر ذبح کیا تھا۔

ارتداد مسلم کی سعی خلاف قانون

ابھی ابھی رائٹر نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ ترکی حکومت نے مذہب کو خیرباد کہہ چکی ہے۔ چند عیسائی اربابوں کے خلاف مسلمان لڑکیوں کو مذہب تبدیل کرنے کی ترغیب دینے کے جرم میں مقدمہ بنا رکھا ہے۔ ظاہر ہوا کہ ان کی تعزیرات میں مسلم عورت کو چھوڑنے کی ترغیب دینا بھی جرم ہے۔

وہ غازی پاشا جو مذہب سے بیزار ہے سالانہ بجٹ پیش کرتا ہے کہ مذہب کے لئے ۲۲ لاکھ لیرا زیادہ بہت کم ہے پیرس کے ایک اخبار "ماتان" نے اس فدائی ملت و مذہب کا ذکر یوں کیا ہے کہ "اس کی بیوی کو طلاق دینے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ وہ اسے مجبور کرتی تھی کہ وہ ایک خاندانی حکومت کی بنیاد ڈالے اس پر اختلاف بہت بڑھا اور جب اس بڑے آدمی نے محسوس کیا کہ سمجھوتہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ ملک میں فساد کا مستوجب ہو تو اس نے طلاق سے بہت قبل اپنی بیوی سے قطع تعلق کر لیا۔"

ملاؤں اور جھوٹے پیروں کی بیخ کنی

ملاؤں اور جھوٹے پیروں کے خلاف مجاہد ملت نے وہ عملی کام کیا جو آج تمام ہندوستان کے مسلمان اخبار قلم سے کر رہے ہیں۔ وہ لوگ منصفین ترکی میں سفر کرنے کا موقع ملا ہے۔ میرے اس بیان کی تائید کریں گے کہ جمہوری سلطنت سے قبل بڑی بڑی خانقاہوں کے تہ خانے شراب کے مٹکوں اور رنڈیوں کی جماعتوں سے بھر پور تھے۔ غریب مسلمانوں کی کمائی پر سب کام چلتا تھا۔ شراب پانی کی طرح استعمال کی جاتی تھی۔ اور زنا ان کا پیشہ تھا۔ بڑی بڑی توندوں والے پیر اور ملا مستی کی زندگی بسر کر رہے تھے عورتوں کو صرف خواہشات نفسانی کی آگ بجھانے اور کھیل تماشہ کا سامان سمجھتے تھے۔ پردہ میں وہ جرم اور گناہ سرزد ہوتے تھے کہ سنگدل دہل جاتا ہے۔

ان کے جذبات گرے ہوئے تھے۔ ان کا تخیل بہت نیچا تھا۔
اور ان کی رائیں بہت پست تھیں۔ بڑے بڑے آدمی نجی
و ملکی مفاد کے خلاف رشوت لینا معمولی بات سمجھتے تھے۔
ان کی حالت زمانۂ جاہلیت کی حالت سے بدتر تھی۔ وہ
قرآن کی تعلیم اور رسول پاک کی زندگی سے بہت دور بھٹک
گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ دنیا میں صرف عیش
و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔
سنہ ۱۹۱۴ء میں ٹائمز آف لندن نے ایک ترکی زندگی
کا وہ خاکہ کھینچا تھا جو در اصل واقعات کی بنا پر درست
تھا مگر ایک سچے مسلمان کے لئے باعث ننگ و ناموس
تھا۔ ان واقعات کی بنا پر پروپگنڈا کرنے والوں نے
یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ مسلمان کا مذہب اسے یہ باتیں
سکھلاتا ہے اور ہر مسلمان اس قسم کی زندگی بسر کرتا ہے۔
ترک اس قانون پر عمل پیرا ہو گئے
جو خدا کا بنایا ہوا ہے کہ خدا کے نزدیک ملاؤں اور پیروں
کی نسبت مجاہدوں کی زیادہ قدر ہے جو اپنی جان ہتھیلی
پر رکھ کر مذہب اور ملک و ملت کے لئے خدا کی راہ
میں کود پڑتے ہیں۔ مجاہدوں کی فضیلت ثابت
کرنے اور حب الوطنی کے جذبہ کی قدر کرانے کے لئے قانون
بنا دیا کہ یہ لوگ جب فوجیوں کے پاس سے گذریں تو
اپنا عمامہ اتاریں تاکہ وہ محسوس کریں کہ خدا کی راہ
میں لڑنے والوں کی عزت نکموں اور نکھٹوؤں سے
زیادہ ہے۔

مصطفےٰ کمال پاشا کا دل درد اور رائٹر

جب ترکی کی زیست
کی امید بالکل ختم ہو گئی اور ہماری مدد سے دشمنوں کا
قبضہ قسطنطنیہ پر ہو چکا قلعے مسمار کرنے کا قطعی فیصلہ
ہو گیا۔ اور ترکوں پر ایسا تاوان ڈالا گیا جس کو وہ
ابد الآباد تک ادا نہیں کر سکتے تھے اس وقت وہ خدا
کا بندہ جس کا سر ایک لاکھ پونڈ کو فروخت ہو چکا تھا۔
اپنی ۸۰ سالہ ماں سے رخصت ہوتا ہے ماں اپنے
اکلوتے بیٹے سے کہتی ہے "بیٹا جان جائے! مگر ملک
و مذہب کو دھوکا نہ دینا خدا کی نظروں میں ذلیل نہ
ہونا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہے گی جب میں
یہ سنوں گی کہ میرا بچہ خدا کے رستے میں ہلاک کیا گیا"
شاندار ماں کا شاندار بیٹا اپنی ماں اور مذہب کی شان رکھتے
ہوئے تمام مصائب اٹھا کر انگورہ پہنچتا ہے یہ وہ
وقت تھا جب رائٹر ایجنسی ہمیں بتلایا کرتی تھی کہ
کمال ایک ڈاکو۔ قاتل۔ غاصب اور چور ہے اس
کا پیشہ رہزنی ہے وہ عورتوں اور بچوں کو ہلاک
کر ڈالتا ہے سرکاری عمارتوں کو جلا ڈالتا ہے۔ ہمیں
خوب علم ہے کہ کئی سادہ لوح مسلمان متاثر ہو کر
بارگاہ رب میں دعا کرتے تھے کہ یہ کم بخت کسی
طرح پکڑا جائے۔
زمانہ گذرتا گیا اور اسی رائٹر ایجنسی نے
ہمیں بتایا کہ وہ ڈاکو اصل میں فرشتہ تھا وہ دنیا کا بہترین مہذب
انسان ہے۔ وہ ملک کا سب سے بڑا شیدائی ہے
وہ ایک زبردست مقنن ہے۔ ملک کی فکر اسے دن
رات دامن گیر رہتی ہے۔ آج یورپ گھبرائی ہوئی زبان
سے اقرار کرتا ہے کہ ترکی میں امن امان اپنے اعلیٰ ترین
معیار پر ہے۔ دفاتر مکمل ہیں۔ لوگ خوشحال ہیں۔ تجارت
ترقی پر ہے۔ سڑکوں نہروں اور تار کا انتظام عمدہ ہے۔

ترکوں کی دینی اصلاحات

رسول کریم صلعم کے حکم کے ماتحت
تعلیم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ ملک میں جا بجا
مدرسے اور دار العلوم قائم کر دیئے گئے ہیں۔ عورت کو
وہ درجہ دیا گیا ہے جو ان کے خدا اور رسول نے دیا تھا ان
کو ایک بے جان چیز نہیں سمجھا جاتا وہ ورثہ کی حقدار
سمجھی جاتی ہیں۔ اور حکومت کی طرف سے اس پر عمل
کرایا جاتا ہے۔ حدیث پاک کے مطابق ایک چیز اسلام
میں جائز ہے مگر خدا نے اسے نفرت کی نگاہ سے
دیکھا ہے۔ یعنے طلاق کا معاملہ جو مسلمانوں نے کھیل
بنا رکھا تھا۔ سلطنت نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے
انھوں نے قرآن کریم کے منشا کے مطابق کہ اگر تم
دو عورتوں میں انصاف نہ کر سکو تو صرف ایک کافی ہے
اس لئے دوسری شادی کے لئے عدالت کی اجازت
لینی ضروری قرار دی ہے انھوں نے سمجھ لیا کہ عالم
کا سونا جاہل کی عبادت سے اچھا ہے اس لئے انھوں
نے صاف کہدیا ہے کہ نماز کو سمجھنے کے بغیر پڑھنا لاحاصل
ہے وہ حب الوطن من الایمان کی کیفیت کو خوب سمجھ
گئے ہیں اس لئے فوجی تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے۔
انھوں نے شرابوں کے مٹکے توڑ ڈالے ہیں زنا جرم
قرار دیدیا ہے۔ جھوٹ فسق و فجور دغا اور دھوکہ کا خاتمہ
کر ڈالا ہے۔ اور ان ڈاکوؤں اور چوروں کو آج یورپ
مجلس اقوام میں شامل ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔
وہ مذہب سے متنفر تھے
کانگرس کے موقع پر ملک و مذہب کے بارے میں آٹھ دن
مسلسل تقریر کرتا ہے تقریر کے خاتمہ پر وہ کئی گھنٹے روتا
رہتا ہے اور قوم و مذہب کے لئے بارگاہ رب میں گڑگڑا کر
دعا مانگتا ہے۔

اسلام اور لباس

انصاف تو یہ تھا کہ لباس کو کسی قوم کی
آب و ہوا کے حالات پر چھوڑا جاتا۔ گر ہم اعتراض کرنے
سے باز نہیں رہتے کہ ترک کیوں مغربی لباس اختیار
کر چکے ہیں۔ انھوں نے عماموں اور شلواروں کو کیوں
جواب دیدیا ہے۔ اگر یہی ہو تو بھلا ان سادہ لوگوں
سے کوئی پوچھے کہ تمہاری ہندوستانی شلوار اور کوٹ
تو رسول مقبول کا لباس نہ تھا اگر تم یہ لباس پہن سکتے
ہو تو ترکوں کے لئے کون سی مجبوری ہے انہیں یورپ
میں رہتے صدیاں گذر چکی ہیں۔ وہ آزاد ہیں۔
ان کا تخیل اونچا ہے وہ وہ چیز دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے
ان کے دشمن [illegible] میں وہ یورپ میں سب سے زیادہ
شریف ہیں۔

پردہ اور ترکی خواتین

کہا جاتا ہے۔ ان کی عورتوں نے پردہ چھوڑ دیا
ہے آج ہندوستان میں موجودہ پردہ پر اختلاف ہے۔
جمعیۃ العلماء پردہ پر فتوی دے چکی ہے کہ موجودہ پردہ شرعی
پردہ نہیں۔ منہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا مفسرین کے نزدیک
قطعی طور پر جائز ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ اس باب میں
بالکل صاف ہیں۔ ان کی عورتیں رسول کریم کے زمانے کی
عورتوں کی طرح ملک کی حفاظت کے لئے دوش بدوش
چل رہی ہیں۔ کیا پوچھا جا سکتا ہے کہ رسول کریم کے زمانہ
میں جو عورتیں لڑائی میں شامل ہوتی تھیں، برقع پہنتی
تھیں؟ آزاد قومیں اپنی عورتوں کی حفاظت بغیر برقعہ
کے کر سکتی ہیں ان کے ہاں وہ قانون ہیں جن سے
عورت کی عصمت بالکل محفوظ ہے۔

مذہب و سیاحت کی علیحدگی

حال ہی میں لنڈن نے ایک اور رنگ کھیلا
کہ ترکوں نے مذہب کو حکومت سے بالکل جدا کر دیا ہے۔
مجھے یقین واثق ہے کہ زمانہ گذرنے پر اس کی اصلیت دنیا
پر اظہر من الشمس ہو جائے گی۔ فرانسیسی اخبار صرف اس
قدر خبر دیتے ہیں۔ کہ ملک میں نوکری کا معیار صرف مقابلہ کے
امتحانوں پر ہوگا اور ترکوں کے لئے مذہب و ملت کی تمیز
امتحان کے لئے کوئی نہ ہوگی۔ امتحان سے پہلے امیدوار
کو ایک فارم پر حلفیہ بیان دینا ہوگا کہ وہ ملک کی حفاظت
کے لئے مذہب کی پروا نہ کریں گے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان
امیدواروں کے لئے ہے جو مسلمان نہ ہوں۔ لوگ خواہ
کسی مذہب و ملت کے ہوں ان کے مقدمات صرف
ترکی عدالتوں میں لے لئے جایا کریں گے۔
جمہوریت کے قبل بہت سے ترکوں
نے غیر مذہب اور غیر ملکی عورتوں سے شادی کی تھی
ملک نے قانون نافذ کر دیا کہ کوئی ترک حکومت کی اجازت
کے بغیر غیر ملکی عورت سے شادی نہ کر سکے گا۔ ہر ترک
کو بالغ ہونے پر اعلان کرنا ہوگا کہ اس کا مذہب کیا ہے
سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ مذہب سے بیزار ہیں تو
ان قانونوں کی کیا ضرورت ہے۔
غور کرنے کے قابل ہے کہ جو قوم
خود ہادی برحق رسول مقبول سرور عالم کے خلاف پروپگنڈا
کرنے سے باز نہ رہی وہ ترکوں کی پھلتی پھولتی طاقت کب
دیکھ سکتی تھی مغربی بچوں کو (معاذ اللہ) سکھلایا جاتا ہے۔
کہ حضور خونی تھے لوگوں کا کلیجہ چبا جاتے تھے۔ اسی قسم
کے واقعات سے دلوں میں نفرت پھیلائی جاتی ہے۔
مضمون چونکہ لمبا ہو چکا ہے
اس لئے میں ترکوں کے متعلق صرف انہی امور پر بحث

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ (۹) کالم (۳)

شعر و سخن

غزل

از ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ صدر اعظم باب حکومت

سب کے دلوں پہ شاہ دکن حکمراں رہے
قائم رہے جہان میں جب تک جہاں رہے

گلزار میں بہار رہے یا خزاں رہے
ہر اہل دل کو چاہئے دامن کشاں رہے

تا چند سوز عشق میں ضبط فغاں رہے
اے آہ اب زمین نہ یہ آسماں رہے

سمجھا نہ کوئی ظاہر و باطن کے راز کو
دل پر عیان رہے وہ نظر سے نہاں رہے

اے بت خدا کی ساری خدائی تجھی میں ہے
تو مہربان رہے تو خدا مہرباں رہے

دکھلا رہا ہے کس کو فلک اپنی سرکشی
دب کر نہ ہم کسی سے تہ آسماں رہے

پھر دیکھ گل فشانی اظہار مدعا
ہے لطف میرے منہ میں جو تیری زباں رہے

کہتے ہیں ظلم و جور کی تکمیل کے لئے
یا ہم رہیں زمین پہ یا آسماں رہے

اک بوسہ پر بھی دل جو گراں ہے تو پھیر دو
اپنی بھی یہ دعا ہے کہ ستا سماں رہے

وہ ظلم دوست ہوں کہ ستم سہہ رہا ہوں میں
قائم زمین رہے نہ رہے آسماں رہے

سینے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی نہ دے یہ کہہ
دل میں جگر میں درد رہے تو کہاں رہے

اس شرط پر وہ کرتے ہیں اقرار وصل کا
وعدہ وفا کریں جو خدا درمیاں رہے

دل لے گیا تو کیا ہے خیال اس کا برقرار
یاں میزباں رہے نہ رہے میہماں رہے

کیا فائدہ کہ زیر نگیں ہو تمام ملک
یوں زندہ رہ کہ دہر میں نام و نشاں رہے

بعد فنا کسی کو نہیں پوچھتا کوئی
اے شاد سچ ہے جان رہے تو جہاں رہے

خزانۂ عبادت

ادب اردو کے دور وسطی کی ایک نادر و نایاب کتاب

جس سے

یورپ کے عظیم الشان مشرقی کتب خانے خالی ہیں

نوشتہ

محمد لطیف الدین صاحب ادریسی ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن)

بخدمت ایڈیٹر صاحب نظام گزٹ

آپ کے اخبار کی پیوستہ اشاعت میں جو مضمون "خزانۂ عبادت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس میں شک نہیں کہ اس کے ذریعہ سے یہ گمنام کتاب روشنی میں آگئی اور اردو دنیا نے اس سے تعارف حاصل کر لیا لیکن اس میں بہت سی باتیں تشنہ رہ گئی ہیں، اس لئے سطور ذیل حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں، امید کہ آپ ان کو درج اخبار فرمائیں گے۔

اس کتاب کا ایک پاکیزہ نسخہ میرے پاس موجود ہے جس کی کتابت ۷ ربیع الاول ۱۲۶۲ھ میں ہوئی ہے۔ کتاب کے (۲۴۵) صفحے ہیں اور ہر صفحہ میں (۱۹) سطریں ہیں، اس حساب سے عنوانوں کی عبارتوں کو چھوڑ کر کم و بیش بارہ ہزار شعر ہوتے ہیں۔ یہ نسخہ میرے پاس تقریباً چار سال سے ہے اور دوران مطالعہ میں جو یادداشت میں نے اخذ کی تھی ان کی مدد سے یہ مختصر تحریر مرتب کر کے قارئین "نظام گزٹ" کے ملاحظہ میں پیش کرتا ہوں۔

بہت سی کتابیں جو اردو کے ادب قدیم سے تعلق رکھتی ہیں، میرے پاس اور میرے بعض احباب کے یہاں موجود ہیں اور چونکہ آج کل اس کے عہد کے لٹریچر سے دنیائے اردو کو دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور خاصکر حیدرآباد میں اس کی جانب خاصی توجہ کی جا رہی ہے اور اس دور سے تعلق رکھنے والے قلمیات جو انگلستان اور یورپ کے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان کو روشنی میں لانے کی کوشش بلیغ کی جا رہی ایسی حالت میں ہم پر لازم ہے کہ بیرونی ذخائر کی جانب توجہ کرنے سے پہلے اپنے مقامی ذخائر کی جانب توجہ کریں، مجھے یقین ہے کہ شہر حیدرآباد اور اس کے نواح میں ادب

قدیم کی ایسی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن کے نام سے بھی مستشرقین یورپ کو واقفیت نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ کتابیں یورپ پہنچی ہیں۔ اردوئے قدیم کی جو کتابیں یورپ میں ہیں انکی مبسوط فہرستیں اہل یورپ نے ترتیب دیکر ہزارہا روپیہ صرف کر کے شائع کر دی ہیں، اور ان سے بآسانی ہر کس و ناکس فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن دکن کے ذخیرے ابھی تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں جن سے اہل علم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

کتاب زیر بحث دکھنی زبان کی ایک بہت بڑی مثنوی ہے اور بارہویں صدی کے ثلث ثانی میں تصنیف ہوئی ہے اس پر کتاب کے مصنف کا نام جیسا کہ کتاب کے ہر فصل کے اختتام سے ظاہر ہوتا ہے، حضرت سید شاہ محمد قادری ہے آپ کے حالات عام طور پر بالکل تاریکی میں ہیں، لیکن ایک مبسوط تذکرہ میں جس کا نام "گلدستہ اولیاء ارکاٹ" ہے اور جس کو سید شاہ محی الدین چشتی نے دار النور محمد پور میں ۱۳۰۸ھ میں لکھا ہے، آپ کے حالات اس طرح تحریر ہیں

"حضرت شاہ محمد قادری قدس سرہ العزیز"
"از عظمائے مشائخین بلادہ ... گذرانیدہ اصل"
"آنحضرت بیجاپور است جد بزرگوار آن از آن شہر ہجرت"
"نمودہ درین لشکر آمدند، بعد چندے ازان"
"جا تر جا یلی رخت اقامت بستند، دورین مقام"
"حضرت شیخ ولادت یافتند چون بسن تمیز"
"رسیدند در بارۂ دار النور محمد پور رسیدند در"
"آنجا کسب علوم نمودہ بخدمت حضرت شیخ میران"
"رحمۃ اللہ علیہ رسیدند از دست ایشان خرقۂ"
"خلافت پوشیدند، دو درسن یکہزار و یکصد ہشتاد"
"و ہشت ہجری وفات یافتند، در زبان دکھنی"
"کتب بسیار تصنیف نمودند، کہ ازان جملہ"
"خزانۂ عبادت، خزنۃ الاخلاق و خزنۃ النقائیر"
"شہرتے عام دارند"

خزانۂ عبادت میں سید صاحب نے ایک مبسوط بیان اپنے مرشد علیہ الرحمہ کے کرامات کے متعلق قلمبند کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب کے مرشد صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ کی سکونت رامگیری[1] میں تھی، جب جذب و استغراق کا غلبہ ہوتا تو اطراف کے پہاڑوں میں چلے جاتے اور چھ چھ مہینے غذا کا نام تک نہیں لیا کرتے جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے ثابت ہے

شعر

صدی بارہوین کے ولیاں ہیں سکل۔ ولے ہیں گیے پادشاہ میران نول
کہ یو بات وان سو ہیں گیلے سکل۔ کہ جد مدام گیری میں مشاول
بھی چھ چھ مہینے نہ کہاتے تھے۔ جنگل میں رہنے گھر کون آتے نہ تھے

سید صاحب نے اس کتاب کو ماہ ربیع الاول ۱۱۶۵ھ میں تمام کیا جس کا ذکر خاتمہ کتاب پر فرماتے ہیں۔ شعر

"کتاب یو بنیا جو تو جانو عزیز۔ یو سنہ ہجری ہزار ہو ایکسو پینسٹھ"
"گذر جا کون پینسٹھ برساں سکل۔ تکیا تیسرا مہینا ربیع الاول"

چونکہ اس کتاب میں مسائل دینیہ کے اخذ کرنے میں بہت سی فروگذاشتیں اور غلطیاں رہ گئی تھیں، اس لئے سید صاحب نے اس تصنیف کے (۱۷) سال گذر جانے کے بعد ۱۱۸۲ھ میں نظر ثانی کر کے ان تمام حشو و زوائد کو جن کی وجہ سے عبارتیں طول اور مسائل غیر معتبر ہوگئے تھے، اس کتاب سے خارج کر دیا اور صحیح صحیح مسائل کو باقی رکھا، اور یہی نقش ثانی رواج پایا (جس کا ایک نسخہ ہمارے پیش نظر ہے) خود مصنف علیہ الرحمہ نے خاتمہ پر اپنی نظر ثانی کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:۔ شعر

صدی بارہوین میں باسٹھ سال۔ گذر گئی تو بھی اسکون دیکھیا سنبھال
غلطاں جو تھا سے کاڑ سٹے۔ زیادی عبارت کی بہاڑ سٹے
ضروری مسائل بھی حاصل کیا۔ کہ جان جان ضرور تھا وہاں داخل کیا
کتاب اوس جو بن کے پڑے تو نظر صحیح بوجنا ہور یو معتبر

اس کتاب میں جس قدر ابواب و فصول ہیں، ان کی تفصیلی فہرست باعث تطویل ہے مگر اجمالاً صرف بڑے بڑے ابواب کی فہرست ہدیۂ ناظرین کئے دیتے ہیں:۔

۱	حمد و نعت منقبت صحابہ و تعریف مرشد	از ورق	۱ تا ۱۱
۲	مقدمہ در کیفیت نوعیت احکام	"	۱۱ تا ۱۶
۳	کتاب الطہارت	"	۱۶ تا ۸۶
۴	کتاب الایمان	"	۸۱ تا ۹۶

---

[1] علاقہ میسور میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام رام گیری ہے اور اس کے دامن میں ایک قصبہ آباد ہے جو رام گیری کہلاتا ہے۔ Imperial Gazetteer of India by W. W. Hunter 2nd ed. Vol XI P 449 London 1887

۵ کتاب الصلوٰۃ	۱۹۲ تا ۲۴۵
۶ کتاب الصوم	۲۴۵ تا ۲۶۰
۷ کتاب الزکوٰۃ	۲۶۸ تا ۲۷۴
۸ کتاب الحج	۲۷۴ تا ۲۸۰
۹ کتاب النکاح	۲۸۰ تا ۲۹۰
۱۰ کتاب الطلاق	۲۹۰ تا ۲۹۳
۱۱ کتاب الذبائح	۲۹۲ تا ۳۰۰
۱۲ کتاب الحقوق	۳۰۰ تا ۳۱۷
۱۳ کتاب المیراث	۳۱۷ تا ۳۲۴
۱۴ کتاب مسائل متفرقہ	۳۲۴ تا ۳۲۶

۱۵ - خاتمہ ۳۲۶ ″ ۳۲۷

سید صاحب نے نہ صرف ہر مسئلہ پر تفصیلی نظر ڈالی ہے، بلکہ جو جو مسائل مذاہب اربعہ کے مختلف فیہ تھے ان پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے، جس سے سید صاحب کے تبحر علمی اور وسیع النظری کا پورا ثبوت ملتا ہے، اس کے بعد اب ہم اس کتاب کے ان ماخذات کی فہرست پیش ناظرین کرتے ہیں، جن سے مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب زیر بحث کی تصنیف میں مدد لی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) مجمع الفتاویٰ عربی
(۲) فتاویٰ عتابی
(۳) سیالیس المصلی
(۴) تیسیر الاحکام
(۵) تفسیر بحر العلوم
(۶) تفسیر مدارک عربی
(۷) فتاویٰ محمودی
(۸) فتح القدیر
(۹) زاد الفقہ
(۱۰) شرح نقایہ
(۱۱) خزانۃ الروایات
(۱۲) فتاویٰ سراجی
(۱۳) صلوٰۃ مسعودی
(۱۴) مفتاح الجنان
(۱۵) مشکوٰۃ شریف
(۱۶) فتاویٰ ظہیری
(۱۷) جواہر الفتاویٰ
(۱۸) ہدایت ہند (دکنی)
(۱۹) نوادر الفتاویٰ
(۲۰) صحاح ستہ
(۲۱) مواہب لدنیہ
(۲۲) شرح وقایہ
(۲۳) کنز العباد
(۲۴) فوائد فتح محمد
(۲۵) فتاویٰ غیاثیہ
(۲۶) احکام صلوٰۃ (دکنی)
(۲۷) فتاویٰ برہنہ
(۲۸) فتاویٰ تنیہ
(۲۹) حب الاتقیار
(۳۰) تحفۃ الفقہ
(۳۱) خلاصۃ الفقہ
(۳۲) منیۃ المصلی
(۳۳) منہاج (شافعی)
(۳۴) یواقیت الجواہر
(۳۵) عمدۃ الاسلام
(۳۶) فتاویٰ عالمگیری
(۳۷) بحر الرائق
(۳۸) مجمع البحرین
(۳۹) تکمیل الایمان
(۴۰) جامع البرکات
(۴۱) شرح صحیح مسلم
(۴۲) تحفۃ الخراج
(۴۳) فتاویٰ کبرائی
(۴۴) تفسیر حسینی
(۴۵) جامع تمرتاشی
(۴۶) مفتاح الصلوٰۃ
(۴۷) مفتاح ناصری
(۴۸) محیط سرخسی
(۴۹) قرآن شریف
(۵۰) جامع حسینی
(۵۱) خلاصۃ الاحکام
(۵۲) کتاب الذخیرہ
(۵۳) ہدایہ شریف
(۵۴) شرعۃ الاسلام
(۵۵) عین الفتاویٰ
(۵۶) شرح نام حق
(۵۷) مجموع سلطانی
(۵۸) فتاویٰ خانی
(۵۹) ملتقط
(۶۰) محک الطالبین
(۶۱) کنز الدقائق
(۶۲) ضیاء الفتاویٰ
(۶۳) مفاتیح
(۶۴) شرح مجزیہ مالکیہ۔
(۶۵) شمائل الاتقیاء
(۶۶) مجموع خانی
(۶۷) کنز الروایت
(۶۸) ترغیب الصلوٰۃ
(۶۹) ترغیب وترہیب
(۷۰) سفینۃ الاولیاء
(۷۱) فتاویٰ قاضی خان
(۷۲) جامع الصغیر
(۷۳) میزان شعرانی
(۷۴) معارج النبوۃ
(۷۵) بستان ابو اللیث
(۷۶) غنیۃ الطالبین
(۷۷) فتاویٰ بابری۔
(۷۸) تحفۃ الملوک
(۷۹) معدن الفقہ
(۸۰) تیسیر الفتاویٰ
(۸۱) جامع الرموز
(۸۲) ارشاد المومنین
(۸۳) منتخب الاوراد
(۸۴) تحفۃ الطلاب
(۸۵) موطا (امام مالک)
(۸۶) تحفۃ المنہاج
(۸۷) الجوہرۃ النیرہ
(۸۸) فتاویٰ حمادیہ
(۸۹) مختار الفتاویٰ
(۹۰) روضہ (شافعی)
(۹۱) تہذیب
(۹۲) مفید المستفید
(۹۳) شرح کنز
(۹۴) کفایہ (شعبی)
(۹۵) شرف العلماء
(۹۶) مختصر وقایہ
(۹۷) غنیۃ المسافرین
(۹۸) معتمد
(۹۹) شرائع الاسلام
(۱۰۰) تذکرۃ الموضوعات
(۱۰۱) فتاویٰ شافعی
(۱۰۲) شرح طحاوی
(۱۰۳) تحفۃ النصائح
(۱۰۴) کافی
(۱۰۵) مشارق الانوار
(۱۰۶) خلاصہ کیدانی
(۱۰۷) مضمرات
(۱۰۸) حاشیہ چلپی
(۱۰۹) متقی
(۱۱۰) کیمیائے سعادت
(۱۱۱) شمائل بیہقی
(۱۱۲) کتاب السعادت
(۱۱۳) ماتریدی
(۱۱۴) فصول عمادی
(۱۱۵) فتاویٰ سمرقندی۔

مصرحہ بالا تفصیل ماخذات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بارہویں صدی ہجری میں جب کہ ذرائع آمد و رفت ناکافی تھے، اور سفر کے مصائب و مشکلات جدا، ایسے زمانہ میں اس قدر کتب کا ایک مصنف کے پیش نظر رہنا موجب حیرت بادی النظری ضرور ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس زمانہ کے مصنفین کے شغف علمی اور ذوق مطالعہ کا پتہ بھی چلتا ہے اور اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر اردو زبان کا لٹریچر پبلک کے ذوق طبع کے لئے پیش کرنا ہر مصنف و مولف کے لئے ضروری ہوگیا تھا۔ گویا کہ اردو زبان اب جس طرح ترقی پذیر ہے اسی طرح وہ اگلی صدیوں میں بھی بہ خلاف شمالی ہند کے تمام سرزمین دکن میں عام ہو گئی تھی اور ہر شخص اس کے بولنے اور سمجھنے کے ہوتا تھا۔

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے، اس وقت دلی میں سلطان احمد شاہ بادشاہ غازی کی حکومت تھی، اس بادشاہ کا پورا نام ابو المنصور مجاہد الدین احمد شاہ بادشاہ غازی ہے۔ دوسری جمادی الاول ۱۱۶۱ھ کو بر سر حکومت ہوا اور دسویں شعبان ۱۱۶۷ھ میں معزول کیا گیا اور ۲۴ شعبان ۱۱۸۷ھ میں وفات پائی۔[1]

اس کتاب سے مدتوں پہلے دکنی نظم میں مسائل فقہ کے متعلق کئی ایک کتابیں تالیف و تصنیف ہو چکی تھیں مثلاً ۱۰۸۱ھ میں شاہ ملک بیجاپوری نے احکام الصلوٰۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں طہارت اور نماز کے مسائل بشرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں[2]۔ اور ایک کتاب ۱۱۰۰ھ میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر ہدایت ہند کے نام سے لکھی گئی ہے جس میں عبادات کے جملہ احکام اور معاملات کے مسائل ضروریہ کو منظوم کیا ہے یہ بھی ایک ضخیم کتاب ہے[3] اور مصنف علیہ الرحمہ نے خود ان کتب کے حوالے اس کتاب میں جا بجا دیئے ہیں ملاحظہ ہو فہرست ماخذات کے نمبرات (۱۸ - اور ۲۶)

[1] آثار الصنادید حصہ اول صفحہ ۴۲ طبع کانپور
[2] اردوئے قدیم صفحہ ۴۴ طبع حیدرآباد
[3] یہ نسخہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

بوڈاپسٹ کی پولیس کا نیا کارخانہ

ہنگری کے دار الحکومت بوڈاپسٹ کی پولیس نے موٹر کار کا ایک ڈویژن تیار کیا ہے جس میں سفری تجربہ گاہیں سینما کے لئے تصویریں لینے والے بڑے تاریک کمرے۔ کیمیاوی آلات دور دور کی چیزیں معلوم کرنے والی ہے۔ سرچ لائٹ زہریلی گیس سے بچنے والے نقاب لمبی سیڑھیاں اور وہ تمام دوسری چیزیں موجود ہیں۔ جن کی پولیس والوں کو دوران تحقیق و تفتیش میں ضرورت پڑتی ہے۔ موٹریں بہت بڑی ہیں اور نہایت تیز رفتار ہیں ان میں سے ہر ایک پر ڈاکٹر سائنٹسٹ اور خفیہ پولیس کے آدمی متعین ہیں۔ جہاں کہیں کوئی حادثہ پیش آتا ہے۔ فوراً موٹر کار روانہ ہو جاتی ہے۔ اور بلا تامل حادثہ کی تحقیقات شروع ہو جاتی ہے۔

ہوائی سائیکل

سب سے زیادہ حیرت انگیز ایجاد ہوائی سائیکل ہے جسکی ایجاد کا سہرا اونا دزانا حکومت آسٹریا کے انجینئر کے سر ہے، اس کے ذریعے سے انسان تین ہزار فٹ کی بلندی پر پہونچ جاتا ہے اور رفتار چالیس میل سے لیکر پچاس میل فی گھنٹہ ہے اور سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ اس پر صرف ۴۰ پاونڈ خرچ ہوتے ہیں۔ ہالینڈ کے چند انجینئروں نے ایک ہوائی سائیکل تیار کی ہے جس کی قیمت صرف پچیس پونڈ ہوگی

خطبات شاد

ہز اکسلنسی مہاراجہ سر یمین السلطنت بہادر

بجواب سپاسنامہ باشندگان اورنگ آباد

عزیز برادران وطن!

میں آپ سب کے ایڈریسون کا جواب ایک ہی وقت ادا کرتا ہون میرے مخاطب اورنگ آباد کی پبلک کے معزز طبقہ وکلا کے اور سرسوتی بہون کے نمائندے ہیں۔

آپ نے مختلف حیثیتون اور مختلف مجمعون میں یکسان خلوص و محبت کا مجھ سے اظہار کرکے مجھ کو جس درجہ شاد کام کیا ہے اس کا اندازہ کچھ میں ہی جانتا ہوں اس کا شکریہ بالفاظ رسمی میرے نزدیک ضروری نہیں ہے البتہ آپ سب کی خدمت گذاری میں جو میرا ذاتی اور سرکاری فریضہ ہے ایسے مظاہرے میرے تسخیر قلب پر کر قابو حاصل کرتے ہیں اور زندگی کی اس فرصت سے فائدہ اٹھاکر ملک کے لئے کچھ نہ کچھ اصلی اور حقیقی خدمت کے کر چکنے کی میری آرزو میں خلش اور بے چینی بڑھ جاتی ہے خدا کرے کہ میں حضرت ظل اللہ کی سرپرستی میں وہ سب کچھ کرسکون جو آپ کی واجبی خواہش ہے اور جس کی تکمیل مجھکو یقین بھی اس لئے ہے کہ آپ کی استدعائیں مناسب ہیں۔

اورنگ آباد کی جن شہری ضروریات کی نسبت آپ نے توجہ دلائی ہے ان پر علحدہ علحدہ توجہ کردونگا اورنگ آباد خجستہ بنیاد اپنی سابقہ عظمت اور موجودہ اہمیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کی ترقی پر گورنمنٹ نیاضانہ توجہ مبذول کرے۔ اس ضرورت کو خود رئیس دکن دام اللہ عن الفتن نے بزبان فیض ترجمان تسلیم فرمایا ہے جسکا ارشاد آپ کے ایڈریس میں موجود ہے۔

آب نوشی کی سہولتون کا انتظام منجانب گورنمنٹ قریب میں ہوجائیگا اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے ایک کمیٹی نے نہایت مستعدی سے حال ہی میں کام شروع کردیا ہے اور مفید تجاویز کا اضلاع سرکار عالی کے اکثر شہرون اور قصبون میں جلد سے جلد روبکار لانا یقینی ہے۔

ٹیلیفون کی خرابی کی اطلاع مجھکو اور ذریعے سے بھی ملی تھی ابھی یہ کام نیا ہے اس لئے اس کی امید رکھنی چاہئے کہ بہت قریب میں بہتر اور جدید سامان ٹیلیفون نصب ہوجائے گا اور موجودہ شکایت باقی نہ رہےگی سررشتہ خود یہ نہیں چاہیگا کہ بلدہ کے اچھے انتظام اور یہان کے انتظام میں کوئی نمایان فرق نظر آئے۔ بجلی کی روشنی کا انتظام عہدہ داران مقامی کی دلچسپی سے خود بخود وسعت پذیر ہے اور یہ امید کرنی چاہئے کہ جہان تک مقامی محاصل مددین اور لوکل فنڈ کی کوئی اور گنجائش بھی جو واجبی طور پر لوکل فنڈ گزاردن کے اپنے مقامی کامون کو رخنہ پذیر کئے بغیر یہان استعمال ہوسکے تو روشنی کے کام پر بھی صرف ہوسکےگی۔

آپ پر روشن ہے کہ آپ کی ضرورتین زیادہ ہیں اور گنجائش خرچ کم ہے پھر شہری ضرورتون میں یہ تصفیہ کہ آیا ڈرینج کو ترجیح حاصل ہے یا روشنی کی وسعت کو تدابیر حفظان صحت کی ترقی کو یا توسیع تعلیم کو پبلک کے عمارات جیسے ٹاؤن ہال کی تعمیر یا سڑکون کے بست وکشاد کو! ان کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ ہر ضرورت بجائے خود اہم ہے اور اس کے لیے حسب گنجائش تکمیل ضروری ہے اور یہ عملی تصفیہ بہ حالت موجودہ مجالس اضلاع لوکل فنڈ اور آئندہ میونسپلٹیان بہتر کرسکتی ہیں۔

جس حد تک کہ لوکل فنڈ کے مصرف کا تعلق ہے میرا ذاتی رجحان ہے کہ لوکل فنڈ کی ہر پائی مقامی طور پر دیا ورقبہ جات متعلقہ میں صرف ہونی چاہئے اس کے خلاف عمل شاید بدمہری نیز دخل ہے اس عقیدہ کی تکمیل کے لئے امید ہے کہ گورنمنٹ مناسب طریقہ جلد طے کریگی کہ دیہات کے لوکل فنڈ کا صرف مستقر ہائے تعلقہ ضلع اور سمت دیس ہونے کی نوبت نہ آئے۔

برقی لہر کی قیمت کا زیادہ ہونا بہ لحاظ اورنگ آباد کی خستہ حالی کے آپ نے لائق توجہ ظاہر کیا ہے میرے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ سررشتہ متعلقہ کا عمل کس حد تک مائل بہ زیادتی ہے۔

اورنگ آباد میں برقی سربراہی کا انتظام تجارتی اصول پر کیا گیا ہے اس کی کامیابی پر تمام اضلاع میں اس کے پھیلاؤ کی اعتماد کے ساتھ سعی کی جائے۔ اصول تجارتی میں تجربہ کے بعد گرانی سے ارزانی کی طرف نزول ہمیشہ مستحسن خیال کیا گیا ہے برخلاف اس کے عکس کے۔

پس ہم کو امید رکھنی چاہئے کہ سررشتہ آپ کو کبھی زیر بار نہیں کریگا۔ اور اپنی پہلی فرصت میں جیسے جیسے تجارتی اصول پر اس انتظام کی کامیابی کا یقین ہوتا جائے نرخون میں بھی کمی کرے گا۔

اورنگ آباد کے مصنوعات پر محصول مکرر کی شکایت لائق ہمدردی ہے مجھ کو بھی اس کا گہرا احساس ہے۔ اس مسئلہ پر گورنمنٹ خاص خاص صنعتون کے متعلق غور کر رہی ہے میں چاہتا ہون کہ اس مسئلہ کو عام طور پر طے کردیا جائے اس خصوص میں موجودہ صدر ناظم صنعت و حرفت مسٹر کالنس کو جو ان معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں تجاویز مناسب پیش کرنے کے لیے لکھا جائے گا۔

جدید محصولات کا قیام کبھی ممکن نہیں ہوسکیگا جب تک کہ آپ کی حاضرہ ضرورتون کے لحاظ سے مجلس لوکل فنڈ ضلع اور مقامی عہدہ دارون کی رائے حاصل نہ کی جائے آپ اپنی ضرورتون اور گنجائشون سے بہتر واقف ہیں اور ضروریات کے حل کرنے کے واسطے تدبیر مناسب بھی آپ ہی بہتر غور کرسکتے ہیں۔

معزز وکلاء!

گورنمنٹ کے نزدیک عہدہ داران سرکاری اور آپ میں کوئی فرق نہیں ہے آپ کی نیابت موبہ داری طریقہ قانون گری میں بہت سی مشکلون کو آسان کریگی اور سرکاری خدمات پر آپ کے طبقہ سے اہل افراد کا تقرر مدت سے گورنمنٹ کے زیر عمل رہا ہے۔ یہ سود مند طریقہ محتاج توضیح نہیں ہے۔ عام رعایا سے آپ کا قریبی تعلق ان کی مشکلات کا احساس اور وسیع تجربہ حق و انصاف کے حق میں بڑی رہنمائی کرسکتا ہے۔

تقررات کے موقع پر اضلاع کے وکلا پر بھی نظر ڈالنے کی بیشک ضرورت ہے اور عدالت العالیہ اس کی طرف ضرور توجہ کرے گی۔

جدید عمارات میں کمرہ وکلا کی توسیع کے لئے لحاظ مناسب کیا جائیگا موجودہ عمارت کمرہ وکلا کی نسبت

بھی کارروائی مناسب کے لئے حکم دیا جائے گا۔

سرسوتی بھون کے معزز نمائندو

جس اختیار اور محنت سے آپ نے اس قومی مدرسہ کی بقا اور ترقی میں کوشش کی ہے وہ لائق توصیف ہے۔ اس مدرسہ کو مقامی تجار کی امداد نے بہت سنبھالا ہے جو لائق قدر ہے۔

مجھ کو یقین ہے کہ یہ مدرسہ بہت ترقی کرے گا اور سرکار کی سرپرستی اور عہدہ داران سرکاری کی دلچسپی سے آپ کے کام کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

مجھ کو امید ہے کہ آپ مدرسہ کے طلبا کو محبت و رواداری کے موثر درس بھی دیتے ہوں گے جسمانی و ذہنی ترقی کی صحیح تعلیم ہی سے اخلاقی اور معاشی نشو و نما میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

اس کا خیال رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قومی خدمات کا جذبہ جو اکثر مبارک لیڈران قوم کے سینوں میں موج زن ہے مدارس کے پلیٹ فارم پر بھی پولٹیکل تقاریر کی صورت بہ الفاظ ظاہری یا معنوی اختیار کر لے۔

مدرسہ کے ہونہار طلبہ کے تحصیلات میں جب تک کہ وہ دانشمندیت کے ساتھ دنیا میں قدم نہ رکھیں سیاسی خیالات کے ہیجان کا دخل نہ ہونا چاہئے کہ مبادا مقصد تعلیم خلل پذیر ہو اس لئے سیاسی خیالات کے وبائی پنہان اثرات سے طلبا کی جماعت کو محفوظ و مصئون رکھنے کی سرگرم کوشش ضروری ہے۔

اس ملک کے پیش نظر بعض ایسے بدنصیب تجربے ہیں کہ مدارس میں سیاسیات کی گفتگو نے ہزار ہا طالب علموں کو گمراہ کر دیا اور ملک کی خدمت گذاری کے دھوکے اور غلط جوش میں وہ معصوم کہیں کے نہیں رہے بمصداق۔ من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ۔ ہم کو بہت دور بینی اور ذمہ داری کے ساتھ تعلیمی خدمت کے فرائض کو انجام دینا ہے۔ غرض آپ کی مساعی جو کچھ بھی میں دیکھ رہا ہوں قابل مبارکباد ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ ان میں پیہم ترقی ہو۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نواب رضا نواز جنگ بہادر کی اس اہلیت پر اظہار مسرت کرتا ہوں جس کا بار بار ایڈریسوں میں ذکر ہوا ہے۔ میں واقعی خوش ہوں کہ ایک بوڑھی حیثیت میں آپ سب کی خدمت گذاری کی ان کو اور بھی فرصت حاصل ہو رہی ہے جس کو وہ یقین ہے کہ کامیاب ثابت کریں گے

مکرر شکریہ کے ساتھ آپ سب کی یکساں کامیابی کا دل سے خواہاں ہوں اور رہوں گا۔

چار ٹانگوں کا بچہ

گان دیوی میں ایک چار ٹانگوں کا بچہ پیدا ہوا ہے جو دودھ کی بجائے پانی پر گذر کرتا ہے لاڈسگٹ بن کر یہاں پر عجیب و غریب لڑکی پیدا ہوئی ہے ریلوے اسٹیشن کے ماندرن کے پاس رہتے ہیں۔

بادشاہ پرستی سے امریکہ کی نفرت

ممالک متحدہ امریکہ میں نہ کوئی بادشاہ ہوا اور نہ ہے مگر امریکہ کے باشندوں کو نجملہ اور شوقوں کے ایک شوق شاہی دربارداری کا بھی ہے جب کبھی دولتمند یا با رسوخ امریکن انگلستان جاتا ہے یا یورپ کے کسی اور ملک میں جا نکلتا ہے تو اپنے شوق درباری میں اس ملک کے بادشاہ کے ہاں رسائی حاصل کرنے کی فکر کرتا ہے اور امریکہ کے سفیر کے ذریعہ رسوخ حاصل کرتا ہے۔ امریکہ کو انگلستان سے جو خاص تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس تعلق کی بنا پر امریکہ کے باشندوں کی آمد و رفت جس کثرت سے انگلستان میں ہوتی ہے اتنی کسی ملک میں نہیں ہوتی اس لئے دربارداری کا شوق انگلستان کے دربار سے بہت پورا ہوتا ہے۔

امریکہ میں اب اس دربارداری کے شوق سے نفرت پیدا ہو رہی ہے چنانچہ امریکہ کی مجلس اعلیٰ کانگرس کے ایک رکن مسٹر اڈالف سبات نے مجلس نائبین میں ایک تحریک پیش کی ہے کہ امریکی عورتوں اور ان کے شوہروں کو انگلستان کے بادشاہ اور ملکہ یا دوسرے بادشاہوں کے روبرو اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے روک دیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے مسٹر سبات نے مطالبہ کیا ہے امریکی سفارت خانوں کو اس بات کی سخت تاکید کر دی جائے کہ وہ امریکہ والوں کا یورپ کے شاہی درباروں میں تعارف نہ کرائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ انگلستان کے بادشاہ اور دیگر تاجداروں کے روبرو امریکہ کے خطاب پرستوں اور معاشرتی اعزاز طلبوں کی حقارت انگیز دربارداری کی وجہ سے ممالک متحدہ امریکہ کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان ذلیل حرکتوں کو قطعاً بند کر دیا جائے۔

موتمر مکہ

مولانا اسمٰعیل غزنوی کے ۲۵ مئی کے تار سے خبر ملی ہے کہ جلالت الملک سلطان ابن سعود کی دعوت پر ۲۵ مئی کو موتمر ہال میں تمام اسلامی ممالک کے نمائندوں کا ایک شاندار جلسہ ہوا مشاہیر مسلمانان میں شیخ سنوسی، عصمت باصل پاشا (مصری) مولانا عبدالواحد غزنوی، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالقادر قصوری اور مولانا داؤد غزنوی موجود تھے۔

سلطان ابن سعود کے معتمد سلطان ہلال نے سلطان ابن سعود کی طرف سے مہمانوں کا خیر مقدم کیا سرزمین حجاز پر جلالۃ الملک کے قبضہ اور مصالح سیاسی کی عمدگی پر مسرت ظاہر کی کہ وہ مذہب اور شرع کے بالکل مطابق رہے ہیں۔ اخیر پر مولانا اسمٰعیل غزنوی نے ایک سپاسنامہ پڑھا جس کے بعد محمل مقدس کو پیش کیا گیا جس کی خوبصورتی اور خوشنمائی کی سب نے تعریف کی۔

جلالۃ الملک نے تمام نمائندوں اور کاریگروں کا شکریہ ادا کیا اور عصرانہ کی دعوت دی۔ جہاں احمد پاشا شیخ سنوسی اور مصر کی جماعت حزب الوطن کے ایک رکن میں عام تبادلہ خیالات ہونے لگا۔ حزب الوطن کے رکن نے اپنی جماعت کی طرف سے محمل کے واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا جلالۃ الملک نے جواب میں کہا کہ وہ پہلے مسلم ہیں اور بعد میں عرب۔ وہ اسلام کو سب سے اول خیال کرتے ہیں اور پھر دوسری چیزوں کو اس شام جلالۃ الملک نے اسلامی ممالک کے نمائندوں کے ساتھ تناول طعام بھی فرمایا

ترکی میں لاطینی رسم الخط

عربی رسم الخط کی دقتوں سے تنگ آ کر اب ترکوں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ ترکی زبان کو لاطینی رسم الخط میں لکھا کریں چنانچہ اس کے متعلق ترکی مجلس اعلیٰ میں ایک مباحثہ بھی ہوا جس میں عربی اعداد جو اصل میں عرب سے لئے گئے تھے اور اب بھی ان کا نام "عربی اعداد" ہی ہے ان کو ترکی زبان میں استعمال کرنا طے پا گیا۔

ترکی زبان کلیتہً لاطینی رسم الخط میں لکھنے کے متعلق جو ابتدائی مدارج تھے اب مکمل ہو گئے ہیں۔ اور یہ طے ہوا ہے کہ سب سے پہلے ایک لغت تیار کیا جائے جس میں ترکی الفاظ لاطینی رسم الخط میں لکھے جائیں اور پھر سب سے پہلے لاطینی رسم الخط ڈاک خانوں میں جاری کیا جائے اور اس کے بعد مدارس ابتدائی میں اس کا اجرا ہو۔ اس طرح ترکی زبان کی تحریر بھی بالکل انگریزی کی جیسی ہو جائے گی۔

افغانستان میں سنگ مرمر کی کان

کابل کے اخبار امان افغان کا بیان ہے کہ دار الامان کے قریب پہاڑیوں میں ایک سنگ مرمر کی کان دریافت ہوئی ہے۔ افغانی حکومت نے کان کا پتہ چلانے والوں کو معقول انعام عطا کیا۔

۱۴۰ سال کا ہندوستانی

ہوشیارپور سے چار میل کے فاصلہ پر موضع بتھیال میں ۱۴۰ سال کی عمر کا ایک آدمی بھی ہے جس وقت سکھ گورنمنٹ کی جگہ انگریزی حکومت نے لی اس وقت اس کی عمر ۶۰ سال کی تھی یہ شخص ابھی طرح چل سکتا ہے اس کی یادداشت بہت تیز ہے اور پرانے زمانہ کی کہانیاں خوب بتاتا ہے اور کھیتی باڑی بھی کام کرتا ہے۔

حیدرآباد دکن میں آبرسانی کی ابتداء اور تشنہ لبی کی کیفیت

نواب رکن الدولہ بہادر مدار المہام صوبجات دکن نے ۱۱۸۵ھ میں ایک پہاڑ کے دامن میں بم بنوایا تھا جس کی تاریخ ذیل میں درج ہے:۔

قطعہ تاریخی

چون رکن دولہ بنام حسین   بنا کرد این چشمۂ فیض عام
پئے سال تاریخ گفتہ خرد   بجو رآب سردی بیاد دوام

اس بم کی وجہ سے اتنی سہولت ہوگئی کہ سلاطین دکن کے وام اور معززین نے جو ندی سے پانی منگوایا کرتے تھے بم سے پانی منگوانے لگے اس زمانہ میں ندی کا پانی مزدوری اور کرایہ پر منگوایا جاتا تھا

نواب رکن الدولہ بہادر کے چشمۂ فیض عام نے میر عالم کے تالاب کے بعد سے چشمۂ فیض خاص بن گیا۔

نواب سید ابو القاسم میر عالم مدار المہام نے بائیس لاکھ روپیہ کے صرفے سے اس تالاب کو ۱۲۲۱ھ میں تیار کرایا۔ اس تالاب کی زمین (۱۰۳۵۰۰) مکسر گز ہے۔ دس سال قبل اس میں پانی کا اندازہ (۰۰۰۰۰، ۸۰۴، ۱) گیالن بتایا گیا تھا۔ یہ تالاب "میر عالم" دیوان کے نام سے مشہور ہے تالاب میر عالم کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ایک نہر بھی بنوائی گئی جس کے ذریعہ سے حیدرآباد میں پانی تقسیم ہوتا تھا۔ اس نہر کا خزانہ دروازہ غازی بنڈہ اور فتح دروازہ کے درمیان میں تیار ہوا اس خزانہ کا نام جوڑ وان حوض رکھا گیا یہ حوض بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ جوڑ وان بنایا گیا۔ اس حوض کے پاس ایک کتبہ موجود ہے جس میں کندہ ہے کہ:۔

"بسم اللہ مجریہا
والحمد اللہ مجریہا"
۱۲۲۱ھ

اس حوض کی شاخین ایسی نہ تھیں کہ جس سے پانی صاف اور ستھرا جاری رہے بلکہ چند روز کے بعد سے اس کا پانی گدلا ہوگیا اور اس سے بیماری کا خطرہ بھی پیدا ہوگیا تھا۔ پانی کی خرابی کی وجہ سے جو برائیاں پیدا ہوئی تھیں اس کے رفع کرنے کے لئے نلوں کی تحریک پیش کی گئی چنانچہ ۱۳۰۶ف میں نل اندازی کا کام شروع ہوا۔ تالاب کے قریب صفائی آب کی غرض سے بڑے بڑے حوض تیار کئے گئے ان تمام حوضوں کی تیاری میں (۔۔۔) روپیہ خزانہ شاہی سے صرف کئے گئے اس سے دس سال پہلے نصف حیدرآباد سے زیادہ سیراب ہوتا تھا۔ اس کے بعد ۱۳۰۹ھ میں نواب آسمانجاہ بہادر نے عمدہ ساگر تیار کروایا اس تالاب کے اخراجات صرف دو لاکھ پچاس ہزار ہوئے اس تالاب سے شمشیر گنج شاہ علی بنڈہ تک نلوں کے ذریعہ پانی تقسیم ہوتا رہا۔ اس کے بعد ۱۳۳۲ف میں جب فرمان ہمایون نشان اعلیحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علیخان بہادر خسرو دکن عثمان ساگر تیار کیا گیا جس سے تمام شہر سیراب ہو رہا ہے۔ تالاب عثمان ساگر کی وجہ سے بجز بم رکن الدولہ بقیہ کل تالاب بیکار ہوگئے اور اس تالاب کے پانی سے حیدرآباد و سکندرآباد کے باشندے سیراب ہو رہے ہیں۔ لیکن بدنصیب اہالیان محلہ اندرون فتح دروازہ جس کے قریب کسی زمانہ میں جوڑ وان حوض چالو تھا اور وہاں کے باشندے اس کے گدلے پانی ہی کو غنیمت تصور کرتے تھے۔ مگر جب سے کہ جوڑ وان حوض بند کر دیا گیا ہے اس تاریخ سے آج تک اندرون فتح دروازہ نل اندازی کی نوبت ہی نہیں آئی حالانکہ بیرون فتح دروازہ ایک پانی کا بڑا خزانہ موجود ہے اور دو بڑے بڑے شاہی نل اس محلہ کے دونوں جانب دو دو سو قدم کے فاصلہ سے بچھائے گئے ہیں مگر افسوس ہے کہ باوجود متعدد محضر گذرانے اور اخبارات کے توجہ دلانے پر بھی محکمۂ آبرسانی اس طرف اپنی توجہ خاص مبذول نہیں کرتا۔ اس محلہ میں صفائی سے پانی کی دو بنڈیاں بہ تقرر تنخواہ سہ (۵) روپیہ مقرر تھیں مگر وہ بھی ماہ رمضان شریف ۱۳۴۶ھ میں بخیال بچت رقم ہوگا، وکنا ... شاری موقوف کردی گئیں۔

اندرون فتح دروازہ کی نل اندازی کا موازنہ

سرکار عالی سے منظور ہو چکا ہے مگر محکمۂ آبرسانی کو صرف یہ عذر ہے کہ اہالیان محلہ فی گھر (عـ۵) روپیہ مطلبہ اٹھارہ مکانات نل لینے کے لئے آمادہ ہوں اور رقم داخل کریں تو منظورہ نل بچھایا جائے گا ورنہ نہیں۔ ہم محکمۂ آبرسانی کو ذریعہ محضر و اخبارات توجہ دلا چکے ہیں کہ اس محلہ میں متمول اشخاص کی تعداد زیادہ نہیں ہے جو محکمۂ آبرسانی کی خواہش پوری کر سکے یہاں غریب طبقہ کے لوگ اکثر سکونت پذیر ہیں ان لوگوں سے محکمۂ آبرسانی کے مطالبات پورے نہیں ہو سکتے محکمۂ موصوفہ کا منشا، اگر صرف سرکاری نفع پر مبنی ہے تو اس میں کسی قدر رعایا کی تباہی اور بربادی بھی لازمی ہے۔ ظاہر قراین اسباب پر مجبور کر رہے ہیں کہ محکمۂ آبرسانی جو قیود اس محلہ کے لئے مقرر کئے ہیں وہ بہت سخت ہیں بلکہ ہمیشہ رعایت کی جائے دوسرے محلہ جات کی نظیر اس وقت ہم اس وجہ سے پیش نہیں کرتے کہ محکمہ متعلقہ کا اختیار ہے کہ جس وقت چاہے پابند شرائط رہے اور جس وقت چاہے اپنے قیود کو نظر انداز کر دے۔ ایسی صورت میں ہماری منت و سماجت بھی بیکار ہے۔ اہالیان محلہ فتح دروازہ کی تاریخی تشنہ لبی کی شکایت حد سے متجاوز ہوگئی ہے۔ خداوند عالم اپنی رحمت سے اس محلہ کے باولیوں و کنوں کو سیراب کردے تاکہ پردہ نشین عورتوں کو گھر سے باہر شارع عام پر پانی لینے کے لئے نکلنا نہ پڑے۔

ابو المعارف میر لطف علی عارف

دار التشخیص

انجمن اطبائے یونانی کے شریک معتمد صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ بوجہ شیوع مرض طاعون اجلاس دار التشخیص ملتوی تھا۔ بہ حسب سابق ہر ماہ الہی کی یکم اور ۱۵ کو اجلاس دار التشخیص برابر ہوا کرے گا۔

مزدور جماعت کے لیڈر کی مشکلات

مسٹر رامزے میکڈونلڈ کی مخالفت

انگلستان کی پارلیمنٹ میں مزدور جماعت جو قائم ہوئی تھی اس سے مظلوم اور غریب طبقہ کو بہت کچھ امیدیں تھیں۔ مزدور جماعت بہت سرعت سے ترقی کرتی گئی اور جنگ کے بعد اس جماعت کو بہت بڑی قوت حاصل ہوگئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وزارت بھی ان کے ہاتھوں میں آگئی تھی مسٹر رامزے میکڈونلڈ اس جماعت کے لیڈر ہیں۔ انہوں نے کچھ عرصہ تک وزارت بھی کی۔ انگلستان کے غریب طبقہ کو اس وزارت سے جو جو امیدیں تھیں وہ کچھ ہی عرصہ میں خاک میں مل گئیں۔ کیونکہ مزدور جماعت کی وزراء قدیم وزراء سے کسی طرح بہتر ثابت نہوئے۔ وزارت کے ہاتھ میں آتے ہی ان لوگوں کا نقطۂ نظر بھی وہی ہوگیا جو اقتدار پسند افراد کا ہوتا ہے۔ غرض جب تک کہ گیا تو یہ وزارت قائم نہ رہی اس کے بعد سے اب تک مزدور جماعت کوئی ایسا ثبوت نہیں دیا کہ اس سے ان کے خیالات میں شہنشاہیت پسندی سے نفرت کا اظہار ہوتا۔ مزدور جماعت اصولاً موجودہ وزارت انگلستان کی مخالف ہے۔ مخالف کی حیثیت سے اس کا فرض ہے کہ ہر اصولی اختلاف پر وہ حکومت کو متنبہ کرے اور اس کا ساتھ نہ دے۔ مگر حال میں سائمن کمیشن کی تحریک جب وزارت کی طرف سے لارڈ برکنہیڈ نے پارلیمنٹ میں پیش کی امید اور رواج کے خلاف مزدور جماعت کے لیڈر مسٹر میکڈونلڈ نے اس تحریک کی تائید کی۔ نہ صرف تائید کی بلکہ کمیشن کو اپنے ممبر بھی دے۔ اب بھلا اس جماعت کو صحیح معنی میں غریب اور مزدوروں کا حامی کس طرح کہا جا سکتا ہے۔

مزدور جماعت کا یہ حال دیکھ کر کمیونسٹ جماعت اس کی مخالفت پر آمادہ ہوگئی ہے۔ اگرچہ آجکل پارلیمنٹ میں کمیونسٹ جماعت کی تعداد بہت کم ہے مگر وہ مزدور جماعت کو بہت بڑی زک دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے طے کر لیا ہے کہ آئندہ سال انتخابات ارکان پارلیمنٹ کے زمانہ میں مسٹر میکڈونلڈ کو پارلیمنٹ کا رکن منتخب نہ ہونے دیں گے۔ اس کے لئے انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ مسٹر میکڈونلڈ جس ضلع یا مقام انتخاب میں منتخب ہونے کے لئے کھڑے ہوں گے وہاں وہاں کمیونسٹ جماعت کا ایک رکن جائے گا اور ان کے مقابلہ میں اپنے کو پیش کریگا اس وقت مسٹر میکڈونلڈ کے مقابلہ کے لئے کمیونسٹ جماعت نے مسٹر ولیم پال کو تیار کیا ہے۔ مسٹر ولیم پال اخبار سنڈے ورکر کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور سیاسی دنیا میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسٹر میکڈونلڈ کو کسی معمولی آدمی سے سابقہ نہیں پڑے گا۔ اس بات کو محسوس کر چکے ہیں اس لئے ایسے حلقہ انتخاب کی تلاش میں ہیں جہاں کمیونسٹ جماعت کی دال نہ گلے اور یہ کثیر التعداد رایوں سے پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو جائیں۔ گذشتہ دفعہ وہ ابے راون گلمورکن کے حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے تھے اب وہ اسی حلقہ انتخاب میں اپنے کو پیش کرنے کی جرأت نہیں کر رہے ہیں کیونکہ اس دفعہ خوف ہے یہاں انکو کامیابی نہ ہو اور ان کے مخالف مسٹر ولیم پال کو کامیابی حاصل ہو جائے۔

حال ہی میں انہوں نے کارڈف میں پارٹی ڈیلیگیٹس کانفرنس میں تقریر کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا افواہ غلط نہیں اور یہ کہ مسٹر میکڈونلڈ اپنے انتخاب کے متعلق واقعی خوف زدہ ہیں۔ اس تقریر میں انہوں نے کہا کہ کئی حلقوں سے دعوت آئی کہ وہ وہاں جائیں اور وہاں سے انتخاب ہونے کے لئے کھڑے ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس معاملہ کو آپ ہی لوگ غور فرمائیں۔ آپ میرے خیالات جانتے ہیں۔ اگر آپ کوئی ایسا کیمپ دیکھ رکھیں جو نا قابل شکست اندازی ہو (یعنی جہاں ان کو مخالفت کا کھٹکا نہ ہو) مجھے اطلاع دیجئے۔ یا آپ چاہیں تو میرے لئے اور حلقوں سے بھی خط و کتابت کر سکتے ہیں۔"

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ وہ افواہ بہت کچھ صداقت رکھتی ہے۔

کیا صوبہ مدراس میں اور جامعے قائم ہوں گے

ایک افواہ ہے کہ مدراس یونیورسٹی کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا ہے جو اس بات کی تحقیقات کرے گا کہ کیا صوبہ مدراس کو اور یونیورسیٹیوں کی ضرورت باقی ہے کمیشن میں دس اراکین ہوں گے۔ جن کو نائب امیر جامعہ اور ناظم تعلیمات مدراس بھی دورہ وغیرہ میں مدد دیں گے۔

خونی عقاب

ایک جریدہ سے معلوم ہوا ہے کہ "انگلستان میں پچھلے ہفتہ ایک عقاب نے بھیڑ کے دو بچے اٹھا لئے تھے اب اس نے ایک دوسرے مقام پہ دو خاتون کو پھاڑ ڈالا ہے۔ دہقانون کا بیان ہے کہ یہ عقاب تین فٹ اونچا ہے اور اگر بازو پھیلائے تو یہ ایک سرے سے دوسرے تک دس فٹ سے کم لمبے نہ ہوں گے۔ عقاب ہوا میں اڑتا رہتا ہے اور پھر دفعتاً نیچے اتر کر بھیڑ کے بچے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔ اور اٹھا لے جاتا ہے۔

مکھیاں پکڑنے والا آلہ

حال ہی میں بجلی کا ایک نیا آلہ ایجاد ہوا ہے جس کے ذریعہ سے مکھیاں اور اس قسم کے دوسرے تکلیف دینے والے کیڑے مکوڑے آسانی پکڑے جا سکیں گے۔

بحری سائیکل

فرانس کے ایک موجد نے بحری سائیکل ایجاد کی ہے جس کے ذریعہ سے سائیکل پانی پر چلائی جا سکتی ہے گذشتہ موسم خزاں میں اس شخص نے کیلے (واقع فرانس) سے ڈوور (واقع انگلستان) تک اسی سائیکل پر رود بار انگلستان کو عبور کیا تھا۔ اور اس عبور میں صرف ساڑھے چھ گھنٹے لگے تھے۔ اب اس قسم کے سائیکل اور مقامات پر بھی بن رہے ہیں۔

بیرونی خبریں

شاہ افغانستان کی انگورہ میں مصروفیت

باشندگان شہر انگورہ کے نمائندوں نے جلالت مآب شاہ و ملکہ افغانستان کی خدمت میں ایک خوشنما مرصع دو ریشمی قالین اور دو نفیس انگوری بلیان تحفتاً پیش کیں۔ ہز میجسٹی شاہ افغانستان نے اپنی قیام گاہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے اعزاز میں ایک ضیافت کی۔

شاہ امان اللہ خان اور ملکہ ثریا عید الضحیٰ کا زمانہ قسطنطنیہ میں بسر فرمائیں گے۔

جدید اتحاد ثلاثہ

لارڈ برکنہیڈ کی نامرادی

"ڈیلی ہیرالڈ" کہتا ہے:۔ لارڈ برکنہیڈ کے خانگی سفر اور وہاں کے مد و جہد پر ممالک غیر کے جرائد برابر رائے زنی کرتے آرہے ہیں۔

"نیویارک ٹائمز" کا باخبر نامہ نگار برلن سے لکھتا ہے کہ۔ لارڈ برکنہیڈ نے اپنے قیام برلن کے زمانہ میں روس کے خلاف انگریزی فرانسیسی جرمن اتحاد کی تجویز ضرور پیش کی تھی۔

نامہ نگار مذکور یہ بھی لکھتا ہے کہ ڈاکٹر اسٹریسمن نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ٹکا سا جواب دیدیا ہے کہ روس کے متعلق جرمنی کی پالیسی میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔

نامہ نگار مذکور لکھتا ہے کہ جو تجویز اس مرتبہ پیش کی گئی تھی وہ بالکل اسی قسم کی ہے جس پر ایک عرصہ قبل جرمن پوٹاش سنڈیکیٹ کے ڈاکٹر ارنالڈ ریشبرگ نے جن کے ساتھ حال ہی میں لارڈ برکنہیڈ نے لندن میں گفتگو کی تھی زور دیا تھا۔

نامہ نگار مذکور لکھتا ہے کہ۔ یاد کیا جاتا ہے کہ لارڈ برکنہیڈ کی تجویز کو مسٹر آسٹن چیمبرلین نے پسند کیا

تھا اور نہ مسٹر بالڈون نے لیکن وہ کابینہ کے اس حصہ کے خیالات کی نمائندگی کرتے ہیں جس میں مسٹر چرچل اور سر ولیم جائنسن ہکس شامل ہیں۔

شاہ افغانستان کو صدر جمہوریہ ترکی کا تحفہ

جلالت مآب شاہ و ملکہ افغانستان کے اعزاز میں مصطفیٰ کمال پاشا نے نہایت شاندار پیمانہ پر دعوت کی اور اس موقع پر آپ کی خدمت میں غازی پاشا نے ایک تصویر طلائی فریم میں نصب کرا کے جس کے اطراف جواہر اور لعل لگے تھے تحفتہً دی۔ علاوہ ازیں ایک ترکی تلوار جس کی میان نقرئی تھی اور دستہ طلائی جواہر سے مرصع پیش کیا۔

شاہ و ملکہ افغانستان اگلے ہفتہ بحیرۂ اسود تشریف لے جائیں گے اور باطوم تک سوویٹ ہوائی بیڑہ کے ۵ جہاز آپ کی حفاظت کریں گے۔

طنجہ کانفرنس کا نتیجہ

اٹلی کے ساتھ مراعات

طنجہ کانفرنس نے جو قرارداد مفاہمت طے کی ہے اس کی رو سے اٹلی کو طنجہ کی مجلس بلدیہ میں ایک جدید نشست ملی علاوہ ازیں اٹلی کو طنجہ کی بین الاقوامی عدالت میں بھی ایک نشست حاصل ہوئی۔

قرارداد مفاہمت طے ہونے کی وجہ سے توقع کی جاتی ہے کہ اٹلی میں بین الاقوامی دستور ۱۹۲۴ء کی پابندی کرے گا جس میں فرانس اور اسپین کا معاہدہ مرتبہ مارچ گذشتہ نے اس کے مطالبات انتظامی، تشریعی و عدالتی نمائندگی کے بارے میں اطمینان بخش طریقہ پر طے کئے ہیں۔

شاہ افغانستان کی سیاحت قسطنطنیہ

جلالت مآب شاہ و ملکہ افغانستان کی انگورہ میں رونق افروزی سے اب تک غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور دیگر ترکی حکام نہایت خوش اخلاقی و خلوص سے آپ کی ضیافت اور مہمانداری کر رہے ہیں۔ آپ ۲۸ مئی روز دوشنبہ قسطنطنیہ تشریف لیجائیں گے۔

افغانی وزیر کی مراجعت طہران

افغانی وزیر طہران واپس ہو چکے ہیں وہ کریمیہ تک ہز میجسٹی شاہ امان اللہ خان کی معیت میں حاضر تھے۔

لندن کی ہندوستانی مجلس

وطن اور مذہب کی بحث

لندن کی ہندوستانی مجلس کے خطبہ صدارت میں ڈاکٹر پرانجپائی نے پر زور الفاظ میں مذہب میں ترمیم و تبدیل کی اپیل کی اور اپنا ایقان ظاہر کیا کس قدر جلد ہندوستان مغرب کے دوش بدوش ہوگا اتنا ہی بہتر ہے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے خلع خلافت کے بارے میں ترکی کے فیصلہ اور پھر جاپان، روس اور میکسیکو کا ذکر کیا ان ممالک نے کس طرح مذہب کے خلاف سخت جد و جہد کر کے مذہبی اثرات کے بغیر ترقی کی۔

آخر میں انہوں نے صاف کہدیا کہ ترقی کے لئے یہ شرط ہے کہ مذہب کو کم سے کم اہمیت دی جائے اور اس طرح فرقہ وارانہ فساد و عناد کا خاتمہ کر کے ہندوستان کے لئے روز افزوں خوش حالی و سرسبزی حاصل کی جائے۔

لارڈ برکنہیڈ اور جریدہ نگار

مجلس جریدہ نگاران کی بین الاقوامی مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے لارڈ برکنہیڈ وزیر ہند نے اس امر پر زور دیا کہ جرائد بین الاقوامی اشتراک عمل و مفاہمت میں اضافہ کر سکتے ہیں تمام امور کا نہایت موثر آلہ ثابت

ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس انجمن کو ایک ثانوی جمعیۃ الاقوام بتایا اور کہا کہ جرائد کا مجموعی اثر جو جنگ کے تجربات سے قوی اور مستحکم ہو گیا ہے زیادہ امید افزا ہے۔

مجلس ایران نے معاہدے کی منظوری دیدی

مجلس ایران نے ایران و پولینڈ کے معاہدہ مودت و تجارت اور ایران افغانستان کے معاہدہ مودت و تحفظ کو منظور کر لیا۔

اٹلی اور ترکی کا معاہدہ

اٹلی اور ترکی کے معاہدہ غیر جنبہ داری پر دستخط ہو گئے۔

شاہ افغانستان کی قسطنطنیہ کو روانگی

شاہ امان اللہ خان و ملکہ ثریا یہاں تشریف لائے اور دولمہ باغچہ میں مقیم ہیں۔ آپ بالعموم دلمیران سے عازم کابل ہوں گے۔ بلغیر اسود کا روسی ڈیوٹرن آگیا ہے۔ وہ شاہ و ملکہ افغانستان کے باطوم جاتے وقت آپ کے جلوس میں رہے گا۔

اٹلی اور یوگوسلیویہ میں ناچاقی

باہمی طمانیت کا مطالبہ

گذشتہ چند روز میں اطالوی وزیر خارجہ نے حکومت یوگوسلیویہ سے اٹلی کے خلاف مظاہروں کی بابت بار بار شکایت کی اور ہنگاموں فتنہ و فساد کی وجہ سے جو مخالف فضا پیدا ہو گئی ہے اس کو دور کرنے اور مظاہرات کی روک تھام کرنے میں پولیس کی ناکامی پر اس کو معقول سزا دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز یوگوسلیویہ میں اطالویوں کو جو نقصانات ہوئے ہیں ان کی تلافی بھی چاہی گئی ہے۔

اخبار پولیٹیکا کا بیان ہے کہ حکومت یوگوسلیویہ اٹلی میں اپنے ہم قوم باشندوں کے بارہ میں اسی قسم کی طمانیت کی طالب ہوگی۔

انگلستان میں ڈاکٹر بینٹ کی مصروفیت

بائیکاٹ کی تائید

عازم انگلستان ہونے سے قبل ڈاکٹر بسینٹ نے بدوران ملاقات کہا کہ انگلستان میں اپنے قیام کا زمانہ وہ برطانوی پبلک کے آگے بائیکاٹ کی توضیح کے لئے وقف کر دیں گی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حکومت کی جانب سے خلاف ملک تعرف کی جانب برطانوی پبلک کو بھی متوجہ کریں گی اس کے متعلق حکومتی ترغیب کے باوجود وہ اپنی طرف سے پیغام ہیں ہندوستان [illegible] پیغام یہ ہے کہ [illegible] کمیشن کا بائیکاٹ کریں جب وہ [illegible] آئے اور اس کے خلاف [illegible] کو اپنایا تاکہ جب وہ (کمیشن) دستور تیار کرے اور پارلیمنٹ اس کی منظوری دیدے تو اس پر عمل کرنے والا ہندوستان میں کوئی نہ ہو۔

شاہ افغانستان قسطنطنیہ میں

فوجی پریڈ کا معائنہ

جلالتمآب شاہ و ملکہ افغانستان نے آج صبح قسطنطنیہ میں ایک عظیم الشان فوجی پریڈ کا معائنہ کیا۔ سہ پہر میں جہاز "ازمر" پر سوار ہو کر باطوم روانہ ہوئے۔ یہاں سے روس کا بیڑہ متعینہ بحیرہ اسود آپ کی معیت میں رہے گا۔

ایران شاہراہ ترقی پر

طلبہ کی یورپ کو روانگی

مجلس نے آج مسلسل چھ سال تک سالانہ ایک سو طلبہ کی مختلف سائنس کی تعلیم دلانے کی غرض سے یورپ بھیجنے کی تائید میں ایک مسودہ منظور کیا۔ ہر ایک لڑکے کے لئے سالانہ ایک لاکھ تومان مختص کر دئے گئے ہیں۔

ایران و عراق کا مسئلہ

برطانیہ کا اصرار

سر آسٹن چیمبرلین وزیر خارجہ نے دار العوام میں ایک استفسار کے جواب میں بیان کیا کہ موجودہ حکومت عراق کو تسلیم کرنے کے لئے ان کے اپنے مفاد کے تحت کئی مرتبہ ایران کو متوجہ کرایا گیا۔ اگر ایسا کیا جائے تو سلطنت کے ساتھ ایران کے تعلقات مستحکم بنیاد پر قائم ہو جائیں گے۔ مگر آج تک حکومت ایران نے اس باب میں کوئی کارروائی نہیں کی۔

ایران پر جبر نہیں

دار العوام میں بعض سوالات کے جواب میں سر آسٹن چیمبرلین نے کہا کہ معاہدہ ایران و انگلستان میں یہ شرط نہیں تھی کہ ایران عراق کی موجودہ حکومت کو تسلیم کرے۔

ایرانی بندرگاہوں میں برطانوی جہاز

مسٹر سکلت والا کے استفسار کے جواب میں سر آسٹن چیمبرلین یوں گویا ہوئے کہ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان میں جو معاہدہ طے ہوئے وہ ایرانی بندرگاہوں میں برطانوی جنگی جہازوں کی آمد و رفت سے بحث نہیں کرتے غیر سرکاری طور پر ۱۹۲۳ء میں جو انتظام کیا گیا تھا اس میں صرف یہ قرار پایا تھا کہ حکومت ایران کو ان تمام برطانوی جہازوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا جائے جو خلیج فارس میں ہوں اور حکومت ایران اس اطلاع کے بعد اپنے مقامی حکام کو کہہ دیگی کہ ان جہازوں کی ایرانی آمد و رفت خلاف منشاء سرکار نہیں ہے۔

فلسطین میں نوجوان مسلمانوں کی انجمن

مسلمان نوجوانوں کی ایک انجمن جو بالکل غیر سیاسی اصول و ضوابط کے تحت ہوگی اس مقصد کے ساتھ قائم کی گئی ہے کہ فلسطین کے مسلمان نوجوانوں کو جدید ترقی یافتہ نصب العین کے درجہ اعلیٰ پر فائز کیا جائے۔

ایرانی قرضہ کا مسئلہ

دار العوام میں کمانڈر کنوردی نے حکومت ایران و برطانیہ کو واجب الادا قرضہ کے بارے میں استفسار کیا۔ اس کے جواب میں مسٹر لاکر لیمسن نائب وزیر خارجہ نے بیان کیا کہ حکومت ایران نے اس رقم کے متعلق جو ہم قبول کرنے تیار ہیں انتظامات کرنے کہا مگر اب تک ادا نہیں کی۔

طنجہ کانفرنس

طنجہ کے متعلق انگلستان فرانس اور اٹلی میں جو مجلس مشاورت ہوئی تھی وہ کسی نتیجہ کو پہنچ گئی اور اس کی کارروائی متعلقہ حکومتوں کے آگے بغرض توثیق روانہ کی جا رہی ہے۔

تیل کے دو نئے چشموں کی برآمد

خانی خان آئیل کمپنی نے جو اینگلو پرشین آئیل کمپنی کی ایک معاون ہے، دو کنوئیں برآمد کئے ہیں جن سے روزانہ چار لاکھ بیالیس ہزار گیلن تیل نکلتا ہے دونوں کنوئیں کمپنی کے ہاتھ میں ہیں۔

(ترجمہ رہبر)

لوائف ہند

عمر خیام کے والد کے مخطوطات

کلکتہ ۳۰ مئے - مسٹر جسٹس بک لینڈ کے اجلاس پر مسٹر بشیر علی نے مسٹر مصطفی علی کے خلاف جو مقدمہ دائر کیا ہے اس کا تعلق دو نادر فارسی قلمی کتب سے ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عمر خیام کے والد کے لکھے ہوئے ہیں یہ قلمی نسخے سونے کے پانی سے لکھے ہوئے ہیں مستغیث کا بیان ہے کہ اس نے مدعی علیہم کے ان یہ قلمی نسخے ٦٥٠ روپیہ پر رہن رکھوائے تھے الحد مالیعالنہ کہ اب ان کو فروخت کر دینا چاہتے ہیں - زج نے ان دونوں نسخوں کو عدالت میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے -

جامعہ کلکتہ کی خطرناک حالت

کلکتہ ٢٦ مئے - سر آتوش جی آنجہانی کے کارناموں کی ستائش کرنے کے لئے جو جلسہ منعقد کیا گیا تھا اس میں ڈاکٹر سی - دی راسن نے تقریر کرتے ہوئے بزور کہا کہ جامعہ کلکتہ کو آج یہ خطرہ درپیش ہے کہ وہ ہندوستان میں پانچویں درجہ کی جامعہ ہو جائے گی جامعہ کلکتہ جہالت کے سموم بادلوں سے گھرتی نظر آرہی ہے۔

مسٹر ہارٹ شارن اب ہندوستان نہ آئیں گے

لاہور ۳۱ مئے "سیول اینڈ ملٹری گزٹ" کا نامہ نگار لندن سے اطلاع دیتا ہے۔

سمجھا جاتا ہے کہ مسٹر ہارٹ شارن نے سیمن کمیشن کے ساتھ ہندوستان واپس نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ انہیں اپنے حلقہ انتخاب کے سیاسی اثرات کی وجہ سے اپنی پارلیمنٹی نشست کا یقین نہیں ہے۔ نامہ نگار مذکور کہتا ہے کہ یہ فیصلہ مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔

ہندوستانی تعلیم کا مسئلہ

ارکین کمیٹی کے انتخاب کا اعلان

شملہ ۳۱ مئے - ایک اطلاع مظہر ہے:-

ہندوستانی دستوری کمیشن نے ایک امدادی کمیٹی کے تقرر کا تصفیہ کیا ہے جو برطانوی ہند میں تعلیم ترقی کے مسئلہ کی تحقیقات اور اس کے متعلق رپورٹ پیش کرے گی کمیٹی ترقی تعلیم کے متعلق امدادی کمیٹی کے نام سے موسوم ہوگی اس سے کہا جائے گا کہ وہ ۱۵ ڈسمبر تک اپنی رپورٹ مکمل کر کے کمیشن کے آگے پیش کرے۔

اس کمیٹی کے ارکین حسب ذیل ہوں گے:-

سر فلپ ہارٹاگ سی، آئی ای رکن پبلک سروس کمیشن سر لیوی ایمرسٹ سلبی بانیگ یاریٹ لا کے سی، بی سابق مستقل معتمد مجلس تعلیمات، سر سید سلطان احمد وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی سر جارج اینڈرسن سی، آئی، ای ناظم تعلیمات پنجاب، دیوان بہادر نرندر ناتھ رکن مجلس تشریعی پنجاب - مسز میتھو لکشمی ریڈی نائب صدر مجلس تشریعی مدراس - مسٹر آر ایم اسٹاہیم انڈین ایجوکیشنل سروس اس کمیٹی کے سکرٹری مقرر کئے گئے ہیں۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کو مہاراجہ آلور کا مشورہ

کوہ آلو ۳۱ مئے - جے ویلاس میں کل عید منائی گئی جب کہ ہز ہائی نس مہاراجہ آلور نے اپنے مسلم عہدداروں مسلم رعایا اور کوہ آلو کے باشندوں کے ساتھ کھانا کھایا مسلمانوں اور ہندوؤں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے اختلافات ڈبو دیں اور بھائی بھائی کی طرح متحد ہو جائیں۔

بٹلر کمیٹی کے کاروبار

لندن یکم جون - اس وقت تک صرف بیس دیسی ریاستوں نے جن میں ریاست اور مدت حیدرآباد اور میسور بھی شامل ہے - اب بٹلر کمیٹی کے آگے پیش کر دیا ہے۔

تقریباً (٦٠) ریاستوں نے جن میں کشمیر، بھوپال گوالیار، بیکانیر اور پٹیالہ بھی شامل ہیں اپنے خیالات واظہار کمیٹی کے آگے پیش نہیں کئے مگران ریاستوں کی نمائندگی سر لزلی اسکاٹ ایوان روسار ہند کی جانب سے کرنے والے ہیں۔

افغانستان کو دریائی راستے کی ضرورت ہے

راجہ مہندر پرتاب کا مکتوب

راجہ مہندر پرتاب ٹوکیو کے جاپان اڈورٹائیزر میں لکھتے ہیں کہ آپ کو جو خط لکھنے کا مقصد آپ کے افتتاحیہ کے متعلق جو زیر عنوان امان اللہ یورپ میں شائع ہوا ہے ناچیز اظہار قدر دانی اور اس کا اقرار کرتا ہے کہ اس مضمون میں آپ نے ایشیائی مظلوم قوموں کی ایک عنایت آمود خدمت انجام دی ہے۔

افسوس کے ساتھ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ جنگ عظیمی میں جرمنی نے متحد اسلامی وایشیائی قومی حکومتوں سے زیادہ ایشیائی واسلامی ممالک کو مدد دی تھی۔ جنگ کے بعد سوویٹ روس نے جس کو بہت کچھ برا بھلا کہا جاتا ہے چین ہندوستان اور مسلم ممالک کے متعلق ان کے فطری دوستوں اور بھائیوں سے زیادہ ہمدردی کا طرز عمل ظاہر کیا - اب انگلستان میں آپ نام نہاد سفید قوم کی بیداری کو دبا دینے اور صرف مبنی بر صداقت معاملہ کی امداد و تائید کے لئے راست باز انسان کی طرح نکل آئے ہیں - اس سلسلہ میں آپ کے تلطف آمیز اور شرافت آمود طرز عمل کی قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

میں آپ سے یہ التجا بھی کرتا ہوں کہ آپ میرے خیال کی بھی تائید اور میرے معاملہ کی حمایت کریں محض راستی وصداقت کی خاطر آپ براہ کرم یہ خبر شائع فرما دیجئے کہ میں افغانی قاصد نہیں ہوں اور یہ کہ میں نے یہ نہیں

کہا کہ افغانستان ایشیائی مقصد کی خاطر آئندہ اپنے آپکو ہندوستان سے ملحق کر دینا چاہتا ہے میں نے کہا تھا کہ افغانستان ان افغانی قبائل کو ضم کرلینا چاہتا ہے جو ہندوستانی سرحد پر رہتے ہیں اور وہ ایک دریائی راہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے - اور میں نے اس نقطہ پر زور دیا تھا کہ ہندوستانی قومی رائے اس خواہش پہ معترض نہیں ہے - واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ افغانی قبائل ایک ایسے آزاد علاقہ میں رہتے ہیں جو ہندوستان کا جزو نہیں ہے اور اگر افغانستان بلوچستان کی راہ سے سمندر تک پہنچ جائے تو ہندوستان کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔

آخر میں اس امر کی توضیح بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ حالانکہ میں ایشیا کے مقصد اور مظلوم اقوام کی پر جوش خدمت کرتا ہوں لیکن کوئی خاص فرقہ یا نسل نہیں ہے مجھے بنی نوع انسان سے محبت ہے میں اپنے آپ کو بنی نوع انسان کا خادم کہتا ہوں - اگر میں ایک قسم کی ایشیائی بیداری کی حوصلہ افزائی و تائید کرتا ہوں تو اس کا مقصد اور پائیت و امریکا یت کے احساس و بیداری و اشد ان کو مقابلہ کرنا ہے۔

مجھے امید ہے کہ بہتر ملکات کے لوگ متحد ہو جائیں گے اور نسل انسانی کو اپنے سوسائٹی کے بر سے عنصر سے بچالیں گے۔ (ترجمہ رہبر دکن)

سرحد پر جنگی استحکامات

ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر برطانیہ نے جس وسیع پیمانہ پر فوجی استحکامات کا جال بچھا یا ہے وہ بہت اغلب خطرہ پیدا کر رہے ہیں کہ کہیں یہ بے کس اور معصوم علاقہ جنگ کی آماجگاہ نہ بن جائے۔

جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے آزاد ماورائے سرحد کی کامل تسخیر اور اسے کھولنے والی عالمگیر جنگ کے لئے مستحکم محاذ بنانے کا آخری اور قطعی فیصلہ کر لیا - یہ اس لئے نہیں تھا کہ ماورائے سرحد جنگ کے دوران عظیم میں محض اس لئے کہ کوئی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئے تھے - بلکہ محض اس لئے کہ ایک تو جنگ عظیم کی فتح کا گھمنڈ تھا اور دوسرے غریب روسی مزدوروں کے سرمایہ کش اقتدار کے خاتمہ کے خواب تھے جب اینگل ڈیکن اور کولچک بالشویکی اقتدار کے خاتمہ کی کوششوں پر ناکام ہو کر خود ذلیل و خوار ہو گئے تو شمال مغربی سرحد ہند کے استحکامات اور زیادہ ضروری خیال کئے گئے۔

اسی پالیسی کے ماتحت ان غریب ہندوستانیوں کا جن کی یومیہ اوسط آمدنی تین پائی کے قریب ہے۔ کروڑوں روپیہ نہایت بے دردی اور سنگدلی سے سرحد کے واہیات پہاڑے آزاد علاقہ وزیرستان کے گلے میں طوق غلامی ڈالنے کے لئے خرچ کیا گیا - اور ہزاروں کالے ہندوستانی اس جنگ میں ہلاک کر دیئے ہیں۔ مگر برطانوی سرمایہ داروں کا مقصد حل ہو گیا - وزیرستان میں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا رزمک وغیرہ میں بہت بڑے بڑے قلعے تعمیر کئے گئے ہوائی جہازوں کے فرودگاہ بنائے گئے وزیری قبائل کو مواجب کے ذریعہ حلقہ بگوش بنا لیا گیا - سڑکوں کے ٹھیکے کروڑوں روپے کی شکل میں سر برآوردہ افراد کو دے کر ان کی زبان بندی کر دی گئی اور اس طرح وزیرستان کی تخریب کا عمل پورا ہو گیا توسیع سلطنت کی اس ہوسناکی پر وزیرستان میں ہندوستانی خزانہ کا جو مجرمانہ اسراف کیا گیا - اس کا اندازہ ایک بڑے انگریز افسر کے ان الفاظ سے لگایئے کہ وزیرستان کی سڑکوں پر اتنے روپیہ خرچ ہوئے جتنے جمع کر کے ایک سڑک کے فرش کا کام دے سکتے ہیں۔

اس اسراف کا سیاسی پہلو اس سے بھی اہم تر ہے اس وقت شمال مغربی سرحد گلگت سے لیکر بلوچستان کی جنوبی حد تک فوجی استحکامات سے پٹی پڑی ہے - صوبۂ سرحد تو ایک طرف ماورائے سرحد میں بھی سڑکوں کا جال بچھایا گیا ہے چھوٹے مقامات تک پختہ سڑکیں لاریوں اور موٹروں کی آمد و رفت کے لئے موجود ہیں جہاں بآسانی فوجوں اور رسد کی رسائی ہو سکتی ہے - ماورائے سرحد کی ریاستیں برطانوی علاقہ سے بڑھکر برطانیہ کے لئے بہ خدمت انجام دے رہی ہیں چترال اور سوات جہاں کسی وقت انگریزوں کا گزر ناممکن سمجھا جاتا تھا - اب لاریوں اور موٹروں کے پامال علاقے ہیں تمام چھوٹے بڑے دریاؤں پر پختہ پل باندھے جا رہے ہیں - ٹیلیفون اور تار کا سلسلہ وسعت پذیر ہے - ہر چند میل کے فاصلہ پر جدید اسلحہ جات حرب سے مسلح افواج کے صدر مقام اور مضبوط قلعے بن گئے ہیں - ہوائی جہازوں کے لئے سرحد کے بہت سے مقامات پر فرودگاہیں ہیں جن پہ ریلوے افواج کے لئے چند گھنٹوں میں راولپنڈی سے افغانستان پہنچنا آسان کر دیا ہے - وزیرستان کے جدید مواصلات نے ہندوستان کو ایران سے ملحق کر دیا ہے۔

وزیرستان میں مکڑیوں کی طرح فوج نظر آتی ہے - صوبۂ سرحد کے ہر ضلع کا صدر مقام فوجوں کی ایک زبردست چھاؤنی ہے تاکہ آزاد سرحد کی تخریب اور آئندہ جنگ میں تمام انتظامات مکمل ہوں اور افواج کی بہم رسانی اور نقل و حمل میں کسی قسم کی دقت نہ ہو - غرض کہ شمال مغربی سرحد کا (جس سے صوبۂ سرحد شمال مغربی اور ماورائے سرحد دونوں مراد ہیں) اس وقت چھوٹے پیمانہ پر ہینڈنبرگ لائن کا نقشہ پیش کر دیا ہے - تمام انتظامات ایک جدید ترین محاذ جنگ کے ہیں اور طرفہ ستم یہ ہے کہ یہ محاذ مدافعتی اغراض کے لئے نہیں بلکہ جارحانہ اقدام کے لئے ہے چونکہ افغانستان روس اور ایران کی حدود اس محاذ کے متصل ہیں - ان کے دلوں میں قدرتاً ان جنگی [illegible]مات نے خوف و اشتباہ اور غصہ و اشتعال پیدا کر دیا ہے [illegible] روس تو ان میں برطانیہ ساست جنگ کی تیاریاں سمجھتا ہے - [illegible] افغانستان بھی اپنے لئے ایک عظیم خطرہ پاتا ہے کیونکہ روس برطانیہ [illegible] میں ان جنگی استحکامات کا پہلا حملہ کہیں افغانستان پر [illegible] جائے اس وقت افغانستان کی پوزیشن بہت تشویش [illegible] ہے آج سنہ ۱۹۱۸ء والا لجیم ہے اور روس کے ساتھ ذرا اچھے تعلقات قائم کرتا ہے تو برطانیہ کے تیور بدل جاتے ہیں - اور اگر برطانیہ کی حمایت کا دم بھرتا ہے تو روس اسے ملوکیت کا پرستار قرار دیتا ہے - اس کے لئے تیسری صورت یہ ہے کہ غیر جانبدار رہے لیکن یہ قوت کا دور ہے - الفاظ وحق جب بھی قوت راستے میں حائل ہوں انہیں پیس دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا - بلجیم کا سنہ ۱۹۱۴ء میں جو حشر ہوا وہ دنیا سے پوشیدہ نہیں افغانستان کے موجودہ با اقبال اور روشن ضمیر بادشاہ کی سیاحت یورپ میں بھی بہت بڑی حد تک افغانستان کی زندہ پوزیشن مستحکم کرنے کی غرض سے ہے - انگلستان نے اعلیٰحضرت شہریار کابل کا جو عدیم النظیر استقبال کیا ہے وہ بھی اس غرض سے تھا کہ افغانستان آئندہ جنگ میں برطانیہ کا حلیف ہو اسی طرح روس نے بھی بالشویکی روایات کے خلاف ایک بادشاہ کا بڑھ چڑھکر استقبال کر کے اسے اپنا حلیف بنانے کے لئے کیا۔

ہم نے آج سے چند ماہ پیشتر جس خطرہ کا اظہار کیا تھا وہ فری پریس کے ایک تازہ تار سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یعنی افغانستان میں برطانیہ کے شمال مغربی سرحد کے استحکامات کو بعید اشتباہ و خوف کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور روس پہلے سے ان تیاریوں کو اعلان جنگ کا پیش خیمہ خیال کرتا ہے اس لئے اب خطرہ بہت بڑھ گیا ہے - برطانیہ کی یہ سرحدی پالیسی دنیا کے خرمن امن میں جنگ کا شرارہ پھینک کر دنیا کو جلد عالمگیر جنگ کا کھیل بنا دے گی یہ کوئی دور از کار تخیل آرائی یا امکانی قیاسات نہیں بلکہ سادے حقائق ہیں۔

نکاح پر ٹیکس

اخبار الوحید کراچی کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ ریاست خیر پور (سندھ) کے ہوم ممبر نے ریاست کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی غرض سے اعلان کیا ہے کہ آئندہ جو مسلمان شادی کرے وہ پہلے بطور ٹیکس کے ایک روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل کرے بغیر اس کے نکاح کی اجازت نہ ہوگی - اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے پر دس روپیہ جرمانہ کیا جائیگا۔

پروفیسر کی خودکشی

پروفیسر ہری لال مادھوجی بھٹ ایم اے قائم مقام پرنسپل بہاؤالدین کالج جوناگڑھ نے کاربولک ایسڈ کو پیکر اپنے گلے کو کاٹ ڈالا - معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خاندانی جھگڑوں سے تنگ آکر خودکشی کی ہے متوفی کئی سال بمبئی یونیورسٹی کے ممتحن رہے - چونکہ آپ بہت مشہور شخص تھے اس لئے آپ کے وفات سے طلبا اور دوستوں کو بہت رنج پہونچا ہے۔

(سنجات)

مقامی خبریں

رکن ہائیکورٹ کے صاحبزادے کا عقد

بتاریخ ۱۶ اردیبہشت ۱۳۳۲ ف پنڈت گیر راؤ صاحب رکن ہائیکورٹ کے فرزند کا عقد ہوا ۔ خدا مبارک کرے۔

کنو پرسد کا چندہ

مندرجہ ذیل اصحاب نے کنو پرسد کے لئے حسب ذیل چندہ عطا فرمایا ہے۔

(۱) پنڈت نارائن راؤ وکیل درجہ اول محبوب نگر (عما رعہ)
(۲) پنڈت دھونڈو راؤ دیسپانڈیہ تانڈور (لعہ)
(۳) پنڈت شنکر راؤ صاحب پیشکار تانڈور (عہ)
(۴) سریمتی چندو بائی دیسپانڈیہ تانڈور (عہ)
(۵) پنڈت لکشمن راؤ نایک چیتاپور (لعہ)
(۶) پنڈت گنڈو راؤ نایک چیتاپور (عہ)
(۷) پنڈت کشن راؤ نایک ونڈ وتی (عہ)
(۸) پنڈت نرسنگ راؤ نگا ونگر چیتاپور (لعہ)

رحلت نواب سردار یار جنگ

افسوس کہ نواب سردار یار جنگ بہادر کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تقررات دفتر صدر محاسبی

رائے شنکر پرشاد صاحب مددگار صدر محاسب سرکار عالی کے لئے حسب الحکم مہاراجہ صدر اعظم بہادر (دالسہ تا السہ) کے ایک منتخب گریڈ کی جائداد منظور کی گئی زائد صرفہ کی اجرائی اس وقت تک بجٹ سررشتہ سے ہوگی جب تک کہ مسٹر بیلی نائب معتمد فینانس اپنی جگہ کو نہ خالی کر دیں۔ شنکر رائے صاحب اب نائب صدر محاسب نامزد ہوں گے ۔

امتحانات مسلم یونیورسٹی

اطلاع ملی ہے کہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے امتحان بی، ایس، سی، میں حسب ذیل حیدرآبادی امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔

چیف انجنیر کی صاحبزادی کا عقد

معلوم ہوا کہ نواب علی نواز جنگ بہادر چیف انجنیر و معتمد تعمیرات و آبپاشی کی صاحبزادی کا عقد ڈاکٹر غلام محی الدین صاحب پی، ایچ، ڈی مددگار ناظم جنگلات سے ہوا۔ ضیافت کے انتظامات اعلیٰ پیمانہ اور سلیقہ کے ساتھ کئے گئے تھے۔ سر کشن پرشاد بہادر صدر اعظم باب حکومت اور دوسرے اکثر عہدہ دار مدعو تھے۔

تقررات محکمہ کوتوالی بلدہ

میجر امیر سلطان صاحب نے مولوی محبوب علی صاحب سے اول مددگاری کوتوالی بلدہ سرکار عالی کا جائزہ حاصل کیا۔

نتائج نظام کالج

نظام کالج سے حسب ذیل طلبا امتحان بی، ایس، سی، میں کامیاب ہوئے:۔ (۱) بھگوان تم، (۲) چیدم برم۔ (۳) رگھوناتن، (۴) لکشمی کانتم، (۵) سید عبدالقادر (۶) سید کلیم اللہ قادری، (۷) رادھیکا پرشاد، (۸) وینکٹیشر راؤ، (۹) وینکٹ رامن، (۱۰) تمبھی راجہ، (۱۱) سومیشور راؤ۔

سمستان گدوال کا وارث

مہارانی صاحبہ سمستان گدوال کو نواسہ تولد ہوا خدا مبارک کرے۔

آبکاری کے متعلق ایک شکایت

صدر المہام مال کی خدمت میں اس مضمون کی ایک درخواست پیش ہوئی ہے کہ سکندرآباد کے ستاجرین آبکاری ہر سال ایک کثیر رقم مساوی (۷۷۶۱۵) روپیہ خرچی تاوان کے نام سے سرکار عالی سے حاصل کرتے ہیں معلوم ہوا ہے کہ صدر المہام مال جو محکمہ آبکاری کے بھی انچارج ہیں اس معاملہ کی تحقیقات کر رہے ہیں۔

(انڈین ڈیلی میل)

ڈاکٹر مین کی مصروفیت

ڈاکٹر ہارولڈ مین نے ضلع اورنگ آباد میں رقبہ جات لائق کاشت میوہ کا معائنہ کر کے سرکار میں تحریک کی ہے کہ اورنگ آباد اور دولت آباد کے تاریخی مقامات میں کاشت میوہ کو از سر نو ترقی دی جائے ۔ انہوں نے رائے ظاہر کی ہے کہ یہاں کی زمین کاشت کے لئے نہایت موزون ہے لیکن قلت آب سد راہ بنی ہوئی ہے جس کے لئے محکمہ آبرسانی کے ذریعہ تعمیر اپتار کا کام شروع کروایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر مین ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام اضلاع میں کاشت میوہ کو ترقی دینے کے حامی ہیں ان کی رائے میں تاریخ انجیر اور امرود ہر جگہ کاشت ہو سکتے ہیں اور انگور زیادہ تر سیراب مقامات میں۔

کتب خانہ جگدیش سبھا

منتری کتب خانہ جگدیش سبھا اطلاع دیتے ہیں کہ راجہ گوبند پرشاد صاحب جاگیردار نے کتب خانہ کا معائنہ فرمایا اور اظہار خوشنودی فرمائے۔ اور کتب خانہ کو ایک الماری اور کئی کتب ہندی اردو دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ سبھا صاحب موصوف کا دلی شکریہ ادا کرتی ہے۔

حیدرآباد سول سروس

حسب ذیل امیدواروں کا انتخاب حیدرآباد سول سروس کمیٹی امتحان مقابلہ حیدرآباد سول سروس کیلئے عمل میں آیا ہے جو ۱۲ ارجون ۱۹۲۳ء کو بمقام نظام کالج منعقد ہوگا۔

(۱) سید علی حسین خان، (۲) سید محمد ابراہیم رضوی، (۳) ناگیشر پرشاد (۴) احمد عبدالحمید، (۵) سید غلام افضل، (۶) محمد عبدالرزاق (۷) میر ظہور الدین، (۸) محمد مظہر حسین، (۹) غیاث الدین احمد (۱۰) سید نظام الدین احمد (۱۱) غلام محمد، (۱۲) محمد بہاء الدین (۱۳) بم کرشنا ریڈی، (۱۴) ابوالمکارم فیض محمد صدیقی (۱۵) سید کریم اللہ، (۱۶) نبی الحسن، (۱۷) اشرف حسین خان (۱۸) حبیب احمد فاروقی (۱۹) رضی الدین احمد، (۲۰) مرزا احمد علی بیگ، (۲۱) سید محمود حسین، (۲۲) ابوالنصر فتح اللہ (۲۳)

(۱) سید کاظم، (۲) محمد محمود اللہ، (۳) محمد شجاع الحق۔

محمد عثمان (۲۴) خواجہ نظام الدین حسن (۲۵) ایم رشید محی الدین۔ (۲۶) عبدالرزاق لجیدہ (۲۷) محمد بدر الدین (۲۸) میر وزارت علی خان (۲۹) سید کلیم اللہ قادری (۳۰) میر فہمی علی (۳۱) بشیر احمد طاہر (۳۲) ین کو ذ نڈارا مارا ؤ (۳۳) مرزا محی الدین بیگ (۳۴) عروج احمد خان (۳۵) کے وہر ما پال (۳۶) نواب علی خان۔

راجہ راے رایاں بہادر کی صاحبزادی کی شادی

بتاریخ ۲۲ تیر ۱۳۴۵ف راجہ راے رایاں بیکنٹھ باشی کی صاحبزادی یعنے راجہ شام راج بہادر کی ہمشیرہ صاحبہ کی شادی کی تقریب ادا ہوئی۔ راجہ شام راج بہادر کی جانب سے معززین بلدہ اور عہدہ داران سرکار عالی میں سے اکثر اصحاب کو دعوت دی گئی تھی۔ راجہ صاحب نے مہمانوں کو خود اپنے ہاتھ سے ہار پہنائے۔ اس تقریب کی دلی تہنیت راجہ صاحب ممدوح کی پیش کی جاتی ہے۔

امداد بیوگان

کچھ عرصہ پہلے حضرت اقدس و اعلیٰ نے کوتوالی بلدہ کو حکم دیا تھا کہ وہ بلا لحاظ مذہب و ملت شہر کے غیر مستطیع بیوگان کے ناموں کی ایک فہرست مرتب کرکے پیش کرے اس حکم کی تعمیل ہونے پر حضرت اقدس و اعلیٰ نے جمعہ ۲۵ ماہ گزشتہ کو ایک فرمان صادر فرمایا ان کے بیوگان کے حین حیاتی وظائف مقرر فرما دیئے۔

انتقال نواب یزد جنگ بہادر

ہم نے افسوس کے ساتھ سنا کہ نواب یزد جنگ بہادر برادر نواب سر فریدون الملک بہادر نے بتاریخ ۲۲ تیر ۱۳۴۵ف دوپہر کو وفات پائی۔

علالت نواب عقیل جنگ بہادر

نواب عقیل جنگ بہادر علاج کے لئے بتاریخ ۲۶ تیر ۱۳۴۵ف بعزم انگلستان روانہ ہوئے۔

مسٹر رستم جی فریدوں جی

مسٹر رستم جی فریدوں جی ناظم روڈ گیری بتاریخ ۲۴ تیر ۱۳۴۵ف کو ماول ؟ ادر روانہ ہوئے جہاں وہ کچھ دن شیر کے شکار میں بسر کریں گے۔

یوتھ کانفرنس

عنقریب حیدرآباد یوتھ کانفرنس کا افتتاح رزیڈنسی بازار میں مسز سروجنی نائیڈو کی آمد کے بعد عمل میں آئے گا۔ مسز موصوفہ کانفرنس مذکور میں تقریر کریں گی۔

اتھلیٹک اسوسی ایشن

اتھلیٹک اسوسیشن کے لئے کھیل کا کوئی میدان

تھا اس نے نواب ولی داد خان صاحب جمعدار نظم جمعیت کی زمین جو زیر نگرانی کورٹ آف وارڈس ہے (صہ) کا مانہ کرایہ پر حاصل کی گئی۔

تقاریر انجمن مسلم اتحاد

معتمد صاحب انجمن حیدرآباد مسلم اتحاد اطلاع دیتے ہیں کہ میٹرک کے طلبا کے تقریری مقابلہ میں حسین عطا اللہ و ضیا من محمد خان علی الترتیب اول و دوم آئے۔ ۲۹ تیر کو نواب ناظر یار جنگ بہادر کی صدارت میں کالج کے طلبہ کا تقریری مقابلہ ہوگا۔

فٹ بال

بتاریخ ۲۹ تیر ۱۳۴۵ف شام کے چار بجے سٹی افغان بی ٹیم و فورتھ انفنٹری کا مقابلہ ہوا جس میں آخر الذکر پانچ گول سے کامیاب ہوئی آج شام کے پونے چھ بجے سے شائننگ اسٹارس و جہان نما الکر کے مابین مقابلہ ہونے والا ہے۔

تقاریر انجمن مسلم اتحاد

انجمن حیدرآباد مسلم اتحاد میں کالج کے طلبہ کے درمیان مقابلہ تقاریر ہوا احمد عبداللہ المسدوسی اور عبدالرحمن صاحب رئیس متعلمین عثمانیہ کالج علی الترتیب اول و دوم آئے۔ آج جلسہ سالانہ بصدارت نواب اکبر یار جنگ بہادر رکن ہائیکورٹ بوقت چار ساعت شام بمکان انجمن واقع بازار گھانسی منعقد ہوگا۔

نتائج بمبئی میٹرک

مدرسہ ادر ... سے اس سال سات طلبہ بمبئی کے امتحان میٹرکیولیشن میں شریک ہوئے تھے جن میں سے تین طلبہ کامیاب ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) گنیش ا پٹے
(۲) بالکشن بھٹ
(۳) بہتماناس کا پولکر

آصف آباد میں آگ

خبر ہے کہ آصف آباد میں ۱۷، ۱۸ و ۱۹ تیر ۱۳۴۵ف کو شدت سے آگ لگی لوگ بہت پریشان ہوئے۔ خس پوش مکانات تو جل کر خاک ہوگئے اس کے ساتھ پختہ مکانات کا بھی بہت کچھ حصہ جل گیا۔ لوگوں کو غلہ وغیرہ ملنا مشکل ہوگیا۔ صنعت صاحب نے آگ فرو کرنے کا انتظام اور مصیبت زدہ لوگوں کے کھانے وغیرہ کا انتظام بذریعہ ایک کمیٹی کے کیا۔

سکندرآباد کلب میں ایک حادثہ

گذشتہ پنجشنبہ کو سکندرآباد کلب میں ایک شدید حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈریسنگ روم کے چھت کی درستی عمل میں آرہی تھی اور کارکن ایک بڑی تپائی پر کھڑے ہوئے سمنٹ کا ایک بڑا تختہ اٹھا رہے تھے کہ تپائی پھسل گئی اور تمام مزدور معہ تختہ کے نیچے گر پڑے ان میں سے ملیا اور امیا دو اشخاص کو ضرر شدید پہنچا جن کو لالہ گوڑہ ہسپتال پہونچا دیا گیا۔ رامیا پرسوں ہسپتال میں فوت ہوگیا لیکن ملیا روبصحت ہے۔

انجمن انصار الصفہ

انجمن انصار الصفہ (شعبہ یوم الاطفال) سمت مغلپورہ کا سالانہ اجلاس بصدارت مولوی میر صاحب علی صاحب ناظم اول عدالت دیوانی بلدہ بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ منعقد ہوا۔

ہندو سبھا کا جلسہ

ملک معظم کی سالگرہ ادی ہندو سبھا کے زیر اہتمام ۳ جون روز کلشنبہ کو منائی جائے گی۔ ملک معظم کی تصویر کا جلوس بھی نکالا جائے گا اور اس سلسلہ میں جمشید ہال سکندرآباد میں ایک پبلک جلسہ بھی ہوگا۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

چندہ

سرکار سے سالانہ چوبیس روپیہ امراؤ روساسے سالانہ پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ ے سہ ماہی عال

ششماہی ہے فی پرچہ ۲/۶/۴

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ پندرہ شلنگ

ششماہی آٹھ شلنگ

سہ ماہی چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منتظم اخبار کو مخاطب فرمایئے

(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔

(۳) خط و کتابت میں نشان خریداری ضرور تحریر فرمایئے۔

(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ شاعت سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع فرمایئے۔

(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحے کے حجم پر شایع ہوگا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شایع ہونگی۔

منتظم نظام گزٹ

سید عبدالقادر تاجر کتب مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چارمینار حیدرآباد دکن میں طبع کر کر شائع کیا

رجسٹرڈ سرکار آصفیہ نشان (٦١)

نظام گزٹ

عدد ٢٥
جلد ١

مدیرین
سید وقار احمد ایم اے
محمد حبیب اللہ رشدی ایم اے

مضمون خاص

نہرو کمیٹی

ہمارے معزز خریداروں کو خوشخبری

اکثر معزز شایقین حضرات کو یہ شکایت تھی کہ کتبخانہ ہذا سے غیر متعلقہ اشیاء کی سپلائی نہیں کیجاتی اب چونکہ شایقین حضرات کی اس شکایت کو رفع کرنے کے لئے حسب ذیل قواعد مقرر کرتے ہوئے عام طور پر اعلان کیا جاتا ہے کہ خواہ وہ بیوپاری ہوں یا عام خریدار غیر متعلقہ اشیاء جو ضرورت ہو طلب فرماسکتے ہیں بازاری نرخ سے بکفایت روانہ ہوں گے البتہ ذیل کے اشیاء کی روانگی میں مجبوری ہے۔

(۱) وہ اشیاء جو سررشتہ ٹپہ کے قواعد کی رو سے ممانعت ہو۔ (۲) وہ اشیاء جو اثنار راہ میں سڑنے یا گلنے یا کی نوعیت بدلنے کا احتمال ہو۔ (۳) آرڈر کے ہمراہ اشیاء مطلوبہ کی کامل صراحت معہ نام و سائز و قسم ہونی چاہئے ورنہ عدم روانگی کی شکایت معاف (۴) آرڈر کے ساتھ اپنا نام و عہدہ و مقام بصراحت تعلقہ ٹپہ خانہ و ضلع صاف خط میں ہونی چاہئے اگر ریلوے اسٹیشن قریب ہو تو اُس سے بھی ایما کیا جائے اور اُس کی بھی صراحت ہو کہ ذریعہ ریلوے پارسل روانہ کیا جائے یا ذریعہ پوسٹ۔ ف براہ کرم بعد ملاحظہ اپنے دوست احباب کو بھی اسکی اطلاع فرمادیں

مضامین حکمیہ یہ کتاب جناب مولوی عزیز حسن صاحب مددگار صدر محاسب سرکار عالی کی مولفہ اور جماعت فسٹ فارم و سکنڈ فارم میں شریک نصاب ہے جس کی سول ایجنسی ہم نے لی ہے طلباء و مدارس اور جملہ تاجران کتب ہم سے حسب ضرورت خرید فرماسکتے ہیں **قیمت فی جلد عصہ سکہ عثمانیہ**

سید عبد القادر تاجر کتب و مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و پبلشر چار مینار حیدرآباد دکن

نرخنامہ طبع اشتہارات نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مقدار	تمام سال	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	یک اشاعت	مقدار	تمام	ششماہی	سہ ماہی	ماہانہ	یک اشاعت
ایک صفحہ	۱۱ صہ	ما سہ	ٹے صہ	سہ	عہ	ایک کالم	لعہ	صہ	سہ	صعہ	صہ
نصف صفحہ	ما صہ	۲ صہ	للعہ	صعہ	ے	نصف کالم	صہ	سہ	عہ	ہے	ے
ربع صفحہ	حہ	صہ	دعہ	عہ	لعہ	ربع کالم	سہ	عہ	دصہ	ایہ	[illegible]

سنی ہیم ہے تراز وئے کم وکیف حیات — تیری میزان ہے شمار سحر وشام ابھی۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

عدد ۲۵ - حیدرآباد دکن، دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ م ۲۷ اگست ۱۹۲۸ء م ۱۴ مہر ۱۳۳۷ف فصلی جلد (۱)

شذرات

اعتذار

ہمیں بیحد افسوس ہے کہ بعض انتظامی مشکلات کی وجہ اخبار کی اشاعت ملتوی رہی۔ آیندہ سے انشاء اللہ نظام گزٹ توپ کے سانچہ سے برابر شائع ہوتا رہیگا امید کہ ہمارے معزز قارئین اس التوا پر ہمیں معاف فرمائیں گے۔

بمبئی کے باخبر اخبار ٹائمز نے یہ خبر شایع کی کہ مسٹر بنی حیدرآباد کے فینانس ممبر مقرر ہوئے ہیں اس خبر کی سرخی تھی "حیدرآباد کا نیا فینانس ممبر" ہمیں تعجب ہوا کہ یہ تقرر یکایک کیسے ہو گیا اس کے بعد ہماری مقامی اخبار دوں نے اطلاع دی کہ مسٹر بنی کا تقرر محکمہ مالگزاری کی ممبری پر ہوا ہے اس پر اور حیرت ہوئی کہ حال ہی میں کرنل ٹرنچ نے اس خدمت کا جایزہ لیا ہے کیا اتنی جلد انہیں واپس جانا پڑے گا لیکن صوبہ متوسط کے سرکاری جریدہ نے اس حقیقت کا انکشاف کیا مسٹر بنی کا تقرر اصل میں حیدرآباد کی ورزیڈنسی میں ایک خدمت پر ہوا ہے اب کون کہے گا کہ صرف مجلوں اور رسالوں ہی کے مدیر شاعر ہوتے ہیں روزناموں کے مدیر شاعر نہیں ہوتے۔

لندن کے صدر ناظم طبابت سر جارج نیومن کا بیان ہے کہ گذشتہ سو سال سے انگریزوں کی صحت میں حیرت انگیز ترقی ہو گئی ہے آبادی تو بڑھتے بڑھتے دگنی ہو گئی لیکن خرچ اموات میں اضافہ نہیں ہوا پچاس برس کے اندر مرنے والوں کی تعداد سو سال پہلے (۱۰) فیصدی تھی اور اب (۳) فیصدی ہے کاش ہندوستان کے صدر ناظم طبابت بھی انہیں سو سال میں ہندوستان کی صحت پر رپورٹ لکھ کر بتاتے کہ لارڈ کلائیو کی فتح کے بعد سے اب تک ہندوستان میں کتنے لوگ قحط سے کتنے لوگ طاعون سے کتنے ہیضے سے کتنے انفلوئنزا سے اور کتنے افلاس سے ہندراجل ہوئے کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ گذشتہ

چند سال پہلے سر اقبال نے اپنی ایک نظم میں مزدور کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

مغرب میں تو بے شک مزدور کے دور کا آغاز ہو چکا تھا مگر مشرق میں اس دور کا آغاز نہیں ہوا تھا اب خیال آتا ہے کہ ہمارے شاعر کی پیشین گوئی شروع ہونے والی ہے بردولی میں سرکار کی سخت گیری کا پرستیاگرہ شروع ہوا بمبئی میں زبردست ہڑتال جاری ہے ٹلواہ جمشید پور کا نپور کے مزدور بھی مضبوط ہڑتال کیے ہوئے ہیں بظاہر ابھی تک سرمایہ داری کا سر نہیں جھکا دیکھیں اس کا غرور کب ٹوٹتا ہے خدا کرے کہ مشرق کے اس پیغام پر شاعر کا کہا لفظ بہ لفظ پورا ہو۔

سائمن کمیشن کے ممبر مسٹر ورنن ہارٹ شارن انگلستان جاکر ٹاٹا کمپنی پر بری طرح برس پڑے آپ نے فرمایا کہ ٹاٹا کمپنی دنیا میں بدترین سرمایہ دار کمپنی ہے وہ اپنے مزدور کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتی نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مسٹر ہارٹ شارن نے یہ نکالا کہ مسٹر سکلت والا جو اپنے آپ کو اشتراکی کہتے ہیں وہ اس کمپنی سے تعلق رکھتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ مسٹر سکلت والا کس وضع کے اشتراکی ہیں۔

مسٹر ہارٹ شارن کا مطلب صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سکلت والا پر اپنا غصہ نکالیں مگر ان کے اس وار میں ٹاٹا کمپنی اور ہندوستانی سرمایہ داری دونوں زخمی ہوئے نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ہارٹ شارن صاحب کی خدمت میں ہتک عزت کا نوٹس پہونچا۔ اور صاحب موصوف کو معافی مانگنی پڑی۔

بعد کی خبر سے یہ معلوم ہوا کہ مسٹر ہارٹ شارن کو آیندہ انتخابات میں پارلیمنٹ کے رکن بننے سے مایوسی ہے اس لیے سائمن کمیشن کو خدا حافظ کہنا ہے۔ جب یہ دونوں باتیں ہاتھ سے جاتی رہیں تو پھر ہارٹ شارن صاحب کو کس بات کا خوف رہا۔ سچ کہا مولوی حالی نے :-

جو جان سے گزرے جو چاہے سو کر گزرے۔

نہرو کمیٹی کی رپورٹ

آج کل ہندوستان ایک اہم سیاسی دور سے گزر رہا ہے۔ قانون حکومت ہند میں موجودہ طرز حکومت یعنے صوبہ جاتی مجالس مقننہ اور مرکزی مجلس مقننہ وغیرہ نئے اداروں کے طرز عمل اور ہندوستان کے لیے ان کے مفید یا غیر مفید ہونے کی آزمائش کے لیے دس سال کی مدت مقرر کی گئی تھی جو حال میں ختم ہوتی ہے۔ اب اسی قانون کے مطابق ضروری ہوا کہ حکومت ہندوستان کے متعلق کوئی تصفیہ کیا جائے کہ آیا موجودہ طرز حکومت ہی باقی رکھا جائے یا اس سے زیادہ اختیارات دئے جائیں۔ یا اگر مذکورہ بالا ادارہ یعنے کل طرز حکومت ہی غیر مفید ثابت ہو تو اس کے لیے کوئی اور صورت نکالی جائے۔

اب رہا یہ امر کہ ہندوستان کی موجودہ طرز حکومت کو جانچے کون؟ انگلستان کی حکومت کا خیال ہے کہ چونکہ ہندوستان انگلستان کے ماتحت ہے اس لیے انگلستان کی مقتدر مجلس یعنے پارلیمنٹ اس کا تصفیہ کرے اور ممبروں میں سے چند منتخب ممبروں کی ایک کمیٹی بنا کر ہندوستان روانہ کیا جائے تاکہ وہ کمیٹی ہندوستان کی حکومت کے متعلق جانچ پڑتال کر کے پارلیمنٹ کو اطلاع دے یہی سائمن کمیشن ہے۔

جب سائمن کمیشن مقرر ہو گیا تو ہمارے مدبرین نے دیکھا کہ اس کمیشن کے ممبروں میں ایک بھی ہندوستانی ممبر کو نہیں لیا گیا اس سے انگلستان کا منشا یہ تھا کہ ہم مقتدر ہیں اور تم ماتحت ہو تمہارے معاملات کا تصفیہ ہم کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال صریحاً ہندوستان کو ہتک دینے والا اور اس کو ذلیل کرنے والا ہے کہ ایک چھوٹے سے جزیرہ کے باشندے جو اتفاقاً ہندوستان کے حکمراں بن گئے ہیں وہ اتنے بڑے ملک اور اتنی بڑی آبادی کی قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لیں یہ ایسی نمایاں ذلت ہے کہ ہندوستان کی وقعت اور آزاد ممالک میں کچھ باقی نہیں رہتی ایسے ملکوں میں جو خود مختار ہیں اور اپنے معاملات کا تصفیہ آپ ہی کرتے ہیں۔

پس اس خیال پر یہ تصفیہ ہوا کہ سائمن کمیشن کا محض وجود ہی ہمارے لیے ذلت کا باعث ہے اس کی مدد کرنا اور اس کے روبرو التجا کرنا ذلت پر ذلت ہے لہٰذا اس سے مقاطعہ کرنا چاہیے اور انگلستان کی حکومت کو دکھا دینا چاہیے ہم میں ابھی عزت کا احساس موجود ہے ظاہر ہے کہ ان حالات میں جو لوگ کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہیں وہ کس طرح خود ہی ذلیل ہو رہے اور ہندوستان کو بھی ذلیل کر رہے ہیں۔

اب خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم کمیشن کے رحم و کرم کو ٹھکرا دیں تو پھر کیا ہو۔ آخر ہم خود بھی تو کوئی اپنا مستقبل سوچ لیں کہ آیندہ ہماری حکومت کس قسم کی ہونی چاہیے۔

اب زمانہ اتنا ترقی کر گیا ہے کہ دنیا میں تلوار کی حکومت کی عزت نہیں رہی۔ نادر شاہی حکومت کی کوئی وقعت نہیں رہی۔ اس نئے سیاسی زمانہ کی ابتدا انقلاب فرانس سے ہوتی ہے جبکہ فرانس کی رعایا نے اپنے بادشاہ اور امرا کے مظالم سہتے سہتے عاجز آ کر ان کا خاتمہ کر دیا اور جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس سے کچھ ہی عرصہ پہلے خود انگلستان کو ایک تلخ تجربہ ہوا یعنے امریکہ میں انگریزوں کی نو آبادی جو اب ممالک متحدہ امریکہ کہلاتی ہے اس نے حکومت انگلستان سے یہ استدعا کی کہ آپ ہم پر اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتے ہیں مگر اپنی پارلیمنٹ میں ہمارے نمایندوں کو نہیں شریک کرتے اس لیے ہم اب آیندہ آپ کو کوئی محصول ادا نہ کریں گے اس پر انگلستان کی حکومت نے بیچ و تاب کھا کر ان پر فوج کشی کی لیکن اس لڑائی میں انگلستان کو شکست فاش نصیب ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ممالک متحدہ امریکہ کا ایک بڑا رقبہ انگلستان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور اب وہ خود ایک مستقل ہستی رکھتا ہے جو انگلستان سے کسی طرح کم نہیں ہے اور گزشتہ جنگ میں امریکہ نے جو کام کیا اس سے تمام دنیا آگاہ ہے۔

امریکہ کے بعد انگلستان کی اور نو آبادیاں مثلاً کناڈا آسٹریلیا جنوبی آفریقہ وغیرہ نے آہستہ آہستہ ترقی کر کے خود مختاری کا مطالبہ کیا اب کی دفعہ انگلستان نے "نہیں" کا جواب نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ پہلے اس قسم کا تجربہ ناگوار ثابت ہوا اور اب یہ خیال بھی تھا کہ نو آبادیوں کے باشندے خود انگلستان ہی کے باشندے ہیں لہٰذا بعد غور و فکر ایک ایسا سمجھوتہ ہو گیا کہ بعض خارجی تعلقات کی حد تک نو آبادیاں انگلستان کے پابند ہیں اور اندرونی انتظام اور حکومت میں وہ بالکل خود مختار ہوں یہ گویا ایک طرح نیم خود مختاری ہوئی۔

اس سال کانگریس نے بہ حیثیت نمایندہ قوم یہ تصفیہ کیا کہ ہندوستان کو آدھی یا پاؤ آزادی نہیں چاہیے بلکہ اس کو کامل آزادی چاہیے کانگریس کے بعد مختلف سیاسی مذاہب کے لیڈروں کی ایک مجلس آل پارٹیز کانفرنس کے نام سے منعقد ہوئی جس کی غرض یہ تھی کہ آیندہ ہندوستان کے لیے دستور حکومت تیار کرے اس نے گزشتہ مے کے مہینے میں ایک منتخب کمیٹی بنائی کہ وہ دستور حکومت مرتب کرے جس کے صدر مشہور محب وطن پنڈت موتی لال نہرو تھے اس دو تین مہینو کی مدت میں کمیٹی نے بعد غور و فکر ہندوستان کے لیے ایک دستور حکومت تیار کیا اور اپنی رپورٹ میں انہوں نے کانگریس کے فیصلہ کے مطابق مکمل آزادی کی سفارش نہیں کی بلکہ "نو آبادیوں کی حیثیت" کی خود مختاری کی سفارش کی جس کو ہم اوپر نیم خود مختاری کہہ چکے ہیں چنانچہ ۱۵ اگسٹ کے اخباروں میں اس کمیٹی کی رپورٹ شایع ہو گئی ہے جس کی ممتاز خصوصیتیں حسب ذیل ہیں:-

سب سے پہلے اس کمیٹی نے ہندوستان کی دستوری حیثیت کے متعلق یہ تصفیہ کیا کہ ہندوستان کی حیثیت "برطانوی نو آبادیوں" کی ہوگی اور وہ موجودہ طرز کی حکومت کو کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتی کہ ہندوستان پر انگلستان والے حکمرانی کریں بلکہ وہ حکمرانی کے اختیار کو خود ہندوستان والوں کے ہاتھ میں منتقل ہونے کی رائے دیتی ہے۔

موجودہ ہندو مسلم مناقشات کے متعلق اس نے تصفیہ کیا کہ وہ کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ کوئی ایک فرقہ دوسرے پر حکمرانی کرے وہ کامل مذہبی آزادی کی سفارش کرتی ہے۔

سندھ کے متعلق کمیٹی نے تصفیہ کیا ہے کہ سندھ ایک علحدہ صوبہ قرار دیا جائے اور آیندہ کونسلوں کے لیے ہندو مسلم جداگانہ طلقہ انتخاب کا طریقہ منسوخ کر دیا جائے اور نہ صرف یہی بلکہ زبان کے لحاظ سے تمام صوبوں کی تقسیم کی جائے۔ دیسی ریاستوں کے متعلق کمیٹی کی رائے ہے کہ ان سے اور جمہوریہ ہند سے وہی تعلقات رہیں جو اب حکومت ہند سے ہیں۔ ان کے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے جو معاہدات طے پائے تھے اور جن جن پر عمل ہو رہا ہے ان کو جمہوریہ ہند تسلیم کرے گی اور اب دیسی ریاستوں کے معاملہ میں حکومت ہند کی جو حیثیت ہے وہی حیثیت آیندہ جمہوریہ ہند کو حاصل رہے گی۔

نمائش کلکتہ

۱۹۲۸ء

انڈین نیشنل کانگریس کے تینتالیسویں اجلاس کے سلسلہ میں۔

دیسی مصنوعات، پیداوار [illegible] کی نمائش کے لیے کانگریس کے ساتھ منعقد [illegible] جو وسط دسمبر ۱۹۲۸ء سے وسط [illegible] تک کھلی رہے گی نمائش میں اپنا سامان لانے والوں کے لیے [illegible] جگہ مل سکتی ہے اور اگر وہ چاہیں تو اپنا علحدہ خیمہ بھی لگا سکتے ہیں۔ نمائش کا مقام پارک سرکس مقرر ہوا ہے۔

این آر سرکار معتمد نمائش۔

۳- [illegible] کلکتہ سے [illegible] کیجیے

نظام گزٹ
ہفتہ وار
دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

بردولی

جو لوگ مہاتما گاندھی کے اصول عدم تعاون اور ستیاگرہ کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے کہ یہ ناقابل عمل ہیں اور یہ کہ حکومت برطانیہ سے ایسی چالیں نہیں چلی جا سکتیں وہ غالباً بردولی کے تصفیہ کا حال سنکر انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ گزشتہ دو تین مہینے سے بردولی کا مسئلہ ایک قومی مسئلہ بن گیا تھا اور بردولی کے غریب مزدور اور کاشتکار جنگ آزما سپاہیوں سے زیادہ شقت اور مصیبت کی گھڑیاں کاٹ رہے تھے اور طلبی مزاج سیاست داں ایک شک و شبہ کی کشمکش میں مہاتما گاندھی کی سیاست دانی کا امتحان لے رہے تھے۔ ایک طرف بمبئی کے قوم پرست ستیاگرہ کو کامیاب بنانے میں خون پانی ایک کر رہے تھے اور دوسری طرف انگلستان کے اخبار اس تحریک کو بالشویکی تحریک ثابت کرنے میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ غرض خدا خدا کر کے اب جو تصفیہ ہوا وہ نہ صرف قوم پرستوں کو مطمئن کر دینے والا ہے بلکہ وہ خوشی و کامرانی کا پیام رہا ہے۔

برطانی تاریخ نویس شاہان سلف کو ظالم اور جابر ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے ان کے مقابلہ میں ہندوستان پر برطانی حکومت کے برکات کو خوب روشن کر کے ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کی جماعت زندہ نہیں ہے بیشک اس وقت پنڈاریوں کے دھاوے نہیں ہوتے مگر ذرا تاریخ کی حقیقت کو بے نقاب کیجئے اور دیکھیے کہ مشہور و معروف فاتح لارڈ کلایو کی شخصیت کیسی تھی جس کے متعلق ایک منصف مزاج انگریز کا خیال ہے بہتر ہوتا کہ کلایو خودکشی کی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہندوستان کے دوسرے برطانی محسن وارن ہسٹنگز میں ان کے کارنامے ذرا حقیقت کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے تو حیتیو اور امیر علی کو آپ بھول جائیں گے مگر اب کلایو اور وارن ہسٹنگز موجود نہیں لیکن نہیں معلوم ہندوستان پر کس فقیر کی بددعا ہے کہ سیاہ بخشش ہوتا جاتا ہے ہر سال ظلم اور فقیر مل کی تعداد ترقی ہی کرتی جاتی

ہے۔ مگر کہا یہی جاتا ہے کہ ہندوستان پہلے کی بہ نسبت اب ترقی کر رہا ہے۔

موجودہ حکومت نے ہمارے معاشی حالات کو خواہ کتنا ہی تباہ کیا ہو مگر اب کی دفعہ اس نے نادر مثال پیش کی کہ ایک ہی دفعہ تعلقہ کا محاصل بن لمنظر عاد یا ادا شہل بائیس یا اوقی صدی نہیں بلکہ بیس فی صدی سے زیادہ ظاہر ہے کہ غریب کاشتکار کیونکر اتنے اضافہ کو یک دم برداشت کرتے عدول حکمی پر قرقی اور بے دخلی کا نادری حکم صادر ہوا اور اس حکم کی تعمیل کے لیے پٹھانوں کو مقرر کیا گیا۔ یہ ہے بردولی کے مظالم کی ابتدا۔

بردولی کے مزدور اور ان کے سردار ولبھ بھائی پٹیل کی کیا تعریف کی جائے کہ انہوں نے کس بہادری اور قربانی سے اس مطلق العنان احکامات کا مقابلہ کیا اور آخر میں کامیابی حاصل کی۔ کامیابی صرف انہی کی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی۔

بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس پونا کے افتتاح پر گورنر بمبئی نے ایک بہت عمدہ افتتاحی تقریر کی اس میں انہوں نے نرم گرم کچھ سنا دیا لیکن تقریر کا اختتام ایک دھمکی پر ہوا اور دھمکی بھی ایسی کہ اگر ہندوستانی برطانیہ سے ایسے واقف نہ ہوتے جیسے اب ہیں تو شاید اس دھمکی پر اچھے اچھے مدبر بھی سپر ڈال دیتے مگر اب ہندوستان بہت کچھ تجربے اٹھا چکا ہے سو اہل بردولی نے اس دھمکی کی قطعاً پرواہ نہ کی اور برابر اپنے شرائط پر ثابت قدم رہے جس کا نتیجہ یہی نکلا کہ حکومت بمبئی کو ان کے شرائط ماننے پڑے اب جتنے بردولی کے قیدی ہیں وہ بلا شرائط فوراً رہا کر دیے جائیں گے بعد قرقی ہراج شدہ اراضی اصل مالکوں کو واپس دیجائیگی۔

غرض بردولی کی فتح ہندوستانی قومیت کی فتح ہے اور امید ہے کہ اب ہندوستان بن بلائے مہمان سائمن کمیشن کو بھی بردولی کا سا مزا چکھا دے گا۔

نواب مسعود جنگ بہادر

ہم نے گزشتہ سال گرہ نمبر میں نواب مسعود جنگ بہادر کے وظیفہ پر علیحدہ ہونے کی خبر پر صاحب موصوف کے مختصر سوانح حیات "ہمارے سر عبدالعزیز ناظم تعلیمات" کی سرخی سے شائع کیے تھے ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء کو نواب صاحب نے تعلیمات تعلیمات کا جائزہ دے دیا اب نواب صاحب کی رخصت کے وقت ہمیں اپنی ہی دی ہوئی سرخی "سر عبدالعزیز" کے معنی کا بہت زیادہ احساس ہوا۔ نواب صاحب کی ہر دلعزیزی کا اندازہ اگرچہ پہلے بھی تھا مگر حیدرآباد سے ان کے رخصت ہونے کے خیال پر حیدرآباد نے جس محبت اور جوش و خروش کا اظہار کیا وہ نواب مسعود جنگ بہادر پر بھی اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکا حیدرآباد کے

اہل حیدرآباد ... نے نواب مسعود جنگ بہادر کو فرداً فرداً جتنی وداعی دعوتیں دیں ان کے علاوہ تین جلسے عمومی حیثیت رکھتے تھے حیدرآباد کے سرزمین کی طرف سے ایک وداعی جلسہ نظام کلب میں منعقد ہوا دوسرا وداعی جلسہ عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے ہوا اور تیسرا عظیم الشان جلسہ محکمہ تعلیمات کی طرف سے ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا۔

ٹاؤن ہال کے جلسہ میں ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم نے صدارت کی۔ نواب صاحب کو محکمہ تعلیمات کی طرف سے ایک اڈریس دیا گیا۔ اور ایک خوبصورت کیکٹ بطور یادگار کے پیش کیا گیا مختلف اعلیٰ مدارس .... کی طرف سے ایک ایک ہار نواب صاحب کے گلے میں ڈالا گیا اڈریس کے جواب میں نواب مسعود جنگ بہادر نے ایک بہت معنی خیز تقریر کی جس میں انہوں نے محکمہ تعلیمات میں اپنے خدمات کا ذکر کرتے ہوئے یہاں کے بہت سے مسائل پر مجملاً بحث کی اور آخر میں ریاست کے لیے دعائیہ جملوں پر اپنی تقریر ختم کی۔

۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء کو نواب صاحب حیدرآباد سے رخصت ہوئے اور بمبئی سے انگلستان کے لیے سمندر کی راہ لی۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب پہلے انگلستان جائیں گے وہاں اپنے صاحبزادوں کی تعلیم کا انتظام کر کے آپ پھر ہندوستان تشریف لائیں گے ایک انگریزی ناشر نے نواب صاحب سے جاپان پر ایک کتاب لکھنے کی درخواست کی ہے غالباً نواب صاحب انگلستان سے واپس آنے کے بعد اس کتاب کو شروع کریں گے اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس کتاب میں جدید ترین معلومات کو شامل کرنے کے لیے آپ پھر جاپان کا سفر اختیار کریں۔

مولوی وحیدالدین سلیم

ماہ حال کی ابتدا میں یہ افسوسناک خبر حیدرآباد پہونچی کہ مولوی سید وحیدالدین سلیم نے ملیح آباد میں انتقال فرمایا۔

مرحوم کی وفات سے صرف ایک شاعر ہی کی وفات نہیں ہوئی بلکہ اس سے قوم کو ایک ادیب ایک قدیم جریدہ نگار، ایک محقق ایک بالغ نظر پروفیسر کا نقصان ہوا۔

مرحوم پانی پت کے باشندے تھے ابتدائی تعلیم فارسی اور عربی کی تکمیل غالباً وطن ہی میں اور کچھ کشمیر میں کی تھی اوائل شباب میں مولوی حالی اور سر سید جیسے برگزیدہ افراد سے تعارف حاصل کیا سر سید مرحوم کی مقناطیسی قوت نے مولوی سلیم کو کئی سال تک علی گڑھ اور تحریک علی گڑھ سے وابستہ رکھا مرحوم زمانہ تک سر سید کے علمی مددگار رہے غالباً سر سید کے انتقال کے بعد مرحوم نے جریدہ نگاری کو اپنا میدان عمل بنایا اور معارف علیگڑھ کو

زمیندار، مسلم گزٹ وغیرہ - جراید کے مدیر رہے کچھ عرصہ کے لیے مرحوم بہاول پور کالج کے استاد بھی رہ چکے تھے اب سے کوئی دس برس پہلے مرحوم وضع اصطلاحات کے کام کے لیے غالباً مولوی عبد الحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو کے ایما سے حیدرآباد آئے اور بعد میں افتتاح عثمانیہ یونیورسٹی کے ساتھ یونیورسٹی کالج کے اردو پروفیسر مقرر ہوئے - اس خدمت کو مرحوم اخیر دم تک انجام دیتے رہے -

۲۳ ۱۹ء ۲۴ ۱۹ء میں مرحوم نے اپنا کلام پبلک میں پیش کرنا شروع کیا اور اس قلیل مدت میں تمام ہندوستان میں آپ کے اشعار کی دھوم مچ گئی اور حیدرآباد کے قدیم شعرا میں بھی آپ کا نام مقبولیت حاصل کر گیا -

گزشتہ سال نظام گزٹ کے اجرا پر آپ نے بہت ہمت افزائی فرمائی تھی اور اس کے پہلے نمبر کے لیے اپنی دو نظمیں عنایت کی تھیں مرحوم نظام گزٹ کو بہت شوق سے دیکھتے تھے اور اگر کوئی نمبر وصول نہ ہوتا تو اصرار سے طلب فرماتے تھے سکندرآباد کے صدر شفاخانہ میں جب آپ زیر علاج تھے وہاں سے بھی آپ نے ایک عنایت نامہ تحریر فرمایا تھا -

خدا مرحوم کو دار رحمت میں جگہ دے اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے -

---

دار العلوم دیوبند

اس قدیم دار العلوم کے حالات دن بدن نازک ہوتے جا رہے تھے آخر میں سرکار عالی نے اس کو مناسب خیال کیا کہ معاملات دیوبند کی تحقیقات کی جائے چنانچہ یہاں سے سرکاری طور پر مولوی سید محی الدین صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لا اول مددگار ناظم تعلیمات روانہ کئے گئے مولوی سید محی الدین صاحب محکمہ تعلیمات کے بہت کارگزار اور معاملہ فہم عہدہ دار ہیں اس تحقیقات کے بعد مولوی صاحب نے جو رپورٹ سرکار میں پیش کی وہ بہت سلجھی ہوئی اور بالکل غیر جانب دارانہ تھی ہمیں امید ہے کہ اب دار العلوم دیوبند کے معاملات بہت سنبھل جائیں گے جو دونوں فریق کے مفید ہونگے ہم دار العلوم میں اصلاح کے حامیوں سے ہمدردی رکھتے ہیں اور انھیں امید دلاتے ہیں کہ اب انشاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ بہت سی جائز اصلاحیں وقوع میں آئیں گی انہیں صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے -

---

سید امیر علی مرحوم

سید امیر علی اپریل ۱۹۲۸ء میں سید امیر [illegible] آپکی ڈگری لینے کے بعد آپ ۱۸۶۹ء میں وظیفہ لیکر لندن تشریف لے گئے اور ۱۸۷۳ء میں آپ نے بیرسٹری کا ڈپلوما حاصل کیا اس کے بعد ہندوستان چلے آئے اور اسی سال کلکتہ میں وکالت شروع کردی آپ کو وکالت کرتے ہوئے کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کا انتخاب کلکتہ کی مجسٹریٹی جیسی اہم خدمت پر ہوا بعد ازاں آپ چیف مجسٹریٹ مقرر ہوئے -

آپ کئی سال تک بنگال کونسل کے رکن رہے - اس کے بعد آپ کا تقرر امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں ہوا - جہاں آپ ۱۸۸۵ء تک کارگزار رہے -

قانون شرع محمدی پر آپ کی رائے ہندوستان بھر میں مستند مانی جاتی تھی آپ کی تصانیف میں جامعیت ہوتی ہے آپ ۱۸۸۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی میں ٹیگور پروفیسر آف لا اور ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۲ء تک جامعہ کلکتہ میں شعبہ قانون کے صدر رہے - ۱۸۹۰ء میں آپ کا تقرر بنگال ہائی کورٹ کی رکنیت پر ہوا چودہ سال تک آپ نے یہ خدمت نہایت عمدگی اور نیک نامی کے ساتھ انجام دی جب سے آپ کی شہرت بہت ہوئی ۱۹۰۴ء میں آپ اس خدمت سے علحدہ ہوئے اور برک شایر (Berkshire) انگلستان میں سکونت اختیار کرلی جہاں آپ نے ایک خوبصورت مکان "دی لینڈنس" (The Lambdens) خریدا -

سید امیر علی ایک مشہور و معروف مصنف تھے ابھی بیرسٹری کے لیے زیر تعلیم تھے کہ آپ نے ایک کتاب آں حضرت کے سوانح عمری اور آپ کی تعلیمات پر تعارفانہ نظر سے لکھی اس کتاب کی شہرت نہ صرف انگلستان اور ہندوستان ہی تک محدود رہی بلکہ تمام یوروپ امریکہ میں بھی یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی گئی اس کتاب کے دلچسپ ہونے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ اس کے مصنف ایک مسلمان تھے اور سب سے پہلے مسلمانوں میں انگریزی زبان میں اس موضوع پر آپ ہی نے قلم اٹھایا تھا اسی قسم کی علمی جد و جہد کا سلسلہ آپ کی ساری عمر رہا آپ کی کتاب (The Spirit of Islam) کئی دفعہ چھپ چکی ہے - اسلوب بیان کی خوبی کے لحاظ سے آپ کی کتاب (History of the Saracens) بہت مشہور ہے جس کا ترجمہ تاریخ اسلام کے نام سے اردو میں ہو چکا ہے -

۱۸۸۰ء سے آپ جریدہ (Nineteenth Century) کے مستقل مضمون نگار رہے اس مجلہ میں سے آپ کے کئی ایک مضامین کے حوالے دیے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر مضامین کے ترجمے عربی فارسی وغیرہ میں ہوئے جو تمام اسلامی ایشیا میں دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں اس کے علاوہ آپ کی دو اور کتابیں ایک شرع محمدی پر (دو جلدوں میں) جہاد بلقان میں سید امیر علی ہی وہ معتبر ترین ذریعہ تھے جس سے مجاہدین کو مالی اعانت پہونچائی گئی - ہلال احمر میں آپ نے خاص حصہ لیا اور لندن مسجد کی تعمیر اور اشاعت اسلام کی سرگرمیوں میں آپ نے نمایاں طور پر شرکت کی -

امیر علی مرحوم نے اپنی قوم کو پستی اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کی بے حد کوشش کی آپ نے اپنی قوم کو مغربی اقوام کے دوش بدوش ترقی کرنے کی تلقین کی -

۱۸۹۹ء میں آپ نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں جو کلکتہ میں منعقد ہوئی تھی اپنی قوم کے سامنے اپنے خیالات کو پیش کیا تھا -

امیر علی مرحوم نے (Isabella Ida) سے شادی کی تھی جو مسٹر ایچ کانسٹن (H. Konstam) متوفی ..... کی دختر ہیں ان کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے جو اب بہ قید حیات ہیں -

---

کلکتہ کانگریس کی نمائش

ہمیں کانگریس کی نمائش کے معتمد کا ایک خط وصول ہوا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ کانگریس کی مجلس انتظامی نے یہ طے کیا ہے کہ کانگریس کے اجلاس کلکتہ کے موقع پر ایک نمائش مصنوعات ملکی کی ترتیب دی جائے گی -

اس میں خاص طور پر سودیشی اشیا ہی کو ملک میں پیش کیا جائے گا اور کھادی کو اس کی ممتاز جگہ دی جائے گی - باہر کی مصنوعات کی، سوائے مشینوں وغیرہ کے جو ہمارے ملک کے اقتصادی حالت کو بہتر بنانے میں مدد دیتے ہیں ان میں بھی خاص طور پر وہ چیزیں جو ہمارے دیہات کے حالات کو بہتر بنا سکیں، اور کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی معتمد صاحب لکھتے ہیں کہ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ نمائش کو تعلیمی اور کاروباری حیثیت سے کامیاب بنائیں ہمیں امید ہے کہ ہماری ریاست میں بعض مصنوعات جو خاص شہرت رکھتی ہیں مثلاً بیداری سامان سنگاریڈی کا ریشمی کپڑا اورنگ آباد کے جامہ وار مشروع وغیرہ کو ضرور اس نمائش میں پیش کیا جائے گا اس لیے بہتر ہوگا کہ وہ حضرات ان مصنوعات کے حامی ہیں - اور ان کا کاروبار کرتے ہیں - وہ ابھی سے معتمد صاحب نمائش کلکتہ سے ۳-۱ ہے ہاگ اسٹریٹ کلکتہ (3-1 Hogg St.) کے پتہ

قومی تعلیم

افتتاحی تقریر

جو شریمتی نتھی بائی دامودھر ٹھاکرسی جامعہ خواتین ہند میں نواب مسعود جنگ بہادر نے پڑھی۔

مندرجہ ذیل تقریر میں نواب مسعود جنگ بہادر نے ہماری قومی تعلیم کے جس نازک مسئلہ کو چھیڑا ہے اس کی اہمیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس تقریر میں نواب صاحب نے مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے پر جو زور دیا ہے اسکی وجہ ہندوستان کے تمام انگریزی جرائد میں اس مسئلہ پر ہلچل پڑ گئی اگرچہ ٹائمز آف انڈیا جیسے نیم انگریز اخبار اور انڈین ڈیلی میل جیسے غلام دماغ پرچے نے اسکی مخالفت میں پورا زور صرف کیا لیکن ملک کے سنجیدہ اور وطن پرست پرچے مثلاً ہندوستان ٹائمز، انڈین نیشنل ہیرلڈ، بمبئی کرانیکل، ہندو وغیرہ اور پائونیر تک نے نواب صاحب کی تقریر اور استدلال کی تائید کی اور مہاتما گاندھی نے تو اپنے اخبار میں ایک پرزور افتتاحیہ مضمون اسکی تائید میں لکھا۔ (نظام گزٹ)

میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس سال کے جلسۂ تقسیم اسناد میں افتتاحی تقریر کرنے کے لئے آپ نے مجھے مدعو فرما کر عزت بخشی۔ آپ کی جامعہ میں تین بڑی خصوصیات ہیں جن کے جمع ہو جانے سے یہ جامعہ ہندوستان کے تعلیمی ادارات میں عدیم المثال ہو جاتی ہے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شخص واحد کی کاوش اور ایثار کا نتیجہ ہے دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مقصد اہل ملک کی اس صنف کو تعلیم دینا ہے جس کی قدرت میں اور صرف اسی کی قدرت میں یہ امر ودیعت ہوا ہے کہ ہماری آئندہ نسلوں میں خصائل نیک کی افتاد ڈالے تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ جامعہ ہمارے اہل وطن کی اس مخصوص جانفشانی کا ایک مادی نتیجہ ہے کہ تعلیم کو قومی بنیاد پر قایم کیا جائے اور اسی بنیاد کو واقعی ایک عاقلانہ بنیاد کہہ سکتے ہیں۔

حیدرآباد میں بھی جہاں سے میں اس وقت حاضر ہوا ہوں اسی قسم کی کوشش کی گئی ہے یعنے تعلیم کو مستحکم بنیاد پر قایم کرنے کے لئے ایک جامعہ قائم ہوئی ہے جس میں تمام علمی مضامین ہندوستان کی نہایت باوقعت زبانوں میں سے ایک زبان میں سکھلائے جاتے ہیں اور میں اس امر کو محسوس کرتا ہوں کہ آج آپ سے خطاب کرنے میں میں ایک ایسی جماعت سے خطاب کرتا ہوں جو ہر اعتبار سے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی حقیقی بہن ہے۔

محض یہ واقعہ کہ آپ کی جامعہ کو اور جامعہ عثمانیہ کو کم و بیش ایک ہی قسم کی مشکلات حل کرنی پڑی ہیں میں امید کرتا ہوں کہ یہ واقعہ کافی ضمانت اس علمی مواصلات کی ہو جائیگا جس کے دایمی قیام کو ان دونوں علمی مرکزوں کو دیکھنے کی میری دلی تمنا ہے آپ عورتوں کے لئے وہی کام کر رہے ہیں جو ہم مردوں کے لئے حیدرآباد میں کرتے ہیں اور یہ تقسیم کار ایک نیک شگون ہمارے ہم وطنوں کی آئندہ ترقی کا ہے

خواتین و حضرات! میں اس دن کا منتظر ہوں جبکہ ان دونوں جامعوں کے دروازوں سے ہونہار طلبا نئیں زیور علم سے آراستہ ایسی استوار طبیعتیں اور سچے عزم دلوں میں لئے ہوئے دنیا میں قدم رکھیں گے جن کے بغیر کوئی بڑا کام جسے ہم حاصل ہو عمل میں نہیں آسکتا اس جامعہ کے طلبا اور ... کو اپنی نسبت سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ایک فوج کے اعضا اور رکن ہیں جن کی خاص خدمت جہاں کہیں بھی وہ ہوں ہمیشہ یہ رہے گی کہ جہل وفساد کی قوتوں کا مقابلہ کرتے رہیں جو آجکل ملک میں جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں بے حد نقصان کا باعث ہو رہی ہیں۔

خواتین و حضرات! شاید آپ اس بات کو دلچسپی سے سنیں گے کہ میری زندگی میں ایک وقت ایسا تھا کہ آج کل کے ہم وطنوں کی طرح مجھ میں بھی اس بات کو باور کر لینے کی حماقت موجود تھی کہ ہمارے ملک کی کسی زبان میں زمانہ حال کے علمی خیالات کو صفائی و سلاست سے ادا کرنے کی قابلیت نہیں ہے اور اس بنا پر انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے یہی زمانہ تھا کہ مجھکو نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر یعنے موجودہ صدر المہام فینانس ریاست حیدرآباد دکن کی خدمت میں جو اس وقت معتمد تعلیمات تھے نیاز حاصل ہوا۔ نواب صاحب موصوف بھی اس جامعہ کے لائق بانی کی طرح اس امر کا یقین رکھتے تھے کہ صرف ایسی تعلیم جو ملک کی دیسی زبانوں میں سے کسی زبان میں دی جائے۔ ان دگوں کا جزو دماغ ہو سکتی ہے جو اس ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔

اس مضمون پر اکثر بحث و مباحثہ کے بعد آخر کار مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ میں تو اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا ہی رہا مگر میرے کرم فرما کو اس راہ کا پتہ مل گیا جو امید مل کی روشن اور چمکتی دنیا کو پہونچاتی تھی۔ گزشتہ بیس برس کی ترقی تعلیم کی تاریخ جب کبھی لکھی جائے گی تو دو نام ایسے ہوں گے جن کو اس تاریخ میں سب سے زیادہ عزت کا مقام دیا جائے گا۔ ان میں ایک نام اس جامعہ کے بانی پروفیسر کاروے کا ہوگا اور دوسرا نام نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کا جنھوں نے اعلیحضرت والی حیدرآباد کی حضور میں جامعہ عثمانیہ کے قائم کرنے کی تحریک پیش کی۔

یہ سوال اکثر کیا جاتا ہے کہ "قومی تعلیم کسے کہتے ہیں؟" اس سوال کے جس قدر جواب اب تک دئے گئے ہیں ان پر ایک جواب اضافہ کر کے میں بھی آج گنہگار ہوتا ہوں چاہے آپ مجھکو دوسروں کے خیالات کا سارق ہی کیوں نہ سمجھیں قومی تعلیم کے کم سے کم ایک پہلو کی تعریف میں ان الفاظ میں کرتا ہوں کہ وہ ایک ملک کے باشندوں کی ایسی تعلیم ہے جس کے دینے والے بھی اسی ملک کے باشندے ہوں اور جس زبان میں وہ دی جائے وہ بھی اسی ملک کی زبان ہو۔

میری رائے یہ ہے کہ جس وقت انگلستان کے کسی مدرسہ کا معلم اپنے شاگردوں کو حساب کا یہ آسان مسئلہ کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں انگریزی زبان میں سکھاتا ہے اور اسی طرح ایک فرانسیسی معلم یہی بات فرانسیسی زبان میں اپنے طلبہ کو بتاتا ہے تو یہ دونوں معلم اپنے شاگردوں کو اپنی اپنی قومی تعلیم دیتے ہیں باوجودیکہ تعلیم کا مضمون واحد ہے پس جو بات کہ دنیا کے اور حصوں کے لئے مفید ہے وہی ہندوستان کے لئے بھی مفید ہے ایک ایسی زبان میں تمام علمی مضامین کی تعلیم جاری رکھنی جو ہمارے ملک سے جہاں اس ... کے ایک ملک کی متوطن ہے اور اس کے ساتھ یہ خواہش بھی رکھتی کہ اس تعلیم کو قومی تعلیم بنایا جائے سخت نادانی ہے خواہ حالات ہمکو

انگلستان سے کیسے ہی خلوص اور قریب کے واسطے سے وابستہ کرتے ہوں لیکن انگلستان کی زبان کا ہماری مادری زبان بن جانا ناممکن ہے ایسا ہی ناممکن ہے جیسے ہم اپنی جلد کا رنگ بدل ڈالیں جبکہ ہم کو یہ بات بہ خوبی معلوم ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی چھ سو برس کی حکومت میں خاص مسلمانوں کے دار الحکومت میں عوام الناس کی زبان فارسی نہ ہو سکی تو پھر وہ کونسی دلیل ہے جس سے ہم یہ باور کریں کہ اتنی ہی صدیوں کی انگریزی حکومت میں جو ایک مشتبہ امر ہے یہ عجیب نتیجہ پیدا ہو جائے گا کہ ہندوستان کے باشندے اپنے بزرگوں سے میراث میں ملی ہوئی زبانوں کو ترک کرکے ہندوستان کے موجودہ اتفاقی حکمرانوں کی زبان قبول کر لیں گے میں آپ سے صاف صاف پوچھتا ہوں کہ ان دو زبانوں یعنے ہندوستان کی زبانوں اور انگریزی زبان میں کونسی زبان ہمارے لیے زیادہ مستقل اور دوامی ہے میرے سوال کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ہندوستان کے لیے ہندوستان ہی کی زبانوں کو زیادہ مستقل اور دوامی سمجھا جا سکتا ہے اگر یہی ثابت ہے تو پھر عقل سلیم اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ جو دل سے متمنی ہیں کہ تمدن اور علم کی دنیا میں اپنے ملک کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ اور منزلت پر دیکھیں تا حد امکان اس بات کی کوشش کریں کہ اپنے طریقۂ تعلیم کو اسی بنیاد پر قائم کریں جس میں دوامی استحکام کا وصف پایا جاتا ہو۔

حال کا ذکر ہے کہ ایک جلسہ میں شرکت کے موقع پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں چونکہ تمام مضامین اردو زبان میں پڑھائے جاتے ہیں اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ یہ کام محض ایک آزمائش کے طور پر ہے۔ یہ سنکر میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ جب خدا نے آپ کو ایک بچہ عنایت کیا تھا اور اس بچہ نے ماں کی چھاتی کی طرف منہ بڑھایا تو کیا آپ نے بچہ کی اس حرکت کو محض ایک آزمائشی فعل سمجھا تھا۔ ناظرین یہ تعجب میں نے آپ سے اس لئے عرض کیا کہ اس سے وہ مغالطہ جس میں اکثر لوگ اب تک مبتلا ہیں بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنا ایک آزمائشی کام ہے ہندوستان کی زبانوں کو تعلیم کی غرض سے استعمال کرنا آزمائشی فعل نہیں ہے۔

اب تک ہم نے انگریزی زبان کو اپنے بچوں کی دودھ پلائی بنا رکھا تھا۔ اس غلط یقین کی بنا پر کہ ہماری مادری زبانیں یعنے ہندوستان کی عظیم الشان دیسی زبانیں ایسی بیمار اور حقیر ہیں کہ ہمارے بچے ان کے دودھ پر کافی طور سے پرورش نہیں پا سکتے مگر یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم اب وقت پر بیدار ہونے شروع ہو گئے اور ہمارے ملک کے بہترین دانشور اس بات کو سمجھ گئے کہ اگر ہمیں اپنے بچوں کا تندرستی کے ساتھ علمی و اخلاقی نشو و نما پانا منظور خاطر ہے تو اس غیر ملک کی انا کے دودھ کو اپنے بچوں کے لئے تنہا مایۂ پرورش سمجھ کر رکھنا درست نہیں ہے۔

میں تقریر سے آپ کے ذہن میں کوئی ایسا خیال پیدا کرنا ہرگز میرا مقصود نہیں کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر ہم نے مستند بہ فواید حاصل نہیں کئے ہیں اور نہ میرا مقصود علم کے ان بیش بہا خزانوں کی تحقیر ہے جو انگریزی زبان میں محفوظ ہیں میرے دل میں جو عظمت و بزرگی انگریزی قوم کی ہے یعنے اس قوم کی عظمت و بزرگی جسے تقدیر نے ہندوستان کو اس اعلیٰ درجہ پر پہونچانے کے لئے جو اس کے مقسوم میں اترا ہے ہمارے ساتھ کارگزار بنایا ہے' ایک بڑی حد تک اس قوم کی ادبیات کی شان و شوکت کو دیکھکر پیدا ہوئی ہے میں انگریزی قوم کی ادبیات کو لاریب انسانی دماغ کے اعلیٰ ترین کارناموں میں سمجھتا ہوں جو کچھ میں نے عرض کیا اس سے میرا مطلب اس امر کو ذہن نشین کرنا تھا کہ ایک قوم کی خداداد قابلیتیں صرف اس قوم کی مادری زبان میں پورے طور پر بار آور ہو سکتی ہیں اور اس اعتبار سے ہمارے طلبہ کی علمی ترقی کے لئے تمام مضامین کا ان کو انگریزی میں پڑھانا ایسا ہی نقصان دہ ہے جیسے انگریزی طلبہ کو مثلاً کہتا ہوں جرمانی زبان پڑھایا جانا مضر ہو سکتا ہے باوجودیکہ لسانیات کے اعتبار سے جو رشتہ جرمانی زبان اور انگریزی زبان میں ہے وہ بہ نسبت اس رشتہ کے جو انگریزی زبان اور ہندوستان کی زبانوں میں ہے کہیں زیادہ قریب کا ہے۔

انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنے سے ایک دوسرا نقصان یہ پہونچ رہا ہے کہ ہمارا ملک جو ذاتوں کی کثرت سے پہلے ہی نفاق کی مصیبت میں مبتلا ہو رہا تھا اس جو ایک طرف تو انگریزوں سے اختلاف نسل و تمدن کی بنا پر غیر ہیں اور دوسری طرف اپنی قوم اور نسل سے اس بنا پر غیر ہو گئے ہیں کہ اپنے بلند پایہ تخیلات اور نازک خیالات کو اپنی ہی قوم کی زبان میں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ افسوس ہے کہ تمام مہذب دنیا میں صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں اس بات کا اعتراف کرنے میں مطلق شرم نہیں آتی کہ وہ ایک غیر ملک کی ادبیات کا علم اس ادبیات سے زیادہ رکھتے ہیں جو ان کے اسلاف کی پیدا کردہ ہے یہ بد قسمت لوگ اس اصول سے واقف نہیں ہیں کہ کوئی قوم جو اپنی ہی تہذیب و تمدن کی عزت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ دنیا کی نظروں میں کسی طرح کی عزت پیدا نہیں کر سکتی اور کوئی قوم اپنی تہذیب و تمدن کی عزت اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اس زبان کی عزت نہ کرے جس میں وہ تہذیب و تمدن محفوظ ہیں۔

آجکل کا مہذب اور ذی علم ہندوستان جس صورت میں کہ انگریزی زبان کے استعمال کو اس نے تعلیم اور ادائے خیال کا سب سے بڑا ذریعہ بنا رکھا ہے دنیا کی نظروں میں بالعموم ایک ایسا لنگڑا اپاہج معلوم ہوتا ہے جو خدا کے دیئے ہوئے پاؤں کام میں نہیں لا سکتا بلکہ ان لکڑیوں کے سہارے اچھلتا ہوا چلتا ہے جو یہاں سے چھ ہزار میل دور ایک ملک میں تیار ہوئی ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا اس حالت سے ہمارے ملک کی کوئی نیک نامی ہو سکتی ہے میری رائے میں جو لوگ اس قسم کی کوششوں کی جن کا ثمرہ یہ جا رہا ہے بے قدری کرتے ہیں وہ اپنے لئے اپنے ہی ہاتھوں خفت اور شرمندگی کے موقعے پیدا کرتے ہیں کیونکہ ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے سے انکار کرنا اس امر کا اعتراف ہے کہ خدائے بزرگ نے بھی جس کا سایہ سب کے سر پر ہے (نعوذ باللہ) یہ ہمارے ساتھ بے انصافی کی ہے کہ ہم کو ایسی زبانیں دیں جن میں ہم اپنے خیالات کافی طور سے ایک دوسرے پر ظاہر نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے گویا ہمارا تنزل حیوانات مطلق کے طبقہ میں کر دیا۔

جب میں نے ملک کی معاشرتی زندگی پر غور کیا تو مجھے ایک اور افسوس ناک واقعہ صاف نظر آیا وہ یہ ہے کہ بہت سے ہندوستانی گھروں میں جہاں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے انگریزی زبان میں تعلیم پائی ہے ایک قسم کا دائمی نفاق پھیلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت تو صحیح یا غلط ان طریقوں پر ہوئی ہے جو ہمارے بزرگوں کے پیدا کئے ہوئے تھے اور مرد انگریزی علم اول ہی سی مستند مدرسوں میں حاصل کرکے ایسے خیالات میں مصروف ہیں جو عورتوں کے خیالات سے جنہیں وہ دل سے یقین کرتی ہیں متضاد ہیں۔ یہ تو آپ پر بھی واضح ہوگا کہ جس گھر میں شوہر تو انگریزی ادبیات کے دور و دلفریب جلووں کی طرف لگا ہیں جمائے ہے اور بیوی تلسی داس یا غالب کے حسن کلام پر محو ہے تو اس گھر کو حقیقی معنوں میں میل اور ملاپ کا گھر نہیں کہہ سکتے جب تک کہ ہمارے ملک کے مرد مغرب کی طرف اور ہمارے ملک کی عورتیں مشرق کی طرف تکتی رہیں گی اس وقت تک ہمارے گھروں کا یہ اختلاف تہذیب ایک بڑی حد تک ان قوتوں کو بیکار کرتا رہے گا جن کے پورے اور بے روک عمل سے وہ حالات درستی پر آ سکیں جو اس وقت ہندوستان کی بے عزتی کا موجب ہو رہے ہیں۔

ملک کی خانگی زندگی میں اتحاد تہذیب پیدا کرنے کے لئے جس کے بغیر نہ مجموعی اور نہ انفرادی خوشی میسر آ سکتی ہے اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم و تہذیب کے اختلاف سے جو غار عمیق عورتوں اور مردوں میں حائل ہو گیا ہے اور جس نے بدقسمتی سے اکثر گھروں میں مردوں اور عورتوں کو جدا کر رکھا ہے بالکل پاٹ دیا جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ جس علم نے برائی کے لئے یا بھلائی کے لئے ہمارے مردوں کو ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے اسے اتنا قریب کر دیا جائے کہ ہمارے ملک کی عورتیں بھی آسانی سے اس تک پہونچ سکیں دوسرے الفاظ میں یہ نتیجہ اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ جو زبان عورتوں کو ان کی ماؤں سے ملی ہے اس کو اس زبان کی مثل جس میں مرد موجودہ علوم حاصل کر رہے ہیں ایک معقول اور مضبوط ذریعہ تعلیم کا بنا دیا جائے۔

ایک واقعہ عرض کرنے سے ایک اور فایدہ بھی آپ پر واضح ہو جائے گا وہ یہ کہ جاپان کے معاشرتی اور تعلیمی

حالات پر غور کرنے سے مجھے معلوم ہوا کہ اس ملک میں مائیں اپنے بچوں کو عمدہ طریقوں پر تعلیم دینے میں بڑی مدد کرتی ہیں اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جس زبان میں وہاں بچوں کو علم سکھایا جاتا ہے وہ ان بچوں کی ماؤں کی زبان ہے افسوس ہے کہ ہندوستان میں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں۔ سوائے چند مخصوص گھروں کے اس قسم کا مفید اور مسرت خیز شغل ماؤں کو اس وجہ سے نصیب نہیں ہے کہ زبان جوان کے بچوں کی تعلیم کے لئے مستعمل ہے وہ ماؤں کے لئے ایک غیر زبان ہے۔

علاوہ اس کے انگریزی زبان میں تمام مضامین کی تعلیم دینے سے ایک ضروری شرط شروع ہی سے پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمارے مدارس میں جس قدر طلبہ داخل ہوں وہ لازمی طور پر غیر زبان کو سیکھنے کا خاص ملکہ رکھتے ہوں لیکن سوائے ہمارے دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے اپنے طریقۂ تعلیم کی بنیاد اس قسم کی غلط شرط پر رکھی ہو۔ اگر انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم نہ رکھنے سے یہ معلوم ہو کہ اس زبان کی مہارت میں کسی قدر کمی پیدا ہو سکے ساتھ مختلف مضامین کے متعلق علم میں زیادتی اور اصلیت بڑھ گئی ہے تو کم از کم میں تو اس حالت میں بھی یہی کہوں گا کہ اس سے ہمارے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہونچا اگر ہمارے ملک والے ایسی اچھی انگریزی نہ بول سکیں جیسے کہ چند منتخب لوگ بولتے ہیں تو میں اس کو بہتر سمجھوں گا بہ نسبت اس کے کہ میرے اہل ملک اپنے ہی ملک میں ایک غیر ملک کے آدمی معلوم ہوں اور اس تہذیب سے ناواقف اور اس زبان کو صحیح بولنے [illegible] سے عاری ہوں جس میں دنیا میں آتے ہی انھوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔

علاوہ بریں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ جن کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ سے ہوئی ہے کس آسانی اور بے پروائی سے بلا ضرورت اپنی زبان کو خراب کر رہے ہیں تو یہ حالت نہایت ہی تکلیف دہ اور بدنما معلوم ہوتی ہے۔ شرمندگیاں تو مجھے زندگی میں بہت اٹھانی پڑی ہیں لیکن یورپ میں ریل کے سفر میں مجھے ایک موقع پر جو خفت ہوئی اس کی تکلیف اب تک دل سے دور نہیں ہوئی ہے جب اس وقت فرانس کے وسطی حصہ میں کسی مقام پر ایک ہندوستانی دوست کے ساتھ ہمسفر تھا جس گاڑی میں ہم دونوں تھے اسی میں ایک یوروپین مسافر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس قوم کا آدمی ہے مجھے وقت دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی میں نے اپنے ہندوستانی دوست سے بالکل بے خیالی میں یہ جملہ کہا کہ "آپ کی واچ میں کیا ٹائم ہے" میرے ہندوستانی دوست اس سوال کا جواب انگریزی میں دیا۔ اس غلط ملط ڈھلی زبان کو سن کر اور ہماری کالی کالی صورتیں دیکھ کر وہ یوروپین مسافر مجھ سے نہایت ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں پوچھنے لگا کہ ہم دونوں کس ملک کے آدمی ہیں میں نے جواب دیا کہ ہم ہندوستان کے لوگ ہیں یہ جواب سنکر اس کے چہرہ پر ایک حیرانی اور پریشانی سی ظاہر ہونے لگی یہ حالت دیکھ کر میں نے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے ایسا سوال کیوں کیا تھا اس شخص نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ "جناب مجھے اس بات کے معلوم کرنے کا شوق ہوا کہ وہ ملک کونسا ہے جس کی زبان میں بیسویں صدی میں بھی ایک ایسی معمولی شئے کیلئے جیسے گھڑی ہوتی ہے اور ایک ایسی روزمرہ کی ضروری چیز کے لئے جسے وقت کہتے ہیں الفاظ موجود نہیں ہیں" اس جواب سے میں ایسا شرمندہ ہوا کہ کبھی کسی بات سے اتنا شرمندہ نہ ہوا تھا۔ اور اس دن سے جو سبق مجھ کو حاصل ہوا آج تک نہیں بھولا یعنی ہندوستان کی بڑی زبانوں کو قوت دینے اور زمانہ حال کے مطابق بنانے کا اصول میرے لئے ایک مذہبی عقیدہ ہو گیا ہے۔

اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت کہ ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے اکثر لوگوں نے نا اتفاقی کا ہوا اپنی آنکھوں کے سامنے لا کر اس خیال کو بہت ناپسند کیا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مختلف صوبوں کی مختلف زبانوں کو اس طریقہ سے قوت دیکر مستقل زبانیں بنا دیا گیا تو پھر یہاں کی قوموں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی امید سے جس کے ہم سب خواہشمند ہیں ہاتھ دھو بیٹھنا چاہئیں۔ اگر اس دلیل کو ایک مرتبہ بھی صحیح مان لیا گیا تو میری رائے میں اس سے نہایت مضر نتائج پیدا ہوں گے کیونکہ اے خواتین و حضرات! یہی دلیل پھر وہ لوگ بھی پیش کرنے لگیں گے جن میں کافی حماقت اس دعوے کی موجود ہے کہ جب تک سب لوگوں کا ایک ہی مذہب ایک ہی طرح کی غذا ایک ہی طرح کا لباس اور ایک ہی طرح کا طرز خرام نہ ہو جائے اس وقت تک .... ہمارے ملک میں اتحاد کا ہونا ممکن نہیں۔

ہم کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ ہندوستان کا دل بہت بڑا ہے وہ ایک ایسے قدیم زمانہ سے جس کی یاد بھی دلوں سے محو ہو چلی ہے مختلف و متضاد ادیان اور مذاہب فلسفہ کا مولد و مسکن رہا ہے اور ان سب کو اپنا بچہ سمجھ کر اس نے ہمیشہ اپنے سینہ سے لگائے رکھا ہے علاوہ اس کے میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ اس کا ضامن کون ہے کہ اگر ملک کی زبان ایک ہی کر دی جائے تو ہندوستان ایک متحدہ ملک ہو جائیگا جس وقت میں امریکہ کے حالات پر غور کرتا ہوں جو [illegible] تمدن میں جس وقت میں دیکھتا ہوں کہ وہاں غریب حبشیوں کا کس بے رحمی سے خون بہایا جاتا ہے اور ان کے ساتھ اس سے بھی بدتر برتاؤ کیا جاتا ہے جو ہم جانوروں کے ساتھ کرتے ہیں باوجودیکہ ان حبشیوں کی زبان وہی ہے جو امریکہ کے باشندوں کی زبان ہے اور جس وقت میں ہالینڈ بلجیم اور خوبصورت سویزرلینڈ کی طرف نظر اٹھاتا ہوں جو باوجود ایک سے زیادہ زبانیں رکھنے کے اکثر یک لسانی ملکوں سے کہیں زیادہ اتحاد رکھتے ہیں تو ایسی حالت میں کیا میرے لئے یہ ایک احمقانہ فعل نہ ہوگا کہ قومی اتحاد کو قائم کرنے کے لیے میں اس بیان کو قبول کر لوں کہ سوائے ایک زبان کے باقی کل زبانوں کو مٹا دینا لوازمات میں سے ہے۔

فطرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے ملک کو گوناگوں نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ نہ صرف تمام دنیا کے موسموں کے نمونے بلکہ تقریباً تمام عالم کی نباتات و حیوانات کی اقسام و انواع اس میں موجود ہیں لیکن اسی قدرتی وصف کی بنا پر کہ طرح طرح کی زبانیں اس میں ہیں۔ ان کو بھی برقرار رہنے دینا چاہئے خواتین و حضرات! یہ گوناگونی و بوقلمونی جس قدر زیادہ ہمیں نصیب رہے گی اسی قدر تمدنی تہذیب کے رنگوں میں بھی قوس قزح کے شوخ اور خوبصورت رنگوں کی طرح حسن پیدا ہوتا جائے گا اور بنی آدم کی تاریخ میں اسی سرزمین سے یہ تہذیب دوبارہ اٹھکر اس رحمدلی سخاوت اور رواداری کا سبق پڑھانے کے لئے وارد ہوگی جسے افسوس ہے کہ دنیا کے بڑے حصہ نے اس مادیت کے زمانہ میں آسانی سے فراموش کر دیا ہے۔

جہاں تک زندگی کے عملی مقاصد سے تعلق ہے مجھے یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ آپ نے نہایت دانشمندی سے اپنے نصاب تعلیم میں انگریزی زبان کو ایک لازمی مضمون قرار دیا ہے ہندوستان کی سیاسی زندگی میں انگریزی زبان کو ایک خاص درجہ حاصل ہو گیا ہے جس کی اہمیت کا ایک ثبوت خود میری طرف سے یہ ہے کہ میں اس وقت آپکے سامنے انگریزی میں تقریر کر رہا ہوں پس ہندوستان کی بھلائی چاہنے والوں کا فرض ہے کہ اس زبان کی تحصیل میں جہاں تک ممکن ہے کوشش کریں اور جس وقت تک یہ زبان محض زبان کی حیثیت سے پوری توجہ سے سیکھی جائے گی اس کا نتیجہ ہمارے لئے سوائے نفع کے کچھ اور نہ ہوگا لیکن ذریعہ تعلیم بنا کر اس کا استعمال میں نقصان دہ سمجھتا ہوں اور میں آپ کو خبردار کئے دیتا ہوں کہ اگر اسکو آئندہ بھی ان تمام مدارس میں جو ہماری لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ملک میں قائم کئے گئے ہیں تعلیم کا ذریعہ بنائے رکھا تو ہماری معاشرت اور تہذیب کی بنیادیں اس قدر کمزور ہو جائیں گی کہ ان پر کوئی عمارت دائمی حسن اور مضبوطی کی قائم نہ ہو سکے گی۔

خواتین جو آج اس جامعہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلی ہیں ان کو یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ قوم میں ان کی عورتوں کا سب سے نیک فرض یہ ہے کہ وہ اس قوم کی بہترین روایات کی محافظ و پاسبان رہیں۔ اگر ایک مرتبہ بھی ان روایات کی قدر ان کے دل سے اٹھ گئی تو پھر بھی بے قدری کا خیال ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہے گا اور وہ اس احساس کو کہ ہم دوسروں سے کمتر ہیں آئندہ کے لئے بھی منتقل کریگی۔ کمتری کا وہ احساس جس پر خود دل گواہی دینے لگے ایک مرض ہے جو قوموں کو یقیناً فنا کر دیتا ہے۔

میرے لئے اپنے ملک میں اس سے زیادہ دردناک منظر کوئی نہیں ہے کہ میں بعض احمق مردوں کی طرح بعض بدقسمت عورتوں کو بھی دیکھوں کہ وہ یوروپ والوں کے طریقوں اور رواجوں کی نقل اتارنے کو تعلیم کا نمونہ سمجھ رہی ہیں

اور اس بات کو بھول گئی ہیں کہ اس نقالی سے وہ اس عظیم الشان تہذیب کی توہین کر رہی ہیں جو ان کے بزرگوں سے ان کو پہونچی تھی۔ ہر قوم کے طریقہ رسم و رواج ان مختلف مراحل ارتقاء کا نتیجہ ہوتے ہیں جن میں سے اس قوم کو گزرنا پڑا ہے ان کو یک لخت ترک کر دینے سے توجہی معاشرت کو ایسا زخم پہونچتا ہے جیسے کسی زندہ جسم سے کوئی عضو کاٹ ڈالا جائے جس طرح ارتقاء کا سلسلہ لا متناہی ہے اسی طرح کسی قوم کے طریقوں اور رواجوں میں تبدیلیاں بھی نا مختتم ہیں یہ کوشش کہ اس سلسلہ ارتقاء کو اپنے ملک کے طریقے اور رسم و رواج یک لخت اختیار کر کے جلد طے کر لیا جائے جس کی تاریخ کا ارتقاء ہماری تاریخ سے جداگانہ طرز پر ہوئی ہے میری رائے میں ایک نہایت بدنما کام ہے اگر ہم اپنے ملک کی گزشتہ ساٹھ برس کی تاریخ پر غور کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ اس بیان میں مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس زمانہ تعلیم و تربیت کے متعلق کارہائے نمایاں ان لوگوں سے عمل میں آئے ہیں جنکو وہ تعلیم جسے ہم مغربی تعلیم کہتے ہیں نہیں ملی تھی بلکہ یہ لوگ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان وہ تھے جن کی طبیعتوں کا نشو و نما اس طریقہ تعلیم پر ہوا تھا جو خاص اس ملک کی تعلیم تھی۔

صرف ایسے ہی طرز تعلیم سے جو ہمارے ملک کی خاص ضروریات کو پورا کرے ہماری قوم میں وہ قوت پیدا ہو سکتی ہے جس کے بغیر ممکن نہیں کہ زحمت و کاہش کا وہ بار گراں قوم سے اٹھ سکے جو باقی دنیا سے مقابلہ کرنے میں آجکل درکار ہے اگر آپ کو یہ دیکھنا ہو کہ غیر ملکوں کی تہذیب اور علم میں جو چیزیں بہترین ہیں ان کو بغیر اپنی تہذیب کی خوبیوں میں خرابی پیدا کئے کیونکر حاصل کیا جاتا ہے تو آپ صرف جاپان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں جاپان میں مرد تو گھر سے باہر کی سخت محنت و مشقت کی زندگی سے کھرکھرے اور کرخت ہو گئے ہیں لیکن عورتیں اب تک اس تہذیب و شائستگی کی تمام حسین و متبرک چیزوں کی معزز محافظ ہیں جن کا ارتقاء قوم کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہوا ہے جاپان کی خانگی زندگی میں مغرب کا اثر تقریباً معدوم ہے پس میری تمنا ہے کہ ہماری قوم بھی باقی دنیا کی تہذیب کو اسی آسانی کے ساتھ بغیر قومی خودداری کو نقصان پہونچائے ہندوستانی تہذیب بنا لے جیسا کہ جاپان سے عمل میں آیا ہے۔

میں نے اس تقریر میں اس تہذیب کو برقرار و سلامت رکھنے کی ضرورت پر جسے ہم اپنی تہذیب کہتے ہیں بار بار اتنا زور دیا ہے کہ عجب نہیں لوگ مجھے ایک حد سے گزرا ہوا قدامت پرست کہنے لگیں لیکن میں اس خطرے سے گذر جاؤں گا اگر میں آپ پر یہ امر واضح کر دوں کہ میری رائے میں لفظ تہذیب اپنے بہترین مفہوم میں کبھی ایسی چیز سے مراد نہیں ہو سکتا جو نسل انسان کی کسی جماعت کے لئے بھی حقیقت میں مضر ہو اس بنا پر میں تمام ایسی رسوم کے ترک کرنے کا بدرجہ غایت حامی ہوں جن کو علم کی پھیلی ہوئی روشنی نے ہماری قوم کے نفع کے خیال سے نقصان دہ ثابت کر دیا ہے مانا کہ یہ رسوم ہم کو اپنے بزرگوں سے میراث میں ملتی چلی آئی ہیں۔ میں پھر اس خیال کا اعادہ کرتا ہوں جسے میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں ایسی چیزوں میں بھی جو ہماری زندگی کے تہذیبی پہلوؤں سے متعلق ہیں اور جن کو عموماً خانگی و معاشرتی کہا جاتا ہے ارتقاء کا قائل ہوں انقلاب کا قایل نہیں تمام پرانی چیزوں کو واجب التعظیم سمجھنا ایسی ہی حماقت کی بات ہے جیسے کہ تمام نئی چیزوں کا احترام کرنا میرا مطلب آپ صاحبوں کو یہ بتانا ہے کہ اچھی چیزوں کے انتخاب میں انہی اصولوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جن کو اختیار کر کے جاپان کی قوم ایک معزز اور مضبوط قوم جیسی کہ وہ آج ہے بن گئی ہے۔

خواتین و حضرات! میں اس دن کے خواب دیکھ رہا ہوں جبکہ ہند کے عرض و طول میں اس کی ہر ایک بڑی زبان کی نمایندگی ایک ایسی جامعہ سے ہونے لگے گی جیسی کہ آپ کی جامعہ ہے اور علم کے ایسے ہی سرچشموں سے وہ ندیاں جاری ہوں گی جو اس ماتا دیس کی مقدس گنگا کی طرح ایک دریائے ذخار بنکر ہماری علمی زندگی کو جو آج راجپوتانہ کے ریگستان کی طرح خشک و بنجر ہو رہی ہے۔ شاداب و سر سبز کر دیں گی۔

ایسی ہی جامعات کے تلامذہ جو کچھ انہوں نے حاصل اس کی عظمت کا یقین دل میں لئے ہوئے اور اس بات پر فخر کرتے ہوئے کہ وہ خود اس علم اس سرزمین کا ثمرہ ہیں جس میں وہ پیدا ہوئے تھے جس وقت پرانے رشیوں کے سے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے ماتا دیس میں حقایق کا وعظ کہنے اٹھیں گے تو ان کی تلقین سے جسے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں گے ملک کی مخلوق بے زبان میں ایک نئی جان پڑ جائیگی اور تمام ملکوں میں اس علم کی روشنی پہونچ جائے گی جس کے سوا کوئی دوسری چیز قوم کی کمزوریوں اور برائیوں کو دفع نہیں کر سکتی۔

جس ملک میں اتنی غیر جنس قومیں آباد ہوں جیسے کہ ہمارا ملک ہے وہاں اتحاد کی بڑی بندش جو واقعی اثر رکھتی ہے وہ صرف حب الوطنی ہے محبت ایسی چیز ہے جو تمام تفریقوں کو مٹا دیتی ہے اور صرف وطن اور بنی آدم سے محبت رکھنی وہ شئے ہے جو بہت سی مشکلات کو جو اس وقت ہمیں درپیش ہیں حل کر سکتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ مجھے کامل یقین ہے کہ نفرت و عداوت کی بنیاد پر کوئی مستقل عمارت قایم کرنی کسی طرح ممکن نہیں جو طوفان اس وقت ہندوستان میں برپا ہے اور جو ہمارے امن و عافیت کے تعلقات کو جن کا قایم و موجود رہنا ان مختلف قوموں میں جو ہمارے ملک میں آباد ہیں ضروری ہے سخت نقصان پہونچا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ طوفان ایک عارضی مصیبت ہے خواہ مرد ہو یا عورت جس کسی کی یہ خواہش ہے کہ اس کو تعلیم یافتہ انسان کہا جائے اس کا فرض ہے کہ تا مقدور ایسی قوتوں کو توڑے جو ہمارے اس عظیم الشان ملک کے لوگوں کو ایسے گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہیں جو غصہ اور عداوت میں بھرے ہر وقت آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔

جبکہ ایسی مختلف قوموں نے جیسے کہ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی ہیں باوجود پرانی رقابتوں اور عداوتوں کے جو ان کی روایات سابقہ سے ثابت ہیں ایک مجلس قایم کر کے لڑائی کو تقریباً ایک واقعہ ماضی بنا دیا ہے تو پھر ایک ہی ملک میں بسنے والی قوموں کے لیے جہاں وہ ایک ہی موسم اور تقریباً ایک ہی سے معاشرتی اور معاشی حالات میں رہتی ہیں یہ کام مشکل نہ ہونا چاہیئے کہ کم سے کم وہ جماعتی نزاعات و اختلافات کو قطعاً ناممکن کر دیں۔

خواتین و حضرات! کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا ہے کہ جو دو بڑی قومیں اس ملک میں آباد ہیں ان کی باہمی کارکردگی نے دنیائے فنون کو ایک ایسی عمارت تیار کر کے پیش کی جس کے حسن کا عالم میں جواب نہیں۔ تو پھر کیا اسکی امید کرنی کوئی عجیب بات ہوگی کہ آیندہ قریب ہی کے زمانہ میں یہ دونوں قومیں اپنی قدیم تمدن کی حقیقی بزرگی کو اس طور پر ثابت کریں کہ دنیا کو سیاسیات کا ایک جدید نظریہ ایسا پیش کریں جو ہند سے باہر کے ملکوں پر ظاہر کر دے کہ کس طرح وہ انسانی گروہ جو مختلف زبانیں مختلف مذاہب رسم و رواج رکھتے ہیں۔ اپنے ملک اور وطن کی محبت میں تمام تفرقوں کو مٹا کر ایسی قوم واحد بن سکتے ہیں جو دنیا کی اور قوموں کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے لیے اور اپنے ملک کے لیے وہ قوت اور عزت حاصل کر سکتے ہیں جو جنگی جہاز اور کلدار توپیں رکھنے سے نہیں بلکہ ان اصولوں پر یقین رکھنے سے لازوال ثابت ہوں گی جن کی بنیاد خالص اخلاق پر رکھی گئی ہے۔

آل پارٹیز کانفرنس

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے نایب معتمد نے اعلان کیا ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس شنبہ ۲۵ اگسٹ ۱۹۲۸ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں منعقد ہوگی اور دستور حکومت ہندوستان پر نہرو کمیٹی کی رپورٹ پر غور و خوض کریگی۔

لیجسلیٹو اسمبلی کا آیندہ اجلاس

لیجسلیٹو اسمبلی کے اجلاس شملہ میں حسب ذیل غیر سرکاری کام کے پروگرام کا اعلان ہوا ہے۔

شنبہ، پنجشنبہ، پنجشنبہ ۸ / ۱۳ / ۲۰ ستمبر برائے مسودہ جات قانون۔

چہارشنبہ، سہ شنبہ، دوشنبہ ۵ / ۱۱ / ۱۸ ستمبر برائے تحریکات۔

امن عالم

ممالک متحدہ کا فوجی میزانیہ

ترجمہ

(از احمد عبداللہ صاحب مسداوسی بی اے جامعہ عثمانیہ)

آج کل دنیا تاریخ کے اہم اور مشکل ایام سے گذر رہی ہے۔ بڑی بڑی اقوام اس طرح مسلح ہو رہی ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ان کی قبل ازیں تیاریوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ بظاہر تو جنگ کا کوئی خطرہ نظر نہیں آتا لیکن جس دیوانگی کی سرعت کے ساتھ ممالک متحدہ جاپان اور ایک حد تک فرانس جیسے ممالک قومی مدافعت کی جن وسیع تیاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ بہت ہیبتناک خطرہ پیدا کرتی ہیں کہ فی الحقیقت کسی نہ کسی قسم کا بین الاقوامی سمجھوتہ خیال موجود ہے۔ یہ خطرہ مبنی بر واقعہ ہے جس سے دنیوی معاملات میں دلچسپی لینے والے افراد ناواقف نہیں۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ یہ واقعات رفتہ رفتہ سنہ ۱۹۱۴ء میں دنیا کی تباہی کے قبل کے حالات کا رنگ اور وسعت حاصل کرتے جارہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ سراجیو کا قتل اس لڑائی کی ابتداء کا اصلی سبب نہیں تھا۔ کیوں کہ ٹیوٹن اور سلیو اقوام کی تاریخی رقابت بلقان کے اندر ایک دن میں تو پختہ نہیں ہوئی تھی۔ اصل میں مشرق یورپ اور وہاں سے آگے مشرق کی طرف جرمنی کی ہوس ملک گیری اور روسیوں کے ناگزیر ردعمل کی ابتداء بسمارک اعظم اور کیتھرائن ملکہ روس کے زمانہ میں ہوئی تھی ان لوگوں کا منشا اندرونی ریاستوں اور ان کی حفاظت کے لئے بیرونی فوج کا قیام تھا جب وسطی یورپ کی قومیں صنعت میں ترقی کرنے لگیں اور اپنی بہبود کی پیداوار کے لئے اسی طرح کے ممالک کی طرف حریصانہ نظریں ڈالنے لگیں تو حالات نے ایک نئی صورت اختیار کرلی۔

انگلستان کا حال جداگانہ ہے اس زمانہ میں اس کے یہاں نوآبادیاں نہ تھیں اور یورپ کی ترقی پذیر اقوام کے ساتھ اس کے تعلقات اس نوعیت کے نہ تھے کہ برا نظر کی سیاسی تحریکوں سے قریبی تعلقات کی موجودگی کا باعث ہوتے یورپ کے متبعین اور اصلاح یافتہ چرچ کے متقلدین کی بدلنے والی قسمتوں میں لگا ہے اب دلچسپی کے قطع نظر انگلستان کی دلچسپی بالکلیہ اس کی داخلی سیاست پر مرکوز رہی لیکن مشرق اور مغرب کی اندر تجارت کے نئے راستوں نے انگریزوں کے قوائے عمل کو بحری سیادت کے حاصل کرنے کے لئے پوری طور پر متحرک کر دیا۔ اس جزیرہ کے مقہور باشندے دو نسلوں کی قلیل مدت کے اندر ہی اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ طاقتور بحری قوت کے مالک بن گئے اور جس تن دہی و جدوجہد کے ذریعہ انہوں نے کامیابی حاصل کی اس کی تفصیل کے لئے ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوگی۔

مقبوضات، صنعت و حرفت تجارت اور غیر ممالک کی منڈیوں پر قبضہ کرنے کی صلاحیت میں سلطنت برطانیہ انتہائی اثر اور شان و شوکت کے میناروں پر پہنچ گئی ہے اگر واقعات کی رفتار یہی رہی تو یہ نتیجہ حاصل کرنا ممکن ہوگا کہ کل کی دنیا کے لئے کوئی نظر آنے والا اسیر و خطر نہیں ہے۔ لیکن دنیا کے چہرہ پر دھندلے امکانات جنگ نے اپنا منحوس سایہ ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ بحر الکاہل، بلقان اور بحر ظلمات کے حالات ایسے جھٹلانے والے علامات ہیں۔ جو دنیا کے ایک دوسرے سے تصادم کے منحوس اسباب بن سکتے ہیں۔ یہ بیان کمزور قنوطیت کی نشانی نہیں ہے۔ بلکہ گذشتہ دو سالہ حالات کے تجربہ اور واقعات پر اس کی بنیاد استوار ہے۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایک سے زیادہ کوششیں اس امر کے لئے کی گئی ہیں کہ ایک دوسری جنگ کے امکان کو ساکن رکھا جائے۔ اس قسم کی پہلی کوشش سنہ ۱۹۲۲ء کی ابتداء میں ممالک متحدہ امریکہ کے سکریٹری ہگس کی دعوت پر جنگ کے تین سال بعد کی گئی تھی۔ اس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کی کہ امریکہ اور یورپ کی تمام ممتاز بحری قوتیں یا تو بحری تعطیل کے منصوبہ پر متفق ہو جائیں یا اس کے مقابل میں جہاز سازی کی اسکیم کے اختصار پر جس کے اندر بحری اسلحہ جنگ کی قابل لحاظ کمی شامل تھی راضی ہو جائیں۔ لارڈ بالفور جنہوں نے انگلستان کی نمائندگی کی دوسری تجویز کی گرم جوشی کے ساتھ تائید کی۔ انگلستان کی مخصوص بحری حالت کے تحت کم سے کم انگلستان کی قوت کے اندر کمی کی درخواست کی۔ انگلستان کی بحری طاقت کے متعلق انہوں نے کہا کہ انگلستان کی حریت کا ستون ہے اور حقیقت میں یہی برطانیہ کے باشندوں کی روزی رساں ہے۔ انگلستان کوئی زرعی ملک نہیں ہے اس کو اپنے افراد قوم کے رزق کے لئے ایک کے واسطے صرف ایک اونس مکھن اور ایک سیر آٹے کی ضرورت ہے۔ جو لاکھوں کی تعداد میں صنعت و حرفت کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ اور یہ اشیاء سمندروں کے پار مہیا کی جاتی ہیں۔

واشنگٹن کانفرنس اپنے اصل مقصد کے حصول میں ناکام رہی لیکن جب وہ برخواست ہوگئی تو اس کے شرکاء اپنے بحریہ کے اسلحہ کی تخفیف کے مسئلہ پر راضی ہوگئے اور اپنی جہاز رانی کی اسکیم کو اس طرح ترتیب کرنے پر متفق ہوگئے کہ دوست جماعتوں کو کسی قسم کی بے اطمینانی کا موقعہ نہیں دیا جائیگا۔ اس فیصلہ کو پانچ سال گذر گئے اور جنیوا کا بین الاقوامی بورڈ پرانی اسکیم کی اصلاح اور کانٹ چھانٹ میں مصروف ہے۔

چوں کہ امریکہ نہ لیگ کا رکن ہے۔ اور نہ اس کی سرگرمیوں میں سے کسی کا حامی ہے۔ اس لئے ممالک متحدہ کی بحری اور بری مدافعت کی اسکیم کسی انتہائی غور و توجہ سے آزاد ہے لیکن کیا جنیوا کا بورڈ اپنے مقصد سے اب زیادہ قریب ہے کہ امریکہ اس کی تجویز کا پابند نہیں ہے؟ رپورٹیں بتلاتی ہیں کہ روس جو جنیوا کی مجلس کا سب سے آخری رکن ہے تخفیف اسلحہ کی اس اسکیم کو آخری ضرب لگا چکا ہے۔ وہ تمام انواع بحریہ اور جنگ کے اندر ہر قسم کی ہوائی قوت سے کام لینے کا طرفدار ہے۔

ہم نہیں کہتے کہ یہ تجویز سنجیدگی کے ساتھ پیش کی گئی ہے اور نہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے دائمی خطرہ کو رفع کرنے کے لئے یہ قابل عمل نسخہ تجویز کیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے کوئی بڑی بحری طاقت نہ ہونے کے باعث ان لوگوں کے لئے جن کی نوآبادیات دور دور پھیلی ہوئی ہیں۔ مناسب ضمانت کا مہیا کرنا یا نہ کرنا اور بحری راستوں کی حفاظت کرنا کوئی اہم معاملہ نہیں ہو سکتا۔

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ روسی تجویز کو مسترد کر دیا گیا۔ لیکن کیا یہ فعل اصلی سوال کے حل کی طرف منجر ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ وقت کی اس اہم اور خطرناک ضرورت کے لئے یہی نہیں کہ کوئی حل نہ دریافت ہو سکا بلکہ امریکہ جو بحری اسلحہ کی تخفیف کے کسی معاہدہ کا پابند نہیں ہے۔ اپنی بری و بحری قوتوں کی ترقی کا ایک زبردست خاکہ زیر عمل لا رہا ہے۔ جس پر چھ سو چھیالیس لیے جو ساٹھ کروڑ پچاس لاکھ ڈالر خرچ ہوں گے۔ جو گزشتہ سال کے موازنہ کے مقابلہ میں بیس ملین ڈالر کی زیادتی کو ظاہر کرتا ہے۔

ہم سے کہا گیا ہے کہ اگر کانگرس ان اخراجات کو قبول کرے تو امریکی بحریہ کو تین سو سینتالیس ملین ڈالر ملینگے۔ جو گزشتہ سال کے موازنہ سے اڑتالیس ملین ڈالر زیادہ ہیں۔ یہی اخراجات ایک ہزار ہوائی جہازوں میں سے چھ سو چھیانوے جہازوں کے لئے قیمت کا کام دینگے۔ جو بحریہ کے پنج سالہ پروگرام کے تحت تیار ہو رہے ہیں۔ اور گیارہ سو ہوائی جہاز فوجی سرویس کے لئے تیار ہوںگے اسی رسے ہم تحت البحر کشتیاں اور آٹھ کروڑ بھی جو زیر تعمیر ہیں بتلا سکینگے۔ جس کے ذریعہ محکمہ تجارت کا قرار داده دس ہزار میل کا ہوائی راستہ مکمل ہو سکیگا۔ ممالک متحدہ کے خزانہ کا معتمد لکھتا ہے کہ ملک اس بار کو اٹھانے کے پوری طرح قابل ہے کیوں کہ اس کے محفوظ سونے کی مقدار گذشتہ تین سالوں میں چند ملین ڈالر سے ترقی کر کے چار ہزار پانچ سو اڑتالیس ملین ڈالر کی مقدار عظیم تک پہونچ گئی ہے۔ ممالک متحدہ کے مصارف جنگ تینتیس ملین ڈالر کو پہنچتے ہوئے اس کا موجودہ میزانیہ نہایت حیرت ناک اعداد کو پیش کرتا ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ یہ تیاریاں کیا صلح و امن کو ترقی دیں گی یا کم از کم تخفیف اسلحہ کو مدد پہنچا سکینگی؟ اگر امریکہ زیادہ بحریہ تیار کر رہا ہے تو جاپان بھی یہی کرے گا اور انگلستان ایک وسیع بحری بورڈ کے ذریعہ اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھائے گا۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی جو کبھی امن پسندانہ رجحان طبع کے لئے ممتاز نہیں رہے ہیں۔ امن کے کعبہ کے راستہ کو چھوڑ کر اس ترکستان کی راہ پر چلے جائیں گے جس پر نیک نفس امریکہ اور خدا ترس انگلستان جا رہے ہیں۔ یہ حالات کی حقیقی نوعیت ہے اسلحہ سازی میں قدیم تیاریاں اب دنیا کی امن پسند اور قانون کی عزت کرنے والی اقوام کے لئے کوئی ہتوا نہیں ہیں۔ بلکہ اب وہ ایک خطرناک صداقت کی صورت میں جلوہ گر ہیں۔

لیکن عجیب ترین چیز یہ ہے کہ امریکہ نے اس معاملہ میں رہنمائی کی ہے۔ ہم اس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حالات کو بد سے بدتر نہ بنائے جو مختلف اغراض اور حریف مقاصد کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں شمشیر آزمائی پر آمادہ کر دے گا۔ امریکہ اپنی کامل حفاظت اور علیحدگی کے سبب اپنی جہاز سازی کی اسکیم میں ایسے عظیم الشان اضافوں سے بے پروا ہے۔ اس کو اپنی دولت اور تجارتی فوقیت کا ممنون ہونا چاہیئے کہ براعظم کی سیاسیات کی پیچیدگیوں سے وہ بالکل آزاد ہے۔ اس کی اصلی غرض امریکہ کے اندر امن پھیلانا اور یورپ میں امن جویانہ مساعی کی امداد و نگہداشت ہونا چاہیئے۔ اس کو اپنی سوسالہ روایات پر سختی سے کاربند رہنا چاہیئے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ امن پسند اور ترقی پذیر قوم رہی ہے۔"

(ینگ مسلم)

گراموفون کے نئے ریکارڈ کی ایجاد

گراموفون کے ریکارڈ اب تک سلولائیڈ کے بنے ہوئے ہوتے تھے جو ذرا سے صدمہ سے ٹوٹ جاتے تھے لیکن اب مسٹر جے گڈاسن نامی ایک شخص نے نئے قسم کی ریکارڈ ایجاد کئے ہیں جو بے حد پائیدار ہیں۔

موجد نے اپنے ریکارڈ کو امتحاناً لندن میں ہوٹل سسل میں پیش کیا پہلے اس ریکارڈ پر سے ایک موٹر چلائی گئی موٹر کے وزن سے نہ صرف ریکارڈ ٹوٹا نہیں بلکہ جب اس کو گراموفون پر رکھکر چلایا گیا تو گانے میں قطعاً فرق نہ آیا۔

اس کے بعد اس ریکارڈ پر کھڑے ہو کر ایک رقاصہ نے اپنا ناچ دکھایا اس سے بھی ریکارڈ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

اس کی اور خوبیوں کے متعلق موجد کا بیان ہے کہ یہ بے حد ہلکا لچکدار اور سستا ہے اس کا وزن تین چار تولہ کے قریب ہے برخلاف اس کے موجودہ ریکارڈوں کا وزن پندرہ بیس تولہ کے قریب ہوتا ہے ان خوبیوں کے علاوہ یہ ریکارڈ حجم میں اتنا پتلا ہے کہ ذرا سی جگہ میں کئی ریکارڈ آ سکتے ہیں اس میں لچک اتنی ہے کہ اس کو لپیٹ کر جیب میں رکھا جا سکتا ہے یا ڈاک کے ذریعہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر روانہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور خصوصیت قابل ذکر یہ ہے کہ اس ریکارڈ کے لیے مثل مروجہ ریکارڈوں کے ہر دفعہ نئی سوئی بدلنا نہیں پڑتی اس کو آزمائش کے طور پر ایک ہی سوئی سے تین سو مرتبہ چلایا گیا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ظاہر ہوا لیکن موجد کا بیان ہے کہ جس قدر سوئی پرانی ہوگی اتنا ہی اس کا گانا عمدگی سے سنائی دے گا۔

ایک اور خصوصیت اس میں یہ ہے کہ یہ ہر قسم کے رنگ میں بنایا جا سکتا ہے یا اس پر تصویر یا تحریر چھاپی جا سکتی ہے اس خصوصیت کی نسبت موجد کا بیان ہے کہ اس سے اشتہار بازی یا تعلیمی مقاصد بھی پورے ہو سکتے ہیں باوجود ان متعدد خوبیوں کے اس کی قیمت موجودہ ریکارڈوں سے بہت کم ہوگی۔

بارکنگ ایل نارتھ آکٹن میں ایک کمپنی نے اس کو کثیر تعداد میں بنانے کا کام اپنے ذمہ لیا ہے کمپنی نے آٹھ پریس طلب کئے ہیں ہر پریس فی ہفتہ چار لاکھ ریکارڈ تیار کرے گا اور امید کی جاتی ہے کہ دو مہینے کے عرصہ میں ریکارڈ بننے شروع ہو جائیں گے۔

نیشنل ہیرلڈ

عورتوں سے بیزاری

انگلستان میں بمقام ہلی نوجوان مردوں کا ایک کلب بنام لیوریکا بیچلر کلب قائم ہوا ہے جو عورتوں سے بیزار ہیں ان کا فقرہ ہے "ہمیں عورتیں نہیں چاہیئں" یہ کلب صرف انہیں نوجوان مردوں کے لیے ہے جو مجرد ہیں اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ وہ شادی نہیں کرینگے اگر اس کلب کا کوئی ممبر کسی لڑکی سے ملتا ہے تو اس پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے ممبر کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے لڑکیوں سے ملنے جلنے کا موقع ہی نہ پیدا ہو ایک اخبار کے نمائندے سے اس کلب کے معتمد نے کہا "ہم مردوں کو مرد بنانا چاہتے ہیں نہ کہ عورت، آج کل زنانہ مزاج مردوں سے بھرا ہوا ہے اور لڑکیوں کی یہ حالت ہے کہ مدرسہ چھوڑتے ہی شادی کی خواہش اور کوشش شروع کر دیتی ہیں۔ ہم اس قسم کی لغویت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

لڑکیوں کی دوستی اور صحبت سے نوجوانوں کو محترز رکھنے کے لیے کلب اس بات کا انتظام کر رہا ہے کہ ورزش جسمانی اور مردانہ کشتیوں کے اکھاڑے قائم کرے۔

معتمد نے اسی ملاقات کے دوران میں کہا کہ "ابھی ہم کو قائم کیے ہوئے چھ ہفتہ ہی گزرے ہیں مگر ہمارے پاس (۲۵) ممبر شریک ہو گئے ہیں اور شرکت کا سلسلہ جاری ہے ہمارا صدر برادر ای ولکینسن ہے جو بولٹن وانڈررس کے ساتھ فٹ بال کھیلتا ہے ہمارے تمام ممبر نوجوان ہیں جن کی عمریں (۱۸) اور (۳۶) برس کے درمیان ہیں۔"

اخبار کے نمائندہ نے دریافت کیا کہ اگر آپ کا کوئی ممبر شادی کرنا چاہے تو کیا ہو؟

معتمد نے جواب دیا "ہاں یہ ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں کہ ہماری لڑکیاں مردوں کا سا چال چلن سیکھیں اور یہ مردانہ پن مردوں ہی کے لیے چھوڑ دیں تب ہم اپنے قواعد میں ترمیم کر کے شادی کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں" (ترجمہ)

شعر و سخن

کلام الملوک ملوک الکلام

سلام

قطعہ
خدا در انتظارِ حمد ما نیست　　محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
ہزاران انبیاء گشتند پیدا　　کسے لیکن بمثلِ مصطفےٰ نیست

مطلع
یہ کرنا عرض آئے باد صبا سبطِ پیمبر سے　　کہ غم میں آپ کے دریا رواں ہے دیدۂ تر سے
کہو اشک و فغاں سے ذکر ہوتا ہے شہیدوں کا　　گرجتا ہو جیسے گرجے برستا ہو جیسے برسے
خدا کی شان یک قطرہ نہ پہونچا حلق تک شہ کے　　مگر ہے تیغ کا پانی کہ اونچا ہو گیا سر سے
جو دل کے سخت ہیں وہ بھی غم سرور میں گریاں ہیں　　عجب تاثیر ہے پانی نکل آتا ہے پتھر سے
مے حب نبی میں رات دن ہم مست رہتے ہیں　　نہ خم سے ہے غرض ہمکو نہ شیشے سے نہ ساغر سے
قیامت ہوگی برپا اور میدانِ قیامت میں　　اٹھیں گے ہم جو آنسو پوچھتے دامانِ محشر سے

مقطع
وہ ہیں اشکِ عزا اپنے۔ بدولت جن کی اے عثمان
جھکایا ساقی کوثر نے ہم کو جام کوثر سے

دیگر

مطلع
ثنائے اہل بیتِ مصطفےٰ میں فکر حیراں ہے　　کہ خود تطہیر کا جن کے وثیقہ نصِ قرآں ہے
خصوصاً نورِ عینِ خاتمِ پیغمبراں یعنے　　حسین ابن علی جس شاہِ دیں کا نام ذیشاں ہے
دیا ہے بے نہایت فضل اس کو حق تعالیٰ نے　　کہ جس کی ذات محبوبِ خدا کی راحتِ جاں ہے
گلستانِ رسول اللہ کا ہے وہ گلِ خنداں　　سپہرِ دینِ پاکِ مصطفےٰ کا مہرِ تاباں ہے
وہ کانِ منقبت بحرِ فضیلت مظہرِ رحمت　　شہادت مفتخر ہے اور امامت اس پہ نازاں ہے
جمالِ احمدی کا ہے وہ جسمِ پاک آئینہ　　کہ سر سے تا قدم نورِ خدا جس سے نمایاں ہے

مقطع
وہ ہمت تھی کہ عثمان راہ حق میں جان فدا کردی
اسی باعث لقب اس کو ملا شاہِ شہیداں سے

مُراسلات

(حیدرآباد بلیٹن اور نواب مسعود جنگ بہادر)

آج کل ہندوستان کے سارے اخبارات میں نواب مسعود جنگ بہادر کی بصیرت آمیز "افتتاحی تقریر" پر تنقید ہو رہی ہے اخباروں میں دو گروہ ہو گئے ہیں ایک وہ ہے جس کی ذہنیت استدلال اور حقیقت کی متجسس ہے اور دوسرا گروہ عصبیت کی آگ میں ڈوبا ہوا ہے جو کولہو کے بیل کی طرح کہتا ہے کہ نہیں! مادری زبان میں تعلیم دینے سے جو فایدہ ہوتا ہے وہی فایدہ انگریزی زبان سے ہو سکتا ہے لہٰذا اس کی مثال فلاں ہے وغیرہ۔ ہمیں توقع ہے کہ فاضل مدیرین نظام گزٹ اس مسئلہ پر بھی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گے۔ میں فی الحال صرف دوسرے گروہ کے ایک نمائندہ یعنی بلیٹن جو حیدرآباد کا نہایت ہی باخبر اخبار ہے اس کی رائے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

فاضل مدیر اڈیٹوریل کا آغاز اس طرح کرتا ہے "نواب مسعود جنگ بہادر آئی ای ایس ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے جامعہ عثمانیہ کے لئے ایک بہن کو ڈھونڈ نکالا" انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر جامعہ خواتین پونہ میں گزشتہ یکشنبہ کو کہا "میں اس امر کو محسوس کرتا ہوں کہ آج آپ سے خطاب کرنے میں میں ایک ایسے جامعہ سے خطاب کرتا ہوں جو ہر اعتبار سے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی حقیقی بہن ہے" اس کے بعد اپنی طفلانہ رائے کا اس طرح اظہار کرتا ہے "یہاں (حیدرآباد) بھائی (جامعہ عثمانیہ) ہے اور وہاں بہن ہے جو ۱۶ گھنٹے کے ریلوے کے سفر سے جدا ہوتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی بات کو کس طرح سمجھیں گے۔ بھائی صاحب تو ایک خط اردو میں تحریر فرماتے ہیں اور بہن صاحبہ مرہٹی میں لکھتی ہیں کیونکہ دونوں کو اپنے اپنے جامعہ کے اصولوں سے وفادار رہنا چاہیے۔ اور یہ دونوں نواب صاحب کے نظریہ پر یقین رکھتے ہیں کہ ایک قوم کی خداداد قابلیتیں صرف اس قوم کی مادری زبان میں پورے طور پر بار آور ہو سکتی ہیں اور اس اعتبار سے ہمارے طلبا کی علمی ترقی کے لیے تمام مضامین کا ان کو انگریزی میں پڑھایا جانا ایسا ہی نقصان دہ ہے" مدیر بلیٹن اس کے بعد یہ روشن خیال (اقتباس) نواب مسعود جنگ بہادر کے تسلسل کلام کو اس طرح منقطع کر دیتا ہے کہ مفہوم ہی مبہم ہو جاتا ہے اور جو وضاحت نواب صاحب نے کی ہے اس کی جانب قارئین کا ذہن منتقل نہیں ہوتا چنانچہ ہم اس میں اضافہ کر کے تسلسل کلام کو ختم کرتے ہیں "جیسے انگریزی طلبا کو مثالاً کہتا ہوں۔ جرمانی زبان میں پڑھایا جانا مضر ہو سکتا ہے باوجودیکہ لسانیات کے اعتبار سے جو رشتہ جرمانی زبان اور انگریزی زبان میں ہے وہی نسبت اس رشتہ سے جو انگریزی زبان اور ہندوستان کی زبان میں ہے کہیں زیادہ قریب کا ہے۔"

بہتر ہوتا کہ فاضل مدیر عصبیت کی عینک کو اتار کر واقعات کو حقیقت کی روشنی میں دیکھتا کیا کسی معقول آدمی کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں عذر ہو سکتا ہے مگر حیدرآباد بلیٹن کا مدیر ایسی معمولی تولہ برسو سمجھکر اعتراض کرنا پسند نہیں کرتا۔

اس عبارت کے بعد اس نے چند عاقلانہ یا طفلانہ سوالات کیے ہیں کہ کیا انگریزی سے نواب صاحب کو نقصان ہوا فاضل مدیر کی طبیعت میں اس قدر جلدبازی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے نواب صاحب کے اعتراف کو پڑھا ہی نہیں نواب صاحب نے ساتھ ہی ساتھ انگریزی زبان کی خوبیاں بھی بیان کر دی ہیں فاضل مدیر کی نظر کنویں کے مینڈک کی طرح خطبہ کے اچھے اور بہترین حصہ کی طرف نہیں جاتی ہم باخبر مدیر کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ خود انگریزی ادبیات کی تاریخ کا مطالعہ کرے اور اس کے بعد دیکھے کہ حقیقت میں انگریزوں کی تعلیم کی ترقی کب سے شروع ہوئی کیا انہوں نے فرینچ اور لاطینی کو ترک کرنے کے بعد انگریزی زبان میں علوم و فنون کی تحصیل شروع کی؟ اس کا کیا علاج ہے کہ جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک کی بھی مثال انھیں نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد جو سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات مدیر بلیٹن کو نظر آئی وہ یہ ہے کہ انگریزی زبان کے حروف ڈگری کے لئے کیوں استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً جی اے بی اے وغیرہ ان کے متعلق مدیر کہتا ہے کہ کیا یہ مرہٹی الفاظ ہیں جو مرہٹی جامعہ کے خواتین کے ناموں کے ساتھ استعمال کیے جائیں اس طرح نہایت فلسفیانہ یا طفلانہ انداز میں یہ بلیٹن لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو اردو میں ال ال بی کا امتحان پاس کرتے ہیں ان کے لیے انگریزی حروف ال ال بی کیوں استعمال کیے جاتے ہیں ان کے بجائے کیوں اردو الفاظ وضع نہیں کر لیے جاتے؟ کاش فاضل مدیر زبانوں کے خاندان سے واقف ہوتے کہ کس کس زبان میں کتنے الفاظ ایک زبان سے دوسری زبان میں لیے گئے ہیں ہم اپنے آپ کو اس قدر پست کرنا نہیں چاہتے کہ اسی قسم کی مثالیں پیش کر کے فاضل مدیر سے دریافت کریں کہ انگریزی زبان میں کیوں امیر البحر کے بجائے Admiral استعمال کیا جاتا ہے اور اسی قسم کے صدہا عربی کے الفاظ مخرب کر کے علم ہیئت میں کیوں استعمال کیے جاتے ہیں؟ کیا انگریزی زبان اس سے قاصر تھی؟

کاش فاضل مدیر ان طفلانہ اعتراض...... جیسے ال ال بی یا جی اے پی اے کے الفاظ کیوں اردو یا مرہٹی میں استعمال کیے جاتے ہیں کے بجائے کوئی معقول اعتراض کرتا اور وہ بھی متانت کے ساتھ یا کم از کم انڈین نیشنل ہیرالڈ یا اس قسم کے اور قومی اخباروں کی آرا کو بھی پیش نظر رکھتے مگر معلوم ہوتا ہے آپ نے اس کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ ۵ رمضان ۱۳۴۷ھ سید شعار احمد ہاشمی

ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ

آل پارٹیز کانفرنس نے جو کمیٹی ۱۹۲۸ء میں ہندوستان کے دستور کے اصولوں کے متعلق غور و خوض کرنے کے لیے منعقد کی تھی اب اس نے اس کانفرنس کے صدر کے ہاں اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے اور اس رپورٹ کو معتمد کانگریس نے شایع کر دیا ہے۔

رپورٹ میں متفقہ طور پر مطالبہ کیا گیا ہے کہ سیاسی قوت اور تمام قسم کی ذمہ داریاں انگلستان کے لوگوں سے ہندوستان کے باشندوں کے ہاتھوں میں دیدی جائیں اسکے سوائے کوئی راستہ نہیں

تبدیل مستقر پرگی

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب نظام گزٹ حیدرآباد دکن۔

تسلیم۔ آپ کے معزز اخبار مورخہ ۱۶ تیر ۱۳۴۳ ف عدد (۲۲) کے صفحہ (۱۱) پر رعایا تعلقہ پرگی کے ایک مراسلہ کا اقتباس شایع ہوا ہے اوس کی نسبت بہ لحاظ اس کے کہ میں پرگی کا متوطن ہون سطور ذیل لکھنے پر مجبور ہوں امید کہ جناب والا بسلسلہ اشاعت مذکور اس ناچیز عریضہ کو بھی اپنے معزز اخبار کے کسی گوشہ میں جگہ دیں گے۔

ف۱ جس مراسلہ کا اقتباس شایع ہوا ہے اوس کی اصلیت مشتبہ نہیں تو کم از کم یہ یقینی ہے کہ وہ تمام رعایائے تعلقہ پرگی کی آواز نہیں ہے اور اس مراسلہ پر جن لوگوں کے دستخطین ہیں یا جنہون نے لکھا ہے وہ ظاہر نہیں کیے گئے۔ کاش ایسا ہوتا تو مراسلہ کی اصلیت و وقعت معلوم ہو جاتی۔ جہان تک مجھے علم ہے پرگی میں کوئی انجمن یا جماعت ایسی نہیں ہے جو رعایائے تعلقہ کی نمائندہ ہو۔ جو کچھ حیثیت اس مراسلہ کی ہے وہ غالبًا ایک محضر کی ہوگی لیکن محضرون کی جو آجکل وقعت ہے وہ ظاہر ہے۔ عمومًا یہ ہوتا ہے کہ ایک یا چند خود غرض اشخاص محضر مرتب کر کے لوگون سے دستخطین لینیا کرتے ہیں جن کو اس کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس کا مضمون کیا ہے۔ بالعموم دستخط لینے والے صاحب کے اثرات مقامی یا مروت سے دستخطین ہو جایا کرتی ہیں کہیں یہ مراسلہ بھی ایسا ہی نہ ہو۔ یہ مجھے اس وجہ سے عرض کرنا پڑا کہ جس حد تک میں واقف ہوں میرے وطن پرگی اور دیگر مواضعات تعلقہ کی رعایا اس خواہش کے قطعًا مخالف ہے کہ مستقر تعلقہ پرگی سے بدلدیا جائے۔ اس پر غل کدہ اور کندرگ کے باشندگان چاہتے ہیں کہ ایسا ہو اور یہ خواہش انکی اپنے ہی اغراض اور سہولتوں تک محدود ہے نہ کہ تمام رعایائے تعلقہ کی سہولت کے لئے۔

ف۲ قبل اس کے کہ میں اوس مراسلہ کے اہم اجزا کی نسبت کچھ عرض کروں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ جدید ضلع بندی سے قبل پرگی مستقر تعلقہ پرگی نہیں بلکہ وہ پیٹھ کہلاتی اور وہاں نائب تحصیلدار کا مستقر تھا۔ بوقت ضلع بندی حکام کمیشن نے جو نہایت ہی تجربہ کار و مدبر حضرات تھے کافی غور و خوض کے بعد پرگی کو مستقر تعلقہ کے لئے منتخب فرمایا اور تعلقات کو جغرافیہ کو توڑکر اون کے اکثر مواضعات بہ لحاظ مناسبت تعلقہ پرگی میں شامل فرما دیے۔ اس کے بعد پھر یہ مسئلہ بغرض بحث آیا کہ پرگی مستقر تعلقہ کے لئے موزوں ہے یا نہیں؟ غالبًا عالیجناب مولوی یوسف الدین صاحب مرحوم و عالی جناب مولوی محی الدین علیخان صاحب ہنر تعلقداران وقت کے زمانہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ پرگی ہی مستقر تعلقہ کے لئے موزوں ہے باوجود اس کے تقریبًا ہر سال کندرگ اور مغلگدہ کے بعض باشندگان اس قسم کی درخواستیں دیا کرتے ہیں جن پر کوئی توجہ ہوتی ہے اور نہ ہونی چاہئے۔

ف۳ ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں دلی بہادر صاحب مددگار بندوبست کی یہ رائے ہو مگر اوس کے بعد اعلیٰ و ذمہ دار عہدہ داران مال نے اس کے خلاف رائے ظاہر فرمائی ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب تک مددگار صاحب موصوف ہی کی رائے قابل توجہ ہے ہر ایک کارروائی میں موافق و مخالف آرا کا امکان ہے لیکن آرا کے اثرات اور غلبہ سے چشم پوشی کر کے صرف موافق رائے کو ظاہر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

ف۴ مولوی مظفر امام صاحب مصنف کی رائے کو کوئی وقعت نہ دینی چاہئے کیونکہ وہ دورہ کنندہ عہدہ دار تھے اور نہ دیہات تعلقہ کے حالات اور رعایا کے جذبات و خواہشات سے واقفیت پیدا کرنے کا اون کے پاس کوئی ذریعہ تھا اور نہ اون کا زمانہ تعیناتی پرگی بھی بہت قلیل رہا ہے۔ باوصف اس کے اون کی رائے تمام تر مرجوعہ مقدمات پر مبنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کسی مقام کو مستقر تعلقہ قرار دینے کا معیار کبھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہاں مقدمات کا مرجوعہ زیادہ ہے اور بغیر تجربہ یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ کندرگ اگر مستقر تعلقہ قرار دیا جائے تو مقدمات کا مرجوعہ زیادہ ہوگا حالانکہ یہ تلنگانہ کا تعلقہ ہے۔ جہاں عدالتی مقدمات کا مرجوعہ قدرتًا کم ہوتا ہے۔ اضافہ مرجوعہ کے لئے پرگی پر کندرگ کو کوئی وجہ ترجیح بھی نہیں ہے۔

ف۵ یہ صحیح ہے کہ ریلوے اسٹیشن شادنگر سے بہ نسبت کندرگ کے پرگی کا فاصلہ زیادہ ہے لیکن اس کو کیوں مخفی رکھا گیا کہ وقارآباد اسٹیشن پرگی سے بہت قریب یعنی ۱۰ میل ہے جہاں پر ریلوے کا جنکشن قائم ہو رہا ہے۔ وقارآباد یوں بھی ایک تجارتی مرکز و تفریح گاہ ہے۔ حیدرآباد۔ ورنگل۔ (مستقر صدر نظامت مال سمت تلنگانہ) وغیرہ کو جانے اور آنے والے لوگ کثرت سے وقارآباد ہی سے جاتے آتے ہیں۔ مستقر ضلع محبوب نگر کے لئے گدگ ریلوے اسٹیشن شادنگر سے پختہ سڑک پرگی تک ہے جہاں موٹر سروس جاری ہے۔ اور ایک پختہ سڑک حیدرآباد جماعت نگر سے پرگی۔ کوڑنگل ہوتے ہوئے یادگیر نکالی جا رہی ہے جو پرگی تک تیار بھی ہو چکی ہے۔ موٹروں کی آمد و رفت کے لئے اس سے کافی سہولت ہوگئی ماسوائے اس کے وقارآباد لین پر گروم گوڑہ اسٹیشن پرگی سے ۷ یا ۸ میل پر واقع ہے اور ان پر ہر دو ریلوے اسٹیشنوں سے تعلقہ پرگی کے حدود ملے ہوئے ہیں۔ کندرگ شادنگر سے ۱۲ میل ہونے کے باوجود مستقر تعلقہ کے لئے موزوں تر ہے تو سمجھ میں نہیں آ سکتا ہے کہ قصبہ پرگی کس طرح غیر موزوں ہو سکتا ہے جب کہ اوس سے وقارآباد کہ دگودم گوڑہ علی الترتیب ۱۰ و ۶ میل پر واقع ہے۔

ف۶ ایک پرگی ہی پر کیا موقوف ہے۔ اکثر تعلقات کے مستقر پر سرکاری عمارات نہیں ہیں۔ ایسا لئے عمومًا دفاتر سرکاری کے لئے مکانات کرایہ پر لئے جاتے ہیں۔ یہ کوئی وجہ تبدیل مستقر کی نہیں ہو سکتی۔ پرگی میں تحصیل کے لئے یہ صرفہ زر کثیر پختہ سرکاری عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ صرف بعض غیر اہم اور فضول وجوہ کی بنا پر مستقر تعلقہ پرگی سے بدلکر کندرگ قرار دینے سے گورنمنٹ اس عمارت کو بیکار نہیں کر سکتی یہ کہنا کہ یہ مکان تحصیل مدرسہ کے کام آ سکتا ہے عجیب ہے۔ اگر کوئی شخص تبدیل مستقر کی خواہش میں یہ بیان کرے کہ ایک تحتانیہ اسکول کے لئے اتنی بڑی عمارت دیدی جاوے اور کندرگ مستقر تعلقہ ہونے کے بعد دوسری مکان تحصیل کے لئے تعمیر کیا جاوے یا کرایہ پر لیا جاوے۔ (حالاں کہ وہاں تحصیل کے قابل کوئی مکان ہی نہیں مل سکتا) اور مدرسہ کا موجودہ سرکاری مکان خالی کر دیا جاوے تو اوس کے نسبت بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی غرض ذاتی پر سہولت عامہ اور مفاد سرکاری کو قربان کرنا چاہتا ہے۔

ف۷ تبدیل نام کندرگ کی تحریک بہت مبارک ہے اگر مراسلہ نویس صاحب چاہتے ہیں کہ پرگی کا نام بھی مستقر تعلقہ ہونے کی وجہ سے تبدیلی کے قابل ہے تو میں اور تمام رعایائے تعلقہ نہ صرف تائید ہی کریں گے بلکہ ممکنہ کوشش و پیروی سے منظوری حاصل کرتے ہیں۔ اون کے شریک کار رہیں گے۔ محمد احمد خالدی وکیل ہائیکورٹ گلبرگہ۔

بیرونی خبریں

برطانی وزرا میں ان بن

انگلستان میں تحفظ صنایع کے مسئلہ میں مسٹر نیلن چرچل سر ولیم جائسن ہکس میں مخالفت پیدا ہو گئی ہے اس مسئلہ پر پارلیمینٹ کی تقریروں میں ان دونوں وزرا نے مختلف رایوں کا اظہار کیا۔ ایک ہی وزارت دو وزیروں میں اس قسم کا اختلاف بہت معیوب خیال کیا جاتا ہے اس لیے انگلستان کے مختلف حلقوں میں اس اختلاف پر سخت تنقید کی جا رہی ہے مگر اس تنقید کے جواب میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جب تک مجلس وزارت متحدہ طور پر کوئی فیصلہ نہ کرے اس قسم کے اختلاف آرا معیوب نہیں۔ البتہ وزارت کے متحدہ فیصلہ کے بعد کوئی وزیر خواہ اس فیصلہ سے کتنا ہی اختلاف رکھے مگر وہ عام طور پر اس فیصلہ کے خلاف اپنی رائے نہیں ظاہر کر سکتا۔

دو نئے گورنر

صوبہ جات متحدہ کے گورنر سر الگزنڈر مڈیمن کے انتقال کی وجہ صوبہ متحدہ کی گورنری خالی تھی اور اس پر چھیتاری کے نواب صاحب عبوری کام کر رہے تھے حکومت نے مستقل انتظام یہ کیا ہے کہ صوبہ جات متحدہ کی گورنری پر پنجاب کے گورنر سر مالکم ہیلی کا تقرر کیا اور پنجاب کی گورنری سر جیوفری دی مونٹ مورنسی کو دی گئی۔

بنگلور کے طلبا کی ہڑتال

بنگلور کے ایک مدرسہ میں ایک خاص مخصوص مقام سے گنپتی کا بت ہٹایا گیا اور دوسرے مقام پر رکھا گیا اس پر وہاں کے طلبا میں برہمی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے ہڑتال کر دی۔ آہستہ آہستہ اس ناراضی نے اہم شکل اختیار کی جس کی وجہ وہاں کی کوتوالی نے ہڑتال کے تین لیڈروں کو گرفتار کر لیا اس گرفتاری پر طلبا میں اور برہمی پیدا ہو گئی اور پولیس سے لیڈروں کی رہائی سے متعلق متعدد بار درخواست کرنے اور پولیس کے انکار پر صورت حال بہت خطرناک ہو گئی طلبا نے غصہ اور جوش میں پولیس پر پتھر برسانے شروع کیے اس پر پولیس کو مجبوراً بندوقیں چلانی پڑیں دونوں فریق کا بہت نقصان ہوا مگر کسی جان کے ضایع ہونے کی اطلاع نہیں ملی۔ شہر کے راستے بند ہو گئے اور انتظام کے لیے فوج کی مدد طلب کرنی پڑی۔

بمبئی کے گرنیوں کی ہڑتال

بمبئی کے گرنیوں میں کئی دن سے ہڑتال ہے مگر اب تک کوئی تصفیہ کی صورت نہیں پیدا ہوئی اب مالکان کارخانہ جات نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ جلد گرنیوں کا کام شروع کر دیں گے۔

بمبئی اور سائمن کمیشن

بمبئی لیجسلیٹو کونسل نے پونا کے اجلاس میں طے کیا کہ سائمن کمیشن سے تعاون کرنے اور اس کو مدد دینے کے لیے ایک کمیٹی منتخب کی جائے اگرچہ اس بحث پر سخت مباحثہ ہوا اور قوم پرستوں نے اس کی سخت مخالفت کی آرا کے شمار کے وقت تحریک کی موافقت میں (۶۴) رائیں آئیں اور بائیکاٹ کے لیے (۴۰)

ترکی میں لاطینی حروف کی ترویج

اس سے پہلے یہ اطلاع شایع ہو چکی تھی کہ ترکی میں اب عربی رسم الخط کے بجائے لاطینی رسم الخط کے رواج دینے کا خیال پیدا ہو چلا ہے۔

چنانچہ لاطینی ہندسوں کا رواج شروع ہو چکا ہے۔ حروف کے رواج کے لیے سرکاری منظوری زیر غور تھی اب غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے لاطینی حروف کی منظوری دے دی ہے اس عرصہ میں عہدہ داروں نے یہ طے کر لیا ہے کہ تمام اعلیٰ درجہ کی کتابوں کو لاطینی حروف میں شایع کرنے کے عظیم الشان کام کو اپنے ذمہ لے لیں۔

مشہور ناول نگار کی موت

لوئیس ٹریسی کا انتقال

مشہور جریدہ نگار اور ناول نویس مسٹر لوئیس ٹریسی نے ۱۳ اگسٹ کو وفات پائی مسٹر ٹریسی کی ولادت لورپول میں ۱۸۶۳ء میں ہوئی تھی تعلیم و تربیت یارک شایر اور فرانس میں ہوئی اکیس سال کی عمر میں انہوں نے ٹائمز آف انڈیا کی ادارت میں شریک کیے گئے اور کچھ عرصہ وہاں کام کرنے کے بعد ۱۸۸۸ء میں وہ ہندوستان آئے اور چار سال تک الہ آباد میں قیام کیا اس کے بعد وہ امریکہ گئے۔ انہوں نے تقریباً تمام ہندوستان کی سیاحت کی تھی۔ جنگ کے زمانہ میں وہ برطانی محکمہ جنگی سے متعلق ہو گئے تھے جہاں وہ محکمۂ اطلاعات کے ناظم بنائے گئے جنگ کے بعد وہ لندن کے مشہور اخبار ٹائمز اور ڈیلی میل کے مجلس ادارت میں کام کرتے رہے اور اس کے بعد ولیٹ منسٹر ایبے ریسٹوریشن فنڈ کے ممبر بنائے گئے اس حیثیت میں انہوں نے امریکہ میں بہت سا چندہ جمع کیا۔

جریدہ نگاری اور مختلف کاموں کے علاوہ انہوں نے بہت سے ناول لکھے جن میں "معجزہ سوم" "گردش قسمت" وغیرہ ناول تمام دنیا میں مشہور ہیں۔

موصل کے تیل کے چشمے

موصل کے تیل کے چشموں پر آج کل ٹرکش پٹرولیم کمپنی کام کر رہی ہے اس کے متعلق تحسین پاشا کے ورثا نے دعویٰ کیا کہ وہ چشمے ان کی ملکیت ہیں لیکن ترکی عدالت سے وہ دعویٰ نامنظور ہوا اور چشمے حسب حال کمپنی ہی کے قبضہ میں رہیں گے۔

دہلی کے ایک جج کی توہین

دہلی ۷ اگسٹ عدالت میں سوامی بھوانند پر کسی کو زد و کوب کرنے کے الزام میں تعزیرات کے دفعہ ۳۲۴ کے تحت مقدمہ چلایا جا رہا ہے سوامی بھوانند نے عدالت کے کمرہ میں سوہت سنگھ مجسٹریٹ کے چہرہ پر جن کے اجلاس پر مقدمہ دایر تھا تھوک دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملزم کو جو خود اپنی پیروی آپ کر رہا تھا متواتر متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ صرف امور تنقیح طلب کے جوابات دے باوجود اس کے وہ غیر متعلق بحث کرتا رہا آخر کار مجسٹریٹ نے اس سے کہا کہ اس پر توہین عدالت کا دعویٰ دایر کیا جائے گا اس پر ملزم نے جج کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور یہ بھی کہا کہ جج بے ایمان ہے جج نے ملزم کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔

جب پولیس اس کی گرفتاری میں مصروف تھی وہ آگے جھک کر جج کے منہ پر تھوک کر دو تھپڑ بھی لگائے مسٹر دیوراج انسپکٹر پولیس جج کی شکایت پر ملزم کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں لے گیا اور اس نے مقدمہ اڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر اینڈرسن کے پاس منتقل کر دیا۔

چغتائی کا دیوان غالب

مشہور آرٹسٹ عبدالرحمن صاحب چغتائی کی کتاب دیوان غالب کو حضرت سلطان العلوم خسرو دکن نے اپنے اسم مبارک سے معنون کرنے اور سجانب سرکار کتاب کے ۱۰ نسخے خریدنے کی منظوری صادر فرمائی ایک نسخے کی قیمت سو روپیے کلدار ہے۔

حسن کارگزاری

نرسنگ راؤ صاحب مددگار ناظم تعلیمات کی حسن کارگزاری کے لحاظ سے حسب الحکم صدر اعظم بہادر ان کی ماہوار میں بطور خاص ماہانہ ساٹھ روپیے کا اضافہ منظور کیا گیا۔

تیج - ڈبلیو شاکراس

شاکراس صاحب صدر جاگیردار کالج ۲۶ آبان ۱۳۴۷ف کو وظیفہ پر علیحدہ ہوں گے ان کے نام پانسو روپیے چار آنہ وظیفہ منظور ہوا ہے۔

شاکراس صاحب سررشتہ تعلیمات میں ایک نہایت تجربہ کار صدر مدرس ثابت ہوئے انہوں نے تقریباً (۳۵) سال درس و تدریس میں صرف کیے۔ مدرسہ فوقانیہ چادرگھاٹ کی تعلیم و اصلاح میں صاحب ممدوح کا خاص حصہ ہے۔

صدر اورنگ آباد کالج

مولوی عبدالحق صاحب بی اے صدر اورنگ آباد کالج و معتمد انجمن ترقی اردو کی مدت ملازمت ختم ہو چکی ہے اور وہ وظیفہ پر علیحدہ ہونے والے تھے لیکن صدر اعظم بہادر کے حکم سے ان کا جائزہ ملتوی کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ مولوی صاحب کی مدت ملازمت میں توسیع کی کارروائی جاری ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کالج میں تعزیتی جلسہ

سنا گیا کہ مولوی سید وحید الدین سلیم مرحوم پروفیسر اردو کے پر ملال انتقال پر عثمانیہ یونیورسٹی کالج میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا مرحوم کے انتقال پر اظہار رنج و افسوس کیا گیا اور جلسہ کی قرارداد بعض اخباروں کو بغرض اشاعت روانہ کی گئی۔

سزائے موت کا اجرا

چند سال سے ہماری ریاست میں سزائے قتل موقوف کر دیا گیا تھا اور سزائے قتل حبس دوام سے بدل دی جاتی تھی لیکن تجربہ سے ثابت ہوا کہ اس رعایت سے کافی عبرت نہیں ہوتی اس لیے واقعات قتل عمد کثرت سے ہونے لگے اس بنا پر صیغہ عدالت نے بیشگاہ خسروی میں معروضہ گزرانا کہ سزائے قتل پھر جاری کر دی جائے چنانچہ مذکورہ بالا وجوہ کے ساتھ حکم قضا شیم صادر ہوا کہ سزائے موت حسب سابق مفتی کے فتوے سے دی جایا کرے۔

ڈاکٹر سراج یار جنگ بہادر

ڈاکٹر نواب سراج یار جنگ بہادر ایل ایل ڈی رکن عدالت العالیہ کی مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع منظور ہوئی۔

لالہ گوڑہ میں ریلوے مزدوروں کی ہڑتال

نظام اسٹیٹ ریلوے کے ورکشاپ واقع لالہ گوڑہ سکندرآباد میں تقریباً تین ہزار مزدوروں نے ہڑتال کر دی ہے۔ انہوں نے اپنے ایک جلسہ میں قرار داد منظور کی کہ وہ تین دن تک کام نہیں کریں گے اگر اس مدت میں ان کے مطالبات پورے ہو جائیں بہتر ورنہ وہ اعلیٰ عہدہ داروں کو اس معاملہ میں متوجہ کریں گے ان کی سب سے اہم شکایت یہ ہے کہ اگر وہ چند منٹ بھی دیر سے کارخانہ میں جاتے ہیں تو تمام دن کی مزدوری جرمانہ میں وضع کر لی جاتی ہے۔

مزدوروں کے لیڈر اس ہڑتال کی فوری [illegible] یہ بتاتے ہیں کہ ایک فورمن نے تین مزدوروں پر حملہ کیا جس پر ان مزدوروں نے افسروں کو درخواست دی لیکن افسروں نے اس پر کوئی توجہ نہ کی جس پر مزدور ناراض ہو گئے اور اس کو اس ہڑتال کی [illegible] میں ظاہر کیا۔

مزدوروں نے اپنے مطالبات حسب ذیل [illegible] میں ترتیب دئے ہیں:—

(۱) روزانہ اجرت کے طریقہ کی جگہ گھنٹوں کی اجرت کا طریقہ رائج کیا جائے۔

(۲) سرکاری تعطیلوں کے دن تعطیل مع پوری تنخواہ کے دی جائے۔

(۳) ترقی کے موجودہ گریڈ کو بند کر دیا جائے۔

(۴) تنخواہیں حالی سکہ کی جگہ کلدار سکوں میں دی جائیں۔

(۵) مزدوروں کی خاص ریل گاڑیاں بغیر کرایہ کے (۲۵) میل تک چلائی جائیں۔

(۶) سال میں (۱۵) دن رخصت اتفاقی دی جایا کرے۔

(۷) الاونس جنگ جو واجب الادا ہے ادا کیا جائے۔ (۸) ہڑتال کے ایام کی تنخواہ دی جائے (۹) دوسرے ریلوے لائنوں پر سفر کرنے کے لیے فری پاس [illegible]

ڈاکٹر ہارڈویکر

عثمانیہ میڈیکل کالج کی حفظان صحت [illegible] ڈاکٹر ہارڈویکر [illegible] مقرر کیے گئے ہیں [illegible] عثمانیہ [illegible] میں کام کر رہے تھے۔

دکن کی صحافت میں ایک نئے اخبار کا اجرا

روزنامہ صبح دکن

زیر ادارت

مولوی احمد عارف صاحب

بہترین انشا اور معقول سرمایہ کے ساتھ ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۵۰ھ م ۲۱ [illegible] ۱۳۴۰ف سے جاری ہو جائے گا قیمت سالانہ بلدہ سے (عہ) بیرون بلدہ سے (معہ) المشتہر منیجر صبح دکن حیدرآباد دکن۔

مشتہرین کیلئے مژدہ جانفزا

پیغام صلح کا آخری نبی نمبر کثیر تعداد میں اگست کے چوتھے ہفتہ میں چھپے گا جو تقریباً **دو لاکھ** ہاتھوں میں پہنچے گا۔ غیر معمولی ضخامت اور تمام ظاہری و باطنی خوبیوں کے باوجود اس کی قیمت ۲ رہوگی۔ اس لئے اس کی اشاعت لازماً وسیع پیمانہ پر ہوگی۔ یہ نمبر ہندوستان کے گوشہ گوشہ کے علاوہ یورپ افریقہ امریکہ اور ممالک اسلامیہ میں بکثرت جائیگا۔ اس نمبر میں جن مشتہرین کے اشتہارات شائع ہوں گے وہ ساری دنیا میں مشہور ہو جائیں گے۔ ملک کے کونے کونے سے ان کو آرڈر آئیں گے۔ نتیجہ ان کو خود بتائیگا کہ انہوں نے کیا خرچ کیا اور کیا پایا۔ البتہ ایسے زریں موقعے روز روز میسر نہیں آیا کرتے۔ نرخنامہ حسب ذیل ہے۔

پورا صفحہ (۴ کالم) ۳۵ روپے۔ ۲ کالم ۱۸ روپے۔ ۱ کالم ۱۰ روپے ½ کالم ۵ روپے ¼ کالم تین روپے۔

نوٹ (۱) یہ اجرت رعایتی ہے اس میں مزید رعایت کی گنجائش نہیں (۲) تمام اشتہارات ۲۰ اگست تک دفتر میں معہ اجرت پہنچ جانے چاہئیں۔ (۳) ٹائیٹل پیج کے صفحہ ۲-۳-۴ کے لئے شرح اجرت الگ ہے جو بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے۔

آخری نبی کی قیمت فی پرچہ ۲، ر مع محصول ہے۔ دس سے زیادہ کے خریداروں اور ایجنٹوں کو دس روپے سینکڑہ دعلاوہ محصول دیا جائے گا۔

منیجر پیغام صلح لاہور

نوٹس بابتہ تقرر تاریخ پیشی

عدالت اڈیشنل جج پرانت مالوہ اوجین

نمبر مقدمہ ۶۵/۴۸ متفرقات دیوانی۔

رام چندر ولد بالمکند قوم مہاجن مہیری ساکن اوجین کارخانہ جونا پریس عذرداراں سائل۔ بنام

(۱) مانک لال۔ اندر لال قوم مہاجن مہیری ساکن اندور محلہ سیتلا ماتا کا بازار۔ (۲) جے نراین ولد جے گوپال داس قوم مہاجن مہیری ساکن حال نظام آباد علاقہ حیدرآباد دکن مسئولان۔

درخواست تجویز ثانی زیر دفعہ ۱۳ ہم ۵ ضابطہ دیوانی گرالیار بنا راضی حکم ۳/۴۸ بمقدمہ عذرداری۔ بنام جے نراین ولد جے گوپال داس قوم مہاجن مہیری ساکن حال نظام آباد تا حیدرآباد دکن۔ مقدمہ مندرجہ عنوان میں بحکم امروزہ تاریخ پیشی ۲۲ ۸/۴۸ مقرر کی گئی ہے لہذا بذریعہ نوٹس ہذا تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت مختار خود حسب ضابطہ کے تاریخ مقررہ پر وقت اٹھ بجے حاضر عدالت ہو کر پیروی مقدمہ کرو ورنہ مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں سماعت انفصال ہوگا۔ آج تاریخ ۱۶ ماہ جون ۱۹۳۱ء کو میرے دستخط اور مہر عدالت کی مہر سے جاری کیا گیا۔

دستخط گنیش رامچندر دیو اڈیشنل جج پرانت مالوہ اوجین۔

اہل جرمن کی حیرت انگیز کاریگری

کیمیکل گولڈ سونے کی چوڑیاں

اہل ولایت نے جہاں عجیب و غریب چیزیں ایجاد کی ہیں وہاں یہ کیمیکل گولڈ کی چوڑیاں بھی اس قدر نفیس بنائی ہیں کہ انکی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے یہ چوڑیاں ایک خاص قسم کی بنائی گئی ہیں ان پر نہایت عمدہ خوشنما بیل بوٹے کا کام کیا گیا ہے ان پہننے سے گوری گوری اور نازک کلائی پر اس قدر خوبصورت معلوم ہوتی ہیں کہ دیکھنے والوں کا دل حسین ہوتا ہے شکل سونے کی دکھتی رہیں گی کالی نہیں پڑتی۔ زنگ نہیں لگتا پانچسو روپے کی چوڑیاں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں بنگال اور دکن کے رئیس طبقہ کی عورتوں نے بہت پسند کی ہیں قیمت فی سٹ جس میں ۱۲ چوڑیاں ہیں ۳ روپیہ ۳ سٹ کے خریدار کو ایک سٹ انعام ناپ آرڈر کے ہمراہ روانہ کریں۔ ملنے کا پتہ ملاپ بنارس نمبر ۴۱ مستھرا یوپی۔

نظام گزٹ

ہفتہ وار

جلد ۱

سرکار سے سالانہ چوبیس روپیہ — امراء و رؤساء سے سالانہ پندرہ روپیہ

ہندوستان کے لئے مع محصول ڈاک

سالانہ	ے	سہ ماہی	عاں
ششماہی	ۓ	فی پرچہ	۲/۶/م

ہندوستان سے باہر کے لئے

سالانہ	پندرہ شلنگ
ششماہی	آٹھ شلنگ
سہ ماہی	چار شلنگ چھ پنس

(۱) انتظامی امور اور ارسال زر کے لئے منتظم اخبار کو مخاطب فرمائیے
(۲) صرف مضامین مدیر کے نام روانہ فرمائے جائیں۔
(۳) خط و کتابت میں نشان خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔
(۴) اگر پرچہ نہ ملے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع فرمائیے۔
(۵) نظام گزٹ تقریباً (۱۶) صفحے کا ہوا کرے گا اور کبھی کبھی تصویریں بھی شایع ہونگی۔

منتظم نظام گزٹ

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ نے اپنے اعظم اسٹیم پریس واقع چارمینار حیدرآباد دکن میں طبع کیا و دفتر نظام گزٹ واقع شاہ فتح میدان نزد کچہ سے شایع ہوا